مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں
ترتیب دی جانیوالی عظیم تفسیر
دور حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق

جلد ۷

جدید گلدستۂ تفاسیر

سورۃ الرحمٰن تا سورۃ الناس

مُرتّب حضرۃ مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی دامت برکاتہم العالی
مسترشد خاص
شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالغفور عباسی المدنی نور اللہ مرقدہ

پسند فرمودہ

حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ
حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ
حضرت مولانا قاری محمد عثمان نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند
حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالی
مفسر قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری مدظلہ
حضرت مولانا محمد موسیٰ کرماڈی مدظلہ العالی

اوّل مکمل تفسیر عثمانی
تفسیر مظہری
تفسیر عزیزی
تفسیر ابن کثیر
معارف القرآن
حضرت مولانا مفتی اعظم رحمہ اللہ
معارف القرآن
حضرت مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ
تفسیر میرٹھی
مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

تفسیری افادات و نکات

حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمہ اللہ
مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ
حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ
حضرت علامہ الزماں شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

گلدستہ تفاسیر

تاریخ اشاعت .... محرم الحرام ۱۴۲۸ھ

ناشر .... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت .... سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہوسکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ.... چوک فوارہ.... ملتان
اسلامی کتاب گھر... خیابان سرسید روڈ... راولپنڈی
ادارہ اسلامیات........ انارکلی........ لاہور
دارالاشاعت........ اُردو بازار........ کراچی
مکتبہ سید احمد شہید........ اردو بازار........ لاہور
مکتبۃ القرآن........ نیوٹاؤن........ کراچی
مکتبہ رحمانیہ........ اُردو بازار .... لاہور
مکتبہ دارالاخلاص.... قصہ خوانی بازار........ پشاور
مکتبہ رشیدیہ........ سرکی روڈ................ کوئٹہ

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

فہرست عنوانات

سورۃ الرحمن تا سورۃ الناس

فہرست
چودہ سو سالہ مفسرین کرام

نویں صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

دسویں صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

گیارہویں صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

گلدستۂ تفاسیر

جلد-۷

سُوْرَۃُ الرَّحْمٰن
تا
سُوْرَۃُ النَّاس

گلدستہ تفاسیر جلد ۷

سورۃ الرحمٰن مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی اٹھہتر (۷۸) آیتیں ہیں اور تین رکوع

جس شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ یہ سورۃ پڑھ رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ دنیا میں نعمت اور آخرت میں رحمت پائے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سبب نزول: اَلرَّحْمٰنُ۔ کافروں نے کہا تھا رحمٰن کیا چیز ہے (ہم نہیں جانتے) اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا رحمٰن وہی (اللہ) ہے جو آغازِ آفرینش سے انتہاء ابد تک تمام دنیوی اور اخروی نعمتیں عطاء کرنے والا ہے۔

سب سے پہلے قرآن کے ذکر کی حکمت

قرآن مجید تمام دینی نعمتوں کی اصل اور سب سے بڑی نعمت ہے۔ انسان کی فلاح دارین اسی سے وابستہ ہے۔ اسی لئے تمام نعمتوں سے پہلے تعلیم قرآن کا ذکر کیا اس کے بعد تخلیق انسان کو بیان کیا گویا یہ اشارہ ہے اس امر کی جانب کہ انسان کو پیدا کرنے کی اصل غایت تعلیم قرآن ہی ہے اور اسی غرض سے انسان کو قوت بیانیہ عطا کی اور اظہار مدعا کی تعلیم دی۔

اکتیس مرتبہ نعمتوں کی یاددہانی: اللہ کی نعمتوں سے منحرف تھے۔ اسی لئے اس سورت میں ۳۱ مرتبہ اللہ کی نعمتوں کی یاددہانی کی جس کا مقصد ہے تنبیہ اور توبیخ کرنا کفران نعمت پر عذاب کی وعید بھی دی تاکہ انکارِ نعمت سے باز آجائیں اور وعدۂ نعمت اور ثواب کے بعد نعمتوں کا ذکر کیا تاکہ موجودہ نعمتوں کا شکر کریں اور آئندہ نعمتوں کی امید رکھیں۔

بعض علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ کفار کہتے کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سکھا دیتا ہے۔ یہ خدا کا کلام نہیں ہے اس کی تردید میں اس نے فرمایا اللہ کا کلام نہیں ہے کوئی انسان ایسا اعجازی کلام نہیں بنا سکتا، بلکہ یہ کلام اسی رحمٰن کا ہے۔ اسی کی رحمت کا تقاضا ہے کہ اس نے تمام نعمتیں انسان کو عطا کی ہیں اور ان نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت قرآن ہے پس اسی نے قرآن کی تعلیم دی ہے۔ (تفسیر مظہری)

سورۂ رحمٰن مکی ہے امام قرطبیؒ نے چند روایات حدیث کی وجہ سے مکی ہونے کو ترجیح دی ہے۔ ترمذی میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کے سامنے سورۂ رحمٰن پوری تلاوت فرمائی۔ یہ لوگ سنکر خاموش رہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے لیلۃ الجن میں جنات کے سامنے یہ سورت تلاوت کی تو اثر قبول کرنے کے اعتبار سے وہ تم سے بہتر رہے۔ کیونکہ جب میں قرآن کے اس جملے پر پہنچتا تھا (فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ) تو جنات سب کے سب بول اُٹھتے تھے (لا بِشَیْءٍ مِّنْ نِعَمِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَکَ الْحَمْدُ) "یعنی اے ہمارے پروردگار! ہم آپ کی کسی بھی نعمت کے تکذیب و ناشکری نہ کریں گے آپ ہی کے لئے حمد ہے"۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ سورت مکی ہے، کیونکہ لیلۃ الجن وہ رات جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو تبلیغ و تعلیم فرمائی مکہ مکرمہ میں ہوئی ہے۔

لفظ رحمٰن کے تکرار کی حکمت: اسی طرح کی اور بھی چند روایات قرطبی نے نقل کی ہیں جن سے اس سورت کا مکی ہونا معلوم ہوتا ہے اس سورت کو لفظ رحمٰن سے شروع کیا گیا اس میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ کفار مکہ اللہ تعالیٰ کے لئے اسی قسم کے تکرار کا نام تردید بتلایا ہے، وہ فصحاء و بلغاء عرب کے کلام میں مستحسن اور شیریں سمجھا گیا ہے، نثر اور نظم دونوں میں استعمال ہوتا ہے، اور صرف عربی نہیں، فارسی، اردو وغیرہ زبانوں کے مسلّم شعراء کے کلام میں بھی اس کی نظائر پائی جاتی ہیں۔ یہ موقع اس کو جمع کرنے کا نہیں، تفسیر روح المعانی وغیرہ میں اس جگہ متعدد نظائر بھی نقل کئے ہیں۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آگے جو کام رحمٰن کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی تعلیم قرآن، اس میں یہ بھی بتلا دیا گیا کہ اس تعلیم قرآن کا مقتضی اور سبب داعی صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، ورنہ اس کے ذمہ کوئی کام واجب و ضروری نہیں، جس کا اس سے سوال کیا جا سکے، اور نہ وہ کسی کا محتاج ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

سورہ رحمٰن کا حسن اور معجزانہ بلاغت

سورۃ الرحمٰن کے کلمات کی عظمت و خوبی اور ان کا حسن و بلاغت ہر سننے والے کو بدیہی طور پر محسوس ہوتا ہے۔ اس سورت کا حسن و زینت اور معجزانہ بلاغت ایسی واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ لِکُلِّ شیءٍ عُرُوْسًا وَعروسِ القرآن الرحمٰن کی ہر چیز کی ایک زینت وخوبصورتی ہوتی ہے۔ جو اپنی خوبصورتی سے دلہن نظر آتی ہے اور قرآن کریم کی عروس سورۃ الرحمٰن ہے۔

ابتداء سورت میں حق تعالیٰ شانہٗ کی ایسی عظیم الشان اور ظاہر و باہر نعمتوں کا ذکر ہے کہ انسانی فکر انکی عظمت کا اندازہ کرنے سے بھی قاصر ہے انسانی تخلیق اور اس میں ودیعت رکھے ہوئے کمال نطق و گویائی علم و فہم کے ذکر کے بعد شمس و قمر۔ نجم و شجر ارض و سما جیسے عظیم قدرت خداوندی کے نمونے بیان کرتے ہوئے کائنات کی ہر چیز کو پروردگار عالم کے سامنے مطیع و فرماں بردار ہونا بیان کیا۔ اور نظام عالم کا اسی کے فرمان کے مطابق قائم و جاری رہنا بیان فرمایا اسی کے ساتھ حق تعالیٰ نے اپنی صفات الوہیت اور عظمت و کبریائی کا ذکر فرمایا اور یہ کہ انسانی سعادت کا تقاضا ہے کہ اپنے رب کی اطاعت کرے اس کی نافرمانی شقاوت و بدنصیبی ہے اور انسان کو اپنے اعمال کی جزاء و سزا سے غافل نہ ہونا چاہئے۔ اس ضمن میں یہ بھی فرما دیا گیا کہ مطیعین پر

انعام و کرم کس طرح ہوگا اور مجرمین کیسے کیسے ہولناک عذاب و شدائد میں مبتلا ہوں گے اور انکی ذلت و رسوائی کیسی ہوگی۔ (معارف کاندھلوی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾

رحمٰن نے سکھلایا قرآن ☆

سب سے اونچی نعمت:

جو اس کے عطایا میں سب سے بڑا عطیہ اور اس کی نعمتوں میں سب سے اونچی نعمت و رحمت ہے۔ انسان کی بساط اور اس کے ظرف پر خیال کرو اور علم قرآن کے اس دریائے ناپیدا کنار کو دیکھو' بلاشبہ ایسی ضعیف البنیان ہستی کو آسمانوں اور پہاڑوں سے زیادہ بھاری چیز کا حامل بنا دینا رحمان ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ ورنہ کہاں بشر اور کہاں خدا کا کلام۔ (تنبیہ) سورۃ النجم میں فرمایا تھا عَلَّمَہٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ، یہاں کھول دیا کہ قرآن کا اصلی معلم اللہ ہے گو فرشتہ کے توسط سے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾

بنایا آدمی پھر سکھلایا اُس کو بات کرنا ☆

نعمتوں کی جڑ "ایجاد" (وجود عطا فرمانا) اللہ کی بڑی نعمت بلکہ نعمتوں کی جڑ ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایجاد ذات اور ایجاد صفت۔ تو اللہ تعالیٰ نے آدمی کی ذات کو پیدا کیا اور اس میں علم بیان کی صفت بھی رکھی۔ یعنی قدرت دی کہ اپنے مافی الضمیر کو نہایت صفائی اور حسن و خوبی سے ادا کر سکے اور دوسروں کی بات سمجھ سکے۔ اسی صفت کے ذریعہ سے وہ قرآن سیکھتا سکھاتا ہے اور خیر و شر' ہدایت و ضلالت' ایمان و کفر اور دنیا و آخرت کی باتوں کو واضح طور پر سمجھتا اور سمجھاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

الانسان اور البیان سے کیا مراد ہے

حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؒ کے نزدیک الانسان سے مراد آدمؑ ہیں اللہ نے حضرت آدمؑ کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے تھے آپ سات لاکھ زبانیں جن میں سے سب سے افضل و اعلیٰ عربی زبان تھی جانتے تھے ابو العالیہ اور حسن نے کہا الانسان سے جنس انسان مراد ہے۔ اللہ نے انسان کو بولنا لکھنا سمجھنا سمجھانا (اور فہم و ادراک) عطا کیا کہ وہ دوسرے جانوروں سے ممتاز ہو گیا اور وحی کو برداشت کرنے اور حامل قرآن بننے کے قابل ہو گیا۔ سدی نے کہا اللہ نے ہر قوم کو اس کی زبان سکھا دی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الانسان سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور البیان سے مراد قرآن ہو۔ قرآن تمام لوگوں کے لئے راہ نما اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی واضح دلیل ہے اس میں ازل سے ابد تک تمام چیزوں کا بیان ہے اور اس کا بیان گزشتہ پیغمبروں کے بیان کے موافق بھی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۙ﴿۵﴾

سورج اور چاند کے لئے ایک حساب ہے ☆

چاند و سورج کا نظام: یعنی دونوں کا طلوع و غروب' گھٹنا بڑھنا' یا ایک حالت پر قائم رہنا پھر ان کے ذریعہ سے فصول و مواسم کا بدلنا اور سفلیات پر مختلف طرح سے اثر ڈالنا یہ سب کچھ ایک خاص حساب اور ضابطہ اور مضبوط نظام کے ماتحت ہے۔ مجال نہیں کہ اس کے دائرہ سے باہر قدم رکھ سکیں۔ اور اپنے مالک و خالق کے دیئے ہوئے احکام سے روگردانی کر سکیں۔ اس نے اپنے بندوں کی جو خدمات ان دونوں کے سپرد کر دی ہیں ان میں کوتاہی نہیں کر سکتے۔ ہمہ وقت ہماری خدمت میں مشغول ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ﴿۶﴾

اور جھاڑ اور درخت مشغول ہیں سجدہ میں ☆

زمینی مخلوق کی اطاعت: یعنی علویات کی طرح سفلیات بھی اپنے مالک کی مطیع و منقاد ہیں۔ چھوٹے جھاڑ' زمین پر پھیلی ہوئی بیلیں اور اونچے درخت سب اس کے حکم تکوینی کے سامنے سربسجود ہیں۔ بندے ان کو اپنے کام میں لائیں تو انکار نہیں کر سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

النَّجْمُ۔ بیل والا پودا جو زمین میں پھیلتا ہے اور اس کا کھڑا ہونے والا تنہ نہیں ہوتا۔

الشَّجَرُ۔ تنہ والا درخت جو موسم سرما میں باقی رہتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

نجم اور شجر کی تفسیر

ابن جریرؒ بیان کرتے ہیں کہ نجم و شجر کی تفسیر میں ائمہ تفسیر کے مختلف اور متعدد اقوال منقول ہیں۔ یہ بات تو تمام ائمہ لغت اور تفسیر کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ شجر بمعنی درخت ہے جو اپنے تنے پر قائم اور زمین سے بلند ہو۔ نجم کے بارہ میں ابن ابی طلحہ۔ عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ سبزہ جو زمین پر پھیلا ہوا ہو یا جس میں ہر طرف سبزہ اور وہ بیلیں جو زمین پر پھیلی ہوئی ہوں داخل ہیں۔

تکوینی طور پر وہ اللہ کے حکم کے سامنے مطیع و فرمانبردار ہیں تو اسی طرح سفلیات اور عالم ارضی میں ہر سبزہ اور درخت بھی اپنے مالک اللہ رب العزت کے سامنے مطیع و فرمانبردار۔ چھوٹے جھاڑ۔ زمین پر پھیلی ہوئی بیلیں ہوں یا

قد آور درخت ہر ایک اللہ کے سامنے سرنگوں ہے جیسا کہ آیت مبارکہ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ (معارف کاندھلوی)

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝۷

اور آسمان کو اونچا کیا اور رکھی ترازو

اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝۸ وَاَقِيْمُوا

کہ زیادتی نہ کرو ترازو میں اور سیدھی

الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝۹

ترازو تو لو انصاف سے اور مت گھٹاؤ تول کو ☆

وضع میزان ☆ اوپر سے دو دو چیزوں کے جوڑے بیان ہوتے چلے آرہے تھے یہاں بھی آسمان کی بلندی کے ساتھ آگے زمین کی پستی کا ذکر ہے۔ درمیان میں میزان (ترازو) کا ذکر شاید اس لئے ہو کہ عموماً ترازو کو تولتے وقت آسمان و زمین کے درمیان معلق رکھنا پڑتا ہے۔ یہ اس تقدیر پر ہے کہ میزان سے مراد ظاہری اور حسی ترازو ہو۔ چونکہ اس کے ساتھ بہت سے معاملات کی درستی اور حقوق کی حفاظت وابستہ تھی۔ اس لئے ہدایت فرما دی کہ وضع میزان کی یہ غرض جب ہی حاصل ہوسکتی ہے کہ نہ لیتے وقت زیادہ تولو نہ دیتے وقت کم ترازو کے دونوں پلے اور باٹ بٹی میں کمی بیشی نہ ہو۔ نہ تولتے وقت ڈنڈی ماری جائے بلکہ بدون کمی بیشی کے دیانتداری کے ساتھ بالکل ٹھیک تولا جائے۔ (تنبیہ) اکثر سلف نے وضع میزان سے اس جگہ عدل کا قائم کرنا مراد لیا ہے۔ یعنی اللہ نے آسمان سے زمین تک ہر چیز کو حق و عدل کی بنیاد پر اعلیٰ درجہ کے توازن و تناسب کے ساتھ قائم کیا ہے۔ اگر عدل و حق ملحوظ نہ رہے تو کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ بندے بھی عدل و حق کے جادہ پر مستقیم رہیں اور انصاف کی ترازو کو اٹھنے یا جھکنے نہ دیں نہ کسی پر زیادتی کریں نہ کسی کا حق دبائیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ عدل ہی سے زمین و آسمان قائم ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ۔ تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو۔

اَنْ مصدریہ ہے **لا تطغوا** مضارع منفی ہے یعنی اللہ نے میزان قائم کر دی تاکہ تم لوگ حق سے تجاوز نہ کرو۔ میزان کو قائم رکھو کوئی کسی کی حق تلفی نہ کرے۔ یا ان مفسرہ ہے اور **لا تطغوا** صیغۂ نہی ہے۔ یعنی اللہ نے حکم دیا ہے کہ تم وزن میں حق سے تجاوز نہ کرو۔

ناپ تول کے مسائل

(۱) زید نے کوئی چیز ناپ تول کر کے خرید لی پھر بکر کے ہاتھ وہ چیز ناپ تول کر فروخت کر دی اس صورت میں بکر پر لازم ہے کہ اگر وہ اس چیز کو خالد کے ہاتھ فروخت کرنا یا خود استعمال کرنا چاہتا ہے تو خود ناپ تول کر بیچے یا ناپ تول کر اپنے استعمال میں لائے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ زید نے ناپ تول میں بھولے سے کچھ زیادتی کر دی اور اس زیادتی کا مالک بکر تو ہو نہیں سکتا وہ زیادہ مال زید ہی کا ہے اور غیر کے مال میں تصرف حرام ہے۔ جس سے پرہیز لازم ہے۔

(۲) جب تک غلہ کی ناپ دو پیمانوں سے نہ ہو جائے ایک پیمانہ بیچنے والے کا اور دوسرا ناپ کر خریدنے والے کا اس وقت تک مشتری کے لئے کسی کے ہاتھ اس غلہ کو فروخت کرنا جائز نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا ہے رواہ ابن ماجۃ۔

عبدالرزاق نے یحییٰ بن کثیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت حکیم بن حزام باہم چھواروں کی خرید و فروخت کر کے اور بوریوں میں بھر دیتے تھے پھر اسی ناپ کو یوں ہی بھرا ہوا کسی تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرما دی تاوقتیکہ تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرتے وقت بائع ناپ تول کر نہ دے۔ (یوں ہی بوریوں میں بھرا ہوا غلہ وغیرہ بیچنا جائز نہیں)۔

(۳) فروخت کے وقت سے پہلے اگر فروخت کرنے والے نے غلہ وغیرہ ناپ تول کر رکھ لیا تو خواہ خریدار کے سامنے ہی ناپا تولا ہو مگر وہ ناپ تول قابل اعتبار نہیں وہ بائع کا ناپ تول (جو فروخت کرنے کے لئے ضروری ہے) نہیں مانا جائے گا اور وہ ناپ تول بھی کافی نہیں سمجھا جائے گا جو خرید فروخت کی گفتگو طے ہو جانے کے بعد خریدار کی غیر موجودگی میں بائع کر کے رکھ لے کیوں کہ فروخت شدہ چیز کو خریدار کے سپرد کرنا ضروری ہے اور سپردگی کے لئے خریدار کے سامنے ناپنا تولنا لازم ہے۔ اگر مشتری کی موجودگی میں بائع نے ناپ تول کر دی تو کیا یہ کیل و وزن کافی ہے یا مشتری کو قبضہ کرنے کے لئے دوبارہ خود ناپ تول کرنی چاہئے حدیث سے بظاہر مؤخر الذکر حکم مستفاد ہو رہا ہے کیونکہ حدیث میں صاع (ناپ تول) بائع اور صاع مشتری دونوں کو ضروری قرار دیا ہے لیکن صحیح ترین فیصلہ یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں خریدار کے سامنے عقد کے وقت بائع کا ناپنا تولنا کافی ہے۔

(۴) زید نے بکر سے بیع سلم کی بکر کو روپیہ دے دیا اور غلہ کی وصولی دو ماہ کے بعد قرار پائی اس صورت میں زید رب السلم (قیمت کا دیوال اور غلہ کا لیوال) ہوا اور بکر مسلم الیہ (قیمت کا لوال اور غلہ کا دوال) ہوا۔ جب دو ماہ گزر گئے تو بکر نے زید کو دینے کے لئے کچھ غلہ خریدا اور خود قبضہ نہیں کیا بلکہ زید سے کہہ دیا کہ تم

خالد سے جا کر غلہ لے لو یہ ناجائز ہے کیوں کہ دونوں اوصاف زید میں جمع ہو گئے ایک تو ناپ تول اس لئے ہونا چاہئے کہ بکر نے خالد سے غلہ خریدا ہے دوسری ناپ تول اس لئے ضروری ہے کہ زید کو مسلم الیہ سے غلہ وصول کرتے وقت ناپ تول کرنی چاہئے۔اس صورت میں ایک ناپ تول کافی نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

وضع میزان کا مفہوم

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۔ آسمان کی بلندی کا ذکر فرماتے ہوئے وضع میزان کو بیان فرمایا گیا۔ آسمان اور آسمان پر نظر آنے والے شمس وقمر اور نجوم کا ذکر فرما کر اپنی قدرت عظیمہ ظاہر فرمائی جا رہی ہے ساتھ ہی مخاطب کو اس بات کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ وہ شمس وقمر اور ستاروں کے نظام پر نظر ڈالے اور فلکیات پر غور کرے تو حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرت عظیمہ کا مشاہدہ ہو گا۔ اور یہ دیکھے گا کہ کس حسن اسلوب کے ساتھ یہ سب نظام قائم ہے جس میں کسی قسم کا کوئی خلل نہیں تو اسی طرح اللہ رب العزت نے زمین والوں کے واسطے نظام عدل قائم رکھنے کے واسطے ترازو اتاری ہے جس کے ذریعے عدل وانصاف قائم کیا جا سکتا ہے اور عدل وانصاف ہے جو بذریعہ ترازو قائم ہوتا ہے اس سے زمینی نظام حیات اسی حسن اسلوب سے چل سکتا ہے جس خوبی اور حسن اسلوب سے فلکیات کا نظام چل رہا ہے گویا اللہ رب العزت نے آسمان سے زمین تک ہر چیز کو حق اور عدل کی بنیاد پر بہترین توازن اور تناسب کے ساتھ قائم فرمایا ہے اگر عدل اور حق ملحوظ نہ رہے تو کائنات کا سارا نظام ہی درہم برہم ہو جائے اس لئے ضروری ہے کہ بندے بھی حق اور عدل کی راہ پر قائم رہیں اور انصاف کی ترازو اٹھنے یا جھکنے نہ دیں نہ کسی پر زیادتی کریں نہ کسی کا حق دبائیں۔ (معارف کاندھلوی)

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ﴿١٠﴾

اور زمین کو بچھایا واسطے خلق کے ☆

عالمگیر کا فرش: کہ اس پر آرام سے چلیں پھریں اور کاروبار جاری رکھیں۔ (تفسیر عثمانی)
میں کہتا ہوں بظاہر اس جگہ جن وانس مراد ہیں کیوں کہ خطاب انہی دونوں کو کیا گیا ہے فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ کے مخاطب یہی دونوں نوعیں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ

اُس میں میوہ ہے اور کھجوریں

الْاَكْمَامِ ﴿١١﴾ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ

جن کے میوہ پر غلاف اور اس میں اناج ہے جس کے ساتھ بھس ہے

وَالرَّيْحَانُ ﴿١٢﴾

اور پھول خوشبودار ☆

پھل میوے غلہ اناج ☆ یعنی پھل میوے بھی زمین سے نکلتے ہیں اور غلہ اناج بھی۔ پھر غلہ میں دو چیزیں ہیں دانہ جو انسانوں کی غذا ہے وہ اور بھوسہ جو جانوروں کے لئے ہے اور بعض چیزیں زمین سے وہ پیدا ہوتی ہیں جو کھانے کے کام میں نہیں آتیں لیکن ان کی خوشبو وغیرہ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ریحان کا معنی: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا قرآن مجید میں جہاں بھی لفظ ریحان آیا ہے اس سے مراد رزق ہے۔
حسن اور ابن زید نے کہا ریحان سے مراد یہی خوشبو ہے جو سونگھی جاتی ہے۔ ریحان کا لفظ روح سے مشتق ہے ریحان (بروزن فعلان) اصل میں رویحان (بروز فعیلان) تھا واؤ کو یاء سے بدل کر یاء کو یاء میں ادغام کر دیا پھر یاء کو تخفیف کر دی بعض اہل لغت کے نزدیک ریحان کی اصل روحان تھی واؤ کو تخفیفاً ماء سے بدل دیا گیا۔ (تفسیر مظہری)

عبرت ونصیحت: ذُوالْعَصْفِ ۔ کا لفظ بڑھا کر غافل انسان کو اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ یہ روٹی، دال، وغیرہ جو وہ دن میں کئی کئی مرتبہ کھاتا ہے اس کا ایک ایک دانہ مالک وخالق نے کیسی کیسی صنعت عجیبہ کے ساتھ مٹی اور پانی سے پیدا کیا، اور پھر کسی طرح اس کو حشرات الارض سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک ایک دانہ پر غلاف چڑھایا۔ جب وہ تمہارا لقمہ تر بنا۔ (معارف مفتی اعظم)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٣﴾

پھر کیا کیا نعمتیں رب اپنے کی جھٹلاؤ گے تم دونوں ☆

کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ☆ یعنی اے جن وانس اوپر کی آیات میں تمہارے رب کی جو عظیم الشان نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں بیان کی گئیں تم ان میں سے کس کس کے جھٹلانے کی جرأت کرو گے؟ کیا یہ نعمتیں اور نشانیاں ایسی ہیں جن میں سے کسی کا انکار کیا جا سکے؟ علماء نے ایک حدیث صحیح کی بناء پر لکھا ہے کہ * جب کوئی شخص یہ آیت "فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ" سنے تو جواب دے "لابشیء من نعمک ربنا نکذب فلک الحمد" (اے ہمارے رب ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے۔ سب حمد وثنا تیرے ہی لئے ہے (تنبیہ) گو جن کا ذکر تصریحاً پہلے نہیں ہوا لیکن "انام" میں وہ شامل ہیں۔ اور "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" میں دونوں کا عبادت کے لئے پیدا ہونا مذکور ہے اور اس آیت کے بعد متصل ہی آدمی اور جن کی کیفیت تخلیق بتلائی گئی ہے۔ اور چند آیات کے بعد "سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ" اور "

"یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ" میں صریحاً جن وانس کو مخاطب کیا گیا ہے یہ قرائن دلالت کرتے ہیں کہ یہاں مخاطب وہ ہی دونوں ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ
بنایا آدمی کو کھنکھناتی مٹی سے
كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ
جیسے ٹھیکرا اور بنایا جن کو
مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾
آگ کی لپیٹ سے ☆

تخلیق آدم ☆ یعنی سب آدمیوں کے باپ آدمؑ کو مٹی اور جنوں کے باپ کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا۔ (تفسیر عثمانی)

خَلَقَ الْاِنْسَانَ۔ یعنی حضرت آدمؑ کو پیدا کیا۔

صَلْصَالٍ۔ خشک مٹی جو کھن کھن بجتی ہو۔ بعض نے کہا صلصال سڑی ہوئی کیچڑ کو کہتے ہیں۔

كَالْفَخَّارِ۔ ٹھیکرا۔ آگ میں پکائی ہوئی کیچڑ یا گارا۔ بعض نے کہا فخر کا معنی ہے بیرونی اشیاء جیسے مال مرتبہ وغیرہ پر اترانا۔ گھڑا بھی بجانے سے کھن کھن بجتا ہے گویا اظہار فخر کرتا ہے۔

آدم کا مادۂ تخلیق: سب سے پہلے مادۂ تخلیق مٹی (تراب) ہی تھی پھر پانی ملا کر اس کو کیچڑ (یا گارا) بنایا گیا پھر (گوندھ کر) اس کو سڑی ہوئی کیچڑ کی شکل دیدی گئی پھر خشک کر کے اس کو کھن کھن بجتی ہوئی ٹھیکرے کی صورت دے دی گئی۔

وَخَلَقَ الْجَآنَّ۔ الجان جنس جن۔ بعض نے کہا جنات کو جو پدر اعلیٰ تھا اس کا نام الجان تھا۔ ضحاک نے کہا ابلیس مراد ہے۔

مِنْ مَّارِجٍ۔ مارج بھڑکتی ہوئی خالص صاف بے دود آگ۔ (تفسیر مظہری)

جنات کا مادۂ تخلیق: جان، بتشدید نون، جنسِ جنات کو کہا جاتا ہے، اور مارج آگ سے اُٹھنے والا شعلہ ہے۔ جنات کی تخلیق کا بڑا عنصر آگ کا شعلہ ہے۔ جیسا کہ انسان کی تخلیق میں بڑا جزء مٹی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾
پھر کیا کیا نعمتیں رب اپنے کی جھٹلاؤ گے تم دونوں ☆

"آلاء" کا معنی اور مصداق: "الآء" کا ترجمہ عموماً "نعمت" کیا گیا ہے لیکن ابن جریر نے بعض سلف سے "قدرت" کے معنی نقل کئے ہیں اس لئے جس مقام پر جو معنی زیادہ چسپاں ہوں وہ اختیار کئے جائیں یہاں اور اس سے پہلی آیت میں دونوں مطلب ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ انس وجن کو خلعت وجود سے سرفراز فرمانا اور جماد لایعقل سے عاقل بنا دینا اللہ کی بڑی نعمت ہے اور اس کی لامحدود قدرت کی نشانی بھی ہے۔ (تنبیہ) یہ جملہ "فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ" اس سورۃ میں اکتیس مرتبہ آیا ہے اور ہر مرتبہ کسی خاص نعمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یا شئون عظمت و قدرت میں سے کسی خاص شان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس قسم کی تکرار عرب وعجم کے کلاموں میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ مدت ہوئی رسالہ "القاسم" میں بندہ نے ایک مضمون بعنوان "قرآن مجید میں تکرار کیوں ہے" چھپوایا تھا اس میں چند نظائر شعرائے عرب کے کلاموں سے پیش کی گئی ہیں اور تکرار کے فلسفہ پر بحث کی ہے یہاں اس کے بسط کا موقع نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔ انسان اور جن تخلیق کے مختلف مدارج اور دوروں سے گذر کر افضل مرکبات اور خلاصۂ کائنات بنے۔ اللہ کی یہ بڑی (فطری) نعمت ہے جس سے جن وانس کو سرفراز کیا گیا۔ پس کون کونسی نعمت کا یہ دونوں انکار کر سکتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾
مالک دو مشرق کا اور مالک دو مغرب کا ☆

تبدیلی موسم کے ساتھ مطلع ومغرب کی تبدیلی

جاڑے اور گرمی میں جس جس نقطہ سے سورج طلوع ہوتا ہے وہ دو مشرق اور جہاں جہاں غروب ہوتا ہے وہ دو مغرب ہوئیں۔ ان ہی مشرقین اور مغربین کے تغیر وتبدل سے موسم اور فصلیں بدلتی ہیں اور طرح طرح کے انقلابات ہوتے ہیں۔ زمین والوں کے ہزارہا فوائد ومصالح ان تغیرات سے وابستہ ہیں۔ تو ان کا ادل بدل بھی خدا کی بڑی بھاری نعمت اور اس کی قدرت عظیمہ کی نشانی ہوئی۔ (تنبیہ) آیت سے پہلے اور پیچھے دور تک دو دو چیزوں کے جوڑے بیان ہوئے ہیں اس لئے یہاں مشرقین ومغربین کا ذکر نہایت ہی لطف دیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے چلائے
الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ
دو دریا مل کر چلنے والے اُن دونوں میں ہے ایک پردہ

لَا يَبْغِيٰنِ ⑳
جوایک دوسرے پرزیادتی نہ کرے

میٹھا اور کھاری پانی ☆یعنی ایسا نہیں کہ میٹھا اور کھاری پانی ایک دوسرے پر چڑھائی کر کے اس کی خاصیت وغیرہ کو بالکلیہ زائل کر دے یا دونوں مل کر دنیا کو غرق کر ڈالیں اس آیت کے مضمون کے متعلق کچھ تقریر سورۃ "فرقان" کے اواخر میں گزر چکی ہے۔ اس کو ملاحظہ کر لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

میٹھا اور کھاری دریاء: مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ ' مرج کے لغوی معنی آزاد دبے قید چھوڑ دینے کے ہیں۔ اور بحرین سے دو دریا شیریں اور نمکین مراد ہیں' زمین پر حق تعالیٰ نے دونوں قسم کے دریا پیدا فرمائے ہیں' اور بعض جگہ یہ دونوں مل جاتے ہیں' جس کی نظائر دنیا کے ہر خطے میں پائی جاتی ہیں' مگر جہاں دو دریا شیریں اور نمکین مل کر بہتے ہیں وہاں کافی دور تک دونوں کا پانی الگ الگ ممتاز رہتا ہے' ایک طرف میٹھا دوسری طرف کھارا۔ اور بعض جگہ یہ صورت اوپر نیچے بھی ہوتی ہے' جہاں دریائے شور کسی شیریں دریا کے اوپر چڑھ آتا ہے وہاں بھی نیچے کا پانی اپنی جگہ شیریں ہوتا ہے' اور اوپر کا نمکین اور کھاری' پانی باوجود رقیق اور لطیف ہونے کے ایک مسافت تک ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتا۔ الگ الگ اپنے ذائقہ کے ساتھ چلتا ہے' اسی قدرت حق تعالیٰ کا بیان کے لئے فرمایا۔ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ۔ یعنی دونوں دریا ملتے ہیں' مگر ان کے درمیان قدرت خداوندی کا ایک پردہ حائل رہتا ہے جو دور تک آپس میں ان کو ملنے نہیں دیتا۔ (معارف مفتی اعظم)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ㉑ يَخْرُجُ
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے نکلتا ہے
مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ㉒
اُن دونوں سے موتی اور مونگا
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ㉓ وَلَهُ
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اور اُسی
الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَ
کے ہیں جہاز اونچے کھڑے دریا میں
عْلَامِ ㉔
جیسے پہاڑ ☆

کشتیاں اور بحری جہاز ☆یعنی کشتیاں اور جہاز گو بظاہر تمہارے بنائے ہوئے ہیں مگر خود تم کو اللہ نے بنایا اسی نے وہ قوتیں اور سامان عطا کئے جن سے جہاز تیار کرتے ہو لہٰذا تم اور تمہارے مصنوعات سب کا مالک و خالق وہ ہی خدا ہوا اور یہ سب اسی کی نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں ہوئیں (تنبیہ) یہ جملہ پہلے جملہ "يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ" الخ نکلتی ہیں اور اوپر یہ نعمتیں موجود ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

موتی کہاں سے نکلتے ہیں: مِنْهُمَا۔ یعنی میٹھے سمندروں سے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نمکین سمندروں سے موتی برامد ہوتے ہیں۔ شیریں سمندر سے برآمد نہیں ہوتے۔ (لیکن آیت مذکورہ میں تو تثنیہ کی ضمیر آئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں سمندروں سے موتی برآمد ہوتے ہیں) اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ جس جگہ شیریں اور شور سمندر ملتے ہیں اس جگہ سے موتی برآمد ہوتے ہیں (تو منهما سے مراد ہوگی من مجتمعها)

مجاہد اور ضحاک کے قول کے مطابق اگر البحرین سے بحر سماء اور بحر ارض مراد ہو تو دونوں کے باہم ملنے کی صورت یہ ہوگی کہ جب آسمان سے بارش ہوتی ہے تو دریائی سیپیں اپنے منہ کھول دیتی ہیں اور کسی کے منہ میں کوئی قطرہ آگرتا ہے اور اس کا موتی بن جاتا ہے۔ کذا قال ابن جریر۔

اللُّؤْلُؤُ بڑے موتی اور الْمَرْجَانُ چھوٹے موتی (کذا فی القاموس)

الْجَوَارِ۔ الجاریۃ کی جمع ہے۔ بڑی کشتیاں (جہاز)

الْمُنْشَئٰتُ۔ اوپر کو اٹھی ہوئی (ابھری ہوئی) بعض نے اس کا ترجمہ کیا مسخر۔ تابع حکم۔

كَالْاَعْلَامِ۔ اعلام علم کی جمع ہے۔ بڑے اونچے پہاڑ۔ (تفسیر مظہری)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ㉕
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے
كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ㉖ وَّيَبْقٰى
جو کوئی ہے زمین پر فنا ہونیوالا ہے اور باقی رہیگا
وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ㉗
منہ تیرے رب کا بزرگی اور عظمت والا ☆

تمام مخلوق اللہ ہی کی محتاج ہے ☆یعنی زمین و آسمان کی تمام مخلوق زبان حال و وقال سے اپنی حاجات اسی خدا سے طلب کرتی ہے کسی کو ایک لمحہ کے لئے اس سے استغناء نہیں اور وہ بھی سب کی حاجت روائی اپنی حکمت کے موافق کرتا ہے۔ ہر وقت اس کا الگ کام اور ہر روز اس کی نئی شان ہے۔ کسی کو مارنا' کسی کو جلانا' کسی کو بیمار کرنا' کسی کو تندرست کر دینا' کسی کو بڑھانا' کسی کو گھٹانا'

کسی کو دینا کسی سے لینا اس کی شئون میں داخل ہیں۔ وقس علی ہذا۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ۔ وجہ رب (رب کا چہرہ) متشابہات میں سے ہے یعنی ایسا مبہم ہے جس کا علم عام طور پر مخلوق کو نہیں ہوسکتا۔

ذُو الْجَلٰلِ ۔ عظمت اور تسلط والا سب سے بے نیاز۔

جب وجہ کو بمعنی جہت مانا جائے تو کلام کا حاصل مطلب اس طرح ہوگا روئے زمین پر جو جن وانس بستے ہیں وہ اپنی ذات و وجود کے اعتبار سے ہیچ ہیں ان کی بقاء کا کوئی رخ نہیں ہر جہت سے فنا ان کے دامن گیر ہے ہاں رب کی طرف متوجہ ہونے کا ان کا رُخ غیر فانی ہے نسبت رب ان کی باقی رہنے والی ہے اس کو فنا نہیں۔

ذاالجلال والاکرام کا ورد: ترمذی نے حضرت انس کی روایت سے اور احمد ونسائی وحاکم نے حضرت ربیعہ بن عامر کی وایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یا ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ کا ہمیشہ ورد رکھو۔ حصن حصین میں آیا ہے کہ ایک شخص یا ذاالجلال والاکرام کہہ رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گذر ہوا فرمایا (اب) تیری دعا قبول ہوگی سوال کرو جو کچھ مانگنا ہے مانگ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ کا ورد انسان کا اعلیٰ وصف وخصوصیت ہے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ الخ اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ بھی ہے کہ وہ جن وانس کو اپنی جانب متوجہ ہونے کی توفیق عطا فرماتا ہے اور یہ بھی ایک نعمت ہے کہ وہ کائنات جو اپنی ذات۔ وجود اور صفات کے لحاظ سے فانی ہے اس کو اپنی رحمت اور مہربانی سے بقاء عنایت کرے گا۔ اور فناء کل کے بعد دوبارہ دوامی زندگی عطا کرنا اور لازوال عیش وراحت عنایت فرمانا بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ سو کس کس نعمت کا تم انکار کروگے۔ (تفسیر مظہری)

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ میں کونسی نعمت کا ذکر ہے

شیخ سیوطیؒ نے فرمایا یہ سوال کیا گیا كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ کونسی نعمت کا بیان ہے (کہ جس کے بعد فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ فرمایا گیا جس طرح انعامات خداوندی پر اس کو اس سورت میں ذکر کیا گیا ہے) تو اس کے متعدد جواب دیئے گئے جن میں سب سے بہتر یہ جواب ہے کہ اس آیۃ میں دارالھموم (یعنی تکالیف وآلام اور رنج وغم کی زندگی) سے دارالسرور کی طرف منتقل ہونے کا اور اہل ایمان کے واسطے راحتوں کا بیان ہے جو یقیناً ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ لہٰذا اس کے ذکر پر بھی فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ آیۃ مربوط اور چسپاں بلکہ نہایت ہی لطیف ہے۔

(معارف القرآن کاندھلویؒ)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾ يَسْـَٔلُهٗ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اُس سے مانگتے

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ

ہیں جو کوئی ہیں آسمانوں میں اور زمین میں ہر روز

هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾

اُس کو ایک دھندا ہے☆

☆ یعنی دنیا کے یہ کام اور دھندے عنقریب ختم ہونیوالے ہیں اس کے بعد ہم دوسرا دور شروع کرینگے جب تم دونوں بھاری قافلوں (جن وانس) کا حساب کتاب ہوگا مجرموں کی پوری طرح خبر لے جائیگی۔ اور وفاداروں کو پورا صلہ دیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ الخ یعنی فرشتے انسان اور جنات سب اپنی اپنی حاجتیں اللہ سے مانگتے ہیں۔ رزق، صحت، عافیت، توفیق عبادت، مغفرت اور نزول تجلیات وبرکات کے اسی سے طلب گار ہوتے ہیں۔

بعض اہل تفسیر نے کہا کہ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے ساری مخلوق مراد ہے کیوں کہ تمام کائنات اپنی ذات وصفات اور کل ضروریات میں اللہ کی محتاج ہے۔

شان الٰہی: اللہ ہمیشہ ایک (نئی) شان میں نمودار ہوتا ہے کسی کو زندگی دیتا ہے کسی کی زندگی لے لیتا ہے۔ کسی قوم کو عزت دیتا ہے کسی کو ذلت، رزق دیتا ہے کسی کو زیادہ کسی کو کم، بیمار کو صحت منداور تندرست کو بیمار کرتا ہے، مصیبت زدہ کی مصیبت دور کرتا ہے۔

سائل کو عطا کرتا ہے، مؤمن کے گناہ معاف کرتا ہے اور کافروں کو جہنم میں لے جاتا ہے اور گوناگوں عذاب میں مبتلا کرتا ہے اور جو لوگ رب کی پیشی سے ڈرتے ہیں ان کی عزت افزائی کرنا اور جنت میں داخل فرماتا ہے۔ غرض جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بھی اللہ کی شان ہے کہ گناہ معاف کرتا ہے، مصیبت کو دور کرتا ہے، کسی قوم کو اونچا کرتا ہے اور کسی کو نیچا۔ رواہ ابن ماجۃ وابن حبان فی الصحیح من حدیث ابی الدرداء۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ من جملہ دوسری مخلوق کے اللہ نے موتی کی ایک لوح پیدا کی جس کے دونوں پٹھے سرخ یاقوت کے بنائے، اس کا قلم نور ہے اس کی تحریر بھی نور ہے، اللہ ہر روز تین سو ساٹھ مرتبہ اس پر نظر کرتا ہے۔ وہی پیدا کرتا ہے رزق دیتا ہے، زندگی عطا فرماتا ہے، موت دیتا ہے، عزت عنایت کرتا ہے، ذلت دیتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے، یہ ہی (مطلب ومضمون) ہے آیت ''کل یوم ہو فی شان'' کا۔

اولیاء کے اقوال: حسین بن الفضل نے کہا اللہ کی شان ہے کہ (تمام) امور

مقدرہ کوان کے مقررہ اوقات تک لے جاتا ہے۔ سلیمان دارانی نے اس آیت کی تشریح کو ذیل میں کہا ہر روز اس کی طرف سے جدید خیر بندوں کو ملتی ہے۔

سفیان بن عیینہ نے کہا کل زمانہ دو دن کا نام ہے۔ ایک دن پوری مدت دنیا ہے اور دوسرا دن روز قیامت۔ پس مدت دنیا میں اس کی شان یہ ہے کہ (بعض کاموں کو کرنے کا) حکم دیتا ہے اور بعض کاموں (کے کرنے) کی ممانعت کرتا ہے زندگی عطا کرتا ہے اور موت دیتا ہے (رزق وغیرہ) دیتا ہے اور روکتا ہے اور قیامت کے دن اس کی شان ہوگی (اعمال کا) بدلہ دینا' حساب لینا اور ثواب عذاب دینا۔ بعض اہل علم نے کہا اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ ہر روز تین فوجیں ایک عالم سے نکال کر دوسرے عالم میں لے جاتا ہے ایک فوج کو باپوں کی پشت سے نکال کر ماؤں کے رحم میں پہنچاتا ہے اور دوسری فوج کو ماؤں کے پیٹ سے نکال کر دنیا میں لاتا ہے اور تیسری فوج کو دنیا سے نکال کر قبروں میں پہنچا دیتا ہے۔ اس کے بعد سب کے سب اللہ کی طرف کوچ کرلیں گے۔ (تفسیر مظہری)

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾ سَنَفْرُغُ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ہم جلد فارغ ہونیوالے

لَکُمْ اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا

ہیں تمہاری طرف اے دو بھاری قافلو پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی

تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ

جھٹلاؤ گے اے گروہ جنوں کے اور انسانوں کے اگر

اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ

تم سے ہو سکے کہ نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ

کناروں سے تو نکل بھاگو نہیں نکل سکنے کے

اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾

بدون سند کے ☆

کوئی اللہ کی حکومت سے نہیں بھاگ سکتا

یعنی اللہ کی حکومت سے کوئی چاہے کہ نکل بھاگے تو بدون قوت اور غلبہ کے کیسے بھاگ سکتا ہے کیا خدا سے زیادہ کوئی قوی اور زور آور ہے۔ پھر نکل کر جائے گا کہاں' دوسری قلمرو کونسی ہے جہاں پناہ لے گا۔ نیز دنیا کی معمولی حکومتیں بدون سند اور پروانہ راہداری کے اپنی قلمرو سے نکلنے نہیں دیتیں تو اللہ بدون سند کے کیوں نکلنے دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فارغ ہونے کی توجیہات

اللہ کو کسی کام میں ایسی مشغولیت نہیں جو دوسرے کام کی طرف متوجہ ہونے سے مانع ہو ورنہ اللہ کا بے علم اور عاجز ہونا لازم آئے گا اس لئے آیت میں فراغت سے مراد مشغولیت مانعہ سے فراغت نہیں ہے بلکہ مجازی معنی مراد ہے اور اس کی توجیہات مختلف طور پر کی گئی ہیں جن کی سب کاموں سے فارغ ہو کر جو شخص کسی چیز کی طرف توجہ کرتا ہے تو وہ پورے طور پر اس کو سزا انجام دینے پر قادر ہوتا ہے۔ یہاں فراغت سے مراد دوسری مشاغل سے فراغت حاصل کرنا نہیں (صرف تہدید مراد ہے) کذا قال ابن عباس وضحاک)۔

عنقریب ہم تم کو ڈھیل اور مہلت دینا چھوڑ دیں گے اور تمہارے معاملہ (کا فیصلہ شروع کر دیں گے)۔

پہلے اللہ نے نیکوں سے جزا کا وعدہ کیا اور بدکاروں کو عذاب کی دھمکی دی پھر فرمایا عنقریب ہم اس وعدہ اور وعید سے فارغ ہو جائیں گے یعنی تم سے حساب فہمی کریں گے اور اعمال کا بدلہ دیں گے اور اس طرح ہمارا وعدہ پورا ہو جائے گا اور ہم تمہارے کام سے فارغ ہو جائیں گے (کذا قال الحسن والمقاتل)۔

جن وانس کو ثقلان کہنے کی وجہ: جن وانس کو ثقل (بار) کہنے کی یہ وجہ ہے کہ جن وانس زندہ ہوں یا مردہ بہرصورت ان کا بار زمین پر ہی رہتا ہے۔ امام جعفر صادق نے فرمایا یہ دونوں گناہوں کے بار سے لدے ہوئے ہیں۔ بعض نے کہا انہی دونوں پر احکام تکیفیہ کا بار ہے۔

اہل معانی کہتے ہیں کہ جس چیز کی اہمیت اور بوقت تقابل وزن اور رفعت مرتبہ ہو اس کو ثقل کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی میں تمہارے اندر دو ثقل (اہم چیزیں) چھوڑنے والا ہوں اللہ کی کتاب اور اپنی اولاد۔

فارغ ہونے کا ایک اور معنی: حضور نے اہمیت قدر اور عظمت شان کی وجہ سے کتاب اللہ اور اپنی عترت کو ثقلین فرمایا۔ ثقلین کی وجہ تسمیہ اگر اہمیت و وزن کو قرار دیا جائے تو اس صورت میں سنفرغ کا مطلب یہ ہوگا کہ عنقریب براہ راست تمہارے ساتھ ہمارا معاملہ ہوگا درمیان میں کسی اور کو دخل نہ ہوگا۔ ابوذر نے عقیلی کی روایت سے بیان کیا راوی کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا قیامت کے دن ہم میں سے ہر ایک اپنے رب کو بغیر کسی رکاوٹ کے (یعنی بلا حجاب) دیکھے گا فرمایا کیوں

نہیں میں نے عرض کیا مخلوق میں کیا اس کی کوئی نشانی (مثال) ہے فرمایا کیا چودھویں رات کے چاند کو تم میں سے ہر ایک بلا رکاوٹ نہیں دیکھتا ہے میں نے عرض کیا کیوں نہیں فرمایا یہ تو اللہ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے اور اللہ کی جلالت قدر و عظمت شان تو سب سے زیادہ ہے۔ رواہ ابوداؤد۔

ایک فارسی شاعر کا کیسا بہترین شعر ہے ؎

جہانے مختصر خواہم کہ دروے ہمیں جائے من و جائے تو باشد

میں ایسا مختصر جہان چاہتا ہوں جس میں صرف میری اور تیری جگہ ہو۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۔ متاخرین کے قول کے مطابق فراغت سے مراد تہدید وغیرہ ہو تو اس آیت کا مطلب ظاہر ہے کہ نعمتوں کی تکذیب نہ کرو۔ تکذیب نعمت الٰہیہ موجب عذاب ہے۔ آلاء سے ہر نعمت مراد ہے خواہ اس کا ذکر آیت میں آیا ہو یا نہ آیا ہو۔

اِنِ اسْتَطَعْتُمْ : بعض اہل علم کا قول ہے کہ یہ خطاب قیامت کے دن ہوگا۔ ابن جریر اور ابن مبارک نے ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کا دن ہوگا تو بحکم خدا آسمان دنیا اپنے باشندوں سمیت پھٹ پڑے گا۔ فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے پھر رب کے حکم سے ملائکہ نیچے اتر کر زمین اور اس کے باشندوں کا احاطہ کرلیں گے پھر تیسرے پھر چوتھے پھر پانچویں پھر چھٹے پھر ساتویں آسمان کی بھی یہی کیفیت ہوگی۔ (ساتویں آسمان کے) فرشتے اتر کر ترتیب وار صف بستہ ہو جائیں گے (اور سب کو اپنے گھیرے میں لے لیں گے اس وقت ملک اعلیٰ (اللہ) نزول اجلال فرمائے گا اس کے بائیں جانب جہنم ہوگی زمین والے جہنم کو دیکھ کر ادھر ادھر بھاگ نکلیں گے لیکن زمین کے جس کنارے پر پہنچیں گے وہاں (ترتیب وار) فرشتوں کی سات صفیں (گھیرا ڈالے ہوئے) موجود پائیں گے مجبوراً جس جگہ سے بھاگے تھے پھر لوٹ کر اسی جگہ آجائیں گے۔

یا یہ مطلب ہے کہ بغیر اس کے کہ میں قوت و قدرت تم کو عطا کروں تم آسمان و زمین سے پار نہیں نکل سکتے کسی کو بھی ذاتی قدرت نہیں ہے ہر شخص کو جو قوت حاصل ہے وہ عطاء خداوندی ہے اور عارضی ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معراج جسمانی حاصل ہوئی اور آپ آسمانوں سے گذر کر سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى تک پہنچے یہ قوت آپ کو بھی بعطاء الٰہی حاصل ہوئی تھی۔ صوفی بھی دائرۂ امکان سے نکل کر محض اللہ کی عطا کردہ قوت سے مدارج قرب تک پہنچتا ہے بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جس طرف تم رُخ کرو گے میرے ہی ملک اور تسلط کی طرف کرو گے (یعنی ہر طرف میرا ہی ملک و اقتدار ہوگا) اس صورت میں بسلطان میں بمعنی الیٰ ہوگا (میرے اقتدار کے ساتھ یعنی میرے اقتدار کی طرف) عرب کہتے ہیں زیدٌ احسن بی زید نے میرے ساتھ بھلائی کی یعنی میری طرف۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا آیت کا مطلب یہ ہے کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو چیزیں ہیں ان کو جاننے کی سکت اگر تمہارے اندر ہو تو ان کو جان لو تم بغیر سلطان کے یعنی ان نشانیوں کے بغیر جو اللہ نے قائم کی ہیں موجودات سماوی وارضی کو نہیں جان سکتے

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۔ یعنی اللہ کی نعمتوں کی تکذیب نہ کرو تکذیب موجب عذاب ہے اور تم عذاب سے بھاگنے کی قدرت نہیں رکھتے بعض اہل علم کا قول ہے کہ تنبیہ۔ تخویف اور باوجود کامل قدرت رکھنے کے درگذر کرنا اور معاف کر دینا یہ سب کچھ اللہ کی نعمت ہے اور عقلی معراج اور تمام ترقیات اور ایسے اسباب ترقیات کہ ان کے ذریعہ سے لوگ آسمانوں سے بھی اوپر پہنچ جائیں ان کا شمول بھی آلآء اللہ میں ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مخلوق کا احاطہ ملائکہ اور آگ کے بھڑکتے شعلوں سے کر دیا جائے گا پھر آواز دی جائے گی اے گروہ انس و جن اگر آسمان و زمین کے کناروں کو پار کر کے نکل سکتے ہو تو نکلو۔ (تفسیر مظہری)

فضائی سفر جو آجکل ہو رہے ہیں

اس زمانہ میں جو زمین کے کشش سے باہر نکلنے اور خلا میں سیارات پر پہنچنے کے تجربات ہو رہے ہیں وہ سب ظاہر ہے کہ آسمان کے حدود سے باہر نہیں بلکہ سطح آسمان سے بہت نیچے ہو رہے ہیں۔ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ سے باہر نکل جانے کا اس سے کوئی تعلق نہیں یہ تو اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتے باہر نکلنا تو کجا۔ اس لئے اس آیت کے مفہوم سے ان خلائی سفروں اور سیارات پر پہنچنے کے واقعات کا کوئی تعلق نہیں، بعض سادہ لوح لوگ اس آیت ہی کو خلائی سفروں کے امکان و جواز کے لئے پیش کرنے لگے، جو معانی قرآن سے بالکل ناواقفیت کی دلیل ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٣٤﴾

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ☆

کھول کھول کر سمجھانا: یعنی اس طرح کھول کھول کر سمجھانا اور تمام نشیب و فراز پر متنبہ کرنا کتنی بڑی نعمت ہے۔ کیا اس نعمت کی تم قدر نہیں کرو گے اور اللہ کی ایسی عظیم الشان قدرت کو جھٹلاؤ گے۔ (تفسیر عثمانی)

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ

چھوڑے جائیں تم پر شعلے آگ کے صاف،

وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ ﴿٣٥﴾

اور دھواں ملے ہوئے پھر تم بدلہ نہیں لے سکتے ☆

مجرموں پر آگ: یعنی جس وقت مجرموں پر آگ کے صاف شعلے اور دھواں ملے ہوئے شرارے چھوڑے جائیں گے کوئی ان کو دفع نہ کر سکے گا اور نہ وہ اس سزا کا کچھ بدلہ لے سکیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا مفہوم: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ شواظ سے مراد وہ شعلہ ہے جس میں دھواں نہ ہو اور آپ نے اس کی سند میں اُمیہ بن ابوصلت کا شعر پڑھ سنایا۔ اور نحاس کی معنیٰ آپ نے کئے ہیں محض دھواں جس میں شعلہ نہ ہو اور اس کی شہادت میں بھی ایک شعر نابغہ کا پڑھ سنایا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں نحاس سے مراد پیتل ہے جو پگھلایا جائے گا اور ان کے سروں پر بہایا جائے گا۔ بہرصورت مطلب یہ ہے کہ اگر تم قیامت کے دن میدان محشر سے بھگنا چاہو تو میرے فرشتے اور جہنم کے داروغے تم پر آگ برسا کر دھواں چھوڑ کر تمہارے سر پر پگھلا ہوا پیتل بہا کر تمہیں واپس لوٹا لائیں گے۔ تم نہ اُن کا مقابلہ کر سکتے ہو نہ انہیں دفع کر سکتے ہو نہ ان سے انتقام لے سکتے ہو۔ پس تمہیں رب کی کسی نعمت کے انکار سے انکار چاہئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ☆

مجرموں کی سزا ☆ مجرموں کو سزا دینا بھی وفاداروں کے حق میں انعام ہے اور اس سزا کا بیان کرنا تا لوگ سن کر اس جرم سے باز رہیں یہ مستقل انعام ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ہر آیت میں نعمت جتائی کوئی اب نعمت ہے اور کسی کی خبر دینا نعمت ہے کہ اس سے بچیں"۔ (تفسیر عثمانی)

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ بعض اہل علم نے کہا موجبات عذاب سے ڈرانا بھی ایک نعمت خداوندی ہے اس لئے موجبات عذاب سے اجتناب لازم ہے اور فرماں بردار نافرمان کے معاوضہ میں (ثواب وعذاب کا) امتیاز بھی اللہ کی ایک نعمت ہے (اس لئے نافرمانی سے گریز ضروری ہے) (تفسیر مظہری)

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَکَانَتْ
پھر جب پھٹ جائے آسمان تو ہو جائے
وَرْدَۃً کَالدِّھَانِ ﴿۳۷﴾
گلابی جیسے نری ☆

☆ یعنی قیامت کے دن آسمان پھٹے گا اور رنگ میں لال نری کی طرح ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قیامت کے دن آسمان کا رنگ کیا ہوگا

مسند احمد کی حدیث میں ہے لوگ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے اور آسمان اُن پر ہلکی بارش کی طرح برستا ہوگا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں سرخ چمڑے کی طرح ہو جائے گا۔ اور روایت میں ہے گلابی رنگ گھوڑے کے رنگ جیسا آسمان کا رنگ ہو جائیگا۔ ابوصالح فرماتے ہیں پہلے گلابی رنگ ہوگا پھر سرخ ہو جائیگا گلابی رنگ گھوڑے کا رنگ موسم بہار میں تو زردی مائل نظر آتا ہے اور جاڑے میں بدل کر سرخ چھتا ہے۔ جوں جوں سردی بڑھتی ہے اس کا رنگ متغیر ہوتا جاتا ہے۔ اسی طرح آسمان بھی رنگ پر رنگ بدلے گا' پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا جیسے روغن گلاب کا رنگ ہوتا ہے اُس رنگ کا آسمان ہو جائے گا۔ آج وہ سبز رنگ سے لیکن اُس دن اس کا رنگ سرخی لئے ہوئے ہوگا زیتون کے تیل کی تلچھٹ جیسا ہو جائے گا۔ جہنم کی آگ کی تپش اسے پگھلا کر تیل جیسا کر دے گی۔ اس دن کسی مجرم سے اس کا جرم نہ ہو پوچھا جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے
فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِہٖۤ
پھر اُس دن پوچھ نہیں اُس کے گناہ کی
اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾
کسی آدمی سے اور نہ جن سے ☆

سوال ☆ یعنی کسی آدمی یا جن سے اس کے گناہوں کے متعلق معلوم کرنے کی غرض سے سوال نہ کیا جائے گا کیونکہ خدا کو پہلے سے سب کچھ معلوم ہے۔ ہاں بطور الزام و توبیخ ضابطہ کا سوال کریں گے۔ کما قال "فَوَرَبِّکَ لَنَسْئَلَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ" (حجر' رکوع ۶) یا یہ مطلب ہو کہ قبروں سے اٹھتے وقت سوال نہ ہوگا بعد میں ہونا اس کے منافی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے یہ کام کیا تھا یا نہیں کیا تھا کیوں کہ اللہ کو تو اس کا علم پہلے ہی ہوگا اور اعمالناموں والے فرشتے اعمال لکھ ہی چکے ہوں گے اور عذاب کے فرشتے صورت دیکھتے ہی پہچان لیں گے ہاں اعمال کی باز پرس ہوگی یعنی یہ پوچھا جائے گا کہ جب تم کو ممانعت کر دی گئی تھی تو تم نے ایسا کیوں کیا اور جب کرنے کا حکم دے دیا گیا تھا تو ایسا کیوں نہیں کیا اس وضاحت کے بعد اس آیت میں اور آیت فَوَرَبِّکَ لَنَسْئَلَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ

عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ میں تضاد پیدا نہیں ہوتا مجاہد کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا یہی تشریحی قول آیا ہے حسن اور قتادہ نے بھی یہی بیان کیا ہے دونوں آیتوں میں اختلاف دور کرنے کے سلسلے میں حضرت ابن عباس کا یہ قول بھی آیا ہے کہ مجرموں کافروں سے سوال رحمت و شفاعت نہیں ہوگا سوال نہ ہونے کا یہی مطلب ہے بلکہ زجر و توبیخ کے طور پر باز پرس ہوگی سوال کئے جانے سے یہی مراد ہے۔عکرمہ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا قیامت میں مختلف مقامات ہوں گے کسی مقام پر سوال کیا جائے گا (اس لئے آیت لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ الخ صحیح ہے) اور کسی مقام پر سوال نہیں ہوگا (اس لئے آیت لَا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهٖ صحیح ہے) ابوالعالیہ نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ مجرم کی باز پرس غیر مجرم سے نہیں ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ يُعْرَفُ
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے پہچانے
الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ
پڑیں گے گنہگار اپنے چہرے سے☆

مجرم کی پہچان ☆یعنی چہروں کی سیاہی اور آنکھوں کی نیلگونی سے مجرم خود بخود پہچانے جائیں گے جیسے مومنین کی شناخت سجدہ اور وضو کے آثار و انوار سے ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

سوال پیدا ہوسکتا تھا کہ جب مجرم انسان و جن سے اس کے جرم کے متعلق سوال ہی نہیں کیا جائے گا تو عذاب کے فرشتوں کو کیسے معلوم ہوگا کہ یہ مجرم ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ عذاب کے فرشتے مجرموں کے چہرے دیکھ کر شناخت کرلیں گے۔ان کے چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوں گی اللہ نے فرمایا ہے۔ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۔

قبر سے اُٹھتے وقت مومن و کافر کا فرق

مخفی نے دیباج میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے جبرائیل نے اطلاع دی کہ (اللہ نے فرمایا) مسلمان کے مرنے کے وقت اور قبر کے اندر رہنے کے وقت اور قبر سے نکالے جانے کے وقت لا الٰہ الا اللہ باعث اُنس (یعنی گھبراہٹ اور وحشت دور کرنے کا سبب) ہوگا۔اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم (تم حیرت میں پڑ جاؤ گے) جب دیکھو گے کہ لوگ سروں سے خاک جھاڑتے قبروں سے اُٹھ رہے ہوں گے ایک کہتا ہوگا لا الٰہ الا اللہ والحمد للہ اس کا چہرہ گورا ہوگا' دوسرا پکارے گا ہائے افسوس اللہ کے معاملہ میں میں نے بڑا قصور کیا ایسے لوگوں کے چہرے کالے ہونگے۔

ابن ابی شیبہ' ابن ابی حاتم اور ابو یعلی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث بیان کی کہ قیامت کے دن اللہ کچھ لوگوں کو ایسی حالت میں اٹھائے گا کہ ان کے منہ آگ سے بھڑک رہے ہوں گے عرض کیا گیا یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہوں گے فرمایا (یہ وہ لوگ ہوں گے) جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۔

تکبر کرنے والوں کا حشر: بزار نے حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ تکبر کرنے والوں کا قیامت کے دن حشر چھوٹی چیونٹیوں کی شکل میں ہوگا۔اس موضوع کی اور بھی احادیث بکثرت آئی ہیں۔

پیشہ ور بھکاری کا حشر: چاروں اصحاب سنن نے اور حاکم نے حضرت ابن مسعود کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جو شخص باوجود غنی ہونے کے سوال کرے گا قیامت کے دن ایسی (زخمی) حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر کھرونچے اور خراشیں ہوں گی۔صحیحین میں بھی اسی طرح کی حدیث آئی ہے۔

مومن کے قتل میں مدد کرنے والے کا حشر

ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص مومن کے قتل میں آدھی بات کہہ کر بھی مدد کرے گا وہ اللہ کی پیشی میں ایسی حالت سے جائے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا ''مایوس از رحمت خدا''۔

قبلہ کی طرف ریزش پھینکنے والے کا حشر

ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ جو (مسجد کی) قبلہ کی دیوار پر ناک کی ریزش پھینکے گا قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں اٹھایا جائے گا کہ وہ ریزش اس کے چہرے پر (چسپاں) ہوگی۔

دورخے آدمی کا حشر: طبرانی نے الاوسط میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ دنیا میں جو شخص دورخا ہے وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کے آتشیں ساخت کے دو چہرے ہوں گے۔طبرانی اور ابن ابی الدنیا نے حضرت انس کی مرفوع حدیث لکھی ہے کہ (دنیا میں) جو دو زبانوں والا اللہ قیامت کے دن آتشیں ساخت کی اس کی دو زبانیں بنادے گا۔

دو بیویوں میں برابری نہ رکھنے والے کا حشر

چاروں اصحاب سنن اور حاکم اور ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جس کی دو بیبیاں ہوں اور وہ دونوں میں برابری نہ رکھے قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا (یعنی ٹیڑھا ہوگا) دوسری روایت میں آیا ہے اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا۔

حق تلفی کرنے والوں کا حشر: صحیح احادیث میں آیا ہے کہ جن لوگوں نے ناحق کسی کی کوئی چیز لی ہو جب ان لوگوں کا حشر ہوگا تو وہ چیز ان کی گردن

میں لدی ہوگی۔ صحیحین میں مرفوع حدیث ان لوگوں کے بارے میں آئی ہے جنہوں نے مال غنیمت میں کچھ چوری کی ہوگی تو حشر کے دن وہ چیز ان کی گردن پر سوار ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾

پھر پکڑا جائیگا پیشانی کے بال سے اور پاؤں سے ☆

مجرموں کا حشر ☆یعنی کسی کے بال اور کسی کی ٹانگ پکڑ کر جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا۔ یا ہر ایک مجرم کی ہڈیاں پسلیاں توڑ کر پیشانی کو پاؤں سے ملا دیں گے اور زنجیر وغیرہ سے جکڑ کر دوزخ میں ڈالیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

حناد نے اس آیت کی تشریح میں ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ پیشانی کو قدموں سے ملا دیا جائے گا پھر پشت کے پیچھے سے ایک زنجیر میں جکڑ دیا جائے گا۔

محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں بدکار شخص کی پیشانی کے بال پکڑ کر اسے اس گرم پانی میں ایک غوطہ دیا جائے گا تمام گوشت گھل جائے گا اور ہڈیوں کو چھوڑ دے گا۔ بس دو آنکھیں اور ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اور حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ یہ اُس وقت کا حال ہے جب ایک مرتبہ ان سے اُن کے جرائم کی پرسش ہو چکے گی، اور وہ انکار کر دیں گے، قسمیں اٹھا لیں گے تو ان کے مونہوں اور زبانوں پر مہر کر دی جائے گی۔ ہاتھوں پاؤں کی گواہی لی جائے گی، یہ تینوں تفسیریں ابن کثیر نے نقل کی ہیں، تینوں متقارب ہیں کوئی اختلاف نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

ایک مشکل ترین مقام: مسند احمد میں ہے کہ قبیلہ بنو کندہ کا ایک شخص مائی عائشہؓ کے پاس گیا۔ پردے کے پیچھے بیٹھا اور مائی صاحبہ سے سوال کیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی سنا ہے کہ کسی وقت آپ کو کسی شخص کی شفاعت کا اختیار نہ ہوگا؟ ام المؤمنینؓ نے جواب دیا کہ ہاں، ایک مرتبہ ایک ہی کپڑے میں ہم دونوں تھے۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں جب کہ پل صراط رکھا جائے گا اُس وقت مجھے کسی کی شفاعت سفارش کا اختیار نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ میں جان لوں کہ خود مجھے کہاں لے جاتے ہیں؟ اور جس وقت کہ چہرے سیاہ سفید ہونے شروع ہوں یہاں تک کہ میں دیکھ لوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جاتا ہے؟ یا فرمایا یہاں تک کہ میں دیکھ لوں کہ مجھے پر کیا وحی بھیجی جاتی ہے؟ اور جب جہنم پر پل رکھا جائے اور اسے تیز اور گرم کیا جائے۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کی تیزی اور گرمی کی کیا حد ہے؟ فرمایا تلوار کی دھار جیسا تیز ہوگا اور آگ کے انگارے جیسا گرم ہوگا۔ مومن تو بے ضرر گذر جائے گا اور منافق لٹک جائے گا جب بیچ میں پہنچے گا اس کے قدم پھسل جائیں گے۔ یہ اپنے ہاتھ اپنے پیروں کی طرف جھکائے گا۔ جس طرح کوئی ننگے پاؤں چل رہا ہو اور اسے کانٹا لگ جائے اور اس زور کا لگے گویا کہ اس نے اس کے پاؤں کو چھید دیا تو کس طرح بے صبری اور جلدی سے وہ سر اور ہاتھ جھکا کر اس کی طرف جھک جاتا ہے، اسی طرح یہ جھکے گا۔ ادھر یہ جھکا اُدر داروغۂ جہنم اس کی پیشانی اور قدم کو زنجیروں سے جکڑ لیں گے اور جہنم کی آگ میں گرا دیں گے جس میں تقریباً پچاس سال تک وہ گہرا اُترتا جائے گا۔ میں نے پوچھا حضور! یہ جہنمی کس قدر بوجھل ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مثل دس گیابھن اونٹنیوں کے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے بعض فقروں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے ہونا منکر ہے اور اس کی اسناد میں ایک شخص ہے جن کا نام بھی نیچے کے راوی نے نہیں لیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے یہ

جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

دوزخ ہے جس کو جھوٹ بتاتے تھے گنہگار ☆

☆یعنی اس وقت کہا جائے گا کہ یہ وہی دوزخ ہے جس کا دنیا میں انکار کیا کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾

پھریں گے بیچ اُس کے اور کھولتے پانی کے ☆

جہنمیوں کی حالت ☆یعنی کبھی آگ کا اور کبھی کھولتے پانی کا عذاب ہوگا (اعاذنا اللہ منہما ومن سائر انواع العذاب) (تفسیر عثمانی)

جہنم اور نہایت گرم پانی کے درمیان وہ چکر لگاتے رہیں گے۔ ترمذی اور بیہقی نے حضرت ابو درداء کی روایت سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ قیامت کے دن ان پر بھوک کرایسا مسلط کیا جائے گا کہ وہ (چیخیں گے اور) فریاد کریں گے ان کی فریاد رسی اسی طرح کی جائے گی کہ تھوہر کا کھانا ان کو دیا جائے گا جس سے نہ بھوک دفع ہوگی نہ بدن میں فربہی آئے گی اور جو کھانا ان کو کھلایا جائے گا وہ حلق میں پھنسے گا اس وقت ان کو یاد ہوگی کہ دنیا میں جب حلق میں کھانا پھنستا تھا تو پانی کی مدد سے اس کو تیر کر لیا کرتے تھے یہ بات یاد کر کے وہ پانی کے لئے فریاد کریں گے۔ ان کی فریاد پر گرم پانی لوہے کے آنکڑوں سے پکڑ کر ان کے منہ کے سامنے لایا جائے گا پانی جب منہ کے قریب آئے گا تو چہرہ بھن جائے گا اور پیٹ کے اندر پہنچے گا (تو انتڑیاں کٹ کر نکل پڑیں گی) الی آخر الحدیث۔

امام احمدؒ ترمذی، ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا

يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ کی تشریح میں فرمایا جیسے روغن زیتون کی تلچھٹ جب وہ پانی اس کے منہ کے قریب لایا جائے گا تو چہرے کی کھال گر پڑے گی۔

جہنم کی ایک وادی: کعب احبار نے کہا آن جہنم کی ایک وادی ہے جس میں دوزخیوں کا لہو جمع ہوگا اس وادی میں دوزخیوں کو ڈبویا جائے گا کہ ان کا ایک ایک جوڑا کھڑ جائے گا پھر ان کو وادی سے نکالا جائے گا اور از سرنو ان کی جسمانی تخلیق کر کے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا یہی مطلب ہے يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ کا۔ (تفسیر مظہری)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾ وَلِمَنْ خَافَ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اور جو کوئی ڈرا

مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾

کھڑے ہونے سے اپنے رب کے آگے اُس کے لئے ہیں دو باغ

ڈرنے والے☆ یعنی جس کو دنیا میں ڈر لگا رہا کہ ایک روز اپنے رب کے آگے کھڑا ہونا اور رتی رتی کا حساب دینا ہے اور اسی ڈر کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی سے بچتا رہا اور پوری طرح تقویٰ کے راستوں پر چلا اس کے لئے وہاں دو عالیشان باغ ہیں جن کی صفات آگے بیان کی گئی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں عطاء کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک روز حضرت ابوبکر قیامت میزان اور جنت دوزخ کے سوچ میں پڑ گئے اور فرمایا کاش میں پیدا ہی نہیں ہوتا کاش میں گھاس ہوتا کہ کوئی چوپایہ مجھے آ کر چر لیتا اور دوبارہ مجھے پیدا نہ کیا جاتا اس پر آیت نازل ہوئی۔

ابن شوذب اور عطا خراسانیؒ فرماتے ہیں آیت وَلِمَنْ خَافَ حضرت صدیق اکبرؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

چار جنتیں: احادیث میں آیا ہے کہ جنتیں کل چار ہوں گی دو چاندی کی ان دونوں میں جو برتن اور دوسری چیزیں ہوں گی وہ چاندی کی ہوں گی اور دو جنتیں سونے کی ان دونوں میں جو برتن اور دوسیر چیزیں ہوں گی وہ سب سونے کی ہوں گی۔ اہل جنت اور اللہ کے درمیان صرف عظمت الٰہیہ کی چادر حائل ہوگی اور وہ اپنے رب کو جنت عدن میں دیکھیں گے۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین عن ابی موسیٰ الاشعری۔

بغوی نے حضرت عبداللہ بن قیس کی روایت سے اور احمد وطیالسی وبیہقی نے حضرت ابوموسیٰ کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنات الفردوس چار ہیں دو سونے کی جن کے سارے زیور برتن اور تمام چیزیں سونے کی ہونگی اور دو چاندی کی جس کے اندر زیور برتن اور تمام اشیاء چاندی کی ہونگی الخ بغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ڈرتا ہے وہ رات کو (بھی) چلتا ہے اور جو رات کو (بھی) چلتا ہے وہ منزل پر پہنچ جاتا ہے سن لو اللہ جو چیز فروخت کرتا ہے وہ بیش قیمت جنت ہے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ۔ مقام رب سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک قیامت کے روز حق تعالیٰ کے سامنے حساب کے لئے پیشی ہے اور اس سے خوف کے معنی یہ ہیں کہ جلوت وخلوت میں اور ظاہر و باطن کے تمام احوال میں اس کو یہ مراقبہ دائمی رہتا ہو کہ مجھے ایک روز حق تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا اور اعمال کا حساب دینا ہے اور ظاہر ہے جس کو ایسا مراقبہ ہمیشہ رہتا ہو وہ گناہ کے پاس نہیں جائے گا۔

اور قرطبی وغیرہ بعض حضرات مفسرین نے مقام رب کی یہ تفسیر بھی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہر قول وفعل اور خفیہ وعلانیہ عمل پر نگراں اور قائم ہے ہماری ہر حرکت اس کے سامنے ہے حاصل اس کا بھی وہی ہوگا کہ حق تعالیٰ کا یہ مراقبہ اس کو گناہوں سے بچا دے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

ڈرنے والے کی فضیلت: حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اس آیت کی تلاوت کی تو میں نے کہا اگر چہ زنا اور چوری بھی اس سے ہوگئی ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اسی آیت کی تلاوت کی۔ میں نے پھر وہی کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی آیت پڑھی۔ میں نے پھر یہی سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگرچہ ابودرداء کی ناک خاک آلود ہو جائے نسائی۔ بعض سند سے یہ روایت موقوف بھی مروی ہے۔ اور حضرت ابودرداءؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ جس دل میں خدا کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف ہوگا ناممکن ہے کہ اس سے زنا ہو یا وہ چوری کرے۔

ترمذی شریف کی یہ حدیث بھی خیال میں رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ڈرے گا وہ رات کے وقت ہی کوچ کرے گا اور جو رات کے اندھیرے میں چل پڑا وہ منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔ خبردار ہو جاؤ خدا کا سودا بہت گراں ہے یاد رکھو وہ سودا جنت ہے۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کو غریب بتلاتے ہیں۔

مومن جن بھی جنت میں جائیں گے

یہ آیت عام ہے انسانوں اور جنات دونوں کو شامل ہے اور اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ جنوں میں سے بھی جو ایمان لائیں اور تقویٰ کریں وہ جنت میں جائیں گے۔ اسی لئے جن وانس کو اس کے بعد خطاب کر کے فرماتا ہے کہ اب تم اپنے رب کی کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾

جن میں بہت سی شاخیں

باغ اور پھل ☆ یعنی مختلف قسم کے پھل ہوں گے اور درختوں کی شاخیں نہایت پرمیوہ اور سایہ دار ہوں گی۔ (تفسیر عثمانی)

عکرمہ کا قول ہے کہ فنن ٹہنیوں کے اس سایہ کو کہتے ہیں جو باغ کی دیواروں پر پڑتا ہے جس نے ذواتا افنان کا ترجمہ کیا ہے ذواتا اظلال (سایہ دار) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ افنان فن کی جمع ہو یعنی رنگارنگ کے پھلوں اور قسم قسم کے درختوں والیاں عرب کہتے ہیں افتن فلان فی حدیثہ فلاں شخص نے اپنی گفتگو میں طرح طرح کی اور رنگ رنگ کی باتیں کہیں سعید بن جبیر اور ضحاک کا یہی قول ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿۵۰﴾

اُن دونوں میں دو چشمے بہتے ہیں ☆

☆ یعنی جو کسی وقت تھمتے نہیں نہ خشک ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

جنت کے چشمے اور نہریں: ہر جنت میں دو قسم کے چشمے ہوں گے خواہ سو ہوں یا ہزار یا اس سے کم و بیش۔ کیوں کہ اللہ نے فرمایا ہے۔

فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چاروں قسم کی بکثرت نہریں جنت کے اندر ہوں گی۔ پانی کی دودھ کی شراب کی اور شہد کی ہر قسم کی بہت سی نہریں۔

بغوی نے حسن کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں چار نہریں ہوں گی دو تو عرش کے نیچے سے رواں ہوں گی ایک وہ جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا اور دوسری زنجبیل باقی دونوں ابلتی ہوں گی ایک سلسبیل دوسری تسنیم۔ (تفسیر مظہری)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِيْهِمَا مِنْ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اُن دونوں میں

كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

ہر میوہ قسم قسم کا ہوگا پھر کیا کیا نعمتیں

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ

اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تکیہ لگائے بیٹھے بچھونوں پر

بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ

جن کے استر تافتے کے ☆

بچھونے ☆ جب ان کا استر دبیز ریشم کا ہوگا تو ابرے کو اسی سے قیاس کر لو۔ کیسا کچھ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

جنت کے پھل اور چیزیں: بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا دنیا میں جو میٹھے یا کڑوے پھل ہیں وہ سب جنت میں ہوں گے یہاں تک کہ حنظل بھی ہوگا مگر وہ کڑوا نہ ہوگا میٹھا ہوگا۔ ابن ابی حاتم اور ابن المنذر نے بھی یہ روایت بیان کی ہے۔ ابن ابی حاتم نے مسند میں اور حناد نے زھد میں اور ابن جریر و بیہقی نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جنت کے اندر جو چیزیں ہوں گی دنیا میں ان کے صرف نام ہی نام ہیں (کیفیت' لذت' حالت' حقیقت مقدار وغیرہ جنت کی چیزوں کی بالکل الگ ہے) (تفسیر مظہری)

حضرت اسماءؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہٰی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اس کی شاخوں کا سایہ اس قدر دراز ہے کہ سوار سو سال تک اس میں چلا جائے۔ یا فرمایا کہ سو سوار اس کے تلے سایہ حاصل کرلیں۔ سونے کی ٹڈیاں اس پر چھائی ہوئی تھیں' اس کے پھل بڑے بڑے مٹکوں اور بہت بڑی گول جتنے تھے (ترمذی) پھر ان میں نہریں بہہ رہی ہیں تاکہ ان درختوں اور شاخوں کو سیراب کرتی رہیں اور بکثرت اور عمدہ پھل لائیں۔ اب تو تمہیں اپنے رب کی نعمتوں کی قدر کرنی چاہئے۔ ایک کا نام تسنیم ہے دوسری کا سلسبیل ہے۔ یہ دونوں نہریں پوری روانی کے ساتھ بہہ رہی ہیں۔ ایک ستھرے پانی کی دوسری لذت والی بے نشے کی شراب کی۔ ان میں ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے بھی موجود ہیں۔ اور پھل بھی وہ جن سے تم صورت شناس تو ہو لیکن لذت شناس نہیں ہو۔ کیونکہ وہاں کی نعمتیں نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کان نے سنی ہیں نہ کسی دماغ میں آسکتی ہیں۔ تمہیں رب کی نعمتوں کی ناشکری سے رک جانا چاہئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ۔ پہلے دو باغوں کی صفت میں مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ کے الفاظ سے تمام انواع فواکہ کا ہونا بیان فرمایا ہے' اس کے بالمقابل دوسرے باغوں میں مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ کے بجائے صرف فَاكِهَةٍ کے الفاظ ہیں اور زَوْجٰنِ کے معنی یہ ہیں کہ ہر میوے کی دو دو قسمیں ہوں گی' یہ دو قسمیں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خشک و تر کی ہوں' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک تو عام معروف و

مشہور اور مزے کی ہو اور دوسری غیر معمولی انداز کی (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾

اور میوہ اُن باغوں کا جھک رہا ☆

بے تکلف حاصل ہونے والے پھل ☆ جس کے چننے میں کلفت نہ ہوگی کھڑے، بیٹھے، لیٹے، ہر حالت میں بے تکلف متمتع ہوسکیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۵۵﴾ فِيهِنَّ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اُن میں عورتیں

قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ

ہیں نیچی نگاہ والیاں نہیں قربت کی اُن سے کسی آدمی نے

قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿۵۶﴾

اُن سے پہلے اور نہ کسی جن نے ☆

عصمت کی پیکر حوریں ☆ یعنی ان کی عصمت کو کسی نے بھی چھوا نہ انہوں نے اپنے ازواج کے سوا کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ (تفسیر عثمانی)

جنت کی حوریں: لَمْ يَطْمِثْهُنَّ الخ یعنی انسانی عورتوں سے کسی انسان نے اور جنی عورتوں سے کسی جن نے مباشرت نہیں کی ہوگی۔

ابن ابی حاتم اور بیہقی نے بوساطت ابوطلحہ حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے لَمْ يَطْمِثْهُنَّ یعنی (جماع سے) ان کو خون آلود نہیں کیا ہوگا۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے اس امر پر کہ انسانوں کی طرح جن بھی مباشرت کرتے ہیں۔ مقاتل نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں کہا کسی انس و جن نے ان سے مباشرت نہیں کی ہوگی کیوں کہ ان کی تخلیق جنت میں ہوئی ہے۔ اس تفسیر پر قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ سے مراد حوریں ہوں گی۔

دنیا والی عورتوں کی تخلیق ثانی: سعید بن منصور اور بیہقی نے شعبی کا قول بیان کیا ہے کہ دنیا کی عورتوں کی دوبارہ تخلیق اس طرح ہوگی جس طرح آیت إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا عُرُبًا أَتْرَابًا۔

یعنی تخلیق ثانوی کے بعد کسی انس و جن نے اہل جنت سے پہلے ان سے مباشرت نہ کی ہوگی۔ بغوی نے کلبی کی طرف بھی اس تشریح کی نسبت کی ہے۔

جنت میں داخل ہونے والا پہلا گروہ

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا اس کی شکلیں چودھویں کے چاند کی طرح ہوں گی۔ نہ وہ تھوکیں گے نہ ناک کی ریزش نکلیں گے نہ براز کو ان کی ضرورت ہو گی۔ دوسری روایت میں آیا ہے وہ بیمار نہیں ہوں گے ان کے برتن اور کنگھے سونے اور چاندی کے ہوں گے، ان کی انگیٹھیاں موتی کی ہوں گی، ان کا پسینہ مشک ہوگا۔ ہر شخص کی دو بیبیاں ہوں گی، جن کے حسن کی یہ حالت ہوگی کہ پنڈلیوں کے اندر کا مغز (گوشت کے شفاف ہونے کی وجہ سے) باہر سے نظر آئے گا۔ اہل جنت میں باہم اختلاف اور بغض نہ ہوگا سب کو یک دل ہوں گے، صبح شام اللہ کی پاکی بیان کرنے میں مشغول رہیں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۵۷﴾ كَأَنَّهُنَّ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے وہ کیسی جیسے

الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾

کہ لعل اور مونگا ☆

☆ یعنی ایسی خوش رنگ اور بیش بہاء۔ (تفسیر عثمانی)

حوروں کا حسن: ابن ابی حاتم، یہ روایت ترمذی میں بھی موقوفاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے اور امام ترمذیؒ اسی کو زیادہ صحیح بتلاتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے پیغمبر مدنی احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر اہل جنت کی دو بیویاں اس صفت کی ہوں گی کہ ستر ستر حلے پہن لینے کے بعد بھی ان کی پنڈلیوں کی جھلک نمودار رہے گی۔ بلکہ اندر کا گودا بھی بوجہ صفائی کے دکھائی دے گا۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ یا تو فخر کے طور پر یا مذاکرہ کے طور پر یہ بحث چھڑ گئی کہ جنت میں عورتیں زیادہ ہوں گی یا مرد؟ تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کیا ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی وہ چاند جیسی صورتوں والی ہوں گی۔ ان کے پیچھے جو جماعت جائے گی وہ آسمان کے بہترین چمکیلے تاروں جیسے چہروں والی ہوگی۔ ان میں سے ہر شخص کی دو دو بیویاں ایسی ہوں گی جن کی پنڈلی کا گودا گوشت کے پیچھے سے نظر آئے گا اور جنت میں کوئی بے بیوی کا نہ ہوگا۔ اس حدیث کی اصل بخاری میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں خدا کی راہ کی صبح اور اس کی راہ کی شام ساری دنیا سے اور جو اس میں ہے سب سے بہتر ہے۔ جنت میں جو جگہ تمہیں ملے گی اس میں سے ایک کمان یا ایک کوڑی کے برابر کی جگہ ساری دنیا اور اس کی ساری چیزوں سے افضل ہے۔ اگر جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت دنیا میں جھانک لے تو زمین و آسمان کو جگمگا دے اور خوشبو سے تمام عالم مہک اٹھے۔ ان کی ہلکی سی چھوٹی سی دوپٹیاں بھی دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے گراں ہیں۔ صحیح بخاری

میں یہ حدیث بھی ہے۔ پھر ارشاد ہے کہ دنیا میں جس نے نیکی کی اس کا بدلہ آخرت میں سلوک و احسان کے سوا اور کچھ نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اور کیا

جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾

بدلہ ہے نیکی کا مگر نیکی ☆

نیکی کا بدلہ: یعنی نیک بندگی کا بدلہ نیک ثواب کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ ان جنتیوں نے دنیا میں اللہ کی انتہائی عبادت کی تھی گویا وہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اللہ نے ان کو انتہائی بدلہ دیا۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ (سجدہ۔ رکوع ۲)۔ شاید اس میں دولت دیدار کی طرف بھی اشارہ ہو واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی

بغوی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ تلاوت فرمائی پھر ارشاد فرمایا' جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا۔ صحابہؓ نے عرض کیا' اللہ اور اللہ کے رسول ہی بخوبی واقف ہیں فرمایا' اللہ ارشاد فرماتا ہے' جس کو میں نے توحید کی نعمت عطا کی اُس کا بدلہ سواء جنت کے اور کچھ نہیں ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا' جس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا اور جو شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اس پر عمل کیا۔ اس کا بدلہ سواء جنت کے کچھ نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾ وَمِنْ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اور اُن

دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾

دو کے سوائے اور دو باغ ہیں

اصحاب یمین کے باغ: شاید پہلے دو باغ مقربین کے لیے تھے اور یہ دونوں اصحاب یمین کے لیے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہتا ہے اس کے لئے چار جنتیں ہوں گی دو کا ذکر وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ میں کر دیا گیا اور دو کی صراحت اس جگہ کر دی چونکہ اول الذکر دونوں جنتیوں کا مرتبہ مؤخر الذکر جنتیوں سے اعلیٰ تھا۔ اس لئے چاروں کا ذکر یکجا نہیں کیا بلکہ اول درجہ کی جنتیوں کا ذکر پہلے کر دیا پھر آخری جنتوں کی صراحت کی۔

حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا پہلی دونوں جنتیں سونے کی ہیں اور سابقین اولین کے لئے ہیں اور دوسری دونوں جنتیں ان کی پیروی کرنے والوں کے لئے ہیں اور چاندی کی ہیں۔ رواہ الحاکم والبیہقی۔

بیہقی نے حضرت ابوموسیٰؓ کی روایت سے حدیث مذکور اس طرح بھی بیان کی ہے کہ پہلی دونوں جنتیں سونے کی سابقین کے لئے ہیں اور دوسری جنتیں اصحاب الیمین (دائیں طرف والوں) کے لئے۔ کذا ذکر البغوی قول ابن جریج۔

بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ کا عرش پانی پر تھا پھر اللہ نے اپنے لئے جنت بنائی پھر اس میں دوسری جنت بنا دی پھر اس کو ایک موتی سے ڈھانپ دیا اور کہا وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ۔

بقول بغوی کسائی نے من دونہما کا ترجمہ کیا ہے ان دونوں کے سامنے' دونوں کے مقابل۔

ضحاک کا قول ہے کہ دو جنتیں سونے کی ہیں اور دوسری دونوں یاقوت کی۔ یہ قول بھی دلالت کر رہا ہے کہ من دون سے مراد (کم مرتبہ نہیں بلکہ) سامنے اور مقابل ہے (کیونکہ یاقوت کی جنتیں سونے کی جنتوں سے کم مرتبہ نہیں ہو سکتیں) (تفسیر مظہری)

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے گہرے سبز جیسے سیاہ ☆

سبزی جب زیادہ گہری ہوتی ہے تو سیاہی مائل ہو جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ ان دونوں باغوں میں سبزی اور زمین پر پھیلی ہوئی بیلوں کی کثرت ہوگی' جس طرح اول الذکر دونوں باغوں میں درختوں اور پھلوں کی فراوانی ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ اول الذکر باغوں کو مؤخر الذکر باغوں پر اسی وجہ سے برتری ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِیْهِمَا

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اُن میں

عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

دو چشمے ہیں اُبلتے ہوئے پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی

تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ

جھٹلاؤ گے اُن میں میوے ہیں اور کھجوریں

وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾

اور انار ☆

انار اور کھجور ☆ مگر یہاں کے انار اور کھجوروں پر قیاس نہ کیا جائے ان کی کیفیت اللہ ہی جانے۔ (تفسیر عثمانی)

درخت خرما کا پھل (تازہ ہو یا خشک) محض غذا ہے اور انار دوا ہے اور فاکہہ وہ چیز ہوتی ہے جس کا مقصد صرف لذت ذوق ہوتا ہے۔ اسی لئے امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی اور کہا میں فاکہہ نہیں کھاؤں گا اور کھجور یا انار کھالیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول بیان کیا ہے کہ جنت کے کھجور کے درختوں کے تنے سبز زمرد کے اور پتے سرخ سونے کے ہوں گے ان کے ریشوں سے اہل جنت کے لباس اور جوڑے بنائے جائیں گے ان کے پھل مٹکوں یا ڈولوں کے برابر ہوں گے دودھ سے زیادہ سفید شہد سے زیادہ میٹھے اور مکھن سے زیادہ نرم ہوں گے ان کے اندر گٹھلی نہیں ہوگی۔

ابن ابی الدنیا نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا' جنت کے ایک چھوارے کی لمبائی بارہ ہاتھ ہوگی اور اس کے اندر گٹھلی نہیں ہوگی یہ بھی حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جنت کے ایک انار کے گرداگرد بہت سے آدمی جمع ہو کر سب مل کر اس کو کھائیں گے' اگر کھانے کے لئے کسی کی زبان پر کسی چیز کا ذکر آ جائیگا فوراً وہ چیز مل جائیگی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' میں نے جنت میں انار (اتنا بڑا) دیکھا کہ جیسے اونٹ جس پر پالان کسا ہوا ہو۔ (تفسیر مظہری)

ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے جنتی کھجور کے درختوں کے ریشے کا جنتیوں کا لباس بنے گا۔ یہ سرخ رنگ سونے کے ہوں گے۔ اس کے تنے سبز زمردیں ہوں گے اس کے پھل شہد سے زیادہ میٹھے اور مسکے سے زیادہ نرم ہوں گے۔ گٹھلی بالکل نہ ہوگی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ میں نے جنت کے انار دیکھے اتنے بڑے تھے جیسے اونٹ مع ہودج۔ خیرات کے معنی بہ کثرت اور بہت حسین' نہایت نیک خلق اور بہتر خلق ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ معنی مروی ہیں۔

جنت میں کھانے کے بعد فضلہ نہیں ہوگا

مسند عبد بن حمید میں ہے یہودیوں نے آ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا جنت میں میوے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا ہاں ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیا جنتی دنیا کی طرح وہاں بھی کھائیں گے پئیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں بلکہ بہت کچھ زیادہ اور بہت کچھ زیادہ۔ انہوں نے کہا پھر کیا وہاں فضلہ بھی نکلے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں نہیں بلکہ پسینہ آ کر سب ہضم ہو جائیگا۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِيهِنَّ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ان سب

خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾

باغوں میں اچھی عورتیں ہیں خوبصورت ☆

خوب صورت اور خوب سیرت بیویاں

یعنی اچھے اخلاق کی خوبصورت اور خوب سیرت۔ (تفسیر عثمانی)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

حُورٌ مَّقْصُورٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾

حوریں ہیں رُکی رہنے والیاں خیموں میں ☆

عورت کی خوبی ☆ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت ذات کی خوبی گھر میں رکے رہنے ہی سے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

''حور'' کا معنی: حور حوراء۔ حوراء اس عورت کو کہتے ہیں جس کی آنکھوں کا حدقہ۔ خوب سیاہ ہو اور سفیدی بجائے خود خوب سفید اور سیاہی بجائے خود خوب سیاہ ہو' اور پلک چمکدار ہوں اور پلکوں کے گرداگرد سفیدی ہو اور بدن گورا ہو' یا پوری آنکھ ہرن کی طرح چمکیلی سیاہ ہو' ایسی آنکھ انسان کی نہیں ہوتی مجازاً اس کا استعمال عورتوں کے لئے کیا جاتا ہے۔ کذا فی القاموس۔

''حور'' کی خوبصورتی و پاکیزگی

ابن مبارک کا بیان ہے کہ زید بن اسلم نے کہا' اللہ تعالیٰ حور عین کو مٹی سے نہیں پیدا کرتا' بلکہ ان کی ساخت مشک و کافور اور زعفران کی ہے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اگر حور سمندر میں تھوک دے تو اس کے لعاب دہن کی شیرینی سے سمندر میٹھا ہو جائے۔

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اہل جنت کی عورتوں میں سے اگر کوئی عورت سات سمندروں میں تھوک دے تو سارے سمندر شہد سے زیادہ میٹھے ہو جائیں۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے اندر اتنی مقدار جتنی تم میں سے کسی کے کمان کے نصف وتر کی ہوتی ہے دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے اور جنت کی عورتوں میں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانک لے تو زمین تک ساری درمیان مسافت روشن ہو جائے اور خوشبو سے بھر جائے اور اس کے سر کی اوڑھنی دنیا اور موجودات سے بہتر ہے۔ رواہ البخاری۔

ابن ابی الدنیا نے کعب کا قول نقل کیا ہے کہ اگر حور کا ایک ہاتھ آسمان سے نیچے کی طرف لٹکا دیا جائے تو ساری زمین اس کی وجہ سے ایسی روشن ہو جائے جیسے سورج دنیا والوں کے لئے چمکتا ہے۔

مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ۔ چھپی ہوئی محفوظ مسہریوں میں۔

حوروں کے خیمے: صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنت میں ایک خیمہ ہے درمجوف کا جس کا عرض ساٹھ میل کا ہے اس کے ہر ہر کونے میں جنتی کی بیویاں ہیں جو دوسری کونے والیوں کو نظر نہیں آتیں۔ مومن ان سب کے پاس آتا جاتا رہے گا۔ دوسری روایت میں چوڑان ان کا تیس میل ہونا مروی ہے۔ یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں بھی ہے۔

حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں خیمہ ایک ہی لؤ لؤ کا ہے جس میں ستر دروازے موتی کے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں جنت میں ایک خیمہ ہوگا جو ایک موتی کا بنا ہوا ہوگا۔ چار فرسخ چوڑا، جس کے چار ہزار دروازے ہوں گے اور چوکھٹیں سب کی سونے کی ہوں گی۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے ادنیٰ درجے کے جنتی کے اسی ہزار خادم ہوں گے اور بہتر بیویاں ہوں گی اور لؤ لؤ وزبرجد کا محل ہوگا جو جابیہ سے صنعا تک پہنچے۔ پھر فرماتا ہے ان بے مثل حسینوں کے پنڈے اچھوتے ہیں کسی جن وانس کا گذران کے پاس نہیں ہوا۔ (تفسیر ابن کثیر)

بغوی نے (مقصورات کے معنی تشریح کرتے ہوئے) لکھا ہے کہ وہ حوریں جنہوں نے اپنی نظریں صرف اپنے شوہروں پر منحصر کرا اور مقصور کر رکھی ہوں گی، شوہروں کے علاوہ دوسروں پر وہ نگاہ بھی نہیں ڈالیں گی۔ بیہقی نے مجاہد کا قول بیان کیا، مقصورات یعنی خیموں کے اندر بند اور محفوظ ہوں گی وہاں سے نہیں ہٹیں گی اور خیمہ موتی اور چاندی کا ہوگا۔

بیہقی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، شب معراج میں جنت کے اندر ایک جگہ پہنچا، جس کو بیدرح کہا جاتا ہے، وہاں موتی زبرجد سبز اور یاقوت سرخ کے خیمے ہیں (اندر سے حوروں نے) کہا، السلام وعلیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میں نے کہا، جبرئیل یہ آواز کیسی ہے (جس نے مجھے خطاب کیا) جبرائیل نے کہا یہ خیمے کے اندر مستور حوریں ہیں، انہوں نے اپنے رب سے آپ کو سلام کرنے کی اجازت مانگی تھی، اللہ نے ان کو اجازت دے دی۔ حوریں کہنے لگیں، ہم (ہمیشہ) رضامند رہیں گی، کبھی ناراض نہیں ہوں گی ہم (یہاں) ہمیشہ رہیں گی کبھی (یہاں سے) کوچ نہیں کریں گی (یہ بیان کرنے کے بعد) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ پڑھا۔ بغوی نے حضرت عبداللہ بن قیس کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جنت کے اندر ایک خیمہ ہے، کھوکھلے موتی کا، جس کی چوڑائی ساٹھ میل ہے اس کی ہر گوشہ میں رہنے والے دوسروں کو (یعنی دوسرے گوشہ میں رہنے والوں کو) نظر نہیں آتے، اہل ایمان ان سب کا دورہ کریں گے (یعنی یہ سب مؤمنوں کے زیر حکم ہوں گے) صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے بھی اسی طرح کی حدیث آئی ہے۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خیمے کھوکھلے موتی کے ہوں گے، حضرت عمرؓ کی موقوف حدیث بھی اسی طرح آئی ہے۔ ابن جریر نے ابومجلز کی مرسل حدیث بھی ایسی ہی نقل کی ہے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابو درداءؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ خیمہ ایک موتی کا ہوگا، جس میں موتی کے ستر دروازے ہوں گے۔

حنادنے حضرت عمرؓ بن میمون کا قول نقل کیا ہے کہ خیمے کھوکھلے موتیوں کا ہوگا۔

مجاہد اور ابن احوص کی روایت بھی اسی طرح ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا نے حضرت ابن مسور کا قول نقل کیا ہے کہ ہر مسلم کا ایک منتخب پسندیدہ مقام ہوگا اور ہر پسندیدہ مقام میں ایک خیمہ ہوگا۔ اور ہر خیمہ کے چار دروازے ہوں گے اور ہر دروازہ سے ہر روز ایک تحفہ اور ہدیہ داخل ہوگا، جو اس سے پہلے نہ آیا ہوگا (یعنی نو بنو حوریں ہوں گی) نہ اترانے والیاں ہوں گی نہ غرور کرنے والیاں نہ گندہ بغل نہ گندہ دہن۔ حُوْرٌ عِیْنٌ کَاَنَّهُنَّ بَیْضٌ مَّکْنُوْنٌ۔

فائدہ: دنیا کی عورتیں حوروں سے بہتر ہوں گی بیہقی نے بیان کیا کہ حضرت ام سلمہ نے فرمایا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی عورتیں اعلیٰ ہیں یا حوریں، فرمایا دنیا کی عورتیں حورعین سے ایسی ہی افضل ہیں جیسا ابراء استر سے اعلیٰ ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ایسا کس وجہ سے ہے فرمایا، ان کے نماز روزے کی وجہ سے اللہ ان کے چہروں کو نور کا لباس پہنا دے گا (نورانی کر دے گا) اور ان کے جسموں کو ریشم کا لباس پہنا دے گا۔ ان کے رنگ گورے، کپڑے سبز اور زیور زرد ہوں گے، ان کی انگیٹھیاں موتی کی اور کنگھیاں سونے کی ہوں گی، وہ کہیں گی ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں ہم کبھی نہیں مریں گی، ہم آرام پروردہ ہیں کبھی دکھی نہیں ہوں گی ہم یہاں ہمیشہ مقیم رہیں گی، کبھی یہاں سے کوچ نہیں کریں گی، ہم ہمیشہ رضامند رہنے والیاں ہیں۔ کبھی ناراض نہیں ہوں گی، خوشی ہو اس کے لئے جس کے لئے ہم ہیں اور جو ہمارے لئے ہے، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر کسی عورت نے دو یا تین یا چار شوہر کئے ہوں اور پھر مر جائے اور جنت میں چلی

جائے اور اس کے سب شوہر بھی جنت میں چلے جائیں تو وہ کس شوہر کی بی بی ہوگی۔ فرمایا' اس کو اختیار دے دیا جائے گا (جس کی زوجیت میں چاہے داخل ہو جائے) اور وہ اس شوہر کی زوجیت کو پسند کرے گی جو دنیا میں سب سے اچھے اخلاق والا تھا' حضرت ام سلمہ نے فرمایا خوش اخلاقی دنیا اور دین کی ساری بھلائیوں پر غالب آ گئی۔

حناد کا بیان ہے کہ حبان بن جبلہ نے فرمایا' اہل جنت کی عورتیں جب جنت میں داخل ہوں گی تو حوروں سے ان کا مرتبہ اپنے اعمال دنیویہ کی وجہ سے افضل ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے نہیں
یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ
ہاتھ لگایا اُن کو کسی آدمی نے اُن سے پہلے اور
لَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا
نہ کسی جن نے پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی
تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ
جھٹلاؤ گے تکیہ لگائے بیٹھے سبز مسندوں پر
خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾
اور قیمتی بچھونے نفیس پر
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾
پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ
بڑی برکت ہے نام کو تیرے رب کی جو بڑائی والا
وَالْاِکْرَامِ ﴿۷۸﴾
اور عظمت والا ہے☆

یعنی جس نے اپنے وفاداروں پر ایسے احسان وانعام فرمائے اور غور کرو تو تمام نعمتوں میں اصلی خوبی اسی کے نام پاک کی برکت سے ہے اور اسی کا نام لینے سے یہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں پھر سمجھ لو جس کے اسم میں اس قدر برکت ہے مسمّی میں کیا کچھ ہوگی۔ ونسال اللہ الکریم الوھاب ذاالجلال والاکرام ان یجعلنا من اھل الجنتین الاولین. آمین تم سورۃ الرحمان وللہ الحمد والمنہ (تفسیر عثمانی)

رفرف کا معنی: صاحب قاموس نے لکھا ہے رفرف سبز کپڑا جس سے بیٹھنے کی چیزیں اور بستر اور فرش اور تکیے گدیاں بنائی جاتی ہیں۔ صحاح میں ہے کہ رفرف ایک خاص قسم کا کپڑا جو [illegible] کے مشابہ ہوتا ہے فارسی میں ایسے کپڑے کے فرش کو بہار کہتے ہیں۔

عوفی نے کہا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا' رفرف مجالس اور بستروں کا زائد حصہ (یعنی جھالر وغیرہ) قتادہ نے کہا' فرش کے اوپر جو سبز مجالس (یعنی چاندنی یا قالین یا مسند وغیرہ) بچھائی جاتی ہیں وہ رفرف خضر ہیں۔

ابن کیسان نے ترجمہ کیا کہنی ٹیکنے کے تکیے (جن پر کہنی ٹیکی جاتی ہے)

ابن عُیینہ نے ترجمہ کیا مسندیں۔

بیہقی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے کہا عَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ (یعنی) مسندیں قُتیبی نے ہر منقش کپڑے (چھینٹ وغیرہ) کو عرب عبقری کہتے ہیں' ابوعبیدہ نے کہا عبقری اس مقام کی طرف منسوب ہے جہاں کپڑے پر نقاشی کا کام ہوتا تھا' خلیل نے کہا ہر بزرگ اعلیٰ نفیس آدمی وغیرہ کو عرب عبقری کہتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے متعلق فرمایا تھا' میں نے ایسا کوئی عبقری نہیں دیکھا جو اس کی طرح کارنامے انجام دیتا ہو۔

بحمد اللہ

الحمدللہ سورۃ الرحمٰن کی تفسیر ختم ہوئی

سورۂ واقعہ

جس نے خواب میں دیکھا کہ وہ یہ سورہ پڑھ رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ نیکیوں اور طاعتوں کی طرف سبقت کرنے والا ہوگا۔ (ابن سیرین)

حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے، میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جو شخص ہر شب سورۂ واقعہ پڑھے گا اس کو کبھی فاقہ نہیں ستائے گا۔ رواہ البغوی وابویعلی فی مسندہ والبیہقی بسند ضعیف فی شعب الایمان۔ (واللہ اعلم)

سورۂ واقعہ کی خصوصی فضیلت مرض وفات میں عبداللہ بن مسعودؓ کی سبق آموز ہدایات

ابن کثیر نے بحوالہ ابن عساکر ابوظبیہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مرض وفات میں حضرت عثمان غنیؓ عیادت کے لئے تشریف لے گئے، حضرت عثمانؓ نے پوچھا مَا تَشْتَکِیْ (تمہیں کیا تکلیف ہے) تو فرمایا ذُنُوْبِیْ (یعنی اپنے گناہوں کی تکلیف ہے) پھر پوچھا مَاتَشْتَھِیْ (یعنی آپ کیا چاہتے ہیں) تو فرمایا رَحْمَةَ رَبِّیْ (یعنی اپنے رب کی رحمت چاہتا ہوں) پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں آپ کے لئے کسی طبیب (معالج) کو بلاتا ہوں تو فرمایا اَلطَّبِیْبُ اَمْرَضَنِیْ (یعنی مجھے طبیب ہی نے بیمار کیا ہے) پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں آپ کے لئے بیت المال سے کوئی عطیہ بھیج دوں تو فرمایا لَا حَاجَةَ لِیْ فِیْهَا (مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں) حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ عطیہ لے لیجئے وہ آپ کے بعد آپ کی لڑکیوں کے کام آئے گا تو فرمایا کیا آپ کو میری لڑکیوں کے بارے میں یہ فکر ہے کہ وہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جائیں گی۔ مگر مجھے یہ فکر اس لئے نہیں کہ میں نے اپنی لڑکیوں کو تاکید کر رکھی ہے کہ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھا کریں، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةِ کُلَّ لَیْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ اَبَدًا (ابن کثیر) (جو شخص ہر رات میں سورۃ واقعہ پڑھا کرے وہ کبھی فاقہ میں مبتلا نہیں ہوگا)۔

ابن کثیر نے یہ روایت بسند ابن عساکر نقل کرنے کے بعد اس کی تائید دوسری سندوں اور دوسری کتابوں سے بھی پیش کی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

سورۂ واقعہ کے مضامین: ابتداء سورۃ میں قیامت کے واقعہ ہونے کی خبر اس کے احوال عظمت و ہیبت کے ساتھ دیتے ہوئے انسانوں کو تین قسموں میں منقسم فرمایا اس کے بعد ان کے انجام اور سعادت و شقاوت اور جزاء و سزا کا ذکر فرمایا پھر دلائل قدرت کی تفصیل فرماتے ہوئے قرآن کریم کی عظمت و حقانیت کا بیان فرمایا اور یہ واضح فرمایا کہ کون لوگ سابقین بالخیرات اور اہل سعادت ہیں اور کون درمیانہ درجہ کے اور کون وہ بدنصیب ہیں جو سعادت سے محروم رہتے ہوئے اپنے کو ہلاکت و تباہی میں ڈالتے ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتٌّ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا ثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ واقعہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھیانوے آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝۱ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝۲

جب ہو پڑے ہو پڑنے والی نہیں ہے اُس کے ہو پڑنے میں کچھ جھوٹ☆

قیامت کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا ☆یعنی قیامت جب ہو پڑے گی اس وقت کھل جائیگا کہ یہ کوئی جھوٹی بات نہ تھی نہ اسے کوئی ٹال سکے گا نہ واپس کر سکے گا اور "لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ" وغیرہ کے جھوٹے دعوے سب ختم ہو جائیں۔ کوئی شخص جھوٹی تسلیوں سے اس دن کی ہولناک سختیوں کو گھٹانا چاہے یہ بھی نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝۳

پست کرنیوالی ہے بلند کرنیوالی☆

انقلاب عظیم ☆یعنی ایک گروہ کو نیچے لے جاتی ہے اور ایک گروہ کو اوپر اٹھاتی ہے۔ بڑے بڑے متکبروں کو جو دنیا میں بہت معزز اور سربلند سمجھے جاتے تھے اسفل سافلین کی طرف دھکیل کر دوزخ میں پہنچا دیگی اور کتنے ہی متواضعین کو جو دنیا میں پست اور حقیر نظر آتے تھے۔ ایمان و عمل صالح کی بدولت جنت کے اعلیٰ مقامات پر فائز کریگی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ سے اس جملہ کی یہی تفسیر منقول ہے، اور مقصد اس کا ہولناک ہونا اور اس میں عجیب قسم کے انقلابات پیش آنے کا بیان ہے، جیسا کہ سلطنتوں اور حکومتوں کے انقلاب کے وقت مشاہدہ ہوا کرتا ہے، کہ اوپر والے نیچے اور نیچے والے اوپر ہو جاتے ہیں، فقیر مالدار ہو جاتے ہیں مالدار فقیر ہو جاتے ہیں (روح) (معارف مفتی اعظم)

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝۴ وَّبُسَّتِ

جب لرزے زمین کپکپا کر اور ریزہ ریزہ

الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴿٦﴾

ہوں پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر پھر ہو جائیں غبار اُڑتا ہوا☆

یعنی زمین میں سخت زلزلہ آئیگا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر غبار کی طرح اڑتے پھرینگے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿٧﴾

اور تم ہو جاؤ تین قسم پر ☆

آدمیوں کی تین قسمیں ☆ یعنی وقوع قیامت کے بعد کل آدمیوں کی تین قسمیں کر دی جائیں گی دوزخی، عام جنتی، اور خواص مقربین جو جنت کے نہایت اعلیٰ درجات پر فائز ہونگے۔ آگے تینوں کا مجملاً ذکر کرتے ہیں۔ پھر ان کے احوال کی تفصیل بیان ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ قیامت کے روز تمام لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو جاویں گے، ایک قوم عرش کے داہنی جانب ہوگی، یہ وہ ہوں گے جو آدم علیہ السلام کی داہنی جانب سے پیدا ہوئے۔ اور ان کے اعمالنامے ان کے داہنے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے، اور ان کو عرش کی داہنی جانب میں جمع کر دیا جائے گا، یہ سب لوگ جنتی ہیں۔

دوسری قوم عرش کے بائیں جانب میں جمع ہوگی، جو آدم علیہ السلام کے بائیں جانب سے پیدا ہوئی اور جن کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھوں میں دیئے گئے۔ ان سب کو بائیں جانب میں جمع کر دیا جائے گا، اور یہ سب لوگ جہنمی ہیں، (نعوذ باللہ من صنیعھم)

اور تیسری قسم طائفہ سابقین کا ہوگا جو رب عرش کے سامنے خصوصی امتیاز اور قرب کے مقام میں ہوگا، جن میں انبیاء و رسول صدیقین، شہداء اور اولیاء اللہ شامل ہوں گے۔ ان کی تعداد بہ نسبت اصحاب الیمین کے کم ہوگی۔

آخر سورۃ میں ان تینوں کا ذکر پھر اس سلسلے میں آئے گا کہ انسانوں کی موت کے وقت سے ہی آثار اس کے محسوس ہو جائیں گے کہ یہ ان تینوں گروہوں میں سے کس گروہ میں شامل ہونے والا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ جب لوگوں کے جوڑے ملائے جائیں فرمایا قسم قسم کے یعنی ہر عمل کے عامل کی ایک جماعت۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم تین قسم پر ہو جاؤ گے یعنی اصحاب یمین اصحاب شمال اور سابقین۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ۬ مَآ اَصْحٰبُ

پھر داہنے والے کیا خوب ہیں

الْمَيْمَنَةِ ﴿٨﴾

داہنے والے☆

داہنی طرف والے ☆ یعنی جو لوگ عرش عظیم کی داہنی طرف ہوں گے جن کو اخذ میثاق کے وقت آدم کے داہنے پہلو سے نکالا گیا تھا اور ان کا اعمالنامہ بھی داہنے ہاتھ میں دیا جائیگا اور فرشتے بھی انکو داہنی طرف سے لیں گے۔ اس روز ان کی خوبی اور یمن و برکت کا کیا کہنا، شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کی نسبت دیکھا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی داہنی طرف نظر کر کے ہنستے ہیں اور بائیں طرف دیکھ کر روتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ۬ مَآ اَصْحٰبُ

اور بائیں والے کیا بُرے لوگ ہیں

الْمَشْئَمَةِ ﴿٩﴾

بائیں والے☆

بائیں جانب والے ☆ یہ لوگ آدم علیہ السلام کے بائیں پہلو سے نکالے گئے۔ عرش کے بائیں جانب کھڑے کیے جائینگے، اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا اور فرشتے بائیں طرف سے ان کو پکڑینگے، ان کی نحوست اور بدبختی کا کیا ٹھکانا۔ (تفسیر عثمانی)

بائیں ہاتھ کو عرب شوی کہتے ہیں، شام کو شام اور یمن کو یمن اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ملک شام کعبہ سے بائیں جانب اور یمن کعبہ سے دائیں جانب واقع ہے۔ بائیں سمت والوں کو دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا۔ یہ ہی خروج ذریت کے وقت حضرت آدم کے بائیں جانب تھے یا یوں کہا جائے کہ ان لوگوں کے بائیں ہاتھوں میں اعمالنامے دیئے جائیں گے یا یوں کہا جائے کہ یہ لوگ خود اپنے لئے منحوس ہوئے ان کی عمریں گناہوں میں بسر ہوئیں۔ (تفسیر مظہری)

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿١٠﴾ اُولٰٓئِكَ

اور اگاڑی والے تو اگاڑی والے وہ لوگ

الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿١١﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿١٢﴾

ہیں مقرب باغوں میں نعمت کے ☆

آگے بڑھ جانے والے ☆ یعنی جو لوگ کمالات علمیہ و عملیہ اور مراتب تقویٰ میں دوڑ کر اصحاب یمین سے آگے نکل گئے وہ حق تعالیٰ کی

رحمتوں اور مراتب قرب ووجاہت میں بھی سب سے آگے ہیں۔ (وھم الانبیاء والرسل و الصدیقون والشھداء یکونون بین یدی ربھم عز وجل کما قال ابن کثیرؒ)۔ (تفسیر عثمانی)

گروہ انبیاءؑ ایمان اور اطاعت خداوندی میں سب کے پیشوا اور سب سے آگے ہیں' ان کی امتیں ان کی تابع ہیں' انبیاء کا کامل اتباع کرنے والے اور بوراثت کمالات نبوت حاصل کرنے والے اور خالص انوارِ ذاتیہ سے مشرف ہونے والے صحابہ کرام اور ان کے بعض تبعین ہیں اسی لئے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جو ہجرت میں سبقت کرنے والے تھے' وہ ہی آخرت میں بھی پیش رو ہوں گے۔

عکرمہ نے کہا سابقین اولین سے مراد ہیں وہ لوگ جو اسلام میں سبقت کرنے والے تھے یعنی صحابہؓ ابن سیرین نے کہا' وہ مہاجر اور انصار مراد ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ ربیع بن انس نے کہا' دنیا میں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق میں سبقت کی وہ ہی جنت کی طرف سبقت کرنے والے ہوں گے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا' پانچوں نمازوں کی طرف پیش قدمی کرنے والے مراد ہیں۔

صحابہؓ کرامؓ: ان تمام اقوال کا حاصل یہ ہے کہ اَلسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ سے صحابہؓ کرامؓ مراد ہیں۔

حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا سَبَقْتُكُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ طُرًّا. غُلَامًا مَّا قَابَلَغْتُ اَوَانَ حُلْمِیْ میں نے تم سب سے پہلے اسلام کی طرف پیش قدمی کی جب کہ میں لڑکا تھا' زمانۂ جوانی کو نہیں پہنچا تھا۔

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا' صحابی سب کے سب کمالاتِ نبوت میں ڈوبے ہوئے تھے اور تابعین میں سے اکثر حضرات اور تبع تابعین میں بعض اشخاص بھی کمالات نبوت میں مستغرق تھے لیکن اس کے بعد (۱۰۰۰ ھ) تک' انوارِ نبوت مدھم اور ہلکے ہوتے رہے اور کمالات ولایت کا ظہور ہونے لگا۔ اور وہ انوارِ ولایت جو صفائی اور ظلی تجلیات سے مستفاد تھے (سُکر' شطح اور خوارق و کرامات) نمودار ہونے لگے پھر (۱۰۰۰ھ) کے بعد بعض افرادِ امت کو نبی کی سرشت پر پیدا کیا گیا اور اللہ نے کمالاتِ نبوت سے ان کو سرفراز فرمایا (یہ لوگ کمالات نبوت میں دورِ اول کے مشابہ ہوگئے) اسی وجہ سے امت کا آخری دور اول دور کی طرح اور اس کے مشابہ ہوگیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' میری امت کی مثال ایسی ہے' جیسے بارش' معلوم نہیں ہوتا کہ بارش کی ابتدائی حصہ زیادہ بہتر (مفید) ہے یا آخری حصہ۔ رواہ الترمذی عن انس۔ (تفسیر مظہری)

امام احمدؒ نے حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے سوال کیا کہ تم جانتے ہو کہ قیامت کے روز ظل اللہ کی طرف سبقت کرنے والے کون لوگ ہوں گے' صحابہؓ کرام نے عرض کیا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اُن کو حق کی طرف دعوت دی جائے تو اس کو قبول کریں اور جب اُن سے حق مانگا جائے تو ادا کردیں' اور لوگوں کے معاملات میں وہ فیصلہ کریں جو اپنے حق میں کرتے ہیں۔

مجاہدؒ نے فرمایا کہ سابقین سے مراد انبیاء ہیں' ابن سیرین نے فرمایا کہ جن لوگوں نے دونوں قبلوں یعنی بیت المقدس اور بیت اللہ کی طرف نماز پڑھی ہے وہ سابقین ہیں' اور حضرت حسنؒ وقتادہؒ نے فرمایا کہ ہر اُمت میں سابقین ہوں گے' بعض مفسرین نے فرمایا کہ مسجد کی طرف سب سے پہلے جانے والے سابقین ہوں گے۔

ابن کثیر نے ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ سب اقوال اپنی اپنی جگہ صحیح ودرست ہیں' ان میں کوئی اختلاف نہیں' کیونکہ سابقین وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں نیک کاموں کی طرف مسابقت کی ہوگی تو جو آدمی اس دنیا میں اعمالِ صالحہ کے اندر دوسروں سے آگے بڑھا رہا وہ آخرت میں بھی سابقین میں سے ہوگا' کیونکہ آخرت کی جزاءِ عمل کے مناسب دی جائے گی۔ (معارف مفتی اعظم)

فرشتوں کی ایک نامنظور درخواست:

ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ فرشتوں نے درگاہِ خدا میں عرض کیا کہ پروردگار تو نے ابن آدم کے لئے تو دنیا بنادی ہے وہ وہاں کھاتے پیتے ہیں اور بیوی بچوں سے لطف اٹھاتے ہیں پس ہمارے لئے آخرت کردے۔ جواب ملا کہ میں ایسا نہیں کروں گا۔ انہوں نے تین مرتبہ یہی دعا کی۔ پس خدائے تعالیٰ نے فرمایا میں نے جسے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اُسے اُن جیسا ہرگز نہ کروں گا جنہیں میں نے صرف لفظ کن سے پیدا کیا۔ حضرت امام دارمیؒ نے بھی اس اثر کو اپنی کتاب الردّ علی الجہمیہ میں وارد کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ اللہ عزوجل نے فرمایا جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے اُس کی نیک اولاد کو میں اُس جیسا نہ کروں گا جسے میں نے کہا ہوگا تو وہ ہوگیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾ وَقَلِيْلٌ

انبوہ ہے پہلوں میں سے اور تھوڑے ہیں

مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٤﴾

پچھلوں میں سے ☆

اوّلین اور آخرین ☆حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "پہلے کہا' پہلی امتوں کو اور پچھلی یہ امت (محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم) یا پہلے پچھلے اسی امت کے (مراد ہوں) یعنی اعلیٰ درجہ کے لوگ پہلے بہت ہو چکے ہیں۔ پیچھے کم ہوتے ہیں" (تنبیہ) اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر میں یہ دونوں احتمال بیان کیے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ نے دوسرے احتمال کو ترجیح دی اور روح المعانی میں طبرانی وغیرہ سے ایک حدیث ابوبکرہ کی بسند حسن نقل کی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کے متعلق فرمایا" **هما جميعاً من هذه الامة** (واللہ اعلم)۔ ابن کثیرؒ نے ایک تیسرا مطلب آیت کا بیان کیا ہے احقر کو وہ پسند ہے یعنی ہر امت کے پہلے طبقہ میں نبی کی صحبت یا قرب عہد کی برکت سے اعلیٰ درجہ کے مقربین جس قدر کثرت سے ہوئے ہیں پچھلے طبقوں میں وہ بات نہیں رہی کما قال صلی اللہ علیہ وسلم "**خير القرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم**" ہاں اگر ابوبکرہ کی حدیث صحیح ہو جیسا کہ روح المعانی میں ہی تو ظاہر ہے وہ ہی مطلب متعین ہوگا۔ (تفسیر عثانی)

اَلْاٰخِرِیْنَ۔ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ۱۰۰۰ھ کے بعد ہوئے اور اللہ نے ان کو کمالات نبوت سے سرفراز فرمایا۔

صحابہؓ کو بُرا نہ کہو: صحیحین میں حضرت ابوسعیدؓ خدری کی مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' میرے صحابیوں کو بُرا نہ کہو' اگر تم میں سے کوئی کوہ احد کے برابر سونا راہ خدا میں خرچ کرے گا تو میرے کسی ایک صحابی کے ایک سیر بلکہ آدھے سیر (چھوارے غلہ وغیرہ) کے برابر بھی نہ ہوگا۔

اہل جنت میں امت محمدیہ کی مقدار: امام احمد بزار اور طبرانی نے صحیح حدیث سے بیان کیا کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرمار ہے تھے مجھے امید ہے کہ میری اتباع کرنے والے اہل جنت میں ایک چوتھائی ہوں گے ہم نے یہ سن کر تکبیر کہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' میں امید رکھتا ہوں کہ (کل جنتی لوگوں میں) میری امت نصف ہوگی۔

امام بخاری نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم پسند کرو گے کہ (کل) اہل جنت میں تم ایک چوتھائی ہو ہم نے عرض کیا جی ہاں' فرمایا' قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' میں امید کرتا ہوں کہ (کل) جنتیوں میں تم آدھے ہوگے۔

ترمذی' حاکم اور بیہقی نے حضرت بریدہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی' اسی تمہاری اور چالیس باقی امتوں میں سے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔

طبرانی نے حضرت ابوموسیٰ' حضرت ابن عباس' حضرت معاویہ بن جیدہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔

(تفسیر مظہری)

اسی طرح محمد بن سیرینؒ نے فرمایا کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ کے متعلق علماء یہ کہتے اور توقع کرتے تھے کہ یہ اولین و آخرین سب اسی اُمت میں سے ہوں (ابن کثیر)

حدیث ابوبکرہؓ: روح المعانی میں ایک حدیث مرفوع بسند حسن حضرت ابوبکرہؓ کی روایت سے یہ نقل کی ہے۔

اَخْرَجَ مُسَدَّدٌ فِيْ مُسْنَدِه وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَالطَّبْرَانِيُّ وَابْنُ مَرْدُوِيه بِسَنَدٍ حَسَنٍ عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قَوْلِهٖ سُبْحَانَهٗ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ قَالَ هُمَا جَمِيْعًا مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ'

مسددؒ نے اپنی مسند میں اور ابن المنذر' طبرانی اور ابن مردویہ نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابوبکرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ دونوں جماعتیں اسی امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہوں گی۔"

اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی سند ضعیف کے ساتھ حدیث مرفوع بہت سے حضرات محدثین نے نقل کی ہے' جس کے الفاظ یہ ہیں هُمَا جَمِيْعًا مِّنْ اُمَّتِيْ' یعنی یہ دونوں اوّلین و آخرین میری ہی امت میں سے ہوں گے۔

اس تفسیر کے مطابق شروع آیت میں كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً کا مخاطب اُمت محمدیہ ہی ہوگی' اور یہ تینوں قسمیں امت محمدیہ ہی کی ہوں گی (روح المعانی)

امت محمدیہ کی افضلیت: تفسیر مظہری میں ہے کہ آیات قرآن کی واضح دلالت اس پر ہے کہ اُمت محمدیہ تمام اُمم سابقہ سے افضل ہے' اور بظاہر یہ ہے کہ کسی اُمت کی فضیلت اس کے اندر اعلیٰ طبقہ کی زیادہ تعداد ہی سے ہوتی ہے' اس لئے یہ بات بعید ہے کہ افضل الامم کے اندر سابقین مقربین کی تعداد کم ہو آیات قرآن كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اور لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا سے امت محمدیہ کی افضلیت سب اُمتوں پر ثابت ہے' اور ترمذی' ابن ماجہ و دارمی نے حضرت بہز بن حکیمؓ سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے' حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

اَنْتُمْ تُتِمُّوْنَ سَبْعِيْنَ اُمَّةً اَنْتُمْ اَخْيَرُهَا وَاَكْرَمُهَا عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى (تم ستر سابقہ امتوں کا تتمہ ہو گے جن میں تم سب سے آخر میں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ اکرم و افضل ہو گے)۔ (معارف مفتی اعظم)

عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾

بیٹھے ہیں جڑاؤ تختوں پر☆

جو سونے کی تاروں سے بنے گئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کچھ مفسروں نے کہا ملے ہوئے سونے اور جواہر سے بنے ہوئے ضحاک نے کہا قطار میں لگے ہوئے۔ (تفسیر مظہری)

مُّتَّكِـِٔيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿١٦﴾

تکیہ لگائے اُن پر ایک دوسرے کے سامنے ☆

اہل جنت کی نشست ☆ یعنی نشست ایسی ہوگی کہ کسی ایک کی پیٹھ دوسرے کی طرف نہ رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿١٧﴾

لئے پھرتے ہیں انکے پاس لڑکے سدا رہنے والے ☆

جنتیوں کے خُدّام ☆ یعنی خدمت کے لیے لڑکے ہونگے جو سدا ایک حالت پر رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

حسن نے کہا وہ دنیا والوں کی ہی اولاد ہوگی' جنہوں نے نہ نیکیاں کی ہوں گی کہ ثواب پائیں نہ گناہ کئے ہوں گے کہ عذاب میں ماخوذ ہوں بلکہ ان کو اہل جنت کا خادم بنا دیا جائے گا۔

ابن مبارک' ہناد اور بیہقی نے حضرت عمر کا قول بیان کیا ہے کہ سب سے کم درجہ کا جنتی وہ ہوگا' جس کے ایک ایک کام کے لئے ہزار خادم اس کے آس پاس دوڑیں گے اور (دوسرے کام کے لئے دوسرے خادم ہوں گے) اس کے کام پر دوسرے مقرر نہیں ہوں گے۔

اللہ نے اہل جنت کے حسن معاشرت' تہذیب اخلاق اور خلوص دوستی کو متقابلین کے لفظ سے ظاہر کر دیا **يَطُوْفُ** یعنی خدمت کے لئے ان کے پاس آمدورفت رکھیں گے۔

وِلْدَانٌ ۔ بعض اہل علم نے ترجمہ کیا وہ لڑکے جو خدمت اہل جنت کے لئے ہی پیدا کئے گئے ہیں۔

مُخَلَّدُوْنَ ۔ یعنی نہ وہ مریں گے نہ بوڑھے ہوں گے اور نہ ان میں اور کوئی تغیر آئے گا' بلکہ ہمیشہ لڑکوں ہی کی شکل میں رہیں گے۔ (تفسیر مظہری)

ابن ابی الدنیا نے حضرت انس کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ تمام جنتیوں میں سب سے نچلے جنتی کے سرہانے (یعنی پشت کی طرف) دس ہزار خادم کھڑے ہوں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ اہل جنت میں سب سے کم درجہ والے کے پاس صبح شام پانچ ہزار خادم آمدورفت کریں گے اور ان میں سے ہر ایک کے پاس (طرح طرح کے پھلوں اور کھانوں کا) ایک برتن ہوگا جو اس کے ساتھی کے پاس نہ ہوگا۔ اور اہل جنت میں کوئی بھی ادنیٰ درجہ والا نہیں ہوگا (یعنی اہل جنت میں مرتبہ کی بلندی اور پستی اضافی ہوگی واقع میں کسی کا درجہ پست نہیں ہوگا)۔

بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِيْقَ ۙ وَ كَاْسٍ مِّنْ

آبخورے اور کوزے اور پیالہ نتھری

مَّعِيْنٍ ﴿١٨﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا

شراب کا جس سے نہ سر دُکھے اور نہ

يُنْزِفُوْنَ ﴿١٩﴾

بکواس لگے ☆

☆ یعنی نتھری اور صاف شراب جس کے قدرتی چشمے جاری ہونگے اس کے پینے سے نہ سر گرانی ہوگی نہ بکواس لگے گی کیونکہ اس میں نشہ نہ ہوگا۔ خالص سرور اور لذت ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿٢٠﴾

اور میوہ جونسا پسند کر لیں

وَ لَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٢١﴾

اور گوشت اُڑتے جانوروں کا جس قسم کو جی چاہے ☆

پسندیدہ چیزیں فقط خواہش پر مل جائیں

یعنی جس وقت جو میوہ پسند ہو اور جس قسم کا گوشت مرغوب ہو بدون محنت و تعب کے پہنچے گا۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا' جوں ہی جنتی کے دل میں کسی پرندے کے گوشت کا خیال گذرے گا' فوراً وہ پرندہ جنتی کی خواہش کے موافق مجسم اسکے سامنے آ پڑے گا۔

بزار' ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے اندر تم جس پرندہ کو دیکھ کر اس کی خواہش کرو گے وہ فوراً بھنا ہوا تمہارے آگے آ جائے گا۔

ابن ابی الدنیا نے ابوامامہ کا بیان نقل کیا ہے کہ جنت کے اندر جنتی آدمی جس پرندے (کے گوشت) کی خواہش کرے گا۔ فوراً وہ پرندہ جو بختی اونٹ کی طرح ہوگا (بھنا ہوا) جنتی کے دستر خوان پر آ کر گرے گا نہ دھواں اس کو لگا ہوگا نہ اس کو آگ نے چھوا ہوگا' جنتی اس میں سے سیر ہو کر کھا چکے گا تو وہ اُڑ جائے گا۔

ہناد نے بروایت حسن بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے اندر (کچھ) پرندے بختی اونٹوں کی مثل ہوں گے وہ پرندہ جنتی کے پاس (خود) چلا آئے گا' جنتی اس میں سے (حسب خواہش) کھالے گا پھر وہ اُڑ جائے گا' ایسا معلوم ہوگا کہ اس کے کسی حصہ میں کمی آئی ہی نہیں۔

ہناد اور ابن ابی الدنیا نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جنت کے اندر ایسا پرندہ ہوگا کہ اس کے ستر ہزار پر ہوں گے وہ خود آ کر جنتی کی رکابی میں گر پڑے گا پھر بازو پھڑ پھڑائے گا تو اس کے ہر پر سے ایک رنگ نکلے گا جو برف سے زیادہ سفید' مکھن سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ شیریں ہوگا اور اس کے مشابہ کسی دوسرے پر کا رنگ نہیں ہوگا۔ اس کے بعد وہ اڑ کر چلا جائے گا۔

شجرۂ طوبیٰ: ہناد کا بیان ہے کہ مغیث بن شمی نے کہا طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے' جنت کے اندر کوئی مکان ایسا نہیں ہے کہ اس درخت کے کسی نہ کسی شاخ کا اس پر سایہ نہ ہو' اس درخت میں رنگا رنگ کے پھل ہیں بختی اونٹ جیسے پرندے اس پر اُترتے ہیں (جنتی) آدمی جب دل میں اس کی خواہش کرے گا اور اس کو بلائے گا تو وہ فوراً اس کے دسترخوان پر آ کر گر جائے گا' جنتی اس کے ایک طرف سے بھنا ہوا گوشت کھائے گا اور اس کے دوسرے پہلو سے پھر وہ پرندہ لوٹ کر ویسا ہی ہو جائے گا' جیسا تھا اور اڑ کر چلا جائے گا۔

حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت: بیہقی نے حضرت حذیفہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے اندر (کچھ) پرندے بختی اونٹوں کی طرح (یعنی جسامت میں) ہوں گے' حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا پھر وہ عیش میں ہوں گے' فرمایا' ان سے زیادہ عیش میں وہ لوگ ہوں گے جو ان کو کھائیں گے اور ابوبکر تم انہی کھانے والوں میں سے ہو گے۔ (تفسیر مظہری)

وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ
اور عورتیں گوری بڑی آنکھوں والیاں' جیسے موتی کے دانے
الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا
اپنے غلاف کے اندر بدلہ اُن کاموں کا جو
يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾
کرتے تھے ☆

حور عین ☆ یعنی صاف موتی کی طرح جس پر گرد و غبار کا ذرا بھی اثر نہ آیا ہو۔ (تفسیر عثمانی)

مجاہد نے کہا حور کی پنڈلیوں کا مغز کپڑوں کے باہر سے نمایاں ہوگا۔ حور عین کا ترجمہ سیاہ پتلیوں بڑی آنکھوں والیاں بھی کہا گیا ہے۔

بیہقی کا بیان ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا' میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول مجھے حور عین کا معنی بتائیے۔ فرمایا گورے رنگ کی دراز پلک والیاں جیسے گدھ کے پر' میں نے عرض کیا كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ کا کیا مطلب ہے فرمایا جیسے سیپ کے اندر موتی چھپا ہوا صاف اور ہاتھوں کے چھونے سے آزاد ہوتا ہے' وہ حوریں صفائی میں ایسے ہی موتی کی طرح شفاف ہوں گی۔

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ جنت میں ایک نور چمکے گا تو لوگ کہیں گے کوئی حور اپنے شوہر کے سامنے ہنسی' یہ اس کے دانتوں کی چمک ہے۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حور جب چلے گی تو اسکی پنڈلیوں کے پازیبیں اللہ کی تقدیس کریں گی۔ اور اس کی کلائیوں کے کنگن اللہ کی بندگی بیان کریں گے اور اس کے سینہ کا یاقوتی ہار ہنسے گا۔ اس کے دونوں پاؤں میں سونے کی جوتیاں ہوں گی' جن کے تسمے موتی کے ہوں گے اور وہ اللہ کی پاکی بیان کریں گے اور تقدیس و تمجید و تسبیح کی یہ آوازیں سنی جائیں گی۔ (تفسیر مظہری)

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾
نہیں سنیں گے وہاں بکواس اور نہ گناہ کی بات
اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾
مگر ایک بولنا سلام سلام ☆

جنت میں سلامتی ہی سلامتی ☆ یعنی لغو اور واہیات باتیں وہاں نہیں ہونگی نہ کوئی جھوٹ بولے گا نہ کسی پر جھوٹی تہمت رکھے گا بس ہر طرف سے سلام سلام کی آوازیں آئیں گی یعنی جنتی ایک دوسرے کو اور فرشتے جنتیوں کو سلام کرینگے۔ اور رب کریم کا سلام پہنچے گا جو بہت ہی بڑے اعزاز و اکرام کی صورت ہے اور سلام کی یہ کثرت اس کی طرف اشارہ ہے کہ اب یہاں پہنچ کر تم تمام آفات اور مصائب سے محفوظ اور صحیح و سالم رہو گے۔ نہ کسی طرح کا آزار پہنچے گا نہ موت آئیگی نہ فنا۔ (تفسیر عثمانی)

مجاہدین کا اعزاز: امام احمد' بزار اور ابن حبان نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' مخلوق خدا میں سب سے پہلے جنت کے اندر وہ فقراء مجاہدین داخل ہوں گے جن کے ذریعے سے (اسلامی) سرحدوں کی حفاظت ہوتی ہے اور مکروہات دفع کئے جاتے ہیں' اور (اس کے باوجود) وہ اپنی حاجت اپنے سینوں میں لئے مر جاتے ہیں' پوری نہیں کر پاتے' اللہ اپنے فرشتوں میں سے جس کو چاہے گا حکم دے گا کہ ان

مہاجروں کے پاس جاؤ اور ان کو سلام کرو۔ فرشتے عرض کریں گے' ہم آسمان کے باشندے اور تیری مخلوق میں سب سے افضل ہیں۔ اس پر بھی تو ہم کو ان کے پاس جانے اور سلام کرنے کا حکم دے رہا ہے (یہ لوگ کتنے اعلیٰ مرتبے والے ہیں) اللہ فرمائے گا وہ (میرے) بندے تھے' میری ہی عبادت کرتے تھے' میری عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتے تھے' ان سے سرحدوں کی حفاظت ہوتی تھی اور مکروہات کو دفع کیا جاتا تھا اور وہ اپنی حاجت اپنے سینوں میں لئے مرجاتے تھے۔ حاجت پوری نہیں کر پاتے تھے' حسب الحکم فرشتے ان کے پاس جائیں گے اور ہر دروازے سے داخل ہو کر کہیں گے' تم پر سلامتی ہو کیوں کہ تم نے صبر کیا۔ تمہارا آخری مکان کیسا اچھا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۵ مَآ اَصْحٰبُ
اور داہنے والے کیا کہنے داہنے
الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾
والوں کے رہتے ہیں بیری کے درختوں میں جس میں کانٹا نہیں
وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾
اور کیلے تہ پر تہ ☆

اصحاب الیمین ☆ جو قسم قسم کے مزہ دار پھلوں سے لدے ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

وہ پاک باطن نفوس مطمئنہ والے متقی ہوں گے' جن کے دل روشن ہیں' پھر آخرت میں انہیں کیساتھ گناہ گار اہل ایمان کو بھی شامل کر دیا جائے گا خواہ انبیاء اور صلحاء کی سفارش سے ان کے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا یا اللہ بغیر شفاعت کے ان کی خطاؤں کو بخش دے گا یا عذاب دینے کے بعد پاک صاف کر کے صلحاء اور اہل تقویٰ کے ساتھ ملا دے گا' کیوں کہ جہنم سے مؤمن کے گناہوں کا میل ایسا صاف ہو جائیگا جیسے لوہار کی بھٹی سے لوہے کا میل صاف ہو جاتا ہے۔

جنت کے درخت: فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ مخضود کا معنی ہے بے خار' یعنی جس کے کانٹے کاٹ دیئے گئے ہوں یا وہ شاخ جو پھلوں کی کثرت کی وجہ سے بوجھ کے مارے دوہری ہو رہی ہو۔ صاحبِ قاموس نے لکھا ہے خَضَدَا لْشَجَر درخت کے کانٹے کاٹ دیئے اور خَضَدَا لْغُصَنَ ترا اور نرم ہونے کی وجہ سے شاخ کو دوہرا کر دیا۔

بیہقی نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک اعرابی نے دریافت کیا یا رسول اللہ' اللہ نے قرآن میں ایسے درخت کا ذکر کیا جس (کو چھونے اور چبھنے) سے آدمی کو تکلیف ہوتی ہے' فرمایا' وہ کون سا درخت ہے اعرابی نے عرض کیا' بیری کا درخت جس میں کانٹے ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے سدر مخضود فرمایا ہے (یعنی) اللہ اس کے کانٹے توڑ دے گا اور ہر کانٹے کی جگہ ایک پھل پیدا کر دیگا۔ پھر ہر پھل پھٹ کر اس سے بہتر رنگ کے کھانے برآمد ہوں گے اور کوئی رنگ دوسرے رنگ کے مشابہ نہیں ہوگا۔

طبرانی نے بھی عتبہ بن عبد کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔

بیہقی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے۔ مخفود کا معنی ہے (پھلوں کے) بوجھ سے لدا ہوا اور طلح منضود سے مراد ہے تہ برتہ کیلا۔ (تفسیر مظہری)

امت محمدیہ کا کوئی دور اصحاب الیمین سے خالی نہ ہوگا

مؤمنین و متقین و اولیاء اللہ تو اس پوری امت کے اول و آخر میں بھاری تعداد میں رہیں گے۔ اور اُمت محمدیہ کا کوئی دور کوئی طبقہ اصحاب الیمین سے خالی نہ رہے گا اس کی شہادت اس حدیث سے بھی ملتی ہے جو صحیح بخاری و مسلم میں حضرت معاویہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اور ہزاروں مخالفتوں کے نرغے میں بھی وہ اپنا رشد و ہدایت کا کام کرتی رہے گی۔ اس کو کسی کی مخالفت نقصان نہ پہنچا سکے گی' یہاں تک کہ قیامت قائم ہونے تک یہ جماعت اپنے کام میں لگی رہے گی' (معارف مفتی اعظم)

وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾
اور سایہ لمبا ☆

جنت کا موسم ☆ یعنی نہ دھوپ ہوگی نہ گرمی سردی لگے گی۔ نہ اندھیرا ہوگا صبح کے اور طلوع شمس سے پہلے جیسا درمیانی وقت ہوتا ہے ایسا معتدل سایہ سمجھو اور لمبا پھیلا ہوا اتنا کہ بہترین تیز رفتار گھوڑا سو برس تک متواتر چلتا رہے تو ختم نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

جنت کا ایک درخت: صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایک درخت ہے جس کے سایہ میں گھوڑے کا سوار سو برس چلنے کے بعد بھی اس کو طے نہیں کر سکے گا۔ اگر تم اس کا ثبوت چاہتے ہو تو پڑھو' وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ۔

ہناد بن سری نے الزہد میں یہ بھی کہا ہے کہ اس حدیث کی اطلاع کعب کو پہنچی تو انہوں نے کہا قسم ہے اس خدا کی جس نے موسیٰ پر توریت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا' اگر کوئی شخص پنج سالہ یا چار سالہ اونٹ پر سوار ہو کر اس درخت کے گرد چکر لگائے تو بوڑھا ہونے تک اس کا چکر پورا نہ کر سکے گا۔ اور گر جائے گا' اللہ نے اپنے ہاتھ سے اس کو بویا ہے اور اس کی ٹہنیاں جنت کے احاطہ کے باہر تک چھائی ہوئی ہیں۔ جنت کے اندر جو دریا ہے وہ

اسی درخت کی جڑ سے نکلا ہے۔

بغوی نے بروایت عکرمہ وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ کی تشریح کے ذیل میں حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جنت کے اندر ساق عرش پر ایک درخت ہے اہل جنت اس کی جڑ کے پاس بیٹھ کر باتیں کریں گے اور بعض لوگ دنیوی کھیل کے خواہش مند ہوں گے' اس وقت اللہ جنت کی ایک ہوا بھیج دے گا جس سے وہ درخت حرکت میں آ جائے گا اور اس سے دنیا کے ہر کھیل کی آوازیں نکلیں گی۔ (تفسیر مظہری)

وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾
اور پانی بہتا ہوا اور میوہ بہت
لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾
نہ اُس میں سے ٹوٹا اور نہ روکا ہوا ☆

بے مثال پھل اور میوے ☆ بہت قسم کا میوہ' نہ پہلے اس میں سے کسی نے توڑا نہ دنیا کے موسمی میووں کی طرح آئندہ ختم ہونا اس کے لینے میں کسی قسم کی روک ٹوک پیش آئے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض علماء نے لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ وہ زمانے کی تبدیلی سے منقطع نہیں ہوں گے اور قیمت نہ ہونے کی وجہ سے ان کا ملنا ممنوع نہ ہوگا۔ دنیا کے پھل فصلی ہوتے ہیں اور قیمت سے ملتے ہیں اور فصل گذرنے کے بعد نہیں ملتے اور قیمت نہ ہو تو دستیاب نہیں ہوتے جنت کے پھل ایسے نہیں ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾
اور بچھونے اونچے ☆

جنت کے تخت اور بستر ☆ یعنی بے حد بیز اور اونچے ظاہر میں بھی اور رتبہ میں بھی۔ (تفسیر عثمانی)

امام احمد ترمذی' ابن ماجہ' بیہقی اور ابن ابی الدنیا نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو بستروں کے درمیان اتنا فرق ہوگا جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ ترمذی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں اور ان کی اونچائی اتنی ہوگی جتنی آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ اور دونوں کے درمیان فاصلہ پانچ سو برس کی راہ (کے برابر) ہے۔ بغوی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ اگر سب سے اونچا فرش سب سے نچلے فرش پر گر جائے تو چالیس برس میں نہ پہنچ سکے۔ طبرانی نے حضرت ابوامامہؓ کی مرفوع روایت سے بیان کیا کہ اگر سب سے اونچی بلندی سے فرش کو نیچے پھینک دیا جائے تو نیچے قرارگاہ تک سو برس میں پہنچے۔

بعض اہل تفسیر کے نزدیک فرش سے مراد ہیں (بستروں والیاں یعنی) عورتیں عرب عورتوں کو بستر اور لباس کہتے ہیں۔ اس صورت میں مَّرْفُوْعَةٍ کا معنی ہوگا' حسن اور فضیلت میں دنیوی عورتوں سے اونچی یا مسہریوں پر اُن کا اونچا ہونا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ
ہم نے اُٹھایا اُن عورتوں کو ایک اچھی اُٹھان پر پھر کیا اُن کو
اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ
کنواریاں پیار دلانیوالیاں ہم عمر واسطے داہنے
الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾
والوں کے ☆

دوشیزائیں ☆ یعنی حوریں اور دنیا کی عورتیں جو جنت میں ملیں گی وہاں ان کی پیدائش اور اٹھان خدا کی قدرت سے ایسا ہوگا کہ ہمیشہ خوبصورت جوان بنی رہیں گی۔ جن کی باتوں اور طرز و انداز پر بیساختہ پیار آئے اور سب کو آپس میں ہم عمر رکھا جائیگا اور ان کے ازواج کے ساتھ بھی عمر کا تناسب برابر قائم رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش کلامی: بیہقی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اس وقت میرے پاس ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' یہ کون ہے' میں نے عرض کیا میری ایک خالہ ہے فرمایا جان لو کہ کوئی بوڑھیا جنت میں داخل نہ ہوگی' بوڑھیا کو یہ سن کر وہ (غم پیدا) ہوگیا جو اللہ نے چاہا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے۔ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ۔

طبرانی نے الاوسط میں دوسری سند سے حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک بوڑھی عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ دعا فرمائیے کہ اللہ مجھے جنت میں داخل فرما دے فرمایا جنت میں کوئی بڑھیا داخل نہیں ہوگی' حضرت عائشہؓ نے فرمایا' میں نے کہا آپ کے کلام

سے اس کو دکھ اور تکلیف پہنچی' فرمایا انشاء اللہ یہ بات ایسی ہی ہوگی جب اللہ ان کو داخل کرنا چاہے گا تو ان کو (یعنی بوڑھی عورتوں کو) دوشیزہ بنا کر داخل فرمادے گا۔

مقاتل وغیرہ نے کہا ان سے مراد عورتیں نہیں ہیں بلکہ حوریں مراد ہیں ان پر ولادت کا بار نہیں پڑا' اللہ نے ان کو کنواریاں ہی پیدا کیا اور کوئی دکھ وہاں نہیں ہے۔

عُرُباً یہ عَروب کی جمع ہے' شوہروں کی شیفتہ اور حبیبہ۔ ابن ابی حاتم نے حضرت جعفر بن محمد کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عُرُباً کی تشریح میں فرمایا ان کا کلام عربی ہوگا۔

بیہقی کا بیان ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ عرباً اتراباً کا کیا مطلب ہے فرمایا دنیا میں جو بوڑھی عورتیں کھچڑی بالوں والی اور آنکھوں سے چیپڑ بہنے والی ہوں گی' اللہ ان کو اس بڑھاپے کے بعد (قیامت کے دن جب) پیدا کرے گا تو ان کو کنواری بنادے گا۔

اہل جنت کی عمریں: حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جنت والے جنت میں داخل ہونگے اس وقت برہنہ بدن' بے ریش و بروت' گورے رنگ کے اور گھونگھریالے بالوں والے ہوں گے' سب ۳۳ سال کی عمر کے ہوں گے' سب آدمؑ کے قد پر ہوں گے' لمبائی ساٹھ ہاتھ چوڑائی سات ہاتھ۔ رواہ احمد والطبرانی فی الاوسط وابن ابی الدنیا والبغوی بسند حسن۔

حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا والوں میں سے جو کوئی بچپن میں مرجائیں گے یا بوڑھے ہو کر (بہرحال) اس کو دوبارہ ۳۳ برس کا کر کے جنت میں داخل کیا جائے گا اس سے زیادہ کبھی بھی نہ ہوں گے اور دوزخی بھی ایسے ہی ہوں گے' رواہ الترمذی وابو یعلی وابن ابی الدنیا۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنتی جب جنت میں داخل ہوں گے تو ان کا قد آدم کے قد کے برابر ساٹھ ہاتھ (یعنی شاہی گز) اور حسن یوسفؑ جیسا اور عمر عیسیٰؑ کی پیدائش کے برابر (عیسیٰؑ کے دنیا میں رہنے کی ابتدائی عمر) یعنی ۳۳ سال ہوگی اور ان کی زبان محمد کی زبان ہوگی' برہنہ بدن' بغیر ڈاڑھی مونچھ کے سرگیں چشم ہوں گے' رواہ الطبرانی فی الاوسط بسند جید۔ رواہ الطبرانی۔ (تفسیر مظہری)

ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ
انبوہ ہے پہلوں میں سے اور انبوہ ہے
الْآخِرِينَ ﴿٤٠﴾
پچھلوں میں سے ☆

☆ یعنی اصحاب یمین پہلوں میں بھی بکثرت ہوں گے اور پچھلوں میں بھی انکی بہت کثرت ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول: بغوی نے عروہ بن رویم کی مرسل حدیث بیان کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ اس آیت کو سن کر رو دیے اور عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اللہ پر اس کے رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اللہ کے رسول کی تصدیق کی لیکن ہم میں سے نجات پانے والے تھوڑے ہوں گے اس پر آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ○ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ نازل ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا' اللہ نے تمہارے قول کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی ہے حضرت عمرؓ نے عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اپنے رب سے اور اس کے رسول کی تصدیق سے راضی ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمؑ سے لے کر ہمارے دور تک (سب ملا کر) ایک ثلہ ہوگا اور مجھ سے شروع ہو کر قیامت تک ایک ثلہ ہے (یعنی اولین سے مراد وہ امتیں ہیں جو آدم سے شروع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئیں' اصحاب الیمین کا ایک بڑا گروہ تو ان کے مجموعہ میں سے ہوگا اور ولآخرین سے مراد ہے امت محمدیہ' تنہا اس امت میں سے ایک بڑا گروہ اصحاب الیمین کا ہوگا) اور اس کا خاتمہ لا الہ الا اللہ کہنے والے ان (مومن) حبشیوں پر ہوگا جو اونٹوں کے چرواہے ہوں گے' ابن ابی حاتم نے بھی عروہ کی یہ مرسل حدیث نقل کی ہے۔

ایک علمی نکتہ: آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ○ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ میں سے آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ منسوخ نہیں ہے کیوں کہ یہ خبر ہے اور خبر میں نسخ جاری نہیں ہوتا' ایک خبر دوسری خبر سے منسوخ نہیں ہوتی' اس کے علاوہ منسوخ ہونے کے لئے محل کا ایک ہونا ضروری ہے اور یہاں محل ایک نہیں ہے اول آیت یعنی (قلیل من الآخرین) مقربین کے متعلق ہے اور دوسری آیت (یعنی ثلة من الآخرین) میں اصحاب الیمین مراد ہیں۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ الاولین سے مراد ہوں تمام انبیاء کے صحابی اور ان کے تابعی' اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور تابعی بھی داخل ہیں کیوں کہ یہ لوگ آئندہ اتباع کرنے والوں سے سابق اور اول تھے' اس کی تائید کر رہی ہے آیت وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ اور الْآخِرِينَ سے مراد ہوں قیامت کے قریب آنے والے اس امت کے افراد۔ اس طرح اہل قرب تو تھوڑے سے ہوں گے اور اصحاب الیمین اس امت میں بھی بہت ہوں گے اور دوسری امتوں میں بھی' اسی کی تائید ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے کہ میں امید کرتا ہوں کہ تم اہل جنت میں

آدھے ہو گئے ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ اسی (۸۰) صفیں تمہاری ہوں گے اور چالیس صفیں باقی تمام امتوں کی۔

حضرت عکاشہؓ کی سبقت: بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے۔ میرے سامنے (تمام امتیں لائی گئیں اور ان کے ساتھ ان کے انبیاء گذرتے رہے تو کسی نبی کے ساتھ ایک ہی آدمی (یعنی امتی) تھا' کسی نبی کے ساتھ دو آدمی' کسی نبی کے ساتھ ایک جماعت اور کسی نبی کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا' پھر میں نے اتنی کثیر جماعت دیکھی کہ اس نے آفاق سوار کو بند کر دیا تھا اور مجھے بتایا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں چلے جائیں گے وہ مومن ہونگے جو فال نہیں لیتے' منتر نہیں پڑھتے' داغ نہیں لگاتے اور اپنے رب پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں۔ حضرت عکاشہ بن محصن یہ سن کر آگے بڑھے اور عرض کیا' یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں ان میں سے ہوں' فرمایا ہاں' اس کے بعد ایک اور شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا' کیا میں بھی ان میں سے ہوں' فرمایا اس میں عکاشہ تجھ سے سبقت لے گیا۔ (تفسیر مظہری)

آنحضرت کا معمول اور ایک صحابی کا خواب

حافظ ابوبکر بیہقی نے دلائل نبوت میں وارد کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھتے پاؤں موڑے ہوئے ہیں ستر مرتبہ یہ پڑھتے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ تَوَّابًا پھر فرماتے ہیں ستر کے بدلے سات سو ہیں۔ جس کے ایک دن کے گناہ سات سو سے بھی بڑھ جائیں وہ بے خبر ہے پھر دو مرتبہ اس کو فرماتے پھر لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھتے اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب اچھا معلوم ہوتا تھا' اس لئے پوچھتے کہ کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ابوزملؓ کہتے ہیں ایک دن اسی طرح حسب عادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تو میں نے کہا ہاں یارسول اللہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ فرمایا خدا خیر سے ملائے شر سے بچائے ہمارے لئے بہتر بنائے اور ہمارے دشمنوں کے لئے بدتر بنائے ہر قسم کی تعریفوں کا مستحق وہ اللہ ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے' اپنا خواب بیان کرو۔ میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے دیکھا کہ ایک راستہ ہے کشادہ آسان نرم اور صاف اور بے شمار لوگ اس راستے میں چلے جا رہے ہیں۔ یہ راستہ جاتے جاتے ایک سرسبز باغ کو نکلتا ہے کہ میری آنکھوں نے ایسا لہلہاتا ہوا ہرا بھرا باغ کبھی نہیں دیکھا' پانی ہر سو رواں ہے سبزے سے پٹا پڑا ہے انواع و اقسام کے درخت خوشنما پھلے پھولے کھڑے ہیں۔ اب میں نے دیکھا کہ پہلی جماعت جو آئی اور اس باغ کے پاس پہنچی تو انہوں نے اپنی سواریاں تیز کر لیں اور دائیں بائیں نہیں گئے اور تیز رفتار کے ساتھ یہاں سے گذر گئے۔ پھر دوسری جماعت آئی جو تعداد میں بہت زیادہ تھی' جب یہاں پہنچے تو بعض لوگوں نے تو اپنے جانوروں کو چرانا چگانا شروع کیا اور بعض نے کچھ لے لیا اور چل دیے۔ پھر تو بہت سارے لوگ آئے جب ان کا گذر اس گل وگلزار پر ہوا تو یہ تو پھول گئے اور کہنے لگے یہ سب سے اچھی جگہ ہے۔ گویا میں اُنہیں دیکھ رہا ہوں کہ وہ دائیں بائیں جھک پڑے۔ میں نے یہ دیکھا لیکن میں آپ تو چلتا ہی رہا جب دور نکل گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک منبر سات سیڑھیوں کا بچھا ہوا ہے اور آپ اُس کے اعلیٰ درجے پر تشریف فرما ہیں اور آپ کی دائیں جانب ایک صاحب ہیں گندم گوں رنگ بھری انگلیوں والے دراز قد' جب وہ کلام کرتے ہیں تو سب خاموشی سے سنتے ہیں اور لوگ اونچے ہو ہو کر توجہ سے ان کی باتیں سنتے ہیں اور آپ کی بائیں طرف ایک شخص ہیں بھرے جسم کے درمیانہ قد کے جن کے چہرہ پر بہ کثرت تل ہیں ان کے بال گویا پانی سے تر ہیں جب وہ بات کرتے ہیں تو ان کے اکرام کی وجہ سے سب لوگ جھک جاتے ہیں۔ پھر اس سے آگے ایک شخص ہیں جو اخلاق و عادات میں اور چہرے نقشے میں بالکل آپ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ آپ لوگ سب ان کی طرف پوری توجہ کرتے ہیں اور ان کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان سے آگے ایک دُبلی پتلی بُڑھیا اونٹنی ہے میں نے دیکھا کہ گویا آپ اُسے اٹھا رہے ہیں۔ یہ سُن کر حضور کا رنگ متغیر ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت بدل گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سیدھے سچے اور صحیح راستے سے مراد تو وہ دین ہے جسے میں لے کر خدا کی طرف سے آیا ہوں اور جس ہدایت پر تم ہو۔ ہرا بھرا سبز باغ جو تم نے دیکھا ہے وہ دنیا ہے اور اس کی عیش وعشرت کا دل لبھانے والا سامان۔ میں اور میرے اصحاب تو اُس سے گذر جائیں گے نہ ہم اس میں مشغول ہوں گے نہ وہ ہمیں چمٹے گی نہ ہمارا تعلق اس سے ہو گا نہ اس کا تعلق ہم سے۔ نہ ہم اس کی چاہت کریں گے نہ وہ ہمیں لپٹے گی۔ پھر ہمارے بعد دوسری جماعت آئے گی جو ہم سے تعداد میں بہت زیادہ ہو گی۔ ان میں سے بعض تو اس دنیا میں پھنس جائیں گے اور بعض بقدر حاجت لے لیں گے اور چل دیں گے اور نجات پالیں گے۔ پھر اُن کے بعد زبردست جماعت آئے گی۔ جو اس دنیا میں بالکل مستغرق ہو جائے گی اور دائیں بائیں جھک جائے گی فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ اب رہے تم سو تم اپنی سیدھی راہ چلتے رہو گے یہاں تک کہ مجھ سے تمہاری ملاقات ہو جائے گی۔ جس منبر کے آخری ساتویں درجے پر تم نے مجھے دیکھا اس کی تعبیر یہ ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال کی ہے میں آخری ہزارویں سال میں ہوں۔ میرے دائیں

جس گندمی رنگ موٹی ہتھیلی والے انسان کو تم نے دیکھا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جب وہ کلام کرتے ہیں تو لوگ اونچے ہو جاتے ہیں اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے شرفِ ہم کلامی حاصل ہو چکا ہے۔ اور جنہیں تم نے میرے بائیں دیکھا جو درمیانہ قد کے بھرے جسم کے بہت سے تلوں والے تھے جن کے بال پانی سے تر نظر آتے تھے وہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں۔ چونکہ ان کا اکرام اللہ تعالیٰ نے کیا ہے ہم سب بھی ان کی بزرگی کرتے ہیں۔ اور جن شیخ کو تم نے بالکل مجھ سا دیکھا وہ ہمارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ہم سب ان کا قصد کرتے ہیں اور ان کی اقتدا اور تابعداری کرتے ہیں۔ اور جس اونٹنی کو تم نے دیکھا کہ میں اسے کھڑا کر رہا ہوں اس سے مراد قیامت ہے جو میری امت پر قائم ہوگی نہ میرے بعد کوئی نبی ہے نہ میرے بعد کوئی امت ہے۔ فرماتے ہیں اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پوچھنا چھوڑ دیا کہ کسی نے خواب دیکھا ہے؟ ہاں اگر کوئی شخص اپنے آپ اپنا خواب بیان کرتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعبیر دیا کرتے تھے۔

ایک صحابیہؓ کا خواب: مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب پسند تھا' بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھ لیا کرتے تھے کہ کسی نے خواب دیکھا ہے؟ اگر کوئی ذکر کرتا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس خواب سے خوش ہوتے تو اُسے بہت اچھا لگتا۔ ایک مرتبہ ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا یا رسول اللہ! میں نے آج ایک خواب دیکھا ہے کہ گویا میرے پاس کوئی آیا اور مجھے مدینہ سے لے کر چلا اور جنت میں پہنچا دیا پھر میں نے ایک دھما کہ سنا جس سے جنت میں ہل چل مچ گئی میں نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو فلاں بن فلاں، کو دیکھا بارہ شخصوں کے نام لئے انہیں بارہ شخصوں کا ایک لشکر بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی دن ہوئے ایک مہم پر روانہ کیا ہوا تھا' فرماتی ہیں انہیں لایا گیا۔ یہ اطلس کے کپڑے پہنے ہوئے تھے ان کی رگیں جوش مار رہی تھیں حکم ہوا کہ انہیں نہر بیدخ میں لے جاؤ یا نہر بیدخ کہا جب ان لوگوں نے اس نہر میں غوطہ لگایا تو اُن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکنے لگ گئے پھر ایک سونے کی سینی میں گدری کھجوریں آئیں جو انہوں نے اپنی حسبِ منشا کھائیں اور ساتھ ہی ہر طرح کے میوے جو چوطرف چُنے ہوئے تھے جس میوے کو اُن کا جی چاہتا تھا لیتے تھے اور کھاتے تھے میں نے بھی اُن کے ساتھ شرکت کی اور وہ میوے کھائے۔ مدت کے بعد ایک قاصد آیا اور کہا فلاں فلاں اشخاص جنہیں آپ نے لشکر میں بھیجا تھا شہید ہوگئے۔ ٹھیک بارہ شخصوں کے نام لئے اور وہی نام تھے جنہیں اس بی بی صاحبہ نے اپنے خواب میں دیکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نیک بخت صحابیہ کو پھر بلوایا اور فرمایا اپنا خواب دوبارہ بیان کرو۔ اس نے پھر بیان کیا اور انہیں لوگوں کے نام لئے جن کے نام قاصد نے لئے تھے۔

جنتی انگور کا ایک خوشہ: ابو یعلیٰ میں ہے کہ ظہر کی فرض نماز پڑھاتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے اور ہم بھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا کوئی چیز لینی چاہی۔ پھر پیچھے ہٹ آئے۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت اُبی بن کعبؓ نے پوچھا کہ حضور! آج تو آپ نے ایسی بات کی جو اس سے پہلے کبھی نہیں کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سامنے جنت لائی گئی اور جو اُس میں تر و تازگی اور سبزی ہے میں نے اس میں سے ایک انگور کا خوشہ توڑنا چاہا تا کہ لا کر تمہیں دوں پس میرے اور اس کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا۔ اور اور میں اسے تمہارے پاس لے آتا تو زمین و آسمان کے درمیان کی کل مخلوق اسے کھاتی رہتی تاہم اس میں ذرا سی بھی کمی نہ آتی۔

جنتی درخت اور پھلوں کی مثالیں: مسند امام احمد میں ہے کہ ایک اعرابی نے آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حوض کوثر کی بابت سوال کیا اور جنت کا بھی ذکر کیا' پوچھا کہ کیا اس میں میوے بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں وہاں طوبیٰ نامی درخت بھی ہے۔ پھر کچھ کہا جو مجھے یاد نہیں۔ پھر پوچھا وہ درخت ہماری زمین کے کس درخت سے مشابہت رکھتا ہے؟ آپ نے فرمایا تیرے ملک کی زمین میں کوئی درخت اس کا ہم شکل نہیں۔ کیا تو شام میں گیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا شام میں ایک درخت ہوتا ہے جسے جوزہ کہتے ہیں ایک ہی تنہ ہوتا ہے اور اوپر کا حصہ پھیلا ہوا ہوتا ہے وہ البتہ اس کے مشابہ ہے اس نے پوچھا جنتی خوشے کتنے بڑے ہوتے ہیں؟ فرمایا کالا کوا مہینہ بھر تک اُڑتا رہے اتنے بڑے۔ وہ کہنے لگا اس درخت کا تنہ کس قدر موٹا ہے؟ آپ نے فرمایا اگر تو اپنی اونٹنی کے بچے کو چھوڑ دے اور وہ چلتا رہے یہاں تک کہ بوڑھا ہو کر گر پڑے تب بھی اس کے تنے کا چکر پورا نہیں کر سکتا۔ اس نے کہا اس میں انگور بھی لگتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ پوچھا کتنے بڑے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ کیا کبھی تیرے باپ نے اپنے ریوڑ میں سے کوئی موٹا تازہ بکرا ذبح کر کے اس کی کھال کھینچ کر تیری ماں کو دے کر کہا ہے کہ اس کا ڈول بنا لو؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا بس اتنے ہی بڑے بڑے انگور کے دانے ہوتے ہیں۔ اس نے کہا پھر تو ایک ہی دانہ مجھ کو اور میرے گھر والوں کو کافی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بلکہ ساری برادری کو۔ پھر یہ میوے بھی ہمیشگی والے ہیں نہ کبھی ختم ہوں نہ کبھی ان سے روکا جائے۔

جنت کا عیش و عشرت: صور کی مشہور مطول حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کو جنت میں لے جانے کی سفارش کریں گے جس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے آپ کی شفاعت قبول کی اور آپ کو انہیں جنت میں پہنچانے کی اجازت دی۔ آپ فرماتے ہیں پھر میں انہیں جنت میں لے جاؤں گا' خدا کی قسم تم جس قدر اپنے گھر بار اور اپنی بیویوں سے واقف ہو اس سے بہت زیادہ اہل جنت اپنے گھروں اور بیویوں سے

واقف ہوں گے۔ پس ایک ایک جنتی کی بہتر بہتر بیویاں ہوں گی جو خدا کی بنائی ہوئی ہیں اور دو دو بیویاں عورتوں میں سے ہوں گی کہ انہیں بوجہ اپنی عبادت کے ان سب عورتوں پر فضیلت حاصل ہوگی۔ جنتی ان میں سے ایک کے پاس جائے گا یہ اس بالا خانے میں ہوگی جو یاقوت کا بنا ہوا ہوگا اس پلنگ پر ہوگی جو سونے کی تاروں سے بُنا ہوا ہوگا اور جڑاؤ جڑا ہوا ہوگا۔ ستر جوڑے پہنے ہوئے ہوگی جو سب باریک اور سبز چمکیلے خالص ریشم کے ہوں گے یہ بیوی اس قدر نازک نورانی ہوگی کہ اس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر سینے کی طرف سے دیکھے گا تو صاف نظر آ جائے گا۔ کپڑے گوشت ہڈی کوئی چیز روک نہ ہوگی۔ اس قدر اس کا پنڈا صاف اور آئینہ نما ہوگا۔

جس طرح مروارید میں سوراخ کر کے ڈورا ڈال دیں تو وہ ڈورا باہر سے نظر آتا ہے اسی طرح اُس کی پنڈلی کا گودا نظر آئے گا۔ ایسا ہی نورانی بدن اس جنتی کا بھی ہوگا۔ الغرض یہ اس کا آئینہ ہوگی اور وہ اسکا۔ یہ اس کے ساتھ عیش و عشرت میں مشغول ہوگا' نہ یہ تھکے نہ وہ' نہ اس کا دل بھرے نہ اُس کا۔ جب کبھی نزدیکی کرے گا تو کنواری پائے گا' نہ اس کا عضو ست ہو نہ اُسے گراں گذرے مگر خاص پانی وہاں نہ ہوگا جس سے گھن آئے۔ یہ یوں ہی مشغول ہوگا جو کان میں ندا آئے گی کہ یہ تو ہمیں خوب معلوم ہے کہ نہ آپ کا دل ان سے بھرے گا نہ ان کا آپ سے مگر آپ کی دوسری بیویاں بھی ہیں۔ اب یہ یہاں سے باہر آئے گا اور ایک ایک کے پاس جائے گا جس کے پاس جائے گا اُسے دیکھ کر بے ساختہ اس کے منہ سے نکل جائیگا کہ رب کی قسم تجھ سے بہتر جنت میں کوئی چیز نہیں نہ میری محبت کسی سے تجھ سے زیادہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے ہیں کہ یا رسول اللہ! کیا جنت میں جنتی لوگ جماع بھی کریں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں قسم ہے اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے خوب اچھی طرح بہترین طریق پر۔ جب الگ ہوگا وہ اسی وقت پھر پاک صاف اچھوتی باکرہ بن جائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مؤمن کو جنت میں اتنی اتنی عورتوں کے پاس جانے کی قوت عطا کی جائے گی۔ حضرت انسؓ نے پوچھا حضور! کیا اتنی طاقت رکھے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سو آدمیوں کے برابر اُسے قوت ملے گی۔ طبرانی کی حدیث میں ہے ایک ایک کنواریوں کے پاس ایک ایک دن میں ہو آئے گا۔ حافظ عبداللہ مقدسیؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک یہ حدیث شرط صحیح پر ہے' واللہ اعلم۔

حوروں کے گیت: ترمذی کی حدیث میں ہے کہ یہ جنتی حوریں ایک روح افزا باغ میں جمع ہو کر نہایت پیارے گلے سے گانا گائیں گی کہ ایسی سُریلی اور رسیلی آواز مخلوق نے کبھی نہ سنی ہوگی۔ ان کا گانا وہی ہوگا جو اوپر بیان ہوا۔ ابو یعلیٰ میں ہے ان کے گانے میں یہ بھی ہوگا۔

نَحْنُ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ خُبِئْنَا لِاَزْوَاجٍ كِرَامٍ

ہم پاک صاف خوش وضع خوب صورت عورتیں ہیں جو بزرگ اور ذی عزت شوہروں کے لئے چھپا کر رکھی گئی تھیں بخاری و مسلم وغیرہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی ان کے چہرے چودھویں رات جیسے روشن ہوں گے۔ ان کے بعد والی جماعت کے بہت چمک دار ستارے جیسے روشن چہرے ہوں گے یہ پاخانے پیشاب تھوک رینٹ سے پاک ہوں گے ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی ان کے پسینے مشک کی خوشبو والے ہوں گے۔ ان کی انگوٹھیاں لوئوکی ہوں گی ان کی بیویاں حور عین ہوں گی ان سب کے اخلاق مثل ایک ہی شخص کے ہوں گے۔ یہ سب اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی شکل پر ساٹھ ہاتھ کے لمبے قد کے ہوں گے۔ طبرانی میں ہے کہ اہل جنت بے بال اور بے ریش گورے رنگ والے خوش خلق اور خوبصورت سرمگیں آنکھوں والے تینتیس برس کے عمر کے ساٹھ ہاتھ لمبے اور سات ہاتھ چوڑے چکلے مضبوط بدن والے ہوں گے۔ اس کا کچھ حصہ ترمذی میں بھی مروی ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ گو کسی عمر میں انتقال ہوا ہو دخولِ جنت کے وقت تینتیس سال عمر کے ہوں گے اور اسی عمر میں ہمیشہ رہیں گے۔ اسی طرح جہنمی بھی (ترمذی)۔ اور روایت میں ہے کہ ان کے قد ساٹھ ہاتھ فرشتے کے ہاتھ کے اعتبار سے ہوں گے۔ قد آدمؑ' حسن یوسفؑ' عمر عیسیٰؑ یعنی تینتیس سال اور زبان محمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی عربی والے ہوں گے بے بال کے اور سرگین آنکھوں والے۔ (ابن ابی الدنیا) (تفسیر ابن کثیر)

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ
اور بائیں والے کیسے بائیں والے
الشِّمَالِ ﴿٤١﴾ فِىْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿٤٢﴾ وَّظِلٍّ
تیز بھاپ میں اور جلتے پانی میں اور سایہ
مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿٤٣﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿٤٤﴾
میں دھویں کے نہ ٹھنڈا اور نہ عزت کا ☆

دوزخ کا دھواں ☆ یعنی دوزخ کی آگ سے کالا دھواں اٹھے گا۔ اس کے سایہ میں رکھے جائینگے۔ جس سے کوئی جسمانی یا روحانی آرام نہ ملے گا۔ نہ ٹھنڈک پہنچے گی نہ وہ عزت کا سایہ ہوگا ذلیل و خوار اس کی تپش میں بھنتے رہیں گے۔ یہ ان کی دنیوی خوشحالی کا جواب ہوا جس کے غرور میں اللہ اور رسول سے ضد باندھی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ
وہ لوگ تھے اس سے پہلے
مُتْرَفِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ
خوش حال اور ضد کرتے تھے
عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿۴۶﴾
اُس بڑے گناہ پر ☆

بڑا گناہ ☆ وہ بڑا گناہ کفر وشرک ہے اور تکذیب انبیاء یا جھوٹی قسمیں کھا کر یہ کہنا کہ مرنے کے بعد ہر گز کوئی زندگی نہیں۔ کما قال تعالیٰ " وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ " (نحل۔ رکوع ۵)۔ (تفسیر عثمانی)

شعبی نے کہا اَلْحِنْثِ الْعَظِيْمِ سے مراد ہے دانستہ جھوٹی قسم۔ یعنی وہ قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ انکو دوبارہ زندہ کر کے نہ اٹھایا جائے گا' اور ان کی یہ قسمیں جھوٹی تھیں۔ (تفسیر مظہری)

وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا
اور کہا کرتے تھے کیا جب ہم مر گئے
وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا
اور ہو چکے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم
لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾
پھر اُٹھائے جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادے بھی ☆

جو ہم سے بھی بہت پہلے مر چکے۔ یعنی یہ بات کس کی سمجھ میں آ سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾
تو کہہ دے کہ اگلے اور پچھلے سب اکٹھے
لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ
ہونیوالے ہیں ایک دن مقرر کے

يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾
وقت پر ☆

یعنی قیامت کے دن جس کا وقت اللہ کے علم میں مقرر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ
پھر تم جو ہو اے بہکے ہوو
الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ
جھٹلانے والوں البتہ کھاؤ گے ایک درخت
مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾
سینڈ کے سے پھر بھرو گے اُس سے پیٹ ☆

جہنمیوں کا کھانا ☆ یعنی جب بھوک سے مضطر ہوں گے تو یہ درخت کھانے کو ملے گا اور اسی سے پیٹ بھرنا پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے فرمایا' زقوم کے درخت سے اگر ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں ٹپکا دیا جائے تو تمام دنیا کی معاش تباہ ہو جائے پھر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جن کی غذا ہی زقوم ہوگا۔ رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجۃ والحاکم۔ ترمذی نے اس اثر کو صحیح کہا ہے۔

عمرو خولانی نے کہا ہم کو اطلاع ملی ہے کہ آدمی درخت زقوم کا جتنا حصہ نوچے گا۔ اتنا ہی حصہ اس کے بدن کا بھی نوچ لیا جائے گا' رواہ عبداللہ بن احمد فی زوائد الزہد وابو نعیم۔ (تفسیر مظہری)

فَشَارِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾
پھر پیو گے اُس پر ایک جلتا پانی
فَشَارِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾
پھر پیو گے جیسے پییں اُونٹ تونسے ہوئے ☆

جہنمیوں کی شراب ☆ یعنی گرمی میں تو نسا ہوا اونٹ جسے پیاس کی شدت سے ایک دم پانی چڑھاتا چلا جاتا ہے یہ ہی حال دوزخیوں کا ہوگا لیکن وہ گرم پانی جب منہ کے قریب پہنچائیں گے تو منہ کو بھون ڈالے گا اور پیٹ میں پہنچے گا تو آنتیں کٹ کر باہر آ پڑیں گی (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

یہ جہنمی جبراً سخت گرم پانی پلائے جائیں گے جو خود ایک بدترین عذاب

ہو گا بھلا اس سے پیاس کیا رُکتی۔

ایک سانس میں پینا کیوں مکروہ ہے: حضرت خالد بن معدانؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہی سانس میں پانی پینا یہ بھی پیاسے والے اونٹ کا سا پینا ہے اس لئے مکروہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾
یہ مہمانی ہے اُن کی انصاف کے دن ☆

کافروں کی مہمانی ☆ یعنی انصاف کا مقتضاء یہی تھا کہ ان کی مہمانی اس شان سے کی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

یہاں یہ لفظ بطور استہزاء استعمال کیا گیا ہے جیسے فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ میں بَشِّرْ کا لفظ استہزائیہ ہے کیوں کہ عذاب الیم حقیقت میں خوشخبری کی چیز نہیں۔ مطلب یہ کہ یہ سب سے پہلا کھانا ہو گا جوان کو ملے گا، جو مستقل کھانا ملے گا اس کا تو ذکر ہی کیا۔

يَوْمُ الدِّيْنِ بدلہ کا دن۔ (تفسیر مظہری)

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾
ہم نے تم کو بنایا پھر کیوں نہیں سچ مانتے ☆

☆ یعنی اس بات کو کیوں نہیں مانتے کہ پہلے بھی اس نے پیدا کیا اور وہ ہی دوبارہ پیدا کریگا۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ
بھلا دیکھو تو جو پانی تم ٹپکاتے ہو اب تم
تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾
اُس کو بناتے ہو یا ہم ہیں بنانے والے ☆

نطفہ سے انسان کون بناتا ہے ☆ یعنی رحم مادر میں نطفہ سے انسان کون بناتا ہے۔ وہاں تو تمہارا کسی کا ظاہری تصرف بھی نہیں چلتا۔ پھر ہمارے سوا کون ہے جو پانی کے قطرہ پر ایسی خوبصورت تصویر کھینچتا اور اس میں جان ڈالتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ
ہم ٹھہرا چکے تم میں مرنا ☆

☆ یعنی جلانا مارنا سب ہمارے قبضے میں ہے۔ جب وجود و عدم کی باگ ہمارے ہاتھ میں ہوئی تو مرنے کے بعد اٹھا دینا کیا مشکل ہو گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰۤى اَنْ
اور ہم عاجز نہیں اس بات سے
نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ
کہ بدلے میں لے آئیں تمہاری طرح کے لوگ اور اُٹھا کھڑا کریں
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾
تم کو وہاں جہاں تم نہیں جانتے ☆

☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''یعنی تم کو اور جہان میں لیجائیں تمہاری جگہ یہاں اور خلقت بسا دیں''۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ۔ یہ جملہ حالیہ ہے اس کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ تقدیر موت ہم نے ایسی حالت میں کی کہ ہم سے پہلے کوئی تقسیم موت نہیں کر چکا تھا۔ نمبر ۲۔ ہم مغلوب نہیں ہیں ہم پر کوئی غالب نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى
اور تم جان چکے ہو پہلا اُٹھان
فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾
پھر کیوں نہیں یاد کرتے ☆

☆ یعنی پہلی پیدائش کو یاد کر کے دوسری کو بھی سمجھ لو۔ (تفسیر عثمانی)

النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى۔ یعنی قطرہ سے انسان کی تخلیق اور نیست سے ہست ہونا۔

فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ۔ یعنی کیوں نہیں سمجھتے کہ تخلیق اول کرنے والا تخلیق ثانی پر بھی قدرت رکھتا ہے دوسری بار تخلیق تو پہلی تخلیق سے آسان ہے اس میں نہ زیادہ صنعت کی ضرورت ہے نہ جدید تخصیص اجزا و اعضا کی کیوں کہ ایک نمونہ اور مثال کا پہلے وجود ہو چکا۔

فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ۔ کا لفظ بتا رہا ہے کہ شرعاً قیاس بھی ایک دلیل ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ
بھلا دیکھو تو جو تم بوتے ہو کیا تم اُس کو

تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾

کرتے ہو کھیتی یا ہم ہیں کھیتی کر دینے والے ☆

بیج سے کھیتی کون بناتا ہے ☆ یعنی بظاہر بیج زمین میں تم ڈالتے ہو لیکن زمین کے اندر اس کی پرورش کرنا پھر باہر نکال کر ایک لہلہاتی کھیتی بنا دینا کس کا کام ہے اس کے متعلق تو ظاہری اور سطحی دعویٰ بھی تم نہیں کر سکتے کہ ہماری تیار کی ہوئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زَرَعْتُ نہ کہا کرو بلکہ حَرَثْتُ کہا کرو یعنی یوں کہو میں نے بویا، یوں نہ کہو کہ میں نے اُگایا۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ

اگر ہم چاہیں تو کر ڈالیں اُس کو روندا ہوا گھانس پھر تم سارے

تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ

دن رہو باتیں بناتے ہم تو قرضدار رہ گئے بلکہ ہم

مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾

بے نصیب ہو گئے ☆

ہم کھیتی کی حفاظت کرتے ہیں ☆ یعنی کھیتی پیدا کرنے کے بعد اس کا محفوظ اور باقی رکھنا بھی ہمارا ہی کام ہے۔ ہم چاہیں تو کوئی آفت بھیج دیں جس سے ایک دم میں ساری کھیتی تہس نہس ہو کر رہ جائے پھر تم سر پکڑ کر روؤ اور آپس میں بیٹھ کر باتیں بنانے لگو میاں ہمارا تو بڑا بھاری نقصان ہو گیا بلکہ سچ پوچھو تو بالکل خالی ہاتھ ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾

بھلا دیکھو تو پانی کو جو تم پیتے ہو

ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ

کیا تم نے اُتارا اُس کو بادل سے یا

نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾

ہم ہیں اُتارنے والے ☆

پانی کس نے اتارا ☆ یعنی بارش بھی ہمارے حکم سے آتی ہے اور زمین کے خزانوں میں وہ پانی ہم ہی جمع کرتے ہیں۔ تم کو کیا قدرت تھی کہ پانی بنا لیتے یا خوشامد اور زبردستی کر کے بادل سے چھین لیتے۔ (تفسیر عثمانی)

لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا

اگر ہم چاہیں کر دیں اُس کو کھارا پھر کیوں نہیں

تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

احسان مانتے ☆

ہم چاہتے تو پانی کو کھارا کر دیتے ☆ یعنی ہم چاہیں تو میٹھے پانی کو بدل کر کھاری کڑوا بنا دیں جو نہ پی سکو نہ کھیتی کے کام آئے پھر احسان نہیں مانتے کہ ہم نے میٹھے پانی کے کتنے خزانے تمہارے ہاتھ میں دے رکھے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پانی پی کر فرماتے تھے "الحمدللّٰہ الذی سقاناہ عذباً فراتاً برحمتہ ولم یجعلہ ملحاً أجاجاً بذنوبنا" (ابن کثیر)۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ

بھلا دیکھو تو آگ جس کو تم سلگاتے ہو کیا تم نے

اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ﴿۷۲﴾

پیدا کیا اُس کا درخت یا ہم ہیں پیدا کرنے والے ☆

آگ کے درخت ☆ عرب میں کئی درخت سبز ایسے ہیں جن کو رگڑنے سے آگ نکلتی ہے جیسے ہمارے ہاں بانس، پہلے سورۂ "یٰسٓ" میں اس کا بیان ہو چکا۔ یعنی ان درختوں میں آگ کس نے رکھی ہے۔ تم نے یا ہم نے۔ (تفسیر عثمانی)

دنیا کی اور جہنم کی آگ: حضرت قتادہؒ کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری یہ دنیا کی آگ دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔ لوگوں نے کہا حضور! یہی بہت کچھ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں پھر یہ سترواں حصہ بھی دو مرتبہ پانی سے بجھایا گیا ہے اب یہ اس قابل ہوا ہے کہ تم اس سے نفع اٹھا سکو اور اس کے قریب جا سکو۔ یہ مرسل حدیث مسند میں مروی ہے اور بالکل صحیح ہے۔

مفاد عامہ کی تین چیزیں: ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزوں میں تمام مسلمانوں کا برابر کا حصہ ہے آگ گھانس اور پانی۔ ابن ماجہ میں ہے یہ تینوں چیزیں روکنے کا کسی کو حق نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً

ہم نے ہی تو بنایا وہ درخت یاد دلانے کو ☆

دنیا کی آگ سے عبرت پکڑو ☆ یعنی یہ آگ دیکھ کر دوزخ کی آگ کو یاد کریں کہ یہ بھی اسی کا ایک حصہ اور ادنی نمونہ ہے اور سوچنے والے کو یہ بات بھی یاد آسکتی ہے کہ جو خدا سبز درخت سے آگ نکالنے پر قادر ہے وہ یقیناً مردہ کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

قیامت کی یاددہانی کی چیز کیونکہ جو خدا سبز لکڑی سے آگ برآمد کرتا ہے باوجودیکہ سبز تازہ لکڑی میں ماہیت موجود ہوتی ہے جو کیفیت کے لحاظ سے آگ کی بالکل ضد ہے' وہ خدا دوبارہ بھی انسانوں کو پیدا کرسکتا ہے۔ کیونکہ انسان کی ہڈیاں پہلے اول زندگی میں تر تھیں ان میں رطوبت طبیعیہ تھی پھر رطوبت خشک ہوگئی اور ہڈیاں فرسودہ ہوگئیں۔ بس اتنی بات ہوئی۔ خشک ہڈیوں میں دوبارہ رطوبت طبعیہ پیدا ہونا پانی سے آگ برآمد کرنے کے مقابلہ میں تو آسان ہے یا تذکرہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ تاریکی میں اس کے ذریعہ راستہ معلوم ہوجاتا ہے یا اس سے جہنم کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ کیونکہ آگ عمومی ضرورت کی چیز ہے' ہمارے اسباب معاشی اس سے وابستہ ہیں۔ اکثر اوقات لوگوں کی نظروں کے سامنے اس کا رہنا ضروری ہے اور چونکہ دنیوی آگ جہنم کی آگ کا ایک نمونہ ہے اس لئے اس آگ کو دیکھ کر جہنم کی آگ کی یاد لازم ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾

اور برتنے کو جنگل والوں کے ☆

آگ کے منافع ☆ جنگل والوں اور مسافروں کو آگ سے بہت کام پڑتا ہے۔ خصوصاً جاڑے کے موسم میں۔ اور یوں تو سب ہی کا کام اس سے چلتا ہے۔ (تنبیہ) بعض روایات کی بناء پر علماء نے مستحب سمجھا ہے کہ ان آیات میں ہر جملہ استفہامیہ کو تلاوت کرنے کے بعد کہے "بل انت یا رب" (تفسیر عثمانی)

بہ نسبت اہل اقامت کے مسافروں کو آگ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے' درندوں اور جنگلی جانوروں سے حفاظت کے لئے وہ اکثر رات کو آگ روشن رکھتے ہیں (کہیں ٹیلے یا پہاڑی پر) آگ جل رہی ہو تو مسافروں کو راستہ مل جاتا ہے پھر سردی کی وجہ سے ان کو تاپنے اور جسم کو سینکنے کی بھی زیادہ ضرورت پڑتی ہے' اسی لئے مسافروں کے لئے فائدہ رساں ہونے کا ذکر کیا' اکثر اہل تفسیر نے مقوین کا یہی ترجمہ کیا ہے۔

بعض اہل علم نے کہا مقوین سے مراد ہیں مالدار لوگ۔ اگر کوئی مالدار ہو جائے اور اس کے جانور قوی ہو جائیں تو کہا جاتا ہے ''اقوی الرجل'' وہ آدمی قوت والا ہو گیا۔ اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ مالدار ہوں یا نادار آگ سب کے فائدے کی چیز ہے پھر خصوصیت کے ساتھ صرف مالداروں کے لئے فائدہ مند' اس لئے کہا گیا کہ دولت مند طبقہ ہی بکثرت کھانا پکاتا ہے یہی وجہ ہے کہ کثیر الرماد (زیادہ راکھ والا) بول کر مراد ہوتی ہے کہ اس کے پاس مہمان بہت آتے ہیں اور کھانا بہت پکایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

سو بول پاکی اپنے رب کے نام کی جو سب سے بڑا ☆

منعم کا شکر ادا کرو ☆ جس نے ایسی مختلف اور کارآمد چیزیں پیدا کیں اور خالص اپنے فضل واحسان سے ہم کو متنفع کیا اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اور منکرین کی گھڑی ہوئی خرافات سے اس کی اور اس کے نام مبارک کی پاکی بیان کرنا چاہیے تعجب ہے کہ لوگ ایسی آیات باہرہ دیکھنے کے بعد بھی اس کی قدرت و وحدانیت کو کماحقہ نہیں سمجھتے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾

سو میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے ڈوبنے کی ☆

☆ اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ قسم کھاتا ہوں آیتوں کے اترنے کی پیغمبروں کے دلوں میں (موضح) یا آیات قرآن کے اترنے کی آسمان سے زمین پر آہستہ آہستہ تھوڑی تھوڑی۔ (تفسیر عثمانی)

عطاء بن ابی رباح نے کہا مَوٰقِعِ النُّجُوْمِ سے مراد ہیں ستاروں کی سیرگاہیں اور منزلیں۔ حسن نے کہا قیامت کے دن ستاروں کا بکھر جانا اور بے نور ہو جانا مراد ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا نجوم سے مراد ہیں نجوم القرآن اور مواقع سے مراد ہیں نجوم القرآن کے اوقاتِ نزول کیونکہ قرآن کا نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نجماً نجماً یعنی تھوڑا تھوڑا (مختلف اوقات میں) ہوتا تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ

اور یہ قسم ہے اگر سمجھو تو بڑی

عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾

بڑی قسم بیشک یہ قرآن ہے عزت والا

فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ

لکھا ہوا ہے ایک پوشیدہ کتاب میں اُس کو وہی چھوتے ہیں

اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾

جو پاک بنائے گئے ہیں ☆

پاک نفسوں کی کتاب ☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''یعنی فرشتے اس کتاب کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ وہ کتاب یہی قرآن لکھا ہوا ہے فرشتوں کے ہاتھوں میں یا لوح محفوظ میں۔'' اور بعض نے ''لَا يَمَسُّهٗ'' کی ضمیر قرآن کی طرف راجع کی ہے یعنی اس قرآن کو نہیں چھوتے مگر پاک لوگ' یعنی جو صاف دل اور پاک اخلاق رکھتے ہیں۔ وہ ہی اس کے علوم وحقائق تک ٹھیک رسائی پا سکتے ہیں۔ یا اس قرآن کو نہ چھوئیں مگر پاک لوگ یعنی بدون وضو اس کو ہاتھ لگانا جائز نہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے اس وقت ''لَا يَمَسُّهٗ'' کی نفی نہی کے لیے ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

معزز کلام: اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ ۔یعنی جس کلام کی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت کر رہے ہیں وہ قرآن معزز ہے جو اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے چونکہ یہ اللہ کا کلام ہے اس لئے ہر کلام پر اس کی فوقیت اور عزت حاصل ہے جیسے اللہ کو مخلوق پر برتری حاصل ہے اس طرح اس کے کلام کو مخلوق کے کلام پر برتری حاصل ہے۔ رواہ الترمذی۔

یا یہ مطلب ہے کہ اصلاح دنیا وآخرت کے تمام اصول اس کے اندر موجود ہیں اس لئے یہ کثیر الخیر اور بہت زیادہ فائدہ رساں ہے۔ اہل معانی کا قول ہے کہ کریم وہ شخص ہوتا ہے جو کثیر الخیر ہو۔ یا کریم کا معنی ہے اچھا اور پسندیدہ۔

مَکْنُوْن ۔محفوظ اس سے مراد ہے لوح محفوظ۔

مسئلہ: علماء کا اجماعی قول ہے کہ جُنُبْ (جس کو غسل کرنا واجب ہے) اور حائضہ اور نفساء اور بے وضو شخص کو قرآن کو چھونا جائز نہیں ہے۔

غلاف اور جزدان کا مسئلہ: اگر غلاف اور جزدان قرآن سے علیحدہ ہو (یعنی کتاب کے کور کی طرح چسپاں نہ ہوں) تو اس کو پکڑ کر قرآن کو چھونا اور اٹھانا امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔

ہم کہتے ہیں تکریم قرآن چاہتی ہے کہ بے وضو قرآن کو چھوا نہ جائے اور مس کا اطلاق اسی وقت ہوتا ہے جب بغیر غلاف اور جزدان کے چھوا جائے اور بیچ میں کوئی پردہ اور حجاب نہ ہو۔ تکریم اتنی ہی ہونا چاہئے جو شرع سے ثابت ہو اس سے زیادہ محض تکلف ہے۔

آستین اور دامن سے قرآن کا پکڑنا: آستین یا دامن سے قرآن کا پکڑنا بے وضو آدمی کے لئے مکروہ ہے کیونکہ یہ دونوں ہاتھ کے تابع ہیں۔

جس سکہ پر آیت لکھی ہو اس کا چھونا: جس سکے پر قرآن کی کوئی سورت لکھی ہو اس کو بغیر ہمیانی یا بٹوے کے چھونا ناجائز ہے کیونکہ جس پر قرآن لکھا جائے وہ مصحف ہو جاتا ہے۔

جنبی کے لئے قرآن کا پڑھنا جائز نہیں: اس آیت سے بدرجۂ اولی دلالت نص سے ثابت ہوتا ہے کہ جُنُب کے لئے قرآن پڑھنا جائز نہیں' اسی پر اجماع علماء ہے۔ کیونکہ مصحف اس کو کہتے ہیں جس پر وہ نقوش وحروف لکھے ہوئے ہوں جو قرآن کے الفاظ پر دلالت کر رہے ہوں۔

بغیر وضو آیات کی تلاوت جائز ہے: حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ میں ایک رات اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کے گھر رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی بی بی تو بستر کے طول میں سوئے اور میں عرض میں سو گیا۔ جب کچھ کم وبیش آدھی رات ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے اور اُٹھ بیٹھے' اول آپ نے چہرۂ مبارک سے نیند کا اثر (ہاتھوں سے) مل کر دور کیا' پھر سورۃ آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت فرمائیں اس کے بعد کھڑے ہو کر ایک معلق مشکیزہ کا دہانہ کھول کر اس سے وضو کیا۔ الخ متفق علیہ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر وضو کے تلاوت آیات جائز ہے۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب کی حدیث ہے کہ سوائے جنابت کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت قرآن سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی تھی' رواہ احمد وابن خزیمۃ واصحاب السنن والحاکم وابن الجارو ابن السکن وعبدالحق والبغوی فی شرح السنۃ وصححہ الترمذی۔

مُوَحِّد کون ہے؟ بغوی نے لکھا ہے کہ محمد بن فضل نے کلبی کا قول نقل کیا کہ مطھرون سے مراد ہیں موحد۔

میں کہتا ہوں صوفیہ کی اصطلاح میں موحد اس شخص کو کہتے ہیں جس کا مقصود سواء اللہ کے اور کوئی نہ ہو۔ حضرت مجدد نے فرمایا جو تیرا مقصود ہے وہی تیرا معبود ہے کیونکہ مقصود حاصل کرنے کے لئے آدمی ہر ذلت مشقت اور فروتنی کو برداشت کرتا ہے اور تعبد کا یہی معنی ہے (عبادت کہتے ہی انتہائی فروتنی اور غایت تضرع کو۔ بیضاوی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تک کسی کی خواہشات اس (دین) کے تابع نہ ہوں جائیں جو میں

لایا ہوں اس وقت تک وہ مومن نہیں ہوتا۔ رواہ النوی فی الاربعین۔

درجات کی ترقی کب ملتی ہے: فراء نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی لذت اسی کو ملے گی جو اس پر ایمان لائے گا۔ اسی کی تائید میں حضرت مجدد نے فرمایا کہ نفس کو فنا کرنے اور بُری خصلتوں سے پاک ہوجانے کے بغیر صوفی کو قرآنی برکات حاصل نہیں ہوتیں۔ فنائے نفس سے پہلے قرأت قرآن کا شمار نیکوں کے اعمال میں ضرور ہوتا ہے لیکن نفس ونفسانیات کے فناء اور آثار نفس کے زوال کے بعد درجات قرب کی طرف ترقی قرأت قرآن سے وابستہ ہے۔ اس زندگی میں بھی اور آخرت میں جنت کے اندر داخلہ کے بعد بھی جیسا کہ آیت وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ میں آیا ہے۔

صاحب قرآن کا اعزاز: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' صاحب قرآن سے کہا جائے گا قرآن پڑھ اور چڑھتا چلا جا اور ترتیل کے ساتھ پڑھ جیسا تو دنیا میں پڑھتا تھا' تیرا درجہ اس آخری آیت کے پاس ہوگا جو تو پڑھے گا۔ رواہ الترمذی واحمد وابوداؤد والنسائی من حدیث عبداللہ بن عمرؓ۔ (تفسیر مظہری)

توہین کا اندیشہ ہوتو دشمن کے ملک میں قرآن نہ لے جاؤ

حدیث عبداللہ بن عمر میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ قرآن کریم دشمن کی سرزمین میں لے کر سفر کیا جائے اسی اندیشہ کے باعث کہ وہ مصحف قرآن کی توہین وبے حرمتی نہ کریں۔ اور بغیر پاکی ممکن ہے قرآن کریم کو ہاتھ لگائیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کے اسلام لانے کے واقعہ میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنی بہن کو قرآن کریم پڑھتے ہوئے پایا تو بہن نے وہ اوراق چھپالئے۔ اور عمر فاروق نے جب کہا کہ دکھاؤ مجھے تم کیا پڑھ رہے ہوتو کہا کہ تم مشرک ہو اور نجس آدمی قرآن کو نہیں چھوسکتا۔ ان کو پہلے غسل کے لئے کہا پھر ان کو ہاتھ میں وہ اوراق دیئے۔۱۲۔ (معارف کاندھلوی)

تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۸۰﴾

اتارا ہوا ہے پروردگار عالم کی طرف سے ☆

روحانی آفتاب ☆ یعنی یہ کوئی جادوٹونا نہیں نہ کاہنوں کی زٹیل اور بے سروپا باتیں ہیں نہ شاعرانہ تک بندیاں بلکہ بڑی مقدس ومعزز کتاب ہے' جو رب العالمین نے عالم کی ہدایت وتربیت کے لیے اتاری' جس خدا نے چاند سورج اور تمام ستاروں کا نہایت محکم اور عجیب وغریب نظام قائم کیا یہ ستارے ایک اٹل قانون کے ماتحت اپنے روزانہ غروب سے اسی کی عظمت ووحدانیت اور قاہرانہ تصرف واقتدار کا عظیم الشان مظاہرہ کرتے ہیں (کما احتج به ابراهیم علی قومه) اور زبان حال سے شہادت دیتے ہیں کہ جس اعلیٰ وبرتر ہستی اور سلطنۂ غیبیہ کے ہاتھ میں ہماری باگ ہے وہ ہی اکیلا زمین' جبال' پانی' آگ' ہوا' مٹی اور کائنات کے ذرے ذرے کا مالک وخالق ہوگا۔ کیا ایسے روشن آسمانی نشانات کو دیکھ کر ان مضامین کی صداقت میں کوئی شبہ رہ سکتا ہے جو پہلے رکوع میں بیان ہوئے ہیں اور کیا ایک عاقل اس عظیم الشان نظام فلکی پر نظر ڈال کر اتنا نہیں سمجھ سکتا کہ ایک دوسرا باطنی نظام شمسی بھی جو قرآن کریم اور اس کی آیات یا تمام کتب وصحف سماویہ سے عبارت ہے' اسی پروردگار عالم کا قائم کیا ہوا ہے جس نے اپنی قدرت ورحمت کاملہ سے یہ ظاہری نظام قائم فرمایا۔ وہ ہی پاک خدا ہے جس نے روحانی ستاروں کے غروب ہونے کے بعد آفتاب قرآن کو چمکایا اور اپنی مخلوق کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا۔ آج تک یہ آفتاب برابر چمک رہا ہے۔ کس کی مجال ہے جو اس کو بدل سکے یا غائب کردے۔ اس کے انوار اور شعاعیں انہی دلوں میں پوری طرح منعکس ہوتی ہیں جو مانجھ کر پاک وصاف کرلیے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنتُم

اب کیا اس بات میں تم

مُّدْهِنُونَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُونَ

سستی کرتے ہو اور اپنا حصہ تم

رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿۸۲﴾

یہی لیتے ہو کہ اس کو جھٹلاتے ہو ☆

مشرکین کی بدبختی ☆ یعنی کیا یہ ایسی دولت ہے جس سے منتفع ہونے میں تم سستی اور کاہلی کرو۔ اور اپنا حصہ اتنا ہی سمجھو کہ اس کو اور اس کے بتائے ہوئے حقائق کو جھٹلاتے رہو' جیسے بارش کو دیکھ کر کہہ دیا کرتے ہو کہ فلاں ستارہ فلاں برج میں آگیا تھا اس سے بارش ہوگئی۔ گویا خدا سے کوئی مطلب ہی نہیں۔ اسی طرح اس باران رحمت کی قدر نہ کرنا جو قرآن کی صورت میں نازل ہوئی ہے اور یہ کہہ دینا کہ وہ اللہ کی اتاری ہوئی نہیں' سخت بدبختی اور حرماں نصیبی ہے۔ کیا ایک نعمت کی شکر گذاری یہی ہے کہ اس کو جھٹلایا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: حضرت زید بن خالد جہنی کا بیان ہے کہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی۔ رات کو بارش ہوئی تھی جس کے کچھ نشانات تھے' حضور والا نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد لوگوں کی طرف رخ کرکے فرمایا کیا تم لوگ جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا' حاضرین نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بخوبی جانتے

ہیں فرمایا' اللہ نے فرمایا' میرے بندوں میں کوئی مجھ پر ایمان رکھتا ہے اور کوئی میرا انکار کرتا ہے' جو شخص کہتا ہے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہم پر بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان رکھتا ہے اور ستاروں کا منکر ہے اور جو شخص قائل ہے کہ پچھتر سے ہم پر بارش ہوئی وہ میرا منکر ہے اور ستاروں پر ایمان رکھتا ہے۔

مسلم کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک بار بارش ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (آج) صبح کو کچھ لوگ شکر گذار ہوئے اور کچھ کافر نعمت۔ بعض نے کہا یہ اللہ کی رحمت ہے جو اللہ نے عطا فرمائی اور بعض نے کہا پچھتر سچا ثابت ہوا اس پر آیت فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ - تُكَذِّبُوْنَ تک نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ غزوۂ تبوک (کے زمانہ) میں ایک انصاری شخص کے بارے میں ان آیات کا نزول ہوا' بات یہ ہوئی کہ مسلمان مقام حجر میں اترے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کوئی شخص یہاں کا پانی نہ لے پھر یہاں سے کوچ کر کے اگلی منزل پر فروکش ہوئے۔ لیکن وہاں مسلمانوں کے پاس پانی نہیں تھا صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت پیش کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کی فوراً بارش ہوگئی اور اتنی ہوئی کہ سب سیراب ہو گئے ایک شخص کو منافق سمجھا جاتا تھا اس سے ایک انصاری نے کہا دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ کر جونہی اللہ سے دعا کی فوراً بادل سے بارش ہوگئی وہ (منافق) بولا ہم پر تو ایسے ایسے پچھتر سے بارش ہوئی اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ یہ واقعہ حجر میں ہوا تھا۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی اللہ آسمان سے برکت (بارش) نازل فرماتا ہے آدمیوں کا ایک گروہ اس کی ناشکری کرنے لگتا ہے بارش تو نازل کرتا ہے اللہ اور وہ کہتا ہے فلاں فلاں ستاروں کی تاثیر سے بارش ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

تجرباتی علم: ایک مرتبہ حضرت عباسؓ سے پوچھا تھا کہ ثریا ستارہ کتنا باقی ہے؟ پھر کہا تھا کہ اس علم والوں کا خیال ہے کہ یہ اپنے ساقط ہو جانے کے ہفتہ بھر بعد افق پر نمودار ہوتا ہے چنانچہ یہی ہوا بھی کہ اس سوال و جواب اور استسقا کو سات روز گذرے تھے جو پانی برسا۔ یہ واقعہ محمول ہے عادت اور تجربہ پر نہ یہ کہ اس ستارے میں ہی اور اس ستارے کو ہی اثر کا موجد جانتے ہوں۔ اس قسم کا عقیدہ تو کفر ہے ہاں تجربہ سے کوئی چیز معلوم کر لینا یا کوئی بات کہہ دینا دوسری چیز ہے۔ اس بارے کی بہت سی حدیثیں آیت مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ کی تفسیر سے گذر چکی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿٨٣﴾
پھر کیوں نہیں جس وقت جان پہنچے حلق کو
وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿٨٤﴾
اور تم اُس وقت دیکھ رہے ہو
وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ
اور ہم اُس کے پاس ہیں تم سے زیادہ
وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ فَلَوْلَآ اِنْ
پر تم نہیں دیکھتے پھر کیوں نہیں اگر تم
كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿٨٦﴾
نہیں ہو کسی کے حکم میں
تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ
تو کیوں نہیں پھیر لیتے اُس روح کو اگر
صٰدِقِيْنَ ﴿٨٧﴾
ہو تم سچے ☆

منکرین کے جھوٹے ہونے کی دلیل ☆ یعنی ایسی بے فکری اور بے خوفی سے اللہ کی باتوں کو جھٹلاتے ہو' گویا تم کسی دوسرے کے حکم اور اختیار ہی میں نہیں' یا کبھی مرنا اور خدا کے ہاں جانا ہی نہیں۔ اچھا جس وقت تمہارے کسی عزیز و محبوب کی جان نکلنے والی ہو' سانس حلق میں اٹک جائے' موت کی سختیاں گذر رہی ہوں اور تم پاس بیٹھے اس کی بے بسی اور درماندگی کا تماشا دیکھتے ہو اور دوسری طرف خدا یا اسکے فرشتے تم سے زیادہ اس کے نزدیک ہیں جو تمہیں نظر نہیں آتے اگر تم کسی دوسرے کے قابو میں نہیں تو اس وقت کیوں اپنے پیارے کی جان کو اپنی طرف نہیں پھیر لیتے اور کیوں بادل ناخواستہ اپنے سے جدا ہونے دیتے ہو دنیا کی طرف واپس لا کر اسے آنیوالی سزا سے کیوں بچا نہیں لیتے۔ اگر اپنے دعوؤں میں سچے ہو تو ایسا کر دکھاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ۔ یعنی یعنی غیر مجرم ہوا اور قیامت کے دن زندہ کر کے

تمہاری حساب فہمی نہ ہوگی یعنی تم کو تمہارے خیال کے بموجب دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھایا جائے گا۔ یا مدینین سے مراد میں مملوک عاجز ذلیل کہا جاتا ہے دَانَہٗ اس کو ذلیل کیا اور غلام بنالیا۔

تَرْجِعُوْنَ۔ یعنی جان کو اس کی قرار گاہ تک کیوں نہیں لوٹا دیتے کہ اس کے مقام تک موت کی رسائی نہ ہو سکے یا یہ معنی ہے کہ تم جب مجبور و مقہور نہ ہو تو پھر جان کو (بدن کے اندر) لوٹا کیوں نہیں دیتے۔

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾
سو جو اگر وہ مردہ ہوا مقرب لوگوں میں
فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾
تو راحت ہے اور روزی ہے اور باغ نعمت کا
وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾
اور جو اگر وہ ہوا داہنے والوں میں
فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾
تو سلامتی پہنچے تجھ کو داہنے والوں سے ☆

ہر ایک نے اپنے ٹھکانے کو پہنچنا ہے ☆ یعنی تم ایک منٹ کیلئے نہیں روک سکتے۔ اس کو اپنے ٹھکانے پر پہنچنا ضروری ہے اگر وہ مردہ مقربین میں سے ہوگا تو اعلیٰ درجہ کی روحانی و جسمانی راحت و عیش کے سامانوں میں پہنچ جائیگا اور "اصحاب یمین" میں سے ہوا تب بھی کچھ کھٹکا نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی خاطر جمع رکھ ان کی طرف سے" یا یہ مطلب ہے کہ اصحاب یمین کی طرف سے اس کو سلام پہنچے گا۔ یا اس کو کہا جائے گا کہ تیرے لیے آئندہ سلامتی ہی سلامتی ہے اور تو "اصحاب یمین" میں شامل ہے بعض احادیث میں ہے کہ موت سے پہلے ہی مرنیوالے کو یہ بشارتیں مل جاتی ہیں۔ اور اسی طرح مجرموں کو ان کی بدحالی کی اطلاع دے دی جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابو العالیہ نے کہا جو شخص مقربین میں ہوتا ہے اس کو دنیا چھوڑنے سے پہلے جنت کی کوئی خوشبودار چیز سنگھائی جاتی ہے پھر اس کی روح قبض کی جاتی ہے۔ ابو بکر رزاق نے کہا روح سے مراد دوزخ سے نجات اور ریحان سے مراد ہے دار القرار (آرام گاہ یعنی جنت) میں داخلہ۔

بغوی نے سَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ۔ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اصحاب الیمین کی طرف سے اطمینان رہے۔ آپ ان کی کوئی فکر نہ کریں وہ اللہ کے عذاب سے محفوظ ہیں آپ ان کی سلامتی کو دیکھ کر خوش اور راضی ہوں گے۔

مقاتل نے کہا اللہ ان کے قصوروں سے درگذر فرمائے گا اور نیکیوں کو قبول کرے گا۔ فراء وغیرہ نے یہ مطلب بیان کیا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اصحاب الیمین کی طرف سے سلام ہو یا یہ مطلب ہے کہ صاحب الیمین سے کہا جائے گا تو اصحاب الیمین میں سے ہے تیرے لئے سلامتی ہو۔ (تفسیر مظہری)

مومن کی موت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ حضرت ملک الموت علیہ السلام سے فرماتا ہے میرے فلاں بندے کے پاس جا اور اسے میرے دربار میں لے آ۔ میں نے اسے رنج، راحت، آرام، تکلیف، خوشی، ناخوشی غرض ہر آزمائش میں آزمالیا اور اپنی مرضی کے مطابق پایا۔ بس اب میں اُسے ابدی راحت دینا چاہتا ہوں۔ جا اُسے میرے خاص دربار میں پیش کر۔ ملک الموت پانچ سو رحمت کے فرشتے اور جنت کے کفن اور جنتی خوشبوئیں ساتھ لے کر اس کے پاس آتے ہیں۔ گو ریحان ایک ہی ہوتا ہے لیکن سرے پر بیس قسمیں ہوتی ہیں ہر ایک کی جداگانہ مہک ہوتی ہے سفید ریشم ساتھ ہوتا ہے جس میں سے مشک کی لپٹیں آتی ہیں الخ۔

جنتیوں کی آپس میں ملاقات: مسند میں ہے حضرت ام ہانیؓ نے رسول مقبول علیہ السلام سے پوچھا کیا مرنے کے بعد ہم آپس میں ایک دوسرے سے ملیں گے؟ اور ایک دوسرے کو دیکھیں گے؟ آپؐ نے فرمایا روح ایک پرند ہو جائے گی جو دوزخیوں کے میوے چگے گی یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ اس وقت اپنے اپنے جسم میں چلی جائے گی اس حدیث میں ہر مؤمن کے لئے بہت بڑی بشارت ہے۔

جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے

مسند احمد میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابو لیلیٰؒ ایک جنازے میں گدھے پر سوار جا رہے تھے آپ کی عمر اس وقت بڑھاپے کی تھی، سر اور داڑھی کے بال سفید تھے اسی اثناء میں آپ نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا چاہتا ہے اور جو خدا سے ملنے کو برا جانتا ہے اللہ بھی اس کی ملاقات سے کراہت کرتا ہے۔ صحابہؓ یہ سن کر سر جھکائے رونے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روتے کیوں ہو؟ صحابہؓ نے کہا حضور! بھلا موت کون چاہتا ہے؟ فرمایا سنو مطلب سکرات کے وقت سے ہے۔ اس وقت نیک اور مقرب بندے کو تو راحت و انعام اور آرام و جنت کی خوش خبری سنائی جاتی ہے جس پر وہ تڑپ اٹھتا ہے اور چاہتا

ہے کہ جہاں تک ممکن ہو جلد اللہ سے ملے تا کہ ان نعمتوں سے مالا مال ہو جائے پس خدا بھی اس کی ملاقات کی تمنا کرتا ہے۔ اور اگر بد بندہ ہے تو اسے موت کے وقت گرم پانی اور جہنم کی مہمانی کی خبر دی جاتی ہے جس سے یہ بیزار ہو جاتا ہے اور اس کی روح رونگٹے رونگٹے میں چھپنے اور اٹکنے لگتی ہے اور یہ دل چاہتا ہے کہ کسی طرح خدا کے حضور میں حاضر نہ ہوؤں۔ پس اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ
اور جو اگر وہ ہوا جھٹلانے والوں
الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾
بہکنے والوں میں سے تو مہمانی ہے جلتا پانی
وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾
اور ڈالنا آگ میں ☆

☆ یعنی اس کا انجام یہ ہوگا اور مرنے سے پہلے اس کی خبر سنا دی جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾
بیشک یہ بات یہی ہے لائق یقین کے ☆

☆ یعنی تمہاری تکذیب سے کچھ نہیں ہوتا۔ جو کچھ اس صورت میں مومنین اور مجرمین کی خبر دی گئی ہے بالکل یقینی ہے اسی طرح ہو کر رہے گا خواہ مخواہ شبہے پیدا کر کے اپنے نفس کو دھوکا نہ دو۔ بلکہ آنے والے وقت کی تیاری کرو۔ (تفسیر عثمانی)

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾
سو بول پاکی اپنے رب کے نام سے جو سب سے بڑا ☆

عالم آخرت کی تیاری ☆ یعنی تسبیح وتحمید میں مشغول رہو کہ یہ ہی وہاں کی بڑی تیاری ہے اس نیک مشغلہ میں لگ کر مکذبین کی دل آزار بے ہودگیوں سے بھی یکسوئی رہتی ہے اور ان کے باطل خیالات کا رد بھی ہوتا ہے یہاں سورت کے خاتمہ پر جی چاہتا ہے کہ وہ حدیث نقل کر دی جائے جس پر امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کو ختم فرمایا ہے عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمان سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ تم سورۃ الواقعہ وللہ الحمد والمنہ۔ (تفسیر عثمانی)

حضرات عارفین فرماتے ہیں تقویت قلب اور اطمینان باطن کے لئے سبحان اللہ والحمد للہ جیسے کلمات اکسیر کا درجہ رکھتے ہیں تسبیح وحمد سے قلب کو وہ قوت حاصل ہوتی ہے کہ انسان بڑے سے بڑے صدموں اور تکالیف کو برداشت کر لیتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

مسند میں ہے اس آیت کے اُترنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے رکوع میں رکھو۔ اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اُترنے پر فرمایا اسے سجدے میں رکھو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس نے سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ کہا اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگایا جاتا ہے (ترمذی) (تفسیر ابن کثیر)

بحمد اللہ تم

سورۃ واقعہ کی تفسیر ختم ہوئی

جس نے خواب میں دیکھا کہ وہ یہ سورۃ پڑھ رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ اچھے اثر کا ہوگا اور دین میں صحیح ہوگا۔

سونے سے پہلے مسبحات کا پڑھنا:

ابوداؤد ترمذی اور نسائی نے لکھا ہے کہ حضرت عرباضؓ بن ساریہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے مسبحات (وہ سورتیں جن کو سَبَّحَ اور یُسَبِّحُ اور سَبِّح سے شروع کیا گیا ہے) پڑھتے اور فرماتے تھے۔ان میں ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیتوں سے بہتر ہے میں کہتا ہوں شاید وہ آیت آیت تسبیح ہے۔نسائی نے معاویہؒ کا قول موقوفاً بیان کیا ہے کہ مسبحات سورت حدید، سورت حشر سورت صف، سورت جمعہ، سورت تغابن اور سورت الاعلیٰ ہیں۔ میں کہتا ہوں مسبحات میں سے سورت بنی اسرائیل بھی ہے لیکن حضرت معاویہؒ نے اس کا ذکر نہیں کیا بلکہ ترمذی، نسائی اور حاکم نے تو حدیث کے یہ الفاظ بھی نقل کئے وحتی یقرأ بنی اسرائیل والزّمر سونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ الزمر بھی پڑھتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

سورۂ حدید کی بعض خصوصیات:

پانچ سورتوں کو حدیث میں مُسَبِّحَات سے تعبیر کیا گیا ہے، جن کے شروع میں سَبَّحَ یا یُسَبِّحُ آیا ہے، ان میں سے پہلی یہ سورت حدید ہے، دوسری حشر، تیسری صف، چوتھی جمعہ، پانچویں تغابن، ابوداؤد، ترمذی نسائی میں حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے سے پہلے یہ مسبحات پڑھا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان میں ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیتوں سے افضل ہے، ابن کثیر نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ وہ افضل آیت سورۂ حدید کی یہ آیت ہے، هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۔ (معارف مفتی اعظم)

مقصد میں کامیابی کی دعاء: سیوطی نے جمع الجوامع میں لکھا ہے کہ مراد پوری ہونے کی دعاء کے سلسلے میں حضرت علیؓ نے فرمایا (پہلے) سورۂ حدید کی ابتدائی آیات اور سورۂ حشر کے آخر کی تین آیات پڑھے پھر کہے اسے وہ ذات جو ایسی ہے اس کے سوا ایسا اور کوئی نہیں میری اس حاجت کو پورا کردے۔ (انشاء اللہ دعا قبول ہوگی) (تفسیر مظہری)

سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ حدید مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی انتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں ☆

جمادات کی تسبیح ☆ یعنی زبان حال سے یا قال سے یا دونوں سے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل علم کے نزدیک جمادات وغیرہ (جو تسبیح کلامی وقولی سے فطرتاً محروم ہیں) کی تسبیح حالی مراد ہے یعنی یہ ساری چیزیں دلالت کر رہی ہیں کہ اللہ ہر برائی (اور نقص و عجز) سے پاک ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ (جماد ہو یا نامی باشعور ہو یا بے شعور۔ ذی عقل ہو یا محروم از عقل) تمام موجودات میں اس کی نوع کے مناسب زندگی اور علم موجود ہے جیسا کہ ہم نے سورۂ بقرہ کی آیات وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ کی تفسیر میں وضاحت کردی ہے پس ہر چیز کی تسبیح مقالی ہے (گو ہم اس کے کلام کو نہ سمجھیں) اللہ نے فرمایا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَهٗ مُلْكُ

اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا اسی کے لئے ہے راج

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ

آسمانوں کا اور زمین کا جلاتا ہے اور مارتا ہے

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے ☆

☆ یعنی آسمان وزمین میں سب جگہ اسی کا حکم اور اختیار چلتا ہے۔ ایجاد و اعدام کی باگ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی طاقت اس کے تصرف تکوینی کو روک نہیں سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ

وہی ہے سب سے پہلا اور سب سے پچھلا ☆

اول و آخر ☆ جب کوئی نہ تھا' وہ موجود تھا' اور کوئی نہ رہے وہ موجود رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

ہر چیز اپنی ذات کے اعتبار سے فنا پذیر ہے اللہ کا وجود اصل ہے جو قابل زوال نہیں' ہر شے کی ہستی مستعار ہے' اللہ کی ہستی کے زیر حکم ہے پس سب سے پیچھے باقی رہ جانے والا وہی ہے (یعنی ہر چیز سے پہلے عدم ہے اور ہر چیز کے وجود پر باعتبار ذات عدم طاری ہونے والا ہے اور اللہ کے وجود پر عدم سابق نہیں اور نہ اس پر عدم طاری ہوسکتا ہے' پس ہر چیز عدم سابق اور عدم لاحق کے درمیان عارضی مستعار وجود رکھتی ہے اور اللہ کا وجود دوامی عدم سابق ولاحق سے پاک ہے) (تفسیر مظہری)

اور امام غزالیؒ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کو آخر باعتبار معرفت کے کہا گیا ہے کہ سب سے آخر معرفت اس کی ہے انسان علم و معرفت میں ترقی کرتا رہتا ہے' مگر یہ سب درجات جو اس کو حاصل ہوئے راستہ کی مختلف منزلیں ہیں اس کی انتہا اور آخری حد حق تعالیٰ کی معرفت ہے (از روح المعانی)

اے برتراز قیاس و گمان و خیال و وہم
وزہرچہ دیدہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم
اے بروں از جملہ قال و قیل من
خاک برفرقِ من و تمثیل من

(معارف مفتی اعظم)

وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ
اور باہر اور اندر اور وہ سب کچھ
شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۳﴾
جانتا ہے ☆

ظاہر بھی اللہ' باطن بھی اللہ

ہر چیز کا وجود ظہور اس کے وجود سے ہے۔ لہٰذا اس کا وجود اگر ظاہر و باہر نہ ہوتا اور کس کا ہوگا۔ عرش سے فرش تک اور ذرہ سے آفتاب تک ہر چیز کی ہستی اس کی ہستی کی روشن دلیل ہے لیکن اسی کے ساتھ اس کی کنہ ذات اور حقائق صفات تک عقل وادراک کی رسائی نہیں۔ کسی ایک صفت کا احاطہ بھی کوئی نہیں کرسکتا نہ اپنے قیاس ورائے سے اس کی کچھ کیفیت بیان کرسکتا ہے۔ بایں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ اس سے زیادہ باطن اور پوشیدہ کوئی نہیں بہرحال وہ اندر بھی باہر بھی' ظاہر بھی باطن بھی' کھلے اور چھپے ہر قسم کے احوال کا جاننے والا ہے ظاہر (بمعنی غالب) ایسا کہ اس سے اوپر کوئی قوت نہیں باطن ایسا کہ اس سے پرے کوئی موقع نہیں جہاں اس کی آنکھ سے اوجھل ہوکر پناہ مل سکے۔ ففی الحدیث وانت الظاهر فليس فوقک شیء وانت الباطن فليس دونک شیء. (تفسیر عثمانی)

سب سے بڑھ کر ظاہر بھی ہے اور مخفی بھی

ہر چیز سے بڑھ کر اس کا ظہور ہے کیونکہ ہر چیز کے ظہور کی بناء اس کی وجود پر ہے معدوم کا کوئی ظہور نہیں ہوتا اور ہر چیز کا وجود اللہ کے وجود کا پرتو اور ظل ہے پس ہر چیز کا ظہور اللہ کے ظہور کی ایک شاخ ہے' اللہ کا ظہور اصل ہے اور مخلوق کا وجود اسی سے مستفاد ہے' اور چونکہ اللہ کا ظہور کامل ہے اور آنکھوں کی بصارت قاصر اور ناقص اسلئے کہ اللہ کا وجود دکھائی نہیں دیتا۔ چمگادڑ سورج کو نہیں دیکھتا اور نہ ٹھیک نصف النہار کے وقت سورج پر نظر جما کر اس کو کوئی دیکھ سکتا ہے' کیونکہ ظہور کی شدت اور نور کی قوت نظر کے لئے حجاب بن جاتی ہے لیکن جس طرح دن میں سورج کی روشنی کا اعتراف ہر بچہ بڑا اور عقلمند و دیوانہ کرتا ہے اسی طرح جس میں تھوڑی سی بھی قوت تمیز ہے وہ اللہ کی ہستی کا منکر نہیں ہوسکتا۔

اور وہی کمال ظہور کی وجہ سے پوشیدہ ہے اس کے علاوہ اس کی حقیقت ذات تو سب سے مخفی ہے۔ آنکھوں والے انبیاء اور اولیاء کی بصارت اور بصیرت کی رسائی کنہ ذات تک نہیں۔

سوتے وقت کی دعاء: حضرت ابوہریرہ کی روایت سے مسلم' ابو داؤد' ترمذی' النسائی' ابن ماجہ اور ابن ابی شیبہ نے اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے ابویعلی موصلی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سونے کو لیٹتے تھے تو اس وقت یہ دعاء کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى وَمُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْفُرْقَانِ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَاَغْنِنَا عَنِ الْفَقْرِ. (اے اللہ! اے آسمانوں کے اور زمین کے مالک۔ اے عرش عظیم کے مالک' اے ہمارے مالک' اے ہر چیز کے مالک' اے دانہ کو اور گٹھلی کو چیرنے والے (اور اس سے پورا نکالنے والے) اے توریت و انجیل و قرآن کو اتارنے والے میں تیری پناہ لیتا ہوں ہر اس چیز کو بدی سے جو تیرے دست قدرت میں ہے' اے اللہ تو ہی (سب سے اول ہے تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں اور تو ہی سب کے) آخر ہے' تیرے بعد کوئی چیز نہیں' اور تو ہی ظاہر ہے تجھ سے بالا کوئی چیز نہیں اور تو ہی مخفی ہے تجھ سے زیادہ اندرونی کوئی چیز نہیں' ہمارا قرض ادا فرما دے اور ہم سے فقر کو دور کر کے ہم کو غنی بنا دے) (تفسیر مظہری)

وساوسِ شیطانیہ کا علاج

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر کبھی تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ اور دین حق کے معاملے میں شیطان کوئی وسوسہ ڈالے تو یہ آیت آہستہ سے پڑھ لیا کرو۔
هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (ابن کثیر)

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین
فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ
چھ دن میں پھر قائم ہوا تخت پر ☆

☆ اس کا بیان سورہ اعراف میں آٹھویں پارے کے ختم سے کچھ پہلے گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ آیت متشابہات میں سے ہے سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ اس کی مراد کی تشریح نہ کی جائے۔ اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کا کیا مطلب ہے۔ کیا مراد ہے اس کو اللہ ہی کے سپرد کر دیا جائے (یعنی ان متشابہات میں سے ہیں جن کی تشریح نہ شارع نے کی نہ اپنی مراد بیان کی نہ قیاس کو اس میں دخل ہے) (تفسیر مظہری)

یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا
جانتا ہے جو اندر جاتا ہے زمین کے اور جو
یَخْرُجُ مِنْهَا
اس سے نکلتا ہے ☆

☆ مثلاً بارش کا پانی اور بیج زمین کے اندر جاتا ہے۔ اور کھیتی درخت وغیرہ اس سے باہر نکلتے ہیں اس کا بیان سورہ ''سبا'' میں گذر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا
اور جو کچھ اُترتا ہے آسمان سے اور جو کچھ
یَعْرُجُ فِیْهَا
اُس میں چڑھتا ہے ☆

☆ آسمان کی طرف سے اترتے ہیں فرشتے، احکام قضاء وقدر کے فیصلے اور بارش وغیرہ اور چڑھتے ہیں بندوں کے اعمال اور ملائکہ۔ واللہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا
اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو اور اللہ جو تم
تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۴﴾
کرتے ہو اُس کو دیکھتا ہے ☆

اللہ دیکھ رہا ہے ☆ یعنی کسی وقت تم سے غائب نہیں۔ بلکہ جہاں کہیں تم ہو اور جس حال میں ہو، وہ خوب جانتا ہے اور تمام کھلے چھپے اعمال کو دیکھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کی معیت بے کیف ہے (جسمانی نہیں، مکانی نہیں، زمانی نہیں، ناقابل بیان ہے) اللہ کی نسبت تمام مقاموں سے ایک جیسی ہے اس لئے ہر مقام میں وہ بندوں کے ساتھ رہتا ہے خواہ بندے کہیں ہوں۔ (تفسیر مظہری)

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
اسی کے لئے ہے راج آسمانوں کا اور زمین کا
وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۵﴾
اور اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب کام ☆

☆ یعنی اس کی قلمرو سے نکل کر کہیں نہیں جا سکتے۔ تمام آسمان وزمین میں اسی اکیلے کی حکومت ہے اور آخرکار سب کاموں کا فیصلہ وہیں سے ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ
داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے
النَّهَارَ فِی الَّیْلِ
دن کو رات میں ☆

☆ یعنی کبھی دن کو گھٹا کر رات بڑی کر دیتا ہے اور کبھی اس کے برعکس رات کو گھٹا کر دن بڑا کر دیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

صحیح حدیث میں ہے رات کے اعمال دن سے پہلے اور دن کے عمل رات سے پہلے اس کی جناب میں پیش کر دیے جاتے ہیں۔ وہ تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہارا نگہبان ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَهُوَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۶﴾
اور اُس کو خبر ہے جیوں کی بات کی ☆

اللہ دلوں کے بھید جانتا ہے

یعنی دلوں میں جو نیتیں اور ارادے پیدا ہوں یا خطرات و وساوس آئیں، وہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

احسان کیا ہے؟ صحیح حدیث میں ہے کہ جبرئیلؑ کے سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہے پس اگر تو اُسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔

زندگی سنوارنے کا نسخہ

ایک شخص آ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا حکمت کا توشہ دیجئے کہ میری زندگی سنور جائے۔ آپ نے مجھے فرمایا اللہ تعالیٰ کا لحاظ کر اور اس سے اس طرح شرما جیسے کہ تو اپنے کسی نزدیکی نیک قرابت دار سے شرماتا ہو جو تجھ سے کبھی جدا نہ ہوتا ہو۔ یہ حدیث ابوبکر اسماعیلی نے روایت کی ہے، سند غریب ہے۔

دو شعر: حضرت امام احمدؒ اکثر ان دو شعروں کو پڑھتے رہتے تھے۔

اِذَا مَا خَلَوْتَ الدَّهْرَ يَوْمًا فَلَا تَقُلْ
خَلَوْتُ وَلٰكِنْ قُلْ عَلَيَّ رَقِيْبُ
وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ يَغْفِلُ سَاعَةً
وَلَا اَنَّ مَا يَخْفٰى عَلَيْهِ يَغِيْبُ

جب تو بالکل تنہائی اور خلوت میں ہو اس وقت بھی یہ نہ کہہ کہ میں اکیلا ہی ہوں بلکہ کہتا رہ کہ تجھ پر ایک نگہبان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی ساعت بے خبر نہ سمجھ اور مخفی سے مخفی کام کو اس پر مخفی نہ مان۔ (تفسیر ابن کثیر)

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا
یقین لاؤ اللہ پر اور اُسکے رسول پر اور خرچ کرو اُس میں اسے
جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ
جو تمہارے ہاتھ میں دیا ہے اپنا نائب کر کر ☆

سب اللہ کا ہے ☆ یعنی جو مال تمہارے ہاتھ میں ہے اس کا مالک اللہ ہے۔ تم صرف امین اور خزانچی ہو۔ لہٰذا جہاں وہ مالک بتلائے اسکے نائب کی حیثیت سے خرچ کرو۔ اور یہ بھی ملحوظ رکھو کہ پہلے یہ مال دوسروں کے ہاتھ میں تھا ان کے جانشین تم بنے۔ ظاہر ہے تمہارا جانشین کوئی اور بنایا جائے گا پھر جب معلوم ہے کہ یہ چیز نہ پہلوں کے پاس رہی نہ تمہارے پاس رہے گی تو ایسی زائل و فانی چیز سے اتنا دل لگانا مناسب نہیں کہ ضروری اور مناسب مواقع میں بھی آدمی خرچ کرنے سے کترائے۔ (تفسیر عثمانی)

اٰمِنُوْا۔ یعنی اے لوگو ایمان لاؤ اللہ پر اور وَرَسُوْلِهٖ اس کے رسول پر۔ کیونکہ بغیر پیغمبروں کی وساطت اور توسل کے اللہ پر صحیح ایمان لانا ممکن نہیں۔

دولت ڈھلتی چھاؤں ہے: یا یہ مطلب ہے کہ پچھلے گزشتہ لوگوں کا قائم مقام اللہ نے تم کو بنایا ہے پہلے وہ مالک اور متصرف تھے اب ان کی جگہ تم ہو اور آئندہ تمہاری جگہ اس مال کی ملکیت اور تصرف کا اختیار دوسروں کو ہوگا۔ جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ کہہ کر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے پر آمادہ کرنا اور برانگیختہ کرنا مقصود ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ
سو جو لوگ تم میں یقین لائے ہیں اور خرچ کرتے ہیں اُن کو
اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝
بڑا ثواب ہے ☆

ایمان کا تقاضا پورا کرو ☆ لہٰذا ضروری ہے کہ جن لوگوں میں یہ صفت وخصلت موجود نہیں، اپنے اندر پیدا کریں اور جن میں موجود ہے اس پر ہمیشہ مستقیم رہیں اور ایمان کے مقتضٰی پر عمل رکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ
اور تم کو کیا ہوا کہ یقین نہیں لاتے اللہ پر
وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا
اور رسول بلاتا ہے تم کو کہ یقین لاؤ
بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ
اپنے رب پر اور لے چکا ہے تم سے عہد پکا اگر ہو
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝
تم ماننے والے ☆

وعدہ کرنے کے بعد ایمان کیوں نہیں لاتے

یعنی اللہ پر ایمان لانے یا یقین ومعرفت کے راستوں پر چلتے رہنے سے کیا چیز مانع ہو سکتی ہے۔ اور اس معاملہ میں سستی یا تقاعد کیوں ہو جبکہ خدا کا رسول تم کو کسی اجنبی اور غیر معقول چیز کی طرف نہیں، بلکہ تمہارے حقیقی پرورش

کرنیوالے کی طرف دعوت دے رہا ہے جس کا اعتقاد تمہاری اصل فطرت میں ودیعت کر دیا گیا اور جس کی ربوبیت کا اقرار تم دنیا میں آنے سے پہلے کر چکے ہو۔ چنانچہ آج تک اس اقرار کا کچھ نہ کچھ اثر بھی قلوب بنی آدم میں پایا جاتا ہے۔ پھر دلائل و براہین اور ارسال رسل کے ذریعہ سے اس ازلی عہد و پیمان کی یاد دہانی اور تجدید بھی کی گئی۔ اور انبیائے سابقین نے اپنی امتوں سے یہ عہد بھی لیا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرینگے۔ اور تم میں بہت سے وہ بھی ہیں جو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر سمع و طاعت اور انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ امور ایمانیہ پر کاربند رہنے کا پکا عہد کر چکے ہیں۔ پس ان مبادی کے بعد کہاں گنجائش ہے کہ جو ماننے کا ارادہ رکھتا ہو وہ نہ مانے اور جو مان چکا ہو وہ اس سے انحراف کرنے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

ربوبیت الٰہی کا اقرار: اللہ نے اپنی ربوبیت کا تم سے اقرار لے لیا تھا یعنی جب آدم کی پشت سے تم کو برآمد کر کے فرمایا تھا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تم نے جواب میں کہا تھا بَلٰى شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا الخ۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے پیغمبروں کی زبانی اور اپنی کتابوں میں تم سے عہد لے لیا تھا' اور فرمایا تھا

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۝

بعض اہل علم کے نزدیک اخذ میثاق سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے (فطری) دلائل قائم کر دیئے اور دیکھنے اور غور کرنے کی قوت عطا فرما دی۔

چار چیزوں کا حکم اور چار کی ممانعت

صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے آیا ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کا وفد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار چیزوں کی ممانعت فرما دی' ان کو اللہ لا شریک لہٗ پر ایمان لانے کا حکم دیا اور فرمایا کیا جانتے ہو کہ اللہ وحدہٗ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے وفد نے جواب دیا اللہ اور اس کا رسول ہی بخوبی واقف ہیں فرمایا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور محمد رسول اللہ کی شہادت دینی۔ اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور (ایک بات یہ کہ) تم مال غنیمت کا پانچواں حصہ (بیت المال کو) دو۔

(جن) چار چیزوں کی ممانعت فرمائی (وہ یہ ہیں) چکنی' گھڑیا کدو کا پیالہ لکڑی کا کھلا اور روغنی برتن ان برتنوں کو استعمال کرنے کی ممانعت کر دی یہ سب شراب پینے کے برتن تھے۔ حضور نے فرمایا' ان کو یاد رکھنا اور ادھر والوں کو بھی بتا دینا۔

میں کہتا ہوں (ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ باتوں کا حکم دیا۔ (۱) شہادت توحید و رسالت (۲) اقامت صلوٰۃ (۳) ادائے زکوٰۃ (۴) صیام رمضان (۵) مال غنیمت کا خمس۔ حالانکہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تھا کہ چار باتوں کا حکم دیا' لیکن تفصیل میں پانچ باتوں کا ذکر کیا) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایمان باللہ کا حکم دینے کے بعد چار باتوں کا حکم دیا اول ایمان کی تشریح کی پھر چار باتوں کی تفصیل بیان کر دی۔

یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ اللہ وحدہٗ پر ایمان رسول پر ایمان لائے بغیر ناقابل تصور ہے۔

علامہ بیضاوی' بغوی کی تقریر: بیضاوی نے کہا' آیت کا مطلب اس طرح ہے اگر کسی موجب کی وجہ سے تم ایمان لانے والے ہو تو یہ موجب موجود ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی موجب ایمان نہیں ہو سکتا۔ بغوی نے اس طرح مطلب بیان کیا ہے اگر تم کبھی کسی وقت ایمان لانے والے ہو تو یہ وقت ایمان لانے کا سب سے بہتر ہے۔ دلائل موجود ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہو چکی اور قرآن نازل ہو گیا۔ (اس سے بڑھ کر ایمان لانے کا اور کونسا دن آئے گا۔) (تفسیر مظہری)

هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖٓ اٰیٰتٍ

وہی ہے جو اتارتا ہے اپنے بندے پر آیتیں

بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ

صاف کہ نکال لائے تم کو اندھیروں سے

اِلَی النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ

اُجالے میں اور اللہ تم پر نرمی کرنیوالا ہے

رَّحِیْمٌ ۝

مہربان ☆

اللہ تعالیٰ کی مہربانی ☆ یعنی قرآن اتارا اور صداقت کے نشان دیئے تا ان کے ذریعہ سے تم کفر و جہل کی اندھیریوں سے نکال کر ایمان و علم کے اجالے میں لے آئے یہ اللہ کی بہت ہی بڑی شفقت اور مہربانی ہے' اگر سختی کرتا تو ان ہی اندھیروں میں پڑا چھوڑ کر تم کو ہلاک کر دیتا۔ یا ایمان لانے کے بعد بھی پچھلی خطاؤں کو معاف نہ کرتا۔ (تفسیر عثمانی)

عَبْدِهٖ سے مراد ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیات بینات۔ یعنی قرآن مجید یا کھلے ہوئے معجزات۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ

اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں

اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ

اور اللہ ہی کو بچ رہتی ہر شے آسمانوں میں

وَالْاَرْضِ ط

اور زمین میں ☆

خوشدلی سے مال خرچ کرو ☆ یعنی مالک فنا ہو جاتا ہے اور ملک اللہ کا بچ رہتا ہے اور ویسے تو ہمیشہ اسی کا مال تھا۔ پھر اس کے مال میں سے اسکے حکم کے موافق خرچ کرنا بھاری کیوں معلوم ہو؟ خوشی اور اختیار سے نہ دو گے تو بے اختیار اسی کے پاس پہنچے گا۔ بندگی کا اقتضاء یہ ہے کہ خوشدلی سے پیش کرے اور اس کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے فقر وافلاس سے نہ ڈرے کیونکہ زمین وآسمان کے خزانوں کا مالک اللہ ہے کیا اس کے راستہ میں خوشدلی سے خرچ کرنے والا بھوکا رہے گا؟" ولا تخش من ذی العرش اقلالا" (تفسیر عثمانی)

جو اللہ کے نام پر دیدیا وہی باقی اور وہی اپنا ہے

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ایک بار لوگوں نے ایک بکری ذبح کی سب گوشت تو بانٹ دیا صرف ایک شانہ رکھ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بانٹنے سے) بکری کا کونسا حصہ باقی رہا؟ عرض کیا گیا صرف ایک شانہ باقی ہے، فرمایا ایک شانہ کے علاوہ سب باقی رہا (ایک شانہ باقی نہیں رہا) یعنی جو اللہ واسطے بانٹ دیا اس کا ثواب باقی رہا اور جو نہیں بانٹا گیا اس کا ثواب جمع نہ ہوا۔ رواہ الترمذی۔

حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کون ایسا ہے کہ اس کو اپنے (پاس کے) مال سے وارث کا مال زیادہ محبوب ہے۔ صحابہ نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ہر شخص کو اپنا مال وارث کے (پاس رہنے والے) مال سے زیادہ محبوب ہے (یعنی ہر شخص چاہتا ہے کہ میں مالدار ہوں۔ وارث کا مالدار ہونا اتنا پسندیدہ نہیں جتنا اپنا مالدار ہونا مرغوب ہے) فرمایا تو اس کا مال وہ ہے جو اس نے (مرنے سے) پہلے بھیج دیا اور وارث کا مال وہ ہے جو پیچھے چھوڑ گیا۔ رواہ البخاری والنسائی۔ (تفسیر مظہری)

لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ

برابر نہیں تم میں جس نے کہ خرچ کیا

قَبْلِ الْفَتْحِ

فتح مکہ سے پہلے ☆

☆ اور بعض نے فتح سے مراد صلح حدیبیہ لی ہے اور بعض روایات سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقٰتَلَ ط اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ

اور لڑائی کی، اُن لوگوں کا درجہ بڑا ہے اُن

الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ط

سے جو کہ خرچ کیں اُس کے بعد اور لڑائی کریں

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ط

اور سب سے وعدہ کیا ہے اللہ نے خوبی کا ☆

فتح سے پہلے جہاد کرنے والوں کا درجہ

☆ یعنی یوں تو اللہ کے راستہ میں کسی وقت بھی خرچ کیا جائے اور جہاد کیا جائے وہ اچھا ہے خدا اس کا بہترین بدلہ دنیا یا آخرت میں دیگا لیکن جن مقدور والوں نے "فتح مکہ" یا "حدیبیہ" سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا، وہ بڑے درجے لے اڑے بعد والے مسلمان ان کو نہیں پہنچ سکتے کیونکہ وہ وقت تھا کہ حق کے ماننے والے اور اس پر لڑنیوالے اقل قلیل تھے۔ اور دنیا کافروں اور باطل پرستوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس وقت اسلام کو جانی اور مالی قربانیوں کی ضرورت زیادہ تھی اور مجاہدین کو بظاہر اسباب اموال وغنائم وغیرہ کی توقعات بہت کم۔ ایسے حالات میں ایمان لانا اور خدا کے راستہ میں جان ومال لٹا دینا بڑے اولوالعزم اور پہاڑ سے زیادہ ثابت قدم انسانوں کا کام ہے فرضی اللہ عنہم و رضو اعنہ ورزقنا اللہ اتباعھم وحبھم۔ امین۔ (تفسیر عثمانی)

صحابہ کرامؓ کا مقام: قرآن کریم نے اس کی ضمانت دیدی کہ حضرات صحابہ سابقین وآخرین میں سے کسی سے بھی اگر عمر بھر میں کوئی گناہ سرزد ہو بھی گیا تو وہ اس پر قائم نہ رہے گا توبہ کرلے گا یا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ونصرت اور دین کی خدمات عظیمہ اور ان کی بے شمار حسنات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادے گا اور ان کی موت اس سے پہلے نہ ہوگی کہ ان کا گناہ معاف ہو کر وہ صاف وبیباق ہو جائیں۔

حضرات صحابہ کرام عام اُمت کی طرح نہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ایک واسطہ ہیں۔ اُن کے بغیر نہ امت کو قرآن پہنچنے کا کوئی راستہ ہے اور نہ معانی قرآن اور تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا، اس لئے اسلام میں اُن کا ایک خاص مقام ہے ان کے مقامات کتب تاریخ کی رطب ویابس روایات سے نہیں پہچانے جاتے، بلکہ

قرآن وسنت کے ذریعہ پہچانے جاتے ہیں۔

ان میں سے اگر کسی سے کوئی لغزش اور غلطی بھی ہوتی ہے تو اکثر وہ اجتہادی خطاء ہوتی ہے جس پر کوئی گناہ نہیں' بلکہ حسب تصریح احادیث صحیحہ ایک اجر ہی ملتا ہے' اور اگر فی الواقع کوئی گناہ ہی ہو گیا تو اوّل وہ اُن کے عمر بھر کے اعمالِ حسنہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی نصرت و خدمت کے مقابلہ میں صفر کی حیثیت رکھتا ہے۔

آجکل تاریخ کی جھوٹی سچی قوی ضعیف روایات کی بناء پر جو بعض لوگوں نے بعض حضرات صحابہ کو مورد طعن والزام بنایا ہے' اول تو اس کی بنیاد جو تاریخی روایات پر ہے وہ بنیاد ہی متزلزل ہے' اور اگر کسی درجہ میں اُن روایات کو قابل التفات مان بھی لیا جائے تو قرآن وحدیث کے کھلے ہوئے ارشادات کے خلاف اُن کی کوئی حیثیت نہیں رہتی' وہ سب مغفور ہیں۔

صحابہ کرام کے بارے میں پوری امت کا اجماعی عقیدہ

یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام کی تعظیم وتکریم' اُن سے محبت رکھنا' اُن کی مدح وثناء کرنا واجب ہے اور ان کے آپس میں جو اختلافات اور مشاجرات پیش آئے اُن کے معاملے میں سکوت کرنا' کسی کو موردِ الزام نہ بنانا لازم ہے' عقائد اسلامیہ کی تمام کتابوں میں اس اجماعی عقیدہ کی تصریحات موجود ہیں' امام احمدؒ کا رسالہ جو بروایت اصطخری معروف ہے اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

لَا یَجُوْزُ لِاَحَدٍ اَنْ یَّذْکُرَ شَیْئًا مِّنْ مَّسَاوِیھِم وَلَا یَطْعَنُ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْھُمْ بِعَیْبٍ وَّلَا نَقْصٍ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ وَجَبَ تَاْدِیْبُہٗ (شرح العقیدۃ الواسطیۃ معروف بہ الدرۃ المضیۃ (ص ۳۸۹)

"کسی کے لئے جائز نہیں کہ صحابۂ کرام کی کسی بُرائی کا ذکر کرے' یا اُن میں سے کسی پر طعن کرے یا کوئی عیب یا نقصان ان کی طرف منسوب کرے اور جو ایسا کرے اس کو سزا دینا واجب ہے"

اور ابن تیمیہؒ نے الصارم المسلول میں صحابۂ کرام کے متعلق فضائل و خصوصیات کی بہت سی آیات اور روایاتِ حدیث لکھنے کے بعد لکھا ہے۔

"جہاں تک ہمارے علم میں ہے ہم اس معاملہ میں علماء' فقہاء' صحابہؓ و تابعین اور تمام اہل السنۃ والجماعۃ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پاتے کیونکہ سب کا اس پر اجماع ہے کہ امت پر واجب یہ ہے کہ سب صحابۂ کرام کی مدح وثناء کرے' اور ان کے لئے استغفار کرے اور ان کو اللہ کی رحمت و رضا کے ساتھ ذکر کرے' اُن کی محبت اور دوستی پر ایمان رکھے' اور جو اُن کے معاملہ میں بے ادبی کرے اس کو سزا دے۔"

اور ابن تیمیہؒ نے شرح عقیدہ واسطیہ میں تمام اُمت محمدیہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے مشاجرات صحابہ کے متعلق لکھا ہے۔

اہل السنۃ والجماعۃ سکوت اختیار کرتے ہیں اُن اختلافی معاملات سے جو صحابۂ کرام کے درمیان پیش آئے اور کہتے ہیں کہ جو روایات اُن میں سے کسی پر عیب لگانیوالی ہیں اُن کی حقیقت یہ ہے کہ بعض تو بالکل جھوٹ ہے اور بعض میں کتر بیونت کر کے ان کی اصل حقیقت بگاڑ دی گئی ہے' اور جو کچھ صحیح ہے وہ اس میں معذور ہیں کیونکہ (انہوں نے جو کچھ کیا اللہ کے لئے کیا اجتہاد سے کیا) اس اجتہاد میں یا وہ صحیح بات پر تھے (تو دوہرے ثواب کے مستحق تھے) یا خطاء پر تھے (تو معذور اور ایک ثواب کے مستحق تھے) ان تمام باتوں کے ساتھ وہ اس کے معتقد نہیں کہ ہر صحابی چھوٹے بڑے گناہوں سے معصوم ہے بلکہ ان سے گناہ کا صدور ممکن ہے' مگر ان کے فضائل اور اسلام کی عظیم الشان خدمات ایسی ہیں جو اُن سب کی مغفرت کی مقتضی ہیں یہاں تک کہ ان کی مغفرت و معافی اتنی وسیع ہوگی جو امت میں دوسروں کے لئے نہ ہوگی۔" (معارف مفتی اعظم)

حضرت ابوبکرؓ کے نام اللہ تعالیٰ کا پیغام

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سند سے ایک روایت بیان کی ہے کہ ایک روز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا مجلس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے انہوں نے ایک عبا پہنا ہوا تھا جو سینہ پر کئی جگہ سے پھٹا ہوا اور پیوند لگا ہوا تھا انہوں نے اپنا جو کچھ مال تھا وہ قبل الفتح (اور قبل از ہجرت) اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا تھا۔ تو جبریل امین اترے اور انہوں نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ میں ابوبکر کو اس حالت میں دیکھ رہا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہوں نے اپنا سارا مال فتح مکہ سے قبل مجھ پر خرچ کر ڈالا ہے جبریل امین کہنے لگے کہ اللہ رب العزت کا ان کو پیغام سلام ہے اور یہ کہ ان سے پوچھو کہ کیا تم مجھ سے راضی ہو اس فقر کی حالت میں یا ناراض ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو مخاطب کرتے ہوئے یہ پیغام سنایا۔ ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ ممکن ہے کہ میں اپنے رب سے ناراض ہوں (آپ گواہ ہوں) میں اپنے رب سے راضی ہوں۔۱۲۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴) (معارف کاندھلوی)

سببِ نزول: بغوی کا بیان ہے کہ محمد بن فضل نے کلبی کا قول نقل کیا کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حق میں نازل ہوئی۔ آپ سب سے پہلے مسلمان ہوئے اور سب سے پہلے راہ خدا میں مال خرچ کیا۔

میں کہتا ہوں عبارت کے لحاظ سے تو یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ وہ مہاجر اور انصار جو سابقین اولین میں سے تھے ان لوگوں سے افضل ہیں جو فتح کے بعد ایمان لائے اور راہِ خدا میں مال خرچ کیا۔ لیکن رفتار آیت اور مفہوم کلام دلالت کر رہا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ تمام صحابہؓ سے اور تمام صحابہؓ دوسرے لوگوں سے افضل تھے کیونکہ برتری اور فضیلت کا معیار سبقت اسلام اور (فتح

سے پہلے) جان و مال کو راہِ خدا میں صرف کرتا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کوئی اچھا طریقہ جاری کرے گا اس کو اپنے عمل کا اجر بھی ملے گا اور ان لوگوں کے عمل کا بھی اجر ملے گا جو اس طریقے پر چلیں گے۔ لیکن اس طریقے پر چلنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور باتفاق علماء یہ امر ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر سب سے پہلے ایمان لائے اور سرداران قریش آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور آپ نے اپنا بڑا مال سب سے پہلے راہ خدا میں خرچ کیا اور آپ ہی نے سب سے پہلے راہ خدا میں کافروں کی طرف سے تکلیفیں برداشت کیں' اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جس شخص نے ہم پر کوئی احسان کیا ہم نے ہر ایک کا بدلہ چکا دیا۔ سوائے ابوبکرؓ کے کہ ان کے احسان کا بدلہ (ہم نہ دے سکے) قیامت کے دن اللہ عطا فرمائے گا اور مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا ابوبکرؓ کے مال نے پہنچایا۔ رواہ الترمذی من حدیث ابی ہریرۃؓ۔

مالی قربانی: حضرت عبداللہ بن زبیر نے اپنے والد کی روایت سے بیان کیا کہ ابوبکرؓ جس وقت مسلمان ہوئے تو ان کے پاس چالیس ہزار تھے جو سب کے سب آپ نے راہ خدا میں رسول کی خدمت میں خرچ کر دیئے۔

جانی قربانی: بخاری کی روایت ہے کہ عقبہ بن ابی معیط نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (کعبہ میں) نماز پڑھتے دیکھا تو آپ کے گلے میں چادر ڈال کر اتنی کھینچی کہ گلا گھٹنے لگا' حضرت ابوبکر نے دیکھ لیا اور آ کر عقبہ کو دور کیا اور فرمایا کہ کیا تم لوگ ایسے شخص کو قتل کر دو گے جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور تمہارے پاس وہ کھلے ہوئے دلائل (یا معجزات) بھی لے کر آیا ہے ابوعمرو کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ کافروں نے حضرت ابوبکر کو پکڑ کر بہت سخت مارا' سخت چوٹیں لگائیں جب آپ گھر لوٹ کر آئے تو یہ حالت ہو گئی کہ جب اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرتے تو ہاتھ کے ساتھ بال بھی آ جاتے تھے (یعنی بال کمزور پڑ گئے تھے) اور آپ کہتے تھے: تَبَارَکْتَ یَا ذَالْجَلال۔ ابوعمرو نے استیعاب میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے سات غلام آزاد کئے جن کو راہِ خدا میں عذاب دیا جاتا تھا۔ ان میں سے بلال اور عامر بن فہیرہ بھی تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کی دعوت سے اسلام لانے والے سردار

ابواسحاق کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ جب اسلام لائے تو آپ نے اپنا اسلام پوشیدہ نہیں رکھا۔ اور لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف آنے کی دعوت دی' حضرت ابوبکرؓ اپنے لوگوں کو جوڑ کر رکھنے والے سہل الاخلاق اور لوگوں کے دلوں میں محبوب تھے قوم میں سے جو لوگ بھروسے کے تھے اور آپ کے پاس آتے جاتے اور بیٹھتے تھے آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی' چنانچہ آپ کی دعوت پر مندرجہ ذیل حضرات مسلمان ہو گئے۔ بنی عبدالشمس کے سردار حضرت عثمان بن عفان بنی اسد کے سردار حضرت زبیر بن عوام۔ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف یہ دونوں حضرات بنی زہرہ کے سردار تھے۔ بنی تیم کے سردار حضرت طلحہ بن عبداللہ۔ جب ان حضرات نے دعوت قبول کر لی اور اسلام لے آئے اور نماز پڑھ لی تو حضرت ابوبکرؓ ان کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان حضرات کے مسلمان ہونے سے قبائل قریش کا زور ٹوٹ گیا۔

واقعہ معراج کی تصدیق وہجرت وغیرہ

اسلام میں حضرت ابوبکرؓ کے اونچے مقامات ہیں۔ شب معراج کی سیر کی آپ نے (فوراً سنتے ہی) پوری پوری تصدیق کی اور کافروں کو (مسکت) جواب دیا۔ اہل وعیال (اور متعلقین) کو چھوڑ کر رسول اللہ کے ساتھ ہجرت کی اور سارے راستہ میں نیز غار (ثور) میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے جب دوسرے لوگ شبہ میں پڑ گئے تھے اور مکہ میں داخل نہ ہونے سے ان کو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں) تردد پیدا ہو گیا تھا تو حدیبیہ کی صلح کے دن آپ نے (حضرت عمر سے) نہایت معقول (اور ثباتِ ایمانی پر دلالت کرنے والی) بات کہی تھی اسی طرح بدر کے موقع پر آپ کا کلام (ایمان کی پختگی ظاہر کرنے کے لئے کافی) تھا لیکن باوجودیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے آپ پر بھی غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ لوگوں کو تسکین دینے کے لئے آپ نے (مدلل) خطاب کیا (اور قرآن کی آیت تلاوت فرمائی جس سے صحابہؓ کے دماغوں سے پردہ اٹھ گیا) مسلمانوں کی مصلحتوں کے پیش نظر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آغوش قبر میں دینے سے پہلے ہی) آپ نے بیعت کا اہتمام کیا (اور اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا مسئلہ طے کیا)۔

جہاد وفتوحات: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا ایک لشکر حضرت اسامہ بن زیدؓ کی زیر قیادت شام کو بھیجنے کا اہتمام کیا تھا اسی اثناء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنا دیا گیا اور مدینہ کے اطراف کے بیشتر قبائل مرتد ہو گئے لیکن آپ نے حضرت اسامہؓ کی روانگی ملتوی نہیں کی اور مرتدوں سے لڑنے کے لئے بھی لشکر اسلام کو بھیجا۔

آپ نے ہی عراق اور شام کی طرف (ایرانیوں اور رومیوں سے جہاد کرنے کے لئے) مسلمانوں کے فوجی دستے بھیجے (جو کامیاب ہوئے) آپ کے مناقب میں آخری منقبت یہ تھی کہ آپ نے حضرت عمر کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا۔ (تفسیر مظہری)

بعد والوں کی فضیلت: صحیح بخاری کی شرح کے ابتدائی حصے کتاب الایمان میں ہم یہ حدیث بیان کر آئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا

سب سے زیادہ اچھے ایمان والے تمہارے نزدیک کون ہیں؟ کہا فرشتے فرمایا وہ تو اللہ کے پاس ہی ہیں پھر ایمان کیوں نہ لاتے؟ کہا پھر انبیاء' فرمایا ان پر تو وحی اور کلام خدا اترتا ہے وہ کیسے ایمان نہ لاتے؟ کہا پھر ہم۔ فرمایا واہ تم ایمان سے کیسے رک سکتے تھے میں تم میں زندہ موجود ہوں۔ سنو! بہترین اور عجیب تر ایمان دار وہ لوگ ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے۔ صحیفوں میں لکھا دیکھیں گے اور ایمان قبول کریں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١٠﴾
اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو ☆

اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کی خبر ہے ☆ یعنی اللہ کو سب خبر ہے کہ کس کا عمل کس درجہ کا ہے اور اس میں اخلاص کا وزن کتنا ہے اپنے اسی علم کے موافق ہر ایک سے معاملہ کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا
کون ہے ایسا کہ قرض دے اللہ کو
حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ
اچھی طرح' پھر وہ اُسکو دونا کر دے اُسکے واسطے اور اُسکو ملے
كَرِيْمٌ ﴿١١﴾
ثواب عزت کا ☆

اللہ کو قرض دینے کا مطلب

☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں " قرض کے معنی یہ کہ اس وقت جہاد میں خرچ کرو پھر تم ہی دولتیں برتو گے (اور آخرت میں بڑے مرتبے پاؤ گے) یہ ہی معنی ہیں دونے کے ورنہ مالک میں اور غلام میں سود بیاج نہیں۔ جو دیا سو اس کا جو نہ دیا سو اس کا"۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کے بندوں کو قرض دینے والا یا اللہ کو قرض دینے سے مراد ہے اللہ کی راہ میں اس امید پر خرچ کرنا کہ اللہ اس کا عوض عنایت فرمائے گا گویا یہ ایسا ہی ہو گیا جیسے کوئی قرض دے (اس یقین کے ساتھ کہ قرض کا عوض واپس ضرور ملے گا)۔

قَرْضًا حَسَنًا ۔ یعنی خلوص کے ساتھ بہت عمدہ اعلیٰ مال صحیح طریقے سے۔

فَيُضٰعِفَهٗ ۔ پس اللہ اس کو چند گنا بدلہ دے گا۔

وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۔ یعنی اگر چند گنا اجر اللہ نہ بھی دے تب بھی اصل اجر بجائے خود بہت اعلیٰ ہو گا جس کی طلب بغیر امید زیادتی کے بجائے خود ہی ہونا چاہئے اور جب اصل معاوضہ کے ساتھ کتنے ہی گنا زیادہ ملنے کی امید ہو اور اللہ کا وعدہ ہو تو ایسے اجر کی طلب تو بہت ہی ضروری ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابو دحداحؓ کی تجارت: اس آیت کو سن کر حضرت ابو دحداح انصاریؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کیا ہمارا رب ہم سے قرض مانگتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ کہا ذرا اپنا ہاتھ تو دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بڑھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا میرا باغ جس میں کھجور کے چھ سو درخت ہیں وہ میں نے اپنے رب کو دیا۔ آپ کے بیوی بچے بھی اس باغ میں تھے۔ آپ آئے اور باغ کے دروازے پر کھڑے رہ کر اپنی بیوی صاحبہ کو آواز دی' وہ لبیک کہتی ہوئی آئیں تو فرمانے لگے بچوں کو لے کر چلی آؤ میں نے یہ باغ اپنے رب عزوجل کو قرض دیدیا ہے۔ وہ خوش ہو کر کہنے لگیں آپ نے بہت نفع کی تجارت کی۔ اور بال بچوں کو اور گھر کے اثاثے کو لے کر باہر چلی آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے جنتی درخت وہاں کے باغات جو میووں سے لدے ہوئے اور جن کی شاخیں یاقوت اور موتی کی ہیں ابو دحداح کو خدا نے دیدیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ
جس دن تو دیکھے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو
يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ
دوڑتی ہوئی چلتی ہے اُنکی روشنی اُن کے آگے اور
بِاَيْمَانِهِمْ
اُنکے داہنے ☆

ایمان و عمل کی روشنی ☆ میدان حشر سے جس وقت پل صراط پر جائیں گے سخت اندھیرا ہو گا تب اپنے ایمان اور عمل صالح کی روشنی ساتھ ہو گی۔ شاید ایمان کی روشنی جس کا محل قلب ہے آگے ہو اور عمل صالح کے داہنے کیونکہ نیک عمل داہنی طرف جمع ہوتے ہیں۔ جس درجہ کا کسی کا ایمان و عمل ہو گا اسی درجہ کی روشنی ملے گی اور غالباً اس امت کی روشنی اپنے نبی کے طفیل دوسری امتوں کی روشنی سے زیادہ صاف اور تیز ہو گی۔ بعض روایات سے بائیں جانب بھی روشنی کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس کا مطلب شاید یہ ہو گا کہ روشنی کا

اثر ہر طرف پہنچے گا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء:

شیخین، ابو داؤد اور نسائی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے برآمد ہوتے تو (راستہ میں) کہتے تھے اے اللہ! میرے دل میں نور۔ میری آنکھوں میں نور میرے کانوں میں نور، میرے دائیں طرف نور اور میرے بائیں طرف نور (اور میرے آگے نور) اور میرے پیچھے نور اور مجھے (سرتاپا) نور کر دے۔

روایت میں اتنا زائد ہے، میری زبان میں نور، اور میرے پیچھے سے نور اور میرے سامنے سے نور اور میرے اوپر سے نور اور میرے نیچے سے نور کر دے اے اللہ مجھے نور عطا فرما۔

اس دعاء میں تمام اطراف سے نور ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت میں جو صرف دو جہتوں (آگے آگے اور دائیں طرف) کا ذکر کیا ہے اس سے مراد تمام اطراف ہیں لیکن خوش نصیب لوگوں کو جو اعمالنامے دیئے جائیں گے وہ انہی دو سمتوں سے دیئے جائیں گے اس لئے خصوصیت کے ساتھ ان دو جہتوں کا ذکر کیا گیا۔

نور کی مقدار: ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ بقدر اعمال ان کو نور عطا کیا جائے گا۔ پل صراط سے گذرتے ہوئے کسی کا نور تو پہاڑ جیسا ہوگا اور کسی کا نور درخت کھجور کے برابر اور کم سے کم نور وہ ہوگا جو صرف انگوٹھے میں ہوگا کبھی جلے گا، کبھی بجھے گا۔ قتادہ نے بیان کیا ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بعض مؤمنوں کا نور تو اتنی دور تک چمکے گا، جیسے مدینے سے عدن تک اور بعض کا نور اتنی مسافت تک جیسے مدینہ سے صنعاء تک اور اس سے کم (ہوتا چلا جائے گا) یہاں تک کہ بعض مؤمنوں کا نور صرف دونوں قدموں کے درمیان چمکے گا۔

تاریکی میں نماز کے لئے جانا: ابو داؤد اور ترمذی نے حضرت بریدہؓ کی روایت سے اور ابن ماجہ نے حضرت انسؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بشارت ہو قیامت کے دن نور کامل حاصل ہونے کی اُن لوگوں کو جو تاریکیوں میں پیدل چل کر مسجدوں کو جاتے ہیں۔

نمازوں کی پابندی: امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نمازوں کی پابندی رکھے گا تو قیامت کے دن وہ نمازیں اس کے لئے نور اور برہان اور نجات ہو جائیں گی اور جو نمازوں کی نگہداشت نہیں کریگا اس کے لئے نہ نور ہوگا نہ بُرہان، نہ نجات اور قیامت کے دن وہ قارون اور فرعون اور ہامان کے ساتھ ہوگا۔

سورۂ کہف: طبرانی نے حضرت ابو سعید کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جو شخص سورۂ کہف پڑھے گا تو قیامت کے دن یہ سورۃ اس کے لئے نور بن جائے گی اس کی جگہ سے مکہ تک (یعنی مدینہ سے جتنی دور مکہ ہے اتنی دور تک اس کے لئے نور ہی نور ہوگا)۔

ابن مردویہ نے بیان کیا کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھے گا تو قیامت کے دن اس کے قدموں کے نیچے سے بادلوں تک نور ہی نور چمکے گا۔

درود: دیلمی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر درود پڑھنی پل صراط پر نور ہو (جائے) گی۔

دنیا کی نابینائی: طبرانی نے الاوسط میں لکھا ہے کہ دنیا میں جس کی آنکھیں جاتی رہی ہوں اگر وہ صالح ہے تو قیامت کے دن اللہ اس کے لئے نور کر دے گا۔

حاجی کا بال: طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامت کا قول حج کے سلسلے میں بیان کیا، حضرت عبادہ نے فرمایا سر مونڈنے میں جو ایک بال بھی زمین پر گر جائے گا وہ قیامت کے دن نور ہو جائے گا۔

شیطانوں کو ماری ہوئی کنکریاں: بزار نے حضرت ابن مسعود کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ (حج میں) جب رمی جمار کیا جاتا ہے۔ یعنی کنکریں ماری جاتی ہیں تو وہ کنکریاں قیامت کے دن (حج کرنے والے کے لئے) نور ہو جائیں گے

سفید بال: طبرانی نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابو امامہ کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ اسلام میں جس کے بال کچھ بھی سفید ہو گئے (یعنی بوڑھا ہو گیا) تو بالوں کی یہ سفیدی قیامت کے دن نور ہو جائے گی۔

بازار میں اللہ کا ذکر: بیہقی نے شعب الایمان میں منقطع سند سے حضرت ابن عمر کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ بازار میں اللہ کا ذکر کرنے والے کو قیامت کے دن ہر بال کے عوض نور حاصل ہوگا۔

جہاد کے تیر: بزار نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جس شخص نے راہ خدا میں ایک تیر بھی پھینکا قیامت کے دن وہ تیر اس کے لئے نور ہو جائے گا۔

کسی کی پریشانی دور کرنا: طبرانی نے حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی مشکل کو دور کر دیگا اللہ قیامت کے دن پل صراط پر اس کے لئے نور کی دو شاخیں کر دے گا جن سے ایک دنیا روشن ہو جائے گی جن کی تعداد سوائے رب العزت کے اور کوئی نہیں جانتا۔

ظلم اندھیرا ہے: شیخین نے حضرت ابن عمر کی روایت سے اور مسلم نے حضرت جابر کی روایت سے اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عمر

کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت ابن زیاد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ظلم سے اجتناب رکھو کیونکہ قیامت کے دن ظلم تاریکیاں ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

دمشق میں حضرت ابوامامہ باہلیؓ کے ایک خطاب سے اقتباس

پھر تم قبروں سے میدان حشر کی طرف منتقل کئے جاؤ گے، جس میں مختلف مراحل اور مواقف ہوں گے، ایک مرحلہ ایسا آئے گا کہ بحکم خداوندی کچھ چہرے سفید اور روشن کر دیئے جاویں گے اور کچھ چہرے کالے سیاہ کر دیئے جاویں گے، پھر ایک مرحلہ ایسا آوے گا کہ میدان حشر میں جمع ہونے والے سب لوگوں پر جن میں مؤمن و کافر سب ہوں گے، ایک شدید ظلمت اور اندھیری طاری ہو جائے گی، کسی کو کچھ نظر نہ آئے گا، اس کے بعد نور تقسیم کیا جائے گا ہر مؤمن کو نور عطا کیا جائے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت جنادہ کا ارشاد: حضرت جنادہ بن ابوامیہؒ فرماتے ہیں لوگو! تمہارے نام مع ولدیت کے اور خاص نشانیوں کے خدا کے ہاں لکھے ہوئے ہیں اسی طرح تمہارا ہر ظاہر باطن عمل بھی وہاں لکھا ہوا ہے۔ قیامت کے دن نام لے کر پکار کر کہہ دیا جائے گا کہ اے فلاں یہ تیرا نور ہے اور اے فلاں تیرے لئے کوئی نور ہمارے ہاں نہیں، پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

حضرت ضحاکؒ کا ارشاد: حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں اول اول تو ہر شخص کو نور عطا ہوگا لیکن۔ جب پل صراط پر جائیں گے منافقوں کا نور بجھ جائے گا۔ اسے دیکھ کر مؤمن بھی ڈرنے لگیں گے کہ ایسا نہ ہو ہمارا نور بھی بجھ جائے۔ تو اللہ سے دعائیں کریں گے کہ خدایا ہمارا نور ہمارے لئے پورا پورا کر۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں اس آیت سے مراد پل صراط پر نور کا ملنا ہے تاکہ اس اندھیری جگہ سے آرام گذر جائیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ
خوشخبری ہے تم کو آج کے دن باغ ہیں کہ نیچے بہتی ہیں
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
جن کے نہریں سدا رہو
فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾
اُن میں یہ جو ہے یہی ہے بڑی مُراد ملنی ☆

☆ کیونکہ جنت اللہ کی خوشنودی کا مقام ہے۔ جو وہاں پہنچ گیا سب مرادیں مل گئیں۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ
جس دن کہیں گے دغاباز مرد اور عورتیں
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ
ایمان والوں کو راہ دیکھو ہماری، ہم بھی روشنی لے لیں
نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا
تمہارے نور سے کوئی کہیگا لوٹ جاؤ پیچھے پھر ڈھونڈ لو
نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ
روشنی پھر کھڑی کر دیجائے انکے بیچ میں ایک دیوار جس میں ہوگا دروازہ
بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ
اُس کے اندر رحمت ہو گی اور باہر
قِبَلِهِ الْعَذَابُ ؕ ﴿۱۳﴾
کی طرف عذاب ☆

منافقین کا انجام ☆ یعنی مؤمنین اور منافقین کے بیچ میں دیوار کھڑی کر دیجائے گی جس میں دروازہ ہوگا اس دروازہ سے مؤمن جنت کی طرف جا کر منافقوں کی نظر سے اوجھل ہو جائینگے دروازہ کے اندر پہنچ کر جنت کا سماں ہوگا اور ادھر دروازہ سے باہر عذاب الٰہی کا منظر دکھائی دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر اور بیہقی نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب لوگ تاریکی میں ہوں گے تو اللہ ایک دم ایک روشنی پیدا کر دے گا۔ مومناس روشنی کی طرف رُخ کر کے چل پڑیں گے اور وہ نور جنت تک ان کا رہنما رہے گا۔ منافق جب مومنوں کو دیکھیں گے کہ وہ نور کی طرف چل پڑے تو وہ مسلمانوں کے پیچھے چلنے کا ارادہ کریں گے لیکن منافقوں کے لئے (بجائے نور کے) تاریکی ہو جائے گی، اس وقت وہ مسلمانوں سے کہیں گے ذرا توقف کرو ہم بھی تمہاری روشنی سے کچھ چمک حاصل کر لیں کیونکہ دنیا میں ہم تمہارے لئے تھے مسلمان کہیں گے جس تاریکی سے تم آئے تھے وہیں واپس لوٹ جاؤ اور اسی مقام پر نور کی تلاش کرو۔

شیعہ، خارجی وغیرہ ہواء پرستوں کا انجام

میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ منافقوں کو نور دیا ہی نہیں جائے گا۔ قرآن کی

آیات اسی پر دلالت کر رہی ہیں۔ رہیں وہ احادیث جن میں منافقوں کے نور کا ذکر کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ جنت تک پہنچنے سے پہلے ان کا نور بجھا دیا جائے گا تو شاید ان منافقوں سے مراد ہیں اصحاب الہواء شیعہ اور خارجی مسلم کے لوگ' اس کا ثبوت اس حدیث مبارک سے ہوتا ہے جس کی راوی حضرت ابن عباسؓ ہیں کہ ہر مؤحد کو نور دیا جائے گا اور مؤحد وہی ہوتا ہے جو توحید و رسالت کا خلوص قلب سے اقرار کرے جیسا وفد عبدالقیس کی حدیث میں آیا ہے کہ ایمان باللہ وحدہٗ یہ ہے کہ تم اللہ کو لاشریک لہٗ مانو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار کرو۔

بیت المقدس کی شرقی دیوار: بغوی نے لکھا ہے' ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا' وہ دیوار جس کا ذکر آیت بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ میں آیا ہے اس سے بیت المقدس کی شرقی دیوار مراد ہے جس کے اندرونی جانب مسجد ہے اور باہر کی طرف وادی جہنم ہوگی ابن شریح کا بیان ہے کہ کعب کہتے تھے۔ بیت المقدس میں وہ دروازہ جس کو باب الرحمة کہا جاتا ہے وہی ہے جس کا ذکر اللہ نے آیت فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ میں کیا ہے۔

ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ ۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا' یہ بات منافقوں سے مومن کہیں گے۔ قتادہ نے کہا یہ بات ملائکہ کہیں گے' وَرَآءَكُمْ سے مراد وہ مقام ہے جہاں نور تقسیم ہوا تھا' حضرت ابوامامہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیثوں سے یہی ثابت ہوتا ہے' یا پیچھے لوٹنے سے مراد ہے دنیا کی طرف لوٹنا یعنی دنیا کی طرف لوٹ کر جاؤ' وہاں ایمان و معرفت حاصل کرو۔ اخلاق حمیدہ اختیار کرو اور اللہ کی عبادت کرو۔ کیونکہ یہ نور حقیقت میں اسی ایمان و طاعت کا ظہور ہے۔ (تفسیر مظہری)

نفسا نفسی: ابن ابی ملیکہ کی روایت میں ابن عباس سے یہ منقول ہے فرمایا کہ یہی وہ نور ہوگا جس کی تکمیل اور زیادتی کی اہل ایمان اللہ سے دعاء کرنے لگیں گے رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا اور یہ وقت ایسا ہوگا کوئی کسی کو یاد کرتا نہ ہوگا بلکہ ہر ایک اپنی ہی فکر میں ہوگا اہل ایمان شوق جنت میں ہر ماسوا سے بے تعلق ہوں گے اور کافر و منافق آثار عذاب کی مشاہدہ سے بدحواس ہوں گے اور اس وقت مؤمنین کے نور سے منافقوں کو کچھ نظر نہ آ سکے گا جیسے کہ نابینا انسان کو بینا کی آنکھ کی روشنی سے کچھ نظر نہیں آ سکتا۔

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ
یہ اُن کو پکاریں گے کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ ☆

منافقین کو روشنی نہیں ملے گی

☆ قصہ یہ ہے کہ کھلے ہوئے کافر پل صراط پر نہیں چلیں گے۔ بلکہ پہلے ہی دوزخ میں اس کے دروازوں سے دھکیل دیے جائیں گے۔ ہاں جو کسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہیں سچے یا کچے انہیں پل صراط سے گذرنے کا حکم ہوگا اس پر چڑھنے سے پہلے ایک سخت اندھیری لوگوں کو گھیر لے گی۔ اس وقت ایمان والوں کے ساتھ روشنی ہوگی منافق بھی ان کی روشنی میں پیچھے پیچھے چلنا چاہیں گے لیکن مؤمن جلد آگے بڑھ جائیں گے اس لیے ان کی روشنی منافقین سے دور ہوتی جائے گی تب وہ پکاریں گے کہ میاں ذرا ٹھہرو' ہم کو اندھیرے میں پیچھے مت چھوڑ کر جاؤ۔ تھوڑا انتظار کرو کہ ہم بھی تم سے مل جائیں اور تمہاری روشنی سے استفادہ کریں۔ آخر ہم دنیا میں تمہارے ساتھ ہی رہتے تھے اور ہمارا شمار بھی بظاہر مسلمانوں میں ہوتا تھا اب اس مصیبت کے وقت ہم کو اندھیرے میں پڑا چھوڑ کر کہاں جاتے ہو کیا رفاقت کا حق یہی ہے۔ جواب ملے گا کہ پیچھے لوٹ کر روشنی تلاش کرو اگر مل سکے تو وہاں سے لے آؤ۔ یہ سن کر پیچھے ہٹیں گے اتنے میں دیوار دونوں فریق کے درمیان حائل ہو جائیگی۔ یعنی روشنی دنیا میں کمائی جاتی ہے وہ جگہ پیچھے چھوڑ آئے یا پیچھے سے وہ جگہ مراد ہو جہاں پل صراط پر چڑھنے سے پہلے نور تقسیم کیا گیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ
کہیں گے کیوں نہیں لیکن تم نے بچلا دیا اپنے آپ کو
وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ
اور راہ دیکھتے رہے اور دھوکے میں پڑے اور بہک گئے
الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ
اپنے خیالوں پر یہاں تک کہ آ پہنچا حکم اللہ کا اور تم کو بہکا دیا
بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾
اللہ کے نام سے اُس دغاباز نے ☆

منافقین کی فریب نفسی

☆ یعنی بے شک دنیا میں بظاہر تم ہمارے ساتھ تھے اور زبان سے دعویٰ اسلام کا کرتے تھے لیکن اندرونی حال یہ تھا کہ لذات و شہوات میں پڑ کر تم نے نفاق کا راستہ اختیار کیا اور اپنے نفس کو دھوکا دیکر ہلاکت میں ڈالا۔ پھر توبہ نہ کی بلکہ راہ دیکھتے رہے کہ کب اسلام اور مسلمانوں پر کوئی افتاد پڑتی ہے اور دین کے متعلق شکوک و شبہات کی دلدل میں پھنسے رہے۔ یہی دھوکا رہا کہ آگے ان منافقانہ چالوں کا خمیازہ بھگتنا نہیں بلکہ یہ خیالات اور امیدیں پکا

لیں کہ چند روز میں اسلام اور مسلمانوں کا یہ سب قصہ ٹھنڈا ہو جائیگا۔ آخر ہم ہی غالب ہونگے۔ رہا آخرت کا قصہ سو وہاں بھی کسی نہ کسی طرح چھوٹ ہی جائینگے۔ ان ہی خیالات میں مست تھے کہ اللہ کا حکم آپہنچا اور موت نے آدبایا اور اس بڑے دغا باز (شیطان) نے تمکو بہکا کر ایسا کھودیا کہ اب سبیل رستگاری کی نہیں رہی۔ (تفسیر عثمانی)

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا

سو آج تم سے قبول نہ ہو گا فدیہ دینا اور نہ

مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ

منکروں سے تم سب کا گھر دوزخ ہے

هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑮

اور وہی ہے رفیق تمہاری اور بری جگہ جا پہنچے ☆

آج نجات کا کوئی راستہ نہیں ہے

☆ یعنی بالفرض اگر آج تم (منافق) اور جو کھلے بندوں کافر تھے کچھ معاوضہ وغیرہ دیکر سزا سے بچنا چاہو تو اس کے منظور کیے جانے کی کوئی صورت نہیں بس تم سب کو اب اسی گھر میں رہنا ہے۔ یہی دوزخ کی آگ تمہارا ٹھکانا ہے اور یہی رفیق ہے۔ کسی دوسرے سے رفاقت کی توقع مت رکھو۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ

کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کو کہ گڑ گڑائیں

قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ

اُنکے دل اللہ کی یاد سے اور جو اُترا ہے

الْحَقِّ

سچا دین ☆

☆ یعنی وقت آ گیا ہے کہ مؤمنین کے دل قرآن اور اللہ کی یاد اور اس کے سچے دین کے سامنے جھک جائیں۔ اور نرم ہو کر گڑگڑانے لگیں۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: ابن ابی شیبہ نے المصنف میں عبدالعزیز بن رواد کی روایت سے اور ابن ابی حاتم نے مقاتل بن حبان کے حوالہ سے بیان کیا کہ بعض صحابہ ہنسی اور مذاق کے زیادہ عادی تھے اور بہت مزاح کرتے تھے اس پر آیت اَلَمْ يَاْنِ الخ نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم نے بحوالہ سدی قاسم کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (کچھ) صحابی کسی قدر سست پڑ گئے تھے تو اللہ نے آیت اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ الخ نازل فرمائی پھر کچھ مدت کے بعد اضمحلال پیدا ہو گیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ کوئی حدیث بیان فرمایئے (تاکہ ہمارے دلوں کی یہ اضمحلالی کیفیت دور ہو جائے اس وقت آیت اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا الخ نازل ہوئی۔ بغوی نے کلبی اور مقاتل کا بیان نقل کیا ہے کہ ہجرت سے ایک سال بعد آیت منافقوں کے حق میں نازل ہوئی۔ وجہ نزول یہ ہوئی کہ کچھ لوگوں نے ایک روز حضرت سلیمان فارسی سے درخواست کی کہ توریت میں عجیب عجیب باتیں ہیں، آپ ہم سے توریت کی کوئی بات بیان کیجئے، اس پر آیات نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ الخ نازل ہوئیں یہ جواب سن کر ایک مدت تک سائل مکرر سوال کرنے سے رُکے رہے کچھ مدت کے بعد منافقوں نے دوبارہ حضرت سلیمان فارسی سے یہی سوال کیا اس پر آیت اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ الخ نازل ہوئی۔ یہ سن کر سائل مدت تک مزید سوال سے رُکے رہے ایک مدت کے بعد پھر وہی سوال کیا کہ توریت میں عجیب عجیب واقعات ہیں اس میں سے ہم کو کچھ سنایئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس وجہ نزول کی بنا پر آیت کی تفسیر اس طرح ہوگی، جو لوگ بظاہر زبان سے ایمان لے آئے ہیں، کیا ابھی ان کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے سامنے جھک جائیں۔ الخ (تفسیر مظہری)

وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا

اور نہ ہوں اُن جیسے جن کو

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ

کتاب ملی تھی اس سے پہلے پھر دراز گذری

الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ

اُن پر مدت پھر سخت ہو گئے اُن کے دل اور بہت

مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ⑯

اُن میں نافرمان ہیں ☆

مقام بلند ☆ یعنی ایمان وہی ہے کہ دل نرم ہو۔ نصیحت اور خدا کی یاد کا اثر جلد

قبول کرے۔ شروع میں اہل کتاب یہ باتیں پیغمبروں کی صحبت میں پاتے تھے مدت کے بعد غفلت چھاتی گئی۔ دل سخت ہو گئے وہ بات نہ رہی' اکثروں نے سخت سرکشی اور نافرمانیاں شروع کر دیں۔ اب مسلمانوں کی باری آئی ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کی صحبت میں رہ کر نرم دلی' انقیاد کامل اور خشوع لذکر اللہ کی صفات سے متصف ہوں اور اس مقام بلند پر پہنچیں جہاں کوئی امت نہ پہنچی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ
جان رکھو کہ اللہ زندہ کرتا ہے زمین کو
بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ
اُسکے مرجانے کے بعد ہم نے کھول کر سنا دیے
الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾
تم کو پتے اگر تم کو سمجھ ہے ☆

مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ☆ یعنی عرب لوگ جاہل اور گمراہ تھے جیسے مردہ زمین۔ اب اللہ نے ان کو ایمان اور علم کی روح سے زندہ کیا۔ اور ان میں سب کمال پیدا کر دیئے۔ غرض کسی مردہ سے مردہ انسان کو مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ سچی توبہ کر لے تو اللہ پھر اس کے قالب میں روح حیات پھونک دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اور تلاوت سے اللہ سخت (مردہ) دلوں کو اسی طرح زندہ کر دیتا ہے جس طرح مردہ (خشک) زمین کو زندہ کرتا ہے' یا یہ مطلب ہے کہ اللہ مردہ زمین کو زندہ کرنے کی طرح مردہ انسانوں کو زندہ کریگا۔ اس جملہ میں دل کی قساوت سے باز داشت کی گئی ہے اور خشوع کی ترغیب دی گئی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ
تحقیق جو لوگ خیرات کرنیوالے ہیں مرد اور عورتیں
وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ
اور قرض دیتے ہیں اللہ کو اچھی طرح اُن کو ملتا ہے دونا
لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾
اور اُن کو ثواب ہے عزت کا ☆

صدقہ کا بدلہ کئی گنا ملے گا ☆ یعنی جو اللہ کے راستہ میں خالص نیت سے اس کی خوشنودی کی خاطر خرچ کریں اور غیر اللہ سے کسی بدلہ یا شکریہ کے طلبگار نہ ہوں گو یا وہ اللہ کو قرض دیتے ہیں۔ سو اطمینان رکھیں کہ ان کا دیا ہوا ضائع نہ ہوگا۔ بلکہ کئی گنا کر کے لوٹایا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قَرْضًا حَسَنًا۔ یعنی بطیب خاطر خلوص قلب کے ساتھ اللہ کو قرض دیا۔ قرض کو حسن کی شرط سے مشروط کرنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ صدقہ دینا وہی معتبر ہے جو خلوص قلب کے ساتھ دیا جائے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ
اور جو لوگ یقین لائے اللہ پر اور اُس کے سب رسولوں
اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ڰ
پر وہی ہیں سچے ایمان والے
وَالشُّهَدَاۗءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ
اور لوگوں کا احوال بتلانے والے اپنے رب کے پاس اُنکے واسطے
اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ
ہے انکا ثواب اور انکی روشنی ☆

سچے اور پکے ایماندار ☆ مترجم محقق رحمہ اللہ نے بظاہر "الشُّهَدَآءُ" کا عطف "اَلصِّدِّيْقُوْنَ" پر مانا ہے' یعنی جو لوگ اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر پوری طرح یقین لائے اور اس یقین کا اثر ان کے اعمال و احوال میں ظاہر ہونا چاہیے تو سچے اور پکے ایماندار یہی ہیں۔ اور اللہ کے ہاں یہی حضرات بطور گواہ کے دوسرے لوگوں کا حال بتائیں گے۔ کما قال "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا" (بقرۃ رکوع ۱۷) آخرۃ میں ان سچے ایمان داروں کو اپنے اپنے عمل اور درجہ ایمان کے موافق ثواب اور روشنی عطا ہوگی (آیت کی تفسیر اور بھی کئی طرح کی گئی ہے مگر رعایت اختصار انکے نقل کی اجازت نہیں دیتی)۔ (تفسیر عثمانی)

کیا ہر مؤمن صدیق و شہید ہے؟ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَاۗءُ اس آیت سے معلوم ہوا کہ صدیق و شہید ہر مؤمن کو کہا جا سکتا ہے' اور حضرت قتادہؓ اور عمرو بن میمون نے اس آیت کی بناء پر فرمایا کہ ہر وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے وہ صدیق و شہید ہے۔

ابن جریر نے حضرت براء بن عازبؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مُؤْمِنُوْ اُمَّتِیْ شُھَدَآءُ یعنی میری اُمت کے سب مؤمن شہید ہیں اور اس کی دلیل میں آپ نے آیت مذکورہ تلاوت فرمائی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز اُن کے پاس کچھ حضرات صحابہ جمع تھے انہوں نے فرمایا کُلُّکُمْ صِدِّیْقٌ وَّشَھِیْدٌ یعنی تم میں سے ہر ایک صدیق بھی ہے شہید بھی لوگوں نے تعجب سے کہا کہ ابو ہریرہؓ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میری بات کا یقین نہیں آتا تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ۔

لیکن قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے بظاہر یہ مستفاد ہوتا ہے کہ صدیق و شہید ہر مؤمن نہیں بلکہ مؤمنین میں سے ایک اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کو صدیق و شہید کہا جاتا ہے آیت یہ ہے: فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ

کیونکہ اس آیت میں انبیاء کے ساتھ عام مؤمنین میں تین طبقے خصوصیت سے ذکر کئے گئے ہیں صدیقین شہداء اور صالحین اور ظاہر اس سے یہ ہے کہ ان تینوں کے مفہوم اور مصداق میں فرق ہے ورنہ تینوں کو الگ الگ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی اسی لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ صدیقین و شہداء تو دراصل مؤمنین کے مخصوص اعلیٰ طبقات کے لوگ ہیں جو بڑی صفات عالیہ کے حامل ہیں یہاں سب مؤمنین کو صدیق و شہید فرمانے کا حاصل یہ ہے کہ ہر مومن بھی ایک حیثیت سے صدیقین و شہداء کے حکم میں ہے اور اُن کے زمرہ میں لاحق سمجھا جائے گا۔

اور روح المعانی میں ہے کہ مناسب یہ ہے کہ اس آیت میں الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد وہ مؤمن لئے جاویں جو ایمان کامل رکھتے ہیں اور طاعات کے پابند ہیں ورنہ وہ مؤمن جو شہوات اور غفلت میں منہمک ہو اس کو صدیق و شہید نہیں کہا جا سکتا۔

اس کی تائید اُس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللَّعَّانُوْنَ لَا یَکُوْنُوْنَ شُھَدَآءَ یعنی لوگوں پر لعنت کرنے والے شہداء میں شامل نہ ہوں گے اور حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک مرتبہ لوگوں سے فرمایا کہ "تمہیں کیا ہو گیا کہ تم دیکھتے ہو کہ کوئی آدمی لوگوں کی عزت و آبرو کو مجروح کرتا ہے اور تم اس کو نہ روکتے ہو نہ کوئی بُرا مانتے ہو ان حضرات نے عرض کیا کہ ہم اس کی بدزبانی سے ڈرتے ہیں کہ ہم کچھ بولیں گے تو وہ ہماری بھی عزت و آبرو پر حملہ کرے گا" حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا اگر یہ بات ہے تو تم لوگ شہداء نہیں ہو سکتے" ابن اثیر نے یہ روایت نقل کر کے اس کا مطلب یہ بتلایا کہ ایسی مداہنت کرنے والے اُن شہداء میں شامل نہیں ہوں گے جو قیامت کے روز انبیاء سابقین کی امتوں کے مقابلہ میں شہادت دیں گے (روح المعانی)

تفسیر مظہری میں ہے کہ اس آیت میں الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد صرف وہ حضرات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہوئے۔

اور آیت میں لفظ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ جو کلمہ حصر ہے یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ صدیقیت صحابۂ کرام میں منحصر ہے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ صحابۂ کرام سب کے سب کمالاتِ نبوت کے حامل تھے جس شخص نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کے ساتھ دیکھ لیا وہ کمالات نبوت میں مستغرق ہو گیا واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (معارف مفتی اعظم)

بعض حضرات نے یہاں شہید کا ترجمہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا ہی کیا ہے اور اس کا قرینہ یہ سمجھا کہ آیت کریمہ "اُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ" میں صدیق کے بعد شہید کا ذکر کیا گیا ہے اور صدیقیت کے مقام کے بعد مقام شہادت ہے تو اس لحاظ سے وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ کا مفہوم خدا کے لئے اپنی جان قربان کرنا اور اپنے رب کے یہاں شہید ہونا بیان کیا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

"صدیق" کا ایک مخصوص معنی اور نو صدیق

لفظ صدیق کا اطلاق ایک اور معنی پر بھی ہوتا ہے جو بہت ہی زیادہ خاص ہے اور اسی معنی کے لحاظ سے حضرت علیؓ نے فرمایا تھا' میں ہی سب سے بڑا صدیق ہوں میرے بعد صرف جھوٹا ہی ایسی بات (یعنی صدیق اکبر ہونے کا دعویٰ) کر سکتا ہے اسی معنی کے پیش نظر ضحاک نے کہا کہ اس امت میں ایسے (صدیق) آٹھ تھے جو اپنے زمانے میں تمام روئے زمین کے باشندوں سے پہلے ایمان لائے تھے۔ ابو بکرؓ علیؓ زیدؓ عثمانؓ طلحہؓ زبیرؓ سعدؓ حمزہؓ اور نویں ایک اور تھے جن کی نیت کے خلوص کی وجہ سے اللہ نے ان کو ان آٹھ کے ساتھ شامل کر دیا یعنی عمرؓ بن خطاب۔ شامل کر دینے کا یہ مطلب ہے کہ مذکورہ حضرات سے چھ سال بعد نویں شخص کو صدیق بنا دیا۔ یہ معنی نہیں کہ کم درجہ والے کو اعلیٰ مرتبہ والوں کے ساتھ (ذیلی طور پر شامل کر دیا) کیونکہ حضرت عمرؓ کا درجہ تو سوائے حضرت ابو بکرؓ کے باقی تمام صحابہ سے بلند تھا)۔ (تفسیر مظہری)

صدیق اور شہید کا درجہ: صدیق کا درجہ شہید سے یقیناً بڑا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنتی لوگ اپنے سے اوپر کے بالا خانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے چمکتے ہوئے مشرقی یا مغربی ستارے کو تم آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو۔ لوگوں نے کہا یہ درجے تو صرف انبیاء کے ہوں

گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں قسم ہے اُس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی (بخاری و مسلم) ایک غریب حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شہید اور صدیق دونوں وصف اس آیت میں اسی مؤمن کے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امت کے مؤمن شہید ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ حضرت عمرو بن میمونؒ کا قول ہے یہ دونوں ان دونوں انگلیوں کی طرح قیامت کے دن آئیں گے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے شہیدوں کی روحیں سبز رنگ پرندوں کے قالب میں ہوں گی۔ جنت میں جہاں چاہیں کھاتی پیتی پھریں گی اور رات کو قندیلوں میں سہارا لیں گی ان کے رب نے ان کی طرف دیکھا اور پوچھا تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا یہ کہ تو ہمیں دنیا میں دوبارہ بھیج تا کہ ہم پھر تیری راہ میں جہاد کریں اور شہادت حاصل کریں۔ اللہ نے جواب دیا یہ تو میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ کوئی لوٹ کر پھر دنیا میں نہیں جائے گا۔ پھر فرماتا ہے کہ انہیں اجر و نور ملے گا۔ جو نور ان کے سامنے رہے گا اور ان کے اعمال کے مطابق ہوگا مسند احمد کی حدیث میں ہے شہیدوں کی چار قسمیں ہیں وہ پکے ایمان دار مؤمن جو دشمن خدا سے بھڑ گیا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اس کا وہ درجہ ہے کہ اہل محشر اس طرح سر اٹھا اٹھا کر اس کی طرف دیکھیں گے اور یہ فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر اپنا سر بلند کیا کہ ٹوپی نیچے گر گئی۔ اور اس حدیث کے راوی حضرت عمرؓ نے بھی اسے بیان کرنے کے وقت اتنا ہی اپنا سر بلند کیا کہ آپ کی ٹوپی بھی زمین پر جا پڑی۔ دوسرا وہ جو ہے ایماندار نکلا جہاد میں لیکن دل میں جرأت کم ہے کہ یکایک تیر آ لگا اور روح پرواز کر گئی۔ یہ دوسرے درجہ کا جنتی ہے شہید ہے۔ تیسرا وہ جس کے بھلے بُرے اعمال تھے لیکن رب نے اسے پسند فرمالیا اور میدان جہاد میں کفار کے ہاتھوں شہادت نصیب ہوئی یہ تیسرے درجے میں ہے۔ چوتھا وہ جس کے گناہ بہت زیادہ ہیں، جہاد میں نکلا اور خدا نے شہادت نصیب فرما کر اپنے پاس بلوالیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ
اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلایا ہماری باتوں کو
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١٩﴾
وہ ہیں دوزخ کے لوگ ☆

☆ یعنی دوزخ اصل میں ان ہی کے لیے بنی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ۔ یعنی وہ ہی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے دوسرے لوگ دوامی دوزخی نہیں ہوں گے۔ ترکیب جملہ حصر پر دلالت کر رہی ہے اور صاحب الجحیم ہونا بتا رہا ہے کہ دوزخ سے وہ جدا نہیں ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا
جان رکھو کہ دنیا کی زندگانی یہی ہے
لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّ
کھیل اور تماشا اور بناؤ اور
تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي
بڑائیاں کرنی آپس میں اور بہتایت ڈھونڈنی
الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ
مال کی اور اولاد کی جیسے حالت
غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ
ایک مینہ کی جو خوش لگا کسانوں کو اُس کا سبزہ
ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا
پھر زور پر آتا ہے پھر تو دیکھے زرد ہو گیا
ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ
پھر ہو جاتا ہے روندا ہوا گھاس اور آخرت میں
عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ
سخت عذاب ہے اور معافی بھی ہے
مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا
اللہ سے اور رضا مندی اور
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ
دنیا کی زندگانی تو یہی ہے مال
الْغُرُوْرِ ﴿٢٠﴾
دغا کا ☆

ایمان وعمل صالح کے علاوہ سب فانی ہے

☆ آدمی کو اول عمر میں کھیل چاہیے' پھر تماشا' پھر بناؤ سنگار (اور فیشن) پر ساکھ بڑھانا' اور نام ونمود حاصل کرنا' پھر موت کے دن قریب آئیں تو مال و اولاد کی فکر کہ پیچھے میرا گھر بار بنا رہے اور اولاد آسودگی سے بسر کرے۔ مگر یہ سب ٹھاٹھ سامان فانی اور زائل ہیں۔ جیسے کھیتی کی رونق وبہار چند روزہ ہوتی ہے پھر زرد پڑ جاتی ہے اور آدمی اور جانور اس کو روند کر چورا کر دیتے ہیں۔ اس شادابی اور خوبصورتی کا نام ونشان نہیں رہتا۔ یہ ہی حال دنیا کی زندگانی اور اس کے ساز وسامان کا سمجھو کہ وہ فی الحقیقت ایک دغا کی پونجی اور دھوکے کی ٹٹی ہے۔ آدمی اسکی عارضی بہار سے فریب کھا کر اپنا انجام تباہ کر لیتا ہے۔ حالانکہ موت کے بعد یہ چیزیں کام آنیوالی نہیں وہاں کچھ اور ہی کام آئیگا۔ یعنی ایمان اور عمل صالح۔ جو شخص دنیا سے یہ چیز کما کر لے گیا' سمجھو بیڑا پار ہے۔ آخرت میں اس کے لیے مالک کی خوشنودی ورضامندی۔ اور جو دولت ایمان سے تہی دست رہا اور کفر وعصیان کا بوجھ لیکر پہنچا اس کے لیے سخت عذاب اور جس نے ایمان کے باوجود اعمال میں کوتاہی کی اس کے لیے جلد یا بدیر دھکے مکے کھا کر معافی ہے۔ دنیا کا خلاصہ وہ تھا' آخرت کا یہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ یعنی حیات دنیا کی وہ مرغوبات جو منافع آخرت کے حصول کا ذریعہ نہیں ہیں۔

لَعِبٌ۔ یعنی بے فائدہ ہیں۔ منافع آخرت کے مقابلہ میں ہیچ ہیں جلد فنا ہو جانے والی ہیں۔ گویا کھیل ہیں۔

وَلَهْوٌ۔ اور دل کا بہلاوا ہیں' اہم امور اُخرویہ سے روکنے اور غافل بنانے والی ہیں۔

وَزِيْنَةٌ۔ اور ظاہری سجاوٹ ہے جیسے خوبصورت بڑھیا۔ لباس۔ اعلیٰ سواریاں اور اونچے مکان وغیرہ۔

وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ۔ نسب (طاقت' مال وغیرہ) پر بے جا تفاخر ہے جس کا اللہ کے نزدیک کوئی درجہ نہیں۔

وَتَكَاثُرٌ۔ اور مال واولاد کی کثرت پر باہمی مقابلہ ہے۔ ایک کا دوسرے پر تفاخر ہے (بس اس کا نام دنیوی زندگی ہے۔ اس کو خوب جان لو)

كَمَثَلِ غَيْثٍ الخ۔ امور دنیا کی بے ثباتی۔ سرعت زوال اور قلیل المنفعت ہونے کی یہ تمثیل ہے۔ کافروں کا مطمح نظر صرف ظاہری روئیدگی و بالیدگی ہوتی ہے اور اس کے آگے ان کی نظر نہیں جاتی اس لئے اَعْجَبَ الْكُفَّارَ' فرمایا' لیکن مؤمن جب کوئی تعجب آگئیں چیز دیکھتا ہے تو اس کی نگاہ قادر مطلق کی قدرت کا مشاہدہ کرتی ہے۔ وہ دنیوی زندگی کی ٹیپ ٹاپ کو نہیں دیکھتا بلکہ محاسن آخرت کی طرف اس کا ذہنی انتقال ہوتا ہے۔

وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ۔ یعنی اللہ کے دشمنوں کے لئے آخرت میں عذاب شدید ہوگا' کیونکہ وہ دنیوی زندگی میں لہو ولعب میں مشغول تھے اور آخرت میں جو امور ان کے لئے فائدہ رساں ہو سکتے تھے یا ان سے غافل تھے۔

وَرِضْوَانٌ۔ یعنی اللہ کے دوستوں کے لئے کیوں کہ وہ اس فریب گاہ ہستی سے دور رہتے تھے اور آخرت کے عیش دوامی کو حاصل کرنے کے لئے ایسے امور کی تیاری میں منہمک رہتے تھے جو آخرت میں ان کے لئے مفید تھے۔ (تفسیر مظہری)

وقت گذر جاتا ہے تو آنکھیں کھلتی ہیں

انسان پر جتنے دور اس ترتیب سے آتے ہیں غور کرو تو ہر دور میں وہ اپنے اسی حال پر قانع اور اسی کو سب سے بہتر جانتا ہے' جب ایک دور سے دوسرے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو سابقہ دور کی کمزوری اور لغویت سامنے آ جاتی ہے۔

انسانی زندگی کی مثال: اس مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کھیتی اور دوسری نباتات پھول پھلواریاں جب ہری بھری ہوتی ہیں تو سب دیکھنے والے خصوصاً کفار بڑے خوش اور مگن نظر آتے ہیں' مگر آخر کار پھر وہ خشک ہونا شروع ہوتی ہے' پہلے زرد پیلی پڑ جاتی ہے پھر بالکل خشک ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہے' یہی مثال انسان کی ہے کہ شروع میں تر وتازہ حسین خوب صورت ہوتا ہے' بچپن سے جوانی تک کے مراحل اسی حال میں طے کرتا ہے' مگر آخر کار بڑھاپا آ جاتا ہے جو آہستہ آہستہ بدن کی تازگی اور حُسن وجمال سب ختم کر دیتا ہے' اور بالآخر مر کر مٹی ہو جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ
دوڑو اپنے رب کی معافی کی
رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ
طرف کو اور بہشت کو ☆

مغفرت کا سامان کر لو ☆ یعنی موت سے پہلے وہ سامان کر لو جس سے کوتاہیاں معاف ہوں اور بہشت ملے اس کام میں سستی اور دیر کرنا مناسب نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ
جس کا پھیلاؤ ہے جیسے پھیلاؤ آسمان
وَالْاَرْضِ ۙ
اور زمین کا ☆

جنت کا احاطہ ☆ یعنی آسمان اور زمین دونوں کو اگر ملا کر رکھا جائے تو اس کی برابر جنت کا عرض ہوگا طول کتنا ہوگا؟ یہ اللہ ہی جانے۔ (تفسیر عثمانی)

اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ
تیار رکھی ہے واسطے اُن کے جو یقین لائے اللہ پر اور اسکے رسولوں پر
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَ اللّٰهُ
یہ فضل اللہ کا ہے دے اُس کو جس کو چاہے اور اللہ کا
ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۱﴾
فضل بڑا ہے ☆

اصل چیز فضل الٰہی ☆ یعنی ایمان وعمل بیشک حصول جنت کے اسباب ہیں۔ لیکن حقیقت میں ملتی ہے اللہ کے فضل سے اس کا فضل نہ ہو تو سزا سے چھوٹنا ہی مشکل ہے جنت ملنے کا تو ذکر کیا۔ (تفسیر عثانی)

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ الخ۔ یعنی جنت میں داخل کرنا اللہ کی مہربانی ہے۔ اللہ جس کو چاہے گا اپنی مہربانی سے نوازے گا۔ اللہ پر کسی کا وجوبی حق نہیں ہے بلکہ عطائے جنت کا اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے اس لئے ضروری ہے (اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا)۔

اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کرو: ابونعیم نے حضرت علی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے بنی اسرائیل میں سے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی' اپنی امت کے ان لوگوں سے جو میرے فرمانبردار ہیں کہہ دو کہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کریں۔ کیونکہ قیامت کے دن جس کو میں حساب کے لئے کھڑا کروں گا اور اس کو عذاب دینا چاہوں گا تو (حساب فہمی میں سختی اور خوردہ گیری کرکے) اس کو عذاب ضرور دوں گا اور اپنی امت کے گنہگاروں سے کہہ دو کہ وہ خود اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالیں (یعنی میری رحمت سے مایوس نہ ہوں) میں بڑے بڑے گناہ بخش دوں گا اور مجھے کچھ پرواہ نہ ہوگی۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کو اس کا (نیک) عمل (دوزخ سے) نہیں بچائے گا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کو بھی نہیں فرمایا (ہاں) مجھے بھی نہیں۔ سوائے اس کے کہ اللہ اپنی رحمت اور فضل سے مجھے ڈھانک لے۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' سیدھی چال رکھو لگے لگے چلو (اور بشارت پاؤ) خوش رہو' کسی کا عمل اس کو جنت میں نہیں لے جائیگا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ بھی (اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائیں گے؟) فرمایا' اور نہ میں سوائے اس کے کہ اللہ مغفرت اور رحمت سے ڈھانک لے۔ مسلم نے بھی حضرت جابر کی روایت سے ایسی حدیث بیان کی ہے۔

جنت کا داخلہ فضل سے ہوگا: جنت کے اندر مراتب اور درجات مختلف ہیں' تفاوت درجات اعمال کے تفاوت پر مبنی ہے' لیکن جنت کے اندر ابتدائی داخلہ اور وہاں دوامی قیام محض اللہ کے فضل و رحمت سے ہوگا۔ اس کی تائید حضرت ابن مسعودؓ کے اس قول سے ہوتی ہے جس کو ہناد نے الزہد میں نقل کیا ہے کہ تم لوگ پل صراط سے بعفوِ خدا گذر جاؤ گے اور اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور جنت کے مکانوں میں اپنے اپنے اعمال کے مطابق قیام کرو گے۔ (تفسیر مظہری)

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی
کوئی آفت نہیں پڑتی
الْاَرْضِ وَ لَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا
ملک میں اور نہ تمہاری جانوں میں جو لکھی نہ
فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا
ہو ایک کتاب میں پہلے اس سے کہ پیدا کریں ہم اُسکو دنیا میں ☆

علم الٰہی ☆ ملک میں جو عام آفت آئے مثلاً قحط' زلزلہ وغیرہ اور خود تم کو جو مصیبت لاحق ہو مثلاً مرض وغیرہ وہ سب اللہ کے علم میں قدیم سے طے شدہ ہے اور لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ اسی کے موافق دنیا میں ظہور ہو کر رہے گا۔ ایک ذرہ بھر کم و بیش یا پس و پیش نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر عثانی)

مِنْ مُّصِیْبَةٍ ۔ کوئی مصیبت جیسے قحط اور دوسری (ارضی) آفات۔

وَ لَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ ۔ جیسے بیماری اور احباب کی موت۔

فِیْ كِتٰبٍ ۔ یعنی لوح محفوظ میں لکھی ہوئی اور اللہ کے علم میں پہلے سے موجود ہے۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۔ یعنی مصائب کو یا زمین کو یا نفوس کو پیدا کرنے سے پہلے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ﴿۲۲﴾
بیشک یہ اللہ پر آسان ہے ☆

☆یعنی اللہ کو ہر چیز کا علم ذاتی ہے، کچھ محنت سے حاصل کرنا نہیں پڑا۔ پھر اپنے علم محیط کے موافق تمام واقعات وحوادث کو قبل از وقوع کتاب (لوح محفوظ) میں درج کر دینا اس کے لیے کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثانی)

لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ
تا کہ تم غم نہ کھایا کرو اُس پر جو ہاتھ نہ آیا
وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ
اور نہ شیخی کیا کرو اُس پر جو تم کو اُس نے دیا ☆

نہ ملے تو صبر اور مل جائے تو شکر کرو

یعنی اس حقیقت پر اس لیے مطلع کر دیا کہ تم خوب سمجھ لو کہ جو بھلائی تمہارے لیے مقدر ہے ضرور پہنچ کر رہے گی اور جو مقدر نہیں وہ کبھی ہاتھ نہیں آ سکتی جو کچھ اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں ٹھہر چکا ہے ویسا ہی ہو کر رہے گا۔ لہٰذا جو فائدہ کی چیز ہاتھ نہ لگے اس پر غمگین ومضطرب ہو کر پریشان نہ ہو اور جو قسمت سے ہاتھ لگ جائے اس پر اکڑو اور اتراؤ نہیں بلکہ مصیبت وناکامی کے وقت صبر وتسلیم، اور راحت وکامیابی کے وقت شکر وتحمید سے کام لو۔ (تنبیہ) پہلے اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ الخ میں بتلایا تھا کہ دنیا کے سامان عیش وطرب میں پڑ کر آدمی کو آخرت سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ آیت ہٰذا میں متنبہ فرما دیا کہ یہاں کی تکالیف ومصائب میں گھر کر چاہیے کہ حد اعتدال سے تجاوز نہ کرے۔ (تفسیر عثانی)

غم نہ ہونے سے مراد ہے ایسا غم نہ ہونا جو اللہ کے حکم پر راضی ہونے اور صبر کرنے سے مانع ہو (فطری غم مراد نہیں ہے۔ فوت نعمت کا فطری تاثر تو ہوتا ہی ہے) اسی طرح فرح نہ ہونے سے مراد ہے وہ مسرت جو غرور اور اکڑ پیدا کر دے جس کی وجہ سے آدمی اترا جائے (فطری مسرت نہ ہونا مراد نہیں ہے) اسی لئے آگے فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ ہر انسان طبعی طور پر بعض چیزوں سے خوش ہوتا ہے بعض سے غمگین، لیکن ہونا یہ چاہیے کہ جس کو کوئی مصیبت پیش آوے وہ اس پر صبر کر کے آخرت کا اجر وثواب کمائے، اور جو کوئی راحت وخوشی پیش آئے وہ اس پر شکر گذار ہو کر اجر وثواب حاصل کرے (رواہ الحاکم و صححہ، از روح) (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۙ ﴿۲۳﴾
اور اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اِترانے والا بڑائی مارنیوالا

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ
وہ جو کہ آپ نہ دیں اور سکھلائیں لوگوں کو
بِالْبُخْلِ ؕ
بھی نہ دینا ☆

متکبر مالداروں کی حالت ☆ اکثر متکبر مالداروں کی حالت یہ ہی ہوتی ہے کہ بڑائی اور شیخی تو بہت مارینگے مگر خرچ کرنے کے نام پر پیسہ جیب سے نہ نکلے گا۔ کسی اچھے کام میں خود دینے کی توفیق نہ ہوگی اور اپنے قول وفعل سے دوسروں کو بھی یہ ہی سبق پڑھائیں گے۔ موقع پر بڑھ کر خرچ کرنا متوکلوں اور ہمت والوں کا کام ہے جو پیسہ سے محبت نہیں کرتے، اور جانتے ہیں کہ سختی اور نرمی سب اسی مالک علی الاطلاق کی طرف سے ہے۔ (تفسیر عثانی)

اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اللہ کی عطا کردہ نعمتوں پر مغرور ہو جائے اور دوسروں پر فخر جتانے لگے۔ حضرت جعفرؒ صادق نے فرمایا، اے ابن آدم تو کیوں ایسی چیز کو مفقود ہونے پر افسوس کرتا ہے جو دست فوت تجھے واپس نہیں دے گا اور کیوں ایسی چیز پر اتراتا ہے جو تیرے پاس موجود ہے کیونکہ موت اس کو تیرے پاس رہنے نہ دے گی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ
اور جو کوئی منہ موڑے تو اللہ آپ ہے بے پرواہ
الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾
سب خوبیوں کے ساتھ موصوف ☆

اللہ کو تمہارے مال کی ہرگز ضرورت نہیں ہے

☆یعنی تمہارے خرچ کرنے یا نہ کرنے سے اس کو کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچتا وہ تو بے نیاز اور بے پرواذات ہے تمام خوبیاں اعلیٰ وجہ الکمال اس کی ذات میں جمع ہیں۔ تمہارے کسی فعل سے اس کی کسی خوبی میں اضافہ نہیں ہوتا جو کچھ نفع نقصان ہے تمہارا ہے خرچ کرو گے خود فائدہ اٹھاؤ گے نہ کرو گے گھاٹے میں رہو گے۔ (تفسیر عثانی)

وَمَنْ يَّتَوَلَّ ۔ یعنی جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اعراض کرے گا، کترائے گا۔

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ ۔ اس سے یعنی اس کے اعراض سے اور راہِ خدا میں خرچ نہ کرنے سے اللہ بے پرواہ ہے اور شکر نعمت جو موجب تقرب ہے اس سے بھی اللہ

غنی ہے نہ اول سے اللہ کو کوئی ضرر پہنچتا ہے نہ دوسرے سے اس کو کوئی فائدہ ہے۔
اَلْحَمِيْدُ۔ یعنی اللہ بذاتہ مستحق حمد ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ
ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں
وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ
دیکر اور اُتاری اُن کے ساتھ کتاب اور ترازو
لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ
تاکہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر ☆

علم و عمل میں ظاہر و باطن میں سیدھی راہ چلو

☆ کتاب اور ترازو۔ شاید اسی تولنے کی ترازو کو کہا کہ اس کے ذریعہ سے بھی حقوق ادا کرنے میں اور لین دین میں بھی انصاف ہوتا ہے یعنی کتاب اللہ اس لیے اتاری کہ لوگ عقائد اور اخلاق و اعمال میں سیدھے انصاف کی راہ چلیں، افراط و تفریط کے راستہ پر قدم نہ ڈالیں اور ترازو اس لیے پیدا کی بیع و شراوغیرہ معاملات میں انصاف کا پلہ کسی طرف اٹھا' یا جھکا نہ رہے اور ممکن ہے ''ترازو'' شریعت کو فرمایا ہو جو تمام اعمال قلبیہ و قالبیہ کے حسن و قبح کو ٹھیک جانچ تول کر بتلاتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ترازو: بعض لوگوں کا قول ہے کہ حضرت جبرئیلؑ ترازو لے کر نازل ہوئے تھے اور حضرت نوحؑ کو وہ ترازو دی تھی تاکہ وہ اپنی امت کو ترازو سے تولنے کا حکم دے دیں۔

میزان اصل میں اس آلہ کو کہا جاتا ہے' جس سے کسی چیز کا وزن کیا جائے' جس کی عام صورت ترازو ہے' اور مروجہ ترازو کے علاوہ مختلف چیزوں کے وزن تولنے کے لئے جو دوسرے مختلف قسم کے آلات ایجاد ہوتے رہتے ہیں' وہ بھی میزان کے مفہوم میں داخل ہیں' جیسے آجکل روشنی' ہوا وغیرہ کے ناپنے والے آلات ہیں۔

کتاب اور میزان کے بعد ایک تیسری چیز کو نازل کرنے کا ذکر ہے' یعنی حدید (لوہا) اس کے نازل کرنے کا مطلب بھی اس کو پیدا کرنا ہے' جیسا کہ قران کریم کی ایک آیت میں چوپایہ جانوروں کے متعلق بھی لفظ انزال استعمال فرمایا ہے۔ حالانکہ وہ کہیں آسمان سے نازل نہیں ہوتے' زمین پر پیدا ہوتے ہیں' آیت یہ ہے وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۔ یہاں باتفاق اَنْزَلْنَا سے مراد خَلَقْنَا ہے۔ یعنی تخلیق کو انزال کے لفظ سے تعبیر کر دیا ہے۔ جس میں اشارہ اس طرف پایا جاتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب اس اعتبار سے منزل من السماء ہے کہ اس کے پیدا ہونے سے بھی بہت پہلے وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا' (روح) (تفسیر مظہری)

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ
اور ہم نے اتارا لوہا ☆

☆ یعنی اپنی قدرت سے پیدا کیا اور زمین میں اس کی کانیں رکھ دیں۔ (تفسیر عثمانی)

چار برکتیں: حضرت ابن عمر کی مرفوع روایت میں آیا ہے کہ اللہ نے چار برکتیں آسمان سے زمین پر نازل فرمائی ہیں۔ لوہا' آگ' پانی' نمک (یعنی وہ چیزیں خیر کثیر کی حامل ہیں۔ مترجم)۔

اہل معانی نے لکھا ہے کہ اتارنے سے مراد ہے پیدا کرنا اللہ نے کانوں سے لوہا برآمد کیا اور وحی کے ذریعہ سے لوہے کی مصنوعات کی صنعت لوگوں کو سکھائی۔ (تفسیر مظہری)

میزان اور حدید کا کام: میزان ان حدود کو بتلاتی ہے جن سے انصاف کیا جاتا ہے' مگر سرکش معاند جو نہ کسی دلیل سے مانتا ہے نہ ترازو کی تقسیم کے مطابق عمل کرنے کو تیار ہے' اگر اس کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ دنیا میں عدل وانصاف قائم نہ ہونے دے گا' اس کو پابند کرنا لوہے اور تلوار کا کام ہے جو حکومت و سیاست کرنے والے آخر میں بدرجۂ مجبوری استعمال کرتے ہیں۔

اصل تعلیم و تربیت ہے

جنگ بحالت مجبوری جائز ہے

قرآن کریم نے دنیا میں عدل وانصاف کرنے کے لئے دو چیزوں کو تو اصل قرار دیا' ایک کتاب' دوسرے میزان' کتاب سے حقوق کی ادائیگی اور اس میں کمی بیشی کی ممانعت کے احکام معلوم ہوتے ہیں' اور میزان سے وہ حصے متعین ہوتے ہیں جو دوسروں کے حقوق ہیں' انہی دونوں چیزوں کے نازل کرنے کا مقصد لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ قرار دیا ہے' حدید کا ذکر اس کے بعد آخر میں فرمایا جس میں اشارہ ہے کہ اقامتِ عدل وانصاف کیلئے لوہے کا استعمال بدرجۂ مجبوری ہے' وہ اصل ذریعہ اقامت عدل وانصاف کا نہیں ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ خلق خدا کی اصل اصلاح اور ان کا عدل وانصاف پر قائم کرنا درحقیقت ذہنوں کی تربیت اور تعلیم سے ہوتا ہے' حکومت کا زور زبردستی دراصل اس کام کے لئے نہیں' بلکہ راستہ سے رکاوٹ دُور کرنے کے لئے بدرجۂ مجبوری ہے' اصل چیز ذہنوں کی تربیت اور تعلیم و تلقین ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

جنگ کا مقصد: امام ابو داؤدؒ نے ایک حدیث بروایت عبداللہ بن عمر بیان فرمائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بعثت بالسیف بین یدی الساعة حتیٰ یعبد اللہ وَحدَہٗ لا شریک لہٗ "الخ میں مبعوث کیا گیا ہوں تلوار دیکر جہاد مع الکفار کے لئے قیامت سے پہلے اور اس کا مأمور ہوں کہ جہاد کرتا رہوں تا آنکہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت و بندگی کی جانے لگے اور میرا رزق میرے تیروں کے سایہ میں بنایا گیا ہے اور ذلت و ناکامی ان لوگوں کے حق میں طے کردی گئی ہے جو میرے حکم کی نافرمانی کریں۔

جنت سے آئی ہوئی تین چیزیں: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں تین چیزیں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے آئیں نہائی۔ سنسی اور ہتھوڑا (ابن جریر) (تفسیر ابن کثیر)

فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ
اُس میں سخت لڑائی ہے اور لوگوں کے کام چلتے ہیں ☆

☆ یعنی لوہے سے لڑائی کے سامان (اسلحہ وغیرہ) تیار ہوتے ہیں اور لوگوں کے بہت سے کام چلتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ
اور تاکہ معلوم کرے اللہ کون مدد کرتا ہے اُسکی اور اُسکے رسولوں کی
بِالْغَيْبِ ؕ
بن دیکھے ☆

جہاد کھوٹے اور کھرے کی کسوٹی ہے

☆ یعنی جو آسمانی کتاب سے راہ راست پر نہ آئیں اور انصاف کی ترازو کو دنیا میں سیدھا نہ رکھیں ضرورت پڑے گی کہ ان کی گوشمالی کی جائے اور ظالم وکجرو معاندین پر اللہ ورسول کے احکام کا وقار واقتدار قائم رکھا جائے اسوقت شمشیر کے قبضہ پر ہاتھ ڈالنا اور ایک خالص دینی جہاد میں اسی لوہے سے کام لینا ہوگا۔ اس وقت کھل جائے گا کہ کون سے وفادار بندے ہیں جو بن دیکھے خدا کی محبت میں آخرت کے غائبانہ اجر وثواب پر یقین کرکے اس کے دین اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۲۵﴾
بیشک اللہ زور آور ہے زبردست ☆

☆ یعنی جہاد کی تعلیم وترغیب اس لیے نہیں دی گئی کہ اللہ کچھ تمہاری امداد واعانت کا محتاج ہے۔ بھلا اس زور آور اور زبردست ہستی کو کمزور مخلوق کی کیا حاجت ہوسکتی تھی۔ ہاں تمہاری وفاداری کا امتحان مقصود ہے تا جو بندے اس میں کامیاب ہوں ان کو اعلیٰ مقامات پر پہنچایا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

لوگوں کو جہاد کا حکم اس نے صرف اس لئے دیا ہے کہ لوگ اللہ کی رضا مندی حاصل کریں اور تعلیم حکم کرکے ثواب کے مستحق بن جائیں اور دین کو غلبہ حاصل ہوجائے یا مجاہدوں کو شہادت کا درجہ مل جائے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَّإِبْرٰهِيمَ وَ
اور ہم نے بھیجا نوح کو اور ابراہیم کو اور
جَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ
ٹھہرا دی دونوں کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب

حضرت نوح اور حضرت ابراہیمؑ کی فضیلت

☆ یعنی پیغمبری اور کتاب کیلئے ان دونوں کی نسل کو چن لیا کہ ان کے بعد یہ دولت ان کی ذریت سے باہر نہ جائیگی۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کو رسول بنا کر بھیجنے کی صراحت اس لئے فرمادی کہ عام پیغمبروں پر ان دونوں کو فضیلت حاصل تھی اور ان دونوں کی نسل بھی بہت زیادہ پھیلی (اور پھلی)۔

توریت، انجیل، زبور اور قرآن حضرت ابراہیمؑ کی نسل پر نازل کئے گئے اور حضرت ابراہیمؑ حضرت نوحؑ کی نسل سے تھے۔ (تفسیر مظہری)

فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُونَ ﴿۲۶﴾
پھر کوئی اُن میں راہ پر ہے اور بہت اُن میں نافرمان ہیں ☆

☆ جن لوگوں کی طرف وہ بھیجے گئے تھے یا یوں کہو کہ ان دونوں کی اولاد میں سے بعضے راہ پر رہے اور اکثر نافرمان ثابت ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا
پھر پیچھے بھیجے اُن کے قدموں پر اپنے رسول ☆

تمام رسولوں کی تعلیم ایک تھی ☆ یعنی پچھلے رسول انہی پہلوں کے نقش قدم پر تھے۔ اصولی حیثیت سے سب کی تعلیم ایک تھی۔ (تفسیر عثمانی)

وَ قَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ

اور پیچھے بھیجا ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو اور اُسکو ہم نے

الْاِنْجِيْلَ ۥ

دی انجیل ☆

یعنی آخر میں انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل دے کر بھیجا۔ (تفسیر عثمانی)

بنی اسرائیل میں حق و باطل کی کشمکش:

ابن ابی حاتم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو پکارا۔ آپ نے لبیک کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو! بنی اسرائیل کے بہتر گروہ ہو گئے جن میں سے تین نے نجات پائی۔ پہلے فرقہ نے تو بنی اسرائیل کی گمراہی دیکھ کر ان کی ہدایت کے لئے اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر ان کے بڑوں کو تبلیغ شروع کی لیکن آخر وہ لوگ جدال و قتال پر اُتر آئے اور بادشاہ اور امراء نے جو اس تبلیغ سے بہت گھبراتے تھے ان پر لشکر کشی کی اور انہیں قتل بھی کیا اور قید بھی کیا۔ ان لوگوں نے تو نجات حاصل کر لی۔ پھر دوسری جماعت کھڑی ہوئی ان میں مقابلے کی طاقت تو نہ تھی تاہم اپنے دین کی قوت سے سرکشوں اور بادشاہ کے دربار میں حق گوئی شروع کی اور خدا کے سچے دین اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مسلک اصلی کی طرف انہیں دعوت دینے لگے ان بدنصیبوں نے انہیں قتل بھی کرایا آروں سے بھی چیرا اور آگ میں بھی جلایا جسے اس جماعت نے صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا اور نجات حاصل کی۔ پھر تیسری جماعت اٹھی یہ ان سے بھی زیادہ کمزور تھے ان میں طاقت نہ تھی کہ اصل دین کے احکام کی تبلیغ ان ظالموں میں کریں اس لئے انہوں نے اپنے دین کا بچاؤ اسی میں سمجھا کہ جنگلوں میں نکل جائیں اور پہاڑوں پر چڑھ جائیں عبادت میں مشغول ہو جائیں اور دنیا کو ترک کر دیں اور انہی کا ذکر رہبانیت والی آیت میں ہے۔ یہی حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے اس میں تہتر فرقوں کا بیان ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اجر انہیں ملے گا جو مجھ پر ایمان لائیں اور میری تصدیق کریں اور ان میں کے اکثر جو فاسق ہیں وہ وہ ہیں جو مجھے جھٹلائیں اور میرا اخلاف کریں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں نے حضرت عیسیٰؑ کے بعد توریت و انجیل میں تبدیلیاں کر لیں۔ لیکن ایک جماعت ایمان پر قائم رہی اور اصلی تورات و انجیل اس کے ہاتھ میں رہی جسے وہ تلاوت کیا کرتے تھے ایک مرتبہ اُن لوگوں نے جنہوں نے کتاب اللہ میں ردّ و بدل کر لیا تھا اپنے بادشاہوں سے ان سچے مؤمنوں کی شکایت کی کہ یہ لوگ کتاب اللہ کہہ کر جس کتاب کو پڑھتے ہیں اس میں تو ہمیں گالیاں لکھی ہیں اُس میں لکھا ہوا ہے جو کوئی خدا کی نازل کردہ کتاب کے مطابق حکم نہ کرے وہ کافر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ

اور رکھ دی اُس کے ساتھ چلنے والوں کے دل میں

رَاْفَةً وَّرَحْمَةً

نرمی اور مہربانی ☆

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ☆ یعنی حضرت مسیحؑ کے ساتھی جو واقعی ان کے طریقہ پر چلنے والے تھے ان کے دلوں میں اللہ نے نرمی رکھی تھی۔ وہ خلق خدا کے ساتھ محبت و شفقت کا برتاؤ کرتے اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ نے سچے عیسائیوں کے متعلق فرمایا ہے: لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۔ اور صحابہ کرامؓ کے متعلق فرمایا ہے۔ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ (تفسیر مظہری)

وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا

اور ایک ترک کرنا دنیا کا جو انہوں نے نئی بات نکالی تھی ہم نے

عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا

نہیں لکھا تھا یہ اُن پر مگر کیا چاہنے کو اللہ کی رضا مندی پھر نہ

رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا

نباہا اُسکو جیسا چاہیے تھا نباہنا ☆

رہبانیت ☆ یعنی آگے چل کر حضرت مسیحؑ کے متبعین نے بے دین بادشاہوں سے تنگ ہو کر اور دنیا کے مخمصوں سے گھبرا کر ایک بدعت رہبانیت کی نکالی جس کا حکم اللہ کی طرف سے نہیں دیا گیا تھا مگر نیت ان کی یہ ہی تھی کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کریں۔ پھر اس کو پوری طرح نباہ نہ سکے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ فقیری اور تارک الدنیا بننا نصاریٰ نے رسم نکالی جنگل میں تکیہ بنا کر بیٹھے نہ جورو رکھتے نہ بیٹا نہ کماتے نہ جوڑتے محض عبادت میں لگے رہتے خلق سے نہ ملتے اللہ نے بندوں کو یہ حکم نہیں دیا" (کہ اس طرح دنیا چھوڑ کر بیٹھ

رہیں) مگر جب اپنے اوپر ترک دنیا کا نام رکھا' پھر اس پردے میں دنیا چاہنا بڑا وبال ہے۔ شریعت حقہ اسلامیہ نے اس اعتدال فطری سے متجاوز رہبانیت کی اجازت نہیں دی ہاں بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ "اس امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے" کیونکہ مجاہد اپنے سب حظوظ وتعلقات سے واقعی الگ ہو کر اللہ کے راستے میں نکلتا ہے۔ (تنبیہ) "بدعت" کہتے ہیں ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب وسنت اور قرون مشہود لہا بالخیر میں نہ ہو اور اس کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حاصل مطلب یہ کہ جس رہبانیت کا پورے طور پر پابند رہنے کا انہوں نے ازخود التزام کیا اسکی پوری پوری نگہداشت بعض لوگوں نے نہیں کی بلکہ ریاضت وعبادت وغیرہ کی پوری پابندی نہ کر سکے یا رہبانیت فقط دکھانے اور شہرت دینے اور دنیا حاصل کرنے کے لئے کرنے لگے یا تثلیث کے قائل ہو گئے یا انہوں نے اپنے علماء ومشائخ کو ارباب بنالیا یا حضرت عیسیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ماننے سے انکار کر دیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے صحیح طور پر شریعت عیسوی پر قائم تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ کا انکار کر دیا۔ یہ سب باتیں تقاضائے رہبانیت کے خلاف تھیں۔ (تفسیر مظہری)

رہبانیت مطلقاً مذموم وناجائز ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟

صحیح بات یہ ہے کہ لفظ رہبانیت کا عام اطلاق ترک لذات وترک مباحات کے لئے ہوتا ہے' اس کے چند درجے ہیں' ایک یہ کہ کسی مباح و حلال چیز کو اعتقاداً یا عملاً حرام قرار دے' یہ دین کی تحریف وتغییر ہے' اس معنی کے اعتبار سے رہبانیت قطعاً حرام ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ مباح کے کرنے کو اعتقاداً یا عملاً حرام قرار نہیں دیتا' مگر کسی دنیوی یا دینی ضرورت کی وجہ سے اس کو چھوڑنے کی پابندی کرتا ہے' دنیوی ضرورت جیسے کسی بیماری کے خطرہ سے کسی مباح چیز سے پرہیز کرے' اور دینی ضرورت یہ کہ یہ محسوس کرے کہ میں نے اس مباح کو اختیار کیا تو انجام کار میں کسی گناہ میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ جیسے جھوٹ' غیبت وغیرہ سے بچنے کے لئے کوئی آدمی لوگوں سے اختلاط ہی چھوڑ دے' یا کسی نفسانی رذیلہ کے علاج کے لئے چند روز بعض مباحات کو ترک کر دے اور اس ترک کی پابندی بطور علاج ودوا کے اس وقت تک کرے' جب تک یہ رذیلہ دور نہ ہو جائے' جیسے صوفیائے کرام مبتدی کو کم کھانے کم سونے کم اختلاط کی تاکید کرتے ہیں کہ یہ ایک مجاہدہ ہوتا ہے نفس کو اعتدال پر لانے کا جب نفس پر قابو ہو جاتا ہے' کہ ناجائز تک پہنچنے کا خطرہ نہ رہے تو یہ پرہیز چھوڑ دیا جاتا ہے' یہ درحقیقت رہبانیت نہیں' تقویٰ ہے جو مطلوب فی الدین اور اسلاف کرام صحابہ وتابعین اور ائمہ دین سے ثابت ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ کسی مباح کو حرام تو قرار نہیں دیتا مگر اس کا استعمال جس طرح سنت سے ثابت ہے اس طرح کے استعمال کو بھی چھوڑنے کو ثواب اور افضل جان کر اس سے پرہیز کرتا ہے' یہ ایک قسم کا غلو ہے' جس سے احادیث کثیرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اور جس حدیث میں لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ آیا ہے۔ "یعنی اسلام میں رہبانیت نہیں" اس سے مراد ایسا ہی ترک مباحات ہے کہ ان کے ترک کو افضل و ثواب سمجھے۔ (تفسیر مظہری)

فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ
پھر دیا ہم نے اُن لوگوں کو جو اُن میں ایماندار تھے اُن کا بدلہ
وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۲۷
اور بہت اُن میں نافرمان ہیں ☆

عیسائیوں کی عمومی حالت ☆ یعنی ان میں کے اکثر نافرمان ہیں اسی لیے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر باوجود دل میں یقین رکھنے کے ایمان نہیں لاتے۔ (تفسیر عثمانی)

اہل کتاب میں ہلاک ہونیوالے اورنجات پانے والے گروہ

بغوی نے اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا' میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا' حضور نے فرمایا' ابن مسعود جو لوگ یعنی اہل کتاب تم سے پہلے گذر گئے وہ بہتر فرقوں میں بٹ گئے جن میں سے تین فرقوں نے (دوزخ سے) نجات پائی اور باقی ہلاک ہو گئے) (یعنی دوزخی ہو گئے) ایک فرقہ نے تو (بددین) بادشاہوں سے مقابلہ کیا اور ان سے لڑے اور دین عیسیٰ پر قائم رہے' بادشاہوں نے ان کو پکڑ لیا اور قتل کر دیا (یہ فرقہ جنتی ہوا) ایک فرقہ وہ تھا جس میں بادشاہوں سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں تھی اور نہ یہ قوت تھی کہ بادشاہوں کے سامنے کھڑے ہو کر دین الٰہی اور دین عیسوی کی دعوت دیں یہ فرقہ ملک کی سیاحت کو نکل گیا اور راہب بن گئے انہیں کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ الخ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اب) جو مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی اور میرا اتباع کیا اس نے حقیقت میں رہبانیت کی پوری نگہداشت کی (یہی تیسرا نجات یافتہ فرقہ ہے) اور جو مجھ پر ایمان نہیں لایا وہ ہلاک ہونے والا (یعنی دوزخی) ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اس وقت ان راہبوں میں سے صرف تھوڑے آدمی رہ گئے تھے چنانچہ خانقاہ والے خانقاہ سے اُتر آئے، گھومنے پھرنے والے سیاحت چھوڑ کر اور گرجا والے گرجا چھوڑ کر باہر آ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔ (تفسیر مظہری)

اپنی جانوں پر سختی نہ کرو، جہاد کو لازم پکڑو

ابویعلیٰ میں ہے کہ لوگ حضرت انس بن مالکؓ کے پاس مدینہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کے زمانے میں آئے۔ آپ اس وقت امیر مدینہ تھے۔ جب یہ آئے اس وقت حضرت انسؓ نماز ادا کر رہے تھے اور بہت ہلکی نماز پڑھ رہے تھے جیسے مسافرت کی نماز ہو یا اس کے قریب قریب۔ جب سلام پھیرا تو لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ نے فرض نماز پڑھی یا نفل؟ فرمایا فرض اور یہی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ میں نے اپنے خیال سے اپنی یاد برابر تو اس میں کوئی خطا نہیں کی۔ ہاں اگر کچھ بھول گیا ہوں تو اُس کی بابت نہیں کہہ سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اپنی جانوں پر سختی نہ کرو ورنہ تم پر سختی کی جائے گی۔ ایک قوم نے اپنی جانوں پر سختی کی اور ان پر بھی سختی کی گئی پس ان کی بقایا خانقاہوں میں اور ایسے ہی گھروں میں اب بھی دیکھ لو۔ یہ تھی وہ سختی کی ترکِ دنیا جو خدا نے اُن پر واجب نہیں کی تھی۔ دوسرے دن ہم لوگوں نے کہا آیئے سواریاؤں پر چلیں اور دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔ حضرت انسؓ نے فرمایا بہت اچھا۔ پس سب سوار ہو کر چلے اور کئی ایک بستیاں دیکھیں جو بالکل اُجڑ گئی تھیں اور مکانات اوندھے پڑے ہوئے تھے تو ہم نے کہا ان شہروں سے آپ واقف ہیں؟ فرمایا خوب اچھی طرح بلکہ ان کے باشندوں سے بھی۔ انہیں سرکشی اور حسد نے ہلاک کیا۔ حسد نیکیوں کے نور کو بجھا دیتا ہے اور سرکشی اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ آنکھ کا بھی زنا ہے۔ ہاتھ اور قدم اور زبان کا بھی زنا ہے۔ اور شرمگاہ اسے سچاتی ہے یا جھٹلاتی ہے۔

ایک شخص حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا تم نے مجھ سے وہ سوال کیا جو میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا۔ میں تجھے وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرتے رہنے کی۔ یہی تمام نیکیوں کا سر ہے' اور تو جہاد کو لازم پکڑے رہ' یہی اسلام کی رہبانیت ہے۔ اور ذکر اللہ اور تلاوت قرآن پر مداومت کر وہی تیری راحت و روح ہے آسمانوں میں اور تیری یاد ہے زمین میں۔ یہ روایت مسند احمد میں ہے' واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا
اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور یقین لاؤ

بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ
اُس کے رسول پر دے گا تم کو دو حصے اپنی رحمت سے
وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ
اور رکھ دیگا تم میں روشنی جس کو لئے پھرو اور تم کو معاف
لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۸
کریگا اور اللہ معاف کرنیوالا ہے مہربان ☆

ایمان واتباع پر قائم رہو ☆ یعنی اس رسول کے تابع رہو کہ یہ نعمتیں پاؤ۔ گزشتہ خطاؤں کی معافی اور ہر عمل کا دونا ثواب اور روشنی لیے پھرو یعنی تمہارا وجود ایمان و تقویٰ سے نورانی ہو جائے اور آخرت میں یہ ہی نور تمہارے آگے اور داہنی طرف چلے (تنبیہ) احقر کے خیال میں یہ خطاب ان اہل کتاب کو ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے تھے اس تقدیر پر'' وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ '' سے ایمان پر ثابت و مستقیم رہنا مراد ہوگا باقی اہل کتاب کو دونا ثواب ملنے کا کچھ بیان سورہ ''قصص'' میں گذر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

تین قسم کے لوگ جن کو دوہرا ثواب ملے گا

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین (قسم کے) آدمی ہیں جن کو دوہرا اجر ملے گا اول وہ کتابی شخص جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اس نے تصدیق کی دوسرا وہ غلام جس نے اللہ کا فرض بھی ادا کیا اور اپنے آقاؤں کا حق بھی ادا کیا تیسرا وہ شخص جس کے پاس کوئی باندی ہے۔ جس سے وہ ہم بستری کرتا ہے پھر اس کو (اسلامی) آداب اچھی طرح سکھاتا ہے۔ اور خوب دینی تعلیم دیتا ہے پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیتا ہے اس کے لئے بھی دوہرا اجر ہے۔

نور سے کیا مراد ہے: ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا نور قرآن ہی ہے مجاہد نے کہا نور کھلی ہدایت ہے۔ یعنی اللہ تمہارے لئے ایک ایسا کھلا ہوا راستہ کر دے گا جس پر چل کر تم بارگاہ قدس اور جنت الفردوس تک پہنچ جاؤ گے۔ (تفسیر مظہری)

لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ
تاکہ نہ جانیں کتاب والے کہ پا نہیں سکتے

عَلٰی شَیْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ
کوئی چیز اللہ کے فضل میں سے اور یہ کہ
الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
بزرگی اللہ کے ہاتھ ہے دیتا ہے جس کو چاہے
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾
اور اللہ کا فضل بڑا ہے ☆

فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے

☆ یعنی اہل کتاب پہلے پیغمبروں کے احوال سن کر پچھتاتے کہ افسوس ہم ان سے دور پڑ گئے ہم کو وہ درجے ملنے محال ہیں جو نبیوں کی صحبت سے حاصل ہوتے ہیں سو یہ رسول اللہ نے کھڑا کیا اس کی صحبت میں سے دونا کمال اور بزرگی مل سکتی ہے۔ اور اللہ کا فضل بند نہیں ہو گیا۔ (تنبیہ) حضرت شاہ صاحبؒ نے آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے لیکن اکثر سلف سے یہ منقول ہے کہ یہاں " لِّئَلَّا يَعْلَمَ " بمعنی "لِکَیْ یَعْلَمَ" کے ہیں یعنی تا کہ جان لیں اہل کتاب (جو ایمان نہیں لائے) کہ وہ دسترس نہیں رکھتے اللہ کے فضل پر۔ اور فضل صرف اللہ کے ہاتھ ہے جس پر چاہے کر دے۔ چنانچہ اہل کتاب میں سے جو خاتم الانبیاء پر ایمان لائے ان پر یہ فضل کر دیا کہ ان کو دوگنا اجر ملتا ہے اور گزشتہ خطاؤں کی معافی اور روشنی مرحمت ہوتی ہے۔ اور جو ایمان نہیں لائے وہ ان انعامات سے محروم ہیں۔ تم سورۃ الحدید فللّٰہ الحمد والمنہ۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: بغوی نے قتادہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ان اہل کتاب نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے تھے مسلمان ہو جانے والے اہل کتاب پر حسد کیا تھا ان کا دعویٰ تھا کہ ہم اللہ کی اولاد اور اس کے چہیتے اور منتخب کردہ ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت: لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ۔ نازل فرمائی اور فرما دیا کہ پیغمبروں پر چونکہ وہ ایمان نہیں لائے اس لئے کسی قسم کا اجر و ثواب ان کو نہیں ملے گا۔ کیوں کہ ہر اجر ایمان کے ساتھ وابستہ ہے ایمان نہیں تو کوئی ثواب نہیں۔

اہل کتاب کی خام خیالی: بعض اہل علم نے کہا کہ لِّئَلَّا يَعْلَمَ میں لا زائد نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب یہ نہ سمجھ لیں اور یہ عقیدہ نہ رکھ لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان اللہ کے فضل کو نہیں پا سکتے۔

ابن المنذر نے بروایت مجاہد نیز بغوی نے بیان کیا ہے کہ اہل کتاب کا عقیدہ تھا کہ وہ اللہ کے بیٹے اور چہیتے اور پسندیدہ محبوب ہیں ایسا نہیں ہے بلکہ وہ اللہ کے فضل کے کسی حصہ پر قدرت نہیں رکھتے ان کو اجر و ثواب بالکل نہیں ملے گا کیوں کہ اللہ کے پیغمبروں پر وہ ایمان نہیں لائے اور ہر اجر ایمان کے ساتھ وابستہ ہے۔ حضرت علیؓ کی طرف اس روایت کی نسبت کی گئی ہے کہ یہودی کہتے تھے کہ عنقریب ہم میں ایک نبی مبعوث ہوگا جو (ان مسلمانوں کے) ہاتھ پاؤں کاٹے گا اس کی تردید میں اللہ نے فرمایا ہاتھ پاؤں کاٹنا تو درکنار ان کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ یہ اللہ کے فضل یعنی نبوت پر کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے نبوت عطا کرنا اللہ کے ہاتھ میں ہے اللہ اپنے فضل سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے۔

امت محمدیہ کی فضیلت: بخاری نے صحیح میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری امت گزشتہ امتوں کی مدت کے مقابلہ میں اتنی ہے جتنا عصر سے مغرب تک کا وقت ہوتا ہے۔ تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے مزدوروں سے کچھ کام کرانا چاہا اور کہا ایک ایک قیراط مزدوری پر دوپہر تک میرا کام کون کر سکتا ہے۔ یہودیوں نے ایک ایک قیراط پر دوپہر تک کام کیا پھر کام کرانے والے نے کہا اب دوپہر سے عصر تک ایک ایک قیراط مزدوری پر کون کام کر سکتا ہے یہ سن کر نصاریٰ نے ایک ایک قیراط پر دوپہر سے عصر تک کام کیا پھر کام کے طلبگار نے کہا اب عصر سے مغرب تک دو دو قیراط اجرت پر کون کام کر سکتا ہے۔

سن لو تم ہی وہ لوگ ہو جو نماز عصر سے مغرب تک کام کرنے والے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ تمہاری اجرت دوگنی ہوگی۔ اس اعلان پر یہودی اور عیسائی ناراض ہو گئے انہوں نے کہا۔ ہم کام تو زیادہ کرنے والے ہیں اور اجرت کم پائیں گے۔ اللہ نے فرمایا! کیا میں نے (تمہارا کچھ حق کاٹ کر) تم پر ظلم کیا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے کہا نہیں اللہ نے فرمایا پس یہ میرا فضل ہے میں جسکو چاہتا ہوں دیتا ہوں۔

حضرت معاویہؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ میری امت میں سے کچھ لوگ ہمیشہ اللہ کے حکم پر کاربند رہیں گے کوئی ان کی مدد نہ کرے اور کوئی ان کی مخالفت کرے ان کا کوئی بگاڑ نہ ہوگا۔ اسی حالت میں اللہ کا حکم (یعنی روز قیامت) آ جائے گا۔ (متفق علیہ) تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورۃ حدید ختم ہوئی

جس نے خواب میں دیکھا کہ وہ اس سورۃ کی تلاوت کر رہا ہے اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ اہل باطل سے جھگڑنے والا اور ان کو دبانے والا ہوگا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوۡرَۃُ الۡمُجَادَلَۃِ مَدَنِيَّۃٌ وَّهِيَ اثۡنَتَانِ وَعِشۡرُوۡنَ اٰيَۃً وَّثَلٰثُ رُكُوۡعَاتٍ

سورۂ مجادلہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی بائیس آیتیں ہیں اور تین رکوع

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

قَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ قَوۡلَ الَّتِيۡ تُجَادِلُكَ

سُن لی اللہ نے آیات اُس عورت کی جو جھگڑتی تھی تجھ سے

فِيۡ زَوۡجِهَا وَتَشۡتَكِيۡۤ اِلَى اللّٰهِ ۖ

اپنے خاوند کے حق میں اور جھینکتی تھی اللہ کے آگے ☆

شانِ نزول ☆ اسلام سے پہلے مرد اگر اپنی عورت کو کہتا کہ تو میری ماں ہے تو سمجھتے تھے کہ ساری عمر کے لیے اس پر حرام ہوگئی۔ پھر کوئی صورت ان کے ملنے کی نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ایک مسلمان (اوس بن الصامتؓ) اپنی عورت (خولہ بنت ثعلبہ) کو یہ ہی کہہ بیٹھا۔ عورت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچی اور سب ماجرا کہہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے ابھی تک کوئی خاص حکم نہیں دیا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ تو اس پر حرام ہوگئی۔ اب تم دونوں کیونکر مل سکتے ہو وہ شکوہ وزاری کرنے لگی کہ گھر ویران ہوتا ہے اولاد پریشان ہوتی ہے کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑتی کہ یارسول اللہ! اس نے ان الفاظ سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ کبھی اللہ کے آگے رونے جھینکنے لگتی کہ اللہ میں اپنی تنہائی اور مصیبت کی فریاد تجھ سے کرتی ہوں ان بچوں کو اگر اپنے پاس رکھوں تو بھوکے مرینگے اس کے پاس چھوڑوں تو یوں ہی (کس مپری میں) ضائع ہو جائینگے۔ اے اللہ تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے میری مشکل کو حل کر، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور "ظہار" کا حکم اترا (تنبیہ) حنفیہ کے نزدیک ظہار یہ ہے کہ اپنی بیوی کو محرمات ابدیہ (ماں، بہن وغیرہ) کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے جس کی طرف دیکھنا اس کو منع ہو مثلاً یوں کہے "انت علی کظهر امی" (تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ) "ظہار" کے احکام کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حاکم نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا اور اس کو صحیح قرار دیا۔ حضرت عائشہ نے فرمایا پاک ہے وہ ذات جس کی شنوائی میں ہر چیز سمائی ہوئی ہے میں نے خولہ بنت ثعلبہ کا کلام خود سنا تھا لیکن اس کے کلام کا کچھ حصہ میں سن نہ سکی تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے شوہر کی شکایت کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی یارسول اللہ! اس نے میرا مال کھالیا اور اس کے لئے میں نے اپنا پیٹ بکھیر دیا (یعنی بچے پیدا کر دیئے) لیکن جب میں بوڑھی ہو گئی اور سلسلہ تولید ختم ہوگیا تو اس نے مجھ سے ظہار کر لیا یعنی اس نے مجھ سے کہہ دیا اَنۡتِ عَلَيَّ كَظَهۡرِ اُمِّيۡ تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میرے لئے میری ماں کی پشت۔ مراد یہ ہے کہ اس نے مجھ سے تعلق رکھنے کو اپنے لئے حرام کر لیا۔ اے اللہ میں تجھ سے اپنا شکوہ کرتی ہوں خولہ اپنی جگہ سے ہٹی بھی نہیں تھی کہ آیات ذیل نازل ہوئیں۔

قَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ۔ لفظ قَدۡ نے سَمِعَ۔ کو ماضی قریب بنا دیا۔ یہ لفظ بتا رہا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا اس عورت کو توقع تھی کہ اللہ اس عورت کی گفتگو اور شکوہ کو سُن رہا ہے اور اس کے دکھ کو دور فرما دے گا۔

تُجَادِلُكَ فِيۡ زَوۡجِهَا۔ خولہ کے شوہر تھے اوس بن صامت۔ مجادلہ کا (لغوی) معنی ہے شدت مخاصمت۔ یہاں خولہ کے کلام میں شدت مراد ہے۔

واقعہ کی تفصیل: بغوی نے لکھا ہے یہ آیت حضرت اوس بن صامتؓ کی بی بی حضرت خولہ بنت ثعلبہ کے حق میں نازل ہوئی۔ خولہ حسین تھیں اور اوس کے مزاج میں غصہ بہت تھا۔ ایک روز اوس نے خولہ سے قربت کرنی چاہی خولہ نے انکار کر دیا اوس نے کہا تو میرے لئے ایسی ہے جیسی میری ماں کی پشت (کہنے کو تو غصہ میں کہہ دیا) پھر پشیمان ہوئے کیوں کہ دور اسلامی سے پہلے ظہار اور ایلاء (عورت سے محدود الایام کنارہ کش رہنے کی قسم) کو طلاق سمجھا جاتا تھا۔ اسلئے اوس بن صامت نے خولہ سے کہا میرے خیال میں تو میرے لئے حرام ہوگئی خولہ نے کہا واللہ یہ طلاق نہیں ہے۔ یہ کہہ کر خولہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اس وقت حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر ایک طرف کا دھو رہی تھیں خولہ نے آ کر کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے شوہر اوس بن صامت نے مجھ سے نکاح اس وقت کیا تھا جب میں جوان تھی مالدار تھی اور کنبہ والی تھی جب وہ میرا مال کھا چکا اور میری جوانی ختم کر دی اور میرا کنبہ بھی بچھڑ گیا اور میں بوڑھی ہوگئی تو اب مجھ سے اس۔ نے ظہار کر لیا لیکن ظہار کرنے کے بعد پشیمان ہوگیا کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ میں اور وہ پھر یک جا ہو سکیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس کے لئے حرام ہوگئی خولہ نے کہا میں اپنی محتاجی اور تنہائی کا شکوہ اللہ سے کرتی ہوں میرا اس کا ساتھ مدت دراز تک رہا۔ اور میں نے اس کے لئے اپنا پیٹ جھاڑ دیا (یعنی اپنے پیٹ سے اس کے بہت بچے جنے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے خیال میں تو تو اس کے لئے حرام ہوگئی۔ اور تیرے متعلق کوئی خاص حکم میرے پاس نہیں آیا خولہ بار بار کلام کو لوٹتی پلٹتی رہی آخر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمادیا کہ تو اس کے لئے حرام ہوگئی تو گفتگو سے رکی اور کہنے لگی میں اللہ ہی سے اپنی محتاجی اور بدحالی کا شکوہ کرتی ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اگر میں ان کو اپنے ساتھ رکھوں گی تو بھوکے رہیں گے اور اس کے پاس چھوڑوں گی تو تباہ ہو جائیں گے پھر اوپر (آسمان کی طرف) سر اٹھا کر کہنے لگی اے اللہ میں تجھ سے ہی شکوہ کرتی ہوں اے اللہ (میرے لئے) اپنے نبی کی زبان پر حکم نازل فرمادے۔ اسلام میں یہ پہلا ظہار تھا حضرت عائشہؓ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کا دوسرا حصہ دھونے لگیں تو خولہ بولی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ پر قربان میرے معاملہ میں غور فرمائیے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا اپنی بات ختم کر اور جھگڑنا چھوڑ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو نہیں دیکھ رہی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی اترتی تھی تو اس وقت آپ پر ایک اونگھ طاری ہو جاتی تھی جب وحی کی حالت ختم ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے شوہر کو بلالے اوسؓ آ گئے تو آپ نے آیات قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ الخ ان کو پڑھ کر سنائیں حضرت عائشہؓ نے فرمایا بڑی خیر والا ہے وہ اللہ جس کی شنوائی تمام آوازوں کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے میں گھر کے گوشے میں موجود تھی اس عورت کی کچھ گفتگو سن رہی تھی اور کچھ نہیں سن پائی تھی۔ (مگر اللہ نے اس کی ساری گفتگو سن لی) اور آیت قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ نازل فرمادی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت خولہؓ کی فریاد: حضرت خولہؓ یہ واقعہ پیش آنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے حاضر ہوئیں اس وقت تک اس خاص مسئلے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی تھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قول مشہور کے موافق ان سے فرما دیا مَا اَرَاکِ اِلَّا قَدْ حَرُمْتِ عَلَیْهِ یعنی میری رائے میں تو تم اپنے شوہر پر حرام ہوگئیں، وہ یہ سن کر واویلا کرنے لگیں کہ میری جوانی سب اس شوہر کی خدمت میں ختم ہوگئی اب بڑھاپے میں انہوں نے مجھ سے یہ معاملہ کیا میں کہاں جاؤں؟ میرا اور میرے بچوں کا گذارہ کیسے ہوگا؟ اور ایک روایت میں ہے کہ خولہ نے یہ عرض کیا کہ مَا ذَکَرَ طَلَاقًا یعنی میرے شوہر نے طلاق کا تو نام بھی نہیں لیا تو پھر طلاق کیسے ہوگئی اور ایک روایت میں ہے کہ خولہؓ نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْکُوْا اِلَیْکَ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خولہؓ سے یہ فرمایا مَا اُمِرْتُ فِیْ شَانِکِ بِشَیْءٍ حَتَّی الْاٰنَ۔ یعنی ابھی تک تمہارے مسئلے کے متعلق مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔

ظہار کا کفارہ: حدیث میں ہے کہ حضرت خولہ بنت ثعلبہؓ کی واویلا اور فریاد پر جب آیات مذکورہ اور کفارۂ ظہار کے احکام نازل ہوئے اور شوہر سے دائمی مفارقت وحرمت سے بچنے کا راستہ نکل آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شوہر کو بلایا، دیکھا کہ ضعیف البصر بوڑھا آدمی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نازل شدہ آیات اور کفارہ کا حکم سنایا کہ ایک غلام یا لونڈی آزاد کر دو اس نے کہا کہ یہ میری قدرت میں نہیں کہ غلام خرید کر آزاد کروں آپ نے فرمایا کہ پھر دو مہینے کے مسلسل روزے رکھو اس نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی کہ جس نے آپ کو رسول برحق بنایا، میری حالت یہ ہے کہ اگر دن میں دو تین مرتبہ کھانا نہ کھاؤں تو میری نگاہ بالکل ہی جاتی رہتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ اس نے عرض کیا کہ یہ بھی میری قدرت میں نہیں بجز اس کے کہ آپ ہی کچھ مدد کریں۔ آپ نے اس کو کچھ غلہ عطا فرمایا، پھر کچھ دوسرے لوگوں نے جمع کر دیا اس طرح ساٹھ مسکینوں کو فطرے کی مقدار دے کر کفارہ ادا ہوگیا۔ (ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ
اور اللہ سنتا تھا سوال و جواب تم دونوں کا بیشک
اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①
اللہ سنتا ہے دیکھتا ہے ☆

اللہ تعالیٰ سب کی سنتا ہے ☆ یعنی اللہ تو سب ہی کچھ سنتا و دیکھتا ہے۔ جو گفتگو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اس عورت کے درمیان ہوئی وہ [illegible] سنتا۔ بیشک وہ مصیبت زدہ عورت کی فریاد کو پہنچا اور ہمیشہ کے لیے اس [illegible] حوادث سے عہدہ براہونے کا راستہ بتلا دیا۔ جو آگے آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ
جو لوگ ماں کہہ بیٹھیں تم میں سے
نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ
اپنی عورتوں کو وہ نہیں ہو جاتیں اُنکی مائیں، اُن کی
اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا اڿ وَلَدْنَهُمْ ۭ
مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے اُن کو جنا
وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ
اور وہ بولتے ہیں ایک ناپسند بات

وَزُوْرًا ط

اور جھوٹی ☆

جاہلانہ خیال کی تردید ☆یعنی بیوی (جس نے اس کو جنا نہیں) وہ اس کی واقعی ماں کیونکر بن سکتی۔ جو محض اتنے لفظ پر ہمیشہ کے لیے حقیقی ماں کی طرح حرام ہوجائے؟ ہاں آدمی جب اپنی بدتمیزی سے ایک جھوٹی نامعقول اور بے ہودہ بات کہہ دے اس کا بدلہ یہ ہے کہ کفارہ دے، تب اس کے پاس جائے ورنہ نہ جائے۔ پر عورت اسی کی رہی محض ظہار سے طلاق نہیں پڑے گی۔ (تفسیر عثمانی)

دور جاہلیت کا قانون: ظہار کا معنی ہے کسی شخص کا اپنی بی بی سے یہ کہہ دینا کہ تو میرے لئے ایسی (ہی حرام) ہے جیسی میری ماں کی پشت۔ جاہلیت کے زمانہ میں اس کو طلاق مانا جاتا تھا اور اس سے وہ عورت اپنے شوہر کے لئے ہمیشہ کے واسطے حرام ہوجاتی تھی۔

ظہار کا شرعی حکم: شریعت نے ظہار کو حرمت دوامی کا موجب نہیں قرار دیا بلکہ ایک خاص وقت تک ایسی عورت کو حرام کردیا کفارہ ادا کرنے کے بعد ظہار والی عورت حرام نہیں رہتی شوہر کے لئے حلال ہوجاتی ہے۔

ظہار ظہر سے مشتق تھے۔ (ظہر کے معنی ہیں پیٹھ) لیکن فقہاء نے عورت کے بدن کے ہر اس حصہ کو جس کو کھلا رکھنا حرام ہے۔ جیسے ران یا شرم گاہ وغیرہ ظہر کے حکم میں شامل کردیا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان عورتوں سے تشبیہ بھی موجب ظہار ہے کیوں کہ ان عوتوں سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے۔ اسی طرح اگر اپنی عورت کے کسی غیر معین حصہ کو یا ایسے عضو کو جو کل کے قائم مقام مانا جاتا ہے تشبیہ دی، تب بھی ظہار کا حکم جاری ہوگا۔ مثلاً یوں کہا میرے لئے تیرا سر یا تیری شرم گاہ یا تیرا چہرہ یا تیری گردن یا تیرا بدن یا تیرا جسم یا تیری جان یا تیرا نفس یا تیرا آدھا بدن یا تیرا ایک تہائی بدن میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔ کیوں کہ ان الفاظ میں سے بعض ایسے ہیں کہ ان کو بول کر پوری شخصیت مراد ہوتی ہے۔ یا ایسے اجزاء بدن میں جو غیر معین ہیں۔ (مثلاً تیرا آدھا بدن تیرا ایک تہائی بدن وغیرہ) اس صورت میں حکم سارے جسم کی طرف متعدی ہے ہاں اگر یوں کہا کہ تیرا ہاتھ یا تیرا پاؤں میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرح ہے تو ظہار نہ ہوگا۔

حضرت سلمہؓ بن صخر کا واقعہ: ایک حدیث سلمانؓ بن یسار کی روایت سے آئی ہے کہ حضرت سلمہؓ بن صخر نے کہا میرے اندر قوت مردی سب لوگوں سے زائد تھی۔ رمضان آیا تو رمضان بھر کے لئے میں نے اپنی بیوی سے ظہار کرلیا رمضان کے دن یوں ہی گذرتے رہے ایک رات جب بیوی میری خدمت کررہی تھی اس کے بدن کا کچھ چھپا ہوا حصہ مجھے دکھ گیا نظر پڑتے ہی میں اس پر جا پڑا صبح ہوئی تو میں نے اپنے کنبہ والوں سے اس کا تذکرہ کیا اور ان سے درخواست کی کہ میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے معاملہ میں کچھ عرض معروض کرو خاندان والوں نے جواب دیا نہیں خدا کی قسم ہم ایسا نہیں کریں گے ہم کو اندیشہ ہے کہ کہیں ہمارے متعلق کوئی آیت نازل نہ ہوجائے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسی بات نہ فرمادیں کہ اس کی عار ہم پر (ہمیشہ کے لئے) ہوگی تم خود جاؤ اور جو مناسب ہو وہ کرو آخر میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنا واقعہ بیان کردیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے ایسا کیا میں نے عرض کیا (جی ہاں) میں نے ایسا کیا فرمایا کیا تو نے ایسا کیا میں نے عرض کیا میں نے ہی ایسا کیا فرمایا کیا تو نے ایسا کیا میں نے کہا جی ہاں فرمایا کیا تو نے ایسا کیا میں نے عرض کیا میں نے ایسا کیا اب جو کچھ اللہ کا حکم ہو مجھ پر جاری کیجئے میں ثابت قدم رہوں گا۔ فرمایا ایک گردن آزاد کردے میں نے اپنی گردن کے ایک جانب ہاتھ مار کر عرض کیا قسم ہے اس کی جس نے نبی برحق بنا کر بھیجا ہے۔ میں تو اس گردن کے علاوہ اور کسی گردن یعنی باندی یا غلام کا مالک نہیں ہوں فرمایا تو دو مہینے کے روزے رکھو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول روزے ہی میں تو مجھ سے یہ حرکت ہوئی ہے فرمایا تو صدقہ دو (ساٹھ مسکینوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاؤ) میں نے عرض کیا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو برحق بھیجا ہے ہم نے تو یہ رات خالی پیٹ گذاری ہے نان شبینہ بھی ہم کو میسر نہیں تھی فرمایا تو بنی زریق کے تحصیلدار زکوٰۃ کے پاس جاؤ اس سے کہہ دو تم کو (بنی زریق کے مال صدقات میں سے) دیدے تم ایک وسق (ساٹھ صاع۔ ایک صاع تقریباً چار رسیر) چھوارے لے لو اس میں ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ اور جو بچ رہیں وہ اپنے اور اپنی عیال کے کام میں لاؤ۔ یہ حکم پا کر میں اپنے کنبہ والوں کے پاس لوٹ کر آیا اور ان سے کہا میں نے تم لوگوں کے پاس تو تنگی اور بدسلوکی پائی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مجھے کشائش اور برکت حاصل ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمہاری زکوٰۃ کا مال لینے کا حکم دیا ہے اب تم مجھے اپنی زکوٰۃ کا مال دو۔

مشروط ظہار: (۱) ظہار کو اگر کسی شرط سے وابستہ کیا جائے تو رافعی کے نزدیک درست ہے حضرت سلمہؓ بن صخر نے رمضان کی شرط کے ساتھ ظہار کو وابستہ کیا تھا ابن رافعہ کہتے ہیں کہ حدیث مذکورہ جو سنن میں آئی ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلمہ نے ظہار موقت کیا تھا کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں کیا تھا۔ بیہقی نے حدیث مذکور کے جو الفاظ نقل کئے ہیں۔ ان سے رافعہ کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

(۲) اگر ظہار کو کسی شرط کے ساتھ وابستہ کیا پھر طلاق بائن دیدی پھر

طلاق کے بعد وقوع شرط ہو گیا تو (طلاق ہو جائے گی) ظہار کا حکم نہیں ہو گا۔ کذا قال ابن الہمام۔

(۳) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ظہار شرط نکاح صحیح ہے۔ مثلاً کسی اجنبی عورت سے کہا اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو میرے لئے تو ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت پھر اس سے نکاح کر لیا تو کفارۂ ظہار لازم ہو گا۔

اگر کسی عورت سے کہا کہ تو میرے لئے رجب اور رمضان میں ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت پھر رجب میں کفارہ دیدیا تو کافی ہے۔ (رمضان میں دوبارہ کفارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں)۔

متعدد ظہار: اگر ایک عورت سے ایک نشست میں یا متعدد مجالس میں کئی بار ظہار کیا تو امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کے نزدیک ہر بار ظہار کرنے کا کفارہ الگ الگ دینا ہو گا کیوں کہ ظہار کرنے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا نکاح حسب سابق باقی رہتا ہے۔ اس لئے دوسری بار اور تیسری بار (بلکہ یکے بعد دیگر بہت مرتبہ) ظہار صحیح ہے اور اسباب حرمت کا ایک جگہ اجتماع درست ہے جیسے روزہ کی حالت میں شراب کی حرمت اس لئے بھی ہے کہ شراب بجائے خود حرام ہے اور چونکہ شراب روزہ شکن ہے اس لئے بھی روزے میں حرام ہے۔ اسی طرح اگر شراب نہ پینے کی قسم کھالی ہو تو ایک تو شراب فی نفسہ حرام ہے دوسرے قسم تو ژنا بھی حرام ہے ہاں اگر دوسری اور تیسری مرتبہ کلمات ظہار کہنے سے پہلے ظہار کو پختہ کرنے کی نیت ہو اور ظہار کرنے والا کہے میری نیت ایک ہی بار ظہار کی تھی تو قضاء اور دیانۃً دونوں طور پر اس کو سچا قرار دیا جائے گا طلاق کا حکم اس کے خلاف ہے دو یا تین (یا زیادہ) بار طلاق دینے والا اگر کہے کہ میری نیت پہلی طلاق کو پختہ کرنے کی تھی (دوسری اور تیسری طلاق کی نہیں تھی تو عدالت اسلامیہ اس کا اعتبار نہیں کرے گی) کیوں کہ ظہار کا تعلق (براہ راست) اللہ سے ہے (اور طلاق کا تعلق حقوق انسانی سے ہے) (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝
اور اللہ معاف کرنیوالا بخشنے والا ہے ☆

دورِ جاہلیت کی تلافی ☆ یعنی جاہلیت میں جو ایسی حرکت کر چکے وہ معاف ہے۔ اب ہدایت آچکنے کے بعد ایسا مت کرو۔ اگر غلطی سے کر گذرے تو توبہ کر کے اللہ سے معاف کراؤ اور عورت کے پاس جانے سے پہلے کفارہ ادا کرو۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ
اور جو لوگ ماں کہہ بیٹھیں اپنی عورتوں کو پھر

يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ
کرنا چاہیں وہی کام جسکو کہا ہے تو آزاد کرنا چاہئے
مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ
ایک بردہ پہلے اس سے کہ آپس میں ہاتھ لگائیں ☆

کفارہ ☆ یعنی یہ لفظ (انت علیٰ کظھر امی) کہا صحبت موقوف کرنے کو۔ پھر صحبت کرنا چاہیں تو پہلے ایک غلام آزاد کر لیں اس کے بعد ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ (تنبیہ) حنفیہ کے ہاں کفارہ دینے سے پہلے جماع اور دواعی جماع دونوں ممنوع ہیں بعض احادیث میں ہے "امرہ ان لایقر بھاحتی یکفر"۔ (تفسیر عثانی)

کفارہ کے مسائل

(۱) ظہار کرنے والے کے کفارہ کے بغیر قربت بھی حرام ہے۔ اور وہ مبادی واسباب بھی حرام ہیں جو مباشرت تک پہنچا دیتے ہیں جیسے بوسہ، چھونا (معانقہ وغیرہ) یہ قول امام ابوحنیفہؒ اور مالک کا ہے۔

(۲) اگر ظہار کرنے والا بغیر کفارہ دیئے عورت سے قربت کرنا چاہے تو عورت کو چاہے تو عورت پر لازم ہے کہ مرد کو اس فعل سے روک دے اور قاضی پر لازم ہے کہ کفارہ ادا کرنے پر اس کو مجبور کرے اگر وہ کفارہ دینے سے انکار کرے تو اسے پٹوائے لیکن اگر وہ کہے کہ میں کفارہ دے چکا تو اس کی بات کو سچ مانا جائے گا بشرطیکہ وہ دروغ گو ہونے میں مشہور نہ ہو۔ (کذا فی الفتح القدیر)

(۳) قرآن میں اس جگہ چونکہ لفظ رقبہ گردن یعنی بردہ مطلق ہے اس لئے غلام ہو یا باندی کافر ہو یا مسلمان بچہ ہو یا بڑا سب کو کفارہ میں آزاد کیا جاسکتا ہے۔

(۴) مندرجۂ ذیل عیوب رکھنے والے غلام کی آزادی کفارۂ ظہار کے لئے کافی نہیں ہو گی۔ نابینا: دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں یا ایک ہی طرف کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹا ہوا یا ہاتھوں کے دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے یا انگوٹھے کے علاوہ ہر ہاتھ کی تین انگلیاں کٹی ہوئی یا ایک ہاتھ اور مخالف سمت کی ایک ٹانگ کٹی ہوئی اتنا بہرا کہ چیخ کی آواز بھی نہ سن سکے۔

اگر چیخ کی آواز سن سکتا ہو تو اس کی آزدی کافی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر کسی عضو کے نقصان سے اتنی خرابی پیدا ہو جائے کہ مطلقاً کام ہی نہ چل سکے تو ایسے ناقص العضو غلام کی آزادی کافی نہیں اور اگر کسی طرح کام چل سکے خواہ ناقص طریقہ سے ہی ہو تو ایسے غلام یا باندی کی آزادی کفارہ ظہار کے لئے کافی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اگر صلح کا ارادہ نہ ہو تو کیا کرے: اگر کوئی شخص ظہار کر بیٹھے اور اب بیوی سے اختلاط نہیں رکھنا چاہتا تو کوئی کفارہ لازم نہیں۔ البتہ بیوی کی

حق تلفی ناجائز ہے۔ اگر وہ مطالبہ کرے تو کفارہ ادا کر کے اختلاط کرنا یا پھر طلاق دے کر آزاد کرنا واجب ہے۔ اگر یہ شخص خود نہ کرے تو بیوی حاکم اسلام کی طرف مراجعت کر کے شوہر کو اس پر مجبور کر سکتی ہے' یہ سب مسائل کتب فقہ میں مفصل لکھے گئے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ
اس سے تم کو نصیحت ہوگی ☆

کفارہ کی حکمت ☆یعنی کفارہ کی مشروعیت تمہاری تنبیہ ونصیحت کے لیے ہے کہ پھر ایسی غلطی نہ کرو اور دوسرے بھی باز آئیں۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكُمْ۔ یعنی مباشرت سے پہلے کفارہ ادا کرنے کا حکم۔

تُوْعَظُوْنَ بِهٖ۔ تم کو اسی کی نصیحت کی جاتی ہے۔ تاکہ ظہار سے جو حرمت پیدا ہوگئی ہے وہ زائل ہو جائے۔ یا یہ مطلب کہ دوبارہ ظہار کا ارتکاب اس ڈر سے نہ کرو کہ بیوی سے جدا ہونا پڑیگا۔ یا یہ سمجھ لو کہ کفارہ کا وجوب اس لئے تم پر ہوا ہے کہ ارتکاب گناہ کیا ہے اس خیال سے تم نصیحت حاصل کرو اور ارتکاب ظہار سے آئندہ باز رہو۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ③
اور اللہ خبر رکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ☆

☆یعنی تمہارے احوال کے مناسب احکام بھیجتا ہے اور خبر رکھتا ہے کہ تم کس حد تک ان پر عمل کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ
پھر جو کوئی نہ پائے تو روزے ہیں دو مہینے
مُتَتَابِعَيْنِ
کے لگاتار☆

☆یعنی بیچ میں دم نہ لے۔ (تفسیر عثمانی)

غلام نہ ہو تو دو ماہ روزے رکھے: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ۔ یعنی جس کے پاس غلام یا باندی موجود نہ ہو اور حاصل بھی نہ کر سکتا ہو خواہ اس کی وجہ یہ ہو کہ غلام خریدنے کی قیمت میسر نہ ہو یا غلام دستیاب نہ ہو سکتا ہو اور قیمت موجود ہو یا غلام کی جتنی قیمت ہو اتنا ہی ظہار کرنے والا مقروض ہو یا اپنے اور اپنے اہل وعیال کے مصارف کا ضرورت مند ہو اگر غلام خریدتا ہے نفقۂ اہل وعیال سے معذور ہو جاتا ہے۔ ان سب صورتوں میں امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک غلام آزاد نہ کرنا اور روزے رکھنا جائز ہے۔ (تفسیر مظہری)

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ
پہلے اس سے کہ آپس میں چھوئیں پھر جو کوئی یہ نہ
يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ
کر سکے تو کھانا دینا ہے ساٹھ محتاجوں کا ☆

☆"بردہ" (غلام) آزاد کرنے کا مقدور نہ ہو تب روزے رکھ سکتا ہے اور روزے رکھنے سے مجبور ہو تب کھانا دے سکتا ہے۔ تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

تسلسل ضروری ہے: اگر تسلسل ٹوٹ جائے خواہ کسی عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے بہرحال از سرنو دو ماہ کے روزے رکھنے لازم ہوں گے یہ قول باجماع علماء ہے (یعنی کوئی دن ناغہ نہ ہونا چاہئے) اگر ظہار کرنے والے نے دو مہینے کے درمیان رات کو قصداً یا دن کو بھول کر مباشرت کر لی۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک از سرنو کل روزے رکھنے ہوں گے کیونکہ مباشرت سے پہلے روزے رکھنے کی ضرورت ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ روزے رکھنے کی پوری مدت میں مباشرت نہ کی جائے اس لئے صورت مذکورہ میں از سرنو کل روزے رکھنے واجب ہیں۔ امام احمد کا ظاہر قول بھی یہی ہے۔

اگر روزے بھی نہ رکھ سکے تو...... اگر بیماری یا ضعف پیری کی وجہ سے یا ایسی شدت شہوت کی وجہ سے کہ مباشرت سے باز نہ رہ سکے روزے نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینا لازم ہے ہر مسکین کو دو سیر عراقی یعنی نصف صاع غلہ کسی قسم کا ہو بغوی نے لکھا ہے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا یہی قول ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر مسکین کو نصف صاع گندم یا ایک صاع جو یا چھوارے دیئے جائیں شعبی' نخعی' سعید بن جبیر' حاکم' مجاہد اور کرخی کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت خولہ بنت مالک نے بیان کیا ہے میرے شوہر حضرت اوس بن مالک نے ظہار کر لیا میں اس کی شکایت لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے معاملہ میں مجھ سے جھگڑنے لگے اور فرمانے لگے اللہ سے ڈرو وہ تیرے چچا کا بیٹا ہے۔ میں وہاں سے ہٹی بھی نہ تھی کہ آیت۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ الخ۔ نازل ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بردہ آزاد کرنے کا حکم دیا میں نے کہا ان کے پاس کوئی بردہ نہیں ہے فرمایا دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔ میں نے عرض کیا وہ بہت بوڑھے روزے رکھنے کی ان میں سکت نہیں ہے فرمایا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا میں نے

عرض کیا اس کے پاس تو خیرات کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے فرمایا ایک فرق چھوارے دیکر میں اس کی مدد کروں گا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر میں بھی ایک فرق چھوارے مزید دے کر ان کی مدد کروں گی فرمایا تو نے خوب کہا اب اپنے چچا کے بیٹے کے پاس واپس چلی جا۔

کھانا کھلانے کے مسائل

(۱) اگر صبح اور شام ساٹھ صاع بھر کر گیہوں کی روٹی کھلا دی خواہ روکھی کھلائی ہو تو بھی کافی ہے لیکن جو کی روٹی کے ساتھ تو سالن ضروری ہے۔

(۲) صبح شام دونوں وقت ایک ہی مسکین کو کھلائے یا ایک مسکین کو دو روز دن کا کھانا اور دوسرے مسکین کو دو وقت شام کا کھانا دے (اور اس طرح ساٹھ مسکینوں کی خوراک ہو جائے) تو جائز ہے لیکن اگر ساٹھ مسکینوں کو صبح کا کھانا اور دوسرے ساٹھ مسکینوں کو شام کا کھانا کھلایا تو جائز نہیں۔ وہ بچہ جس کا دودھ چھوٹا ہو اور وہ شخص جس کا پیٹ بھرا ہوا ان کو کھلانا کافی نہیں ہے بھوکوں کا پیٹ بھرنا اور شکم سیر کرنا ضروری ہے خواہ وہ تھوڑا کھائیں یا زائد (یعنی ان کی معمولاً خوراک کم ہو یا زائد)

(۳) اگر ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن کھلایا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔

(۴) امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا اگر ظہار کرنے والا کھانا کھلانے کے دوران ظہار کردہ عورت سے مباشرت کرلے تو دوبارہ از سر نو کھلانا ضروری نہیں ہے۔

(۵) اصحاب السنن نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا پھر (دوران ظہار) اس پر جا پڑا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا تو نے ایسی حرکت کیوں کی اس شخص نے جواب دیا میں نے چاندنی میں اس کی پازیب (یا اس کی گوری پنڈلیاں) دیکھ لیں (مجھ سے صبر نہ ہو سکا) فرمایا تو جب تک کفارہ نہ دے دو اس سے کنارہ کش رہو۔ اس حدیث میں مطلق کفارہ سے پہلے کنارہ کش رہنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔ ترمذی کے نزدیک یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے منذر نے کہا اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ہر ایک کا دوسرے سے سننا مشہور ہے (لہٰذا حدیث معتبر ہے)۔

اگر ظہار کرنے والا کفارہ دینے سے پہلے مباشرت کر گذرے تو استغفار کرلے کیوں کہ یہ عمل ناجائز ہے اور امر حرام کے ارتکاب کے بعد توبہ و استغفار لازم ہے اس کے بعد کفارۂ ظہار دیدے تاکہ حرمت مباشرت آئندہ کے لئے زائل ہو جائے۔ کفارۂ ظہار کے علاوہ دوسرا کفارہ جس کو کفارۂ مباشرت کہا جا سکتا ہے واجب نہیں۔

امام مالکؒ نے موطا میں ایسے شخص کے بارہ میں جو ظہار کرنے کے بعد کفارہ ادا کرنے سے پہلے مرتکب مباشرت ہو جائے ذکر کیا ہے کہ ایسا شخص آئندہ کفارہ ادا کرنے تک مباشرت نہ کرے اور اللہ سے استغفار کرے امام مالک نے فرمایا میں نے اس سلسلہ میں جو کچھ سنا ہے سب سے بہتر یہی صورت ہے۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ
یہ حکم اس واسطے کہ تابعدار ہو جاؤ اللہ کے اور اسکے رسول کے ☆

☆ یعنی جاہلیت کی باتیں چھوڑ کر اللہ و رسول کے احکام پر چلو جو مومن کامل کی شان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لِتُؤْمِنُوْا ۔ ایمان سے مراد ہے احکام شرعیہ پر عمل۔ جیسے آیت كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ میں ایمان سے مراد نماز ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ نے یہ احکام اس لئے دیئے ہیں کہ تم ان پر عمل کرو اور جاہلیت کے دستور و رواج کو چھوڑ دو۔ (تفسیر مظہری)

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ
اور یہ حدیں باندھی ہیں اللہ کی اور منکروں کے واسطے
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝٤ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ
عذاب ہے دردناک جو لوگ کہ مخالفت کرتے ہیں
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ
اللہ کی اور اُس کے رسول کی وہ خوار ہوئے جیسے کہ خوار ہوئے ہیں
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ
وہ لوگ جو اُن سے پہلے تھے اور ہم نے اُتاری ہیں
اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ
آیتیں بہت صاف اور منکروں کے واسطے عذاب ہے
مُّهِيْنٌ ۝٥ ج
ذلت کا ☆

حدود اللہ ☆ یعنی مومنین کا کام نہیں کہ اللہ کی باندھی ہوئی حدود سے تجاوز کریں۔ باقی رہے کافر جو حدود اللہ کی پروا نہیں کرتے اور خود اپنی رائے و خواہش سے حدیں مقرر کرتے ہیں انہیں چھوڑیے کہ ان کے لیے دردناک

عذاب تیار ہے۔ ایسے لوگ پہلے زمانہ میں بھی ذلیل وخوار ہوئے اور اب بھی ہو رہے ہیں اللہ کی روشن اور صاف صاف آیتیں سن لینے کے بعد انکار پر جمے رہنا اور خدائی احکام کی عزت واحترام نہ کرنا اپنے کو ذلت کے عذاب میں پھنسانے کا مرادف ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ
جس دن کہ اُٹھا ئیگا اللہ ان سب کو پھر جتلائیگا اُن کو

بِمَا عَمِلُوْا
اُن کے کئے کام ☆

☆ یعنی جو کام کیے تھے ان سب کا نتیجہ سامنے آجائے گا کوئی ایک عمل بھی غائب نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

فَيُنَبِّئُهُمْ ۔ یعنی علی الاعلان سب کے سامنے رسوا کرنے کے لئے اللہ ان کو ان کے اعمال سے باخبر کرے گا تا کہ سب کے سامنے ان کو عذاب دیا جا سکے۔ (تفسیر مظہری)

اَحْصٰهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ
اللہ نے وہ سب گن رکھے ہیں اور وہ بھول گئے' اور اللہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝
کے سامنے ہے ہر چیز ☆

سب کے اعمال محفوظ ہیں ☆ یعنی انکو اپنی عمر بھر کے بہت سے کام یاد بھی نہیں رہے یا ان کی طرف توجہ نہیں رہی لیکن اللہ کے ہاں وہ سب ایک ایک کر کے محفوظ ہیں۔ وہ سارا دفتر اس دن کھول کر سامنے رکھ دیا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

اَحْصٰهُ اللّٰهُ ۔ یعنی اللہ کا علم ان کے سارے اعمال کو محیط ہے ان کا کوئی عمل اللہ کے علم سے باہر نہیں۔

وَنَسُوْهُ ۔ یعنی بد عملی کی کثرت یا ان کے بے پروائی اور بیباکی کی وجہ سے وہ اپنے کئے ہوئے اعمال کو بھول گئے۔ جو اہم اور عظیم کام ہوتا ہے اس کو یاد رکھا جاتا ہے اور ان کی نظر میں گناہوں کی اہمیت نہیں اس لئے ان کو بھول گئے۔

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۔ یعنی اللہ سے کوئی چیز غائب نہیں۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں

وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ
اور جو کچھ ہے زمین میں' کہیں نہیں ہوتا

نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا
مشورہ تین کا جہاں وہ نہیں ہوتا اُن میں چوتھا اور نہ

خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰى
پانچ کا جہاں وہ نہیں ہوتا اُن میں چھٹا اور نہ اُس سے کم

مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ
اور نہ زیادہ جہاں وہ نہیں ہوتا اُن کے ساتھ

اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ
جہاں کہیں ہوں ☆

سب کچھ اللہ کے سامنے ہے ☆ یعنی صرف ان کے اعمال ہی پر کیا منحصر ہے اللہ کے علم میں تو آسمان وزمین کی ہر چھوٹی بڑی چیز ہے کوئی مجلس کوئی سرگوشی اور کوئی خفیہ سے خفیہ مشورہ نہیں ہوتا جہاں اللہ اپنے علم محیط کے ساتھ موجود نہ ہوں جہاں تین آدمی چھپ کر مشورہ کرتے ہوں نہ سمجھیں کہ وہاں کوئی چوتھا نہیں سن رہا اور پانچ کی کمیٹی خیال نہ کرے کہ کوئی چھٹا سننے والا نہیں۔ خوب سمجھ لو کہ تین ہوں یا پانچ یا اس سے کم زیادہ کہیں ہوں کسی حالت میں ہوں اللہ تعالیٰ ہر جگہ اپنے علم محیط سے ان کے ساتھ ہے کسی وقت ان سے جدا نہیں (تنبیہ) مشورہ میں اگر صرف دو شخص ہوں تو بصورت اختلاف ترجیح میں دشواری ہوتی ہے اسی لیے عموماً معاملات مہمہ میں طاق عدد رکھتے ہیں اور ایک کے بعد پہلا طاق عدد تین تھا پھر پانچ شاید اس لیے ان دو کو اختیار فرمایا اور آگے "وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ" سے تعمیم فرما دی۔ باقی حضرت عمر کا شوریٰ خلافت کو چھ بزرگوں میں دائر کرنا (حالانکہ چھ کا عدد طاق نہیں) اس لئے ہوگا کہ اس وقت یہی چھ خلافت کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق تھے۔ جن میں سے کسی کو چھوڑا نہیں جا سکتا تھا۔ نیز خلیفہ کا انتخاب انہی چھ میں سے ہو رہا تھا تو ظاہر ہے جس کا نام آتا اس کو سوائے رائے دینے والے تو پانچ ہی رہتے ہیں۔ پھر بھی احتیاطاً حضرت عمرؓ نے بصورت مساوات ایک جانب کی ترجیح کے لیے عبداللہ بن عمرؓ کا نام لے دیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ ۔ یعنی اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے اور اس طرح تین کے عدد کو چار کر دیتا ہے۔ اللہ کی معیت بے کیفیت ہے اس کی کیفیت بیان نہیں

کی جاسکتی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو اس کی سرگوشی کا علم ہوتا ہے۔

تخصیص عدد کی وجہ: تین اور پانچ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر یا تو اس وجہ سے کیا گیا کہ آیت کا نزول مخصوص واقعہ سے تعلق رکھتا ہے منافقوں نے باہم سرگوشیاں کی تھیں۔ انہیں کے سلسلہ میں اس آیت کا نزول ہوا۔

یا تخصیص عددی کی یہ وجہ ہے کہ اللہ طاق ہے طاق عدد کو ہی پسند کرتا ہے (اگرچہ اس کے طاق ہونے کا معنی ہے ایک ہونا اور ایک عدد نہیں آغاز عدد جفت سے ہوتا ہے اور تین کا عدد پہلا طاق عدد ہے اور پانچ دوسرا طاق عدد ہے) اور باہم مشورہ کے لئے کم سے کم تین آدمی ہونے چاہئیں۔ دو تو وہ ہوں گے جن کی رائے میں باہم اختلاف ہوگا اور تیسرا وہ ہوگا جو فریقین میں سے کسی ایک کی رائی کو ترجیح دے گا اس طور پر باہم مشورہ کے لئے کم سے کم تین آدمی کا ہونا ضروری ہے۔ یہ تو انفرادی مشورہ کی صورت ہے یعنی ایک شخص ایک رائے رکھتا ہے اور دوسرا شخص دوسرا خیال رکھتا ہے۔ لیکن باہم مشورہ کبھی جماعتوں میں بھی ہوتا ہے اور جماعت کا ادنی درجہ دو ہے۔ اس صورت میں کم سے کم ایک طرف دو ہونے اور دوسری رائے رکھنے والے بھی کم سے کم دو ہوں گے اور دونوں فریقوں کا فیصلہ کرنیوالا اور ایک فریق کی رائے کو فریق ثانی پر ترجیح دینے والا پانچواں شخص ہوگا اس طرح یہ کمیٹی پانچ آدمیوں کی ہو جائے گی۔ اب رہے تین سے کم باہم مشورہ۔ یعنی دو کا مشورہ یا تین اور پانچ سے زائد۔ یعنی چار اور چھ۔ اور اس سے زائد تو اس کی طرف اشارہ ولا ادنی من ذلک ولا اکثر میں کر دیا گیا۔

اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ ۔ مگر اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے یعنی اللہ کو ان کے مشورہ کی اطلاع ہوتی ہے۔ اللہ کے ساتھ ہونے کی کیفیت ناقابل بیان ہے۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ
پھر جتلا دیگا اُن کو جو کچھ اُنہوں نے کیا قیامت
الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ
کے دن' بیشک اللہ کو معلوم ہے ہر چیز
عَلِيْمٌ ⑦ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا
تو نے نہ دیکھا اُن لوگوں کو جن کو منع
عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا
ہوئی کانا پھوسی پھر بھی وہی کرتے ہیں جو منع

عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
ہو چکا ہے اور کان میں باتیں کرتے ہیں گناہ کی اور زیادتی کی
وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ؗ
اور رسول کی نافرمانی کی ☆

سبب نزول ☆ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھ کر منافق سرگوشیاں کرتے۔ مجلس والوں کا مذاق اڑاتے۔ ان پر عیب پکڑتے ایک دوسرے کے کان میں اس طرح بات کہتا اور آنکھوں سے اشارے کرتا جس سے مخلص مسلمانوں کو تکلیف ہوتی اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر کہتے "یہ مشکل کام ہم سے کہاں ہو سکے گا" پہلے سورہ "نساء" میں اس طرح کی سرگوشیوں سے منع کیا جا چکا تھا۔ لیکن یہ موذی بے حیاء پھر بھی اپنی حرکتوں اور زیادتیوں سے باز نہ آئے۔ اس پر یہ آیتیں اتریں۔ (تفسیر عثمانی)

ابن ابی حاتم نے بروایت مقاتل بن حبان بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہودیوں کے درمیان معاہدہ مصالحت تھا اسی زمانے میں جب کوئی صحابی یہودیوں کی طرف سے گذرتا تھا وہ چپکے چپکے آپس میں کچھ باتیں کرنے لگتے تھے صحابی کو یہ خیال ہوتا تھا کہ یہ لوگ مجھے قتل کرنے یا دکھ پہنچانے کی سازش کر رہے تھے۔

بغوی کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ مسلمان جب یہودیوں کو چپکے چپکے سرگوشیاں کرتے دیکھتے تھے تو کہتے تھے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان کو ہمارے فوجی دستوں کے مارے جانے یا مرنے یا شکست کھا کر بھاگنے کی کوئی اطلاع ملی ہے اس وجہ سے تو یہ سرگوشیاں کر رہے ہیں اس خیال سے مسلمانوں کے دلوں کو دکھ پہنچتا تھا اور وہ غمگین ہو جاتے تھے۔ جب ایسے واقعات بہت ہونے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی زبانی بار بار اس کی شکایات سنیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو اس طرح سرگوشیاں کرنے کی ممانعت فرما دی لیکن وہ باز نہیں آئے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ ۔ یعنی (علی الاعلان) رسوا کرنے اور مستحق سزا قرار دینے کے لئے ان کو قیامت کے دن اللہ ان کے سارے اعمال سے آگاہ فرمائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔ چونکہ اللہ تمام ذات وصفات کا خالق اور احوال کو الٹ پلٹ کرنے والا ہے اس لئے یقیناً ہر چیز سے بخوبی واقف ہے۔ (تفسیر مظہری)

مجلس کے ادب: حضرت شاہ عبدالقادرؒ اپنے فوائد میں لکھتے ہیں "مجلس میں دو شخص کان میں بات کریں تو دیکھنے والے کو غم ہو کہ مجھ سے کیا حرکت

ہوئی جو یہ چھپ کر کہتے ہیں''۔

احادیث میں اس بات کی ممانعت آئی ہے کہ مجلس میں ایک آدمی کو چھوڑ کر دو شخص آپس میں سرگوشی کرنے لگیں کیونکہ اس صورت میں لامحالہ تیسرا شخص غمگین ہوگا۔

بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا کُنْتُمْ ثَلٰثَۃً فَلَا یَتَنَاجَا رَجُلَانِ دُوْنَ الْاٰخَرِ حَتّٰی یَخْتَلِطُوْا بِالنَّاسِ فَاِنَّ ذٰلِکَ یَحْزُنُہٗ۔ ''یعنی جس جگہ تم تین آدمی جمع ہوتو دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر باہم سرگوشی اور خفیہ باتیں نہ کیا کرو جب تک دوسرے آدمی نہ آجائیں' کیونکہ اس سے اس کی دلشکنی ہو گی'' (غیریت اور اجنبیت کا احساس ہوگا اور ممکن ہے کہ ایسے شبہات پیدا ہو جائیں کہ شاید یہ دونوں کوئی بات میرے خلاف کر رہے ہیں جو مجھ سے چھپاتے ہیں) (از مظہری) (معارف مفتی اعظم)

وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ

اور جب آئیں تیرے پاس تجھ کو وہ دعا دیں جو

يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ

دعا نہیں دی تجھ کو اللہ نے اور کہتے ہیں اپنے دل

اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا

میں کیوں نہیں عذاب کرتا ہم کو اللہ اُس پر جو

نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ

ہم کہتے ہیں کافی ہے اُن کو دوزخ داخل ہونگے اس میں

فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۸

سو بُری جگہ پہنچے ☆

یہودیوں کی شرارت ☆ یعنی اللہ نے تو آپ کو دوسرے انبیا کے ساتھ یہ دعائیں دی ہیں ''سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ'' اور ''سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی'' اور مومنین کی زبانوں سے ''السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' مگر بعض یہود جب آپ کے پاس آتے تو بجائے السلام علیک کے دبی زبان سے ''السام علیک'' کہتے جس کے معنی ہیں ''تجھے موت آئے'' گویا اللہ نے جو سلامتی کی دعا آپ کو دی تھی اس کے خلاف بددعا دیتے تھے۔ پھر آپس میں کہتے کہ اگر یہ واقعی رسول ہے تو اس کہنے سے ہم پر فوراً عذاب کیوں نہیں آتا۔ اس کا جواب دیا ''حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ'' یعنی جلدی نہ کرو۔ ایسا کافی عذاب آئیگا جس کے سامنے دوسرے عذاب کی ضرورت نہ ہوگی (تنبیہ) احادیث میں ''یہود'' کے متعلق آیا ہے کہ ''السلام'' کی جگہ ''السام'' کہتے تھے۔ ممکن ہے بعض منافقین بھی ایسا کہتے ہونگے کیونکہ منافق عموماً یہودی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب کوئی یہودی یہ کہتا آپ جواب میں صرف ''وعلیک'' فرما دیتے ایک مرتبہ عائشہ صدیقہؓ نے ''السام علیک'' کے جواب میں یہودی کو ''علیک السام واللعنہ'' کہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کمال خلق سے یہ جواب پسند نہ آیا۔ (تفسیر عثمانی)

بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۔ یہودی بجائے السلام علیکم کے السام علیکم کہتے تھے سام کا معنی ہے موت (گویا دھوکہ دیتے تھے اور دعا کی بجائے درپردہ بددعا کرتے تھے)۔

وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۔ اور اپنے دلوں میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہٹ کر آپس میں کہتے ہیں۔

حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۔ ان کو عذاب دینے کے لئے جہنم کافی ہے۔

گفتگو کا ادب: حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ یہودیوں کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی درخواست کی (اجازت ملنے کے بعد وہ آئے اور) کہا السام علیکم میں نے (یہ لفظ سن لیا اور) کہا بل علیکم السام والعنۃ (تم پر ہلاکت اور لعنت ہو) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ اللہ رفیق ہے (یعنی رفیق الکلام ہے) اور ہر کام میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔ میں نے عرض کیا کیا آپ نے ان کی بات نہیں سنی انہوں نے فرمایا۔ میں نے بھی وعلیکم کہہ دیا تھا۔ دوسری روایت میں ہے میں نے بھی علیکم (بغیر واؤ کے) کہہ دیا تھا۔ بخاری کی روایت ہے کہ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے السام علیکم کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی (جواب میں) علیکم فرما دیا حضرت عائشہؓ (سے ضبط نہ ہوا اور آپ) نے کہا السام علیکم ولعنکمُ اللّٰہُ وَغَضِبَ علیکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ نرمی اختیار کرو درشت کلامی اور فحش سے پرہیز کرو حضرت عائشہ نے عرض کیا کیا آپ نے ان کی بات نہیں سنی فرمایا میں نے جو کہا وہ تم نے نہیں سنا میں نے تو ان کی بات انہیں پر لوٹا دی میری بددعا ان کے حق میں قبول ہوگی اور ان کی بددعا میرے حق میں قبول نہیں ہوگی۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم فحش گو نہ بنو اللہ فحش گوئی کو پسند نہیں کرتا۔ حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب یہودی تم کو سلام کرتے ہیں تو ان میں سے کچھ لوگ السام علیکم کہتے ہیں تم بھی علیکم کہہ دیا کرو متفق علیہ۔ حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اہل کتاب تم کو سلام کریں تو تم علیکم کہہ دیا کرو۔ (متفق علیہ) (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَا

اے ایمان والو جب تم کان

جِئْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ

میں بات کرو تو مت کرو بات گناہ کی

وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ

اور زیادتی کی اور رسول کی نافرمانی کی

وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى

اور بات کرو احسان کی اور پرہیزگاری کی ☆

مسلمانوں کے مشورے ☆یعنی سچے مسلمانوں کو منافقین کی خو سے بچنا چاہیے ان کی سرگوشیاں اور مشورہ ظلم وعدوان اور اللہ ورسول کی نافرمانی کے لیے نہیں بلکہ نیکی اور تقویٰ اور معقول باتوں کی اشاعت کے لیے ہونے چاہئیں جیسا کہ سورۃ "نساء" میں گذرا "لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ (نساء رکوع ۱۷) (تفسیر عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۔ مقاتل نے کہا اس آیت میں خطاب منافقوں کو ہے جو صرف زبانوں سے اسلام کا دعویٰ کرتے تھے دلوں میں ایمان نہیں تھا۔ عطاء نے کہا وہ مومن مراد ہیں جو اپنے خیال کے بموجب ایمان لے آئے تھے۔

فَلَا تَتَنَاجَوْا ۔ یعنی یہودیوں کی طرح سرگوشیاں نہ کرو۔

وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ ۔ البر سے مراد ہے اداء فرائض۔ طاعت اور ہر وہ بات جس میں مسلمانوں کی بھلائی ہو۔

وَالتَّقْوٰى ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے پرہیز۔ (تفسیر مظہری)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹﴾

اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس تم کو جمع ہونا ہے ☆

اللہ سے ڈرو ☆یعنی سب کو اللہ کے سامنے جمع ہو کر ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے۔ اس سے کسی کا ظاہر وباطن پوشیدہ نہیں لہٰذا اس سے ڈر کر نیکی اور پرہیزگاری کی بات کرو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔ یعنی ہر عمل اور ترک عمل میں اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ ہر عمل وترک کا بدلہ اللہ ضرور دیگا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ

یہ جو ہے کانا پھوسی سو شیطان کا کام ہے تاکہ دلگیر کرے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ

ایمان والوں کو اور وہ اُن کا کچھ نہ بگاڑیگا

شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ

بدون اللہ کے حکم کے اور اللہ پر چاہئے کہ

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾

بھروسہ کریں ایمان والے ☆

منافق کچھ نہیں بگاڑ سکتے ☆یعنی منافقین کی کانا پھوسی (سرگوشی) اسی غرض سے تھی کہ ذرا مسلمان رنجیدہ اور دلگیر ہوں اور گھبرا جائیں کہ نامعلوم یہ لوگ ہماری نسبت کیا منصوبے سوچ رہے ہونگے۔ یہ کام شیطان ان سے کرا رہا تھا۔ مگر مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ شیطان ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس کے قبضہ میں کیا چیز ہے۔ نفع نقصان سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا حکم نہ ہو کتنے ہی مشورے کر لیں اور منصوبے گانٹھ لیں تمہارا بال بیکا نہ ہو گا۔ لہٰذا تم کو غمگین ودلگیر ہونے کے بجائے اپنے اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے (تنبیہ) احادیث میں ممانعت آئی ہے کہ مجلس میں ایک آدمی کو چھوڑ کر دو شخص کانا پھوسی کرنے لگیں کیونکہ وہ تیسرا غمگین ہوگا یہ مسئلہ بھی ایک طرح آیۃ ہٰذا کے تحت میں داخل ہو سکتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "مجلس میں دو شخص کان میں بات کریں تو دیکھنے والے کو غم ہو کہ مجھ سے کیا حرکت ہوئی جو یہ چھپ کر کہتے ہیں"۔ (تفسیر عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ

اے ایمان والو جب کوئی تم کو کہے

لَكُمْ تَفَسَّحُوْا

کہ کھل کر بیٹھو ☆

☆یعنی اس طرح بیٹھو کہ جگہ کھل جائے اور دوسروں کو بھی موقع بیٹھنے کا ملے۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول: بغوی نے مقاتل ابن حبان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدری مہاجرین وانصار کی عزت فرماتے تھے۔ ایک روز کچھ بدری حضرات خدمت گرامی میں حاضر ہوئے ان کے آنے سے پہلے اور لوگ مجلس میں بیٹھ چکے تھے مجبوراً یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گردا گرد کھڑے ہوگئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ نے سلام کا جواب دیا پھر انہوں نے حاضرین کو سلام کیا انہوں نے بھی جواب دیا یہ حضرات کھڑے انتظار کرتے رہے کہ مسلمان ان کو جگہ دیدیں لیکن کسی نے جگہ نہیں دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار ہوئی اور اپنے پاس والے شخص کو حکم دیا

اے فلاں کھڑا ہو جا اسی طرح دوسرے سے فرمایا تو بھی (اٹھ جا) غرض جتنے بدری صحابی کھڑے تھے ان کی تعداد کے بقدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے حاضرین کو اٹھایا اور بدریوں کو ان کی جگہ پر بیٹھ جانے کا حکم دیدیا اٹھنے والوں کو یہ حکم شاق گذرا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے چہروں پر ناگواری کے آثار محسوس کرلئے اس پر آیات کا نزول ہوا۔ (تفسیر مظہری)

مجلس کا ادب: مجلس کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دو شخصوں کے درمیان بغیر ان کی اجازت کے داخل نہ ہو، کہ بعض اوقات دونوں کے یک جا بیٹھنے میں اُن کی کوئی خاص مصلحت ہوتی ہے، حضرت اُسامہ بن زید لیثیؒ کی روایت ابوداؤد ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَا یَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ یُّفَرِّقَ بَیْنَ اِثْنَیْنِ اِلَّا بِاِذْنِہِمَا "یعنی کسی شخص کے لئے حلال نہیں کہ دو شخص جو ملے بیٹھے ہیں ان کے درمیان تفریق پیدا کرے جب تک کہ ان سے ہی اجازت نہ ملے (ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ
مجلسوں میں تو کھل جاؤ اللہ کشادگی
اللّٰہُ لَکُمْ ج
دے تم کو☆

☆یعنی اللہ تمہاری تنگیوں کو دور کریگا اور اپنی رحمت کے دروازے کشادہ کردیگا۔ (تفسیر عثمانی)

آداب مجلس: بغوی نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی ایسا نہ کرے کہ کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر پھر اس جگہ بیٹھ جائے بلکہ کشائش اور وسعت کرلیا کرو۔

بغوی نے بطریق شافعی حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن اپنے (مسلمان) بھائی کو (اس کی جگہ سے) نہ اٹھائے بلکہ یوں کہے جگہ کھولدو۔ (مجھے بھی جگہ دو)۔

ابوالعالیہ، قرظی اور حسن نے کہا یہ حکم لڑائی کے مقامات اور دشمن سے جنگ کرنے کی جگہ کے سلسلہ میں تھا۔ بعض لوگ مجاہدوں کی لائن میں داخل ہو جاتے اور کہتے تھے ہمارے لئے جگہ کھولدو لیکن پہلے سے جو مجاہد موجود ہوتے تھے وہ دشمن سے لڑنے اور شہید ہونے کے بڑے حریص ہوتے تھے اس لئے نوواردوں کو لائن میں جگہ نہیں دیتے تھے اس پر یہ حکم نازل ہوا۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا
اور جب کوئی کہے کہ اُٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کھڑے ہو☆

☆حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ آداب ہیں مجلس کے کوئی آئے اور جگہ نہ پائے تو چاہئے سب تھوڑا تھوڑا ہٹیں تا مکان حلقہ کا کشادہ ہو جائے یا (اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوں اور) پرے ہٹ کر حلقہ کرلیں۔ (یا بالکل چلے جانے کو کہا جائے تو چلے جائیں) اتنی حرکت میں غرور (یا بخل) نہ کریں خو نیک پر اللہ مہربان ہے اور خوئے بد سے بیزار" (تنبیہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم پرنور کی مجلس میں ہر شخص آپ کا قرب چاہتا تھا جس سے کبھی مجلس میں تنگی پیش آتی تھی حتی کہ بعض مرتبہ اکابر صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جگہ نہ ملتی اس لیے یہ احکام دیئے گئے تا ہر ایک کو درجہ بدرجہ استفادہ کا موقع ملے اور نظم وضبط قائم رہے۔ اب بھی اس قسم کی انتظامی چیزوں میں صدر مجلس کے احکام کی اطاعت کرنا چاہیے۔ اسلام ابتری اور بدنظمی نہیں سکھلاتا۔ بلکہ انتہائی نظم وشائستگی سکھلاتا ہے۔ اور جب عام مجالس میں یہ حکم ہے تو میدان جہاد اور صفوف جنگ میں تو اس سے کہیں بڑھ کر ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ لا
اللہ بلند کریگا اُنکے لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں تم میں سے
وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ط
اور علم اُنکے درجے ☆

☆یعنی سچا ایمان اور صحیح علم انسان کو ادب وتہذیب سکھلاتا اور متواضع بناتا ہے۔ اہل علم وایمان جس قدر کمالات ومراتب میں ترقی کرتے ہیں اسی قدر جھکتے اور اپنے کو ناچیز سمجھتے جاتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ ان کے درجے اور زیادہ بلند کرتا ہے "من تواضع للہ رفعه اللہ" یہ متکبر بددین یا جاہل گنوار کا کام ہے کہ اتنی سی بات پر لڑے کہ مجھے یہاں سے کیوں اٹھادیا اور وہاں کیوں بٹھادیا یا مجلس سے اٹھ جانے کو کیوں کہا افسوس کہ آج بہت سے بزرگ اور عالم کہلانے والے اسی خیالی اعزاز کے سلسلہ میں غیر مختتم جنگ آزمائی اور مورچہ بندی شروع کردیتے ہیں " اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ "۔ (تفسیر عثمانی)

علماء کی فضیلت: علماء سے مراد باعمل علماء ہیں۔ باعمل اہل علم کو اللہ وہ درجات عنایت کرتا ہے جو جاہل باعمل لوگوں کو نہیں عطا فرماتا۔ کیوں کہ عالم کے علم وعمل کی اقتداء کی جاتی ہے پس عالم کو اپنے کئے ہوئے کا ثواب تو دیا ہی جاتا ہے ان لوگوں کے عمل کا بھی پورا پورا اجر عنایت کیا جاتا ہے جو عالم کی اقتداء میں نیک عمل کرتے ہیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اصل نیکی

کرنے والوں کا کچھ ثواب کاٹ کر علماء کو دے دیا جاتا ہے ایسا نہیں ہوتا بلکہ ان مقتدیوں کو بھی انکی نیکی کا ثواب پورا پورا دیا جاتا ہے۔

مسلم نے حضرت جریر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کیا (اور اس پر لوگوں نے عمل کیا) تو اس کو اس طریقہ پر عمل کرنے کا اجر ملیگا اور ساتھ ہی ان لوگوں کے عمل کا بھی ثواب ملے گا۔ جو اس طریقہ پر چلتے رہیں گے لیکن عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ عابد پر عالم کی برتری ایسی ہے جیسی چودھویں رات کے چاند کی برتری باقی ستاروں پر۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے وارثت میں نہ کوئی دینار چھوڑا نہ درہم صرف علم کی میراث چھوڑی جس نے اس میراث کو لیا وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ امام احمدؒ اور اصحاب السنن نے یہ حدیث کثیر بن قیس کی روایت سے اور بقول ترمذی قیس بن کثیر کی روایت سے بیان کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسی (تم میں سے سب سے) اعلیٰ کی سب سے ادنیٰ پر۔ رواہ الترمذی من حدیث ابی امامۃ الباہلی۔

علم کی فضیلت: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے مسجد میں دو جگہ جلسہ ہو رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گذرے فرمایا دونوں مجلسیں مبنی بر خیر ہیں لیکن ایک دوسری سے افضل ہے۔ یہ لوگ تو اللہ سے دعا کر رہے ہیں اور اس کی طرف راغب ہیں اگر اللہ چاہے گا ان کو دے گا نہ دینا چاہے گا نہیں دے گا۔ اور وہ لوگ فقہ اور (دین کا) علم سیکھتے ہیں اور ناواقفوں کو سکھاتے ہیں اس لئے یہ لوگ (اول گروہ ہے) بڑھ کر ہیں اور مجھے تو تعلیم دہندہ بنا کر بھیجا گیا ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی (معلمین اور متکلمین) کے گروہ کے پاس بیٹھ گئے۔ رواہ الدارمی۔

حسن نے کہا حضرت ابن مسعود نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا لوگو اس آیت کو سمجھو یہ تم کو علم کی رغبت دلا رہی ہے اللہ فرما رہا ہے کہ مؤمن عالم مؤمن ناواقف سے بہت درجے اونچا ہے۔

آیت مذکورہ سے یہ بات بطور اشارہ معلوم ہو رہی ہے۔ کہ بدری صحابی اس اعزاز کے مستحق تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا کرتے تھے اور (بدریوں کے لئے جگہ چھوڑ دینے کا) جو حکم اللہ کے رسول نے دیا تھا وہ ٹھیک تھا اور جن لوگوں نے اس حکم کی تعمیل کی ان کو ثواب دیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪
اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو ☆

☆ یعنی ہر ایک کو اس کے کام اور لیاقت کے موافق درجے عطا کرتا ہے اور وہ ہی جانتا ہے کہ کون واقعی ایماندار اور اہل علم ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔ اور اللہ تمہارے اعمال سے پورے طور پر باخبر ہے یعنی تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تم کو اس کا بدلہ دے گا۔

اس جملہ میں عمل کی ترغیب ہے اور جن لوگوں نے حکم کی تعمیل نہیں کی بلکہ اس کو نامناسب سمجھا ان کے لئے تہدید ہے۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ
اے ایمان والو جب تم کان میں بات
الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ
کہنا چاہو رسول سے تو آگے بھیجو اپنی بات
نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ
کہنے سے پہلے خیرات یہ بہتر ہے
لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا
تمہارے حق میں اور بہت ستھرا پھر اگر نہ پاؤ
فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫
تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ☆

منافقوں کا علاج ☆ منافق بے فائدہ باتیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کان میں کرتے کہ لوگوں میں اپنی بڑائی جتائیں اور بعض مسلمان غیر مبہم باتوں میں سرگوشی کر کے اتنا وقت لے لیتے تھے کہ دوسروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفید ہونے کا موقع نہ ملتا تھا یا کسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلوت چاہتے تو اس میں بھی تنگی ہوتی تھی۔ لیکن مروت و اخلاق کے سبب کسی کو منع نہ فرماتے اس وقت یہ حکم ہوا کہ جو مقدرت والا آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنا چاہے وہ اس سے پہلے کچھ خیرات کر کے آیا کرے اس میں کئی فائدے ہیں غریبوں کی خدمت، صدقہ کرنیوالے کے نفس کا تزکیہ، مخلص و منافق کی تمیز، سرگوشی کرنیوالوں کی تقلیل وغیر ذٰلک ہاں جس کے پاس خیرات کرنے کو کچھ نہ ہو اس سے یہ قید معاف ہے۔ جب یہ حکم اترا منافقین نے مارے بخل کے وہ عادت چھوڑ دی اور مسلمان بھی سمجھ گئے کہ زیادہ سرگوشیاں کرنا اللہ کو پسند نہیں اسی لیے یہ قید لگائی ہے۔ آخر یہ حکم اگلی آیت سے منسوخ فرما دیا۔ (تفسیر عثمانی)

تنگدست حضرات کا مسئلہ: ابن ابی حاتم کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی تو بہت لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے سے رک گئے اور (مسائل) دریافت کرنے سے باز رہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو سے رک گئے تنگ دست تو اپنی ناداری کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے سے معذور ہو گئے اور مالدار لوگ اپنی کنجوسی کی وجہ سے ہم کلامی سے محروم ہو گئے۔ صحابہؓ پر یہ محرومی بڑی گراں گذری اسکے بعد (بغیر کچھ خیرات کئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (مسائل پوچھنے کی) اجازت ہو گئی۔

حضرت علیؓ کا امتیاز: تفسیر مدارک میں آیا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرتا تو ایک درہم خیرات کر دیا کرتا تھا۔ اور میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دس مسائل دریافت کئے آپ نے مجھے ان کے جواب دیئے۔ (۱) میں نے پوچھا تھا یا رسول اللہ (عہد کی) وفا کیا ہے فرمایا اقرار واحدانیت اور لا الہ الا اللہ کی شہادت' (۲) میں نے پوچھا فساد سے کیا مراد ہے فرمایا کفر باللہ اور شرک۔ (۳) میں نے کہا حق کیا ہے فرمایا اسلام اور قرآن اور ولایت (۴) میں نے پوچھا حیلہ کیا ہے فرمایا ترک حیلہ (قطع اسباب) (۵) میں نے کہا مجھ پر کیا چیز لازم ہے فرمایا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت (۶) میں نے کہا اللہ سے دعا میں کس طرح کروں فرمایا خلوص اور یقین کے ساتھ (۷) میں نے عرض کیا اللہ سے میں کیا مانگوں فرمایا عافیت (دوزخ سے اور دنیوی مصائب سے حفاظت) (۸) میں اپنی نجات کے لئے کیا کروں فرمایا حلال (روزی) کھاؤ اور سچ کہو۔ (۹) میں نے عرض کیا سرور (خوشی) کیا ہے؟ فرمایا جنت (۱۰) میں نے عرض کیا راحت (چین آرام سکون) کیا ہے فرمایا اللہ سے ملاقات (یعنی اللہ کا دیدار) جب میں یہ سوالات کر چکا اور جواب مل چکا تو اس حکم کو منسوخ کرنے والی آیت ذیل نازل ہوئی۔

ترمذی نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا اور اس روایت کو حسن کہا ہے کہ جب آیت یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (علیؓ) تمہاری کیا رائے ہے (مقدار صدقہ) ایک دینار ہونا چاہئے۔ (یعنی دس درہم) میں نے عرض کیا لوگوں میں اس کی طاقت نہیں ہوگی فرمایا (اچھا) تو نصف دینار میں نے عرض کیا اس کی بھی استطاعت نہیں ہوگی فرمایا تو پھر کیا مقدار ہونی چاہیے میں نے عرض کیا ایک جو (مثلاً ایک پیسہ) فرمایا تم بڑے زاہد ہو اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ
کیا تم ڈر گئے کہ آگے بھیجا کرو کان کی بات
نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۚ فَاِذْ لَمْ
سے پہلے خیراتیں سو جب تم نے
تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ
نہ کیا اور اللہ نے معاف کر دیا تم کو
فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
تو اب قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ
وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَاللّٰهُ
اور حکم پر چلو اللہ کے اور اُسکے رسول کے اور اللہ
خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾
کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو ☆

پچھلے حکم کی منسوخی ☆ یعنی صدقہ کا حکم دینے سے جو مقصد تھا حاصل ہو گیا۔ اب ہم نے یہ وقتی حکم اٹھا لیا ہے چاہیے کہ ان احکام کی اطاعت میں ہمہ تن لگے رہو جو کبھی منسوخ ہونے والے نہیں۔ مثلاً نماز وزکوۃ وغیرہ اس سے کافی تزکیہ نفس ہو جائیگا (تنبیہ) "فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم پر عام طور سے عمل کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ بعض روایات میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس حکم پر امت میں سے صرف میں نے عمل کیا۔ (تفسیر عثمانی)

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا۔ یعنی کیا تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو گیا یا یہ مطلب ہے کہ شیطان نے جو محتاج ہو جانے سے تم کو ڈرایا ہے تو اس وجہ سے تم خیرات کرنے سے ڈر گئے۔

فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا۔ یعنی جب مفلسی یا کنجوسی کی وجہ سے تم نے خیرات نہیں کی۔

وَتَابَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ۔ یعنی اللہ نے تم سے درگذر کی اور عذاب نہیں دیا یا تَابَ عَلَیْكُمْ کا یہ معنی ہے کہ اللہ نے تم کو صدقات کی فرضیت سے لوٹا دیا اور خیرات کے حکم کو منسوخ کر دیا اور خیرات نہ کرنے کی تم کو اجازت دیدی۔

آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ مفلس ہو جانے کا اندیشہ گناہ تھا' مگر اللہ نے اس کو معاف کر دیا۔

آئندہ آیت کا شان نزول: امام احمدؒ بزار، ابن جریرؒ طبرانی اور حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی حجرہ میں تشریف فرما تھے یا کسی حجرہ کے سایہ میں فروکش تھے اور سایہ سکڑ رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک جبار آدمی تمہارے پاس (ابھی) آئے گا۔ دوسری روایت میں آیا ہے اس کا دل جبار کے دل کی طرح ہوگا۔ یعنی وہ شیطان ہوگا۔ جب وہ آئے تو تم لوگ اس سے کلام نہ کرنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ سامنے سے ایک شخص نمودار ہوا جو نیلی آنکھوں والا اور کانا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو آتا دیکھا تو بلایا اور فرمایا تم اور تمہارے ساتھی مجھے گالیاں کیوں دیتے ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا مجھے ذرا دیر کی اجازت دیجئے میں جا کر ابھی آپ کے پاس آتا ہوں چنانچہ وہ شخص چلا گیا اور ساتھیوں کو بلا لایا اور سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قسمیں کھائیں کہ ہم نے نہ باتیں کہی ہیں نہ کی ہیں۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا
کیا تو نے نہ دیکھا اُن لوگوں کو جو دوست ہوئے ہیں
غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ
اُس قوم کے جن پر غصہ ہوا ہے اللہ☆ نہ وہ
مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ
تم میں ہیں اور نہ اُن میں ہیں☆ اور قسمیں کھاتے ہیں
عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٤﴾
جھوٹ بات پر اور اُن کو خبر ہے ☆

☆ یہ لوگ منافق ہیں اور وہ قوم یہود ہے۔ (تفسیر عثمانی)

☆ یعنی منافق نہ پوری طرح تم مسلمانوں میں شامل کیونکہ دل سے کافر ہیں، اور نہ پوری طرح اُن میں شریک کیونکہ بظاہر زبان سے اپنے کو مسلمان کہتے تھے "مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ". (تفسیر عثمانی)

☆ یعنی بے خبری اور غفلت سے نہیں جان بوجھ کر جھوٹی بات پر قسمیں کھاتے ہیں مسلمان سے کہتے ہیں "اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ" کہ وہ تم میں سے ہیں اور تمہاری طرح سچے ایماندار ہیں حالانکہ ایمان سے کوئی دور کی نسبت بھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا ۔ الذین سے مراد ہیں منافق یعنی عبداللہ بن نبتل اور اس کے ساتھی۔ اور قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے مراد ہیں یہودی یہ منافق یہودیوں کے دوست اور خیر خواہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز یہودیوں سے جا کر کہہ دیتے تھے۔

مَا هُمْ مِّنْكُمْ ۔ یعنی دین اور دوستی میں وہ تم میں سے نہیں ہیں دین کے لحاظ سے مومن نہیں اور دوستی یہودیوں سے رکھتے ہیں۔

وَلَا مِنْهُمْ ۔ اور نہ یہودیوں میں سے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ
تیار رکھا ہے اللہ نے اُن کے لئے سخت عذاب ☆

☆ جس کو دوسری جگہ فرمایا "اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ" (نساء، رکوع ۲۱) (تفسیر عثمانی)

اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٥﴾
بیشک وہ بُرے کام ہیں جو وہ کرتے ہیں ☆

☆ یعنی خواہ ابھی ان کو نظر نہ آئے لیکن نفاق کے کام کر کے وہ اپنے حق میں بہت برا بیج بو رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً
بنا رکھا ہے اپنی قسموں کو ڈھال
فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
پھر روکتے ہیں اللہ کی راہ سے
فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٦﴾
تو اُن کو ذلت کا عذاب ہے
لَنْ تُغْنِىَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ
کام نہ آئیں گے اُن کو اُن کے مال
وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ
اور نہ اُن کی اولاد اللہ کے ہاتھ سے کچھ بھی
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا
وہ لوگ ہیں دوزخ کے وہ اُسی میں

خٰلِدُوْنَ ⑰

پڑے رہیں گے ☆

منافقت کا انجام ☆ یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر مسلمانوں کے ہاتھوں سے اپنی جان و مال کو بچاتے ہیں اور اپنے کو مسلمان ظاہر کر کے دوستی کے پیرایہ میں دوسروں کو اللہ کی راہ پر آنے سے روکتے ہیں۔ سو یاد رہے کہ یہ لوگ اس طرح کچھ عزت نہیں پا سکتے۔ سخت ذلت کے عذاب میں گرفتار ہو کر رہیں گے اور جب سزا کا وقت آئیگا اللہ کے ہاتھ سے کوئی نہ بچا سکے گا۔ نہ مال کام آئیگا نہ اولاد جن کی حفاظت کے لیے جھوٹی قسمیں کھاتے پھرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا

جس دن جمع کریگا اللہ اُن سب کو

فَیَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا یَحْلِفُوْنَ

پھر قسمیں کھائیں گے اُسکے آگے جیسے کھاتے ہیں

لَكُمْ وَ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰی

تمہارے آگے اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ کچھ بھلی

شَیْءٍ ؕ

راہ پر ہیں ☆

اللہ کے سامنے جھوٹ ☆ یعنی یہاں کی عادت پڑی ہوئی وہاں بھی نہ جائیگی۔ جس طرح تمہارے سامنے جھوٹ بول کر بچ جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ہوشیار ہیں اور بڑی اچھی چال چل رہے ہیں اللہ کے سامنے بھی جھوٹی قسمیں کھانے کو تیار ہو جائینگے کہ پروردگار ہم تو ایسے نہ تھے ویسے تھے۔ شاید وہاں بھی خیال ہو کہ اتنا کہہ دینے سے رہائی ہو جائیگی۔ (تفسیر عثمانی)

یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ۔ یعنی یہ عذاب مہین اس دن ہوگا جب اللہ ان کو زندہ کر کے اُٹھائے گا اور وہ اللہ کے سامنے قسمیں کھا کھا کر کہیں گے بخدا ہم مشرک نہیں تھے جس طرح اب دنیا میں قسمیں کھا کر تم سے کہتے ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں (کافر غیر مسلم نہیں ہیں)

وَیَحْسَبُوْنَ الخ ۔ اور خیال کرتے ہیں کہ یہ ان کی نجات کا ذریعہ ہے اور جھوٹی قسمیں اللہ کے سامنے بھی ان کے کام آئیں گی۔ یقیناً یہ انتہائی جھوٹے ہیں وہ خدا جو عالم الغیب ہے اس سے بھی یہ جھوٹ بولیں گے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ⑱

سنتا ہے وہی ہیں اصل جھوٹے ☆

☆ بیشک اصل اور ڈبل جھوٹا وہی ہے جو خدا کے سامنے بھی جھوٹ کہنے سے نہ شرمائے۔ (تفسیر عثمانی)

اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ

قابو کر لیا ہے اُن پر شیطان نے

فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ

پھر بھلا دی اُن کو اللہ کی یاد ☆

شیطانی گروہ ☆ شیطان جس پر پوری طرح قابو کر لے اس کا دل و دماغ اسی طرح مسخ ہو جاتا ہے اسے کچھ یاد نہیں رہتا کہ خدا بھی کوئی چیز ہے۔ بھلا اللہ کی عظمت اور بزرگی و مرتبہ کو وہ کیا سمجھے۔ شاید محشر میں بھی جھوٹ پر قدرت دے کر اس کی بے حیائی اور حماقت کا اعلان کرنا ہو کہ اس ممسوخ کو اتنی سمجھ نہیں کہ اللہ کے آگے میرا جھوٹ کیا چلے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ ؕ اَلَاۤ

وہ لوگ ہیں گروہ شیطان کا سنتا ہے

اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ

جو گروہ ہے شیطان کا

الْخٰسِرُوْنَ ⑲

وہی خراب ہوتے ہیں ☆

☆ شیطانی لشکر کا انجام یقیناً خراب ہے نہ دنیا میں ان کے منصوبے آخری کامیابی کا منہ دیکھ سکتے ہیں نہ آخرت میں عذاب شدید سے نجات پانے کی کوئی سبیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حِزْبُ الشَّیْطٰنِ ۔ شیطان کا لشکر، شیطان کا گروہ۔

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۔ یقیناً یہ گھاٹا اٹھانے والے ہیں۔ جنت کے عوض انہوں نے دوزخ خرید لی۔

قبر میں دو گھروں کا نظارہ: حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ ایک طویل حدیث میں آیا ہے کہ کافر کے لئے قبر کے اندر جنت کی طرف ایک شگاف کسی قدر کھول دیا جاتا ہے جس سے وہ جنت کے اندر کی چیزیں اور تروتازگی دیکھ لیتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا رُخ اللہ نے تیری طرف سے پھیر دیا ہے' پھر دوزخ کی طرف ایک شگاف کھول دیا جاتا ہے جس سے کافر دوزخ کی طرف دیکھتا ہے تو دکھائی دیتا ہے کہ (آگ کے شعلے آپس میں ایسے لپٹ رہے ہیں کہ) ایک دوسرے کو کھائے جاتا ہے' کافر سے کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانہ ہے۔ رواہ ابن ماجۃ۔

یہ بھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کے دو گھر ہیں ایک جنت میں دوسرا دوزخ میں جو شخص مر کر دوزخ میں چلا جاتا ہے اس کے جنت والے گھر کے وارث اہل جنت ہو جاتے ہیں اللہ نے انہیں کے متعلق فرمایا ہے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

جو لوگ خلاف کرتے ہیں اللہ کا' اور اُس کے رسول کا'

أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿٢٠﴾ كَتَبَ

وہ لوگ ہیں سب سے بیقدر لوگوں میں اللہ لکھ چکا

اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۚ

کہ میں غالب ہونگا اور میرے رسول

إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢١﴾

بیشک اللہ زور آور ہے زبردست ☆

حق ہی غالب ہوگا ☆یعنی اللہ و رسول کا مقابلہ کرنیوالے جو حق و صداقت کے خلاف جنگ کرتے ہیں، سخت ناکام اور ذلیل ہیں۔ اللہ لکھ چکا ہے کہ آخر کار حق ہی غالب ہو کر رہیگا اور اس کے پیغمبر ہی مظفر و منصور ہوں گے۔ اس کی تقریر پہلے کئی جگہ گزر چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كَتَبَ اللَّهُ ۔ یعنی اللہ نے لوح محفوظ میں یہ اٹل فیصلہ لکھ دیا ہے۔

لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۔ زجاج نے کہا رسولوں کا غلبہ دو صورتوں میں ہے جن پیغمبروں کو کافروں سے لڑنے کا حکم دیا گیا وہ لڑائی میں غالب آئے اور جن کو لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا ان کو دلائل و براہین کے ذریعے سے غلبہ حاصل ہوا۔

قَوِيٌّ ۔ یعنی ایسا طاقتور ہے کہ کوئی اس کی مشیت میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔

عَزِيزٌ ۔ ایسا غالب ہے کہ کوئی اس پر غلبہ نہیں پا سکتا۔ (تفسیر مظہری)

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

تو نہ پائیگا کسی قوم کو جو یقین رکھتے ہوں اللہ پر

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ

اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہوئے

اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ

اللہ کے اور اسکے رسول کے خواہ وہ اپنے باپ ہوں

أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ

یا اپنے بیٹے یا اپنے بھائی یا

عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي

اپنے گھرانے کے اُن کے دلوں میں اللہ نے

قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ

لکھ دیا ہے ایمان ☆

☆یعنی ایمان انکے دلوں میں جما دیا اور پتھر کی لکیر کی طرح ثبت کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

مومن کافر سے دوستی نہیں کرتا: اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ کافروں کی دوستی سے مومن کے ایمان میں خرابی آ جاتی ہے' مومن کسی کافر سے دوستی نہیں کرتا خواہ وہ کافر اس مومن کا کتنا ہی قریب ترین رشتہ رکھتا ہو۔

شان نزول: بعض روایات میں آیا ہے کہ اس آیت کا نزول ابو حاطب بن بلتعہ کے حق میں ہوا۔ ابو حاطب نے مکہ والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض مخفی ارادوں کی اطلاع کے لئے ایک تحریر بھیج دی تھی (جو راستہ ہی میں پکڑی گئی) تفصیلی واقعہ کا بیان سورۂ ممتحنہ میں آئے گا۔

ابن المنذر نے بحوالۂ ابو جریج بیان کیا کہ ابوقحافہ نے (مسلمان ہونے سے پہلے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ بُرا کہا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ نے (اپنے باپ) ابوقحافہ کے مُکا مارا جس سے وہ گر پڑے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ابوبکر! کیا تم نے ایسی حرکت کی؟

حضرت ابوبکرؓ نے جوابدیا۔ اگر اس وقت میرے پاس تلوار ہوتی تو میں

تلوار سے اس کو مارتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم نے ابن سودہ کی روایت سے بیان کیا کہ اس آیت کا نزول حضرت عبیدہ بن جراح کے بارے میں ہوا جنہوں نے معرکۂ بدر میں اپنے باپ کو قتل کر دیا تھا' حاکم نے متدرک میں اور طبرانی نے یہ واقعہ مذکورۂ ذیل تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے بدر کی لڑائی کے دن ابو عبیدہ کے والد ابو عبیدہ کو قتل کرنے کے درپے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ اس سے کترا جاتے تھے۔ آخر جب اس کی طرف سے بار بار بکثرت ایسا واقعہ ظاہر ہوتا رہا (اور وہ نہ مانا) تو ابو عبیدہ نے اس کو قتل کر دیا مقاتل بن حبان نے بوساطت مرہ ہمدانی بیان کیا کہ آیت وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ کے متعلق حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ابو عبیدہ بن جراح نے اپنے باپ عبداللہ بن جراح کو جنگ احد میں قتل کر دیا۔

اَوْ اَبْنَآءَهُمْ ۔ یعنی ابوبکر۔ آپ نے بدر کی لڑائی کے دن اپنے بیٹے کو مقابلہ کی دعوت دی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے۔ پہلے دستہ میں بھی شامل ہو جاؤں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ابوبکرؓ ہم کو (ابھی) اپنی ذات سے فائدہ اٹھانے دو (یعنی خود میدان میں نہ جاؤ بلکہ مشیر کی حیثیت سے ہمارے ساتھ رہو)

اَوْ اِخْوَانَهُمْ ۔ یعنی حضرت مصعبؓ بن عمیر جنہوں نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو اُحد کے دن قتل کیا تھا۔

اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۔ یعنی حضرت عمرؓ' حضرت علیؓ' حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ۔ حضرت عمر نے بدر کی لڑائی میں اپنے ماموں عاصم بن ہشام کو قتل کیا تھا اور حضرت علیؓ' حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ نے بدر کے دن عتبہ بن ربیعہ شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ کو مارا تھا (قتل کیا تھا)

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ ۔ یعنی اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان کو جما دیا ہے۔ ان کے دلوں میں شک آ ہی نہیں سکتا۔

اس آیۂ مبارکہ میں بیان کردہ اہل ایمان کی شان اس وقت بھی ظاہر ہوئی جبکہ بدر کے قیدیوں کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ لیا تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ خیال کیا کہ فدیہ لینے میں کچھ تو مسلمانوں کے واسطے مدد اور تقویت کا سامان ہو جائے گا مزید یہ لوگ جگہ خود اپنے عشیرہ و قبیلہ ہی کے ہیں تو اس طرح کے انعام و احسان سے ممکن ہے اسلام کی طرف مائل ہو جائیں۔ مگر عمر فاروقؓ نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری یہ رائے نہیں ہے جو ابوبکر کی ہے۔ میری تو رائے یہ ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ ائمۃ الکفر ہیں ان کو قتل کر دیا جائے تا کہ کفر کی طاقت و شوکت پامال ہو مجھے آپ اجازت دیں کہ اپنے فلاں رشتہ دار (بھائی) کو قتل کروں اور علیؓ کو فرمایئے کہ وہ عقیل اپنے بھائی کو قتل کرے۔ اور فلاں کو فرمایئے کہ فلاں کو قتل کرے تا کہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھ لے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین اور خدا کے دشمنوں کی قطعاً کوئی محبت نہیں۔ قصہ کی تفصیل کے لئے کتب سیرت کی مراجعت فرمائی جائے۔ (معارف کاندھلوی)

وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ
اور اُن کی مدد کی ہے اپنے غیب کے فیض سے ☆

☆ یعنی غیبی نور عطا فرمایا جس سے قلب کو ایک خاص قسم کی معنوی حیات ملتی ہے یا روح القدس (جبریل) سے ان کی مدد فرمائی۔ (تفسیر عثمانی)

وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
اور داخل کریگا اُن کو باغوں میں جن کے نیچے
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ
بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں اُن میں
رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ
اللہ اُن سے راضی اور وہ اُس سے راضی ☆
اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ
وہ لوگ ہیں گروہ اللہ کا سنتا ہے
حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع
جو گروہ ہے اللہ کا وہی مراد کو پہنچے ☆

صحابہؓ کی فضیلت ☆ یعنی یہ لوگ اللہ کے واسطے سب سے ناراض ہوئے تو اللہ ان سے راضی ہوا۔ پھر جس سے اللہ راضی ہوا اسے اور کیا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی جو دوستی نہیں رکھتے اللہ کے مخالف سے اگرچہ باپ بیٹے ہوں وہ ہی سچے ایمان والے ہیں ان کو یہ درجے ملتے ہیں" صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان یہ ہی تھی کہ اللہ و رسول کے معاملہ میں کسی چیز اور کسی شخص کی پروا نہیں کی اسی سلسلہ میں ابو عبیدہؓ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا جنگ "احد" میں ابوبکر صدیقؓ اپنے بیٹے عبدالرحمان کے مقابلہ میں نکلنے کو تیار ہو گئے مصعبؓ بن عمیر نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو عمر بن الخطاب نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو، علی بن ابی طالب' حمزہ' عبیدۃ بن الحارث نے اپنے

اقارب عتبہ، شیبہ، اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ نے جو مخلص مسلمان تھے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر آپ حکم دیں تو اپنے باپ کا سر کاٹ کر خدمت میں حاضر کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا۔ فرضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہ ورزقنا اللہ حبہم واتباعھم واماتنا علیہ آمین۔ تم سورۃ المجادلہ فللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَيَّدَهُمْ الخ۔ روح سے مراد ہے نور یا اللہ کی مدد۔ سدی نے کہا ایمان مراد ہے۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ یعنی ان کی اطاعت کی وجہ سے اللہ ان سے راضی ہوگا اور اللہ کی طرف سے عطائے ثواب پر وہ راضی ہوں گے۔ یا یہ مراد ہے کہ دنیا میں ان کے متعلق اللہ نے جو فیصلہ کر دیا ہے اس پر وہ راضی ہیں۔

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ۔ یہ اللہ کا گروہ ہے اس کے دین کے مددگار ہیں اللہ کے اوامر و نواہی کے پابند ہیں۔

الْمُفْلِحُوْنَ۔ فلاح دارین حاصل کرنے والے ہیں۔ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہونے والے ہیں۔ ہر خوف سے محفوظ و مامون ہیں۔ (تفسیر مظہری)

کافر و فاجر سے دوستی: بہت سے حضرات فقہاء نے یہی حکم فساق و فجار اور دین سے عملاً منحرف مسلمانوں کا قرار دیا ہے کہ اُن کے ساتھ دلی دوستی کسی مسلمان کی نہیں ہو سکتی، کام کاج کی ضرورتوں میں اشتراک یا مصاحبت بقدر ضرورت الگ چیز ہے، دل میں دوستی کسی فاسق و فاجر کی اسی وقت ہوگی جبکہ فسق و فجور کے جراثیم خود اس کے اندر موجود ہوں گے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں فرمایا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ لِفَاجِرٍ عَلَيَّ يَدًا۔ یعنی یا اللہ مجھ پر کسی فاجر آدمی کا احسان نہ آنے دیجئے، کیونکہ شریف النفس انسان اپنے محسن کی محبت پر طبعاً مجبور ہوتا ہے اس لئے فساق و فجار کا احسان قبول کرنا ذریعہ ان کی محبت کا بنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی پناہ مانگی (قرطبی)۔

وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ۔ یہاں روح کی تفسیر بعض حضرات نے نور سے کی ہے جو منجانب اللہ مؤمن کو ملتا ہے اور وہی اس کے عمل صالح کا اور قلب کے سکون و اطمینان کا ذریعہ ہوتا ہے، اور یہ سکون و اطمینان ہی بڑی قوت ہے، اور بعض حضرات نے رُوح کی تفسیر قرآن اور دلائل قرآن سے کی ہے وہی مؤمن کی اصل طاقت و قوت ہے، (قرطبی) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

الحمد للہ سورۃ مجادلہ ختم ہوئی

جس نے خواب میں دیکھا کہ یہ سورہ پڑھ رہا ہے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے پڑھنے والے کا حشر ایسی حالت میں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوگا اور اس کے دشمنوں کو ہلاک کرے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سورۃ کے مضامین: حشر کے معنی لغت میں جلاوطنی کے ہیں تو اس سورت میں یہودیوں کی جلاوطنی اور ذلت و خواری کا ذکر ہے کہ وہ کس طرح مدینہ اور مضافاتِ مدینہ سے جلاوطن کئے گئے جو قدرت خداوندی کا عظیم کرشمہ تھا کہ اس نے اپنے رسول کو ان پر تسلط اور غلبہ عطا فرمایا۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا آغاز حق تعالیٰ نے اپنی تسبیح و تقدیس سے فرمایا اور اختتام بھی تسبیح و تنزیہہ پر فرمایا اور سورت کے اختتام پر اپنی صفات کمال و جلال کو بھی ذکر فرما دیا تا کہ اللہ رب العزت کی کمال قدرت اور کمال حکمت ظاہر ہو۔ (معارف کاندھلوی)

سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ حشر مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی چوبیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور

الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمت والا ☆

☆ چنانچہ اس کے زبردست غلبہ اور حکمت کے آثار میں سے ایک واقعہ آگے بیان کیا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

وہی ہے جس نے نکال دیا اُن کو جو منکر ہیں

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ

کتاب والوں میں اُن کے گھروں سے ☆

بنی نضیر کی عہد شکنی و جلاوطنی ☆ مدینہ سے مشرقی جانب چند میل کے فاصلہ پر ایک قوم یہود بستی تھی جس کو "بنی نضیر" کہتے تھے یہ لوگ بڑے جتھے والے اور سرمایہ دار تھے اپنے مضبوط قلعوں پر انکو ناز تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم

جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو شروع میں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا معاہدہ کر لیا کہ ہم آپ کے مقابلہ پر کسی کی مدد نہ کرینگے پھر مکہ کے کافروں سے نامہ و پیام کرنے لگے حتی کہ انکے ایک بڑے سردار کعب بن اشرف نے چالیس سواروں کے ساتھ مکہ پہنچ کر بیت اللہ شریف کے سامنے مسلمانوں کے خلاف قریش سے عہد و پیمان باندھا۔ آخر چند روز بعد اللہ و رسول کے حکم سے محمد بن مسلمہ نے اس غدار کا کام تمام کر دیا پھر بھی "بنی نضیر" کی طرف سے بدعہدی کا سلسلہ جاری رہا۔ کبھی دغابازی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چند رفیقوں کے ساتھ بلا کر اچانک قتل کرنا چاہا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاں بیٹھے تھے اوپر سے بھاری چکی کا پاٹ ڈال دیا اگر لگے تو آدمی مر جائے مگر سب مواقع پر اللہ کے فضل نے حفاظت فرمائی آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جمع کیا ارادہ کیا کہ ان سے لڑیں جب مسلمانوں نے نہایت سرعت و مستعدی سے مکانوں اور قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ وہ مرعوب و خوفزدہ ہو گئے۔ عام لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ انہوں نے گھبرا کر صلح کی التجا کی آخر یہ قرار پایا کہ وہ مدینہ خالی کر دیں۔ ان کی جانوں سے تعرض نہ کیا جائیگا۔ اور جو مال اسباب اٹھا کر لے جا سکتے ہوں لے جائیں باقی مکان، زمین، باغ وغیرہ پر مسلمان قابض ہوئے حق تعالی نے وہ زمین مال غنیمت کی طرح تقسیم نہ کرائی صرف حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار پر رکھی حضرت نے اکثر اراضی مہاجرین پر تقسیم کر دیں اس طرح انصار پر سے ان کا خرچ ہلکا ہوا۔ اور مہاجرین و انصار دونوں کو فائدہ پہنچا نیز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کا اور وارد و صادر کا سالانہ خرچ بھی اسی سے لیتے تھے اور جو بچ رہتا اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے تھے۔ اس سورت میں یہ ہی قصہ مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ۔ یعنی خاندان بنی نضیر جو حضرت ہارونؑ کی نسل سے تھا۔

مِنْ دِيَارِهِمْ۔ ان کے گھروں سے مدینہ میں تھے۔

یہودیوں کی عہد شکنی اور جلاوطنی کی تفصیل

ابن اسحاق نے بیان کیا، بنی نضیر کی جلاوطنی کا واقعہ اس وقت ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُحد سے واپس آئے تھے اور بنی قریظہ کا واقعہ جنگ احزاب سے واپسی کے وقت ہوا ان دونوں واقعات کے درمیان دو سال کی مدت ہوئی۔ بنی نضیر کو جلاوطن کرنے کا سبب یہ ہوا کہ (ہجرت کے بعد) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو بنی نضیر سے یہ معاہدہ ہو گیا کہ فریقین میں سے کوئی کسی سے جنگ نہیں کرے گا اور بنی نضیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں سے بھی نہیں لڑیں گے (اور نہ مسلمانوں کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ہمراہ ہو کر لڑیں گے)۔

(۱) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدر کی لڑائی میں مشرکوں پر غلبہ حاصل ہو گیا تو بنی نضیر نے کہا خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جن کے اوصاف توریت میں ہم کو ملتے ہیں۔ ان کا جھنڈا (کبھی) نہیں لوٹایا جا سکتا۔ اس کے بعد جب جنگ اُحد میں مسلمانوں کو شکست ہو گئی تو بنی نضیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں شک کرنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی دشمنی پر علی الاعلان اُتر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ان کا معاہدہ ہوا تھا اس کو توڑ دیا چنانچہ بنی نضیر کا ایک شخص کعب بن اشرف چالیس یہودیوں کو لیکر مکہ پہنچا اور قریش سے ملا اور فریقین نے باہم مل کر ایک معاہدہ کیا کہ سب قریش اور بنی نضیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر متحد رہیں گے ابوسفیان چالیس قریشیوں کو اور کعب بن اشرف یہودیوں کو لیکر کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور ایک معاہدہ کعبہ کے پردوں کے اندر آپس میں کر لیا۔ توثیق معاہدہ کے بعد کعب اپنے ساتھیوں کو لے کر مدینہ واپس آ گیا اور حضرت جبرائیل نے فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس معاہدہ کی اطلاع دیدی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم دیدیا اور حضرت محمد بن مسلمہ نے جا کر کعب کو قتل کر دیا۔

(۲) بنی نضیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیام بھیجا کہ (ہم آپ کا کلام سننا اور آپ کا پیام سمجھنا چاہتے ہیں اس لئے) آپ اپنے تیس ساتھیوں کے ساتھ اور ہم اپنے تیس عالموں کے ساتھ نکل کر آ جائیں اور درمیان مقام پر سب جمع ہو جائیں اور ہمارے علماء آپ کی باتیں سنیں اگر وہ آپ کی تصدیق کر دیں گے اور آپ پر ایمان لے آئیں گے تو ہم سب ایمان لے آئیں گے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گزارش کو مان لیا اور) دوسرے روز تیس صحابہؓ کو ساتھ لے کر نکل کھڑے ہوئے اُدھر سے تیس یہودی عالم نکل آئے۔ جب دونوں فریق کھلے میدان میں پہنچ گئے تو بنی نضیر نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا محمد تک تمہاری رسائی کیسے ہو گی ان کے ساتھ تو ان کے تیس رفیق جان نثار موجود ہیں جب ان کی یہ تدبیر کامیاب نہیں ہوئی تو پیام بھیجا ہم (سب) ساٹھ آدمی ہیں (اس گڑبڑ میں) آپ کی بات کیسے سمجھ پائیں گے اس لئے آپ اپنے تین ساتھیوں کو لیکر آئیں۔ ہمارے بھی تین عالم آ جائیں گے اور آپ کی بات سنیں گے اگر انہوں نے تصدیق کر دی اور آپ پر ایمان لے آئے تو ہم بھی مسلمان ہو جائیں گے چنانچہ حضور والا تین صحابہ کے ساتھ برآمد ہوئے اور اُدھر سے تین یہودی بھی آ گئے جن کے پاس خنجر تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچانک شہید کر دینے کا ان کا ارادہ تھا لیکن بنی نضیر کی ہی ایک عورت تھی جس کا بھائی مسلمان ہو گیا تھا اور انصاری تھا اس عورت نے بطور خیرخواہی اپنے بھائی کو کہلا بھیجا اور بنی نضیر کے ارادہ کی اطلاع دیدی اس کا بھائی فوراً دوڑا اور قبل اس کے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں تک پہنچتے آپ کو مخفی طور پر اطلاع دیدی آپ فوراً مدینہ کی طرف لوٹ آئے ابوداؤد' بیہقی' عبد بن حمید اور عبدالرزاق نے صحیح سند کے ساتھ یہ قصہ بیان کیا ہے۔

(۳) بنی نضیر نے ایک بدعہدی یہ کی تھی کہ بیر معونہ سے واپسی میں عمرو بن امیہ ضمری نے دو آدمیوں کو قتل کر دیا تھا (حسب معاہدہ) اداء دیت میں کچھ (مالی) مدد لینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی نضیر کے پاس پہنچے (اور ایک پہاڑی کے دامن میں ان سے باتیں کرنے کے لئے بیٹھ گئے) تو یہودیوں نے بالائے قلعہ سے آپ کے اوپر پتھر لڑھکا کر گرانے کا ارادہ کیا اللہ نے آپ کو محفوظ رکھا اور اس کی اطلاع آپ کو دیدی ہم نے یہ قصہ سورت مائدہ کی آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ الخ۔ کی تفسیر میں لکھ دیا ہے۔ ابن حمید نے بروایت عکرمہ بیان کیا کہ جب اللہ نے اپنے رسول کو اس واقعہ کی خبر دیدی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کو واپس آ گئے تو کنانہ بن صوریا نے یہودیوں سے کہا کیا تم جانتے ہو کہ محمد کیوں اٹھ کر چلے گئے یہودیوں نے جواب دیا خدا کی قسم اس کی وجہ نہ ہم جانتے ہیں نہ آپ کنانہ نے کہا کیوں نہیں توریت کی قسم میں تو اس کی وجہ جانتا ہوں۔ محمد کو تمہارے ارادہ کی خبر مل گئی (اس لئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے) تم لوگ خود فریبی میں مبتلا نہ ہو خدا کی قسم وہ اللہ کے رسول ہیں اللہ نے ہی ان کو تمہارے ارادہ کی اطلاع دیدی اس لئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے بلا شبہ وہ آخری نبی ہیں تم چاہتے تھے کہ وہ بنی ہارون کی نسل سے ہو مگر اللہ نے جہاں چاہا (اور جس کو چاہا) وہ نبوت عطا کر دی۔ ہماری کتابیں اور وہ توریت جو ہم نے پڑھی ہے اور وہ عرف اور تغیر یافتہ بھی نہیں ہے بتارہی ہیں کہ آخری نبی کا مقام پیدائش مکہ اور مقام ہجرت یثرب ہوگا ان کے احوال و اوصاف وہی ہیں جو ہماری کتاب میں بیان کئے گئے ہیں ایک حرف کا بھی فرق نہیں ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں تم یہاں سے کوچ کر رہے ہو تمہارے بچے ضائع ہو رہے ہیں تم اپنے گھروں کو چھوڑ رہے ہو اور اپنے مالوں کو خیر باد کہہ رہے ہو۔ یہ بات تمہارے لئے بہت ہی بری ہے میرا کہا مانو دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کر لو کسی تیسری بات میں کوئی بھلائی نہیں ہے لوگوں نے دریافت کیا وہ دو باتیں کونسی ہیں کنانہ نے کہا یا تو مسلمان ہو جاؤ محمد کے ساتھی بن جاؤ اس صورت میں تمہارے اموال و اولاد کی حفاظت ہو جائے گی جو حال محمد کے ساتھیوں کا ہے وہی تمہارا ہوگا تمہارے مال تمہارے قبضہ میں رہیں گے اور تم کو گھروں سے بھی باہر نہیں کیا جائے گا یہودیوں نے کہا ہم توریت کو اور موسیٰ کی نصیحت کو تو نہیں چھوڑیں گے کنانہ نے کہا دوسری بات یہ ہے کہ وہ تمہارے پاس حکم بھیجیں گے کہ میرے شہر سے نکل جاؤ تم کہہ دینا بہت اچھا اس صورت میں وہ تمہاری جانوں اور مالوں کو اپنے لئے حلال نہیں قرار دیں گے تم چاہو اپنے مال فروخت کر دینا بیچنا نہ چاہو تو اپنے پاس رکھنا (اور لیجانا) یہودیوں نے کہا ہاں یہ بات ٹھیک ہے سلام بن مشکم بولا تم نے جو حرکت کی مجھے تو پہلے ہی وہ ناپسند تھی اب وہ ہمارے پاس پیام بھیجیں گے کہ میرے شہر سے نکل جاؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہود کو جلاوطنی کا پیغام

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لے آئے تو محمد بن مسلمہ کو بلوایا اور حکم دیا کہ بنی نضیر کے یہودیوں کے پاس جاؤ اور اُن سے کہو کہ اللہ کے رسول نے مجھے بھیجا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ تم لوگ میرے شہر سے نکل جاؤ حسب الحکم محمد بن مسلمہ بنی نضیر کے پاس گئے اور فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ تم نے غداری کر کے سابق معاہدہ جو میں نے تم سے کیا تھا توڑ دیا اور جس غداری کا یہودیوں نے ارادہ کیا تھا اس کو بیان کر دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ عمرو بن حجاش مکان کی چھت کے اوپر سے اللہ کے رسول پر پتھر لڑھکانا چاہتا تھا۔ اللہ کے رسول نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تم لوگ میرے شہر سے نکل جاؤ میں دس روز کی تمہیں مہلت دیتا ہوں اس کے بعد (یہاں) تم میں سے جو کوئی نظر آئے گا اس کی گردن ماردوں گا۔

یہود کی تیاریاں اور ابن اُبی کا پیغام

یہ فرمان سننے کے بعد یہودی تیاری میں لگے اور سواریاں بھی (جنگل سے) منگوائیں یہ لوگ جلاوطن ہونے کی تیاری میں مشغول ہی تھے کہ عبداللہ بن اُبی کے دو قاصد سوید اور اعمس ان سے آ کر ملے اور کہا عبداللہ بن ابی نے کہا ہے کہ تم لوگ اپنے گھر اور سامان چھوڑ کر ہرگز مدینہ سے نہ جانا بلکہ اپنے قلعوں میں رہنا میرے پاس میری قوم کے اور عرب کے دو ہزار آدمی ہیں ہم سب (تمہاری حفاظت کے لئے) تمہارے قلعوں کے اندر آ جائیں گے اور اس سے پہلے کہ مسلمان تم تک پہنچیں ہم سب تم سے پہلے مر جائیں گے اور بنی قریظہ بھی تمہاری مدد کریں گے تم کو بے مدد نہیں چھوڑیں گے ان کے علاوہ بنی غطفان میں جو تمہارے حلیف ہیں وہ بھی تمہاری مدد کریں گے اس کے بعد ابن ابی نے کعب بن اسد قرظی کے پاس آدمی بھیجا اور اس سے درخواست کی کہ تم اور تمہارے ساتھی میری مدد کریں کعب نے کہا ہم میں سے کوئی ایک آدمی بھی معاہدہ کو نہیں توڑے گا ابن اُبی اس جواب میں مایوس ہو گیا اور ارادہ کیا کہ بنی نضیر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاملہ کو الجھا رکھے پھر حیی بن اخطب قرظی کے پاس آدمی بھیجا (اور امداد طلب کی حیی نے شروع میں تو انکار کیا لیکن ابن ابی اس کے پاس پیام بھیجتا رہا آخر کار) حیی نے کہا کہ میں محمد کے پاس کسی کو بھیج کر یہ اطلاع دیدوں گا کہ ہم میں سے کوئی اپنا گام چھوڑ کر نہیں جائے گا آپ کو جو کچھ

کرنا ہے کریں۔ حیی بن اخطب کو ابن ابی کی بات سے کچھ امید ہوگئی تھی۔ سلام بن شکم نے کہا اگر تیری رائے کی سبکی کا مجھے اندیشہ نہ ہوتا تو میں اپنے ساتھ والے یہودیوں کو لے کر تجھ سے الگ ہو جاتا حیی ہوشیار رہ خدا کی قسم تو جانتا ہے اور ہم بھی جانتے ہیں اور جو لوگ تیرے ساتھ ہیں وہ بھی جانتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور ان کے اوصاف ہمارے پاس (ہماری کتابوں میں لکھے ہوئے) موجود ہیں اس کے باوجود ہم نے ان کا اتباع نہیں کیا۔ اس کی وجہ صرف جلن ہے ہم کو یہ حسد ہوا کہ ہارون کی اولاد سے نبوت نکل گئی مناسب یہی ہے کہ انہوں نے ہم کو جو حکم دیا ہے ہم اس کو قبول کر لیں اور اس کے شہروں سے نکل جائیں میں جانتا ہوں کہ اس بدعہدی (عہد شکنی) میں تو میرا مخالف ہے (ضرور نقض معاہدہ کرے گا تو مناسب یہ ہے کہ) چھواروں کی فصل آنے دے جب چھواروں کی فصل آ جائے گی تو ہم آ جائیں گے یا وہ ہی چھواروں کے لئے ہمارے پاس آ پہنچیں گے۔

یہودیوں کی طرف سے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب

حیی نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا اور اپنے بھائی جدی بن اخطب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ کہنے کے لئے بھیجا کہ ہم اپنے گھر بار سے نہیں ہٹیں گے تم جو کرنے والے ہو کرو حیی نے اپنے بھائی جدی کو ابن ابی کے پاس بھی اس بات کی اطلاع دینے کے لئے بھیج دیا کہ ہم نے رسول اللہ کو (فسخ معاہدہ کی) خبر بھیج دی ہے اب تم نے بنو نضیر سے جو وعدہ کیا ہے اس کے موافق عمل کرو غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جدی کی زبانی حیی کا پیام سنا تو اللہ اکبر کہا اور مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ تکبیر کہی حضور نے فرمایا اب میں یہودیوں سے مقابلہ کروں گا۔ جدی جب ابن ابی کے پاس پہنچا تو وہ گھر میں تھا اور کچھ لوگ اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ندا کرا دی تھی کہ بنی نضیر کی آبادیوں کی طرف مسلمان روانہ ہو جائیں حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی ابن ابی کے پاس آئے ابن ابی کے پاس ایک جماعت موجود ہی تھی اور جدی بن اخطب بھی تھا آپ نے آ کر اپنی زرہ پہنی اور تلوار لی اور (بنی نضیر کی طرف) چل دیئے۔

قاصد کی واپسی: جدی بن اخطب حیی کے پاس پہنچا حیی نے پوچھا کیا خبر ہے جدی نے کہا بری جس وقت میں نے جا کر محمد کو وہ پیام پہنچایا جس کے لئے مجھے بھیجا گیا تھا تو انہوں نے اللہ اکبر کہا اور کہا اب میں یہودیوں سے جنگ کروں گا میں ابن ابی کے پاس پہنچا تو وہاں کوئی خبر نہ تھی ابن ابی نے اتنا کہا تھا کہ میں قبیلہ غطفان کے ان لوگوں کے پاس اطلاع بھیج رہا ہوں جو حلیف ہیں وہ آ کر تمہارے ساتھ ہو جائیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بنی نضیر کی طرف روانگی

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی نضیر کی طرف روانہ ہو گئے اور مدینہ میں اپنی جگہ ابن ام مکتوم کو مقرر کر دیا عصر کی نماز بنی نضیر کے میدان میں پہنچ کر پڑھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا تو بنی نضیر قلعوں کی دیواروں پر چڑھ گئے اور وہاں سے پتھر اور تیر برسانے لگے تھے۔ بنی قریضہ الگ رہے انہوں نے بنی نضیر کی مدد نہیں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز پڑھ کر دس صحابیوں کے ساتھ اپنے گھر واپس آ گئے اور اپنی جگہ حضرت علی کو لشکر کا امیر مقرر کر دیا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر کو اپنا قائم مقام بنایا تھا رات بھر مسلمانوں نے محاصرہ قائم رکھا جب صبح ہوئی تو بلال نے اذان دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان صحابہ کے ساتھ جو آپ کے ہمراہ واپس آئے تھے (یعنی محافظ دستہ) فجر کی نماز بنی خطم کے میدان میں پڑھی۔

مذاکرات: اسی حالت میں حیی بن اخطب نے پیام بھیجا کہ جو کچھ آپ چاہتے ہیں ہم دینے کو تیار ہیں ہم آپ کی بستیوں سے نکل جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج اس کو منظور نہیں کرتا البتہ جتنا سامان زرہ اور اسلحہ کے علاوہ تم اونٹ پر لاد سکتے ہو لیجاؤ اور اپنے گھروں سے نکل جاؤ۔ سلام بن مشکم نے کہا کہ کم بخت اس بات کو قبول کر قبل اس کے کہ اس سے بھی بری بات تجھے قبول کرنی پڑے حیی نے کہا اس سے زیادہ بری بات اور کیا ہوگی۔ سلام نے کہا (آئندہ) بچے باندی غلام بنالئے جائیں گے اور مال کے ساتھ جانیں بھی جائیں گی اس سے تو آسان ہے کہ مال ہی چلا جائے حیی نے ایک یا دو روز اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا۔

دو راہبوں کا مسلمان ہونا: یامین بن عمیر اور ابوسعید بن رہب نے جب یہ کیفیت دیکھی تو انہوں نے دوسرے سے کہا خدا کی قسم تم یقینی طور پر جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں پھر مسلمان ہونے میں تامل کیا ہے ہم مسلمان ہو جائیں ہماری جانیں بھی محفوظ ہو جائیں گی اور مال بھی یہ گفتگو کرنے کے بعد رات کو یہ دونوں نیچے اتر آئے اور مسلمان ہو گئے اور ان کا جان و مال محفوظ ہو گیا۔

محاصرہ کی مدت: محمد بن عمر بن سعد۔ بلاذری۔ ابومعشر اور ابن حبان کے قول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاصرہ جاری رکھا۔ ابن اسحاق اور ابوعمرو نے مدت حصار چھ روز اور سلیمان تیمی نے تقریباً بیس روز اور ابن کلاع نے ۲۳ روز بتائی ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت میں پچیس روز تک محاصرہ رکھنے کا ذکر آیا ہے۔

دوران محاصرہ میں جو مکان یہودیوں کے متصل اور قریب تھے وہ خود ان کو ڈھا رہے تھے اور جو مکان مسلمانوں کے قریب تھے مسلمان ان کو گرا رہے

اور آگ لگا رہے تھے۔

صلح: آخر صلح ہوگئی یہودی نیچے اتر آئے اور اسلحہ کو چھوڑ کر باقی سامان اونٹوں پر لادنے لگے۔ عمرو بن حجاش کو کسی نے اچانک قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر سن کر خوشی ہوئی۔ بنی نضیر نے کہا کچھ لوگوں پر ہمارا قرض ہے (اتنی مہلت دی جائے کہ ہم قرضہ وصول کرلیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جلدی کرو۔ حضرت اسید بن حضیر پر ابورافع کے ۱۲۰ دینار ایک سال کی ادائیگی کے وعدہ پر قرض تھے ابورافع نے معیاد آنے سے پہلے مطالبہ کیا آخر فریقین میں بجائے ۱۲۰ دینار کے اسی دینار پر صلح ہوگئی۔

بنی نضیر کی جلاوطنی: بنی نضیر نے عورتوں اور بچوں کو اونٹوں پر سوار کیا اور جو سامان لاد سکتے تھے وہ لاد دیا یہاں تک کہ گھر کو ڈھا کر دروازوں کی چوکھٹیں بھی اکھاڑلیں باقی مال واسباب اور اسلحہ پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبضہ کر لیا پچاس زرہیں پچاس خود اور ۳۴۰ تلواریں دستیاب ہوئیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط پر صلح کی تھی کہ تین گھروں والے ایک اونٹ پر (مشترک طور سے) جتنا سامان لاد کر لیجا سکتے ہوں لیجائیں باقی جو رہ جائے گا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوگا۔ ضحاک کا بیان ہے کہ ہر تین آدمیوں کو (سامان لادنے کے لئے) ایک اونٹ دیا گیا تھا غرض بنی نضیر اس طرح (خانہ بدوش ہوکر) مدینہ سے شام کی طرف یعنی ادرعات اور اریحا کو چلے گئے۔ صرف دو خاندان ایک آل حقیق اور دوسرا حیی بن اخطب کا قبیلہ (بجائے شام کے) خیبر کو چلے گئے۔ ان میں کا ایک گروہ حیرہ کو چلا گیا (حیرہ اس وقت عراق کی راجدھانی تھا)۔ (تفسیر مظہری)

لِاَوَّلِ الْحَشْرِ
پہلے ہی اجتماع پر لشکر کے ☆

یہودیوں کا حشر ☆یعنی ایک ہی ہلہ میں گھبرا گئے اور پہلی ہی مڈبھیڑ پر مکان اور قلعے چھوڑ کر بھاگنے کو تیار ہو بیٹھے کچھ بھی ثابت قدمی نہ دکھلائی (تنبیہ) "اَوَّلِ الْحَشْرِ" سے بعض مفسرین کے نزدیک یہ مراد ہے کہ اس قوم کے لیے اس طرح ترک وطن کرنے کا یہ پہلا ہی موقع تھا۔ قبل ازیں ایسا واقعہ پیش نہ آیا تھا یا "اَوَّلِ الْحَشْرِ" میں اس طرف اشارہ ہو کہ ان یہود کا پہلا حشر یہ ہے کہ مدینہ چھوڑ کر بہت سے خیبر وغیرہ چلے گئے اور دوسرا حشر وہ ہوگا جو حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیش آیا یعنی دوسرے یہود و نصاری کی معیت میں یہ لوگ بھی خیبر سے ملک شام کی طرف نکالے گئے جہاں آخری حشر ابھی ہونا ہے اسی لیے "شام" کو "ارض المحشر" بھی کہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا
تم نہ اٹکل کرتے تھے کہ نکلیں گے اور
اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ
وہ خیال رکھتے تھے کہ ان کو بچالیں گے اُنکے قلعے اللہ کے
اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ
ہاتھ سے' پھر پہنچا اُن پر اللہ جہاں سے اُن کو
يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ
خیال نہ تھا اور ڈال دی اُنکے دلوں میں
الرُّعْبَ
دھاک ☆

سب ساز و سامان دھرے رہ گئے ☆یعنی ان کے ساز و سامان مضبوط قلعے اور جنگجویانہ اطوار دیکھ کر نہ تم کو اندازہ تھا کہ اس قدر جلد اتنی آسانی سے وہ ہتھیار ڈال دینگے نہ ان کو خیال تھا کہ مٹھی بھر بے سروسامان لوگ اس طرح قافیہ تنگ کر دینگے۔ وہ اسی خواب خرگوش میں تھے کہ مسلمان (جن کے سروں پر اللہ کا ہاتھ ہے) ہمارے قلعوں تک پہنچنے کا حوصلہ نہ کر سکیں گے اور اس طرح گویا اللہ کے ہاتھ سے بچ نکلیں گے مگر انہوں نے دیکھ لیا کہ کوئی طاقت اللہ کے حکم کو نہ روک سکی انکے اوپر اللہ کا حکم وہاں سے پہنچا جہاں سے ان کو خیال و گمان بھی نہ تھا یعنی دل کے اندر سے خدا تعالی نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور بے سروسامان مسلمانوں کی دھاک بٹھلا دی۔ ایک تو پہلے ہی اپنے سردار کعب بن اشرف کے ناگہانی قتل سے مرعوب وخوف زدہ ہو رہے تھے اب مسلمانوں کے اچانک حملہ نے رہے سہے حواس بھی کھودیئے۔ (تفسیر عثمانی)

يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ
اُجاڑنے لگے اپنے گھر اپنے ہاتھوں
وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ
اور مسلمانوں کے ہاتھوں ☆

مکانوں کی توڑ پھوڑ ☆ یعنی حرص اور غیظ وغضب کے جوش میں مکانوں کے کڑی، تختے، کواڑ اکھاڑنے لگے تا کوئی چیز جو ساتھ لے جاسکتے ہیں رہ نہ جائے اور مسلمانوں کے ہاتھ نہ لگے۔ اس کام میں مسلمانوں نے بھی ان کا ہاتھ بٹایا ایک طرف سے وہ خود گراتے تھے دوسری طرف سے مسلمان۔ اور غور سے دیکھا جائے تو مسلمانوں کے ہاتھوں جو تباہی و ویرانی عمل میں آئی وہ بھی ان ہی بدبختوں کی بدعہدیوں اور شرارتوں کا نتیجہ تھی۔ (تفسیر عثمانی)

ابن زید نے کہا انہوں نے ستون اکھاڑے، چھتیں توڑیں، دیواروں میں نقب لگائے، لکڑیاں تختے یہاں تک کہ کیلیں بھی اکھاڑ لیں اور مکانوں کو ڈھا دیا تا کہ مسلمان ان میں رہ نہ سکیں قتادہ نے کہا مسلمان بیرونی جانب سے اپنی طرف کے حصہ کو اور یہودی اندرونی جانب سے مکانوں کو ڈھا رہے تھے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مسلمان جب کسی گھر پر قابض ہوتے تو اس کو گرا دیتے تھے تا کہ لڑائی کا میدان وسیع ہو جائے اور یہودی گھروں میں نقب لگا کر پشت کی طرف دوسرے مکانوں میں چلے جاتے اور پشت والے مکانوں میں قلعہ بند ہو کر خالی کئے ہوئے مکانوں پر پتھر برساتے تھے تا کہ جو مسلمان وہاں داخل ہو چکے ہوں وہ زخمی ہو جائیں یہی مطلب ہے آیت یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ الخ کا۔ (تفسیر مظہری)

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝
سو عبرت پکڑو اے آنکھ والو ☆

عبرت حاصل کرو ☆ یعنی اہل بصیرت کے لیے اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے اللہ تعالیٰ نے دکھلا دیا کہ کفر، ظلم، شرارت اور بدعہدی کا انجام کیسا ہوتا ہے اور یہ کہ محض ظاہری اسباب پر تکیہ کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے غافل ہو جانا عقلمند کا کام نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَاعْتَبِرُوْا۔ پس ان یہودیوں کے حال کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو اور ان کی طرح کفر اور معصیت میں مبتلا نہ ہو تا کہ جو مصیبت ان پر پڑی ویسی مصیبت تم پر نہ آ جائے۔

قیاس کے معتبر ہونے کی دلیل: جو علماء قیاس کو دلیل شرعی مانتے ہیں انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ اصل اور فرع کے درمیان میں کسی ایسی صفت میں اشتراک ہوتا ہے جو سبب حکم بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اسی مشترکہ صفت کی وجہ سے اصل کا حکم فرع کی طرف تجاوز کرتا ہے یہی معنی اعتبار کے ہیں اور اعتبار کا حکم آیت میں دیا گیا ہے۔

عبرت آفریں منظر: یوسف صالحی نے سبیل الرشاد میں بیان کیا ہے کہ محمد بن عمر نے حضرت ابراہیم بن جعفر کی وساطت سے حضرت جعفر کی طرف اس بیان کی نسبت کی ہے جعفر نے کہا جب بنی نضیر (مدینہ سے) نکل گئے تو عمرو بن سعد یہودی مدینہ میں آیا اور بنی نضیر کے مکانوں کا اس نے چکر لگایا اور ان کو اجاڑ پا کر سوچ میں پڑ گیا پھر بنی قریظہ کے پاس واپس گیا اور کہنے لگا میں نے آج (بڑا) عبرت آفریں منظر دیکھا اپنے بھائیوں کی بستی کو ویران پایا (ایک وقت تھا کہ) وہاں میرے بھائی غیرت مند، صاحب شرف اور بہادر تھے فیصلہ کن رائے اور عقل رسا کے مالک تھے لیکن (افسوس کہ) ذلت کے ساتھ نکل گئے اپنے مال چھوڑ گئے اور دوسرے لوگ اس مال کے مالک ہو گئے۔ اس سے پہلے (کعب) بن اشرف کا واقعہ ہوا تھا رات کو اس کے گھر کے اندر شبخون مار کر اس کو قتل کر دیا گیا۔ ابن سنیہ کا واقعہ بھی اس سے پہلے ہو چکا ہے ابن سنیہ یہودیوں کا سردار تھا۔ بڑا جیوٹ اور طاقتور تھا اور پھر بنی قینقاع کی جلاوطنی بھی ہوگئی بنی قینقاع یہودیوں کی دھار (یعنی عزت اور طاقت) تھے ان کا محاصرہ کر لیا گیا کوئی شخص سر بھی (حصار سے) باہر نہیں نکال سکا سب قیدی ہو گئے آخر سب کے جلاوطن ہونے کی شرط پر ان کو چھوڑا گیا۔ برادران ملت تم نے یہ سب واقعات دیکھے اب میرا کہا مانو آؤ سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو جائیں خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ وہ نبی ہیں ہم کو ان کی بشارت ہمارے علماء دیتے چلے آئے ہیں آخر میں ابن السیان ابوعمیر اور ابن حواس بیت المقدس سے آئے یہ دونوں یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے ان دونوں نے ہم کو (آنے والے اس) نبی کا اتباع کا حکم دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ دونوں (بزرگوں) کا سلام اس نبی کو پہنچا دیا جائے اس کے بعد ان دونوں کی اسی دین (اسلام) پر وفات ہوگئی اور ان کو دفن کر دیا گیا (ان دونوں بزرگوں نے یہ باتیں) ہماری اسی عبرت کے لئے کہی تھیں عمرو بن سعد کا یہ کلام سن کر سب خاموش رہے کسی نے کچھ نہیں کہا عمرو بن سعد نے پھر دوبارہ اپنی بات لوٹائی اور بنی قریظہ کو لڑائی گرفتاری اور جلاوطنی سے ڈرایا اس وقت زبیر بن باطا نے کہا توریت کی قسم میں نے ان کے حالات ابن باطا کی اس (اصل) توریت میں پڑھے ہیں جو موسیٰ پر نازل ہوئی تھی اور وہ توریت ان نسخوں میں سے نہیں تھی جو ہم نے لکھ رکھے ہیں کعب بن سعد بولا ابوعبدالرحمٰن پھر آپ کو محمد کے اتباع سے روکنے والا کون ہے زبیر نے کہا آپ (روکنے والے) ہیں کعب نے کہا یہ کیسے توریت کی قسم میں تو آپ کے اور محمد کے درمیان کبھی حائل نہیں ہوا زبیر نے کہا آپ ہی (ساری قوم کی طرف سے) عہد و پیمان کرنے کے مختار ہیں آپ ان کی اتباع کریں گے تو ہم بھی اتباع کریں گے آپ ان کی پیروی سے انکار کر دیں گے تو ہم بھی انکار کر دیں گے عمرو بن سعد نے کعب کی طرف متوجہ ہو کر کہا سنو قسم توریت کی جو موسیٰ پر طور سینا میں نازل ہوئی بلاشبہ ان کو دنیا میں عزت اور غلبہ حاصل ہوگا وہ بلاشک موسیٰ کے راستہ پر ہیں اور کل کو جنت میں وہ

اوران کی امت موسیٰ کے ساتھ فروکش ہوگی کعب نے کہا ہم تو اپنے وعدہ اور معاہدہ پر قائم رہیں گے اور محمد بھی معاہدہ کی ذمہ داری کو نہیں توڑیں گے لیکن ہم دیکھیں گے کہ حیی کیا کرتا ہے اس کو بری ذلت وخواری کے ساتھ نکالا گیا ہے میرا خیال ہے وہ محمد سے ضرور جنگ کرے گا اگر وہ فتح یاب ہو گیا تو ہم یہی چاہتے ہیں ہم اپنے دین پر قائم رہیں گے اور اگر حیی پر محمد کو غلبہ حاصل ہو گیا تو پھر زندگی میں کوئی خیر نہیں ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا چھوڑ دیں گے اور منتقل ہو جائیں گے عمرو بن سعد نے کہا پھر اس معاملہ میں (یعنی منتقل ہونے میں) آپ تاخیر کیوں کر رہے ہیں یہ بات تو سامنے آ ہی گئی ہے کعب نے کہا اس بات کا وقت ہاتھ سے نہیں نکلے گا میں جب یہ بات چاہوں گا (یعنی مدینہ چھوڑ دینے کا ارادہ کروں گا) محمد مان لیں گے عمرو نے کہا کیوں نہیں (موقع اور وقت ہاتھ سے ضرور نکل جائے گا) توریت کی قسم جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم چل کر ہماری طرف آ جائیں گے تو ہم کو اپنے قلعوں میں چھپ جانا پڑے گا پھر ان کے حکم پر ہم کو نیچے اترنا ہو گا اور وہ ہماری گردنیں مار دیں گے کعب نے کہا اس معاملہ میں میری رائے تو یہی ہے جو میں کہہ چکا میرا دل گوارہ نہیں کرتا کہ میں اس کا تابع ہو جاؤں اور وہ نہ (میرے) خاندان نبوت کی فضیلت کو پہچانے اور نہ میرے کارناموں کی قدر کرے اور (معمولی شخص کی طرح) مجھے اسرائیلی کہے عمرو بن سعد نے کہا کیوں نہیں اپنی جان کی قسم وہ ضرور (اس فضیلت حسب ونسب سے) واقف ہے۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ اطلاع ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کے میدان میں آ کر فروکش ہو گئے عمرو بن سعد نے کہا یہ ہی وہ بات ہے جو میں نے تم سے کہی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ بنی قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے ہوئے معاہدہ کو توڑ دیا تھا اور معرکۂ خندق میں (قریش کے ساتھ مل کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑے تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ
اور اگر نہ ہوتی یہ بات کہ لکھ دیا تھا اللہ نے اُن پر
الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِى الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ
جلا وطن ہونا تو اُن کو عذاب دیتا دنیا میں اور آخرت میں
فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ﴿٣﴾
ہے اُن کے لئے آگ کا عذاب ☆

یہودیوں کو عذاب درعذاب ☆ یعنی انکی قسمت میں جلاوطنی کی سزا لکھی تھی یہ بات نہ ہوتی تو کوئی دوسری سزا دنیا میں دی جاتی مثلاً بنی قریظہ کی طرح مارے جاتے غرض سزا سے بچ نہیں سکتے یہ خدا کی حکمت ہے کہ قتل کے بجائے محض جلاوطنی پر اکتفا کیا گیا۔ لیکن یہ تخفیف صرف دنیوی سزا میں ہے۔ آخرت کی ابدی سزا کسی طرح ان کافروں سے ٹل نہیں سکتی حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "جب یہ قوم ملک شام سے بھاگ کر یہاں آئی تھی تو ان کے بڑوں نے کہا تھا کہ ایک دن تم کو یہاں سے ویران ہو کر پھر شام میں جانا پڑیگا۔ چنانچہ اس وقت اجڑ کر (بعض شام میں چلے گئے اور بعض) خیبر میں رہے پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں وہاں سے اجڑ کر شام میں گئے"۔ (تفسیر عثمانی)

ابن اسحاق نے یزید بن رومان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی نضیر کے میدان میں جا کر اترے تو بنی نضیر اپنے قلعوں کے اندر گھس گئے اور قلعہ بند ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نخلستانوں کو کاٹنے اور جلا ڈالنے کا حکم دیدیا۔ محمد یوسف صالحی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولیلی مازنی اور عبداللہ بن سلام کو کھجور کے درختوں کو کاٹ ڈالنے کی خدمت پر مامور کیا ابویعلی عجوہ کو کاٹنے لگے اور عبداللہ بن سلام نے لون کو کاٹنا شروع کیا۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ
یہ اس لئے کہ وہ مخالف ہوئے اللہ سے اور اُس کے رسول سے
وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ
اور جو کوئی مخالف ہو اللہ سے تو اللہ کا عذاب
الْعِقَابِ ﴿٤﴾
سخت ہے

☆ یعنی ایسے مخالفوں کو ایسی سخت سزا ملتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یہودیوں کی طرف قریشیوں کے خطوط

ابوداؤد میں ہے کہ ابن ابی اور اُس کے مشرک ساتھیوں کو جو قبیلۂ اوس وخزرج میں سے تھے کفار قریش نے خط لکھا' جبکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تھے' اور غزوہ بدر پیش نہیں آیا تھا۔ اس میں تحریر تھا کہ تم نے حضور کو اپنے شہر میں ٹھہرایا ہے پس یا تو تم اس سے لڑائی کرو اور اسے نکال باہر کرو' یا ہم تمہیں نکال دیں گے اور اپنے تمام لشکروں کو لے کر تم پر حملہ کریں گے اور تمہارے تمام لڑنے والوں کو تہ تیغ کر دیں گے اور تمہاری عورتوں لڑکیوں کو لونڈیاں بنا لیں گے' خدا کی قسم یہ ہو کر ہی رہے گا اب تم سوچ سمجھ لو۔ عبداللہ بن اُبی اور

اس کے بت پرست ساتھیوں نے اس خط کو پا کر آپس میں مشورہ کیا اور خفیہ طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کرنے کی تجویز بالا تفاق منظور کر لی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبریں معلوم ہوئیں تو آپ خود ان کے پاس گئے اور ان سے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ قریشیوں کا خط کام کر گیا اور تم لوگ اپنی موت کے سامان اپنے ہاتھوں کرنے لگے ہو تم اپنی اولادوں اور اپنے بھائیوں کو اپنے ہاتھوں ذبح کرنا چاہتے ہو میں تمہیں پھر ایک مرتبہ موقع دیتا ہوں کہ سوچ سمجھ لو اور اپنے اس بدارادے سے باز آ جاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد نے ان پر اثر کیا اور وہ لوگ اپنی جگہ چلے گئے۔ لیکن قریش نے بدر سے فارغ ہو کر انہیں پھر ایک خط لکھا اور اسی طرح دھمکایا۔ انہیں ان کی قوت ان کی تعداد اور ان کے مضبوط قلعے یاد دلائے۔ پھر بھرے پر چڑھ گئے اور بنو نضیر نے صاف طور پر بدعہدی کی کمر باندھ لی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آدمی بھیجا کہ تیس آدمی لے کر آیئے ہم میں سے بھی تیس ذی علم آدمی آتے ہیں۔ ہمارے تمہارے درمیان کی جگہ پر یہ ساٹھ آدمی ملیں اور آپس میں بات چیت ہو۔ اگر یہ لوگ آپ کو سچا مان لیں اور ایمان لے آئیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ
جو کاٹ ڈالا تم نے کھجور کا درخت یا
تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا
رہنے دیا کھڑا اپنی جڑ پر
فَبِاِذْنِ اللّٰهِ
سو اللہ کے حکم سے ☆

سبب نزول ☆ جب وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی کہ ان کے درخت کاٹے جائیں اور باغ اجاڑے جائیں تا اس کے درد سے باہر نکل کر لڑنے پر مجبور ہوں اور کھلی ہوئی جنگ کے وقت درختوں کی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ اس پر کچھ درخت کاٹے گئے اور کچھ چھوڑ دیئے گئے کہ فتح کے بعد مسلمانوں کے کام آئیں گے۔ کافروں نے طعن کرنا شروع کیا کہ خود تو فساد سے منع کرتے ہیں کیا درختوں کا کاٹنا اور جلانا فساد نہیں؟ اس پر یہ آیت اتری یعنی یہ سب کچھ اللہ جل شانہ کے حکم سے ہے۔ حکم الٰہی کی تعمیل کو فساد نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ گہری حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ چنانچہ اس حکم کے بعض مصالح اوپر بیان ہو چکیں۔ (تفسیر عثمانی)

عجوہ کھجور: (عجوہ کھجوروں کی ایک اعلیٰ نوع ہوتی تھی اور لون معمولی قسم تھی) دونوں سے اس تعیین کی وجہ دریافت کی گئی (جب کہ حکم میں کوئی تعیین نہیں تھی نہ استثناء تھا) ابولیلی نے کہا عجوہ کو میں اس لئے جلا رہا ہوں کہ یہودیوں کے لئے عجوہ کام نہ آئیں عبداللہ بن سلام نے فرمایا میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ (ان کافروں کا مال) غنیمت مسلمانوں کو عطا فرمائے گا اور عجوہ کے درخت بہت قیمتی ہوتے ہیں اور ان پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا اس لئے میں ان کو نہیں کاٹتا) جب عجوہ کے درخت کاٹے گئے تو عورتیں اپنے گریبان پھاڑ نے منہ پیٹنے اور واویلا کرنے لگیں اور سلام بن مشکم نے حیی سے کہا عجوہ کے درخت کٹ رہے ہیں آئندہ تیس برس تک عجوہ کا ایک خوشہ ایک گھوڑے کے عوض کھانے کو نہیں ملے گا۔ (تفسیر مظہری)

لینۃ: مقاتل نے کہا لینۃ ایک قسم کا کھجور کا درخت ہوتا ہے جس کے پھل کو لون کہا جاتا ہے یہ رنگ میں بہت زرد (اور اتنا شفاف) ہوتا ہے کہ اندر کی گٹھلی باہر سے دکھائی دیتی ہے اور (گودا اتنا نرم ہوتا ہے) کہ ڈاڑھ اس میں گھس جاتی ہے عرب اس کو بہت پسند کرتے ہیں اس کے ایک درخت کی قیمت رصیف کی قیمت کے برابر ہوتی ہے اور عرب کو رصیف سب سے زیادہ مرغوب ہے۔

فَبِاِذْنِ اللّٰهِ۔ یعنی ان درختوں کو کاٹنا یا نہ کاٹنا اور کھڑا رہنے دینا سب اللہ کی اجازت سے ہے یہ اس میں کوئی گناہ نہیں ہے بخاری نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے کھجور کے درخت جلوا دیئے اور کٹوا دیئے تھے۔

ابولیلی نے ضعیف سند سے حضرت جابرؓ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ نے اجازت دے کر درخت خرما کٹوائے تھے پھر بنی نضیر پر زیادہ سختی کی (اور بہت درخت جلوائے اور کٹوائے تھے تو) صحابہؓ نے عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے جو کچھ درخت کاٹ ڈالے اور کچھ چھوڑ دیے کیا اس فعل میں ہم پر کوئی گناہ عائد ہوا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ۔ یعنی کاٹنے کی اجازت دے کر یہودیوں کو ذلیل کرنا اللہ کا مقصود ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝
اور تاکہ رسوا کرے نافرمانوں کو ☆

نافرمانوں کی رسوائی ☆ یعنی تاکہ مسلمانوں کو عزت دے اور کافروں کو ذلیل کرے چنانچہ جو درخت چھوڑ دیئے گئے اس میں مسلمانوں کی ایک کامیابی اور کفار کو غیظ میں ڈالنا ہے کہ یہ مسلمانوں اس کو برتیں گے اور نفع اُٹھائیں گے۔ اور جو کاٹے یا جلائے گئے اُس میں مسلمانوں کی دوسری

کامیابی یعنی ظہور آثار غلبہ اور کفار کو غیظ وغضب میں ڈالنا ہے کہ مسلمان ہماری چیزوں میں کیسے تصرفات کر رہے ہیں لہٰذا دونوں امر جائز اور حکمت پر مشتمل ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ
اور جو مال کہ لوٹا دیا اللہ نے اپنے رسول پر اُن سے سوتم
اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا
نے نہیں دوڑائے اُس پر گھوڑے اور نہ
رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ
اونٹ ولیکن اللہ غلبہ دیتا ہے اپنے رسولوں کو
عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
جس پر چاہے اور اللہ سب کچھ
قَدِيْرٌ ⑥
کر سکتا ہے ☆

مال غنیمت اور مال فی ☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں" کہ یہی فرق رکھا ہے "غنیمت" میں اور" فیئ" میں۔ جو مال لڑائی سے ہاتھ لگا وہ غنیمت ہے اس میں پانچواں حصہ اللہ کی نیاز (جس کی تفصیل دسویں پارہ کے شروع میں گزر چکی) اور چار حصے لشکر کو تقسیم کیے جاتے ہیں اور جو بغیر جنگ کے ہاتھ آیا وہ سب کا سب مسلمانوں کے خزانہ میں رہے (انکو مصالح عامہ میں) اور جو کام ضروری ہو اس پر خرچ ہو" (تنبیہ) اگر قدرے جنگ ہونے کے بعد کفار مرعوب ہو کر صلح کی طرف مسارعت کریں اور مسلمان قبول کر لیں اس صورت میں جو اموال صلح سے حاصل ہونگے وہ بھی حکم "فیئ" میں داخل ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اموال "فیئ" خالص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار وتصرف میں ہوتے تھے ممکن ہے کہ یہ اختیار مالکانہ ہو جو صرف آپ کے لیے مخصوص تھا۔ جیسا کہ آیات حاضر میں "عَلٰى رَسُوْلِهٖ" کے لفظ سے متبادر ہوتا ہے۔ اور احتمال ہے کہ محض حاکمانہ ہو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان اموال کے متعلق آپ کو اگلی آیت میں ہدایت فرما دی کہ وجوباً یا ندباً فلاں فلاں مصارف میں صرف کیے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ اموال امام کے اختیار وتصرف میں چلے جاتے ہیں لیکن اس کا تصرف مالکانہ نہیں ہوتا محض حاکمانہ ہوتا ہے۔ وہ ان کو اپنی صوابدید اور مشورہ سے مسلمانوں کی عام ضروریات ومصالح میں خرچ کریگا باقی اموال غنیمت کا حکم اس سے جداگانہ ہے۔ وہ خمس نکالے جانے کے بعد خالص لشکر کا حق ہوتا ہے کما یدل علیہ قولہ تعالیٰ "وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ" الآیۃ لشکری اپنی خوشی سے چھوڑ دیں تو وہ علیحدہ بات رہی البتہ شیخ ابوبکر رازی حنفی نے "احکام القرآن" میں نقل کیا ہے کہ یہ حکم اموال منقولہ کا ہے غیر منقولہ میں امام کو اختیار ہے کہ مصلحت سمجھے تو لشکر پر تقسیم کر دے اور مصلحت نہ سمجھے تو مصالح عامہ کے لیے رہنے دے۔ جیسا کہ سواد عراق میں حضرت عمرؓ نے بعض جلیل القدر صحابہؓ کے مشورہ سے یہ ہی عملدرآمد رکھا۔ اسی مسلک کے موافق شیخ ابوبکر رازی نے "وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ" الخ کو اموال منقولہ پر اور سورہ "حشر" کی آیات کو اموال غیر منقولہ پر حمل کیا ہے۔ اس طرح کہ پہلی آیات "وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ" حکم "فیئ" پر اور دوسری آیت "مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى" حکم "غنیمت" پر محمول ہے اور لغۃً "غنیمت" کو لفظ "فیئ" سے تعبیر کر سکتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (تفسیر عثمانی)

يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ۔ لیکن اللہ نے اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے غالب کر دیتا ہے لیکن مخالفوں کے دلوں میں پیغمبروں کا رعب ڈال دیتا ہے۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اس لئے جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے خواہ ظاہری ذرائع کو استعمال کر کے یا بلاواسطہ بغیر ظاہری ذرائع کے۔ (تفسیر مظہری)

اجتہادی اختلاف کی دونوں جانبوں میں کسی کو گناہ نہیں کہہ سکتے

دوسرا اہم اصول اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جو لوگ اجتہاد شرعی کی صلاحیت رکھتے ہیں اگر ان کا اجتہاد کسی مسئلے میں مختلف ہو جائے ایک فریق جائز قرار دے اور دوسرا ناجائز تو عند اللہ یہ دونوں حکم درست اور جائز ہوتے ہیں ان میں سے کسی کو گناہ معصیت نہیں کہہ سکتے اور اسی لئے اس پر نہی عن المنکر کا قانون جاری نہیں ہوتا کیونکہ ان میں سے کوئی جانب بھی منکر شرعی نہیں اور وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ میں درختوں کے کاٹنے یا جلانے والوں کے عمل کی توجیہ بیان کی گئی ہے کہ وہ بھی فساد میں داخل نہیں بلکہ کفار کو ذلیل کرنے کے قصد سے موجب ثواب ہے۔

مسئلہ: بحالت جنگ کفار کے گھروں کو منہدم کرنا یا جلانا اسی طرح درختوں کھیتوں کو برباد کرنا جائز ہے یا نہیں اس میں ائمہ فقہاء کے مختلف اقوال ہیں امام اعظم ابو حنیفہؒ سے بحالت جنگ ان سب کاموں کا جائز ہونا منقول ہے مگر شیخ ابن ہمامؒ نے فرمایا کہ یہ جواز اس وقت میں ہے جبکہ اس کے بغیر کفار پر غلبہ پانا مشکل ہو یا اس صورت میں جبکہ مسلمانوں کی فتح کا گمان غالب نہ ہو تو

یہ سب کام اس لئے جائز ہیں کہ ان سے کفار کی طاقت وشوکت کو توڑنا مقصود ہے یا عدم فتح کی صورت میں اُن کے مال کو ضائع کرنا بھی ان کی قوت کو کمزور کر دینے کے لئے اس میں داخل ہے (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ
جو مال لوٹایا اللہ نے اپنے رسول پر بستیوں
اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ
بستیوں والوں سے سو اللہ کے واسطے اور رسول کے ☆

مال فی کا عام ضابطہ ☆ پہلی آیت میں صرف اموال ''بنی نضیر'' کا ذکر تھا اب اموال ''فئے'' کے متعلق عام ضابطہ بتلاتے ہیں یعنی ''فئے'' پر قبضہ رسول کا اور رسول کے بعد امام کا کہ اسی پر یہ خرچ پڑتے ہیں باقی اللہ کا ذکر تبرکاً ہوا وہ تو سب ہی کا مالک ہے۔ ہاں کعبہ کا خرچ اور مسجدوں کا بھی جو اللہ کے نامزد ہیں ممکن ہے اس میں درج ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کا معاملہ

(سنن ومسند وغیرہ) ابوداؤد میں حضرت مالک بن اوسؓ سے مروی ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ نے مجھے دن چڑھے بلایا میں گھر گیا تو دیکھا کہ آپ ایک چوکی پر جس پر کوئی کپڑا وغیرہ نہ تھا بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمایا تمہاری قوم کے چند لوگ آئے ہیں میں نے انہیں کچھ دیا ہے تم اسے لیکر ان میں تقسیم کر دو۔ میں نے کہا اچھا ہوتا اگر جناب کسی اور کو یہ کام سونپتے۔ آپ نے فرمایا نہیں تم ہی کرو۔ میں نے کہا بہت بہتر۔ اتنے میں آپ کا داروغہ یرفا آیا اور کہا اے امیر المومنین! حضرت عثمانؓ بن عفان حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت زبیر بن العوامؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تشریف لائے ہیں' کیا انہیں اجازت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں آنے دو چنانچہ یہ حضرات تشریف لائے۔ یرفا پھر آیا اور کہا امیر المومنین! حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ اجازت طلب کر رہے ہیں' آپ نے فرمایا اجازت ہے۔ یہ دونوں حضرات بھی تشریف لائے۔ حضرت عباسؓ نے کہا اے امیر المومنین میرا اور ان کا فیصلہ کیجئے یعنی حضرت علیؓ کا' تو پہلے جو چاروں بزرگ آئے تھے ان میں سے بھی بعض نے کہا ہاں امیر المومنین ان دونوں بزرگوں کے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور انہیں راحت پہنچایئے۔ حضرت مالکؓ فرماتے ہیں اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ ان چاروں بزرگوں کو ان دونوں حضرات نے ہی اپنے سے پہلے یہاں بھیجا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ٹھہرو۔ پھر ان چاروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تمہیں اس خدا کی قسم جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہمارا ورثہ بانٹا نہیں جاتا ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ ان چاروں نے اس کا اقرار کیا۔ پھر آپ ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی طرح قسم دے کر ان سے بھی یہی سوال کیا اور انہوں نے بھی اقرار کیا۔ پھر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک خاصہ کیا تھا جو اور کسی کے لئے نہ تھا۔ پھر آپ نے یہی آیت وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ الخ پڑھی اور فرمایا بنونضیر کے مال اللہ تعالیٰ نے بطور فے کے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے تھے۔ خدا کی قسم نہ تو میں نے تم پر اس میں کسی کو ترجیح دی اور نہ خود ہی اسے سب کا سب لے لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا اور اپنی اہل کا سال بھر کا خرچ اس میں سے لے لیتے تھے اور باقی مثل بیت المال کے کر دیتے تھے۔ پھر ان چاروں بزرگوں کو اسی طرح قسم دے کر پوچھا کہ کیا تمہیں یہ معلوم ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر ان دونوں سے قسم دے کر پوچھا اور انہوں نے بھی ہاں کہی پھر فرمایا حضورؐ کے فوت ہونے کے بعد ابوبکرؓ والی بنے اور تم دونوں خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے' اے عباس! تم تو اپنی قرابت داری جتا کر اپنے چچا زاد بھائی کے مال میں سے اپنا ورثہ طلب کرتے تھے اور یہ یعنی حضرت علیؓ اپنا حق جتا کر اپنی بیوی یعنی حضرت فاطمہؓ کی طرف سے اس کے والد کے مال سے ورثہ طلب کرتے تھے جس کے جواب میں تم دونوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ہمارا ورثہ نہیں بانٹا جاتا ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے' اللہ خوب جانتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ یقیناً راست گو نیک کار رُشد و ہدایت والے اور تابع حق تھے' چنانچہ اس مال کی ولایت حضرت الصدیقؓ نے کی' آپ کے فوت ہو جانے کے بعد آپ کا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ میں بنا اور وہ مال میری ولایت میں رہا۔ پھر آپ دونوں کے دونوں ایک صلاح سے میرے پاس آئے اور مجھ سے اسے مانگا جس کے جواب میں میں نے کہا کہ اگر تم اس شرط سے اس مال کو اپنے قبضے میں لو کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے خرچ کرتے تھے تم بھی کرتے رہو گے تو میں تمہیں سونپ دیتا ہوں۔ تم نے اس بات کو قبول کیا اور خدا کو بیچ میں دے کر تم نے اس مال کی ولایت لی' پھر تم جو اَب آئے ہو تو کیا اس کے سوا کوئی اور فیصلہ چاہتے ہو؟ قسم خدا کی قیامت تک اس کے سوا اس کا کوئی فیصلہ میں نہیں کر سکتا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اگر تم اپنے وعدے کے مطابق اس مال کو نگرانی اور اس کا صرف نہیں کر سکتے تو تم اسے پھر لوٹا دو (تاکہ میں آپ اسے اسی طرح خرچ کروں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اور جس طرح خلافت صدیقی میں اور آج تک ہوتا رہا)۔

کھجور کے درختوں کی واپسی: مسند احمد میں ہے کہ لوگ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کو اپنے کھجوروں کے درخت وغیرہ دیدیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ قریظہ اور بنونضیر کے اموال آپ کے قبضے میں آئے تو آپ نے ان لوگوں کو ان کے دیئے ہوئے مال واپس دینے شروع کئے۔ حضرت انسؓ کو بھی ان کے گھر والوں نے آپ کی خدمت میں بھیجا کہ ہمارا دیا ہوا بھی سب یا جتنا چاہیں ہمیں واپس کردیں۔ انسؓ نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد دلایا آپ نے وہ سب واپس کرنے کو فرمایا۔ لیکن آپ یہ سب حضرت ام ایمنؓ کو اپنی طرف سے دے چکے تھے۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ یہ سب میرے قبضے سے نکل جائیگا تو انہوں نے آکر میری گردن میں کپڑا ڈال دیا اور مجھ سے فرمانے لگیں خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں حضرت تجھے یہ نہیں دینگے آپ تو مجھے وہ سب کچھ دے چکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ام ایمن تم گھبراؤ نہیں ہم تمہیں اس کے بدلے اتنا اتنا دیں گے لیکن وہ نہ مانی اور یہی کہے گئیں۔ آپ نے فرمایا اچھا اور اتنا اتنا ہم تمہیں دیں گے لیکن وہ اب بھی خوش نہ ہوئیں اور وہی فرماتی رہیں۔ آپ نے پھر فرمایا لو ہم تمہیں اتنا اتنا اور دیں گے یہاں تک کہ جتنا انہیں دے رکھا تھا اس سے جب تقریباً دس گنا زیادہ دینے کا وعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تب آپ راضی ہوکر خاموش ہوگئیں اور ہمارا مال ہمیں مل گیا۔ یہ فے کا مال جن پانچ جگہوں میں صرف ہوگا یہی جگہیں غنیمت کے مال کے صرف کرنے کی بھی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

مالک حقیقی کی عطا کردہ ولایت پیکر رسالت میں

آیت مذکورہ فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ میں لام لله پر تملیک کے لئے ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ اللہ رب العزت ان اموال کا حقیقی مالک ہے اور للرسول پر لام تولیت کا ہے کہ مالک حقیقی نے اپنی عطاء اور ملک یا امانت بطور نیابت وتولیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ فرمائی اور قانون مقرر ہو گیا کہ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۔ تو ولایت ونیابت کا یہ مقام اور تولیت ایک برزخی مقام ہوا جو ملک حقیقی اور ملک مستعار کے درمیان ہے۔ اور یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مختص ہے اس سے یہ نتیجہ واضح طور پر اخذ ہوتا ہے کہ جیسے مالک حقیقی خداوند مالک الملک کو یہ اختیار ہے کہ وہ جسے چاہے دے اور جسے چاہے نہ دے اسی طرح بوجۂ خلافت خداوندی یہ مرتبہ متوسط یعنی مرتبہ تولیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے جس کے واسطے آیت مبارکہ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ناطق ہے۔

جو تولیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلافت الٰہیہ کے ضمن میں من جانب اللہ حاصل تھی اس کا ماحصل خلافت کی تقسیم ہے کہ آپ کے بعد خلفائے راشدین وہ خدمت انجام دیتے رہیں جو ان کے سپرد کی جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلافت خداوندی حاصل تھی تو خلفائے راشدین کو خلافت نبوت حاصل تھی اور اس کا اصل سبب تولیت ہے نہ کہ ملکیت۔ اس لئے نقل خلافت میں وراثت وقرابت کا مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ پھر یہ فرما کر وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ یہ ظاہر فرمادیا کہ ہر عطا خواہ مال فئی وغنیمت ہو یا خلافت، ونیابت رسالت ہو اس میں کسی کا استحقاق دخل نہیں بلکہ رسول خدا کا فیصلہ اور انکی عطا اور تعیین ہی بنیاد ہے جس کو چاہیں اپنی صوابدید سے عطا فرمادیں تو اسی معیار سے آپ نے جس ہستی کو حضرات صحابہ میں خلافت نبوت کا سب سے پہلا مستحق سمجھا اسی کو خود اپنی حیات مبارکہ میں جانشین بنادیا اور حکم دے دیا **مروا ابابکر لیصل با الناس** کہ ابوبکر کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ مگر ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ و حفصہؓ نے بہت کوشش کی کہ ابوبکر کے بجائے کسی اور کو اس خدمت پر مامور کر دیا جائے لیکن آپ نے پوری قوت اور سختی سے انکی بات رد کرتے ہوئے یہی فیصلہ برقرار رکھا کہ **مروا ابابکر لیصل بالناس** تاکہ دنیا کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ آپ کا اپنے مصلے پر ابوبکرؓ کو کھڑے ہونے کے لئے فرمانا کوئی اتفاقی بات نہ تھی بلکہ یہ ایک طے شدہ خداوندی فیصلہ تھا کہ اب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت و جانشینی صدیق اکبرؓ کے واسطے بارگاہ خداوندی سے طے ہو چکی ہے۔ چنانچہ خود حضرت علیؓ اسی حقیقت کو اپنے خطبات میں ارشاد فرمایا کرتے اور فرماتے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کو امامت کے لئے فرمایا یہ بات نہیں کہ ہم غائب تھے بلکہ موجود تھے ہماری موجودگی میں یہ حکم صادر ہورہا تھا اور ہم تندرست تھے بیمار نہ تھے کہ کوئی یہ گمان کرنے لگے شاید علی بیمار ہوں گے اس وجہ سے یہ بات ہوگئی ورنہ علی ہی امام بنائے جاتے۔ (نہج البلاغۃ) (معارف کاندھلوی)

حضرت عمرؓ کا فرمان: شیخین نے صحیحین میں مالک بن اوس بن حدثان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا اللہ نے اپنے رسول کو اس مال مفت میں تصرف کرنے کا ایسا اختیار خصوصیت کے ساتھ دیا جو اور کسی کو نہیں دیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۔ قدیر تک پڑھی چنانچہ یہ ملکیت خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی جس سے اپنا اور اپنے گھر والوں کا سالانہ خرچ کیا کرتے تھے اس کے بعد جو کچھ بچتا تھا اس کو اللہ کا مال قرار دیتے تھے (یعنی جہاد وغیرہ کی تیاری میں صرف کرتے تھے)۔

صحیحین میں حضرت عمرؓ کی روایت سے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ بنی نضیر کے مال (یعنی املاک اور نقد وجنس) اللہ نے اپنے رسول کی (خصوصیت کے ساتھ) بے محنت عطا فرمائی تھی اس کے لئے مسلمانوں کو نہ گھوڑے دوڑانے پڑے اور نہ اونٹ چنانچہ وہ (ساری املاک) صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھیں اسی میں سے حضور گھر والوں کو سال بھر کر خرچ دیتے تھے اور جو کچھ بچتا تھا اس سے جہاد کی تیاری یعنی اسلحہ اور گھوڑوں کی خریداری کرتے تھے۔

فَلِلّٰہ۔ اللہ کے لئے ہونے کا یہ معنی نہیں کہ اللہ کا کوئی الگ حصہ مقرر کیا گیا کیونکہ دنیا اور آخرت سب اللہ ہی کی ہے (بنی نضیر کے مال ہی کی کیا خصوصیت ہے) بلکہ اس مال کی نسبت جو اپنی طرف کی اس سے اس مال کا بابرکت ہونا ظاہر کیا گیا ہے یہ قول حسن، قتادہ، عطاء ابراہیم نخعی، عامر شعبی اور عام فقہاء و مفسرین کا ہے۔ بعض کے نزدیک اللہ کا حصہ کعبہ کی اور دوسری مساجد کی تعمیر میں خرچ کیا جائے گا (اللہ کا حصہ الگ ہونے کا یہی مطلب ہے) (تفسیر مظہری)

وَلِذِی الْقُرْبٰی
اور قرابت والے کے ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت والے ☆ یعنی حضرت کے قرابت والوں کے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں اس مال میں سے ان کو بھی دیتے تھے اور ان میں فقیر کی بھی قید نہیں تھی۔ اپنے چچا حضرت عباسؓ کو جو دولت مند تھے آپ نے حصہ عطا فرمایا۔ اب آپ کے بعد حنفیہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار جو صاحب حاجت ہوں امام کو چاہیے کہ انہیں دوسرے محتاجوں سے مقدم رکھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِذِی الْقُرْبٰی۔ اس سے مراد ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتدار یعنی بنی ہاشم اور بنی مطلب۔ امام شافعیؒ کی روایت ہے کہ حضرت جبیر بن مطعم نے فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل قرابت یعنی بنی ہاشم اور بنی مطلب کو مال تقسیم کیا تو میں اور عثمان خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اللہ نے بنی ہاشم میں پیدا کیا ہے اس لئے ہم اپنے ہاشمی بھائیوں کو برتری کا تو انکار نہیں کرتے لیکن ہمارے یہ بھائی بنی مطلب ہیں جن کی آپ سے قرابت اور ہماری قرابت برابر کی ہے پھر آپ نے ان کو تو (تقسیم کے وقت) حصہ دیا اور ہم کو چھوڑ دیا حضور نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر ایک جال سے بنا کر فرمایا بنی ہاشم اور بنی مطلب اس طرح ایک ہیں۔

ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں بھی آیا ہے کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) میں اور اولاد مطلب نہ جاہلیت (کے زمانہ) میں الگ الگ تھے نہ اسلام (کے دور) میں۔ ہم اور وہ ایک ہی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں کا جال بنا کر بتایا۔ (تفسیر مظہری)

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ
اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافر کے

السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً
تاکہ نہ آئے لینے دینے میں
بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ
دولت مندوں کے تم میں سے ☆

گردش دولت ضروری ہے ☆ یعنی یہ مصارف اس لیے بتائے کہ ہمیشہ یتیموں محتاجوں، بیکسوں اور عام مسلمانوں کی خبر گیری ہوتی رہے اور عام اسلامی ضروریات سرانجام پا سکیں یہ اموال محض دولت مندوں کے الٹ پھیر میں پڑ کر انکی مخصوص جاگیر بن کر نہ رہ جائیں جن سے سرمایہ دار مزے لوٹیں اور غریب فاقوں مریں۔ (تفسیر عثمانی)

مال فی کی مصارف: سابق آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ مال فے خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور اس آیت میں ذوی القربی اور یتامیٰ اور مساکین اور ابناء السبیل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل کر دیا اس سے یہ بات بتانی مقصود ہے کہ رسول اللہ اس مال کو کہاں کہاں صرف کرتیں گے۔ مال غنیمت تو صرف مجاہدین میں تقسیم کرنا ضروری تھا لیکن مال فے کی تقسیم مال غنیمت کی تقسیم کی طرح نہیں تھی بلکہ اس کی تقسیم اللہ کے رسول کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کی صواب دید پر موقوف ہوئی اور ان کو اجازت دی گئی کہ اصناف مذکورہ میں سے جس کو چاہیں دیں۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ مالدار اور دولت مند لوگ ہی اس مال کا لین دین آپس میں کرتے رہیں اور فقیر غریب محروم رہیں جیسا کہ دور جاہلیت میں کیا جاتا تھا بلکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیدیا گیا کہ وہ مصلحت کے مطابق جس طرح چاہیں تقسیم کریں۔ (تفسیر مظہری)

دولت کی اسلامی تقسیم

حق تعالیٰ رب العالمین ہے، اس کی مخلوق ہونے کی حیثیت سے انسانی ضروریات میں تمام انسانوں کا یکساں حق ہے، اس میں مؤمن و کافر کا بھی فرق نہیں کیا گیا۔ خاندانی اور طبقاتی امیر و غریب کا کیا امتیاز ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تقسیم دولت کا بہت بڑا حصہ جو انسان کی فطری اور اصلی ضروریات پر مشتمل ہے اس کی تقسیم خود اپنے اپنے دست قدرت میں رکھ کر اس طرح فرمائی ہے کہ اس سے ہر طبقہ ہر خطہ ہر کمزور و قوی یکساں فائدہ اٹھا سکے، ایسی اشیاء کو اللہ جل شانہ نے اپنی حکمت بالغہ سے عام انسانی دستبرد اور قبضہ و تسلط سے مافوق بنا دیا ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ اس پر ذاتی قبضہ جما سکے، ہوا، فضا، آفتاب، ماہتاب اور سیاروں کی روشنی فضاء میں پیدا ہونے والے بادل ان کی بارش، یہ چیزیں ایسی

ہیں کہ اُن کے بغیر انسان تھوڑی دیر بھی زندہ نہیں رہ سکتا' ان سب کو قدرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے ایسا وقف عام بنا دیا کہ کوئی بڑی سے بڑی حکومت و طاقت اس پر قبضہ نہیں جما سکتی' یہ چیزیں اللہ کی مخلوق کو ہر جگہ یکساں ملتی ہیں۔

سونا چاندی' روپیہ پیسہ' جو اصلی اور فطری ضروریات میں داخل نہیں' مگر حق تعالیٰ نے اس کو تمام ضروریات کی تحصیل کا ذریعہ بنا دیا ہے' اور یہ معادن سے نکالنے کے بعد خاص قانون کے تحت نکالنے والوں کی ملکیت ہو جاتا ہے' اور اُن سے اُن کی ملکیت مختلف طریقوں پر دوسروں کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے' اور اگر اس کی گردش پورے انسانوں میں خاطر خواہ ہوتی رہے تو کوئی انسان بھوکا ننگا نہیں رہ سکتا' مگر ہوتا یہ ہے کہ مال سے صرف خود ہی فائدہ اٹھائے' دوسروں تک اس کا فائدہ نہ پہنچے' اس بخل و حرص نے دنیا میں اکتنازِ دولت اور سرمایہ پرستی کے پروانے اور نئے بہت سے طریقے ایجاد کرائے' جن کے ذریعہ اس دولت کی گردش صرف سرمایہ داروں اور بڑے لوگوں کے ہاتھوں تک محدود ہو کر رہ گئی۔ عام غریب مساکین محروم کر دیئے گئے' جس کے ردعمل نے دنیا میں کمیونزم اور سوشلزم جیسے نامعقول طریقے ایجاد کئے۔

شخصی ملکیت اور مفادِ عامہ: اسلامی قانون نے ایک طرف تو شخصی ملکیت کا اتنا احترام کیا ہے کہ ایک شخص کے مال کو اس کی جان کے برابر اور جان کو بیت اللہ کی حرمت کے برابر قرار دیا اس پر کسی کے ناجائز تصرف کو شدت سے روکا' دوسری طرف جو ہاتھ ناجائز طور پر اس کی طرف بڑھا وہ ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ تیسری طرف ایسے تمام دروازے بند کر دیئے کہ قدرتی وسائل کے حاصل ہونے والی چیزوں پر کوئی خاص شخص یا جماعت قبضہ کر کے بیٹھ نہ جائے اور عوام کو محروم کر دے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ج

اور جو دے تم کو رسول سو لے لو

وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ج

اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو ☆

اطاعت رسول ☆ یعنی مال و جائیداد وغیرہ جس طرح پیغمبر اللہ کے حکم سے تقسیم کرے اسے بخوشی ورغبت قبول کرو جو ملے لے لو۔ جس سے روکا جائے رک جاؤ اور اسی طرح اس کے تمام احکام اور اوامر ونواہی کی پابندی رکھو۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت کا عموم: یہ آیت اگرچہ مال فے کی تقسیم کے متعلق ہے لیکن (الفاظ عموم کے پیش نظر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوامر ونواہی پر کاربند رہنے کی ہدایت کو شامل ہے۔ بخاری کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا اللہ کی لعنت ہو گودنے والیوں اور گدوانے والیوں پر اور (سفید بال) نوچنے والیوں پر اور خوبصورتی کے لئے دانتوں کی جھریاں بنانے والیوں پر اور تخلیق خداوندی کو بدلنے والیوں پر۔ حضرت ابن مسعودؓ کے اس قول کی اطلاع بنی اسد کی ایک عورت کو پہنچی تو وہ آئی اور حضرت ابن مسعودؓ سے کہا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ آپ نے ایسی ایسی عورت پر لعنت کی ہے ابن مسعودؓ نے فرمایا اللہ کے رسول نے فرمایا جن پر لعنت کی ہے (اور جن کے احکام کی پابندی کی ہدایت اللہ کی کتاب میں موجود ہے انہوں نے لعنت کی) میں ایسی عورتوں پر لعنت کیسے نہ کروں اس عورت نے کہا دونوں لوحوں کے درمیان جو کتاب موجود ہے میں نے وہ (ساری) پڑھی اس میں تو کہیں مجھے نہیں ملا (کہ رسول کے ہر حکم کی پابندی کرو) حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا تو نے کتاب اللہ پڑھی ہی نہیں اگر پڑھتی تو تجھے (یہ حکم) مل جاتا کیا تو نے نہیں پڑھا کہ اللہ نے فرمایا ہے مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ عورت نے کہا کیوں نہیں (یہ آیت تو میں نے پڑھی ہے) فرمایا تو اللہ کے رسول نے (ایسا کرنے کی) ممانعت کر دی ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی اللہ کے رسول کے احکام کے خلاف نہ کرو۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص کو احرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے پہنے دیکھا تو حکم دیا کہ یہ کپڑے اُتار دو' اس شخص نے کہا کہ آپ اس کے متعلق مجھے قرآن کی کوئی آیت بتا سکتے ہیں؟ جس میں سلے ہوئے کپڑوں کی ممانعت ہو' حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہاں وہ آیت میں بتاتا ہوں۔ پھر یہی آیت مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ پڑھ کر سنا دی امام شافعیؒ نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا کہ میں تمہارے ہر سوال کا جواب قرآن سے دے سکتا ہوں' پوچھو جو کچھ پوچھنا ہے' ایک شخص نے عرض کیا کہ ایک محرم نے زنبور (تتیا) مار ڈالا تو اس کا کیا حکم ہے؟ امام شافعیؒ نے یہی آیت مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ تلاوت کر کے حدیث سے اس کا حکم بیان فرما دیا۔ (قرطبی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم درحقیقت اللہ ہی کا حکم ہوتا ہے' منکرین حدیث کے لئے تنبیہ

اس آیت میں ان درختوں کے کاٹنے جلانے یا اُن کو باقی چھوڑنے کے دونوں مختلف عملوں کو باذن اللہ فرمایا ہے' حالانکہ قرآن کی کسی آیت میں دونوں میں سے کوئی بھی حکم مذکور نہیں' ظاہر تو یہ ہے کہ دونوں حضرات نے جو عمل کیا' وہ اپنے اجتہاد سے کیا' زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لی ہو مگر قرآن نے اس اجازت کو جو کہ ایک حدیث تھی اذن اللہ قرار دے کر واضح کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی طرف سے تشریح احکام کا اختیار دیا گیا ہے' اور جو حکم آپ

جاری فرمادیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم میں داخل ہے اس کی تعمیل قرآنی آیات کی تعمیل کی طرح فرض ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ
اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ کا عذاب
الْعِقَابِ ۝۷
سخت ہے☆

رسول کی نافرمانی سے ڈرو☆ یعنی رسول کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے ڈرتے رہو کہیں رسول کی نافرمانی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کوئی سخت عذاب مسلط نہ کردے۔ (تفسیر عثمانی)

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ
واسطے اُن مفلسوں وطن چھوڑنے والوں کے
اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ
جو نکالے ہوئے آئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے
يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا
ڈھونڈتے آئے ہیں اللہ کا فضل اور اُس کی رضا مندی
وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ اُولٰٓئِكَ
اور مدد کرنے کو اللہ کی اور اُس کے رسول کی، وہ لوگ
هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۸
وہی ہیں سچے ☆

فقراء مہاجرین کا خصوصی حق☆ یعنی یوں تو اس مال سے عام مسلمانوں کی ضروریات و حوائج متعلق ہیں۔ لیکن خصوصی طور پر ان ایثار پیشہ جاں نثاروں اور سچے مسلمانوں کا حق مقدم ہے جنہوں نے محض اللہ کی خوشنودی اور رسول کی محبت و اطاعت میں اپنے گھر بار اور مال و دولت سب کو خیر باد کہا اور بالکل خالی ہاتھ ہو کر وطن سے نکل آئے تا اللہ و رسول کے کاموں میں آزادانہ مدد کرسکیں۔ (تفسیر عثمانی)

نکتہ: للفقراء میں الف لام عہدی ہے اور معہود وہی لوگ ہوں گے جن کا ذکر اوپر کر دیا گیا یعنی ذِي الْقُرْبٰى اور وَالْيَتٰمٰى اور الْمَسٰكِيْنِ۔ پس یہ بدل کل من کل ہے۔

میرے نزدیک فقراء مہاجرین اور وہ لوگ جن کا ذکر آگے کیا گیا ہے ان تمام مومنوں کو شامل ہیں جو قیامت تک آنے والے ہوں خواہ زردار ہوں یا نادار جن لوگوں کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے یعنی ذِي الْقُرْبٰى وغیرہ وہ بھی انہیں لوگوں کے ذیل میں داخل ہیں اس صورت میں فقراء مہاجرین وغیرہ عام قرار پائیں گے اور پہلے جن کا ذکر آ چکا ہے وہ خاص مانے جائیں گے اور یہ صورت بدل الکل من البعض کی ہو جائے گی۔

آیت سے ایک مسئلہ پر استدلال: مکہ کے کافروں نے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا تھا اور ان کے مال پر قبضہ کر لیا تھا اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان مہاجر اپنا جو مال چھوڑ آئے تھے اور کفار مکہ نے اس پر قبضہ کر لیا تھا وہ مال کافروں کا ہی ہو گیا کفار اس کے مالک ہو گئے کیونکہ اللہ نے ایسے مہاجروں کو فقراء فرمایا ہے اور فقیر اسی کو کہتے ہیں۔ جس کی ملکیت میں کچھ نہ ہو اس شخص کو فقیر نہیں کہا جاتا جس کی ملکیت میں مال تو ہو مگر اس کے قبضہ میں نہ ہو اور وہ ایسے مقام پر چلا گیا ہو کہ اپنے مال تک اس کی رسائی نہ ہو سکتی ہو بلکہ ایسے شخص کو خصوصیت کے ساتھ ابن السبیل (راہ گیر مسافر) کہا جاتا ہے اس لئے آیت صدقات میں ابن السبیل کا فقراء پر عطف کیا گیا ہے۔

اسی بنیاد پر امام ابوحنیفہ اور امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ کافر اگر مسلمانوں کے مال پر قابض ہو جائیں تو شرعاً ان کو مالک قرار دیا جائے گا امام ابوحنیفہؒ نے کفار کے مالک ہونے کی یہ شرط لگائی کہ دارالکفر میں کفار مسلمانوں کے مال پر منفرداً قابض ہو جائیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی تائید چند احادیث سے ہوتی ہے۔ ابوداؤد نے مراسیل میں تمیم بن طرفہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے قبضہ میں اپنی اونٹنی پائی اور دعویٰ کیا کہ یہ اونٹنی میری ہے دونوں اپنا مقدمہ لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے مدعی نے اپنے دعویٰ کے گواہ پیش کئے اور مدعیٰ علیہ نے اس امر کے گواہ پیش کئے کہ میں نے یہ اونٹنی دشمن سے خریدی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی سے فرمایا جس قیمت کو اس شخص نے یہ اونٹنی خریدی ہے اگر تو لینا چاہے تو وہ قیمت دیکر تو لے لے ورنہ اونٹنی اس کی ہے۔ یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن مرسل اکثر اہل علم کے نزدیک قابل استدلال ہے۔

يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ ۔ یعنی اپنے اعمال حسنہ کی مقدار سے کتنے ہی گناہ زائد ثواب کی طلب کرتے ہیں۔

وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ یعنی اللہ کے دین کی مدد کرتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۔ یعنی مؤمن ہونے کے دعویٰ میں وہ سچے ہیں بعض شیعہ کہتے ہیں کہ فقراء مہاجرین جن کو گھر بار چھوڑ کر نکلنا پڑا وہ مومن نہیں تھے۔

منافق تھے۔ مؤمن ہونے کے دعویٰ میں جھوٹے تھے آیت مذکورہ کی صراحت شیعہ کے مقولہ کے خلاف ہے اس لئے ایسا کہنا اور یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے۔

مہاجرین کی تکلیفیں: قتادہ نے کہا' یہ وہ مہاجر تھے جو اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں گھر بار مال متاع اور کنبہ قبیلہ کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے تھے اور راہ اسلام میں ان کو کتنی ہی شدائد برداشت کرنی پڑیں مگر انہوں نے اسلام کو اختیار کیا۔ بعض آدمیوں کی تکلیفیں اس حد تک بڑھ گئی تھیں کہ انتہائی بھوک کی وجہ سے وہ پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے۔ تاکہ کمر سیدھی ہی رہ سکے بعض آدمیوں کے پاس سردی سے بچنے کے لئے کوئی کپڑا نہیں تھا۔ اس لئے وہ زمین میں گڑھے کھود کر ان میں پناہ لیتے تھے۔ میں کہتا ہوں وہ لوگ راہ خدا میں شہید ہونے کے مشتاق تھے۔

فقراء مہاجرین کی فضیلت: بغوی نے معالم اور شرح السنۃ میں امیہ بن عبداللہ بن اسید کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقراء مہاجرین کے ذریعہ سے دعاء کشائش کیا کرتے تھے۔

مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن فقراء مہاجرین دولت مندوں سے چالیس سال پہلے جنت کی طرف بڑھیں گے۔

ابوداؤد نے حضرت ابوسعیدؓ خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فقراء مہاجرین کے گروہ تم کو قیامت کے دن نور کامل حاصل ہونیکی بشارت ہو تم لوگ دولت مند آدمیوں سے نصف یوم پہلے جنت میں داخل ہوگے اور یہ (نصف یوم) بقدر پانسو برس کے ہوگا۔ میں کہتا ہوں شاید فقراء مہاجرین مالدار مہاجرین سے چالیس سال پہلے اور دوسرے دولت مند لوگوں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

اموال صدقات میں صلحاء اور دینی خدمات انجام دینے والے حاجتمندوں کو مقدم کیا جائے

اس سے معلوم ہوا کہ اموال صدقات خصوصاً مال فئے اگرچہ عام فقراء مسلمین کی حاجت رفع کرنے کے لئے ہیں۔ لیکن ان میں بھی نیک' صالح' دیندار خصوصاً دینی خدمات انجام دینے والے طلباء' علماء اوروں سے مقدم رکھے جاویں' اسی لئے اسلامی حکومتوں میں تعلیم و تبلیغ اور اصلاح خلق میں مشغول علماء اور مفتیوں' قاضیوں کو ان کے گذارہ کے اخراجات مال فئے ہی سے دینے کا رواج تھا' کیونکہ ان آیات میں صحابۂ کرام میں بھی اول دو درجے قائم کئے گئے۔ ایک مہاجرین جنہوں نے سب سے پہلے اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بڑی قربانیاں پیش کیں' اور اسلام کے لئے بڑے مصائب جھیلے بالآخر مال و جائیداد وطن اور تمام خویش و اقرباء کو خیر باد کہہ کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی' دوسرے انصارِ مدینہ ہیں۔ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آنے والے مہاجرین حضرات کے بلاکر دنیا کو اپنا مخالف بنایا اور ان حضرات کی ایسی میزبانی کی کہ جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی' ان دونوں طبقوں کے بعد تیسرا درجہ اُن مسلمانوں کا قرار دیا جو حضرات صحابہ کے بعد مشرف با سلام ہوئے اور ان کے نقشِ قدم پر چلے جس میں قیامت تک آنے والے مسلمان سب شریک ہیں' آگے ان تینوں طبقات کے کچھ فضائل وکمالات اور دینی خدمات کا بیان ہے۔

ایک اہم مسئلہ

اس آیت میں حضرات مہاجرین کو فقراء فرمایا ہے' اور فقیر وہ شخص ہوتا ہے جس کی ملک میں کچھ نہ ہو یا کم از کم بقدر نصاب کوئی چیز نہ ہو' حالانکہ حضرات مہاجرین میں سے اکثر مکہ مکرمہ میں اصحاب اموال و جائداد تھے' اگر ہجرت کے بعد بھی وہ اموال ان کی ملکیت ہوتے تو اُن کو فقراء کہنا درست نہ ہوتا۔ قرآن کریم نے اُن کو فقراء فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ ہجرت کے بعد انکی جائداد اور مال جو مکہ میں چھوڑ آئے اور کفار نے اُن پر قبضہ کرلیا وہ اُن کی ملک سے نکل گئے۔

اسی لئے امام اعظم ابوحنیفہؒ وامام مالکؒ نے فرمایا کہ اگر مسلمان کسی جگہ ہجرت کر کے چلے آویں اور ان کے مال و جائداد پر کفار قابض ہو جائیں' یا خدانخواستہ کسی دارالاسلام پر وہ غالب آکر مسلمانوں کے اموال و جائیداد چھین لیں تو یہ اموال و جائیداد کفار کے مکمل قبضہ مالکانہ کے بعد انہی کی ملک ہو جاتے ہیں۔ اُن کے تصرفات بیع و شراء ان اموال مسلمین میں نافذ ہوتے ہیں' روایت حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

صحابہ کرام کی سچائی کا اعلان: وصف اُن کا اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ یعنی یہی لوگ قول و عمل کے سچے ہیں' کلمۂ اسلام پر پڑھ کر جو عہد اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے باندھا تھا اس میں بالکل پورے اُترے' اس آیت نے تمام صحابہ مہاجرین کے صادق ہونے کا عام اعلان کر دیا' جو شخص ان میں کسی کو جھوٹا قرار دے وہ مسلمان نہیں ہوسکتا' کیونکہ وہ اس آیت کا منکر ہے' معاذ اللہ' روافض جو ان حضرات کو منافق کہتے ہیں یہ اس آیت کی کھلی تکذیب ہے' ان حضرات مہاجرین کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ مقام تھا کہ اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے ان فقراء مہاجرین کا وسیلہ دے کر دعاء فرماتے تھے (کما رواہ البغوی' مظہری) (معارف مفتی اعظم)

صدقات' مال غنیمت اور مال فی

مالک بن اوس بن حدثان سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ فاروق اعظمؓ نے آیت مبارکہ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا ۔ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ

تک تلاوت کی اور فرمایا یہ آیت مصارف صدقات کو بیان کر رہی ہے اور ان لوگوں کے لئے ہے جو صدقات کے مستحق ہیں۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ

وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ

اور فرمایا اس آیت نے ان لوگوں کو بیان کیا ہے جو مال غنیمت کے مستحق ہیں۔ اس کے بعد سورۂ حشر کی یہ آیت تلاوت کی۔ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى۔ الی قولہ تعالیٰ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ اور فرمایا کہ یہ آیت مال فئی مہاجرین کا حق بیان کر رہی ہے۔ پھر آیت وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ پڑھ کر فرمانے لگے کہ اس آیت نے مال فئی میں انصار کا حق بیان کیا ہے اور اخیر میں وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ پڑھ کر فرمانے لگے کہ اس آیت نے تو تمام مسلمانوں کا احاطہ کر لیا ہے جس سے ثابت ہو گیا کہ بیت المال اور مال فئی میں ہر مسلمان کا حق ہے۔ اگر میں زندہ رہا تو تم دیکھ لینا کہ ایک چرواہے کا حق بھی اس کے گھر پہنچا کرے گا بغیر اس کے کہ اس کی پیشانی پر پسینہ بھی آئے ہر مسلمان کا حق اس تک پہنچ کر رہے گا خواہ وہ کسی بھی دور دراز مقام پر ہو۔ (صحیح بخاری۔ تفسیر روح المعانی۔ تفسیر ابن کثیر) (معارف کاندھلوی)

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ
اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں
مِنْ قَبْلِهِمْ
اُن سے پہلے سے ☆

فضائل انصارؓ ☆ اس گھر سے مراد ہے مدینہ طیبہ اور یہ لوگ انصار مدینہ ہیں جو مہاجرین کی آمد سے پہلے مدینہ میں سکونت پذیر تھے اور ایمان و عرفان کی راہوں پر بہت مضبوطی کے ساتھ مستقیم ہو چکے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

تَبَوَّؤُ ۔ کے معنی ٹھکانے بنانے کے ہیں اور دار سے مراد دار ہجرت یا دار ایمان یعنی مدینہ طیبہ ہے۔

مدینہ طیبہ کی ایک خاص فضیلت: اسی لئے حضرت امام مالکؒ ایک حیثیت سے مدینہ طیبہ کو باقی دنیا کے سب شہروں سے افضل قرار دیتے تھے فرماتے تھے کہ دنیا کے تمام شہر اور ملک جہاں جہاں اسلام پہنچا اور پھیلا ہے سب جہاں کے ذریعہ فتح ہوئے ہیں یہاں تک کہ مکہ مکرمہ بھی بجز مدینہ طیبہ کے یہ صرف ایمان سے فتح ہوا ہے (قرطبی)

اس آیت میں تَبَوَّؤُ کے تحت میں دار کے ساتھ ایمان کا بھی ذکر فرمایا ہے حالانکہ ٹھکانا پکڑنے کا تعلق کسی مقام اور جگہ سے ہوتا ہے ایمان کوئی ایسی چیز نہیں جس میں ٹھکانا پکڑا جائے اس لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں ایک لفظ محذوف ہے یعنی اَخْلَصُوْا یا تَمَكَّنُوْا۔ مطلب یہ ہوگا کہ یہی وہ حضرات ہیں جنہوں نے دار الہجرت میں ٹھکانا بنایا اور ایمان میں مخلص اور مضبوط ہوئے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں استعارہ کے طور پر ایمان کو ایک محفوظ مکان سے تشبیہ دے کر اس میں پناہ گزین ہو جانے کو بیان فرمایا ہو اور لفظ مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی مہاجرین سے پہلے کا مطلب یہ ہے کہ ان انصار مدینہ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ جو شہر اللہ کے نزدیک دار الہجرت اور دار الایمان بننے والا تھا۔ اس میں ان لوگوں کا قیام و قرار مہاجرین سے پہلے ہو چکا تھا۔ اور مہاجرین کے یہاں منتقل ہونے سے پہلے ہی یہ حضرات ایمان قبول کر کے اس میں پختہ ہو چکے تھے۔ (معارف مفتی اعظم)

مدینہ طیبہ کی فضیلت: دار الایمان سے مراد مدینہ طیبہ۔ مدینہ کو دار الایمان کہنے کی یہ وجہ ہے کہ مدینہ مظہر ایمان ہے حضرت جابر بن سمرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے مدینہ کا نام طابہ مقرر کیا ہے (مسلم) حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ بھٹی کی طرح ہے میل کچیل کو باہر کر دیتا ہے اور پاک صاف کو نکھار دیتا ہے۔ (متفق علیہ) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی اسی مفہوم کی حدیث آئی ہے۔ (مسلم) (تفسیر مظہری)

يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ
وہ محبت کرتے ہیں اُس سے جو وطن چھوڑ کر آئے اُنکے پاس ☆

انصار کی دوسری صفت ☆ یعنی محبت کے ساتھ مہاجرین کی خدمت کرتے ہیں حتیٰ کہ اپنے اموال وغیرہ میں ان کو برابر کا شریک بنانے کے لیے تیار ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت انصار کی ایک صفت اس آیت میں یہ بیان کی گئی ہے يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ یعنی یہ حضرات ان لوگوں سے محبت رکھتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے شہر میں چلے آئے ہیں جو عام دنیا کے انسانوں کے مزاج کے خلاف ہے ایسے اُجڑے ہوئے خستہ حال لوگوں کو اپنی بستی میں جگہ دینا کون پسند کرتا ہے ہر جگہ ملکی اور غیر ملکی کے سوالات کھڑے ہوتے ہیں۔ مگر ان حضرات انصار نے صرف یہی نہیں کیا کہ ان کو اپنی بستی میں جگہ دی بلکہ اپنے مکانوں میں آباد کیا اور اپنے اموال میں حصہ دار بنایا اور اس طرح عزت و احترام کے ساتھ ان کا استقبال کیا کہ ایک ایک مہاجر کو اپنے پاس جگہ دینے کے لئے کئی کئی انصاری حضرات نے درخواست کی یہاں تک کہ قرعہ اندازی کرنا پڑی قرعہ کے ذریعہ جو مہاجر جس انصاری کے حصہ میں آیا اس کو سپرد کیا گیا (مظہری)

اموال بنونضیر کی تقسیم کا واقعہ: انصار مدینہ کے دو بڑے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ اور سعد بن معاذؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری رائے یہ ہے کہ یہ سب اموال بھی صرف مہاجر بھائیوں میں تقسیم فرما دیجئے اور وہ پھر بھی ہمارے مکانوں میں بدستور مقیم رہیں' اُن کی بات سُن کر تمام حاضرین انصار بول اٹھے کہ ہم اس فیصلے پر راضی اور خوش ہیں' اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انصار اور ابناء انصار کو دعا دی' اور ان اموال کو صرف مہاجرین میں تقسیم فرما دیا' انصار میں سے صرف دو حضرات کو جو بہت حاجتمند تھے اس میں سے حصہ عطاء فرمایا' یعنی سہل بن حنیفؓ اور ابودجانہؓ اور سعد بن معاذؓ کو ایک تلوار عطا فرمائی جو ابن ابی الحقیق کی ایک ممتاز تلوار تھی (مظہری بحوالہ سبیل الرشاد محمد بن یوسف الصالحی) (معارف مفتی اعظم)

وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ
اور نہیں پاتے اپنے دل میں
حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ
تنگی اُس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے' اور مقدم رکھتے ہیں
عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْكَانَ بِهِمْ
اُن کو اپنی جان سے' اور اگرچہ ہو اپنے
خَصَاصَةٌ ؕ وقف
اُوپر فاقہ ☆

انصار کی تیسری صفت ☆ یعنی مہاجرین کو اللہ تعالیٰ جو فضل و شرف عطا فرمائے یا اموال فی وغیرہ میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ عنایت کریں اسے دیکھ کر انصار دل تنگ نہیں ہوتے نہ حسد کرتے ہیں بلکہ خوش ہوتے ہیں اور ہر اچھی چیز میں انکو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں۔ خود سختیاں اور فاقے اٹھا کر بھی اگر ان کو بھلائی پہنچا سکیں تو دریغ نہیں کرتے۔ ایسا بے مثال ایثار آج تک دنیا کی کس قوم نے کس قوم کے لیے دکھلایا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا' اس میں حاجت سے مراد ہر ضرورت کی چیز ہے' اور مِمَّآ اُوْتُوْا کی ضمیر مہاجرین کی طرف راجع ہے' معنی آیت کے یہ ہیں کہ اس تقسیم میں جو کچھ مہاجرین کو دیدیا گیا' انصار مدینہ نے خوشی سے اس کو اس طرح قبول کیا کہ گویا ان کو ان چیزوں کی کوئی حاجت ہی نہیں' اُن کو دینے سے بُرا ماننا یا شکایت کرنا اس کا تو دور دور کوئی امکان ہی نہ تھا' اس کے بالمقابل جب بحرین فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ یہ پورا مال صرف انصار میں تقسیم کر دیا جائے مگر انصار نے اس کو قبول نہ کیا' بلکہ عرض کیا ہم اُس وقت تک نہ لیں گے جب تک ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی اس میں سے حصہ نہ دیا جائے۔ (رواہ البخاری عن انس بن مالکؓ)۔

انصار کا ایثار: حضرات مہاجرین کے معاملہ میں حضرات انصار نے بڑے ایثار سے کام لیا' اپنے مکانوں' دکانوں کاروبار' زمین اور زراعت میں ان کو شریک کر لیا' لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین کو وسعت عطا فرمائی تو انہوں نے بھی حضرات انصار کے احسانات کی مکافات میں کمی نہیں کی۔

قرطبی نے بحوالہ صحیحین حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ جب مہاجرین مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آئے تو ان کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا' اور انصار مدینہ زمین و جائیداد والے تھے' انصار نے ان حضرات کو ہر چیز نصفا نصف تقسیم کر دی' اپنے باغات کے آدھے پھل سالانہ اُن کو دینے لگے' اور حضرت انسؓ کی والدہ اُم سلیمؓ نے اپنے چند درخت کھجور کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدیئے تھے' جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسامہ بن زید کی والدہ اُم ایمن کو عطا فرما دیئے۔

مذکورہ آیات کا سبب نزول: اور قشیری نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ صحابۂ کرام میں سے ایک بزرگ کو کسی شخص نے ایک بکری کا سر بطور ہدیہ پیش کیا' اس بزرگ نے خیال کیا کہ ہمارا فلاں بھائی اور اس کے اہل و عیال ہم سے زیادہ ضرورتمند ہیں' یہ سر ان کے پاس بھیج دیا' اس دوسرے بزرگ کے پاس پہنچا تو اسی طرح انہوں نے تیسرے کے پاس اور تیسرے نے چوتھے کے پاس بھیج دیا۔ یہاں تک کہ سات گھروں میں پھرنے کے بعد پھر پہلے بزرگ کے پاس واپس آ گیا۔ اس واقعہ پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں۔ یہی واقعہ ثعلبیؒ نے حضرت انسؓ سے بھی روایت کیا ہے۔

بے مثال قربانی: اور حذیفہ عدویؓ فرماتے ہیں کہ میں جنگ یرموک میں اپنے چچازاد بھائی کی تلاش شہداء کی لاشوں میں کرنے کے لئے نکلا' اور کچھ پانی ساتھ لیا' کہ اگر ان میں کچھ جان ہوتی تو پانی پلا دوں گا۔ ان کے پاس پہنچا تو کچھ رمق زندگی کی باقی تھی' میں نے کہا کہ کیا آپ کو پانی پلا دوں' اشارہ سے کہا کہ ہاں' مگر فوراً ہی قریب سے ایک دوسرے شہید کی آواز آہ آہ کی آئی تو میرے بھائی نے کہا کہ یہ پانی اُن کو دیدو' ان کے پاس پہنچا اور پانی دینا چاہا تو تیسرے آدمی کی آواز ان کے کان میں آئی' اس نے بھی اس تیسرے کو دینے کے لئے کہہ دیا' اسی طرح یکے بعد دیگرے سات شہیدوں کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا۔ جب ساتویں شہید کے پاس پہنچا تو وہ دم توڑ چکے تھے۔ یہاں سے اپنے بھائی کے پاس پہنچا تو وہ بھی ختم ہو چکے تھے۔

یہ چند واقعات ہیں جن میں کچھ انصار کے کچھ مہاجرین کے ہیں' اکثر

کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آیت ایثار اس واقعہ میں نازل ہوئی، مگر ان میں کوئی تضاد واختلاف نہیں، کیونکہ جس طرح کے واقعہ میں ایک آیت نازل ہو چکی ہے اگر اسی طرح کا کوئی دوسرا واقعہ پیش آ جائے تو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اس میں یہ آیت نازل ہوئی اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سبھی واقعات نزول آیت کا سبب یا مصداق ہیں۔

پورے مال کا صدقہ: ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بیضہ کے برابر سونے کا ٹکڑا بغرض صدقہ پیش کیا، تو آپ نے اس کو اسی کی طرف پھینک کر ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بعض لوگ اپنا سارا مال صدقہ کرنے کو لے آتے ہیں پھر محتاج ہو کر لوگوں سے بھیک مانگتے ہیں۔

لوگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں، ہر حال کا حکم الگ ہے، پورا مال صدقہ کر ڈالنے کی ممانعت اُن لوگوں کے لئے ہے جو بعد میں فقر وفاقہ پر صبر نہ کر سکیں، اپنے صدقہ کئے ہوئے پر پچھتائیں یا پھر لوگوں سے بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائیں، اور وہ لوگ جنکے عزم وہمت اور ثبات واستقلال کا یہ حال ہو کہ سب کچھ خرچ کر ڈالنے کے بعد فقر وفاقہ پر انہیں کوئی پریشانی نہ ہو، بلکہ ہمت کے ساتھ اس پر صبر کر سکتے ہوں اُن کے لئے سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالنا جائز ہے، جیسا کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک جہاد میں چندہ میں اپنا سارا مال پیش کر دیا تھا، اسی کے نظائر یہ واقعات ہیں جو اس جگہ مذکور ہیں، ایسے حضرات نے اپنے اہل وعیال کو بھی اسی صبر واستقلال کا خوگر بنا رکھا تھا۔ اس لئے اس میں ان کی بھی کوئی حق تلفی نہ تھی، اگر مال خود اہل وعیال کے قبضہ میں ہوتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتے۔ (قرطبی باضافہ اشیاء)

حضرات مہاجرین کی طرف سے ایثار انصار کی مکافات

دنیا میں کوئی اجتماعی کام یک طرفہ رواداری وایثار سے قائم نہیں رہتا جب تک دونوں طرف سے اسی طرح کا معاملہ نہ ہو، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا اس کی ترغیب دی کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دے کر باہمی محبت بڑھایا کریں، اسی طرح جن کو ھدیہ دیا گیا ہے ان کو یہ بھی تعلیم دی کہ تم بھی ہدیہ دینے والے کے احسان کی مکافات کرو، اگر مالی وسعت اللہ تعالیٰ عطا فرمادے تو مال سے ورنہ دعاء ہی سے اس کی مکافات کرو، بے حسی کے ساتھ کسی کے احسانات کا بار سر پر لیتے رہنا شرافت اور خلق کے خلاف ہے۔

حضرت عائشہؓ کا صدقہ: مؤطاء امام مالکؒ میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک مسکین نے اُن سے سوال کیا، ان کے گھر میں صرف ایک روٹی تھی اور ان کا اس روز روزہ تھا، آپ نے اپنی خادمہ سے فرمایا کہ یہ روٹی اس کو دیدو، خادمہ نے کہا کہ اگر یہ دیدی گئی تو شام کو آپ کے افطار کرنے کے لئے کوئی چیز نہ رہے گی، حضرت صدیقہؓ نے فرمایا کہ پھر بھی دیدو، یہ خادمہ کہتی ہیں کہ جب شام ہوئی تو ایک ایسے شخص نے جن کی طرف سے ہدیہ دینے کی کوئی رسم نہ تھی ایک سالم بکری بھنی ہوئی اور اس کے اوپر آٹے میدے کا خول چڑھا ہوا پختہ، جو عرب میں سب سے بہترین کھانا سمجھا جاتا ہے، اُن کے پاس بطور ہدیہ بھیج دیا، حضرت صدیقہؓ نے خادمہ کو بلایا کہ آؤ یہ کھاؤ یہ تمہاری اُس روٹی سے بہتر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر اور ایک سائل

اور نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ بیمار تھے، اور انگور کو جی چاہا ان کے لئے ایک درہم میں ایک خوشہ انگور کا خرید کر لایا گیا، اتفاق سے ایک مسکین آ گیا اور سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ یہ خوشہ اس کو دیدو، حاضرین میں سے ایک شخص خفیہ طور پر اس کے پیچھے گیا اور خوشہ اس مسکین سے خرید کر پھر ابن عمرؓ کو پیش کر دیا، مگر یہ سائل پھر آیا اور سوال کیا تو حضرت ابن عمرؓ نے پھر اس کو دیدیا، پھر کوئی صاحب خفیہ طور پر گئے اور اس مسکین کو ایک درہم دے کر خوشہ خرید لائے، اور حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں پیش کر دیا، وہ سائل پھر آنا چاہتا تھا لوگوں نے منع کر دیا۔ اور حضرت ابن عمرؓ کو یہ اطلاع ہوئی کہ یہ وہی خوشہ ہے جو انہوں نے صدقہ میں دیدیا تھا، تو ہرگز نہ کھاتے، مگر ان کو یہ خیال ہوا کہ لانے والا بازار سے لایا ہے اس لئے استعمال فرمالیا۔

حضرت عمر فاروقؓ، حضرت ابوعبیدہ اور حضرت معاذ بن جبل

اور ابن مبارک نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے چار سو دینار ایک تھیلی میں بھر کر تھیلی غلام کے سپرد کی کہ ابو عبیدہ بن جراحؓ کے پاس لیجاؤ کہ ہدیہ ہے قبول کر کے اپنی ضرورت میں صرف کریں، اور غلام کو ہدایت کر دی کہ ہدیہ دینے کے بعد کچھ دیر گھر میں ٹھہر جانا اور یہ دیکھنا کہ ابوعبیدہ اس رقم کو کیا کرتے ہیں، غلام نے حسب ہدایت یہ تھیلی حضرت ابوعبیدہؓ کی خدمت میں پیش کر دی اور ذرا ٹھہر گیا ابوعبیدہؓ نے تھیلی لے کر کہا کہ اللہ تعالیٰ اُن کو یعنی عمر بن خطابؓ کو اس کا صلہ دے اور اُن پر رحمت فرمائے اور اُسی وقت اپنی کنیز کو کہا کہ لو یہ سات فلاں شخص کو پانچ فلاں کو دے آؤ، یہاں تک کہ پورے چار سو دینار اسی وقت تقسیم کر دیئے۔

غلام نے واپس آ کر واقعہ بیان کر دیا۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے اُسی طرح چار سو دینار کی ایک دوسری تھیلی تیار کی ہوئی غلام کو دے کر ہدایت کی کہ معاذ بن جبلؓ کو دے آؤ، اور وہاں بھی دیکھو وہ کیا کرتے ہیں یہ غلام لے گیا۔ انہوں نے تھیلی لے کر حضرت عمرؓ کے حق میں دعاء دی رحمہ اللہ ووصلہ "یعنی اللہ اُن پر رحمت فرمائے اور اُن کو صلہ دے"، اور یہ بھی تھیلی لے کر فوراً تقسیم کرنے کے لئے بیٹھ گئے، اور اس کے بہت سے حصے کر کے مختلف گھروں میں بھیجتے رہے، حضرت معاذؓ کی بیوی یہ سب ماجرا دیکھ رہی تھیں آخر میں بولیں

کہ ہم بھی تو بخدا مسکین ہی ہیں، ہمیں بھی کچھ ملنا چاہئے اس وقت تھیلی میں صرف دو دینار رہ گئے تھے وہ انکو دیدئے۔ غلام یہ دیکھنے کے بعد لوٹا اور حضرت عمرؓ سے بیان کیا، تو آپ نے فرمایا کہ یہ سب بھائی بھائی ہیں سب کا مزاج ایک ہی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

مہاجرین کی میزبانی کے لئے انصار کی قرعہ اندازی

محمد بن یوسف صالحی نے سبیل الرشاد میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی عوف بن عمرو کی بستی سے منتقل ہوکر مدینہ تشریف لائے تو آپ کے ساتھ مہاجرین بھی منتقل ہوکر مدینہ آ گئے ان مہاجرین کو مہمان رکھنے کے متعلق انصار کا باہم اختلاف ہوگیا تمام انصار نے چاہا کہ مہاجرین ان کے گھروں میں اتریں آخر نوبت قرعہ اندازی تک پہنچی اور جس انصاری کا نام قرعہ میں نکل آیا وہ اپنے مہمان کو اپنے گھر لے گیا اس طرح مہاجرین انصار کے گھروں اور مالوں میں مقیم (شریک) ہوگئے۔

بنی نضیر کے مال غنیمت کے بارے میں انصار کا ایثار

بنی نضیر کا مال غنیمت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ آیا تو آپ نے ثابت بن قیس بن شماس کو طلب فرمایا اور حکم دیا میرے پاس اپنی قوم والوں کو بلا لاؤ ثابت نے عرض کیا۔ کیا خزرج کو فرمایا (نہیں بلکہ) تمام انصار کو حسب الحکم ثابت نے (تمام) اوس اور خزرج والوں کو بلا لیا (جب سب آ گئے تو) کلام شروع کیا اور اللہ کی حمد وثنا کی پھر انصار کا اور مہاجرین کے ساتھ انصار کے حسن سلوک کا اور اپنے مکانوں اور مالوں میں مہاجرین کو جگہ دینے کا اور مہاجرین کے لئے انصار کے ایثار کرنے کا ذکر کیا اس کے بعد فرمایا اللہ نے بنی نضیر کا جو متروکہ مجھے عنایت فرمایا ہے اگر تم چاہو تو میں وہ متروکہ تم کو اور مہاجروں کو (برابر) تقسیم کردوں اس صورت میں مہاجرین ان حالات پر قائم رہیں گے جن پر اب ہیں یعنی تمہارے گھروں اور تمہارے مالوں میں سکونت۔ اور اگر تم پسند کرو تو میں یہ مال انہیں کو دیدوں (تم کو نہ دوں) اس صورت میں وہ تمہارے گھروں کو چھوڑ دیں گے اور چلے جائیں گے یہ تقریر سن کر حضرت سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ نے باہم مشورہ کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ آپ یہ مال مہاجرین کو ہی تقسیم کردیں اور جیسے وہ اب ہمارے گھروں میں رہتے ہیں آئندہ بھی رہیں گے۔

(دونوں سرداروں کا فیصلہ سن کر) انصار نے پکار کر کہا یا رسول اللہ ہم اس پر راضی ہیں ہم کو یہ منظور ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ انصار پر رحمت (نازل) فرما اس کے بعد بنی نضیر کا جو متروکہ اللہ نے اپنے رسول کو عنایت فرمایا تھا وہ آپ نے تقسیم کردیا صرف مہاجرین کو عطا فرمایا اور انصار میں سے سواء دو محتاج آدمیوں کے اور کسی کو نہیں دیا ایک سہل بن حنیف دوسرے ابودجانہ البتہ سعد بن معاذ کو ابن ابی الحقیق کی تلوار عنایت کردی اس تلوار کی بڑی شہرت تھی۔

بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا تمہارے مہاجر بھائیوں کے پاس مال نہیں ہے اگر تمہاری مرضی ہو تو یہ (بنی نضیر کا متروکہ) مال تم کو اور ان کو میں تقسیم کردوں اور جو تمہارا مال اب تقسیم شدہ ہے وہ بھی تمہارے اور ان کے درمیان بانٹ دوں۔ اور اگر تم چاہو تو اپنا مال اپنے پاس رکھو (مہاجرین کو اس میں سے کچھ نہ دو) اور یہ کل مال فئی میں انہیں کو بانٹ دوں (تم کو کچھ نہ دوں) انصار نے جواب دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ مال فئی تو آپ انہیں کو تقسیم کردیں اور ہمارے مال میں سے جتنا آپ چاہیں بانٹ کر ان کو دیدیں۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ۔ یعنی اپنے مکانوں اور مالوں کے لئے مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں یہاں تک کہ جس انصاری کی دو بیبیاں تھیں اس نے ایک کو طلاق دیکر اپنے مہاجر بھائی کا اس سے نکاح کردیا۔

ایک انصاری کا عجیب ایثار: بخاری نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے (فاقہ کی) سخت تکلیف ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیبیو کے گھر کسی کو بھیجا (کہ جو کچھ موجود ہو لے آئے) لیکن کسی بی بی کے گھر میں کچھ نہیں ملا حضورؐ نے فرمایا کیا کوئی ہے جو آج رات اس کی مہمانی کرے (یعنی کھانا کھلا دے) اللہ کی رحمت اس پر فوراً ایک انصاری کھڑا ہوگیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی ضیافت کروں گا چنانچہ مہمان کو لیکر یہ صاحب اپنے گھر پہنچے اور بی بی سے کہا یہ اللہ کے رسول کا مہمان ہے اس سے بچا کر کوئی چیز نہ رکھنا بی بی نے کہا خدا کی قسم میرے پاس سوائے بچوں کے کھانے کے اور کچھ نہیں ہے انصاری نے کہا جب بچے شام کو کھانا مانگیں تو حیلہ بہانہ کر کے ان کو سلا دینا اور پھر آ کر چراغ بجھا دینا ہم (دونوں) آج رات بھوکے رہیں گے (اور بچوں کا کھانا مہمان کو کھلا دیں گے) بی بی نے ایسا ہی کیا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ بیوی نے کھانا تیار کیا اور بچوں کو سلا دیا پھر چراغ کی بتی درست کرنے کے بہانے اٹھی اور چراغ بجھا دیا اور (مہمان کے ساتھ دونوں جھوٹ موٹ کھانے میں شریک ہو گئے) مہمان پر ظاہر کرتے رہے کہ ہم کھانے میں شریک ہیں (لیکن کھایا کچھ نہیں) دونوں رات بھر خالی پیٹ رہے صبح کو وہ انصاری خدمت گرامی میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فلاں مرد اور فلاں عورت سے بہت خوش ہوا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

انصار کو صبر کی تلقین: بخاری نے حضرت انس بن مالک کی روایت سے

بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین میں جاگیریں عطا فرمانے کے لئے انصار کو طلب فرمایا انصار نے عرض کیا ہمارے بھائی مہاجرین کے لئے بھی جاگیریں کاٹ دی جائیں تو ہم بھی اپنے لئے جاگیریں کٹوا لیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (جب تم اتنا ایثار کر رہے ہو کہ بغیر مہاجرین کے جاگیریں نہیں لینا چاہتے) تو مجھ سے (قیامت کے دن) ملاقات کرنے کے وقت تک صبر رکھنا کیوں کہ اس (کا) اثر میرے بعد تم پر پڑیگا (یعنی تمہاری حق تلفی کی جائے گی اور مہاجرین کو تم پر ترجیح دی جائے گی۔ مگر تم صبر کرنا)۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ
اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۹﴾
سو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے☆

کامیاب لوگ ☆یعنی بڑے کامیاب اور بامراد ہیں وہ لوگ جن کو اللہ کی توفیق و دستگیری نے ان کے دل کے لالچ اور حرص وبخل سے محفوظ رکھا لالچی اور بخیل آدمی اپنے بھائیوں کے لیے کہاں ایثار کرسکتا ہے اور دوسروں کو پھلتا پھولتا دیکھ کر کب خوش ہوتا ہے؟۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ نفس کو مال سے محبت اور خرچ کرنے سے نفرت ہوتی ہے اسی محبت ونفرت کا اس پر غلبہ رہتا ہے جو لوگ نفس کے ان تقاضوں کے خلاف عمل کرتے ہیں وہ ہی حقیقت میں فلاح یاب ہیں۔

شح اور بخل کا معنی: شح کا معنی ہے بخل اور حرص (قاس) جوہری نے صحاح میں شح کا معنی لکھا ہے بخل مع حرص۔

بغوی نے لکھا ہے کہ علماء کے نزدیک شح اور بخل میں فرق ہے ایک شخص نے حضرت ابن مسعود سے کہا مجھے اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن میں تباہ ہو جاؤں گا حضرت ابن مسعود نے فرمایا کیا بات ہے یہ اندیشہ تم کو کیسے ہے اس شخص نے عرض کیا میں سن رہا ہوں کہ اللہ فرما رہا ہے وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ اور میں انتہائی بخیل ہوں میرے ہاتھ سے کوئی چیز نکل نہیں پاتی حضرت ابن مسعود نے فرمایا یہ وہ شح نہیں ہے جس کا ذکر اللہ نے فرمایا ہے شح تو یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا مال ناجائز طور پر کھا جاؤ ہاں یہ بخل ضرور ہے اور بخل بھی بری چیز ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کوئی شخص اپنا مال روک کر رکھے تو یہ شح نہیں ہے شح تو یہ ہے کہ دوسرے کے مال کو (ناجائز طور پر) آدمی لالچ کی نظر سے دیکھے۔ سعید بن جبیر نے فرمایا شح (کا معنی) یہ ہے کہ آدمی حرام مال حاصل کرے اور زکوٰۃ نہ دے۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ شح کا معنی ہے ایسی شدید حرص جو ممنوعات کے ارتکاب کا موجب ہوتی ہے۔

ابن زید نے کہا جس چیز (کو لینے) کی اللہ نے ممانعت کر دی ہے اس کو نہ لے اور جس چیز کو دینے کا حکم دیا ہے اس کو روک رکھنے کا موجب بخل نہ ہوا ایسے آدمی کو شح نفس سے محفوظ کہا جائے گا (یعنی شح نفس سے بچنے کا یہی مفہوم ہے)

شح سے بچو: حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظلم کرنے سے پرہیز رکھو کیونکہ قیامت کے دن ظلم تاریکیاں ہو (جائے) گا اور شح سے بچو شح نے تم سے پہلے لوگوں کو تباہ کر دیا اسی کے باعث انہوں نے آپس میں خون ریزیاں کیں اور حرام کو حلال بنایا۔ رواہ مسلم واحمد۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ کی راہ میں (اٹھتا ہوا غبار اور دوزخ کا) دھواں کسی بندہ کے جوف میں کبھی یکجا نہ ہوگا۔ (یعنی جس مجاہد کے دماغ میں جہاد میں اٹھتا ہوا غبار پہنچ جائے گا۔ اس کے دماغ میں دوزخ کا دھواں نہیں جائے گا) اور کسی ایک بندہ کے دل میں کبھی شح اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے (یعنی شح تقاضاء ایمان کے خلاف ہے) رواہ البغوی وکذا رواہ النسائی۔ (تفسیر مظہری)

حرص، بخل اور ظلم سے بچو: مسند احمد اور مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لوگو ظلم سے بچو قیامت کے دن یہ ظلم اندھیریاں بن جائے گا۔ لوگو بخیلی اور حرص سے بچو یہی وہ چیز ہے جس نے تم سے پہلے لوگوں کو برباد کر دیا اسی کی وجہ سے انہوں نے خونریزیاں کیں اور حرام کو حلال بنالیا۔ اور سند سے یہ بھی مروی ہے کہ فحش سے بچو اللہ تعالیٰ فحش باتوں اور بے حائی کے کاموں کو ناپسند فرماتا ہے۔ حرص اور بخیلی کی مذمت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اسی کے باعث اگلوں نے ظلم کئے فسق وفجور کئے اور قطع رحمی کی۔ ابوداؤد وغیرہ میں ہے اللہ کی راہ کا غبار اور جہنم کا دھواں کسی بندے کے پیٹ میں جمع ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح بخیلی اور ایمان بھی کسی بندہ کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے یعنی راہ خدا کی گرد جس پر پڑی وہ جہنم سے آزاد ہو گیا اور جس کے دل میں بخیلی نے گھر کر لیا اسکے دل میں ایمان کے رہنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی حضرت عبداللہؓ کے پاس آکر ایک شخص نے کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن میں تو ہلاک ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ کہا قرآن میں تو ہے جو اپنے نفس کی بخیلی سے بچا دیا گیا اس نے فلاح پالی اور میں تو مال کو بڑا روکنے والا ہوں خرچ کرتے ہوئے دل رکتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کنجوسی کا ذکر اس آیت میں نہیں یہاں مراد بخیلی سے یہ ہے کہ تو اپنے کسی مسلمان بھائی کا مال ظلم سے کھا جائے ہاں بخیلی بمعنی کنجوسی بھی ہے، بہت بُری چیز (ابن ابی حاتم)۔

حرص سے تحفظ ہر جرم سے تحفظ ہے: حضرت ابوالہیاج اسدیؒ فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ایک

صاحب صرف یہی دعا پڑھ رہے ہیں اَللّٰهُمَّ قِنِیْ شُحَّ نَفْسِیْ خدایا مجھے میرے نفس کی حرص و آز سے بچالے آخر مجھ سے نہ رہا گیا میں نے کہا آپ صرف یہی دعا کیوں مانگ رہے ہیں؟ اس نے کہا جب اس سے بچاؤ ہو گیا تو پھر نہ زنا کاری ہو سکے گی نہ چوری نہ کوئی اور برا کام۔ اب جو میں نے دیکھا تو وہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تھے رضی اللہ عنہ (ابن جریر) (تفسیر ابن کثیر)

عام ضابطہ: حضرات انصار کے ایثار اور اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کر دینے کا ذکر کرنے کے بعد عام ضابطہ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچ گئے تو اللہ کے نزدیک وہ ہی فلاح و کامیابی پانے والے ہیں۔

شح کے متعلق احکام: لفظ شح اور بخل تقریباً ہم معنی ہیں لفظ شح میں کچھ مبالغہ ہے کہ بہت شدید بخل کو کہا جاتا ہے۔ بخل و شح اگر حقوق واجبہ میں کیا جائے خواہ وہ اللہ کے حقوق ہوں جیسے زکوٰۃ صدقۃ الفطر عشر قربانی وغیرہ کہ ان کی ادائیگی میں بوجہ بخل کے کوتاہی کرے یا انسانوں کے حقوق واجبہ ہوں جیسے اہل و عیال کا نفقہ یا اپنے حاجتمند والدین اور عزیزوں کا نفقہ واجبہ جو بخل ان حقوق واجبہ کی ادائیگی سے مانع ہو وہ قطعاً حرام ہے اور جو امور مستحبہ اور فضائل انفاق سے مانع ہو وہ مکروہ و مذموم ہے اور جو محض رسمی چیزوں میں خرچ سے مانع ہو وہ شرعاً بخل نہیں۔

بخل و شح اور دوسروں پر حسد ایسی مذموم خصلتیں ہیں کہ قرآن و حدیث میں ان کی بڑی مذمت آئی ہے۔ اور جو اُن سے بچ جائے اس کے لئے بڑی بشارت ہے حضرات انصار کی جو صفات اور بیان ہوئی ہیں اُن میں اُن کا بخل و حسد سے بری ہونا واضح ہے۔

کینہ اور حسد سے پاک ہونا جنتی ہونے کی علامت

ابن کثیر نے بحوالہ امام احمد حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی تمہارے سامنے ایک شخص آنے والا ہے جو اہل جنت میں سے ہے چنانچہ ایک صاحب انصار میں سے آئے جن کی ڈاڑھی سے تازہ وضو کے قطرات ٹپک رہے تھے اور بائیں ہاتھ میں اپنے نعلین لئے ہوئے تھے دوسرے دن بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور یہی شخص اسی حالت کے ساتھ سامنے آیا تیسرے روز پھر یہی واقعہ پیش آیا اور یہی شخص اپنی مذکورہ حالت میں داخل ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے اُٹھ گئے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اس شخص کے پیچھے لگے (تاکہ اس کے اہل جنت ہونے کا راز معلوم کریں) اور ان سے کہا کہ میں نے کسی جھگڑے میں قسم کھالی ہے کہ میں تین روز تک اپنے گھر نہ جاؤں گا اگر آپ مناسب سمجھیں تو تین روز مجھے اپنے یہاں رہنے کی جگہ دیدیں انہوں نے منظور کر فرمالیا۔ عبداللہ بن عمروؓ نے یہ تین راتیں اُن کے ساتھ گذاریں تو دیکھا کہ رات کو تہجد کے لئے نہیں اٹھتے البتہ جب سونے کے لئے بستر پر جاتے تو کچھ اللہ کا ذکر کرتے تھے پھر صبح کی نماز کے لئے اُٹھ جاتے تھے۔ البتہ اس پورے عرصہ میں میں نے ان کی زبان سے بجز کلمہ خیر کے کوئی کلمہ نہیں سنا جب تین راتیں گذر گئیں اور قریب تھا کہ میرے دل میں ان کے عمل کی حقارت آجائے تو میں نے اُن پر اپنا راز کھول دیا کہ ہمارے گھر کوئی جھگڑا نہیں تھا لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین روز تک یہ سنتا رہا کہ تمہارے پاس ایک ایسا شخص آنے والا ہے جو اہل جنت میں سے ہے اور اس کے بعد تینوں دن آپ ہی آئے اس لئے میں نے چاہا کہ میں آپ کے ساتھ رہ کر دیکھوں کہ آپ کا وہ کیا عمل ہے جس کے سبب یہ فضیلت آپ کو حاصل ہوئی مگر عجیب بات ہے کہ میں نے آپ کو کوئی بڑا عمل کرتے نہیں دیکھا۔ تو وہ کیا چیز ہے جس نے آپ کو اس درجہ پر پہنچایا۔ انہوں نے کہا میرے پاس تو بجز اس کے کوئی عمل نہیں جو آپ نے دیکھا ہے میں یہ سن کر واپس آنے لگا تو مجھے بُلا کر کہا کہ ہاں ایک بات ہے کہ "میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے کی طرف سے کینہ اور برائی نہیں پاتا" اور کسی پر حسد نہیں کرتا جس کو اللہ نے کوئی خیر کی چیز عطا فرمائی ہو عبداللہ بن عمرو نے کہا کہ بس یہی وہ صفت ہے جس نے آپ کو یہ بلند مقام عطا کیا ہے۔

ابن کثیر نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ اس کو نسائی نے بھی عمل الیوم واللیلہ میں نقل کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح علیٰ شرط الشیخین ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ

اور واسطے اُن لوگوں کے جو آئے اُن کے بعد ☆

بعد میں آنے والے مومن ☆ یعنی ان مہاجرین و انصار کے بعد عالم وجود میں آئے یا ان کے بعد حلقہ اسلام میں آئے یا مہاجرین سابقین کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آئے والظاہر ہوالاوّل۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان آیات کو تلاوت کر کے فرمایا کرتے خدا کی قسم جو شخص مہاجرین کی طرف سے کدورت رکھتا ہو وہ ہرگز ان لوگوں میں سے نہیں ہو سکتا جن کو اس آیت میں بیان کیا گیا اور حق تعالیٰ شانہٗ نے مدح فرمائی۔ ازالۃ الخفاء۔ ہدیۃ الشیعہ۔ ۱۲۔

ابن تیمیہ کا کلام: چنانچہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ "منہاج السنہ" جلد اول میں ان آیات کا ذکر کر کے لکھتے ہیں اور یہ آیتیں مہاجرین و انصار کی مدح پر مشتمل ہیں اور ان لوگوں کی بھی تعریف پر مشتمل ہیں جو انصار و مہاجرین کے بعد آئیں گے اور یہ بعد میں آنیوالے سابقین اولین کے لئے دعاءِ مغفرت کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کریں گے کہ اے اللہ ہمارے

دلوں کو مہاجرین وانصار کے کینہ سے بالکل پاک وصاف رکھ۔ نیز ان آیات میں یہ مضمون بھی ہے کہ مالِ فئی کی مستحق یہ تین جماعتیں ہیں (ان کے سوا اور کسی کا اس میں استحقاق نہیں) اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رافضی ان تینوں قسموں سے خارج ہیں اس لئے کہ وہ مہاجرین وانصار کے لئے دعاء مغفرت نہیں بلکہ ان کے دلوں میں تو مہاجرین وانصار کا کینہ بھرا ہوا ہے۔ تو ان ایات میں صحابہ کرام کی فضیلت و مدح ہے اور اسی طرح اہلسنت کی مدح ہے جو صحابہ کرام سے محبت رکھتے ہیں اور یہ آخری قید رافضیوں کے خارج کرنے کے لئے ہے۔ اور یہ آیت رافضیوں کے مذہب کو بالکل چاک کر دیتی ہے۔ اور ان کے اس عیب وخبث کی پردہ دری کر رہی ہے جو ان کے سینوں میں بھرا ہوا ہے۔ اللّٰهم جَنبنَا عَن كُلِّ رفضٍ وسُوّءِ وَاَمْلأ قلوبُنا عَن حُبِّ اَصْحَابِ نَبِيِّكِ صلى الله عليه وسلم وعلىٰ آلِهِ وَاَصْحابه اجمعين. (معارف کاندھلوی)

صحابہ کرام کی محبت واجب ہے: قرطبی نے فرمایا کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ صحابۂ کرام کی محبت ہم پر واجب ہے، حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ جو شخص کسی صحابی کو بُرا کہے یا اس کے متعلق بُرائی کا اعتقاد رکھے اس کا مسلمانوں کے مال فئے میں کوئی حصہ نہیں، پھر اسی آیت میں استدلال فرمایا، اور چونکہ مالِ فئی میں حصہ ہر مسلمان کا ہے تو جس کا اس میں حصہ نہ رہا اس کا اسلام وایمان ہی مشکوک ہوگیا۔

صحابہ سے بدگمان ہونا جائز نہیں: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استغفار اور دعاء کرنے کا حکم دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ان کے آپس میں جنگ وجدال کے فتنے بھی پیدا ہوں گے (اس لئے کسی مسلمان کو مشاجرات صحابہ کی وجہ سے ان میں سے کسی سے بدگمان ہونا جائز نہیں)۔

حضرت صدیقہ عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ یہ اُمت اُس وقت تک ہلاک نہیں ہوگی جب تک اس کے پچھلے لوگ اگلوں پر لعنت وملامت نہ کریں گے۔

لعنت کا سبب: حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ کسی صحابی کو بُرا کہتا ہے تو اس سے کہو کہ جو تم میں سے زیادہ بُرا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت، یہ ظاہر ہے کہ زیادہ بُرے صحابہ تو ہو نہیں سکتے یہی ہوگا جو ان کی برائی کر رہا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام میں سے کسی کو بُرا کہنا سبب لعنت ہے۔

اسلاف کا طریقہ: اور عوام بن ہوشبؒ نے فرمایا کہ میں نے اس اُمت کے پہلے لوگوں کو اس بات پر مستقیم اور مضبوط پایا ہے کہ وہ لوگوں کو یہ تلقین کرتے تھے کہ صحابہ کرام کے فضائل اور محاسن بیان کیا کرو تا کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا ہو اور وہ مشاجرات اور اختلافات جو ان کے درمیان پیش آئے ہیں اُن کا ذکر نہ کیا کرو جس سے ان کی جرأت بڑھے (اور وہ بے ادب ہو جاویں) (یہ سب روایات تفسیر قرطبی سے لی گئی ہیں)۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ
کہتے ہوئے اے رب بخش ہم کو اور
لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا
ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے
بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ
ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے
قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
دلوں میں بیر ایمان والوں کا
رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾ ع
اے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان ☆

بعد کے مومنین کا طرزِ عمل ☆ یعنی سابقین کے لیے دعاء مغفرت کرتے ہیں اور کسی مسلمان بھائی کی طرف سے دل میں بیر اور بغض نہیں رکھتے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ "آیت سب مسلمانوں کے واسطے ہے جو اگلوں کا حق مانیں اور انہی کے پیچھے چلیں اور ان سے بیر نہ رکھیں"، امام مالکؒ نے یہیں سے فرمایا کہ جو شخص صحابہ سے بغض رکھے اور ان کی بدگوئی کرے اس کے لیے مالِ فئے میں کچھ حصہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

پہلوں کا پچھلوں پر حق: لِاِخْوَانِنَا۔ یعنی ہمارے دینی بھائیوں کے لئے جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔ پہلوں کا پچھلوں پر بڑا حق ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے جن کو ہدایت ملی اور ایمان کی توفیق ہوئی ان ہی کے ذریعہ سے پیچھے آنے والے ہدایت یاب ہوئے۔

غِلًّا کینہ۔ حسد بغض۔

ناصبی، خارجی اور شیعہ کی محرومی: اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اگر کسی کے دل میں کسی صحابی کی طرف سے کسی طرح کا بغض ہو تو اس کا شمار ان لوگوں میں نہیں ہوگا جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے (یعنی نواصب، خوارج

اور شیعہ اس آیت کے مصداق نہیں ہیں۔ مترجم) یہ ابن ابی لیلیٰ کا قول ہے۔

مؤلف فصول نے جو امامیہ اثنا عشری فقہ میں سے تھا لکھا ہے کہ یہ جماعت حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان پر نکتہ چینی کر رہی تھی حضرت جعفر محمد بن علی باقر نے ان سے فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں شامل نہیں ہو جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ ۔ الآیۃ ۔

صحیفۂ کاملہ میں آیا ہے کہ حضرت امام زین العابدین یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر خصوصیت کے ساتھ رحمت نازل فرما جنہوں نے صحبت (رسول) کو اچھی طرح نباہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے میں اچھی طرح آزمائش میں پورے اترے تیزی کے ساتھ خدمت رسول میں حاضر ہوئے اور دعوت رسول کی طرف پیش قدمی کی اور جونہی آپ نے اپنی رسالت کے دلائل بیان کئے فوراً انہوں نے قبول کر لیا اور کلمۂ توحید و رسالت ظاہر کرنے میں (تامل نہیں کیا بلکہ) اہل و عیال کو چھوڑ دیا اور نبوت کو مضبوط کرنے کے لئے اپنے ماں باپ اور اولاد سے بھی لڑے اور آپ کی وجہ سے فتح یاب ہوئے اور اے اللہ ان لوگوں پر رحمت نازل فرما) جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اور آپ کی دوستی میں (جان و مال کی) اس تجارت کے امیدوار تھے جو خسران مال نہیں تھی اور (ان لوگوں پر بھی رحمت نازل کر) جنہوں نے اسلام کا مضبوط قبضہ پکڑ کر اپنے قبائل کو چھوڑ دیا اور ان کی رشتہ داریاں مثلاً (قرابتداروں سے) منقطع ہوگئیں اور قرابت رسول کے سایہ میں وہ مسکن گزیں ہو گئے۔

اے اللہ جن چیزوں کو انہوں نے تیرے لئے اور تیرے راستہ میں قربان کر دیا ان کو نظر انداز کرنا اور اپنی خوشنودی عطا فرما کر ان کو خوش کرنا اس بدلہ میں کہ انہوں نے تیرے دین پر لوگوں کو جمع کیا اور تیرے رسول کے ساتھ رہے اور تیری طرف آنے کی لوگوں کو دعوت دی اور انکی قدر افزائی فرما اس بنا پر کہ انہوں نے تیری راہ میں اپنی قوم کی بستیوں کو چھوڑا اور وسعت معاشی سے نکل کر تنگدستی میں پڑے۔

رافضی یہودیوں اور عیسائیوں سے بدتر

مالک بن معول کا بیان ہے مجھ سے عامر بن شرجیل شعبی نے کہا مالک ایک بات میں یہودی اور عیسائی رافضیوں سے افضل ہیں جب یہودیوں سے دریافت کیا گیا کہ تمہاری ملت میں سب سے افضل کون لوگ تھے تو انہوں نے کہا موسیٰ کے صحابی اور عیسائیوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری امت میں کون لوگ سب سے برتر تھے تو انہوں نے کہا عیسیٰ کے حواری جب۔ رافضیوں سے سوال کیا گیا کہ تمہاری ملت میں سب سے برے کون لوگ ہیں تو کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ان کو حکم دیا گیا تھا کہ صحابہ کے لئے طلب مغفرت کریں تو انہوں نے (بجائے دعا کرنے کے) صحابیوں کو برا کہا۔ ان کے خلاف روز قیامت تک تلواریں کھچی رہیں گی۔ ان کا جھنڈا کبھی سر بلند نہیں ہوگا نہ ان کے قدم جمیں گے نہ ایک رائے پر ان کا اتفاق ہوگا جب بھی یہ (صحابہ کے خلاف) لڑائی کی آگ بھڑکائیں گے اللہ ان کی جماعتوں کو منتشر کر کے اور ان کے خون بہا کر لڑائی کی آگ بجھا دیگا۔ اللہ ہم کو گمراہ کن خواہشات سے محفوظ رکھے۔ مالک بن انس نے فرمایا جو شخص کسی صحابی سے بغض رکھے گا۔ یا اس کے دل میں کسی صحابی کی طرف سے کینہ ہوگا اس کو مسلمانوں کے مال فئے میں حصہ پانے کا کوئی حق نہیں یہ فرما کر امام مالک نے آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى .... رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔ تلاوت فرمائی۔

باجماع علماء مال فئے ہر قسم کے مسلمانوں کا حق ہے خواہ غنی ہوں یا فقیر تمام مسلمان حکام عمال اور علماء اس سے بہرہ یاب ہو سکتے ہیں (مشاہرات و وظائف اس میں سے ان کو دیئے جا سکتے ہیں) خواہ وہ مالدار ہوں یا نادار اسی طرح اسلامی فوج کے مصارف اس سے کئے جا سکتے ہیں فوجیوں کا نادار ہونا ضروری نہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ مال فئے میں سے تمام مسلمانوں کو برابر برابر حصہ دیتے تھے حضرت عمر فاروق نے فضیلت دی اور خدمت اسلامی کے تفاوت کے پیش نظر تقسیم فئے میں بھی تفاوت کر دیا تھا لیکن مالداری اور ناداری کا لحاظ کسی نے نہیں کیا۔

بحرین کے مال کی تقسیم: امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ مجھ سے ابن ابی انجیح نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر کی خدمت میں (فئے کا) کچھ مال پیش کیا گیا آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص سے کچھ مال دینے کا وعدہ کیا ہو وہ آ جائے یہ ارشاد سن کر حضرت جابر بن عبداللہ آئے اور کہا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ جب بحرین کا مال آئے تو میں تجھے اتنا اتنا دونوں لپ بھر کر (اشارہ کیا) دوں گا حضرت ابوبکر نے فرمایا دونوں ہاتھ بھر کر لے لو میں نے لے لیا پھر اس کو گنا تو پانچ سو تھے پھر ارشاد فرمایا ایک ہزار لے لو (کیونکہ حضور اقدس نے دونوں ہاتھوں کو ملا کر اشارہ کرتے ہوئے اتنا کا لفظ مکرر فرمایا تھا) میں نے ہزار لے لئے اس کے بعد آپ نے ہر اس شخص کو جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ کیا تھا کچھ کچھ دیا اس کے بعد بھی کچھ مال باقی رہ گیا تو آپ نے ہر مرد عورت بچے بڑے آزاد غلام سب میں برابر برابر بانٹ دیا چنانچہ ہر شخص کے حصہ میں ۲/۳-۱-۹ درہم آئے جب دوسرا سال آیا تو اس سے زیادہ مال آیا آپ نے وہ بھی لوگوں کو تقسیم کر دیا اس بار ہر شخص کے حصہ میں بیس درہم آئے یہ (مساویانہ تقسیم) دیکھ کر کچھ مسلمان حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور عرض کیا اے رسول خدا کے جانشین آپ نے مال کی تقسیم کی اور سب کو برابر حصہ دیا ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو دوسروں

پر فضیلت اور سبقت اسلامی اور پختگی حاصل ہے آپ ان کی فضیلت اور اسلامی سبق اور تقدیم کو تقسیم میں ملحوظ رکھتے تو بہتر تھا حضرت ابوبکر نے فرمایا میں اس بات کو خوب جانتا ہوں مگر اس کا ثواب تو (آخر میں) اللہ دے گا اور یہ تقسیم معاشی ہے اس میں برابری کی بیشی (بعض کو بعض پر ترجیح دینے) سے بہتر ہے۔ جب حضرت عمر کا دور خلافت آیا اور فتوحات کا مال ملا تو آپ نے تقسیم میں فضیلت اسلامی کا لحاظ رکھا اور فرمایا جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑے ان کو میں ان لوگوں کے برابر نہیں قرار دے سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم کاب رہ کر آپ کے دشمنوں سے لڑے چنانچہ جن انصار و مہاجرین کی سبقت اسلام اور فضیلت حاصل تھی ان میں سے شرکاء بدر کو پانچ ہزار عطا کئے اور جن کو شرکاء بدر کی طرح صرف اسلامی برتری حاصل تھی اُن کو اُن کے فضائل کے مطابق حصہ دیا۔ امام ابو یوسف نے لکھا ہے کہ مجھ سے عضرہ کے غلام عمر نے اور بعض دوسرے لوگوں نے کہا کہ جب حضرت عمر کے پاس فتوحات کا مال (بکثرت) آیا تو فرمایا اس مال کی تقسیم کے متعلق ابوبکر کی ایک رائے تھی اور میری رائے ان سے الگ ہے جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑے ان کو میں ان لوگوں کے برابر نہیں رکھ سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر (دشمنوں سے) لڑے چنانچہ آپ نے مہاجرین وانصار میں سے ہر اس شخص کو جو غزوۂ بدر میں شریک رہا تھا چار چار ہزار دیئے اور سواء حضرت صفیہ اور حضرت جویریہ کے حضور کی ہر بی بی کو بارہ ہزار دیئے۔ حضرت صفیہ اور حضرت جویریہ کو صرف چھ چھ ہزار دیئے ان دونوں بیبیوں نے لینے سے انکار کر دیا حضرت عمر نے فرمایا میں نے دوسری بیبیوں کو جو دوگنا حصہ دیا ہے وہ ان کی ہجرت کی وجہ سے دیا ہے (ان کو فضیلت ہجرت حاصل تھی) دونوں بیبیوں نے فرمایا یہ وجہ نہیں بلکہ ترجیح کی یہ وجہ ہے کہ آپ کے خیال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ان کو ہم پر برتری حاصل تھی۔ حالانکہ حضور کی نظر میں ہمارا بھی وہی مرتبہ تھا جو ان کا تھا یہ جواب سن کر حضرت عمر نے ان کے لئے بھی بارہ بارہ ہزار کر دیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس کو بھی بارہ ہزار دیئے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو چار ہزار دیئے اور حضرت عبداللہ بن عمر کو تین ہزار۔ عبداللہ نے عرض کیا ابا اسامہ کو مجھ سے ایک ہزار زائد کیوں دیئے اسامہ کے باپ کو کوئی ایسی فضیلت حاصل نہ تھی جو میرے باپ کو حاصل نہ ہو اور نہ اُسامہ کو کوئی ایسی برتری حاصل ہے جو مجھے حاصل نہ ہو حضرت عمر نے فرمایا اسامہ کا باپ تیرے باپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ پیارا تھا اور اسامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں تجھ سے زائد محبوب تھا۔

حضرت حسن اور حضرت حسین کو پانچ پانچ ہزار دیئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان کا مرتبہ اونچا تھا (باقی) انصار و مہاجرین کے لڑکوں کو دو دو ہزار دیے لیکن۔ جب عمرو بن ابی سلمہ سامنے سے گذرے تو فرمایا ان کو ایک ہزار بڑھا دو اس پر محمد بن عبدالرحمٰن بن جحش نے کہا ان کے باپ ابوسلمہ کو وہ فضیلت حاصل نہیں تھی جو ہمارے باپ کو حاصل نہ ہو اور نہ ان کو کوئی ایسی برتری حاصل ہے جو ہم کو نہ ملی ہو (پھر یہ حصہ میں بیشی کیوں کی گئی) فرمایا ابو سلمہ (کے بیٹے ہونے) کی وجہ سے تو میں نے ان کو دو ہزار دیئے اور حضرت ام سلمہ کی وجہ سے ایک ہزار زائد دیدیے) اگر تیری ماں بھی حضرت ام سلمہ کے ہم پلہ ہوتی تو تجھے بھی میں ایک ہزار زائد دیدیتا۔ باقی لوگوں کو آپ نے آٹھ آٹھ سو دیئے حضرت طلحہ بن عبیداللہ اپنے بھائی کو لے کر آئے تو ان کو بھی آٹھ سو دیدیئے نضر بن انس سامنے سے گذرے تو فرمایا ان کو دو ہزار دیدو جنگ احد میں ان کے باپ کا (وہ) کارنامہ تھا جو دوسروں کا نہیں ہوا شکست کے بعد انہوں نے لوگوں سے دریافت کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہوا میں نے کہا میرے خیال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا گیا یہ بات سن کر انہوں نے تلوار سونت لی اور نیام توڑ کر کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے مگر اللہ تو زندہ ہے وہ تو نہیں مرے گا یہ کہہ کر (مشرکوں سے) اتنا لڑے کہ شہید ہو گئے اور یہ فلاں فلاں مقام پر بکریاں چرا رہا تھا۔

تقسیم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کا لحاظ

حضرت عمر اپنے دور خلافت میں مال کی تقسیم اسی طرح کرتے رہے۔ امام ابو یوسف نے لکھا ہے کہ مجھ سے محمد بن اسحاق نے بروایت ابوجعفر بیان کیا کہ حضرت عمر نے جب تقسیم مال کا ارادہ کیا اور آپ کی رائے دوسروں کی رائے سے آخری تھی تو لوگوں نے کہا کہ پہلے آپ اپنی ذات سے شروع کیجئے (یعنی پہلے اپنا حصہ مقرر کیجئے) فرمایا نہیں۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتداروں سے اقرب فالاقرب کے طریقہ سے تقسیم شروع کی پہلے حضرت عباس سے پھر حضرت علی سے شروع کیا اس طرح پانچ اصول تک ترتیب وار تقسیم کی یہاں تک کہ عدی بن کعب تک پہنچ گئے ہم سے مخالد بن سعید نے شعبی کا بیان نقل کیا اور شعبی نے ایسے شخص کا حوالہ دیا جو حضرت عمر کے دور میں موجود تھا کہ جب فارس اور روم کی فتوحات ہوئیں (اور مسلسل بکثرت مال آنے لگا) تو حضرت عمر نے کچھ صحابیوں کو جمع کر کے دریافت کیا آپ حضرات کی کیا رائے ہے میرا خیال تو یہ ہے کہ سالانہ لوگوں کے وظائف مقرر کر دوں اور سال بھر تک مال خزانہ میں جمع کرتا رہوں اس میں بڑی برکت ہو گی صحابہ نے جواب دیا آپ جب چاہیں کریں ان شاء اللہ آپ کو اللہ کی طرف سے توفیق نصیب ہوگی اس کے بعد آپ نے (سالانہ) عطیات مقرر کر دیئے اور فرمایا آغاز تقرر کس سے کروں عبد بن عوف نے کہا اپنی ذات سے شروع کیجئے فرمایا نہیں خدا کی قسم (ایسا نہیں کروں گا) بلکہ بنی ہاشم سے شروع کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (قریبی) قبیلہ ہے چنانچہ جو ہاشمی بدر

میں شریک ہوئے تھے ان میں ہر ایک کو خواہ وہ غلام ہو (یعنی بنی ہاشم کا آزاد کردہ عجمی غلام) یا عربی بہر حال ہر ایک کے پانچ ہزار مقرر کئے۔ حضرت عباس کے بارہ ہزار مقرر ہوئے بنی ہاشم بنی امیہ کے وظائف مقرر کئے بنی امیہ میں سے بھی ان لوگوں کو مقدم رکھا جو شرکاء بدر تھے اور بنی ہاشم سے قریب ترین رشتہ رکھتے تھے ان میں سے بھی ہر ایک کے پانچ ہزار مقرر کئے۔

انصار میں ہر ایک کے چار چار ہزار مقرر کئے انصاریوں میں سے پہلے محمد بن مسلمہ کا وظیفہ مقرر ہوا۔

امہات المومنین میں سے ہر ایک کے دس ہزار لیکن حضرت عائشہ کے بارہ ہزار مقرر کئے حبش کی طرف ہجرت کرنیوالوں میں سے ہر ایک کے چار ہزار۔ اور عمرو بن ابوسلمہ کے چار ہزار مقرر ہوئے کیوں کہ حضرت ام سلمہ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے آپ کو ترجیح حاصل تھی عبداللہ بن جحش نے کہا آپ نے ان کو ہم پر کیوں فضیلت دی پورا سوال و جواب بیان سابق میں ذکر کر دیا گیا ہے چونکہ حضرت حسن اور حضرت حسین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب مرتبہ حاصل تھا اس لئے ان میں سے ہر ایک کے لئے پانچ ہزار مقرر کیا پھر دوسرے لوگوں کے لئے عربی ہوں یا آزاد کردہ عجمی تین سو اور چار سو کا وظیفہ معین کیا گیا۔

مہاجرین اور انصار کی عورتوں کا وظیفہ چھ سو، چار سو، تین سو، اور دو سو مقرر ہوا کچھ مہاجرین کا وظیفہ دو ہزار ہوا۔ بر قیل جب مسلمان ہو گئے تو ان کا وظیفہ بھی دو ہزار مقرر ہو گیا۔ بر قیل نے کہا میری زمین میرے ہی قبضہ میں رہنے دیجے میں اس کا خراج ویسے ہی ادا کروں گا جیسے پہلے ادا کیا جاتا تھا حضرت عمر نے اس کی درخواست منظور کر لی۔

امام ابو یوسف نے لکھا ہے مجھ سے محمد بن عمرو بن علقمہ نے بحوالۂ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان نقل کیا اس روایت میں آیا ہے کہ مہاجرین کا پانچ پانچ ہزار اور انصار کا تین تین ہزار اور امہات المومنین کا بارہ بارہ ہزار وظیفہ مقرر کیا۔

ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی سخاوت

جب حضرت زینب بنت جحش کا وظیفہ ان کی خدمت میں پہنچا تو فرمایا امیر المومنین کی اللہ مغفرت کرے اس روپیہ کی تقسیم تو میری ساتھ والیاں (یعنی دوسری امہات المؤمنین صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ سے زیادہ اچھی طرح کر سکتی تھیں (حضرت زینب سمجھیں کہ یہ بارہ ہزار درہم مجھے اس لئے دیئے گئے ہیں تاکہ میں دوسری بیبیوں کو تقسیم کر دوں) لانے والے نے کہا یہ ساری رقم تو آپ کی ہے چنانچہ وہ روپیہ آپ کے سامنے ڈال دیا گیا اور آپ نے اس کو کپڑے سے ڈھاک دیا پھر جو عورت آپ کے پاس موجود تھی اس سے فرمایا اس کپڑے کے اندر ہاتھ ڈال جتنا ہاتھ میں آجائے اتنا اتنا (دوسری عورتوں کو) بانٹ دے وہ عورت اس طرح بانٹنے لگی آخر اس تقسیم کنندہ عورت نے کہا شاید آپ مجھے بھول گئیں حالانکہ آپ پر میرا حق (زائد) ہے فرمایا کپڑے کے نیچے جو باقی رہا ہے وہ تو لے لے اس نے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو ۸۵ درہم نکلے۔ اس کے بعد حضرت زینب نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اے اللہ اس سال کے بعد کبھی عمر کا عطیہ مجھے نہ پائے (یعنی میں اگلے سال تک زندہ نہ ہوں) چنانچہ امہات المؤمنین میں سب سے پہلے حضرت زینب کی موت ہوئی اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملیں۔

ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت زینب بنت جحش تمام بیبیوں سے زائد سخی تھیں۔

حضرت عمر نے حضرت زید بن ثابت کو انصار کی تقسیم کا ذمہ دار بنا دیا۔ حضرت زید نے سکان عوالی مدینہ سے تقسیم کا آغاز کیا سب سے پہلے بنی الاشہل کو دیا پھر قبیلۂ اَوس کو دیا کیوں کہ ان کے گھر دوری پر تھے اَوس کے بعد قبیلۂ خزرج کو سب سے آخر میں آپ کا خود نمبر آیا ان کا قبیلہ بنی مالک بنی نجار تھا مسجد کے گرد اگرد رہتے تھے۔

غلاموں کا حق: امام ابو یوسف نے لکھا ہے مجھ سے مدینہ کے ایک شیخ نے بحوالۂ اسمٰعیل بن مسائب بن یزید بیان کیا اور اسمٰعیل نے اپنے باپ کی روایت سے کہا کہ حضرت عمر بن خطاب فرما رہے تھے قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس مال میں ہر شخص کا حق ہے میں دیتا ہوں اور روکتا ہوں اور سوائے مملوک غلام کے اور کسی کا دوسرے سے زیادہ حق نہیں ہے اور میں بھی تم میں سے ایک فرد ہوں لیکن کتاب اللہ کی رو سے لوگوں کے مراتب مختلف ہیں کوئی موروث اسلام ہے کسی کو تقدم اسلامی حاصل ہے کوئی غنی ہے کوئی محتاج خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو ضرور ایسا ہوگا کہ کوہ صفاء پر جانور چرانے والے کو اس مال میں اس کا حصہ اس کی جگہ پر پہنچ جائے گا بغیر اس کے کہ (اپنے حصہ کی طرف میں) اس کا چہرہ سرخ ہو۔

بچوں کا وظیفہ: پیدا ہوتے ہی بچہ کا وظیفہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔ نوخیز شباب ہونے پر دو سو وظیفہ ہو جاتا تھا اس سے آگے بڑھتا تھا تو اتنا ہی وظیفہ بڑھا دیا جاتا تھا جب حضرت عمر نے دیکھا کہ مال بہت ہو گیا تو فرمایا آئندہ سال کی اس تاریخ تک اگر میں زندہ رہا تو پچھلی جماعتوں کو ان کی اولاد سے ملا دوں گا یہاں تک کہ وظیفہ میں سب برابر ہو جائیں گے لیکن آپ کی وفات اس تاریخ کے آنے سے پہلے ہی ہو گئی۔

بغیر لڑائی کے حاصل ہونیوالے مال کے متعلق ائمہ کی آراء

جو مال بغیر لڑائی کے حکومت اسلامیہ کو مل جائے جیسے (۱) جزیہ (۲) تجارت کا عشر (ٹیکس یعنی ۱/۱۰) (۳) وہ مال جو ڈر کے مارے کافر چھوڑ گئے ہوں

(۴) کافروں سے مصالحت کرنے کی بناء پر جو مال مسلمانوں کو کافروں سے حاصل ہوا ہو (۵) زمین کا خراج (۶) مرتد کا مال جس کو قتل کر دیا گیا ہو وہ مر گیا ہو (۷) لاوارث ذمی میت کا مال (۸) بنی تغلب کی زکوٰۃ کا ان تمام اقسام کے مال کا خمس (پانچواں حصہ) نکالا جائے گا یا نہیں۔ ائمہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی رائے ہے کہ خمس نہیں نکالا جائے گا بلکہ مسلمانوں کے سماجی و اجتماعی مصالح کے لئے کل مال صرف کیا جائے گا۔ جیسے سرحدوں کی حفاظت و بندش پلوں کی تعمیر۔ قاضیوں اور محتسبوں اور گورنروں اور کارندوں کی تنخواہ ہیں اور بقدر کفایت علماء کے وظائف اور فوجیوں کی اور ان کے اہل وعیال کی معاشی ضرورتوں کی تکمیل امام احمد کا بھی قوی الروایت قول یہی ہے۔ (کذافی الہدایۃ) تجنیس میں ہے معلمین اور متعلمین کے وظائف اس مال سے دیئے جائیں گے تمام طالب علم اسی حکم میں شامل ہیں۔ پھر خمس کے پانچ حصے کئے جائیں گے ایک حصہ (یعنی کل مال کا ۱/۲۵) بنی ہاشم اور بنی مطلب کو دیا جائے گا۔ مال دار اور نادار کی ان میں تفریق نہ ہوگی، سب کو دیا جائے گا ہاں مذکر کا مؤنث سے دوگنا حصہ ہوگا۔ دوسرا حصہ یتیموں کا ہوگا یتیم اس نابالغ بچے کو کہتے ہیں جس کا باپ مر گیا ہو امام شافعی کے قول مشہور کی پر یتیم کا حصہ اس وقت ہوگا جب وہ محتاج ہو۔ تیسرا حصہ مسکینوں کا اور چوتھا حصہ مسافروں کا ہوگا۔ برقول شافعی ان چاروں اصناف کو دینا ضروری ہے ایک روایت یہ بھی ہے کہ سب کو دینا ضروری نہیں بلکہ ان میں سے جو صنف اس مقام میں ہو اسی کو دینا کافی ہے۔ رہا پانچ سہام میں سے پانچواں حصہ تو وہ مسلمانوں کے (عمومی اور مشترک) مصالح میں صرف کیا جائے گا۔ مثلاً سرحدوں کی حفاظت اور استحکام، قاضیوں کی تنخواہیں اور علماء کے وظائف ان میں بھی جو احوال اور ضرورت کے لحاظ سے اہم ہوگا اس کو دیا جائے گا۔

رہے باقی چار خمس (یعنی ۴/۵ یا پچیس میں سے بیس سہام) تو زیادہ ظاہر یہی ہے کہ وہ ان لوگوں کی معاشی امداد میں صرف ہوگا جن کی معاشی کفالت ضروری ہے یعنی وہ مجاہدین جو جہاد کے لئے تیار کئے گئے اور جہاد پر ان کو لگایا گیا ہو ان کے ناموں کا ایک رجسٹر رکھا جائے گا اور بقدر کفایت ہر ایک کو دیا جائے گا ان میں قریش کا نمبر اول ہوگا اور قریش میں سے بھی بنی ہاشم اور بنی مطلب کو مقدم رکھا جائے گا پھر بنی عبد شمس کا پھر بنی نوفل کا پھر بنی عبد العزیٰ کا اس کے بعد قریش کی دوسری شاخوں کا نمبر آئے گا۔ اور دوسری شاخوں میں وہ لوگ واجب التقدیم ہوں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب اور قرابت رکھتے ہوں گے اس کے بعد انصار کو پھر باقی عرب کو پھر عجم کو تقسیم کیا جائے گا۔ رجسٹر میں ان لوگوں کے ناموں کا اندراج نہیں ہوگا جو نابینا ہوں یا اپاہج ہوں یا جہاد کرنے اور دشمن سے لڑنے کے قابل نہ ہوں۔ اگر چاروں خمس (یعنی پچیس میں کے بیس) جہادی دستوں کے مصارف سے زائد ہوں تو ہر ایک کی محنت اور ذمہ داری کو ملحوظ رکھ کر انہی کو تقسیم کر دیئے جائیں گے مناسب یہ ہے کہ اس کا کچھ حصہ گھوڑوں کی خریداری اور سرحدوں کے استحکام کے لئے صرف کیا جائے۔

غیر منقولہ مال کا طریقہ: مذکورہ بالا طریق تقسیم تو اموال منقولہ کے متعلق تھا زمین اور غیر منقولہ جائیداد کا حکم الگ ہے صحیح مسلک یہ ہے کہ (باغ زمین کنویں وغیرہ) غیر منقولہ جائیداد کو وقف کر دیا جائے اور اس سے جو کچھ حاصل ہو اس کو منقولہ اموال کی طرح تقسیم کیا جائے۔ کذافی المنہاج۔

جمہور ائمہ کی دلیل: جمہور ائمہ (ابوحنیفہ، مالک، احمد) کے قول کی تائید محمد بن یوسف صالحی کے اس بیان سے ہوتی ہے جو سبیل الرشاد میں ذکر کیا گیا ہے اور اس میں بنی نضیر کے مال کا حکم نقل کیا گیا ہے محمد بن یوسف نے کہا کہ حضرت عمر بن خطاب نے خدمت گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ (بنی نضیر کے متروکہ مال میں) کیا آپ تقسیم سہام خمس نہیں کریں گے فرمایا اللہ نے جس مال کو مومنوں کے سہام سے الگ رکھا ہے میں اسکو اس مال کی شکل نہیں دے سکتا جس میں تقسیم سہام ہوتی ہے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں سے اور نجران کے عیسائیوں سے جزیہ لیا اور اہل یمن پر جزیہ مقرر کیا مگر کسی روایت میں یہ نہیں آیا کہ اس جزیہ کو آپ نے پانچ سہام پر تقسیم کیا ہو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہوتا تو ضرور روایت میں آتا۔

ابو داؤد نے ضعیف سند سے بیان کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے گورنروں کو لکھ بھیجا کہ عمر بن خطاب نے جو حکم دیا مسلمانوں نے اس کو مبنی بر انصاف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے موافق جانا۔ واللہ اعلم (تفسیر مظہری)

حضرت عمرؓ کی اپنے خلیفہ وصیت

صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے موقع پر یہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اپنے بعد کے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجر اولین کے حق ادا کرتا رہے، ان کی خاطر مدارت میں کمی نہ کرے اور میری وصیت ہے کہ انصار کے ساتھ بھی نیکی اور بھلائی کرے جنہوں نے مدینہ میں جگہ بنائی اور ایمان میں جگہ حاصل کی، ان کے بھلے لوگوں کی بھلائیاں قبول کرے اور ان کی خطاؤں سے درگذر اور چشم پوشی کرے۔ ان کی شرافت طبعی ملاحظہ ہو کہ جو بھی راہ خدا میں ہجرت کر کے آئے یہ اپنے دل میں اسے گھر دیتے ہیں اور اپنا جان و مال ان پر سے نثار کرنا اپنا فخر جانتے ہیں۔

مہاجرین کا انصار کی تعریف کرنا: مسند احمد میں ہے کہ مہاجرین نے ایک مرتبہ کہا یا رسول اللہ ہم نے تو دنیا میں ان انصار جیسے لوگ نہیں دیکھے تھوڑے میں سے تھوڑا اور بہت میں سے بہت برابر ہمیں دے رہے ہیں، مدتوں سے ہمارا کل خرچ اٹھا رہے ہیں بلکہ ناز برداریاں کر رہے ہیں اور

کبھی چہرے پر شکن بھی نہیں بلکہ خدمت کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں دیتے ہیں اور احسان نہیں رکھتے' کام کاج خود کریں اور کمائی ہمیں دیں' حضرت ہمیں تو ڈر ہے کہ کہیں ہمارے اعمال کا سارا سارا اجر انہیں کو نہ مل جائے۔ آپ نے فرمایا نہیں نہیں جب تک تم ان کی ثنا اور تعریف کرتے رہو گے اور ان کے لئے دعائیں مانگتے رہو گے۔

انصار کا مقام ایثار: صحیح بخاری شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار نے انصاریوں کو بلا کر فرمایا کہ میں بحرین کا علاقہ تمہارے نام لکھ دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک آپ ہماری مہاجر بھائیوں کو بھی اتنا ہی نہ دیں ہم اسے نہ لیں گے۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر نہیں لیتے تو دیکھو آئندہ بھی صبر کرتے رہنا میرے بعد ایسا وقت بھی آئے گا کہ اوروں کو دیا جائے گا اور تمہیں چھوڑ دیا جائیگا۔ صحیح بخاری شریف کی اور حدیث میں ہے کہ انصاریوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ہمارے کھجوروں کے باغات ہم میں اور ہمارے بھائیوں میں تقسیم کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر فرمایا سنو' کام کاج بھی تم ہی کرو اور ہم سب کو تو پیداوار میں شریک رکھو۔ انصار نے جواب دیا یا رسول اللہ ہمیں یہ بھی بخوشی منظور ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ
کیا تو نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کو جو دغا باز ہیں کہتے ہیں
لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ
اپنے بھائیوں کو جو کہ کافر ہیں اہل
الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ
کتاب میں سے اگر تم کو کوئی نکال دیگا تو ہم بھی نکلیں گے
مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا
تمہارے ساتھ' اور کہا نہ مانیں گے کسی کا تمہارے معاملہ میں کبھی
وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ
اور اگر تم سے لڑائی ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے ☆

منافقین کا پیغام یہودیوں کے نام

☆ عبداللہ بن ابی وغیرہ منافقین نے یہود "بنی النضیر" کو خفیہ پیغام بھیجا تھا کہ گھبرانا نہیں اور اپنے کو اکیلا مت سمجھنا۔ اگر مسلمانوں نے تم کو نکالا ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے اور لڑائی کی نوبت آئی تو تمہاری مدد کرینگے۔ یہ ہمارا بالکل اٹل قطعی فیصلہ ہے۔ اس کے خلاف تمہارے معاملہ میں ہم کسی کی بات ماننے والے اور پروا کرنے والے نہیں۔ (تفسیر عثانی)

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ۔ یعنی یہودی۔ بنی نضیر اور بنی قریظہ۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ عبداللہ بن سلول نے بنی نضیر کے پاس دو قاصد بھیج کر کہلوایا تھا تم مدینہ سے مت نکلنا میرے پاس دو ہزار آدمی ہیں جو تمہارے ساتھ قلعہ بند ہو جائیں گے۔

سبب نزول: ابن ابی حاتم نے سدی کا قول نقل کیا ہے کہ بنی قریظہ میں سے کچھ لوگ (بظاہر) مسلمان ہو گئے ان میں سے کچھ لوگ منافق تھے انہیں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اس روایت کے بموجب بھائیوں سے نسبی بھائی مراد ہوں گے یہ منافق بنی نضیر سے کہتے تھے کہ مدینہ میں اپنے گھروں کا تخلیہ نہ کرنا اگر تم کو تمہارے گھروں سے (یعنی مدینہ سے) نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾
اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں ☆

منافقوں کا جھوٹ ☆ یعنی دل سے نہیں کہہ رہے۔ محض مسلمانوں کے خلاف اکسانے کے لیے باتیں بنا رہے ہیں اور جو کچھ زبان سے کہہ رہے ہیں ہرگز اس پر عمل نہیں کرینگے۔ (تفسیر عثانی)

لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ
اگر وہ نکالے جائیں یہ نہ نکلیں گے اُن کے ساتھ'
وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ
اور اگر اُن سے لڑائی ہوئی یہ نہ مدد کریں گے اُن کی ☆

منافقین کا دھوکہ ☆ چنانچہ لڑائی کا سامان ہوا اور "بنی نضیر" محصور ہو گئے ایسی نازک صورت حال میں کوئی منافق انکی مدد کو نہ پہنچا۔ اور آخر کار جب وہ نکالے گئے یہ اس وقت آرام سے اپنے گھروں میں چھپے بیٹھے رہے۔ (تفسیر عثانی)

وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ
اور اگر مدد کریں گے تو بھاگیں گے
الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾
پیٹھ پھیر کر پھر کہیں مدد نہ پائیں گے ☆

شکست منافقوں کا مقدر ہے ☆ یعنی اگر بفرض محال منافق ان کی مدد کو نکلے بھی تو نتیجہ کیا ہوگا بجز اس کے کہ مسلمانوں کے مقابلہ سے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ پھر ان کی مدد تو کیا کر سکتے خود انکی مدد کو بھی کوئی نہ پہنچے گا۔ (تفسیر عثمانی)

لَاَ انْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ
البتہ تمہارا ڈر زیادہ ہے اُن کے دلوں میں
مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا
اللہ کے ڈر سے یہ اس لئے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں
يَفْقَهُوْنَ ⑬
رکھتے ☆

انہیں اللہ کا ڈر نہیں ہے ☆ یعنی اللہ کی عظمت کو سمجھتے اور دل میں اس کا ڈر ہوتا تو کفر و نفاق کیوں اختیار کرتے۔ ہاں مسلمانوں کی شجاعت وبسالت سے ڈرتے ہیں اسی لیے انکے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے نہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہ سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۔ یعنی لوگوں کے ڈر سے وہ بظاہر زبان سے تو ایمان لے آتے ہیں۔ لیکن دلوں میں ان کے کفر رہتا ہے اور اللہ ان کے باطنی کفر کو جانتا ہے مگر وہ اللہ سے نہیں ڈرتے اور دل سے ایمان نہیں لاتے۔

بندوں سے خوفزدہ ہونے کا سبب: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ الخ ۔ یہ اللہ کی بہ نسبت تم سے زیادہ خوف زدہ ہونا اس سبب سے ہے کہ وہ اللہ کو نہیں پہچانتے اس کی عظمت کو نہیں جانتے اتنا نہیں سمجھتے کہ نفع اور ضرر پہنچانے والا اللہ ہی ہے بندوں کے سارے اعمال وافعال اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اس لئے اسی سے ڈرنا چاہئے۔ (تفسیر مظہری)

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى
لڑ نہ سکیں گے تم سے سب مل کر مگر بستیوں کے
مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ۭ
کوٹ میں یا دیواروں کی اوٹ میں ☆

یہودی مسلمانوں سے مرعوب ہیں ☆ یعنی چونکہ ان لوگوں کے دل مسلمانوں سے مرعوب اور خوفزدہ ہیں اس لیے کھلے میدان میں جنگ نہیں کر سکتے۔ ہاں گنجان بستیوں میں قلعہ نشین ہو کر یا دیواروں اور درختوں کی آڑ میں چھپ کر لڑ سکتے ہیں۔ ہمارے ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ یورپ نے مسلمانوں کی تلوار سے عاجز ہو کر قسم قسم کے آتشباز اسلحہ اور طریق جنگ ایجاد کیے ہیں۔ تاہم اب بھی اگر کسی وقت دست بدست جنگ کی نوبت آ جاتی ہے تو چند ہی منٹ میں دنیا "لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ" کا مشاہدہ کر لیتی ہے باقی اس قوم کا تو کہنا ہی کیا جس کے نزدیک چھتوں پر چڑھ کر اینٹ پتھر پھینکنا اور تیزاب کی پچکاریاں چلانا ہی سب سے بڑی علامت بہادری کی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ ۔ یعنی کفار اور منافق تم سے نہیں لڑیں گے۔

جَمِيْعًا ۔ یعنی کسی عزم اور متفقہ رائے پر جمع ہو کر۔

اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ ۔ مگر ان بستیوں میں رہ کر جو محفوظ ہیں قلعہ بند ہیں یا ان کے گرداگرد خندق کھود دیئے گئے ہوں مراد یہ ہے کہ تمہارے مقابلہ پر آ کر تم سے نہیں لڑیں گے کیوں کہ وہ تم سے سخت خوف زدہ ہیں۔ (تفسیر مظہری)

بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ
اُنکی لڑائی آپس میں سخت ہے ☆

فرقہ وارانہ جنگ میں تیز ہیں ☆ یعنی آپس کی لڑائی میں بڑے تیز اور سخت ہیں جیسا کہ اسلام سے پہلے "اوس" و "خزرج" کی جنگ میں تجربہ ہو چکا مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی ساری بہادری اور شیخی کرکری ہو جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسلمانوں سے مرعوبیت کی وجہ: بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شدید یعنی تمہارے مقابلہ پر آ کر نہ لڑنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ فطرۃً اور تخلیقاً بزدل اور ڈرپوک ہیں کیوں کہ جب وہ آپس میں لڑتے ہیں اور کافروں کی ایک جماعت دوسری کافر جماعت سے لڑتی ہے تو بڑی بہادری سے لڑتے ہیں بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ نے انکے دلوں میں تمہارا خوف ڈال دیا ہے بڑے سے بڑا بہادر اور عزت والا جب اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے پر لڑتا ہے تو بزدل اور خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ
تو سمجھے وہ اکٹھے ہیں اور اُن کے دل
شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا
جدا جدا ہو رہے ہیں یہ اس لئے کہ وہ لوگ عقل نہیں

يَعْقِلُونَ ﴿۱۴﴾

رکھتے ☆

کافروں کے دل جدا جدا ہیں ☆یعنی مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے ظاہری اتفاق واتحاد سے دھوکہ مت کھاؤ ان کے دل اندر سے پھٹے ہوئے ہیں ہر ایک اپنی غرض وخواہش کا بندہ اور خیالات میں ایک دوسرے سے جدا ہے پھر حقیقی یکجہتی کہاں میسر آ سکتی ہے اگر عقل ہوتو سمجھیں کہ یہ نمائشی اتحاد کس کام کا۔اتحاد اسے کہتے ہیں جو مومنین قانتین میں پایا جاتا ہے کہ تمام اغراض وخواہشات سے یکسو ہو کر سب نے ایک اللہ کی رسی کو تھام رکھا ہے اور ان سب کا مرنا جینا اسی خدائے واحد کے لیے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا ۔یعنی تم خیال کرتے ہو کہ وہ تم سے لڑنے پر متفق ہیں۔ وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ۔مگر ان کے دل متفرق ہیں اللہ نے ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیا ہے۔ایک بات پر ان کے دل نہیں جمتے دنیوی مصالح کے حصول کے پیش نظر کبھی لڑنا چاہتے ہیں اور تمہارے خوف کی وجہ سے کبھی بھاگ جانے کا ارادہ کرتے ہیں۔

بے اتفاقی کی وجہ: ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ الخ۔یہ پراگندگی خیال اور ایک رائے پر نہ جمنا اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ بے عقل ہیں حق وباطل میں امتیاز نہیں کر سکتے نہ غور کرتے ہیں نہ اتنا سمجھتے ہیں یہ خوف زدہ ہونا صرف اس وجہ سے ہے کہ ان کے دلوں پر کفر چھایا ہوا ہے اور نبی برحق کے مقابل وہ صف آرا ہیں۔ (تفسیر مظہری)

كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا

جیسے قصہ اُن لوگوں کا جو ہو چکیں اُن سے پہلے قریب ہی

ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ

چکھی انہوں نے سزا اپنے کام کی اور اُن کے لئے عذاب

أَلِيمٌ ﴿۱۵﴾

دردناک ہے ☆

یہ بھی برباد ہوں گے ☆یعنی ابھی قریب زمانہ میں یہود "بنی قینقاع" اپنی غداری کا مزہ چکھ چکے ہیں جب انہوں نے بدعہدی کی تو مسلمانوں نے ایک مختصر لڑائی کے بعد نکال باہر کیا اور اس سے پیشتر ماضی قریب میں مکہ والے "بدر" کے دن سزا پا چکے ہیں وہی انجام "بنی نضیر" کا دیکھ لو کہ دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں سزا مل چکی اور آخر کا دردناک عذاب جوں کا توں رہا۔ (تفسیر عثمانی)

كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ۔یعنی بنی نضیر کی مثال ویسی ہی ہے جیسی ان سے کچھ ہی پہلے والے لوگوں کی تھی مجاہد کا قول ہے کہ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا سے مراد وہ مشرکین ہیں جو بدر میں مسلمانوں سے لڑے تھے۔حضرت ابن عباس نے فرمایا بنی قینقاع کے یہودی مراد ہیں بنی قینقاع حضرت عبداللہ بن سلام کے قبیلہ والے تھے انہوں نے عبداللہ بن ابی بن سلول یا عبادہ بن صامت وغیرہ سے معاہدہ کر رکھا تھا۔یہ لوگ سناری کا کام کرتے تھے اور قوم یہود میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔

یہود بنی قینقاع کی عہد شکنی: ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ ۔یعنی کفر اور عداوت رسول کی بدانجامی کا دنیا میں بھی انہوں نے مزہ چکھ لیا۔جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی سکونت چھوڑ کر مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو تمام یہودیوں نے آپ سے ایک معاہدہ کر لیا اور عہد نامہ لکھا گیا اور جو لوگ یہودیوں کے یا رسول اللہ کے معاہد اور حلیف تھے ان کو بھی معاہدہ نامہ کے اندر اسی فریق سے ملحق کر دیا گیا جس کے وہ حلیف بنے اس معاہدہ میں متعدد دفعات ہیں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ اگر کسی فریق کا کوئی دشمن ہو تو اس فریق کے خلاف اس کے دشمن کی مدد فریق ثانی نہیں کرے گا جب بدر کی لڑائی کفار مکہ سے ہوئی تو بنی قینقاع نے سب سے پہلے عہد شکنی اور معاہدہ کی خلاف ورزی کی علی الاعلان باغی ہو گئے اور اندرونی عداوت کے مظاہرہ پر اتر آئے انہیں حالات میں ایک مسلمان بدوی عورت قینقاع کے بازار میں آئی اور ایک سنار کے پاس کسی زیور (خریدنے) کے لئے بیٹھی لوگوں نے اس کا چہرہ بے نقاب کرنا چاہا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا سنار نے پیچھے سے اس کے کپڑے کا ایک کونہ کسی کانٹے میں الجھا دیا عورت کو پتہ بھی نہیں ہوا' جب وہ اٹھی تو اس کا ستر کھل گیا لوگ ہنسنے لگے وہ چیخ پڑی یہ دیکھ کر ایک مسلمان نے سنار پر حملہ کر دیا اور اس کو قتل کر دیا سنار یہودی تھا یہودیوں نے اس مسلمان کو قتل کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا معاہدہ (پس پشت) پھینک دیا شہید مسلمانوں کے متعلقین نے مسلمانوں کو پکارا مسلمان غضبناک ہو گئے اس طرح مسلمانوں میں اور بنی قینقاع کے یہودیوں میں فساد ہو گیا اس پر آیت وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ نازل ہوئی۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۔یعنی آخرت میں ان پر عذاب الیم ہوگا دنیوی عذاب آخرت کے عذاب کو کم نہیں کر دے گا۔ (تفسیر مظہری)

بنو قینقاع کی جلاوطنی: واقعہ یہ تھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مدینہ کے آس پاس جتنے قبائل یہود کے تھے سب کے ساتھ ایک معاہدہ صلح کا ہو گیا تھا۔جس کی شرائط میں یہ داخل تھا کہ ان میں سے کوئی رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے کسی

مخالف کی امداد نہ کرے گا' ان معاہدہ کرنے والوں میں قبیلہ بنوقینقاع بھی شامل تھا' مگر اس نے چند مہینوں کے بعد ہی غدر وعہد شکنی شروع کر دی اور غزوۂ بدر کے موقع پر مشرکین کے ساتھ خفیہ سازش وامداد کے کچھ واقعات سامنے آئے' اُس وقت یہ آیت قرآن نازل ہوئی (وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰی سَوَآءٍ) ''یعنی اگر (معاہدہ اور صلح کے بعد) کسی قوم کی خیانت کا خطرہ لاحق ہو تو آپ ان کا معاہدہ صلح ختم کر سکتے ہیں''۔ بنو قینقاع اس معاہدہ کو اپنی غداری سے خود توڑ چکے تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف جہاد کا اعلان فرمایا اور علم جہاد حضرت حمزہؓ کو عطا فرمایا اور مدینہ طیبہ کے شہر پر حضرت ابولبابہؓ کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی تشریف لے گئے۔ یہ لوگ مسلمانوں کا لشکر دیکھ کر اپنے قلعہ میں بند ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا' پندرہ روز تک تو یہ لوگ محصور ہو کر صبر کرتے رہے بالآخر اللہ نے ان کے دلوں میں رُعب ڈال دیا' اور یہ سمجھ گئے کہ مقابلہ سے کام نہ چلے گا اور قلعہ کا دروازہ کھول دیا' اور کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی ہیں جو آپ ہمارے بارے میں نافذ کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ان کے مردوں کے قتل کا ہونے والا تھا۔ کہ عبداللہ بن اُبی منافق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے حد اصرار الحاح کیا کہ اُن کی جاں بخشی کر دی جائے' بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ لوگ بستی خالی کر کے جلا وطن ہو جائیں۔ اور ان کے اموال مسلمانوں کا مال غنیمت ہونگے' اس قرارداد کے مطابق یہ لوگ مدینہ چھوڑ کر ملک شام کے علاقہ اذرعات میں چلے گئے۔ اور اُن کے اموال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کے قانون کے مطابق اس طرح تقسیم فرمایا کہ ایک خمس بیت المال کا رکھ کر باقی چار خمس غانمین میں تقسیم کر دیئے۔

غزوہ بدر کے بعد یہ پہلا خمس تھا جو بیت المال میں داخل ہوا' یہ واقعہ بروز شنبہ ۱۵ شوال ۲ھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے بیس ماہ بعد پیش آیا۔ (معارف مفتی اعظم)

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ

جیسے قصہ شیطان کا جب کہے انسان کو

اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ

تو منکر ہو پھر جب وہ منکر ہو گیا کہے میں الگ ہوں

مِّنْكَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾

تجھ سے میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب سارے جہان کا

فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِی النَّارِ

پھر انجام دونوں کا یہی کہ وہ دونوں ہیں آگ میں

خٰلِدَیْنِ فِیْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا

ہمیشہ رہیں اُسی میں اور یہی ہے سزا

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۷﴾

گنہگاروں کی ☆

منافقوں کی مثال ☆ یعنی شیطان اول انسان کو کفر و معصیت پر ابھارتا ہے۔ جب انسان دام اغوا میں پھنس جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تجھ سے الگ اور تیرے کام سے بیزار ہوں مجھے تو اللہ سے ڈر لگتا ہے (یہ کہنا بھی ریاء اور مکاری سے ہوگا) نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود بھی دوزخ کا کندہ بنا اور اسے بھی بنایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ 'شیطان آخرت میں یہ بات کہے گا اور ''بدر'' کے دن بھی ایک کافر کی صورت میں لوگوں کو لڑوا تا تھا۔ جب فرشتے نظر آئے تو بھاگا جس کا ذکر سورہ ''انفال'' میں گزر چکا ہے۔ یہی مثال منافقوں کی ہے ''بنی نضیر'' کو اپنی حمایت رفاقت کا یقین دلا دلا کر بھرے پر چڑھاتے رہے۔ آخر جب وہ مصیبت میں پھنس گئے آپ الگ ہو بیٹھے لیکن کیا وہ اس طرح اللہ کے عذاب سے بچ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں دونوں کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ الخ۔ یعنی عبداللہ بن ابی اور اس جیسے دوسرے منافق جو یہودیوں کو جنگ پر آمادہ کرتے تھے ان کی مثال شیطان ایسی ہے۔

گورا شیطان اور برصیصا عابد: بغویؒ نے لکھا ہے کہ عطاء وغیرہ نے بحوالۂ ابن عباسؓ بیان کیا کہ امام فترت (انقطاع نبوت کا زمانہ جو حضرت عیسیٰؑ کے بعد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک تھا) میں ایک راہب (تارک الدنیا درویش) تھا جس کو برصیصا کہا جاتا تھا ستر برس تک یہ راہب اپنے عبادت خانہ میں اللہ کی عبادت کرتا رہا کبھی ایک لمحہ کے لئے اللہ کی نافرمانی نہیں کی اس کے سلسلہ میں ابلیس اپنی ساری تدبیریں کر کے عاجز آ گیا مگر اس کو نہیں بہکا سکا آخر ایک دن اس نے تمام خبیث شیطانوں کو جمع کیا اور کہنے لگا۔ مجھے کوئی بھی اب تک ایسا نہ ملا جو برصیصا کے معاملہ میں میرا کام پورا کر دیتا حاضرین میں ایک شیطان ابیض (گورا شیطان) بھی تھا۔ یہ

شیطان وہی تھا جو انبیاء کے ساتھ لگا رہتا تھا اور جبرئیل کی شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی آیا تا کہ بر طریق وحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں وسوسہ پیدا کر سکے جبرئیل نے اس کو دھکے دیکر ہندوستان کے آخری حصہ تک بھگا دیا تھا۔ اسی گورے شیطان نے ابلیس سے کہا میں آپ کا کام پورا کر دوں گا۔ چنانچہ وہ اس مجلس سے چلا اور راہبوں کا ایسا لباس پہنا اور وسط سر کے بال مونڈ کر برصیصا کے عبادت خانہ تک جا پہنچا اور (نیچے سے) برصیصا کو آواز دی برصیصا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ برصیصا دس دن میں صرف ایک دن نماز سے فارغ اور دس ہی دن میں صرف ایک دن روزہ ناغہ کرتا تھا گورے شیطان نے جب دیکھا کہ برصیصا نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا تو برصیصا کی خانقاہ کے نیچے ہی عبادت میں مشغول ہو گیا۔ عبادت سے مقرر وقت پر) فارغ ہو کر جب برصیصا نے اپنے عبادت خانے سے جھانک کر دیکھا تو گورے شیطان کو بہترین راہبانہ ہیئت میں نماز میں کھڑا ہوا پایا یہ صورت دیکھ کر اس کو جواب نہ دینے پر اپنے دل میں پشیمانی ہوئی اور کہنے لگا آپ نے مجھے پکارا تھا مگر میں آپ کی طرف متوجہ نہیں ہوا آپ کا مجھ سے کیا کام ہے گورے شیطان نے کہا میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں تا کہ آپ کے ساتھ مل کر عبادت کروں اور آپ کے علم وعمل سے بہرہ اندوز ہوں اور ہم دونوں عبادت میں لگ جائیں آپ میرے لئے دعا کریں اور میں آپ کے لئے دعا کروں راہب نے کہا میں تمہاری طرف متوجہ نہیں ہو سکتا اگر تم مؤمن ہو تو میں عام مومنوں کے لئے جو دعا کرتا ہوں اگر وہ دعا خدا قبول فرمالے گا تو تم کو بھی اس میں شامل کر دیگا۔ یہ کہہ کر برصیصا پھر نماز کی طرف متوجہ ہو گیا اور گورے شیطان کو چھوڑ دیا گورا شیطان بھی نماز میں مشغول ہو گیا برصیصا نے چالیس روز تک اس کی طرف کوئی التفات نہیں کی (نماز میں مشغول رہا) چالیس روز کے بعد جب نماز سے فارغ ہوا تو گورے شیطان کو نماز میں کھڑا پایا آخر شیطان کی اتنی سخت کوشش دیکھ کر برصیصا نے پوچھا تمہارا کیا مطلب ہے گورے شیطان نے کہا میرا مقصد یہ ہے کہ آپ مجھے اجازت دیدیں میں بھی اوپر آپ کے پاس آ جاؤں برصیصا نے اجازت دیدی گورا شیطان اوپر برصیصا کے پاس خانقاہ میں آ گیا اور اس کے ساتھ ایک سال تک عبادت میں مشغول رہا پورا چلہ ختم ہونے سے پہلے روزہ کا افطار ناغہ نہیں کرتا تھا۔ اور نہ چالیس روز پورے ہونے سے پہلے نماز ختم کرتا تھا اور اکثر دو چلے بھی یونہی گزر جاتے تھے۔ برصیصا نے جب (عبادت میں) اس کی یہ محنت دیکھی تو خود اپنی ذات اس کو حقیر معلوم ہونے لگی اور شیطان کی حالت پر اس کو تعجب ہوا سال پورا ہو گیا تو گورے شیطان نے برصیصا سے کہا اب میں جا رہا ہوں کیوں کہ آپ کے علاوہ میرا ایک اور ساتھی ہے (میں اس کے پاس جاؤں گا) میرا خیال تو یہ تھا کہ آپ اس سے زیادہ عبادت گذار ہوں گے لیکن آپ کے متعلق جو کچھ میں نے سنا تھا آپ کی حالت اس سے غیر پائی یہ بات سن کر برصیصا کو (اپنی کم محنت ہونے کی) شدید تکلیف ہوئی اور چونکہ شیطان ابیض کی شدید ریاضت دیکھ چکا تھا اس لئے اس کی جدائی راہب پر شاق گذری رخصت ہوتے وقت گورے شیطان نے برصیصا سے کہا مجھے کچھ دعائیں آتی ہیں میں آپ کو وہ سکھاتا ہوں جس مشغلہ میں آپ ہیں وہ دعائیں اس سے بہتر ہیں آپ ان کو پڑھ کر اللہ سے دعا کریں گے تو اللہ بیمار کو شفا عطا کرے گا دکھی کو سکھی کر دے گا اور آسیب زدہ کو ٹھیک کر دے گا برصیصا نے کہا مجھے یہ مرتبہ پسند نہیں میرے لئے اپنا ہی مشغلہ (بہت کافی) ہے مجھے ڈر ہے کہ جب لوگ اس کی خبر پائیں گے تو میری عبادت میں خلل انداز ہو جائیں گے گورا شیطان برابر اصرار کرتا رہا آخر راہب کو وہ دعائیں سکھا کے چھوڑا اس کے بعد چلا گیا اور ابلیس سے جا کر کہا واللہ میں نے اس شخص کو تباہ کر دیا پھر یہاں سے واپس چلا گیا راستہ میں ایک آدمی ملا اس شیطان نے اس کا گلا گھونٹ دیا اور طبیب کی ہیئت میں اس شخص کے گھر والوں سے جا کر کہا تمہارے ساتھی کو آسیب (یا جنوں کا دورہ) ہے کیا میں اس کا علاج کر دوں لوگوں نے کہا ہاں۔ جا کر مریض کو دیکھا اور بولا اس پر جڑیل (جنات کی عورت) کا اثر ہے میں اس پر قابو نہیں پا سکتا البتہ تم کو ایک ایسے آدمی کا پتہ بتاتا ہوں جو اللہ سے دعا کرے اس کو اچھا کر سکتا ہے غرض اس نے برصیصا کا پتہ بتا دیا اور کہا تم اس کے پاس جاؤ اس کے پاس اسمِ اعظم ہے جب وہ اسم اعظم لے کر دعا کرتا ہے تو اللہ قبول کر لیتا ہے لوگ برصیصا کے پاس گئے اور اس سے دعا کرنیکی درخواست کی اس نے اسی الفاظ سے دعا کر دی جو گورے شیطان نے اس کو سکھائے تھے۔ فوراً مریض پر جس شیطان کا تسلط تھا وہ شیطان بھاگ گیا۔ گورے شیطان نے بہت سے لوگوں سے ایسی ہی حرکت کی اور برصیصا کا پتہ بتاتا رہا اور لوگ اچھے ہوتے رہے۔ ایک بار شیطان ابیض بنی اسرائیل کی کسی شہزادی پر اثر انداز ہوا اس لڑکی کے تین بھائی تھے اور باپ بادشاہ تھا بادشاہ مر گیا اور اپنے بھائی کو اپنا جانشین بنا گیا لڑکوں کا چچا بادشاہ ہو گیا تو گورا شیطان شہزادی کی طرف متوجہ ہوا اس کو سخت اذیت دی اور گلا گھونٹ دیا پھر اس کے بھائیوں کے پاس طبیب کی شکل میں آیا اور بولا کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس کا علاج کر دوں ان لوگوں نے کہا ہاں کہنے لگا ایک بڑا خبیث اس کے درپے آزار ہے اور مجھ میں اس کو دور کرنے کی طاقت نہیں البتہ ایک شخص کا میں پتہ بتاتا ہوں جس پر تم اعتماد رکھتے ہو لڑکی کو اس کے پاس لے جاؤ جب اس پر وہ خبیث آئے گا اور وہ شخص اس کے لئے دعا کرے گا تو لڑکی اچھی ہو جائے گی۔ تم کو یہ بات معلوم ہو جائے گی۔ اور لڑکی کو بعافیت واپس لے آؤ گے لوگوں نے کہا وہ کون شخص ہے گورے شیطان نے کہا برصیصا زاہد۔ شہزادوں نے کہا وہ ہماری

بات کیسے مانیں گےان کا مقام تو بہت بلند ہے۔شیطان نے کہااس کی خانقاہ کے برابرایک اورعبادت خانہ تعمیر کرواتنااونچا کہ وہاں سےاس کی خانقاہ کے اندرجھانک سکوپھروہاں سے اپنا مقصداس سے کہواگر مان لےتو خیر نہ مانے تواپنے تعمیر کردہ عبادت خانہ میں لڑکی کو چھوڑ آؤ اور برصیصا سے کہہ دو یہ (تمہاری نگرانی میں ہماری امانت ہے) بغرض ثواب اس کی نگرانی رکھنا الحاصل شہزادے برصیصا کی طرف گئے اوراس سے درخواست کی لیکن اس نے انکارکردیاشیطان کے مشورے کےمطابق شہزادوں نے راہب کی خانقاہ کے برابرایک عبادت خانہ تعمیر کرادیااورلڑکی کواس میں رکھ دیااور (راہب سے) کہایہ ہماری امانت ہے بغرض ثواب اس کی نگرانی رکھنا یہ کہہ کرواپس آ گئے جب (مقررہ ایام گزرنے کے بعد) برصیصا نے نماز ختم کی توایک حسین لڑکی پرنظر پڑی اورایسی نظر پڑی کہ وہ لڑکی اس کے دل نشین ہوگئی اوراس پربڑی مصیبت آ گئی اس کے بعدشیطان نے آ کراس لڑکی کا گلا گھونٹ دیا برصیصا نے اس کے لئے گورے شیطان کی بتائی ہوئی دعائیں کیں شیطان اتر گیابرصیصا نماز میں مشغول ہوگیا شیطان نے آ کر پھراس کا گلا گھونٹ دیا اس مرتبہ بے ہوشی میں وہ اپنا ستر بھی کھولنے لگی گورے شیطان نے آ کر برصیصا سے کہااب تواس پر جاپڑ پھرتوبہ کرلینا اللہ گناہ معاف کرنے والا ہے معاف کردے گااور تیرامقصد پوراہوجائے گا۔ردوکد کے بعد برصیصا لڑکی پر جاپڑااوراس کے بعد مسلسل لڑکی کے پاس جاتارہا آخرلڑکی حاملہ ہوگئی اوراس کاحمل نمایاں ہوگیا تو شیطان اس کے پاس آیا اور کہنے لگا ارے برصیصا تو رسوا ہوگیا۔اب مناسب ہے کہ تو لڑکی کوقتل کردے پھر توبہ کرلینا اگر وہ لوگ پوچھیں تو کہنا اس کا جن اس کو لے گیا۔مجھ میں بچانے کی قدرت نہیں تھی۔ برصیصا نے لڑکی کوقتل کردیا پھر (رات کو) لیجاکر پہاڑی کے کنارے دفن کردیا دفن کرتے وقت شیطان نے آ کرلڑکی کی چادر کاایک کونہ پکڑ لیااس طرح چادر کاایک گوشہ قبر کی مٹی سے باہر رہ گیا۔برصیصا اپنی خانقاہ میں لوٹ آیااور نماز میں مشغول ہوگیا۔لڑکی کے بھائی اپنی بہن کی خبر گیری کے لئے آئے اور دریافت حال کے لئے آتے رہتے تھے۔انہوں نے آ کر دریافت کیا برصیصا ہماری بہن کیا ہوئی برصیصا نے جواب دیا شیطان آ کراس کواڑا لے گیااور مجھ میں بچانے کی قدرت نہیں تھی۔ان لوگوں نے برصیصا کی بات پریقین کر لیاسب لوٹ آئے شام ہوئی تو بھائی غم زدہ تو تھے ہی سوتے میں شیطان نے بڑے بھائی سے خواب میں کہا کہ برصیصا نے تمہاری بہن کے ساتھ یہ حرکتیں کیں پھراس کوفلاں جگہ دفن کردیااس بھائی نے اپنے دل میں کہا یہ خواب ہے۔اورشیطانی خیال ہے برصیصا تو بہت بزرگ آدمی ہے وہ ایسانہیں کرسکتا تین رات برابر شیطان اس کو یہی خواب دکھاتا رہالیکن اس نے کوئی پرواہ نہیں کی آخرشیطان خواب میں منجھلے بھائی کے پاس گیااوراس سے بھی یہی بات کہی مگراس نے بھی وہی خیال کیا جو بڑے بھائی نے کیا تھااور کسی سے کچھ بیان نہیں کیا آخر میں تیسرے بھائی کے پاس خواب میں جاکر شیطان نے یہی بات کہی اس نے اپنے دونوں بھائیوں سے یہ خواب بیان کردیا منجھلے اور بڑے نے بھی اپنے خواب ظاہر کردیئے پھر تینوں برصیصا کے پاس گئے اور کہابرصیصا ہماری بہن کیا ہوئی برصیصا نے کہامیں توتم کو پہلے ہی بتاچکا ہوں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھے تہمت زدہ کرنا چاہتے ہو یہ بات سن کرشہزادوں کو اس سے شرم آئی اور کہنے لگے ہم آپ پر تہمت نہیں دھرتے یہ کہہ کرلوٹ آئے شیطان پھرخواب میں آ کران سے کہاارے تمہاری بہن تو فلاں مقام پردفن ہےاوراس کی چادر کاایک گوشہ قبر کی مٹی سےاوپر دکھ رہا ہےان لوگوں نے جاکر دیکھا تو جیسا خواب میں دیکھا تھا ویسا ہی پایا پھرتو مزدوروں اور غلاموں کولیکر کسیوں اور کدالوں سےان لوگوں نے برصیصا کا عبادت خانہ ڈھادیااوراس کوعبادت خانہ سےاتار کر مشکیں کس کر بادشاہ کے پاس گئے ادھر گورے شیطان نے برصیصا سے کہا (تو انکار نہ کرنا) اگر تو نے انکار کیا تو تجھ پردوجرم عائد ہوجائیں گے قتل کااور پھرانکار قتل کا۔برصیصا نے اقرار کرلیا تو بادشاہ نے اس کوقتل کرنے کیلئے سولی پر چڑھانے کا حکم دیدیا سولی پر چڑھاتے وقت وہی گورا شیطان آیااور برصیصا سے کہا کیا تو مجھے پہنچانتا ہے برصیصا نے کہانہیں بولا میں وہی ہوں جس نے تجھے دعائیں سکھائی تمہیں اور تیری دعائیں قبول ہوئیں امانت میں خیانت کرتے تجھے خدا سے ڈر نہیں لگا۔ تیراتو دعویٰ تھا کہ میں تمام بنی اسرائیل سے بڑھ کرعبادت گذارہوں مگر تجھے شرم نہیں آئی اسی طرح برابر شرم دلاتارہا پھرآخر میں کہنے لگا کیا جو کچھ تو نے کیا وہی کافی نہ تھا کہ تو نے اقرار جرم کرلیااور خوداپنے کوبھی رسوا کیااوراپنے جیسے دوسرے (عبادت گذار) لوگوں کوبھی رسوا کیا اگر تو اس حالت میں مرگیا تو تیری مثل دوسرے (عابدزاہد) لوگ کبھی فلاح یاب نہیں ہوں گے۔ ہرایک عابد کو لوگ مکار دھوکہ باز کہیں گے برصیصا نے پوچھا تو اب میں کیا کروں کہنے لگا میری ایک بات مان لےاگر وہ بات مان لے گا تو میں تجھے موجودہ حالت سے بچاکر لے جاؤں گا میں لوگوں کی نظر بندی کردوں گااور تجھے اس جگہ سے نکال لے جاؤں گا برصیصا نے پوچھا وہ کیا بات ہے کہنے لگا بس مجھے سجدہ کرلے برصیصا نے کہامیں ایسا کرتا ہوں شیطان نے کہا برصیصا میرا مقصد پورا ہوا میں یہی چاہتا تھا تیراانجام یہی ہو کہ تو کافر ہوگیا اب میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔

اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ میں اللہ سے جو رب العالمین ہے ڈرتا ہوں شیطان نے یہ بات محض دکھاوے کے لئے کہی (سچے دل سے نہیں کہی) کیوں کہ خدا کا خوف شیطانوں کی سرشت میں ہی نہیں رکھا گیا ہے۔اہل تفسیر کے بعض اقوال میں آیا ہے کہ الانسان سے جنس انسان مراد ہےاور جس طرح آمراپنے مامور کوحکم دے کرکسی کام پرآمادہ کرتا ہےاسی طرح شیطان انسان

کو کفر پر برانگیختہ کرتا ہے اور اس اندیشہ سے کہ انسان کے ساتھ (اغوا کرنے کا) اس پر عذاب نہ ہو قیامت کے دن یہ بات کہے گا۔ (تفسیر مظہری)

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے
وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ
اور چاہیے کہ دیکھ لے ہر ایک جی کیا بھیجتا ہے کل کے واسطے ☆

کل کے لئے تیاری کرلو ☆ یعنی اللہ سے ڈر کر طاعات اور نیکیوں کا ذخیرہ فراہم کرو اور سوچو کہ کل کے لیے کیا سامان تم نے آگے بھیجا ہے جو مرنے کے بعد وہاں پہنچ کر تمہارے کام آئے۔ (تفسیر عثمانی)

دنیا کی زندگی بہت مختصر ہے: یہاں چند باتیں غور طلب ہیں۔ اول۔ یہ کہ اس آیت میں قیامت کو لفظ غد سے تعبیر کیا جس کے معنی ہیں آنے والی کل، اس میں دو چیزوں کی طرف اشارہ ہے، اول پوری دنیا کا بمقابلہ آخرت نہایت قلیل و مختصر ہونا ہے کہ ساری دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایک دن کی مثل ہے، اور حساب کے اعتبار سے تو یہ نسب ہونا بھی مشکل ہے، کیونکہ آخرت دائمی ہے جس کی کوئی انتہا اور انقطاع نہیں، انسانی دنیا کی عمر تو چند ہزار سال ہی بتلائی جاتی ہے، اگر زمین و آسمان کی تخلیق سے حساب لگائیں تو چند لاکھ سال ہو جائیں گے، مگر پھر ایک محدود مدت ہے غیر محدود اور غیر متناہی سے اس کو کوئی بھی نسبت نہیں ہوتی۔

بعض روایات حدیث میں ہے اَلدُّنْیَا یَوْمٌ وَلَنَا فِیْهِ صَوْمٌ "ساری دنیا ایک دن ہے اور اُس دن میں ہمارا روزہ ہے"۔ اور غور کرو تو تخلیق انسانی سے شروع کر دیا تخلیق زمین و آسمان سے یہ دونوں چیزیں ایک فرد انسانی کے لئے قابل اہتمام نہیں، بلکہ ہر فرد کی دنیا تو اس کی عمر کے ایام و سال ہیں، اور وہ آخرت کے مقابلہ میں کتنی حقیر مدت ہے، اس کا ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے۔

قیامت یقینی ہے: دوسرا اشارہ۔ کہ قیامت کے یقینی ہونے کی طرف ہے۔ جیسے آج کے بعد کل کا آنا امر یقینی ہے کسی کو اس میں شبہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح دنیا کے بعد قیامت و آخرت کا آنا یقینی ہے۔

قیامت بہت قریب ہے: تیسرا اشارہ اس طرف ہے کہ قیامت بہت قریب ہے، جیسے آج کے بعد کل کچھ دور نہیں، بہت قریب سمجھی جاتی ہے اسی طرح دنیا کے بعد قیامت بھی قریب ہے۔

اور قیامت ایک تو پورے عالم کی ہے، جب زمین و آسمان سب فنا ہو جائیں گے، وہ بھی اگر چہ ہزاروں لاکھوں سال کے بعد ہوگی مگر بمقابلہ مدت آخرت کے بالکل قریب ہی ہے، دوسری قیامت ہر انسان کی اپنی ہے جو اس کی موت کے وقت آجاتی ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُهٗ یعنی جو شخص مر گیا اس کی قیامت تو ابھی قائم ہوگئی"۔ کیونکہ قبر ہی سے عالم آخرت کے آثار شروع ہو جاتے ہیں، اور عذاب و ثواب کے نمونے سامنے آجاتے ہیں، کیونکہ عالم قبر جسکو عالم برزخ بھی کہا جاتا ہے اس کی مثال دنیا کی انتظارگاہ (ویٹنگ روم) کی سی ہے جو فرسٹ کلاس سے لے کر تھرڈ کلاس تک کے لوگوں کے لئے مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ اور مجرموں کا ویٹنگ روم حوالات یا جیل خانہ ہوتا ہے، اسی انتظارگاہ ہی سے ہر شخص اپنا درجہ اور حیثیت متعین کر سکتا ہے۔ اس لئے مرنے کے ساتھ ہی ہر انسان کی اپنی قیامت آجاتی ہے۔ اور انسان کا مرنا اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا معمہ بنایا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا فلسفی اور سائنسدان اس کا یقینی وقت مقرر نہیں کر سکتا۔ بلکہ ہر وقت ہر آن انسان اس خطرہ سے باہر نہیں ہوتا۔ کہ شاید اگلا گھنٹہ زندگی کی حالت میں نہ آئے۔ خصوصاً اس برق رفتار زمانہ میں تو ہارٹ فیل ہونے کے واقعات نے اس کو روزمرہ کی بات بنا دیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨﴾
اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو ☆

تقویٰ اختیار کرو ☆ یعنی تمہارا کوئی کام اللہ سے پوشیدہ نہیں لہٰذا اس سے ڈر کر تقویٰ کا راستہ اختیار کرو اور معاصی سے پرہیز رکھو۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ
اور مت ہو اُن جیسے جنھوں نے بھلا دیا اللہ کو
فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ
پھر اللہ نے بھلا دیئے اُن کو اُنکے جی وہ لوگ وہی
الْفٰسِقُوْنَ ﴿١٩﴾
ہیں نافرمان ☆

غافلوں کی طرح نہ ہو جاؤ ☆ یعنی جنھوں نے اللہ کے حقوق بھلا دیئے اس کی یاد سے غفلت اور بے پروائی برتی اللہ نے خود ان کی جانوں سے ان کو غافل اور بے خبر کر دیا کہ آنیوالی آفات سے اپنے بچاؤ کی کچھ فکر نہ کی۔ اور نافرمانیوں میں غرق ہو کر دائمی خسارے اور ابدی ہلاکت میں پڑ گئے۔ (تفسیر عثمانی)

نَسُوا اللّٰهَ۔ اللہ کو بھول گئے یعنی بے پروائی کے ساتھ ممنوعات کا ارتکاب کرتے ہیں اور واجبات کو ترک کرتے ہیں۔ اللہ کی پرواہ نہیں کرتے۔

فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ۔ یعنی اللہ نے نفس کے آرام و راحت اور کامیابی سے بے پرواہ کر دیا اس لئے نفسوں کی بھلائی اور فائدہ کے لئے کچھ نہیں کرتے یا یہ مراد ہے کہ قیامت کی ہولناکیاں ایسی ہوں گی جو ان سے خود ان کے نفسوں کو فراموش کرا دیں گی۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ یعنی پورے پورے نافرمان نہیں۔ (تفسیر مظہری)

لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ

برابر نہیں دوزخ والے اور بہشت والے

الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

بہشت والے جو ہیں وہی ہیں مراد پانے والے ☆

بہشت کا راستہ ☆ یعنی چاہئے کہ آدمی اپنے کو بہشت کا مستحق ثابت کرے جس کا راستہ قرآن کریم کی ہدایات کے سامنے جھکنے کے سوا کچھ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى

اگر ہم اتارتے یہ قرآن ایک

جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا

پہاڑ پر تو تو دیکھ لیتا کہ وہ دب جاتا پھٹ جاتا

مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ

اللہ کے ڈر سے ☆

مقام افسوس ☆ یعنی مقام حسرت و افسوس ہے کہ آدمی کے دل پر قرآن کا اثر کچھ نہ ہو حالانکہ قرآن کی تاثیر اس قدر زبردست اور قوی ہے کہ اگر وہ پہاڑ جیسی سخت چیز پر اتارا جاتا اور اس میں سمجھ کا مادہ موجود ہوتا تو وہ بھی متکلم کی عظمت کے سامنے دب جاتا اور مارے خوف کے پھٹ کر پارہ پارہ ہو جاتا۔

میرے والد مرحوم نے ایک طویل نظم اس کے ضمن میں یہ تین شعر لکھے تھے

سنتے سنتے نغمہ ہائے محفلِ بدعات کو
کان بہرے ہو گئے دل بد مزہ ہونے کو ہے
آؤ سنوائیں تمہیں وہ نغمہ مشروع بھی
پارہ جس کے لحن سے طورِ ہدیٰ ہونے کو ہے
حیف گر تاثیر اس کی تیرے دل پر کچھ نہ ہو
کوہ جس سے خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا ہونے کو ہے

(تفسیر عثمانی)

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ الخ۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک آیت میں ایک تمثیل ہے یعنی اللہ اگر پہاڑ میں قوت تمیز پیدا کر دیتا اور پھر اس وقت قرآن اتارتا تو پہاڑ عاجزی سے دب جاتا خوف سے پھٹ جاتا اور عظمت قرآن سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا (وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ) باوجودیکہ پہاڑ نہایت سخت ٹھوس اور باوزن ہیں لیکن ان کو خوف ہوتا کہ وہ تعظیم قرآن پوری طرح جیسا کہ حق ہے۔ ادا نہ کر پاتے اس وجہ سے پارہ پارہ ہو جاتے لیکن کافر انسان جو صاحب علم و عرفان ہے قرآن کے اندر جو نصیحتیں اور عبرتیں ہیں ان کو جانتا پہچانتا ہے پھر بھی سنی ان سنی کر دیتا ہے۔ (بالکل اثر پذیر نہیں ہوتا)

جمادات بھی اپنے خالق کا شعور رکھتے ہیں

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جمادات (اور نباتات) بظاہر بے شعور اور عدیم الحس ہیں لیکن اپنے خالق کا شعور رکھتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے کہتا ہے کیا تیرے اوپر کوئی بندۂ خدا اللہ کو یاد کرتا ہوا گزرا۔

قدمائے یونان کی غلط تحقیق: صحیح تحقیق یہ ہے کہ قدماء یونان جو نباتات و جمادات کو بے حس اور عدیم الشعور کہتے ہیں وہ غلط ہے موجودہ سائنس نے نباتات میں تو شعور ثابت کر دیا اور عنقریب جمادات کا حساس ہونا بھی ظاہر ہو جائے گا۔ اللہ نے پہلے ہی فرما دیا ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ یہ تسبیح مقالی ہے حالی نہیں یہ مراد نہیں کہ ہر شئی تخلیقاً اپنے خالق کے بے عیب ہونے پر دلالت کر رہی ہے ہر مصنوع اپنے صانع پر دال ہے یہ مطلب صراحت آیت کے خلاف ہے کیونکہ آیت کا آخری جز بتا رہا ہے کہ انسان تسبیح اشیاء کو نہیں سمجھتا اب اگر تسبیح حالی مراد لی جائے اور تسبیح حالی کا معنی یہ لیا جائے کہ ہر مخلوق فطرۃً اپنے خالق و فاطر کے بے عیب ہونے پر دلالت کر رہی ہے تو اس تسبیح اشیاء سے تو یونانی کافر بلکہ جاہل بے علم بھی واقف تھے اور ہیں پھر نفی تفقہ کے کچھ معنی نہیں اس سے ثابت ہوا کہ تسبیح مقالی ہی مراد ہے مگر ہر چیز کی نوعی زبان جدا جدا ہے جس کو ہر نوع کے افراد ہی سمجھتے ہیں پہاڑ پہاڑ کی بولی سمجھتا ہے اور پانی پانی کی بات سمجھتا ہے انسان ان کی بولی نہیں سمجھتے معجزۂ نبوت اس سے مستثنیٰ ہے عام انسان اسی بولی کو سمجھتے ہیں جو محتاج حروف اور اوتاد الصوت کا مرہون ہے اور اسی کو وہ کلام اور مقال کہتے ہیں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے کہتا ہے۔ وغیرہ۔

غور و فکر سے کام لو: لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ اس آیت میں اشارہ اور توبیخ ہے اس امر پر کہ انسان غور و فکر سے کام نہیں لیتا اور اتنا سخت دل ہے کہ

تلاوت قرآن کے وقت اس کے اندر خشوع نہیں پیدا ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا
اور یہ مثالیں ہم سُناتے ہیں
لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾
لوگوں کو تاکہ وہ غور کریں ☆

عظمت قرآن ☆ حضرت شاہؒ لکھتے ہیں "یعنی کافروں کے دل بڑے سخت ہیں کہ یہ کلام سن کر بھی ایمان نہیں لاتے اگر پہاڑ سمجھے تو وہ بھی دب جائے" (تنبیہ) یہ تو کلام کی عظمت کا ذکر تھا آگے متکلم کی عظمت و رفعت کا بیان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

کھجور کے تنہ کا احساس: مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو بھی ڈر اور عاجزی چاہئے متواتر حدیث میں ہے کہ منبر تیار ہونے سے پہلے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھجور کے تنے پر ٹیک لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ جب منبر بن گیا بچھ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر خطبہ پڑھنے کو کھڑے ہوئے اور وہ تنہ دور ہو گیا تو اس میں سے رونے کی آواز آنے لگی اور اس طرح سسکیاں لے لے کر وہ رونے لگا جیسے کوئی بچہ بلک بلک کر روتا ہو اور اسے چپ کرایا جا رہا ہو کیونکہ اسے اس ذکر و وحی کے سننے سے کچھ دوری ہوگئی۔ اور امام حسن بصریؒ اس حدیث کو بیان کر کے فرماتے تھے کہ لوگو ایک کھجور کا تنہ اس قدر اس کے رسول کا شائق ہو تو تمہیں چاہئے کہ اس سے بہت زیادہ شوق اور چاہت تم رکھو۔ اسی طرح کی یہ آیت ہے کہ جب ایک پہاڑ کا یہ حال ہو تو تمہیں چاہئے کہ تم تو اس حالت میں اس سے آگے رہو۔ اور جگہ فرمانِ خدا ہے وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ الخ یعنی اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ اس کے باعث پہاڑ چلا دیئے جائیں یا زمین کاٹ دی جائے یا مُردے نکل پڑیں (تو اس کے قابل یہی قرآن تھا) مگر پھر بھی ان کفار کو ایمان نصیب نہ ہوتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ
وہ اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی جانتا ہے
الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ
جو پوشیدہ ہے اور جو ظاہر ہے وہ ہے بڑا مہربان
الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ
رحم والا وہ اللہ ہے جس کے سوائے بندگی نہیں کسی کی

اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ
وہ بادشاہ ہے پاک ذات سب عیبوں سے سالم ☆

پاک ذات ☆ یعنی سب نقائص اور کمزوریوں سے پاک اور سب عیوب و آفات سے سالم نہ کوئی برائی اس کی بارگاہ تک پہنچی نہ پہنچے۔ (تفسیر عثمانی)

الْمُؤْمِنُ
امان دینے والا ☆

المؤمن ☆ "مومن" کا ترجمہ "امان دینے والا" کیا ہے اور بعض مفسرین کے نزدیک "مصدق" کے معنی ہیں یعنی اپنی اور اپنے پیغمبروں کی قولاً و فعلاً تصدیق کرنے والا یا مومنین کے ایمان پر مہر تصدیق ثبت کرنے والا۔ (تفسیر عثمانی)

الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ
پناہ میں لینے والا زبردست دباؤ والا صاحبِ عظمت
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾
پاک ہے اللہ اُن کے شریک بتلانے سے ☆

☆ یعنی اس کی ذات و صفات اور افعال میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

عظمت کبریائی: صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عظمت میرا تہبند ہے اور کبریائی میری چادر ہے جو مجھ سے ان دونوں میں سے کسی کو چھیننا چاہے گا میں اُسے عذاب کر دوں گا۔ اپنی مخلوق کو جس چیز پر چاہے وہ رکھ سکتا ہے۔ کل کاموں کی اصلاح اسی کے ہاتھ ہے وہ ہر برائی سے نفرت اور دوری رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام: بخاری و مسلم میں بہ روایت حضرت ابو ہریرہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک کم ایک سو نام ہیں۔ جو انہیں شمار کر لے یاد رکھ لے وہ جنت میں داخل ہو گا۔ وہ وتر ہے یعنی واحد ہے اور اکائی کو دوست رکھتا ہے۔ ترمذی میں ان ناموں کی صراحت بھی آئی ہے جو نام یہ ہیں۔ اللہ کہ نہیں کوئی معبود مگر وہی۔

(۱) رحمٰن (۲) رحیم (۳) ملک (۴) قدوس (۵) سلام (۶) مومن (۷) مہیمن (۸) عزیز (۹) جبار (۱۰) متکبر (۱۱) خالق (۱۲) باری (۱۳) مصور (۱۴) غفار (۱۵) وہاب (۱۶) رزاق (۱۷) قہار (۱۸) فتاح (۱۹) علیم (۲۰) قابض (۱۲) باسط (۲۲) خافض (۲۳) رافع (۲۴) معز (۲۵) مذل (۲۶) سمیع (۲۷) بصیر (۲۸) حکم (۲۹) عدل (۳۰) لطیف (۳۱)

خبیر (۳۲) حلیم (۳۳) عظیم (۳۴) غفور (۳۵) شکور (۳۶) علی (۳۷) کبیر (۳۸) حفیظ (۳۹) مقیت (۴۰) حسیب (۴۱) جلیل (۴۲) کریم (۴۳) رقیب (۴۴) مجیب (۴۵) واسع (۴۶) حکیم (۴۷) ودود (۴۸) مجید (۴۹) باعث (۵۰) شہید (۵۱) حق (۵۲) وکیل (۵۳) قوی (۵۴) متین (۵۵) ولی (۵۶) حمید (۵۷) محصی (۵۸) مبدی (۵۹) معید (۶۰) محی (۶۱) ممیت (۶۲) حی (۶۳) قیوم (۶۴) واجد (۶۵) ماجد (۶۶) واحد (۶۷) صمد (۶۸) قادر (۶۹) مقتدر (۷۰) مقدم (۷۱) مؤخر (۷۲) اول (۷۳) آخر (۷۴) ظاہر (۷۵) باطن (۷۶) والی (۷۷) متعال (۷۸) بر (۷۹) تواب (۸۰) منتقم (۸۱) عفو (۸۲) رؤف (۸۳) مالک الملک (۸۴) ذو الجلال والاکرام (۸۵) مقسط (۸۶) جامع (۸۷) غنی (۸۸) معنی (۸۹) معطی (۹۰) مانع (۹۱) ضار (۹۲) نافع (۹۳) نور (۹۴) ہادی (۹۵) بدیع (۹۶) باقی (۹۷) وارث (۹۸) رشید (۹۹) صبور۔ ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے اور اس میں کچھ تقدیم و تاخیر کمی زیادتی بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ان اسمائے حسنٰی کی جامعیت: سو جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات بے شمار ہیں لیکن یہ ننانوے نام۔ تمام اسماءِ حسنٰی اور صفات علیٰ کی اصل ہیں کہ دنیا میں عقل کے نزدیک جس قدر صفات کمال متصور ہوسکتی ہیں وہ سب انہی ننانویں اسماء حسنٰی کے تحت درج ہیں اور یہ ننانوے اسماء حسنٰی بے شمار صفات کمالیہ لئے بمنزلہ اصل کے ہیں اور تمام صفات کمال کا خلاصہ اور اجمال ہیں اور حدیث میں احصار سے محض زبانی یاد کر لینا مراد نہیں۔ یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ان تمام اسماء حسنی اور صفات علیٰ کے ساتھ موصوف ہے تو جس شخص نے حق تعالیٰ کو تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف جانا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (معارف کاندھلوی)

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ

وہ اللہ ہے بنانے والا نکال کھڑا کرنے والا☆

☆''خالق'' و''باری'' کے فرق کی طرف ہم نے سورہ بنی اسرائیل کی آیت ''وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ'' الخ کے فوائد میں کچھ اشارہ کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

الْمُصَوِّرُ

صورت کھینچنے والا☆

☆ جیسا کہ نطفہ پر انسان کی تصویر کھینچ دی۔ (تفسیر عثمانی)

ممتاز صورتیں: اَلْمُصَوِّرُ۔ بغوی نے لکھا ہے مخلوق کی ایسی تصویری علامات بنانے والا کہ ان میں باہم امتیاز ہو جائے محاورہ میں کہا جاتا ہے ھٰذِهٖ صُوْرَةُ الْاَمْرِ' یہ اس کام کی مثال ہے شروع میں اللہ نے اندازہ کیا۔ پھر وجود کا جامہ پہنایا پھر صورت گری کی۔ صحاح میں ہے کہ تصویر اشیاء کے ان نقوش کو کہتے ہیں جن کی وجہ سے ہر چیز دوسری سے ممتاز ہو جاتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں محسوس اور محض عقلی غیر محسوس محسوس کو تو تمام لوگ خواہ خاص ہوں یا عوام بلکہ ہر انسان اور بہت سے حیوانات جان لیتے ہیں سمجھ لیتے ہیں۔ جیسے انسان کی گھوڑے کی اور جمادات کی محسوس صورتیں معاینہ کے بعد ہر شخص جان لیتا ہے میں کہتا ہوں انہیں محسوس صورتوں کے ذریعہ سے ہی زید عمر سے ممتاز ہوتا ہے۔ غیر محسوس تصویر کو صرف خاص خاص لوگ جانتے ہیں۔ عوام کے ادراک کی رسائی عقل وہاں تک نہیں ہوتی جیسے انسان کے امتیازی افعال اور مختلف اشیاء کی وہ اندرونی خصوصیات جن کی وجہ سے ایک چیز دوسری چیز سے ممتاز ہو جاتی ہے۔ ان دونوں صورتوں کی طرف آیات ذیل میں اشارہ کیا گیا ہے ارشاد فرمایا ہے۔ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ۔ خَلَقَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۔ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۔ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۔

انسانی شکل وصورت کی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خلق آدم علی صورته اللہ نے آدم کو اپنی شکل پر بنایا اس حدیث میں مراد ہے انسان کی وہ خاص ہیئت جو آنکھوں سے بھی دکھائی دیتی ہے اور چشم باطن سے بھی وہ خصوصیت انسانیہ محسوس ہوتی ہے یہ وہ خصوصیت ہے۔ جس کی وجہ سے بکثرت مخلوق پر انسان کو برتری حاصل ہے۔ صورته کے لفظ میں اللہ کی طرف صورت کی اضافت حقیقی نہیں کیوں کہ اللہ ہر مشابہت سے پاک ہے نہ اس کا کوئی جزء ہے نہ ہیئت۔ اس جگہ اضافت سے مقصود ہے انسان کی فضیلت کا اظہار اور عزت آفرینی جیسے ناقۃ اللہ (اللہ کی اونٹنی) بیت اللہ (خانہ خدا) میں ناقہ صالح اور کعبۂ ابراہیم کی فضیلت کا اظہار مقصود ہے۔ میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ اپنی صورت پر بنانے سے مراد ہو اپنی صفات (علم قدرت ارادہ وغیرہ) عطا فرمانا کیوں کہ یہی وہ صفات ہیں جن کی وجہ سے انسان نے خلعت خلافت زیب تن کیا اور بار امانت برداشت کیا۔ یہ تمام تشریح اس وقت ضروری ہو گی۔ جب صورۃ کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹائی جائے۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ یہ ضمیر آدم کی طرف راجع ہو یعنی اللہ نے آدم کو ان کی خاص صورت پر بنایا اور وہ امتیازی شکل عطا فرمائی جو آدم کے سوا کسی اور مخلوق کو نہیں دی گئی۔ (تفسیر مظہری)

لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ط

اُسی کے ہیں سب نام خاصے☆

☆ یعنی وہ نام جو اعلیٰ درجہ کی خوبیوں اور کمالات پر دلالت کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۔ یعنی وہ نام جو اچھے اوصاف اور بہترین معانی پر دلالت کرتے ہیں (ان کے معانی میں کوئی عیب ونقص نہیں ہے)

اَلْحَکِیْمُ ۔ جامع کمالات ۔ اللہ کی قدرت کاملہ اور علم ہمہ گیر ہے اور تمام کمالات کا سرچشمہ اور مجموعہ یہی دونوں صفات ہیں۔

آخری تین آیات کی فضیلت: حضرت معقل بن یسارؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح کے وقت تین بار اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھ کر سورۂ حشر کے آخری تین آیات پڑھے گا اللہ ستر ہزار فرشتے مقرر کر دے گا جو شام تک اس کے لئے دعاء رحمت کرتے رہیں گے۔ اگر وہ اس روز مر جائے گا تو شہید مریگا اور (بجائے صبح کے) اگر شام کو پڑھے گا۔ تب بھی اس کو یہی مرتبہ ملے گا۔ رواہ الترمذی وقال حدیث غریب۔

حضرت ابوامامہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص رات کو یا دن کو سورۂ حشر کی آخری آیات پڑھے گا اور اس رات میں یا دن میں اس کی روح قبض کر لی جائے گی۔ تو اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج
پاکی بول رہا ہے اُس کی جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں ☆

☆ یعنی زبان حال سے یا قال سے بھی جس کو ہم نہیں سمجھتے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾ ع
اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا ☆

تمام کمالات کی جامع صفات ☆ تمام کمالات وصفات الٰہیہ کا مرجع ان دو صفتوں "عزیز" اور "حکیم" کی طرف ہے کیونکہ "عزیز" کمال قدرت پر اور "حکیم" کمال علم پر دلالت کرتا ہے اور جتنے کمالات ہیں علم اور قدرت سے کسی نہ کسی طرح وابستہ ہیں روایات میں سورہ "حشر" کی ان تین آیتوں (هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سے آخر تک) کی بہت فضیلت آئی ہے مومن کو چاہیے کہ صبح وشام آیات کی تلاوت پر مواظبت رکھے۔ (تفسیر عثمانی)

تم سورہ الحشر وللہ الحمد والمنہ

خواب میں اس کے پڑھنے والے کو مصیبت پہنچے گی اور اس کا ثواب اس کو ملے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ
سورہ ممتحنہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی تیرہ آیتیں اور دو رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾
يٰۤاَيُّهَا
اے

شان نزول ☆ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح مکہ والوں سے ہوئی تھی جس کا ذکر "اِنَّا فَتَحْنَا" میں آ چکا۔ برس بہ صلح قائم رہی۔ پھر کافروں کی طرف سے ٹوٹی۔ تب حضرت نے خاموشی کے ساتھ فوج جمع کر کے مکہ فتح کرنے کا ارادہ کیا خبروں کی بندش کر دی گئی مبادا کفار مکہ آپ کی تیاریوں سے آگاہ ہو کر لڑائی کا سامان شروع کر دیں اور اس طرح حرم شریف میں جنگ کرنا ناگزیر ہو جائے۔ ایک مسلمان حاطب بن ابی بلتعہ نے (جو مہاجرین وبدرین میں سے تھے) مکہ والوں کو خط لکھ کر بھیجا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر اندھیری رات اور سیل بے پناہ کی طرح تم پر ٹوٹنے والا ہے حضرت کو وحی سے معلوم ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ وغیرہ چند صحابہ کو حکم دیا کہ ایک عورت مکہ کے راستہ میں سفر کرتی ہوئی فلاں مقام پر ملے گی اس کے پاس ایک خط ہے وہ حاصل کر کے لاؤ یہ لوگ تیزی سے روانہ ہوئے اور عورت کو ٹھیک اسی مقام پر پالیا اس نے بہت لیت ولعل اور رد وکد کے بعد خط ان کے حوالے کیا پڑھنے سے معلوم ہوا کہ حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے کفار مکہ کے نام ہے اور مسلمانوں کے حملہ کی اطلاع دی گئی ہے آپ نے حاطب کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے بولے؟ یا رسول اللہ! نہ میں نے کفر اختیار کیا ہے نہ اسلام سے پھرا ہوں سچی بات یہ ہے کہ میرے اہل وعیال مکہ میں۔ ہیں وہاں ان کی حمایت کرنیوالا کوئی نہیں میں نے کافروں پر ایک احسان کر کے یہ چاہا کہ وہ لوگ اس کے معاوضہ میں میرے اہل وعیال کی خبر لیتے رہیں اور ان سے اچھا سلوک کریں (میں نے سمجھا کہ اس سے میرا کچھ فائدہ ہو جائیگا اور اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا) فتح ونصرت کے جو وعدے اللہ نے آپ سے کئے ہیں۔ وہ یقیناً پورے ہو کر رہیں گے کسی کے روکے رک نہیں سکتے (چنانچہ نفس خط میں بھی یہ مضمون تھا کہ "خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی وعلیہ وسلم تن تنہا بھی تم پر حملہ آور ہوں تو اللہ ان کی مدد کریگا اور جو

وعدے ان سے کئے ہیں پورے کر کے چھوڑیگا'' بلا شبہ حاطب سے یہ بہت بڑی خطا ہوئی لیکن رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ نے فرمایا ''لا تقولوا له الا خيرا'' بھلائی کے سوا اس کو کچھ مت کہو اور فرمایا حاطب بدریین میں سے ہے تمہیں کیا معلوم ہے کہ اللہ نے بدریین کی خطائیں معاف فرما دیں۔ سورہ ہذا کا بڑا حصہ اسی قصہ میں نازل ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

سارہ باندی کا مدینہ میں آنا: بغوی وغیرہ نے بیان کیا کہ ابوعمرو بن صفی بن ہاشم بن عبد مناف کی باندی سارہ مکہ سے مدینہ آئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں فتح مکہ کی تیاری کر رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو مسلمان ہو کر آئی ہے کہنے لگی نہیں فرمایا تو پھر کس وجہ سے آئی ہے بولی آپ ہی لوگ میرے گھر والے کنبہ والے اور آقا تھے اپنے آقاؤں کے چلے آنے کے بعد میں سخت محتاج ہوگئی اس لئے آپ لوگوں کے پاس آئی ہوں کہ آپ لوگ مجھے (کھانے پینے کو) دیں کپڑے دیں اور سواری کے لئے اونٹ دیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مکہ کے جوان کیا ہوئے وہ تیری خبر گیری نہیں کرتے سارہ مغنیہ بھی تھی اور نوحہ خواں بھی کہنے لگی بدر کے واقعہ کے بعد کسی کام کی (نہ مرثیہ خوانی کی نہ گانے کی) کوئی فرمائش نہیں آئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبدالمطلب کو اس کی مدد کے لئے ترغیب دی بنی مطلب نے اس کو خرچ بھی دیا کپڑے بھی دیئے اور سواری بھی دی۔

حضرت حاطبؓ کا خط: حاطب بن ابی بلتعہ ایک شخص تھے۔ جو بدری تھے۔ مترجم جو بنی اسد بن عبدالعزی کے حلیف (معاہد) تھے حاطب نے اہل مکہ کے نام ایک خط لکھا اور سارہ کے پاس گئے اس کو ایک چادر اور دس دینار اس شرط پر دیے کہ وہ حاطب کا خط مکہ والوں کو پہنچا دے حاطب نے لکھا تھا۔ از حاطب بن بلتعہ بنام اہل مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اپنی احتیاط کر لو۔ سارا خط لے کر روانہ ہوگئی جبرئیل نے حضور کو حاطب کے خط کی اطلاع دیدی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی حضرت عمار حضرت زبیر حضرت طلحہ حضرت مقداد بن اسود اور حضرت ابو مرثد کو (سارہ کے تعاقب میں) روانہ کر دیا یہ حضرات گھوڑوں پر سوار ہو کر چل دیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا روانہ ہو جاؤ جب نخلستان خاخ پر پہنچنا تو وہاں تم کو ایک عورت ملے گی جو اونٹ پر سوار ہوگی اس کے پاس مشرکوں کے نام حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک خط ہوگا وہ خط اس سے لے لینا اور پھر اس کو جانے دینا اگر وہ خط نہ دے تو اس کی گردن مار دینا یہ حضرات اس مقام پر پہنچے جس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا تو وہاں واقعی وہ عورت ملی ان حضرات نے کہا وہ خط کہاں ہے وہ قسم کھا کر بولی میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے ان صاحبان نے ہر چند تلاش کیا اور اس کے سامان کی تفتیش کی لیکن خط نہیں ملا آخر (بے نیل مرام) واپسی کا ارادہ کر لیا حضرت علیؓ نے فرمایا۔ خدا کی قسم نہ ہم جھوٹے ہیں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ فرمایا (خط ضرور اس کے پاس ہے) یہ کہہ کر آپ نے تلوار نیام سے کھینچ لی اور فرمایا خط نکال ورنہ میں تجھے ننگا کر کے تیری گردن اڑا دوں گا جب عورت نے دیکھا کہ واقعی یہ لوگ ایسا کریں گے تو اپنے چونٹے سے خط نکال کر دیدیا چوٹی کے بالوں میں اس نے وہ خط چھپا رکھا تھا ان بزرگوں نے وہ خط لے کر اس کا راستہ چھوڑ دیا نہ اس سے کوئی تعرض کیا نہ اس کے سامان سے اور خط لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔

حضرت حاطبؓ سے جواب طلبی: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب کو طلب کیا اور ان سے فرمایا کیا تم اس خط کو پہچانتے ہو حاطب نے عرض کیا جی ہاں فرمایا تم نے ایسی حرکت کیوں کی حاطب نے کہا واللہ میں جب سے مسلمان ہوا ہوں میں نے کفر نہیں کیا اور جب سے آپ کا خیر خواہ ہوں کبھی آپ سے کھوٹ نہیں کی اور جب سے کافروں کو چھوڑا کبھی ان سے محبت نہیں کی لیکن بات یہ ہے کہ ہر مہاجر کا کوئی نہ کوئی (عزیز۔ دوست) مکہ میں موجود ہے جو اس کے گھر والوں کا محافظ ہے اور میں وہاں اجنبی تھا اور میرے بیوی بچے وہاں ان کے پاس موجود تھے مجھے اپنے گھر والوں کی فکر ہوئی اور میں نے ارادہ کیا کہ کوئی احسان ان پر کر دوں (تاکہ میرے اہل وعیال کی حفاظت رکھیں) اور مجھے یہ یقین ہی تھا کہ اللہ مکہ والوں پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا اور اللہ کے عذاب کے مقابلے میں میری تحریر ان کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکے گی۔

حضرت حاطبؓ کی صداقت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب کے قول کی تصدیق کی اور ان کے عذر کو قبول فرما لیا۔ حضرت عمر نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن مار دوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر تم کو کیا معلوم شاید اللہ نے اہل بدر کے (اچھے برے) تمام احوال دیکھنے کے بعد ہی فرمایا ہے۔ **واعملوا ما شئتم قد غفرت لكم** جو چاہو کرو میں نے تم کو معاف کر دیا۔

صحیحین کی روایت: صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور زبیر کو اور مقداد بن اسود کو بھیجا اور فرمایا جاؤ نخلستان خاخ پر پہنچو گے تو وہاں تم کو ایک عورت ملے گی جو اونٹ پر سوار ہوگی ایک خط اس کے پاس ہوگا وہ خط اس سے لے کر میرے پاس لے آنا حسب الحکم ہم نکل کر چل دیئے اسی نخلستان پر اس عورت کو پایا ہم نے کہا خط نکال کہنے لگی میرے پاس خط نہیں ہے ہم نے کہا خط نکال کر دیدے ورنہ کپڑے اتار آخر اپنے چونڈے سے اس نے خط نکال کر دیا۔ ہم خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے وہ تحریر حاطب بن ابی بلتعہ کی

طرف سے مکہ کے کچھ مشرکوں کے نام تھی حاطب نے رسول اللہ کی کچھ باتوں کی اطلاع مشرکوں کو دی تھی حضور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب سے فرمایا حاطب نے عرض کیا یا رسول اللہ جلدی نہ فرمایئے بات یہ تھی یا رسول اللہ میں قریش میں سے نہیں ہوں ان کے ساتھ ملحق ہوں آپ کے پاس جتنے مہاجر ہیں ان کی رشتہ داریاں مکہ میں قریشیوں سے ہیں جس کی وجہ سے وہ لوگ مہاجروں کے گھر والوں کی اور ان کے متروکہ مال کی رکھوالی کرتے ہیں میں ہی ایک ایسا شخص ہوں کہ میری ان سے نسبی شرکت نہیں ہے اس لئے میں نے اس بات کو پسند کیا کہ ان پر کوئی ایسا احسان کروں جس کی وجہ سے وہ میرے قرابتداروں کی حفاظت رکھیں میں نے یہ حرکت کفر یا مرتد ہو جانے کی وجہ سے نہیں کی (نہ میں دل میں کفر پوشیدہ کئے ہوئے ہوں نہ دین سے پھر گیا ہوں) نہ میں کفر کو پسند کرتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے سچ کہا انہیں کے معاملے میں یہ سورت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

اہل بدر صحابہ کی فضیلت: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ جو بدر میں شریک ہوا وہ کبھی منافق نہیں ہو سکتا ان لوگوں نے اللہ کی راہ میں وہ جانبازی اور سرفروشی دکھلائی کہ حاملین عرش اور ملائکہ عش عش کرنے لگے اور جو بھی اللہ اور ان کے رسول کے مقابلہ پر آیا خواہ وہ باپ ہو یا بیٹا بھائی ہو یا دوست بے دریغ اس سے مقابلہ اور مقاتلہ کیا اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے نشہ میں ایسے مخمور اور چور ہوئے کہ اپنے بھی بیگانے بن گئے اور اللہ کا بول بالا کیا اور کفر و شرک کے سر پر وہ کاری ضرب لگائی کہ پھر وہ زخم مندمل نہ ہو سکا۔

اس عظیم الشان کارنامہ کے صلہ میں بارگاہ خداوندی سے رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اور اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ کا زریں تمغہ انکو عطا ہوا اور آئندہ جن گناہوں کے صدور کا امکان ہے انکی معافی کا صیغۂ ماضی سے بیان فرمایا یعنی فقد غفرت لکم بصیغۂ ماضی فرمایا اور فما غفر لکم بصیغۂ مستقبل نہیں فرمایا تاکہ اہل بدر کا مغفور الذنوب ہونا قطعی طور پر محقق ہو جائے کہ انکی مغفرت مثل امر ماضی کے محقق اور یقینی ہے اور اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ کا خطاب۔ خطاب تشریف اور خطاب اکرام ہے اشارہ اس طرف ہے کہ یہ لوگ خواہ کچھ ہی کریں مگر کسی حال میں بھی دائرہ عفو اور دائرہ مغفرت سے باہر نہ جائیں گے۔ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ کا خطاب گناہوں کی اباحت اور اجازت کے لئے نہ تھا ایسا خطاب انہیں محبین اور مخلصین کو ہو سکتا ہے کہ جن سے اپنے محبوب کی معصیت ناممکن ہو جائے۔

حضرت عمرؓ کا خیال اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقت کو بیان فرمانا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حاطبؓ کی اس غلطی کو فساد مزاج پر محمول کر کے نفاق کا حکم لگایا اور قتل کی اجازت چاہی۔ سرخیل اطباع روحانی فداہ روحی و جسمی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اے عمرؓ حاطب کا قلب نفاق کے مرض سے بالکل پاک ہے یہ نفاق نہیں بلکہ غفلت سے غلطی ہو گئی ہے روحانی مزاج اس کا صحیح ہے بدر کی شرکت نے اس کو کندن بنا دیا ہے اتفاق سے بد پرہیزی ہو گئی ہے صحیح المزاج کو بھی کبھی کبھی نزلہ اور زکام کی شکایت پیش آ جاتی ہے جس کے لئے ایک معمولی سا جوشاندہ یا خشاندہ کافی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حاطبؓ کو بلا کر فقط یہ دریافت فرمانا (ما هذا يا حاطب) اے حاطب یہ کیا معاملہ ہے۔ انکی عارضی شکایت کے لئے یہی جوشاندہ کافی تھا پیتے ہی بد پرہیزی کا اثر ایسا کافور ہوا کہ مرتے دم تک پھر کبھی کوئی شکایت ہی نہ پیش آئی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہُ۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ اسکندریہ کے نام دعوت اسلام کا خط لکھوایا تو انہی حاطبؓ کو سفیر بنا کر بھیجا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز تربیت

سبحان اللہ کیا بارگاہ تھی۔ ایک جانب حاطبؓ کو جوشاندہ پلایا جا رہا ہے اور دوسری جانب عمر بن الخطابؓ کو امراض روحانی کی تشخیص اور معالجہ کا طریقہ تلقین ہو رہا ہے تاکہ جب وقت آئے تو عمرؓ تشخیص اور علاج میں غلطی نہ کریں۔

حاطب کے خط کا مضمون

اما بعد یا معشر قریش فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاءَ کم بجیشٍ کاللیل یسیر کالسیل فواللہ لو جاءَ کم وَحدہٗ لنصرہُ اللہ وَانجزلہٗ وَعْدَہٗ. فانظرو الاَنفسکم. والسلام

اے گروہ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی مانند تم پر ایک ہولناک لشکر لے کر آنے والے ہیں جو سیلاب کی طرح بہتا ہوگا۔ خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا لشکر کے خود تن تنہا ہی تشریف لے جائیں تو اللہ تعالیٰ ضرور آپ کی مدد فرمائے گا اور فتح و نصرت کا جو وعدہ ہے وہ ضرور پورا ہوگا۔

خط کے مضمون کی گواہی: بعض مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ اس خط کا خود مضمون ایسا تھا جس کو دیکھ کر حاطب کا ایمان و تقویٰ ثابت ہوتا ہے اس میں یہ کلمات تھے یا معشر قریش ان محمداً یجتبی الیکم بجیش کاللیل ویسیر الیکم کالسیل واللہ لو جاءَ وَحْدَہٗ لَا لجز اللہ وَعْدَہٗ وَنصرَ نبینہٗ وانظرو الاَنفسکم. والسلام ---- یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری جانب ایک ایسا لشکر لے کر آ رہے ہیں جو رات کی تاریکی کی طرح پھیل جانے والا ہے اور اس طرح تمہاری طرف بڑھ رہے ہیں جیسے کوئی طوفانی سیلاب ہو (میں تو یہ کہتا ہوں) خدا کی قسم اگر وہ تن تنہا بھی

تمہاری طرف آئیں تو اللہ تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پورا کرے گا اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو فاتح و کامیاب فرمائے گا۔ الغرض معاف تو فرما دیا گیا لیکن غلطی بہرکیف تھی اس وجہ سے اس واقعہ پر سورت نازل ہوئی۔

یہ خط یحییٰ بن سلام نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے جس کو علامہ قسطلانی نے شرح بخاری۔ کتاب الجہاد باب حکم الجاسوس میں نقل کیا ہے اسی طرح البدایہ والنہایہ ص ۳۸۴ میں اور فتح الباری جلدے میں اس خط کے مضمون کو نقل کیا ہے۔

خط کا ایک دوسرا مقصد: واقدی کی روایت میں ہے کہ یہ خط سہیل بن عمرو۔ صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابوجہل کے نام تھا اور بظاہر اس خط سے مقصد ہی یہ تھا کہ جن کو اطلاع ہو وہ اسلام قبول کر لیں چنانچہ یہ تینوں فتح مکہ کے وقت مشرف باسلام ہوئے۔

اور واقدی کی روایت سے اس خط کے یہ الفاظ معلوم ہوئے ہیں۔ ان محمد قد نضر فامّا الیکم او الیٰ غیر کم فعلیکم الحذر۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو رہے ہیں یا تو تمہاری طرف یا تمہارے علاوہ کسی اور طرف بہرحال تم احتیاط کرو اور اپنی فکر کرو تو اس کا مطلب گویا انکو اسلام کی دعوت دینا اور اس کے لئے آمادہ کرنا تھا۔ (معارف کاندھلوی)

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ
ایمان والو نہ پکڑو میرے
وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاۗءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ
اور اپنے دشمنوں کو دوست تم اُن کو پیغام بھیجتے ہو
بِالْمَوَدَّةِ
دوستی سے ☆

کافروں سے دوستی نہ کرو ☆ یعنی کفار مکہ اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے بھی ان سے دوستانہ برتاؤ کرنا اور دوستانہ پیغام ان کی طرف بھیجنا ایمان والوں کو زیبا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَاۗءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ
اور وہ منکر ہوئے ہیں اُس سے جو تمہارے پاس آیا سچا دین

کافر اللہ کے دشمن ہیں ☆ اس لیے اللہ کے دشمن ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ
نکالتے ہیں رسول کو اور تم کو اس بات پر کہ
تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ
تم مانتے ہو اللہ کو جو رب ہے تمہارا ☆

کافروں کے مظالم ☆ یعنی پیغمبر کو اور تم کو کیسی کیسی ایذائیں دے ترک وطن پر مجبور کیا۔ محض اس قصور پر کہ تم ایک اللہ کو جو تمہارا سب کا رب ہے کیوں مانتے ہو۔ اس سے بڑی دشمنی اور ظلم کیا ہوگا تعجب ہے کہ ایسوں کی طرف تم دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ
اگر تم نکلے ہو لڑنے کو میری راہ
سَبِيْلِيْ وَابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِيْ
میں اور طلب کرنے کو میری رضا مندی ☆

اللہ کی رضا مطلوب ہے تو ان سے دور رہو

☆ یعنی تمہارا گھر سے نکلنا اگر میری خوشنودی اور میری راہ میں جہاد کرنے کے لیے ہے اور خالص میری رضا کے واسطے تم نے سب کو دشمن بنایا ہے تو پھر انہیں دشمنوں سے دوستی گانٹھنے کا کیا مطلب کیا جنہیں ناراض کر کے اللہ کو راضی کیا تھا اب انہیں راضی کر کے اللہ کو ناراض کرنا چاہتے ہو؟ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ڰ وَاَنَا
تم اُن کو چھپا کر بھیجتے ہو دوستی کے پیغام اور مجھ کو
اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ
خوب معلوم ہے جو چھپایا تم نے اور جو ظاہر کیا تم نے ☆

تم اللہ سے کوئی بات نہیں چھپا سکتے

☆ یعنی آدمی ایک کام تمام دنیا سے چھپا کر کرنا چاہے تو کیا اس کو اللہ سے بھی چھپا لے گا؟ دیکھو! حاطب نے کس قدر کوشش کی کہ خط کی اطلاع کسی کو نہ ہو۔ مگر اللہ نے اپنے رسول کو مطلع فرما دیا اور راز قبل از وقت فاش ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ

اور جو کوئی تم میں یہ کام کرے تو وہ

ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ①

بھول گیا سیدھی راہ ☆

اللہ سے چھپ جانے کا سوال ہی نہیں ہے

☆یعنی مسلمان ہو کر کوئی ایسا کام کرے اور یہ سمجھے کہ میں اس کے پوشیدہ رکھنے میں کامیاب ہو جاؤں گا سخت غلطی اور بہت بڑی بھول ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ

اگر تم اُن کے ہاتھ آ جاؤ ہو جائیں تمہارے دشمن

اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ

اور چلائیں تم پر اپنے

اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ

ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ

وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ②ؕ

اور چاہیں کہ کسی طرح تم بھی منکر ہو جاؤ ☆

کافروں سے کسی بھلائی کی امید نہ رکھو

☆یعنی ان کافروں سے بحالت موجودہ کسی بھلائی کی امید مت رکھو۔ خواہ تم کتنی ہی رواداری اور دوستی کا اظہار کرو گے وہ کبھی مسلمان کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے باوجود انتہائی رواداری کے اگر تم پر ان کا قابو چڑھ جائے تو کسی قسم کی برائی اور دشمنی سے درگزر نہ کریں زبان سے ہاتھ سے ہر طرح ایذا پہنچائیں اور یہ چاہیں کہ جیسے خود صداقت سے منکر ہیں کسی طرح تم کو بھی منکر بنا ڈالیں۔ کیا ایسے شریر و بدباطن اس لائق ہیں کہ ان کو دوستانہ پیغام بھیجا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ

ہرگز کام نہ آئیں گے تمہارے کنبے والے اور نہ تمہاری اولاد

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ؕ

قیامت کے دن وہ فیصلہ کرے گا تم میں

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③

اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے ☆

اللہ کی رضامندی ہر چیز پر مقدم ہے

☆حاطب نے وہ خط اپنے اہل وعیال کی خاطر لکھا تھا اس پر تنبیہ فرمائی کہ اولاد اور رشتہ دار قیامت کے دن کچھ کام نہ آئینگے۔ اللہ تعالیٰ سب کا رتی رتی عمل دیکھتا ہے اسی کے موافق فیصلہ فرمائیگا۔ اس کے فیصلہ کو کوئی بیٹا، پوتا اور عزیز وقریب ہٹا نہیں سکے گا۔ پھر یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ ایک مسلمان اہل و عیال کی خاطر اللہ کو ناراض کر لے۔ یاد رکھو! ہر چیز سے مقدم اللہ کی رضا مندی ہے وہ راضی ہو تو اس کے فضل سے سب کام ٹھیک ہو جاتے ہیں لیکن وہ ناخوش ہو تو کوئی کچھ کام نہ آئیگا۔ (تفسیر عثمانی)

اَرْحَامُكُمْ ۔تمہاری رشتہ داریاں۔

وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۔یعنی مشرک رشتہ دار اور اولاد جن کی وجہ سے تم مشرکوں سے موالات کرو گے قیامت کے دن تمہارے کام نہیں آئیں گی۔ اس آیت میں حاطب بن بلتعہ اور ان جیسے دوسرے اہل ایمان کے عذر کی تردید ہے۔

مومنوں اور کافروں میں جدائی ضروری ہے

يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۔تم کو الگ الگ کر دے گا، تمہارا فیصلہ کر دے گا مؤمنوں کو جنت میں اور مشرکوں کو دوزخ میں بھیج دے گا پھر آج اللہ اور اس کے رسول کے حق کو ترک کر کے تم مشرکوں کے دوست کیوں بنتے ہو اور ان سے موالات کیوں کرتے ہو۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۔یعنی اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے ان اعمال کا بدلہ دے گا۔ (تفسیر مظہری)

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تم کو چال چلنی چاہئے اچھی

فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ

ابراہیم کی اور جو اُسکے ساتھ تھے جب

قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ

انہوں نے کہا اپنی قوم کو ہم الگ ہیں تم سے

وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اور اُن سے کہ جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے ☆

اسوۂ ابراہیمی ☆ یعنی جو لوگ مسلمان ہو کر ابراہیمؑ کے ساتھ ہوتے گئے اپنے اپنے وقت پر سب نے قولاً یا فعلاً اسی علیحدگی اور بیزاری کا اعلان کیا۔ (تفسیر عثمانی)

كَفَرْنَا بِكُمْ
ہم منکر ہوئے تم سے ☆

کلی بیزاری ☆ یعنی تم اللہ سے منکر ہو اور اس کے احکام کی پروا نہیں کرتے ہم تمہارے طریقہ سے منکر ہیں۔ اور ذرہ برابر تمہاری پروا نہیں کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ
اور کھل پڑی ہم میں اور تم میں دشمنی
وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا
اور بیر ہمیشہ کو یہاں تک کہ تم یقین لاؤ
بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ
اللہ اکیلے پر ☆

دوستی کا راستہ ☆ یعنی یہ دشمنی اور بیر اسی وقت ختم ہو سکتا ہے جب تم شرک چھوڑ کر اسی ایک آقا کے غلام بن جاؤ جس کے ہم ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ۔ یعنی ایمان کے بعد عداوت اور بغض محبت اور الفت سے بدل جائیگا۔ (تفسیر مظہری)

اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ
مگر ایک کہنا ابراہیم کا اپنے باپ کو
لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ
کہ میں مانگوں گا معافی تیرے لئے
اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ
اور مالک نہیں میں تیرے نفع کا اللہ کے ہاتھ سے کسی

شَيْءٍ ؕ
چیز کا ☆

حضرت ابراہیم کا طرز عمل ☆ یعنی صرف دعا ہی کر سکتا ہوں کسی نفع نقصان کا مالک نہیں۔ خدا جو کچھ پہنچانا چاہے اسے میں نہیں روک سکتا۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی پھر اپنی قوم کی طرف منہ نہیں کیا۔ تم بھی وہی کرو۔ ایک ابراہیمؑ نے دعا چاہی تھی باپ کے واسطے۔ جب تک معلوم نہ تھا۔ تم کو معلوم ہو چکا لہذا تم کافر کی بخشش نہ مانگو"۔ (تنبیہ) باپ کے حق میں ابراہیمؑ کے استغفار کا قصہ سورہ "براۃ" میں گزر چکا آیت "وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ" الخ کے فوائد میں دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابراہیمؑ نے جو اپنے باپ کے لئے دعاء مغفرت کا وعدہ کیا تھا وہ کافر کے لئے دعا کرنے کی ممانعت سے پہلے کیا تھا۔

وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ الخ۔ یہ مستثنیٰ کا تکملہ ہے یعنی ابراہیم نے جو اپنے باپ کے لئے دعاء مغفرت کا وعدہ کیا اس میں یہ بھی کہا تھا کہ بس میں اتنا ہی کروں گا اس سے زیادہ کچھ بھی مجھے اختیار نہیں یعنی معاف کرنا نہ کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ
اے رب ہمارے ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا اور تیری طرف
اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ④
رجوع ہوئے اور تیری طرف ہے سب کو پھر آنا ☆

اے اللہ! ہمارا بھروسہ فقط آپ پر ہے

☆ یعنی سب کو چھوڑ کر تجھ پر بھروسہ کیا اور قوم سے ٹوٹ کر تیری طرف رجوع ہوئے اور خوب جانتے ہیں کہ سب کو پھر کر تیری ہی طرف آنا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا
اے رب ہمارے مت جانچ ہم پر کافروں کو ☆

یا اللہ! ہمیں کافروں کے لئے تختۂ مشق نہ بنا

☆ یعنی ہم کو کافروں کے واسطے محل آزمائش اور تختہ مشق نہ بنا اور ایسے حال میں مت رکھ جس کو دیکھ کر کافر خوش ہوں، اسلام اور مسلمانوں پر آوازے کسیں

اور ہمارے مقابلہ میں اپنی حقانیت پر استدلال کرنے لگیں۔ (تفسیر عثمانی)

نکتہ: رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا الخ۔ مناجات کو محکم کرنے والا اور درخواست رحم میں مزید قوت پیدا کرنے کے لئے ربنا کا دوبارہ ذکر کیا۔

فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ یعنی کافروں کو ہم پر مسلط نہ کر کہ وہ ہم کو سخت ایذائیں دے سکیں اور ہم سے مواخذہ کریں اور اس وقت ان کے لئے فتنہ ہو یعنی ان کو عذاب دینے کا سبب پیدا ہو جائے زجاج نے کہا ان کو ہم پر غالب نہ کر کہ ہم پر ان کو قابو نہ دے جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو حق پر خیال کرنے لگیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ج
اور ہم کو معاف کرا اے رب ہمارے ☆

☆ یعنی ہماری کوتاہیوں کو معاف فرما اور تقصیرات سے درگذر کر۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝
تو ہی ہے زبردست حکمت والا ☆

اللہ کی قوت و حکمت سے توقع ☆ تیری زبردست قوت اور حکمت سے یہی توقع ہے کہ اپنے وفاداروں کو دشمنوں کے مقابلہ میں مغلوب و مقہور نہ ہونے دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

اَنْتَ الْعَزِيْزُ۔ یعنی تو ہی ایسا غالب ہے کہ جس کو اپنی پناہ میں لے لے اور جو تجھ پر بھروسہ کرلے کوئی اسکو دکھ نہیں پہنچا سکتا۔ اَلْحَكِيْمُ۔ حاکم۔ واقف۔ دعاء کو قبول کرنے پر قدرت رکھنے والا۔ (تفسیر مظہری)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ
البتہ تم کو بھلی چال چلنی چاہیے
حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ
اُن کی جو کوئی اُمید رکھتا ہو اللہ کی
وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ
اور پچھلے دن کی اور جو کوئی منہ پھیرے تو
اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ ع
اللہ وہی ہے بے پرواہ سب تعریفوں والا ☆

ملت ابراہیمی کی پیروی کرو ☆ یعنی تم مسلمانوں کو یا بالفاظ دیگر ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور آخرت کے قائم ہونے کے امیدوار ہیں ابراہیمؑ اور اس کے رفقاء کی چال اختیار کرنی چاہیے۔ دنیا خواہ تم کو کتنا ہی متعصب اور سنگدل کہے تم اس راستہ سے منہ نہ موڑو جو دنیا کے موحد اعظم نے اپنے طرز عمل سے قائم کر دیا۔ مستقبل کی ابدی کامیابی اسی راستہ پر چلنے سے حاصل ہوسکتی ہے۔ اگر اس کے خلاف چلو گے۔ اور خدا کے دشمنوں سے دوستانہ گانٹھو گے تو خود نقصان اٹھاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی کی دوستی یا دشمنی کی کیا پرواہ ہے وہ تو بذات خود تمام کمالات اور ہر قسم کی خوبیوں کا مالک ہے۔ اس کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

لَكُمْ۔ یعنی تمہارے لئے سے مسلمانو!

فِيْهِمْ۔ یعنی ابراہیم اور ان کے ساتھیوں (کے دستور زندگی اور اعتقاد وعمل) میں۔

لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ۔ یہ جملہ لکم سے بدل ہے یعنی ان لوگوں کے لئے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ کی پیشی اور اس کے ثواب کا اور روز قیامت کے آنے کا اعتقاد رکھتا ہے۔ اس آیت میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ایمان کا تقاضا ہے کہ ابراہیمؑ کی پیروی کی جائے اور ابراہیمؑ کی اقتداء نہ کرنا بدعقیدگی پر دلالت کرتا ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ۔ یعنی انبیاء کی پیروی سے جو روگرداں ہوگا۔

هُوَ الْغَنِيُّ۔ یعنی پیغمبروں کی پیروی اور عبادت اور ہر چیز سے خدا بے نیاز ہے انبیاء کی پیروی کرنے کا فائدہ پیروی کرنے والوں کو ہی ملے گا۔

اَلْحَمِيْدُ۔ اولیاء اور اہل طاعت کے لئے سزاوار ستائش ہے۔ (تفسیر مظہری)

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ
امید ہے کہ کر دے اللہ تم میں
وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ
اور جو دشمن ہیں تمہارے اُن میں
مَّوَدَّةً ط وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
دوستی اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اور اللہ بخشنے والا
رَّحِيْمٌ ۝
مہربان ہے ☆

ترک موالات پر قائم رہو☆ یعنی اللہ کی قدرت ورحمت سے کچھ بعید نہیں کہ جو آج بدترین دشمن ہیں کل انہیں مسلمان کردے اور اس طرح تمہارے اور انکے درمیان دوستانہ اور برادرانہ تعلقات قائم ہو جائیں۔ چنانچہ فتح مکہ میں ایسا ہی ہوا تقریباً سب مکہ والے مسلمان ہوگئے اور جو لوگ ایک دوسرے پر تلوار اٹھا رہے تھے اب ایک دوسرے پر جان قربان کرنے لگے۔ اس آیت میں مسلمانوں کی تسلی کر دی کہ مکہ والوں کے مقابلہ میں یہ ترک موالات کا جہاد صرف چندروز کے لیے ہے پھر اس کی ضرورت نہیں رہے گی۔ چاہیے کہ بحالت موجودہ تم مضبوطی سے ترک موالات پر قائم رہو۔ اور جس کسی سے کوئی بے اعتدالی ہوگئی ہو اللہ سے اپنی خطا معاف کرائے۔ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ مقاتل نے بیان کیا جب اللہ نے کافروں سے عداوت رکھنے کا حکم دیا تو مسلمانوں نے اپنے کافر قرابتداروں اور عزیزوں سے بھی دشمنی اور بیزاری کا اظہار کر دیا لیکن ان کے دلوں میں اقرباء کے لئے (رقت اور محبت پوشیدہ تھی) اور اللہ اس سے واقف تھا تو مسلمانوں کوتسکین دینے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔

الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ ۔ ان سے مراد ہیں کفار مکہ۔

اللہ نے اپنا یہ وعدہ قریب مدت میں ہی پورا کر دیا کیوں کہ آیت کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا تھا اور فتح مکہ کے بعد وہ لوگ مسلمان ہو گئے جو مکہ میں رہتے تھے البتہ فتح مکہ کے دن جو لوگ مارے گئے جیسے حویرث بن نفیل (اور نضیر بن حارث) وغیرہ وہ دشمنی کی حالت میں ہی مارے گئے ان کے نام سورۂ نصر میں ہم نے ذکر کئے ہیں۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ یعنی ممانعت سے پہلے کافروں سے مسلمان جو موالات کر چکے یا ممانعت کے بعد بھی اظہار عداوت اور ترک موالات کر دیا مگر عزیزوں اور رشتہ داروں کے لئے دل میں الفت اور رقت پوشیدہ رہی اللہ اس سب کو معاف کر دینے والا مہربان ہے۔ (تفسیر مظہری)

رضاء الٰہی کی طلب کا انعام: بعض روایات حدیث میں ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ جب اللہ کی رضا جوئی کے لئے اپنی کسی محبوب چیز کو چھوڑتا ہے تو بعض اوقات اللہ تعالیٰ اسی چیز کو حلال کر کے اس تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور بعض اوقات اس سے بہتر چیز عطا فرما دیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ

اللہ تم کو منع نہیں کرتا اُن لوگوں سے

لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ

جو لڑے نہیں تم سے دین پر

وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

اور نکالا نہیں تم کو تمہارے گھروں سے

اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ ۭ

کہ اُن سے کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۸

بیشک اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو ☆

غیر معاند کافر کا حکم ☆ مکہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو آپ مسلمان نہ ہوئے اور مسلمان ہونے والوں سے ضد اور پرخاش بھی نہیں رکھی، نہ دین کے معاملہ میں ان سے لڑے نہ ان کو ستانے اور نکالنے میں ظالموں کے مددگار بنے۔ اس قسم کے کافروں کے ساتھ بھلائی اور خوش خلقی سے پیش آنے کو اسلام نہیں روکتا۔ جب وہ تمہارے ساتھ نرمی اور رواداری سے پیش آتے ہیں انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور دنیا کو دکھلا دو کہ اسلامی اخلاق کا معیار کس قدر بلند ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ نہیں کہ اگر کافروں کی ایک قوم مسلمانوں سے برسرپیکار ہے تو تمام کافروں کو بلاتمیز ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا شروع کر دیں۔ ایسا کرنا حکمت وانصاف کیخلاف ہوگا۔ ضروری ہے کہ عورت، مرد، بچے، بوڑھے، جوان اور معاند و مسالم میں ان کے حالات کے اعتبار سے فرق کیا جائے جس کی قدرے تفصیل سورہ ''مائدہ'' اور آل عمران کے فوائد میں گذر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول: بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت بنت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا میرے پاس میری ماں محبت سے آئی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا میں اس سے مل سکتی ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ امام احمد بزار اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن زبیر کی روایت سے بیان کیا اور حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا کہ قتیلہ بنت عبدالعزیٰ جو دور جاہلیت میں حضرت ابوبکرؓ کی زوجہ تھی اور آپ نے اس کو طلاق دے دی تھی۔ اپنی بیٹی حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئی اور کچھ تحفہ بھی بیٹی کے لئے لائی حضرت اسماءؓ نے تحفہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے گھر میں داخل ہونے کی بھی اجازت نہیں دی اور حضرت عائشہؓ کے پاس پیام بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ کو دریافت کریں حضرت عائشہؓ نے اطلاع دی کہ قتیلہ کے تحفے قبول کرلو اور اپنے گھر میں اس کو اترنے کی اجازت بھی دیدو اس پر یہ آیت لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ نازل

ہوئی حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ یہ آیت بنی خزاعہ کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معاہدہ کرلیا تھا کہ نہ مسلمانوں سے لڑیں گے نہ مسلمانوں کے خلاف کسی کو مدد دیں گے اللہ نے اس آیت میں ان سے حسن سلوک کرنے کی اجازت دیدی۔

ذمی کافر کو نفلی خیرات دینا جائز ہے

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ذمی کافر کو نفلی خیرات دینی جائز ہے۔ یہ مسئلہ سورت بقرہ کی آیت لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ کی تفسیر میں گذر چکا ہے اسی بناء پر ابوعمرو کی آزاد کردہ باندی سارا کو (کپڑے اور نقد) دینے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا اسی سورت کے شروع میں ہم نے یہ قصہ لکھ دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اسلام کا عدل و انصاف: اس آیت میں ایسے کفار جنہوں نے مسلمانوں سے مقاتلہ نہیں کیا' اور ان کے گھروں سے نکالنے میں بھی کوئی حصہ نہیں لیا ان کے ساتھ احسان کے معاملہ اور اچھے سلوک اور عدل وانصاف کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ عدل وانصاف تو ہر کافر کے ساتھ ضروری ہے جس میں کافر ذمی اور مصالح اور کافر حربی و دشمن سب برابر ہیں' بلکہ اسلام میں تو عدل و انصاف جانوروں کے ساتھ بھی واجب ہے کہ ان کی طاقت سے زیادہ بار اُن پر نہ ڈالے اور اُن کے چارے اور آرام نگہداشت رکھے' اس آیت میں اصل مقصود برّ و احسان کرنے کی ہدایت ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ
اللہ تو منع کرتا ہے تم کو اُن سے
قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ
جو لڑے تم سے دین پر اور نکالا تم کو
مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى
تمہارے گھروں سے اور شریک ہوئے تمہارے
اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ
نکالنے میں کہ اُن سے کرو دوستی اور جو کوئی
يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹﴾
اُن سے دوستی کرے' سو وہ لوگ وہی ہیں گنہگار ☆

معاند کافر سے دوستی ظلم ہے ☆ یعنی ایسے ظالموں سے دوستانہ برتاؤ کرنا بیشک سخت ظلم اور گناہ کا کام ہے (ربط) یہاں تک کفار کے دو فریق (معاند اور مسالم) کے ساتھ معاملہ کرنے کا ذکر تھا آگے بتلاتے ہیں کہ ان عورتوں کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیے جو ''دارالحرب'' سے ''دارالاسلام'' میں آئیں یا 'دارالحرب'' میں مقیم رہیں۔ قصہ یہ ہے کہ ''صلح حدیبیہ'' میں مکہ والوں نے یہ قرار دیا کہ ہمارا جو آدمی تمہارے پاس جائے اس کو واپس بھیجنا ہوگا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرما لیا تھا۔ چنانچہ کئی مرد آئے آپ نے ان کو واپس کر دیا۔ پھر کئی مسلمان عورتیں آئیں ان کو واپس کرتے تو کافر مرد کے گھر مسلمان عورتیں حرام میں پڑتیں۔ اس پر یہ اگلی آیتیں اتریں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد عورتوں کی واپسی پر کفار نے اصرار نہیں کیا اور نہ صلح قائم نہ رہتی۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ۔ ان سے مراد ہیں مکہ کے وہ مشرک مرد جن میں سے کچھ لوگوں نے تو مسلمانوں کو نکالنے کی کوشش کی تھی اور بعض نے نکالنے والوں کی مدد کی تھی۔

کافروں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں: کافروں کو زکوٰۃ دینا باجماع علماء جائز نہیں۔ علماء نے اپنے اجماع کا استدلال اس حدیث سے کیا ہے جس کے راوی حضرت معاذ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے فرض کر دی ہے ان پر زکوٰۃ ان کے دولتمندوں سے لیکر انہی کے محتاجوں کو لوٹا دی جائے۔

کافروں سے دوستی کرنے والے: وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ۔ یعنی اہل حرب سے جو موالات کریگا۔ اگر صرف اہل حرب مراد نہ ہونگے تو اہل ذمہ سے بھی موالات جائز نہیں ہوگی کیونکہ آیت میں عام الفاظ آئے ہیں ارشاد فرمایا ہے لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّىْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ دوسری آیت میں فرمایا ہے لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ۔ حدیث میں ارشاد گرامی آیا ہے۔ المرء مع مَن اَحبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت ہوگی)۔

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم کی روایت ہے کہ (معاہدۂ حدیبیہ میں) سہیل بن عمرو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شرط بھی لکھوائی تھی کہ ہمارے آدمیوں میں جو کوئی آپ کے پاس پہنچے گا خواہ آپ کے مذہب پر ہی ہو بہر حال آپ پر لازم ہے کہ اس کو واپس کریں اور ہمارے اور اس کے درمیان رکاوٹ پیدا نہ کریں مسلمانوں کو یہ شرط ناگوار ہوئی مگر سہیل اس پر اڑا رہا آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط معاہدہ میں لکھوا دی چنانچہ ابو جندل جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (بھاگ کر) آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو واپس کر دیا اور اس مدت معاہدہ کے اندر جو مرد بھی (کافروں کو چھوڑ کر ان کے پاس سے بھاگ

کر) آپ کے پاس آیا آپ نے اسکو لوٹا دیا (مدت معاہدہ کے اندر) کچھ عورتیں بھی ہجرت کر کے آئیں ان میں سے ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط جن کا نام عاتق تھا ہجرت کر کے آ گئیں اوران کے قرابتداروں نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس نہیں کیا (کیوں کہ معاہدہ میں مردوں کی واپسی کی شرط تھی مہاجر عورتوں کے لوٹائے جانے کا ذکر نہیں تھا) اس پر آیات ذیل نازل ہوئیں۔ (تفسیر مظہری)

کافروں سے تعلقات کی حدود: اہل ذمہ اور اہل صلح کافروں کے ساتھ بھی کلی موالات اور دوستی جائز نہیں اس سے تفسیر مظہری میں یہ مسئلہ نکالا ہے کہ حربی یعنی برسر جنگ کفار کے ساتھ عدل وانصاف تو اسلام میں ضروری ہے ہی اور ممانعت صرف موالات یعنی دوستی کی کی گئی بر واحسان کی ممانعت نہیں کی گئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محسنانہ سلوک برسر پیکار دشمنوں کے ساتھ بھی جائز ہے البتہ دوسری نصوص کی بنا پر یہ شرط ہے کہ ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے سے مسلمانوں کو کسی نقصان وضرر کا خطرہ نہ ہو جہاں یہ خطرہ ہو وہاں بر واحسان اُن پر جائز نہیں ہاں عدل وانصاف ہر حال میں ہر شخص کیلئے ضروری اور واجب ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

معاہدہ صلح حدیبیہ کی بعض شرائط کی تحقیق

سورۂ فتح میں حدیبیہ کا واقعہ تفصیل سے آ چکا ہے۔ جس میں بالآخر قریش مکہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک معاہدۂ صلح دس سال کے لئے لکھا گیا اس معاہدہ کی بعض شرائط ایسی تھیں جن میں دب کر صلح کرنے اور مسلمانوں کی بظاہر مغلوبیت محسوس ہوتی تھی اسی لئے صحابۂ کرام میں اس پر غم وغصہ کا اظہار ہوا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باشارات ربانی یہ محسوس فرما رہے تھے کہ اس وقت کے چندروزہ مغلوبیت بالآخر ہمیشہ کے لئے فتح مبین کا پیش خیمہ بننے والی ہے اس لئے قبول فرمالیا اور پھر سب صحابۂ کرام بھی مطمئن ہو گئے۔

اس صلح نامہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی آدمی مدینہ جائے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو واپس کر دیں گے اگرچہ وہ مسلمان ہی ہو اور اگر مدینہ طیبہ سے کوئی مکہ مکرمہ چلا جائیگا تو قریش مکہ اس کو واپس نہ کریں گے اس معاہدہ کے الفاظ عام تھے جس میں بظاہر مرد وعورت دونوں داخل تھے یعنی کوئی مسلمان مرد یا عورت جو بھی مکہ مکرمہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائے اس کو آپ واپس کریں گے۔

جس وقت یہ معاہدہ مکمل ہو چکا اور ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام حدیبیہ میں تشریف فرما تھے کئی ایسے واقعات پیش آئے جو مسلمانوں کے لئے بہت صبر آزما تھے جن میں ایک واقعہ ابو جندلؓ کا ہے جن کو قریش مکہ نے قید میں ڈالا ہوا تھا۔ وہ کسی طرح ان کی قید سے چھوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے صحابۂ کرام میں اُن کو دیکھ کر سخت تشویش پھیلی کہ معاہدہ کی رُو سے اُن کو واپس کیا جانا چاہئے اور ہم اپنے مظلوم بھائی کو پھر ظالموں کے ہاتھ میں دیدیں یہ کیسے ہوگا۔

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاہدہ تحریر فرما چکے تھے اور اصول شریعت کی حفاظت اور اُن پر پختگی کو ایک فرد کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے تھے اور اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم بصیرت عنقریب ان سب مظلوموں کی فاتحانہ نجات کا بھی گویا مشاہدہ کر رہی تھی طبعی رنج وتکلیف تو ابو جندل کی واپسی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یقیناً ہوگی۔ مگر آپ نے معاہدہ کی پابندی کی بناء پر اُن کو سمجھا بجھا کر رخصت کر دیا۔ (معارف مفتی اعظم)

آیات سابقہ کے مصداق: ابن ابی حاتم بروایت ابن شہاب زہری بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیان بن صخر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے کسی علاقہ پر عامل بنا کر روانہ فرمایا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوئی تو یہ واپس لوٹے راستہ میں ذوالخمار سے مقابلہ ہوا جو مرتد ہو چکا تھا اور اس سے قتال کی نوبت آئی تو یہ مثال ہوئی ان لوگوں کی جن سے قتال ہوا۔

صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ابوسفیان (جب فتح مکہ کی رات ایمان لے آئے) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین چیزیں میں آپ سے چاہتا ہوں مجھے عطا کر دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اچھا مانگو وہ کیا ہیں) ان میں ایک یہ بھی درخواست تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اب اجازت دیجئے کہ میں کافروں سے اسی طرح قتال کروں جیسا کہ میں (پہلے) مسلمانوں سے قتال کرتا تھا تو یہ ہے وہ بات جس کو حق تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا امید ہے کہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جنہوں نے تم سے قتال کیا اللہ تعالیٰ محبت پیدا فرما دے۔

ہشام بن عروۃ فاطمہ بنت المنذر سے بیان کرتے ہیں کہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ایک دفعہ میری ماں مشرکہ میرے پاس آ گئی اس زمانہ میں جبکہ قریش مکہ سے معاہدہ ہوا تھا تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں آئی ہے اور وہ مشرکہ ہے اور وہ چاہتی ہے کہ میں اس کے ساتھ کچھ سلوک کروں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو تو یہ بات وہی ہے جس کی قرآن کریم کی یہ آیت اجازت دے رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کے ساتھ سلوک کرنے سے منع نہیں کرتا جو نہ تم سے لڑے اور نہ انہوں نے کوئی دشمنی کی یہ ممانعت صرف دشمنی اور قتال کرنے والوں سے ہے۔ (معارف کاندھلوی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ
اے ایمان والو جب آئیں تمہارے پاس

الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ

ایمان والی عورتیں وطن چھوڑ کر تو اُن کو جانچ لو اللہ

اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ

خوب جانتا ہے اُنکے ایمان کو☆

مہاجر عورتوں کا امتحان ☆یعنی دل کا حال تو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔لیکن ظاہری طور سے ان عورتوں کی جانچ کرلیا کرو۔آیا واقعی وہ مسلمان ہیں اور محض اسلام کی خاطر وطن چھوڑ کر آئی ہیں کوئی دنیوی یا نفسانی غرض تو ہجرت کا سبب نہیں ہوا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمرؓ ان کا امتحان کرتے تھے۔اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان سے بیعت لیتے تھے اور کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس بیعت لیا کرتے تھے جو آگے " يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ " الخ میں مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَامْتَحِنُوْهُنَّ۔یعنی جانچ کرلو کہ زبانوں سے جو وہ اقرار ایمان کر رہی ہیں کیا واقعی ان کے دلوں میں ایمان ہے جانچ کر کے تم غالب ظن حاصل کرلو یوں تو ان کے قلبی ایمان کو اللہ ہی جانتا ہے تم کیا جانو (پھر بھی گمان غالب تو حاصل کرلو) (تفسیر مظہری)

سبب نزول: بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کے لئے (مکہ کی طرف) روانہ ہوئے حدیبیہ میں پہنچے تو مکہ کے مشرکوں نے آپ سے اس شرط پر صلح کر لی کہ (آئندہ) اہل مکہ میں جو کوئی (مسلمان ہو کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے گا آپ اس کو واپس کر دیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے جو کوئی (مرتد ہو کر) مکہ والوں کے پاس پہنچ جائے گا اہل مکہ اسکو واپس نہیں کریں گے۔یہ معاہدہ لکھ دیا گیا اور مہریں لگا دی گئیں تحریر معاہدہ پوری ہونے ہی پائی تھی کہ سبیعہ اسلمیہ بنت حارث (مسلمان ہو کر) آ پہنچی اس کا شوہر مسافر مخزومی یا صیفی بن راہب جو کافر تھا اس کی طلب میں آ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میری بیوی کو مجھے واپس دو تم نے شرط کر لی تھی کہ ہم میں کا جو کوئی شخص (مسلمان ہو کر) آپ کے پاس پہنچے گا آپ پر اس کو واپس کرنا لازم ہوگا یہ شرط تحریر میں موجود ہے ابھی اس کی روشنائی بھی خشک نہیں ہوئی ہے اس پر آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ الخ نازل ہوئی مہاجرات سے مراد ہیں وہ عورتیں جو دار الکفر کو چھوڑ کر دار الاسلام میں آ گئی ہوں۔ پھر سبیعہ سے عمر نے نکاح کر لیا۔جو مرد (مسلمان ہو کر بھاگ کر مکہ سے) آپ کے پاس آتا تھا آپ اس کو واپس کر دیتے تھے۔اور اگر عورت مسلمان ہو کر آتی تھی تو آپ اس کو واپس نہیں کرتے تھے۔بلکہ اس کا مہر واپس کرا دیتے تھے۔

طبرانی نے ضعیف سند سے بروایت عبداللہ بن ابی احمد نے لکھا ہے کہ صلح کے ایام میں ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط ہجرت کر کے آ گئیں پیچھے سے ان کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید بن عقبہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ پہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اُم کلثوم کی واپسی کے لئے درخواست کی اس پر اللہ نے وہ معاہدہ جو حضور اور مشرکوں کے درمیان میں ہوا تھا صرف عورتوں کے معاملہ میں توڑ دیا اور مہاجر عورتوں کی واپسی کی ممانعت فرما دی پھر آیت امتحان نازل فرمائی۔ابن ابی حاتم نے لکھا ہے مجھ سے یزید بن ابی حبیب نے بیان کیا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ یہ آیت امیہ بنت بشر یا ابو حسان بن واحداحہ کے متعلق نازل ہوئی تھی مقاتل کا بیان ہے کہ ایک عورت تھی جس کا نام سعیدہ تھا اور وہ صیفی بن راہب کی بیوی تھی صیفی مشرک تھا ایام صلح میں سعیدہ ہجرت کر کے آ گئی اور مشرکوں نے درخواست کی کہ سعیدہ کو واپس کیا جائے (لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست منظور نہیں کی) ابن جریر نے زہری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے نچلے حصہ میں فروکش تھے اور اس شرط پر اہل مکہ سے صلح کر لی تھی کہ مکہ والوں میں سے جو شخص (ہجرت کر کے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ جائے گا اس کو واپس کر دیا جائے گا۔اس اثناء میں کچھ عورتیں ہجرت کر کے آ گئیں تو ان کے متعلق آیت مذکورہ نازل ہوئی۔(تفسیر مظہری)

امتحان کا طریقہ: حضرت ابن عباس نے فرمایا مؤمن مہاجر عورتوں کا امتحان اس طرح ہوتا تھا کہ عورت بحلف کہتی تھی۔میں اپنے شوہر سے نفرت کرنے یا کسی مسلمان مرد سے عشق کرنے کی بنیاد پر نہیں آئی نہ یہ وجہ ہے کہ مجھے ایک جگہ سے نفرت اور دوسری جگہ سے الفت ہو نہ میں کوئی جرم کر کے آئی ہوں نہ طلب مال مجھے لائی ہے بلکہ اسلام پسندی اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا جذبہ مجھے لیکر آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح اس سے حلف لیتے تھے جب وہ اس پر قسم کھا لیتی تھی تو پھر آپ اس کو واپس نہیں لوٹاتے تھے۔اور جو مہر اس کے شوہر نے اس کو نکاح کے وقت یا بعد کو ادا کیا ہوتا تھا۔اور جو کچھ شوہر نے اس کے لئے خرچ کیا ہوتا وہ بھی شوہر کو عطا فرما دیتے تھے۔

اور حضرت صدیقہ عائشہؓ سے ترمذی میں روایت ہے جس کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے آپ نے فرمایا کہ اُن کے امتحان کی صورت وہ بیعت تھی جس کا ذکر اگلی آیات میں تفصیل سے آیا ہے اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ الآیۃ۔گویا آنے والی مہاجر عورتوں کے امتحان ایمان کا طریقہ ہی یہ تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اُن چیزوں کا عہد کریں جو اس بیعت کے بیان میں

آگے آتی ہیں' اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ ابتدائی طور پر پہلے وہ کلمات اُن سے کہلوائے جاتے ہوں جو بروایت ابن عباسؓ اوپر ذکر کئے گئے ہیں اور اس کی تکمیل اس بیعت سے ہوتی ہو جس کا آگے ذکر ہے' واللہ اعلم ۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا

پھر اگر جانو کہ وہ ایمان پر ہیں تو مت

تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ لَا هُنَّ

پھیرو اُن کو کافروں کی طرف نہ یہ عورتیں

حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۭ

حلال ہیں اُن کافروں کو اور نہ وہ کافر حلال ہیں ان عورتوں کو

وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

اور دیدو اُن کافروں کو جو اُنکا خرچ ہوا ہو اور گناہ نہیں تم کو

اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ

کہ نکاح کر لو اُن عورتوں سے جب اُن کو دو

اُجُوْرَهُنَّ ۭ

اُن کے مہر☆

ن ہونے والی عورتوں کے مہر کا مسئلہ

یہ حکم ہوا کہ زوجین میں اگر ایک مسلمان اور دوسرا مشرک ہو تو اختلاف دین کے بعد تعلق نکاح قائم نہیں رہتا پس اگر کسی کافر کی عورت مسلمان ہو کر "دارالاسلام" میں آجائے تو جو مسلمان اس سے نکاح کرے اس کے ذمہ ہے کہ اس کافر نے جتنا مہر عورت پر خرچ کیا تھا وہ اسے واپس کر دے۔ اور اب عورت کا جو مہر قرار پائے وہ جدا اپنے ذمہ رکھے تب نکاح میں لاسکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ ۔ یعنی ان عورتوں کے لئے مؤمن ہونے کا تم کو گمان غالب اور امکانی علم ہو جائے اور ایمان کی علامات ظاہر ہو جائیں۔ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ یقین کی طرح غالب گمان پر بھی عمل واجب ہوتا ہے (اگرچہ ظن مفید یقین نہیں ہوتا مگر موجب عمل ضرور ہو جاتا ہے)۔

فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۔ یعنی کافر شوہروں کی طرف ان کو واپس مت کرو کیونکہ مؤمن عورتیں کافر شوہروں کے لئے حلال نہیں مسلمہ اور کافرہ میں تفریق کرنی لازم ہے سورۂ نسا کی آیت وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاۗءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کی تفسیر میں یہ مسئلہ گذر چکا ہے کہ اگر شوہر کافر ہو اور بیوی مہاجرہ مومنہ تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک دارالحرب سے نکلتے ہی دونوں کے درمیان تفریق کر دینی واجب ہے کیونکہ دو دار ہو گئے دارالحرب جو کفار کا وطن ہے اور دارالاسلام جو مؤمنوں کا مسکن ہے لیکن باقی تینوں اماموں کے نزدیک شوہر کے مسلمان ہونے کے وقت سے تین حیض کی مدت کا انتظار کرنا ہوگا۔ بشرطیکہ شوہر نے اس عورت سے قربت حقی کر لی ہو۔ اور ایسا نہ ہو تو پھر عورت مسلمان ہونے کے وقت سے تین حیض تک انتظار کیا جائے گا۔

وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۔ یعنی کافر تجدید نکاح کے بعد بھی مؤمن عورتوں کے لئے حلال نہیں ہیں کیونکہ کافر مرد کا نکاح مسلمان عورت سے جائز ہی نہیں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ جملہ سابق جملہ کی تاکید (معنوی) ہو۔

وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ۔ یعنی ان کے شوہروں نے جو کچھ خرچ کیا ہو یعنی مہر دیا ہو (یا زیور وغیرہ مترجم) وہ ان کو واپس دیدو کیونکہ معاہدۂ حدیبیہ میں عورتوں کی واپسی بھی شامل تھی لیکن جب ان کی واپسی کی ممانعت ہوگئی تو مہر کی واپسی لازم ہوگئی۔

آئندہ کے لئے مہاجر مومنات کا اصول

جس طرح حدیبیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے صلح کی تھی ویسی ہی صلح اگر خلیفہ کافروں سے کرلے پھر جب کوئی عورت ہجرت کر کے آئے تو عورت کو واپس نہ بھیجے بلکہ اس کا (وصول کردہ) مہر لوٹا دے۔

صلح سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

بغوی نے لکھا ہے کہ زہری کا بیان ہے اگر صلح نہ ہوتی اور وہ معاہدہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان حدیبیہ میں ہوا تھا نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجر عورتوں کو بھی روک لیتے اور ان کے مہر بھی واپس نہ کرتے معاہدہ سے پہلے جو مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آتی تھیں آپ یہی معاملہ کرتے تھے کہ ہجرت کر کے آنیوالی عورتوں کے مہر بھی واپس نہیں کراتے تھے۔

عورتوں کے حق میں معاہدہ کی تنسیخ یا توضیح

معاہدہ میں تو عموم تھا لیکن پھر عورتوں کی واپسی کا حکم منسوخ ہو گیا اور اللہ نے فرما دیا فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ جب مہاجر عورت کو واپس کرنے کی ممانعت ہوگئی تو اس کے عوض وہ مہر جو اس کے کافر شوہر نے دیا تھا واپس کرنا واجب ہو گیا دوسرے قول کا حاصل یہ ہے کہ صرف مرد مہاجر کو واپس کرنے کی شرط تھی عورت لوٹا دینے کی شرط ہی نہیں تھی کیوں کہ دوسری روایت میں آیا ہے کہ ہم میں سے جو مرد ہجرت کر کے آپ کے پاس پہنچے گا آپ اس کو ہماری طرف لوٹا دیں گے۔

مرد اور عورت کے حکم میں فرق کرنے کی حکمت

مرد اور عورت کی واپسی کے حکم میں تفریق اس وجہ سے کی گئی کہ مؤمن مرد کو اگر دوبارہ لوٹا کر کافروں کے سپرد کر بھی دیا جائے گا تو اس کے مرتد ہو جانے کا زیادہ اندیشہ نہیں کیوں کہ کافر اگر اس کو ڈرا دھمکا کر اور سختی کر کے زبان سے کلمات کفر کہلوا بھی لیں گے تو وہ تقیہ کر لے گا اور دل میں ایمان چھپائے رکھے گا لیکن عورت عام طور پر ضعیف القلب ہوتی ہے اس کو ڈرا دھمکا کر اور دکھ پہنچا کر مرتد بنا لینا زیادہ ممکن ہے وہ اپنی کمزوری اور ناچاری کی وجہ سے تقیہ بھی نہیں کر سکتی دل میں ایمان چھپائے رکھے اور بظاہر مرتد ہو جائے اس کی امید کم ہوتی ہے اس لئے معاہدہ میں اس کی واپسی کا ذکر نہیں کیا گیا اس صورت میں اداء مہر سابق مستحب ہوگا۔

دار الحرب سے آنے والی عورتوں سے نکاح اور ان کی عدت کا مسئلہ

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ ۔یعنی اے مسلمانو! ہجرت کر کے آنے والی عورتوں سے تم نکاح کر سکتے ہو اس میں کوئی گناہ نہیں خواہ ان کے کافر شوہر دار الحرب میں موجود ہی ہوں کیونکہ (کفر اور اسلام کی وجہ سے) تفریق تو ان کی ہو ہی گئی آیت دلالت کر رہی ہے کہ عدت ضروری نہیں امام ابوحنیفہ کا یہی قول ہے صاحبین کا قول اس کے خلاف ہے۔

حق مہر کا مسئلہ: اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۔ اجور سے مراد ہیں مہر مہر کی ادائیگی کی شرط لگانے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ سابق شوہروں کا ادا کردہ مہر جو مہاجر عورتوں کی طرف سے تم نے ان کے کافر شوہروں کو واپس کیا ہو وہ جدید مہر میں محسوب نہ ہوگا یعنی ان کے کافر شوہروں کو جو کچھ تم نے دیدیا وہ دے دیا اب اگر تم ان مہاجر عورتوں سے نکاح کرو گے تو اپنے نکاح کا مہر از سر نو دینا ہوگا۔

حضرت عمرؓ کی بیوی: ابن منیع نے بطریق کلبی از ابی صالح حضرت ابن عباس کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب جب مسلمان ہو گئے تو ان کی بیوی مشرکوں کے ساتھ ہی رہ گئی اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۔یعنی نہ یہ عورتیں کافر مردوں پر حلال ہیں اور نہ کافر مرد اُن کے لئے حلال ہو سکتے ہیں کہ ان سے دوبارہ نکاح کر سکیں۔

اختلاف دین کے سبب فسخ نکاح

اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ جو عورت کسی کافر کے نکاح میں تھی اور پھر وہ مسلمان ہو گئی تو کافر سے اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو گیا' یہ اس کے لئے اور وہ اس کے لئے حرام ہو گئے' اور یہی وجہ عورتوں کو شرط صلح میں واپسی سے مستثنیٰ کرنے کی ہے کہ اب وہ اس کے شوہر کافر کیلئے حلال نہیں رہی۔

کافر شوہر کے مہر کی واپسی کا حکم

مہاجر مؤمنہ کے کافر شوہر نے اس کے نکاح میں جو مہر وغیرہ اس کو دیا ہے وہ سب اس کے شوہر کو واپس دیا جائے۔ کیونکہ شرط صلح سے مستثنیٰ صرف عورتوں کی واپسی تھی' جو بوجہ اُن کے حرام ہو جانے کے نہیں ہو سکتی' مگر جو مال انہوں نے ان کو دیا ہے وہ حسب شرط واپس کر دینا چاہئے اس مال کی واپسی کا خطاب مہاجر عورتوں کو نہیں کیا گیا کہ تم واپس کرو بلکہ عام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ واپس کریں' کیونکہ بہت ممکن بلکہ غالب یہ ہے کہ جو مال ان کے شوہر نے اُن کو دیا تھا وہ ختم ہو چکا ہو۔ اب اُن سے واپس دلانے کی صورت ہی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے یہ فریضہ عام مسلمانوں پر ڈال دیا گیا کہ معاہدۂ صلح کو پورا کرنے کے لئے اس کی طرف سے کافر شوہروں کا مال واپس کر دیں' اگر بیت المال سے دیا جا سکتا ہے تو وہاں سے ورنہ عام مسلمانوں کے چندے سے (من القرطبی)

نکاح کا طریقہ اور ضابطہ: کافر مرد کی بیوی مسلمان ہو جائے تو نکاح فسخ ہو جانا آیت مذکورہ سے معلوم ہو چکا۔ لیکن دوسرے کسی مسلمان مرد سے اس کا نکاح کس وقت جائز ہوگا۔ اس کے متعلق امام اعظم! ابوحنیفہؒ کے نزدیک اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ جس کافر مرد کی عورت مسلمان ہو جائے اور حاکم اسلام اس کے شوہر کو بلا کر کہے کہ اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو نکاح برقرار رہے گا۔ ور نہ نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اگر وہ اس پر بھی اسلام لانے سے انکار کرے تو اب ان دونوں میں فرقت کی تکمیل ہو گئی۔ اس وقت وہ کسی مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ حاکم اسلام کا شوہر کو حاضر کرنا وہیں ہو سکتا ہے جہاں حکومت اسلام کی ہو' دار الکفر یا دار الحرب میں ایسا واقعہ پیش آوے تو شوہر سے اسلام کے لئے کہنے اور اس کے انکار کی صورت نہیں ہوگی جس سے دونوں میں تفریق کا فیصلہ کیا جا سکے۔ اس لئے اس صورت میں زوجین کے درمیان تفریق کی تکمیل اُس وقت ہوگی جب یہ عورت ہجرت کر کے دار الاسلام میں آ جائے یا مسلمانوں کے لشکر میں آ جائے' دار الاسلام میں آنے کی صورت مذکورہ واقعات میں مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد ہو سکتی ہے۔ اور لشکر اسلام حدیبیہ میں بھی موجود تھا۔ اس میں پہنچنے سے بھی اس کا تحقق ہو جاتا ہے۔ جس کو فقہاء کی اصطلاح میں اختلاف دارین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی جب کافر مرد اور اس کی بیوی مسلمان کے درمیان دارین کا فاصلہ ہو جائے' یعنی ایک دار الکفر میں ہے دوسرا دار الاسلام میں تو یہ تفریق مکمل ہو کر عورت دوسرے سے نکاح کیلئے آزاد ہو جاتی ہے۔ (ہدایہ وغیرہ) (معارف مفتی اعظم)

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ
اور نہ رکھو اپنے قبضہ میں ناموس کافر عورتوں کے

وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا

اور تم مانگ لو جو تم نے خرچ کیا اور وہ کافر مانگ لیں

مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ

جو انہوں نے خرچ کیا' یہ اللہ کا فیصلہ ہے

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

تم میں فیصلہ کرتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا

حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾

حکمت والا ہے☆

کافر بیویوں کو چھوڑ دو☆ پہلے حکم کے مقابل دوسری طرف یہ حکم ہوا کہ جس مسلمان کی عورت کافر رہ گئی ہے وہ اس کو چھوڑ دے گا۔ پھر جو کافر اس سے نکاح کرے اس مسلمان کا خرچ کیا ہوا مہر واپس کرے اس طرح دونوں فریق ایک دوسرے سے اپنا حق طلب کر لیں جب یہ حکم اترا تو مسلمان تیار ہوئے دینے کو بھی اور لینے کو بھی لیکن کافروں نے دینا قبول نہ کیا تب اگلی آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

مشرکہ عورت سے نکاح کی ممانعت

کوافر جمع کافرہ کی ہے۔ اور مراد اس سے مشرکہ عورت ہے' کیونکہ کافرہ کتابیہ سے نکاح کی اجازت قرآن کریم میں منصوص ہے' مراد آیت کی یہ ہے کہ اب تک جو مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان مناکحت کی اجازت تھی وہ ختم کر دی گئی' اب کسی مسلمان کا نکاح مشرک عورت سے جائز نہیں۔ اور جو نکاح پہلے ہو چکے ہیں وہ بھی ختم ہو چکے' اب کسی مشرک عورت کو اپنے نکاح میں روکنا حلال نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ

اور اگر جاتی رہیں تمہارے ہاتھ سے کچھ عورتیں

اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ

کافروں کی طرف پھر تم ہاتھ مارو تو دیدو اُن کو جن کی

ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ

عورتیں جاتی رہی ہیں جتنا انہوں نے

اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ

خرچ کیا تھا اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم کو

بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

یقین ہے☆

متبادل حکم☆ یعنی جس مسلمان کی عورت گئی اور کافر اس کا خرچ کیا ہوا نہیں پھیرتے تو جس کافر کی عورت مسلمانوں کے ہاں آئے اس کا جو خرچ دینا تھا اس کافر کو نہ دیں بلکہ اسی مسلمان کو دیں جس کا حق مارا گیا ہے۔ ہاں اس مسلمان کا حق دیکر جو بچ رہے وہ واپس کر دیں بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کافر کا خرچ کیا ہوا واپس نہیں کر سکتا تو بیت المال سے دیا جائے اللہ اکبر! کس قدر عدل وانصاف کی تعلیم ہے لیکن اس پر کاربند وہی ہوگا جس کے دل میں اللہ کا ڈر ہو اور اس پر ٹھیک ایمان رکھتا ہو۔ (تنبیہ) "فَعَاقَبْتُمْ" کے دو ترجمے مترجم محققؒ نے کیے۔ "پھر تم ہاتھ مارو" اور "پھر تمہاری باری آئے"۔ ہم نے دوسرے ترجمے کے لحاظ سے مطلب کی تقریر کی ہے پہلے ترجمہ کے موافق بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد مال غنیمت کا حاصل ہونا ہے۔ یعنی مال غنیمت میں سے اس مسلمان کا خرچ کیا ہوا نبٹایا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا چھ مہاجر مومن عورتیں مشرکوں سے جا ملی تھیں جو پھر اسلام کی طرف لوٹ آئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شوہروں کو مال غنیمت میں سے ان کے دیئے ہوئے مہر عطا کر دیے۔

میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ معاہدہ میں ہر مہاجر مرد وعورت کی واپسی کی شرط تھی پھر مہاجر عورتوں کی واپسی کا حکم منسوخ کر دیا گیا اگر معاہدہ کی رو سے مہاجر عورتوں کی واپسی ضروری نہیں تھی تو ان کو لوٹا دینے کی کوئی وجہ ہی نہ تھی نہ جدید حکم کے نازل ہونے کی ضرورت تھی مہاجر عورت کی واپسی کی ممانعت کے بعد واپسی مہر واجب تھی امر کے صیغے اس پر دلالت کر رہے ہیں اور آیت ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ بھی اسی کو چاہتی ہے۔

الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ کے احکام کی تعمیل کی جائے پس جب اللہ کو مانتے ہو تو اس کی نافرمانی سے بھی پرہیز کرو۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ

اے نبی جب آئیں تیرے پاس مسلمان عورتیں

يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰٓ اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ
بیعت کرنے کو اس بات پر کہ شریک نہ ٹھہرائیں اللہ کا
شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا
کسی کو اور چوری نہ کریں اور بدکاری نہ کریں اور اپنی
يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ
اولاد کو نہ مار ڈالیں ☆

قتل اولاد کی ممانعت ☆ جیسا کہ جاہلیت میں رواج تھا کہ رسمی ننگ و عار کی وجہ سے لڑکیوں کو زندہ در گور کر دیتے تھے اور بعض اوقات فقر و فاقہ کے خوف سے لڑکوں کو بھی قتل کر ڈالتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

بیعت نساء مؤمنات

عروۃ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نساء مؤمنات سے بیعت لینے کا ذکر اسی طرح فرمایا کرتی تھیں کہ جب یہ آیت مبارکہ يَآيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ الخ نازل ہوگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی عورتوں کا امتحان لیتے اور پھر ان باتوں پر ان سے عہد لیتے جن کا آیت مبارکہ میں ذکر ہے کہ نہ شرک کریں گی کہ نہ چوری کریں گی نہ زناء و بدکاری اور نہ افتراء و بہتان اور کسی بھی حکم شرعی میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی تو جو عورت اس بات کا عہد و اقرار کر لیتی آپ اس کو بیعت فرما لیتے اور صرف زبان مبارک سے فرما دیتے ''اچھا میں نے تمہیں بیعت کر لیا''۔ فرمایا کرتی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک نے خدا کی قسم کسی عورت کے ہاتھ کو کبھی نہیں چھوا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ میں عید الفطر کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور ابوبکر عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کا زمانہ بھی دیکھا ہے یہ سب حضرات خطبہ سے قبل نماز عید پڑھا کرتے تھے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے نماز پڑھتے پھر خطبہ دیتے اور اس کے بعد منبر سے اُترتے ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ گویا یہ منظر آج میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ مجمع میں سے جو لوگ اٹھ کر منتشر ہو رہے تھے آپ انکو اپنے ہاتھ کے اشارہ سے بٹھا رہے تھے پھر آپ مردوں کے مجمع کو چیرتے ہوئے آگے کی طرف بڑھنے لگے اور اس جگہ تک پہنچے جہاں عورتوں نے نماز پڑھی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بلالؓ تھے آپ وہاں تشریف لائے اور آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اور تلاوت کے بعد ان سے دریافت فرمایا کیا تم اس پر قائم ہو اور اس کا عہد کرتی ہو مجمع میں سے ایک عورت نے جواب دیا جی ہاں یارسول اللہ جو گویا سب کی طرف سے یہ کہہ رہی تھیں اور بظاہر اسی وجہ سے کسی اور نے جواب نہ دیا سب خاموش رہیں جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ اس عورت کے سوا کسی اور نے جواب نہ دیا۔

ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا یہ اعلان کر دیں اے مسلمان عورتو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے بیعت لینا چاہتے ہیں اس بات پر کہ تم نہ شرک کرو گی نہ چوری نہ زنا و بدکاری اور نہ بہتان طرازی اور نہ رسول خدا کی نافرمانی کرو گی۔ تو ان عورتوں میں ہندہ بن عتبہ بن ربیعہ بھی تھی جس نے غزوۂ اُحد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد ان کے شکم مبارک کو چاک کر کے جگر کا ٹکڑا چبانا چاہا تھا اگرچہ اب اسلام لا چکی تھیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈرتے ہوئے چھپی ہوئی تھیں اور کسی کونہ میں بیٹھیں تھیں۔ جب فاروق اعظم نے یہ کہا کہ عہد کرو چوری بھی نہ کرو گی۔ تو کہنے لگی میں ابوسفیان کے مال سے کچھ لے لیتی ہوں کیونکہ وہ مال کے حریص اور بخیل انسان ہیں (تو گھر کے مصارف وغیرہ کے لئے ان سے چھپا کر کچھ لینا پڑتا ہے) ابوسفیان ان کے خاوند بھی وہاں موجود تھے فوراً بولے اے ہندہ تو نے آج تک جو کچھ لیا یا آئندہ لے گی وہ سب تیرے واسطے حلال ہے۔ جب عمر فاروق نے یہ کہا کہ تم اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گی تو کہنے لگی ہم نے تو ان کو پالا تھا مگر تم نے انہیں بدر میں قتل کر دیا اس جملہ پر عمر فاروق کو بہت ہنسی آئی۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ کچھ عورتوں نے کہا کہ ہم تو اپنی اولاد کو قتل نہیں کرتے ان کے باپ قتل کرتے ہیں۔

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ وَلَا يَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ میں یہ چیز بھی داخل ہے۔ کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف ایسے بچہ کی نسبت کرے جو در حقیقت اس شوہر سے نہیں جیسا کہ یہ فعل جاہلیت کے زمانہ میں ہوتا تھا منیٰ کی گھاٹی میں قبل از ہجرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ سے بیعت لی تو یہی وہ امور تھے جن پر ان سے عہد لیا اور فرمایا **بایعونی علٰی ان لا تشرکوا باللّٰہ ولا تسرقوا ولا تزنوا** وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ الخ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا اِنْ **وَفَّیتم فلکم الجنۃ** اگر تم ان باتوں کو پورا کرو گے تو تمہارے واسطے جنت ہے (باسناد ابن ابی حاتم، تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الممتحنہ) تفسیر ابن کثیر ج ۴۔ (معارف کاندھلوی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کرنے والی صرف نو مسلم مہاجرات ہی نہیں دوسری قدیم عورتیں بھی شریک تھیں، جیسا کہ صحیح بخاری میں اُم عطیہؓ سے اور بسند بغوی امیمہؓ بنت رقیہؓ سے منقول ہے، حضرت امیمہؓ سے روایت ہے کہ میں نے چند دوسری عورتوں کی بیعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے بیعت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن احکام شرعیہ کی پابندی کا معاہدہ اس بیعت میں لیا اس کے ساتھ یہ کلمات بھی تلقین فرمائے کہ فِيمَا اسْتَطَعْتُنَّ وَاَطَقْتُنَّ، یعنی ہم اُن چیزوں کی پابندی کا عہد اسی حد تک کرتے ہیں جہاں تک ہماری استطاعت و طاقت میں ہے اُمیمہؓ نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت وشفقت ہم پر خود ہماری ذات سے بھی زائد تھی کہ ہم نے تو بلا کسی قید و شرط کے عہد کرنا چاہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کی تلقین فرما دی، تاکہ کسی اضطراری حالت میں خلاف ورزی ہو جائے وعہد شکنی میں داخل نہ ہو (مظہری)۔

اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس بیعت نساء کے متعلق فرمایا کہ عورتوں کی یہ بیعت صرف گفتگو اور کلام کے ذریعہ ہوئی، مردوں کی بیعت میں جو ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا دستور ہے، عورتوں کی بیعت میں ایسا نہیں کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک نے کبھی کسی غیر محرم کے ہاتھ کو نہیں چھوا (مظہری)۔

اور روایت حدیث سے ثابت ہے کہ یہ بیعت نساء صرف اس واقعہ حدیبیہ کے بعد ہی نہیں بلکہ بار بار ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ فتح مکہ کے روز بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کی بیعت سے فارغ ہونے کے بعد کوہ صفا پر عورتوں سے بیعت لی، اور پہاڑ کے دامن میں حضرت عمر بن خطابؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو دُہرا کر نیچے جمع ہونے والی عورتوں کو پہنچا رہے تھے جو اس بیعت میں شریک تھیں۔

اس وقت بیعت ہونے والی عورتوں میں ابوسفیان کی بیوی ہند بھی داخل تھیں۔ جو شروع میں حیاء کے سبب اپنے آپ کو چھپانا چاہتی تھیں۔ پھر بیعت میں کچھ احکام کی تفصیل آئی تو بولی اور دریافت کرنے پر مجبور ہو گئیں۔ کئی سوالات کئے۔ یہ واقعہ تفصیل سے تفسیر مظہری میں مذکور ہے۔

مردوں کی بیعت میں اجمال اور عورتوں کی بیعت میں تفصیل

مردوں سے جو بیعت لی گئی وہ عموماً اسلام اور جہاد پر لی گئی ہے، عملی احکام کی تفصیل اس میں نہیں ہے، بخلاف عورتوں کی بیعت کے کہ اس میں وہ تفصیل ہے جو آگے آ رہی ہے، وجہ فرق کی یہ ہے کہ مردوں سے ایمان و اطاعت کی بیعت لینے میں یہ سب احکام داخل تھے۔ اس لئے تفصیل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، اور عورتیں عموماً عقل وفہم میں فردوں سے کم ہوتی ہیں اس لئے ان کی بیعت میں تفصیل مناسب سمجھی گئی یہ اس بیعت کی ابتداء ہے جو عورتوں سے شروع ہوئی مگر آگے یہ عورتوں کے ساتھ مخصوص نہیں رہی، مردوں سے بھی انہی چیزوں کو بیعت لینا روایات حدیث میں ثابت ہے۔

(کما روی عن عبادة بن الصامتؓ) (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

بیعت صرف زبانی ارشاد اور اقرار سے ہوتی تھی

صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے جو مسلمان عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت کر کے آتی تھیں ان کا امتحان اسی آیت سے ہوتا تھا۔ جو عورت ان تمام باتوں کا اقرار کر لیتی اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم زبانی فرما دیتے کہ میں نے تم سے بیعت کی، یہ نہیں کہ آپ اس کے ہاتھ سے ہاتھ ملاتے ہوں، قسم خدا کی آپ نے کبھی بیعت کرتے ہوئے کسی عورت کے ہاتھ کو ہاتھ نہیں لگایا۔ صرف زبانی فرما دیتے کہ ان باتوں پر میں نے تیری بیعت لی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے مصافحہ نہ فرماتے تھے

ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضرت اُمیمہ بنت رقیقہؓ فرماتی ہیں کئی ایک عورتوں کے ساتھ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوئی تو قرآن کی اس آیت کے مطابق آپ نے ہم سے عہد و پیمان لیا۔ اور ہم بھلی باتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں گے کے اقرار کے وقت فرمایا یہ بھی کہو کہ جہاں تک تمہاری طاقت ہے۔ ہم نے کہا اللہ کو اور اس کے رسول کو ہمارا خیال ہم سے بہت زیادہ ہے اور ان کی مہربانی بھی ہم پر خود ہماری مہربانی سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ پھر ہم نے کہا حضور آپ ہم سے مصافحہ نہیں کرتے؟ فرمایا نہیں میں غیر عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا میرا ایک عورت سے کہہ دینا سو عورتوں کی بیعت کے لئے کافی ہے۔ بس بیعت ہو چکی۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کو حسن صحیح کہتے ہیں۔ مسند احمد میں اتنی زیادتی اور بھی ہے کہ ہم میں سے کسی عورت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصافحہ نہیں کیا۔ یہ حضرت اُمیمہ حضرت خدیجہ کی بہن اور حضرت فاطمہؓ کی خالہ ہوتی ہیں۔

خاوندوں کی خیانت نہ کرنے کا عہد: مسند احمد میں ہے حضرت سلمٰی بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ تھیں اور دونوں قبلوں کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی تھی بنو عدی بن نجار کے قبیلہ میں سے تھیں، فرماتی ہیں، انصار کی عورتوں کے ساتھ خدمت نبوی میں بیعت کرنے کے لئے میں بھی آئی تھی اور اس آیت میں جن باتوں کا ذکر ہے ان کا ہم نے اقرار کیا۔ آپ نے فرمایا ایک اس بات کا بھی اقرار کرو کہ اپنے خاوندوں کی خیانت اور اس کے ساتھ دھوکہ نہ کرو گی۔ ہم نے اس کا بھی اقرار کیا، بیعت کی اور جانے لگیں پھر مجھے خیال آیا اور ایک عورت کو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ وہ دریافت کرے کہ خیانت و دھوکہ نہ کرنے سے آپ کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ اس کا مال چپکے سے کسی اور کو نہ دو۔

حضرت عائشہ بنت قدامہ کی بیعت: مسند کی حدیث میں ہے حضرت عائشہ بنت قدامہ فرماتی ہیں میں اپنی والدہ رائطہ بنت سفیان خزاعیہؓ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے والوں میں تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں پر بیعت لے رہے تھے اور عورتیں ان کا اقرار کرتی تھیں۔ میری والدہ کے فرمان سے میں نے بھی اقرار کیا اور بیعت والیوں میں شامل ہوئی۔

میت پر نوحہ نہ کرنے کا اقرار: صحیح بخاری شریف میں حضرت اُمّ عطیہؓ سے منقول ہے کہ ہم نے ان باتوں پر اور اس امر پر کہ ہم کسی مُردے پر نوحہ نہ کریں گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، اس اثنا میں ایک عورت نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا اور کہا کہ میں نوحہ کرنے سے باز رہنے پر بیعت نہیں کرتی اس لئے کہ فلاں عورت نے میرے فلاں مردے پر نوحہ کرنے میں میری مدد کی ہے تو میں اس کا بدلہ ضرور اُتاروں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے سن کر خاموش ہو رہے اور کچھ نہ فرمایا وہ چلی گئیں لیکن پھر تھوڑی دیر میں واپس آئیں اور بیعت کر لی۔

اس شرط کو پورا کرنے والی خواتین: مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے اور اتنی زیادتی بھی ہے کہ اس شرط کو صرف اس عورت نے اور حضرت ام سلیم بنت ملحانؓ نے ہی پورا کیا۔ بخاری کی اور روایت میں ہے کہ پانچ عورتوں نے اس عہد کو پورا کیا۔ ام سلیمؓ، ام علاءؓ اور ابوسبرہؓ کی بیٹی جو حضرت معاذؓ کی بیوی تھیں اور دو اور عورتیں یا ابوسبرہؓ کی بیٹی اور حضرت معاذؓ کی بیوی اور ایک عورت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید والے دن بھی عورتوں سے اس بیعت کا معاہدہ کر لیا کرتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَا يَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ
اور طوفان نہ لائیں باندھ کر
بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ
اپنے ہاتھوں اور پاؤں میں ☆

جھوٹ اور بہتان کی ممانعت ☆ طوفان باندھنا ہاتھ پاؤں میں، یہ کہ کسی پر جھوٹا دعویٰ کریں یا جھوٹی گواہی دیں یا کسی معاملہ میں اپنی طرف سے بنا کر جھوٹی قسم کھائیں۔ اور ایک معنی یہ کہ بیٹا جنا ہو کسی اور سے اور منسوب کر دیں خاوند کی طرف، یا کسی دوسری عورت کی اولاد لیکر مکر و فریب سے اپنی طرف نسبت کر لیں۔ حدیث میں ہے کہ جو کوئی ایک کا بیٹا دوسرے کی طرف لگائے جنت اس پر حرام ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بُهْتَان۔ ایسا جھوٹ جس کو سن کر سننے والا متحیر ہو جائے۔
يَفْتَرِيْنَهٗ۔ اپنی طرف سے بنا لیں خود گڑھ لیں۔

بہتان کی صورتیں: بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ۔ بعض اہل علم نے کہا ایدی اور ارجل کی صراحت اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے کی گئی ہے انسان کے ہاتھ پاؤں گناہوں کی شہادت دیں گے۔ لہٰذا گواہوں کے سامنے بہتان تراشی نہ کریں۔ بعض اہل تفسیر نے کہا بہتان تراشی سے مراد ہے کہ کوئی بچہ لیکر عورت اپنے شوہر سے کہے یہ میرا بچہ تیرے نطفہ سے ہے بہتان بین الایدی والارجل کا یہی مطلب ہے کیوں کہ ماں اپنے پیٹ میں بچہ کو اٹھائے رہتی ہے یہ بین الایدی کا مطلب ہو گیا پھر شرمگاہ کے راستے سے باہر لاتی ہے یہ عمل بین الارجلھو گیا بہتان کا لفظ ہر قسم کی کذب تراشی کو شامل ہے لیکن اس جگہ مراد ہے دوسرے بچہ کو اپنا بچہ اپنے شوہر کے نطفہ سے قرار دینا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ
اور تیری نافرمانی نہ کریں کسی بھلے کام میں
فَبَايِعْهُنَّ
تو اُن کو بیعت کر لے ☆

عورتوں کی بیعت کا حکم ☆ پہلے فرمایا تھا کہ مسلمان عورتوں کی (جو ہجرت کر کے آئیں) جانچ کی جائے یہاں بتلا دیا کہ ان کا جانچنا یہی ہے کہ جو احکام اس آیت میں ہیں وہ قبول کر لیں تو ان کا ایمان ثابت رکھو یہ ''آیت بیعت'' کہلاتی ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عورتیں بیعت کرتی تھیں تو یہی اقرار لیتے تھے لیکن بیعت کے وقت کبھی کسی عورت کے ہاتھ نے آپ کے ہاتھ کو مس نہیں کیا۔ (تفسیر عثمانی)

نکتہ: فِيْ مَعْرُوْفٍ۔ کسی (شرعی) نیکی کے کرنے میں۔ یا گناہ اور بدی سے باز رہنے میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمیشہ ہی نیکی کرنے کا حکم دیتے تھے اس لئے فی معروف کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی مگر لفظ معروف کو ذکر کرنے سے اس بات پر تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ اللہ کی نافرمانی کا حکم کوئی بھی دے اس کی اطاعت جائز نہیں۔

بھلے کام میں نافرمانی کا مطلب: مجاہد نے کہا عدم عصیان فِيْ مَعْرُوْفٍ سے مراد یہ ہے کہ عورتیں (غیر) مردوں کے ساتھ تخلیہ نہ کریں۔ سعد بن مسیب کلبی اور عبدالرحمٰن بن زید نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ مصیبت پڑنے پر عورتیں نوحہ نہ کریں اور ہائے وائے نہ کریں اور کپڑے

نہ پھاڑیں اور نہ سر منڈوائیں اور نہ منہ پیٹیں اور کوئی عورت اپنے محرم کے علاوہ کسی اور مرد سے باتیں نہ کرے نہ غیر محرم کے ساتھ تخلیہ کرے نہ محرم کے علاوہ کسی مرد کے ساتھ سفر کرے ابن جریرؒ ترمذی اور ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت لَا یَعْصِیْنَکَ (کی تشریح میں) فرمایا اس سے مراد ہے نوحہ نہ کرنا بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت ام عطیہؓ نے فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے سے بھی ہم کو منع کیا اور ممانعت کو سن کر ایک عورت نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا فلاں عورت نے (نوحہ کرنے میں) میری مدد کی تھی (اس کا نوحہ کرنا مجھ پر قرض ہے پہلے میں جا کر اس کے ساتھ نوحہ کر آؤں پھر آ کر نوحہ نہ کرنے پر بیعت کروں گی) یہ کہہ کر وہ چلی گئی پھر کچھ دیر کے بعد واپس آئی اور بیعت کی۔

جاہلیت کی چار باتیں: مسلم نے حضرت ابو مالک اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں چار باتیں جاہلیت کی ہیں جن کو لوگ ترک نہیں کریں گے اپنے نسب پر فخر دوسرے کے نسب پر طنز ستاروں (کے طلوع) سے بارش کی طلب اور نوحہ کرنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر نوحہ کرنے والی توبہ نہیں کرے گی تو قیامت کے دن خارشت کی وجہ سے تارکول کا کرتہ اور دوپٹہ پہنے اٹھائی جائے گی۔

صحیحین میں حضرت ابن مسعود کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو منہ پیٹے گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی ایسی ہائے وائے کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے یعنی ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

نوحہ کرنے والی پر لعنت: ابوداؤد نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور سننے والی پر لعنت کی ہے۔

فَبَایِعْهُنَّ۔ یعنی اس بات پر ان سے بیعت لے لیجئے کہ اگر ان شرطوں کو پورا کرو گے تو تمہارے ثواب کا میں ضامن ہوں۔ (تفسیر مظہری)

وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
اور معافی مانگ اُن کے واسطے اللہ سے، بیشک اللہ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫
بخشنے والا مہربان ہے☆

عورتوں کے لئے استغفار☆ یعنی ان امور میں جو کوتاہیاں پہلے ہو چکیں یا امتثال احکام میں آئندہ کچھ تقصیر رہ جائے اس کے لیے آپ ان کے حق میں دعائے مغفرت فرمائیں۔ اللہ آپ کی برکت سے انکی تقصیر معاف فرمائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ۔ اور گذشتہ گناہوں کی ان کے لئے اللہ سے معافی طلب کیجئے۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ۔ اللہ معاف کرنے والا ہے بندہ سے جو گناہ پہلے ہو گئے ہوں ان کو محو کر دیتا ہے۔ رَّحِيْمٌ۔ یعنی آئندہ توفیق ہدایت دینے والا ہے۔ بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے ساتھ عورتوں سے زبانی بیعت لیتے تھے سوا اس عورت کو جو آپ کی مملوکہ (منکوحہ یا باندی) تھی اور کسی عورت کے ہاتھ سے آپ کا ہاتھ مس بھی نہیں کرتا تھا۔

ہندہ کی بیعت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن جب کوہ صفا پر مردوں کے بیعت سے فارغ ہو چکے تھے اور حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نیچے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عورتوں سے بیعت لے رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عورتوں کو پیام پہنچا رہے تھے۔ ہند بنت عتبہ زوجۂ ابوسفیان بھی عورتوں میں شامل تھی اور نقاب پوش تھی اس نے اپنا حلیہ بدل لیا تھا کیوں کہ اس کو اندیشہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پہچان لیں گے۔ عورتیں جمع ہو گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سے بیعت اس شرط پر لیتا ہوں کہ اللہ کے ساتھ کسی شی کو شریک نہیں قرار دو گی ہند سر اٹھا کر بولی خدا کی قسم جس طرح کی بیعت آپ مردوں سے لے رہے ہیں اس طرح کی بیعت آپ ہم سے نہیں لے رہے ہیں ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ بیعت مردوں کی بیعت سے مغائر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز مردوں سے صرف اسلام اور جہاد کی بیعت لی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا اور فرمایا اور چوری نہیں کرو گی ہند بولی ابوسفیان انتہائی کنجوس آدمی ہے میں اس کے مال میں سے کچھ لے لیا کرتی تھی کیا وہ میرے لئے حلال تھا یا حرام یہ بات سن کر ابوسفیان نے کہا جو کچھ تو نے پہلے لیا یا آئندہ لے گی وہ تیرے لئے حلال ہے (میری طرف سے معافی ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مکالمہ سن کر ہنس دیئے (مسکرا دیئے) اور فرمایا تو یقیناً ہند بنت عتبہ ہے بولی ہاں۔ جو کچھ گذر چکا اس سے اب آپ درگذر کیجئے اللہ آپ کو معاف کرے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور تم زنا نہیں کرو گی ہند بولی کیا کوئی آزاد عورت بھی زنا کر سکتی ہے اس کے بعد آپ نے فرمایا اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی ہند بولی جب ہماری اولاد

چھوٹی تھی تو ہم نے اس کو پالا تو تم نے ان کو قتل کیا تم اور وہ اس سے خوب واقف ہیں ہند کا بیٹا حنظلہ بن ابی سفیان بدر کی لڑائی میں مارا گیا تھا یہ بات سن کر حضرت عمرا تنے ہنسے کہ پیچھے گر گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسکرا دیئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور تہمت تراشی نہیں کرو گی ہند بولی واللہ تہمت تراشی بری بات ہے اور آپ ہم کو سیدھی راہ پر چلانے اور مکارم اخلاق اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھی باتوں میں نافرمانی نہیں کرو گی ہند کہنے لگی ہم جو اس مجلس میں آئے ہیں تو ہمارے دلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی قسم کی نافرمانی کا خیال ہی نہیں ہو سکتا۔ اس طرح جو عہد عورتوں سے حضور نے لیا عورتوں نے اس کا اقرار کیا۔

مَردوں کی بیعت: مردوں سے جو اسلام کی بیعت لی گئی تھی اس میں وہ تمام دفعات اجمالاً موجود تھیں جن کی تفصیل وار بیعت عورتوں سے لی گئی' مردوں کی بیعت میں جمال اور عورتوں کی بیعت میں تفصیل سے کام کیوں لیا گیا اسکی وجہ یہ ہے کہ امور مفصلہ کا صدور عورتوں سے زیادہ ہوتا ہے دیکھو بکثرت مسلمان عورتیں (توہم پرستی کی وجہ سے شرک آمیز عقیدہ رکھتی ہیں شوہروں کے مال کی چوری کرتی ہیں اپنی (ناجائز) اولاد کو زندہ درگور کرتی ہیں (یا قتل کر دیتی ہیں) رہی عورتوں کی بدکاری تو وہ مردوں کی بدکاری سے زیادہ بری ہے کیونکہ اس سے حق اللہ بھی تلف ہوتا ہے اور حق شوہر بھی عورتیں ہی غیر مرد کی اولاد کو اپنے شوہروں کی طرف منسوب کرتی اور شوہروں کے مال کا (غلط طور پر) ان کو وارث قرار دیتی ہیں بہتان تراشی دروغ بافی کا ارتکاب تو عورتیں بکثرت کرتی ہی ہیں اور کوستی بھی بہت ہیں اور شوہروں کی احسان فراموشی بھی بہت کرتی ہیں میت پر نوح کرنا تو ان کی خصوصیت ہی ہے ہائے وائے کرنا رونا پیٹنا گریبان پھاڑنا اور اسی طرح کے دوسری ایسے کام کرتی ہیں جو مرد نہیں کرتے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے کسی قدر تفصیلی بیعت لی۔ جہاد مردوں کے ساتھ مخصوص تھا اس لئے بیعت جہاد صرف مردوں سے لی۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا
اے　ایمان　والو　مت　دوستی　کرو
قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
اُن لوگوں سے کہ غصہ ہوا ہے اللہ اُن پر ☆

ربط ☆ شروع سورت میں جو مضمون تھا خاتمہ پر پھر یاد دلا دیا یعنی مومن کی شان نہیں کہ جس پر خدا ناراض ہو اس سے دوستی اور رفاقت کا معاملہ کرے۔ جس پر خدا کا غصہ ہو خدا کے دوستوں کا بھی غصہ ہونا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ
وہ آس توڑ چکے ہیں پچھلے گھر سے جیسے آس توڑی
الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾
منکروں　نے　قبر　والوں　سے ☆

کفار کی مایوسی ☆ یعنی منکروں کو توقع نہیں کہ قبر سے کوئی اٹھے گا اور پھر دوسری زندگی میں ایک دوسرے سے ملیں گے۔ یہ کافر بھی ویسے ہی ناامید ہیں (تنبیہ) بعض مفسرین کے نزدیک "مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ" کفار کا بیان ہے یعنی جس طرح کافر جو قبر میں پہنچ چکے وہاں کا حال دیکھ کر اللہ کی مہربانی اور خوشنودی سے بالکلیہ مایوس ہو چکے ہیں اسی طرح یہ کافر بھی آخرۃ کی طرف سے مایوس ہیں۔ تم سورۃ الممتحنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

یہودیوں کی مایوسی: قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ۔ اگر مغضوب علیہم سے یہی مراد ہوں تو یہودیوں کا آخرت کی بہبودی سے مایوس ہونا اس بناء پر ہے کہ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی برحق صاحب معجزات ہونے کے منکر تھے حالانکہ توریت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت موجود تھی مگر شیطان کے زیر تسلط آ کر محض حسد وعناد کی وجہ سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرتے تھے۔ اور ان تمام باتوں کو جانتے بھی تھے مگر بدبختی ان پر غالب تھی دانستہ دشمنی اور حسد کرتے تھے اسی وجہ سے آخرت کی فلاح و بہبود سے ناامید ہو گئے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ آخرت کے ثواب میں ہمارا کوئی حصہ نہیں۔

اگر عام کفار مراد ہوں تو چونکہ ان کا آخرت پر اور آخرت کے ثواب اور عذاب پر ایمان ہی نہ تھا اس لئے نہ عذاب آخرت سے ڈرتے تھے نہ ثواب آخرت کے امیدوار۔

كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ۔ یعنی کفار جس طرح قبروں کے مردوں کے دوبارہ اٹھائے جانے یا ان کے ثواب پانے کی امید نہیں رکھتے۔ اگر قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے مراد عام کفار ہوں تو پھر دوبارہ صراحت کے ساتھ لفظ کفار کا استعمال یہ بات بتا رہا ہے کہ کفر ہی نے ان کو مایوس بنا رکھا ہے۔ اس تفسیر میں من اصحاب القبور کا تعلق يَئِسَ سے ہوگا اور ظرف لغو ہوگی۔

بعض کے نزدیک ظرف مستقر ہے اور من اصحاب القبور الکفار کا بیان ہے اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح قبروں میں دفن ہونے والے مردے کافر ثواب آخرت سے مایوس ہیں اسی طرح یہودی بھی فلاح آخرت سے نراس ہیں۔ کذا قال مجاہد وسعید بن جبیر۔ (تفسیر مظہری)

الحمدللہ سورۃ ممتحنہ ختم ہوئی

خواب میں اس کو پڑھنے والا شہید مرے گا۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۂ صف مدینہ میں نازل ہوئی اس کی چودہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور

فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

جو کچھ ہے زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمت والا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ

اے ایمان والو کیوں کہتے ہو منہ سے

مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ

جو نہیں کرتے بڑی بیزاری کی بات ہے

اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③

اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ

اللہ چاہتا ہے اُن لوگوں کو جو لڑتے ہیں

فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ

اُس کی راہ میں قطار باندھ کر گویا وہ دیوار ہیں

مَّرْصُوْصٌ ④

سیسہ پلائی ہوئی ☆

دعویٰ کرنے سے بچو ☆ بندہ کو لاف زنی اور دعوے کی بات سے ڈرنا چاہیے کہ پیچھے مشکل پڑتی ہے۔ زبان سے ایک بات کہہ دینا آسان ہے لیکن اس کا نباہنا آسان نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص سے سخت ناراض اور بیزار ہوتا ہے جو زبان سے کہے بہت کچھ اور کرے کچھ نہیں۔ کہ روایات میں ہے کہ ایک جگہ مسلمان جمع تھے کہنے لگے ہم کو اگر معلوم ہو جائے کہ کونسا کام اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے تو وہی اختیار کریں۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں یعنی دیکھو! سنبھل کر کہو۔ لو ہم بتلائے دیتے ہیں کہ اللہ کو سب سے زیادہ ان لوگوں سے محبت ہے جو اللہ کی راہ میں اس کے دشمنوں کے مقابلہ پر ایک آہنی دیوار کی طرح ڈٹ جاتے ہیں اور میدان جنگ میں اس شان سے صف آرائی کرتے ہیں کہ گویا وہ سب مل کر ایک مضبوط دیوار ہیں جس میں سیسہ پلا دیا گیا ہے۔ اور جس میں کسی جگہ کوئی رخنہ نہیں پڑ سکتا۔ اب اس معیار پر اپنے کو پرکھ لو بیشک تم میں بہت ایسے ہیں جو اس معیار پر کامل و اکمل اتر چکے ہیں مگر بعض مواقع ایسے بھی نکلیں گے جہاں بعضوں کے زبانی دعوؤں کی ان کے عمل نے تکذیب کی ہے آخر جنگ احد میں وہ بنیان مرصوص کہاں قائم رہی اور جس وقت حکم قتال اترا تو یقیناً بعض نے یہ بھی کہا "رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ" الخ (نساء۔ رکوع ۱۱) بہرحال زبان سے زیادہ دعوے مت کرو بلکہ خدا کی راہ میں قربانی پیش کرو جس سے اعلیٰ کامیابی نصیب ہو۔ موسیٰ کی قوم کو نہیں دیکھتے کہ زبان سے تعلّی وتفاخر کی باتیں بڑھ چڑھ کر بناتے تھے۔ لیکن عمل کے میدان میں صفر تھا جہاں کوئی موقع کام کا آیا فوراً پھسل گئے اور نہایت تکلیف دہ باتیں کرنے لگے نتیجہ جو کچھ ہوا اس کو آگے بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: ابن جریر نے ابو صالح کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں نے کہا تھا اگر ہم کو علم ہو جاتا کہ کونسا عمل اللہ کو زیادہ پیارا اور افضل ہے تو ہم اسی کو کرتے اس پر آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ الخ نازل ہوئی مگر (کچھ) مسلمانوں پر جہاد شاق گذرا اس پر آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ نازل ہوئی ابن جریر نے بطریق علی حضرت ابن عباسؓ کا بیان بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

ابن ابی حاتم نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس کا قول اور ابن جریر نے ضحاک کا بیان نقل کیا ہے کہ آیت لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ اس شخص کے متعلق نازل ہوئی جو جہاد میں نہ تلوار کا استعمال کرتا ہے نہ برچھے کا نہ (دشمن کو) قتل کرتا ہے ابن ابی حاتم نے مقاتل کا قول نقل کیا ہے کہ احد کی لڑائی میں جو لوگ پشت پھیر کر بھاگ گئے تھے ان کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا۔

محمد بن کعب نے کہا کہ شرکاء بدر کے ثواب کا بیان جب اللہ نے بیان فرمایا تو صحابہ کہنے لگے اگر آئندہ کبھی لڑائی کا موقع ملا تو ہم اپنی ساری طاقت لگا دیں گے لیکن جب احد کی لڑائی ہوئی تو یہ حضرات بھاگ کھڑے ہوئے اللہ نے ان کو عار دلانے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ ابن زید کا قول ہے کہ یہ آیت منافقوں کے حق میں نازل ہوئی جو مسلمانوں کی مدد کرنے کا وعدہ

کرتے تھے مگر جھوٹے (وعدہ کو پورا نہیں کرتے تھے)

مَقْتًا ۔سخت ترین غصہ۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ ان کا قول اللہ کو اتنا سخت ناپسند اور موجب ناراضی تھا کہ ہر ناپسندیدہ قول سے بڑھ کر تھا۔ یہ پرزور باز داشت ہے اس امر سے کہ ایسی بات کہیں جو کریں نہیں۔ اور وعدہ تو کرلیں مگر پورا نہ کریں۔

صَفًّا ۔یعنی لڑائی میں اپنی جگہ سے ہلتے نہیں جمے رہتے ہیں۔

مَرْصُوْصٌ ۔یعنی ایسی صف بندی کرتے ہیں کہ بیچ میں شگاف نہیں چھوڑتے اور بھاگنے کے لئے حرکت بھی نہیں کرتے رص کا معنی ہے کسی عمارت یا دیوار کا مضبوط ہونا اور اس کے اجزاء کا باہم اتنا پیوستہ ہو جانا (ٹھس جانا) کہ خلا بالکل نہ رہے۔

جہاد فی سبیل اللہ بارگاہِ خداوندی میں محبوب ترین عمل

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ ۔آیۂ مبارکہ حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں جہاد فی سبیل اللہ کا محبوب ترین عمل بیان کر رہی ہے اور ظاہر ہے کہ جب یہ عمل اللہ کو محبوب ہے تو مجاہدین بھی یقیناً اس کی نظروں میں محبوب ترین بندے ہوں گے اسی کو یہ الفاظ واضح کر رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کو بڑی ہی محبت اور پیار کی نظر سے دیکھتا ہے ایک وہ جو رات کو بیدار ہو کر نماز میں مشغول ہو جائے۔ دوسری وہ قوم جو جماعت میں نماز کے لئے صف بستہ ہیں تیسری وہ جماعت مجاہدین جو میدان جہاد میں کافروں سے قتال کے لئے صف بستہ ہے۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت خود اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اس طرح بیان فرماتا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے بندۂ متوکل ہیں پسندیدہ و برگزیدہ جو نہ سخت دل ہیں نہ بدمزاج۔ اور نہ بازاروں میں شور وشغب کرنے والے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں بلکہ درگزر اور معاف کرتے ہیں جن کا مولد (جائے پیدائش) مکہ ہے اور انکی ہجرت کی جگہ طیبہ (مدینہ) ہے اور انکا ملک سلطنت شام ہوگا۔ انکی امت حماد ہوگی۔ جو ہر جگہ اور ہر حال میں اللہ کی حمد وثنا کرتی ہوگی۔ انکی سحر کے وقت خشیۃ خداوندی سے فضا میں ایک آواز ہوگی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہو جو اپنے اطراف اعضاء دھوتے ہوں گے (یعنی وضو) اور نصف پنڈلیوں پر اپنی ازار باندھتے ہوں گے اور اس کے بعد یہ آیت تلاوت کی۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا الخ۔ اس عمل کی محبوبیت کا تو یہ مقام ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے۔ وَدوت انی اُقتل فی سبیل اللہ ثم اُحییٰ ثم اُقتل ثم اُحییٰ ثم اقتلُ۔ (معارف کاندھلوی)

صحابہ کرام کا مذاکرہ: صحابۂ کرام کی ایک جماعت نے آپس میں یہ مذاکرہ کیا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے تو ہم اس پر عمل کریں، بغوی نے اس میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ ان حضرات میں سے بعض نے کچھ ایسے الفاظ بھی کہے کہ اگر ہمیں اَحبّ الاعمال عنداللہ معلوم ہو جائے تو ہم اپنی جان ومال سب اُن کے لئے قربان کر دیں (مظہری)

ابن کثیر نے بحوالہ مسند احمد روایت کیا ہے کہ ان چند حضرات نے آپس میں جمع ہو کر یہ مذاکرہ کیا اور چاہا کہ کوئی صاحب جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا سوال کرے، مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی ابھی یہ لوگ اس حالت پر تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب لوگوں کو نام بنام اپنے اپنے پاس بلایا (جس سے معلوم ہوا کہ آپ کو بذریعہ وحی ان کا اجتماع اور ان کی گفتگو معلوم ہو گئی تھی) جب یہ سب لوگ حاضر خدمت ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری سورۂ صف پڑھ کر سنائی جو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔

اس سورۃ نے یہ بھی بتلا دیا کہ اَحبّ الاعمال جس کی تلاش میں یہ حضرات تھے وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

وعظ ونصیحت ترک نہ کرو: یہ نہیں فرمایا کہ جب خود نہیں کرتے تو دوسروں کو کہنا بھی چھوڑ دو، اس سے معلوم ہوا کہ جس نیک کام کے خود کرنے کی ہمت وتوفیق نہیں ہے اس کی طرف دوسروں کو بُلانے اور نصیحت کرنے کا سلسلہ نہ چھوڑے، امید ہے کہ اس وعظ ونصیحت کی برکت سے کسی وقت اُس کو بھی عمل کی توفیق ہو جاوے، جیسا کہ بکثرت تجربہ ومشاہدہ میں آیا ہے۔ البتہ اگر وہ عمل واجب یا سنت مؤکدہ کے درجہ میں ہو تو آیات مذکورہ پر نظر کر کے اپنے نفس میں نادم وشرمندہ ہونے کا سلسلہ جاری رکھنا بھی واجب ہے، اور اگر مستحبات کے متعلق ہے تو یہ سلسلہ ندامت بھی مستحب ہے۔

محبوب ترین عمل: اگلی آیات میں اُس اصل معاملہ کا ذکر ہے جو اس سورت کے نزول کا سبب بنا، یعنی اس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسا عمل زیادہ محبوب ہے، اس کے متعلق ارشاد فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۔یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب وہ صف قتال ہے جو اللہ کے دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے قائم ہو اور مجاہدین کے عزم وہمت کی وجہ سے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہو کہ اُن کے قدموں میں کوئی تزلزل نہ آنے پائے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم میری

لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ

کیوں ستاتے ہو مجھ کو اور تم کو معلوم ہے کہ میں

رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْؕ

اللہ کا بھیجا آیا ہوں تمہارے پاس ☆

قوم موسیٰ کی جفا کاریاں ☆ یعنی روشن دلائل اور کھلے کھلے معجزات دیکھ کر تم دل میں یقین رکھتے ہو کہ میں اللہ کا سچا پیغمبر ہوں۔ پھر سخت ناز یبا اور رنجدہ حرکتیں کر کے مجھے کیوں ستاتے ہو۔ یہ معاملہ تو کسی معمولی ناصح اور خیر خواہ کے ساتھ بھی نہ ہونا چاہیے۔ چہ جائیکہ ایک اللہ کے رسول کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو۔ کیا میرے دل کو تمہاری ان گستاخانہ حرکات سے دکھ نہیں پہنچتا کہ کبھی بے جان بچھڑا بنا کر پوجنے لگے اور اس کو اپنا اور موسیٰ کا خدا بتلانے لگے کبھی ''عمالقہ'' پر جہاد کرنے کا حکم ہوا تو کہنے لگے ہم تو کبھی نہیں جاویں گے۔ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑلو۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں وغیر ذلک من الخرافات۔ چنانچہ اسی سے تنگ ہو کر حضرت موسیٰ نے فرمایا'' رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ ۔ یعنی میرے معجزات کو تم نے دیکھا اور دیکھ رہے ہو فرعون سے جو تم کو سخت دکھ اور عذاب دیتا تھا میں نے تم کو بچایا اور یہ سمندر پار کرایا۔ پس جب تم جانتے ہو کہ میں رسول ہوں تو پھر مجھے ایذا کیوں دیتے ہو نبوت کا تو تقاضا ہے کہ نبی کی تعظیم کی جائے اور اس کو دکھ نہ دیا جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْؕ وَاللّٰهُ

پھر جب وہ پھر گئے تو پھیر دیئے اللہ نے اُن کے دل اور اللہ

لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝۵

راہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو ☆

بدکرداری کا انجام ☆ بدی کرتے کرتے قاعدہ ہے کہ دل سخت اور سیاہ ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ نیکی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ یہی حال ان کا ہوا۔ جب ہر بات میں رسولؑ سے ضد ہی کرتے رہے اور برابر ٹیڑھی چال چلتے رہے، تو آخر مردود ہوئے۔ اور اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا کہ سیدھی بات قبول کرنے کی صلاحیت نہ رہی۔ ایسے ضدی نافرمانوں کے ساتھ اللہ کی یہی عادت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا زَاغُوْۤا ۔ یعنی جب وہ حق سے مڑ گئے اور موسیٰ کو ایذاء دینے سے باز نہیں آئے تو اس نے بھی انکے دلوں کو قبول حق سے پھیر دیا۔

لَا یَهْدِیْ ۔ یعنی ایسی ہدایت کی توفیق نہیں دیتا کہ وہ حق کو پہچانیں یا جنت تک پہنچ جائیں۔ زجاج نے لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۔ کا مطلب بیان کیا ہے کہ جن لوگوں کا فاسق رہنا پہلے سے اللہ کے علم ازلی میں ہے اللہ ہدایت نہیں کرتا۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ

جب کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اے بنی

اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ

اسرائیل میں بھیجا ہوا آیا ہوں اللہ کا تمہارے پاس

مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ

یقین کرنیوالا اُس پر جو مجھ سے آگے ہیں

التَّوْرٰىةِ

توریت ☆

حضرت عیسیٰ کا بنی اسرائیل سے خطاب

☆ یعنی اصل تورات کے من اللہ ہونے کی تصدیق کرتا ہوں اور اس کے احکام و اخبار پر یقین رکھتا ہوں اور جو کچھ میری تعلیم ہے فی الحقیقت ان ہی اصول کے ماتحت ہے جو تورات میں بتلائے گئے تھے۔ (تنبیہ) ابن کثیر وغیرہ نے ''مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ '' الخ کا مطلب یہ لیا ہے کہ میرا وجود تورات کی باتوں کی تصدیق کرتا ہے کیونکہ میں ان چیزوں کا مصداق بن کر آیا ہوں جن کی خبر تورات شریف میں دی گئی تھی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب کہ عیسیٰؑ ابن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو توریت آ چکی ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور ایک عالیقدر رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا جب عیسیٰ (اپنی رسالت کو ثابت کرنے کے لئے) ان کے سامنے کھلی نشانیاں (یعنی معجزات) لائے تو انہوں نے کہا یہ تو صریح جادو ہے۔

نکتہ: یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ حضرت عیسیٰؑ نے یا بنی اسرائیل فرمایا حضرت موسیٰ کی طرح یا قوم نہیں فرمایا کیوں کہ بنی اسرائیل سے آپ کا کوئی نسبی تعلق نہیں تھا (نسب باپ سے چلتا ہے اور حضرت عیسیٰ کا کوئی باپ نہ تھا) بَیْنَ یَدَیَّ یعنی مجھ سے پہلے۔ (تفسیر مظہری)

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَّأْتِي مِنْ

اور خوشخبری سنانے والا ایک رسول کی جو آئے گا

بَعْدِي اسْمُهٗ أَحْمَدُ ؕ

میرے بعد اُس کا نام ہے احمد☆

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دینا

☆ یعنی پچھلے کی تصدیق کرتا ہوں اور اگلے کی بشارت سناتا ہوں۔ یوں تو دوسرے انبیاء سابقین بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم) کی تشریف آوری کا مژدہ برابر سناتے آئے ہیں۔ لیکن جس صراحت و وضاحت اور اہتمام کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشخبری دی وہ کسی اور سے منقول نہیں۔ شاید قرب عہد کی بناء پر یہ خصوصیت ان کے حصہ میں آئی ہوگی۔ کیونکہ ان کے بعد نبی آخر الزماں کے سوا کوئی دوسرا نبی آنے والا نہ تھا۔ یہ سچ ہے کہ یہود و نصاریٰ کی مجرمانہ غفلت اور معتمدانہ دستبرد نے آج دنیا کے ہاتھوں میں اصل تورات و انجیل وغیرہ کا کوئی صحیح نسخہ باقی نہیں چھوڑا جس سے ہم کو ٹھیک پتہ لگ سکتا کہ انبیاء سابقین خصوصاً مسیح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کن الفاظ میں اور کس عنوان سے بشارت دی تھی اور اسی لئے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ قرآن کریم کے صاف و صریح بیان کو اس تحریف شدہ بائبل میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے جھٹلانے لگے۔ تاہم یہ بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ نے محرفین کو اس قدر قدرت نہیں دی کہ وہ اس کے آخری پیغمبر کے متعلق تمام پیشینگوئیوں کو بالکلیہ محو کر دیں کہ ان کا کچھ نشان باقی نہ رہے۔ موجودہ بائبل میں بھی بیسیوں مواضع ہیں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر قریب تصریح کے موجود ہے اور عقل و انصاف والوں کے لئے اس میں تاویل و انکار کی قطعاً گنجائش نہیں اور انجیل یوحنا میں تو فارقلیط (یا پیرکلوطوس) والی بشارت اتنی صاف ہے کہ اس کا بے تکلف مطلب بجز احمد (بمعنی محمود وستودہ) کے کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ بعض علماء اہل کتاب کو بھی ناگزیر اس کا اعتراف یا نیم اقرار کرنا پڑا ہے کہ اس پیشین گوئی کا انطباق پوری طرح نہ روح القدس پر اور نہ بجز سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور پر ہو سکتا ہے۔ علماء اسلام نے بحمد اللہ بشارات پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور تفسیر حقانی کے مؤلف فاضل نے ''فارقلیط والی بشارت'' اور تحریف بائبل پر سورۃ ''صف'' کی تفسیر میں نہایت مشبع بحث کی ہے اللہ جزائے خیر دے۔ (تفسیر عثمانی)

اِسْمُهٗ أَحْمَدُ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا نام احمد تھا (پہلا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھا) احمد بروزن اَفْعَل اسم تفصیل کا صیغہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حامد (اللہ کی حمد کرنے والے) بھی اور محمود بھی انبیاء سب ہی اللہ کی حمد کرتے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے حامد تھے۔ تمام انبیاء خصائل حمیدہ کے حامل ہوتے ہیں اس لئے سب محمود ہوتے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات اور سارے انبیاء سے بڑھ کر محمود تھے کیوں کہ آپ کے فضائل و محاسن اور اخلاق و مناقب سب سے اعلیٰ اور افضل تھے اس لئے آپ سب سے زیادہ مستحق محمودیت ہوئے اور آپ کا نام محمد (بہت زیادہ محمود ہوا) حضرت مجدد صاحب نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو قسم کی ولایت حاصل تھی اول ولایت محمد یہ یعنی محبوبیت جو محبت کے ساتھ مخلوط ہے دوسری ولایت احمد یہ یہ خالص محبوبیت کا مقام ہے۔ اس بناء پر احمد کو محمودیت سے مشتق مانا جائے تو اولیٰ ہے (اسم تفضیل کا صیغہ کبھی کثرت فاعلی پر دلالت کرتا ہے کبھی کثرت مفعولی پر احمد کے لفظ میں اگر کثرت مفعولی یعنی کثرت محمودیت مانی جائے تو اولیٰ ہے)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت تمام انبیاء اور تمام کتابوں نے دی

حضرت عیسیٰؑ نے اپنی رسالت کے دعویٰ میں دوسرے انبیاء کی تصدیق کی کیوں کہ حق کی مطابقت و موافقت حق کے ساتھ ہوتی ہے اور تمام انبیاء باہم دوسرے کی رسالت کی شہادت دیتے ہیں توریت پہلی کتاب تھی جس کے موافق انبیاء باہم دوسرے کی رسالت کی شہادت دیتے ہیں توریت پہلی کتاب تھی جس کے موافق انبیاء حکم دیا کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ نے اس کی تصدیق کی اور خاتم المرسلین سید الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی بشارت دی آپ کی آمد کی بشارت تمام انبیاء نے اور توریت نے اور ساری آسمانی کتابوں نے دی تھی۔ (تفسیر مظہری)

بشارت انجیل یوحنا

حضرت مولانا عبدالحق دہلوی نے انجیل یوحنا باب ۱۴ کی یہ مشہور بشارت انجیل یوحنا کی اس عربی نسخہ سے نقل کی ہے جو لندن میں ۱۸۳۱ء اور ۱۸۳۳ء میں طبع کیا۔

باب نمبر ۱۴ از آیت نمبر ۱۵۔ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے۔ (۱۶) اور میں باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں فارقلیط دے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا (یعنی روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی) (۲۶) لیکن وہ فارقلیط (جو روح حق ہے) جسے باپ میرے نام بھیجے گا وہ تمہیں سب چیزیں سکھائے گا اور سب باتیں جو میں نے تم سے کہیں وہ یاد دلائے گا۔ (۲۹) اور اب میں نے تمہیں اس کے واقع ہونے سے پہلے کہا تاکہ جب وہ واقع ہو تو تم ایمان لاؤ (۳۰) بعد اس کے میں تم

سے بہت کلام نہ کروں گا اس لئے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اسکی کوئی بات نہیں''۔

اور باب نمبر ۱۵۔ آیت ۲۷ میں ہے۔ جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا۔ (یعنی سچائی کی روح) تو وہ میری گواہی دے گا۔

اور باب نمبر ۱۶۔ آیت نمبر ۷ میں ہے۔ لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں تمہارے لئے میرا جانا۔ وہی فائدہ مند ہوگا۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ فارقلیط (مددگار) تمہارے پاس نہ آوے لیکن اگر میں جاؤں تو اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا (۸) وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت سے قصور وار ٹھہرائے گا۔ (۹) گناہ کے بارے میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے (۱۰) راستبازی کے بارے میں اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم پھر مجھے نہ دیکھو گے (۱۱) اور عدالت پر اس لئے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا ہے۔ (۱۲) میری اور بہت سی باتیں ہیں جن کو تم سے (اب) کہوں پر تم ان کو اب برداشت نہ کر سکو گے (۱۳) لیکن جب وہ روح حق آئے گا تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور وہ تمہیں آئندہ کی خبریں اور میری بزرگی اور جلال کو ظاہر کرے گا۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے جو آپ کا حواری یوحنا نقل کر رہا ہے۔

عیسائی فارقلیط کے منتظر رہے: حضرت عیسیٰؑ کے رفع الی السماء کے بعد سے عامۃ نصاریٰ فارقلیط کے منتظر رہے اور یہ سمجھتے تھے کہ کوئی عظیم الشان نبی مبعوث ہوگا چنانچہ منتس عیسائی نے دوسری صدی عیسوی میں یہ دعویٰ کیا کہ میں وہی فارقلیط ہوں کہ جس کی حضرت مسیح نے خبر دی بہت سے لوگ اس پر ایمان لے آئے جس کا مفصل تذکرہ ولیم میور مسیحی نے اپنی تاریخ کے تیسرے باب میں لکھا ہے اور یہ کتاب ۱۹۴۸ء میں طبع ہوئی معلوم ہوا کہ علماء یہود و نصاریٰ یہی سمجھتے تھے کہ فارقلیط سے کوئی انسان مراد ہے نہ کہ روح القدس۔

نجاشی کا ایمان: اور لب التواریخ کا مصنف جو کہ ایک مسیحی عالم ہے لکھتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل یہود و نصاریٰ ایک نبی کے منتظر تھے اور اسی وجہ سے نجاشیؒ شاہ حبشہ جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال سن کر ایمان لایا اور کہا بلا شک یہی وہ نبی ہیں جن کی حضرت مسیح نے انجیل میں خبر دی حالانکہ نجاشیؒ انجیل کا عالم ہونے کے علاوہ بادشاہ بھی تھا کسی قسم کا اس کو خوف وخطر بھی نہ تھا۔

مقوقس کا خط: اور مقوقس شاہ قبط نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والا نامہ کے جواب میں لکھا۔

سلام علیکم. اَمَّا بعد فقد قرأت کتابک وَفهمت مَا ذکرت فیه وَما تدعوا الیْه وقد علمت ان نبینا قد بقی وقد کنت اظن انهٗ یخرج بالشام وَقدْ اکرمت رسولک.

سلام ہو آپ پر اَمّا بعد! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم والا نامہ کو پڑھا اور جو کچھ آپ نے اس میں ذکر فرمایا اور جس کی طرف دعوت دی اس کو سمجھا۔ مجھ کو خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ اب صرف ایک نبی باقی رہ گیا ہے میرا گمان یہ تھا کہ وہ نبی شام میں ظاہر ہوگا اور میں نے آپ کے قاصد کا اکرام کیا۔

مقوقس اگرچہ اسلام نہ لایا مگر اتنا ضرور اقرار کیا کہ ایک نبی کا آنا باقی رہ گیا ہے۔

جارود بن علاء کی گواہی: جارود بن علاء جو اپنی قوم میں بہت بڑے عالم تھے جب اپنی قوم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے تو یہ کہا۔

والله لقد جئت بالحق ونطقت بالصدق لقد وجدت وَصفک فی الانجیل وبشربک ابن البتول. فطول التحیة لک والشکر لمن اکرمک لَا اثر بعد عین وَلَا شکَ بعد یقین مُدِّیدکَ اَشْهَدُ ان لَا اِلٰهُ اِلَا الله وَاَنَّک محمد رَسُولُ الله.

خدا کی قسم آپ حق لے کر آئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا البتہ تحقیق میں نے آپ کی صفت انجیل میں پائی ہے اور مسیح بن مریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی ہے۔ آپ کے لئے طویل وعریض تحیۂ تکریم پیش کرتا ہوں اور شکر ہے اس کے لئے جو آپ کا اکرام کرے ذات کے بعد نشان کی اور یقین کے بعد شک کی ضرورت نہیں اور یقیناً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ہرقل اور دیگر اہل علم کی گواہیاں: اور علٰی ھذا ہرقل شاہِ روم اور دوسرے ذی شوکت علماء تورات وانجیل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا اقرار کیا جس سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام انجیل میں لکھا ہوا تھا۔ جس کو دیکھ کر لوگ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی آمد سے پہلے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر تھے جن کو خدائے تعالیٰ نے توفیق بخشی اور کسی دنیوی طمع نے انکو نہ گھیرا وہ اس دولت سے متمتع ہوئے۔

انجیل مقدس اور حضرت مسیح پر ایمان

غرض انجیل یوحنا کی یہ آیت اپنے مجموعی مضمون اور تمام الفاظ وکلمات سے نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ونبوت کی بشارت سُنا رہی ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام اپنے حواریین کو نہایت وضاحت کے ساتھ فرما رہے ہیں کہ میں نے تمہیں اس کے واقع ہونے سے پیشتر کہا تا کہ جب وہ واقع ہو تو ایمان لاؤ۔

اس بناء پر ہراس شخص پر جو انجیل مقدس کو مانتا ہو اور حضرت مسیح پر ایمان رکھتا ہو۔ لازم ہے کہ وہ حضرت مسیح کے اس فرمان کی تعمیل کرے۔

کیا کسی کا یہ دعویٰ قابل قبول ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت مسیح پر ایمان رکھتا ہے اور حال یہ کہ وہ ان کے صریح حکم کے خلاف ورزی کرتے ہوئے نبی مبشر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے انکار کردے۔ ایسی صورت میں عقلاً یہ کہا جائے گا یہ شخص خود حضرت مسیح علیہ السلام کا منکر اور کافر ہے۔

لہٰذا جو شخص بھی نصاریٰ میں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ حضرت مسیح پر ایمان قائم رکھے اس کے واسطے اس کے سواء کوئی راستہ نہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ورنہ اس یہودی کو جو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ رکھتا ہو ایسے عیسائی سے کوئی امتیاز نہ ہوگا جو محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر ایمان لانے سے انکار کردے۔ انجیل برنابا میں تو یہ بشارت اس سے بھی زائد وضاحت واہتمام سے آپ کے اسم مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور احمد کی تصریح کے ساتھ مذکور ہے۔

برنا باس بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ایک حواری ہیں جس طرح ان کے حواری یوحنا۔ متی لوقا اور مرقس اپنی اپنی انجیلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام اور اس کے احوال نقل کرتے ہیں اسی طرح برنا باس نے بھی اپنی انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال کو جمع کیا ہے عیسائیوں کا اس انجیل کے الہامی ہونے سے انکار کرنا ایک بے معنی چیز ہے اس لئے کہ یہ انجیل قدیم انجیلوں میں سے ہے اس کا تذکرہ دوسری تیسری صدی عیسوی کی کتابوں میں ملتا ہے۔

اظہار الحق میں ہے کہ اگر لوگ یہ اعتراض کریں کہ اس انجیل کو علماء نصاریٰ نے رد کیا ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ اس رد کا کوئی اعتبار نہیں اس لئے کہ یہ انجیل قدیم انجیلوں میں سے ہے اس کا تذکرہ دوسری اور تیسری صدی عیسوی کی کتابوں میں ہے پس اس بناء پر کہ یہ انجیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے دو سو سال قبل لکھی گئی ہے اور اس جیسے عظیم الشان امر کی بدون الہام کے خبر دینا اہل فہم کے نزدیک ناممکن ہے۔

مہر نبوت کی نشانی: فاضل حیدر علی قرشی نے اپنی کتاب خلاصہ سیف المسلمین جوار دو زبان میں ہے میں لکھا ہے کہ پادری اور سکان ارمنی نے صحیفہ یسعیا علیہ السلام کا ارمنی زبان میں ۱۶۶۶ء میں ترجمہ کیا جو ۱۷۳۳ء میں طبع ہوا اس میں صحیفۂ یسعیاء علیہ السلام کے بیالیسویں باب میں یہ فقرہ موجود ہے ''اللہ کی تسبیح پڑھو اس آنیوالے پیغمبر کی سلطنت کا نشان اس کی پشت پر ہوگا (یعنی مہر نبوت) اور اس کا نام احمد ہوگا''۔ انتہیٰ۔ اور یہ ترجمہ آرمینیوں کے پاس موجود ہے اس میں دیکھ لیا جائے۔

ان کے علاوہ انجیل مقدس کی اور بھی بشارتیں ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ونبوت کا مژدہ خوشخبری ہیں ملاحظہ فرمائیں بشائر النبیین مصنفہ حضرت علامہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس اللہ سرہ العزیز۔۱۲۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے یاروں نے بڑی محنتیں کیں تب ان کا دین نشر ہوا ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ان کے خلفاء نے اس سے زیادہ کیا''۔ والحمد للہ علی ذالک اور اتنا کیا کہ تاریخ عالم اس پر حیران ہے۔ ان کی مدد۔ انکا اخلاص اور اللہ کی راہ میں قربانیاں تاریخ عالم میں اپنی مثال نہیں رکھتیں''۔

جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے صرف چند نام ہی ملتے ہیں اور انکی قربانیوں یا اخلاص و ہمدردی کا کوئی خاص کارنامہ بھی دنیا نے نہیں دیکھا بلکہ حضرت مسیح کے آسمان پر اُٹھا لئے جانے کے بعد ان کے تبعین دو فرقوں میں بٹ گئے ایک ایمان پر قائم رہا اور دوسرے نے انکار کردیا اور جو ایمان پر قائم رہے وہ بھی آپس میں دست وگریباں ہوتے رہے حضرت مسیح کے مخلص نام لیوا نصاریٰ یہود پر غالب رہے اور نصاریٰ کی عام گمراہی کے بعد بچے کھچے افراد صحیح عقیدہ پر قائم رہ گئے تھے ان کو حق تعالیٰ نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دوسروں پر غلبہ عنایت فرمایا۔ حجت و برہان کے اعتبار سے بھی اور قوت وسلطنت کی حیثیت سے بھی۔ فللّٰہ الحمد والمنہ۔ (معارف کاندھلوی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کی مختلف روایتیں

خازن میں بروایۃ ! ابوداؤد نجاشیؒ بادشاہ حبشہ کا جو کہ نصاریٰ کے عالم بھی تھے۔ یہ قول آیا ہے کہ واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جن کی بشارت عیسیٰؑ نے دی تھی۔ اور خازن ہی میں ترمذی سے عبداللہ بن سلام کا قول جو کہ علماء یہود میں سے تھے آیا ہے کہ توراۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت لکھی ہے اور یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدفون ہوں گے اور چونکہ عیسیٰ علیہ السلام توراۃ کے مبلغ تھے۔ اس لئے تورات میں اس بشارت کا ہونا نیز عیسیٰ علیہ السلام سے منقول کہا جاوے گا۔ اور مولانا رحمت اللہ صاحب نے اظہار الحق میں خود توراۃ کے موجودہ نسخوں سے متعدد بشارتیں نقل کی ہیں جلد دوم صفحہ ۱۶۴ مطبوعہ قسطنطنیہ اور ان مضامین کا اناجیل موجودہ میں نہ ہونا اس لئے مضر نہیں کہ حسب تحقیق علماء محققین اناجیل کے نسخے محفوظ نہیں رہے۔ مگر تاہم جو کچھ موجود ہیں ان میں بھی اس قسم کا مضمون موجود ہے چنانچہ یوحنا کی انجیل مترجمہ عربی مطبوعہ لندن ۱۸۳۱ء و ۱۸۳۳ء کے چودھویں

باب میں ہے کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آوے۔ پس اگر میں جاؤں تو اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ فارقلیط ترجمہ احمد کا ہے۔ اہل کتاب کی عادت ہے کہ وہ ناموں کا بھی ترجمہ کردیتے ہیں۔ عیسیٰ نے عبرانی میں احمد فرمایا تھا۔ جب یونانی میں ترجمہ ہوا تو پیر کلوطوس لکھ دیا۔ جس کے معنی ہیں احمد یعنی بہت سراہا گیا۔ بہت حمد کرنے والا۔ پھر جب یونانی سے عبرانی میں ترجمہ کیا تو اس کو فارقلیط کردیا۔ اور بعض عبرانی نسخوں میں اب تک نام مبارک احمد موجود ہے۔ دیکھو پادری پارکہرست کی یہ عبارت دبادحمہ خل ہکوتیم از حمایت الاسلام مطبوعہ بریلی ۱۸۷۳ء ص ۸۴۸۱ ترجمہ اپالوجی گاؤ فری ہینکنس مطبوعہ لندن ۱۸۲۹ء اور اس فارقلیط کی نسبت اس انجیل یوحنا میں یہ الفاظ ہیں۔ "وہ تمہیں سب چیزیں سکھادے گا"۔ "اس جہان کا سردار آتا ہے"۔ وہ آکر دنیا کو گناہ پر اور راستی اور عدالت (کے خلاف) پر سزا دے گا"۔ "یہ ہیں وہ الفاظ جو نبی مستقل ہونے پر دال ہیں۔ اور پوری بحث اس مقام کی تفسیر حقانی میں ہے۔ اس کا ایک شمہ نقل کیا گیا ہے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

تمام انبیاء سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اقرار لیا گیا

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کوئی نبی اللہ تعالیٰ نے ایسا مبعوث نہیں فرمایا جس سے یہ اقرار نہ لیا ہو کہ ان کی زندگی میں اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کئے جائیں تو وہ آپ کی تابعداری کرے بلکہ ہر نبی سے یہ وعدہ بھی لیا جاتا رہا کہ وہ اپنی اپنی امت سے بھی یہ عہد لے لیں۔ ایک مرتبہ صحابہؓ نے دریافت کیا کہ حضور آپ ہمیں اپنی خبر سنایئے! آپ نے فرمایا میں اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰؑ کی خوشخبری ہوں میری والدہ کا جب پاؤں بھاری ہوا تو خواب میں دیکھا کہ گویا ان میں سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے شہر بصریٰ کے محلات چمک اٹھے۔ (ابن اسحاق) اس کی سند عمدہ ہے۔ اور دوسری سندوں سے اس کے شواہد بھی ہیں۔ مسند احمد میں ہے میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین تھا دراں حالیکہ حضرت آدم اپنی مٹھی میں گندھے ہوئے تھے۔ میں تمہیں اس کی ابتدا سناؤں۔ میں اپنے والد حضرت ابراہیمؑ کی دعا حضرت عیسیٰؑ کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں' انبیاء کی والدہ کو اسی طرح خواب دکھائے جاتے ہیں۔ مسند احمد میں اور سند سے بھی اسی کے قریب روایت مروی ہے۔

نجاشی کے دربار میں: مسند کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نجاشی بادشاہ حبشہ کے ہاں بھیج دیا تھا ہم تقریباً اسی آدمی تھے۔ ہم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت جعفرؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت عثمان ابن مظعونؓ، حضرت ابوموسیٰؓ وغیرہ بھی تھے۔ ہمارے یہاں پہنچنے پر قریش نے یہ خبر پا کر ہمارے پیچھے اپنی طرف سے بادشاہ کے پاس اپنے دو سفیر بھیجے عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید ان کے ساتھ درباشاہی کے لئے تحفے بھی بھیجے۔ جب یہ آئے تو انہوں نے بادشاہ کے سامنے سجدہ کیا پھر دائیں بائیں گھوم کر بیٹھ گئے پھر اپنی درخواست پیش کی کہ ہمارے کنبے قبیلے کے چند لوگ ہمارے دین کو چھوڑ کر ہم سے بگڑ کر آپ کے ملک میں چلے آئے ہیں ہماری قوم نے ہمیں اس لئے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپ انہیں ہمارے حوالے کردیجئے۔ نجاشی نے پوچھا وہ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا یہیں اسی شہر میں ہیں۔ حکم دیا کہ انہیں حاضر کرو! چنانچہ یہ مسلمان صحابہؓ دربار میں آئے۔ ان کے خطیب اس وقت حضرت جعفرؓ تھے باقی لوگ ان کے ماتحت تھے۔ یہ جب آئے تو انہوں نے سلام تو کیا لیکن سجدہ نہیں کیا۔ درباریوں نے کہا تم بادشاہ کے سامنے سجدہ کیوں نہیں کرتے؟ جواب ملا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ نہیں کرتے۔ پوچھا گیا کیوں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول ہماری طرف بھیجا اور اس رسول نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ نہ کریں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم نماز پڑھتے رہیں' زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ اب عمرو بن عاص سے نہ رہا گیا کہ ایسا نہ ہو کہ ان باتوں کا اثر بادشاہ پر پڑے۔ درباریوں اور خود بادشاہ کو بھڑکانے کے لئے وہ بیچ میں بول پڑا کہ حضور ان کے اعتقاد حضرت عیسیٰ بن مریم کے بارے میں آپ لوگوں سے بالکل مخالف ہیں۔ اس پر بادشاہ نے پوچھا بتلاؤ تم حضرت عیسیٰ کے اور ان کی والدہ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہو۔ انہوں نے کہا ہمارا عقیدہ اس بارے میں وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ہمیں تعلیم فرمایا ہے کہ وہ کلمۃ اللہ ہیں روح اللہ ہیں جس روح کو اللہ تعالیٰ نے کنواری مریم بتول کی طرف القا کیا جو کنواری تھیں کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا نہ انہیں بچہ ہونے کا کوئی موقعہ تھا۔ بادشاہ نے یہ سن کر زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا اے حبشہ کے لوگو! اور اے واعظو عالموں اور درویشو! ان کا اور ہمارا اس بارے میں ایک ہی عقیدہ ہے' خدا کی قسم اس کے اور ہمارے عقیدے میں اس تنکے جتنا بھی فرق نہیں۔ اے جماعت مہاجرین تمہیں مرحبا ہو اور اس رسول کو بھی مرحبا ہو جن کے پاس سے تم آئے ہو۔ میری گواہی ہے کہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ وہی ہیں جنکی پیش گوئی ہم نے انجیل میں پڑھی ہے اور یہ وہی ہیں جن کی بشارت ہمارے پیغمبر حضرت عیسیٰؑ نے دی ہے۔ میری طرف سے تمہیں عام اجازت ہے جہاں چاہو رہو سہو۔ خدا کی قسم اگر ملک کے اس جھنجھٹ سے میں آزاد ہوتا تو میں قطعاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ آپ کی جوتیاں اٹھاتا۔ آپ کی خدمت کرتا اور آپ کو وضو کراتا۔ اتنا کہہ کر حکم دیا کہ یہ دونوں قریشی جو تحفہ لے آئے ہیں وہ انہیں واپس کردیا جائے۔ ان مہاجرین کرام میں سے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ تو جلد ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آملے جنگ بدر میں بھی آپ نے شرکت کی۔ اس شاہ حبشہؒ کے انتقال کی خبر بھی حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے اس کے لئے بخشش کی دعا مانگی۔ یہ پورا واقعہ حضرت جعفرؓ اور حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا

پھر جب آیا اُن کے پاس کھلی نشانیاں لے کر کہنے لگے

هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶﴾

یہ جادو ہے صریح ☆

لوگوں کا حق کو جھٹلانا ☆یعنی حضرت مسیح کھلی نشانیاں لے کر آئے یا جن کی بشارت دی تھی حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کھلے نشان لے کر آئے تو لوگ اسے جادو بتلانے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

معجزات عیسوی و محمدی علیہم السلام: فَلَمَّا جَآءَهُمْ الخ یعنی جب عیسیٰؑ نے کھلے کھلے معجزات پیش کئے مُردوں کو زندہ کیا مادرزاد اندھوں کو بینا کر دیا اور مبروص کو تندرست بنا دیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ضمیر راجع ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے معجزات پیش کئے انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے سب سے بڑھ کر دوامی معجزہ قرآن مجید پیش کیا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى

اور اس سے زیادہ بے انصاف کون جو باندھے

اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰۤى اِلَى

اللہ پر جھوٹ اور اُس کو بلاتے ہیں

الْاِسْلَامِ ؕ

مسلمان ہونے کو ☆

سب سے بڑا ظلم ☆یعنی جب مسلمان ہونے کو کہا جاتا ہے تو حق کو چھپا کر اور جھوٹی باتیں بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے انکار کر دیتے ہیں۔ وہ خدا کو بشر یا بشر کو خدا بنانے کا جھوٹ تو ایک طرف رہا' کتب سماویہ میں تحریف کر کے جو چیزیں واقعی موجود تھیں ان کا انکار کرتے اور جو نہیں تھیں ان کو درج کرتے ہیں اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

جھوٹ کے حیلے: افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ۔ دروغ بندی کرتا ہے یعنی اللہ کی طرف شرک کی یا صاحب اولاد ہونے کی نسبت کرتا ہے یا یوں کہتا ہے کہ اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اتارا یا کہتا ہے اللہ نے ہم کو حکم دیدیا ہے کہ کسی پیغمبر کو مت ماننا جب تک وہ ایسی قربانی نہ پیش کرے جس کو (غیبی) آگ (آ کر) کھا جائے یا کہتا ہے کہ موسیٰ کی شریعت دوامی شریعت ہے جو قیامت تک باقی رہے گی (کبھی منسوخ نہیں کی جائے گی)۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷﴾

اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو ☆

ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا ☆یعنی ایسے بے انصافوں کو ہدایت کہاں نصیب ہوتی ہے۔ اور ممکن ہے "لَا يَهْدِي" میں ادھر بھی اشارہ ہو کہ یہ ظالم کتنا ہی انکار اور تحریف و تاویل کریں خدا ان کو کامیابی کی راہ نہ دے گا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جن خبروں کو وہ چھپانا یا مٹانا چاہتے ہیں' چھپ یا مٹ نہ سکیں گی چنانچہ باوجود ہزاروں طرح کی قطع و برید کے آج بھی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بشارات کا ایک کثیر ذخیرہ موجود ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ

چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کی روشنی

بِاَفْوَاهِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ مُتِمُّ

اپنے منہ سے اور اللہ کو پوری کرنی ہے

نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾

اپنی روشنی اور پڑے بُرا مانیں منکر ☆

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

☆یعنی منکر پڑے برا مانا کریں اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا۔ مشیت الٰہی کے خلاف کوئی کوشش کرنا ایسا ہے جیسے کوئی احمق نور آفتاب کو منہ سے پھونک مار کر بجھانا چاہے۔ یہی حال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں کا اور ان کی کوششوں کا ہے۔ (تنبیہ) شاید "بِاَفْوَاهِهِمْ" کے لفظ سے یہاں اس طرف بھی اشارہ کرنا ہو کہ بشارات کے انکار و اخفاء کے لئے جو جھوٹی باتیں بناتے ہیں وہ کامیاب ہونے والی نہیں۔ ہزار کوشش کریں کہ "فارقلیط" آپ نہیں ہیں لیکن اللہ منوا کر چھوڑے گا کہ اس کا مصداق آپ کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔ (تفسیر عثمانی)

نُوْرَ اللّٰهِ اللہ کا دین بِاَفْوَاهِهِمْ اپنی جھوٹی باتوں اور دروغ تراشیوں سے۔ جیسے کوئی شخص سورج اور چاند کی روشنی پھونک مار کر بجھانا چاہے وہ بجھا نہیں

سکتا اسی طرح دین اسلام کو جو نور خداوندی ہے منہ کی پھونک یا جھوٹی باتوں اور افتر آء بندیوں سے نابود نہیں کیا جا سکتا اس آیت میں ایک لطیف تشبیہ ہے۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ ۔یعنی اللہ دین اسلام کو پھیلائیگا سربلندی کرے گا اور درجہ کمال تک ضرور پہنچائے گا۔ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۔ ولو۔ اگرچہ۔ خواہ۔ لو متصلہ ہے یعنی کافروں کی خوشی ہو یا نہ ہو دونوں برابر ہیں دین اسلام کو تو اللہ پھیلا کر رہے گا دین کا جھنڈا ضرور بلند کرے گا کافروں کی ناخوشی کی اس کو پرواہ نہیں۔ (تفسیر مظہری)

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى
وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول راہ کی سوجھ دے کر
وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ
اور سچا دین کہ اُس کو اوپر کرے سب دینوں سے
كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ⑨
اور پڑے برا مانیں شرک کرنے والے ☆

☆اس آیت پر سورۃ ''براءۃ'' کے فوائد میں کلام ہو چکا ہے، وہاں دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

رَسُوْلَهٗ ۔ یعنی محمد رسول اللہ کو بِالْهُدٰى یعنی قرآن اور معجزات اور وہ سامان دیکر بھیجا جس سے لوگ حق تک پہنچنے کا راستہ پالیں۔ دِيْنِ الْحَقِّ دین الٰہی ۔ اسلام لِيُظْهِرَهٗ یعنی تلوار اور دلائل کے ذریعہ سے اسلام کو غالب کر دے۔ كُلِّهٖ سب مذاہب پر۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ
اے ایمان والو میں بتلاؤں تم کو
عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ
ایسی سوداگری جو بچائے تم کو ایک عذاب
اَلِيْمٍ ⑩ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
دردناک سے ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر
وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اور لڑو اللہ کی راہ میں

بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ
اپنے مال سے اور اپنی جان سے یہ بہتر ہے
لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑪ يَغْفِرْ لَكُمْ
تمہارے حق میں اگر تم سمجھ رکھتے ہو بخشے گا وہ
ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ
تمہارے گناہ اور داخل کریگا تم کو باغوں میں
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ☆

سب سے بہتر تجارت ☆یعنی اس دین کو تمام ادیان پر غالب کرنا تو اللہ کا کام ہے۔ لیکن تمہارا فرض یہ ہے کہ ایمان پر پوری طرح مستقیم رہ کر اس کے راستہ میں جان و مال سے جہاد کرو۔ یہ وہ سوداگری ہے جس میں کبھی خسارہ نہیں۔ دنیا میں لوگ سینکڑوں طرح کے بیوپار اور تجارتیں کرتے ہیں اور اپنا کل سرمایہ اس میں لگا دیتے ہیں۔ محض اس امید پر کہ اس سے منافع حاصل ہونگے اور اس طرح راس المال گھٹنے اور تلف ہونے سے بچ جائیگا۔ پھر وہ بذات خود اور اس کے اہل وعیال تنگدستی وافلاس کی تلخیوں سے محفوظ رہیں گے لیکن مؤمنین اپنے جان و مال کا سرمایہ اس اعلیٰ تجارت میں لگائیں گے تو صرف چندروزہ افلاس سے نہیں' بلکہ آخرت کے دردناک عذاب اور تباہ کن خسارہ سے مامون ہو جائیں گے اگر مسلمان سمجھتے تو یہ تجارت دنیا کی سب تجارتوں سے بہتر ہے۔ جس کا نفع کامل مغفرت اور دائمی جنت کی صورت میں ملے گا جس سے بڑی کامیابی اور کیا ہوسکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ دنیوی تجارت محتاجی اور بھوک کے عذاب سے بچاتی ہے میں تم کو ایسی تجارت بتاتا ہوں جو آخرت کے دردناک عذاب سے بچانے والی ہے۔

ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔ نازل ہوئی تو مسلمانوں نے کہا وہ تجارت کونسی ہے جو دردناک عذاب سے بچانے والی ہے اگر ہم کو معلوم ہو جاتا تو ہم اس کے لئے اپنے مال اور اہل وعیال کی قربانی دینے سے دریغ نہ کرتے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ الخ یہ تجارت کی تشریح ہے ایمان اور جان و مال سے اللہ

کی راہ میں جہاد ان دونوں کا مجموعہ تجارت ہے تجارت لین دین کا نام ہے مال اور جان کو دیکر آخرت کی راحت اور اللہ کی خوشنودی کا حصول یہ بھی تجارتی مبادلہ ہوا باطل عقائد کو ترک کر کے سچے علم یعنی ایمان کو لینا بھی بڑی نفع بخش تجارت ہے تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ الخ۔ جملہ خبریہ ہے (تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو اور اسکی راہ میں جہاد کرتے ہو) لیکن خبر سے مراد ہے امر (جو انشاء کی ایک قسم ہے) یعنی حکم دینا۔

نکتہ: حکم کو بصورت خبر ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ چیز قابل ترک نہیں اس سے صحابہ کی تعریف بھی مترشح ہوتی ہے کہ تم لوگ ایمان رکھتے اور جانی و مالی جہاد کرتے ہو۔

ذٰلِكُمْ ۔ یعنی ایمان و جہاد کا مجموعہ خَيْرٌ لَّكُمْ یعنی خواہشات کی پیروی کرنے اور جان و مال کو راہ خدا میں خرچ نہ کرنے سے بہتر ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو تو سمجھو اور یہ تجارت کرو۔ اسکو نہ چھوڑو۔ (تفسیر مظہری)

وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ
اور ستھرے گھروں میں بسنے کے باغوں کے اندر ☆

☆ یعنی وہ ستھرے مکانات ان باغوں کے اندر ہوں گے جن میں مؤمنین کو آباد ہونا ہے۔ یہ تو آخرت کی کامیابی رہی۔ آگے دنیا کی اعلیٰ اور انتہائی کامیابی کا ذکر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جَنّٰتِ عَدْنٍ ۔ عدن کا معنی ہے قیام کرنا ٹھہرنا استقرار۔ عَدَنَ بِمَكَانِ كذا فلاں جگہ ٹھہر گیا۔ معدن جواہرات کا مستقر۔

جنتیوں کی تعداد: قرطبی نے لکھا ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے جنتیں سات ہیں۔ دارالجلال۔ دارالسلام۔ دارالخلد۔ جنت عدن۔ جنت الماویٰ۔ جنت نعیم۔ جنت الفردوس۔ بعض اقوال میں ایا ہے کہ جنتیں چار ہیں جن کا ذکر آیت قرآنی میں آیا ہے۔ ارشاد فرمایا۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۔ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۔

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو جنتیں چاندی کی ہیں جن کی عمارتیں اور سارا سامان چاندی کا ہے اور دو جنتیں سونے کی ہیں جن کی عمارتیں اور سارا سامان سونے کا ہے اور جنت عدن میں رب کی طرف دیکھنے سے مانع صرف عظمت الٰہی کی چادر ہوگی جو رب کے چہرہ پر ہوگی (بظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت عدن چاروں جنتوں سے الگ کوئی جنت ہے لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ) چاروں جنتوں کی صفت ماوی بھی ہے اور خلد بھی اور عدن بھی اور السلام بھی (یعنی چاروں جنتوں میں سے ہر جنت کو خلد بھی کہا جاتا ہے اور ماوی بھی اور عدن بھی اور السلام بھی) حکیم ترمذی نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔

چار چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنائیں

ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ چار چیزیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنائیں عرش اور عدن اور قلم اور آدم۔ پھر ہر چیز کو خطاب کر کے فرمایا ہو جا وہ فوراً ہوگئی۔

ستھرے گھر: ابن مبارک، طبرانی، ابوالشیخ اور بیہقی حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا موتی کا ایک قصر ہے قصر کے اندر یاقوت سرخ کے (ستر) مکان ہیں، ہر مکان کے اندر زمرد سبز کے ستر کمرے ہیں ہر کمرے میں ایک تخت بچھا ہوا ہے ہر تخت پر ستر قسم کا کھانا ہے۔ ہر کمرے کے اندر خادم اور خادمہ۔ مؤمن کو ہر صبح یہ تمام کھانا (ہر کمرے میں) ملے گا۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ وَاُخْرٰى
یہ ہے بڑی مراد ملنی اور ایک اور چیز دے
تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ
جس کو تم چاہتے ہو مدد اللہ کی طرف سے
وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ
اور فتح جلدی ☆

اصلی کامیابی ☆ یعنی اصلی اور بڑی کامیابی تو وہ ہی ہے جو آخرت میں ملے گی جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت کوئی چیز نہیں لیکن دنیا میں بھی ایک چیز جسے تم طبعاً محبوب رکھتے ہو دی جائے گی وہ کیا ہے "نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ" (اللہ کی طرف سے ایک مخصوص امداد اور جلد حاصل ہونے والی فتح وظفر، جن میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ دامن کا تعلق رکھتی ہے) دنیا نے دیکھ لیا کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے ساتھ یہ وعدہ کیسی صفائی سے پورا ہوا اور آج بھی مسلم قوم اگر سچے معنی میں ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ پر ثابت قدم ہو جائے تو یہی کامیابی ان کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ ۔ یعنی گناہوں کی مغفرت اور جنت میں داخلہ۔

اَلْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔ اتنی بڑی کامیابی ہے کہ دوسری ہر کامیابی اس کے مقابلے میں حقیر ہے۔

وَاُخْرٰى ۔ یعنی جلد ملنے والی ایک نعمت اور ہے۔

تُحِبُّوْنَهَا۔ تم اس کو پسند کرتے ہو۔ اس فقرہ میں اس بات پر تعریض ہے کہ تم کو فوری جلد ملنے والی نعمت پسند ہے۔

فتوحات کی خوشخبری: نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ الخ۔ یعنی اللہ کی طرف سے قریش کے خلاف مدد اور مکہ کی فتح یا خیبر کی فتح۔ عطاء نے کہا روم اور فارس کی فتح مراد ہے میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ عام فتح و نصرت مراد ہے کیوں کہ بندہ کی کوشش اور جہاد کے ذریعہ سے من جانب اللہ ہر نصرت و فتح حاصل ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾
اور خوشی سُنا دے ایمان والوں کو ☆

☆ کیونکہ یہ خوشخبری سنانا ایک مستقل انعام ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی اپنی قریبی فتح و نصرت کی جس کا اللہ نے وعدہ کیا ہے مسلمانوں کو بشارت دید یجئے۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ
اے ایمان والو تم ہو جاؤ مددگار اللہ کے ☆

اللہ کی مدد ☆ یعنی اس کے دین اور اس کے پیغمبر کے مددگار بن جاؤ۔ اس حکم کی تعمیل خدا کے فضل و توفیق سے مسلمانوں نے ایسی کی کہ ان میں سے ایک جماعت کا تو نام ہی ''انصار'' پڑ گیا۔ (تفسیر عثمانی)

كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ
جیسے کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے
لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى
اپنے یاروں کو کون ہے کہ مدد کرے میری
اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ
اللہ کی راہ میں بولے یار ہم ہیں
اَنْصَارُ اللّٰهِ
مددگار اللہ کے ☆

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ☆ ''حواریین'' (یاران مسیح) تھوڑے سے تو گنے چنے آدمی تھے جو اپنے نسب و حسب کے اعتبار سے کچھ معزز نہیں سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے حضرت مسیح کو قبول کیا اور ان کی دعوت کو بڑی قربانیاں کر کے دیار و امصار میں پھیلایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے یاروں نے بڑی محنتیں کی ہیں تب ان کا دین نشر ہوا۔ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بھی خلفاءؓ نے اس سے زیادہ کیا''۔ والحمدللہ علی ذلک۔ (تفسیر عثمانی)

اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے دین کی مدد کے لئے۔

قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ۔ حواری وہ بارہ آدمی تھے جو حضرت عیسیٰؑ پر سب سے پہلے ایمان لائے تھے حواریوں کی مزید تحقیق سورۂ آل عمران میں گذر چکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ
پھر ایمان لایا ایک فرقہ بنی
اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ
اسرائیل سے اور منکر ہوا ایک فرقہ
فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى
پھر قوت دی ہم نے اُن کو جو ایمان لائے تھے
عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾
اُنکے دشمنوں پر پھر ہو رہے غالب ☆

قوم عیسیٰ میں فرقہ بندی اور حق والوں کی کامیابی

☆ یعنی ''بنی اسرائیل'' میں دو فرقے ہو گئے۔ ایک ایمان پر قائم ہوا۔ دوسرے نے انکار کیا۔ پھر حضرت مسیحؑ کے بعد آپس میں دست و گریبان رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اس بحث و مناظرہ اور خانہ جنگیوں میں مؤمنین کو منکرین پر غالب کیا۔ حضرت مسیحؑ کے نام لیوا (نصاریٰ) یہود پر غالب رہے اور نصاریٰ میں سے ان کی عام گمراہی کے بعد جو بچے کھچے افراد صحیح عقیدہ پر قائم رہ گئے تھے ان کو حق تعالیٰ نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دوسروں پر غلبہ عنایت فرمایا۔ حجت و برہان کے اعتبار سے بھی اور قوت و سلطنت کی حیثیت سے بھی۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ۔ یعنی حضرت عیسیٰؑ کے اٹھائے جانے کے بعد اہل ایمان کو ان کے دشمنوں پر دلائل کے ساتھ یا بصورت جنگ اللہ نے غالب کر دیا اور وہ مغلوب ہو گئے۔ بغوی نے حضرت ابن

عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے اٹھائے جانے کے بعد ان کی قوم کے تین فرقے بن گئے ایک فرقہ نے کہا عیسیٰؑ خدا تھے جو اوپر چلے گئے دوسرے فرقہ نے عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہا اور کہا ان کے باپ نے ان کو اٹھا لیا تیسرے فرقہ نے کہا وہ اللہ کے بندے اور رسول تھے ہر فرقہ جدا جدا ہو گیا۔ اور دو فرقے ہو گئے ایک فرقہ مؤمن رہا اہل ایمان اور اہل کفر کا خوب جدال وقتال ہوا دونوں کا فر فرقے اہل ایمان پر غالب آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک غالب رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مؤمن فرقہ کو کافروں پر غلبہ حاصل ہوا۔ یہی مراد ہے آیت فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ ۔ کا۔

بغوی نے بروایت مغیرہ ابراہیم کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ پر جو لوگ ایمان لائے ان کی دلیل غالب آ گئی کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰؑ کے کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہونے کی تصدیق کی۔ میں کہتا ہوں کہ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ پر فَاٰمَنَتْ کا اور فَاَيَّدْنَا کا اور فَاَصْبَحُوْا کا عطف ف کے ذریعہ سے ہے اور ف محض تعقیب بلا مہلت پر دلالت کرتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ حضرت عیسیٰؑ کے زمانے کے بعد بلا تاخیر ایمان لے آئے اور بعض نے انکار کر دیا پھر ایمان لانے کے فوراً بعد اللہ نے مومنوں کی تائید کی اور کافروں پر ان کو غالب کر دیا خلاصہ یہ ہے کہ حواریوں کے قول کے بعد بلا تاخیر مومنوں پر غلبہ ہو گیا (اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کافروں کا مؤمنوں پر غلبہ تھا اور بعثت محمدیہؐ کے بعد اہل ایمان اہل کفر پر غالب ہو گئے۔ واللہ اعلم۔　　(تفسیر مظہری)

غلبہ حق عہد بہ عہد: حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ ازالۃ الخفاء ج اص ۲۴۷ میں فرماتے ہیں ”اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب فرمائے گا سو یہ بات علیٰ وجہ الاکمل والاتم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سعادت میں پائی گئی اور اس کی تکمیل آپ کے بعد خلفائے راشدین کے دور مسعود میں ہوئی کہ مسلمانوں نے بڑے بڑے جہاد کئے اور فتوحات حاصل کیں یہی صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوارئین کے ساتھ ہوئی کہ انہیں بھی غلبہ بعد میں ہی حاصل ہوا۔

قتادہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ بفضلہٖ تعالیٰ ایسا ہی یہ واقعہ بھی ہوا۔ مدینہ کے ستر اشخاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف با سلام ہوئے اور جمرۂ عقبہ کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی اور آپ کی نصرت واعانت کا عہد کیا چنانچہ انہوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور اللہ کے پیغمبر کی جان و مال سے مدد کی جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو غلبہ عطا کیا اور یہ گروہ انصار کے نام سے پکارا گیا۔ دنیا میں ان کے سوا کسی قبیلہ اور گروہ کا نام آسمان سے انصار تجویز ہو کر نہیں اترا سوائے ان حضرات انصار کے۔

سیرت کی روایات میں ہے کہ اس بیعت عقبہ کے موقعہ پر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہم اللہ کی عبادت کریں اور آپ کی اطاعت ونصرت کریں تو ہمیں کیا ملے گا فرمایا دنیا میں فتح وظفر اور آخرت میں جنت۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے ایسا ہی کر دکھایا اور بے شک اللہ نے ان کو اس کی یہی جزاء دی۔

بعثت نبوی کا مقصد: بارگاہ خداوندی سے جب مذاہب باطلہ کو مغلوب کرنے اور دین حق کو غالب کرنے کا ارادہ ہوا تو سرزمین حجاز میں ایک نبی پیدا فرمایا۔ کیونکہ سرزمین حجاز نہ تو کسریٰ کے تصرف میں تھی اور نہ ہی قیصر کے تصرف میں۔ اسلئے حق تعالیٰ شانہٗ نے اس سرزمین کو دین حق کی بادشاہت کے لئے منتخب فرمایا تاکہ اس علاقہ سے ظاہر ہونے والا دین کسی سابق بادشاہت اور مادی طاقت سے مغلوب ومرعوب نہ ہو اور اسی سرزمین سے حق کی بادشاہت قائم ہو کر دنیا کی دو عظیم طاقتوں قیصر وکسریٰ کو نشانہ بنایا جائے اور جب یہ دو سلطنتیں پامال ہو جائیں گی دوسرے باطل مذاہب خود بخود پامال ہو جائیں گے۔

قصرِ ہدایت کی بنیاد: بعثت نبوی کا یہی مقصد تھا۔ اللہ رب العزت نے اس مقصد کی تعمیل کے لئے دین حق کی بنیادیں مضبوط کیں اور جزیرہء عرب میں سوائے اسلام کے اور کوئی مذہب باقی نہ رہا قصر ہدایت کی بنیادیں اور مکمل ہو گئیں اور کچھ عمارت بھی بن گئی کہ اسی حالت میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملاء اعلیٰ اور رفیق اعلیٰ سے لحوق واتصال کی دعوت آ پہنچی اور اللھم الرفیق الاعلیٰ فرماتے ہوئے اپنے رب سے جا ملے۔

تکمیل غلبہ: تو پھر اس دین حق کے غلبہ کی تکمیل آپ کے جانشینوں کے ہاتھوں پر ہوئی تاکہ جو ارادۂ الٰہیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ضمن میں لپٹا ہوا تھا وہ آپ کے خلفاء کے ہاتھوں پورا ہو۔ سو الحمد للہ خلفائے راشدین کے ہاتھوں قیصر وکسریٰ کی سلطنتیں درہم برہم ہوئیں اور عیسائیت و مجوسیت مغلوب ہو کر مقہور ہوئی اور اس طرح دین حق ظاہر و غالب اور روشن ہوا۔ واللہ الحمد حمداً کثیراً۔　　(معارف کاندھلوی)

الحمد للہ سورۃ صف ختم ہوئی

جس نے خواب میں اس سورہ کو پڑھا اس کے لئے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کی بھلائیاں جمع کردے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ
سورۂ جمعہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اسکی گیارہ آیتیں ہیں اور دو رکوع
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں میں
وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ
اور جو کچھ کہ ہے زمین میں بادشاہ پاک ذات
الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۱ هُوَ الَّذِيْ
زبردست حکمتوں والا وہی ہے جس نے
بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ
اُٹھایا اَن پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا
يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ
پڑھ کر سُناتا ہے اُن کو اُس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَ
اور سکھلاتا ہے اور اُن کو کتاب اور عقلمندی اور
اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ
اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے تھے صریح
مُّبِيْنٍ ۝۲
بھول میں ☆

جس نے مردوں کو مسیحا کردیا ☆ "اُمِّيّٖنَ" (ان پڑھ) عرب کو کہا۔ جن میں علم و ہنر کچھ نہ تھا نہ کوئی آسمانی کتاب تھی۔ معمولی لکھنا پڑھنا بھی بہت کم آدمی جانتے تھے۔ ان کی جہالت و وحشت ضرب المثل تھی۔ خدا کو بالکل بھولے ہوئے تھے۔ بت پرستی اوہام پرستی اور فسق و فجور کا نام "ملت ابراہیمی" رکھ چھوڑا تھا اور تقریباً ساری قوم صریح گمراہی میں پڑی بھٹک رہی تھی۔ ناگہاں اللہ نے اسی قوم میں سے ایک رسول اٹھایا جس کا امتیازی لقب "نبی اُمّی" ہے۔ لیکن باوجود اُمّی ہونے کے اپنی قوم کو اللہ کی سب سے زیادہ عظیم الشان کتاب پڑھ کر سناتا اور عجیب و غریب علوم و معارف اور حکمت و دانائی کی باتیں سکھلا کر ایسا حکیم و شائستہ بناتا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے حکیم و دانا اور عالم و عارف اس کے سامنے زانوائے تلمذ تہ کرتے ہیں (تنبیہ) اس طرح کی آیت سورۃ "بقرہ" اور "آل عمران" میں گزر چکی ہے۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کرلئے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

الْقُدُّوْسِ۔ ہر اُس وصف سے جو اس کی شان کے لئے زیبا نہیں پاک ہے۔ الْعَزِيْزِ۔ اپنی حکمت میں بڑا زبردست ہے۔

حکیمانہ صنعت: الْحَكِيْمِ۔ اپنی صنعت میں حکمت والا ہے یعنی کائنات کی ہر چیز اللہ کی ہستی (اور اس کی وحدانیت) پر دلالت کرتی ہے اور ظاہر کرتی ہے کہ اس کو بنانے والا ہر ناز یبا شئ (یعنی عیب و نقص و کمزوری) سے پاک وصاف ہے۔ نیز یہ کہ ہر چیز خواہ وہ نبات ہو یا جماد ایک خاص نوعیت کی زندگی اور نوعی شعور کی حامل ہے اور اپنی نوعی زبان میں اللہ کی وحدانیت کا اقرار کررہی ہے اور اس کا بے عیب ہونا بیان کررہی ہے لیکن (اے انسانو!) تم اس کی تسبیح قولی کو نہیں سمجھتے۔

الْاُمِّيّٖنَ۔ سے مراد ہے عرب کیوں کہ ان میں اکثر ناخواندہ تھے۔

مِّنْهُمْ۔ یعنی پیغمبر بھی ان امیوں میں سے ایک امی تھے مطلب یہ کہ ان کی طرح ناخواندہ تھے۔

اٰيٰتِهٖ۔ یعنی باوجود ناخواندہ ہونے کے اللہ کا کلام اور اس کی بھیجی ہوئی آیات سناتے ہیں۔

وَيُزَكِّيْهِمْ۔ یعنی شرک سے اور گندے افکار و اعمال سے ان کو پاک کرتے ہیں۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ۔ یعنی ان کو قرآن کی تعلیم دیتے ہیں جو ایسا بلیغ ہے کہ سارے انس و جن مل کر اگر اس کے مثل کلام بنانے کی کوشش کریں تب بھی عاجز رہیں گے۔ وَالْحِكْمَةَ۔ یعنی محکم شریعت جو (ناقابل نسخ ہے اور) دوسرے انبیاء کی شریعتوں کی تائید کررہی ہے یعنی آسمانی کتابوں کے اصول کے مطابق ہے اور یہ اصول وہی ہیں جن کی شہادت تمام کتب سماویہ میں دی گئی ہے۔

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ الخ۔ بلاشبہ عرب بعثت نبوی سے پہلے کھلی گمراہی

میں تھے۔ یعنی پتھروں کو پوجتے تھے مردار کھاتے تھے ان کے عقائد واقوال کی تائید نہ عقل سے کی جاسکتی تھی نہ کسی صحیح نقل سے نہ درایت اس کو قبول کرتی تھی نہ روایت اسکی صحت کی شہادت دیتی تھی۔ (تفسیر مظہری)

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ۔ اُمیین' اُمی کی جمع ہے۔ ناخواندہ شخص کو کہا جاتا ہے' عرب کے لوگ اس لقب سے معروف ہیں' کیونکہ ان میں نوشت وخواند کا رواج نہیں تھا بہت کم آدمی لکھے پڑھے ہوتے تھے۔ اس آیت میں حق تعالیٰ کی عظیم قدرت کے اظہار کے لئے خاص طور پر عربوں کے لئے یہ لقب اختیار فرمایا۔ اور یہ بھی کہ جو رسول بھیجا گیا وہ بھی انہی میں سے ہے یعنی اُمی ہے' اس لئے یہ معاملہ بڑا حیرت انگیز ہے کہ قوم ساری امی اور جو رسول بھیجا گیا وہ بھی اُمی' اور جو فرائض اس رسول کے سپرد کئے گئے جن کا ذکر اگلی آیت میں آرہا ہے وہ سب علمی تعلیمی اصلاح ایسے ہیں کہ نہ کوئی اُمی ان کو سکھا سکتا ہے اور نہ اُمی قوم اُن کو سیکھنے کے قابل ہے۔

یہ صرف حق تعالیٰ جل شانہٗ کی قدرت کاملہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز ہی ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تعلیم واصلاح کا کام شروع فرمایا تو انہیں اُمیین میں وہ علماء اور حکماء پیدا ہوگئے جن کے علم و حکمت' عقل و دانش اور ہر کام کی عمدہ صلاحیت نے سارے جہان سے اپنا لوہا منوالیا۔ (معارف مفتی اعظم)

یوم جمعہ کی عظمت: یوم جمعہ قدیم تاریخ قبل از اسلام یوم العروبہ کہلایا جاتا تھا۔ اسلام نے اس دن کا نام یوم الجمعہ رکھا۔ یہ لفظ جمع سے مُشتق ہے اس دن میں متعدد وجوہ سے جمعیت کا مفہوم پایا جاتا ہے اس کی وجہ تسمیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی نقل کیا گیا فرمایا کہ ان فیه جمعت طینة ابیکم آدم۔ یعنی اس روز تمہارے باپ آدمؑ کی مٹی روئے زمین کے مختلف طبقوں کی جمع کی گئی یہ بھی وجہ ہوسکتی ہے۔ کائنات کی تخلیق جو چھ روز میں ہوئی اس پر مکمل ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے سلمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا یا سلمان ما یوم الجمعہ۔ کہ اے سلمان یوم جمعہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ ورسولہٗ اعلم۔ آپ نے فرمایا۔ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ نے تمہارے ماں باپ (آدم وحوا) کو جمع فرمایا۔ (جبکہ ان کو زمین پر اتار دیا گیا تھا)۔

ایک حدیث میں ہے **وفیه خلق آدم وفیه ادخل الجنة وفیه اخراج منها وفیه تقوم الساعة. وفیه ساعة لا یوافقها عبد مؤمن یسال الله خیرا الّا عطاهٗ ایاه** کہ اسی دن آدم کو پیدا کیا گیا اسی میں ان کو جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن انکو جنت سے زمین پر اتارا گیا تاکہ خلافۃ اللہ فی الارض کا عظیم منصب عطا ہو اور اس ارادہ الٰہیہ کی تکمیل ہو جس کا اظہار ملائکہ کے سامنے فرمایا گیا تھا۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً اور اسی منصب کی عظمت ومنزلت کے ظاہر کرنے کے لئے ملائکہ کو آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ کا حکم دیا گیا تھا الغرض اس طرح جنت سے زمین پر اترنا بھی ایک بڑی عظمت ومنقبت کی تکمیل تھی جو جمعہ کے روز ہوئی اور فرمایا اسی روز قیامت قائم ہوگی اور اس میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس میں مومن بندہ جو کچھ بھی اللہ سے مانگے اللہ اس کو ضرور عطا کرتا ہے۔

جمعہ کے دن غسل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر مسلمان پر اللہ کا یہ حق ہے کہ ہر سات روز میں ایک دن (یوم جمعہ) غسل کرے اپنے بدن اور سر کو خوب دھوئے جمعہ کی عظمت وفضیلت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ جمعہ کی نماز ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ صحیح مسلم جلد ا۔

جمعہ نماز کا ثواب: اوس بن اوس الثقفی بیان کرتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے جس شخص نے جمعہ کے روز غسل خوب نظافت وصفائی سے کیا اور صبح جلدی ہی مسجد کے لئے روانہ ہوا اور اول وقت ہی پہنچ گیا اور پیدل چلا کسی سواری پر سوار ہوکر نہیں چلا اور امام کے قریب بیٹھا اور اس کے خطبہ توجہ سے سنا کوئی لغو کام نہیں کیا تو اس شخص کے لئے ہر قدم پر جو اس نے اٹھایا ہے ایک سال کے روزوں اور قیام الیل کا اجر ملے گا۔ امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن فرمایا۔

اذان کے وقت خرید وفروخت حرام: **اِذا نودی للصلوٰة مِن یوم الجمعة** کی تفسیر میں زہری سے منقول ہے بیان کرتے ہیں کہ سائب بن یزید نے فرمایا جمعہ کے روز پہلی اذان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس وقت ہوتی تھی جب امام خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھتا یہی دستور ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں رہا۔ جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا اور فتوحات کی وجہ سے مسلمانوں کی تعداد بہت زائد ہوگئی تھی تو عثمان غنیؓ نے مقام زوراء پر ایک اذان کا اضافہ فرمایا۔ (جو خطبہ کی اذان سے پہلے ہوتی ہے) تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ حرمت کے بیع کا جو حکم اذان جمعہ پر نازل ہوا تھا اب وہ اسی اذان پر ہوگا جو قبل از خطبہ ہوتی ہے اور اس کو حضرت عثمان غنیؓ نے اضافہ فرمایا۔ کیونکہ اذا نودی کا عموم اور اطلاق چاہتا ہے۔

گویا حضرت عثمان غنیؓ کا اس اذان کا اضافہ کرنا قرآن کریم کے الفاظ سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ وہ خلفاء راشدین میں سے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا حکم اور سنت شریعت کا قانون ہے علاوہ ازیں جملہ صحابہ نے اس عمل کو درست قرار دیا تو صحابہ کا اجماع بھی قانونِ شریعت ہے نص قرآنی سے جس اذان جمعہ پر بیع وشراء ترک کرنے کا حکم ہے یہی اذان ہوگی

جوشروع میں اضافہ کی گئی۔ اس بناء پر تمام آئمہ اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ پہلی اذان جمعہ کے بعد ہر قسم کا کاروبار بیع وشراء حرام ہے اور جس اہمیت و تاکید اور نصیحت کے انداز میں قرآن کریم نے دکانیں بند کر دینے کو اور خرید و فروخت روک دینے کو فرمایا ہے اس کے ہوتے ہوئے یہ ممکن نہیں کہ اذان جمعہ کے بعد کسب معاش میں مشغولی کو حلال رزق شمار کیا جائے اس وجہ سے اس کی حرمت پر امت کا اجماع ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ

اور اُٹھایا اس رسول کو ایک دوسرے لوگوں کے واسطے بھی انہی میں سے جو ابھی نہیں ملے اُن میں

بعد میں آنیوالی مسلمان قومیں ☆ یعنی یہ ہی رسول دوسرے آنے والے لوگوں کے واسطے بھی ہے جن کو مبدا و معاد اور شرائع سماویہ کا پورا اور صحیح علم نہ رکھنے کی وجہ سے ان پڑھ ہی کہنا چاہئے۔ مثلاً فارس، روم، چین اور ہندوستان وغیرہ کی قومیں جو بعد کو امیین کے دین اور اسلامی برادری میں شامل ہو کر ان ہی میں سے ہو گئیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ ”حق تعالیٰ نے اول عرب پیدا کئے اس دین کے تھامنے والے، پیچھے عجم میں ایسے کامل لوگ اٹھے“۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ: حدیث میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ”وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ“ کی نسبت سوال کیا گیا تو سلمان فارسیؓ کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اگر علم یا دین ثریا پر جا پہنچے گا تو (اسکی قوم فارس کا مرد وہاں سے بھی لے آئیگا) شیخ جلال الدین سیوطیؒ وغیرہ نے تسلیم کیا ہے کہ اس پیشین گوئی کے بڑے مصداق حضرت امام اعظم ابو حنیفۃ النعمان ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (تفسیر عثمانی)

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ۔ اس کا عطف يُعَلِّمُهُمْ کی ضمیر مفعول پر ہے یعنی ان لوگوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی وہ تعلیم دیتے ہیں اور یہ دوسرے لوگ بھی اول لوگوں میں سے ہی ہیں یعنی انہیں کے ہم مذہب ہیں اور انہی کی راہ پر چلنے والے ہیں۔

اہل عجم: مرو بن سعید بن جبیر اور لیث کی روایت میں مجاہد کا قول آیا ہے کہ اس سے مراد عجمی لوگ ہیں کیوں کہ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے سلمان فارسی بھی ہمارے ساتھ تھے اتنے میں سورت جمعہ نازل ہوئی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (آیت) وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ تلاوت فرمائی تو ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کون لوگ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوٹا کر کوئی جواب نہیں دیا اس شخص نے جب دو یا تین بار سوال کیا تو سلمان فارسی کے اوپر ہاتھ رکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ایمان ثریا کے پاس (یعنی آسمان پر) ہوگا تو ان کے (یعنی ان کی قوم کے) کچھ لوگ اسکو پالیں گے۔ متفق علیہ۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں اگر دین ثریا کے پاس بھی ہوگا تب بھی اہل فارس میں سے کوئی شخص (یا فرمایا کچھ لوگ) وہاں تک جا پہنچے گا۔ اور اس کو پالیگا۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ فارس کے کچھ آدمی بھی ایسی فضیلت کے حامل ہونگے کہ ان کا شمار ان (برگزیدہ) لوگوں میں ہوگا جو آیت وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ میں مراد ہیں آیت کے عموم کا اقتضاء یہ نہیں ہے کہ صرف اہل فارس مراد ہوں۔

سلسلہ نقشبندیہ کے اکابرین: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رِجَال مِنْ هٰؤُلَآءِ ابناء فارس فرمایا شاید ان سے مراد ہوں نقش بندی سلسلہ کے اکابر۔ اکابر نقشبندیہ بخارا اور سمرقند کے باشندے تھے اور طریقت میں ان کی نسبت حضرت سلمان۔ فارسی سے ہے کیوں کہ ان کا انتساب حضرت جعفر صادق سے ہے اور حضرت جعفر کا تعلق قاسم بن محمد سے اور قاسم کی نسبت حضرت سلمان سے ہے اور حضرت سلمان کا طریق تعلق حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اور حضرت ابوبکرؓ کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ۔ یعنی آنے والے لوگوں نے ان کو یعنی صحابہ کو ابھی نہیں پایا ابھی وہ پیدا نہیں ہوئے لیکن صحابہ کے بعد ہو جائیں گے۔

ہوسکتا ہے کہ ماضی میں نفی لحوق کا تحقق اکثریت کے لحاظ سے اور مستقبل میں توقع لحوق بعض افراد کے لحاظ سے ہے یعنی امید ہے کہ آنیوالے بعض افراد خواہ ہزار برس کے بعد آئیں اتباع رسول کی پابندی کی وجہ سے قرن اوّل کے درجہ تک پہنچ جائیں گے۔

گویا اس میں اشارہ ہے حضرت مجدد الف ثانی اور آپ کے خلفاء کاملین کی طرف جو رسول اللہ کی انتہائی متابعت کی وجہ سے کمالات رسالت تک پہنچ گئے اور وہ تمام مراتب ان کو حاصل ہو گئے جو اولوالعزم اصحاب خلت وملت اور فائزین بدرجۂ محبوبیت کے فضائل کا مجموعہ تھے صحابہ کے بعد حضرت مجدد اور آپ کے خلفاء کے سوا صدر اول کے مرتبہ کو اور کوئی نہیں پہنچا اور یہ حضرات پہنچ گئے تو گویا صحابہ کے مشابہ ہو گئے پس ان کی وجہ سے امت اسلامیہ مرحومہ کی مثال اس بارش کی ایسی ہوگئی جس کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا اول حصہ (افادیت میں) بہتر ہے یا آخری حصہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے کہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کا اول حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ یا اس باغ کی طرح ہے کہ ایک سال اس کے پھل ایک حصہ میں آئے اور ایک سال دوسرا حصہ پھلا تو شاید آخری سال پھلنے والا ٹکڑا زیادہ لمبا چوڑا اور حسین ہو۔ رواہ رزین۔

تمام مسلمان: لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ ۔ کے معنی جو ابھی تک اُن لوگوں یعنی اُمیین کے ساتھ نہیں ملے ۔ مراد ان سے وہ تمام مسلمان ہیں جو قیامت تک اسلام میں داخل ہوتے رہیں گے۔ (کما روی عن ابن زید ومجاہد وغیرہما) اس میں اشارہ ہے کہ قیامت تک آنے والے مسلمان سب کے سب مؤمنین اولین یعنی صحابہ کرام ہی کے ساتھ ملحق سمجھے جائیں گے' یہ بعد کے مسلمانوں کیلئے بڑی بشارت ہے (روح)۔ (معارف مفتی اعظم)

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٣﴾
اور وہی ہے زبردست حکمت والا ☆

عرب وعجم کی تعلیم کا حکیمانہ انتظام ☆ جس کی زبردست قوت و حکمت نے اس جلیل القدر پیغمبر کے ذریعہ سے قیامت تک کے لئے عرب و عجم کی تعلیم وتزکیہ کا انتظام فرمایا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الْعَزِيزُ ۔ یعنی وہی زبردست طاقت رکھتا ہے اس امر کی کہ ایک امی آدمی کو ایسے امر عظیم پر جس کی مثال پیش کرنے سے دوسرے عاجز ہوں قدرت عطا فرما دے اور اس کام میں اس کی مدد کرے۔ الْحَكِيمُ وہ حکمت والا ہے کہ دوسرے انسانوں کو نظر انداز کر کے ایک خاص شخص کو پیغمبری کے لئے منتخب کر لینے کا اختیار رکھتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ
یہ بڑائی اللہ کی ہے دیتا ہے
يَّشَاءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٤﴾
جس کو چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے ☆

عظیم الشان پیغمبر کی قدر کرو ☆ یعنی رسول کو یہ بڑائی دی اور اس امت کو اتنے بڑے مرتبہ والا رسول دیا فللہ الحمد والمنۃ علی ما انعم۔ چاہیے کہ مسلمان اس انعام واکرم کی قدر پہچانیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تعلیم وتزکیہ سے مستفید ومنتفع ہونے میں کوتاہی نہ کریں۔ آگے عبرت کے لیے یہود کی مثال بیان فرماتے ہیں جنہوں نے اپنی کتاب اور پیغمبر سے استفادہ کرنے میں سخت غفلت اور کوتاہی برتی۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ ۔ یہ بعثت رسول تعلیم رسول اور تزکیہ گمراہاں۔

فَضْلُ اللّٰهِ ۔ اللہ کا فضل ہے محمد رسول اللہ پر کہ ان کو پیغمبری کے لئے چن لیا اور ہادی بنا دیا اور امت پر بھی اللہ کا فضل ہے کہ انہوں نے رسول کا اتباع کیا اور رسول نے ان کو ہدایت کی اور پاک کیا۔

يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ ۔ وہ جس کو دینا چاہتا ہے اور اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے۔ اس کو وہ عنایت کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ
مثال اُن لوگوں کی جن پر لادی توریت
ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ
پھر نہ اٹھائی انہوں نے جیسے مثال
الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ۭ
گدھے کی کہ پیٹھ پر لے چلتا ہے کتابیں ☆

یہود کا پیغمبر وکتاب کی ناقدری کرنا

☆ یعنی یہود پر ''تورات'' کا بوجھ رکھا گیا تھا اور وہ اس کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے لیکن انہوں نے اس کی تعلیمات وہدایات کی کچھ پروانہ کی' نہ اس کو محفوظ رکھا' نہ دل میں جگہ دی' نہ اس پر عمل کر کے اللہ کے فضل وانعام سے بہرہ ور ہوئے۔ بلاشبہ تورات جس کے یہ لوگ حامل بنائے گئے تھے حکمت وہدایت کا ایک ربانی خزینہ تھا' مگر جب اس سے منتفع نہ ہوئے تو وہی مثال ہو گئی۔ نہ محقق شدی نہ دانشمند چار پائے بروکتابے چند ایک گدھے پر علم وحکمت کی پچاسوں کتابیں لاد دو اس کو بوجھ میں دبنے کے سوا کوئی فائدہ نہیں۔ وہ تو صرف ہری گھاس کی تلاش میں ہے۔ اس بات سے کچھ سروکار نہیں رکھتا کہ پیٹھ پر لعل و جواہر لدے ہوئے ہیں یا خزف وسنگریزے۔ اگر محض اسی پر فخر کرنے لگے کہ دیکھو میری پیٹھ پر کیسی کیسی عمدہ اور قیمتی کتابیں لدی ہوئی ہیں لہٰذا میں بڑا عالم اور معزز ہوں۔ تو یہ اور زیادہ گدھا پن ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ
بُری مثال ہے اُن لوگوں کی ☆

بری قوم ☆ یعنی بری قوم ہے وہ جس کی مثال یہ ہے۔ اللہ ہم کو پناہ میں رکھے۔ (تفسیر عثمانی)

كَذَّبُوا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ
جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی باتوں کو ☆

آیات اللہ کو جھٹلانا ☆ یعنی اللہ تعالیٰ نے تورات وغیرہ میں جو بشارت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی دی تھیں اور دلائل و براہین آپ کی رسالت پر قائم کیں' ان کو جھٹلانا آیات اللہ کو جھٹلانا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝
اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو ☆

رجعت پسند ہدایت سے محروم رہتے ہیں

☆ یعنی ایسے معاند' ہٹ دھرم' بے انصاف لوگوں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔ (تفسیر عثانی)

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا۔ یعنی ان کو توریت کی تعلیم دی گئی اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا۔

ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا۔ یعنی پھر اس پر انہوں نے عمل نہیں کیا اور اس سے فائدہ اندوز نہیں ہوئی۔ يَحْمِلُ اَسْفَارًا۔ جیسے گدھا علم کی کتابیں اپنے اوپر اٹھائے پھرتا ہے کتابوں کے بوجھ سے تھکا جاتا ہے اور ان سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتا اس گدھے کی طرح حالت اس عالم کی ہے جو علم کے موافق عمل نہیں کرتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں فرمایا تھا اے اللہ میں غیر مفید علم سے تیری پناہ کا خواستگار ہوں۔

بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ۔ اس قوم سے مراد یہودی ہیں جنہوں نے قرآن کو جھٹلایا اور توریت کی ان آیتوں کی بھی تکذیب کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلالت کر رہی تھیں۔

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی جو لوگ خود ظلم پسند ہوں اللہ ان کو ہدایت نہیں کرتا یا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ اللہ کے علم ازلی میں پہلے ہی ظالم قرار پا گئے ہیں اللہ ان کو ہدایت نہیں کرتا۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ
تو کہہ اے یہودی ہونے والو اگر
زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ
تم کو دعویٰ ہے کہ تم دوست ہو اللہ کے
دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ
سب لوگوں کے سوائے تو مناؤ اپنے مرنے کو

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ
اگر تم سچے ہو اور وہ کبھی نہ منائیں گے
اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ
اپنا مرنا اُن کاموں کی وجہ سے جن کو آگے بھیج چکے ہیں
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝
انکے ہاتھ اور اللہ کو خوب معلوم ہیں سب گنہگار ☆

اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو ☆ یعنی اس گدھے پن اور جہل وحماقت کے باوجود دعویٰ یہ ہے کہ بلا شرکت غیرے ہم ہی اللہ کے دوست اور ولی اور تنہا جنت کے حقدار ہیں بس دنیا سے چلے اور جنت میں پہنچے۔ لیکن اگر واقعی دل میں یہی یقین ہے اور اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ضرور تھا کہ دنیا کے مکدر عیش سے دل برداشتہ ہو کر محبوب حقیقی کے اشتیاق اور جنت الفردوس کی تمنا میں مرنے کی آرزو کرتے جس کو یقیناً معلوم ہو جائے کہ میرا اللہ کے ہاں بڑا درجہ ہے اور کوئی خطرہ نہیں وہ بیشک مرنے سے خوش ہوگا اور موت کو ایک پل سمجھے گا جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے اس کی زبان پر تو یہ الفاظ ہونگے "غدا نلقى الاحبة' محمداً وحزبه اور ياحبذا الجنة واقترابها طيبة وباردشرابها اور حبيب جاء على ناقة اور يبنى لايبالى ابوک سقط على الموت ام سقط عليه الموت وغير ذلک" یہ ان اولیاء اللہ کے کلمات ہیں جو دنیا کی کسی سختی یا مصیبت سے گھبرا کر نہیں' خالص لقاء اللہ اور جنت کے اشتیاق میں موت کی تمنا رکھتے تھے اور ان کے افعال وحرکات خود شہادت دیتے تھے کہ موت ان کو دنیا کی تمام لذائذ سے زیادہ لذیذ ہے قال النبی صلی اللّٰه علی وسلم " لوددت انی اقتل فی سبیل اللّٰه ثم احیاثم اقتل" اس کے بالمقابل ان جھوٹے مدعیوں کے افعال وحرکات پر نظر ڈالو کہ ان سے بڑھ کر موت سے ڈرنے والا کوئی نہیں۔ وہ مرنے کا نام سن کر گھبراتے اور بھاگتے ہیں' اس لیے نہیں کہ زیادہ دن زندہ رہیں تو نیکیاں کمائیں گے۔ محض اس لیے کہ دنیا کی حرص سے ان کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا اور دل میں سمجھتے ہیں کہ جو کرتوت کیے ہیں یہاں سے چھوٹتے ہی انکی سزا میں پکڑ جائینگے غرض ان کے تمامی افعال واطوار سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لیے موت کی آرزو نہیں کر سکتے۔ اور ممکن تھا کہ اس زمانہ کے یہود قرآن کے اس دعوے کو جھٹلانے کے لیے جھوٹ موٹ زبان سے موت کی تمنا کرنے لگتے مگر اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت بھی انکو نہ دی۔ روایات میں ہے کہ اگر ان میں سے کوئی یہودی موت

کی تمنا کر گزرتا تو اسی وقت گلے میں اچھو لگ کر ہلاک ہو جاتا (تنبیہ) اس مضمون کی آیت سورہ ''بقرہ'' میں گزر چکی ہے اس کے فوائد دیکھ لے جائیں بعض سلف کے نزدیک ''تمنی موت'' کا مطلب مباہلہ تھا۔ یعنی معاند یہود سے کہا گیا کہ اگر وہ واقعی اپنے اولیاء ہونے کا یقین رکھتے ہیں اور مسلمانوں کو باطل پر سمجھتے ہیں تو تمنا کریں کہ فریقین میں جو جھوٹا ہو مر جائے لیکن وہ کبھی ایسا نہ کرینگے کیونکہ ان کو اپنے کذب و ظلم کا یقین حاصل ہے۔ ابن کثیرؒ اور ابن قیمؒ وغیرہ نے یہی توجیہ اختیار کی ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ ۔ یعنی اللہ سے صرف اپنی موت کی دعا کر رو تا کہ اس مصیبت کے گڑھے سے نکل کر مقام عزت میں (جلد) پہنچ جاؤ موت ایک پل ہے جو حبیب کو حبیب تک پہنچا دیتا ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو موت کی تمنا کرو۔ موت کی تمنا یا جائز ہے نا جائز اس کی تحقیق ہم نے سورہ بقرہ کی آیت میں کر دی ہے۔

یہودیوں کو اپنے دوزخی ہونے کا یقین ہے

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا ۔ چونکہ کفر و معاصی کا ارتکاب وہ پہلے کر چکے ہیں اور آیات توریت کو بگاڑنے کا جرم کر چکے ہیں اور توریت کی جو آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں انہوں نے ان میں تحریف کر لی ہے اور ان کو جرائم مذکورہ کی پاداش میں اپنے دوزخی ہونے کا یقین ہے اس لئے موت کی تمنا نہیں کریں گے ان کو تو زندگی کی حرص سارے لوگوں سے سوا ہے یہ تو چاہتے ہیں کہ ہزار برس جیتے رہیں یہ موت سے ڈرتے اور بہت بھاگتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ
تو کہہ موت وہ جس سے تم بھاگتے ہو
مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ
سو وہ تم سے ضرور ملنے والی ہے پھر تم پھیرے جاؤ گے
اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
اُس چھپے اور کھلے جاننے والے کے پاس
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸ ع
پھر جتلا دے گا تم کو جو تم کرتے تھے ☆

موت سے ڈر کر کہاں بھاگو گے ☆ یعنی موت سے ڈر کر کہاں بھاگ سکتے ہو ہزار کوشش کرو مضبوط قلعوں میں دروازے بند کر کے بیٹھ رہو وہاں بھی موت چھوڑنے والی نہیں اور موت کے بعد پھر وہ ہی اللہ کی عدالت ہے اور تم ہو (ربط) یہود کی بڑی خرابی یہ تھی کہ کتابیں پیٹھ پر لدی ہوئی ہیں لیکن ان سے منتفع نہیں ہوتے دین کی بہت سی باتیں سمجھتے بوجھتے' پر دنیا کے واسطے چھوڑ بیٹھتے دنیا کے دھندوں میں منہمک ہو کر اللہ کی یاد آخرت کے تصور کو فراموش کر دیتے ایسی روش سے ہم کو منع کیا گیا۔ جمعہ کا تقید بھی ایسا ہی ہے کہ اس وقت دنیا کے کام میں نہ لگو بلکہ پوری توجہ اور خاموشی سے خطبہ سنو اور نماز ادا کرو حدیث میں ہے کہ ''جو کوئی خطبہ کے وقت بات کرے وہ اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابیں لدی ہوں''۔ یعنی اس کی مثال یہود کی سی ہوئی العیاذ باللہ! (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ الخ یعنی جس موت سے تم کو انتہائی ڈر لگتا ہے کہ تم کو تمہاری بد اعمالی کے جرم میں پکڑا جائے گا وہ ضرور تم کو آ کر رہے گی اس سے بھاگنا سودمند نہ ہوگا۔

اس جملہ میں آمد موت کی انتہائی تاکید کے لئے ان کو مکرر ذکر کیا یہودیوں کو کفر اور معاصی پر سخت اصرار تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کو موت سے سخت انکار ہے اس لئے موت کے آنے کی خبر کو پرزور طور پر ذکر کرنا ہی مناسب تھا۔

نکتہ: موت سے بھاگنا موت کے جلد آنے کا موجب ہے کیوں کہ موت سے فرار موت کی طرف سے غافل بنا دیتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس غفلت کی حالت میں زندگی کتنی ہی طویل ہو اور عمر کتنی ہی لمبی ہو لیکن طول حیات کا احساس و شعور جاتا رہتا ہے اور موت جب بھی آئے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ جلد آ گئی اور جو شخص موت کا مشتاق رہتا ہے اس کو مختصر زندگی بھی طویل معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اس پر زندگی شاق ہوتی ہے اور وہ ہر وقت موت کی آمد کا منتظر رہتا ہے خلاصہ یہ کہ موت سے فرار سرعت موت کا موجب ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

موت سے بھاگنے والے کی مثال

معجم طبرانی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے موت سے بھاگنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک لومڑی ہو جس پر زمین کا کچھ قرض ہو وہ اس خوف سے کہیں یہ مجھ سے مانگ نہ بیٹھے بھاگتے بھاگتے جب تھک جائے تب اپنے بھٹ میں گھس جائے جہاں گھسی اور زمین نے پھر اس سے تقاضا کیا کہ لومڑی میرا قرض ادا کر۔ پھر وہاں سے دم دبائے ہوئے تیزی سے بھاگی۔ آخر یونہی بھاگتے بھاگتے ہلاک ہو گئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ
اے ایمان والو جب اذان ہو

لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا

نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو

اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ

اللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو خرید و فروخت ☆

جمعہ کی اذان اور خطبہ ☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ''ہر اذان کا یہ حکم نہیں کیونکہ جماعت پھر بھی ملے گی۔ اور جمعہ ایک ہی جگہ ہوتا تھا پھر کہاں ملے گا''۔ اور اللہ کی یاد سے مراد خطبہ ہے اور نماز بھی اس کے عموم میں داخل ہے یعنی ایسے وقت جائے کہ خطبہ سنے اس وقت خرید و فروخت حرام ہے اور ''دوڑنے'' سے مراد پورے اہتمام اور مستعدی کے ساتھ جانا ہے بھاگنا مراد نہیں (تنبیہ) ''نُودِیَ'' سے مراد قرآن میں وہ اذان ہے جو نزول آیت کے وقت تھی یعنی جو امام کے سامنے ہوتی ہے کیونکہ اس سے پہلی اذان بعد کو حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں صحابہ کے اجماع سے مقرر ہوئی ہے لیکن حرمت بیع میں اس اذان کا حکم بھی مثل حکم اذان قدیم کے ہے کیونکہ اشتراک علت سے حکم میں اشتراک ہوتا ہے البتہ اذان قدیم میں یہ حکم منصوص و قطعی ہو گا اور اذان حادث میں یہ حکم مجتہد فیہ اور ظنی رہے گا۔ اس تقریر سے تمام علمی اشکالات مرتفع ہو گئے نیز واضح رہے کہ ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا'' یہاں عام ''مخصوص منہ البعض'' ہے کیونکہ بالاجماع بعض مسلمانوں (مثلاً مسافر و مریض وغیرہ) پر جمعہ فرض نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

جمعہ کی وجہ تسمیہ

جمعہ کو جمعہ کہنے کی کیا وجہ ہے۔ علماء نے مختلف توجیہات کی ہیں۔ اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ دورِ جاہلیت میں یعنی دور اسلامی سے پہلے جمعہ کو العروبۃ کہتے تھے یعنی عظمت والا کھلا ہوا دن۔ اَعْرَبَ کا معنی ہے ظاہر کیا عروبۃ اسی سے ماخوذ ہے۔

کعب بن لوی کا اجتماع اور خطاب: سب سے پہلے اس دن کا نام کعب بن لوی نے رکھا کعب نے ہی عربی خطبہ میں سب سے پہلے امابعد کا لفظ استعمال کیا اس روز قریش کعب کے پاس جمع ہوتے تھے کعب ان کو خطاب کرتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر دیتا اور آپ کی پیدائش سے آگاہ کرتا تھا اور حکم دیتا تھا کہ جب پیدا ہو جائیں تو ان پر ایمان لانا اور ان کی پیروی کرنا اور اسی مضمون کے کچھ اشعار بھی سناتا تھا پہلے بنی اسماعیل تعمیر کعبہ سے تاریخ کا حساب لگایا کرتے تھے جب کعب بن لوی مر گیا تو اس کی وفات سے تاریخ کا حساب کرنے لگے اس کے بعد عام الفیل (حبشیوں کا کعبہ کو ڈھا دینے کے لئے مکہ معظمہ پر چڑھائی کرنے کا سال) سے حساب کرنے لگے یہی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا بھی تھا عام الفیل سے حساب کرنے کا دستور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت تک رہا اس کے بعد ہجرت نبوی سے حساب کیا جانے لگا۔ کعب کی وفات اور بعثت نبوی کے درمیان ۵۶۰ برس کا فصل ہوا۔ شرح خلاصۃ السیر۔

جمعہ کی حقیقت اور سب سے اول جمعہ کا قیام

امام احمد نسائی ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت سلمانؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کو علم ہے کہ یوم الجمعہ کیا ہے (یعنی اس کی وجہ تسمیہ اور حقیقت کیا ہے) میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی جانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین بار فرمائی تیسری مرتبہ میں فرمایا یہی وہ دن ہے جس میں تمہارے باپ (کے تخلیقی مادہ) کو جمع کیا گیا۔ اس حدیث کی شاہد حضرت ابو ہریرہ کی روایت بھی ہے جس کو ابن ابی حاتم نے موقوفاً قوی سند سے اور امام احمد نے مرفوعاً ضعیف سند سے بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا یہی بات زیادہ صحیح ہے۔ اسی سے متصل ہے وہ بیان جسکو عبدالرزاق نے بروایت ابن سیرین صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے بیان یہ ہے کہ انصار اسعد بن زرارہ کے پاس جمع ہوتے تھے اور یوم جمعہ کو یوم عروبہ کہتے تھے اسعد بن زرارہ ان کو نماز پڑھاتے اور نصیحت کرتے تھے اس وجہ سے انصار نے اس دن کا نام یوم الجمعہ رکھ دیا یہ قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے کا ہے بعض اہل روایت کا قول ہے کہ ایسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ہوا تھا دارقطنی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جمعہ پڑھنے (اور اس روز سب کے جمع ہونے) کا حکم دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر کو لکھا تھا امابعد تم کو دیکھنا چاہئے کہ یہودی کس روز زبور کی تلاوت جہر کے ساتھ کرتے ہیں اسی روز تم اپنی عورتوں اور بچوں کو جمع کرو اور جمعہ کی (یعنی جمع ہونے کے) دن دن ڈھلے سب مل کر دو رکعتیں پڑھ کر اللہ کا قرب حاصل کرو۔ راوی کا بیان ہے کہ سب سے پہلے حضرت مصعب نے جمعہ پڑھا (اور پڑھتے رہے) یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ اس بیان کی سند میں ایک راوی احمد بن محمد بن غالب باہلی ہے جس پر وضع حدیث کا (محدثین نے) الزام لگایا ہے۔ زہری نے کہا اس متن کا مرسل ہونا معروف ہے۔

بعض اہل روایت نے کہا کہ ایسا صحابہ کے اجتہاد سے کیا گیا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم نہیں دیا تھا) عبدالرزاق نے صحیح سند سے محمد بن سیرین کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے اور جمعہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے ہی اہل مدینہ نے جمعہ پڑھا تھا انصار نے کہا کہ یہودیوں کا ہر سات دن میں ایک دن ہے جس میں وہ جمع

ہوتے ہیں اور عیسائی بھی ہر ہفتے میں ایک مقرر دن جمع ہوتے ہیں لہٰذا ہم کو بھی ایک دن مقرر کر لینا چاہیے جس میں ہم جمع ہو کر نماز پڑھیں اللہ کی یاد کریں اور شکر ادا کریں حسب مشورہ انصار نے یوم العروبہ مقرر کر دیا اور حضرت اسعد بن زرارہ کے پاس جمع ہوئے اور آپ نے ان کو نماز پڑھائی اور اس کے بعد اللہ نے آیت اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ الخ نازل فرمائی۔ حافظ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن حسن سند سے اس کا ایک شاہد بھی ہے جس کو ابو داؤد ابن ماجہ ابن خزیمہ اور بعض دوسرے علماء نے حضرت کعب بن مالک کی روایت سے بیان کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اس کو صحیح کہا ہے حضرت کعب نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں رونق افروز ہونے سے پہلے ہم کو جمعہ کی نماز اسعد بن زرارہ نے پڑھائی۔ الحدیث۔ حضرت کعب جب جمعہ کی اذان سنتے تھے تو حضرت اسعد بن زرارہ کے لئے دعاء رحمت کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن کعب کا بیان ہے میں نے حضرت کعب سے پوچھا آپ حضرات اس زمانہ میں کتنے تھے فرمایا چالیس' ابن سیرین کی مرسل حدیث بتا رہی ہے کہ اُن صحابہ نے یوم جمعہ کا انتخاب (اور نماز کے لئے تعین) اپنے اجتہاد سے کیا تھا۔ اور ممکن ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے اسی زمانہ میں جمعہ کے متعلق وحی آ گئی ہو لیکن (ماحول کو دیکھ کر) آپ جمعہ قائم نہ کر سکے ہوں جیسا کہ حضرت ابن خزیمہ کی حدیث میں اور اس کے بعد والی مرسل روایت میں آیا ہے یہی وجہ ہو گی کہ مدینہ میں پہنچتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جمعہ کی نماز پڑھائی۔

رسول اللہ ﷺ کے مدینے میں رونق افروز ہونے اور پہلی نماز جمعہ پڑھنے کا بیان

اہل مدینہ کا انتظار کرنا اور راہ دیکھنا

بخاری نے حضرت عائشہ کی روایت سے اور ابن سعد نے صحابہ کی ایک جماعت کے حوالہ سے بیان کیا کہ مدینہ میں جب مسلمانوں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے روانہ ہو گئے ہیں تو ہر روز صبح کو مدینہ سے نکل کر حرہ میں پہنچتے اور انتظار کرتے رہتے جب سورج میں تیزی آ جاتی اور دوپہر کی دھوپ ستانے لگتی تو واپس آ جاتے یہ زمانہ گرمی کا تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا دن ہوا تو لوگ انتظار کرنے کے بعد اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔ یہودی اپنی گڑھی پر کسی کام سے چڑھا ہوا مدینہ کو آنے والے راستہ کی طرف دیکھ رہا تھا جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی نظر پڑی فوراً بلند آواز میں اس نے پکارا قبیلے والو یہ آ گئے وہ صاحب جن کا تم انتظار کرتے تھے آواز سنتے ہی مسلمان دوڑ پڑے اور جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی تاریخ

یہ واقعہ یکم ربیع الاول روز دوشنبہ کا ہے جریر بن حازم نے ابواسحاق کی روایت سے دوسری ربیع الاول آمد کی تاریخ بتائی ہے ابراہیم بن سعد نے بروایت ابن اسحاق بارہ تاریخ اور ابوسعدی نے ۱۳ تاریخ بیان کی ہے حافظ نے کہا اکثر کا قول ہے کہ دن میں پہنچے تھے مسلم کی روایت ہے کہ رات کو آئے تھے دونوں روایتوں کا اختلاف اسی طرح دور کیا جا سکتا ہے کہ آخر شب یعنی ابتداء صبح میں پہنچے ہوں۔

بنی عمرو بن عوف کے محلّہ میں قیام

اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں پہنچے اور بنی عمرو بن عوف (کے محلّہ) میں کلثوم بن ہدم اور ابوبکر حبیب بن اساف کے گھر فروکش ہوئے کلثوم نے چیخ کر غلام کو آواز دی نجیح نجیح کا لفظ سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر ہم کامیاب ہو گیا۔ (نجیح کا معنی ہے کامیاب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ سے نیک فال لی) قبا میں کلثوم بن ہدم کی ایک ایسی جگہ تھی جہاں خشک کرنے کے لئے چھوارے پھیلائے جاتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جگہ لیکر وہاں مسجد تعمیر کرا دی۔

بنی عمرو کی مسجد: صحیح روایت میں آیا ہے کہ بنی عمرو بن عوف (کے محلّہ) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور وہاں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ ایسی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے (یعنی لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی سے یہی مسجد مراد ہے)۔

صحیح روایت میں آیا ہے کہ بنی عمرو کے محلّہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس روز سے کچھ زائد قیام فرمایا۔

بنی نجار کی حاضری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر میں تشریف لے جانا

امام احمد اور بخاری و مسلم نے حضرت ابوبکر کی روایت سے اور سعید بن منصور نے حضرت ابن زبیر کے حوالہ سے اور ابن اسحاق نے حضرت عویمر بن ساعد کی نسبت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نجار کو بلوایا بنی نجار آپ کے (رشتہ کے) ماموں ہوتے تھے کیوں کہ عبدالمطلب کی ماں اسی خاندان کی تھیں وہ لوگ تلواریں لٹکائے حاضر ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے کہا تشریف لے چلئے آپ سب امن چین میں رہیں گے اور آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی۔ یہ جمعہ کا دن تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قصویٰ (نام والی) اونٹنی پر سوار ہو گئے لوگ آپ کے دائیں بائیں اور پیچھے ہو لئے کچھ لوگ سوار تھے کچھ پیدل۔ یہ دیکھ کر بنی عمرو بن عوف

جمع ہوگئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ ہمارے مکان سے بہتر مکان کے خواستگار ہیں کہ یہاں سے تشریف لئے جار ہے ہیں فرمایا مجھے ایسی آبادی میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے جو سب بستیوں کو کھالے گی اس لئے تم اس (اونٹنی) کو چھوڑ دو یہ خدا کی طرف سے مامور ہے (جہاں حکم ہوگا وہیں ٹھہر جائے گی) غرض مدینہ کو پہنچنے کے ارادے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبا سے چلدئے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے جو کہہ رہے تھے اللہ اکبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ عورتیں اور لڑکیاں اور بچے کہہ رہے تھے (نظم) وداع کی گھاٹیوں سے چودھویں کا چاند نکل آیا جب تک دعا کرتے رہیں (یعنی ہمیشہ) شکر ادا کرنا ہم پر لازم ہے اے وہ رسول جس کو ہمارے اندر بھیجا گیا ہے آپ اس حکم کے ساتھ تشریف لائے ہیں جس کی تعمیل کی جائے گی (یعنی آپ کے ہر حکم کی ہم تعمیل کریں گے)

اہل مدینہ کی خوشی اور شوق: امام احمدؒ نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں تشریف لانے کی خوشی میں حبشی چھوٹے برچھے لے کر کھیل دکھانے لگے۔ بخاری نے حضرت براء کی روایت سے لکھا ہے حضرت براء نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے اہل مدینہ جتنا خوش ہوئے میں نے اتنا خوش ہوتے ان کو کبھی نہیں دیکھا۔ انصار کے جس گھر کی طرف سے آپ گذرتے تھے وہ کہتے تھے یا رسول اللہ تشریف لائیے (آپ کے لئے) حفاظت وفراغت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دعاء خیر دیتے یہ (اونٹنی) مامور ہے اس کا راستہ چھوڑ دو بنی سالم کی طرف سے گذرے تو عتبہ بن مالک اور نوفل بن عبداللہ بن مالک آئے اور نوفل نے آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑ لی اور عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے پاس نزول اجلال فرمائیے ہمارے لوگوں کی تعداد بھی بہت ہے اور سامان بھی کثیر ہے اور اسلحہ بھی ہیں اور ہم باغوں والے ہیں۔

یا رسول اللہ جو عرب دشمن سے ڈر کر آتا تھا ہمارے پاس آکر پناہ لیتا ہے (ہم ہی اس کو پناہ دیتے تھے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے اور فرمایا (اس کے راستہ سے ہٹ جاؤ) اس اونٹنی کو چھوڑ دو یہ (اللہ کی طرف سے) مامور ہے عبداللہ بن صامت اور عباس بن فضلہ بھی آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اتر جائیے فرمایا اللہ تم کو برکت دے یہ اونٹنی مامور ہے مسجد بنی سالم (کے مقام) پر پہنچے یہ مسجد وادی وانونا میں واقع تھی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ جمعہ کے دن بنی سالم بن عمرو بن عوف (کے محلہ) میں آیا اور اسی مسجد میں آپ نے نماز جمعہ ادا کی یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں جمعہ کی اول نماز پڑھی اور مدینہ ہی میں جمعہ کا پہلا خطبہ دیا یہ بھی مروی ہے کہ آپ مسجد قبا میں نماز پڑھتے تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جمعہ کی نماز پڑھی تو آپ کے ساتھ سو آدمیوں نے نماز پڑھی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم راستہ سے دائیں سمت کو ہو لئے (یعنی مڑ گئے) بنی ساعدہ کی طرف سے گذر ہوا تو سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو اور ابودجانہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لے آئیے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم کے ساتھ ثروت وطاقت اور دلیری کا مقام ہے سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثروت دلیری کثرت تعداد اور اس کے ساتھ کھجور کے خوشوں کی فراوانی اور کنواں میری قوم سے بڑھ کر کسی قبیلے کے پاس نہیں ہے (میرے ہی قبیلہ میں نزول فرمائیے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوثابت اس کا راستہ چھوڑ دو۔ (اس سے تعرض نہ کرو جہاں ٹھہرنا ہے یہ ٹھہر جائے گی اللہ کی طرف سے) یہ مامور ہے اس کے بعد آپ اور بڑھے راستہ میں سعد بن ربیع عبداللہ بن رواحہ اور بشیر بن سعد سامنے آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو چھوڑ کر آگے نہ بڑھیے کہاں تشریف لے جانے کا ارادہ ہے۔ زیاد بن لبید اور فروہ بن عمر نے بھی یہی گذارش کی لیکن حضور نے یہی فرمایا اس کا راستہ چھوڑ دو یہ مامور ہے اس کے بعد بنی عدی نجاری کی طرف گذر ہوا یہ لوگ آپ کے ماموں تھے۔ (عبدالمطلب کی ماں اسی قبیلہ کی تھیں) ابوسلیطہ اور صرفہ بن ابی انیس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو چھوڑ کر آگے نہ جائیے ہماری تعداد بھی (بہت) ہے قوت بھی ہے اور آپ سے قرابت بھی ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آپ سے قرابت بھی ہے اس لئے ہمارے مقابلہ میں کوئی دوسرا قبیلہ آپ کا مستحق نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کا راستہ چھوڑ دو یہ بندہ حکم ہے۔ (خود مختار نہیں ہے) غرض اونٹنی اور آگے چلی یہاں تک کہ جب نبی عدی بن نجار کے احاطہ کے سامنے پہنچی تو ان کی جانب رخ کر کے کچھ ٹھہری بالآخر آپ چلتے چلتے مسجد کے دروازہ تک پہنچے مسجد کے دروازہ تک پہنچ کے اونٹنی بیٹھ گئی جبار بن صخر اس کو اس امید پر مارنے لگے کہ شاید اٹھ کھڑی ہو لیکن اونٹنی نہیں اٹھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتر پڑے اور فرمایا کس کا گھر یہاں سے زیادہ قریب ہے ابوایوب نے عرض کیا میرا یہ گھر زیادہ قریب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر فروکش ہوگئے اور چار مرتبہ دعا کی اے اللہ برکت والے مقام میں ہم کو نازل فرما تو بہترین اتارنیوالا ہے۔ طبرانی نے حضرت ابن الزبیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوایوبؓ کے مکان پر اترے اور زیدؓ بن حارثہ بھی ساتھ تھے۔

حضرت ابوایوبؓ کا گھر: ابن اسحاق نے المبتدا میں اور ابن ہشام نے التیجان میں بیان کیا ہے کہ ابوایوب کے جس گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اترے تھے وہ مدینہ کے اگلے حصہ میں تھا۔ اس کی تعمیر تبع اول نے کی تھی تبع کے ساتھ چار سو علماء یہود بھی تھے ان علماء نے آپس میں طے کر لیا کہ اس جگہ سے باہر نہیں جائیں گے۔ تبع نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا ہم اپنی کتاب میں پاتے ہیں کہ ایک نبی جن کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا یہ مقام ان کا دار ہجرت ہوگا ہم اس وجہ سے یہاں مقیم ہونا چاہتے ہیں کہ شاید ان کو پالیں۔

یہ سن کر تبع نے بھی وہیں مقیم ہونے کا ارادہ کر لیا لیکن پھر اس کی رائے ہوئی کہ ان علماء میں سے ہر ایک کا ایک مکان تعمیر کرا دے تو اس نے ہر عالم کے لئے ایک مکان بنوا دیا اور ایک ایک باندی خرید کر ہر عالم کو نکاح کرا دیا اور ہر شخص کو کثیر مال دیا اور ایک تحریر لکھ دی جس میں اپنے مسلمان ہو جانے کا اظہار کیا اس تحریر میں یہ بھی لکھا تھا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ احمد اللہ کے رسول ہیں اگر میری عمران کی پیدائش تک ہوتی تو میں ان کا مددگار ہوتا تبع نے اس تحریر پر سونے کی مہر لگا کر سرگروہ احبار (یہودی علما کے سردار) کے سپرد کر دی اور اس سے درخواست کی کہ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پالے تو ان کی خدمت میں پیش کر دے ورنہ اس کا بیٹا پوتا وغیرہ جو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائے یہ تحریر ان کو پہنچا دے تبع نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک مکان بھی تعمیر کرا دیا تھا تا کہ آپ جب مدینہ میں آئیں تو اس مکان میں فروکش ہوں۔ اس مکان کی ملکیت نوبت بنوبت چکر کاٹتی ہوئی ابوایوب تک پہنچی ابوایوب اسی عالم کی نسل میں سے تھے جو علماء یہود کا سردار تھا مدینہ والوں میں سے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی وہ اسی عالموں میں سے کسی عالم کی نسل میں سے تھا جن کو تبع نے مدینہ میں آباد کیا تھا کہا جاتا ہے کہ تبع کی وہ تحریر جس میں اس کے اشعار تھے ابو یوسف کے پاس تھی جو ابو یوسف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی تھی۔ یہ روایت غریب ہے۔

کس اذان پر خرید و فروخت چھوڑ دی جائے

آیت میں نداء سے مراد وہ اذان ہے جو خطبہ کے لئے امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے۔ ابن یزید کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں جمعہ کی اذان اس وقت دی جاتی تھی جب امام خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھ جاتا تھا۔ جب حضرت عثمان کا زمانہ آیا اور جمعہ کی نماز پڑھنے والے آدمی بہت ہو گئے۔ تو آپ نے تیسری اذان جو منارہ پر ہوتی تھی بڑھا دی۔

صحیح یہ ہے کہ خرید و فروخت اور سارے مشاغل ترک کر کے نماز جمعہ کے لئے تیزی کے ساتھ لپکنا پہلی اذان (یعنی منارہ والی اذان) سن کر ہی واجب ہو جاتا ہے کیوں کہ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ کا لفظ عام ہے (یعنی جب بھی جمعہ کے لئے اذان دی جائے) اور عموم کے تحت اذان اول ہی آتی ہے۔

نماز کی طرف وقار سے آؤ: صحاح ستہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب نماز قائم ہو جائے تو تم اس کی طرف سعی کرتے (یعنی دوڑتے) ہوئے نہ آؤ بلکہ پرسکون اور باوقار طریقہ سے چل کر آؤ پھر جتنی نماز مل جائے (امام کے ساتھ) پڑھ لو جتنی فوت ہو جائے اس کو پورا کر لو امام احمدؒ کی روایت میں پورا کرنے کی جگہ آیا ہے اس کو قضا کر لو۔

اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ ۔ ذکر سے مراد ہے نماز سعید بن مسیب نے فرمایا امام کی نصیحت یعنی خطبہ مراد ہے۔

وَذَرُوا الْبَیْعَ ۔ بیع سے (صرف خرید فروخت ہی مراد نہیں بلکہ اس سے) مراد ہیں وہ تمام مشاغل جو نماز سے روکنے والے ہیں اس مطلب پر جمعہ کی نماز کے لئے جاتے ہوئے راستہ میں خرید فروخت کرنا جائز ہوگا۔

بیع کا خصوصی ذکر اس لئے کیا کہ اکثر لوگ زوال کے بعد بازاروں کے اندر خرید و فروخت میں مشغول رہتے تھے۔

ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ ۔ یہ اذان کے بعد تمام مشاغل کو ترک اور نماز کی سعی کرنا تمہارے لئے بیع و شرا سے بہتر ہے اگر تم اپنے ذاتی مصالح کو جانتے ہو تو ایسا کرو۔

اگر کوئی اذان کے وقت خرید و فروخت کرے تو وہ بیع ہو جائیگی

اذان جمعہ کے وقت خرید فروخت یا ارض مغصوبہ میں نماز فاسد نہیں ہو جاتی بیع بھی صحیح رہتی ہے اور نماز بھی۔ یہ تفریق امام ابو حنیفہ نے کی اور امام شافعی نے اس کی تائید کی۔

جمعہ کے احکام و فضائل: قرآن و حدیث اور اجماع علماء کی روشنی میں صلوٰۃ جمعہ فرض محکم (ناقابل نسخ) ہے اس کا منکر کافر ہے آیت مذکورہ سے جمعہ کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ نماز جمعہ کی اذان ہونے پر سعی کا حکم مرتب کیا گیا ہے ذکر سے مراد بظاہر نماز ہی ہے یا خطبہ مراد ہے اولی یہ ہے کہ نماز اور خطبہ دونوں مراد ہیں کیونکہ ذکر کا لفظ دونوں کو شامل ہے۔

امت محمدیہ کی فضیلت: حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم (دنیا میں) پچھلے ہیں اور قیامت کے روز آگے ہوں گے مگر اتنی بات ہے کہ ان کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی اور ہم کو ان کے بعد پھر یہ دن یعنی جمعہ کا دن ان کا تھا اللہ نے ان پر (عبادت) فرض کی تھی مگر ان کا آپس میں جمعہ کے سلسلہ میں اختلاف ہو گیا لیکن اللہ نے ہم کو اس کی راہ دکھا دی دوسرے لوگ اس میں ہمارے پیچھے ہو گئے۔ یہودی دوسرے دن اور عیسائی ان کے بھی بعد (تیسرے دن) جا پڑے (متفق علیہ)۔

جمعہ نہ پڑھنے سے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے

حضرت ابو عمر اور حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

منبر کے تختوں پر (بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے) فرما رہے تھے جمعوں کو ترک کرنے والے ترک سے باز آ جائیں ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا پھر وہ غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔ رواہ مسلم۔

جمعہ نہ پڑھنے والوں کے گھروں کو آگ لگا دوں

حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ کچھ لوگ جمعہ کی نماز میں نہیں آتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا میرا ارادہ ہے کہ (اپنی جگہ) کسی شخص کو نماز پڑھانے کے لئے مقرر کر کے خود جا کر ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دوں جو جمعہ میں نہیں آتے (مسلم)

جن پر جمعہ واجب نہیں: حضرت طارق بن شہاب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ ہر مسلمان پر سواء چار آدمیوں کے حق واجب ہے۔ غلام۔ عورت۔ بچہ۔ بیمار۔ رواہ ابوداؤد۔ ابوداؤد نے کہا طارق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ضرور تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سنا نہیں۔ میں کہتا ہوں ابوداؤد کے اس تبصرہ کی بناء پر حدیث مرسل صحابی ہوگی۔ اور مرسل صحابی باتفاق ائمہ قابل استدلال ہے۔

نووی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث حسب شرط شیخین صحیح ہے بیہقی نے برطریق بخاری تمیم داری کا قول بیان کیا ہے کہ سواء بچہ یا غلام یا مسافر کے (ہر شخص پر) جمعہ واجب ہے رواہ الطبرانی عن الحاکم وابن مردویہ اس روایت میں عورت اور بیمار کا بھی استثناء ہے۔

تین جمعے چھوڑنے کی سزا: حضرت ابو جعد ضمیری صحابی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تین جمعے حقیر سمجھتے ہوئے ترک کر دے گا اللہ اس کے دل پر چھاپ لگا دے گا رواہ احمد وابوداؤد والترمذی والنسائی۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

بغیر عذر کے جمعہ ترک کرنا: حضرت عبداللہ بن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بغیر عذر کے جمعہ ترک کر دیا اس کو منافق لکھ دیا جائے گا اس کتاب میں جس کو نہ مٹایا جائے گا نہ تبدیل کیا جائے گا۔ بعض روایات میں تین جمعوں کا لفظ ہے رواہ الشافعی ابو یعلی کی روایت میں آیا ہے جس نے متواتر تین جمعے ترک کر دیے اس نے اسلام کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اس حدیث کے راوی قابل اعتماد ہیں۔

جس کو جمعہ کی پرواہ نہیں اس کی اللہ کو پرواہ نہیں

حضرت جابر بن عبداللہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ واجب ہے سواء اس کے کہ بیمار ہو یا مسافر یا عورت یا بچہ یا غلام جو شخص کھیل یا تجارت میں مشغول رہ کر (جمعہ کی) پرواہ نہیں کرے گا اللہ کو بھی اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اللہ بے نیاز اور مستحق ستائش ہے۔ رواہ الدار قطنی۔ علماء کا اجماع ہے کہ جمعہ فرض عین ہے (ہر شخص پر واجب ہے) جو شخص اس کو فرض کفایہ کہتا ہے۔ غلطی کرتا ہے۔

مسافر پر جمعہ واجب نہیں: مسافر پر جمعہ باجماع علماء واجب نہیں زہری اور نخعی کا ایک قول روایت میں آیا ہے کہ مسافر اگر جمعہ کی اذان سن لے تو اس پر جمعہ واجب ہو جاتا ہے۔ غلام اور عورت پر جمعہ واجب نہیں۔

نابینا: اگر کوئی ایسا رہبر نہ ہو جو نابینا کو جمعہ کی نماز تک پہنچا دے تو نابینا پر باتفاق علماء جمعہ واجب نہیں۔

مسئلہ: اگر غلام یا مسافر یا عورت یا مریض جمعہ کی نماز میں آ جائے اور جمعہ پڑھ لے تو جمعہ صحیح ہو جاتا ہے اور ظہر کا فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شہر کے اندر صرف غلاموں اور مسافروں کے ساتھ بھی جمعہ کی نماز صحیح ہو جاتی ہے جب کہ جماعت میں کوئی مقیم یا حر (آزاد) نہ ہو۔ صرف بچوں اور عورتوں کا جمعہ باتفاق درست نہیں۔ جمعہ تمام مردوں پر واجب ہے عورتوں پر باجماع علماء واجب نہیں اور بچے تو مامور ہی نہیں کیوں کہ وہ شرعاً مکلف نہیں ہیں۔ سب مردوں پر وجوب اس وجہ سے ہے کہ آیت فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ میں خطاب عمومی ہے لیکن غلاموں مسافروں اور معذوروں کو ترک جمعہ کی اجازت دیدی گئی ہے اب اگر ان میں سے کوئی جمعہ پڑھ لے تو اس نے اپنا فرض ادا کر دیا اس لئے اس کا جمعہ صحیح ہو گیا۔ جیسے اگر کوئی مسافر سفر میں رمضان کے روزے رکھ لے تو ادائیگی فرض ہو جاتی ہے۔

جمعہ کے لئے خطبہ: جمعہ کی نماز کے لئے باتفاق علماء خطبہ شرط ہے کیونکہ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ میں ذکر سے خطبہ مراد ہے۔

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن دو خطبے دیتے تھے اور دونوں کے درمیان جلسہ ہوتا تھا۔ متفق علیہ۔

مسلم کی روایت ہے کہ جمعہ کے دن حضرت کعب بن عجرہ مسجد میں داخل ہوئے ابن ام الحکم بیٹھ کر خطبہ دے رہا تھا' آپ نے فرمایا اس خبیث کو دیکھو بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے حالانکہ اللہ فرماتا ہے اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ۔ ابن ہمام نے اس حدیث سے قیام واجب نہ ہونے پر استدلال کیا ہے' کیونکہ نہ حضرت کعب نے ابن الحکم کی نماز فاسد ہو جانے کا حکم دیا اور نہ کسی اور نے۔ اس سے معلوم ہوا صحابہ قیام کو لازم نہیں جانتے تھے۔

مسئلہ: خطبے میں پانچ باتیں ہونا مسنون ہیں۔ اللہ کی حمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود' تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت' مومن مردوں اور عورتوں کے لئے دُعا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ سب واجب ہیں۔ دونوں خطبوں کے لئے طہارت بھی واجب ہے' امام شافعی کا قوی قول یہی ہے۔

مسئلہ: خطبہ ہو رہا ہو تو حاضرین کے لئے کلام کرنا حرام ہے خواہ خطبہ سنائی دے رہا ہو یا سنائی نہ دے رہا ہو امام مالک اور امام ابوحنیفہ کا یہی فتویٰ ہے۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام خطبہ دے رہا ہو اور تیرا ساتھی کوئی بات کر رہا ہو اور تو اپنے ساتھی سے کہے چپ رہ تو تو نے لغو بات کی (یعنی یہ کہنا بھی لغو ہے)

امام احمد نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن جب امام خطبہ دے رہا ہو اور کوئی شخص بات کرے تو وہ گدھے کی طرح ہے جو کتابیں اپنے اوپر لادے ہوئے (پھر رہا) ہو یہ دونوں حدیثیں خطبہ کے وقت حرمت کلام پر دلالت کر رہی ہیں اسی طرح آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ الخ بھی (خطبہ کے وقت) بات کرنے کی حرمت پر دلالت کر رہی ہے۔

حضرت حسن وحسین کے لئے منبر سے اترنا

ابن خزیمہ اور حاکم نے حضرت بریدہ کی حدیث نقل کی ہے۔ حضرت بریدہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ اتنے میں حسن اور حسین سرخ (یعنی سرخ دھاری والی) قمیصیں پہنے پاؤں پاؤں چلتے ہوئے آ گئے دونوں کی چال میں لرزش تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوراً منبر سے اتر آئے اور دونوں کو اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا پھر فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک امتحان ہے میں نے ان دونوں بچوں کو لرزتے قدموں سے چلتے دیکھا تو مجھ سے رُکا نہ گیا آخر میں نے اپنی بات (یعنی خطبہ) کاٹ کر دونوں کو اٹھا لیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی فرمانبرداری

ابوداؤد نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا کہ جمعہ کے دن جب منبر پر متمکن ہو گئے تو فرمایا بیٹھ جاؤ ابن مسعود نے یہ حکم سن لیا اس وقت وہ مسجد کے دروازے پر تھے۔ وہیں بیٹھ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑ گئی فرمایا عبداللہ بن مسعود ادھر آ جاؤ۔

دوران خطبہ ایک شخص کا سوال: حضرت انسؓ راوی ہیں کہ جمعہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے ایک شخص آیا اور بولا قیامت کب ہو گی۔ لوگوں نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ خاموش رہے۔ مگر اس نے نہیں مانا اور وہی بات دوبارہ کہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے اس کے لئے کیا تیار کر رکھا ہے اس نے جواب دیا (صرف) اللہ اور اس کے رسول کی محبت۔ فرمایا تو اسی کے ساتھ ہو گا۔ جس سے تجھے محبت ہے۔ رواہ احمد کا والنسائی وابن خزیمہ والبیہقی۔

ایک دیہاتی کا سوال: حضرت انسؓ کی روایت ہے جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خطبہ دے رہے تھے) اسی اثنا میں ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سارا) مال تباہ ہو گیا اس کے بعد پوری حدیث استسقاء راوی نے بیان کی۔ متفق علیہ۔

دوران خطبہ گفتگو کا مسئلہ: امام ابوحنیفہ نے فرمایا آیت فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کے مقابل احادیث احاد کو لایا جائے اور آیت کو احادیث کا ہم وزن قرار دیا جائے ایسا ممکن نہیں (کیونکہ آیت یقینی قطعی ہے اور احادیث ظنی ہیں جو مفید یقین نہیں اس لئے آیت پر فتویٰ دیا جائے گا اور احادیث کو ترک کر دیا جائے گا) پھر یہاں تو احتیاط کا تقاضا بھی ہے کہ آیت پر ہی عمل کیا جائے اور خطبہ کے وقت سننے والوں کے لئے کلام کرنے کو ناجائز کہا جائے۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا۔ کلام مطلقاً حرام ہے آثار صحابہ سے یہی ثابت ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس حضرت ابن عمر اور حضرت علی کی طرف نسبت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ یہ حضرات امام کے برآمد ہونے کے بعد کلام اور نماز کو مکروہ قرار دیتے تھے۔

خطبہ کے دوران نماز: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا اگر تم اپنے ساتھی سے کہو چپ رہ تو تم نے لغو حرکت کی یہ حدیث بدلالۃ نص نماز اور تحیۃ المسجد سے منع کر رہی ہے کیوں کہ اس حدیث میں امر بالمعروف کی بھی ممانعت کی ہے اور امر بالمعروف کا درجہ سنت جمعہ اور تحیۃ المسجد سے بلند ہے لہٰذا سنت جمعہ ہوں یا تحیۃ المسجد بہرحال ان کا ممنوع ہونا بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوتا ہے۔

دار قطنی نے سنن میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے ایک آدمی مسجد میں آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے فرمایا اٹھ کر دو رکعتیں پڑھ لو اتنی دیر کہ وہ شخص نماز سے فارغ ہوا حضور خطبہ دینے سے رکے رہے۔

گاؤں میں جمعہ کا مسئلہ: باتفاق علماء صحراء میں نماز جمعہ جائز نہیں البتہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ وہ میدان جو شہر کے حکم میں ہے (یعنی شہر کے تابع ہے اگرچہ حدود آبادی سے باہر ہے) اس میں نماز جمعہ جائز ہے۔

جمعہ کی نماز کے لئے جماعت کا ہونا بھی بالاتفاق ضروری ہے۔ جمعہ کا لفظ ہی جماعت پر دلالت کر رہا ہے۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا جمعہ کی نماز صرف مصر جامع میں ہی جائز ہے مصر جامع سے مُراد ہے وہ شہر جس میں کوچے گلیاں ہوں بازار ہوں وہاں ایک حاکم بھی ہو جو ظالم سے مظلوم کا حق دلوا سکتا ہو۔ خواہ وہ جابر ہو ظالم سے مظلوم کا حق نہ دلواتا ہو مگر اس کی قدرت رکھتا ہو وہاں ایک عالم بھی ہو جس کی طرف مختلف ضرورتوں میں رجوع کیا جا سکے۔

حوالی مدینہ کے رہنے والے اپنی بستی سے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (مسجد نبوی میں) جمعہ کی نماز پڑھتے تھے۔ (اپنی بستی میں نہیں

پڑھتے تھے) کذا فی الصحیح۔

قبا کے رہنے والے بھی (قبا سے آ کر جمعہ کی نماز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتے تھے۔ کذا روی ابن ماجه و ابن خزیمة قبا کے ایک باشندے نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا تھا کہ قبا سے (مدینہ میں آ کر) ہم جمعہ کی نماز میں حاضر ہوں۔

بیہقی کی روایت ہے کہ ذوالحلیفہ کے باشندے مدینہ میں آ کر جمعہ کی نماز پڑھتے تھے۔

دور صحابہ میں مختلف ممالک اور متعدد شہر فتح ہوئے وہاں مسجدیں تعمیر کی گئیں منبر نصب کئے گئے اور جمعہ کی نماز قائم کی گئی لیکن اقامت جمعہ صرف شہروں میں ہوئی لیکن گاؤں میں نہیں ہوئی اگر کسی گاؤں میں جمعہ کی نماز قائم کی گئی ہوتی تو تاریخی روایات میں کہیں اس کا ذکر ضرور ہوتا۔

جو علماء قریہ گاؤں میں جواز جمعہ کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے اول جمعہ کی نماز بنی عمرو بن سلیم کے محلہ میں پڑھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو بستی شہر کے قریب ہو اس میں جمعہ کی اقامت اسی طرح جائز ہے جیسے شہر کے کسی حاشیہ کے محلہ میں اور یہی نہیں بلکہ شہر کے باہر یعنی بستی کے باہر میدان میں جس کا تعلق شہر سے ہو جمعہ جائز ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک شہر ہونا ضروری ہے۔ اور شہر قریہ سے بڑا ہوتا ہے۔

اگر شہر (مصر) میں جمعہ کی نماز پڑھ لی تو بالاتفاق جمعہ ادا ہو گیا اور ظہر ساقط ہو گیا۔

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں جمعہ ہونے کے بعد جو جمعہ سب سے پہلے پڑھا گیا وہ جواثا میں پڑھا گیا۔ جو اثا بحرین میں ایک قریہ تھا۔ رواہ البخاری۔

جوہری نے صحاح میں لکھا ہے کہ جواثا بحرین میں ایک قلعہ تھا جب قلعہ کا نام جواثا تھا تو یقیناً جواثا شہر ہوا کیوں کہ قلعہ کا ایک حاکم بھی ہوتا ہے اور دینی عالم بھی (اس لئے ہر قلعہ شہر ہو گیا) مبسوط میں ہے کہ جواثا بحرین میں ایک مدینہ (بڑا شہر) تھا۔

جمعہ کے لئے کم از کم تعداد: امام ابوحنیفہ کے نزدیک (کم سے کم) چار ہونا ضروری ہیں کیوں کہ اللہ نے جمعہ کے متعلق فرمایا ہے۔ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ فاسعوا کے مخاطب تین ہوئے (تین سے جمع شروع ہوتی ہے) اور ذکر کے لئے ایک ذاکر (خطیب) ہونا چاہئے مجموعہ چار ہو گئے میں کہتا ہوں، امام صاحب کا یہ استدلال صحیح نہیں کیوں کہ جمع کا صیغہ اس لئے ذکر کیا کہ خطاب عام ہے تعداد جماعت شرط نہیں ورنہ لازم آئیگا کہ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ اور تمام امورات میں جماعت کی شرط ضروری ہو جائے۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پنج وقتی جماعتوں سے جمعہ کی جماعت بڑی ہونا ضروری ہے جماعت ہر وقت کی نماز کی ہوتی ہے لیکن جمعہ کا لفظ بتا رہا ہے کہ دوسری جماعتوں سے جمعہ کی جماعت بڑی ہونی چاہئے اسی لئے جمعہ کو جامع الجماعات کہا جاتا ہے اور کم سے کم جماعت کا اطلاق دو پر ہوتا ہے اسی لئے امام ابو یوسف نے تین مقتدی مع امام ہونے کی شرط لگائی ہے اور امام ابو حنیفہ نے امام کے علاوہ تین مقتدیوں کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔

مسئلہ: صحت جمعہ کے لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حاکم شہر یا اس کی اجازت سے کسی دوسرے کا امام ہونا لازم ہے امام مالک امام شافعی اور امام احمدؒ کے نزدیک امامت جمعہ کے لئے یہ شرط ضروری نہیں اور ایسی شرط ضروری قرار دینے کی کوئی قابل اعتماد دلیل بھی موجود نہیں ہے۔

جمعہ کا وقت: جمہور کے نزدیک ظہر کا وقت اداء جمعہ کی ضروری شرط ہے کیونکہ صلوٰۃ جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے اداء جمعہ سے ظہر کا فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ اور جب تک ظہر واجب نہ ہو جمعہ بھی واجب نہ ہوگا اور ظہر کا قائم مقام نہ ہو سکے گا۔

حضرت انسؓ بن مالک کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز جمعہ پڑھنے کے بعد قیلولہ کرنے کے لئے لوٹتے تھے۔ رواہ البخاری۔

ہمارے مسلک کا ثبوت ان احادیث سے ہوتا ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں کہ (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر کو لکھ کر بھیجا تھا۔

اما بعد۔ دیکھو جس روز یہودی جہر کے ساتھ زبور کی تلاوت کرتے ہیں۔ (یعنی جمعہ کے دن) تم اپنی عورتوں اور بیٹوں کو اس روز جمع کرو اور جب زوال ہو جائے تو دو رکعتیں پڑھ کر اللہ کا تقرب حاصل کرو۔

(۲) حضرت انس راوی ہیں کہ جب سورج جھک جاتا تھا (یعنی زوال ہو جاتا تھا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز پڑھتے تھے۔ رواہ البخاری۔ والترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۳) حضرت سلمہ بن اکوع کا بیان ہے کہ جب سورج ڈھل جاتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم جمعہ کی نماز پڑھتے تھے۔ رواہ مسلم

یوسف بن مالک کا بیان ہے کہ حضرت معاذ بن جبل جب مکہ شریف میں آئے تو اس وقت لوگ جمعہ کی نماز پڑھ رہے تھے۔ اور سایہ حجروں کے اندر تھا حضرت معاذؓ نے فرمایا اس وقت تک جمعہ کی نماز نہ پڑھا کرو جب تک کعبہ کا سایہ سامنے سے نہ آ جائے۔ (یعنی زوال نہ ہو جائے) رواہ الشافعیؒ۔

میں کہتا ہوں نماز جمعہ کے لئے عمومی اجازت کی ضرورت اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر کو تحریری حکم بھیجا تھا کہ مدینہ میں لوگوں کو جمعہ پڑھائیں لیکن مکہ میں حضور نے اس وقت خود جمعہ نہیں پڑھا حالانکہ اپنے گھر میں صرف صحابہ کو جمع کر کے جمعہ پڑھنا ممکن تھا لیکن اعلان عام ممکن نہیں تھا اس لئے جمعہ نہیں پڑھا۔

گاؤں والوں کے لئے جمعہ کا مسئلہ: اگر کوئی ایسے گاؤں یا صحراء میں رہتا ہوں جہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تو کیا شہر میں جمعہ کے لئے حاضر ہونا اس پر واجب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گاؤں اور صحراء کے رہنے والوں پر بالکل جمعہ واجب نہیں (خواہ اس کا مسکن شہر سے کتنا ہی قریب ہو) یہی قول امام احمدؒ کا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالک کا قول ہے کہ جس شخص پر جمعہ واجب ہے اس سے نماز عید کے بعد بھی جمعہ ساقط نہیں ہوتا کیوں کہ جمعہ کا ثبوت قرآن، سنت اور اجماع سے ہے پھر حدیث آحاد سے اس کا سقوط کیسے ہوسکتا ہے علاوہ ازیں صلوٰۃ جمعہ کو نافلہ قرار دینا اور یہ کہنا کہ جو چاہے شریک جمعہ ہو جائے نافلہ کو فرض کے قائم مقام قرار دیتا ہے اور نفل فرض کے قائم مقام نہیں ہوسکتا۔

مسافر کے لئے جمعہ کا مسئلہ: جس پر جمعہ واجب ہے اور زوال کے بعد جمعہ پڑھنے سے پہلے وہ سفر کا ارادہ رکھتا ہو تو جائز نہیں ہاں اگر جمعہ کی نماز راستہ میں پڑھ سکے یا رفقاء سفر سے پیچھے رہ جانے اور کٹ جانے کا اندیشہ ہو تو زوال کے بعد اداء جمعہ سے پہلے بھی روانہ ہوسکتا ہے البتہ جمعہ کے دن زوال سے پہلے امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک سفر پر روانہ ہوسکتا ہے۔

ایک شہر میں دو جمعے: تاریخ بغداد میں خطیب نے لکھا ہے کہ ایک شہر کے اندر قدیم مسجد میں جمعہ ہونے کے باجود دوسری جگہ بھی جمعہ کی اقامت معتصم کے زمانہ میں ۲۸۰ھ میں ہوئی معتصم نے قصر سلطانی میں نماز جمعہ پڑھی کیوں کہ ہجوم عام میں شریک ہونے سے خلفاء ڈرنے لگے تھے۔ لیکن جمعہ کے لئے دوسری مسجد مقرر نہیں کی گئی تھی۔ (صرف قصر خلافت میں دوسرا جمعہ ہونے لگا تھا) پھر مکتفی کے عہد میں جمعہ کے لئے ایک مسجد دوسری بھی بنا دی گئی اور لوگ اس میں بھی جمع ہونے لگے۔

ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں لکھا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن عاص اور حضرت سعد بن ابی وقاص کو لکھا کہ جامع مسجد (اپنے شہر میں) ایک تعمیر کریں جہاں اقامت جمعہ کی جائے اور مختلف قبائل کے لئے الگ الگ مسجدیں (ان کے علاقہ میں پنجگانہ نمازوں کے لئے) بنادیں۔

جمعہ کے دن غسل: جمعہ کے دن غسل کرنا سنت ہے امام مالک اور داؤد ظاہری کے نزدیک غسل جمعہ واجب ہے۔

حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن ہر بالغ پر غسل کرنا واجب ہے (متفق علیہ) حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ (کی نماز) کی طرف (یعنی جمعہ کی نماز پڑھنے) آئے اس کو غسل کر لینا چاہئے (متفق علیہ) یہ حدیث مشہور بلکہ متواتر ہے۔

نماز جمعہ کی سنتیں: امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسف نماز جمعہ سے پہلے اور نماز جمعہ کے بعد چار چار سنتوں کے قائل ہیں کیوں کہ حضرت ابن مسعود ایسا ہی کرتے تھے۔ ترمذی نے جامع میں حضرت ابن مسعود کا یہی عمل ذکر کیا ہے ابن مبارک اور ثوری کا بھی یہی قول ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے آیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص جمعہ کی نماز پڑھے تو جمعہ کے بعد چار رکعت نماز بھی پڑھے۔ واللہ اعلم۔

جمعہ پڑھنے والوں کے نام کا اندراج

بغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کا دن ہوتا ہے تو مسجد کے ہر دروازہ پر فرشتے آجاتے ہیں اور مسجد میں داخل ہونے والوں کے نام نوبت بنوبت لکھتے رہتے ہیں پھر جب امام برآمد ہو جاتا ہے تو (لکھنا بند ہو جاتا ہے اور) کاغذ لپیٹ دئے جاتے ہیں اور خطبہ سننے لگتے ہیں۔ نماز کے لئے سب سے پہلے آنے والا ایسا ہے جیسے اونٹ کی قربانی کرنے والا اس کے بعد آنے والا گائے کی قربانی پیش کرنے والے کی طرح ہے پھر اس سے متصل آنے والا مینڈھے کی قربانی کرنے والے کی طرح ہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغی اور انڈے (کی پیش کش) کا بھی ذکر کیا اسی طرح کی روایت۔ صحیحین میں بھی آئی ہے۔

جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی: بخاری اور مسلم کی دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس ساعت میں جو مسلمان کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہو اور اللہ سے خیر کا طلبگار ہو اللہ اس کی دعا قبول فرماتا ہے مسلم کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ وہ ساعت خفیف ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ساعت جمعہ کے متعلق فرمار ہے تھے کہ وہ ساعت امام کے بیٹھنے اور نماز ختم کرنے کے درمیان ہے۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ میں طور کو گیا کعب احبار سے (وہاں) ملاقات ہوئی میں ان کے پاس بیٹھ گیا انہوں نے کہا توریت کی باتیں مجھ سے بیان کیں میں نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ حدیثیں بتائیں جو حدیثیں میں نے ان سے بیان کی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلوع آفتاب کے ہر دن سے افضل جمعہ کا دن ہے اسی روز آدم کو پیدا کیا گیا اسی روز ان کی توبہ قبول کی گئی۔ اسی روز ان کی وفات ہوئی او اسی روز قیامت بپا ہوگی اور سواء جن وانس کے ہر جانور جمعہ کے دن فجر (صادق) سے طلوع آفتاب تک قیامت کے خوف سے چیختا ہے جمعہ کے دن ہی ایک گھڑی ایسی ہے کہ اگر اس وقت کوئی مسلمان بندہ نماز پڑھتے میں اللہ سے کوئی دعا کرتا ہے تو اللہ اس کی درخواست قبول فرماتا ہے۔

کعب نے کہا یہ ساعت ہر سال ایک دن ہوتی ہے۔ میں نے کہا (نہیں) بلکہ ہر جمعہ (کے دن) یہ سن کر کعب نے توریت پڑھی اور پڑھنے کے بعد کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اس کے بعد میں حضرت عبداللہ بن سلام سے ملا اور مجلس میں جو گفتگو کعب احبار سے ہوئی وہ بیان کی اور جو حدیث میں نے بیان کی تھی اور کعب نے جو ہر سال (ایک ساعت کا ہونا) بیان کیا تھا وہ بتا دیا تو حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا کعب نے غلط کہا لیکن جب میں نے کہا۔ کہ کعب نے توریت پڑھنے کے بعد کہا تھا کہ ہر جمعہ کے دن وہ ساعت ہوتی ہے تو حضرت عبداللہ نے کہا کعب نے صحیح کہا کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ ساعت کونسی ہے حضرت ابو ہریرہ نے کہا (مجھے علم نہیں) آپ بخل نہ کیجئے مجھے بتا دیجئے حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا وہ جمعہ کی آخری ساعت ہے حضرت ابو ہریرہ نے کہا جمعہ کی آخری ساعت کیسے ہوسکتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ اس ساعت میں اگر کوئی مسلمان بندہ نماز پڑھتے میں کوئی دعا کرتا ہے الخ اور اس ساعت یعنی دن کی آخری ساعت میں تو نماز پڑھی نہیں جاتی۔

حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے وہ نماز پڑھنے تک نماز (کے حکم) میں ہی ہوتا ہے۔ میں نے کہا بیشک فرمایا تو تھا حضرت عبداللہ نے فرمایا تو (بس اس حدیث میں بھی نماز پڑھنے سے) یہی مراد ہے۔ رواہ مالک وابوداؤد والترمذی۔

جمعہ کے دن درود شریف کی کثرت

حضرت اوس بن اوس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے بزرگ ترین ایام میں سے جمعہ کا دن بھی ہے اسی روز آدم پیدا ہوئے اسی دن ان کی وفات ہوئی۔ اسی دن صور پھونکی جائے گی اسی دن بیہوشی ہوگی اس لئے (اس دن) مجھ پر درود کی کثرت کیا کرو تمہارا درود مجھے پیش کیا جائے گا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا درود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشی میں کیسے لایا جائے گا؟ آپ کا جسم تو فنا ہو چکا ہوگا فرمایا اللہ نے انبیاء کے اجسام کو کھانا زمین کے لئے حرام کر دیا ہے۔ رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ والداری والبیہقی۔

جمعہ کے دن کی پانچ خصوصیات

ابولبابہ نے بروایت ابن المنذر بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کا دن سب دنوں کا سردار اور اللہ کے نزدیک تمام ایام سے زیادہ عظمت والا ہے روز اضحیٰ اور روز فطر سے (بھی زیادہ) عظمت والا ہے اس میں پانچ خصوصیات ہیں اسی دن آدم کو پیدا کیا گیا اسی دن ان کو زمین پر اتارا گیا اسی دن ان کی وفات ہوئی اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ اگر اس میں بندہ اللہ سے کچھ مانگتا ہے اللہ اس کو عطا فرما دیتا ہے۔ بشرطیکہ وہ حرام نہ ہو۔ اسی دن قیامت برپا ہوگی ہر مقرب فرشتہ اور آسمان و زمین اور ہوائیں اور پہاڑ اور سمندر سب ہی روز جمعہ سے ڈرتے ہیں۔ (کیونکہ جمعہ کے دن ہی قیامت برپا ہوگی) رواہ ابن ماجہ۔

حضرت سعد بن معاذ کی روایت ہے امام احمد نے بیان کیا ہے کہ ایک انصاری نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن میں کیا کیا بھلائیاں ہیں ہم کو آگاہ فرمایئے ارشاد فرمایا اس میں پانچ خصوصیات ہیں۔ الی آخرہ۔

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں۔ عرض کیا گیا جمعہ کا نام جمعہ کس خصوصیت کی وجہ سے ہوا فرمایا تمہارے باپ آدم کا خمیر اس روز ہموار کیا گیا اسی روز (صور کی آواز سے عام) بے ہوشی ہوگی اور (مردوں کو قبروں سے) اٹھایا جائے گا اور اسی میں پکڑ ہوگی اس کے آخر کے تین ساعتوں میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اس ساعت میں جو کوئی اللہ سے دعا کرتا ہے اس کی دعا قبول ہوتی ہے رواہ احمد۔

حضرت ابودرداء راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر درود بکثرت بھیجا کرو یہ دن مشہود ہے (یعنی) فرشتے (جمعہ میں) موجود ہوتے ہیں جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھے گا۔ اس کا درود میرے سامنے لایا جائے گا۔ میں نے عرض کیا کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی (جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مٹی ہو جائے گا) فرمایا اللہ نے انبیاء کے جسم زمین کے لئے حرام کر دیئے ہیں اللہ کا نبی زندہ (رہتا ہے) اس کو اللہ کی طرف سے رزق دیا جاتا ہے۔ رواہ ابن ماجہ۔

جمعہ کی موت: حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو مرتا ہے اللہ اس کو قبر کے فتنہ (آزمائش یا مصیبت) سے محفوظ رکھتا ہے۔ رواہ احمد والترمذی ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ اس کی اسناد متصل نہیں ہے۔

جمعہ کا دن اور رات: حضرت انس کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔ جمعہ کا دن بڑا روشن پیشانی والا یعنی ممتاز دن ہے اور جمعہ کی رات بڑی سفید و چمکیلی رات ہے۔ رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر۔

ساعت جمعہ: جزری مؤلف حصن حصین نے مسلم کی روایت کردہ یہ حدیث منتخب کی ہے۔ اور اسی کو پسند کیا ہے کہ ساعت جمعہ سے مراد وہ ساعت ہے جو (خطبہ کے لئے) امام کے برآمد ہونے سے ختم نماز تک ہوتی ہے (رواہ ابوموسیٰ) اکثر علماء نے حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت کو اختیار کیا ہے جو حضرت عبداللہ بن سلام کے حوالہ سے حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کی ہے یعنی یوم الجمعہ کی آخری ساعت حدیث میں مراد ہے۔

اسی طرح نسائی وغیرہ نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس کو عصر کے بعد آخری وقت میں تلاش کرو۔ بیہقی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب قدر کی طرح اس ساعت کو تعیین کے ساتھ جانتے تھے پھر جس طرح

شب قدر کی تعیین فراموش کرادی گئی اسی طرح اس ساعت کی تعیین کے ساتھ جانتے تھے پھر جس شب قدر کی تعیین فراموش کرادی گئی اسی طرح اس ساعت کی تعیین بھی (اللہ کی طرف سے بھلادی گئی) ابن خزیمہ نے صحیح میں حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوسعید نے فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ساعت (کی تعیین) کے متعلق دریافت کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جانتا تو تھا پھر مجھے فراموش کرادی گئی۔ جیسے شب قدر فراموش کرادی گئی۔ اثرم نے کہا دوصورتوں میں سے ایک صورت ماننی پڑے گی یا تو بعض احادیث کو بعض پر صحت کے لحاظ سے ترجیح دینی ہوگی یا یہ کہا جائے گا کہ جمعہ کے دن ساعت مقبولیت منتقل ہوتی رہتی ہے کبھی کسی وقت کبھی کسی وقت جیسے شب قدر منتقل ہوتی رہتی ہے۔ رمضان کے آخری عشرہ میں کبھی کسی تاریخ کو شب قدر ہوتی ہے کبھی کسی تاریخ کو۔ میں کہتا ہوں حضرت ابوموسیٰ اور حضرت عبداللہ بن سلام کی روایتوں کی تطبیق اس طرح کی جاسکتی ہے کہ حضرت عبداللہ نے جمعہ کی آخری ساعت کو ساعت مقبولیت کہا وہ توریت سے نقل کر کے کہا کیوں کہ حضرت موسیٰ کی شریعت میں جمعہ کی نماز ہی نہیں تھی۔ بنی اسرائیل روز شنبہ کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ (اور شنبہ ہی ان کی خصوصی عبادت کا دن تھا) بس جس بستی یا صحراء میں جمعہ کی نماز پڑھی ہی نہیں جاتی وہاں کے رہنے والوں کے لئے جمعہ کی آخری ساعت ہی ساعت مقبولیت ہوگی۔ اور جہاں اور جب جمعہ کی نماز پڑھی جاتی ہے وہاں کے لوگوں کے لئے ساعت مقبولیت جمعہ کی نماز کی ہی ساعت ہوگی۔ جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ کی روایت میں آیا ہے۔

ساعت جمعہ کی تعیین کے متعلق ان دوقولوں کے علاوہ کوئی قول قابل اعتماد نہیں ہے۔

جمعہ کی نماز میں تلاوت: حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی پہلی رکعت میں سورت جمعہ اور دوسری رکعت میں سورۃ منافقوں پڑھتے تھے۔ (رواہ مسلم)

حضرت نعمان بن بشیر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں عیدوں میں اور جمعہ میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى اور هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ پڑھتے تھے۔ اور اگر جمعہ کے دن عید پڑ جاتی تھی۔ تو دونوں نمازوں میں بھی یہی پڑھتے تھے۔ رواہ مسلم۔

ابوداؤد نسائی اور ابن حبان نے حضرت سمرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں سَبِّحِ اسْمَ اور هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ پڑھتے تھے۔

بغوی کا بیان ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ جمعہ کے دن یعنی جمعہ کی نماز میں سورت جمعہ کے بعد کیا پڑھتے تھے فرمایا هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ پڑھتے تھے۔

حضرت ابوسعید کی مرفوع روایت ہے کہ جمعہ کے دن جو شخص سورت کہف پڑھے گا دونوں جمعوں کے درمیان اس کے لئے ایک نور درخشاں ہوگا۔

اس حدیث کی شاہد حضرت ابن عمرؓ کی روایت بھی ہے جو ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں بیان کی ہے۔

فصل: حضرت جابرؓ کی مرفوع حدیث ہے تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو اسکی جگہ سے اٹھا کر خود اس کی بجائے نہ بیٹھے بلکہ تنگ جگہ ہو تو کہہ دے ذرا جگہ دیدو۔ رواہ مسلم۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے جو شخص بیکار بات کرتا ہے اور لوگوں کی گردنیں الانگتا ہے۔ (اس کو جمعہ کا ثواب نہیں ملتا بلکہ) اس کی ظہر کی نماز ہوتی ہے۔ رواہ ابوداؤد۔ (تفسیر مظہری)

اطمینان سے آؤ: روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تھے جو لوگوں کے پاؤں کی آہٹ زور سے سنی فارغ ہو کر فرمایا کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا حضرت ہم جلدی جلدی نماز میں شامل ہوئے۔ فرمایا ایسا نہ کرو نماز کو اطمینان کے ساتھ چل کر آؤ جو پاؤ پڑھ لو جو چھوٹ جائے پوری کرلو۔

جمعہ کا ثواب: سنن اربعہ میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن اچھی طرح غسل کرے اور سویرے سے ہی مسجد کی طرف چل دے پیدل جائے سوار نہ ہو اور امام سے قریب ہو کر بیٹھے خطبے کو کان لگا کر سنے لغو نہ کرے تو اسے ہر ہر قدم کے بدلے سال بھر کے روزوں اور سال بھر کے قیام کا ثواب ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن جنابت کے غسل کی طرح غسل کرے اول ساعت میں جائے اس نے گویا ایک اونٹ خدا کی راہ میں قربان کیا۔

مسند احمد میں ہے جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور اپنے گھر والوں کے خوشبو ملے اگر ہو اور اچھا لباس پہنے پھر مسجد میں آئے اور کچھ نوافل پڑھے اگر جی چاہے اور کسی کو ایذا نہ دے (یعنی گردنیں پھلانگ کر نہ آئے نہ کسی بیٹھے ہوئے کو ہٹائے) پھر جب امام آجائے اور خطبہ شروع ہو خاموشی سے سنے تو اس کے گناہ جو اس جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک کے ہوں سب کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

جمعہ کے مخصوص کپڑے: ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منبر پر بیان فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے کسی پر کیا حرج ہے اگر وہ اپنے روز مرہ کے محنتی لباس کے علاوہ دو کپڑے خرید کر جمعہ کے لئے مخصوص کررکھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمان اس وقت فرمایا جب لوگوں پر وہی معمولی چادریں دیکھیں تو فرمایا کہ اگر طاقت ہو تو ایسا کیوں نہ کرلو۔ (تفسیر ابن کثیر)

سعی: فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ سعی کے معنی دوڑنے کے بھی آتے ہیں اور کسی کام کو اہتمام کے ساتھ کرنے کے بھی' اس جگہ یہی دوسرے معنی مراد ہیں' کیونکہ نماز کے لئے دوڑتے ہوئے آنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب نماز کے لئے آ ؤ تو سکینت اور وقار کے ساتھ آ ؤ'
آیت کے معنی یہ ہیں کہ جب جمعہ کے دن جمعہ کی اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ و' یعنی نماز وخطبہ کے لئے مسجد کی طرف چلنے کا اہتمام کرو' جیسا دوڑنے والا کسی دوسرے کام کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ اذان کے بعد تم بھی کسی اور کام کی طرف بجز نماز وخطبہ کے توجہ نہ دو (ابن کثیر) ذِکْرِ اللہِ ' سے مراد نماز جمعہ بھی ہوسکتی ہے اور خطبہ جمعہ جو نماز جمعہ کے شرائط وفرائض میں داخل ہے وہ بھی' اس لئے مجموعہ دونوں کا مراد لیا جائے یہ بہتر ہے۔ (مظہری وغیرہ)

وَذَرُوا الْبَيْعَ ۔ یعنی چھوڑ دو بیع (فروخت کرنے کو) صرف بیع کہنے پر اکتفاء کیا گیا اور مراد بیع وشراء (یعنی خرید وفروخت) دونوں ہیں' وجہ اکتفاء کی یہ ہے کہ ایک کے چھوٹنے سے دوسرا خود بخود چھوٹ جائے گا۔ جب کوئی فروخت کرنے والا فروخت نہ کرے گا تو خریدوالے کے لئے خریدنے کا راستہ ہی نہ رہے گا۔

خرید وفروخت چھوڑنے کا عملی انتظام

اس میں اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ اذان جمعہ کے بعد جو خرید وفروخت کو اس آیت نے حرام کر دیا ہے اس پر عمل کرنا تو بیچنے والوں اور خریداروں سب پر فرض ہے۔ مگر اس کا عملی انتظام اس طرح کیا جائے کہ دُکانیں بند کر دی جائیں تو خریداری خود بخود بند ہو جائے گی۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ گاہکوں اور خریداروں کی تو کوئی حد وشمار نہیں ہوتی اُن سب کے روکنے کا انتظام آسان نہیں' فروخت کرنے والے دُکاندار متعین اور معدود ہوتے ہیں ان کو فروخت سے روک دیا جائے تو باقی سب خرید سے خود رُک جائیں گے' اس لئے ذَرُوا الْبَيْعَ میں صرف بیع چھوڑ دینے کے حکم پر اکتفاء کیا گیا۔

فائدہ: اذان جمعہ کے بعد سارے ہی مشاغل کا ممنوع کرنا مقصود تھا جن میں زراعت تجارت' مزدوری سب ہی داخل ہیں' مگر قرآن کریم نے صرف بیع کا ذکر فرمایا۔ اس سے اس طرح بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ جمعہ کی نماز کے مخاطب شہروں اور قصبوں والے ہیں۔ چھوٹے دیہات اور جنگلوں میں جمعہ نہیں ہوگا۔ اس لئے شہروں اور قصبوں میں جو مشاغل عام لوگوں کو پیش آتے ہیں ان کی ممانعت فرمائی گئی وہ بیع وشراء کے ہوتے ہیں۔ بخلاف گاؤں والوں کے کہ ان کے مشاغل کاشت اور زمین سے متعلق ہوتے ہیں۔ اور باتفاق فقہاء اُمت یہاں بیع سے مراد فقط فروخت کرنا نہیں بلکہ ہر وہ کام جو جمعہ کی طرف جانے کے اہتمام میں مخل ہو وہ سب بیع کے مفہوم میں داخل ہے اس لئے اذان جمعہ کے بعد کھانا پینا' سونا' کسی سے بات کرنا' یہاں تک کہ کتاب کا مطالعہ کرنا وغیرہ سب ممنوع ہیں' صرف جمعہ کی تیاری کے متعلق جو کام ہوں وہ کئے جاسکتے ہیں۔

اذان جمعہ: اذان جمعہ شروع میں صرف ایک ہی تھی جو خطبہ کے وقت امام کے سامنے کہی جاتی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پھر صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے زمانے میں اسی طرح رہا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی۔ اور اطراف مدینہ میں پھیل گئی۔ امام کے سامنے والی خطبہ کی اذان دور تک سنائی نہ دیتی تھی تو عثمان غنیؓ نے ایک اور اذان مسجد سے باہر اپنے مکان زوراء پر شروع کرادی جس کی آواز پورے مدینہ میں پہنچنے لگی۔ صحابہ کرام میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ اس لئے یہ اذان اول باجماع صحابہ شروع ہوگئی۔

جمعہ کی مخصوص شرائط: اس پر پوری امت کا اجماع واتفاق ہے کہ جمعہ کے روز ظہر کے بجائے نماز جمعہ فرض ہے اور اس پر بھی اجماع واتفاق ہے کہ نماز جمعہ عام پانچ نمازوں کی طرح نہیں اس کے لئے کچھ مزید شرائط ہیں۔ پانچوں نمازیں تنہا بلا جماعت کے بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ دو آدمی کی بھی جماعت سے اور جمعہ بغیر جماعت کے ادا نہیں ہوتا۔ اور جماعت کی تعداد میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔ اسی طرح نماز پنجگانہ ہر جگہ دریا' پہاڑ' جنگل میں ادا ہو جاتی ہے' مگر جمعہ جنگل' صحراء میں کسی کے نزدیک ادا نہیں ہوتا' عورتوں' مریضوں' مسافروں پر جمعہ فرض نہیں' وہ جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز پڑھیں' جمعہ کس قسم کی بستی والوں پر فرض ہے اس میں ائمہ فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک جس بستی میں چالیس مرد احرار' عاقل' بالغ بستے ہوں اس میں جمعہ ہوسکتا ہے اس سے کم میں نہیں' امام مالکؒ کے نزدیک ایسی بستی کا ہونا ضروری ہے جس کے مکانات متصل ہوں اور اس میں بازار بھی ہو' امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہو جس سے گلی کوچے اور بازار ہوں اور کوئی قاضی حاکم فیصلۂ معاملات کے لئے ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت عمرؓ کے دور میں تاجروں کی حالت

روایات میں ہے کہ ایک دفعہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ بازار میں گشت لگا رہے تھے کہ مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی۔ جوں ہی اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی دیکھا کہ دکاندار اور تاجر اپنے دکانوں اور تجارتی دھندوں کو چھوڑ کر مسجد کی طرف جلدی جلدی جانے لگے۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ایک نظر سے دیکھا اور فرمایا سچ ہے اللہ نے ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں یہ آیت نازل فرمائی ہے۔
رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ ۔ (معارف کاندھلوی)

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو

تَعْلَمُوْنَ ⑨

سمجھ ہے ☆

☆ ظاہر ہے کہ منافع آخرت کے سامنے دنیوی فوائد کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا
پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو
فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ
زمین میں اور ڈھونڈو فضل
اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ
اللہ کا اور یاد کرو اللہ کو بہت سا تا کہ
تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰
تمہارا بھلا ہو☆

نماز جمعہ کے بعد روزی کی تلاش کرو

☆ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ "یہود کے ہاں عبادت کا دن ہفتہ تھا۔ سارا دن سودا منع تھا اس لیے فرمایا کہ تم نماز کے بعد روزی تلاش کرو، اور روزی کی تلاش میں بھی اللہ کی یاد نہ بھولو"۔ (تفسیر عثمانی)

جمعہ کے بعد تجارت وکسب میں برکت

حضرت عراک بن مالک رضی اللہ عنہ جب نماز جمعہ سے فارغ ہوکر باہر آتے تو دروازۂ مسجد پر کھڑے ہوکر یہ دعا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَجَبْتُ دَعْوَتَكَ وَصَلَّيْتُ فَرِيْضَتَكَ وَانْتَشَرْتُ كَمَا اَمَرْتَنِىْ فَارْزُقْنِىْ مِنْ فَضْلِكَ وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ (رواہ اب ابی حاتم' از ابن کثیر)۔ "یعنی یا اللہ میں نے تیرے حکم کی اطاعت کی اور تیرا فرض ادا کیا اور جیسا کہ تو نے حکم دیا ہے نماز پڑھ کر میں باہر جاتا ہوں تو اپنے فضل سے مجھے رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے"۔

اور بعض سلف صالحین سے منقول ہے کہ جو شخص نماز جمعہ کے بعد تجارتی کاروبار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر مرتبہ برکات نازل فرماتے ہیں۔ (ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ ۔ یعنی جب جمعہ کی نماز ادا کر چکے تو زمین پر پھیل جاؤ نماز کے بعد پھیل جانے کا حکم (وجوبی نہیں ہے بلکہ) اباحت کے لئے ہے۔ یعنی نماز کی وجہ سے جس کاروبار سے تم کو منع کر دیا گیا ہے۔ نماز کے بعد تم کو اس کی اجازت ہے حضرت ابن عباس نے اس کی تشریح میں فرمایا اگر چاہو تو بیٹھے رہو اور مسجد سے باہر جانا چاہتے ہو تو باہر چلے جاؤ۔ اور اگر دل چاہے تو عصر تک نماز پڑھتے رہو بعض اہل علم نے کہا زمین پر پھیل جانے سے مراد دنیا کمانے کے لئے پھیلنا نہیں ہے بلکہ بیمار کی عیادت کسی جنازہ کی شرکت اور لوجہ اللہ دوست کی ملاقات کے لئے جانا مراد ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا ۔ اور اللہ کا ذکر بہت کیا کرو یعنی تمام حالات میں اللہ کی یاد کیا کرو۔ ذکر خدا کو نماز ہی پر منحصر نہ کردو۔

بازار میں جانے کی دعاء: حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بازار میں داخل ہوا اور داخل ہوکر کہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لا شريك لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِىْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَىٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ تو اللہ اس کے لئے ہزار ہزار نیکیاں لکھ دیگا اور ہزار ہزار گناہ مٹا دے گا۔ اور اس کے ہزار ہزار درجات بلند کرے گا رواہ الترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ سواء ازہر بن سنان کے اس کے تمام راوی قابل اعتماد ہیں۔ ازہر کے بارے میں اختلاف ہے۔

محبوب ترین عمل: حضرت عصمہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی نظر میں محبوب ترین عمل سبحانہ ہے۔ (یعنی سبحان اللہ پڑھنا)

قابل تعزیر عمل: اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابل تعزیر تحریف ہے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبحانہ سے کیا مراد ہے۔ فرمایا لوگ آپس میں باتیں کرتے ہوتے ہیں اور ایک آدمی تسبیح پڑھتا ہوتا ہے، ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول تحریف کا کیا مطلب ہے فرمایا لوگ اچھی حالت میں ہوتے ہیں لیکن جب ان کا ہمسایہ یا ساتھی کچھ مانگتا ہے تو کہتے ہیں ہم (خود) بری حالت میں ہیں۔ رواہ الطبرانی۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ (دونوں جہان میں) کامیاب ہونے کی امید رکھتے ہوئے۔

آیت ذیل کا شان نزول: شیخین نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے سامنے سے قافلہ گذرا جو (ملک شام سے) آیا تھا۔ حاضرین (خطبہ چھوڑ کر) مسجد سے نکل گئے اور سواء بارہ آدمیوں کے سب چلے گئے۔ کلبی کی روایت میں حضرت ابن عباس کا بیان آیا ہے کہ صرف آٹھ آدمی باقی رہ گئے تھے۔ ابو عوانہ کی صحیح میں آیا ہے کہ حضرت جابر نے فرمایا میں بھی باقی رہنے والوں میں سے تھا۔ دارقطنی نے چالیس آدمی باقی رہنے والے بیان کئے ہیں۔ لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے سلسلہ روائتی میں علی بن عاصم راوی منفرد ہے۔ عقیلی نے بھی حضرت جابر کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے اس میں اتنا زائد ہے کہ من جملہ باقی رہنے والوں کے حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی حضرت طلحہ حضرت زبیر حضرت سعد حضرت سعید حضرت ابو عبیدہ یا حضرت عمار (اس بن عمر۔ راوی کو اس میں شک تھا) حضرت بلال اور

حضرت ابن مسعود تھے یہ گیارہ اصحاب ہوئے اور بارھویں حضرت جابر خود تھے۔اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا
اور جب دیکھیں سودا بکتا یا کچھ تماشہ متفرق ہو جائیں
إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا
اسکی طرف اور تجھ کو چھوڑ جائیں کھڑا تو کہہ
عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ
جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر ہے تماشے سے اور
التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۱۱﴾
سوداگری سے اور اللہ بہتر ہے روزی دینے والا ☆

☆ایک مرتبہ جمعہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ فرما رہے تھے اسی وقت تجارتی قافلہ باہر سے غلہ لے کر آ پہنچا۔اس کے ساتھ اعلان کی غرض سے نقارہ بجتا تھا۔ پہلے سے شہر میں اناج کی کمی تھی لوگ دوڑے کہ اس کو ٹھہرائیں۔ (خیال کیا ہوگا کہ خطبہ کا حکم عام وعظوں کی طرح ہے جس میں سے ضرورت کے لیے اٹھ سکتے ہیں۔نماز پھر آ کر پڑھ لینگے یا نماز ہو چکی ہوگی جیسا کہ بعض کا قول ہے کہ اس وقت نماز جمعہ خطبہ سے پہلے ہوتی تھی۔ بہر حال خطبہ کا حکم معلوم نہ تھا اکثر لوگ چلے گئے حضرت کے ساتھ بارہ آدمی (جن میں خلفاء راشدین بھی تھے) باقی رہ گئے۔اس پر یہ آیت اتری یعنی سوداگری اور دنیا کا کھیل تماشا کیا چیز ہے وہ ابدی دولت حاصل کرو جو اللہ کے پاس ہے اور جو پیغمبر کی صحبت اور مجالس ذکر وعبادت میں ملتی ہے۔باقی قحط کی وجہ سے روزی کا کھٹکا جس کی بناء پر تم اٹھ کر چلے گئے، سو یاد رکھو روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہی بہترین روزی دینے والا ہے اس مالک کے غلام کو یہ اندیشہ نہیں ہونا چاہیے۔اس تنبیہ و تادیب کے بعد صحابہ کی شان وہ تھی جو سورہ "نور" میں ہے۔ "رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ " (تنبیہ) "لہو" کہتے ہیں ہر اس چیز کو جو اللہ کی یاد سے مشغول (غافل) کر دے جیسے کھیل تماشہ شاید اس نقارہ کی آواز کو "لہو" سے تعبیر فرمایا ہو۔ (تفسیر عثمانی)

دوران خطبہ لوگوں کے جانے کا واقعہ

ایک جمعہ کے روز یہ واقعہ پیش آیا کہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک ایک تجارتی قافلہ مدینہ طیبہ کے بازار میں پہنچا۔اور ڈھول باجہ وغیرہ سے اس کا اعلان ہونے لگا اس وقت نماز جمعہ سے فراغت ہو چکی تھی۔خطبہ ہو رہا تھا۔ بہت سے حضرات صحابہ بازار چلے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھوڑے سے حضرات رہ گئے۔جن کی تعداد بارہ بتلائی گئی ہے (یہ روایت ابو داؤد نے مراسیل میں بیان فرمائی ہے) بعض روایات حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ میں فرمایا کہ اگر تم سب کے سب چلے جاتے تو مدینہ کی ساری وادی عذاب کی آگ سے بھر جاتی (رواہ ابویعلیٰ، ابن کثیر)

امام تفسیر مقاتل کا بیان ہے کہ یہ تجارتی قافلہ دحیہ بن خلف کلبی کا تھا۔ جو ملک شام سے آیا تھا اور تجار مدینہ میں اس کا قافلہ عموماً تمام ضروریات لے کر آیا کرتا تھا۔اور جب مدینہ کے لوگوں کو اس کی آمد کی خبر ملتی تھی تو سب مرد و عورت اس کی طرف دوڑتے تھے۔یہ دحیہ بن خلف اس وقت تک مسلمان نہ تھے بعد میں داخل اسلام ہوئے۔

اور حسن بصریؒ اور ابو مالکؒ نے فرمایا کہ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مدینہ میں اشیاء ضرورت کی کمی اور سخت گرانی تھی (تفسیر مظہری) (معارف مفتی اعظم)

ابن جریر نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ وہ لوگ جب نکاح کرتے تھے تو لڑکیاں باجے بجاتی تھیں باجے کی آواز سن کر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر کھڑا چھوڑ کر باجے کی آواز کی طرف چلے جاتے تھے۔

صاحب لباب النقول نے لکھا ہے گویا دونوں واقعات کے سلسلہ میں اس آیت کا نزول ہوا۔صاحب لباب نے یہ بھی کہا میں نے دیکھا ابن المنذر نے حضرت جابر کی روایت سے ہی دونوں واقعات کا ذکر کیا۔نکاح کا واقعہ بھی اور قافلہ کے آنے کا بھی اور طریق روایت دونوں کا ایک ہی ہے۔ الحمد للہ

حسن اور ابو مالک نے کہا اہل مدینہ کو (ایک سال) بھوک نے بہت ستایا اشیاء کے نرخ گراں ہوئے دحیہ بن خلیفہ ملک شام سے کچھ روغن زیتون مدینہ میں فروخت کرنے کے لئے لایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے حاضرین کو اندیشہ ہوا کہ دوسرے لوگ پہلے سے جا کر خرید لیں گے اور ہم رہ جائیں گے اس لئے خطبہ چھوڑ کر بقیع کی طرف چلے گئے دحیہ بقیع میں ہی تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ میں صرف چند آدمی رہ گئے جن میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر بھی تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے اگر تم میں سے (خطبہ میں) کوئی باقی نہ رہتا تو وادی آگ سے بھر جاتی اور تم سب کو بہا کر لے جاتی۔

مقاتل کا بیان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے کہ دحیہ بن خلیفہ کلبی کچھ تجارتی مال لے کر ملک شام سے آیا دستور تھا کہ جب دحیہ (تجارتی مال لیکر) آتا تھا تو مدینہ کی ہر پردہ نشین عورت بھی وہاں پہنچ جاتی تھی

کیوں کہ دحیہ آٹا گیہوں اور تمام ضروریات کی (غذائی) چیزیں لے کر آتا تھا دحیہ مدینہ پہنچ کر بازار مدینہ کے احجار الزیت مقام پر اترتا تھا اور اس کی آمد کی اطلاع کے لئے طبل بجایا جاتا تھا لوگ آواز سنتے ہی خریداری کے لئے نکل پڑتے تھے۔ یہ دستور دحیہ کے مسلمان ہونے سے پہلے کا تھا۔ چنانچہ ایک بار جمعہ کے دن دحیہ آ گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے لوگ فوراً مسجد سے نکل پڑے مسجد کے اندر صرف بارہ مرد اور ایک عورت رہ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد میں کتنے لوگ باقی ہیں۔ عرض کیا گیا۔ بارہ مرد اور ایک عورت فرمایا اگر یہ بھی باقی نہ رہتے تو آسمان سے نام زد پتھر برسا دیئے جاتے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی لہو سے مراد وہی طبل ہے۔

وَتَرَكُوكَ قَآئِمًا۔ یعنی آپ کو خطبہ دیتے چھوڑ گئے۔ مسلم نے صراحت کی ہے کہ حاضرین مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے چھوڑ گئے تھے۔ بیہقی نے بھی اسی روایت کو ترجیح دی ہے لیکن دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز میں تھے۔ کہ نماز کو چھوڑ کر لوگ قافلہ کی طرف چلے گئے۔ دونوں روایتوں کو بعض لوگوں نے اس طرح مطابقت دی ہے کہ نماز میں تھے اور اس سے مراد مجازاً خطبہ دینا ہے گویا خطبہ بھی نماز ہی تھی کعب بن عجرہ کی حدیث اوپر نقل کی جا چکی ہے بیہقی نے نماز والی روایت کو مرجوح قرار دیا ہے۔ علقمہ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کھڑے ہوئے تھے یا بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمایا کیا تم نے آیت وَتَرَكُوكَ قَآئِمًا نہیں پڑھی۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ چالیس آدمیوں سے کم ہوں تب بھی جمعہ کی نماز ہو جاتی ہے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ صرف بارہ آدمی رہ گئے تھے ان ہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی نماز پڑھائی۔

مسئلہ: اگر مسبوق امام کے ساتھ جمعہ کی نماز کا کوئی حصہ پالے خواہ قعدہ یا سجدۂ سہو میں ہی شریک ہو جائے تو جمعہ کی نماز پوری کرے یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

مسئلہ: مال کی محبت اور حرص ممنوع ہے طلب رزق میں اعتدال رکھنا اور راہِ خوب اختیار کرنا مستحب ہے حضرت ابوحمید ساعدی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلب دنیا میں اختصار (اعتدال) کرو کیوں کہ جو کچھ لکھ دیا گیا ہے وہ تو ہر ایک کو ملے گا۔ رواہ الحاکم وابوالشیخ وابن ماجۃ۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو دنیوی سامان کی کثرت سے غنا حاصل نہیں ہوتا استغناء تو دل کا استغناء ہے اللہ نے جو کچھ بندے کے لئے لکھ دیا ہے وہ ضرور عطا فرمائے گا۔ اس لئے حسن طلب سے کام لو جو حلال ہے وہ لے لو اور جو حرام ہے اس کو چھوڑ دو۔ رواہ ابویعلی اس کی اسناد حسن ہے۔ اس حدیث کی روایت کا ابتدائی حصہ متفق علیہ بھی ہے۔ حضرت ابو درداء راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رزق بندہ کو ڈھونڈتا ہے جیسے انسان کو موت ڈھونڈتی ہے۔ رواہ ابن حبان والبزاز والطبرانی۔ طبرانی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں جتنا بندہ رزق کو ڈھونڈتا ہے۔ اس سے زیادہ رزق بندہ کو ڈھونڈتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے اگر کوئی اپنے رزق سے بھاگے گا تب بھی رزق اس کو جا پکڑے گا جس طرح آدمی (تلاش کر کے) اپنے رزق کو پاتا ہے رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر بسند حسن۔

بہترین رزق اور بہترین ذکر: حضرت سعد بن ابی وقاص کا بیان ہے میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے۔ بہترین ذکر خفی ذکر ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو کافی ہو۔ رواہ ابوعوانۃ وابن حبان۔

دنیا دار آدمی: حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایسی حالت میں صبح کرتا ہے کہ اس کا مقصد دنیا ہوتی ہے وہ اللہ کی طرف سے کسی ذمہ داری میں نہیں ہے جو مسلمانوں کی پرواہ نہیں کرتا وہ ان میں سے نہیں ہے اور جو اپنے نفس کو بخوشی بغیر کسی جبر کے ذلیل کرتا ہے وہ ہم سے متعلق نہیں ہے رواہ الطبرانی۔

مالی حرص اور بے جا خرچ: حضرت کعب بن مالک راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو بھوکے بھیڑیے۔ جن کو بکریوں میں چھوڑ دیا جائے بکریوں کے لئے اس سے زیادہ تباہ کن نہیں ہیں جتنی تباہ کن مالی حرص اور بے جا خرچ ہے رواہ الترمذی وابن حبان۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

اے اللہ! پناہ مانگتا ہوں: حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔ اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو فائدہ رساں نہ ہو اور اس دل سے جس میں خشوع نہ ہو اور اس نفس سے جو کبھی سیر نہ ہو اور اس دعا سے جو سنی نہ جائے رواہ النسائی۔

مسلم اور ترمذی نے یہ حدیث حضرت زید بن ارقم کی روایت سے بیان کی ہے۔

انسان کی حریص طبیعت: حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر آدمی کے پاس مال بھری ہوئی دو وادیاں ہوں تب بھی وہ تیسری کا خواستگار ہوگا آدمی کے پیٹ کو خاک کے سوا کوئی چیز نہیں بھرتی۔ اور جو (حرص سے) توبہ کرتا ہے اللہ اپنی رحمت کے ساتھ اس کی طرف التفات کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ الجمعہ کی تفسیر ختم ہوئی

خواب میں اس کا پڑھنے والا نفاق سے بری رہے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَۃُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ اِحْدٰی عَشَرَۃَ اٰیَۃً وَّفِیْھَا رُکُوْعَانِ

سورہ منافقون مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی گیارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا

جب آئیں تیرے پاس منافق کہیں

نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ

ہم قائل ہیں تو رسول ہے اللہ کا ☆

منافقوں کی جھوٹی شہادت ☆یعنی ہم دل سے اعتقاد رکھتے ہیں آپ کے رسول ہونے پر۔ (تفسیر عثمانی)

الْمُنٰفِقُوْنَ ۔یعنی عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھی۔ نَشْهَدُ شہادت شہود سے ماخوذ ہے۔ شہود کا معنی ہے حضور (حاضر ہونا) اور اطلاع۔ شہادت اپنے علم یقینی کے مطابق خبر دینا۔ اسی لئے اللہ نے اپنے رسول کے رسول ہونے کی تو تصدیق کی اور منافقوں کی شہادت کو جھوٹا قرار دیا کیونکہ جو شہادت وہ دے رہے تھے اس کی بناء علم یقینی پر نہیں تھی۔

سبب نزول: بخاری وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت زید بن ارقم نے فرمایا۔ میں نے خود سُنا عبداللہ بن اُبی اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں جب تک وہ ان کا ساتھ چھوڑ کر منتشر نہ ہو جائیں ان پر کچھ خرچ مت کرو، اگر ہم مدینے کو لوٹ گئے تو وہاں سے عزت والے لوگ ان ذلیلوں کو نکال دیں گے۔ میں نے اس کا ذکر اپنے چچا سے کر دیا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب فرمایا۔ میں نے حاضر ہو کر واقعہ بیان کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کو طلب فرما کر دریافت کیا۔ انہوں نے قسمیں کھالیں کہ انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جھوٹا قرار دیا اور ابن ابی کو سچا مان لیا۔ اس فیصلے سے مجھے ایسا دکھ ہوا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا چچا نے کہا میں تو تیری تکذیب نہیں چاہتا تھا مگر (اب تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے جھوٹا قرار دیدیا اور تجھ سے متنفر ہو گئے۔ اس پر آیت اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ الخ نازل ہوئی۔ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بھیج کر مجھے طلب فرمایا اور یہ آیات پڑھیں۔ پھر فرمایا۔ اللہ نے تیری 'بات کی' تصدیق کردی۔

غزوۂ بنی المصطلق: محمد بن اسحٰق اور دوسرے علماء سیر نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنی مصطلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں اور ان کا سپہ سالار ام المومنین حضرت جویریہؓ کا باپ حارث بن ضرار ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر پا کر مدینہ میں اپنا جانشین بقول محمد بن عمرو وابن سعد حضرت زید بن حارثہ کو بنایا اور ابن ہشام کے قول پر حضرت ابو ذر غفاری کو جانشین مقرر کیا اور مسلمانوں کی جمعیت ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔ اس لشکر میں مسلمانوں کے پاس تیس گھوڑے تھے جن میں سے دس مہاجروں کے تھے اور دو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دنیوی مال کے لالچ میں بہت سے منافق بھی ہو گئے۔ بنی مصطلق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ مریسیع کے چشمہ پر جو قدید کی طرف سے سمت ساحل پر تھا' ہوا۔ حارث نے لڑائی کی تیاری کر لی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صف بستہ ہو گئے۔ اور حضرت عمر بن خطابؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق منادی کر دی کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دو تمہاری جانیں اور مال محفوظ رہیں گے۔ اس کے بعد طرفین سے تیراندازی ہونے لگی اور مدبھیڑ ہو گئی۔ خوب لڑائی ہوئی۔ بنی مصطلق میں سے جن کو (بتقدیر الٰہی) مارا جانا تھا وہ مارے گئے۔ باقی شکست کھا کر بھاگ پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی عورتوں اور بچوں پر قبضہ کرلیا اور اللہ نے آپ کو مال غنیمت عطا فرمایا۔

ایک ناخوشگوار واقعہ: ابھی لوگ اسی چشمہ پر فروکش تھے کہ ایک حادثہ ہو گیا۔ حضرت عمر کے پاس بنی غفار کے قبیلہ کا ایک مزدور تھا جو آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر چلتا تھا اس کا نام جہجاہ بن سعید تھا۔ سنان بن وبرہ جہنی سے جہجاہ کا ٹکراؤ ہو گیا۔ قبیلہ جہنیہ قبیلۂ عوف بن خزرج کا حلیف تھا۔ دونوں لڑ پڑے۔ جہجاہ نے سنان کو اتنا زخمی کر دیا کہ خون بہنے لگا۔ سنان نے گروہ انصار کو مدد کے لئے پکارا اور غفاری نے گروہ مہاجرین کو بلایا۔ طرفین سے ایک ایک گروہ جمع ہو گیا اور ہتھیار نکل آئے مہاجرین کی طرف سے ایک آدمی نے جس کو جعال کہا جاتا تھا جہجاہ کی مدد کی۔ قریب تھا کہ ایک بڑا فتنہ بپا ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکل آئے اور فرمایا یہ کیا جاہلیت (کے دور) کی پکار مچا رکھی ہے لوگوں نے واقعہ کی اطلاع دی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھوڑ دو یہ فتنہ ہے یعنی شریعت میں مذموم ہے آدمی کو اپنے بھائی کی مدد کرنی چاہئے۔ اس کا بھائی ظالم ہو یا مظلوم۔ ظالم ہو تو اس کو ظلم سے روک دے یہی اس کی مدد ہے اور مظلوم ہو تو اس کی حمایت کرے۔ اس کے بعد مہاجرین کے کچھ لوگوں نے حضرت عبادہ بن صامت اور دوسرے انصاریوں سے گفتگو کی اور انہو

ں نے سنان سے بات کی۔ آخر سنان اپنے حق سے دست بردار ہو گئے۔

عبداللہ بن اُبی منافق کی ہرزہ سرائی

عبداللہ بن اُبی بن سلول اپنی جگہ بیٹھا ہوا تھا اس کے پاس دس منافق بھی بیٹھے ہوئے تھے مالک، سوید، قاعس، اوس بن قبطی، زید بن صلت، عبداللہ بن نبیل اور معتب بن قشیر، حضرت زید بن ارقم بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ یہ کم سن لڑکے تھے۔ ابن ابی نے کہا، کیا ان لوگوں نے یہ حرکت کی۔ اب ہم پر فخر کرنے اور ہماری بستیوں میں ہم سے مقابلہ کرنے لگے۔ ہماری اور ان کی حالت بالکل ایسی ہے جیسے کہاوت ہے، اپنے کتے کو (کھلا کھلا کر) موٹا کر کہ تجھے کاٹ کھائے۔ خدا کی قسم جب ہم مدینہ کو لوٹیں گے تو ہم میں سے جو عزت میں اونچا ہوگا وہ ذلیل کو نکال کر باہر کر دے گا۔ اونچی عزت والا اس نے اپنے آپ کو کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذلیل کہا۔ پھر اپنی قوم کے لوگوں کو خطاب کر کے کہا یہ سب کچھ تم نے کیا تم نے ان کو اپنے شہروں میں اتارا اور اپنا مال بانٹ کر دیا۔ خدا کی قسم اگر تم جعال (کودینے) سے رُک جاتے اور بچا ہوا کھانا نہ دیتے تو یہ لوگ تمہاری گردنوں پر سوار نہ ہو جاتے اور تمہاری بستیوں سے کہیں دوسری جگہ منتقل ہو جاتے اب بھی ان پر کچھ خرچ نہ کرو تا وقتیکہ وہ محمد کے پاس سے ہٹ جائیں۔ حضرت زید بن ارقم نے کہا خدا کی قسم تو اپنی قوم میں ذلیل حقیر اور قابل نفرت ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خداداد عزت میں ہیں اور مسلمانوں کے دلوں میں محبوب ہیں۔ عبداللہ بن اُبی نے کہا خاموش ہو جا۔ میں تو یونہی مذاق سے کہہ رہا تھا۔ حضرت زید بن ارقم نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع دیدی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار ہوئی اور چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا پھر فرمایا لڑکے شاید تو نے اس پر دروغ بندی کی، حضرت زید نے کہا، نہیں، خدا کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نے خود سُنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تیرے سننے میں کچھ غلطی ہوئی۔ حضرت زید نے کہا نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میرے سننے میں غلطی بھی نہیں ہوئی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تجھے کچھ اشتباہ ہو گیا۔ حضرت زید نے کہا نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کچھ اشتباہ بھی نہیں ہوا) لشکر میں عبداللہ کی یہ بات پھیل گئی۔ سواء ابن ابی کی اس بات کے لوگوں میں اور کوئی بات ہی نہیں ہوتی تھی۔ کچھ انصار حضرت زید کو ملامت کرنے لگے کہ تو نے اپنی قوم کے سردار پر تہمت لگائی اور جو بات اس نے نہیں کہی تھی تو نے وہ بات اس کی طرف منسوب کر دی یہ تو نے بڑی بے جا حرکت کی اور رشتہ داری کو منقطع کیا حضرت زید نے جواب دیا خدا کی قسم جو کچھ اس نے کہا تھا میں نے خود سنا تھا خدا کی قسم (سارے قبیلہ) خزرج میں میرے باپ کو عبداللہ بن ابی سے زیادہ کسی سے محبت نہیں تھی اگر میں اپنے باپ سے بھی یہ بات سنتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر ضرور نقل کرتا مجھے امید ہے کہ اللہ اپنے نبی پر کوئی ایسا کلام ضرور نازل فرمائے گا جس سے میری بات کی تصدیق ہوگی۔

عبداللہ بن ابی کے قتل کی اجازت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار

حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے میں اس کی گردن ماردوں دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عباد بن بشیر کو حکم دیجئے کہ وہ ابن ابی کا سر کاٹ کر آپ کے پاس لے آئے ایک روایت میں عباد بن بشر کی جگہ محمد بن مسلمہ کا نام آیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں نے یہ اجازت دی تو لوگ کہیں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں (کوئی ان کا ساتھ نہ دے) لیکن کوچ کرنے کا اعلان کر دو (یہی مناسب ہے) یہ وقت ایسا تھا کہ (معمولاً) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت سفر پر روانہ نہیں ہوتے تھے۔ سخت گرمی کا وقت تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سخت گرمی کے وقت روانہ نہیں ہوتے تھے) ٹھنڈا وقت ہو جاتا تو روانہ ہوتے تھے۔ لشکر والوں کو کچھ پتہ بھی نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قصویٰ سامنے سے برامد ہوگئی (مجبوراً) لوگ بھی روانہ ہو گئے۔

عبداللہ بن اُبی کا جھوٹی قسم کھانا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن اُبی کو طلب فرمایا۔ وہ حاضر ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے جو بات پہنچی ہے کیا تم نے وہ کہی تھی ابن اُبی نے کہا اس خدا کی قسم جس نے آپ کے اوپر کتاب نازل فرمائی ہے۔ میں نے اس میں سے کچھ نہیں کہا۔ زید قطعاً جھوٹا ہے۔ عبداللہ بن اُبی اپنی قوم میں بڑا سردار (مانا جاتا) تھا اس کے ساتھیوں نے جو انصار تھے اور وہاں موجود تھے۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممکن ہے اس لڑکے کو کچھ اشتباہ ہو گیا ہو۔ جو بات ابن اُبی نے کہی ہو وہ اس کو محفوظ نہ رہی ہو۔ غرض ابن اُبی کے عذر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا، اور انصار کی طرف سے زید پر ملامت کی بوچھاڑ ہونے لگی اور لوگوں نے ان کو جھوٹا قرار دے لیا۔ زید اپنے چچا کے ساتھ رہتے تھے۔ چچا نے کہا میں (تم کو جھوٹا قرار دینا) نہیں چاہتا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور سارے لوگوں نے تمہاری تکذیب کر دی اور تم سے متنفر ہو گئے۔ زید کا قاعدہ تھا کہ سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ چلتے تھے لیکن اس بات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے جھجھکنے لگے۔

حضرت سعد یا حضرت اُسید کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو گئے تو سب سے پہلے حضرت سعد بن

عبادہ آپ سے ملے۔ ابن اسحاق نے سعد کی بجائے اسید بن حضیر کا نام ذکر کیا ہے۔ اور کہا السلام علیک ایھا النبی ورحمة اللہ و برکاتہٗ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ سعد (یا اسید) نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ایسے ناگوار وقت میں روانہ ہوئے ہیں کہ ایسے وقت میں آپ سفر پر روانہ نہیں ہوتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کو وہ بات نہیں پہنچی جو تمہارے ساتھی نے کہی تھی۔ سعد نے کہا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کون ساتھی؟ فرمایا ابن اُبی کہتا ہے کہ جب وہ مدینے لوٹ کر جائے گا تو بڑی عزت والا۔ وہاں سے بڑے ذلیل آدمی کو نکال دیگا۔ سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ چاہیں تو اس کو نکال دیں وہ بڑا ذلیل ہے اور آپ بڑی عزت والے ہیں۔ عزت تو اللہ کے اور آپ کے اور مومنوں کے لئے ہے کچھ دیر کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے نرمی کیجئے۔

عبداللہ بن اُبی کے کینے کی وجہ: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کو مدینے میں لایا گیا تھا اس زمانے میں اس کی قوم والے اس کو ہار پہنانے (اور بادشاہ بنانے) کے لئے ہار پرو رہے تھے جس جس کے پاس کوئی پوتھ تھا وہ ہار پرونے کے لئے لے کر آ رہا تھا۔ یہاں تک کہ سوائے یوشع یہودی کے کسی کے پاس کوئی پوتھ نہیں بچا۔ یوشع جانتا تھا کہ خزرج والوں کو ابن اُبی کی تاج پوشی کے لئے پوتھ کی ضرورت ہے اس لئے اس نے ان لوگوں سے پوتھ کی زیادہ قیمت لی یہ ہی باتیں ہو رہی تھیں کہ اللہ آپ کو یہاں لے آیا۔ ابن ابی نے (آپ کی تشریف آوری کو اپنے لئے حکومت سے محرومی کا سبب سمجھا اور) خیال کیا کہ آپ کے آنے سے اس کی حکومت چھن گئی۔

ایک صحابیؓ کا جزبۂ حق

ابن اُبی کے بیٹے حضرت عبداللہ کو جب اس قول کی اطلاع ملی جو حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس بات کی وجہ سے جو ابن اُبی کے متعلق آپ تک پہنچی ہے۔ ابن اُبی کو آپ قتل کرا دینا چاہتے ہیں تو مجھے حکم دیجئے میں خود اس کا سر لا کر حضور کی خدمت میں اتنی جلد پیش کر دوں گا کہ آپ یہاں سے اُٹھنے بھی نہ پائیں گے۔ خدا کی قسم خزرج والے خوب جانتے ہیں کہ سارے خزرجیوں میں کوئی بھی اپنے والدین کا اتنا اطاعت گزار نہیں ہے جتنا میں ہوں۔ اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میرے علاوہ کسی اور کو میرے باپ کے قتل کرنے پر مامور کیا اور اس نے قتل کر دیا تو مجھے میرا نفس اجازت نہیں دے گا کہ میرے باپ کا قاتل لوگوں میں چلتا پھرے اور میں اس کو یوں ہی چھوڑ دوں (لا محالہ میں اس کو قتل کر دوں گا) تو کافر کے عوض مومن کو قتل کر کے میں دوزخی ہو جاؤں گا۔ آپ کی طرف سے معافی (انتقام سے) افضل و اعظم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبداللہ میرا ارادہ تو (تمہارے باپ کو) قتل کرانے کا نہیں ہے نہ میں نے اس کا حکم دیا ہے جو لوگ ہماری صحبت میں رہتے ہیں ہم تو ان سے اچھا سلوک کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کھاڑی کے رہنے والوں نے ابن اُبی کو تاج پہنانے پر اتفاق کر لیا تھا لیکن جب اللہ آپ کو یہاں لے آیا تو اس کو پست کر دیا اور ہم کو آپ کی وجہ سے سربلند فرمایا۔ اب بھی کچھ لوگ اس کے آس پاس گھومتے اور ان پچھلی باتوں کا تذکرہ کرتے ہیں ان کو اللہ نے مغلوب کر دیا ہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب کو لے کر روانہ ہو گئے دن بھر چلتے چلتے شام ہو گئی۔ پھر رات بھر چلتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور دن چڑھ گیا جب دھوپ سے تکلیف ہونے لگی تو ایک جگہ اتر پڑے اور ٹھہر گئے لوگ فوراً زمین کے چھوتے ہی (یعنی اترتے ہی) بیتاب ہو کر سو گئے (گویا سوتے میں گر پڑے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ (روانگی میں عجلت) اس وجہ سے کی تاکہ لوگوں میں ابن ابی کے قول کا جو تذکرہ ہو رہا تھا اس سے لوگ باز رہیں (اور ایک جگہ بیٹھ کر آپس میں بات چیت کرنے کا موقع نہ رہے)۔ اس کے بعد پچھلے دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ چشمۂ بقعاء تک جو نقیع کے بالائی جانب علاقہ حجاز میں واقع تھا پہنچ کر اتر پڑے۔

منافق کی موت: مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے کے قریب پہنچے تو ایک طوفانی ہوا ایسی اٹھی کہ سوار بھی اس کی وجہ سے ریت میں دفن ہو جائے رسول اللہ نے فرمایا یہ طوفان ایک منافق کی موت کے لئے (اللہ کی طرف سے) بھیجا گیا ہے چنانچہ جب ہم مدینہ میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ ایک بڑا منافق مر گیا۔ محمد بن عمرو کا بیان ہے کہ جب طوفان آیا تو لوگوں نے کہا یقیناً مدینہ میں کوئی بڑا حادثہ ہوا ہے اور وہاں ہمارے بال بچے ہیں (ہم کو ان کی فکر ہے) عیینہ بن حصن فزاری اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک مقررہ مدت کے لئے ناجنگ معاہدہ تھا اور معاہدے کی مدت ختم ہونے والی تھی اس لئے لوگوں کو خیال ہوا کہ کہیں عیینہ بن حصن نے مدینہ پر حملہ نہ کر دیا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لئے کوئی (اندیشہ کی بات) نہیں ہے۔ مدینہ کی ہر گھاٹی پر ایک فرشتہ محافظ موجود ہے۔ کوئی دشمن مدینے میں داخل نہیں ہو سکتا تم ہی داخل ہو گے۔ واقعہ یہ ہوا کہ مدینہ میں ایک بڑا منافق مر گیا اسی وجہ سے یہ طوفانی ہوا چلی تھی اس کے مرنے کا منافقوں کو سخت غم ہوا تھا کیونکہ وہ منافقوں کا پشت پناہ تھا۔ یہ مرنے والا زید بن رفاعہ بن تابوت تھا۔

محمد بن عمرو نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا کہ زوال آفتاب

تک آندھی بہت تیز رہی زوال کے بعد سکون ہو گیا۔ حضرت عبادہ بن صامت نے اس روز ابن اُبی سے فرمایا تیرا گہرا دوست زید بن رفاعہ بن تابوت مرگیا۔ جس کے مرنے سے اسلام اور اہل اسلام کی فتح ہوئی۔ ابن اُبی نے کہا افسوس وہ (میرا دوست ہی) تھا۔ ابو ولید یہ تو بتاؤ کہ تم کو کس نے اطلاع دی۔ حضرت عبادہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ ابھی وہ مرگیا۔ ابن اُبی بڑا پشیمان پریشان اور غمگین ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا گم ہونا

محمد بن عمرو نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قصویٰ اونٹوں (کے گلے) میں سے گم ہو گئی۔ مسلمان ہر طرف اسکو تلاش کرنے لگے۔ ایک منافق تھا زید بن صلت جو انصار کی اس جماعت میں شامل تھا جس میں عبادہ بن بشر بن وقس اور اسید بن حضیر شامل تھے زید بن صلت نے پوچھا۔ یہ لوگ ہر طرف کہاں جارہے ہیں۔ لوگوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کھوگئی ہے اس کو تلاش کر رہے ہیں۔ کہنے لگا جہاں اونٹنی ہو وہ جگہ اللہ ان کو بتا کیوں نہیں دیتا مسلمانوں کو یہ بات ناگوار ہوئی اور انہوں نے کہا دشمن خدا تجھ پر خدا کی مار تو منافق ہو گیا۔ حضرت اسید بن حضیر بولے مجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا فعل پسند ہو گا یا نہیں اگر یہ بات نہ ہوتی تو خدا کی قسم میں برچھا تیرے آر پار کر دیتا۔ جب یہ نفاق تیرے دل میں تھا تو ہمارے ساتھ نکل کر کیوں آیا تھا کہنے لگا میں تو دنیوی مال کی طلب میں آیا تھا۔ خدا کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس اونٹنی سے کہیں بڑی آسمانی باتوں کی خبر تو ہم کو دیتے ہیں (اونٹنی کی کوئی خبر نہیں) مسلمانوں نے کہا خدا کی قسم ہماری کبھی تجھ سے (ملاپ کی) کوئی راہ نہیں ہوگی اور نہ کسی ٹیلے کے سائے میں ہم تیرے ساتھ بیٹھیں گے۔ اگر ہم کو تیرے دل کی حالت معلوم ہوتی تو تیرے ساتھ ہی نہ رہتے۔ اس کے بعد زید کو ڈر کر بھاگ پڑا۔ اس کو ڈر لگا کہ مسلمان مجھ پر حملہ کر دیں گے۔ مسلمانوں نے اس کا سامان پھینک دیا۔ زید ساتھیوں سے بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر پناہ گزین ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت جبرائیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وحی لے کر آگئے (اور اونٹنی کی اطلاع دیدی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اور منافق سن رہا تھا) منافقوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کھو گئی اور اللہ نے ان کو اونٹنی کا مقام نہیں بتایا۔ باوجود یکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو اونٹنی کی گمشدگی سے بہت بڑی باتیں بتایا کرتے ہیں۔ (حضور نے فرمایا) علم غیب سوائے خدا کے کسی کو نہیں اور اللہ نے اب مجھے اونٹنی کا مقام بتا دیا ہے۔ تمہارے سامنے گھاٹی کے اندر اونٹنی موجود ہے اس کی مہار ایک درخت میں پھنس گئی ہے تم اسی طرف جاؤ حسب الحکم لوگ وہاں جا کر اونٹنی کو لے آئے۔ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا۔

منافق کی پشیمانی اور مسلمان ہونا

منافق نے جب اونٹنی کو آتے دیکھ لیا تو پشیمان ہوا اور فوراً تیزی کے ساتھ ان ساتھیوں کے پاس آیا جن کے ساتھ وہ پہلے تھا۔ آ کر دیکھا کہ اس کا مان پھینک دیا گیا ہے اور لوگ سب اپنی جگہ بیٹھے ہیں کوئی ایک بھی اپنی جگہ سے نہیں اٹھا ہے۔ جب وہ منافق ان حضرات کے قریب آنے لگا تو انہوں نے کہا۔ ہمارے پاس نہ آنا۔ کہنے لگا مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔ یہ کہہ کر قریب آ گیا اور بولا میں تم کو خدا کی قسم دیکھ پوچھتا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ کیا تم میں سے کوئی یہاں سے اٹھ کر محمد کے پاس گیا اور اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میری اس بات کی اطلاع دیدی جو میں نے یہاں کہی تھی۔ سب نے جواب دیا نہیں خدا کی قسم ہم میں سے تو کوئی اپنی جگہ سے اٹھا ہی نہیں۔ کہنے لگا میری کہی ہوئی بات تو (یہاں) لوگوں کے پاس ہی رہی اور (وہاں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی، پھر زید نے واقعہ نقل کر دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا۔ کہنے لگا پہلے مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں شک تھا۔ لیکن اب شہادت دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ گویا پہلے میں مسلمان ہی نہیں ہوا تھا۔ اب اسلام لایا ہوں۔ ساتھیوں نے کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر معافی کا طلبگار ہو، تا کہ وہ (اللہ سے) تیرے لئے استغفار کریں۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے گناہ کا اقرار کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعائے مغفرت کی۔

حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی کا باپ کو مدینہ میں داخلہ سے روکنا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی عقیق پر پہنچے تو حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی آگے بڑھ کر اونٹوں کی تلاشی میں لگ گئے (ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی خاص اونٹ کی ان کو تلاش ہے) جب ان کے باپ کا اونٹ گزرا تو حضرت عبداللہ نے اس کو بٹھا دیا اور اس کا اگلا پاؤں باندھ دیا۔ ابن ابی نے کہا اے احمق کیا کر رہا ہے؟ حضرت عبداللہ نے جواب دیا۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہیں دیں گے آپ مدینے میں داخل نہیں ہو سکتے اور آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ عزت والا کون ہے اور ذلیل کون ہے۔ آپ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ اس عرصے میں جو مسلمان سامنے سے گزرتا۔ حضرت عبداللہ اس کو تیزی کے ساتھ آگے جانے دیتے (اور باپ کو روکے رکھتے تھے) اور باپ کہتا تھا تو اپنے باپ کے ساتھ یہ حرکت کر رہا ہے۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اور کیفیت دریافت کی۔ عرض کیا گیا کہ حضرت

عبداللہ عبداللہ بن ابی اپنے باپ کو اس وقت تک چھوڑنے سے انکاری ہیں جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو (مدینہ میں داخل ہونے کی) اجازت نہ دیدیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے چلے تو دیکھا واقعی عبداللہ اپنے باپ کی اونٹنی کی ٹانگ باندھے بیٹھے ہیں اور ابن اُبی کہہ رہا ہے کہ میں چھوٹے بچوں سے بھی زیادہ کمزور ہوں۔ میں عورتوں سے بھی زیادہ ضعیف ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اپنے باپ کو چھوڑ دو اور عبداللہ نے چھوڑ دیا۔

ابن اُبی کا معافی سے منہ پھیرنا: محمد بن عمر نے حضرت رافع بن خدیج کی روایت سے بیان کیا کہ ابن اُبی کے متعلق آیت قرآنی کے نزول سے پہلے حضرت عبادہ بن صامت اس روز ابن اُبی سے فرما رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیرے لئے دعائے مغفرت کر دیں گے۔ ابن اُبی گردن نیوڑانے لگا۔ حضرت عبادہ نے فرمایا۔ خدا کی قسم' تیرے اس گردن نیوڑانے اور سر پھرانے کے متعلق اللہ کی طرف سے کوئی ایسی آیت ضرور نازل ہوگی (جو تیرے لئے ایک آگ ہوگی اور) تو اس میں جلے گا۔

وحی کا نزول: راوی کا بیان ہے کہ شروع دن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں (یعنی ہمارے دائرے میں) ہی چلتے رہے اور زید بن ارقم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے سامنے آ جاتے تھے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رُخ اپنی طرف کرنا چاہتے تھے۔ اسی حالت میں وحی نازل ہوئی۔ حضرت زید بن ارقم کا بیان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف محسوس ہونے لگی۔ پیشانی مبارک عرق آلود ہوگئی اور اونٹنی کی ٹانگوں پر بھاری بوجھ پڑنے لگا میں پہچان گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہو رہا ہے۔ مجھے امید تھی کہ میری تصدیق میں اللہ ضرور کچھ نازل فرمائے گا۔ جونہی وحی کی حالت دور ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے دونوں کان پکڑ کر اوپر کو اٹھانے لگے میں اپنی اونٹنی پر تھا۔ لیکن کان اوپر اُٹھنے کی وجہ سے اوپر اٹھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑکے تیرے کان پورے (ثابت) ہوئے۔ اللہ نے تیری بات کی تصدیق کردی اور اول سے آخر تک پوری سورۃ منافقون صرف ابن ابی کے متعلق نازل ہوگئی۔

سورۂ منافقون کہاں نازل ہوئی: اس واقعہ کے بعد جب کوئی نئی بات کرتا تھا تو اس کی قوم والے خود اس پر غصہ اور گرفت کرتے تھے۔ یہ پوری روایت بتا رہی ہے کہ سورۂ منافقون سفر کی حالت میں مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے اُتری۔ لیکن بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے میں پہنچ گئے تو (اس وقت کا) حضرت زید بن ارقم کا بیان ہے کہ میں غم اور شرمندگی کی وجہ سے اپنے گھر میں جا بیٹھا۔ اسکے بعد اللہ نے حضرت زید کی تصدیق اور ابن اُبی کی تکذیب میں سورۂ منافقون نازل فرمائی۔ نزول سورۃ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کا کان پکڑ کر فرمایا اے زید! اللہ نے تیری تصدیق کردی اور تیرے کان کو پورا کر دیا۔

فائدہ: محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ یہ واقعہ ماہ شعبان ۶ ھ میں ہوا' خلیفہ بن خیاط اور طبری نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ لیکن قتادہ اور عروہ نے شعبان ۵ ھ کا واقعہ قرار دیا ہے۔

حضرت جویریہؓ سے نکاح: اسی واقعہ کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار سے نکاح کیا تھا محمد بن اسحاق' امام احمد' ابوداؤد اور محمد بن عمرؒ نے حضرت عائشہ کا قول بیان کیا ہے کہ جویریہ شیریں (اخلاق) اور ملیح عورت تھی جس کی نظر ان پر پڑ جاتی وہ فریفتہ ہو جاتا جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چشمے پر تشریف فرما تھے کہ جویریہ آ گئیں اور بدل کتابت ادا کرنے کے لئے مدد کی خواستگار ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کا آنا مجھے ناگوار ہوا اور میں پہچان گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اسی نظر سے دیکھ رہے ہیں جس نظر سے میں دیکھ رہی ہوں (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پسندیدہ نظر سے دیکھ لیا ہے) جویریہ نے کہا۔ یا رسول اللہ! میں مسلمان عورت ہوں اور شہادت دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ میں حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ ہوں حارث اپنی قوم کا سردار تھا۔ ہم پر جو مصیبت پڑی اس سے تو آپ واقف ہی ہیں۔ میں ثابت قیس بن شماس اور ان کے چچا کے بیٹے میں مشترکاً آئی ہوں۔ ثابت نے مجھے مکاتب کر دیا لیکن بدل کتابت اتنا مقرر کیا کہ اس کو ادا کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں۔ میں آپ کے پاس امید لے کر آئی ہوں۔ آپ بدل کتابت ادا کرنے میں میری مدد کیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے بہتر کوئی بات ہوگی تو کیا تم تسلیم کرلو گی۔ جویریہ نے کہا وہ کیا بات ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایا میں تمہارا بدل کتابت ادا کردوں گا۔ پھر تم سے نکاح کرلوں گا۔ جویریہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوب' میں راضی ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس کو بلوایا اور ان سے جویریہ کا سوال کیا۔ ثابت نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' آپ پر میرے ماں باپ قربان۔ جویریہ آپ کی ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کتابت ادا کیا اور آزاد کر کے نکاح کرلیا۔ اور (پھر) باہر برامد ہوئے۔ بنی مصطلق کے کچھ لوگ حصے بانٹنے میں آ چکے تھے۔ اور ان کی عورتوں سے قربت کرنے کے مسلمان مالک ہو گئے تھے کیونکہ وہ باندیاں ہو چکی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جویریہ سے نکاح کرلیا تو مسلمانوں نے

کہا بنی مصطلق (جو غلام بنا لئے گئے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خسرال والے ہوگئے۔ چنانچہ جو شخص بھی جس کے قبضے میں تھا اس نے آزاد کردیا۔ اس طرح سب آزاد ہوگئے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا۔ جویریہ سے نکاح کرنے کی وجہ سے سوگھروں والے آزاد کردیئے گئے۔ اپنے کنبے کے لئے جویریہ سے زیادہ بابرکت عورت اور کوئی نہیں ہوئی۔

حضرت جویریہؓ کا خواب: محمد بن عمر نے بروایت حرام از ہشام از عروہ بیان کیا کہ حضرت جویریہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے تین رات پہلے میں نے خواب دیکھا کہ چاند یثرب سے چل کر میری گود میں آ گرا ہے۔ میں نے کسی کے سامنے بیان کرنا اس کو مناسب نہیں سمجھا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے اور ہم کو قیدی بنالیا گیا اس وقت مجھے خواب (پورا ہونے) کی امید ہوگئی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آزاد کرکے مجھ سے نکاح کرلیا۔ تب بھی اپنی قوم کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں نے خود ان کو آزاد کردیا۔ میرے چچا کا بیٹیوں میں ایک لڑکی تھی اس نے مجھے آ کر یہ خبر سنائی تھی ورنہ مجھے معلوم بھی نہ تھا (کہ میرے رشتہ دار آزاد ہوئے یا نہیں) پس میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

حارث کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دینا

حافظ بن عائد نے بیان کیا کہ حضرت جویریہؓ کا باپ حارث بن ابی ضرار جویریہ کا معاوضہ دینے کے لئے آیا جو (وادئ) عقیق میں جہاں جویریہ کے فدیہ کے اونٹ موجود تھے تو اس کو اپنے اونٹوں میں سے دو اونٹ جو سب سے بہتر تھے بہت پسند آئے اس لئے ان دونوں کو عقیق کی کسی گھاٹی میں چھپا دیا اور باقی اونٹ لاکر اپنی بیٹی کے معاوضے میں پیش کردیئے۔ اور عرض کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے میری بیٹی کو گرفتار کرلیا ہے۔ یہ اس کا فدیہ ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور وہ دو اونٹ کہاں ہیں جو تم فلاں گھاٹی میں چھپا آئے ہو یہ سنتے ہی حارث بول اٹھا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں بے شک وہ دو اونٹ مجھے بہت پیارے تھے اور میں نے ان کو چھپا دیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ ۗ وَاللّٰهُ
اور اللہ جانتا ہے کہ تو اُس کا رسول ہے اور اللہ
يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِينَ لَكٰذِبُونَ ۝١
گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں ☆

منافقوں کی حقیقت ☆ یعنی جھوٹ کہتے ہیں کہ ان کو دل سے اعتقاد ہے واقع میں وہ آپ کی رسالت کے قائل نہیں محض اپنی اغراض کے پیش نظر زبان سے باتیں بناتے ہیں اور دل میں سمجھتے ہیں کہ جھوٹ بول رہے ہیں پھر اسی ایک بات پر کیا منحصر ہے' جھوٹ بولنا ان کی امتیازی خصلت اور شعار بن چکا ہے۔ بات بات میں کذب و دروغ سے کام لیتے ہیں چنانچہ اسی سورۃ میں ایک واقعہ کا ذکر آیا چاہتا ہے جس میں انہوں نے صریح جھوٹ بولا اور اللہ نے آسمان سے انکی تکذیب کی۔ (تفسیر عثمانی)

اِتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً
انہوں نے رکھا ہے اپنی قسموں کو ڈھال بنا کر ☆

قسموں کی آڑ ☆ یعنی جھوٹی قسمیں کھالیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور مجاہدین اسلام کے ہاتھوں سے اپنی جان و مال محفوظ رکھنے کے لیے ان ہی قسموں کی آڑ پکڑتے ہیں۔ جہاں کوئی بات قابل گرفت ان سے سرزد ہوئی اور مسلمانوں کی طرف سے مواخذہ کا خوف ہوا فوراً جھوٹی قسمیں کھا کر بری ہوگئے۔ (تفسیر عثمانی)

فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ
پھر روکتے ہیں اللہ کی راہ سے
إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝٢
یہ لوگ بُرے کام ہیں جو کر رہے ہیں ☆

اسلام کے راستہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں

☆ یعنی اسلام اور مسلمانوں کی نسبت طعن و تشنیع اور عیب جوئی کر کے دوسروں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اور لوگ ان کو بظاہر مسلمان دیکھ کر دھوکا کھا جاتے ہیں' تو ان کی جھوٹی قسموں کی ضرر فساد ان ہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ دوسروں تک متعدی ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر برا کام اور کیا ہوگا (لیکن ایک شخص جب تک بظاہر ضروریات دین کا اقرار کرتا ہے خواہ جھوٹ اور فریب ہی سے کیوں نہ ہو اسلام اس کے قتل کی اجازت نہیں دیتا)۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا
یہ اس لئے کہ وہ ایمان لائے پھر منکر ہو گئے
فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا
پھر مہر لگ گئی اُن کے دل پر سو وہ اب کچھ نہیں

يَفْقَهُوْنَ ﴿۳﴾

سمجھتے ☆

دلوں پر مہر لگ گئی ☆ یعنی زبان سے ایمان لائے، دل سے منکر رہے اور مدعی ایمان ہو کر کافروں جیسے کام کیے اس بے ایمانی اور انتہائی فریب و دغا کا اثر یہ ہوا کہ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی۔ جن میں ایمان و خیر اور حق وصداقت کے سرایت کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں رہی ظاہر ہے کہ اب اس حالت پر پہنچ کر ان سے سمجھنے کی کیا توقع کی جا سکتی ہے جب آدمی کا قلب اس کی بدکاریوں اور بے ایمانیوں سے بالکل مسخ ہو جائے پھر نیک و بد کے سمجھنے کی صلاحیت کہاں باقی رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۖ

اور جب تو دیکھے اُن کو تو اچھے لگیں تجھ کو اُن کے ڈیل

وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۖ

اور اگر بات کہیں سنے تو اُن کی بات ☆

منافقوں کا ظاہر ☆ یعنی دل تو مسخ ہو چکے ہیں لیکن جسم دیکھو تو بہت ڈیل ڈول کے، چکنے چپڑے، بات کریں تو بہت فصاحت اور چرب زبانی سے، نہایت لچھے دار کہ خواہ مخواہ سننے والا ادھر متوجہ ہو۔ اور کلام کی ظاہری سطح دیکھ کر قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے کسی نے خوب کہا ہے

ؔ از بروں چوں گور کافر پرحلل　　واندروں قہر خدائے عزوجل

از بروں طعنہ زنی بربا یزید　　واز درونت ننگ مے دارد یزید

(تفسیر عثمانی)

كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ ۖ

کیسے ہیں جیسے کہ لکڑی لگا دی دیوار سے ☆

منافقوں کی مثال ☆ خشک اور بیکار لکڑی جو دیوار سے لگا کر کھڑی کر دی جائے محض بیجان اور لایعقل دیکھنے میں کتنی موٹی مگر ایک منٹ بھی بدون سہارے کے کھڑی نہیں رہ سکتی۔ ہاں ضرورت پڑے تو جلانے کے کام آ سکتی ہے یہی حال لوگوں کا ہے۔ ان کے موٹے فربہ جسم اور تن و توش سب ظاہری خول ہیں اندر سے خالی اور بے جان، محض دوزخ کا ایندھن بننے کے لائق۔ (تفسیر عثمانی)

كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ۔ حالانکہ وہ دیوار کے سہارے سے کھڑی ہوئی لکڑیاں ہیں علم و معرفت اور عقل سلیم سے خالی۔ کھوکھلی۔ (تفسیر مظہری)

يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۚ

جو کوئی چیخے جائیں ہم ہی پر بلا آئی ☆

منافقوں کی بزدلی ☆ یعنی بزدل، نامرد، ڈرپوک، ذرا کہیں شور و غل ہو تو دل دہل جائے۔ سمجھیں کہ ہم ہی پر کوئی بلا آئی۔ سنگین جرموں اور بے ایمانیوں کی وجہ سے ہر وقت ان کے دل میں دغدغہ لگا رہتا ہے کہ دیکھئے کہیں ہماری دغابازیوں کا پردہ تو چاک نہیں ہو گیا۔ یا ہماری حرکات کی پاداش میں کوئی افتاد تو پڑنے والی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

يَحْسَبُونَ الخ۔ یعنی ان کے دل چونکہ رعب زدہ ہیں اس لئے ہر پکار اور اونچی آواز کو اپنے اوپر ٹوٹ پڑنے والی خیال کرتے ہیں۔

اپنا بھانڈا پھوٹنے کا خطرہ: یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان کو ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں ان کا نفاق ظاہر نہ ہو جائے جسکی وجہ سے ان کا خون مباح کر دیا جائے اور ان کو قتل کر دیا جائے اس لئے لشکر میں جو اونچی آواز سنائی دیتی ہے مثلاً کوئی کسی کو پکارتا ہے یا کوئی جانور چھوٹ کر بھاگ پڑتا ہے یا گم شدہ اونٹ کو ڈھونڈا جاتا ہے تو وہ خیال کرتے کہ ان کے قتل اور گرفتاری کا حکم ہو گیا۔ اور اب ان کو پکڑا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۚ

وہی ہیں دشمن اُن سے بچتا رہ ☆

خطرناک دشمن ☆ یعنی بڑے خطرناک دشمن یہ ہی ہیں ان کی چالوں سے ہوشیار رہو۔ (تفسیر عثمانی)

هُمُ الْعَدُوُّ۔ یہ منافق پکے دشمن ہیں، ان سے ہوشیار رہو۔ ہوشیار رہنے اور احتیاط رکھنے کے حکم کا مقصد یہ ہے کہ ان کی صحبت میں نہ رہو ان کو ساتھ نہ رکھو ان سے بے خوف نہ رہو۔ کیونکہ جو شخص ہر وقت اپنی جان کے اندیشے میں رہے اور خوف جان ہر وقت اس کو لگا رہے وہ یقیناً پکا دشمن ہوتا ہے اور جس کی طرف سے اس کو خوف لگا رہتا ہے اس کو دکھ پہنچانے سے کبھی دریغ نہیں کرتا۔ (تفسیر مظہری)

قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۖ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿۴﴾

گردن مارے اُن کی اللہ کہاں سے پھرے جاتے ہیں ☆

☆ یعنی ایمان کا اظہار کر کے یہ بے ایمانی، اور حق وصداقت کی روشنی آ چکنے کے بعد یہ ظلمت پسندی کس قدر عجیب ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَاتَلَهُمُ اللَّهُ۔ ان پر اللہ کی لعنت۔ بظاہر یہ بددعا ہے اور خود اپنی ذات

سے منافقوں پر لعنت کرنے کی طلب ہے لیکن حقیقت میں یہ مسلمانوں کو لعنت اور بددعا کرنے کی تعلیم ہے۔

اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۔یعنی وہ کسی طرح حق سے پھیرے جاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ

اور جب کہیے اُن کو آؤ معاف کرا دے تم کو

رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ

رسول اللہ کا مٹکاتے ہیں اپنے سر اور تو دیکھے

يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ⑤

کہ وہ رُکتے ہیں اور وہ غرور کرتے ہیں ☆

منافقوں کا تکبر ☆ بعض دفعہ جب ان منافقوں کی کوئی شرارت صاف طور پر کھل جاتی اور کذب وخیانت کا پردہ فاش ہوجاتا تو لوگ کہتے کہ (اب بھی وقت نہیں گیا) آؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اللہ سے اپنا قصور معاف کرالو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کی برکت سے حق تعالیٰ تمہاری خطا معاف فرمادیگا تو غرور وتکبر سے اس پر آمادہ نہ ہوتے اور بے پروائی سے گردن ہلاکر اور سر مٹکا کر رہ جاتے بلکہ بعض بدبخت صاف کہہ دیتے کہ ہم کو رسول اللہ کے استغفار کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا شان نزول: نزول سورۃ کے بعد جب عبداللہ بن اُبی کا جھوٹ ثابت ہوگیا تو ابن اُبی سے کہا گیا ابوخباب تیرے متعلق سخت آیات نازل ہوئی ہیں۔اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر (معافی کی درخواست کر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیرے لئے مغفرت کی دعا کردیں گے۔ابن اُبی گردن نیوڑا کر بولا تم نے مجھے ایمان لانے کا مشورہ دیا۔میں ایمان لے آیا۔پھر تم نے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔میں نے اپنے مال کی زکوٰۃ بھی دے دی اب اس کے سوا اور کوئی بات باقی نہ رہی کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کروں اس پر اللہ نے آیت وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ الخ۔نازل فرمائی اس کے بعد ابن اُبی مدینے میں تھوڑے دنوں ہی زندہ رہا۔کچھ ہی زمانہ کے بعد بیمار ہوکر مرگیا۔ (تفسیر مظہری)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ سفیان راوی نے اپنا منہ دائیں جانب پھیرلیا اور غضب وتکبر کے ساتھ ترچھی آنکھ سے گھور کر دکھا کہ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے اور سلف میں سے اکثر حضرات کا فرمان ہے کہ یہ سب کا سب بیان عبداللہ بن اُبی بن سلول کا ہے جیسے کہ عنقریب آرہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

عبداللہ بن اُبی کا جمعہ کے دن کا معمول

سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول اپنی قوم کا بڑا اور شریف شخص تھا۔جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھتے تھے تو یہ کھڑا ہوجاتا تھا اور کہتا تھا لوگو یہ ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو تم میں موجود ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارا اکرام کیا اور تمہیں عزت دی اب تم پر فرض ہے کہ تم آپ کی مدد کرو اور آپ کی عزت وتکریم کرو آپ کا فرمان سنو اور جو فرمائیں بجالاؤ۔یہ کہہ کر بیٹھ جایا کرتا تھا۔

میدان اُحد میں منافقت کھل گئی: اُحد کے میدان میں اس کا نفاق کھل گیا اور یہ وہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی نافرمانی کرکے تہائی لشکر کو لے کر مدینہ کو واپس لوٹ آیا۔

صحابہ کا اس کو اپنے منافقانہ معمول سے روکنا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد سے فارغ ہوئے اور مدینہ میں مع الخیر تشریف لائے۔جمعہ کا دن آیا اور آپ منبر پر چڑھے تو حسب عادت یہ آج بھی کھڑا ہوا اور کہنا چاہتا ہی تھا کہ بعض صحابہؓ ادھر اُدھر سے کھڑے ہوگئے اور اس کے کپڑے پکڑ کر کہنے لگے دشمن خدا بیٹھ جاتو اب یہ کہنے کا منہ نہیں رکھتا تو نے جو کچھ کیا وہ کسی سے مخفی نہیں اب تو اس کا اہل نہیں کہ زبان سے جو جی میں آئے بنکارے۔یہ ناراض ہوکر لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا باہر نکل گیا اور کہتا جاتا تھا کہ گویا میں کس بد بات کے کہنے کیلئے کھڑا ہوا تھا میں تو اس کا کام اور مضبوط کرنے کیلئے کھڑا ہوا تھا۔چند انصاری اسے مسجد کے دروازے پر مل گئے انہوں نے کہا کیا بات ہے؟ تو کہا میں تو اس کا کام مضبوط کرنے کے لئے کھڑا ہوا تھا جو چند اصحاب مجھ پر اچھل کر آگئے مجھے گھسیٹنے لگے اور ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے گویا کہ میں کسی بری بات کے کہنے کے لئے کھڑا ہوا تھا حالانکہ میری نیت یہ تھی کہ میں آپ کی باتوں کی تائید کروں۔

ابن اُبی کا استغفار سے انکار

انہوں نے کہا خیر اب تم واپس چلو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے خدا سے بخشش چاہیں گے اس نے کہا مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ

برابر ہے اُن پر تو معافی چاہے اُن کی

اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ

یا نہ معافی چاہے ہرگز نہ معاف

اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى

کریگا اُن کو اللہ بیشک اللہ راہ نہیں دیتا

الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۶

نافرمان لوگوں کو ☆

اب ان کو معافی نہیں مل سکتی ☆ یعنی ممکن ہے آپ غایت رحمت وشفقت سے ان کے لیے بحالت موجودہ معافی طلب کریں۔ مگر اللہ کسی صورت سے ان کو معاف کرنیوالا نہیں' اور نہ ایسے نافرمانوں کو اسکے ہاں سے ہدایت کی توفیق ملتی ہے اس طرح کی ایک آیت سورہ ''براءۃ'' میں آ چکی ہے وہاں کے فوائد دیکھ لیے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا

وہی ہیں جو کہتے ہیں مت خرچ کرو

عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

اُن پر جو پاس رہتے ہیں رسول اللہ کے

حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ

یہاں تک کہ متفرق ہو جائیں ☆

شان نزول ☆ ایک سفر میں دو شخص لڑ پڑے ایک مہاجرین میں کا اور ایک انصار کا دونوں نے اپنی حمایت کے لیے اپنی جماعت کو پکارا جس پر خاصا ہنگامہ ہو گیا۔ یہ خبر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو پہنچی کہنے لگا اگر ہم ان (مہاجرین) کو اپنے شہر میں جگہ نہ دیتے تو ہم سے مقابلہ کیوں کرتے تم ہی خبر گیری کرتے ہو تو یہ لوگ رسول کے ساتھ جمع رہتے ہیں خبر گیری چھوڑ دو' ابھی خرچ سے تنگ آ کر متفرق ہو جائیں' اور سب مجمع بچھڑ جائے۔ یہ بھی کہا کہ اس سفر سے واپس ہو کر ہم مدینہ پہنچیں تو جس کا اس شہر میں زور واقتدار ہے چاہیے ذلیل بے قدروں کو نکال دے (یعنی ہم جو معزز لوگ ہیں ذلیل مسلمانوں کو نکال دینگے) ایک صحابی زید بن ارقم نے یہ باتیں سن کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نقل کر دیں۔ آپ نے عبداللہ بن ابی وغیرہ کو بلا کر تحقیق کی تو قسمیں کھا گئے کہ زید بن ارقم نے ہماری دشمنی سے جھوٹ کہہ دیا ہے۔ لوگ زید پر آوازے کسنے لگے وہ بیچارے سخت محجوب اور نادم تھے۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو فرمایا کہ اللہ نے تجھے سچا کیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور اللہ کے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین

وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۷

کے ولیکن منافق نہیں سمجھتے ☆

منافقوں کی حماقت ☆ یعنی احمق اتنا نہیں سمجھتے کہ تمام آسمان وزمین کے خزانوں کا مالک تو اللہ ہے کیا جو لوگ خالص اس کی رضا جوئی کے لیے اس کے پیغمبر کی خدمت میں رہتے ہیں وہ ان کو بھوکوں مار دیگا' اور لوگ اگر ان کی امداد بند کر لینگے تو وہ بھی اپنی روزی کے سب دروازے بند کر لیگا؟ سچ تو یہ ہے کہ جو بندے ان اللہ والوں پر خرچ کر رہے ہیں وہ بھی اللہ ہی کراتا ہے اس کی توفیق نہ ہو تو نیک کام میں کوئی ایک پیسہ خرچ نہ کر سکے۔ (تفسیر عثمانی)

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ

کہتے ہیں البتہ اگر ہم پھر گئے مدینہ کو

لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ

تو نکال دیگا جس کا زور ہے وہاں سے کمزور لوگوں کو اور زور تو اللہ کا

الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ

ہے اور اُسکے رسول کا اور ایمان والوں کا لیکن

الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۸

منافق نہیں جانتے ☆

عزت کا مالک اللہ ہے: ☆ یعنی منافق یہ نہیں جانتے کہ زور آور اور عزت والا کون ہے۔ یاد رکھو اصلی اور ذاتی عزت تو اللہ کی ہے۔ اُس کے بعد اُسی سے تعلق رکھنے کی بدولت درجہ بدرجہ رسُول کی اور ایمان والوں کی۔

حضرت عبداللہ کی ایمانی عزت: روایات میں ہے کہ عبداللہ بن اُبی کے وہ الفاظ (کہ عزت والا ذلیل کو نکال دیگا) جب اُسکے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ کو پہنچے (جو مخلص مسلمان تھے) تو باپ کے سامنے تلوار لے کر کھڑے ہو گئے۔ بولے جب تک اقرار نہ کر لیگا کہ رسول اللہ عزت والے

ہیں اور تو ذلیل ہے۔ زندہ نہ چھوڑونگا اور نہ مدینہ میں گھسنے دونگا۔ آخر اقرار کرا کر چھوڑا۔ رضی اللہ عنہ۔ منافقین کی توبیخ و تقبیح کے بعد آگے مؤمنین کو چند ہدایات کی گئی ہیں یعنی تم دنیا میں پھنس کر اللہ کی اطاعت اور آخرت کی یاد سے غافل نہ ہوجانا جس طرح یہ لوگ ہوگئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْعِزَّةُ ۔یعنی حقیقت میں غلبہ اور قوت تو اللہ ہی کو حاصل ہے وہ اللہ کی عطا کردہ ہے۔اسی نے اپنے دین کو غالب کیا۔ دشمنوں پر ان کو فتح عنایت فرمائی ہے۔

لَا يَعْلَمُوْنَ ۔یعنی منافق جہالت اور غرور کے سبب اس بات کو نہیں جانتے۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ
اے ایمان والو غافل نہ کر دیں تم کو
اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ
تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی
ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ
یاد سے اور جو کوئی یہ کام کرے
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝
تو وہی لوگ ہیں ٹوٹے میں ☆

خسارے کی تجارت ☆یعنی آدمی کے لیے بڑے خسارے اور ٹوٹے کی بات ہے کہ باقی کو چھوڑ کر فانی میں مشغول ہو اور اعلیٰ سے ہٹ کر ادنی میں پھنس جائے مال و اولاد وہ ہی اچھی ہے جو اللہ کی یاد اور اس کی عبادت سے غافل نہ کرے اگر ان دھندوں میں پڑ کر خدا کی یاد سے غافل ہوگیا تو آخرت بھی کھوئی اور دنیا میں قلبی سکون واطمینان نصیب ہوا

''وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ''
(تفسیر عثمانی)

اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۔یعنی مال اور اولاد کا انتظام و اہتمام۔

عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۔لفظ ذکر عام ہے' تمام عبادتوں کو شامل ہے۔لیکن اہل تفسیر کے نزدیک اس جگہ پانچوں وقت کی نمازیں مراد ہیں۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ۔یعنی جو لوگ مال و اولاد میں ایسا اشتغال رکھیں گے۔ جو ذکر اللہ سے مانع ہو تو ایسے ہی لوگ گھاٹا اٹھانے والے ہیں کہ انہوں نے حقیر فنا پذیر چیز کو پسند کرلیا اور لازوال عالی قدر نعمت کو ترک کردیا۔

منافقوں کی بد اعمالیاں: سابق آیات میں صراحت کے ساتھ منافقوں کی مذمت کی اور اس آیت میں آخر تک در پردہ ان کی بداعمالی کو بیان کیا ہے۔ مال و اولاد کے مشغلہ میں پھنسا رہنا اور نماز کو ترک کر دینا اور زکوۃ ادا نہ کرنا اور تاخیر موت کی تمنا کرنا۔ اور درازیٔ اجل کا امیدوار ہونا یہ سب منافقوں کی خصوصیت ہے۔ مسلمانوں کے لئے منافقوں کی طرح ان میں سے کسی بات کو اختیار کرنا زیبا نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ
اور خرچ کرو کچھ ہمارا دیا ہوا اُس سے پہلے
اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ
کے آ پہنچے تم میں کسی کو موت تب کہے
رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ
اے رب کیوں نہ ڈھیل دی تو نے مجھ کو ایک تھوڑی سی مدت
فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝
کہ میں خیرات کرتا اور ہو جاتا نیک لوگوں میں
وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ
اور ہرگز نہ ڈھیل دیگا اللہ کسی جی کو جب آ پہنچا اُس کا وعدہ ☆

خرچ کرنے سے خود تمہارا بھلا ہے

☆ یہ شاید منافقوں کے قول ۔''تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ ''الخ کا جواب ہوا کہ خرچ کرنے میں خود تمہارا بھلا ہے * جو کچھ صدقہ خیرات کرنا ہے جلدی کرو ورنہ موت سر پر آ پہنچے گی تو پچھتاؤ گے ہم نے کیوں خدا کے راستہ میں خرچ نہ کیا اس وقت (موت کے قریب) بخیل تمنا کریگا اے پروردگار! چند روز اور میری موت کو ملتوی کردیتے کہ میں خوب صدقہ خیرات کر کے اور نیک بن کر حاضر ہوتا لیکن وہاں التواء کیسا؟ جس شخص کی جس قدر عمر لکھ دی اور جو میعاد مقرر کر دی اس کے پورا ہوجانے پر ایک لحہ کی ڈھیل اور تاخیر نہیں ہوسکتی (تنبیہ) ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ وہ اس تمنا کو قیامت کے دن پر حمل کرتے ہیں یعنی محشر میں یہ آرزو کریگا کہ کاش مجھے پھر دنیا کی طرف تھوڑی مدت کے لیے لوٹا دیا جائیگا تو خوب صدقہ کر کے اور نیک بن کر آؤں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنْفِقُوْا ۔حضرت ابن عباس نے فرمایا۔انفاق سے مراد ہے ادائے زکوۃ۔

اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ۔موت آنے سے مراد ہے' علامات موت کا سامنے

آ جانا اور نشاناتِ موت دکھائی دینا۔ اور ایسی حالت میں خیرات کی وصیت کرنا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سی خیرات سب سے بہتر ہے' فرمایا' ایسی حالت میں خیرات کرنی افضل ہے جب کہ تم تندرست ہو' مال کی محبت رکھتے ہو' تم کو مفلسی ہو جانے کا اندیشہ ہو اور مال داری کے خواہشمند ہو اور اتنی تاخیر نہ کرتے چلے جاؤ کہ جان حلق میں آ پہنچے اور اس وقت تم کہو اتنا فلاں کو دیدو وہ تو اس (وارث) کا ہو ہی چکا (تم دو یا نہ دو اس کو مل ہی جائے گا)۔

فَيَقُوْلَ ۔ یعنی زندگی میں جب صدقہ خیرات نہ کیا ہوگا تو مرنے کے بعد حسرت سے کہے گا۔

لَوْلَآ ۔ کیوں نہیں۔ بعض کے نزدیک لَو تمنائی ہے اور لَا زائد ہے یعنی اے رب! کاش دُنیا میں مجھے تھوڑی مدت زندگی اور دیدیتا۔

اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۔ تھوڑی مدت۔

الصّٰلِحِيْنَ ۔ سے مراد ہے مومن۔ یہ قول مقاتل اور اہل تفسیر کی ایک جماعت کا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک اس آیت کا نزول منافقوں کے حق میں ہوا۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک مسلمانوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اور صلاح سے مراد ہے ادائے واجب اور ترک ممنوع۔

موت کے وقت تمنا

بغوی نے لکھا ہے کہ ضحاک اور عطیہ نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جس شخص کے پاس مال ہو اور اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی ہو' یا حج کی طاقت رکھتا ہو اور حج نہیں کیا ہو اور اسی حالت میں وہ مرنے لگے تو مرنے کے وقت وہ (زندگی کی طرف) لوٹنے کی درخواست کرتا ہے اور کہتا ہے میں نیک لوگوں میں سے ہو جاتا اور حج کر لیتا۔ یعنی اللہ اس کو مہلت ہرگز نہیں دے گا خواہ وہ کیسی ہی تمنا کرے۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو ☆

اللہ باطنی کیفیتوں کو بھی جانتا ہے ☆ اس کو یہ بھی خبر ہے کہ اگر بالفرض تمہاری موت ملتوی کر دی جائے یا محشر سے پھر دنیا کی طرف واپس کریں تب تم کیسے عمل کرو گے۔ وہ سب کی اندرونی استعدادوں کو جانتا ہے اور سب کی ظاہری و باطنی اعمال سے پوری طرح خبردار ہے اسی کے موافق ہر ایک سے معاملہ کریگا۔ (تم سورۃ المنافقون وللہ الحمد والمنۃ)۔ (تفسیر عثمانی)

جس نے خواب میں اس کو پڑھا وہ ہدایت اور ایمان پر مرے گا۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ تغابن مدینہ میں نازل ہوئی اور اُس کی اٹھارہ آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

پاکی بول رہا ہے اللہ کی جو کچھ ہے آسمانوں

وَمَا فِي الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ

میں اور جو کچھ ہے زمین میں اُسی کا راج ہے

وَلَهُ الْحَمْدُ

اور اُسی کو تعریف ہے ☆

حکومت اور تعریف اللہ ہی کی ہے ☆ اور جس کسی کا راج دنیا میں دکھائی دیتا ہے وہ اسی کا دیا ہوا اور جس کسی کی تعریف کی جاتی ہے وہ حقیقت میں اسی کی تعریف ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱﴾

اور وہی ہر چیز کر سکتا ہے

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ

وہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر کوئی تم میں منکر ہے

وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ

اور کوئی تم میں ایماندار ☆

سب کو فطرۃ اسلام پر پیدا کیا

یعنی اسی نے سب آدمیوں کو بنایا۔ چاہیے تھا کہ سب اس پر ایمان لاتے اور اس منعم حقیقی کی اطاعت کرتے۔ مگر ہوا یہ کہ بعض منکر بن گئے اور بعض ایماندار بیشک اللہ تعالیٰ نے آدمی میں دونوں طرف جانے کی استعداد اور قوت رکھی تھی۔ مگر

اولاً سب کو فطرت صحیحہ پر پیدا کیا تھا پھر کوئی اس فطرت پر قائم رہا اور کسی نے گردوپیش کے حالات سے متاثر ہو کر اس کے خلاف راہ اختیار کر لی اور ان دونوں کا علم اللہ کو ہمیشہ سے تھا کہ کون اپنے ارادہ اور اختیار سے کس طرف جائیگا۔ اور پھر اسی کے موافق سزا یا انعام واکرام کا مستحق ہوگا۔ یہ ہی چیز اپنے علم کے موافق اس کی قسمت میں لکھ دی تھی کہ ایسا ہوگا۔ اللہ کا علم محیط اس کو مستلزم نہیں کہ دنیا میں ارادہ واختیار کی قوت باقی نہ رہے۔ یہ مسئلہ دقیق ہے اور ہم اس پر ایک مستقل مضمون لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں واللہ الموفق والمعین۔ (تفسیر عثمانی)

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ الخ یعنی اللہ نے تم کو پیدا کیا۔ اس کے بعد تم میں سے کچھ لوگ کافر ہو گئے اور کچھ لوگ مومن۔ فَمِنْكُمْ میں فَ تعقیب پر دلالت کر رہی ہے یعنی پیدائش کے بعد کچھ لوگوں نے کفر اختیار کیا اور کچھ ایماندار ہوئے۔

اللہ خالق افعال ہے اور بندہ کاسب اعمال

اللہ نے فرمایا ہے كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ بندوں کے افعال واعمال بھی اللہ ہی کے پیدا کردہ ہیں لیکن اس میں کسی قدر بندوں کے اختیار کو دخل ہے اسی لئے بندے کو کاسب کہا جاتا ہے اور اس کے افعال پر ثواب وعذاب مرتب ہے۔ صحابہ اور تابعین وغیرہم کا اسی پر اجماع واتفاق ہے یہی قول صحیح ہے اس کے خلاف آیات کی تاویل کرنی جائز نہیں، اللہ نے فرمایا ہے وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ (مومنوں کے راستہ سے جو ہٹا اللہ اس کو دوزخ میں ڈال دے گا)۔

سب کچھ ماں کے پیٹ ہی میں لکھ دیا

حضرت انس بن مالک راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے، فرشتہ عرض کرتا ہے اے رب (اب) نطفہ ہے (اب) بستہ خون کا لوتھڑا ہے (اب) بوٹی ہے (ان مراحل سے گذرنے کے بعد) جب اللہ اس کو پیدا کرنا چاہتا تو فرشتہ عرض کرتا ہے اے رب کیا یہ نر ہے یا مادہ نیک بخت ہے یا بد بخت، اس کا رزق کیا ہے، اس کی مدت زندگی کیا ہے، یہ سب کچھ ماں کے پیٹ میں ہی لکھ دیا جاتا ہے۔ راوی البخاری۔

صحیحین میں حضرت ابن مسعود کی مرفوع روایت بھی اسی طرح آئی ہے۔ جس کے آخر میں اتنا اور بھی ہے کہ قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم میں سے بعض لوگ اہل جنت کے ایسے عمل (ساری) عمر کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ لکھا ہوا آگے آتا ہے اور وہ جہنم میں چلے جاتے ہیں۔

زمین وآسمان سے پہلے تقدیر لکھ دی گئی

مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوق کی تقدیریں لکھ دی ہیں اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس مضمون کی حدیثیں بکثرت آئی ہیں۔

ایمان اور کفر کی تقدیر: اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ نے آدمیوں کو مومن اور کافر پیدا کیا ہے پھر جیسا پیدا کیا ہے ویسا ہی مؤمن وکافر (دنیوی زندگی میں) ان کو کر دیتا ہے یعنی بعض آدمیوں کے لئے کفر مقدر کر دیا۔ بعض کے لئے ایمان، جن کے لئے تقدیر کفر کی جاتی ہے اُن کا رُخ اُنہی اعمال کی طرف کر دیتا ہے جو کفر پر آمادہ کرنے والے ہوتے ہیں اور جن کے لئے ایمان مقدر کیا جاتا ہے اُن کو انہی اعمال کی توفیق دے دیتا ہے جو ایمان کی طرف بلاتے ہیں۔

حضرت خضرؑ کے ہاتھوں قتل ہونے والا لڑکا

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی وساطت سے حضرت اُبی بن کعب کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خضرؑ نے جس لڑکے کو قتل کیا تھا اُس کی سرشت ہی کفر پر تھی۔ اللہ نے (حضرت نوحؑ کی بد دعا نقل کی ہے اور) فرمایا، وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (یہ کافر ایسے ہی بچے پیدا کریں گے جو بدکار کافر ہوں گے) (تفسیر مظہری)

ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا کیا جاتا ہے

ایک حدیث سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے (كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يهودانه وينصرانه الحديث) "یعنی ہر پیدا ہونے والا انسان فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے" (جس کا تقاضا مؤمن ہونا ہے) مگر پھر اس کے ماں باپ اسکو یہودی یا نصرانی وغیرہ بنا دیتے ہیں (قرطبی)۔

اولادِ آدم کی برادری: اولاد آدم علیہ السلام سب ایک برادری ہے، اور دنیا کے پورے انسان اس برادری کے افراد ہیں، اس برادری کو قطع کرنے اور ایک الگ گروہ بنانے والی چیز صرف کفر ہے جو شخص کافر ہو گیا، اس نے انسانی برادری کا رشتہ توڑ دیا۔ اس طرح پوری دنیا میں انسانوں میں تحزّب اور گروہ بندی صرف ایمان وکفر کی بنا پر ہو سکتی ہے، رنگ اور زبان، نسب وخاندان، وطن اور ملک میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو انسانی برادری کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے، ایک باپ کی اولاد اگر مختلف شہروں میں بسنے لگے یا مختلف زبانیں بولنے لگے یا ان کے رنگ میں تفاوت ہو تو وہ الگ الگ گروہ نہیں ہو جاتے، اختلاف رنگ وزبان اور وطن وملک کے باوجود یہ سب آپس میں بھائی ہی ہوتے ہیں۔ کوئی سمجھدار انسان ان کو مختلف گروہ نہیں قرار دے سکتا۔

زمانۂ جاہلیت میں قومیت کی بنیاد

زمانۂ جاہلیت میں نسب اور قبائل کی تفریق کو قومیت اور گروہ بندی کی بنیاد بنا دیا گیا۔ اسی طرح ملک و وطن کی بنیاد پر کچھ گروہ بندی ہونے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب بتوں کو توڑا اور مسلمان خواہ کسی ملک اور کسی خطہ کا ہو کسی رنگ اور خاندان کا ہو، کوئی زبان بولتا ہو، ان سب کو ایک برادری قرار دیا بنص قرآن اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (مؤمنین سب کے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں) اسی طرح کفار کسی ملک وقوم کے ہوں وہ اسلام کی نظر میں ملت واحدہ ہیں یعنی ایک قوم ہیں۔

اختلاف رنگ وزبان گروہ بندی کا ذریعہ نہیں ہے

قرآن کریم کی مذکورۃ الصدر آیت بھی اس پر شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کل بنی آدم کو صرف کافر مؤمن دو گروہوں میں تقسیم فرمایا۔ اختلاف رنگ و زبان کو قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانی اور انسان کے لئے بہت سے معاشی فوائد پر مشتمل ہونے کی بناء پر ایک عظیم نعمت تو قرار دیا ہے مگر اس کو بنی آدم میں گروہ بندی کا ذریعہ بنانے کی اجازت نہیں دی۔

ملت اسلامیہ کا انتشار اور ملت کفر کا اتحاد

یہی وہ اسلامی برادری اور ایمانی اخوت تھی جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں مشرق ومغرب، جنوب وشمال، کالے گورے، عرب عجم کے بے شمار افراد کو ایک لڑی میں پرو دیا تھا۔ جس کی قوت وطاقت کا مقابلہ دنیا کی قومیں نہ کر سکیں۔ تو انہوں نے پھر اُن بتوں کو زندہ کیا، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام نے پاش پاش کر دیا تھا۔ مسلمانوں کی عظیم ترین ملت واحدہ کو ملک و وطن اور زبان اور رنگ اور نسب اور خاندان کے مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر کے ان کو باہم ٹکرا دیا۔ اس طرح دشمنان اسلام کی یلغار کے لئے میدان صاف ہو گیا۔ جن کا نتیجہ آنکھیں آج دیکھ رہی ہیں، کہ مشرق ومغرب کے مسلمان جو ایک قوم ایک دل تھے اب چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منحصر ہو کر ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں۔ اور اُن کے مقابلہ پر کفر کی طاغوتی قوتیں باہمی اختلاف رکھنے کے باوجود مسلمانوں کے مقابلہ میں ملت واحدہ ہی معلوم ہوتی ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۲ خَلَقَ
اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے بنایا
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ
آسمانوں کو اور زمین کو تدبیر سے اور صورت کھینچی تمہاری،

فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ
پھر اچھی بنائی تمہاری صورت ☆

انسانی صورت ☆ سب جانوروں سے انسان کی خلقت اچھی ہے۔ دیکھنے میں بھی خوبصورت اور ملکات وقویٰ میں بھی تمام عالم سے ممتاز بلکہ سب کا مجموعہ اور خلاصہ اسی لیے صوفیا اسے عالم "صغیر" کہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۔ یعنی ایمان اور کفر، فرماں برداری اور نافرمانی، بہر حال تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے، تم کو اس کا بدلہ دے گا۔

بِالْحَقِّ ۔ یعنی کامل حکمت کے ساتھ پیدا کیا کہ یہ ساری کائنات ایک صانع حکیم کی ہستی اور وحدانیت کی نشاندہی کر رہی ہے۔

وَصَوَّرَكُمْ ۔ اور اے لوگو! اللہ نے تمہارے نقشے بنائے۔

فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۔ تمام حیوانوں سے زیادہ خوب صورت تمہارے نقشے بنائے ظاہر میں بھی (کہ دیکھنے میں سب سے اچھے دکھائی دیتے ہو) اور باطنی طور پر بھی کہ تمام جہان سے زیادہ علم، عقل اور معرفت کے حامل ہو۔ (تفسیر مظہری)

صفت صورت گری: صورت گری درحقیقت خالق کائنات کی مخصوص صفت ہے، اسی لئے اسماء الٰہیہ میں اللہ تعالیٰ کا نام مصور آیا ہے، اور غور کرو کہ کائنات میں کتنی اجناس مختلفہ ہیں اور ہر جنس میں کتنی انواع مختلفہ، ہر نوع میں اصناف مختلفہ اور ہر صنف میں لاکھوں کروڑوں افراد مختلفہ پائے جاتے ہیں، ایک کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی، ایک نوع انسانی میں ملکوں اور خطوں کے اختلاف سے نسلوں اور قوموں کے اختلاف سے شکل وصورت میں کھبے ہوئے امتیازات، پھر ان میں ہر فرد کی شکل وصورت کا دوسرے سب سے ممتاز ہونا ایک ایسی حیرت انگیز صنعت وصورت گری ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ انسانی چہرہ جو چھ سات مربع انچ سے زیادہ نہیں، اربوں، پدموں انسانوں میں ایک ہی طرح کا چہرہ ہونے کے باوجود ایک کی صورت بالکلیہ دوسرے سے نہیں ملتی کہ پہچاننا دشوار ہو جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۳ يَعْلَمُ مَا فِي
اور اُسکی طرف سب کو پھر جانا ہے جانتا ہے جو کچھ ہے
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ
آسمانوں میں اور زمین میں اور جانتا ہے
مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَاللّٰهُ
جو تم چھپاتے ہو اور جو کھول کر کرتے ہو اور اللہ کو

عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٤﴾ اَلَمْ

معلوم ہے جیوں کی بات کیا پہنچی

يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ

نہیں تم کو خبر اُن لوگوں کی جو منکر ہو چکے ہیں

قَبْلُ فَذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ

پہلے، پھر انہوں نے چکھی سزا اپنے کام کی

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٥﴾

اور ان کو عذاب دردناک ہے ☆

اہل مکہ سے خطاب ☆یعنی تم سے پہلے بہت قومیں 'عاد' و 'ثمود' وغیرہ ہلاک کی گئیں اور آخرت کا عذاب الگ رہا۔ یہ خطاب اہل مکہ کو ہے۔ (تفسیر عثانی)

وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۔ اور اُسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے اس لئے خصائل مذمومہ اور برے اعمال کو اختیار کر کے اپنی صلاحیت کو ضائع نہ کرو ورنہ (دوسری زندگی میں) تم کو بدترین صورتوں پر اٹھایا جائیگا۔

يَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ ۔ یعنی اللہ تمہارے اسرار اور اُن خیالات سے واقف ہے جو تمہارے سینوں کے اندر پوشیدہ ہوتے ہیں، جو چیز معلوم ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے خواہ وہ کلی ہو یا جزئی اللہ اس کو جانتا ہے کیونکہ ہر چیز سے اس کی نسبت (یعنی تخلیقی تعلق و ربط) ایک جیسا ہے اَلَمْ يَأْتِكُمْ ۔ یعنی اے کافرو کیا تم کو پہلے کافروں کے حالات (اور عذاب و سزا) کی خبر نہیں پہنچی سابق کافروں سے مراد ہیں قوم نوح، قوم ثمود، قوم عاد اور اصحاب الایکہ (بن والے) وغیرہ۔

وَبَالَ أَمْرِهِمْ ۔ یعنی نتیجہ اور انجام یہ ہوا کہ انہوں نے دنیا میں ہی اپنے کفر کے ضرر کا مزہ چکھ لیا۔ وبال کا اصل مفہوم ہے ثقل، بار، طعام وبیل، ثقیل کھانا، مطر وبیل بھاری بارش۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۔ یعنی آخرت میں اُن کیلئے عذاب الیم ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ

یہ اس لئے کہ لاتے تھے اُن کے پاس

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالُوا أَبَشَرٌ

اُنکے رسول نشانیاں پھر کہتے کیا آدمی

يَهْدُونَنَا فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوْا

ہم کو راہ سمجھائیں گے پھر منکر ہوئے اور منہ موڑ لیا ☆

بشریت، نبوت کے منافی نہیں ہے ☆یعنی کیا ہم ہی جیسے آدمی ہادی بنا کر بھیجے گئے۔ بھیجنا تھا تو آسمان سے کسی فرشتے کو بھیجتے گویا ان کے نزدیک بشریت اور رسالت میں منافات تھی۔ اسی لیے انہوں نے کفر اختیار کیا اور رسولوں کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ (تنبیہ) اس آیت سے یہ ثابت کرنا کہ رسول کو بشر کہنے والا کافر ہے انتہائی جہل والحاد ہے اس کے برعکس اگر کوئی یہ کہہ دے کہ آیت ان لوگوں کے کفر پر دلالت کر رہی ہے جو رسل بنی آدم کے بشر ہونے کا انکار کریں تو یہ دعویٰ پہلے دعوے سے زیادہ قوی ہوگا۔ (تفسیر عثانی)

ذَٰلِكَ ۔ یہ دنیا اور آخرت کا عذاب۔ بِالْبَيِّنَاتِ ۔ معجزات اور واضح دلائل۔ أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا ۔ بشر اسم جنس ہے، ایک پر بھی اور زیادہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ وَتَوَلَّوْا ۔ اور واضح دلائل و آیات سے روگردان ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

وَّاسْتَغْنَى اللَّهُ ۚ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٦﴾

اور اللہ نے بے پروائی کی اور اللہ بے پروا ہے سب تعریفوں والا

اللہ کو کوئی ضرورت نہیں ہے ☆یعنی اللہ کو کیا پروا تھی انہوں نے منہ موڑ لیا تو اللہ نے ادھر سے نظر رحمت اٹھا لی۔ (تفسیر عثانی)

وَّاسْتَغْنَى اللَّهُ ۔ اور اللہ اُن کی طاعت سے کیا ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ پیغمبروں کو بھیجنا تو اس کی مہربانی اور احسان ہے اور جو شخص خود اپنے ضرر پر راضی ہو وہ قابل نظر نہیں ہوتا (پس اللہ بھی اُن کی طرف سے بے پرواہ ہو گیا)

وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۔ اور اللہ ہر چیز سے بے نیاز اور بذاتِ خود فی نفسہٖ سزا وارِ ستایش ہے اس کو کسی کی تعریف کی حاجت نہیں۔ (تفسیر مظہری)

زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا ۚ

دعویٰ کرتے ہیں منکر کہ ہرگز اُن کو کوئی نہ اُٹھائے گا ☆

رسالت کی طرح بعث بعد الموت کا بھی انکار ہے۔ (تفسیر عثانی)

قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ

تو کہہ کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی تم کو بیشک اُٹھانا ہے پھر

لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۚ وَذَٰلِكَ

تم کو جتلانا ہے جو کچھ تم نے کیا اور یہ

عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ ﴿٧﴾
اللہ پر آسان ہے ☆

سب کو اٹھانا اور حساب لینا کوئی مشکل نہیں

یعنی دوبارہ اٹھانا اور سب کا حساب کر دینا اللہ کو کیا مشکل ہے پوری طرح یقین رکھو کہ یہ ضرور ہو کر رہیگا کسی کے انکار سے وہ آنے والی گھڑی ٹل نہیں سکتی۔ لہٰذا مناسب ہے کہ انکار چھوڑ کر اس وقت کی فکر کرو۔ (تفسیر عثمانی)

بِمَا عَمِلْتُمْ۔ تم نے جو کچھ کیا ہوگا خیر ہو یا شر یعنی تم سے حساب فہمی کی جائے گی اور تم کو تمہارے اعمال سے باخبر کیا جائے گا۔

وَذٰلِكَ۔ یعنی یہ دوبارہ زندہ کر کے اُٹھانا اور محاسبہ کرنا۔

يَسِيرٌ۔ آسان ہے کیوں کہ اللہ کی قدرت کامل ہے اور جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے وہ محال نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ
سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور اُس نور
الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ؕ
پر جو ہم نے اُتارا ☆

یعنی قرآن کریم پر۔ (تفسیر عثمانی)

فَاٰمِنُوْا الخ۔ یعنی جب حشر اور قبروں سے اُٹھایا جانا ضروری اور یقینی ہے تو ایمان لاؤ۔

وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا۔ النور سے مراد ہے قرآن مجید۔ قرآن کا اعجاز ظاہر ہے پس اسی معجز ہونے کی وجہ سے یہ خود ظاہر ہے (جیسے نور خود ظاہر ہوتا ہے) اور قوانین و ضوابط اور احکام و اخبار کو ظاہر بھی کر رہا ہے اس لئے مظہر بھی ہے جیسے روشنی دوسری چیزوں کو ظاہر کر دیتی ہے۔ لہٰذا روشنی کی طرح قرآن ظاہر اور مظہر ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٨﴾
اور اللہ کو تمہارے سب کام کی خبر ہے ☆

یعنی ایمان کیساتھ عمل بھی ہونا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ
جس دن تم کو اکٹھا کریگا جمع ہونے کے دن وہ

يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ
دن ہے ہار جیت کا ☆

دوزخیوں کی ہار اور جنتیوں کی جیت: ☆ یعنی اس دن دوزخی ہارینگے اور جنتی جیتیں گے۔ ہارنا یہی کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو بے موقع خرچ کر کے راس المال بھی کھو بیٹھے اور جیتنا یہ کہ ایک ایک کے ہزاروں پائے آگے اسی کی کچھ تفصیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ
اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر اور کرے کام
صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ
بھلا اتار دیگا اُس پر سے اُس کی برائیاں ☆

نیک عمل سے تقصیر معاف ☆ یعنی جو تقصیرات ہوئی ہیں ایمان اور نیک کاموں کی برکت سے معاف کر دی جائینگی۔ (تفسیر عثمانی)

وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
اور داخل کرے گا اُس کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ
ہیں ندیاں رہا کریں اُن میں ہمیشہ
ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٩﴾
یہی ہے بڑی مراد ملنی ☆

بڑی کامیابی ☆ جو جنت میں پہنچ گیا سب مرادیں مل گئیں۔ اللہ کی رضا اور دیدار کا مقام بھی وہ ہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ۔ یعنی یہ ایمان اور عمل صالح کا مجموعہ بڑی کامیابی ہے کیوں کہ اسی سے دفع مضرت اور حصول منفعت وابستہ ہے (گناہوں کا معاف ہونا اور جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہونا ایمان اور عمل صالح کے مجموعہ پر موقوف ہے)۔

مومنوں اور کافروں کے مکان: عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے

اس کو صحیح کہا ہے کہ مؤمن (جنت کے اندر) اپنے مکانوں کے بھی مالک ہوں گے اور بدنصیب کافروں کے مکانوں کے بھی وارث ہوں گے۔ کافروں کے یہ مکان جنت کے اندر وہی ہوں گے کہ اگر وہ بدنصیب اللہ کی اطاعت کرتے تو یہ مکان اُن کو عطا کئے جاتے۔

سعید بن منصورؒ، ابن ماجہؒ، ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ، ابن ابی حاتمؒ، ابن مردویہ اور بیہقی نے (البعث میں صحیح سند سے) حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تم میں سے ہر ایک کے (آخرت میں) دو گھر ہوں گے۔ ایک جنت میں دوسرا دوزخ میں جب کوئی مرکر دوزخ میں چلا جائے گا۔ تو اس کے جنت والے مکان کے مالک اہل جنت ہو جائیں گے۔ آیت اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ کا یہی مطلب ہے۔

قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال:

صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے آیا ہے کہ جب بندہ کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اُس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور کہتے ہیں تو اس شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بابت کیا کہتا تھا۔ مومن جواب دیتا ہے میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں اُس سے کہا جاتا ہے دوزخ کے اندر اپنا مقام دیکھ اللہ نے اس مقام کے بجائے جنت کے اندر تجھے مقام عنایت فرما دیا۔ الحدیث۔

ورثہ نہ دینے کی سزا: ابن ماجہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وارث کی میراث سے بھاگتا ہے (یعنی وارث کو اس کا میراثی حصہ نہیں دیتا) اللہ جنت والی میراث اس کی کاٹ دیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ

اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلائیں انہوں نے ہماری آیتیں

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِیْنَ

وہ لوگ ہیں دوزخ والے رہا کریں

فِیْهَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۰﴾ مَاۤ

اُسی میں اور بُری جگہ جا پہنچے نہیں

اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا

پہنچتی کوئی تکلیف بدون

بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ

حکم اللہ کے اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر

یَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ

وہ راہ بتلائے اسکے دل کو☆

مصیبت سے تنگدل نہ ہو صبر کرے

دنیا میں کوئی مصیبت اور سختی اللہ کی مشیت و ارادہ کے بدون نہیں پہنچتی مومن کو جب اس بات کا یقین ہے تو اس پر غمگین اور بددل ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ بہرصورت مالک حقیقی کے فیصلہ پر راضی رہنا چاہیے اور یوں کہنا چاہیے۔

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اس طرح اللہ تعالی مؤمن کے دل کو صبر و تسلیم کی راہ بتلا دیتا ہے جس کے بعد عرفان وایقان کی عجیب راہیں کھلتی ہیں اور باطنی ترقیات اور قلبی کیفیات کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ ۔ یعنی کسی شخص کو کسی طرح کی کوئی مصیبت نہیں پہنچی مگر اللہ کے اذن سے اذن سے مراد ہے تقدیر خداوندی اور ارادۂ الٰہی۔

وَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ ۔ یعنی جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ اس پر جو مصیبت آتی ہے وہ بغیر اذن خدا کے نہیں آتی اور یقین رکھتا ہے کہ آنے والی مصیبت چوکتی اور ٹلتی نہیں اور نہ آنے والی آتی نہیں۔

یَهْدِ قَلْبَهٗ ۔ یعنی اللہ کو صبر اور تسلیم و رضا کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔

مسئلہ تقدیر: ابن دیلمی کا بیان ہے کہ میں حضرت اُبی بن کعب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرے دل میں تقدیر کے متعلق کچھ شبہ پیدا ہو گیا ہے اب آپ کوئی حدیث بیان فرما دیجئے تا کہ اللہ میرے دل سے شبہ کو دور کر دے۔ حضرت ابی نے فرمایا۔ اگر اللہ تمام آسمان والوں اور زمین کے باشندوں کو عذاب دے تو دے سکتا ہے اور وہ ظالم نہیں قرار پائے گا اور اگر اُن پر اپنی رحمت کرے تو اُسکی رحمت اُن کے اعمال سے بہتر ہوگی اور اگر کوہِ احد کے برابر سونا تم راہ خدا میں خرچ کرو گے تو جب تک تمہارا ایمان تقدیر پر نہ ہوگا اللہ قبول نہیں فرمائے گا' جان رکھو کہ جو کچھ تم کو ملنے والا ہے وہ تم سے چوکے گا نہیں اور جو ملنے والا نہیں وہ ملے گا نہیں۔ اگر اس عقیدے کے خلاف (دوسرے مخالف عقیدے پر) تم مرجاؤ گے تو دوزخ میں جاؤ گے)۔

اس کے بعد میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے جا کر یہی دریافت کیا' حضرت عبداللہ نے بھی (حضرت اُبی بن کعب کے جواب کی طرح)

جواب دیا' پھر میں حضرت حذیفہ بن یمان کی خدمت میں پہنچا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا پھر میں حضرت زید بن ثابت کی خدمت میں گیا (اور یہی سوال کیا) تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اسی طرح سنائی۔ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ۔ (تفسیر مظہری)

ہدایت قلب کا معنی: وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ کی تفسیر میں اعمش ابوظبیان سے بیان کرتے ہیں کہ ہم علقمہؒ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے جب یہ آیت پڑھی۔ تو ان سے اس کے معنی دریافت کئے گئے۔ فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب کسی شخص کو کوئی مصیبت پہنچے تو یقین کرے کہ یہ تقدیر خداوندی سے ہے۔ اور اس پر راضی ہو صبر وسکون اختیار کرے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ یقین کرے قضاء الٰہی کو کوئی لوٹا نہیں سکتا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہدایت قلب کے معنی یہ ہیں کہ اس پر ثواب کی امید رکھے اور بعض ائمہ فرماتے کہ یهد قلبه ہر نقصان اور مصیبت پر إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھنا ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عجیب حال ہے مومن کا جو بھی قضاء و قدر سے اس پر پیش آتا ہے اسکو اس چیز میں اجر وثواب ہی ملتا ہے اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور اس پر صبر کرتا ہے تو اس پر بھی اجر وثواب ہے' اور اگر کوئی راحت ونعمت حاصل ہوتی ہے اور اس پر شکر کرتا ہے تو اس پر بھی اس کو ثواب ملتا ہے غرض مومن ہر طرح سے خیر ہی خیر کماتا ہے۔۱۲۔ تفسیر ابن کثیر۔ صحیحین۔ (معارف کاندھلوی)

افضل عمل: مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اس کی تصدیق کرنی اس کی راہ میں جہاد کرنا۔ اس نے کہا حضرت میں کوئی آسان کام چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا جو فیصلہ قسمت کا تجھ پر جاری ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ کا گلہ شکوہ نہ کر اس کی رضا پر راضی رہ یہ اس سے ہلکا امر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ⑪
اور اللہ کو ہر چیز معلوم ہے ☆

اللہ علیم ہے: یعنی جو تکلیف ومصیبت اس نے بھیجی عین علم وحکمت سے بھیجی۔ اور وہ ہی جانتا ہے کہ کون تم میں سے واقعی صبر واستقامت اور تسلیم کی راہ پر چلا اور کس کا دل کن احوال وکیفیات کا مورد بننے کے قابل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ج
اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا

فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا
پھر اگر تم منہ موڑو تو ہمارے رسول کا تو یہی کام ہے
الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ⑫
پہنچا دینا کھول کر ☆

ہر حال میں اطاعت کرو ☆ یعنی نرمی وسختی اور تکلیف وراحت غرض ہر حالت میں اللہ ورسول کا حکم مانو اگر ایسا نہ کرو گے تو خود تمہارا ہی نقصان ہے رسول سب نیک و بد سمجھا کر اپنا فرض ادا کر چکا۔ اللہ کو تمہاری طاعت و معصیت سے کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

تمہاری نافرمانی سے رسول کو کوئی نقصان نہیں

فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الخ یعنی تمہاری روگردانی ہمارے رسول کو کوئی ضرر نہیں پہنچائے گی کیوں کہ ان کا فریضہ صرف تبلیغ حکم ہے جب وہ حکم پہنچا چکے تو اپنا فرض ادا کر چکے۔ روگردانی کا ضرر تم پر ہی پڑیگا۔ (تفسیر مظہری)

اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ط وَعَلَى اللّٰهِ
اللہ اُسکے سوائے کسی کی بندگی نہیں اور اللہ پر
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ⑬
چاہئے بھروسہ کریں ایمان والے ☆

معبود اور مستعان فقط اللہ ہے ☆ یعنی معبود اور مستعان تنہا اسی کی ذات ہے نہ کسی اور کی بندگی نہ کوئی دوسرا بھروسہ کے لائق۔ (تفسیر عثمانی)

اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ۔ یہ جملہ حکم ایمان واطاعت کی علت ہے اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کی اطاعت کرو اس لئے کہ وہی اللہ ہے اس کے سوا قابل عبادت کوئی نہیں۔ وَعَلَى اللّٰهِ۔ اس کا تعلق فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ سے ہے۔ علی اللہ کی تقدیم مفید حصر ہے (اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے) جب خیر وشر سب ہی کچھ بتقدیر الٰہی ہوتا ہے تو بھروسہ اور توکل بھی اللہ ہی پر ہونا ضروری ہے۔ (تفسیر مظہری)

يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ
اے ایمان والو تمہاری بعض

اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ

جوروئیں اور اولاد دشمن ہیں تمہارے ☆

بیوی بچوں کی محبت ☆ بہت مرتبہ آدمی بیوی بچوں کی محبت اور فکر میں پھنس کر اللہ کو اور اس کے احکام کو بھلا دیتا ہے۔ ان تعلقات کے پیچھے کتنی برائیوں کا ارتکاب کرتا اور کتنی بھلائیوں سے محروم رہتا ہے۔ بیوی اور اولاد کی فرمائشیں اور رضا جوئی اسے کسی وقت دم نہیں لینے دیتی۔ اس چکر میں پڑ کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے جو اہل وعیال اتنے بڑے خسارے اور نقصان کا سبب بنیں وہ حقیقۃً اس کے دوست نہیں کہلا سکتے بلکہ بدترین دشمن ہیں جن کی دشمنی کا احساس بھی بسا اوقات انسان کو نہیں ہوتا۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے متنبہ فرمادیا کہ ان دشمنوں سے ہوشیار رہو اور ایسا رویہ اختیار کرنے سے بچو جس کا نتیجہ انکی دنیا سوارنے کی خاطر اپنا دین برباد کرنے کے سوا کچھ نہ ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں سب بیویاں اور ساری اولاد اسی قماش کی ہوتی ہے۔ بہت اللہ کی بندیاں ہیں جو اپنے شوہروں کے دین کی حفاظت کرتی اور نیک کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتی ہیں اور کتنی ہی سعادتمند اولاد ہے جو اپنے والدین کیلئے باقیات صالحات بنتی ہے "جعلنا الله منهم بفضله ومنّه" (تفسیر عثمانی)

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ ۔ یعنی تمہارے اہل وعیال حقیقت میں تمہارے دشمن ہیں کیوں کہ اللہ کی فرمانبرداری سے روکتے اور باز رکھتے ہیں۔

سبب نزول: ترمذی اور حاکم نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ مکہ کے رہنے والے کچھ مرد مسلمان ہو گئے اور انہوں نے ہجرت کرنے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن ان کے اہل وعیال نے اُن کو مکہ چھوڑ کر مدینہ کو جانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ بغوی نے لکھا ہے ان کے اہل وعیال نے کہا ہم نے تمہارے مسلمان ہونے پر تو صبر کر لیا لیکن اب تمہاری جدائی ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے' بیوی بچوں کی یہ التجا مسلمانوں نے مان لی اور ہجرت کا ارادہ ترک کر دیا۔

ابن جریر نے عطاء بن یسار کا قول نقل کیا ہے سواء آیات يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ الخ کے باقی تمام سورۂ تغابن مکہ میں نازل ہوئی۔ یہ آیات ضرور (مدینہ میں) حضرت عوف بن مالک اشجعی کے حق میں نازل ہوئیں' حضرت عوف بن مالک عیالدار آدمی تھے آپ جب بھی جہاد پر جانے کا ارادہ کرتے تھے' بیوی بچے اُن کے سامنے روتے اور اُن کے دل میں رقت پیدا کر دیتے تھے اور کہتے تھے آپ ہم کو کس پر چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ اسطرح اُن کے دل میں نرمی آجاتی تھی اور وہ جہاد سے رک جاتے تھے۔ انہی کے متعلق ان آیات کا آخر سورت تک مدینہ میں نزول ہوا۔ (تفسیر مظہری)

فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا

سو اُن سے بچتے رہو اور اگر معاف کرو

وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

اور درگذرو اور بخشو تو اللہ ہے

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

بخشنے والا مہربان ☆

اہل وعیال کو معاف کرتے رہو ☆ یعنی اگر انہوں نے تمہارے ساتھ دشمنی کی اور تم کو دینی یا دنیوی نقصان پہنچ گیا تو اس کا اثر یہ نہ ہونا چاہیے کہ تم انتقام کے درپے ہو جاؤ۔ اور ان پر نامناسب سختی شروع کر دو۔ ایسا کرنے سے دنیا کا انتظام درہم برہم ہو جائیگا جہاں تک عقلاً وشرعاً گنجائش ہو ان کی حماقتوں اور کوتاہیوں کو معاف کرو اور عفو و درگزر سے کام لو۔ ان مکارم اخلاق پر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ مہربانی کریگا اور تمہاری خطاؤں کو معاف فرما دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

ترمذی اور حاکم نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب وہ لوگ مدینہ میں پہنچ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے تو انہوں نے دیکھا کہ (ان سے پہلے ہجرت کر کے آنے والے) کچھ لوگ دینی مسائل سیکھ چکے ہیں۔ یہ دیکھ کر (ان کو اپنے اہل وعیال پر غصہ آیا) انہوں نے ارادہ کیا کہ اہل وعیال کو سزا دیں کیونکہ بیوی بچوں نے ہی ان کو ہجرت کرنے سے روک رکھا تھا۔ اس پر آیت وَاِنْ تَعْفُوْا الخ نازل ہوئی۔ یعنی اگر تم ان کا قصور معاف کر دو گے اور اُن سے درگذر کرو گے اور اُن کی خطا بخش دو گے تو اللہ بھی تم کو معاف فرمائے گا اور تم پر مہربانی کرے گا کیونکہ اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

فَاحْذَرُوْهُمْ ۔ تم اُن سے احتیاط رکھو' اُن کے شر سے بے فکر نہ ہو ان کا کہنا نہ مانو کہ ان کی وجہ سے ہجرت چھوڑ بیٹھو۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ

تمہارے مال اور تمہاری اولاد یہی ہیں جانچنے کو

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

اور اللہ جو ہے اُس کے پاس ہے ثواب بڑا ☆

اموال واولاد امتحان ہے ☆ یعنی اللہ تعالیٰ مال واولاد دے کر تم کو جانچتا ہے کہ کون ان فانی وزائل چیزوں میں پھنس کر آخرت کی باقی ودائم نعمتوں کو فراموش کرتا ہے اور کس نے ان سامانوں کو اپنی آخرت کا ذخیرہ بنایا اور وہاں کے اجر عظیم کو یہاں کے حظوظ ومالوفات پر ترجیح دی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابرار کے درجہ والا: جو شخص باوجود موانع اور علائق کے اور بندوں کے حقوق ادا کرے گا' اللہ اس کو ابرار کا درجہ عطا فرمائے گا اور اس متقی سے اس کا

مرتبہ بہت زیادہ ہوگا جو حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرتا ہے لیکن اس کے لئے اداء حقوق سے روکنے والا نہ کوئی رشتہ اور تعلق ہو نہ کوئی اور مانع ہو۔

انسان، فرشتہ سے بہتر ہے: اسی بناء پر اہل سنت کا خیال ہے کہ خواص بشر یعنی انبیاء کا درجہ بڑے مرتبہ کے فرشتوں سے بھی اونچا ہے اور عام اولیاء و صلحاء عام ملائکہ سے افضل ہیں کیونکہ ملائکہ کے اندر تو اطاعت سے روکنے والا کوئی جذبہ ہی نہیں ہے اُن کی سرشت ہر مادی قوت سے خالی ہے اور اولیاء و صلحاء کے اندر موانع اور عوائق موجود ہیں جو اللہ کی اطاعت اور اداء حقوق سے روکتے ہیں۔ پر وہ ان سفلی جذبات پر غالب آتے ہیں لیکن اگر مال و اولاد کسی کو اللہ کی اطاعت اور بندوں کے حقوق ادا کرنے سے روک دے اور وہ اللہ کی نافرمانی اور ارتکاب ممنوعات کو اختیار کرلے تو یہی انسان اسفل السافلین میں جاگرتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: حضرت بریدہ کی روایت سے ایک حدیث آئی ہے جس کا ذکر ہم نے سورۂ جمعہ میں کر دیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت حسن اور حضرت حسین کو لڑکھڑاتے قدموں سے آتے دیکھا۔ اور گر پڑنے کا اندیشہ ہوا تو منبر سے اتر کر فوراً جا کر دونوں صاحبزادوں کو اٹھا لیا اور فرمایا اللہ نے سچ ارشاد کیا ہے۔ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۔ (تفسیر مظہری)

گنہگار بیوی بچوں سے بیزاری اور بغض نہیں چاہیے

مسئلہ: علماء نے اس آیت سے استدلال کیا کہ اہل وعیال سے کوئی کام خلاف شرع بھی ہو جائے تو اُن سے بیزار ہو جانا اور اُن سے بغض رکھنا یا اُن کے لئے بددعا کرنا مناسب نہیں (روح)۔

مال اولاد انسان کے لئے بڑا فتنہ ہیں

حقیقت یہ ہے کہ مال و اولاد کی محبت انسان کے لئے بڑا فتنہ اور آزمائش ہیں۔ انسان اکثر گناہوں میں خصوصاً حرام کمائی میں انہی کی محبت کی وجہ سے مبتلا ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز بعض اشخاص کو لایا جائے گا اُس کو دیکھ کر لوگ کہیں گے۔ اَكَلَ عَيَالُهٗ حَسَنَاتِهٖ "یعنی اُس کی نیکیوں کو اس کے عیال نے کھالیا"۔ (روح) ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کے بارے میں فرمایا مَبْخَلَةٌ مَّجْبَنَةٌ "یعنی بخل اور جُبن یعنی نامردی اور کمزوری کے اسباب ہیں" کہ ان کی محبت کی وجہ سے آدمی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے رُکتا ہے۔ انہی کی محبت کی وجہ سے جہاد میں شرکت سے رہ جاتا ہے۔ بعض سلف صالحین کا قول ہے اَلْعَيَالُ سُوْسُ الطَّاعَاتِ "یعنی عیال انسان کی نیکیوں کے لئے گھن ہے۔" (معارف مفتی اعظم)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ
سو ڈرو اللہ سے جہاں تک ہو سکے

وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا
اور سنو اور مانو ☆

تقویٰ اختیار کرو ☆ یعنی اللہ سے ڈر کر جہاں تک ہو سکے اس جانچ میں ثابت قدم رہو اور اس کی بات سنو اور مانو۔ (تفسیر عثمانی)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ۔ "یعنی تقویٰ اختیار کرو مقدور بھر" جب آیت اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ نازل ہوئی جس کے معنی یہ ہیں کہ "اللہ سے ایسا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اللہ کا حق ہے" تو صحابۂ کرامؓ پر بہت بھاری اور شاق ہوا۔ کہ اللہ کے حق کے مطابق تقویٰ کس کے بس میں ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس نے بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی طاقت اور مقدور سے زیادہ تکلیف نہیں دی۔ تقویٰ بھی اپنی طاقت کے مطابق واجب ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حصول تقویٰ میں اپنی پوری توانائی اور کوشش کرلے تو اس سے اللہ کا حق ادا ہو جائے گا (روح ملخصاً) (معارف مفتی اعظم)

صحابہ کرام کا تقویٰ: حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں پہلی آیت لوگوں پر بڑی بھاری پڑی تھی، اس قدر لمبے قیام کرتے تھے کہ پیروں پر ورم آ جاتا تھا اور اتنے لمبے سجدے کرتے تھے کہ پیشانیاں زخمی ہو جاتی تھیں پس اللہ تعالیٰ نے یہ دوسری آیت اتار کر تخفیف کر دی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ
اور خرچ کرو اپنے بھلے کو ☆

☆ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے تمہارا ہی بھلا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ
اور جس کو بچا دیا اپنے جی کے لالچ سے سو وہ لوگ وہی
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾
مُراد کو پہنچے ☆

مراد کو پہنچنے والے ☆ یعنی مراد کو وہ ہی شخص پہنچتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس کے دل کے لالچ سے بچا دے اور حرص و بخل سے محفوظ رکھے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا
اگر قرض دو اللہ کو اچھی طرح پر قرض دینا

يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ط

وہ دونا کر دے تم کو اور تم کو بخشے ☆

مال خرچ کرنے کا اجر☆یعنی اللہ کی راہ میں اخلاص اور نیک نیتی سے طیب مال خرچ کرو تو اللہ اس سے کہیں زیادہ دیگا اور تمہاری کوتاہیوں کو معاف فرمائے گا۔ اس طرح کا مضمون پہلے کئی جگہ گزر چکا ہے۔ وہیں ہم نے پوری تقریر کی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ ۔ اللہ کو قرض دینے کے معنی ہیں اللہ کے بندوں کو قرض دینا اور قرض دینے کا مطلب ہے اللہ کی راہ میں بامید ثواب خرچ کرنا۔

قَرْضًا حَسَنًا ۔ یعنی خلوص قلب کے ساتھ، بخوشی خاطر بغیر دکھاوٹ اور طلب شہرت کے دینا جس سے لینے والے پر نہ احسان رکھا جائے نہ اس کو دکھ دیا جائے۔

يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ ۔ یعنی دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک بلکہ اس سے بھی زیادہ جتنا اللہ چاہے گا اجر عطا فرمائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٧﴾ لا

اور اللہ قدر دان ہے تحمل والا ☆

اللہ قدر دان ہے☆قدر دانی کی بات یہ ہے کہ تھوڑے عمل پر بہت سا ثواب دیتا ہے اور تحمل یہ کہ گناہ دیکھ کر فوراً عذاب نہیں بھیجتا۔ پھر بہت سے مجرموں کو بالکل معاف اور بہتیروں کی سزائیں تخفیف کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ

جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر کا زبردست

الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾ ع

حکمت والا ☆

اللہ کو سب عملوں کی خبر ہے☆یعنی اسی کو ظاہری اعمال اور باطنی نیتوں کی خبر ہے اپنی زبردست قوت اور حکمت سے اس کے مناسب بدلہ دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۔ یعنی اُس کے علم سے کوئی چیز مخفی نہیں، جس چیز کا لوگ مشاہدہ کرتے ہیں اور جو چیز لوگوں کے علم سے پوشیدہ ہے اللہ سب کو جانتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ جو شخص اس وقت موجود ہے اس کو بھی خدا جانتا ہے اور جو چیز پہلے ہو چکی یا آئندہ ہونے والی ہے۔ سب سے خدا واقف ہے۔

اَلْعَزِيْزُ ۔ ہر شے پر غالب جس کی قدرت بھی کامل ہے اور علم بھی ہمہ گیر۔ (تفسیر مظہری)

الحمدللہ سورۃ تغابن ختم ہوئی

جو شخص خواب میں اس کو پڑھے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان اس قدر جھگڑا ہو جائے گا کہ نوبت جدائی تک پہنچ جائے گی مگر مرد مہر ادا کرے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اِثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۂ طلاق مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ

اے نبی جب تم طلاق دو عورتوں کو

فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ

تو اُن کو طلاق دو اُن کی عدت پر ☆

طلاق دینے کا طریقہ☆نبی کو مخاطب بنا کر یہ ساری امت سے خطاب ہے یعنی جب کوئی شخص (کسی پرضرورت اور مجبوری سے) اپنی عورت کو طلاق دینے کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ عدت پر طلاق دے۔ سورہ ''بقرہ'' میں آ چکا کہ مطلقہ کی عدت تین حیض ہیں (کما ہو مذہب الحنفیہ) لہٰذا حیض سے پہلے حالت طہر میں طلاق دینا چاہیے تا سارا حیض گنتی میں آئے اگر فرض کیجئے حالت حیض میں طلاق دیگا تو دو حال سے خالی نہیں۔ جس حیض میں طلاق دی ہے اس کو عدت میں شمار کرینگے یا نہ کرینگے۔ پہلی صورت میں ایقاع طلاق سے پہلے جس قدر وقت حیض کا گزر چکا وہ عدت میں سے کم ہو جائیگا اور پورے تین حیض عدت کے باقی رہینگے اور دوسری صورت میں جب موجودہ حیض کے علاوہ تین حیض لیں گے تو یہ حیض تین سے زائد ہوگا اس لیے مشروع طریقہ یہ ہے کہ طہر میں طلاق دی جائے۔ اور حدیث سے یہ قید بھی ثابت ہے کہ اس طہر میں صحبت نہ کی ہو۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول: ابن ابی حاتم نے بوساطت قتادہ حضرت انسؓ کی روایت بیان کی کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو طلاق دے دی، حضرت صفیہ اپنے گھر چلی گئیں اس پر آیت ذیل نازل ہوئی کسی نے حضرت صفیہ سے جا کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق سے رجوع کر لیا (رجوع کرنے کی وجہ یہ تھی کہ) حضرت صفیہ صائم الدہر اور قائم اللیل تھیں۔

مسئلہ: جس طہر میں عورت سے مباشرت کر لی ہے، اس میں طلاق دینا

حرام ہے علماء کا اس فیصلہ پر اتفاق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا پھر طہر کی حالت میں جب کہ (اس طہر میں) عورت سے مباشرت نہ کی ہو طلاق دیدے۔ مندرجۂ ذیل مسائل پر بھی علماء کا اتفاق ہے۔

نمبر ۱- جس جوان عورت سے کبھی مباشرت نہ کی ہو اس کو حالت حیض میں طلاق دینا جائز ہے۔

نمبر ۲- نابالغ صغیرہ جس کو ابھی حیض نہ آیا ہو اس کو بھی قبل از مباشرت اور بعد از مباشرت طلاق دینا جائز ہے۔

نمبر ۳- اگر حیض منقطع ہو گیا ہو یعنی عورت بوڑھی ہوگئی اور حیض آنے کی کوئی امید نہ رہی ہو تو مباشرت کے بعد اس کو طلاق دینا جائز ہے۔

جس طہر میں مباشرت کی ہو اس کو اس طہر میں طلاق دینا اس لئے حرام تھا کہ عدت کی مدت طویل نہ ہو جائے جہاں طول مدت کا گمان نہ ہو وہاں۔ بہر حال طلاق جائز ہے لہٰذا جس عورت سے قربت نہ کی ہو اور طلاق دیدی ہو اس کی تو عدت ہی نہیں ہے رہیں مؤخر الذکر دونوں صورتیں تو ان کی عدت ضرور ہوگی لیکن عدت کی گنتی مہینوں سے ہوگی، ان دونوں صورتوں میں مہینوں کی گنتی میں کوئی اضافہ بالا جماع نہیں ہو جاتا۔ جماع کے بعد بھی عدت کی مدت نہیں بڑھ جاتی۔

وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ۔ اور عدت کو یاد رکھو ایسا نہ ہو کہ عدت کے بعد بھی۔ تم طلاق سے رجوع کر لو یا عدت گذرنے سے پہلے عورت سے پہلے عورت کسی اور مرد سے اپنا نکاح کرلے کیونکہ یہ دونوں امر نا جائز ہیں۔

تین طلاقیں: نص قرانی نے یہ فیصلہ کر دیا کہ تین طلاق کے بعد حرمت قطعیہ واقع ہو جاتی ہے۔ اور رجوع کا امکان باقی نہیں رہتا جسکی تفصیل سورۂ بقرہ آیۃ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ میں گزر چکی۔ خواہ تین طلاقیں متفرقاً اور علیحدہ علیحدہ دی ہوں یا بیک وقت اس اجماعی فیصلہ میں کسی کا اختلاف نہیں البتہ ظاہر یہ سے اور بعض حنابلہ سے اختلاف نقل کیا گیا۔ مگر خود امام احمد بن حنبلؒ اس کے قائل نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ سب کا یہی فتویٰ ہے اور امت کے کل فقہاء محدثین و مفسرین اسی کے قائل ہیں۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے بھی اسی پر ایک باب باندھا ہے فرمایا باب وَمَنْ اجازا الطلاق الثلث بقولهٖ تعالیٰ الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ (معارف کاندھلوی)

نکاح وطلاق کے معاملہ کی خصوصیت

نکاح وطلاق کا معاملہ ہر مذہب وملت میں عام معاملات بیع وشراء اور اجارہ کی طرح نہیں کہ طرفین کی رضامندی سے جس طرح چاہیں کر لیا بلکہ ہر مذہب و ملت کے لوگ ہمیشہ سے اس پر متفق ہیں کہ ان معاملات کو ایک خاص مذہبی تقدس حاصل ہے اُسی کی ہدایت کے تحت یہ کام سرانجام پانے چاہئیں۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ تو بہر حال ایک آسمانی دین اور آسمانی کتاب سے نسبت رکھتے ہیں اُن میں سیکڑوں تحریفات کے باوجود اتنی قدر مشترک اب بھی باقی ہے کہ ان معاملات میں کچھ مذہبی حدود و قیود کے پابند ہیں۔

کفار و مشرکین جو کوئی آسمانی کتاب اور مذہب نہیں رکھتے مگر کسی نہ کسی صورت میں خدا تعالیٰ کے قائل ہیں جیسے ہندو، آریہ، سکھ، مجوس، آتش پرست نجوم پرست لوگ وہ بھی نکاح وطلاق کے معاملات کے عام معاملات بیع و شراء یا اجارہ کی طرح نہیں سمجھتے اُن کے یہاں بھی کچھ مذہبی رسوم ہیں جن کی پابندی ان معاملات میں لازم سمجھتے ہیں اور انہیں اصول و رسوم پر تمام مذاہب و فرق کے عائلی قوانین چلتے ہیں۔

دہریوں کی شہوت پرستی: صرف دہریہ اور لامذہب منکر خدا لوگوں کا ایک فرقہ ہے جو خدا و مذہب ہی سے بیزار ہے اور ان چیزوں کو بھی اجارہ کی طرح باہمی رضامندی سے طے ہو جانے والا ایک معاملہ قرار دیتے ہیں جسکا مقصد اپنے شہوانی جذبات کی تسکین سے آگے کچھ نہیں۔ افسوس ہے کہ آجکل دنیا میں یہی نظریہ عام ہوتا جاتا ہے جسنے انسانوں کو جنگل کے جانوروں کی صف میں کھڑا کر دیا ہے۔ انا للّٰہ والیہ المشتکٰی۔

اسلام میں نکاح کا مقام: شریعت اسلام ایک مکمل اور پاکیزہ نظام حیات کا نام ہے۔ اسمیں نکاح کو صرف ایک معاملہ اور معاہدہ نہیں بلکہ ایک گونہ عبادت کی حیثیت بخشی ہے، جس میں خالق کائنات کی طرف سے انسانی فطرت میں رکھے ہوئے شہوانی جذبات کی تسکین کا بہترین اور پاکیزہ سامان بھی ہے اور مرد و عورت کے ازدواجی تعلقات سے جو عمرانی مسائل بقائے نسل اور تربیت اولاد کے متعلق ہیں ان کا بھی معتدلانہ اور حکیمانہ بہترین نظام موجود ہے۔

بلا وجہ طلاق ناپسندیدہ ہے: حدیث میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ کے نزدیک طلاق ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تزوّجوا ولا تطلقوا فانّ الطّلاق یهتزّ منه عرش الرّحمٰن۔ یعنی نکاح کرو اور طلاق نہ دو کیونکہ طلاق سے عرش رحمٰن ہل جاتا ہے۔ اور حضرت ابوموسیٰؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کو طلاق نہ دو بغیر کسی بدکاری کے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان مردوں کو پسند نہیں کرتا جو صرف ذائقہ چکھنے والے ہیں اور اُن عورتوں کو پسند نہیں کرتا جو صرف ذائقہ چکھنے والی ہیں (قرطبی بروایت ثعلبی) اور دار قطنی نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے زمین پر جو کچھ پیدا فرمایا ہے اُن سب میں اللہ کے نزدیک محبوب غلاموں کو آزاد کرنا ہے، اور جتنی چیزیں زمین پر پیدا کی ہیں اُن سب میں مبغوض و مکروہ طلاق ہے۔ (از قرطبی)

حالت حیض میں دی ہوئی طلاق: اور صحیحین بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی عورت کو بحالت حیض طلاق دیدی تھی۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اسکا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ سخت ناراض ہوئے پھر فرمایا۔ ان کو چاہئے کہ بحالت حیض دی ہوئی طلاق سے رجوع کر لیں پھر اپنی زوجیت میں رکھیں یہاں تک کہ حیض سے طہارت ہو جائے اور پھر اس کے بعد حیض آئے اُس حیض سے طہارت ہو جائے اس وقت اگر طلاق دینا ہی ہے تو اس طہر میں مباشرت وصحبت کئے بغیر طلاق دیدیں۔ یہی وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے آیت (مذکورہ) میں حکم دیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ
اور گنتے رہو عدت کو☆

عدت کا خیال رکھو ☆یعنی مرد و عورت دونوں کو چاہیے کہ عدت کو یاد رکھیں۔ کہیں غفلت وسہو کی وجہ سے کوئی بے احتیاطی اور گڑبڑ نہ ہو جائے نیز طلاق ایسی طرح دیں کہ ایام عدت کی گنتی میں کمی بیشی لازم نہ آئے جیسا کہ اوپر کے فائدہ میں بتایا جا چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حاملہ کی عدت: حضرت عبداللہ بن عتبہؒ نے حضرت عمر بن عبداللہ بن ارقم زہریؒ کو لکھا کہ وہ سُبیعہ بنت حارث اسلمیہؓ کے پاس جائیں اور ان سے ان کا واقعہ دریافت کر کے انہیں لکھ بھیجیں یہ گئے' دریافت کیا اور لکھا کہ ان کے خاوند حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ تھے' یہ بدری صحابی تھے حجۃ الوداع میں فوت ہو گئے اس وقت یہ حمل سے تھیں تھوڑے ہی دن کے بعد انہیں بچہ پیدا ہو گیا جب نفاس سے پاک ہوئیں تو اچھے کپڑے پہن کر تجمل کر کے بیٹھ گئیں' حضرت ابوالسنابل بن بعلکؓ جب اس کے پاس آئے تو انہیں اس حالت میں دیکھ کر کہنے لگے تم جو اس طرح بیٹھی ہو تو کیا نکاح کرنا چاہتی ہو' واللہ تم نکاح نہیں کر سکتیں جب تک کہ چار مہینے دس دن نہ گذر جائیں۔ میں یہ سن کر چادر اوڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے یہ مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا بچہ پیدا ہوتے ہی تم عدت سے نکل گئیں۔ اب تمہیں اختیار ہے۔ اگر چاہو اپنا نکاح کر لو (مسلم) (تفسیر ابن کثیر)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ
اور ڈرو اللہ سے جو رب ہے تمہارا مت نکالو اُن کو
مِنْ ۢ بُيُوْتِهِنَّ
اُن کے گھروں سے☆

اللہ سے ڈرو عورتوں کو گھروں سے نہ نکالو

☆یعنی اللہ سے ڈر کر احکام شریعت کی پابندی رکھنی چاہیئے جن میں سے ایک حکم یہ ہے کہ حالت حیض میں طلاق نہ دی جائے اور تین طلاقیں ایک دم نہ ڈالی جائیں اور مطلقہ عورت کو اس کے رہنے کے گھر سے نہ نکالا جائے وغیر ذٰلک۔ (تفسیر عثانی)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۔ یعنی عدت کو طول دینے' اور عورتوں کو ضرر پہنچانے کے لئے ایسا کرو۔ اور اللہ سے ڈرو۔

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ ۔ یعنی جن عورتوں کو طلاق دے گئی ہو اُن کو گھروں سے مت نکالو خواہ طلاق بائنہ ہو یا رجعی۔ گھروں سے مراد ہیں وہ مکان جن میں طلاق کے وقت عورتیں رہتی ہوں یعنی شوہروں کے مکان نہ نکالنے کا حکم عدت ختم ہونے کے وقت تک ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ
اور وہ بھی نہ نکلیں مگر جو کریں
بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ
صریح بے حیائی ☆

☆یعنی عورتیں خود بھی اپنی مرضی سے نہ نکلیں کیونکہ یہ سکنیٰ محض حق العبد نہیں کہ اس کی رضا سے ساقط ہو جائے بلکہ حق الشرع ہے ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں مثلاً بدکاری یا سرقہ کی مرتکب ہوں یا بقول بعض علماء زبان درازی کریں اور ہر وقت کا رنج و تکرار رکھتی ہوں تو نکالنا جائز ہے اور اگر بے وجہ نکلیں گی تو یہ خود صریح بے حیائی کا کام ہوگا۔ (تفسیر عثانی)

مطلقہ عورت گھر سے باہر نہ نکلے: وَلَا يَخْرُجْنَ ۔ اور مطلقہ عورتیں خود بھی اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں۔ اس فقرے سے ثابت ہوتا ہے کہ مطلقہ کے لئے بلا ضرورت نکلنا جائز نہیں نہ رات کو نہ دن کو' ہاں ضرورت ہو تو مجبوراً نکل سکتی ہے عبادات میں ضرورت مستثنیٰ ہوتی ہے' ضرورت ممانعت کو اباحت سے بدل دیتی ہے۔ ضرورت کی مختلف صورتیں ہیں مثلاً گھر کے گر جانے کا خوف ہو یا چوری کا اندیشہ ہو یا مکان کا کرایہ ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو یا مکان تنگ ہو کہ مرد عورت جدا جدا اس میں نہ رہ سکتے ہوں یا شوہر بد چلن ہو اور عورت و مرد کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ ہو وغیرہ۔

فاحشہ مبینہ: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا فاحشہ مبینہ یہ ہے کہ وہ عورت شوہر کے گھر والوں کو فحش کلمات کہتی اور زبان درازی کرتی ہو تو شوہر

کے گھر سے اس کو نکال دینا جائز ہے۔ اسی طرح قتادہ کا قول ہے کہ اگر عورت نافرمان ہو شوہر سے سرکشی کرتی ہو تو اس کو طلاق دیدے (اور نکال دے) مؤخر الذکر دونوں صورتوں میں استثناء کا تعلق لَا تُخْرِجُوْهُنَّ سے ہوگا۔

مجبوراً نکلنا جائز ہے: امام ابوحنیفہ نے فرمایا قطعی آیت کے مقابلہ میں حدیث آحاد سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اگر بہت ہی مجبور کن ضرورت ہو تو باجماع علماء باہر نکلنا جائز ہے۔

حالت سفر میں طلاق ہو تو: اگر سفر کی حالت میں طلاق ہوگئی ہو اور عدت لازم ہو جائے اور قیام کی جگہ نہ ہو اور جس شہر سے سفر کرنے کے لئے نکلی تھی اس کا فاصلہ مسافت سفر سے کم ہو تو واپس آ جائے۔ (سفر میں اقامت عدت نہ کرے نہ سفر جاری رکھے) اور اگر منزل مقصود اور مبداء سفر کا فاصلہ مقام طلاق سے برابر ہو تو عورت کو اختیار ہے چاہے تو واپس آ جائے اور چاہے منزل مقصود کی طرف سفر جاری رکھے' خواہ ولی ساتھ نہ ہو واپس آنا زیادہ بہتر ہے تاکہ شوہر کے گھر کی پاسداری اور لحاظ میں کمی نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: جس عورت کا شوہر مر گیا ہو وہ عدت کے زمانے میں شوہر کے گھر سے دن کو نکل سکتی ہے' پ رات کو باہر نکلنا ناجائز ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک رات ہو یا دن ہر وقت بیوہ کا باہر نکلنا جائز ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل سورۃ بقرہ میں گذر چکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ
اور یہ حدیں ہیں باندھی ہوئی اللہ کی اور جو کوئی بڑھے
حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۚ
اللہ کی حدوں سے تو اُس نے بُرا کیا اپنا ☆

☆ یعنی گنہگار ہو کر اللہ کے ہاں سزا کا مستوجب ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ الخ یعنی یہ احکام اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو' جو اللہ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز کرتا ہے وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے اپنے نفس کو عذاب کے لئے پیش کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَا تَدْرِيْ
اُس کو خبر نہیں ☆

☆ "لَا تَدْرِيْ" کا ترجمہ اس کو خبر نہیں بصیغہ غائب کیا ہے۔ تا معلوم ہو جائے کہ خطاب اسی طلاق دینے والے کو ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ
شاید اللہ پیدا کر دے اس طلاق کے بعد نئی
اَمْرًا ①
صورت ☆

ہو سکتا ہے صلح ہو جائے ☆ یعنی شاید پھر دونوں میں صلح ہو جائے اور طلاق پر ندامت ہو۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ مرد کے دل میں عورت سے نفرت ہے وہ اسکو اپنے سے جدا کر رہا ہے لیکن ممکن ہے اللہ شوہر کے دل میں عورت کی محبت پیدا کر دے اور وہ ملاپ کا خواستگار ہو جائے اور پھر طلاق پر پشیمان ہو اور رجوع کرنا چاہے (اس لئے عدت کی پوری گنتی محفوظ رکھو) کہ اگر ملاپ کی خواہش ہو تو عدت کے اندر رجوع ہو سکے۔ (تفسیر مظہری)

شرعی احکام کی پابندی نہ کرنے کا وبال

جو شخص شرعی ہدایات کے بغیر طلاق دے بیٹھتا ہے وہ اکثر تین طلاقوں تک پہنچ جاتا ہے جس کے بعد آپس میں رجوع یا نکاح جدید بھی نہیں ہو سکتا اور آدمی اکثر طلاق دینے کے بعد پچھتاتا ہے اور مصیبت جھیلتا ہے خصوصاً جبکہ صاحب اولاد بھی ہو' اس لئے یہ مصیبت دُنیا ہی میں اپنی جان پر پڑی اور بہت سے لوگ جو بیوی کو تکلیف دینے اور نقصان پہنچانے کی نیت سے ظالمانہ طلاق دیتے ہیں گو اس کی تکلیف عورت کو بھی کچھ پہنچ جائے لیکن اس کے لئے ظلم پر ظلم اور دوہرا وبال ہو جائے گا ایک اللہ کی مقرر کردہ حدود کو توڑنے کا دوسرے عورت پر ظلم کرنے کا جس کی حقیقت یہ ہے کہ ؎

پنداشت ستمگر جفا برما کرد برگردن وے بماند و برما بگذشت

دوبارہ نکاح کی صورت: دوبارہ نکاح میں رہنے کی صورت جبھی ہو سکتی ہے جبکہ تم طلاق کے وقت حدود شرعیہ کی رعایت کرو کہ بلا وجہ طلاق کو بائن نہ کرو بلکہ رجعی رہنے دو جس میں رجعت کرنے کا شوہر کو اختیار رہتا ہے رجعت کر لینے سے پہلا نکاح بدستور قائم رہ جاتا ہے اور یہ کہ تین طلاق تک نوبت نہ پہنچا دو جس کے بعد رجعت کا حق نہیں رہتا اور دونوں کی رضامندی کے باوجود آپس میں دوبارہ نکاح بھی شرعاً حلال نہیں ہوتا۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ
پھر جب پہنچیں اپنے وعدہ کو تو رکھ لو اُن کو

بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ

دستور کے موافق یا چھوڑ دو اُن کو دستور کے موافق ☆

عورتوں سے شرافت کا سلوک کرو☆ یعنی طلاق رجعی میں جب عدت ختم ہونے کو آئے تو تم کو دو باتوں میں ایک کا اختیار ہے یا عدت ختم ہونے سے پہلے عورت کو دستور کے موافق رجعت کر کے اپنے نکاح میں رہنے دو یا عدت منقضی ہونے پر معقول طریقہ سے اس کو جدا کر دو۔ مطلب یہ ہے کہ رکھنا ہو تب اور الگ کرنا ہو تب ہر حالت میں آدمیت اور شرافت کا برتاؤ کرو یہ بات مت کرو کہ رکھنا بھی مقصود نہ ہو اور خواہ مخواہ تطویل عدت کے لیے رجعت کر لیا کرو یا رکھنے کی صورت میں اسے ایذاء پہنچاؤ اور طعن و تشنیع کرو۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ الخ۔ یعنی مطلقات رجعیہ ختم عدت کے قریب پہنچ جائیں بَلَغْنَ اور اَجَلَهُنَّ کی ضمیریں اور مُطَلَّقَات کی طرف راجع ہیں جن کو رجعی طلاق دی گئی ہو۔

ایک جگہ فرمایا ہے۔ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ اس آیت میں لمطلقات کا لفظ عام ہے اور حکم بھی عام ہے لیکن آگے فرمایا ہے۔ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ اس فقرے میں مطلقات رجعیہ کی طرف ضمیریں راجع ہیں۔

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ۔ دستور کے موافق عورتوں کو روک لو یعنی طلاق سے رجوع کر لو عدت کے اندر عورتوں سے ملاپ کر و اُن کو اپنی طرف واپس لے لو۔

اَوْ فَارِقُوْهُنَّ۔ یا اُن کو اپنے سے جدا کر دو اُن کو چھوڑ دو۔

بِمَعْرُوْفٍ۔ مگر یہ سب کچھ حسن سلوک کے ساتھ ہو عورتوں کو ضرر پہنچانے کے لئے نہ ہو کہ رجوع کر لو پھر طلاق دیدو پھر عدت ختم ہونے کو ہو تو رجوع کر لو اور اس طرح طویل مدت تک عورتیں الجھاؤ میں رہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ

اور گواہ کر لو دو معتبر اپنے میں کے ☆

رجوع پر گواہ بنا لو☆ یعنی طلاق دیکر عدت ختم ہونے سے پہلے اگر نکاح میں رکھنا چاہے تو رجعت پر دو گواہ کرے تا لوگوں میں متہم نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَّاَشْهِدُوْا۔ اور رجعت یا فرقت پر اپنے دو آدمیوں کو گواہ بنا لو تا کہ باہمی نزاع ختم ہو جائے مگر یہ گواہ عادل ہوں فاسق نہ ہوں۔ گواہ بنانے کا حکم استحبابی ہے ایجابی نہیں ہے امام ابوحنیفہ امام مالک کے نزدیک رجوع کیلئے شہادت کی ضرورت نہیں، ایک روایت میں امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ دوسری روایت کے اعتبار سے امام احمد کے نزدیک امر ایجابی ہے۔ رجوع کرنے کے وقت دو گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے۔ امام شافعی کے بھی دو قول منقول ہیں زیادہ صحیح قول امام ابوحنیفہ کے قول کے موافق ہے۔

ہم کہتے ہیں باتفاق علماء طلاق کے لئے گواہ بنانا واجب نہیں ہے پس رجوع از طلاق کے لئے بھی واجب نہیں ہوگا اور امر استحبابی قرار پائے گا جیسے خرید فروخت کے وقت گواہوں کی موجودگی کا حکم دیا گیا ہے اور فرمایا ہے۔ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ یہ حکم بھی استحبابی ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ طلاق کے وقت گواہوں کی موجودگی تو واجب نہ ہو اور طلاق سے رجوع کرنے کے وقت واجب ہو ورنہ حقیقت و مجاز کا اجتماع (حقیقی معنی بھی مراد لینا اور مجازی معنی بھی مراد لینا) لازم آئے گا۔ (تفسیر مظہری)

گواہ بنانے کی حکمت: اور گواہ بنانے کی حکمت رجعت کرنے کی صورت میں تو یہ ہے کہ کہیں کل کو عورت رجعت سے انکار کر کے اسکے نکاح سے نکل جانے کا دعویٰ نہ کرنے لگے اور ترک رجعت اور انقطاع نکاح کی صورت میں اس لئے کہ کل کو خود اپنا نفس ہی کہیں شرارت یا بیوی کی محبت سے مغلوب ہو کر یہ دعویٰ نہ کرنے لگے کہ عدت گزرنے سے پہلے رجعت کر لی تھی۔ ان دو گواہوں کے لئے ذَوَيْ عَدْلٍ فرما کر بتلا دیا کہ شرعی اور اصطلاحی معنی میں عدل یعنی ثقہ و معتبر ہونا گواہوں کا ضروری ہے ورنہ ان کی شہادت پر قاضی کوئی فیصلہ نہیں دیگا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ

اور سیدھی ادا کرو گواہی اللہ کے واسطے ☆

گواہوں کو ہدایت☆ یہ گواہوں کو ہدایت ہے کہ شہادت کے وقت ٹیڑھی ترچھی بات نہ کریں سچی اور سیدھی بات کہنی چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ میں عام مسلمانوں کو خطاب ہے کہ اگر تم کسی ایسے واقعہ رجعت یا انقطاع نکاح کے گواہ ہو اور قاضی کی عدالت میں گواہی دینے کی نوبت آوے تو کسی رو رعایت یا مخالفت و عداوت کی وجہ سے سچی گواہی دینے میں ذرا بھی فرق نہ کرو۔ (معارف مفتی اعظم)

خوف خدا پابندی قوانین کا ذریعہ ہے

ہر قانون کے آگے پیچھے خوف خدا اور فکر آخرت کو سامنے کر دیا جاتا ہے۔ تا کہ ہر انسان قانون کی پابندی کسی پولیس اور نگراں کے خوف سے نہیں بلکہ اللہ کے خوف سے کرے کوئی دیکھے یا نہ دیکھے خلوت ہو یا جلوت ہر صورت میں پابندی قانون کو ضروری سمجھے۔ (تفسیر مظہری)

خطبۂ نکاح کی آیات: یہی وجہ ہے کہ نکاح کے خطبۂ مسنونہ میں

قرآن کریم کی جو تین آیتیں پڑھنا سُنت سے ثابت ہے یہ تینوں آیتیں تقویٰ کے حکم سے شروع اور اسی پر ختم ہوتی ہیں جن میں یہ اشارہ ہے کہ نکاح کرنے والوں کو ابھی سے یہ سمجھ لینا ہے کہ کوئی دیکھے یا نہ دیکھے مگر حق تعالیٰ ہمارے کھلے اور چھپے سب اعمال سے بلکہ دلوں کے پوشیدہ خیالات تک سے واقف ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ یعنی دنیوی لالچ اور غرض کے لئے نہیں بلکہ محض اللہ کے واسطے شہادت ہو جب تم کو شہادت کے لئے طلب کیا جائے تو صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے شہادت ادا کرو۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ

یہ بات جو ہے اس سے سمجھ جائیگا جو کوئی یقین رکھتا ہوگا

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ

اللہ پر اور پچھلے دن پر ☆

زمانۂ جاہلیت کا ظلم ☆ زمانہ جاہلیت میں عورتوں پر بہت ظلم ہوتا تھا۔ ان کو گائے بھینس یا نہایت ذلیل و مجبور قیدیوں کی طرح سمجھتے تھے۔ بعض لوگ عورت کو سو سو مرتبہ طلاق دیتے تھے اور اس کے بعد بھی اس کی مصیبت کا خاتمہ نہ ہوتا تھا۔

قرآن کی ہدایات: قرآن نے جابجا ان وحشیانہ مظالم اور بے رحمیوں کے خلاف آواز بلند کی۔ اور نکاح و طلاق کے حقوق و حدود پر نہایت صاف روشنی ڈالی۔ بالخصوص اس سورت میں منجملہ دوسری حکیمانہ ہدایات و نصائح کے ایک نہایت ہی جامع مانع اور ہمہ گیر اصول "فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ" بیان فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کو رکھو تو معقول طریقہ سے رکھو۔ اور چھوڑو تب بھی معقول طریقہ سے چھوڑو لیکن ان زرّیں نصیحتوں سے منتفع وہی شخص ہوسکتا ہے جس کو خدا اور یوم آخرت پر یقین ہو۔ کیونکہ یہ ہی یقین انسان کے دل میں اللہ کا ڈر پیدا کرتا ہے۔ اور اسی ڈر سے آدمی کو یہ خیال ہوتا ہے کہ جس طرح ایک کمزور عورت بخت و اتفاق سے ہمارے قبضہ و اقتدار میں آ گئی ہے، ہم سب بھی کسی قہار ہستی کے قبضہ و اقتدار میں ہیں۔ یہی ایک خیال ہے جو آدمی کو ہر حالت میں ظلم و تعدی سے روک سکتا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر اُبھارتا ہے۔ اسی لیے سورۂ ہذا میں خصوصی طور پر اتقاء (پرہیزگاری اور خدا کے خوف) پر بہت زور دیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ الخ۔ یہ تمام نصیحت ان لوگوں کے لئے کی جارہی ہے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ وہ ہی اس نصیحت سے فائدہ اندوز ہونے والے ہیں اور انہی کو نصیحت کرنی مقصود ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ

اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے وہ کر دے اُس کا گذارہ ☆

تقویٰ سے مشکل حل ہوگی ☆ یعنی اللہ سے ڈر کر اس کے احکام کی بہرحال تعمیل کرو۔ خواہ کتنی ہی مشکلات و شدائد کا سامنا کرنا پڑے۔ حق تعالیٰ تمام مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیگا۔ اور سختیوں میں بھی گزارہ کا سامان کر دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

سببِ نزول: ابن مردویہ نے بروایت کلبی بحوالہ ابوصالح بیان کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضرت عوف بن مالک اشجعی نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے بیٹے کو دشمن گرفتار کر کے لے گئے اور اس کی ماں بیتاب ہو رہی ہے آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں (یعنی میں کیا کروں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں تم کو اور اس عورت کو حکم دیتا ہوں کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ بکثرت پڑھا کرو۔ عورت نے کہا اللہ کے رسول نے جو تم کو حکم دیا وہ بہت اچھا ہے چنانچہ دونوں نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ بکثرت پڑھنا شروع کر دیا' کچھ ہی مدت گذری تھی کہ وہ دشمن ان کے لڑکے کی طرف سے غافل ہو گیا اور لڑکا دشمن قبیلہ کی بکریاں ہنکا کر اپنے باپ کے پاس لے آیا۔ بغوی نے لکھا ہے وہ چار ہزار بکریاں تھیں' اس پر آیت وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ الخ۔ نازل ہوئی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عوف بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بیٹے کو دشمن پکڑ کر لے گئے حضرت عوف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محتاجی کا بھی شکوہ کیا حضور نے فرمایا۔ اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو اور صبر کرو اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ بکثرت پڑھا کرو انہوں نے ایسا ہی کیا ایک روز جب کہ وہ اپنے گھر میں تھے کہ اُن کا بیٹا دشمن کے کچھ اونٹ لے کر آ گیا کیونکہ دشمن اس کی طرف سے غافل ہو گئے تھے (اور اس کو فرار ہونے کا موقع مل گیا)۔

ابن جریر نے بھی یہ قصہ اس طرح سالم بن ابی الجعد اور سدی کی روایت سے نقل کیا ہے۔ حاکم نے حضرت ابن مسعود اور حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ آیت وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ۔ قبیلۂ اشجع کے بارے میں نازل ہوئی' یہ شخص محتاج' نادار اور کثیر العیال تھا۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ الخ۔ یعنی جو شخص مصیبت اور دکھ میں صابر رہے گا' بے صبری اختیار نہیں کرے گا اور ممنوعات سے پرہیز رکھے گا اللہ اس کے لئے اس مصیبت سے نکلنے کا راستہ پیدا کر دے گا اور ایسے طریقے سے اس کو (محتاجی اور ناداری دور کرنے والا حلال) رزق عطا فرمائے گا کہ اس کے گمان میں بھی نہ ہوگا جیسے حضرت عوف اشجعی کی مصیبت دور کی اور رزق عطا فرمایا۔

فائدہ: بغوی نے بروایت مقاتل بیان کیا ہے کہ عوف بن مالک اشجعی کے بیٹے کے ہاتھ (دشمن کی) کچھ بکریاں اور سامان لگ گیا وہ بکریاں اور سامان لے کر اپنے باپ کے پاس واپس آ گئے۔ حضرت عوف نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کر دیا اور دریافت کیا کہ میرے لئے کیا یہ چیزیں حلال ہیں جو بیٹا لے کر آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں (حلال ہیں) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لاحول ولاقوۃ کا وظیفہ: دنیوی اور دینی منافع کو حاصل کرنے اور مضرت کو دور کرنے کے لئے حضرت مجدد صاحب نے لاحول ولاقوۃ الا باللہ کی کثرت کو پسند کیا لیکن کثرت کی مقدار کیا ہونی چاہئے اس کے متعلق فرمایا پانسو مرتبہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ روزانہ پڑھا جائے اور اول آخر سو سو مرتبہ درود پڑھا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کو اللہ نعمت عطا فرما دے اور وہ اس نعمت کی بقا کا خواستگار ہو تو لا حول ولا قوۃ الا باللہ بکثرت پڑھا کرے۔ رواہ الطبرانی من حدیث عقبۃ ابن عامر۔

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ کی مرفوع حدیث آئی ہے کہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ نسائی کی روایت ہے کہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھنا ننانوے بیماریوں کا علاج ہے جنمیں ادنی بیماری فکر ہے۔ (تفسیر مظہری)

مصائب سے نجات اور مقاصد کے حصوں کا مجرب نسخہ

حدیث مذکور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عوف بن مالکؓ کو مصیبت سے نجات اور حصول مقصد کے لئے یہ تلقین فرمائی کہ کثرت کیساتھ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا کریں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ دینی اور دُنیاوی ہر قسم کے مصائب اور مضرتوں سے بچنے اور منافع و مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اس کلمہ کی کثرت بہت مجرب عمل ہے اور اس کثرت کی مقدار حضرت مجددؒ نے یہ بتلائی ہے کہ روزانہ پانسو مرتبہ یہ کلمہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھا کرے اور سو سو مرتبہ درود شریف اس کے اول و آخر میں پڑھ کر اپنے مقصد کے لئے دعا کیا کرے (تفسیر مظہری) اور امام احمدؒ اور حاکمؒ، بیہقیؒ، ابونعیم وغیرہ نے حضرت ابوذرؓ سے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کی اسناد کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز اس آیت وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا الآیۃ کی تلاوت بار بار فرماتے رہے یہاں تک کہ مجھے نیند آنے لگی پھر فرمایا کہ اے ابوذر اگر سب آدمی صرف اس آیت کو اختیار کر لیں تو سب کے لئے کافی ہے (روح المعانی) کافی ہونے کی مراد ظاہر ہے کہ تمام دینی اور دنیوی مقاصد میں کامیابی کے لئے کافی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

مسئلہ: اگر کوئی مسلمان قید ہو کر یا چھپے چوری بغیر ویزا کے دارالحرب میں پہنچ جائے اور وہاں سے چوری ڈاکہ راہزنی وغیرہ کے بعد کچھ مال سمٹ کر دارالاسلام میں لے آئے تو اس مال کا وہ مالک ہو جائے گا اور اس کے لئے یہ مال حلال ہے اور اس مال کا پانچواں حصہ یعنی خمس ادا کرنا اس پر واجب نہیں ہے لیکن اگر کسی حربی کافر نے اس مسلمان کے پاس نقد و جنس بطور امانت رکھا یا کوئی حربی تاجر بغرض تجارت یا حربی سیاح برائے سیاحت ویزا لے کر دارالاسلام میں آ گیا اور کسی مسلمان نے اس کے مال پر قبضہ کر لیا تو یہ قبضہ حرام ہے اور اس طرح حربی کافر کے مال کا مالک بن جانا بھی جائز نہیں کیوں کہ یہ فریب ہے، معاہدہ شکنی ہے، دھوکہ دہی ہے اس مال پر خمس بھی واجب نہیں (کیونکہ اس مال پر قبضہ ہی ناجائز ہے) اور اگر زبردستی دارالحرب میں جا کر کافر کے مال پر قبضہ کیا ہے تو اس مال کا حکم وہی ہے جو مال غنیمت کا ہے خمس ادا کرنا واجب ہے۔

میں کہتا ہوں رفتار آیت حضرت عوف کے قصہ کے موافق ہے اور سیاق عبارت کے مناسب حکم عام ہے (یعنی مورد خاص ہے اور حکم عام) اور جملہ معترضہ ہے جو سابق حکم کی تائید کر رہا ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب اس طرح ہو گا جو مرد اللہ سے ڈرتا ہے عورت کو بلا قصور نہیں ستاتا اور ظلم نہیں کرتا، اگر عورت کی بدزبانی، بدمزاجی اور نافرمانی کی وجہ سے طلاق دیدے اور حیض کی حالت میں بھی یہ طلاق نہ ہو بلکہ طہر کی حالت میں دی گئی ہو اور عورت کی عدت لمبی کر کے اس کو ضرر پہنچانا بھی مقصود نہ ہو (کہ جب عدت کے ختم ہونے کا وقت آ جائے تو رجوع کر لے اور پھر طلاق دے دے اور پھر ختم عدت کے وقت رجوع کر لے اور پھر طلاق دے دے) اور عورت کو ایام عدت میں گھر سے نہ نکالے اور اللہ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز نہ کرے تو اللہ اس کے لئے گناہ سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور اس بدزبان بدمزاج، نافرمان عورت کے عوض فرماں بردار، نیک پرہیزگار بی بی اس طور پر عنایت فرما دیتا ہے جو اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح جو عورت اللہ سے ڈرے اور خاوند کی حق تلفی نہ کرے بدزبانی سے پیش نہ آئے، بے وجہ طلاق کے خواستگار نہ ہو بلکہ شوہر اگر اس کو دکھ پہنچاتا ہو تو صبر کرے اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرے تو اللہ اس کے لئے راہ نجات نکال دیتا ہے اور اس کو بے گمان طریقہ سے رزق عطا فرماتا ہے اور ظالم بدمزاج شوہر کی بجائے نیک، حق شناس شوہر مرحمت کر دیتا ہے۔

مضرتِ دارین سے نجات اور بچاؤ کا یہ حکم تمام اہل تقویٰ کے لئے عام ہے (مرد ہوں یا عورتیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ اس کو لے لیں (یعنی اس پر عمل کریں) تو اُن کے لئے کافی ہو گی، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ تلاوت فرمائی رواہ احمد وابن ماجہ والدارمی ورواہ ابن حبان فی صحیحہ۔ حاکم کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کو بار بار پڑھتے رہتے۔ (تفسیر مظہری)

وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط
اور روزی دے اُس کو جہاں سے اُس کو خیال بھی نہ ہو ☆

کامیابیوں کی کنجی ☆ اللہ کا ڈر دارین کے خزانوں کی کنجی اور تمام کامیابیوں کا ذریعہ ہے اسی سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں بے قیاس و گمان روزی ملتی ہے گناہ معاف ہوتے ہیں جنت ہاتھ آتی ہے اجر بڑھتا ہے اور ایک عجیب قلبی سکون واطمینان نصیب ہوتا ہے۔ جس کے بعد کوئی سختی سختی نہیں رہتی اور تمام پریشانیاں اندر ہی اندر کافور ہو جاتی ہیں ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمام دنیا کے لوگ اس آیت کو پکڑ لیں تو ان کو کافی ہو جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ
اور جو کوئی بھروسہ رکھے اللہ پر تو وہ اُس کو
حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ
کافی ہے تحقیق اللہ پورا کر لیتا ہے اپنا کام
جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ③
اللہ نے رکھا ہے ہر چیز کا اندازہ ☆

اللہ پر بھروسہ رکھو ☆ یعنی اللہ پر بھروسہ رکھو محض اسباب پر تکیہ مت کرو۔ اللہ کی قدرت ان اسباب کی پابند نہیں جو کام اسے کرنا ہو وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ اسباب بھی اسی کی مشیت کے تابع ہیں ہاں ہر چیز کا اس کے ہاں اندازہ ہے۔ اسی کے موافق وہ ظہور پذیر ہوتی ہے اس لیے اگر کسی چیز کے حاصل ہونے میں دیر ہو تو متوکل کو گھبرانا نہیں چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

فَهُوَ حَسْبُهٗ یعنی اس کے تمام فکر آگیں امور کے لئے اللہ کافی ہے۔ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے تھے اگر تم لوگ اللہ پر ایسا بھروسہ کرلو جیسا بھروسہ کرنے کا حق ہے (یعنی کامل بھروسہ کر لو) تو اللہ تم کو اسی طرح رزق عطا فرمائے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو شکم سیر واپس آتے ہیں۔ رواہ الترمذی وابن ماجۃ۔

بھروسہ کرنے والے: حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے ستر ہزار آدمی بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو منتر نہیں کراتے، شگون نہیں کرتے اور اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ متفق علیہ۔ اور ایک روایت میں اتنا زاید ہے اور داغ نہیں لگواتے۔

اللہ کے ارادہ کو روکا نہیں جا سکتا: اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ۔ یعنی اللہ اپنے ارادہ کو ضرور پورا کرتا ہے۔ کوئی اس کو تکمیل ارادہ سے نہیں روک سکتا۔ اس کے فیصلے کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ مسروق نے کہا خدا کی مشیت ضرور پوری ہو کر رہتی ہے۔ کوئی اس کی مشیت پر بھروسہ رکھے یا نہ رکھے البتہ جو اس پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کے گناہ معاف فرماتا اور اجر عظیم عطا کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

متوکلین کے واقعات: مسند احمد کی حدیث اس جگہ وارد کرنے کے قابل ہے جس میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگلے زمانے میں ایک میاں بیوی تھے جو فقر و فاقہ سے اپنی زندگی گذار رہے تھے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ ایک مرتبہ یہ شخص سفر سے آیا اور سخت بھوکا تھا۔ بھوک کے مارے بیتاب تھا۔ آتے ہی اپنی بیوی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے؟ اس نے کہا ہاں آپ خوش ہو جائیے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روزی ہمارے ہاں آپہنچی ہے۔ اس نے کہا پھر لاؤ جو کچھ ہو دیدو میں بہت بھوکا ہوں۔ بیوی نے کہا اور ذرا دیر صبر کرلو اللہ کی رحمت سے ہمیں بہت کچھ امید ہے۔ پھر جب کچھ دیر اور ہوگئی اس نے بیتاب ہو کر کہا جو کچھ تمہارے پاس ہے دیتی کیوں نہیں؟ مجھے تو بھوک سے سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ بیوی نے کہا اتنی جلدی کیوں کرتے ہو؟ اب تنور کھولتی ہوں۔ تھوڑی دیر گذرنے کے بعد جب بیوی نے دیکھا کہ یہ اب پھر تقاضا کرنا چاہتے ہیں تو خود بخود کہنے لگیں اب اٹھ کر تنور کو دیکھتی ہوں۔ تو قدرت خدا سے ان کے توکل کے بدلے وہ بکری کے پہلو کے گوشت سے بھرا ہوا ہے اور دیکھتی ہیں کہ گھر کی دونوں چکیاں از خود چل رہی ہیں اور برابر آٹا نکل رہا ہے۔ انہوں نے تنور میں سے سب گوشت نکال لیا اور چکیوں میں سے سارا آٹا اٹھا لیا اور جھاڑ دیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اگر وہ صرف آٹا لیتیں اور چکی نہ جھاڑتیں تو قیامت تک چلتی رہتی اور روایت میں ہے کہ ایک شخص اپنے گھر پہنچا دیکھا کہ بھوک کے مارے گھر والوں کا برا حال ہے آپ جنگل کی طرف نکل کھڑے ہوئے یہاں ان کی نیک بخت بیوی صاحبہ نے جب دیکھا کہ میاں بھی پریشان حال ہیں اور یہ منظر دیکھ نہیں سکے اور چل دیئے تو چکی کو ٹھیک ٹھاک کیا تنور سلگایا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگیں کہ اے اللہ ہمیں روزی دے، دعا کر کے اٹھیں تو دیکھا کہ ہنڈیا گوشت سے پر ہے تنور میں روٹیاں لگ رہی ہیں اور چکی سے برابر آٹا اُبلا چلا آتا ہے۔ اتنے میں میاں بھی تشریف لائے پوچھا کہ میرے بعد تمہیں کچھ ملا؟ بیوی صاحبہ نے کہا ہاں ہمارے رب نے ہمیں بہت کچھ عطا فرما دیا اس نے جا کر چکی کے دوسرے پاٹ کو اٹھا لیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان ہوا تو آپ نے فرمایا اگر وہ اسے نہ اٹھاتا تو قیامت تک یہ چکی چلتی ہی رہتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَالّٰۗـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ
اور جو عورتیں نا اُمید ہو گئیں حیض سے تمہاری

نِّسَآئِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ

عورتوں میں اگر تم کو شبہ رہ گیا تو اُن کی عدت ہے

ثَلٰثَةُ أَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِىْ لَمْ يَحِضْنَ

تین مہینے اور ایسے ہی جن کو حیض نہیں آیا ☆

بڑی عمر والی عورت کی عدت ☆یعنی مطلقہ کی عدت قرآن نے تین حیض بتلائی (کمافی سورۃ البقرۃ) اگر شبہ رہا ہو کہ جس کو حیض نہیں آیا یا بڑی عمر کے سبب موقوف ہوا اس کی عدت کیا ہوگی تو بتلا دیا کہ تین مہینے۔ (تفسیر عثمانی)

يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ۔ یعنی زیادتی عمر کی وجہ سے جن عورتوں کو حیض آنے کی امید نہیں رہی ہو۔ بعض علماء نے پچپن سال اور بعض نے ساٹھ برس حیض سے مایوسی کی (انتہائی) عمر قرار دی ہے۔

وَّالّٰٓئِىْ لَمْ يَحِضْنَ۔ یعنی جن بیبیوں کو حیض نہیں آیا خواہ وہ صغیر السن ہوں یا بالغ ہونے کے قریب یا عمر کے اعتبار سے بالغہ مطلب یہ کہ ایسی عورتوں کی عدت بھی تین ماہ ہے۔

مسئلہ: اگر عورت جوان ہو، حیض آتا ہو لیکن سن ایاس کو پہنچنے سے پہلے کسی وجہ سے حیض بند ہو جائے تو اکثر علماء کے نزدیک جب تک حیض کھل نہ جائے اسکی عدت ختم نہیں ہوگی، اس طرح تکمیل عدت حیض ضروری ہوگی اور سن ایاس کو پہنچ گئی تو تین ماہ گذرنے پر عدت پوری ہو جائے گی حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن مسعود کا یہی فتویٰ ہے، عطاء کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے، اس قول کی وجہ ظاہر ہے کیوں کہ سن ایاس کو پہنچنے سے پہلے کسی وجہ سے جس کا حیض بند ہو وہ نہ آئسہ ہے نہ اس کو غیر حائضہ کہا جا سکتا ہے۔

حضرت عمر کا قول ہے کہ ایسی عورت کو نو ماہ انتظار کرنا چاہئے اگر اس مدت میں حیض نہ آئے تو اس کے بعد تین ماہ کی عدت کرے۔ یہی قول امام مالک کا ہے۔

حسن نے کہا چھ ماہ انتظار کرے اس کے بعد تین ماہ کی عدت کرے۔

مسئلہ: اگر کسی مطلقہ کو دو حیض آ گئے اور پھر (تیسرا حیض آنے سے پہلے) سن ایاس کو پہنچ گئی اور خون منقطع ہو گیا تو از سر نو تین ماہ کی عدت کریگی لیکن سن ایاس کو پہنچی ہوئی مطلقہ نے اگر مہینوں کے اعتبار سے عدت کر لی اور عدت ختم ہونے کے بعد یا دورانِ عدت میں اس کو خون گیا تو گذشتہ مدت شمار نہیں کی جائے گی اور اگر سہ ماہی عدت کے بعد اس نے نکاح کر لیا ہوگا تو نکاح فاسد ہوگا۔ لیکن یہ حکم اس وقت ہوگا جب عادت کے مطابق خون سیاہ یا سرخ ہوا گر زرد یا سبز یا خاکستری رنگ کا ہوگا تو اُس کو حیض نہیں قرار دیا جائے گا۔ (بلکہ بیماری کا نتیجہ سمجھا جائے گا) ہاں اگر سن ایاس سے پہلے عادۃً اس کو حیض کا خون، زرد یا بستہ آتا تھا اور بعد ایاس بھی خون کا وہی رنگ رہا تو اس کو حیض ہی مانا جائے گا۔

اگر طلاق شروع مہینے میں دی تو باتفاق علماء عدت کا حساب چاند کے مہینوں سے کیا جائے گا اور اگر وسط ماہ میں طلاق دی تو (مہینوں سے عدت کا حساب نہیں ہوگا بلکہ) دنوں سے گنتی کی جائے گی وقوع طلاق نوے دن گذر جائیں گے تو عدت پوری ہوگی۔ اس سے کم مدت میں عدت ختم نہیں ہوگی، یہ قول امام ابو حنیفہ کا ہے صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) نے فرمایا پہلے مہینے کی گنتی دنوں سے کی جائے گی یعنی ۳۰ دن گنے جائیں گے اور آخری کے دو ماہ چاند سے شمار ہوں گے ۳۰ دن کے ہوں یا ۲۹ دن کے، دنوں کی گنتی نہیں کی جائے گی۔

مسئلہ: عدت کی مذکورہ مقدار مطلقہ کے لئے ہے بیوہ کے لئے نہیں ہے بیوہ اگر حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت کی مدت چار ماہ دس روز ہے خواہ کم عمر ہو یا جوان یا سن ایاس کو پہنچی ہوئی اس پر اجماع سلف ہے اور علت اجماع اور روایت ہے جو اس آیت کی شان نزول کے طور پر حضرت ابی بن کعبؓ نے بیان کی ہے۔

حضرت اُبی کا بیان ہے کہ صحابہؓ کرام نے عرض کیا نابالغ اور بڑی عمر والیاں (یعنی آئسہ) اور حاملہ عورتیں اس آیت میں مذکور نہیں ہیں ان عورتوں کی عدت کا بیان باقی ہے اور کوئی شک نہیں کہ آیت وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ میں مذکورہ عورتوں کا بیان نہیں ہے اسی لئے ارْتَبْتُمْ فرمایا رہی آیت وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ تو یہ نا قابل اشتباہ ہے کیونکہ یہ آیت تو عام ہے ہر قسم کی بیواؤں کو شامل ہے۔ اشتباہ تو اس حکم میں ہوتا ہے جس کا ثبوت ظنی دلیل سے ہو آیت وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ تو یقینی قطعی ہے اس کا شمول و عموم ظنی نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ

اور جن کے پیٹ میں بچہ ہے انکی عدت یہ کہ

يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ

جن لیں پیٹ کا بچہ ☆

حاملہ کی عدت ☆ جمہور کے نزدیک حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے خواہ ایک منٹ کے بعد ہو جائے یا کتنی ہی طویل مدت کے بعد ہو اس میں مطلقہ اور متوفی عنہا زوجہا دونوں کا ایک حکم ہے کما ہو مصرح فی الاحادیث۔ (تفسیر عثمانی)

سبیعہ اسلمیہ کا واقعہ: لوگوں نے حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام کریب کو ام المومنین حضرت ام سلمہ کی خدمت میں یہ مسئلہ دریافت کرنے

کے لئے بھیجا۔ کریب نے واپس آ کر کہا کہ ام المومنین نے فرمایا سبیعہ اسلمیہ کے شوہر کے انتقال سے چند روز کے بعد سبیعہ کے بچہ پیدا ہو گیا۔ سبیعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو (عدت سے) آزاد ہو گئی' اب جس سے چاہے نکاح کر لے۔

صحیحین میں عمر بن عبداللہ بن ارقم کا بیان آیا ہے' عمر بن عبداللہ نے کہا میں نے جا کر حضرت سبیعہ اسلمیہ بنت حارث سے اُن کا واقعہ دریافت کیا کہنے لگیں میں سعد بن خولہ کے نکاح میں تھی حضرت سعد بنی عامر بن لوی کے قبیلہ سے تھے' آپ شرکاء بدر میں تھے' حجۃ الوداع میں آپ کی وفات ہوئی۔ میں اس زمانہ میں حاملہ تھی کچھ ہی مدت کے بعد وضع حمل ہو گیا جب نفاس سے پاک ہو گئی تو سنگھار کرنے لگی تا کہ لوگوں کو پیام نکاح دینے کا موقع مل سکے۔ بنی عبدالدار کے قبیلہ کا ایک شخص تھا جس کو ابو السنابل بن بعکک کہا جاتا تھا ابو السنابل نے سبیعہ سے کہا تو سنگھار کیوں کرتی ہے شاید تو نکاح کرنے کی خواستگار ہے لیکن جب تک چار ماہ دس روز نہ گذر جائیں خدا کی قسم تو نکاح نہیں کر سکتی' ابو السنابل کی یہ بات سن کر شام کو سبیعہ نے کپڑے پہنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسئلہ دریافت کیا' سبیعہ کا بیان ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتویٰ دیا اور فرمایا' وضع حمل ہوتے ہی تو (عدت سے) آزاد ہو گئی' اب اگر تو چاہے تو اپنا نکاح کر سکتی ہے۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ آیت وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ کا حکم بیوہ کو بھی شامل ہے اور مطلقہ کو بھی کیونکہ حضرت ابی بن کعب کی روایت میں آیا ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آیت واولات الاحمال کا حکم مطلقہ ثلاث اور بیوہ دونوں کو شامل ہے' فرمایا مطلقہ ثلاث اور بیوہ دونوں کے لئے ہے۔ اس روایت میں ایک راوی مثنٰی بن صباح متروک ہے۔

مسئلہ: اگر دو بچے جڑواں پیدا ہوں تو آخری بچہ کی پیدائش پر عدت ختم ہو گی کیونکہ باقتضاء آیت وضع حمل کی تکمیل ضروری ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ
اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے کر دے وہ اس کے کام میں
اَمْرِهٖ يُسْرًا ﴿٤﴾ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ
آسانی یہ حکم ہے اللہ کا
اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ
جو اُتارا تمہاری طرف اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے اُتار دے

عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ﴿٥﴾
اُس پر سے اُس کی برائیاں اور بڑا دے اُس کو ثواب ☆

☆ جملہ جملہ کے بعد اتقاء اور اللہ کے ڈر کا مضمون مختلف پیرایوں میں دہرایا گیا ہے تا پڑھنے والا بار بار متنبہ ہو کہ عورتوں کے معاملات میں اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تقویٰ کی پانچ برکات: آیات مذکورہ میں جو تقویٰ کے فضائل و برکات کا بیان آیا اسکا خلاصہ پانچ چیزیں ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ متقی کے لئے دنیا و آخرت کے مصائب و مشکلات سے نجات کا راستہ نکال دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اُس کے لئے رزق کے ایسے دروازے کھول دیتے ہیں جن کی طرف اسکا دھیان بھی نہیں جاتا۔ تیسرے یہ کہ اُس کے سب کاموں میں آسانی پیدا فرما دیتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ اسکے گناہوں کا کفارہ کر دیتے ہیں۔ پانچویں یہ کہ اسکا اجر بڑھا دیتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ
اُن کو گھر دو رہنے کے واسطے جہاں تم آپ رہو
مِّنْ وُّجْدِكُمْ
اپنے مقدور کے موافق ☆

مطلقہ عورتوں کا عدت تک خرچہ اور رہائش

☆ مرد کے ذمہ ضروری ہے کہ مطلقہ کو عدت تک رہنے کے لیے مکان دے اس کو "سکنیٰ" کہتے ہیں اور جب "سکنیٰ" واجب ہے تو نفقہ بھی اس کے ذمہ ہونا چاہیے کیونکہ عورت اتنے دنوں تک اسی کی وجہ سے مکان میں مقید و محبوس رہے گی۔ قرآن کریم کے الفاظ "مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ" میں بھی اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اس کو اپنے مقدور اور حیثیت کے موافق اپنے گھر میں رکھو۔ ظاہر ہے کہ مقدور کے موافق رکھنا اس کو بھی متضمن ہے کہ اس کے کھانے کپڑے کا مناسب بندوبست کرے چنانچہ مصحف ابن مسعودؓ میں یہ آیت اس طرح تھی "اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ" حنفیہ کے نزدیک یہ حکم سکنیٰ اور نفقہ کا ہر قسم کی مطلقہ کو عام ہے رجعیہ کی قید نہیں کیونکہ پہلے سے جو بیان چلا آتا ہے مثلاً آئسہ' صغیرہ' اور حاملہ کی عدت کا مسئلہ اس میں کوئی تخصیص نہیں تھی۔ پھر اس میں بلاوجہ کیوں تخصیص کی جائے۔ رہی فاطمہ بنت قیس کی حدیث جس میں وہ کہتی ہیں کہ میرے زوج نے تین طلاقیں دے دی

تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکنیٰ اور نفقہ نہیں دلایا۔ اوّل تو اس حدیث میں فاروق اعظمؓ عائشہ صدیقہؓ اور دوسرے صحابہؓ و تابعین نے انکار فرمایا۔ بلکہ فاروق اعظم نے یہاں تک کہہ دیا کہ ہم ایک عورت کے کہنے سے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتے ہم کو معلوم نہیں کہ وہ عورت بھول گئی یا اس نے یاد رکھا۔ معلوم ہوا کہ فاروق اعظم کتاب اللہ سے یہ ہی سمجھے ہوئے تھے کہ مطلقہ ثلث کے لیے نفقہ و سکنیٰ واجب ہے اور اس کی تائید میں رسول اللہ کی کوئی سنت بھی ان کے پاس موجود تھی چنانچہ طحاوی وغیرہ نے روایات نقل کی ہیں جن میں حضرت عمرؓ نے تصریحاً بیان کیا ہے کہ یہ مسئلہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ اور دار قطنی میں جابرؓ کی ایک حدیث بھی اس بارہ میں صریح ہے گو اس کے بعد رواۃ میں اور رفع و وقف میں کلام کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت قیس کے لیے سکنیٰ اس لیے تجویز نہ کیا ہو کہ یہ اپنے سسرال والوں سے زبان درازی اور سخت کلامی کرتی تھی جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔ لہٰذا آپ نے حکم دے دیا کہ ان کے گھر سے چلی جائے پھر جب سکنیٰ نہ رہا تو نفقہ بھی ساقط ہو گیا جیسے ناشزہ کا (جو شوہر کی نافرمانی کر کے گھر سے نکل جائے) نفقہ ساقط ہو جاتا ہے تاوقتیکہ گھر آپ نہ آئے (نبہ علیہ ابوبکر الرازیؒ فی احکام القرآن) نیز جامع ترمذی وغیرہ کی بعض روایات میں ہے کہ اس کو کھانے پینے کے لیے غلہ دیا گیا تھا اس نے اس مقدار سے زائد کا مطالبہ کیا جو منظور نہ ہوا تو مطلب یہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زائد نفقہ تجویز نہیں فرمایا جو مرد کی طرف سے دیا جا رہا تھا واللہ اعلم بالصواب۔ ہاں یہ یاد رہے کہ نسائی طبرانی اور مسند احمدؒ کی بعض روایات میں فاطمہ بنت قیس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح ارشاد نقل کیا ہے کہ سکنیٰ اور نفقہ صرف اس مطلقہ کے لیے ہے جس سے رجعت کا امکان ہو ان روایات کی سندیں زیادہ قوی نہیں۔ زیلعی نے تخریج ہدایہ میں اس پر بحث کی ہے۔ فلیراجع۔ (تفسیر عثمانی)

مطلقات کا نفقہ عدت

اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ مطلقہ عورتیں اگر حاملہ ہوں تو اُن کا نفقہ اس وقت تک شوہر پر لازم ہے جب تک کہ حمل پیدا ہو۔ اسی لئے مطلقہ حاملہ کے متعلق پوری اُمت کا اجماع ہے کہ اسکا نفقہ اس کی عدت جو وضع حمل ہے پوری ہونے تک شوہر پر واجب ہے۔ باقی جو مطلقہ حاملہ نہیں اگر اس کو طلاق رجعی دی گئی ہے تو اسکا نفقہ عدت بھی شوہر پر باجماع اُمت واجب ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا

اور ایذا دینا نہ چاہو اُن کو تا کہ تنگ پکڑو

عَلَيْهِنَّ ط

اُن کو ☆

☆ یعنی ستاؤ نہیں کہ وہ تنگ آ کر نکلنے پر مجبور ہو جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

مطلقہ کو ستاؤ نہیں: وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ الخ یعنی ان کو تنگ کرنے کے لئے مسکن کا دکھ نہ پہنچاؤ۔ تنگ کرنے کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً مکان ایسا ہو جو ان کے لئے مناسب نہ ہو یا دوسرے لوگ اس میں بھرے ہوئے ہوں اور وہ تمام نا مناسب اسباب جن کی وجہ سے عورتیں اس مکان سے نکل جانے پر مجبور ہو جائیں۔

فاطمہ بنت قیس کی عدت اور نکاح

فاطمہ بنت قیس کا واقعہ ہے کہ ان کے شوہر ابو عمرو بن حفص نے جب کہ وہ شام کے سفر کو گئے تھے اُن کو قطعی طلاق دیدی اور ان کے وکیل نے کچھ جو (بطور نفقہ) فاطمہ کو بھیجوائے، فاطمہ کو غصہ آ گیا (اور انہوں نے یہ حقیر نفقہ لینا پسند نہیں کیا) وکیل نے کہا واللہ تمہارا ہم پر کوئی حق نہیں ہے (یعنی تمہارا نفقہ عدت ہمارے مؤکل پر لازم نہیں ہے) فاطمہ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور واقعہ عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر تیرا نفقہ عدت لازم نہیں۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ ام شریک کے گھر میں فاطمہ عدت کرے پھر فوراً یہ بھی فرمایا کہ ام شریک کے گھر تو میرے صحابی جاتے رہتے ہیں تو ابن ام مکتوم کے گھر عدت بسر کر لے وہ نابینا ہے تو وہاں اپنے کپڑے (چادر وغیرہ) اتار سکے گی جب عدت ختم ہو جائے تو مجھے اطلاع دینا۔ فاطمہ کا بیان ہے عدت سے آزاد ہونے کے بعد میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم والا سے عرض کیا میرے پاس معاویہ بن ابوسفیان اور ابوجہم کے پیغام نکاح آئے ہیں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے) ارشاد فرمایا ابو جہم (کے کاندھے پر ہر وقت ڈنڈا رہتا ہے اس) کے کاندھے سے تو ڈنڈا نیچے آتا ہی نہیں اور معاویہ خود مفلس محتاج ہے (تیرا خرچ کہاں سے برداشت کرے گا اس لئے دونوں کو چھوڑ اور) اسامہ بن زید سے نکاح کر لے مجھے یہ بات پسند نہیں آئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر (مکرر) فرمایا اُسامہ سے نکاح کر لے میں نے اس سے نکاح کر لیا اللہ نے اس نکاح میں مجھے ایسی برکت عطا فرمائی کہ مجھ پر رشک کیا جانے لگا۔ رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا

اور اگر رکھتی ہوں پیٹ میں بچہ تو اُن پر خرچ کرو

عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ج

جب تک جنیں پیٹ کا بچہ ☆

حاملہ کے نفقہ کی مدت ☆ حمل کی مدت کبھی بہت طویل ہو جاتی ہے اس کو خصوصیت سے بتلا دیا کہ خواہ کتنی ہی طویل ہو وضع حمل تک اس کو نفقہ دینا ہوگا یہ نہیں کہ مثلاً تین مہینے نفقہ دے کر بند لو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ الخ۔ باجماع علماء مطلقہ رجعیہ اپنے شوہر سے عدت کا خرچ لینے کی بھی مستحق ہے اور مسکن لینے کی بھی۔ اگر مکان سوہر کی ملک ہو اور طلاق سے رجوع کرنا نہ چاہتا ہو تو عدت کے پورے زمانہ میں خود گھر سے نکل آنا اور مطلقہ کے لئے مکان خالی کر دینا واجب ہے اور اگر مکان کرایہ کا ہو تو کرایہ ادا کرنا شوہر کے ذمہ لازم ہے اور اگر مطلقہ بائنہ ہو خواہ خلع کرنے کی وجہ سے یا تین طلاقوں کی وجہ سے یا لعان کی وجہ سے یا کنائی الفاظ بولنے کی وجہ سے بہرحال مسکن دینا امام ابوحنیفہؒ اور اکثر علماء کے نزدیک ضروری ہے عورت حاملہ ہو یا نہ ہو۔ کیوں کہ آیت اسکنوہن عام ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ اور حسنؒ اور شعبیؒ کے نزدیک معتدہ بائنہ کو مسکن دینا شوہر پر لازم نہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ
پھر اگر وہ دودھ پلائیں تمہاری خاطر، تو دو اُن کو اُن کا بدلہ
وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ
اور سکھاؤ آپس میں نیکی ☆

بچہ کو دودھ پلانے کا مسئلہ ☆ یعنی وضع حمل کے بعد اگر عورت تمہاری خاطر بچے کو دودھ پلائے تو جو اجرت کسی دوسری انا کو دیتے وہ اس کو دیجائے اور معقول طریقے سے دستور کے موافق باہم مشورہ کر کے قرارداد کر لیں خواہ مخواہ ضد اور کجروی اختیار نہ کریں۔ ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کا برتاؤ رکھیں نہ عورت دودھ پلانے سے انکار کرے نہ مرد اس کو چھوڑ کر کسی دوسری عورت سے پلوائے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۔ ہم نے سورۂ بقرہ میں بیان کر دیا ہے کہ بچہ کو دودھ پلانا اس کی ماں پر واجب ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ اور مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں اس بناء پر اگر کسی کی بیوی یا وہ مطلقہ جو عدت میں ہو اپنے بچے کو دودھ پلانے کی اجرت لیتی ہے تو جائز نہیں۔ فعل واجب کے ادا کرنے کی اجرت لینا ناجائز ہے۔ اسی طرح مطلقہ عورت ختم عدت کے بعد بھی اگر اپنے بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت طلب کرتی ہے تو جائز نہیں کیونکہ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ کا حکم عام ہے لیکن فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ میں عطاء اجرت کا حکم چاہتا ہے کہ ماں پر بچہ کو دودھ پلانا اس شرط کے ساتھ واجب ہے کہ بچہ کا باپ بچہ کی ماں کے نفقہ کا کفیل ہو۔ اللہ نے فرمایا ہے وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ زوجیت کی حالت میں طلاق کے بعد عدت کے زمانہ میں تو مرد عورت کے نفقہ کا ذمہ دار ہوتا ہی ہے۔ عدت کے بعد مرد پر عورت کے مصارف کی ذمہ داری نہیں ہوتی ایسی حالت میں عورت بچہ کو دودھ پلانے کی اُجرت لے سکتی ہے۔

وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ ۔ یہ خطاب زوجین کو ہے یعنی دونوں فریق مناسب طور پر اچھے طریقہ سے اجرت کا لین دین باہم مشورہ سے کر لیں۔ ایک دوسرے کو ضرر پہنچانے کے خواستگار نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ
اور اگر ضد کرو آپس میں تو دودھ پلائے گی
لَهٗٓ اُخْرٰى ۝
اُسکی خاطر اور کوئی عورت ☆

بحالت مجبوری ایک دوسرے کو مجبور نہ کریں

☆ یعنی اگر آپس کی ضد اور تکرار سے عورت دودھ پلانے پر راضی نہ ہو تو کچھ اس پر موقوف نہیں کوئی دوسری عورت دودھ پلانیوالی مل جائیگی اس کو اتنا گھمنڈ نہیں کرنا چاہیے۔ اور اگر مرد خواہ مخواہ بچہ کو اس کی ماں سے دودھ پلوانا نہیں چاہتا تو بہرحال کوئی دوسری عورت دودھ پلانے کو آئے گی آخر اس کو بھی کچھ دینا پڑیگا۔ پھر وہ بچہ کی ماں ہی کو کیوں نہ دے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ ۔ والدین کو خطاب ہے یعنی اگر بچہ کو دودھ پلانا ماں کے لئے بہت دشوار ہو اور وہ دودھ پلانے سے انکار کر دے تو بچہ کا باپ بچہ کی ماں پر جبر نہیں کر سکتا، ماں کو معذور قرار دیا جائے گا۔ ماں بچہ پر انتہائی شفقت کرتی ہے، اتنی محبت کے باوجود جب وہ دودھ پلانے سے انکار کرتی ہے تو سمجھا جائے گا کہ واقع میں وہ معذور و مجبور ہے۔ ایسی صورت میں اگر عورت نے بہانہ کیا ہوگا اور واقع میں وہ معذور و عاجز نہ ہو تو گناہ گار ہوگی۔

اگر باپ پر بچہ کی ماں کو اجرت پر دودھ پلوانا دشوار ہو اور وہ تنگدست ہو اور بلا اُجرت یا کم اجرت پر کوئی دوسری عورت دودھ پلانے پر تیار ہو تو غیر عورت سے دودھ پلوایا جائے باپ کو مجبور نہ کیا جائے کہ وہ اجرت مثل بچہ کی ماں کو دے کر اسی سے دودھ پلوائے۔ امام ابوحنیفہ کا یہی فیصلہ ہے، ایک روایت میں امام مالک کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔ ایک قول امام شافعی کا بھی یہی ہے۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى میں صراحت کر دی گئی ہے کہ صورت مذکورہ میں کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی (یعنی دودھ پلائے) یہ ماں پر عتاب ہے کہ باپ کی دشواری اور تنگدستی کی حالت میں بھی وہ اجرت مثل کی طلب گار ہے۔

ماں اپنے بچہ کی زیادہ مستحق ہے: حضرت عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت ہے کہ ایک عورت نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ میرا بچہ ہے' میرا پیٹ اس کا برتن ہے' میری چھاتی اس (کی پیاس بجھانے) کے لئے مشکیزہ ہے اور میری گود اس کی محافظ ہے۔ اس کے باپ نے مجھے طلاق دیدی اور وہ اس کو بھی مجھ سے چھیننا چاہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک تو نکاح نہیں کرے گی تو اس کی زیادہ مستحق ہے۔ رواہ ابوداؤد والحاکم۔ حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

حضرت عمرؓ کا صدیقؓ کے سامنے واقعہ

موطاء مالک میں مذکور ہے کہ قاسم بن محمد نے کہا حضرت عمر کے نکاح میں ایک انصاری عورت تھی جس کے بطن سے عاصم بن عمر پیدا ہوئے' کچھ مدت کے بعد حضرت عمرؓ نے انصاریہ کو طلاق دیدی' ایک مدت کے بعد آپ گھوڑے پر سوار ہو کر قباء کی طرف جا رہے تھے آپ نے دیکھا کہ وہ بچہ مسجد کے صحن میں کھیل رہا ہے فوراً اس کا بازو پکڑا اور اپنے آگے گھوڑے پر سوار کر کے لانے لگے بچہ کی نانی نے دیکھ لیا اور بچہ کو چھننے لگی۔ غرض دونوں حضرت ابوبکرؓ (خلیفہ اول) کے پاس پہنچے حضرت ابوبکر نے فرمایا بچہ کو عورت کو دیدو تم مداخلت مت کرو۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو کوئی جواب نہیں دیا (اور فیصلہ کی تعمیل کر دی) کذا روی عبدالرزاق۔

ابن ابی شیبہ کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اس کا بچہ پر ہاتھ پھیرنا اور عورت کی گود اور اس کی خوشبو (بچہ کے لئے) تم سے زیادہ بہتر ہے یہاں تک کہ بچہ جوان ہو جائے جوان ہونے کے بعد بچہ کو اختیار ہے کہ ماں کے پاس رہے یا باپ کے پاس۔

مسئلہ: اگر ماں دودھ پلانے کا معاوضہ اتنا ہی طلب کرے جتنا کوئی دوسری عورت چاہتی ہے تو اجماعی فیصلہ ہے کہ ماں کو چھوڑ کر دوسری عورت سے دودھ پلوانا جائز نہیں۔

مِنْ سَعَتِهٖ۔ یعنی اپنی وسعت کے موافق۔ (تفسیر مظہری)

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ط

چاہیے خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے موافق

وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ

اور جس کو نپی تلی ملتی ہے اُس کی روزی

فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ط لَا يُكَلِّفُ

تو خرچ کرے جیسا کہ دیا ہے اُس کو اللہ نے اللہ کسی پر تکلیف

اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ط سَيَجْعَلُ

نہیں رکھتا' مگر اُسی قدر جو اُسکو دیا اب کر دے گا

اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ﴿۷﴾

اللہ سختی کے پیچھے کچھ آسانی ☆

بچہ کا خرچہ ☆ یعنی بچہ کی تربیت کا خرچ باپ پر ہے۔ وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق اور کم حیثیت کو اپنی حیثیت کے مناسب خرچ کرنا چاہیے۔ اگر کسی شخص کو زیادہ فراخی نصیب نہ ہو محض نپی تلی روزی اللہ نے دی ہو' وہ اسی میں سے اپنی گنجائش کے موافق خرچ کیا کرے۔ اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ جب تنگی کی حالت میں اس کے حکم کے موافق خرچ کرو گے وہ تنگی اور سختی کو فراخی اور آسانی سے بدل دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

ابوعبیدہؓ کا آیت پر عمل: تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ کی بابت حضرت عمرؓ نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ موٹا کپڑا پہنتے ہیں اور ہلکی غذا کھاتے ہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ انہیں ایک ہزار دینار بھجوا دو اور جس کے ہاتھ بھجوائے ان سے کہہ دیا کہ دیکھنا وہ ان دیناروں کو پا کر کیا کرتے ہیں؟ جب یہ اشرفیاں انہیں مل گئیں تو انہوں نے باریک کپڑے پہنے اور نہایت نفیس غذائیں کھانی شروع کر دیں۔ قاصد نے واپس آ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا اللہ اس پر رحم کرے اس نے اس آیت پر عمل کیا کہ کشادگی والا اپنی کشادگی کے مطابق خرچ کرے اور تنگی ترشی والا اپنی حالت کے مطابق۔

تین مختلف آدمی: طبرانی کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص کے پاس دس دینار تھے اس نے ان میں سے ایک راہ للہ صدقہ کیا' دوسرے کے پاس دس اوقیہ تھے اس نے ان میں سے ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم خرچ کئے۔ تیسرے کے پاس سو اوقیہ تھے جس میں سے اس نے اللہ کے نام پر دس اوقیہ خرچ کئے تو یہ سب اجر میں خدا کے نزدیک برابر ہیں اس لئے کہ ہر ایک نے اپنے مال کا دسواں حصہ فی سبیل اللہ دیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نفقہ کی مقدار: امام مالک اور امام احمد نے فرمایا اور امام ابوحنیفہ کا بھی ایک روایت میں یہی قول آیا ہے اور اسی کو صاحب ہدایہ نے پسند کیا ہے کہ شرعاً کوئی مقدار نفقہ مقرر نہیں بلکہ مرد و عورت کی حالت پر اس کی کمی بیشی موقوف ہے اور محض اجتہاد (تجویز حاکم) پر مبنی ہے اگر دونوں خوشحال ہیں تو مطابق حال مقدار نفقہ زیادہ ہونا چاہئے اور دونوں تنگدست (اور نادار) ہیں تو کم سے کم جتنی مقدار کافی ہو جائے اتنی دی جائے گی اور قاضی نے تنگدستی

کے باوجود اگر متوسط مقدار نفقہ تجویز کی ہو یا دونوں متوسط مقدار پر متفق ہو گئے تو کم سے کم دینے کے بعد باقی مقدار بذمہ مرد واجب رہے گی' آیت زیر تشریح سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مرد کی مالداری اور ناداری ملحوظ رہنی چاہئے اس کے مطابق مقدار نفقہ کی تعیین کی جائے' عورت کی تنگدستی اور فراخ دستی کو تعیین مقدار میں کوئی دخل نہیں ہے۔

عورت نادار ہو اور مرد مالدار تو نفقہ زیادہ تجویز کیا جائے گا لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ کا یہی مفہوم ہے اور اگر مرد نادار اور تنگدست ہو تو جیسی اس کی حالت ہو اسی کے موافق یعنی جتنا وہ ادا کرسکتا ہو نفقہ مقرر کیا جائے گا اور اس سے آگے کچھ اس کے ذمہ باقی نہیں رہے گا خواہ عورت مالدار ہو یا تنگ حال کیوں کہ اللہ نے فرمایا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰهَا ۔ (بس جتنی وسعت ہو اتنا نفقہ دیا جائے) اس سے زیادہ واجب نہیں۔ ظاہر روایت میں امام ابوحنیفہ کا یہی قول آیا ہے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے ظاہر روایت کے' موجب یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شوہر تنگدست اور بیوی خوشحال ہو تو تنگدسی کے بموجب عورت کا نفقہ ہوگا کیونکہ خوشحال عورت نے جب تنگدست مرد سے برضامندی نکاح کرلیا تو یہی سمجھا جائے گا کہ وہ نفقہ کی تنگی پر رضامندی ہے۔ اور اگر مرد خوشحال ہے اور عورت تنگدست تو عورت کو مرد کی حالت کے موافق فراخی کے ساتھ خرچ دیا جائے گا۔

شوہر کی حالت کو نفقہ میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے اس کا ثبوت (مذکورہ) آیت قرآنی سے ہو رہا ہے۔ رہا عورت کی حالت کو ملحوظ رکھنا تو اُس کا ثبوت حضرت عائشہ کی روایت سے ہوتا ہے (آیت قرآنی سے نہیں ہوتا) حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ ہندہ بنت عتبہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میرا شوہر) ابوسفیان بڑا کنجوس آدمی ہے مجھے اتنا خرچ نہیں دیتا جو میرے اور میرے بچوں کے لئے کافی ہو جائے میں اس کے مال میں سے اتنا لے لیتی ہوں جس کا اس کو علم بھی نہ ہوتا۔ حضور نے فرمایا اتنا لے لیا کر جو تیرے اور تیرے بچوں کے لئے حسب معمول کافی ہو۔ متفق علیہ۔

خدمت گار کا خرچہ: اگر عورت خدمت گار کی ضرورت مند ہے تو مالدار مرد پر خدمت کے لئے کسی خادم کا مقرر کرنا لازم ہے۔ امام محمد نے فرمایا تنگ دست شخص پر بھی خادم کا نفقہ واجب ہے (یعنی اگر بیوی ضرورت مند ہے تو اس کے لئے خادم فراہم کرنا اور خادم کی خدمت کا معاوضہ دینا مرد پر لازم ہے مرد فراخ دست ہو یا نہ ہو) (تفسیر مظہری)

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ

اور کتنی بستیاں کہ نکل چکیں حکم سے

اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا

اپنے رب کے اور اُسکے رسولوں کے پھر ہم نے

حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا

حساب میں پکڑا اُن کو سخت حساب میں اور آفت ڈالی اُن پر بن دیکھی

نُّكْرًا ﴿۸﴾

آفت ☆

نافرمانی کی سزا ☆ یعنی احکام شریعت کی خصوصاً عورتوں کے بارے میں پوری پابندی رکھو۔ اگر نافرمانی کرو گے تو یاد رہے کہ کتنی بستیاں اللہ و رسول کی نافرمانی کی پاداش میں تباہ کی جا چکی ہیں جس وقت وہ لوگ تکبر کر کے حد سے نکل گئے ہم نے ان کا جائزہ لیا اور سختی سے لیا کہ ایک عمل کو بھی معاف نہیں کیا۔ پھر ان کو ایسی نرالی آفت میں پھنسایا جو آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی بہت سی بستیوں کے باشندوں نے سرکشی اور اپنے رب کے حکم سے اور پیغمبروں کی ہدایت سے سرتابی کی تو ہم نے سخت محاسبہ کیا۔ ان کے کسی عمل سے درگذر نہیں کی۔ دنیا میں اُن کے اعمال کا محاسبہ کیا اور سخت سزا دی۔ یا حَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا سے یہ مراد ہے کہ ہم نے اُن کے اعمال ناموں میں ہر عمل کا اندراج کر دیا کوئی عمل بغیر اندراج نہیں چھوڑا۔

عَذَابًا نُّكْرًا ۔ بہت ہی بُری سزا یعنی بھوک' قحط' قتل' قید اور تباہی وغیرہ۔ (تفسیر مظہری)

بالشت بھر زمین دبانے کا عذاب: صحیحین کی صحیح حدیث میں ہے جو شخص ظلم کر کے کسی کی ایک بالشت بھر زمین لے لے گا اسے ساتوں زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔ صحیح بخاری میں ہے اسے ساتویں زمین تک دھنسا دیا جائے گا۔ میں نے اس کی تمام سندیں اور کل الفاظ شروع ابتدا اور انتہا میں زمین کی پیدائش کے ذکر میں بیان کر دیئے ہیں۔ فالحمدللہ۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ

پھر چکھی اُنہوں نے سزا اپنے کام کی اور

عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ﴿۹﴾

آخر کو اُن کے کام میں ٹوٹا آ گیا ☆

☆ یعنی عمر بھر جو سودا کیا تھا آخر اس میں سخت خسارہ اٹھایا اور جو پونجی تھی سب کھو کر رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَبَالَ اَمْرِهَا ۔ یعنی اُن کے کفر و معاصی کی دنیا میں سزا۔ (تفسیر مظہری)

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ
تیار رکھا ہے اللہ نے واسطے اُن کے سخت عذاب ☆

☆ پہلے دنیوی عذاب کا ذکر تھا یہ اخروی عذاب بیان ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ۚۖ
سو ڈرتے رہو اللہ سے اے عقل والو
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ
جن کو یقین ہے ☆

عقلمندوں کو تنبیہ ☆ یعنی یہ عبرتناک واقعات سن کر عقلمند ایمانداروں کو ڈرتے رہنا چاہیے کہیں ہم سے ایسی بے اعتدالی نہ ہو جائے کہ خدا کی پکڑ میں آ جائیں۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔ یعنی اپنے رب کے حکم اور پیغمبروں کی ہدایت سے سرکشی مت کرو تا کہ وہ عذاب جو سرکش بستیوں پر آ چکا ہے تم پر بھی نہ آ جائے۔

يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ ۔ الذی اولی الالباب سے بدل ہے یا صفتِ موضحہ ہے عقلمندی کا تقاضا ایمان ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۙ ﴿۱۰﴾
بیشک اللہ نے اُتاری ہے تم پر نصیحت ☆

☆ یعنی قرآن یا "ذکر" بمعنی ذاکر ہو تو خود رسول مراد ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ
رسول ہے جو پڑھ کر سناتا ہے تم کو اللہ کی آیتیں کھول کر
مُبَيِّنٰتٍ
سنانے والی ☆

یعنی صاف آیتیں جن میں اللہ کے احکام کھول کھول کر سنائے گئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
تا کہ نکالے اُن لوگوں کو جو کہ یقین لائے اور کیے

الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ
بھلے کام اندھیروں سے اُجالے میں ☆

☆ یعنی کفر و جہل کے اندھیروں سے نکال کر ایمان اور علم و عمل کے اجالے میں لے آئے۔ (تفسیر عثمانی)

مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۔ الظلمات سے مراد ہے کفر اور جہالت اور نور سے مراد ہے ایمان دینی فقاہت و دانش اور نیک عمل جن سے آخرت میں نور حاصل ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا
اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر اور کرے کچھ بھلائی
يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
اُس کو داخل کرے باغوں میں نیچے بہتی ہیں جن کے
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ
نہریں سدا رہیں اُن میں ہمیشہ البتہ خوب دی
اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿۱۱﴾
اللہ نے دی اُن کو روزی ☆

☆ جنت سے زیادہ بہتر روزی کہاں ملے گی۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد ہیں وہ مومن جو نزول قرآن کے بعد ایمان لائے جن کے لئے کفر کے بعد اللہ نے ایمان مقدر کر دیا ہے اور جہالت کے بعد علم نصیب فرما دیا تھا۔

قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۔ رزق حسن سے مراد ہے جنت جس کی نعمتیں اور راحتیں لازوال ہوں گی کبھی منقطع نہ ہوں گی۔ (تفسیر مظہری)

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ
اللہ وہ ہے جس نے بنائے سات آسمان اور
مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ
زمین بھی اتنی ہی ☆

سات آسمان اور سات زمینیں ☆ یعنی زمینیں بھی سات پیدا کیں

جیسا کہ ترمذی وغیرہ کی احادیث میں ہے۔ ان میں احتمال ہے کہ نظر نہ آتی ہوں اور احتمال ہے کہ نظر آتی ہوں مگر لوگ ان کو کواکب سمجھتے ہوں جیسا کہ مریخ وغیرہ کی نسبت آجکل حکماء یورپ کا گمان ہے کہ اس میں پہاڑ' دریا اور آبادیاں ہیں۔ باقی حدیث میں جو ان زمینوں کا اس زمین کے تحت میں ہونا وارد ہے وہ شاید باعتبار بعض حالات کے ہو اور بعض حالات میں وہ زمینیں اس سے فوق ہو جاتی ہوں رہا ابن عباس کا وہ اثر جس میں "ادمهم کادمکم" وغیرہ آیا ہے اس کی شرح کا یہ موقع نہیں "روح المعانی" میں اس پر بقدر کفایت کلام کیا ہے اور حضرت مولانا محمد قاسمؒ کے بعض رسائل میں اس کے بعض اطراف وجوانب کو بہت خوبی سے صاف کر دیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۔ یعنی آسمانوں کی طرح سات زمینیں بھی پیدا کی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابی بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بادل آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا آپ لوگ جانتے ہیں یہ کیا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو بخوبی علم ہے۔ فرمایا' یہ عنان (ابر) ہے یہ زمین کے آبکش اونٹ ہیں جن کو اللہ ایسے لوگوں کی طرف ہنکا کر بھیج رہا ہے جو نہ شکر گذار ہیں نہ اللہ سے دعا کرتے ہیں پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ تمہارے اوپر کیا ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا' اللہ اور اس کے رسول کو بخوبی علم ہے' فرمایا' یہ ایک اونچی چھت ہے (ٹوٹنے سے) محفوظ اور ایک موج بستہ ہے پھر فرمایا کیا تم کو معلوم ہے کہ تمہارے اور اس کے درمیان کتنا فاصلہ ہے صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی کو بخوبی علم ہے فرمایا تمہارے اور اس کے درمیان پانچ سو برس (کی راہ مسافت) ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم واقف ہو کہ اس کے اوپر کیا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو بخوبی علم ہے' فرمایا ایک اور آسمان ہے اور دونوں کے درمیان پانچ سو برس (راہ) کا فاصلہ ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا' یہاں تک کہ سات آسمانوں کو گنا (اور فرمایا) کہ ہر دو آسمانوں کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا زمین اور آسمان کے درمیان ہے۔ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اس سے اوپر کیا ہے صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی کو بخوبی علم ہے۔ فرمایا اس سے اوپر عرش ہے اور اس کا (ساتویں) آسمان سے فاصلہ اتنا ہی ہے جتنا دو آسمانوں کے درمیان ہے' پھر فرمایا کیا تم واقف ہو کہ تمہارے نیچے زمین ہے پھر فرمایا۔ کیا تم جانتے ہو کہ اس کے نیچے کیا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی کو بخوبی علم ہے۔ فرمایا اس کے نیچے ایک اور زمین ہے اور دونوں زمینوں کے درمیان پانچ سو برس کی راہ کی مسافت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سات زمینیں شمار کیں اور ہر زمین کا دوسری زمین سے فاصلہ پانچ سو برس کی راہ کا بتایا پھر فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اگر تم کوئی رسی سب سے نچلی زمین تک لٹکاؤ تو وہ اللہ (کی قدرت وصنعت) پر ہی جا کر اترے گی' اس کے بعد آپ نے پڑھا۔ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔ رواہ احمد و الترمذی۔ ہم نے یہ حدیث اور اس کی تحقیق سورۂ بقرہ کی ایت فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ کی تفسیر کے ذیل میں کردی ہے۔

سات آسمانوں اور سات زمینیں کے متعلق

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح سات آسمان پیدا کئے اسی طرح اس نے سات زمینیں بھی پیدا کی ہیں گو کہ اکثر مواقع میں خلق السمٰوٰت کے ساتھ خلق ارض میں واحد کا صیغہ استعمال کیا گیا جس سے متبادر یہی ہے کہ آسمان سات ہیں اور زمین ایک ہی طبقہ ہے لیکن اس آیت میں یہ تصریح واقع ہوئی کہ جس طرح سات آسمان ہیں زمینیں بھی سات ہیں جیسا کہ جامع ترمذی اور بعض سنن کی روایت میں ہے' تو یہ ممکن ہے کہ وہ اس کرۂ ارضی سے اوپر ہوں جیسا کہ مریخ وغیرہ جن کی نسبت آج کل یورپ کے حکماء کا خیال ہے کہ اس میں پہاڑ اور دریا اور آبادیاں ہیں تو اس طرح سات زمینوں کا عدد پورا ہو سکتا ہے باقی یہ مسئلہ نہ تو اصول دین سے ہے کہ اس کو پوری طرح سمجھے اور اس کی تحقیق کے بغیر ایمان ہی کامل نہ ہو تو ضرور نہیں کہ ہم اس کی ایسی ہی تحقیق اور تشریح کے پابند ہوں جیسا کہ اسلام کے دیگر بنیادی اصولوں کی۔ اجمالاً اس طرح کا تصور جس کی طرف اشارہ کیا گیا وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ کا مفہوم سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ رہی وہ روایت جو عبداللہ بن عباسؓ سے موقوفاً منقول ہے جس میں یہ ہے کہ یہ سات زمینیں ہیں جن میں سے ہر زمین میں آدم ہیں تمہارے آدم کی طرح اور نوح ہیں حضرت نوح کی طرح اور ابراہیم ہیں ابراہیمؑ کی طرح اور عیسیٰ ہیں عیسیٰؑ کی طرح ہیں تو محدثین کے اصول سے یہ روایت شاذ ہے قابل اعتبار اور صحیح نہیں شمار کی گئی۔

اسلام کی دعوت اس زمین کے سوا دیگر طبقات ارض میں کتاب وسنت سے کہیں ثابت نہیں۔ اگر ہوتی تو ضرور اس بارہ میں کوئی نص وارد ہوتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کو بیان فرماتے اس بناء پر علماء نے اس اثر کو باوجود صحیح الاسناد ہونے کی شاذ بتلایا ہے اور اگر صحیح مانا بھی جائے تو اس کی مختلف تاویلیں کی جاسکتی ہیں۔

علماء امتی

ممکن ہے مراد یہ ہو کہ زمین کے ہر طبقہ میں ایک ہادی ہے جو اس طبقہ کے نبی کے ہم نام ہو پس ان طبقات تحتانیہ میں آدم اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰؑ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم نام ہادی ہوتے ہیں جو حقیقت میں انبیاء نہ تھے بلکہ محض ہادی تھے اور اس طبقہ کے انبیاء کے ہم نام تھے اور کسی اعتبار سے اس طبقہ کے انبیاء ورسل کے مشابہ تھے جیسا کہ حدیث میں ہے

"علماء امتی کاانبیا بنی اسرائیل"۔

حق تعالیٰ شانہٗ کے اس قول اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ الخ

نبوت اولاد آدم کے ساتھ مخصوص ہے اور جمہور علماء کا بھی یہی قول ہے کہ جنات میں سے رسول نہیں آئے تحتانی طبقات کے باشندے اسی طبقہ زمین کے پیغمبروں کے تابع رہے ہیں۔ (دیکھو کشاف اصطلاحات الفنون ص ۱۲۶۱ ج ۱)

مسلیمہ پنجاب

یہ بھی آپ کی دعوت اور بعثت عام ہے کوئی فرد بشر اُس سے مستثنیٰ نہیں لہٰذا مطابق عقائد اہل سنت یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ کی نبوت و رسالت عام ہے اور قیامت تک تمام جن وانس پر آپ کی شریعت کی پیروی فرض اور لازم ہے۔

طبقۂ زمین پر جو نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ مسلیمہ کذاب کی طرح بلاشبہ دجال کذاب ہوگا مسلیمہ کذاب خواہ یمن کا ہو یا پنجاب کا سب کا ایک ہی حکم ہے۔

ہمارے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کے بعد ہر طبقہ میں نبوت کا دعویٰ کفر اور دجل ہوگا اور ہر طبقہ کا مدعی نبوت کذاب اور دجال اور مسلیمہ اور اسود عنسی کی طرح واجب القتل ہوگا۔ اور علی ھذا جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور دعوت کو اس طبقۂ زمین کے ساتھ مخصوص سمجھتا ہو اور ہر طبقہ کے خاتم کو صاحب شرع جدید سمجھتا ہو وہ بلاشبہ کافر اور دجال ہے۔

حضرت ابن عباس کی روائت

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جیسا کہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ کا یہ قول عالم مثال پر محلول ہے کہ ہر طبقۂ زمین میں اس طبقۂ زمین کے صور مثالیہ اور اشباہ اور امثال موجود ہیں جیسا کہ ابن عباسؓ کی ایک روایت اس معنی کی تائید کرتی ہے وہ یہ کہ ابن عباسؓ سے ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ان زمینوں میں مجھ جیسا ابن عباس بھی ہے اور ہر زمین میں اور ہر آسمان میں ایک خانہ کعبہ موجود ہے اس طرح زمین و آسمان میں چودہ خانے کعبے موجود ہیں حضرات اہل کشف کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے اور عالم مثال یعنی روئت مثالیہ پر محلول ہے۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

جدید فلاسفہ کا نظریہ: قرآن اور حدیث سے یہ ثابت ہے کہ سات آسمان ہیں اور سات زمینیں ہیں۔ فلاسفہ عصر آسمان کے وجود کے تو سرے سے قائل ہی نہیں اور زمین کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ ایک زمین ہے باقی چھ زمینوں کے قائل نہیں۔ فلاسفۂ عصر کہتے ہیں کہ فضا میں جو نیلگوں رنگ نظر آتا ہے یہ فضاء کا یا ایتھر کا رنگ ہے۔ اس لئے کہ بڑی بڑی نزدیک کن خوردبینوں سے سوائے کواکب کے فضاء میں کوئی اور جسم نظر نہیں آتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے بُعد مسافت کی وجہ سے آسمان نظر نہ آتا ہو اس لئے یہ انکار قابل التفات نہیں نیز فلاسفہ عصر کا مذہب یہ ہے کہ اس فضاء اور خلاء کی کوئی انتہا نہیں اور ظاہر ہے کہ خوردبین کی رسائی غیر محدود نہیں بس ممکن ہے کہ آسمان اور غیر محدود فضا اور غیر متناہی خلا کے اندر اتنے دور فاصلہ پر واقع ہو کہ بعد مسافت کی وجہ سے دوربین کی رسائی نہ ہوسکتی ہو اور یہ نیلگوں رنگ جو ہم کو نظر آتا ہے وہ آسمان دنیا کا پلستر ہو دیکھنے والے کو اصل عمارت تو نظر نہیں آتی بلکہ اس کا پلستر دکھائی دیتا ہے اور علی ھذا فلاسفہ عصر کا سات زمینوں کے وجود کا انکار بھی بالکل بے دلیل ہے۔ جس طرح ایک زمین موجود ہوسکتی ہے اسی طرح سات زمینیں بھی موجود ہوسکتی ہیں سات زمینوں کا وجود عقلاً محال اور ممتنع نہیں اور چونکہ مخبر صادق علیہ السلام نے ہم کو ان کے وجود کی خبر دی ہے لہٰذا اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور فلاسفہ عصر کی بے دلیل باتوں سے قرآن و حدیث اور اللہ و رسول کی باتوں میں شکوک واوھام پیدا کرنا زیب نہیں دیتا اس تحقیق عمیق سے اہل علم کے قلوب کو یقیناً طمانیت وسکون نصیب ہوگا اور دین اسلام کے کسی عقیدہ پر کسی طرح کا بھی شبہ پیدا نہ ہوسکے گا۔ (معارف کاندھلوی)

ہر زمین کا نبی: بیہقی کی کتاب اَلْاَسْمَاءُ وَالصِّفَات میں حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ ساتوں زمینوں میں سے ہر ایک میں نبی ہے' مثل تمہارے نبی کے اور آدم ہیں مثل آدمؑ کے اور نوح ہیں مثل نوحؑ کے اور ابرہیم ہیں مثل ابراہیمؑ کے اور عیسیٰ ہیں مثل عیسیٰؑ کے۔ پھر امام بیہقی نے ایک اور روایت بھی ابن عباسؓ کی وارد کی ہے اور فرمایا ہے اس کی اسناد صحیح ہے لیکن یہ بالکل شذ ہے۔ ابوالضحیٰ جو اس کے ایک راوی ہیں' میرے علم میں تو ان کی متابعت کوئی نہیں کرتا' واللہ اعلم۔

فرمانبردار مخلوق: ایک مرسل اور بہت ہی منکر روایت ابن ابی الدنیاؒ لائے ہیں جس میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صحابہؓ کے مجمع میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ سب کسی غور و فکر میں چپ چاپ ہیں' پوچھا کیا بات ہے؟ جواب ملا اللہ کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ فرمایا ٹھیک ہے مخلوقات پر نظریں دوڑاؤ لیکن کہیں خدا کی بابت غور وخوض میں نہ پڑ جانا' سنو اس مغرب کی طرف ایک سفید زمین ہے اس کی سفیدی اس کا نور ہے یا فرمایا اس کا نور اس کی سفیدی اسکا نور یا فرمایا اس کا نور اسکی سفیدی ہے ہے۔ سورج کا راستہ چالیس دن کا ہے وہاں اللہ کی ایک مخلوق ہے' جس نے ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی کبھی اس کی نافرمانی نہیں کی۔ صحابہؓ نے کہا پھر شیطان ان سے کہاں ہے؟ فرمایا انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ شیطان پیدا بھی کیا گیا ہے یا نہیں؟ پوچھا کیا وہ بھی انسان ہیں؟ فرمایا انہیں حضرت آدمؑ کی پیدائش کا بھی علم نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

سات زمینیں کہاں کہاں

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ ' اس آیت سے اتنی بات تو

واضح طور پر ثابت ہے کہ جس طرح آسمان سات ہیں ایسی ہی زمینیں بھی سات ہیں۔ پھر یہ سات زمینیں کہاں کہاں اور کس وضع وصورت میں ہیں۔ اوپر نیچے طبقات کی صورت میں تہ برتہ ہیں یا ہر ایک زمین کا مقام الگ الگ ہے اگر اوپر نیچے طبقات ہیں تو کیا جس طرح سات آسمانوں میں ہر دو آسمان کے درمیان بڑا فاصلہ ہے اور ہر آسمان میں الگ الگ فرشتے آباد ہیں اسی طرح ایک زمین اور دوسری زمین کے درمیان بھی فاصلہ اور ہوا فضا وغیرہ ہیں اور اُس میں کوئی مخلوق آباد ہے یا یہ طبقات زمین ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں۔ قرآن مجید اس سے ساکت ہے اور روایات حدیث جو اس بارے میں آئی ہیں اُن میں اکثر احادیث میں ائمہ حدیث کا اختلاف ہے بعض نے ان کو صحیح وثابت قرار دیا ہے بعض نے موضوع ومنگھڑت تک کہہ دیا ہے اور عقلاً یہ سب صورتیں ممکن ہیں۔ اور ہماری کوئی دینی یا دنیوی ضرورت اس کی تحقیق پر موقوف نہیں نہ ہم سے قبر میں یا حشر میں اسکا سوال ہوگا کہ ہم ان سات زمینوں کی وضع وصورت اور محل وقوع اور اُس میں بسنے والی مخلوقات کی تحقیق کریں اس لئے اسلم صورت یہ ہے کہ بس اس پر ایمان لائیں اور یقین کریں کہ زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات ہی ہیں۔ اور سب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا ہے۔ اتنی ہی بات قرآن نے بیان کی ہے جس کو قرآن نے بیان کرنا ضروری نہیں سمجھا ہم بھی اُس کی فکر وتحقیق میں کیوں پڑیں۔ حضرات سلف صالحین کا ایسی صورتوں میں یہی طرز عمل رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے ابهموا ما ابهم الله، یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مبہم چھوڑا ہے تم بھی اُسے مبہم رہنے دو جبکہ اس میں تمہارے لئے کوئی عملی حکم نہیں، اور تمہاری کوئی دینی یا دُنیوی ضرورت اُس سے متعلق نہیں۔ خصوصاً یہ تفسیر عوام کے لئے لکھی گئی ہے ایسے خالص علمی اختلافی مباحث اس میں نہیں لئے گئے جن کی عوام کو ضرورت نہیں ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ
اُترتا ہے اُس کا حکم اُن کے اندر ☆

احکام کا نزول ☆ یعنی عالم کے انتظام وتدبیر کے لیے اللہ کے احکام تکوینیہ وتشریعیہ آسمانوں اور زمینوں کے اندر اترتے رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

امر سے مراد ہوگی وحی یعنی ساتویں آسمان سے لے کر سب سے نچلی ساتویں زمین تک اللہ کی طرف سے (انبیاء پر) وحی نازل ہوتی ہے اور امر خدا بواسطۂ وحی اترتا ہے۔

بعض احادیث میں آیا ہے کہ ہر زمین میں تمہارے آدم کی طرح ایک آدم ہے اور تمہارے نوح کی طرح ایک نوحؑ ہے اور تمہارے ابراہیم کی طرح ایک ابراہیمؑ ہے اور تمہارے موسیٰؑ کی طرح ایک موسیٰؑ ہے اور تمہارے نبی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ایک نبی ہے۔ واللہ اعلم۔

يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ ۔ یعنی امر خداوندی اور قضاء الٰہی اور حکم ربّ اُن میں جاری ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ ۔ یعنی اللہ کا حکم ان ساتوں آسمانوں زمینوں کے درمیان نازل ہوتا رہتا ہے اور حکم الٰہی کی دو قسم ہیں۔ ایک تشریعی جو اللہ کے مکلف بندوں کے لئے بذریعہ وحی بواسطہ انبیاء بھیجا جاتا ہے جیسے زمین میں انسان اور جن کے لئے آسمانوں سے فرشتے یہ تشریعی احکام انبیاء تک لیکر آتے ہیں جن میں عقائد، عبادات، اخلاق، معاملات، معاشرت کے قوانین ہوتے ہیں اُن کی پابندی پر ثواب اور خلاف ورزی پر عذاب ہوتا ہے۔ دوسری قسم حکم کی حکم تکوینی ہے۔ یعنی تقدیر الٰہی کی تنفیذ سے متعلق احکام جس میں کائنات کی تخلیق اور اُس کی تدریجی ترقی اور اُس میں کمی بیشی اور موت وحیات داخل ہیں یہ احکام تمام مخلوقات الٰہیہ پر حاوی ہیں۔ اسلئے اگر ہر دو زمینوں کے درمیان فضاء اور فاصلہ اور اسمیں کسی مخلوق کا آباد ہونا ثابت ہو جائے خواہ مخلوق مکلف احکام شرعیہ کی نہ ہو تو اُس پر بھی يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ صادق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا امر تکوینی اُس پر بھی حاوی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ
تاکہ تم جانو کہ اللہ ہر چیز
قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ
کر سکتا ہے اور اللہ کے علم میں سمائی ہے
بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾ ع
ہر چیز کی ☆

نزول احکام کا مقصد ☆ یعنی آسمان وزمین کے پیدا کرنے اور ان میں انتظامی احکام جاری کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات علم وقدرت کا اظہار ہو (نبہ علیہ ابن قیم فی بدائع الفوائد) بقیہ صفات ان ہی دو صفتوں سے کسی نہ کسی طرح تعلق رکھتی ہیں۔ صوفیہ کے ہاں جو ایک حدیث نقل کرتے ہیں "كنت كنزاً مخفياً فاحببت ان اعرف" گو محدثین کے نزدیک صحیح نہیں مگر اس کا مضمون شاید اس آیت کے مضمون سے ماخوذ و مستفاد ہو واللہ اعلم۔ تم سورۃ الطلاق وللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

الحمد للہ سورۃ طلاق ختم ہوئی

سورة التحريم

خواب میں اس کا پڑھنے والا محرمات کے ارتکاب سے محفوظ رہے گا۔(ابن سیرینؒ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ

اے نبی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ توجہات حاصل کرنے کیلئے ازواجِ مطہرات کی کوششیں

سورۂ ''احزاب'' کے فوائد میں گذر چکا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتوحات عنایت فرمائیں اور لوگ آسودہ ہوگئے تو ازواج مطہرات کو بھی خیال آیا کہ ہم کیوں آسودہ نہ ہوں اس سلسلہ میں انہوں نے مل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نفقہ کا مطالبہ شروع کیا، صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے ''وهن حولى يطلبنى النفقة۔'' اور بخاری کے ابواب المناقب میں ہے وحولہ نسوة يكلمنه ويستكثرنه اس پر ابوبکرؓ نے سیدہ عائشہؓ اور عمرؓ نے حفصہؓ کو ڈانٹ بتلائی، آخر ازواج نے وعدہ کیا کہ آئندہ ہم آپ سے اُس چیز کا مطالبہ نہیں کرینگے جو آپ کے پاس نہیں ہے پھر بھی رفتار واقعات کی ایسی رہی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ازواج سے ایلا کرنا پڑا تا آنکہ آیۂ تخییر نے جو ''احزاب'' میں ہے نازل ہو کر اس قصہ کا خاتمہ کر دیا اس درمیان میں کچھ واقعات اور بھی پیش آئے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبع مبارک پر گرانی ہوئی اصل یہ ہے کہ ازواج مطہرات کو جو محبت اور تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اس نے قدرتی طور پر آپس میں ایک طرح کی کشمکش پیدا کر دی تھی ہر ایک زوجہ کی تمنا اور کوشش تھی کہ وہ زائد از زائد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہات کا مرکز بن کر دارین کی برکات وفیوض سے متمتع ہو، مرد کیلئے یہ موقع تحمل و تدبر اور خوش اخلاقی کے امتحان کا نازک ترین موقع ہوتا ہے۔ مگر اس نازک موقع پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت قدمی ویسی ہی غیر متزلزل ثابت ہوئی جس کی توقع سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت سے ہوسکتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ عصر کے بعد سب ازواج کے ہاں تھوڑی دیر کیلئے تشریف لے جاتے ایک روز حضرت زینبؓ کے ہاں کچھ دیر لگی معلوم ہوا کہ انہوں نے شہد پیش کیا تھا اُس کے نوش فرمانے میں وقفہ ہوا پھر کئی روز یہ معمول رہا حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے مل کر تدبیر کی کہ آپ وہاں شہد پینا چھوڑ دیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ دیا اور حفصہؓ سے فرمایا کہ میں نے زینبؓ کے ہاں شہد پیا تھا مگر اب قسم کھاتا ہوں کہ پھر نہیں پیونگا نیز یہ خیال فرما کر کہ زینب کو اس کی اطلاع ہوگی تو خواہ مخواہ دلگیر ہونگی حفصہ کو منع کر دیا کہ اس کی اطلاع کسی کو نہ کرنا اسی طرح کا ایک قصہ ماریہ قبطیہ کے متعلق (جو آپ کے حرم سے تھی جن کے بطن سے صاحبزادے ابراہیم تولد ہوئے) پیش آیا، اُس میں آپ نے ازواج کی خاطر قسم کھالی کہ ماریہ کے پاس نہ جاؤں گا یہ بات آپ نے حضرت حفصہؓ کے سامنے کہی تھی اور تاکید کر دی تھی کہ دوسروں کے سامنے اظہار نہ ہو حضرت حفصہؓ نے ان واقعات کی اطلاع چپکے سے حضرت عائشہؓ کو کر دی اور یہ بھی کہہ دیا کہ اور کسی سے نہ کہنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلع فرما دیا آپ نے حضرت حفصہ کو جتلایا کہ تم نے فلاں بات کی اطلاع عائشہ کو کر دی حالانکہ منع کر دیا تھا، وہ متعجب ہو کر کہنے لگیں کہ آپ سے کس نے کہا، شاید عائشہؓ کی طرف خیال گیا ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نَبَّاَنِىَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ'' یعنی حق تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی ان ہی واقعات کے سلسلہ میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر عثمانی)

سببِ نزول: ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن رافع نے فرمایا میں نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا، ام المومنین نے فرمایا میرے پاس سفید شہد کی ایک کپی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شہد کو پسند فرماتے تھے اور اس میں سے کچھ نوش فرمایا کرتے تھے، عائشہ نے کہا اس شہد کی مکھیاں تو عرفظ کو چوستی ہیں یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم والا نے اس شہد کو اپنے لئے حرام قرار دے لیا اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ کذا اخرج الطبرانی سدی کی تفسیر میں اس روایت کو مرفوع کہا گیا ہے۔

حضرت ماریہؓ کا واقعہ:

اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول حضرت ماریہؓ کے سلسلے میں ہوا تھا جس کی تفصیل میں بغوی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیوں کی باریاں بانٹ دیا کرتے تھے (ایک بار) جب حضرت حفصہؓ کی باری تھی تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مائکے جانے اور اپنے والد کو دیکھنے کی اجازت کی درخواست کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی حضرت حفصہؓ جب چلی گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باندی حضرت ماریہ قبطیہ کو حضرت حفصہؓ کے گھر میں ہی طلب فرمایا، ماریہ آگئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے قربت کی، حضرت

حفصہؓ لوٹ کر آئیں تو دروازہ بند پایا دروازہ کے پاس ہی بیٹھ گئیں کچھ دیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے اس وقت آپ کی پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا تھا، حضرت حفصہ بیٹھی رو رہی تھیں، فرمایا کیوں رو رہی ہو، حضرت حفصہ نے جواب دیا آپ نے اسی غرض سے مجھے اجازت دی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر میں اپنی باندی کو بلایا اور میری باری کے دن میرے بستر پر اس سے قربت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا اتنا پاس لحاظ بھی نہیں کیا جتنا دوسری کسی بی بی کا کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وہ میری باندی نہیں ہے جو اللہ نے میرے لئے حلال کر دی ہے (خیر) اب تم خاموش ہو جاؤ تمہاری خوشنودی کی خاطر میں نے اس کو اپنے اوپر حرام کر لیا، کسی بی بی کو اس کی اطلاع نہ دینا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے جونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہو گئے حضرت حفصہؓ نے وہ دیوار کھٹ کھٹائی جو اُن کے اور حضرت عائشہؓ کے مکان کے درمیان تھی اور حضرت عائشہؓ سے کہا میں تم کو ایک خوش خبری سناتی ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باندی ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا اب ہم کو اللہ نے اس کی طرف سے سکھ دے دیا حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ باہم گہری دوست تھیں اور دوسری بیبیوں کے مقابلہ میں آپس میں ایک دوسری کی مددگار اسی لیے حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ سے ساری سرگذشت بیان کر دی، یہ آیت سن کر حضرت عائشہؓ کو غصہ آ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عہد پر اس وقت تک قائم رہے جب تک یہ آیت نازل ہوئی۔

بزار نے صحیح سند سے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ آیت يَأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ ایک باندی کے متعلق نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ
تو کیوں حرام کرتا ہے جو حلال کیا اللہ نے تجھ پر
تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ
چاہتا ہے تو رضا مندی اپنی عورتوں کی ☆

تنبیہ: حلال کو اپنے اُوپر حرام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کو عقیدۃً حلال و مباح سمجھتے ہوئے عہد کر لیا تھا کہ آئندہ اسکو استعمال نہ کروں گا ایسا کرنا اگر کسی مصلحت صحیحہ کی بناء پر ہو تو شرعاً جائز ہے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رفیع کے مناسب نہ تھا کہ بعض ازواج کی خوشنودی کیلئے اس طرح کا اسوہ قائم کریں جو آئندہ امت کے حق میں تنگی کا موجب ہو اس لئے حق تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ ازواج کے ساتھ بیشک خوش اخلاقی برتنے کی ضرورت ہے مگر اس حد تک ضرورت نہیں کہ ان کی وجہ سے ایک حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر کے تکلیف اٹھائیں۔ (تفسیر عثمانی)

حلال کو حرام سمجھنے کا مسئلہ:

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی حلال قطعی کو عقیدۃً حرام قرار دے تو یہ کفر اور گناہِ عظیم ہے اور اگر عقیدۃً حرام نہ سمجھے مگر بلا کسی ضرورت و مصلحت کے قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کر لے تو یہ گناہ ہے اس قسم کو توڑنا اور کفارہ ادا کرنا اس پر واجب ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے اور کوئی ضرورت و مصلحت ہو تو جائز، مگر خلاف اولیٰ ہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ نہ عقیدۃً حرام سمجھے نہ قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کرے مگر عملاً اس کو ہمیشہ ترک کرنے کا دل میں عزم کر لے یہ عزم اگر اس نیت سے کرے کہ اس کا دائمی ترک باعثِ ثواب ہے تب تو یہ بدعت اور رہبانیت ہے جو شرعاً گناہ اور مذموم ہے اور اگر ترک دائمی کو ثواب سمجھ کر نہیں بلکہ اپنے کسی جسمانی یا روحانی مرض کے علاج کے طور پر کرتا ہے تو بلا کراہت جائز ہے بعض صوفیائے کرام سے جو ترک لذائذ کی حکایتیں منقول ہیں وہ اسی صورت پر محمول ہیں۔

واقعہ مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا لی تھی نزول آیت کے بعد اس قسم کو توڑا، اور کفارہ ادا فرمایا جیسا کہ درمنثور کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام کفارہ قسم میں آزاد کیا۔ (از بیان القرآن)

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ①
اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ☆

کہ گناہ کو معاف کر دیتا ہے۔ اور آپ سے تو کوئی گناہ بھی نہیں ہوا محض اپنے درجہ میں ایک خلاف اولیٰ بات ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللَّهُ غَفُورٌ، یعنی آپ سے یہ لغزش ہوگئی کہ اللہ نے جس چیز کو آپ کیلئے حلال بنایا تھا آپ نے اس کو قسم کھا کر اپنے لیے حرام کر لیا اللہ آپ کی اس لغزش کو معاف کرنے والا ہے۔ رَّحِيمٌ، یعنی اللہ نے آپ پر اپنی رحمت کی کہ خود ساختہ تحریم سے نکلنے کا راستہ اس نے آپ کے لیے بنا دیا اور آپ سے مواخذہ نہیں کیا اور آپ کو نا جائز امر سے بچانے کیلئے اظہار نا گواری کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ
مقرر کر دیا ہے اللہ نے تمہارے لئے کھول ڈالنا تمہاری قسموں کا
وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ②
اور اللہ مالک ہے تمہارا اور وہی ہے سب کچھ جانتا حکمت والا ☆

کفارہ کا قانون:

یعنی اس مالک نے اپنے علم وحکمت سے تمہارے لیے مناسب احکام

وہدایات بھیجے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نامناسب چیز پر قسم کھالے تو کفارہ دیکر (جس کا ذکر سورہ "مائدہ" میں آچکا) اپنی قسم کھول سکتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "اب جو کوئی اپنے مال کو کہے یہ مجھ پر حرام ہے تو قسم ہوگئی کفارہ دے تو اس کو کام میں لائے کھانا ہو یا کپڑا یا لونڈی" وہذا ماعلیہ الحنفیہ۔ (تفسیر عثانی)

قَدْ فَرَضَ ،یعنی اللہ نے قانون بنادیا (شروع کردیا)

تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ،یعنی جن حلال امور کو قسم کھا کر تم اپنے اوپر حرام کر لیتے ہو اُن کو حلال بنانے کا طریقہ یا قسم کی گرہ کھول دینے کا قانون یا یہ مطلب ہے کہ جب تم اپنی قسم کو توڑنا چاہو تو اللہ نے اس کا کفارہ ادا کرنا تم پر واجب کردیا ہے کفارہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کو کرنے سے قسم کی گرہ کھل جائے، یعنی قسم شکنی کا گناہ دور ہوجاتا ہے۔ مَوْلٰىكُمْ ،یعنی تمہارا کارساز اور مددگار ہے وَهُوَ الْعَلِيْمُ وہی تمہارے مصالح سے واقف ہے جن باتوں سے تمہاری اصلاح ہو، اُن کو وہی جانتا ہے

الْحَكِيْمُ ،اپنے احکام وافعال میں استحکام کرنے والا ہے (اور اس کا ہر حکم پُرحکمت ہے)

مسئلہ: اگر کسی شخص نے کہا میں نے اپنی باندی اپنے اوپر حرام کرلی یا کہا میں نے اپنا یہ کھانا اپنے اوپر حرام کرلیا، یا یوں کہا کہ ایسا کھانا میں نے اپنے اوپر حرام کرلیا تو امام ابوحنیفہ اور امام احمد اور امام اوزاعی کے نزدیک یہ قسم ہو جائے گی (اگر لفظ قسم موجود نہیں ہے صرف تحلیل حرام ہے) حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عائشہؓ کا قول بھی یہی مروی ہے۔

اس قول کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے پہلے فرمایا لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (یعنی رسول اللہ کے قول کو صرف تحریم حلال سے تعبیر کیا، پھر فرمایا قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ (یعنی) تحریم حلال کو یمین (قسم) قرار دیا اور کفارہ قسم کا قانون مقرر کردیا بغوی نے سعید بن جبیر کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (حلال کو) حرام بنالینے کا کفارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیتے تھے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (تفسیر مظہری)

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ

اور جب چھپا کر کہی نبی نے اپنی کسی عورت سے

حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ

ایک بات پھر جب اُس نے خبر کردی اُس کی اور اللہ نے جتلا دی نبی کو

عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا

وہ بات تو جتلائی نبی نے اُس میں سے کچھ اور ٹلا دی کچھ پھر جب

نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ

وہ جتلائی عورت کو بولی تجھ کو کس نے بتلا دی یہ

قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۳

کہا مجھ کو بتایا اُس خبر والے واقف نے ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حسنِ معاشرت:

شروع سورت میں ہم شہد کا اور ماریہ قبطیہ کا قصہ لکھ چکے ہیں۔ اس آیت میں بتلا دیا کہ بندے ایک بات کو چھپانے کے کتنی ہی کوشش کریں اللہ جب ظاہر کرنا چاہے تو ہرگز مخفی نہیں رہ سکتی نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن معاشرت اور وسعت اخلاق کا اس سے ثبوت ملتا ہے کہ آپ خلاف طبع کارروائیوں پر کس قدر تساہل اور اغماض برتتے اور کس طرح از راہ عفو کرم بعض باتوں کو ٹلا جاتے تھے گویا شکایت کے موقع پر بھی پورا الزام نہ دیتے تھے "موضح القرآن" میں ہے کہ بعض کہتے ہیں "اس حرم (ماریہ قبطیہ کا موقوف کرنا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے کہا اور کسی کو خبر کرنے سے منع کیا۔ اور اس کے ساتھ کچھ اور بات بھی کہی تھی اور انہوں نے حضرت عائشہ کو سب خبر کردی کیونکہ دونوں باتوں میں دونوں کا مطلب تھا۔ پھر وحی سے معلوم کرکے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی حفصہ کو حرم کی بات کا الزام دیا اور دوسری بات ذکر میں نہ لائے وہ دوسری بات کیا تھی؟ شاید یہ تھی کہ تیرا باپ عائشہ کے باپ کے بعد خلیفہ ہوگا۔ الغیب عنداللہ جو بات اللہ اور رسول نے ٹلا دی ہم کیا جانیں۔ اسی واسطے ٹلا دی کہ بے ضرورت چرچا نہ ہوتا اور لوگ برا نہ مانیں یہ مضمون خلافت کا بعض ضعیف روایات میں آیا ہے جسے بعض علماء شیعہ نے بھی تسلیم کیا۔

خلافت کا مسئلہ:

سعد بن جبیر کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کو خلافت کے متعلق آگاہ کردیا تھا) اسرار سے مراد ہے، خلافت کی بات کو چھپائے رکھنا۔

کلبی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا تھا میرے بعد تمہارے باپ اور عائشہؓ کے باپ (باری باری) سے میرے جانشین ہوں گے واحدی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے خلیفہ ہونے کا ذکر کتاب اللہ میں موجود ہے، اللہ نے فرمایا ہے وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا حضور والا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا تھا کہ تمہارے باپ اور عائشہؓ کے باپ میرے بعد لوگوں کے ولی (امیر) ہوں گے مگر تم اس کی اطلاع کسی کو نہ دینا یہ حدیث دوسروں طریقوں سے بھی آئی ہے، علی، میمون بن مہران، حبیب بن

ثابت، ضحاک اور مجاہد کی روایت بھی اسی طرح ہیں میمون بن مہران کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چپکے سے فرمایا تھا میرے جانشین ابوبکر ہوں گے، واللہ اعلم۔

فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہؓ کو وہ خبر بتائی جس سے اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واقف کیا تھا یعنی اس بات کی اطلاع دے دی کہ حفصہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ظاہر کر دیا۔

قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا تو حفصہؓ نے کہا آپ کو اس بات کی خبر کس نے دی کہ میں نے آپ کا راز فاش کر دیا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے اس کی اطلاع اس اللہ نے دی جو علیم وخبیر ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ
اگر تم دونوں توبہ کرتی ہو تو
صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ج
جھک پڑے ہیں دل تمہارے ☆

حضرت عائشہؓ وحفصہؓ سے خطاب:

یہ عائشہ وحفصہ کو خطاب ہے کہ اگر تم توبہ کرتی ہو تو بیشک توبہ کا موقع ہے کیونکہ تمہارے دل جادہ اعتدال سے ہٹ کر ایک طرف کو جھک گئے ہیں لہٰذا آئندہ ایسی بے اعتدالیوں سے پرہیز رکھا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو خطاب ہے شروع سورۃ میں عبید بن عمیر کو جو روایت حضرت عائشہؓ سے آئی ہے اور اس روایت کو بخاری اور مسلم نے ذکر کیا ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ خطاب حضرت حفصہ کو ہے۔

فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں ایک طرف کو جھک گئے ہیں راہِ حق پر قائم نہیں رہے کیونکہ تم نے اس بات کو پسند کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند تھی آپ نے ماریہ کو اپنے لیے حرام کرنا چاہتے تھے نہ اپنے راز کا افشاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا اور تم کو یہ دونوں باتیں پسند تھیں۔

حالانکہ ہر شخص پر واجب ہے کہ جس بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پسند کریں وہ بھی اس بات کو پسند کرے اور جس بات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نفرت ہو اس بات سے اس کو بھی نفرت ہو۔

واقعہ ایلاء اور آیت تخییر کے نزول کی مکمل تفصیل:

بخاری وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مجھے حضرت عمرؓ سے یہ بات دریافت کرنے کی بڑی خواہش تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ دو بیویاں کونسی تھیں جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا (مگر موقع نہیں ملتا تھا)

ایک بار جب حضرت عمرؓ حج کو گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ حج کو گیا اور (راستہ میں قضائے حاجت کی ضرورت ہوئی اور) آپ ایک طرف کو مڑ گئے میں بھی لوٹا لیے (راستہ چھوڑ کر) آپ کے ساتھ ایک طرف کو مڑ گیا آپ ضرورت پوری کر کے واپس آئے تو میں نے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور اس وقت کہا، "امیر المؤمنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ دو بیویاں کونسی تھیں جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔" اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا "۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا، "ابن عمر تیرے اوپر تعجب ہے وہ دونوں عائشہ اور حفصہ تھیں۔" پھر حضرت عمرؓ نے پوری سرگزشت بیان کی اور فرمایا: "میں اور بنی امیہ بن زید کے قبیلہ کا ایک انصاری جو عوالی مدینہ کا رہنے والا تھا باہم طے کر چکے تھے کہ باری باری ہم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہا کریں گے ایک دن میں ایک دن وہ، میری باری کے دن جو وحی نازل ہو یا کوئی دوسرا واقعہ ہو اس کی اطلاع میں اس انصاری کو کر دوں اور اس کی باری کے دن جو کچھ ہو وہ مجھ سے آکر بیان کر دے۔

ہمارا قریش کا گروہ اپنی عورتوں پر غالب رہتا تھا لیکن جب ہم مدینہ میں آئے تو ہم نے ایسے لوگ پائے جن کی عورتیں ان پر غالب تھیں ہماری عورتیں بھی انصاری عورتوں کی خوخصلت سیکھنے لگیں۔

ایک روز میں اپنی عورت پر چلایا اس نے بھی ویسا ہی (چلا کر) جواب دیا مجھے اس کا جواب دینا غیر معمولی معلوم ہوا، اُس نے کہا:

"آپ کو میرا جواب دینا کیوں ناگوار گزرا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتی ہیں بلکہ بعض عورتیں تو آج دن بھر شام تک حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑے رہی ہیں۔" (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام بھی نہیں کیا)

میں یہ بات سن کر گھبرا گیا، اور میں نے کہا نامراد رہے گی جو ایسا کرے گی، اس کے بعد میں نے کپڑے پہنے اور جا کر حفصہ کے پاس اُترا اور پوچھا: "کیا تم میں سے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی ناراض ہوتی ہے کہ دن بھر شام تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑے رکھتی ہے؟" حفصہ نے کہا "ہاں" میں نے کہا، تو ناکام ونامراد ہوگی (اگر تو نے ایسی حرکت کی) کیا تجھے ڈر نہیں لگتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی سے اللہ ناراض ہو جائے گا پھر تو تباہ ہو جائے گی (خبردار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ (مصارف) طلب نہ کرنا اور کسی معاملے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب نہ دینا اور آپ کو چھوڑے نہ رہنا (یعنی ترک کلام نہ کرنا) اور جو کچھ تجھے ضرورت ہو مجھ سے مانگ لینا، اور تجھے اس بات پر رشک نہ ہونا چاہئے کہ تیری ہمسائی تجھ سے زیادہ چمکیلی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھ سے زیادہ پیاری ہے یعنی حضرت عائشہؓ۔

حضرت عمر نے فرمایا اس زمانہ میں ہم باہم تذکرہ کرتے تھے کہ غسانیوں نے ہم سے لڑنے کے لیے اپنے گھوڑوں کی نعل بندی کرائی ہے ایک روز انصاری (دوست) اپنی باری کے دن (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا اور) عشاء کے وقت ہمارے پاس لوٹ آیا اور آتے ہی میرا دروازہ زور زور سے پیٹ ڈالا اور پوچھا کیا عمر ہے میں گھبرا کر فوراً باہر نکلا انصاری نے کہا آج ایک عظیم حادثہ ہوگیا میں نے کہا کیا ہوا کیا غسان (شاہ شام) آ گیا بولا اس سے بھی بڑا لمبا حادثہ ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیبیوں کو طلاق دے دی میں نے کہا حفصہ ناکام ونامراد ہوگئی، میرا تو پہلے ہی خیال تھا کہ عنقریب (شاید) ایسا ہوگا اس کے بعد میں نے کپڑے پہنے اور جا کر فجر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالا خانے پر تشریف لے گئے اور وہاں سب سے کنارہ کش ہو گئے اور میں حفصہ کے پاس گیا وہ رو رہی تھی میں نے کہا اب کیوں روتی ہے کیا میں نے تجھے پہلے ہی نہیں ڈرا دیا تھا کیا تم عورتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی بولی مجھے نہیں معلوم کیا وجہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے الگ بالا خانے پر گوشہ نشین ہو گئے ہیں میں حفصہ کے پاس سے نکل کر (مسجد کے) منبر کے پاس پہنچا، اس وقت منبر کے آس پاس کچھ لوگ بیٹھے رو رہے تھے میں بھی ان کے پاس تھوڑی دیر کیلئے بیٹھ گیا لیکن اندرونی غم کی وجہ سے مجھ سے وہاں زیادہ رکا نہ گیا، فوراً بالا خانے کی طرف آیا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گوشہ گیر تھے، میں نے غلام سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر کیلئے اجازت کی درخواست کر و غلام اندر گیا، اور پھر واپس آ کر غلام نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی تھی اور تمہارا تذکرہ کر دیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے مجبوراً میں واپس آ کر پھر منبر کے پاس ان لوگوں کے قریب بیٹھ گیا جو وہاں موجود تھے لیکن زیادہ دیر رُکا نہ گیا پھر جا کر اسی غلام سے کہا میرے لئے داخلہ کی استدعا کرو اس نے اندر جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کلام کیا اور کچھ دیر کے بعد واپس آ گیا اور بولا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارے داخلہ کی اجازت کی درخواست کی تھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے میں (مایوس ہوکر) لوٹ آیا اور انہی لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا جو منبر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے لیکن کچھ ہی دیر کے بعد اندرونی احساس کے غلبہ کی وجہ سے اٹھا اور غلام سے جا کر کہا عمر کیلئے اجازت کی درخواست کرو، غلام اندر گیا اور کچھ دیر کے بعد لوٹ کر آیا اور کہا میں نے تمہارا ذکر کیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے میں نے واپسی کیلئے پشت پھیری ہی تھی کہ اس غلام نے مجھے پکار کر کہا رسول اللہ نے تم کو داخل ہونے کی اجازت دے دی، یہ بات سن کر میں اندر چلا گیا میں نے دیکھا حضور ننگی چٹائی پر استراحت فرما ہیں جس کی وجہ سے پہلو پر چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں اور سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ ہے جس میں درخت کھجور کے ریشے بھرے ہوئے ہیں میں نے سلام کیا اور کھڑے کھڑے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیبیوں کو طلاق دے دی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف نظر اٹھائی اور فرمایا نہیں، اللہ اکبر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جھجک کو دور کرنے کیلئے میں نے کھڑے کھڑے ہی عرض کیا دیکھیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا قریش کا جتھا پہلے اپنی عورتوں پر غالب تھا لیکن مدینہ آنے کے بعد ہم نے ایسے لوگ پائے جن کی عورتیں ان پر غالب ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات سن کر مسکرا دیئے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ملاحظہ فرمایئے میں حفصہ کے پاس گیا تھا اور میں نے اس سے کہہ دیا کہ تجھے اس بات پر رشک نہ ہونا چاہئے کہ تیری ہمسائی تجھ سے زیادہ چمکیلی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات سن کر دوبارہ مسکرا دیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسکراتے دیکھ کر میں بیٹھ گیا اور نظر اٹھا کر گھر کے اندر کی چیزوں کو دیکھا، خدا کی قسم تین کچے چمڑوں کے علاوہ میں نے کوئی چیز قابل دید نہیں پائی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ سے دُعا کیجئے کہ آپ کی امت کو فراخ حالی حاصل ہو جائے روم اور فارس کو اللہ نے فراخ حال کیا ہے اور اُن کو دنیا عطا کی ہے باوجود یہ کہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تکیہ لگائے ہوئے تھے میری بات سنتے ہی بیٹھ گئے اور فرمایا ابن خطاب کیا تم اس خیال میں ہو ان لوگوں کو تو اللہ نے ان کی عمدہ (دل پسند) چیزیں دنیا میں دیدیں (آخرت میں اُن کا کوئی حصہ نہیں، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ میرے لیے دُعاء مغفرت فرمایئے بس یہی بات تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیوں سے الگ ہو کر گوشہ نشین ہو گئے تھے کیوں کہ حفصہ نے عائشہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راز کہہ دیا تھا۔

اللہ نے اپنے رسول پر عتاب کیا تھا اس لیے حضور اپنی بیبیوں سے سخت ناراض تھے اور عہد کیا تھا کہ میں ایک ماہ تک ان کے پاس نہیں جاؤں گا چنانچہ جب انتیس راتیں گذر گئیں تو سب سے پہلے عائشہؓ کے گھر تشریف لے گئے عائشہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو قسم کھائی تھی کہ ایک مہینہ تک آپ ہمارے (یعنی کسی بی بی) کے پاس تشریف نہیں لائیں گے لیکن آج تو انتیس کے بعد کی صبح ہے میں برابر گن رہی ہوں فرمایا مہینہ انتیس کا (بھی ہوتا) ہے واقعی وہ مہینہ انتیس (کا ہوا) تھا حضرت عائشہ کا بیان ہے اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی، نزول آیت کے بعد سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے (اور مجھے نکاح میں باقی رہنے یا آزاد ہو جانے کا اختیار دیا، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم (کے ساتھ رہنے) کو اختیار کیا پھر دوسری بیبیوں کو یہ ہی اختیار دیا اور سب نے اسی بات کو اختیار کیا جو عائشہؓ نے

اختیار کی تھی (یعنی کیسا ہی فقر وفاقہ ہو کسی بی بی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہونے کو پسند نہیں کیا) بخاری کی روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا، میں تجھ سے ایک بات کہتا ہوں بغیر ماں باپ کے مشورے کے فوری عجلت میں اس کا جواب دینا تیرے لئے لازم نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ میرے والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہونے کا مجھے مشورہ نہیں دیں گے، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ نے ارشاد فرمایا ہے يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ (دونوں آیات کے ختم تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمائی) میں نے عرض کیا کیا اس معاملہ میں میں والدین سے مشورہ کروں (اس کی کوئی ضرورت نہیں) میں اللہ کو اور اس کے رسول کو اور دارِ آخرت (کی بھلائی) کو چاہتی ہوں یہ حدیث بتا رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک ماہ تک اپنی بیبیوں سے کنارہ کش رہے اس کا سبب وہی افشاء راز تھا، حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز کہہ دیا تھا۔

لیکن مسلم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ داخلہ کی اجازت مانگنے کیلئے آئے آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں اور اجازت داخلہ کے امیدوار ہیں لیکن کسی کو اجازت نہیں دی گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو اجازت دے دی، آپ اندر چلے گئے کچھ دیر کے بعد حضرت عمرؓ آئے اور اجازتِ داخلہ کے خواستگار ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی اجازت دے دی حضرت عمرؓ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین خاموش بیٹھے ہیں، حضرت عمرؓ نے (اپنے دل میں) کہا میں کوئی ایسی بات کہوں جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آجائے چنانچہ کہنے لگے یا رسول اللہ اگر خارجہ کی بیٹی (یعنی میری بیوی) مجھ سے زیادتی خرچ کی طلب گار ہو تو میں اس کی گردن توڑ دوں گا یہ بات سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے اور فرمایا تم دیکھ رہے ہو کہ یہ عورتیں میرے گرداگرد جمع ہیں اور مجھ سے زیادتِ مصارف کی طلب گار ہیں یہ سنتے ہی حضرت ابوبکرؓ اٹھ کر حضرت عائشہؓ کی طرف بڑھے تا کہ ان کی گردن مروڑ دیں اور حضرت عمرؓ بھی حضرت حفصہؓ کی طرف بڑھے اور دونوں حضرات نے (اپنی اپنی بیٹیوں سے کہہ دیا کہ ہرگز کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کی طلب گار نہ ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ ہو، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیبیوں سے ایک ماہ یعنی انتیس رات تک کنارہ کش رہے پھر آیت تخییر نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور آیت تخییر کی تلاوت اُن کے سامنے کی)

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے یہ ہوسکتا ہے کہ ان تمام واقعات کا مجموعہ بیبیوں سے کنارہ کش ہونے کا سبب ہو، شہد کا قصہ، حضرت ماریہؓ کا واقعہ، حضرت حفصہ کا حضرت عائشہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کا اظہار، بیبیوں کی طرف سے وسعتِ نفقہ کی درخواست، حضرت زینب کی طرف سے تین بار ہدیہ کا واپس کرنا اور ہر مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہدیہ میں اضافہ کرنا جیسا کہ ابن سعد نے بطریق عمرہ بیان کیا ہے یہ تمام واقعات آگے پیچھے ہوتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضبط کرتے رہے اور درگذر فرماتے رہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق اور بلندی حوصلہ کا یہی تقاضہ تھا کہ جب یہ واقعات پیہم ہوتے رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے کنارہ کشی کر لی (مگر طلاق پھر بھی نہیں دی) اور پھر راضی ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ
اور اگر تم دونوں چڑھائی کرو گی اُس پر تو اللہ ہے اُس کا
مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ
رفیق اور جبرئیل اور نیک بخت ایمان والے
وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴿٤﴾
اور فرشتے اس کے پیچھے مددگار ہیں ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہے:

زوجین کے خانگی معاملات بعض اوقات ابتداً بہت معمولی اور حقیر نظر آتے ہیں لیکن اگر ذرا باگ ڈھیلی چھوڑ دی جائے تو آخر کار نہایت خطرناک اور تباہ کن صورت اختیار کر لیتے ہیں خصوصاً عورت اگر کسی اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو تو اس کو طبعاً اپنے باپ بھائی اور خاندان پر بھی گھمنڈ ہوسکتا ہے اس لیے متنبہ فرما دیا کہ دیکھو اگر تم دونوں اسی طرح کی کارروائیاں اور مظاہرے کرتی رہیں تو یاد رکھو ان سے پیغمبر کو کچھ ضرر نہیں پہنچے گا کیونکہ اللہ اور فرشتے اور نیک بخت ایماندار درجہ بدرجہ جس کے رفیق و مددگار ہوں اس کے سامنے کوئی انسانی تدبیر کامیاب نہیں ہوسکتی ہاں تم کو نقصان پہنچ جانے کا امکان ہے (تنبیہ) بعض سلف نے ''صالح المومنین'' کی تفسیر میں ابوبکرؓ و عمرؓ کا نام لیا ہے شاید یہ عائشہؓ اور حفصہؓ کی مناسبت سے ہوگا واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما:

حضرت ابن مسعود اور حضرت ابی بن کعب کا قول مروی ہے کہ صالح المؤمنین ابوبکر و عمر ہیں، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابوامامہ نے اس قول کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی کی ہے۔ ابن عمر، ابن عباس اور سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ یہ آیت ابوبکر اور عمر کے حق میں نازل ہوئی۔

ملائکہ وصالحین کی عزت افزائی:

مدد تو صرف اللہ ہی کی کافی ہے وہی تنہا مددگار اور ناصر ہے لیکن جبرئیل اور مؤمنین صالحین اور ملائکہ کا ذکر ان سب کی عزت افزائی اور عظمت ظاہر کرنے کیلئے کیا گیا۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ یعنی اللہ کی جبرئیل کی اور مؤمنین صالحین کی مدد کے بعد ملائکہ بھی اپنی پوری کثرت کے ساتھ مددگار ہیں آیت میں تینوں کی ترتیب ثابت کر رہی ہے کہ جبرئیل جو خواص ملائکہ میں سے ہیں عام انسانوں سے یعنی صالح مؤمنوں سے افضل ہیں اور عام انسان صالح مؤمن عام ملائکہ سے افضل ہیں۔

آیت ذیل کا شانِ نزول:

بخاری نے حضرت عمرؓ کی روایت حدیث میں بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا یا رسول اللہ عورتوں کے معاملہ میں آپ کیلئے کیا دشواری ہے اگر آپ اُن کو طلاق دیدیں گے تو (آپ کا کچھ نقصان نہ ہوگا کیوں کہ) اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اور فرشتے اور جبرئیل و میکائیل اور ابوبکر اور مؤمن بھی آپ کے ساتھ ہیں اللہ کا شکر ہے کہ میں نے جب کوئی بات کہی تو اللہ سے مجھے امید رہی کہ وہ میری بات کو سچا کر دے گا چنانچہ میرے اس کلام کے بعد آیت ذیل نازل ہوئی۔

عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ
اگر نبی چھوڑ دے تم سب کو ابھی اُس کا رب بدلے میں دے دے
اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ
اُس کو عورتیں تم سے بہتر حکمبردار یقین رکھنے والیاں
قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝
نماز میں کھڑی ہونیوالیاں توبہ کرنیوالیاں بندگی بجالانے والیاں روزہ رکھنے والیاں بیاہیاں اور کنواریاں ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کمی نہیں ہے:

یعنی یہ وسوسہ دل میں نہ لانا کہ آخر تو مرد کو بیبیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم سے بہتر عورتیں کہاں ہیں اس لیے ناگزیر ہماری سب باتیں سہی جائینگی۔ یاد رکھو اللہ چاہے تو تم سے بھی بہتر بیبیاں اپنے نبی کے لیے پیدا کر دیں اس کے ہاں کس چیز کی کمی ہے (تنبیہ) ثیبات (بیواؤں) کا ذکر شاید اس لیے کیا کہ بعض حیثیات سے آدمی ان کو ابکار پر ترجیح دیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مُسْلِمٰتٍ اللہ کی فرماں بردار۔

مُّؤْمِنٰتٍ پیغمبروں کی تصدیق کرنے والیاں

قٰنِتٰتٍ طاعت کی پابند یا نماز پڑھنے والیاں یا دُعاء کرنے والیاں، یا اللہ کے رسول کے حکم کی طرف لوٹنے والیاں۔

عٰبِدٰتٍ اللہ کی عبادت کرنے والیاں یا حکم رسول کے سامنے انتہائی عاجزی کا اظہار کرنے والیاں۔

سٰٓئِحٰتٍ روزے رکھنے والیاں (عموماً) سیاح کے پاس سیاحت میں کھانے پینے کا سامان نہیں ہوتا، کوئی دوسرا شخص (مفت یا مول) اس کو کچھ دیدے تو کھا پی لیتا ہے روزہ دار بھی دن بھر کھانے پینے سے افطار تک رُکا رہتا ہے (گویا سیاح اور صائم دونوں وقت خاص تک کھانے پینے سے رُکے رہتے ہیں ایک میسر ہونے کے وقت تک اور دوسرا وقت افطار تک) اسی لیے روزہ دار کو سائح کہا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت آسیہ اور حضرت مریم سے نکاح کی بشارت:

مجم طبرانی میں ابن یزید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے اس آیت میں جو وعدہ فرمایا ہے اس سے مراد بیوہ سے تو حضرت آسیہؓ ہیں جو فرعون کی بیوی تھیں اور کنواری سے مراد حضرت مریم ہیں جو حضرت عمران کی بیٹی تھیں ابن عساکر میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اس وقت حضرت خدیجہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا اللہ تعالیٰ (حضرت) خدیجہ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ انہیں خوشی ہو جنت کی ایک چاندی کے گھر کی جہاں نہ گرمی ہے نہ تکلیف ہے نہ شور و غل جو چھدے ہوئے موتی کا بنا ہوا ہے جس کے دائیں بائیں مریم بنتِ عمرانؓ اور آسیہ بنتِ مزاحم کے مکانات ہیں اور روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے خدیجہ اپنی سوکنوں سے میرا اسلام کہنا حضرت خدیجہؓ نے کہا یا رسول اللہ کیا مجھ سے پہلے بھی آپ نے کسی سے نکاح کیا تھا؟ آپ نے فرمایا نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے مریم بنت عمران اور آسیہ زوجۂ فرعون اور کلثم بہن موسیٰ کی یہ تینوں میرے نکاح میں دے رکھی ہیں یہ حدیث بھی ضعیف ہے حضرت امامہ سے ابویعلی میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا جانتے ہو اللہ تعالیٰ نے جنت میں میرا نکاح مریم بنت عمران کلثم اخت موسیٰ اور آسیہ زوجۂ فرعون سے کر دیا ہے میں نے کہا یا رسول اللہ آپ کو مبارک ہو، یہ حدیث بھی ضعیف ہے اور ساتھ ہی مرسل بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ
اے ایمان والو بچاؤ اپنی جان کو
وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ
اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے جس کی چھپٹیاں ہیں آدمی اور پتھر ☆

گھر والوں کی اصلاح کی ذمہ داری:

ہر مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کو بھی دین کی راہ پر

لائے سمجھا کر ڈرا کر، پیار سے مار سے، جس طرح ہو سکے دیندار بنانے کی کوشش کرے۔ اس پر بھی اگر وہ راہ راست پر نہ آئیں تو ان کی کمبختی، یہ بے قصور ہے "وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ" کی تفسیر پارہ "الٓمّٓ" کے شروع میں گزر چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اپنی جانوں کو بچاؤ یعنی فرائض ادا کرو اور گناہوں کو چھوڑ دو۔

وَاَهْلِيْكُمْ اور اپنے اہل وعیال کو بھی بچاؤ یعنی اُن کو (اسلامی) تعلیم دو اور (اسلامی) آداب سکھاؤ، اچھے کام کرنے کا حکم دو اور جن کاموں کی ممانعت کر دی گئی ہے اُن سے روکو۔

وَّقُوْدُهَا یعنی اس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جس طرح معمولی آگ لکڑی سے بھڑکتی ہے اسی طرح وہ (دوزخ کی) آگ (دوزخی) آدمیوں سے اور پتھروں سے بھڑکے گی۔ (تفسیر مظہری)

بیوی اور اولاد کی تعلیم وتربیت ہر مسلمان پر فرض ہے:

حضرات فقہاء نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنی بیوی اور اولاد کو فرائض شرعیہ اور حلال وحرام کے احکام کی تعلیم دے اور اُس پر عمل کرانے کیلئے کوشش کرے، ایک حدیث حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس شخص پر اپنی رحمت نازل کرے جو کہتا ہے کہ اے میرے بیوی بچو، تمہاری نماز، تمہارا روزہ، تمہاری زکوٰۃ، تمہارا مسکین، تمہارا یتیم، تمہارے پڑوسی، اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اس کے ساتھ جنت میں جمع فرمائیں گے تمہاری نماز، تمہارا روزہ وغیرہ فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کا خیال رکھو اس میں غفلت نہ ہونے پائے اور مسکینکم یتیمکم وغیرہ فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے جو حقوق تمہارے ذمہ ہیں ان کو خوشی اور پابندی سے ادا کرو اور بعض بزرگوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب میں وہ شخص ہوگا جس کے اہل وعیال دین سے جاہل و غافل ہوں (روح) (معارف القرآن مفتی اعظم)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں ارشاد خداوندی ہے کہ اپنے گھرانے کے لوگوں کو علم وادب سکھاؤ، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اللہ کے فرمان بجالاؤ اس کی نافرمانیاں مت کرو اپنے گھرانے کے لوگوں کو ذکر اللہ کی تاکید کرو تا کہ اللہ تمہیں جہنم سے بچالے، مجاہد فرماتے ہیں اللہ سے ڈرو اور اپنے گھر والوں کو بھی یہی تلقین کرو قتادہؒ فرماتے ہیں اللہ کی اطاعت کا حکم دو اور نافرمانیوں سے روکتے رہو ان پر اللہ کے حکم قائم رکھو اور انہیں احکام خدا بجالانے کی تاکید کرتے رہو نیک کاموں میں ان کی مدد کرو اور برے کاموں پر انہیں ڈانٹو ڈپٹو، ضحاکؒ ومقاتلؒ فرماتے ہیں ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنے رشتے کنبے کے لوگوں کو اور اپنے لونڈی غلام کو اللہ کے فرمان بجالانے کی اور اس کی نافرمانیوں سے روکنے کی تعلیم دیتا رہے مسند احمد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب بچے سات سال کے ہو جائیں انہیں نماز پڑھنے کو کہتے سنتے رہا کرو، جب دس سال کے ہو جائیں اور نماز میں سستی کریں تو انہیں مار دھمکا کر پڑھاؤ، یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ
اُس پر مقرر ہیں فرشتے تند خو زبردست ☆

دوزخ کے فرشتوں کی طاقت:

یعنی مجرموں کو نہ رحم کھا کر چھوڑیں نہ اُن کی زبردست گرفت سے کوئی چھوٹ کر بھاگ سکے۔ (تفسیر عثمانی)

مَلٰٓئِكَةٌ یعنی وہ فرشتے جو دوزخ کے کارندے ہیں۔

غِلَاظٌ دوزخیوں کیلئے سخت خو

شِدَادٌ طاقت ور قوی، اتنے زور آور کہ ایک ہی مرتبہ میں ایک فرشتہ ستر ہزار کو دوزخ میں پھینک دے گا دوزخ کے فرشتوں کو زبانیہ کہا جاتا ہے۔ ضیاء مقدسی کی روایت ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا، میں نے خود سنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جہنم کے پیدا ہونے سے ہزار برس پہلے جہنم کے فرشتوں کو پیدا کیا گیا پھر ہر روز اُن کی قوت بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ جن پر ان کا مسلط کیا گیا ہے، ان کو پیشانی کے بالوں اور قدموں سے پکڑ کر چلاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ
نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جو بات فرمائے اُن کو
وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۞
اور وہی کام کرتے ہیں جو اُن کو حکم ہو ☆

فرشتوں کی اطاعت شعاری:

یعنی نہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں نہ اس کے احکام بجالانے میں سستی اور دیر ہوتی ہے نہ امتثال حکم سے عاجز ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ
اے منکر ہونے والو مت بہانے بتلاؤ آج کے دن
اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞
وہی بدلہ پاؤ گے جو تم کرتے تھے ☆

قیامت میں کوئی بہانہ نہ چلے گا:

یعنی قیامت کے دن جب جہنم کا عذاب سامنے ہوگا اس وقت منکروں سے کہا جائیگا کہ حیلے بہانے مت بتلاؤ۔ آج کوئی بہانہ چلنے والا نہیں بلکہ جو کچھ کرتے تھے اس کی پوری پوری سزا بھگتنے کا دن ہے۔ ہماری طرف سے کوئی ظلم زیادتی نہیں تمہارے ہی اعمال ہیں جو عذاب کی صورت میں نظر آرہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى
اے ایمان والو توبہ کرو اللہ
اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ
کی طرف صاف دل کی توبہ ☆

توبۂ نصوح: صاف دل کی توبہ یہ کہ دل میں پھر اس گناہ کا خیال نہ رہے۔ اگر توبہ کے بعد ان ہی خرافات کا خیال پھر آیا سمجھو کہ توبہ میں کچھ کسر رہ گئی ہے اور گناہ کی جڑ دل سے نہیں نکلی۔ "رزقنا الله منها حظاوافرا بفضله وعونه وهو على كل شيء قدير". (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے عمرو نے کہا توبہ نصوح یہ ہے کہ گناہ سے توبہ کرلے پھر گناہ کی طرف دوبارہ نہ لوٹے جیسے دودھ لوٹ کر تھن میں نہیں جاتا ہے۔

حسن نے کہا توبۂ نصوح یہ ہے کہ پچھلے گناہوں پر پشیمان ہو اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلے۔

کلبی نے کہا توبۂ نصوح چار چیزوں کا مجموعہ ہے، زبان سے استغفار، اعضاء بدن کو (گناہوں سے) روکنا، دوبارہ نہ کرنے کا دل سے عہد اور (برے) بدکار دوستوں کو چھوڑ دینا۔

عَسٰى رَبُّكُمْ اس آیت میں گناہوں کو معاف کرنے کی امید دلائی گئی ہے اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ توبہ بجائے خود گناہوں کی معافی کی موجب نہیں، اللہ (مختار کامل ہے اس) پر کچھ واجب نہیں بندے کو امید وبیم کی حالت میں رہنا چاہئے۔

نیکیوں اور نعمتوں کا موازنہ:

بزار نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن آدمی کے تین رجسٹر ہوں گے ایک رجسٹر میں اُس کے نیک اعمال کا اندراج ہوگا دوسرے رجسٹر میں اس کے گناہ لکھے ہوئے ہوں گے اور تیسرے میں اللہ کی نعمتیں درج ہوں گی رجسٹر میں مندرجہ نعمتوں میں سے سب سے چھوٹی نعمت سے اللہ فرمائے گا کہ اس آدمی کے نیک اعمال میں سے تیرے مساوی جو عمل ہو اس کو لے لے وہ نعمت تمام نیک اعمال کو لے لے گی اور عرض کرے گی تیری عزت کی قسم ابھی تو میں نے اپنا پورا معاوضہ لیا بھی نہیں کہ تمام نیکیاں ختم ہوگئیں اور گناہ (تو سب کے سب) باقی ہیں، پھر جب اللہ بندہ پر رحم کرنا چاہے گا تو فرمائے گا میرے بندے میں نے تیری نیکیاں بڑھا کر چند گنا کردیں اور تیری بداعمالیوں سے درگذر کی اور اپنی نعمت تجھے بخشدی۔

نجات اللہ کی رحمت سے ہوگی:

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کو اس کا عمل ہرگز نجات (دوزخ سے حفاظت) نہیں دے گا صحابہ نے عرض کیا آپ کو بھی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایا مجھے بھی نہیں، سواء اس کے کہ اللہ اپنی رحمت اور فضل سے مجھے ڈھانک لے (اور کوئی نجات کا ذریعہ نہیں) اس موضوع کی احادیث بہت آئی ہیں۔

اعمال پر بھروسہ نہ کرلو:

ابونعیم نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے انبیاء بنی اسرائیل میں سے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی کہ تمہاری امت میں جو اہل طاعت ہیں ان سے کہہ دو کہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کرلیں کیوں کہ قیامت کے دن جس بندہ کو میں حساب فہمی کیلئے کھڑا کروں گا (اور اس سے محاسبہ کروں گا) اور اس کو عذاب دینا چاہوں گا تو (اس سے سخت حساب لوں گا اور اس کو عذاب دوں گا اور اپنی امت کے گناہ گاروں سے کہہ دو کہ وہ مایوس نہ ہوں، میں بڑے گناہ معاف کردوں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ (تفسیر مظہری)

ندامت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نادم ہونا بھی توبہ کرنا ہے۔

توبہ خدا اور رسول کی رضا کا سبب ہے

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں ہمیں کہا گیا تھا کہ اس امت کے آخری لوگ قیامت کے قریب کیا کیا کام کریں گے؟ ان میں ایک یہ ہے کہ انسان اپنی بیوی یا لونڈی سے اس کے پاخانہ کی جگہ میں وطی کرے گا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق حرام کردیا ہے اور جس فعل پر خدا اور اس کے رسول کی ناراضگی ہوتی ہے اسی طرح مرد مرد سے بدفعلی کریں گے جو باعث ناراضگی خدا اور رسول خدا ہے ان لوگوں کی نماز بھی خدا کے ہاں مقبول نہیں جب تک کہ یہ توبہ نصوح نہ کریں۔

توبہ نصوح: حضرت زرؒ نے حضرت ابی سے پوچھا توبہ نصوح کیا ہے فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا تھا تو فرمایا قصور سے گناہ ہو گیا پھر اس پر نادم ہونا، اللہ تعالیٰ سے معافی چاہنا اور پھر اس گناہ کی طرف مائل نہ ہونا، حسنؒ فرماتے ہیں توبۂ نصوح یہ ہے کہ جیسے گناہ کی محبت تھی ویسا ہی بغض دل میں بیٹھ جائے اور جب وہ گناہ یاد آئے اس سے استغفار ہو جب کوئی شخص توبہ کرنے پر پختگی کرلیتا ہے اور اپنی توبہ پر جما رہتا ہے تو اللہ تعالےٰ

اس کی تمام اگلی خطائیں مٹا دیتا ہے جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اسلام لانے سے پہلے کی تمام خطائیں اسلام فنا کر دیتا ہے اور توبہ سے پہلے کی تمام خطائیں توبہ سوخت کر دیتی ہے، اب رہی یہ بات کہ توبۂ نصوح میں یہ شرط بھی ہے کہ توبہ کرنے والا پھر مرتے دم تک اس گناہ کو نہ کرے جیسے کہ احادیث و آثار ابھی بیان ہوئے جن میں ہے کہ پھر کبھی نہ کرے، یا صرف اس کا عزم راسخ کافی ہے کہ اسے اب کبھی نہ کروں گا، گو یا پھر بمقتضائے بشریت بھولے چوکے ہو جائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ آدمی اپنے گزشتہ عمل پر نادم ہو اور پھر اس کی طرف نہ لوٹنے کا پختہ ارادہ اور عزم رکھتا ہو اور کلبی نے فرمایا کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ زبان سے استغفار کرے اور دل میں نادم ہو اور اپنے بدن اور اعضاء کو آئندہ اُس گناہ سے روکے۔

توبہ کے چھ ارکان:

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے سوال کیا گیا کہ توبہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جس میں چھ چیزیں جمع ہوں۔

(۱) اپنے گزشتہ بُرے عمل پر ندامت۔ (۲) جو فرائض و واجبات اللہ تعالیٰ کے چھوٹے ہیں اُن کی قضاء۔ (۳) کسی کا مال وغیرہ ظلماً لیا تھا تو اس کی واپسی۔ (۴) کسی کو ہاتھ یا زبان سے ستایا اور تکلیف پہنچائی تھی تو اس سے معافی۔ (۵) آئندہ اُس گناہ کے پاس نہ جانے کا پختہ عزم و ارادہ۔ (۶) اور یہ کہ جس طرح اُس نے اپنے نفس کو اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھا ہے اب وہ اطاعت کرتے ہوئے دیکھ لے۔ (مظہری) (معارف القرآن مفتی اعظم)

توبۃ النصوح کی تفسیر:

(حافظ ابن جریر نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے تھے کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا فرما رہے تھے يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ انسان گناہ کرلے تو اس سے تائب ہو اور اس طرح کہ پھر گناہ دوبارہ نہ کرے سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اس عزم و ارادہ کے ساتھ توبہ کرلے کہ پھر یہ گناہ نہیں کرے گا اس طرح کبار تابعین وائمہ سے منقول ہے اور ظاہر ہے کہ یہ عزم اور پختہ ارادہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب انسان کو کئے ہوئے گناہ پر ندامت ہو اسی وجہ سے بعض روایات میں ہے التوبۃ الندم کہ توبہ ندامت کا نام ہے۔)

(حسن بصری فرمایا کرتے تھے توبۂ نصوح یہ ہے کہ تم گناہ سے توبہ کے بعد گناہ سے اتنی ہی نفرت کرنے لگو جس قدر تم کو اس سے پہلے اس گناہ کی رغبت تھی اور جب اس گناہ کا خیال آئے اس سے بارگاہِ خداوندی میں استغفار کرو۔ احادیث صحیحہ میں ہے توبہ انسان کے گناہوں کو اس طرح مٹاتی ہے جس طرح کہ اسلام اس سے قبل کے گناہوں اور خطاؤں کو مٹاتا ہے احادیث میں سید الاستغفار کے کلمات اسی حقیقت کو واضح کر رہے ہیں بندہ حق تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار و اعتراف کرتے ہوئے ایک طرف اس کے انعامات کا تصور کرے دوسری طرف اپنی خطاؤں اور تقصیرات کو دیکھے یقیناً اس پر ایک ندامت و شرمندگی کی کیفیت قلب میں پیدا ہوگی اس ندامت کے ساتھ اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنا اور آئندہ کیلئے اپنے رب سے عہد کرنا کہ پھر آئندہ حتی الامکان میں اس طرح کی غلطی نہ کروں گا اور اس پر خدا سے مدد مانگے اور اپنی ہمت و کوشش اسی پر صرف کرے تو انشاء اللہ یہ توبۃ النصوح ہوگی اور امید ہے اس پر وہی ثمرات مرتب ہوں گے جن کا وعدہ حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ
اُمید ہے تمہارا رب اتار دے تم پر سے تمہاری برائیاں
وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
اور داخل کرے تم کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں
الْاَنْهٰرُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ
نہریں جس دن کہ اللہ ذلیل نہ کرے گا نبی کو
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ
اور ان لوگوں کو جو یقین لائے ہیں اس کے ساتھ ☆

نبی کے ساتھی:

یعنی نبی کا تو کہنا کیا، اُس کے ساتھیوں کو بھی ذلیل نہ کریگا بلکہ نہایت اعزاز و اکرام سے فضل و شرف کے بلند مناصب پر سرفراز فرمائے گا۔

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ
اُن کی روشنی دوڑتی ہے ان کے آگے اور اُن کے داہنے ☆

اس کا بیان سورۂ "حدید" میں ہو چکا۔ (تفسیر عثمانی)

مؤمنوں کو رسوا نہ کرنے کی علت:

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى یہ رسوا نہ کرنے کی علت ہے پل صراط پر مؤمنوں کے آگے آگے اور داہنے جانب نور دوڑتا ہوگا اور جب وہ منافقوں کے نور کو بجھتا دیکھیں گے تو کہیں گے اے ہمارے رب! ہم کو ہمارا پورا نور عطا کر۔ حسب تفاوتِ اعمال انوار میں تفاوت ہوگا، اس لیے وہ نورِ کامل کی درخواست کریں گے۔ (تفسیر مظہری)

میدان حشر میں اہل ایمان کا نور:

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ، یہ اہل ایمان کے نور کا بیان ہے جو قیامت کے روز پل صراط پر بھی ہوگا ان کے آگے اور ان کے دائیں جانب ۔ یہ نور دراصل اسی نور کا ثمرہ ہوگا جو روز عہد الست اولادِ آدم کی پشت سے نکالی گئی تو ان پر اللہ نے اپنا نور ڈالا جس کسی کو وہاں وہ نور پہنچ گیا دنیا میں اس کو نور ہدایت حاصل ہوا اسی نور کو ان الفاظ میں تعبیر فرمایا گیا اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ اور یہی وہ حقیقت ہے جس کو فرمایا گیا اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ یہی نور مؤمن کی قبر میں ہوگا اور پھر یہی نور میدانِ حشر میں اس کے ساتھ ہوگا جس کو اس آیت مبارکہ میں بیان فرمایا گیا گویا بدءِ تخلیق سے لے کر عالم حشر تک نورِ ہدایت کا سلسلہ اس طرح مربوط ہے، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز میں ہی پہلا سب سے پہلا وہ شخص ہوں گا جس کو سجدہ کی اجازت دی جائے گی اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں گا جس کو سجدہ سے سر اُٹھانے کی اجازت دی جائے گی تو پھر میں دیکھوں گا اپنے سامنے تو اپنی امت کو پہچانوں گا دوسری تمام امتوں کے درمیان، پھر دائیں طرف دیکھوں گا تو بھی تمام امتوں کے درمیان اپنی امت کو پہچان لوں گا پھر اپنے بائیں جانب دیکھوں گا تب بھی اپنی امت کو دوسری تمام امتوں کے درمیان پہچان لوں گا آپ نے فرمایا میری امت کے لوگ روشن پیشانیوں اور سفید قدم والے ہوں گے وضو کے آثار سے، اس قسم کی شان کسی بھی قوم کی نہ ہوگی تمام امتوں میں سے اور میں ان کو اس طرح بھی پہچانوں گا کہ ان کے دائیں ہاتھ میں ان کے نامہائے اعمال دیئے جائیں گے اور میں ان کو اس طرح بھی پہچانوں گا کہ ان کا نور ان کے آگے آگے ہوگا۔ (معارف کاندھلویؒ)

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا
کہتے ہیں اے رب ہمارے پوری کر دے ہم کو ہماری روشنی اور معاف کر ہم کو

اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۸﴾
بیشک تو سب کچھ کر سکتا ہے ☆

ایمان کے نور کا اتمام:

یعنی ہماری روشنی آخر تک قائم رکھیے بجھنے نہ دیجئے جیسے منافقین کی نسبت سورہ "حدید" میں بیان ہو چکا کہ روشنی بجھ جائیگی اور اندھیرے میں کھڑے رہ جائینگے مفسرین نے عموماً یہی لکھا ہے لیکن حضرت شاہ صاحب "اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا" کی مراد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ روشنی ایمان کی دل میں ہے دل سے بڑھے تو سارے بدن میں پھر گوشت پوست میں (سرایت کرے)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ
اے نبی لڑائی کر منکروں سے

وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ
اور دغا بازوں سے اور سختی کر اُن پر ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ونرمی:

حضرت کا خلق اور نرم خوئی یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ اوروں کو فرماتا ہے تحمل کرو۔ اور آپ کو فرماتا ہے کہ سختی کرو۔

جَاهِدِ الْكُفَّارَ ۔ یعنی تلوار سے اور دلائل سے کافروں اور منافقوں کے مقابلہ کی کوشش کرو ان کا رد کرو اور اُن کا نفاق ظاہر ہو جائے تو ان کو رسوا کرو اور جہاد میں سختی کرو، اُن پر رحم نہ کرو۔ (تفسیر مظہری)

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۹﴾
اور اُن کا گھر دوزخ ہے اور بُری جگہ جا پہنچے ☆

پہلے مومنین کا ٹھکانا بتلایا تھا یہاں ان کے بالمقابل کفار ومنافقین کا گھر بتلا دیا۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ
اللہ نے بتلائی ایک مثل منکروں کے واسطے عورت

نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ
نوح کی اور عورت لُوط کی گھر میں تھیں دونوں دو نیک بندوں کے

مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ
ہمارے نیک بندوں میں سے پھر انہوں نے اُن سے چوری کی پھر وہ

يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا
کام نہ آئے ان کے اللہ کے ہاتھ سے کچھ بھی اور حکم ہوا کہ چلی جاؤ

النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا
دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ اور اللہ نے بتلائی ایک مثل

لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ
ایمان والوں کیلئے عورت فرعون کی ☆

نہ خاوند بچا سکتا ہے نہ بیوی:

یعنی حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کیسے نیک بندے مگر دونوں کے گھر میں ان کی بیویاں منافق تھیں بظاہر ان کے ساتھ تعلق تھا لیکن دل سے کافروں

کے شریک حال تھیں۔ پھر کیا ہوا؟ عام دوزخیوں کے ساتھ ان کو بھی اللہ نے دوزخ میں دھکیل دیا پیغمبروں کا رشتہ زوجیت ذرا بھی عذاب الٰہی سے نہ بچا سکا ان کے برعکس فرعون کی بیوی حضرت آسیہ بنت مزاحم پکی ایماندار، ولی کامل، اوراس کا شوہر خدا کا سب سے بڑا باغی وہ نیک بیوی میاں کو خدا کے عذاب سے نہ چھڑا سکی۔ نہ میاں کی شرارت وبغاوت کے جرم میں بیوی کو کچھ آنچ پہنچی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''یعنی اپنا ایمان درست کرو نہ خاوند بچا سکے نہ جورو یہ (قانون عام طور پر) سب کو سنا دیا یہ وہم نہ کیا جائے کہ (معاذ اللہ) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں پر کہا ان کے لیے تو وہ کہا ہے (جو سورہ ''نور'' میں ہے) ''اَلطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ'' اور اگر بفرض محال ایسا وہم کیا جائے تو ''امراۃ فرعون'' کی مثال کس پر چسپاں کرو گے'' **لاحول ولاقوۃ الا باللہ**. (تفسیر عثمانی)

حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویاں:

حضرت نوحؑ کی بی بی کا نام واعلہ تھا اور حضرت لوطؑ کی بی بی واہلہ تھی، اللہ نے بطور مثال ان دو عورتوں کا تذکرہ یہ بتانے کیلئے کیا کہ کافروں کا رشتہ قرابت یہاں تک کہ رشتہ زوجیت بھی اگر پیغمبروں سے ہو تو کافروں کیلئے وہ بے سود ہے پیغمبروں کی قرابت اور زوجیت بھی کام نہیں آسکتی، یہ تنبیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ قرابت رکھنے والوں کو ہے کہ کفر کی حالت میں پیغمبرؑ بھی تمہارے کام نہیں آسکتے۔

حضرت ابن عباس نے کہا کسی نبی کی بی بی نے بدکاری اور زنا نہیں کی۔ نوحؑ اور لوطؑ کی بیبیوں کے خیانت کرنے کا یہ معنی ہے کہ وہ عورتیں ان پیغمبروں کے دین پر نہیں تھیں حضرت نوحؑ کی بی بی لوگوں سے کہتی تھی نوح دیوانہ ہے اگر حضرت نوحؑ پر کوئی ایمان لے آتا تھا تو وہ قوم والوں کو خبر پہنچا دیتی تھی اور حضرت لوطؑ کی بی بی حضرت کے مہمانوں کی اطلاع قوم والوں کو دے دیتی تھی اگر کوئی مہمان رات کو آتا تو وہ روشنی کر دیتی تھی تا کہ روشنی دیکھ کر لوگ سمجھ جائیں کہ لوطؑ کے گھر مہمان آیا ہے اور اگر دن میں کوئی مہمان اترتا تو دھونی دے دیتی تا کہ مہمان کی آمد کی اطلاع ہو جائے۔

کلبی نے کہا خیانت کرنے کا یہ معنی ہے کہ انہوں نے دلوں میں نفاق چھپا رکھا تھا اور بظاہر مؤمن تھیں۔

فَلَمْ يُغْنِيَا یعنی یہ پیغمبر بھی اللہ کے عذاب کو دفع نہ کر سکے یا حق زوجیت کسی قسم کا فائدہ نہ پہنچا سکے۔

وَّقِيْلَ اور دونوں عورتوں سے اُن کے مرنے کے وقت کہا گیا یا قیامت کے دن کہا جائے گا۔

مَعَ الدّٰخِلِيْنَ یعنی ان کافر دوزخیوں کے ساتھ جن کا انبیاء سے یا کسی بھی مؤمن سے رشتہ قرابت وزوجیت باقی نہیں رہا۔

اس آیت میں اللہ نے ان کافروں کی امید کو منقطع کر دیا جو آس لگائے ہوئے تھے کہ دوسروں کا ایمان ان کو فائدہ پہنچائے گا اس سے اگلی آیت میں بتایا کہ اگر بندۂ مؤمن ہے تو دوسروں کا کفر اس کو کسی طرح کا ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

فرعون کی بیوی:

اِمْرَاَتَ فِرْعَوْنَ فرعون کی بی بی کا نام آسیہ بنت مزاحم تھا فرعون جو دشمن خدا تھا ان کا شوہر تھا لیکن فرعون کے کافر ہونے کا کوئی ضرر ان کو نہیں پہنچا (یہ مخلص مومنہ اور اللہ کی مقبول بندی تھیں)

اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ جادوگروں پر غالب آگئے تو اس سے متاثر ہو کر آسیہ ایمان لے آئیں (اور حضرت موسیٰ کی سچائی کا ان کو یقین ہو گیا) فرعون کو جب اُن کے مسلم ہو جانے کی اطلاع ملی تو اس نے آپ کو دھوپ میں ڈالوکر چومیخا کرا دیا، سلیمان کا بیان ہے کہ فرعون کی بی بی کو دھوپ میں ڈلوا کر (طرح طرح کی) ایذائیں دی جاتی تھیں لیکن جب فرعون کے کارندے واپس چلے جاتے تھے تو فرشتے آسیہ پر سایہ کر لیتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ
جب بولی اے رب بنا میرے واسطے اپنے پاس ایک
بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ
گھر بہشت میں ☆

حضرت آسیہ کی دُعاء:

یعنی اپنا قرب عنایت فرما، اور بہشت میں میرے لئے مکان تیار کر۔ (تفسیر عثمانی)

عِنْدَكَ تیرے پاس اللہ ہر (قریب اور بعید) مکان سے پاک ہے اس لیے اس کا قرب بے کیف ہے (اس کے قرب کی کیفیت نہیں بیان کی جا سکتی)

بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ اللہ نے آسیہ کا جنتی مکان اسی زندگی میں ان کو دکھا دیا تھا بذریعۂ کشف انہوں نے اپنا جنتی مکان دیکھ لیا تھا۔

مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ یعنی ان لوگوں سے نجات دے جنہوں نے کفر و معصیت کر کے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور اللہ کے بندوں کو عذاب دیتے اور ان پر ظلم کرتے ہیں، مطلب یہ کہ ان قبطیوں سے نجات دے جو فرعون کے تابع ہیں۔

اس قصہ کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے کہ فرعون نے ایک بڑا پتھر آسیہ کے اوپر ڈال دینے کا حکم دیا، حسب الحکم جب اُن پر ڈالنے کیلئے ایک عظیم پتھر لایا گیا تو انہوں نے کہا رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ دعا کرنی تھی کہ انہوں نے اپنا ہوتی کا گھر جنت میں دیکھ لیا اور روح بدن سے پرواز کر گئی جب پتھر ان پر ڈالا گیا تو نعش بے جان تھی، پتھر کے نیچے دبنے کی کوئی اذیت ان کو نہیں پہنچی۔

حسن نے بیان کیا اللہ نے فرعون کی بی بی کو جنت کی طرف اٹھا لیا تھا وہ جنت میں کھاتی پیتی ہیں (یعنی فرعون کو ان پر قدرت ہی حاصل نہیں ہوئی) (تفسیر مظہری)

فرعون کی بیوی ایمان لے آئی اور فرعون جس قدر ستاتا ایذائیں پہنچاتا ان کے ایمان میں اور اضافہ ہوتا اس حالت میں جبکہ فرعون کی ایذائیں حد سے بڑھ چکی تھیں تو آسیہ کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ، بیان کیا کہ جس وقت فرعون ان کے ہاتھ اور پاؤں میں میخیں پیوست کر رہا تھا اللہ رب العزت نے آسیہ کا وہ محل جو جنت میں ان کے واسطے تھا وہ ظاہر کر دیا جس کو دیکھتے ہی فرط مسرت سے ہنسنے لگیں اس پر کمبخت فرعون کہنے گا! دیکھو یہ کیسی دیوانی عورت ہے میں اس کو عذاب دے رہا ہوں اور یہ ہنس رہی ہے ابوالعالیہ بیان کرتے ہیں اللہ نے ان کی روح اس طرح قبض کی کہ وہ جنت میں تھیں۔ رضی اللہ عنہا۔

باکمال خواتین:

مُرّۃ الہمدانی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كَمُلَ مِنَ الرجال كثير ولم يكمل من النساء اِلَّا آسيةُ امْرأة فرعون و مريم ابنة عمران و خديجة بِنتُ خويلد

کہ مردوں میں سے تو بہت سے لوگ باکمال ہوئے لیکن عورتوں میں کمال اور ایمانی عظمت حاصل کرنے والی صرف آسیہ فرعون کی بیوی اور مریم بنت عمران اور رام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنھن ہیں۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ
اور بچا نکال مجھ کو فرعون سے اور اس کے کام سے
وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ⑪
اور بچا نکال مجھ کو ظالم لوگوں سے ☆

فرعون کی ستم رسانی:

یعنی فرعون کے پنجہ سے چھڑا اور اس کے ظلم سے نجات دے۔ حضرت موسیٰ کو انہوں نے پرورش کیا تھا اور ان کی مددگار تھیں۔ کہتے ہیں کہ فرعون کو جب حال کھلا تو ان کو چومیخا کر کے طرح طرح کی ایذائیں دیتا تھا۔ اس حالت میں اللہ کی طرف سے جنت کا محل ان کو دکھلایا جاتا جس سے سب سختیاں آسان ہو جاتی تھیں۔ آخر فرعون نے ان کو سیاسۃً قتل کر دیا اور جام شہادت نوش کر کے مالک حقیقی کے پاس پہنچ گئیں۔ حدیث صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کامل ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ اور حضرت مریم کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے ہزاراں ہزار رحمتیں ہوں اس پاک روح پر۔ (تفسیر عثمانی)

وَعَمَلِهٖ اور اس کے عمل سے مجھے نجات دے یعنی اس کی سخت ایذا رسانی سے نجات دے مقاتل نے کہا عمل فرعون سے مراد شرک ہے، ابوصالح کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا فرعون کے کارندے مراد ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ
اور مریم بیٹی عمران کی
اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا
جس نے روکے رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو ☆

یعنی حلال و حرام سے محفوظ رکھا۔

فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ
پھر ہم نے پھونک دی اُس میں ایک اپنی طرف سے جان ☆

حضرت مریم علیہ السلام کو استقرارِ حمل:

یعنی فرشتہ کے ذریعہ سے ایک روح پھونک دی۔ حضرت جبریل نے گریبان میں پھونک ماری جس کا نتیجہ استقرار حمل ہوا اور حضرت مسیح پیدا ہوئے (تنبیہ) نفخ کی نسبت اپنی طرف اس لیے کی کہ فاعل حقیقی اور مؤثر علی الاطلاق وہی ہے آخر ہر عورت کے رحم میں جو بچہ بنتا ہے اس کا بنانے والا اس کے سوا کون ہے بعض محققین نے یہاں "فَرْج" کے معنی چاک گریبان کے لیے ہیں اس وقت "اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا" کے معنی یہ ہونگے کہ کسی کا ہاتھ اپنے گریبان تک نہیں پہنچنے دیا اور یہ نہایت بلیغ کنایہ انکی عصمت وعفت سے ہوگا۔ جیسے ہمارے محاورات میں کہتے ہیں کہ فلاں عورت بہت پاک دامن ہے اور عرب میں کہا جاتا ہے "نقی الجیب طاہر الذیل" اس سے عفیف النفس ہونا مراد ہوتا ہے کپڑے کا دامن مراد نہیں ہوتا اس تقدیر "فَنَفَخْنَا فِيْهِ" میں ضمیر لفظ "فرج" کی طرف اس کے لغوی معنی کے اعتبار سے راجع ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ
اور سچا جانا اپنے رب کی باتوں کو اور اُس کی کتابوں کو ☆

رب کی باتیں وہ ہونگی جو فرشتوں کی زبانی سورہ آل عمران میں بیان ہوئی ہیں "وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ" الخ اور کتابوں سے عام کتب سماویہ مراد لی جائیں تخصیص کی ضرورت نہیں۔

وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝

اور وہ تھی بندگی کرنیوالوں میں ☆

یعنی کامل مردوں کی طرح بندگی و طاعت پر ثابت قدم تھی یا یوں کہو کہ قانتین کے خاندان سے تھی۔

تم سورة التحريم ولله الحمد والمنته به التوفيق والعصمته

(تفسیر عثمانی)

حضرت عائشہؓ کی فضیلت:

حضرت ابوموسیٰ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کامل مرد تو بہت ہیں کامل عورتیں سوا آسیہ زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران اور اور کوئی نہیں اور عائشہؓ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے دوسرے کھانوں پر ثرید کی برتری۔

رواہ احمد والشیخان فی الصحیحین والترمذی وابن ماجہ، ثعلبی اور ابونعیم کی روایت میں حدیث مذکور بالفاظ ذیل آئی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کامل مرد تو بہت ہیں کامل عورتیں صرف چار ہیں، آسیہ بنت مزاحم زوجہ فرعون، مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے کھانوں پر ثرید کی برتری۔

اَلَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا یعنی مردوں سے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا۔

فَنَفَخْنَا ہم نے پھونک دی یعنی ہمارے حکم سے جبرئیلؑ نے مریمؑ کے گریبان میں پھونک دیا جس کا اثر شرمگاہ تک پہنچا اور مریم حاملہ ہوگئی بندوں کے تمام افعال کا خالق اللہ ہی ہے اور اللہ کے حکم سے ہی جبرئیل نے پھونکا تھا اور پھونک کا خالق اللہ ہی تھا اس لیے پھونک کی نسبت بجائے جبرئیلؑ کے اپنی طرف کردی۔

مِنْ رُّوْحِنَا مِن زائد ہے، بغیر کسی کے توسط کے اللہ نے روح کو پیدا کیا پس تخلیقِ روح کا تعلق براہِ راست اللہ سے ہوا، اخفش کے نزدیک کلام مثبت ہے اور مِن زائد ہے لیکن سیبویہ کے نزدیک اس جگہ مِن تبعیضیہ ہے جیسے یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ میں مِنْ بعضیہ ہے یعنی کچھ گناہ اللہ معاف فرمادے گا۔

بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا کلمات سے مراد ہیں وہ صحیفے جو انبیاء پر نازل ہوئے یا وحی انبیاء مراد ہے دونوں صورتوں میں اللہ کے بھیجے ہوئے قوانین اور شریعتیں مراد ہوں گی جو اللہ نے بندوں کیلئے نازل فرمائیں۔

وَكُتُبِهٖ یعنی لوحِ محفوظ کی تحریریں یا وہ کتابیں جو اللہ نے پیغمبروں پر نازل کیں۔ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ یعنی مریم ان لوگوں میں سے تھیں جو اطاعت شعار اور عبادت گذار اور پابند طاعت ہیں، قانتین (بصیغہ جمع مذکر) کا استعمال تغلیباً ہے (عورتیں بھی قانت ہوتی ہیں اور مرد بھی صراحۃً مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا ضمناً عورتیں بھی اس کے اندر آگئیں)

میں کہتا ہوں کامل ہونے سے مراد غالباً کمالاتِ نبوت تک پہنچنا ہے صحیحین کی روایت میں گویا اقوامِ گذشتہ کی خبر دی گئی ہے کیوں کہ ان میں (کامل مرد یعنی) انبیاء بکثرت ہوئے اور کمالاتِ نبوت تک پہنچنے والی گذشتہ امتوں میں صرف آسیہ اور مریم ہوئیں۔

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا بھر کی عورتوں میں سے مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آسیہ زنِ فرعون تمہارے لیے کافی ہیں (یعنی صرف یہ ہی چار عورتیں کامل ہیں)۔

حضرت علیؓ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا (گذشتہ اقوام کی عورتوں میں مریم بنت عمران سب سے بہتر تھیں اور ہماری عورتوں میں سب سے بہتر خدیجہ بنت خویلد ہیں۔ (متفق علیہ)

حضرت ام سلمہؓ راوی ہیں کہ فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو طلب فرمایا اور اُن کے کان میں کچھ ارشاد فرمایا، حضرت فاطمہ سن کر رونے لگیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کوئی اور بات فرمائی جس کو سن کر وہ ہنس پڑیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو میں نے حضرت فاطمہؓ سے رونے اور پھر ہنسنے کا سبب دریافت کیا کہنے لگیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (پہلے) فرمایا تھا کہ (عنقریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوجائے گی میں سن کر رونے لگی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوا مریم بنت عمران کے جنتی عورتوں کی میں سردار ہوں گی۔ یہ سن کر میں ہنس دی۔ (رواہ الترمذی)

حضرت مریم، حضرت آسیہ، حضرت خدیجہؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرت عائشہؓ کی باہم برتری کی تفصیل سورۂ آل عمران کی آیت:

يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ کی تفسیر کے ذیل میں ہم کر چکے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورۃ التحریم ختم ہوئی

سورة الملك

اس کو جو خواب میں پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا فرمائے گا اور اس کی املاک و خیرات زیادہ ہوگی۔ (ابن سیرین)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ
بڑی برکت ہے اُس کی جس کے ہاتھ میں ہے راج

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۝١
اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے ☆

یعنی سب ملک اس کا ہے اور تنہا اسی کا اختیار ساری سلطنت میں چلتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

کمال الٰہی:

تَبَارَكَ یہ لفظ برکت سے ماخوذ ہے برکت اس زیادتی کو کہتے ہیں جو زیادتی والے کے کمال پر دلالت کرتی ہے اور مقتضی نقصان نہیں ہوتی۔ مخلوق کی صفات میں نقص ہونا لازم ہے اس لیے کمال وصفی جس پر لفظ تبارک دلالت کر رہا ہے صفات مخلوق سے بالکل منزہ ہوگا (گویا تبارک کا معنی ہوا تعالیٰ اور تنزہ) اللہ پر تمام اسماء وصفی کا اطلاق محض نتائج کے لحاظ سے ہوتا ہے مبادی ساقط الاعتبار ہوتے ہیں (مثلاً اللہ کا ایک اسم وصفی رحمٰن ہے رحمت کا معنی ہے ایسا میلان نفس جس کا نتیجہ مہربانی اور احسان ہو میلان نفس مبداء احسان ہے اور احسان میلان نفس کا نتیجہ۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ نفس اور نفسیات سے پاک ہے اس لیے اس کی ذات میں میلان ہونے کا احتمال ہی نہیں میلان نفس تو حقیقت میں نفس کا تاثر ہوتا ہے کسی قرابت دوستی یا اور کسی قسم کے تعلق کے زیر اثر دل میں رقت اور جھکاؤ پیدا ہوتا ہے اس رقت اور جھکاؤ کا تقاضا ہوتا ہے کہ جس کو دیکھ کر تاثر ہوا ہے اس کے ساتھ مہربانی کی جائے اللہ میں تاثر کہاں ممکن ہے اثر پذیری کمزوری اور عجز کی نشانی ہے اور اللہ نہ عاجز ہے نہ ضعیف۔

اس لیے اللہ پر لفظ رحمان کا اطلاق اس اعتبار سے نہیں کہ اس کے اندر میلان نفس پیدا ہوتا ہے بلکہ اس کے رحمان ہونے کا معنی یہ ہے کہ میلان نفس کا جو نتیجہ ہوتا ہے اور جو نفسانی میلان کا (انسان میں) باعث ہوتا ہے یعنی احسان اور مہربانی وہ اللہ میں محقق ہے پس اللہ رحمٰن ہے یعنی محسن ہے منعم ہے فضل کرنے والا ہے یہی حالت اللہ کے بابرکت ہونے کی ہے برکت کا معنی ہے زیادتی جس کا تقاضا متبرک کا کمال وصفی اور ہر نقص سے تنزہ ہے اللہ کی شان میں زیادتی مقداری نہیں بلکہ مرتبہ اور تنزہ کی ہے پس اللہ صاحب برکت ہے یعنی بزرگ شان والا۔ اور مشابہت مخلوق سے پاک ہے) اور جس طرح دوسرے عظمت ظاہر کرنے والے صیغے (مثلاً كَبِيْرٌ، عَظِيْمٌ، مُتَعَالِي) اللہ کے کمال وصفی پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح یہ لفظ بھی اس کی بڑائی کو ظاہر کرتا ہے۔

ید کی تفسیر:

الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ لفظ ید متشابہات میں سے ہے کیونکہ اللہ جسمانی مادی ہاتھ نہیں رکھتا۔ علماء متاخرین نے ید کی تفسیر قدرت سے کی ہے (یعنی اسی کے قبضہ قدرت میں ملک ہے) ملک یعنی ہر چیز پر اقتدار اور ہر شے پر تصرف۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ یعنی جس چیز کو وہ چاہے اس پر وہ قَدِيْرٌ قدرت رکھتا ہے۔

(جس چیز کا اللہ ارادہ کرے اس کو کوئی دفع نہیں کر سکتا اس لیے اس کے سوا کسی سے امید و بیم رکھنا جائز نہیں۔)

کامل قدرت والا:

اس آیت میں گویا اللہ کے وجود اس کے کمال وصفی اور ہر نقص سے پاک ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے اور دعویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ دلیل بیان کی جائے اس لیے بعد کو آنے والی آیات کو بطور دلیل ذکر فرمایا۔ دعویٰ مذکور کے ثبوت کی کچھ نشانیاں تو خود انسانوں میں موجود ہیں یعنی موت و حیات کی پیدائش کچھ آسمانوں میں موجود ہیں یعنی آسمانوں کی تخلیق کی ہم آہنگی اور ان کے اندر کسی رخنہ کا نہ ہونا کچھ زمین میں موجود ہیں یعنی زمین کا قابل سکونت ہونا کچھ زمین کے پیداوار میں موجود ہیں یعنی (زندہ مخلوق کا) رزق (جو بقائے حیات کا سبب ہے) اور پرندوں کے قطار در قطار جھنڈ۔ ان چیزوں کا ذکر تو بطور دلیل کیا گیا ہے (اس سے اللہ کی قدرت اس کی صفات کاملہ اس کی ہستی اور اس کا بے عیب ہونا ثابت ہوتا ہے) درمیان میں ذیلی طور سے ان کافروں کے عذاب کا بھی تذکرہ کر دیا ہے جو نہ صدا حق سنتے ہیں نہ دلائل و آیات کو سمجھتے ہیں اور ان اہل ایمان کے ثواب کو بھی بیان کر دیا ہے جو اللہ کا خوف رکھتے اور براہین و شواہد کے مطالعہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ کی فضیلت:

مسند احمد میں بہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کریم میں تیس آیتوں کی ایک سورت

ہے جو اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کرتی رہے گی یہاں تک کہ اسے بخش دیا جائے، وہ سورت تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ الخ ہے۔ (ابوداؤد ونسائی)

مسند عبد بن حمید میں ذرا بسط کے ساتھ بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک شخص سے فرمایا کہ آ میں تجھے ایسا تحفہ دوں کہ تو خوش ہو جائے تبارک الذی الخ پڑھا کر اور اسے اپنے اہل وعیال کو اولاد کو گھر کے بچوں کو اور پڑوسیوں کو سکھا۔ یہ سورت نجات دلوانے والی اور شفاعت کرنے والی ہے قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کی طرف سے خدا تعالیٰ سے سفارش کرے گی اور اسے عذاب آگ سے بچالے گی اور عذاب قبر سے بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں تو چاہتا ہوں کہ میرے ایک ایک امتی کے دل میں یہ ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا هی المانعة المنجية تنجيه من عذاب القبر ،یعنی یہ سورت عذاب کو روکنے والی اور عذاب سے نجات دینے والی ہے۔ یہ اپنے پڑھنے والے کو عذاب قبر سے بچالے گی (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب از قرطبی)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ سورۂ ملک ہر مومن کے دل میں ہو (ذکرہ الثعلبی)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتاب اللہ میں ایک ایسی سورت ہے جس کی آیتیں تو صرف تیس ہیں قیامت کے روز یہ ایک شخص کی سفارش کرے گی یہاں تک کہ اس کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کردے گی اور وہ سورۂ تبارک ہے۔ (قرطبی۔ از ترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوتے نہ تھے یہاں تک کہ الم تنزیل سجدہ اور سورت تبارک الذی اول سے لے کر آخر تک پڑھ کر ختم نہ فرمالیتے۔ (معارف کاندھلوی)

دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمال کا ظہور ہے

پہلے اتنی بات سمجھ لیجئے کہ اس دنیا میں جو کچھ بھی کارگذاری ہے وہ حق تعالیٰ شانہٗ کی صفاتِ کمال ہیں۔ ہر صفت کمال سے وہ جلوہ گر ہیں اور ہر صفت اپنا کام کر رہی ہے۔ ان میں سے ایک صفت حق تعالیٰ کی ہے ''مَلِکُ'' ہونا کہ وہ بادشاہ ہیں۔ جیسے وہ معبود ہیں۔ جیسے رحمان اور رحیم ہیں، اور جیسا کہ قدوس اور سلام اور مؤمن اور مہیمن ہیں اسی طرح سے وہ ملک بھی ہیں بادشاہ بھی ہیں ساری کائنات کے، ان کی جیسے اور صفات اس عالم میں جلوہ گر ہیں اپنی اپنی کارگذاری دکھلا رہی ہیں اسی طرح سے صفت ملوکیت بادشاہت کی صفت (ہے) جو کہ جلوہ گر ہے اس عالم میں، اور ذرہ ذرہ میں اللہ کی حکومت، حکمرانی اور بادشاہی نمایاں ہے اور ازل سے ایک نظام قائم ہے، یہ نظام اجتماعی فطرت اللہ ہے۔ یعنی کائنات حق تعالیٰ نے جو بنائی اور اس کو چلایا یہ عیاذاً باللہ کوئی بدنظمی سے نہیں چل رہا بلکہ ایک نہایت ہی محکم نظام ہے اور اس کائنات کا ایک ایک ذرہ اس نظام کی بندشوں میں جکڑا ہوا ہے ایک چیز بھی اپنے نظم سے ہٹ نہیں سکتی۔ فرق اتنا ہے کہ ایک نظام ہے تکوینی جس کا تعلق اللہ کے افعال سے ہے۔ یہ نظام اس قدر مستحکم ہے کہ اس میں ذرہ برابر بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ مثلاً اس کائنات میں اللہ نے سورج پیدا فرمایا روشنی کے لئے اس کی ایک حرکت قائم رکھی اس حرکت سے رات اور دن بنتے ہیں اور پھر رات اور دن کے مجموعے سے مہینے بنتے ہیں اور مہینوں کی ایک خاص تعداد سے سال بنتے ہیں جس سے ہم سن اور مہینے اور دن اور گھنٹے متعین کرتے ہیں تا کہ ہمارے جتنے کاروبار ہیں یہ اس نظم کے اندر بندھے رہیں اور ضبط وانتظام کے ساتھ ہماری زندگی گذرے۔ اس سورج کی حرکت میں اور دن اور رات بنانے میں کبھی کوئی ادنیٰ فرق نہیں پڑا۔ یہ اللہ نے ایسی گھڑی بنائی ہے کہ جب سے اسے چابی دی ہے دوبارہ کبھی چابی دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ نہ اس گھڑی کی بال کمانی کبھی بگڑتی ہے نہ کبھی اس کی مرمت کی ضرورت پیش آتی ہے کہ گھٹا اور بڑھا دیں اور ایک سلسلے کے ساتھ نظام عالم چل رہا ہے۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝

''نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ کوئی جلدی کر بیٹھے چاند کو جا پکڑے نہ رات کی مجال ہے کہ وہ ذرا آگے تو بڑھ کے دن پر قبضہ کرلے''

دن اپنے وقت پر آرہا ہے رات اپنے وقت پہ۔ پھر ان رات اور دن سے یہ زمانہ بن رہا ہے موسم بن رہے ہیں یہ موسم اپنی اپنی جگہ محکم اور استوار ہیں، گرمی اپنے وقت پہ آئے گی سردی اپنے وقت پہ برسات اپنے وقت پہ۔ پھر ہر موسم متعلق جو پھل اور پھول اور دانے ہیں وہ اپنے ہی وقت پہ نکل رہے ہیں۔ بہت سے پھل ہیں جو کہ برسات کے ہیں۔ بہت سے ہیں جو سردیوں میں پیدا ہوتے ہیں بہت سے ہیں جو گرمیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ اپنے اپنے وقت پر اگ رہے ہیں اور نکل رہے ہیں۔ لوگوں کو ان سے فائدہ پہنچ رہا ہے۔

اسی طرح سے دن بنایا تا کہ ہمارے کاروبار چلیں، تو دن کی روشنی میں ہم اپنے کاروبار چلا رہے ہیں۔ تجارت کے زراعت کے کارخانے داری کے اور چونکہ انسان کی قوت محدود ہے اور وہ خرچ ہونے سے گھٹتی اور بڑھتی ہے اس لئے تعب اور تکان بھی پیدا ہوتا ہے کہ دن بھر کام کرتے کرتے تھک جاتے ہیں تو رات کا وقت رکھا اور اس کو فرمایا:

وَ جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا. رات کو ہم نے سکون کا ذریعہ بنایا۔

کہ اس میں تھکے ماندے آرام کریں اور جو سو رہے ہیں وہ پھر اگلے دن

کے لئے تازہ دم ہوکر کھڑے ہوجائیں اوراپنے کاروبار میں لگیں، تورات کوسکون کے لئے رکھا۔ دن میں بھی پانچ چھ گھنٹے کام کرکے طبعاً آدمی تھک جاتا ہے تووقت نہار، دن کا بیچ کا حصہ قیلولہ کے لئے رکھا اوراسے سنت قرار دیا گیا۔

دوپہر بارہ بجے سونے سے عقل میں اضافہ ہوتا ہے:

بلکہ بعض روایات میں فرمایا گیا ہے کہ دن کے بارہ بجے جب آدمی سوتا ہے تواس کی عقل میں اضافہ ہوتا ہے۔ آج کے تمدن میں بارہ بجے کا قیلولہ ہی باقی نہیں۔ آج ٹھیک بارہ اورایک بجے کھانا کھاتے ہیں ظہر کے وقت، پھر قیلولہ کاوقت توگذر جاتا ہے کھانے کے انتظار میں اور کھانے کا وقت آتا ہے تواس کااثر کام پر پڑتا ہے۔ ظہر اور عصر کے درمیان میں جو کام کرسکتے ہیں اس میں فرق پڑے گا۔ توغرض جو کھانے کا وقت تھا وہ انتظار میں گذرا جوکام کا وقت تھا وہ کھانے میں گذرا اوراس کے بعد جو آگے کام کا وقت تھا یا بیکاری میں گزرا یاتعب وتکان میں گذرا، اسی واسطے روایت میں فرمادیا کہ بارہ بجے کاوقت ہے سکون کا، اوراس میں آدمی دس بیس منٹ آدھ گھنٹہ بھی اگر قیلولہ کرلے تو نشاط پیدا ہوجاتا ہے طبیعت میں، اوروہ جوایک پسماندگی سی پیدا ہوجاتی ہے تھکن و تعب وہ نکل جاتا ہے پھر آدمی بقیہ آدھے دن کے لئے تیار ہوجاتا ہے تو گویا رات رکھی سکون کے لئے اور دن میں بارہ بجے کا وقت رکھا سکون کے لئے۔

دن ورات کی تقسیم:

پھر تین حصوں پر منقسم کردیا کہ دوحصے دن کے ہیں وہ کاروبار کے لئے بیچ کا حصہ سکون کے لئے اور رات پوری سکون کے لئے اس رات میں پھرواجب نہیں فرمایا، مگر افضلیت اس کی بیان کی، استحباب بیان کیا کہ تہجد پڑھے آدمی تاکہ رات بھی دوحصوں میں منقسم ہوجائے۔ ایک حصہ سکون وآرام کا ایک حصہ طاعت وعبادت کا اوروہ طاعت وعبادت کا جورات میں وقت رکھا گیا ہے وہ سب سے زیادہ مقبول وقت ہے۔

آخری تہائی رات میں اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پراترتے ہیں، ان کا اترنا کیسا ہوتا ہے؟

حدیث میں فرمادیا ہے کہ آخری تہائی رات میں حق تعالیٰ اترتے ہیں آسمانِ دنیا پر، جیسا اترنا ان کی شان کے لائق ہے۔ وہ اترنا اس طرح کا نہیں ہے کہ جیسے ہم اوپر کے مالے سے نیچے کے مالے میں آجائیں۔ درجہ بہ درجہ سیڑھی بہ سیڑھی اترتے ہیں۔ یہ اجسام کے متعلق ہے حق تعالیٰ شانہٗ پاک ہیں جسم سے وہ بری وبالا ہیں اس لئے ان کا اترنا انہیں کی شان کے مطابق ہے۔ اترنے کا لفظ حقیقت پر محمول ہوگا، لیکن کیفیت، ہم نہیں جانتے کہ کس کیفیت سے اترتے ہیں جیسی ان کی جناب قدوس ہے اسی انداز کا ان کا اترنا ثابت رہا ہے ہم کیفیت بیان نہیں کرسکتے۔ اتنا ہم جانتے ہیں کہ دنیا میں بہت سی طرف اترنے کی نسبت کی جاتی ہے مگر ہرایک کا اترنا اپنی شان کے مطابق ہوتا ہے اگر آپ یوں کہیں کہ میں پانچویں مالے سے اترا اور نچلے مالے پر آیا تواس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ایک سیڑھی ہے جس پر درجہ بہ درجہ آپ اترتے ہیں لیکن اگر آپ یوں کہیں کہ میرے دل میں ایک مضمون اترآیا توکیا وہاں مضمون کے لئے بھی سیڑھی لگائی گئی؟ مضمون ایک لطیف چیز ہے۔ معنوی چیز ہے اس معنوی چیز کے اترنے کا طریقہ بھی معنوی ہے، وہ جسمانی نہیں ہوسکتا، جسم اترتے ہیں جسمانی سیڑھیوں سے اور معنویات اترتی ہیں معنوی انداز سے۔ آپ کہا کرتے ہی کہ فلاں کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی، اترآئی تووہ کوئی کسی سیڑھی سے نہیں اتری وہ اپنی شان کے مطابق اتری ہے جیسے محبت ایک معنوی چیز ہے۔ ویسے ہی اس کا زینہ بھی ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات وہ ہے کہ جسم سے بھی بری اور پاک اور جس کو آپ روح کہتے ہیں اس سے بھی بری اور پاک۔ روح بھی ان کی پیدا کی ہوئی ہے اور جسم بھی ان کا پیدا کیا ہوا ہے کہ روح اور جسم دونوں محدود چیزیں ہیں اور ہر محدود چیز کچھ نہ کچھ مرکب ہوتی ہے اور ہر مرکب چیز حادث ہوتی ہے اور حق تعالیٰ شانہٗ ترکیب سے بھی بری ہیں۔ مرکب ہونے سے بھی بری، مجرد ہونے سے بھی بری لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ان کی کوئی مثال نہیں کہ بیان کہ جاسکے اس لئے کہ مثال جو بھی دے گا ان کے سوا وہ مخلوق ہوگی اور خالق ومخلوق میں زمین وآسمان سے بھی لاکھوں گنا زیادہ فرق ہے توان کی مثل توکوئی نہیں ہوسکتا، مثال البتہ ہوسکتی ہے، لیکن اگر کچھ سمجھا جائے، مگر وہ مثال بھی محض فہم کے قریب لانے کے لئے بولی جاتی ہے۔ مثال پوری طرح ان پر منطبق نہیں ہوسکتی۔ وہ ہر مثل سے ہر مثال سے بری ہیں توبہرحال حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات منزّہ اور مقدس ہے، ان کا اترنا آسمانِ دنیا پر ان ہی کی شان کے مطابق ہے جس کو ہم نہیں جانتے، نہ ہم ان کی کیفیت کو بیان کرسکتے ہیں، لیکن حاصل یہ کہ اترتے ہیں اور پھر یہی نہیں کہ اترتے ہیں آسمانِ دنیا پر بلکہ انتہائی رحمت اور شفقت سے۔

اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر اتر کرسوال کرتے ہیں:

حدیث میں ہے کہ دونوں ہاتھ پھیلاتے ہیں اور ہاتھ پھیلانا بھی انہی کی شان کے لائق ہے جیسا ان کی جناب کے مناسب ہے اور فرمایا کہ دونوں ہاتھ کھول کر پھیلا کر فرماتے ہیں کہ اَنَا الْمَلِكُ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَطْلُبُ مِنْهُ میں بادشاہ ہوں کوئی ہے مانگنے والا مجھ سے اَنَا الرَّازِقُ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَسْتَرْزِقُ مِنْهُ رزق دینے والا ہوں کوئی ہے رزق کا طلب گار اَنَا الْغَافِرُ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَسْتَغْفِرُ مِنْهُ میں بخشنے والا ہوں کوئی ہے بخشش مانگنے والا۔ پھر خود فرمایا کرتے ہیں کہ مانگو مجھ سے اور گویا جھنجھوڑتے ہیں سونے والوں کو کہ کوئی ہے مانگنے والا کوئی ہے پکار کرنے والا۔ پھر ایک تو یہ کہ بادشاہ کی ڈیوڑھی پر آپ خود حاضر ہوں اور جاکر اطلاع کرائیں کہ حاضر ہونا چاہتے ہیں ممکن ہے اجازت ملے ممکن ہے نہ ملے۔ محروم واپس آنا پڑے لیکن بادشاہ

عالمین خود آتے ہیں اتر کر آپ کی طرف عرش عظیم سے اتر کر آسمانِ دنیا پر ،اور یہ آسمانِ دنیا آپ کی چھت ہے یعنی اس دنیا کی اس کے اوپر اور آسمان ہیں ،سب سے نیچے آسمان سے آسمانِ دنیا، آسمانِ دنیا اس لئے کہلاتا ہے کہ دنیا کی چھت ہے تو گویا آپ کے مکان کی چھت پر آ کر آواز دیتے ہیں کہ سونے والو کوئی ہے مانگنے والا۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں

تو ایک تو یہ کہ ہم سوال کریں تو کچھ عطا فرمائیں وہ خود سوال فرماتے ہیں کہ کوئی مانگنے والا ہو تو مانگے ،ہم دینے کے لئے آ گئے ۔ظاہر ہے کہ اس وقت اگر کوئی مانگے گا تو وہ دعا اور سوال خالی جا نہیں سکتی ،رائیگاں نہیں جائے گی ،کیونکہ بادشاہ کہہ کر دعا منگوا رہے ہیں آپ سے سوال کرا رہے ہیں آپ سے خود سوال کرائیں پھر محروم کر دیں اسے عقل قبول نہیں کرتی اس واسطے یہ وقت خاص مقبولیت کا ہوتا ہے۔اس وقت جو مانگا جائے ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حکیم ہیں حکمت کے مطابق عطا فرماتے ہیں:

باقی کوئی آدمی امتحان لینے کے لئے جائے اللہ میاں کا کہ اچھا میں مانگ رہا ہوں تو کل کو آٹھ بج کر پانچ منٹ پر مجھے مل جانا چاہئے تو وہ آپ کے پابند نہیں ہیں ۔وہ جیسے دینے والے ہیں ویسے ہی حکیم بھی ہیں ،حکمت کے تحت دیتے ہیں اگر حکمت کا تقاضا ہے کہ فوراً دے دیا جائے تو فوراً مانگی مراد مل جائے گی ۔اگر حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ کچھ وقفہ کیا جائے تو وقفہ لگتا ہے اس میں اور اگر حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ چیز نہ دی جائے جو آپ مانگ رہے ہیں اس سے کوئی بڑی چیز دے دی جائے تو پھر وہ دے دیتے ہیں اور بعد میں آپ کہتے ہیں کہ بڑا اچھا ہوا ،کیسی قبولیت کا وقت تھا میں تو یہی مانگ رہا تھا مجھے تو اس سے زیادہ مل گئی ۔میں تو پھول مانگنے گیا تھا مجھے پورا باغ ہی مل گیا۔ میں ایک ٹکڑا مانگتا تھا وہاں پوری روٹیوں کا دستر خوان ہی مل گیا ۔تو کبھی فوراً منہ مانگی مراد ملتی ہے کبھی دیر لگتی ہے اور دیر سے ملتی ہے کبھی دیر لگتی ہے وہ چیز نہیں ملتی جو مانگی گئی ہے اس سے بڑھ کر ملتی ہے ۔یہ حکمت کے تحت ہوتا ہے۔آپ اپنے نفع و نقصان کو نہیں جانتے ،اللہ ہی جانتا ہے آپ کے نفع و نقصان کو، وہ دیتا ہے مگر آپ کی مصلحت دیکھ کر۔

اب یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ جیسے ایک باپ لکھ پتی ہو اور بیٹا اس سے یوں کہے مجھے سو روپے روزانہ جیب خرچ کے لئے دیا کرو تو کبھی تو ایسا ہے کہ باپ نے محبت میں عنایت میں آ کر فوراً مقرر کر دیا، روزانہ سو روپے ملنے لگے لڑکے کو ،کبھی ایسا ہے کہ وہ مانگ رہا ہے اور مانگتے مانگتے دو مہینے گزر گئے ،لڑکے کے دل میں خیال آیا کہ بس جی باپ کے دل میں کوئی شفقت نہیں رہی میری طرف سے ،نہ وہ محبت باقی رہی ،مانگ رہا ہوں دو مہینے ہو گئے کچھ بھی نہیں ملتا ۔لیکن دو مہینے کے بعد اچانک باپ نے جاری کیا وہ سو روپے ماہوار کا وظیفہ ،تو بیٹے نے کہا میں تو دو مہینے سے مانگ رہا تھا۔ باپ کہتا ہے کہ بیوقوف تو جگر کی بیماری میں مبتلا تھا جگر بڑھا ہوا تھا ،معدہ خراب تھا ،اگر میں سو روپے روز دیتا تو کھانے میں اڑانے میں لگا تا بیماری بڑھ جاتی اس لئے میں نے روک لیا اور تیرا علاج کیا ،بجائے اس کے کہ سو روپے میں تو اعلیٰ اعلیٰ چیزیں لے کر کھاتا میں نے کڑوی دوائیں پلانی شروع کیں ،اب دو مہینے میں تیری صحت قابل اعتماد ہو گئی سو روپے چھوڑ کر دو سو روپے روز لے لیا کر ،تیرے ہی واسطے کما رہا ہوں میں ،تو بیٹا ممنون ہو گا کہ واقعی میں اپنی ناتجربہ کاری سے نہیں جانتا تھا کہ مجھے یہ نہ ملنا چاہیے مگر باپ جانتا تھا ،اگر اس وقت دے دیتا تو میں ہلاکت کے قریب پہنچ جاتا اب جبکہ مجھے صحت ہو گئی اب اس نے دیا تو اب میں بھی اطمینان سے سو روپے خرچ کروں گا اور باپ کی خوشی کا باعث بھی ہو گا اور کبھی ایسا ہوتا کہ بیٹا مانگ رہا ہے اور مانگتے مانگتے ایک دو مہینے نہیں ،چار پانچ نہیں ،دس برس گزر گئے اور بیٹے کے دل میں یہ یقین ہو گیا کہ باپ کے دل میں کوئی شفقت باقی نہیں ہے ،کروڑ پتی ہے اگر دو سو روپے روزانہ بھی دے تب بھی کوئی بڑی بات نہیں مگر نہیں دیتا ،معلوم ہوا بخیل ہو گیا ،لیکن دس برس کے بعد باپ نے پچاس ہزار روپے کی تھیلی بھر کر رکھ دی اور کہا کہ تو جا کر جیب میں ڈال ۔اگر میں تجھے سو روپے دو سو روپے روز دیتا تو کھانے اڑانے میں خرچ کر دیتا ،مال ضائع ہوتا اور تیری عادتیں بگڑ جاتیں ،پھر فضول خرچی کا عادی ہو جاتا تو عمر بھر یہ لت نہ چھوٹتی ،اب اس دس برس کے اندر تجھے یہ تجربہ پیدا ہو گیا ،نفع و نقصان کی خبر ہو گئی ،اس واسطے پچاس ہزار دیتا ہوں ،تجارت کر لے سوچھوڑ تو تو پانچ سو روپے کما لے گا تیرا اصل مال بھی باقی رہے گا اور نفع میں روزانہ سینکڑوں روپیہ تجھے ملے گا ،یہ بہتر ہے یا وہ بہتر ہے کہ سو دو سو روپے روز دیتا اور تو ضائع کر دے گا تو بیٹا ممنون ہو گا کہ میں اپنی غلط فہمی سے سمجھ رہا تھا کہ باپ بخیل ہو گیا ،مگر وہ تو انتہا سے زیادہ سخی ہے ،میں اس دس برس میں سو روپے اگر روز لیتا تو اتنے بیٹھتے اور اب مجھے ایک لاکھ روپیہ مل گیا جو سو روپے روز میں نہ پڑتا یہ میرے نفع کے لئے ایسا کیا ہے ،حق تعالیٰ شانہ بھی اسی طرح دیکھتے ہیں کہ اگر بندے میں بری عادتیں ہیں ،گنہگاریاں ہیں ،بدکاری کی عادت پڑی ہوئی ہے تو بعض دفعہ دولت دینے کی بجائے جو دی ہوتی ہے وہ بھی سمیٹ لیتے ہیں ۔وہ عیاشی میں مبتلا ہے تو مفلس ہو گیا اور مانگتا ہے باپ سے باپ نہیں دیتا ،لیکن دو چار برس میں دھکے کھا کر عیاشیوں کے برے نتیجے سامنے آنے کے بعد اب اس پر منکشف ہوا کہ میں بری زندگی گزار رہا تھا اس نے توبہ تِلّا کی ،رستہ درست ہو گیا ۔ اب باپ نے دینا شروع کر دیا کہ اب تیرے ہی لئے ہے جو کچھ ہے ،مگر اس حالت میں تیرے لئے مضر تھا ۔تو میرا مطلب یہ ہے کہ مانگنے

کے بعد کبھی فوراً مل جاتا ہے کبھی دیر لگتی ہے اور کبھی دیر کے باوجود وہ چیز نہیں ملتی اس سے بڑی مل جاتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عمر بھر نہ ملی، مانگتا رہے آدمی عمر گزر گئی، لیکن جب انتقال کرے گا تو حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اجر وثواب کے عظیم ڈھیر اس کے سامنے لگے ہوں گے، بیان کرے گا کہ اے اللہ! میں نے تو کوئی عمل ایسا نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہوتا، فرمائیں گے تو مانگتا تھا تو دعائیں کرتا تھا، تیری دعائیں ہم نے ذخیرہ کر رکھی تھیں تاکہ ہم اس وقت دیں تاکہ ابدالآباد تک تیرے لئے نفع کا باعث بنے، دنیا تو گزرنی تھی گزر گئی، عیش سے گزارتا جب ختم ہو جاتی، مصیبت سے گزاری جب ختم ہوئی، لیکن زندگی اصل یہ ہے ہم نے تیرا سرمایہ اس زندگی کے لئے جمع کر رکھا تو اس وقت یہ کہے گا کہ اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے میری دعا اس وقت قبول نہ کی اب جا کر کی۔ وہاں میں ضائع کر دیتا اپنی عمر کو بھی، اپنی دولت کو بھی اور یہاں میری عمر بھی دوامی بن گئی اور میری دولت بھی دوامی بن گئی۔

بلکہ حدیث میں ہے کہ بعض اہل مصیبت حسرت میں ہوں گے اس دن، اور جب انکے سامنے اجر وثواب کے ڈھیر آئیں گے مصیبتوں کے ثمرہ میں تو وہ کہیں گے اے اللہ اس سے بڑی بڑی مصیبتیں ہم پر کیوں نہ نازل کیں آپ نے، اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ قینچیوں سے ہماری کھالیں کاٹی جاتیں، جب تھوڑی مصیبتوں پر یہ اجر وثواب مل رہا ہے تو بڑی مصیبتوں پر معلوم نہیں کیا ملتا، تو بعضوں کو حسرت ہوگی کہ مصیبت کم کیوں پڑی ہمارے اوپر، زیادہ کیوں نہ آئی۔ اس وقت یہ قدر آئے گی کہ مصائب بھی بڑی نعمتیں تھیں، یہ ذریعہ بنادی گئیں ہمارے لئے ترقی درجات کا، آخرت کے درست ہونے کا تو غرض آدمی جب بھی مانگے مانگنے میں کسر نہ چھوڑے مگر امتحان نہ لے قدرت کا کہ دیکھوں مانگ رہا ہوں ملتا ہے یا نہیں ملتا، امتحان لینا گستاخی اور بے ادبی ہے اس میں ایسا نہ ہو کہ سرے سے دعا ہی رائیگاں کر دی جائے کہ ہم سنتے ہی نہیں ایسے لاابالی شخص کی دعا، حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَجِيْبُ الدُّعَاءَ عَنْ قَلْبٍ لَاهٍ جو لہو لعب میں پڑے ہیں، ان کی دعا اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتی، نہ سنی جاتی ہے جو مانگ رہا ہے اللہ سے، تخیلات میں مبتلا ہے، نہ اخلاص ہے نہ صدق ہے، نہ تضرع وزاری اور ابتہال ہے کہ متوجہ ہوں، اس کی دعا قبول نہیں کی جاتی۔

دُعاء میں قیدیں نہیں لگانی چاہئیں:

اسی طرح سے وہ دعا بھی قبول نہیں ہوتی جس میں قیدیں اور شرطیں لگائی جائیں کہ اسی وقت ملے، فلاں ہی دن ملے، فلاں موقع پر ملے، فلاں چیز ملے، سائل کو اس کا کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ بیٹھ کر متعین کرے کہ یہ چیز دیجئو یہ نہ دیجئو، یہ دعا مانگنا نہیں یہ تو مشورے دینا ہے اللہ میاں کو کہ جب آپ دیں تو فلاں چیز دیں جیسے ایک حدیث میں ہے کہ ایک اعرابی نے دعا مانگی کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْقَصْرَ الْاَبْيَضَ فِی الْجَنَّةِ۔ یا اللہ مجھے جنت میں سفید رنگ کا محل دیجئو، وائٹ ہال دیجئو جو بالکل سفید انڈہ سا ہو، آپ نے فرمایا کہ یہ کیا دعا ہے کہ اپنی طرف سے قیدیں لگا رہے ہو، سفید اور سرخ وسبز، تم بنانے والے ہو جنت کے؟ تم بنانے والے ہو درجات کے؟ تمہارا مشورہ چلے گا وہاں؟ وہاں تو ایک کوڑے کے برابر بھی جگہ مل جائے تو دنیا وما فیہا سے بہتر ہے تو قیدیں لگا رہے ہو تو وقت کی قید لگانا یا کسی نوعیت کی قید لگانا یہ بے ادبی وگستاخی ہے۔ اور اپنی ضرورت مانگے آدمی اور خوب الحاح سے مانگے، نیچا بن کے مانگے، اس واسطے کہ اگر یوں مانگنے لگے کہ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنْ شِئْتَ اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ اِنْ شِئْتَ یا اللہ مجھے دے دیجئے اگر آپ چاہیں۔ میری مغفرت کر دیجئے اگر آپ چاہیں تو یہ دعا مانگنا نہیں یہ تو استغنا کا اظہار کرنا ہے سائل تو محتاج ہوتا ہے نہ کہ غنی آپ جب یوں کہہ رہے ہیں اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنْ شِئْتَ بخش دیں اگر آپ چاہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا دل چاہے تو بخش دیں نہیں تو مجھے ضرورت ہی نہیں آپ کی مغفرت کی، اس میں استغنا نکلتا ہے کہ سائل بھی ہو آدمی اور مستغنی بھی بنے یہ تو اجتماع ضدین ہے، اس واسطے دعا مانگنے میں سوائے عجز وانکسار کے، سوائے بندگی کے، ابتہال کے اور انتہائی زاری اور تضرع کے، نہ کوئی قید ہو نہ کوئی شرط ہو، بس مانگے آدمی، اور میں کہتا ہوں کچھ بھی نہ ملے، دعا مانگنے کی توفیق ملی۔ دعا بھی تو عبادت ہے۔ یہ تھوڑی چیز ملی کہ دعا منگوا دی گئی آدمی سے۔

دعا مغز اور خلاصہ ہے عبادت کا:

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ دعا مغز اور خلاصہ ہے عبادت کا، خیر بہرحال بات دور جا پڑے گی میں عرض کر رہا تھا کہ حق تعالیٰ شانہ آسمان دنیا پر اترتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی ہے مانگنے والا ہم دینے کے لئے تیار ہیں، جو خوش قسمت ہیں اور اس وقت جاگتے ہوئے ہوتے ہیں وہ مانگتے ہیں اور منہ مانگی مراد ملتی ہے اس طرح حدیث میں فرمایا گیا۔ اے لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے وقتاً فوقتاً قبولیت کی ہوائیں چلتی ہیں تم سب ڈھونڈتے رہو، ایسے نہ ہو کہ وہ ہوا چلے اور تم غفلت میں پڑے ہوئے سوتے رہو۔ ان اوقات کو ضائع نہ کرو اور ضائع نہ جانے دو بلکہ ٹوہ میں لگے رہو کہ کون سا وقت مقبولیت کا ہے تو کچھ ساعتیں ہوتی ہیں مقبولیت کی، کچھ اوقات ہوتے ہیں مقبولیت کے اس میں جب آدمی مانگتا ہے تو مانگنا بھی خود عبادت، عظیم عبادت بنتا ہے، اور ملتی بھی ہے منہ مانگی مراد، تو یہ کہہ کر وہاں آسمان دنیا پر اترتے ہیں کہ اَنَا الْمَلِکُ میں بادشاہ ہوں، یعنی آپ کسی رئیس سے مانگ لیں دو چار روپے دے دے گا، کسی بڑے جاگیردار سے مانگ لیں۔ ممکن ہے سو پچاس ہزار روپے دے دے، لیکن بادشاہ وقت جو پورے ملک کا حاکم ہے اس سے اگر

مانگیں اور وہ خود کہے کہ بھلا مانگو مجھ سے تو اندازہ کیجئے کیا کچھ نہیں دے گا بادشاہ، اور بادشاہ بھی وہ جو عالموں کا بادشاہ ہو، بادشاہوں کا بادشاہ، جس کے ہاتھ میں بادشاہی کی کنجیاں ہوں وہ اگر یوں کہے کہ مانگو مجھ سے میں دوں گا تو پھر کیا کچھ نہیں ملے گا۔

روزہ کی ایک عظیم برکت اور فضیلت:

یہی وجہ ہے کہ روزہ جو ہے جہاں اس کے اور ہزاروں فضائل اور برکات ہیں، من جملہ ان کے بڑی عظیم برکت اور فضیلت یہ بھی ہے روزے کی کہ روزے کے بارے میں فرماتے ہیں حق تعالیٰ کہ "اَلصَّوْمُ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِہٖ" روزہ میری چیز ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا یعنی اور اطاعتوں اور عبادتوں کا بدلہ تو ضابطہ کا ہے کہ ملائکہ کو حکم دیں گے کہ تقسیم کر دو ضابطہ کی اجرت۔ ایک عمل کے دس عمل ہوں تو دس گنا دے دی، لیکن روزے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ روزہ میرا ہے اور میں ہی خود اس کا بدلہ دوں گا، یعنی ملائکہ بیچ میں نہیں میں خود عطا کروں گا روزہ دار کو اس کا اجر اور اس کا ثواب ۔ تو روزہ فرمایا کہ میرا ہے اور اس واسطے فرمایا کہ اور عبادتوں میں امکان ہوتا ہے کہ آدمی دکھلاوے کے لئے کرے۔ نماز پڑھے یہ دکھلانے کو کہ بڑا عابد زاہد آدمی ہے، زکوٰۃ دے یہ دکھلانے کے لئے کہ یہ بڑا سخی داتا ہے، لیکن روزے کی کوئی شکل ہی نہیں کہ دکھلائے وہ تو اللہ ہی کے لئے ہوسکتا ہے اور اگر روزہ رکھ کر کہتا پھرے آدمی کہ جناب میں روزہ دار ہوں تو بجائے عزت کے اور تذلیل ہوگی لوگ کہیں گے کہ بھئی کسی پر احسان کیا ہے جو روزہ رکھا ہے جو ڈھول بھی پیٹتا پھر رہا ہے کہ میں نے روزہ رکھا ہے تو جب آدمی زبان سے نہ کہے روزے کا روزہ ہونا معلوم نہیں، زبان سے نہ کہے تو کسی کو پتہ نہیں چلے گا اور کہے گا تو رسوائی ہوگی اس لئے خواہ مخواہ دم بخود رہے گا، لیکن یہ ہے کہ روزہ کسی کے سامنے ظاہر نہیں ہوتا اور جب روزہ ظاہر نہیں ہوسکتا کسی کے آگے تو نہ اس میں ریاکاری کا دخل ہے کہ سناوے گا نہ دکھلاوے گا اور نہ شہرت کا، یہ تو خاص اللہ ہی کے لئے ہوسکتا ہے، تو چونکہ یہ عبادت خالص اللہ کے لئے ہے اس واسطے فرماتے ہیں کہ جب اس میں ریا کا دخل نہیں دکھلاوے کا دخل نہیں، خالص میرے لئے ہے تو میں ہی اس کا اجر بھی دوں گا یہ ضابطہ کا اجر نہیں ہوگا، بادشاہ جب خود بانٹنے کے لئے بیٹھیں وہ تو اپنی شان کے مطابق بانٹیں گے، آپ کی حیثیت کے مطابق نہیں، اور اللہ کی جو شان ہے وہ لامحدود ہے تو پھر دے گا بھی اتنا کہ کوئی حد نہایت نہیں ہوگی اس کی، تو بانٹنا جب خود چاہیں اور فرمائیں میری چیز ہے میں بانٹوں گا تو وہ تو اپنی شان کے مطابق بانٹیں گے، تو جب یہاں یہ فرمایا اخیر رات میں اتر کر کہ اَنَا الْمَلِکُ میں بادشاہ ہوں مَنْ ذَاالَّذِیْ یَدْعُنِیْ؟ کوئی ہے مانگنے والا؟ تو مانگنے والا جب مانگے گا تو اپنی شان کے مطابق اسے دیں گے آپ کی شان کے مطابق نہیں، آپ کتنا بھی مانگیں وہ محدود چیزیں ہوگی وہ جو دیں گے اپنی شان کے مطابق وہ لامحدود ہوں گی تو برکات کی کوئی انتہا نہیں رہے گی تو بہر حال بادشاہت کا تقاضا یہ ہے کہ سائل کو دیں اور ہر فریادی کی فریاد سنیں اور جب خود کہیں کہ میں سننے کے لئے موجود ہوں، کہو، تو پھر ظاہر بات کیا کچھ نہیں ملے گا۔

مظلوم کی بد دعا سے بچنا چاہیے:

لیکن مظلوم کے بارے میں فرمادیا کہ اِتَّقِ دَعْوَۃَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّہٗ لَیْسَ بَیْنَھَا وَ بَیْنَ اللّٰہِ حِجَابٌ ۔ مظلوم کی بد دعا سے بچو اس لئے کہ اس کی دعا میں اور اللہ میں کوئی بیچ میں فاصلہ نہیں ہوتا، کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی دعا سیدھی عرش سے جا ٹکراتی ہے، اور پھر اس کے بارے میں خود فرماتے ہیں جب مظلوم جس پر ظلم ہو رہا ہے وہ ہاتھ اٹھا کر فریاد کرتا ہے تو فوراً جواب دیتے ہیں کہ اَنْصُرُکَ وَلَوْ بَعْدَ حِیْنٍ میں تیری مدد کروں گا، گھبرانا مت، مگر تھوڑا سا وقفہ لگے گا، حکمت کے تحت، مایوس مت ہوجانا کہ دیر لگ گئی، تھوڑی سی اور مظلومیت چلے گی، مگر پریشان مت ہونا میں تیری مدد کے لئے پہنچا۔ تو بہر حال حق تعالیٰ شانہ مَلِکْ ہیں۔

اس سورت میں ملوکیت کے تمام لوازمات ظاہر کئے گئے ہیں

اور ملوکیت کے بہت سے لوازم ہیں۔ اس سورۂ مبارکہ میں اللہ کی شہنشاہی بیان فرمائی گئی ہے اس شہنشاہی کے لوازم کے آثار اور اس کے طور اور طریقے یہ اس پوری سورت میں ظاہر فرمادیئے گئے ہیں تاکہ دنیا میں جب ہم نظام قائم کریں کوئی تو اللہ کے نظام کو سامنے رکھ کر اس کے مطابق اس نظام کو چلائیں اس لیے کہ حقیقی معنی میں حکمرانی اور بادشاہت صرف اللہ کا حق ہے انسان کو بادشاہت کرنے کا حق حاصل نہیں۔

اسلام میں ملوکیت کے بجائے خلافت رکھی گئی ہے:

اسی واسطے اسلام میں ملوکیت نہیں رکھی گئی خلافت رکھی گئی ہے خلافت کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ اللہ تعالیٰ ہیں ان کا نائب بن کر ان کے قانون کو ہم چلا رہے ہیں خود بادشاہ نہیں ہیں۔ اقتدار ان کا ہے ان کے اقتدار کے زیر سایہ ہم چل رہے ہیں، نظام ان کا ہے ان کے نظام کو ہم چلا رہے ہیں بادشاہی ان کی ہے ہم اس کی ڈوڈی پیس رہے ہیں دنیا میں راج کر رہے ہیں تو خود بادشاہ نہیں ہیں ہم خود صاحب اقتدار نہیں ہیں اقتدار اللہ تعالیٰ کا ہے اس کو چلانے کے لیے دنیا میں انسان بھیجا گیا ہے خلیفہ بنا کر۔

سب سے زیادہ بغض وعداوت اللہ کو جس نام سے ہے وہ مَلِکُ الْاَمْلَاکُ ہے یعنی شہنشاہ کا کوئی لقب اپنے لیے رکھے، کنگ رکھے۔

یہ سب زیادہ مبغوض ہے اللہ کو اس لیے کہ یہ لقب تو اس کا ہے وہ ہے شہنشاہ، وہ ہے جہانوں کا بادشاہ، تو انسان کے لیے شہنشاہی نہیں رکھی گئی،

عبادت اور بندگی رکھی گئی ہے اور بندگی یہ ہے کہ اس کے نظام کو اس کا آلہ کار بن کر، اس کا خادم بن کر، اسے خلیفہ کہیں گے اسے نائب کہیں گے تو اس سورت میں حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی بادشاہی کے اصول بیان فرمائے ہیں اللہ کی شاہی کا نظام ارشاد فرمایا

نظام بادشاہت میں سب سے پہلی چیز ہے بادشاہ کے اوصاف

تو نظام بادشاہت میں سب سے پہلی چیز ہے بادشاہ کے اوصاف کہ بادشاہ کیسا ہونا چاہیے اور حق تعالیٰ شانہٗ بادشاہ ہیں تو ان کی شان کیا ہے بادشاہی کی، تو بادشاہی کے مناسب کونسی شان ہے حق تعالیٰ کی، کہ جس سے بادشاہت انہی کے لیے سزاوار ہے دوسرے کے لیے نہیں۔ تو پہلی چیز ہے بادشاہ کے اوصاف اور کمالات کہ کس کمال کا ہونا چاہیے بادشاہ۔

دوسری چیز ہے بادشاہت کے لوازمات:

دوسرے یہ کہ وہ بادشاہ جب ہے تو اس کی بادشاہت کے لوازم کیا ہیں؟ کون کون سی چیزیں لازم ہیں بادشاہت کے لیے کہ اس کے بغیر بادشاہت عالم اسباب میں نہیں چلتی۔

تیسری چیز ہے ان لوازم کے آثار:

تیسرے یہ ہوگا کہ ان لوازم کے آثار کیا ہیں بادشاہت کے، جس ملک میں بادشاہ بادشاہی کر رہا ہے تو اس کی بادشاہی کے آثار کیا پڑ رہے ہیں اچھے پڑ رہے ہیں یا برے پڑ رہے ہیں مخلوق سکون و اطمینان سے ہے یا پریشانیوں اور الجھنوں میں مبتلا ہے، کیا آثار پڑ رہے ہیں؟ ان آثار کو دیکھ کر کہا جاتا ہے کہ بادشاہت بہت اونچی ہے اس لیے یہ سکون اور اطمینان ہے ملک کے اندر یا معاذ اللہ! بادشاہت بہت خراب ہے اس لیے ملک میں بدنظمی پھیلی ہوئی ہے

بادشاہت کے نظام میں ایک نظام تکمیلی ہے دوسرا تکوینی:

تو حق تعالیٰ شانہٗ کی بادشاہت کے نظام میں ایک نظام تو ہے تکمیلی کہ جس میں انسانوں کا دخل نہیں وہ ایسا منظم ہے کہ تل برابر اس میں کسی وقت کسی آن فرق نہیں۔ کھیتیاں اپنے طریق پر اگ رہی ہیں پیدا ہونے والے پیدا ہو رہے ہیں مرنے والے مر رہے ہیں تمام موسم اپنے وقت پر آ رہے ہیں، سورج اپنے وقت پر نکل رہا ہے، چاند اپنے وقت پر، ہر ایک کا ایک وقت مقرر ہے ذرہ برابر اس میں فرق نہیں لیکن ایک بادشاہت کا نظام ہے تکوینی یعنی انسان کو خود اختیار دے کر انسان سے کہا گیا کہ چلا اس نظام کو اس میں انسان خرچے پیدا کرتا ہے اپنی بدکرداری سے اور اپنی برائیوں سے اس نظام کو چلاتا ہے بلکہ اپنے ذاتی اقتدار کا نظام بنانا چاہتا ہے، اپنی بادشاہت جتانا چاہتا ہے دوسروں پر اللہ کی بادشاہی کو نہیں چلاتا اور جب کسی کے اندر جاہ پسندی آ جائے گی تو

فطرت انسانی اسے برداشت نہیں کرے گی جب ایک شخص یوں چاہے گا کہ میں بڑا بنوں اور دوسرے چھوٹے رہیں تو دباؤ میں آ کے قہر میں آ کے ممکن ہے بن جائیں چھوٹے، لیکن دلوں میں نفرت ہوگی اسے حق کیا ہے ہمارے اوپر حکمرانی کرنے کا؟ جیسے ہم ویسا یہ ہمارے برابر کا ہے۔ اگر کوئی یوں کہے کہ مجھے بادشاہ مانو تو گوارہ نہیں کرے گی مخلوق، کرے گی تو دباؤ میں آ کر اور اگر یوں کہے کہ بھئی نہ میں بادشاہ نہ تو بادشاہ ہم سب کا بادشاہ اللہ ہے۔ قانون اس کا ہے میں تو چلانے والا ہوں۔ سب کے دلوں میں اس کی عظمت بیٹھ جائے گی۔ تو اپنی جاہ پسندی اور اپنے اقتدار دوسری مخلوق پر نہیں لاد سکتے۔ لیکن زور دباؤ میں آ کر اپنا اقتدار چلاتے ہیں۔ تو مخلوق فکر میں رہتی ہے۔ کہ کوئی موقع پڑے تو اس کے اقتدار کو ختم کر دو۔ اس نے پارٹیاں بنالیں اس نے ایجی ٹیشن شروع کیا اس نے پبلک کو ہموار کیا بغاوت پھیلائی تو یہ جو بدنظمی ملک میں ہوتی ہے۔ اس کا سبب ہم ہیں، اللہ کی حکومت سبب نہیں جہاں بلاواسطہ اس کی حکومت ہے اس میں تل برابر فرق نہیں، جہاں حکومت تمہارے واسطے سے کرنا چاہتے ہیں۔ تا کہ تمہاری عزت ہو۔ اور وہاں ہم اپنی ذاتی عزت سمجھ کر نظام کو بگاڑتے ہیں۔ وہیں سے بدنظمی پیدا ہوتی ہے۔ تو بدنظمی کا ذمہ دار دنیا میں انسان ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نہیں ان کی بلاواسطہ بادشاہت میں ذرہ برابر فرق نہیں۔ جہاں تمہیں واسطہ بنایا ہے وہیں تم نے اپنی کدورتوں کو داخل کر دیا تو نظام بگڑ جاتا ہے اس لیے اس سورت میں اصول بیان فرمائے گئے ہیں کہ نظام عالم کن اصولوں پر چلنا چاہیے وہی اصول جو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں۔ انہی پر چلو گے تو تمہارا نظام درست ہوگا۔ ان سے ہٹو گے درست نہیں ہوگا۔ اس لیے پہلی چیز تو آتی ہے بادشاہ کے اوصاف۔

بادشاہ کے اندر سب سے پہلی چیز لیاقت اور قابلیت کا ہونا ہے:

بادشاہ کے اندر تو سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ قابلیت اور لیاقت ہونی چاہیے۔ کسی جاہل کو آپ بادشاہ بنا دیں تو جاہل کی بادشاہت جاہلانہ ہوگی۔ اور ان جاہلانہ چیزوں کا اثر برا پڑے گا۔ تو نظم کے بجائے بدنظمی پھیل جائے گی۔ تو بادشاہ کے اندر خود قابلیت اور کوئی کمال ہونا چاہیے۔ کہ جس کی وجہ سے لوگ بھی جھکیں اس کے آگے اور اس کا کام بھی چلے۔

بادشاہ کی قابلیت اور کمال یہ ہے کہ وہ مجسم خیر ہونا چاہیے:

اور یہ کہ خیر جو چیز ہے وہ بادشاہ کے اندر ہونی چاہیے۔ اگر معاذ اللہ وہ شرور کا مجموعہ ہوا برائیوں کا، تو برائی پھیلے گی۔ اس واسطے مثل مشہور ہے کہ "اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ جیسا راجہ ویسی پرجہ، جیسا بادشاہ ویسی رعایا۔ اگر بادشاہ نانجار ہے تو رعایا میں بھی نانجاری پیدا ہوگی۔ اگر بادشاہ کے اندر بھلائیاں ہیں تو رعایا میں بھی بھلائیاں پیدا ہوں گی۔ رعایا تو کوشش کرتی ہے

کہ بادشاہ کے قریب تر چلے۔" اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ "

قیصر جرمنی کی تقریر کے چند جملے:

جب یہ جنگ عظیم جاری تھی تو قیصر جرمنی نے تقریر کی اور اس نے تقریر میں چند جملے کہے تھے۔ اس میں کہا تھا کہ "اگر دنیا سے ترک مٹ جائیں تو شجاعت اور بہادری کا خاتمہ ہو جائے گا۔ جہاں بھی بہادری پھیلی ہوئی ہے وہ ترکوں کی بہادری کا اثر ہے۔ اور اگر جرمنی مٹ جائی تو سائنس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (اس زمانے میں اول نمبر پر جرمنی کا ملک تھا۔ سائنسی ایجادات میں، امریکہ اب بنا ہے بعد میں تو اس نے کہا تھا کہ ترک مٹ جائیں تو بہادری کا خاتمہ اور اگر جرمنی مٹ جائے تو سائنس کا خاتمہ) اور اگر فرانس مٹ جائے تو عیاشی اور بے حیائی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور اگر انگریز دنیا سے مٹ جائے تو ڈپلومیسی مکاری فریب بازی ان چیزوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔" تو ہر حکمران قوم کی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں۔ اور جب وہ قوم حکومت کرتی ہے تو پبلک میں وہ خصوصیات پھیلتی ہیں۔ اگر مکار بادشاہ ہے تو پوری قوم کے اندر مکر اور فریب اور چالاکی اور بے ایمانی اور دَغَلْ فَسَلْ یہ چیزیں پھیل جائیں گی۔ اور اگر بادشاہ دیانتدار ہے متدین ہے تو پوری رعایا کے اندر دیانتداری کا اثر ہوگا۔

سلیمان بن عبدالملک اموی بادشاہ کا شوق:

خلفاء بنی امیہ میں سلیمان بن عبدالملک بہت بڑا اونچے درجے کا خلیفہ ہے اسے نکاح کرنے کا بہت شوق تھا۔ بہت جوان اور بڑا مضبوط تھا۔ تو شرعی حدود میں رہتا نہیں اگر چار سے زائد بیک وقت کرتا (لہٰذا) چار سے زیادہ تو کرتا نہیں تھا بیویاں۔ مگر چھ مہینے میں طلاق دی حق مہر ادا کیا ایک اور سے کر لیا پھر پانچ مہینے اسے رکھا اور پھر اسے طلاق دے دی پھر تیسری سے تو چھ سو نکاح کیے۔

گویا جائز عیاشی کہنا چاہیے جو ایک مثل برابر ہے۔ قانون کے دائرے سے باہر نہیں سینکڑوں ہزاروں نکاح کر ڈالے تو اس زمانے میں جب امراء جمع ہوتے تھے۔ کسی مجلس میں تو پوچھتا کہ آپ کتنے نکاح کر چکے ہیں اس نے کہا کہ بیس؟ آپ نے کتنے کیے؟ میں پچاس کر چکا ہوں۔ تیسرے کہتے ہیں کہ میں جناب ساٹھ کر چکا ہوں۔ ایک صاحب کہتے ہیں کہ میں نے سو نکاح کیے ہیں اب تک، تو اس زمانہ میں مابہ الفخر یہی چیز بن گئی تھی۔ کہ کتنے نکاح کیے اس لیے کہ بادشاہ کا طریقہ یہی تھا کہ دے نکاح پہ نکاح، دے نکاح پہ نکاح تو رعیت کے اندر بھی یہی جذبہ پھیل گیا۔ کہ یہ ہی کوئی بڑی شان وشوکت کی چیز ہے۔

خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مشغلہ:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ عادل ہیں اور تین سو نفلیں رات میں ثابت ہیں ان کی باقی ان حضرات کے اوقات میں اللہ برکت دیتا ہے دن بھر تو پبلک کی خدمت میں مقدمات فیصلہ کرنے میں ملک کے تحفظ میں بقا میں اور رات کو تین سو نفلیں بھی تو کس وقت سوتے ہوں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ چوبیس گھنٹے عبادت میں گذارتے ہیں تو تین سو نفلیں رات میں ثابت ہیں اس زمانے میں امراء میں فخر کی بات کیا تھی جب کسی مجلس میں جمع ہوئے۔ آپ رات میں کتنی نفلیں پڑھتے ہیں انہوں نے کہا کہ بیس آپ کتنی پڑھتے ہیں؟ میں تو چالیس پڑھتا ہوں تیسرا کہتا ہے کہ میں پچاس نفلیں پڑھتا ہوں میں سو نفلیں پڑھتا ہوں تو فخر کی بات یہ ہوگی کہ نفلیں زیادہ پڑھی جائیں۔ تو ایک اصول ہے۔ جیسا راجہ ویسی پرجہ جیسا بادشاہ ویسی رعیت "اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ" ظاہر بات ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہ بادشاہ ہوں گے تو وہاں تو شر اور برائی کا تو نشان بھی نہیں اَلْخَیْرُ کُلُّهٗ مِنْکَ وَاِلَیْکَ وَالشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْکَ ساری خیر وبرکت تو اس کی ہے جہاں بھی خیر ہے وہ اس کی ہے شر اس کے پاس پھٹک نہیں سکتی۔ نہ اس کی ذات میں ہے نہ باہر کی شر وہاں تک جا سکتی ہے۔ وہ بَری ہے ہر شر سے تو جب خیر مطلق بادشاہ ہوگا۔ تو ظاہر ہے کہ عالم میں خیر پھیلے گی۔ تو پہلی چیز یہ ہے کہ بادشاہ کے اندر خیر کا غلبہ ہونا چاہیے اور جب اللہ بادشاہ ہے تو وہاں خیر ہی خیر ہے۔ وہاں شر کا کوئی نشان نہیں پھر وہ خیر ایسی ہونی چاہیے کہ اپنی ذات تک محدود نہ رہے۔ بلکہ وہ نکل کر دوسروں تک پہنچے اگر اپنی ذات سے بہت باخیر ہے ایک شخص مگر دوسروں کو اس کی خیر سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا تو دوسروں کے حق میں ہونا نہ ہونا برابر رہا۔ لیکن حق تعالیٰ شانہ کی خیر یہ ہے کہ پورے عالم میں پھیلی ہوئی ہے ذرے ذرے کے اندر پھیلی ہوئی ہے اس لیے کہ بنانے والے تو وہ ہیں وجود انہوں نے ہی دیا۔ اور وجود ہی سرچشمہ ہے ساری خیر وبرکت کا تو جس کو وجود دیا اس میں خیر پھیلی ہوئی ہے تو اللہ کی خیر ایسی ہے کہ خود اس کی ذات بھرپور ہے خیر سے اور ذرے ذرے پر اس کی خیر پھیل رہی ہے اسی کا نام ہے شریعت کی اصطلاح میں "برکت۔"

برکت کسے کہتے ہیں؟

برکت کہتے ہیں کہ کسی چیز کی خاصیت بھلائی تو اس میں ہو اور وہ پھیل کر دوسروں تک پہنچے تو کہیں گے کہ وہ شے مبارک ہے اگر اس میں خیر نہ ہو یا اس میں کوئی اچھا خاصہ نہ ہو اور وہ دوسروں تک نہ جائے تو کہیں گے خیر و برکت کی بات نہیں، پانی ہے مثلاً اس کی خاصیت ہے ٹھنڈک اس لیے کہ وہ خود بھی ٹھنڈا ہے اور دوسروں کے دلوں میں ٹھنڈک پیدا کرتا ہے اگر پانی پئیں اور ٹھنڈک نہ پہنچے تو کہیں گے کہ منحوس پانی ہے، برکت والا پانی وہ ہے کہ خود بھی ٹھنڈک ہے اس میں اور دوسروں کو بھی پہنچ رہی ہے۔ ہوا کے اندر خیر یہ ہے کہ اس میں رطوبت ہے اور خیر یہ ہے کہ جہاں جہاں ہوا پہنچتی ہے رطوبت پہنچتی ہے اگر ہوا چلے اور رطوبت کے بجائے خشکی پھیل جائے، خشک سالی پھیل جائے کہیں گے کہ وہ بڑی منحوس ہوا چلی اپنی خاصیت نہ دکھلائی اس نے

۔تو جس شے میں خیر چھپی ہوئی ہو۔اور وہ خیر دوسروں تک پہنچ رہی ہو۔اور اس میں روز بروز اضافہ ہی ہو۔اس کو کہتے ہیں ''برکت'' اس کو ظاہر فرمایا گیا ہے کہ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ برکت والی ذات ہے اللہ کی یعنی وہ ذات ہے کہ ہر خیر اس میں ہے اور اس کی ہر خیر مخلوق کو پہنچ رہی ہے تو معلوم ہوا کہ برکت کی ذات ہے اگر ساری خیر اس میں ہوتی اور مخلوق کو نہ ملتی خیر تو نہیں کہا جاسکتا تھا۔برکت والی ذات جو خود بھی خیر سے بھرپور اور دوسروں کو بھی خیر پہنچ رہی ہو۔مبارک ذات خیر میں مثلاً علم میں بہت بڑا کمال تو حق تعالیٰ شانہٗ سرچشمہ ہیں علوم کا اور اس نے ذرے ذرے کے اندر علم دے دیا ہے اپنی اپنی بساط کے مطابق تو برکت والی ذات ہے جو خود بھی علم سے بھرپور ہے اور عالم کے ذرے ذرے میں اس کی شان کے مطابق علم بھیج دیا۔عمل ہے تو خود بھی اس کی صناعی بے غبار اور بے داغ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۔ اللہ کی صفت اتنی مضبوط ہے کہ اس میں انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں کہ کوئی عیب نکال دے۔آسمان کو جیسا بنایا بس ویسا ہی بننا چاہیے۔نہ کمی ہے نہ زیادتی، زمین کو جیسا بنایا تھا ویسی ہی بنی چاہیے تھی، نہ کمی نہ زیادتی۔زمین اور آسمان کے درمیان جتنا فاصلہ ہے اتنا ہی رہنا چاہیے تھا اس سے کم ہوتب بھی مضر تھا اس سے زیادہ ہوتب بھی مضر۔تو ہر چیز اپنے اپنے موقع پر فٹ اور اپنی اپنی مقدار پہ جس کو فرماتے ہیں کہ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىِٕنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۔ہر چیز کے خزانے ہمارے ہاں بے انتہا ہیں، مگر ہم اتارتے ہیں عالم میں ایک مقدار اور اندازے کے مطابق جس کا تحمل کر سکے۔کائنات اتنا ہی دیتے ہیں تو روشنی لامحدود ہے مگر سورج کو اتنی دی جتنی کہ وہ برداشت کر سکے، اس کے ذریعے سے ہم تک اتنی پہنچائی کہ ہم تحمل کر سکیں۔اگر اتنی تیز روشنی دیتے کہ ہر وقت چندھیائے رہتے لوگ اور بینائیاں زائل ہو جاتیں تو کہتے کہ سورج برکت والا نہیں ہے یہ تو نحوست ہے بینائیاں چھن گئیں۔تو اتنی روشنی دی کہ جس کو وہ تحمل کرے۔اور جس کو ہم برداشت کر سکیں۔چاند میں اتنی ٹھنڈک دی کہ جتنی اس کے مناسب میں تھی۔اور اتنی ہم تک پہنچائی جتنی کہ ہم برداشت کر سکیں۔تو خیر بھی ہے اور خیر پھیل بھی رہی ہے، اور اس خیر میں اضافہ بھی ہے۔مخلوق آ رہی ہے مخلوق جا رہی ہے، مگر خیر میں کمی نہیں ہے ایک سے دوسرے کو دوسرے سے تیسرے کو، تو علم کی خیر، صنعت کی خیر، عمل کی خیر، اخلاق کی خیر یہ ساری چیزیں پھیل رہی ہیں۔تو ظاہر ہے کہ وہی ذات بادشاہت کے لیے موزوں اور مناسب ہوسکتی ہے جو ہر خیر سے بھرپور ہو۔علم ہے تو لامحدود، صنعت ہے تو لامحدود، اخلاقی کمالات ہیں تو لامحدود، برکات ہیں تو لامحدود، تو مبارک حقیقت میں اللہ کی ذات ہے جس میں اس کا کچھ اثر آ جائے گا۔اسے کہیں گے کہ برکت والا ہو گیا مبارک ہو گیا۔دن میں ایک چیز اچھی ڈال دی تو کہا جاتا ہے کہ بڑا مبارک دن ہے۔

آج اس میں تو بڑی بھلائیاں پہنچیں مخلوق کو۔رات میں جو کوئی بھلائی نکل آئے، کوئی اچھا واقعہ پیش آئے، تو کہا کرتے ہیں کہ بھئی بڑی مبارک رات تھی آج کی دیکھو۔کیسا واقعہ پیش آیا تو مبارک چیز وہ ہوتی ہے کہ اس کے اندر بھی خیر ہو اور وہ خیر دوسروں تک پہنچے۔اور اس میں گھٹنا نہ ہو بلکہ بڑھنا ہو۔اضافہ ہی اضافہ ہو۔اس کو برکت کہتے ہیں۔

اللہ کی ذات چونکہ برکتوں سے بھرپور ہے اس لیے بادشاہت کے لائق وہی ہے

تو جب اللہ کی ذات چونکہ برکتوں سے بھرپور ہے اس لیے بادشاہت کے لائق بھی وہی ہے اور کوئی بادشاہت کے لائق نہیں ہوسکتا۔ اگر ہوسکتا ہے تو اس کا نائب بننے کے لائق۔جیسے انبیاء علیہ السلام کو مبارک بنایا۔ان کے علم میں برکت، ان کے اخلاق میں برکت، ان کے افعال میں برکت، وہ کھانا سامنے رکھ دیں اس میں برکت ایک کا دو کو، دو کا دس کو کافی ہو جائے۔برکت ہی برکت ہے۔تو وہ نائب بننے کے لائق ہیں۔بادشاہ انہیں بھی نہیں بنایا۔یوں فرمایا کہ بادشاہت ہماری ہے ہماری نیابت میں یہ حکمرانی کریں گے۔تو بادشاہ کے لیے سب سے پہلے اس کی ضرورت ہے کہ وہ خیر سے بھرپور ہو، ارادے بھی اس کے نیک ہوں۔بدنیت نہ ہو۔علم بھی اس کا صحیح ہو غلط نہ ہو، اخلاق بھی اس کے اونچے ہوں۔گھٹیلو ے نہ ہوں افعال بھی اس کے صحیح ہوں بے قاعدہ اور بدنظمی لیے ہوئے نہ ہوں اس واسطے کہا جائے گا۔کہ وہ بابرکت ہے تو فرماتے ہیں تَبَارَكَ مبارک ہے اللہ کی ذات کیونکہ ساری خیر اس میں ہے ساری خیر پہنچ رہی ہے۔اور خیر میں اضافہ ہے کوئی کمی نہیں تو پہلی چیز یہ آ گئی کہ بادشاہ کے لیے شرط تھی کہ اس کی ذات بھرپور ہو خیر سے اس میں برائی کا نشان نہ ہو۔تو تَبَارَكَ کے لفظ سے تو اپنی ذات کی نوعیت بیان فرمائی ہے کہ برکت والی ہے اور برکت کہتے اسے ہیں کہ ہر خیر جمع ہو۔اور دوسروں تک پہنچے۔

بادشاہ کے لیے دوسری چیز ملک پر اس کا قبضہ ہونا ہے:

دوسری چیز جو بادشاہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس ملک میں حکمرانی کرے وہ قبضہ میں ہو۔اور جو قبضہ سے باہر نکلا ہوا ہو یعنی حکام کے ہاتھ میں بدنظمی پھیل رہی ہے۔بھاؤ غلط ہو رہے ہیں دَغَلُ فَسَلُ ہو رہا ہے۔تجارت میں، رشوتیں لیں جا رہی ہیں۔اور حکومت کو قابو حاصل نہیں تو کہا جائے گا کہ اس کے قبضہ میں نہیں ہے زبردستی لیا قبضہ میں مگر چلا نہ سکی حکومت اپنے قبضے کو، ہاتھ پلے کچھ نہ پڑا نہ پبلک کے ہاتھ پلے کچھ پڑا۔نہ بادشاہ کے ہاتھ پلے کچھ پڑا۔اور یوں ڈگر اپنا چل رہا ہے تو چلتا رہا، لیکن حقیقتاً جسے قابو میں آنا کہتے ہیں وہ وہ ہے کہ حکام کی گرفت میں ہو اس پر ذرا ادھر ادھر نہ ہٹ سکے۔اور تھوڑا ہٹے تو بادشاہ کو علم وسیع ہے تو وہ فوراً دار و گیر کرتا ہے اور سب سنبھل جاتے ہیں تو

بادشاہ کے لیے علم کی وسعت اور قبضے اور اقتدار کی وسعت ہونی چاہیے اگر ملک قابو میں نہ آئے تو ظاہر بات ہے کہ حکومت نہیں چل سکتی۔ اور چلے گی تو ظلم و جور کی حکومت ہوگی۔ بدنظمی کی حکومت ہوگی۔ تو پہلی شرط ہی ہے کہ بادشاہ باخبر ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس کا قبضہ صحیح ہو قابو سے نکلی ہوئی نہ ہو بات۔

شاہ جہاں کے ولی عہد مقرر کرنے کا قصہ:

کہتے ہیں کہ جب شاہجہاں بادشاہ نے ولی عہد بنانا چاہا تو دو بیٹے تھے ایک اورنگ زیب اور ایک داراشکوہ تو داراشکوہ کے لیے شاہجہاں کا خیال تھا کہ بڑا بھی ہے اورنگزیب سے اور باوجاہت بھی۔ اور ملکہ بھی یہی چاہتی تھی۔ کہ داراشکوہ بادشاہ بنے۔ ہندوستان کا اور عام پبلک کا بھی یہی خیال تھا کہ یہی ولی عہد ہونا چاہیے لیکن وزیراعظم کی رائے یہ تھی کہ اورنگزیب ہے بادشاہت کے لائق، داراشکوہ بادشاہت کے لائق نہیں، سنبھال نہ سکے گا۔ ملک کو اس کے قلب میں اتنی جان نہیں۔ بہرحال یہ چل رہا تھا قصہ۔ تو وزیراعظم نے امتحان لیا کہ دونوں کا امتحان کراؤں۔ اور ساتھ میں ایک پارٹی کو لیا تاکہ جو امتحان ہو سب کے سامنے آجائے۔ تو اس نے سب سے پہلے داراشکوہ کے یہاں اطلاع بھجوائی کہ میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ داراشکوہ نے استقبال کا سامان کیا۔ ملک کا وزیراعظم آرہا ہے تو حشم خدم کے ساتھ اور بڑی آؤ بھگت کے ساتھ وزیراعظم کو بلایا۔ اور اس کی شان کے مطابق عالی شان استقبال کیا مسند بچھائی اور اپنے برابر اس کو بٹھایا، قریب کیا، خیر وزیراعظم بیٹھ گیا اب وزیراعظم نے کچھ سوالات کرنے شروع کیے کہ دکن میں چاولوں کا کیا بھاؤ ہے؟ تو داراشکوہ جواب نہ دے سکا بنگال میں کیا بھاؤ ہے؟ پتہ نہیں۔ سونے کا کیا بھاؤ ہے؟ کچھ پتہ نہیں۔ مگر تعظیم و تکریم بہت کی خیر وزیراعظم وہاں سے واپس آیا اس کے بعد اطلاع کرائی اورنگزیب کے یہاں کہ میں آنا چاہتا ہوں اس نے کہا آجاؤ۔ اورنگزیب نے کوئی استقبال کا سامان نہ کیا جیسا اس کا مکان تھا ویسے ہی بیٹھے رہے۔ بلکہ ذرا اور لاابالی پن میں سرور پھیلا کر بیٹھ گئے۔ وزیراعظم آئے تو بہت استغنا تھا۔ کوئی تعظیم و تکریم خاص نہیں اس واسطے کہ جانتے تھے کہ اورنگزیب کہ امتحان لینے آرہا ہے۔ تو ممتحن کی آؤ بھگت کے معنی تملق اور خوشامد کے ہوتے ہیں کہ میں ہوں تو اس قابل نہیں مگر نمبر دے کر پاس کر دینا۔ اورنگزیب چونکہ خود علم رکھتا تھا۔ ملک کے تمام اطراف و جوانب کا اس لیے اس میں استغنا تھا۔ تو استغنا کے ہوتے ہوئے ضرورت ہی نہیں تھی کہ تملق اور خوشامد کرے تو بہت استغنا سے بیٹھا۔ وزیراعظم آئے تو خاص تکریم نہیں کی کہا السلام علیکم! وعلیکم السلام! بیٹھ جاؤ اب اس نے پوچھنا شروع کیا تو اس نے چار ہی سوال کیے اور اورنگزیب نے پورے ملک کی حقیقت بتلا دی کہ فلاں جگہ یہ بھاؤ ہے فلاں جگہ حکام بدنظمی میں مبتلا ہیں۔ اور فلاں جگہ عدل و انصاف ہو رہا ہے۔ فلاں حاکم کی ذہنیت ایسی اور وہ ذرا اسی ذہنیت کا، الغرض پورے ملک کا ایک نقشہ کھینچ دیا یہ بے چارہ وزیراعظم جسے خود اتنی معلومات نہیں تھیں جتنا اس شہزادہ کو معلومات تھیں آیا شاہ جہاں کے پاس۔ شاہ جہاں نے پوچھا کیا اثر لے کر آئے اس نے کہا جہاں پناہ تو یہ چاہتے ہیں کہ داراشکوہ بادشاہ اور اللہ یہ چاہتا ہے کہ اورنگزیب ہو بادشاہ۔ اور اللہ ہی کا چاہا پورا ہوگا۔ اس کے بعد حالات سنائے۔ تو بات وہی تھی کہ جو قابو پا سکے ملک پر وہی بادشاہ بنانے کے لائق ہے اور قابو وہ پائے گا جس کا علم صحیح ہو۔ علم کے وسائل صحیح ہوں۔ کہ کہاں کیا چیز گذر رہی ہے؟ رعایا میں بے چینی ہے، بدنظمی ہے، سکون ہے، بدامنی ہے امن ہے۔ ظلم تو نہیں کر رہے حکام تاجروں کو دیکھا جائے۔ کہ بلیک میں تو مبتلا نہیں، نفع خوری میں تو مبتلا نہیں ہیں، حکام رشوت ستانی میں تو مبتلا نہیں ہیں۔ تمام چیزوں کی اطلاع ہو اور علم ہونے کے بعد قدرت اور قوت حاصل ہو کہ طاقت سے ان کو ہٹایا جا سکے برائی سے۔ اگر قبضے میں ہی نہیں ملک تو حکومت نہیں چل سکتی۔ اس لیے حق تعالیٰ نے پہلے تو اپنی ذات کی شان فرمائی۔ تَبَارَكَ مبارک ذات ہے جس میں ہر خیر جمع ہے ہر خیر کا سرچشمہ ہے اور اس سے خیر پھیل رہی ہے اور دوسری شان یہ ہے کہ اَلَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْكُ اس کے ہاتھ میں ہے ملک۔ ذرہ برابر ادھر ادھر نہیں چل سکتا۔ ممکن نہیں ہے کہ اس کی منشاء کے خلاف کوئی چل جائے۔ ٹھیک ٹھیک اس کی منشاء پر چلے گا جو قضاء و قدر اس نے کر دی ہے دنیا پابند ہے اس کی، کائنات پابند ہے سارے جہاں مل کر اسی کے اردگرد گھومیں۔

بادشاہ کے لیے تیسری چیز اقتدار حاصل ہونا ہے:

اور تیسری چیز فرمائی کہ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہر چیز پر وہ قادر ہے اور جب قدرت اسے ہر چیز پر حاصل ہے، اقتدار ہر چیز پر حاصل ہے، تو بااقتدار کے آگے چوں نہیں کر سکتا کوئی اسے تو ڈر ہوگا کہ کہیں مجھے معزول نہ کر دے تو تین وصف بیان فرمائے ایک برکت اور ایک قبضہ اور ایک چیز اقتدار تو یہ تین چیزیں انتہائی ضروری ہوتی ہیں حکومت کے لیے۔ یہ لامحدود طریق پر اسی کی ذات میں موجود ہیں تو بادشاہت کے لائق بھی اس کی ذات ہے۔

سورہ ملک کا نام مَانِعَه اور مُنْجِیَهٗ بھی ہے:

اس سورت کا نام "سورۃ مانعہ" اور "سورۃ منجیہ" بھی ہے مانعہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ منع کرتی ہے عذاب قبر سے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قبر بیت ظلمت ہے اندھیروں کا گھرانہ ہے یہاں تاریکی کے سوا کسی اور چیز کا نشان نہیں اور سورہ تَبَارَكَ الَّذِیْ یہ روشنی ہے قبر کی، یا اس کا پڑھنے والا قبر کی روشنی مہیا کرتا ہے اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ روزانہ سوتے وقت آپ تَبَارَكَ الَّذِیْ اور الٓمّٓ سَجْدَة یہ دونوں سورتیں پابندی کے ساتھ تلاوت فرماتے تھے اور یہ بھی فرمایا کہ دونوں

سورتیں روشنی ہیں قبر کی۔ اس لیے اس سورۃ کا نام رکھا گیا ''مَانِعَه'' یعنی مانعت ظلمت، تاریکیوں کو دفع کرنے والی اور قبر میں اندھیری کوٹھڑی کو ایک روشن میدان بنا دینے والی۔ اس وجہ سے بھی کہ اس کی تلاوت کا خاصہ ہے نورانی طبع تو گویا تاریک قبر روشن ہو جائے گی اس کی تاثیر اس کا نام سورۂ ملک بھی ہے جس میں اللہ کی حکومت کے اصول بیان فرمائے گئے ہیں اور اللہ کی حکومت لامحدود ہے سارے جہانوں میں اسی کی حکومت ہے۔

ملک کے اندر پھیلاؤ اور وسعت داخل ہے:

تو ملک کے اندر وسعت داخل ہے ملک کہتے ہی اس کو ہیں کہ پھیلا ہوا ہو، پھیلا ہوا نہیں ہوگا تو اسے ہم صوبے کی حکمرانی اور ریاست کہیں گے اور تنگ ہو جائے گی اسے قصبے کی حکومت کہیں گے اور تنگ ہو جائے گی تو اسے قبیلے کی حکومت کہیں گے تو اور زیادہ تنگ ہو جائے گی تو اسے گھر کی حکومت کہیں گے تو حکمرانوں میں ملک کی حکومت سب سے زیادہ وسیع ہے اور اللہ کا ملک ہی ساری کائنات میں پھیلا ہوا ہے جہاں غیر اللہ کی حکمرانی ہے، وہ (بھی) سب اسی کا ملک ہے اس لیے اس کی وسعت کی کوئی حد و نہایت نہیں اس ملک میں عالم دنیا بھی داخل ہے۔

دنیا کسے کہتے ہیں:

اور دنیا کہتے ہیں دنی کو یعنی خسیس اور ذلیل کو تو سب سے زیادہ ذلیل عالم یہ ہے اسی واسطے حدیث میں فرمایا گیا ہے اِنَّ الدُّنْيَا لَا تَزِنُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ '' کہ پوری دنیا مل کر اللہ کے یہاں اتنی بھی وقعت نہیں رکھتی جیسے کہ مچھر کی ایک ٹانگ ہوتی ہے، تو یہ بے وقعت عالم ہے۔ (معارف حکیم الاسلام قاسمی قدس سرہٗ)

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ
جس نے بنایا مرنا اور جینا
لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ
تاکہ تم کو جانچے کون تم میں اچھا کرتا ہے کام ☆

موت و حیات کا مقصد:

یعنی مرنے جینے کا سلسلہ اسی نے قائم کیا' ہم پہلے کچھ نہ تھے (اسے موت ہی سمجھو) پھر پیدا کیا اس کے بعد موت بھیجی' پھر مرے پیچھے زندہ کر دیا۔ کما قال '' وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ '' (بقرہ رکوع ۳) موت و حیات کا یہ سارا سلسلہ اس لیے ہے کہ تمہارے اعمال کی جانچ کرے کہ کون برے کام کرتا ہے کون اچھے اور کون اچھے سے اچھے۔ پہلی زندگی میں یہ امتحان ہوا اور دوسری زندگی میں اس کا مکمل نتیجہ دکھلا دیا گیا فرض کرو اگر پہلی زندگی نہ ہوتی تو عمل کون کرتا' اور موت نہ آتی تو لوگ مبدا و منتہی سے غافل اور بے فکر ہو کر عمل چھوڑ بیٹھتے اور دوبارہ زندہ نہ کیے جاتے تو بھلے برے کا بدلہ کہاں ملتا۔ (تفسیر عثمانی)

مختلف درجات کی زندگی

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ حیات اللہ کی بھی صفت ہے اور مخلوق کی بھی (مطلق) حیات کے لئے صاحب حیاۃ کا عالم قادر اور صاحب ارادہ ہونا لازم ہے اللہ نے اپنے ارادہ اور ممکنات کی استعداد (فطری) کے موافق مختلف ممکنات کو مختلف درجات کی زندگی عطا فرمائی ہے (الف) کسی مخلوق (یعنی انسان) کو ایسی زندگی عطا فرمائی جس کے نتیجہ میں اللہ کی ذات وصفات کی معرفت اس کو حاصل ہوگئی۔ یہی وہ امانت ہے، جس کو انسان نے برداشت کر لیا اور تمام آسمان زمین پہاڑ اس کو اٹھانے سے خوف زدہ ہو گئے یہ حیات (معرفت اندوز) اللہ کی طرف سے محض القاء نوری کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔

امام احمدؒ اور ترمذیؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر ان پر اپنے نور کا کچھ (پرتو) ڈال دیا تو جس کو اس نور کا کچھ حصہ مل گیا اس نے ہدایت پائی اور جس کو نہ ملا گمراہ ہو گیا (اسی لیے) میں کہتا ہوں کہ علم الٰہی (کے مطابق لکھ کر) قلم خشک ہو گیا (ب) کسی مخلوق کو ایسی زندگی بخشی کہ حس اور حیوانی حرکت کو وہ اپنے ساتھ لے آئی اس حیات اور اس کے مقابل (موت حیوانی) کی تعبیر اس آیت میں فرمائی ہے كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ تم بے حس وحرکت تھے اللہ نے تم کو حیات (حیوانی) عطا کی پھر وہ تم کو بے حس وحرکت کر دے گا پھر زندگی عطا کر دیگا (ج) کسی مخلوق کو ایسی زندگی عطا کی کہ وہ اپنے ساتھ صرف نمو (تناسب طبعی کے مطابق لمبائی چوڑائی اور موٹائی میں بیشی) لاتی ہے۔

موت کا معنی ہے مطلقاً زندگی نہ ہونا ایسی چیز میں زندگی نہ ہونا جو زندہ ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے (جیسے نابینا انسان یا حیوان کو ہی کہا جاتا ہے کیونکہ انہی میں بینا ہونے کی صلاحیت ہوتی ہے دیوار کو نابینا نہیں کہا جاتا، کیونکہ دیوار میں بینا ہونے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔)

مطلب یہ ہے کہ مبدء فیاض (خالق کائنات) سے ہر ممکن کو جو وجود خارجی عطا ہوتا ہے وہ ثبوت کونی یا تقرر علمی کی وساطت سے ہوتا ہے اعیان ثابتہ کے حجاب زجاجی (لیمپ کی چمنی) سے نور وجود چھن کر باہر آتا ہے اسی کی طرف آیت مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

بغوی نے بروایت عطاء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے دنیا میں موت کو خلق (مقدر) کر دیا ہے اور آخرت میں (دوامی) زندگی کو میں کہتا ہوں شاید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ اللہ نے دنیوی زندگی کی تعبیر موت سے اور آخرت کی زندگی کی تعبیر حیات سے فرمائی ہے۔

موت کی موت:

حاکم اور ابن عبان نے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا موت کو چتکبرے مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا الخ۔ ان روایات کے سلسلہ میں سلف کا طریقہ یہ رہا ہے کہ ان کے معنی پر غور نہ کیا جائے صرف مان لیا جائے اور دوسرے متشابہات کی طرح ان کے (حقیقی) علم کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے (اور کہہ دیا جائے ہمارا ان پر ایمان ہے اور ان کی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے) سیوطیؒ نے حکیم ترمذیؒ کا یہی قول نقل کیا ہے لیکن صوفیہ صافیہ کو چونکہ عالم مثال کا بھی کشف ہوتا ہے اور عالم مثال میں ہر جوہر عرض بلکہ غیر مادی چیز بلکہ باری تعالیٰ کی بھی ایک شکل ہے باوجود یہ کہ اللہ ہر شباہت سے پاک ہے اور عالم مثال پر ہی اس حدیث کو محمول کیا جاتا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے باپ کو بے ریش و بروت جوان کی شکل میں دیکھا اور اس کے دونوں پاؤں میں سونے کی جوتیاں تھیں، کبھی اللہ کی قدرت سے صورت مثالیہ عالم مثال سے عالم شہادت کی طرف منتقل ہو کر آ جاتی ہے بکثرت اولیا کی اس سلسلہ میں کرامتیں مشہور ہیں تو ممکن ہے کہ قیامت کے دن خدا تو عالم مثال سے موت کی صورت مثالیہ لوگوں کے سامنے لے آئے اور بحکم الٰہی اس کو ذبح کر دیا جائے تا کہ جنت اور دوزخ والے سمجھ جائیں (کہ موجودہ مکان میں) ہمیشہ رہنا ہے (آئندہ کبھی) موت نہیں ہوگی اسلام، ایمان، قرآن، اعمال، امانت، رحم اور دنیاوی ایام کے حشر کا جو صحیح احادیث میں تذکرہ آیا ہے اس کی مراد بھی یہی ہے (کہ عالم مثال میں چونکہ ان سب کی صورتیں ہیں وہ ہی صورتیں سامنے لے آئی جائیں گی)

اعمال اور معانی کی صورتیں:

سیوطیؒ نے بدور سافرہ میں بیان کیا ہے کہ تمام اعمال اور معانی (یعنی اجسام کے علاوہ) بھی مخلوق ہیں جن کی صورتیں اگر چہ ہم کو نظر نہیں آتیں لیکن اللہ کے علم میں ان کی صورتیں ہیں، اہل حقیقت نے صراحت کی ہے کہ معانی کی حقیقتوں سے واقف ہونا اور ان کو صورت جسمانی مشاہدہ کرنا کشف (اولیا) کی ایک خاص قسم ہے۔ احادیث اس کی بکثرت شاہد ہیں (انتہی) سیوطیؒ کا یہ قول عالم مثال کا بیان ہے (اولیاء کو عالم مثال ہی کا کشف ہوتا ہے عالم مثال ہی میں وہ معانی کی صورتیں دیکھتے ہیں)

امتحان کا مقصد:

لِيَبْلُوَكُمْ یعنی اوامر و نواہی کا پابند بنا کر اللہ تمہارے ساتھ بھی ویسا ہی عمل کرنا چاہتا ہے جیسا ممتحن امتحان دینے والوں کے ساتھ (ان کے درجات کو الگ الگ کر دینے کے لئے) کرتا ہے (مطلب یہ کہ بندوں کو مکلف کرنا بصورت امتحان ہے لیکن یہ امتحان اس لئے نہیں کہ اللہ کو بندوں کی وہ حالت معلوم ہو جائے جو پہلے معلوم نہ تھی بلکہ اس لئے ہے کہ بندوں کے درجات کو الگ الگ کر دیا جائے کوئی دوزخی اور کوئی جنتی ہو جائے۔

اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا بغویؒ نے بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کیا ہے کہ اَحْسَنُ عَمَلًا یعنی کون زیادہ اچھی سمجھ رکھتا ہے اور کون ممنوعات الٰہیہ سے اپنے نفس کی باز داشت کرنے والا ہے اور کون اطاعت الٰہیہ میں زیادہ سرگرم ہے گویا عمل سے مراد فہم تقویٰ اور اطاعت لیبلوکم کا تعلق خلق الموت والحیات سے ہے یعنی تخلیق موت و حیات کی حکومت یہ ہے کہ فرماں بردار اور نافرمان کا (جدا جدا) ظہور ہو جائے کیونکہ اوامر و نواہی کا پابند بنانے کا مدار زندگی پر ہے زندگی ہی کی وجہ سے تعمیل احکام کی قدرت حاصل ہوتی ہے۔

سب سے بڑا واعظ:

اور موت ایک واعظ ہے جسے دانشمند نصیحت اندوز ہوتا ہے اور آخرت کے لئے توشہ فراہم کرنے کا موقع غنیمت سمجھتا ہے۔

حیوۃ موت کا انقلاب صانع حکیم مختار کے وجود کی دلیل ہے حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر کی مرفوع روایت ہے موت سب سے بڑا واعظ ہے اور ایمان سب سے بڑی دولت　　(رواہ الطبرانی)

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے ربیع بن انسؒ مرسل قول نقل کیا ہے کہ دنیا سے بے رغبت بنانے اور آخرت کی اندرونی طلب پیدا کرنے کے لئے موت کافی ہے۔

سات چیزوں سے پہلے عمل کرلو:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ سات چیزوں سے پہلے عمل کرلو جو تمہارے سامنے آئیں گی (۱) ایسا افلاس جو (خدا اور احکام خدا کو) فراموش کر دے۔ (۲) ایسی دولت جو سرکش بنا دے (۳) تباہ کن بیماری۔ (۴) بے علم بنا دینے والا بڑھاپا۔ (۵) (دنیا کو چھڑا دینے والی) موت (۶) دجال یہ ایسا شر ہے جس کا (ہر پیغمبر کے زمانہ میں) انتظار کیا جاتا رہا ہے (۷) اور قیامت کے ساتھ جو سب سے بڑی مصیبت اور تلخ ترین حقیقت ہے۔ ترمذیؒ اور حاکمؒ نے اس حدیث کو بیان کیا ہے اور حاکمؒ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے احمدؒ اور مسلمؒ نے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کیا ہے کہ چھ چیزوں سے پہلے (اصلاح اعمال) کرلو (۱) مغرب سے آفتاب کا طلوع ہونا (۲) دھواں (۳) دابۃ الارض (۴) دجال (۵) وہ چیز جو ہر شخص کے لئے مخصوص ہے یعنی موت (۶) اور وہ امر جو عمومی ہوگا یعنی قیامت بیہقیؒ نے حضرت ابو امامہؓ کی روایت سے اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع میں ہے کفیٰ بالموت واعظا و کفیٰ بالیقین غنی یعنی موت وعظ کے لئے کافی ہے

اور یقین غنی کے لئے　　(رواہ الطبرانی)

مراد یہ ہے کہ اپنے دوستوں اور عزیزوں کی موت کا مشاہدہ سب سے بڑا واعظ ہے جو اس سے متاثر نہیں ہوتا اس کا دوسری چیزوں سے متاثر ہونا مشکل ہے اور جس کو اللہ نے ایمان یقین کی دولت عطا فرمائی اس کے برابر کوئی غنی و بے نیاز نہیں۔

حسن عمل کیا ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی یہاں تک اَحْسَنُ عَمَلاً تک پہنچے تو فرمایا کہ اَحْسَنُ عَمَلاً وہ شخص ہے جو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے سب سے زیادہ پرہیز کرنے والا ہو اور اللہ کی اطاعت میں ہر وقت مستعد و تیار ہو۔

(قرطبی) (معارف القرآن مفتی اعظم)

اللہ کی قدرت کا کمال:

یہ اس کی قدرت کا کمال ہے کہ اس بے وقعت عالم میں ایسے افراد پیدا کئے کہ وہ سارے جہانوں پر بڑھ جائیں گے اپنے کمالات کے سبب سے، تو اللہ نے اپنی قدرت کے لئے اس دنیا کو بنایا اظہار قدرت کے لئے اگر انسان کو پیدا کرتے اگر وہ فرشتوں میں رہتا تو وہاں اگر نورانیت ہوتی تو زیادہ عزیز بات نہ سمجھی جاتی اس لئے کہ فرشتے بھی نورانی ہے، ان کا ملک بھی نورانی، وہ خود ایمانی ملک ہے، وہاں کفر کی کھپت ہی نہیں، وہاں غلاظت نہیں، نجاست نہیں، صاف ستھرا ملک ہے پاک صاف تو اس میں رہ کر اگر انسان ترقی کرتا تو قدرت کا پوری طرح سے نمونہ ظاہر نہ ہوتا لیکن لا کر رکھا انسان کو اس جہان میں کہ یہ گندگیوں کا عالم ہے۔ ہر طرف نجاست حتیٰ کہ انسان کی پیدائش بھی نجاست سے۔ ایک گندے قطرے سے پھر اس گندے قطرے کو پرورش دیتے ہیں نو مہینے تک ایک گندے عالم میں جسے رحم مادر کہتے ہیں جو ما سوائے حیض اور گندے پانی کے اور کچھ نہیں، غذا انسان کی وہ گندی، حیض کا خون بند ہو جاتا ہے وہ غذا بنتا ہے یا اس کے اجزاء بنتے ہیں بنی آدم کے، نہایت ہی ظلمانی عالم ہے نہ اس میں روشنی ہے نہ چمک سوائے اندھیریوں کے اور پھر اندھیریوں میں بھی تین اندھیریاں فرمائی گئیں۔

انسان کی تخلیق مرحلہ وار اور تین اندھیریوں میں ہوئی ہے:

تمہیں ہم نے پیدا کیا ہے ماں کے پیٹ میں دور بہ دور یعنی مختلف دور آئے ہیں تمہاری خلقت میں۔ کبھی انسان قطرہ ہے، بنص حدیث چالیس دن کے بعد خون کی بوند بن گیا پھر چالیس دن گذرے تو مضغہ گوشت بن گیا پھر چالیس دن گذرے تو اس میں ہڈیاں پہنا دی گئیں، پھر چالیس دن گذرے تو کھال پہنا دی گئی اس کے بعد روح ڈالی جاتی ہے تو پیدائش بھی گندے قطرے سے، غذا بھی گندی، مکان بھی گندہ اور وہ مکان بھی اندھیرا اور اندھیریاں بھی تین، ایک اندھیری کوٹھڑی کہ ماں کا پیٹ ہے اس میں کوئی چمک نہیں، کوئی نورانیت نہیں اس اندھیری کوٹھڑی میں ایک اور اندھیری کوٹھڑی ہے جس کو رحم مادر کہتے ہیں۔ یہ اس سے بھی زیادہ تنگ اور تاریک، اور اس میں پھر ایک اندھیری کوٹھڑی ہے وہ ہے مَشِیْمَۃٌ وہ جھلی جس میں لگتا ہوا بچہ پیدا ہوتا ہے اور دایہ اس کو کاٹ کر بچے کو نکالتی ہے تو ماں کا پیٹ اس میں رحم مادر، رحم مادر میں وہ مشیمہ جھلی، تو تین اندھیری کوٹھڑیوں میں انسان کو بنایا اور گندے قطرے سے بنایا اور گندی غذا سے بنایا۔ اس گندے انسان کو جب پاک بنایا تو اتنا پاک بنایا کہ فرشتوں سے بھی بازی لے گیا تو اس میں اللہ کی قدرت کا نمونہ ظاہر ہوتا ہے۔ اگر انسان کو جنت ہی میں رکھتے اور وہیں ترقی دیتے تو کوئی زیادہ کمال نہ سمجھا جاتا پاک عالم نورانی عالم اس میں اگر نورانی مخلوق بن گئی تو بننا کوئی تعجب انگیز نہیں عجیب چیز یہ ہے کہ ظلمتوں میں گندگیوں میں سے پاک باز انسان نکالا، تو اس سے خدا کی قدرت کا نمود ظاہر ہوتا ہے، پھر اس کو لا کر رکھا دنیا میں کہ دنیا میں خود گندگی، کھانا پینا اور بول براز اور نجاسات اور گندگی اس سب کے اندر رہ کر پھر انسان بنتا ہے پاک باز تو اللہ کی قدرت کا نمونہ ظاہر ہوتا ہے تو ملک حق تعالیٰ کا یہ ساری کائنات ہے۔

کائنات میں دنیا سب سے کمتر عالم ہے اس سے اوپر بڑے بڑے عالم ہیں

اس میں کمتر عالم یہ دنیا ہے اس سے بڑے بڑے عالم ہیں ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ایک ایک ستارے کو دیکھو، سورج کو دیکھو آج کل کی تحقیق کے مطابق چار کروڑ گنا بڑا ہے زمین سے یعنی چار کروڑ زمینیں بن سکتی ہیں اس میں، اور یہ چھوٹا ستارہ ہے اور بڑے بڑے ستارے تو ان گنت ہیں، ان کی بڑائیوں کی کوئی انتہا نہیں پھر ان کے اوپر آسمان ہیں سات، ان کے اوپر جنتیں ہیں سو، اور ان کے اوپر پھر عظیم الشان دریا ہے کہ جس کی ایک ایک موج پورے آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہوتی ہے۔ اس کے اوپر عرش عظیم ہے اور کرسی ہے تو حق تعالیٰ بادشاہ ہیں اور شہنشاہ ہیں، فقط ایک ملک کے نہیں، ہفت اقلیم کے نہیں، صرف دنیا جہان کے نہیں بلکہ کروڑوں جہانوں کے بادشاہ ہیں اور اتنی بڑی بادشاہت کہ کوئی ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا بغیر ان کی مشیت کے اور ان کے حکم کے اور اذن کے۔ تو ملک کے اندر وسعت داخل ہے اللہ کے ملک میں تو کوئی حد نہیں وسعت کی۔ تو اس سورۂ ملک میں کیونکہ اللہ کے ملک کی وسعت بیان کی گئی ہے اس واسطے اس میں خاصیت یہ ہے کہ یہ وسیع بھی کر دیتی ہے قبر کو، یہ قبر کو اتنا وسیع بنا دیتی ہے کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ''مومن جب سوال و جواب میں پورا اترتا ہے تو اس کی قبر وسیع کی جاتی ہے اتنی وسیع کہ تا حد نظر وہ میدان ہی میدان نظر آتا

ہے۔ باغ و بہار'' تو تنگ جگہ کو اتنا وسیع بنا دیا کہ وہ وسعت محسوس ہوتی ہے اور حد نظر حسی تو یہ ہے کہ آدمی جب لیٹتا ہے تو ایک دم اس کی نظر آسمان تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ آسمان ہو نہ ہو۔ اس کے اوپر ہو آسمان بہر حال وسعت نظر آتی ہے کہ وہاں تک پہنچتی ہے۔ یہ حسی نظر ہے اور وہاں کی نظر ہوتی ہے روحانی جو اس سے بھی زیادہ دور تک پہنچتی ہوگی۔ تو قبر کو اتنا بڑا عالم بنا دیتے ہیں کہ وہ دنیا سے بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے تو گویا اس سورت کو ''مانعہ'' کہا گیا ہے کہ وہ روکتی ہے ظلمت کو اور اتنی نورانیت پیدا کرتی ہے کہ تا حد نظر نور رہی نور نظر آتا ہے تو ''مانعہ'' اس بناء پر فرمایا گیا۔ اور اس سورۃ کا دوسرا نام ''منجیہ'' یعنی نجات دینے والی تو عذاب قبر سے بھی نجات دیتی ہے حدیث میں ہے کہ بائیں طرف سے عذاب آتا ہے تو روکتی ہے اور دائیں طرف سے آتا ہے تو روکتی ہے اور اوپر سے نیچے سے غرض چہار طرف سے یہ روکتی ہے تو نجات دے دیتی ہے بندے کو عذاب قبر سے، تنگی سے نجات دی، ظلمت سے نجات دی اور عذاب سے نجات دی، اس واسطے اس کا نام ''منجیہ'' ہے۔

اس سورۃ کا نام مُلک کیوں رکھا گیا:

اور ملک اس واسطے اس کا نام ہے کہ اللہ کی شہنشاہی کے اصول بیان فرمائے گئے ہیں تاکہ دنیا میں اسی انداز سے ہم نظام قائم کریں اور خلیفۃ اللہ بن کر اللہ کی حکومت کو دنیا میں پھیلائیں۔ اس واسطے اس کا نام ملک ہے میں نے عرض کیا تھا کہ ملک میں سب سے پہلے چیز جو آتی ہے وہ ہے بادشاہ کی ذات، اس کے بعد آتی ہے بادشاہ کی صفات، اس کے بعد بادشاہ کے افعال اور اس کے بعد آتے ہیں افعال کے اثرات، کہ اس سے ملک میں کیا اثرات پھیلے، اس کی حکومت کے۔ اس میں سب سے پہلے تو اللہ کی ذات کو بیان کیا گیا ''تَبٰرَکَ'' کہ لفظ سے بڑی مبارک ذات ہے، برکت والی ذات ہے برکت کے معنی میں نے یہ عرض کیے تھے کہ ساری خیر کا مجموعہ اور پھیلنے والی۔ خیر تو خود ذات بادشاہ ہے خیر کا منبع اور سرچشمہ۔ اور اس سے خیر پھیلتی ہے تو جہانوں میں پھیل رہی ہے ولادتیں ہو رہی ہیں حیات ہو رہی ہے۔ زندگی ہو رہی ہے۔ زندوں میں سے زندہ پیدا ہو رہے ہیں پھر ان میں سے اور پیدا ہو رہے ہیں۔ انسان میں سے انسان۔ پھر انسان کی ضرورت کے لیے جانور بنائے تو جانور میں سے ایک جانور اس میں سے دوسرا اور اس میں تیسرا، کروڑوں جانور پیدا ہو رہے ہیں۔ پھر انسان کی ضرورت کے لیے مثلاً درخت اور نباتات ہیں تو درختوں میں یہ برکت کہ ایک درخت میں قلم لگایا تو دوسرا۔ دوسرے سے تیسرا۔ تیسرے سے چوتھا، لاکھوں، کروڑوں، اربوں، کھربوں درخت بنتے چلے جا رہے ہیں۔ جمادات کو دیکھو کہ پہاڑ ہیں۔ پہاڑوں میں پتھر ہیں، پتھر بڑھ بڑھ کر پہاڑ بن گئے ریتہ جمع ہوا وہ پہاڑ ہو گیا پہاڑوں میں سے پہاڑ نکلتے جا رہے ہیں تو برکت والے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ بادشاہ عالمین کی ذات بھی بابرکت، کہ ہر خیر کا مجموعہ اور سرچشمہ اور اس برکت کے آثار اتنے کہ برکت در برکت پھیلتی چلی آ رہی ہے ملک بھر میں برکات کا ظہور ہے تو اللہ کی ذات یعنی بادشاہ بحیثیت مَلِک اور بادشاہ ہونے کے اس کی شان یہ ہے کہ وہ خیر کا سرچشمہ اور پھیلنے والی خیر ہے اسی کو کہتے ہیں ''برکت'' کہ خود ذات میں بھی خیر ہو اور وہ پھیلے اتنی کہ کوئی انتہا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے زیادہ مبارک کس کی ذات ہے؟ برکت والی کس کی ذات ہے؟ تو فرمایا تَبٰرَکَ بڑی برکت والی ذات ہے جدھر دیکھو برکت پھیل رہی ہے پھر فرمایا کہ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ اس کی ذات وہ ہے جس کے قبضے میں ہے ملک اور ملک چھوٹا موٹا نہیں کروڑوں، کھربوں، اربوں جہان ہیں اور اس کی یہ شاخ در شاخ برکات سب اس کے قبضے میں ہیں کہ کوئی ذرہ بھی نہیں ہل سکتا کہ جب تک کہ اس کی مشیت نہ ہو تو قبضے کا یہ عالم ہے ملک کے اوپر نظام حکومت بھی ہے کہ جو چیز جس طرح بنا دی وہ اسی محور پر گھوم رہی ہے سورج ہے، چاند ہے، زمین ہے، اپنے ایک مرکز کے ارد گرد سارے اسکے افعال چکر کھا رہے ہیں حرکت کر رہے ہیں تو بِیَدِہِ الْمُلْکُ ساری چیزیں اس کے قبضے میں ہیں نظام اسکے قبضے میں ہے ظاہر بات ہے کہ جب نظام پر قابو ہے بادشاہ کا۔ تو ذرہ نہیں ہل سکتا تو اس کی مملکت کتنی پر امن ہوگی، کتنی بابرکت ہوگی۔

نظام عالم میں بے برکتی کیوں ہوتی ہے؟

اب جو بے برکتی پیدا ہوتی ہے (تو اس کی وجہ یہ ہے) کہ جہاں انسان کا دخل آ گیا ہے (اسے تو حکم دیا گیا تھا) کہ تو ہمارے نمونہ پر چل، وہ اپنی حرص و ہوا سے کہیں اپنا ذاتی اقتدار چاہتا ہے تو اللہ کے اقتدار کو بھول کر اپنا ذاتی اقتدار قائم کرتا ہے۔ اسکی طاقت کو فراموش کر کے اپنی طاقت پر غرّہ کرتا ہے جب وہ اپنی طاقت پر غرّہ کرے گا دعویٰ کرے گا دوسرے اس کے مخالف بنیں گے تو ملک میں بدنظمی پھیلے گی اگر وہ اپنی جاہ چاہے گا تو ہر انسان جاہ پرست ہے، وہ بھی جاہ کی طرف چلے گا اگر دو نگاہیں جمع ہوں گی تو وہ ٹکرائیں گی ایک دوسرے کو گرانا چاہے گا وہیں سے فتنہ فساد پھیلے گا، تو جہاں پر حق تعالیٰ کی تکوینی حکومت ہے اس میں کوئی بدنظمی نہیں ہر چیز اپنے محور پر چل رہی ہے اور جہاں تکمیلی چیز آئی جس میں انسان کو واسطہ بنایا تو اگر انسان درست ہے، پاکیزہ تب تو اللہ کے نظام کو چلائیں گے جیسے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام (ہیں) کہ ذرہ برابر ان کے دلوں میں اپنی ذات کا اقتدار نہیں ہوتا حالانکہ اللہ نے انہیں سب سے زیادہ بااقتدار بنایا ہے اپنی ذات کے بارے میں انبیاء علیہم السلام کو جاہ پسندی کا خطرہ بھی لاحق نہیں ہوتا۔ اسی طرح سے جو انبیاء علیہم السلام کے بلا واسطہ متبعین ہیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین وہ بھی اسی انداز پر اللہ کی حکومت کو چلاتے ہیں کہ ان میں نہ جاہ پسندی ہے نہ مال پسندی نہ محبت مال کی نہ محبت جاہ کی، فقط جاہ ہے تو اللہ کے سامنے ہے ملک تو اللہ کا

سامنے ہے اپنے کو خادم کی حیثیت سے رکھتے ہیں ان کے دل میں قطعاً نفسانیت کے وسوسے نہیں ہوتے کہ ہم کوئی چیز ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تنہائی میں اپنے آپ کو خطاب کرنا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ تنہائی میں ایک دفعہ بیٹھے ہوئے تھے یہ بھی نہیں کہ کوئی سامنے ہو کہ دکھلانے کو کہہ رہے ہوں تنہائی میں بیٹھے ہوئے ہیں حیرت سے بیٹھے ہوئے ہیں اپنے کو خطاب کر کے بَخٍ بَخٍ یَا بْنَ الْخِطَابِ اَصْبَحْتَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ. حیرت ہے اے عمر رضی اللہ عنہ! تو امیر المومنین تیری بھی یہ قابلیت ہے کہ تو خلیفہ بنایا جائے (امیر المومنین بنایا جائے) اس درجہ بے نفسی ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر حیرت میں ہیں کہ مجھے کس طرح خلیفہ بنا دیا مجھ میں تو یہ لیاقت نہیں تھی تو ان لوگوں کے قلوب اتنے پاک اور صاف ہیں کہ سلطنت اتنی بڑی کہ سلاطین عالم کانپتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لے کر، اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھو تو ان کے دل میں خطرہ بھی نہیں کہ میں کوئی چیز ہوں حیرت سے خود کہہ رہے ہیں تو امیر المومنین؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تزکیہ قلب کا عالم:

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امیر المومنین ہیں اور خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں بلا واسطہ لیکن قلب کی صفائی اور تزکیہ کا یہ عالم ہے کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر اپنی زبان باہر نکال کر ایک ہاتھ سے پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے اسے لکڑیاں مارتے ہیں اور یہ کہتے ہیں هٰذِهٖ اَوْرَدَنِیْ الْمَوَارِدَ یہ زبان ہے جس نے مجھے مصیبتوں میں مبتلا کیا ہے، مصائب میں پھینکا اور ہلاکتوں میں ڈالا، خدا جانے کہ میری زبان کیا بکواس کرتی ہو۔ کیا چیز کہتی ہو۔ میرے عمل نہ کہیں ضائع ہو جائیں اس درجہ بے نفسی کا عالم ہے کہ زبان پر اعتماد نہیں کہ کوئی کلمہ خلاف شرع نہ نکل جائے کوئی جھوٹ نہ نکل جائے تو زبان کو لکڑیاں مار رہے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنی قمیض کاٹنا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک دن مجلس مبارک میں بیٹھے ہوئے تھے اور اس دن کچھ ذرا سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ کپڑا کوئی کم خواب کا نہیں تھا کوئی اعلیٰ نہیں تھا، یہی معمولی زمینداروں کے کپڑے، بیٹھے بیٹھے ایک دم گھبرا کر فرمایا کہ قینچی لے کر آؤ۔ قینچی لائی گئی تو ایک آستین یہاں سے کاٹ دی اور دوسری یہاں سے کاٹ دی۔ بدہیئت بنا دیا کرتے کو۔ لوگوں کو حیرت ہوئی عرض کیا امیر المومنین! ایک اچھے خاصے کرتے کو آپ نے خراب کر دیا بدہیئت بنا دیا اگر آستین برابر کاٹ دیتے تو چلو نیم آستین ہی کا کرتا ہو جاتا ایک ہیئت تو رہتی۔ ایک کو تو مونڈھے پہ سے کاٹ دیا، ایک کو آدھے سے کاٹ دیا فائدہ کیا ہوا۔ فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی کپڑا پہن کر اترانے لگتا ہے تو غضب خداوندی اس پر اترتا ہے اور منڈلانے لگتا ہے اگر توبہ نہ کی تو غضب آپڑتا ہے توبہ کی تو غضب واپس ہو جاتا ہے تو یہ کپڑا پہن کر میرے دل میں وسوسہ گزرا اتراہٹ کا، کہ میں بھی کوئی چیز ہوں میں نے دیکھا کہ غضب الٰہی آ رہا ہے اوپر، اس لیے میں نے گھبرا کر قینچی منگوائی بدہیئت بنایا جس سے میرے قلب کا وسوسہ دور ہو گیا اور غضب خداوندی اوپر واپس ہو گیا تو جن لوگوں کی یہ کیفیت ہو کہ اپنے نفس کے بارے میں انہیں خطرہ بھی نہ گزرے کہ ہم کوئی چیز ہیں وہ تو اللہ ہی کی حکومت چلائیں گے اپنی حکومت نہیں چلائیں گے نہ جاہ کہ خطرات ہوں نہ مال کی محبت ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ مال و دولت کو دیکھ کر فرمایا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک دن خزانے میں تشریف لے گئے تو ڈھیر لگے ہوئے تھے سونے اور چاندی کے، خراج کی رقمیں اور فئے کی رقمیں اور جزیہ کی رقمیں بھری ہوئیں تھیں تو دیکھ کر فرمایا کہ یَا دُنْیَا غُرِّیْ غَیْرِیْ۔ اے دنیا! دھوکہ میں کسی اور کو ڈالنا۔ ہم تیرے دھوکے میں آنے والے نہیں، ہم رنجھنے والے نہیں ہیں اور کہہ کر حکم دیا کہ تقسیم شروع کرو غرباء میں صبح سے شام تک پورا خزانہ خالی ہو گیا اور یہ کہہ کر واپس ہو گئے یَادُنْیَا غُرِّیْ غَیْرِیْ۔ دھوکہ کسی اور کو دینا اے دنیا! ہم تیرے دھوکہ میں آنے والے نہیں نہ ہم اتراہٹ میں آنے والے ہیں نہ کبر و رعونت میں، تو جن لوگوں کے قلوب اتنے صاف تھے کہ نہ محبت مال کا نشان، نہ محبت جاہ کا نشان، وہی اہل اور احق تھے کہ اللہ کے نائب بنے اور اس کی حکومت کو چلائیں تو جہاں تک تکمیلی حکومت ہے یعنی انسانوں کے واسطے سے حکومت ہے اگر انسان ہوں تو وہ حکومت پاکباز ہے۔ اس حکومت میں امن ہے، امان ہے، برکات ہیں، خیر ہے، ساری چیزیں ہیں، لیکن اگر دوسری قسم کے انسان آ جائیں جو اللہ کے اقتدار کو چھوڑ کر اپنا ذاتی اقتدار چاہیں۔ بجائے بندگی کرنے کے خدائی شروع کر دیں، مال کی محبت میں غرق ہوں اور خود غرضی کی وجہ سے مال بٹورنے کی فکر میں ہوں تو رعایا کا ناس ہوگا۔ ظاہر ہے ملک کے اندر بدنظمی پیدا ہوگی، تو یہ بدنظمی اللہ کی حکومت میں نہیں ہے۔ اس نے اپنی حکومت میں جب واسطہ بنایا انسان کو تو اس انسان نے بدنظمی پھیلائی۔، جب تک کہ وہ انسان رہے کہ جو غیر محبّ جاہ اور غیر محبت مال تھے جنہوں نے خالص اللہ کی حکومت پر کاٹی دنیا میں، اور جب ایسے آ گئے جن کے قلوب صاف نہیں تھے نہ مال کی محبت سے بری تھے نہ جاہ کی محبت سے، وہیں آ کر خرابی واقع ہوئی تو بتلا دیا اللہ نے کہ حکومت تو ہماری ہے۔ اور کوئی اس کو ڈھنگ سے چلاتا ہے اور کوئی بے ڈھنگے پن سے چلاتا ہے مگر چلوائیں گے تمہارے ہاتھ سے تاکہ نظام تمہارے ہاتھوں میں قائم ہو اگر ہمارے ہاتھ سے نظام رہے تمہارا واسطہ نہ ہو تو انسان مجبورِ محض ظاہر ہوگا۔ کل کو وہ کہہ سکتا ہے کہ آپ اگر مجھے اپنی خلافت و نیابت دیتے

تو میں یوں چلا کے دکھلاتا، مگر اب نہیں کہہ سکتا ہم بتلائیں گے جنہوں نے چلا کر دکھلایا وہ یہ ہیں اور جنہوں نے نہیں چلا دکھلایا وہ یہ ہیں۔ یہ مستحق ہیں ہماری رحمت کے اور یہ مستحق ہیں ہمارے عذاب کے تو ایک بلاواسطہ حکومت الٰہی ہے وہ اعلیٰ ترین نظم رکھتی ہے ایک بلواسطہ ہے تو واسطے جیسے ہوں گے ویسی حکومت بنے گی مگر اصول اختیار کرنے پڑیں گے انہیں وہی جو اللہ کی حکومت کے ہیں اس لیے اس سورۂ مبارکہ میں حق تعالیٰ نے اپنی حکومت اور اپنی اقتدار کے اصول بیان فرمائیں ہیں کہ شہنشاہی کس طرح چلتی ہے۔

بادشاہ کون ہونا چاہیے؟

تو پہلے ذات کو بیان کیا کہ بادشاہ وہ ہونا چاہیے کہ خیر کا سرچشمہ ہو۔ نیت بھی پاک ہو علم بھی اعلیٰ ہو، عمل بھی صاف ہو، اخلاق بھی بلند ہوں، اس کے اندر سخاوت بھی ہو اور عدل بھی ہو، سخاوت میں آ کر فضول خرچی میں نہ آئے عدل اس کی روک تھام کرے اور عدل میں آ کر بخل نہ داخل ہو، ہر چیز اپنے محل پر ہو تو بادشاہ کے اوصاف میں یہ ہے کہ بخیل نہ ہو اگر بخیل ہوگا تو رعایا تنگ ہو جائے گی۔ سخی ہوگا تو رعایا کے اندر مُرَفَّهُ الْحَالِیْ پیدا ہوگی مگر اس کے ساتھ عدل ہو کیونکہ عدل ظلم کے ساتھ سخاوت ہو تو جانبداری کرے گا بادشاہ، ایک طبقے کو دے گا اور ایک کو محروم کرے گا، ملک میں بدنظمی پیدا ہوگی لیکن اگر عدل ہے سخاوت کے ساتھ تو سب کو برابر برابر ملے گا کسی کو کسی سے شکایت نہیں ہوگی۔

اولاد کے بارے میں عدل وانصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے

اسی واسطے حدیث میں فرمایا گیا ہے ماں باپ کے لیے اولاد کے اندر سخاوت کرو مگر عدل کے ساتھ، سب کو برابر برابر دو، ایک نظر سے دیکھو، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ محبت تو ساری اولاد سے طبعاً ہوتی ہے انسان کو، مگر ایک سے کچھ زیادہ پیار ہوتا ہے دوسرے سے نہیں، غیر اختیاری طور پر، لیکن معاملہ کرنے میں چاہیے مساوات کہ جتنا ایک کو دے اتنا ہی دوسرے کو۔ اگر برابری نہ رکھی تو ان میں باہم لڑائی اور منافقت پیدا ہوگی اور پھر دونوں مل کر باپ کے مدمقابل آئیں گے تو گھر کی حکومت میں بدامنی پیدا ہو جائے گی، بدنظمی پیدا ہوگی اس لیے بادشاہ کو چاہیے کہ سخی بھی ہو اعلیٰ درجے کا اور ساتھ ہی عادل بھی ہو اعلیٰ درجے کا۔

بادشاہ میں سخاوت وعدل کے ساتھ تدبر وشجاعت بھی ہونی چاہیے:

سخاوت میں اسراف سے عدل روکتا ہے اور عدل کی برکت سے سخاوت اصل محور پر چلتی ہے۔ اسی کے ساتھ بادشاہ میں دو چیزیں اور ضروری ہیں ایک تدبر اور ایک شجاعت، بہادر بھی ہو، قلب کا جری بھی ہو اگر بادشاہ بزدل ہو گیا تو پھر وہ غالب نہیں آ سکتا کسی پر۔ اس میں وہ عناصر ابھر جائیں گے جو ظالم ہیں، فسادی ہیں، انہیں کا غلبہ ہوگا، حیادار بچارے پیچھے رہ جائیں گے لیکن اگر بادشاہ کے اندر تدبر ہے تو وہ اپنی تدبیر سے سب کو یکساں قائم رکھے گا اپنی جگہ۔ ساتھ میں شجاعت اور بہادری بھی ہو بزدل نہ ہو، اگر بزدل ہوگا تو دشمن راستہ دیکھ لے گا ملک کا اور مدافعت کی قوت نہیں ہوگی تو ملک تباہ برباد ہو جائے گا، تو چار چیزیں لازمی ہیں بادشاہ کے لیے ایک سخاوت اور ایک عدل اور ایک شجاعت اور ایک تدبر۔ یہ چار چیزیں جمع ہوں گی تب ہی بادشاہی صحیح اصول پر چلے گی تو ان چاروں مجموعہ کو کہا گیا ہے برکت اور خیر، تو تَبٰرَكَ الَّذِیْ اللہ برکت والی چیز ہے کہ ہر چیز حد کمال پر ہے اور نہ صرف حد کمال پر بلکہ وہی ہے سرچشمہ تمام خیر وبرکت کا دوسروں کو ملتی ہے تو اسی سے ملتی ہے اور بِيَدِهِ الْمُلْكُ قبضے میں ہے ملک اس کے، ہاتھ کے نیچے ہے کہ ایک ذرہ بھی ادھر ادھر نہیں ہل سکتا۔ اس کے ساتھ ساتھ قدرت بھی ہے کہ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. اس کی قدرت بڑی وسیع ہے، قابو ہی میں نہیں بلکہ قادر بھی ہے ہر چیز پر، اور قدرت عام بادشاہوں میں تو یہ ہوتی ہے کہ جب جیل بھیجنے کولایا تو جیل بھیج دیا کسی کو سزا دے دی، کسی کو انعام دے دیا۔ قدرت ہے۔

اللہ کی قدرت کا عالم:

لیکن اس کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ موت اور زندگی کی باگیں بھی اسی کے ہاتھ میں ہیں کسی انسان یا کسی بھی مخلوق کے ہاتھ میں موت اور زندگی کی باگ ڈور نہیں ہے کہ جس کو چاہے زندہ کر دے جس کو چاہے موت دے دے۔

زندگی اور موت کا مطلب:

اور زندگی اور موت دینے کے یہ معنی نہیں جو نمرود نے سمجھے کہ یہ مر گیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس کے سامنے اس کے دربار میں آ کر کہا کہ خدائی کا دعویٰ مت کر، وہ مدعی تھا خدائی کا (اس سے کہا کہ) خدائی کا دعویٰ مت کر۔ خدا کو مان اور اپنے مالک کو پہچان۔ کہتا ہے کون ہے مالک میرے سوا؟ فرمایا الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ.

وہ ہے مالک جو زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی دیتا ہے اس نے کہا یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں اسی وقت دو قیدی نکلوائے جیل خانے سے ایک کے قتل کا حکم دیا اور ایک کو چھوڑ دیا کہنے لگا دیکھو ایک کو مار دیا ایک کو زندہ کر دیا۔ اس کوڑھ مغز نے یہ نہ سمجھا کہ وہ جو زندگی تھی جس کو تو نے قتل کیا وہ تیری دی ہوئی تھی؟ پھر قتل ہی تو کیا، قتل سبب بنتا ہے موت کا، لیکن موت نہیں دے سکتا کوئی۔

موت کسے کہتے ہیں؟

موت کہتے ہیں جان نکالنا اپنے قبضے سے اور قدرت سے رگ رگ کے اندر سے حیٰوۃ کو نکال دینا یہ تھوڑا ہی کر سکتا تھا۔ اس نے قتل کر دیا قتل پر موت مرتب ہوئی مگر دینے والے موت کے حق تعالیٰ ہی تھے اگر یہ قتل کر دیتا گردن کاٹ دیتا اور وہ یہ چاہے زندگی نہ نکلے نہیں نکل سکتی۔ واقعات ہیں ایسے شہداء

کے بہت سے کہ ہاتھ کٹ گیا تو جھنڈا انہوں نے دوسرے ہاتھ میں لے لیا دوسرا ہاتھ کٹ گیا تو جھنڈا منہ میں لے لیا اور اس کے بعد جھنڈا منہ سے گر گیا تو انہوں نے لیٹے ہی لیٹے لڑھک کر کئی ایک کو مار ڈالا اس کے بعد کہیں جا کر جان نکلی۔ تو محض قتل ہونے سے جان نکلنا ضروری نہیں ہے اللہ جب چاہے تو جان جاتی ہے ورنہ مقتول کے اندر بھی جان رہتی ہے تو بہر حال قدرت کا اس کی یہ عالم ہے کہ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ موت بھی اسی کی پیدا کی ہوئی ہے حیات بھی اسی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ جس کو چاہے زندگی دے جس کو چاہے موت دے۔

زندگی کسے کہتے ہیں؟

زندگی دینے کے معنی ہیں ''عطائے وجود'' وجود دے دینا دوسرے کو، تو ظاہر بات یہ ہے کہ انسان میں قدرت نہیں ہے کہ وجود دے دوسرے کو، اس لیے کہ خود اس کا وجود ہی اس کے قبضے میں نہیں۔ اگر بالفرض اس نے اس کو اولاد دی تو وجود دینے والا باپ یا ماں نہیں وہ سبب بنا ہے زندگی دینے کا، وجود دینے کا لیکن دینے والا دوسرا ہے۔ اگر اس کے ہاتھ میں، قبضے میں وجود ہوتا تو یہ خود بھی نہ مرتا، کون موت کو پسند کرتا ہے، اگر قبضے میں ہو حیات تو روک لیا کرتا آدمی۔

اگر قبضے میں ہو زندگی دینا تو جن کے اولاد نہیں ہوتی تو وہ ضرور پیدا کر لیا کرتے۔ اولاد پیدا ہونے کے اسباب سارے مہیا کرتے ہیں اور برس گزر جاتے ہیں نہیں ہوتی اولاد کوئی دعائیں کراتے ہیں، کوئی تعویذ کراتے ہیں، کوئی طبیبوں کو جاتے ہیں، اگر قبضے میں تھی زندگی تو کیوں نہ دے دی اور پیدا کر لیا بچے کو، پھر اگر کوئی مر رہا ہو تو کسی کے قبضے میں نہیں کہ پل بھر کیلئے روک لے زندگی کو، ساری دنیا کے خزانے جمع کر لو اور یہ چاہو کہ ایک منٹ کے لیے اس میت کو روک لو جان نہ نکلے تو یہ قبضہ قدرت میں نہیں، سب عاجز بنے ہوئے دیکھتے ہیں۔

نزع ہو رہا ہے، سانس چل رہا ہے، ماں باپ بھی بیٹھے ہوئے ہیں لیکن کچھ نہیں کر سکتے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی اور حیات ان کے قبضے میں نہیں ہے۔ اسباب زندگی کسی حد تک دیئے گئے ہیں قبضہ میں۔ اسباب موت کسی حد تک دیئے گئے ہیں قبضے میں، لیکن خود موت وحیات ان کے ہاتھ میں نہیں اللہ کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ موت وحیات اس کے قبضے میں ہے جسے چاہے وجود دے جس سے چاہے وجود چھین لے۔ تو جو ایسا قادر مطلق ہو گا حکومت اس کے لے سزاوار ہے، حکمرانی اسی کا حصہ ہے، اسی واسطے اسلام میں حکومت اس کی ہو گی چلانے والے تم ہو گے تا کہ تمہیں اجر ملے، ثواب ملے۔

تم خود حاکم نہیں اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ حکم دینا صرف اللہ کا کام ہے اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ملک صرف اسی کا ہے تو ملک کا مالک کوئی نہیں قدرت کا مالک کوئی نہیں زندگی اور موت کا مالک کوئی نہیں یہ صرف اللہ رب العزت ہے کہ وجود اور عدم موت اور حیات دونوں اس کے قبضے میں ہیں تو فرمایا کہ اس سے زیادہ اقتدار والا بادشاہ کون ہے کہ موت وحیات بھی قبضے میں ہے تو خود ذات مبارک تَبٰرَكَ اور اَلَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ قبضہ پورے ملک کے اوپر ہے اور وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ ہر چیز پر قادر ہے حتیٰ کہ موت و حیات پر قادر ہے۔

موت وحیات کیوں پیدا کی گئیں؟

اور یہ موت وحیات کیوں دی۔ اور کیا ضرورت تھی۔ کوئی مر رہا ہے، کوئی جی رہا ہے، کوئی آ رہا ہے، کوئی جا رہا ہے، کسی کو غم ہے، کسی کو خوشی ہے، یہ کیوں کیا لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا تا کہ اللہ جانچ لے تم میں کس کا عمل اچھا ہے، کس کا برا ہے، اس واسطے کہ انسان سب سے پہلے تو میت ہی تھا کوئی تھا ہی نہیں وجود اس کا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے اس کو وجود دیا تو وہ عدم سے وجود میں آیا، اس کے بعد پھر موت دی تو قبر میں چلا گیا، اس کے بعد پھر حیات دیں گے تو حشر میں پہنچ جائے گا۔ تو دو دو موتیں اور دو دو حیاتیں واقع ہوتی ہیں ظاہر ہے کہ اگر بالکل اس عدم میں رہتا جس میں تھا اور آتا نہ دنیا میں تو عمل کرنے کی کوئی صورت نہیں تھی، زندگی دی تا کہ عمل کرے عمل کا انجام نہیں نکل سکتا۔ جب تک موت واقع نہ ہو موت کے بعد ہی تو زندگی مکمل ہو گی اور مکمل زندگی پر دیں گے اجر، تو موت لازمی چیز ہے تا کہ عدل جہان میں بھگتے آدمی، اچھائی برائی کے ثمرات دیکھئے تو زندگی دی اس لیے تا کہ عمل کرے اور موت دی اس لیے تا کہ ثمرات اس پر مرتب ہوں اور اچھے برے بدلے اس کے سامنے آئیں اس لیے فرمایا کہ موت وحیات کا سلسلہ اس لیے رکھا لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا تا کہ یہ دیکھیں کہ تم میں اچھا عمل کس کا ہے، تو عمل ہو نہیں سکتا تھا جب تک زندہ نہ کریں اور عمل کا ثمرہ مرتب نہیں ہو سکتا تھا جب تک موت نہ دیں اور موت کے بعد پھر حیات نہ دیں تو پہلے موت اس کے بعد حیات اس کے بعد موت اس کے بعد پھر حیات تو پہلی حیات میں تو عمل، دوسری حیات کے اندر ثمرات اس لیے ہم نے رکھا موت و حیات کا سلسلہ، تا کہ تمہارے اچھے اعمال کو جانچ لیا جائے۔

تمام انسانوں کو ایک دم ہی زندگی اور موت کیوں نہیں دے دی جاتی

اب کوئی شخص یہ کہہ سکتا تھا کہ صاحب، حیات بھی مسلّم اور موت بھی مسلّم مگر یہ سارے انسان ایک دم پیدا ہو جاتے، ایک دم ایک دن میں سب کا انتقال ہو جاتا، روز روز کی جھک جھک نہ رہتی، کوئی مر رہا ہے، کوئی جی رہا ہے، تو ایک ہی دفعہ موت دے دیتے، ایک ہی دفعہ زندگی، (آخر ایسا کیوں نہیں کیا؟) اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر ایک ہی دن سب مرتے عبرت پکڑنے والا کوئی نہ رہتا۔ تو موت کو جہاں ذریعہ بنایا ثمرات ظاہر ہونے کا، وہاں عبرت کا بھی تو ذریعہ ہے کہ دوسرے کی موت دیکھ کر آدمی عبرت پکڑے کہ مجھے بھی اس

راستے جانا ہے تو میں کوئی اچھا عمل کرلوں تو عمل پر ابھارنے کے لیے ضرورت تھی کہ موت اور حیات کا سلسلہ مسلسل رہے ایسا نہ ہو کہ ایک ہی دن سب پیدا ہوں اور ایک دن میں سب مریں (بلکہ) کوئی مرے، کوئی جیے، کوئی آ رہا ہے، کوئی جا رہا ہے، تو آنے پر خوشی، تو جانے پر رنج، آنے پر توقع کہ اچھے اعمال کا ظہور ہوگا۔ جانے پر عبرت کہ جب یہ جا رہا ہے اور اب یہ بھگتے گا تو ایسا نہ ہو کہ ہم جانے لگیں اور کوئی ایسی بری حرکت کر کے جائیں کہ ہمیں بھگتنا پڑے تو عبرت کا مقام نہ ہوتا اگر موت وحیات کا مسلسل سلسلہ نہ رہتا۔ تو موت پر بھی قادر اور حیات پر بھی قادر اور موت اور حیات کا ایک سلسلہ قائم کر دیا بیک دم نہ موت رکھی نہ بیک دم حیات رکھی تا کہ عبرت و موعظت، ترقی درجات، مدارج، یہ انسانوں کو حاصل ہوں اور یہ جب ہی ہوں گے کہ میت کو دیکھے اور عبرت پکڑے کہ کل ہمارے لیے بھی یہ دن آنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ موت وحیات پر کیوں قادر ہیں؟

اور فرمایا کہ یہ ہم کیوں قادر ہیں؟ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ اس لیے کہ ہم عزت والے ہیں عزت کی ہمارے یہاں کوئی انتہا نہیں تو جس کی عزت اور جس کا اقتدار ہو وہ سب کچھ کرسکتا ہے اور جو بے عزت ہو اس کی وقعت ہی نہیں ہوگی۔ کوئی ان میں تو وہ حکمرانی کیا کرے گا ان کے اوپر؟ عزت والا ہی تو حکمرانی کرتا ہے اگر بادشاہ کی نسبت توہین بیٹھ جائے کہ یہ تو بڑا ذلیل آدمی ہے اس کے تو بڑے برے افعال ہیں تو وقعت نہیں بیٹھے گی تو حکم ماننے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوگا چنانچہ جو سلاطین بداخلاق گزرے ہیں یا سیہ کار گزرے ہیں۔ مخلوق لعنتیں بھیجتی تھی اور چاہتی تھی کہ کسی طرح سے یہ ختم ہو جائیں، تو ظاہر بات ہے کہ ایسے کا حکم ماننا زبان سے تو ممکن ہے مگر سورغبت سے کوئی ماننے والا نہیں اور حق تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ انسان جب ہمارا نائب بن کر حکومت کرے تو وہ اتنا محبوب القلوب ہو کہ رعایا دعا مانگے اس کے لیے، یوں کہے کہ اس بادشاہ کی عمر دراز ہو، برکتوں کے سرچشمے پھوٹ رہے ہیں پورے ملک کے اندر برکات پھیل رہی ہے۔

بادشاہ کے لیے محبوب القلوب ہونا ضروری ہے:

تو بادشاہ کے لیے محبوب القلوب ہونا ضروری ہے جب تک محبت نہیں ہو گی بادشاہ کا کام نہیں چلے گا اور محبت جب ہوگی جب سرچشمہ خیر و برکت ہوگا ورنہ عداوت ہوگی۔ تو محبت ہونی چاہیے نیز محبت جب ہوگی جب عزت والا ہو، اور عزت والا وہی ہے جو خیر و برکت کا حامل ہے، خیر نہ ہوئی شر ہوئی تو عزت کے بجائے ذلت پیدا ہو جائے گی، اسی لیے فرمایا کہ وَهُوَ الْعَزِيزُ وہ عزت والا بھی ہے اور اقتدار اور جلال والا بھی ہے کہ سب ہیبت زدہ بھی ہیں محبت والے بھی ہیں مگر اس کے بعد فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ جلال محض نہیں ہیں:

جلال محض نہیں وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ بخشنے والا بھی بہت ہے سخی بھی بہت ہے، داتا بھی بہت ہے، چاہے اس کا نام لینے کو برا کہیں ہیں۔ اس کے مقابلے پر آ گئے ہیں لوگ، لیکن نہ سورج نکلنا بند ہوتا ہے نہ سبزیاں اگنی بند ہوتی ہیں اور نہ بارشیں برسنی بند ہوتی ہیں۔

ادیم زمین سفرۂ عام اوست چہ دشمن بریں خوان یغما چہ دوست

اس کا دسترخوان پھیلا ہوا ہے دوست اور دشمن سب کھا رہے ہیں یہ نہیں ہے کہ کہ سورج نکلے تو دوستوں کے گھر پر تو دھوپ ڈالے اور جو دشمن ہیں اللہ کے ان کے گھر میں اندھیرا رہے وہاں بھی سورج پہنچ رہا ہے بارش میں یہ نہیں رکھا گیا کہ دوستوں کے گھر پر بارش ہو اور ان کے کھیتوں پر اور دشمنوں کے کھیت خشک ہو جائیں جب آتی ہے بارش تو سب کے کھیتوں پر جاتی ہے تو ایسا عام دسترخوان ہے کہ دوست دشمن سب یکساں پل رہے ہیں وہ مغفرت والا بھی ہے، بخشش والا بھی ہے، رحم وکرم والا بھی ہے، اپنی مخلوق کے اوپر بے انتہا شفیق بھی ہے۔

اللہ کی محبت کی مثال:

جیسے حدیث میں ارشاد فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال سے بیان فرمایا۔ ایک شخص ایک چڑیا کے بچے کو پکڑ لایا۔ وہ بچوں کو لے کر آیا تو اس کی ماں چڑیا، وہ منڈلا رہی ہے اس کے سر پر اور پھڑ پھڑاتی ہوئی پھر رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ کیا اسے محبت ہے بچوں کی؟ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اتنی بڑی محبت ہے دل میں پھڑ پھڑا رہی ہے اور اپنی جان دینا گوارا کرے گی بچوں پر آنچ آنا گوارا نہیں کرے گی۔ فرمایا! بے حد محبت میں یہ پھڑ پھڑا رہی ہے۔ اس کو سامنے رکھ کر فرمایا سمجھ لو کہ جب ایک جانور اور ماں بنا جانور اور یہ محبت ہے تو اللہ جو سرچشمہ ہے سب کے وجود کا جس نے بنایا۔ اسے کیسے محبت نہ ہوگی اپنی مخلوق سے اسے کہیں زیادہ محبت ہے اپنی مخلوق سے جتنا کہ جانور کو اپنے بچوں سے محبت ہوتی ہے تو ظاہر بات ہے کہ جب محبت والا ہے، جبھی تو بخشش عام ہے، مسلم ہو یا کافر، دھوپ اور بارش، غلہ اور کھانا پینا، اور پھل سب کے لئے عام ہیں ورنہ دوستوں کے لیے کرتے۔ دشمنوں کے لیے نہ رکھتے، وہ بحیثیت مخلوق کے ان پر بے حد شفیق ہے تو الْعَزِيزُ الْغَفُورُ عزت والا بھی، چشم پوشی کرنے والا بھی ہے، اخیر میں جب کوئی نہیں مانے گا تو سزا دیں گے، فطرت کے مطابق لیکن عین گناہ کی حالت میں فوراً سزا نہیں دیتے کہ شاید اب بھی سنبھل جائے، اب بھی سنبھل جائے، بخشش کا دروازہ عام ہے۔ تو یہاں تین چار وصف ہو گئے ایک تو یہ کہ ذات بادشاہ اللہ کی ذات مبارک ہے، برکت والی ہے، دوسرے یہ کہ قادر ہے، بِيَدِهِ الْمُلْكُ اس کے قبضے میں ہے

تیسرے یہ کہ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. قدرت اور اقتدار اس کا انتہائی ہے اور ساتھ میں یہ کہ عزیز بھی ہے عزت والا بھی ہے جس کیوجہ سے سب مغلوب ہیں اور ساتھ میں غفور بھی ہے کہ محبت بھی کرتے ہیں، تو محسن بھی ہے صاحب جلال بھی ہے، جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا قرآن کریم نے کہ:

نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿﴾ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ﴿﴾

اے پیغمبر! مطلع فرما دیجئے مخلوق کو اور اپنی امت کو کہ میں کون ہوں؟

اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ ......(میں بہت ہی بخشش کرنے والا ہوں) تو بادشاہ اگر محض جابر و قاہر ہی ہو کہ جبر قہر ہی کرے تو رعایا کا ناس مارا جائے۔ اگر محض جمیل ہی جمیل ہو کہ رحم و کرم ہی کرتا رہے غصہ نہ کرے تب بھی ناس مارا جائے گا۔ اس لیے کہ بہت سی حرکات غصہ اور قہر سے بنتی ہیں، محض انعام و اکرام سے نہیں بنتی، تو دونوں شانیں ہونی چاہیے بادشاہ میں کہ جلال بھی ہو اور اکرام بھی ہو اور جلال بھی ہو اور جمال بھی ہو، عزو اقتدار اور قہر بھی ہو، اور مغفرت بھی ہو، اور بخشش اور تدبر بھی ہو، وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ یہ پانچ اوصاف بیان کیے گئے۔ یہ تھے بادشاہ کے اوصاف اور یہ کہ اس کے افعال کیا ہیں وہ افعال پھر شروع ہوئے اگلی آیت سے وہ انشاء اللہ پھر کل بیان ہوں گے۔

(معارف حکیم الاسلام قاسمی قدس سرہٗ)

وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ﴿۲﴾
اور وہ زبردست ہے بخشنے والا

یعنی زبردست ہے جس کی پکڑ سے کوئی نہیں نکل سکتا اور بخشنے والا بھی بہت بڑا ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا
جس نے بنائے سات آسمان تہ پر تہ ☆

سات آسمان:

حدیث میں آیا ہے کہ ایک آسمان کے اوپر دوسرا آسمان، دوسرے پر تیسرا اسی طرح سات آسمان اوپر نیچے ہیں۔ اور ہر ایک آسمان سے دوسرے تک پانسو برس کی مسافت ہے۔ نصوص میں یہ تصریح نہیں کی گئی کہ اوپر جو نیلگونی چیز ہم کو نظر آتی ہے وہ ہی آسمان ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ساتوں آسمان اس کے اوپر ہوں اور یہ نیلگونی چیز آسمان کی چھت گیری کا کام دیتی ہو۔ (تفسیر عثمانی)

آسمانوں کے وجود پر قرآن کریم اور الہامی کتابوں کا فیصلہ:

چنانچہ توریت اول کے پہلے باب میں یہ لکھا ہے۔ کہ ابتداء میں خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا پھر اسی کتاب کے باب سات میں طوفان نوح کے بیان میں یہ جملہ بھی ہے کہ جب نوح کی عمر چھ سو برس کی ہوئی دوسرے مہینے کی سترھویں تاریخ کو اسی دن بڑے سمندر کی سب سوتیں پھوٹ کر نکلیں، اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں، اور باب آٹھ میں یہ جملہ ہے اور آسمان کی کھڑکیاں بند ہوگئیں، اور آسمان سے مینہ تھم گیا، انجیل متی کے باب تین میں ہے کہ جب حضرت عیسیٰ حضرت یحییٰ کے ہاتھ سے اصطباغ یعنی دریا میں غوطہ لگا کر باہر آئے تو ان کے لیے آسمان کھل گیا اور مکاشفات یوحنا کے باب آٹھ اور دیگر ابواب سے صاف آسمان پر ستاروں کا ہونا اور ان کے دروازے کھلنا اور وہاں سے آواز آنا وغیرہ وہ باتیں مذکور ہیں کہ جو قرآن و حدیث کے مطابق ہیں اسی طرح ہنوط کے وید اور پارسیوں کے دساتیر سے بھی آسمانوں کی بابت اسی طرح کے مضامین مفہوم ہوتے ہیں الغرض ہزار ہا برس سے اور غیر الہامی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام اور دیگر لوگوں کا اس امر میں اتفاق ہے لیکن یونان کے فلسفیوں نے جس طرح اور چیزوں کی حقیقت اور ماہیت دریافت کرنے میں عقل کے گھوڑے دوڑائے اور جو باتیں ان کو اپنے قیاس اور تخمین یا تجربہ اور آلات رصد وغیر ہا سے دریافت ہوئیں تو انکو قلم بند کیا اور اس کا نام حکمت رکھا۔

حکماء یونان و فلاسفہ کے خیالات:

فیثاغورس'' کہتے ہیں آسمانوں کا وجود نہیں یہ ستارے بذات خود قائم ہیں کسی میں جڑے ہوئے نہیں دوسرے گروہ کے سر دفتر حکیم بطلیموس ہیں وہ کہتے ہیں کہ زمین گول کُروی ہے کسی قدر یعنی تخمیناً چوتھائی حصہ اس کا ناہمواری کیوجہ سے اوپر اٹھا ہوا ہے باقی اس کے گرد پانی لپٹا ہوا ہے جسے سمندر کہتے ہیں پانی کے اردگرد کرہ ہوا لپٹا ہوا ہے اس کے اوپر آگ کوسوں تک ہر طرف سے لپٹی ہوئی ہے یہ چار کرہ عناصر کہ ہوئے اب جس قدر زمین پانی سے اوپر اٹھی ہوئی ہے اس پر سب لوگ بستے ہیں ان چاروں کروں کے چوطرف پہلا آسمان ہے جسکو فلک القمر بھی کہتے ہیں یعنی اس آسمان میں چاند ہے جیسا کہ نیلے جسم پر ایک سفید گول نشان ہوجاتا ہے اس کے اوپر فلک العطارد ہے فلک زہرہ اسکے اوپر فلک شمس ہے یعنی چوتھا آسمان ہے جہاں آفتاب ہے، اس کے اوپر فلک مریخ ہے کہ جہاں مریخ ستارہ ہے اس کے اوپر فلک مشتری اس کے اوپر جہاں مشتری ستارہ ہے اس کے اوپر فلک زحل کہ جہاں زحل ستارہ ہے اس کے اوپر فلک الثوابت کہ جہاں یہ سینکڑوں ان گنت ستارے ہیں کہ جو از خود حرکت کرتے معلوم نہیں ہوتے یعنی ایک جگہ ہمیشہ ثابت رہتے ہیں چونکہ نیچے کے آسمان بلکہ کل آسمان نہایت شفاف اور صاف ہیں وہ اوپر کے ستارے سب نظر آتے ہیں۔

اسکے اوپر فلک الافلاک ہے کہ جس کو فلک اطلس کہتے ہیں یعنی سادہ اس پر کوئی تارہ نہیں وہ دن رات میں مشرق سے مغرب کی طرف ایک جگہ چرخہ کی طرح پھر کر دورہ تمام کرتا ہے اور اسکی وجہ سے سب آسمان اور تارے دورہ تمام کرتے ہیں کہ جس

سے رات اور دن پیدا ہوتے ہیں یعنی جہاں سامنے آفتاب آ گیا وہاں دن ہو گیا اور جہاں سامنے سے بالکل ہٹ گیا وہاں رات ہو گئی اور تمام ستارے از خود بھی ایک حرکت مشرق سے مغرب کر کے دورہ تمام کرتے ہیں۔

چاند تو مہینہ بھر میں اس دورہ کو تمام کر لیتا ہے دراصل گھٹتا بڑھتا نہیں بلکہ جس قدر وہ آفتاب کے مقابلے میں آتا ہے اسی قدر اس پر روشنی پڑتی ہے اتنا ہی ہم کو دکھائی دیتا ہے ورنہ وہ گول بڑا بھاری جسم ہے زمین سے کہیں زائد ہے اور آفتاب اپنے دورہ کو دائرہ منطقہ البروج پر برس میں تمام کرتا ہے اسی لیے مختلف فصلیں سردی اور گرمی کی پیدا ہوتی ہیں یہ کل تیرہ کرے ہوئے جن میں نو آسمان ہیں سات تو یہ کہ جن کو شرع نے سبع سموات کہا ہے اور دو وہ جن کو عرش و کرسی کہا ہے کرسی فلک الثوابت عرش فلک الافلاک ہے اس صورت پر اور آسمانوں کا کوئی رنگ نہیں کیونکہ اگر رنگ نہ ہوتا تو اوپر کی چیزیں دکھائیں نہ دیتیں اور یہ جو نیلگوں معلوم ہوتا ہے یہ آسمان کی شفافی اور غبارات کی تیرگی سے پیدا ہوا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب سفیدی اور سیاہی ملتی ہے تو نیلی رنگت پیدا ہو جاتی ہے یا یوں کہو کہ اجزاء شفاف ہیں اجزائے غباری کہ جو سیاہ ہیں۔ ان کے ملنے سے یہ نیلگونی پیدا ہو گئی یا یہ کہ ہوا کہ اجزاء شفاف میں جب انکو دیکھتے ہیں تو نظر میں ایک تیرگی پیدا ہوتی ہے ان دونوں کے ملنے سے نیلگونی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ سمندر کا پانی نیلا دکھائی دیتا ہے اس کے علاوہ اور بہت سے مسائل اس حکیم اور اس کی جماعت کے ہیں لیکن نہ اسلام کو اس ہیئت سے کچھ بحث ہے نہ اس سے۔ اگر یہ غلط ہوا تو اسلام کی صداقت میں کیا نقصان آتا ہے؟ اور جو وہ سراسر غلط ہو تو کیا نقصان ہے البتہ آسمانوں کی بابت علی سبیل فکر آیات قدرت جو کچھ قرآن یا دیگر کتب الہامیہ میں مذکور ہے اس کے تمام بنی آدم قائل ہیں وہ علم فطری ہے جب بطلیموس اور فیثاغورس نہ تھے جب بھی لوگ ان باتوں کو مانتے تھے بہر کیف الہامی کتابوں بالخصوص قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ آسمان کوئی مجسم چیز ہے کہ جو قیامت کو پھٹ جاوے گی؟ (معارف کاندھلوی)

شہنشاہی کے اصول:

یہ سورۃ شہنشاہی خداوندی کے اصول پر مشتمل ہے اور حکمرانی کے اصول اور لوازم ارشاد فرمائے گئے ہیں سب سے اول بادشاہ عالمین کی ذات کا تذکرہ کیا گیا کہ وہ مبارک ہے، پھر اس کی صفات کمال کا تذکرہ کیا گیا جو حکومت کے لیے ضروری ہیں ان کی کل تفصیل عرض کی جا چکی ہے۔ آج کی آیتوں کی تفسیر کا حاصل ہو گا لوازم بادشاہت۔

لوازم بادشاہت:

یہ فطرت انسانی میں داخل ہے کہ جب کوئی حکومت قائم کی جاتی ہے تو سب سے اول دار الحکومت کی بنیاد ڈالتے ہیں دار السلطنت یا دار الخلافہ کہ جس کو باب عالی یا باب حکومت کہا جاتا ہے وہ قائم کرتے ہیں اور اس کو نہایت مستحکم اور مضبوط بناتے ہیں۔

دشمنوں کا حملہ سب سے پہلے دار السلطنت پر ہوتا ہے۔ وہ اگر قبضہ میں آ جاتا ہے تو پورا ملک فتح سمجھا جاتا ہے اس لیے دار الحکومت کو زیادہ مضبوط و مستحکم بنایا جاتا ہے بڑے بڑے قلعے تعمیر کیے جاتے ہیں اور اگر کوئی بڑی سلطنت ہے تو ساتھ ساتھ شہر پناہیں قائم کی جاتی ہیں اور ہر شہر پناہ کے اندر بڑی بڑی فوجیں رکھی جاتی ہیں جن کے ساتھ میں سامان جنگ ہوتا ہے۔ جس زمانے کے مناسب جو کچھ سامان ہو یا جس ملک کے مناسب جو سامان ہو وہ فراہم کیا جاتا ہے گولہ اور بارود اور آج کے دور میں مثلاً بم اور بڑی بڑی دور مار توپیں اور مشین گنیں اور جیٹ طیارے۔ یہ زیادہ سے زیادہ مہیا کیے جاتے ہیں دار السلطنت کے لیے۔ اور ضرورت کے مطابق اطراف ملک میں بھی یہ قوتیں قائم کی جاتی ہیں۔ مختلف چھاؤنیاں بناتے ہیں مگر دار السلطنت کو مضبوط رکھتے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ غنی ہیں کہ ان کی حفاظت کے لئے کوئی دار السلطنت بنے یا ان کے لئے قلعے بنائے جائیں وہ تو خود حافظ و حفیظ ہیں، وہ خود حفاظت کرنے والے ہیں جہانوں کی، ان کی حفاظت کے کوئی معنی ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ملک کے اظہار کے لئے تمام لوازم سلطنت قائم کئے

''لیکن چونکہ ان کی صفت ہے مَلِکُ اور بادشاہ ہونا''

اس صفت کے اظہار کے لئے تمام لوازم سلطنت قائم کئے جاتے ہیں، تو سب سے پہلے شاہی قلعہ تعمیر کیا گیا۔

سات آسمان بمنزل سات شہر پناہوں کے ہیں:

اور وہ بھی سات شہر پناہوں کا جن کو سات آسمان کہتے ہیں، تو آسمان زمین سے زیادہ مضبوط ہے۔ زمین کمزور ہے، لیکن آسمان مضبوط ہے، زمین میں آپ روزانہ تصرف کرتے ہیں، کہیں کھود کر کنویں بنا رہے ہیں، کہیں سڑکیں نکالی جا رہی ہیں، روزانہ تغیر و تبدل زمین میں ہوتا ہے، لیکن آسمان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں۔ جب سے آسمان بنائے گئے ہیں، ہزاروں برس سے اس وقت سے یکساں حالت پر قائم ہیں۔

آسمان کہاں ہے؟

اب یہ کہ وہ آسمان کہاں ہے تو ہوسکتا ہے کہ یہ جو نیلگوں اور چھت سی نظر آتی ہے یہی آسمان ہو، لیکن بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں کہ یہ آسمان نہیں، تو ہمیں بھی کوئی اصرار نہیں، ہوسکتا ہے کہ یہ نیلگوں چھت جو ہے اس کے اوپر آسمان ہو اور یہ نیلگوں چھت ایسی ہو جیسے ایک بڑی چھت کے نیچے شہتیری لگا

دیتے ہیں اور شامیانہ تان دیتے ہیں۔ تو ہو سکتا ہے کہ یہ نیلگوں آسمان نہ ہو، آسمان اس سے بالاتر ہو۔

زمین سے آسمان تک کی مسافت پانچ سو برس ہے:

اس لئے کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ زمین سے لے کر آسمان تک پانچ سو برس کی مسافت ہے اور چونکہ مبالغہ اور استحسان ظاہر کرنا مقصود ہے۔ اس واسطے وہ پانچ سو برس کی مسافت تیز سے تیز سواری پر طے ہونی چاہیے، زیادہ سے زیادہ تیز سواری ہو، وہ پانچ سو برس میں پہنچ سکتی ہے وہاں تک، آج بڑی سے بڑی تیز سواری اگر ہو سکتی ہے تو راکٹ ہو سکتا ہے، جو ایک گھنٹہ میں پچیس سو میل یا پچیس ہزار میل جانے والی سواری ہے، اور ممکن ہے کہ کل کو اس سے بھی زیادہ تیز سواری بن جائے تو وہ ایک گھنٹہ میں پانچ سو کی بجائے پانچ ہزار یا پچیس ہزار کی بجائے پچاس ہزار میل طے کر لے۔ ایک لاکھ میل طے کر لے، پل بھر میں پہنچ جائے تو زیادہ سے زیادہ تیز رفتار سواری پر اگر سوار ہو کر جایا جائے تو پانچ سو برس میں آسمان پر پہنچ سکتا ہے آدمی۔ اور ظاہر ہے کہ نہ اتنی عمر ہے کسی کی کہ وہ اس پر سوار ہو اور پانچ سو برس طے کرے، آج بڑی سے بڑی عمر ہے تو وہ ساٹھ ستر برس کی ہے، سو برس کی ہو جائے گی تو اس عمر پر انسان طے نہیں کر سکتا جب تک کہ مدد خداوندی شامل حال نہ ہو۔ اسی واسطے ایک موقعہ پر قرآن مجید میں فرمایا گیا۔

اے جنوں اور انسانوں! اگر تم یہ کوشش کرنا چاہتے ہو کہ زمین اور آسمانوں کے فاصلے طے کر لو اور ان کی اَقْطَار سے گزر جاؤ۔ قطر کہتے ہیں اس خط کو جو دائرے کے بیچ میں ہوتا ہے، اس سے پار ہو جاؤ تو ہو سکتے ہو محال نہیں، لیکن ہو نہیں سکتے اِلَّا بِسُلْطٰنٍ۔ جب تک کہ اللہ کی طرف سے کوئی مدد نہ دی جائے تمہیں، کوئی حجت تمہارے ہاتھ میں نہ ہو اس وقت تک تم آسمانوں تک نہیں جا سکتے۔ آسمان سے نیچے نیچے جہاں تک تمہارا جی چاہے چلے جاؤ، جہاں تک طاقت ہو۔

انسان چاند پر جا سکتا ہے:

آج کوئی چاند پر پہنچنا چاہے تو پہنچ سکتا ہے۔ شریعت کے اصول سے کوئی بعید بات نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ نظام کواکب ستاروں کا نظام سب آسمانوں سے نیچے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی صریح روایت موجود ہے اس میں کہ یہ تمام ستارے آسمان کے نیچے لٹکے ہوئے ہیں اور ان میں زنجیریں پڑی ہوئی ہیں سونے اور چاندی کی اور ملائکہ کے ہاتھ میں ہیں جو تھامے ہوئے ہیں انہیں۔ قیامت کے دن جب آسمان ٹوٹیں گے اور ملائکہ علیہم السلام کو بھی وفات دے دی جائے گی، زنجیریں چھوٹ جائیں گی وہ سارے ستارے ٹکڑے ہو کر نیچے آ پڑیں گے۔ قیامت قائم ہو جائے گی۔

ستارے اپنی کشش سے قائم نہیں بلکہ انہیں ملائکہ نے تھام رکھا ہے:

آج کی دنیا میں کہا جاتا ہے کہ ستارے باہمی کشش سے قائم ہیں ایک دوسرے ستارے کو کھینچ رہا ہے اس لئے وہ مُعَلَّق ہیں، تو انہوں نے اسے کشش سے تعبیر دیا، شریعت نے اس کشش کی حقیقت بتلا دی کہ وہ ملائکہ ہیں جنہوں نے اسے اپنی طاقت سے تھام رکھا ہے ستاروں کو، تو ہمیں کشش سے انکار کی بھی ضرورت نہیں ہے، لیکن پھر وہ حسیات پر پہنچے، کشش ہوتی ہے حسی چیزوں میں، شریعت اس کا انکار کئے بغیر اس کی حقیقت بتلاتی ہے کہ اس پر کشش کو تھام رکھا ہے فی الحقیقت علیہم السلام نے ان کی معنوی قوت نے ستاروں کو لٹکا دیا تو یہ سارا نظام کواکب آسمانوں سے نیچے نیچے ہے۔ آسمان اس سے بالاتر ہیں تو سات آسمان تعمیر کئے گئے، گویا سات شہر پناہیں بنائی گئیں۔ اس لئے کہ جب بڑی حکومت ہوتی ہے تو چھوٹا موٹا قلعہ کام نہیں دیتا۔ جب تک کہ ساتھ ساتھ شہر پناہیں نہ ہوں۔ تو سات شہر پناہ کا ایک دار السلطنت بنایا گیا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ آخری حصہ میں تخت شاہی رکھا جاتا ہے تو ساتوں آسمانوں کے اوپر جا کر عرش عظیم قائم کیا گیا۔

ساتوں آسمانوں کے اوپر بطور ایک حفاظتی خندق کے ایک عظیم الشان سمندر ہے

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بڑے بڑے قلعے جب تعمیر ہوتے ہیں تو دشمنوں سے حفاظت کے لئے ان کے ارد گرد خندقیں کھود دی جاتی ہیں۔ آسمان پانی بھرا جاتا ہے ان میں کہ اگر کوئی قریب بھی پہنچے تو دیوار تک نہ پہنچ سکے قلعے کی۔ سب سے زیادہ گہری خندق ڈالتے ہیں اور اس میں بہت گہرا پانی ہوتا ہے۔ اب اس میں کوئی کشتیاں بنائے۔ اتنے بنائے گا قلعے والے اس کا استیصال بھی کر دیں گے اوپر سے گولیاں برسا کر، تو دشمنوں سے حفاظت کے لئے اول تو سات قلعے بنائے گئے اور پھر اس کے باہر جا کر ایک بڑی خندق بناتے ہیں جس میں پانی بھرتے ہیں تو پانی کے اوپر نرم مخلوق ہے۔ اس پر چلنا آسان نہیں اس واسطے کہ پانی پر آ کر دشمن رک جاتا ہے۔ تو حق تعالیٰ شانہ نے سات آسمان بنائے گویا سات قلعے تعمیر کئے اور اس کے بعد ایک عظیم الشان سمندر بنایا۔ اس سمندر کی بڑائی اس حدیث میں آتی ہے کہ "آسمانوں اور زمینوں کے برابر ایک موج ہے اس دریا کی" اس سے اوپر عرش عظیم قائم کیا تو سات قلعے ہیں اس کے بعد خندق بنائی گئی اور خندق بھی جیسا قلعہ ویسی ہی خندق جیسا بادشاہ ہے ویسا ہی اس کے لئے سامان، تو وہ خندق ایسی ہے کہ ایک عظیم سمندر ہے اور اس سمندر کی ایک ایک موج آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے۔

عرش الٰہی سمندر کے اوپر ہے:

اس کے اوپر عرش عظیم قائم کیا گیا تو گویا دار السلطنت قائم کرنے میں پہلے قلعے بناتے ہیں قلعے کے بعد خندق بناتے ہیں اور ساتویں قلعے میں پھر تخت شاہی رکھا جاتا ہے جو علامت ہوتی ہے بادشاہ کی۔ اسی تخت سے احکام جاری

ہوتے ہیں، تو وہ تختِ شاہی ہے عرشِ عظیم، ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے اور اس پر عرشِ عظیم قائم کیا گیا ہے تو عرش کی مثال بالکل ایسی ہی ہے کہ جیسے یہ سات آسمان قبوں کی طرح سے ہیں۔ ایک دوسرے کے اوپر اور عرش نے سب کو گھیر رکھا ہے۔ سارے آسمان، ساری زمینیں، سارے سیارات اس عرش کے نیچے ہیں تو ترتیب مُعیَّن ہوگئی کہ نیچے زمین، اوپر آسمان، اوپر سمندر اس سے اوپر پھر عرشِ عظیم ہے۔ تو ایک شاہی قلعہ بنا اور تختِ شاہی رکھا گیا۔

اللہ کے مہمانوں کے لئے جو گیسٹ ہاؤس ہے اس کا نام جنت ہے

تو یہ بھی قاعدہ ہے کہ بہرحال حکومت کے مہمان بھی آتے ہیں تو ان کے لئے ایک گیسٹ ہاؤس بنایا جاتا ہے۔ ایک بہت بڑا مہمان خانہ اتنا بڑا کہ جو سارے مہمانوں کے لئے مناسب ہو۔ اس لئے کہ بادشاہ کے پاس چھوٹے موٹے قسم کے لوگ تو نہیں پہنچتے۔ وہاں والیانِ ملک اور بڑے بڑے نواب اور راجہ ہی پہنچ سکتے ہیں کہ جو بادشاہ کے مہمان ہوتے ہیں تو ان کے مناسب حال ضرورت تھی کہ گیسٹ ہاؤس بنے، سرکاری مہمان خانہ بنے، تو وہ سرکاری مہمان خانہ اسی کا نام ہے جنت۔ یہ جنت جو ہے یہ عرشِ عظیم کے نیچے ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ سات آسمان ہیں۔ ساتویں آسمان سے جنتوں کا علاقہ شروع ہوتا ہے، اس لئے کہ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ جبرائیل علیہ السلام کا مقام ہے سدرۃ المنتہیٰ اور یہ ساتویں آسمان پر ہے اور قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس سے جنت الماویٰ شروع ہوتی ہے تو حدیث اور آیت کے ملانے سے نتیجہ یہ نکل آیا کہ ساتویں آسمان سے جنتوں کا علاقہ ہے۔

کل جنتیں سو ہیں:

اور جنتیں ہیں سو ایک دوسرے کے اوپر اور ایک ایک جنت آسمانوں اور زمینوں سے بھی زیادہ بڑی ہے تو اندازہ کیجئے کہ سو جنتیں ہیں اور ہر جنت آسمانوں اور زمینوں سے بڑی ہے تو لاکھوں آسمانوں کے برابر ایک جنت ہی ہوگی یہ ہے سرکاری مہمان خانہ جس میں سرکاری مہمان رکھے جائیں گے۔

سرکاری مہمان سرکاری مہمان خانہ میں کب پہنچیں گے:

اور سرکاری مہمان کب پہنچیں گے؟ جب آسمان بیچ سے نکال دیئے جائیں گے جب ہی تو پہنچیں گے۔ اس لئے کہ اصل مہمان ملائکہ تو ہیں نہیں۔ یہ تو خدام ہیں جو کام کر رہے ہیں، مہمان تو وہ ہیں جو اللہ کے بتائے ہوئے طریق پر اور راستے پر چل کر اس تک پہنچیں گے۔ وہ راستہ شریعت ہے اس پر چلنے والے انسان ہیں، تو حقیقت میں سرکاری مہمان یہ انسان ہوں گے جو ٹھیک اس راستہ پر چل کر جو جنت کو جا رہا ہے وہاں پہنچ جائیں گے، حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن حساب کتاب کے بعد جتنے اہلِ جنت ہیں وہ بطور مہمان کے داخل کئے جائیں گے اور خوب مہمانی ہوگی ان کی۔

اہلِ جنت کی تین دن خاص مہمانی ہوگی:

ان کے لئے زمین کی روٹی اور مچھلی کے جگر کا سالن بنایا جائیگا اور تین دن کی مہمانی اس انداز سے ہوگی کہ ان کو روٹی تو دی جائے گی اس زمین کی یعنی یہ پوری زمین اس کی ایک روٹی بنادی جائے گی اور زمین جس پر قائم ہے وہ ایک عظیم الشان مچھلی ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اس کے جگر کے کباب ہوں گے تو زمین کی روٹی اور مچھلی کے کباب اور وہ بھی اس کے جگر کے کہ سب سے زیادہ لذیذ گوشت ہوتا ہے وہ دی جائے گی غذا۔

زمین کی روٹی کیسے بنائی جائے گی؟

آپ سوال کریں گے کہ یہ زمین تو مٹی کی ہے اور اس کی روٹی تو بڑی چڑ چڑی ہوگی تو کھائی کس طرح سے جائے گی؟ اللہ میاں کے ہاں مہمانی ہو اور چڑ چڑی روٹی ملے؟ میں عرض کرتا ہوں کہ آج آپ جو غذا کھا رہے ہیں وہ بھی تو زمین ہی کھا رہے ہیں اس لئے کہ زمین ہی میں سے تو نکلتے ہیں غلہ بھی اور دانے بھی، چنے بھی، گیہوں بھی، پھل۔ پھول فروٹ سب زمین سے نکلتے ہیں تو یہ زمین کے ٹکڑے ہیں جو آپ کھاتے ہیں لیکن اللہ نے کچھ ایسی مشینیں لگا رکھی ہیں قدرتی کہ ان کے ذریعے چڑ چڑا مادہ صاف کر کے خالص مزے کی چیز بنادی جاتی ہے۔ سیب کھانے میں کبھی چڑ چڑا پن محسوس نہیں ہوتا انگور کھانے میں کبھی چڑ چڑا پن نہیں، حالانکہ ہے یہ وہی مٹی۔ اسی کا اللہ نے جوہر بنا کر چڑ چڑا پن نکال دیا باطنی مشینوں سے، اور صاف ستھرا مادہ خوشبودار رسیلا بنا کے آپ کو دیا، تو جب آج بھی آپ مٹی کھا رہے ہیں اور چڑ چڑا مادہ نہیں آتا تو کیا تعجب ہے کہ حق تعالیٰ اس دن ساری زمین کا چڑ چڑا مادہ نکال کر اس کا اصل جوہر بنا دیں۔ اس لئے کہ سارے مزے اسی زمین تو چھپے ہوئے ہیں۔ یہ سیب، انگور، انار، امرود جو ہے زمینی ہے، تو زمین ہی میں یہ سارے ذائقے چھپے ہوئے ہیں۔ مشینوں کے ذریعے سے ان ذائقوں کو الگ الگ کر کے چڑ چڑا مادہ نکال دیتے ہیں تو سارے ذائقوں کا مجموعہ یہ زمین ہے، ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ اس دن اپنی قدرتِ کاملہ سے اس زمین سے سارے مزے ایک جگہ جمع کر کے چڑ چڑا مادہ الگ کردیں اور ان سارے مزوں کی ایک روٹی بنادیں تو دنیا کے جتنے پھل اور فروٹ ہیں سب کے ذائقے اس روٹی کے اندر ہوں گے۔ کوئی ذائقہ نہیں چھوٹا ہوگا، سارے ذائقے آجائیں گے۔

زمین کی روٹی کیوں بنائی جائے گی؟

اور یہ اس لئے کریں گے کہ اول تو دنیا میں ہر انسان نے دنیا کا ہر پھل نہیں چکھا، ہر ملک کے الگ الگ پھل ہوتے ہیں، جو ترکی میں ہیں وہ

ہندوستان میں نہیں، جو ہندوستان میں ہیں وہ ایران میں نہیں، جو ایران میں ہیں وہ افغانستان میں نہیں تو لاکھوں اور کروڑوں انسان وہ ہیں جو اپنے اپنے خطے کے پھل تو کھائے ہوئے ہیں، لیکن ساری زمین کے سارے ذائقوں سے واقف نہیں، ہوسکتا ہے کہ شکایت کرے بنی آدم کے ہمیں آدھے تہائی پھل دیئے، وہ انہیں دیئے، کچھ ہمیں دیئے، ہم تو واقف نہیں ساری زمین کے ذائقوں سے، اس لئے سارے ذائقے جمع کر کے سارے بنی آدم کو جو روٹی ہے وہ کھلا دیں گے تا کہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے۔

سالن مچھلی کا کیوں ہوگا؟

اور سالن بنائیں گے مچھلی کے جگر سے۔ اس لئے کہ غذائیں دو ہی ہیں دنیا میں یا بَری یا بحری، تو بحری غذاؤں میں سب سے اعلیٰ ترین غذا مچھلی اور بَری غذاؤں میں سب سے اعلیٰ ترین غذا یہ فروٹ اور پھل اور دانے، تو زمین کا جو ہر نکال کے تو سارے فروٹ اور دانے جمع کر دیئے ان کا مزہ ایک جگہ ہو گیا اور بحری چیزوں میں مچھلی کہ ساری مچھلیوں کی ماں ہے وہ، اور اس میں سے ساری مچھلیاں نکلی ہیں اور مچھلیوں کی اقسام ہیں۔ کسی مچھلی کا کچھ ذائقہ ہے، کسی کا کچھ ہے۔ وہ ساری قسمیں جمع ہو جاتی ہیں اس مچھلی میں جا کر جس پر زمین قائم ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دریائی غذاؤں کے جتنے ذائقے ہیں وہ بھی ایک جگہ جمع کر دیں گے اور براور خشکی کے جتنے ذائقے ہیں وہ بھی ایک جگہ جمع کر دیں گے۔ اس کی روٹی بنا دی اس کا سالن بنا دیں گے تو بحر و بر کی ساری غذائیں سارے بنی آدم نے چکھ لیں۔

اہل جنت کی ابتداءً روٹی سالن سے کیوں خاطر کی جائیگی؟

اور یہ کیوں چکھائیں گے؟ ابتداء ہی میں جنت کی غذائیں کیوں نہ دے دیں؟ بتلانا یہ ہوگا ساری زمین کے ذائقے کھلا کر بس یہ ہیں وہ ذائقے جن پر تم رات دن لڑتے مرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ بس سب کچھ یہی ہے۔ اب یہ کھا کر اب ہمارے بنائے ہوئے ذائقے کا مزہ چکھو، جو ہم نے تیار کئے ہوئے ہیں جنت میں مقیموں کے لئے تا کہ توازن اور تقابل کر سکو، اس واسطے کہ دنیا میں اول تو سب نے سارے ذائقے نہیں چکھے اور جتنے چکھے تھے وہ موت کی تلخی نے سارے بھلا دیئے، کوئی چیز ذہن میں نہیں کہ کیا کھایا اور کیا نہیں کھایا۔ اس واسطے ان سارے ذائقوں کو عین جنت میں کھلا کر تازہ کر دیں گے کہ بس یہ تھے وہ ذائقے جن پر آپ جی جی کر سر پھٹول کئے رہے اور مار امار کئے رہے۔

اور ایک افراتفری کی۔ یہ تھے وہ ذائقے اسی کے لئے تو لڑائی ہوتی تھی، یہ کل ذائقے چکھ لئے، یہ کل کائنات تھی تمہاری لڑائی کی اور جس کائنات کا ہم نے وعدہ کر رکھا ہے اور جن نعمتوں اور لذتوں کا (ہم نے وعدہ کر رکھا ہے) اب وہ چکھو تو اس وقت حیرانی ہوگی مخلوق کو......

جب مٹی ملا ہوا گھونٹ اس قدر ذائقہ رکھتا ہے تو جب مٹی بالکل صاف ہو کر خالص ذائقہ دیں گے تو اس میں کیا کیفیت ہوگی اور کیا سرور ہوگا؟ لیکن اس سرور کو سمجھانے کے لیے پہلے یہاں کے مزے چکھا دیں گے کہ اب تقابل کرو کہ کیا چیز ہم نے چھڑوائی تم سے اور کیا ہمیں دینا ہے؟

دنیا میں جو لذتیں چھڑوائی گئی تھیں وہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف جانے کے لئے چھڑوائی گئیں تھیں

ہم اگر چھڑوا رہے تھے دنیا کی لذتیں تو معاذ اللہ تمہارے ساتھ عداوت نہیں تھی، بلکہ یہ تھا کہ ادنیٰ کو چھوڑ کر اعلیٰ کی طرف جاؤ۔ جنہوں نے چھوڑا انہوں نے تو پایا اسے، اور جنہوں نے نہیں چھوڑا تو بیچ میں دھکے کھائے اس چیز کے تئیں، مگر بہر حال جب وہ بھول بھال چکے اب ہم وہ اپنے ذائقے چکھاتے ہیں، مگر یاد دلانے کے لئے پہلے ان ذائقوں کو سامنے کئے دیتے ہیں تا کہ تمہیں قدر محسوس ہو جنت کی، تو بہر حال اہل جنت کو جنت میں تین دن مہمان رکھا جائے گا اور اس میں غذا وہ دی جائے گی جس سے وہ مانوس تھے اور برس ہا برس کھاتے ہوئے آ رہے تھے۔ تین دن کے بعد جب مہمانی ہو جائے گی پوری تو قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ارشاد فرما دیتے کہ اب نکلو جنت سے کہ بس تین دن کی مہمانی (تھی) تین دن سے زیادہ کوئی ذمہ داری نہیں، لیکن کریم کی شان سے یہ بعید ہے کہ کوئی نعمت دے کر پھر اسے واپس لے اس لئے فرمائیں گے کہ جس نے جس محل پر قبضہ کیا آج سے اَبَدُ الآباد تک وہ محل اسی کا ہے۔ وہ سارا رقبہ اسی کا ہے اب ہم واپس نہیں لیں گے۔ یہ کریم کی شان سے بعید ہے کہ گھر میں رکھ کر اور پھر کہے کہ نکلو گھر سے۔ بس جس گھر میں آ گئے وہ آج سے تمہارا گھر ہے اور وہ محل کوئی چھوٹا موٹا نہیں ہوگا۔

ادنیٰ سے ادنیٰ جنتی کو جو جنت ملے گی وہ دس دنیاؤں کے برابر ہوگی

حدیث میں فرمایا گیا کہ ادنیٰ سے ادنیٰ جنتی کو جو رقبہ اور حصہ عطا کیا جائے گا وہ دس دنیا کے برابر ہوگا، گویا دس دنیائیں بن جائیں اس کے اندر سے مع زمین اور بحر اور بَر پہاڑوں سے تو دہ گنا ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ نے دس گنا کا اجر بھی رکھا ہے دنیا میں۔ اَلْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا۔ ایک نیکی کرو گے تو دس نیکیاں ملیں گی، یہ ضابطہ کا اجر ہے اور دس سے بڑھا دیں تو یہ ان کے فضل سے بعید نہیں۔ چاہے سات سو گنا کر دیں چاہے ہزار گنا کر دیں مگر دس گنا وہاں قاعدے میں داخل ہے۔ ضابطہ میں اسی قاعدے کے مطابق کم سے کم حصہ دس گنا ہوگا دنیا کا۔

جنت میں جنتی ستر اقلیم کا بادشاہ ہوگا:

یہاں ہفت اقلیم پوری دنیا کی بادشاہت اور اسے دس جگہ جمع کرو تو اس کا

مطلب یہ ہے کہ ستر اقلیم کا بادشاہ ہوگا آدمی وہاں اور وہ اقلیم بھی وہ کہ جہاں کوئی کدورت نہیں، کوئی غبار نہیں، کوئی طمع نہیں، کوئی پرانا پن نہیں، بالکل صاف ستھری اور ابدی نعمت ہوگی اور دس دنیا کے برابر، تو یہ حق تعالیٰ کی کریمی ہے کہ مہمان بنا کر داخل کریں گے اور جو جہاں پہنچ گیا پھر اس سے واپس نہیں لیں گے کہ اب یہیں رہو اور ابدالآباد تک رہو کوئی تمہیں نکالنے والا نہیں۔ یہ ہے سرکاری مہمان خانہ، اور سرکاری مہمان خانہ ظاہر ہے کہ شاہی محلات کے قریب ہی ہوتا ہے تاکہ مہمانوں کو بادشاہ کے پاس آنے جانے میں دشواری نہ ہو، دوری نہ ہو۔ جیل خانہ البتہ دور رکھتے ہیں اس لئے کہ قیدیوں سے ملنے کے کوئی معنی نہیں۔ قیدی تو دور ہی رہے تاکہ اس کو حسرت ہو کہ میں نعمت کے گھر کے قریب بھی نہیں۔

جیسے سرکاری مہمان خانہ ضروری ہے ویسے ہی سرکاری جیل خانہ بھی ضروری ہے اور سرکاری جیل خانہ کا نام جہنم ہے

تو جیسے سرکاری مہمان خانہ بھی ضروری ہے ایسے ہی سرکاری جیل خانہ بھی ضروری ہے۔ سرکاری جیل خانہ کا نام شریعت کی اصطلاح میں ''جہنم'' ہے اس میں وہ رہیں گے جو مجرم اور قیدی ہیں۔ اس کو رکھا گیا ہے ساتویں زمین کے نیچے۔ جنت رکھی گئی ساتویں آسمان کے اوپر اور جہنم رکھا گیا ساتویں زمین کی تہہ میں تاکہ بعید سے بعید ہو جائے وہ اللہ کی رحمت سے اور اس کے قرب کی لذت کا تصور بھی اس کے قلب میں نہ آ سکے اور قید کو اور عذاب کو اچھی طرح سے چکھے، تو بُعد بھی ہوگا اور عذاب بھی ہوگا۔ اول تو اللہ سے بعید ہونا یہی ایک مستقل عذاب ہے اور بعید ہو کر حسی عذابات بھی ہوں اور یہ عذاب در عذاب اور وہ عذاب ابدی اور دائمی ہوں تو یہ عذاب در عذاب ہے تو بُعد بھی ہوگا عذاب کی نوعیت بھی شدید ہوگی اور ابدالآباد کا عذاب ہوگا۔ اس کے بالمقابل سرکاری مہمان خانوں کے لئے قرب بھی انتہائی (درجہ کا ہوگا کہ) ہر وقت بادشاہ کی زیارت کر سکیں۔

جنت میں زیارت خداوندی کے درجات:

حدیث میں ہے کہ بعض تو وہ ہوں گے کہ انہیں چوبیس گھنٹے حق تعالیٰ کا مشاہدہ رہے گا۔ جیسے انبیاء علیہم السلام کہ ایک لمحہ کے لئے بھی تجلیات خداوندی ان کی نگاہوں سے غائب نہیں ہوں گی۔ ہر وقت اللہ کو دیکھتے رہیں گے اور بعض وہ ہوں گے کہ ہفتہ میں دو تین بار زیارت ہوگی جیسے کمل اولیاء اللہ اور عامہ مؤمنین وہ ہوں گے کہ ہفتہ میں ایک بار ان کو زیارت کرائی جائیگی۔ دربار منعقد کیا جائے گا۔ انہی سو جنتوں کے اوپر دریا ہے اور دریا پر عرش عظیم ہے اور عرش عظیم کے بازو میں ایک میدان ہے جس کا نام ہے مذید اس میدان کی بڑائی کا یہ عالم ہے کہ۔

حضرت جبرائیلؑ کی جسامت:

حضرت جبرائیل علیہ السلام جو کہ سید الملائکہ ہیں اور چھ سو بازو کے فرشتہ ہیں۔ چھ سو بازو ہیں اور جثہ ان کا وہ ہے کہ اصلی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دیکھا انہیں دو دفعہ، ایک دفعہ شب معراج میں اور ایک دفعہ وحی کی آمد کے وقت۔ وہ اس شان سے دیکھا کہ زمین سے آسمان تک جتنی فضا ہے سب بھری ہوئی ہے جبرائیل کے بدن سے۔ مشرق میں ایک مونڈھا ہے اور مغرب میں دوسرا مونڈھا ہے اور سر آسمان کے قریب ہے اور پیر زمین کے قریب اور ایک نورانی چہرہ ہے جو سورج سے زیادہ روشن ہے اور تاج ان کے سر کے اوپر ہے اور سبز ردائ (چادر) ہے ان کے بدن کے اوپر۔ اس شان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ دیکھا تو اتنے ڈیل ڈول کا فرشتہ حضرت جبرائیل علیہ السلام وہ یہ فرماتے ہیں کہ جب سے میں پیدا ہوا ہوں اسی میدان میں گھومتا ہوں مگر اب تک مجھے اس کے کناروں کا پتہ نہیں چلا کہ کہاں تک ہے یہ میدان وہ میدان ہے یا دربار خداوندی کا میدان۔

اللہ کی کرسی کی وسعت:

حدیث میں فرمایا کہ اس کے وسط میں بچھائی جائے گی کرسی حق تعالیٰ کی جس کا ذکر ہے قرآن کریم میں وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کہ وہ کرسی آسمانوں اور زمینوں سے زیادہ بڑی ہے۔ حدیث میں ہے کہ کرسی جو سامنے ساتوں آسمانوں کے ہے (وہ ایسے ہے) جیسے ایک بڑے میدان میں ایک چھلا ڈال دیا جائے تو کرسی کی بڑائی اور عظمت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے وہ کرسی بچھائی جائے گی میدان کے وسط میں۔ اس کے چاروں طرف منبر ہوں گے نور کے۔ وہ انبیاء علیہم السلام کے منبر ہوں گے اور گول دائرہ بنایا جائے گا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام ان پر بیٹھیں گے اور ہر نبی کے منبر کے پیچھے اس کی امت کی کرسیاں ہوں گی درجہ بدرجہ، جو دنیا میں جتنا زیادہ اطاعت گذار تھا اتنا ہی قریب ہوگا پیغمبر کے۔

جمعہ کا دن دربار خداوندی کا دن ہوگا:

تو ہفتے میں ایک دن جو جمعہ کا دن ہوگا وہ دربار خداوندی کا دن ہوگا۔ اس دن میں تمام اہل جنت اپنی اپنی سواریوں پر چلیں گے اس میدان میں آنے کے لئے، اور کوئی نیچے کی جنت میں ہے، کوئی بیچ کی جنت میں ہے اور کوئی اوپر کی جنت میں ہے اور سو جنتیں ہیں زمینوں اور آسمانوں سے بڑی اس لئے ان کو سواریاں دی جائیں گی اور وہ سواریاں براق ہوں گے، رفرف ہوں گے تخت رواں ہوں گے کہ بڑی بڑی مسندیں بچھی ہوئی ہیں اور قوت خیال سے وہ اڑیں۔ کوئی مشین نہیں ہوگی کہ کل گھمانی پڑے اور پٹرول دینا پڑے۔ اس کا سارا پٹرول مشینری ہماری قوت خیال ہوگی۔ اتنی مضبوط بنا دی جائے گی کہ خیال کیا کہ وہاں پہنچیں، پل بھر میں وہاں پہنچ گئے، پل بھر میں نیچے آ گئے، تو پلوں میں یہ مسافتیں طے ہوں گی۔ سب جمع ہوں گے اس میدان کے اندر اور فرمایا گیا ہے حدیث میں کہ بیٹھیں

متعین ہوں گی ہر ایک کی جیسے درباروں میں سیٹیں بنائی جاتی ہیں۔ تو کارڈ چھپے ہوئے لگے ہوتے ہیں جن پر نمبر تک پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ بٹھلانے والے اسی نمبر پر بیٹھنے والے کو بٹھاتے ہیں۔ یہ نہیں کہ کسی دوسری پر کوئی جا بیٹھے۔ اپنی سیٹ پر (بیٹھتا ہے ہر فرد) وہاں بٹھانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

ہر شخص اپنی جگہ اپنی طبعی کشش سے پہچان لے گا:

حدیث میں ہے کہ ہر شخص اپنے مقام کو اپنی طبعی اور قلبی کشش سے پہچانے گا اور وہیں جا کر رکے گا جو اس کی سیٹ ہے اور اس کی کرسی ہے یہ نہیں کہ غلطی کر جائے اس لئے کہ متمثل ہوں گے وہ مقامات جو اپنے قلب کے مقامات ہیں۔ مقامات قرب حق تعالیٰ کے نزدیک ہے قوت ایمانی کے مقامات کے مطابق۔ ہر شخص اپنے مقام کو خود پہچانتا ہے۔ کہ میرا ایمان کس درجہ کا ہے، میرے اخلاق کس مرتبہ کے ہیں۔ وہی اخلاق، وہی مقامات متمثل کئے جائیں گے سیٹوں کی صورت میں ہر شخص اپنے اپنے مقام پر بیٹھے گا۔ انبیاء علیہم السلام اپنے مقامات پر ہوں گے۔ اب یہ دربار پُر ہو گیا، بھر گیا، کرسیاں ہوں گی اور ان کرسیوں کے پیچھے اس میدان میں کے کناروں پر بڑے بڑے قالین ہوں گے چبوتروں پر، اور چبوترے ہوں گے مشک اور زعفران کے اور ان پر غالیچے ہوں گے۔ عوام الناس جو کم درجہ کا ایمان رکھتے تھے ان کے پاس کرسیاں نہیں ہوں گی، بلکہ وہ قالینوں پر بیٹھیں گے۔ اب گویا پورا میدان بھر گیا سیٹیں پُر ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اپنی جگہ پر اور حق تعالیٰ کی کرسی خالی۔

دربار منعقد ہونے کے بعد تجلیات کا ظہور ہوگا:

جب دربار پُر ہوگا تو تجلیات کا ظہور شروع ہوگا کرسی کے اوپر، اور یہی طریقہ بھی ہے کہ درباری جب جم جاتے ہیں، ایک جگہ تب بادشاہ برآمد ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ بادشاہ پہلے بیٹھے ہوئے ہیں، کوئی ہو نہ ہو لوگ آئیں تو بیٹھیں، جب سب جم جاتے ہیں تب بادشاہ نکلتے ہیں اور سراپردہ کھولا جاتا ہے اور نقیب اور چوبدار آوازیں دیتے ہیں اور بادشاہ آتے ہیں تو سب تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ جس وقت بادشاہ کے حکم سے کچھ تحائف تقسیم ہوتے ہیں، کچھ کھانے پینے کو دیا جاتا ہے۔ یہی صورت یہاں بھی ہوگی کہ تجلیات ربانی کا ظہور ہوگا۔ احادیث میں ہے کہ وہ کرسی باوجود اس عظمت کے اس طرح سے چڑ چڑائے گی جیسے ٹوٹ کر گرنے والی ہے۔ وہ عظمت کا بوجھ ہوگا کوئی جسمانی بوجھ نہیں ہے، بلکہ حق تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کی وجہ سے وہ کرسی چڑ چڑائے گی۔ تجلیات کا ظہور ہوگا اور بندے اپنے قلوب کی بصیرت سے پہچان لیں گے کہ ہم اللہ کے سامنے ہیں۔

تجلیات کے ظہور کے بعد جنتیوں کو مشروب پلایا جائے گا:

حق تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے ملائکہ کو کہ جس شراب طہور اور پاک شربت کا ہم نے وعدہ کیا تھا وہ پلاؤ تو ملائکہ وہ نورانی صراحیاں لے کر شراب طہور تقسیم کریں گے۔ شراب کے معنی ہیں مطلق پینے کی چیز کے۔ اسے شراب نہیں کہتے جو نشے والی ہو۔ اسے خمر کہتے ہیں عربی زبان میں، شراب ہر پینے کی چیز کو کہتے ہیں، شربت کو بھی شراب کہیں گے، دودھ کو بھی شراب کہیں گے، کہ پینے کی چیز ہے خیر پینے کی کوئی چیز دی جائے گی، اس میں سرور کی یہ کیفیت ہوگی کہ پینے کے بعد یہ محسوس ہوگا غم والم کا تو ہے ہی نہیں نشان۔ رگ رگ میں فرحت اور سرور بڑھ رہی ہے اور ہر ایک میں ایک عجیب امنگ ہوگی اور معرفت بڑھ جائے گی اور حق تعالیٰ کی پہچان بڑھ جائے گی۔

اس موقعہ پر داؤد علیہ السلام اہل جنت کو مناجات سنائیں گے:

اور اسی میں یہ بھی فرمائیں گے حضرت داؤد علیہ السلام کو ان کا معجزہ دیا گیا تھا آواز، اتنی پاکیزہ آواز تھی حضرت داؤد علیہ السلام کی کہ جب وہ مناجاتیں پڑھتے تھے تو چرند پرند ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے محو اور مست ہو جاتے تھے یہ معجزہ ہے۔ ان کو فرمایا جائے گا کہ اہل جنت کو وہ مناجاتیں سناؤ جو اللہ کی مدح اور ثناء میں تمہیں کو دی گئی تھیں اور داؤد علیہ السلام پیغمبر اور آواز بھی بڑی معجزانہ اور قرب خداوندی ملائکہ کا قرب، اللہ کا قرب اور تعریف۔ اللہ کی حمد و ثناء، وہ جو پڑھیں گے اپنی لے میں تو کیفیت یہ ہوگی تو گویا تمام اہل جنت گم ہوں گے۔ انہیں کچھ پتہ نہیں کہ کہاں ہیں وہ محو ہوں گے حق تعالیٰ شانہٗ میں اور عجیب کیفیت طاری ہوگی مشابہ اس کیفیت کے کہ جو اہل اللہ پر معرفت کے نشہ میں کیفیت طاری ہوتی ہے۔ سکر کی اور نشے کی کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ کیفیت طاری ہوگی کہ جس سے روحانیت ہزار گنا بڑھ جائے گی۔

اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جس کا جو جی چاہے مانگے:

اس وقت حق تعالیٰ فرمائیں گے سَلُوْنِیْ مَا شِئْتُمْ جس کا جو جی چاہے مانگے۔ اب سب حیران ہوں گے کہ کیا چیز مانگے؟ عرض کریں گے کہ اے اللہ! کون سی نعمت ایسی ہے جو جنتوں میں آپ نے عطا نہیں فرمادی باقی کیا ہے کہ جس کو ہم مانگیں۔ فرمائیں گے کہ نہیں مانگو۔ جس کی جو مرضی ہو وہ مانگے، تو اب سمجھ میں نہیں آئے گا کہ کیا مانگیں۔ ہر نعمت مل چکی کھانے کی پینے کی۔ محلات، شہر، حکومت، جاہ، عزت، ساری نعمتیں مل گئیں۔ کیا چیز مانگے اور قرب خداوندی سے بڑھ کر نعمت نہیں اور کیا مانگیں؟ تو جب سمجھ میں نہیں آئے گا تو متوجہ ہوں گے سب علماء کی طرف کہ اہل علم سے مشورہ کریں، وہ اپنے علم کی طاقت سے کچھ بتلائیں گے کہ کیا چیز رہ گئی ہے کہ مانگیں؟

مولویوں کی محتاجگی جنت میں بھی ہوگی:

گویا مولویوں کی محتاجگی وہاں بھی رہے گی جا کر۔ لوگ یہاں پیچھا چھڑانا چاہیں اپنا یہ وہاں بھی پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ وہاں بھی محتاجگی رہے گی۔ یہ

محتاجگی علم کی ہوگی۔ کسی کی ذات کی نہیں ہوگی۔ آج بھی اگر ہم علماء کے محتاج ہیں تو گوشت پوست کے محتاج نہیں ہیں وہ تو ہمارے اندر بھی موجود ہیں۔ ان کے علم کے محتاج ہیں وہ راہنما ہیں۔ راہ دکھلانے والے ہیں کہ علم سے کسی جہان میں بھی آدمی مستغنی نہیں ہوسکتا جتنے بڑے جہان میں پہنچے گا اتنے ہی بڑے علم کی ضرورت ہوگی وہاں کی راہیں طے کرنے کے لئے۔ تو سب متوجہ ہوں گے علماء کی طرف کہ کیا چیز مانگیں؟ ادھر سے تو حکم ہے کہ مانگو اور ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا مانگیں کوئی چیز باقی نہیں جو ہمیں نہیں مل گئی۔

جنتی جنت میں دیدار خداوندی مانگیں گے:

وہ کہیں گے کہ ایک چیز رہ گئی ہے، وہ مانگو، اور وہ ہے دیدار خداوندی۔ اس کا سوال کرو کہ اپنا جمال مبارک دکھلا دیجئے جس کی طمع میں ہم دن رات عبادت کرتے تھے اور عبادت میں جوش یہ ہوتا تھا کہ دیکھ لیں کسی طرح اللہ کو تو پہلے ہم دیکھتے تھے عقل کی آنکھ سے، اس کے بعد ہم دیکھتے تھے ایمان اور عقیدہ کی آنکھ سے، اس کے بعد ہم دیکھتے تھے خواب میں، اس کے بعد ہم دیکھتے تھے کشف کے ساتھ۔ اب یہ سارے مراتب طے ہوگئے۔ اب یہ چاہتے ہیں کہ ان آنکھوں سے عیاناً دیکھیں اپنے پروردگار کو، یہ مانگیں گے جب سمجھ میں آجائے گا سوال ایک زبان ہوکر عرض کریں گے کہ اے اللہ! سب کچھ آپ نے دے دیا، سب کچھ مل گیا اب جمال خداوندی دکھلا دیجئے۔ بس ہم اس کو مانگتے ہیں یہ دعا اور درخواست قبول کی جائے گی اور حدیث میں ہے کہ پہلے حق تعالیٰ فرمائیں گے اَنْ کَمَا اَنْتُمْ ہر چیز اپنی جگہ ٹھہری رہے اس لئے یہ اگر نہ فرمائیں تو لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا بَيْنَ يَدَيْهِ اس کے چہرے کی پاکیزگیاں ہر چیز کو جلا کر خاکستر کر دیں۔

چوں سلطان عزت علم بر کشد   جہاں سر بزیبِ علم در کشد

جو سلطان عزت نمایاں ہوگا پھر وجود کس کا رہ سکتا ہے باقی، ایک آفتاب جو اس کی مخلوق ہے اگر ٹکٹکی باندھ کر ایک منٹ دیکھ لو تو غیر آفتاب سب غائب ہو جاتا ہے نظر سے، تو جدھر نگاہ کرتا ہے آدمی آفتاب ہی کی ٹکیہ نظر آتی ہے یا سرخ یا سبز یا زرد۔ غیر آفتاب محو ہو جاتا ہے آنکھوں میں کسک نہیں رہتی کہ دیکھے۔ اپنے اندر بھی نگاہ ڈالے۔ وہاں بھی آفتاب نظر آئے گا۔ ادھر دیکھے گا وہاں بھی آفتاب، تو ایک مخلوق ہے آفتاب اس کی نورانیت کا یہ عالم ہے کہ اگر پل بھر دیکھ لے تو ہر ماسوا غائب ہو جاتا ہے تو اللہ رب العزت کا جمال منکشف ہو اور تجلی کھلے اور پھر غیر کا کہیں وجود رہ جائے ممکن نہیں وجود ہی باقی نہیں رہ سکتا۔ یہاں یہ ہوتا ہے کہ آفتاب کو دیکھنے کے بعد وجود تو ختم نہیں ہوتا اشیاء کا، ہماری نگاہ میں ختم ہو جاتا ہے ہم نہیں دیکھ سکتے، لیکن وہاں وجود نہیں رہ سکتا اس لئے کہ وجود کا سرچشمہ حق تعالیٰ جب اصل وجود آئے گا تو ضمنی وجود کا پتہ بھی باقی نہیں رہے گا اس لیے پہلے ہی فرما دیں گے اَنْ کَمَا اَنْتُمْ ہر چیز ٹھہری رہے اپنی جگہ اور اس کے بعد حجابات اٹھنے شروع ہو جائیں گے۔ بس صرف ایک حجاب رہ جائے گا کبریا و عظمت کا، باقی سب حجابات اٹھ جائیں گے اس وقت بندے عیاناً اپنے رب کو دیکھیں گے۔

دیدار خداوندی کے سامنے ہر چیز ہیچ ہوگی:

اور اتنے کم گو ہوں گے کہ نہ جنت یاد رہے گی نہ کوئی نعمت یاد ہوگی بلکہ یوں محسوس ہوگا کہ اب تک ملی ہی نہ تھی کوئی نعمت۔ سب چیزیں ردی تھیں جو ہمیں ملیں تھیں۔ اب نعمت ہمیں ملی ہے۔ اس دیدار کا اثر یہ ہوگا کہ قلب کے اندر قوت و اطمینان پورے انشراح کے ساتھ رگ و پے میں اور زیادہ پھیل جائے گی چہروں کا نور اور جمال اتنا بڑھ جائے گا کہ سو گنے تک خوبصورت اور حسین بن جائیں گے اس طرح سے یہ دربار ہفتے میں ایک دن ہوگا اور اس کے بعد فرمائیں گے کہ اہل جنت اپنے اپنے محلات کو جاؤ اور ہفتے بعد پھر دربار منعقد ہوگا تو انبیاء علیہم السلام ہر وقت گویا حاضر باشان دربار رہیں گے۔ کامل اولیاء اللہ ہفتے میں دو تین بار حاضر باش ہونگے۔ عامہ مومنین کو ہفتے میں ایک دن دیا جائے گا، تو سرکاری مہمان خانہ اتنا قریب ہونا چاہیئے کہ بادشاہ کے پاس آمد و رفت پائی جائے اس لئے جنتوں کو رکھا گیا عرش عظیم کے نیچے۔

جنت میں روشنی عرش عظیم کی ہوگی:

حتیٰ کہ احادیث میں فرمایا گیا ہے کہ جنتوں میں جو چاندنا ہوگا تو وہاں آفتاب اور مہتاب نہیں ہوں گے آفتاب بے چارہ کی کیا حقیقت؟ عرش عظیم کی روشنی سے جنت روشن رہے گی اور یکساں روشنی رہے گی وہاں رات نہیں آئے گی یکساں روشنی رہے گی اور اس کی مثال احادیث میں دی گئی ہے کہ صبح صادق کے بعد جو چاندنا ہوتا ہے سورج نکلنے سے پہلے ٹھنڈا چاندنا تو اس کے اندر خیرہ بھی نہیں ہوتی آنکھوں میں چبھن نہیں ہوتی بلکہ فرحت کا اثر پیدا ہوتا ہے، وہ نوعیت ہوگی جنت کے چاندنے کی اور بارہ مہینے ایک سا چاندنا رہے گا وہاں رات اور دن کا ہیر پھیر نہیں، تو جنت کی روشنی عرش کی ہوگی اس سے گویا قرب دکھایا جائے گا کہ سرکاری مہمان خانہ ہے تو مہمانان خداوندی قریب میں رہیں گے بعید تو مجرم رہا کرتے ہیں تو مجرمین البتہ ساتویں زمین کی تہہ میں جہنم میں رکھے جائیں گے تو میں نے عرض کیا کہ جب دار السلطنت بنتا ہے تو سب چیزیں بنائی جاتی ہیں قلعہ بناتے ہیں، قلعہ کے اندر تخت رکھتے ہیں اس کی حفاظت کے سامان رکھتے ہیں اور سرکاری مہمان خانہ بنتا ہے، تو قلعہ شاہی کے بارے میں فرمایا گیا کہ اَلَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا وہ ذات ہے بادشاہ۔ اللہ کی ذات شاہانہ وہ ہے کہ اس نے سَبْعَ سَمٰوٰتٍ سات آسمانوں کے تہہ بہ تہہ قلعے بنائے۔

ساتوں آسمانوں کی مضبوطی:

اور فرماتے ہیں مضبوط اتنا کہ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ

تَفٰوُتٍ تم اگر غور سے دیکھو تو اس کے اندر کوئی فرق نہیں، کوئی دراڑ نظر آ رہا ہے کوئی اونچ نیچ نظر آ رہی ہے کچھ بھی نظر آ رہا ہے۔ یکساں ہے۔ ہزاروں برس سے یکساں ہے نہ اس کی کوئی مٹی جھڑتی ہے۔ نہ پلستر گرتا ہے نہ کوئی اینٹ گرتی ہے۔ جس حالت میں ہے اسی حالت میں رہتا ہے۔

ساتوں آسمان مختلف دھاتوں کے ہیں:

اس لئے کہ وہ دھاتوں سے بنائے گئے ہیں۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ پہلا آسمان چاندی کا ہے۔ دوسرا سونے کا، تیسرا زمرد کا ہے، چوتھا یاقوت کا ہے، پھر الماس کا ہے، اور ساتواں آسمان خالص ایک موتی کا ہے، لیکن کیسا ہوگا سونا چاندی؟ یہ یہاں کا سونا چاندی نہیں۔ دنیا میں سونے چاندی میں کچھ نہ کچھ کدورت کچھ نہ کچھ سیاہی ملی ہوتی ہے روپیہ گننے بیٹھے تو دس پانچ منٹ میں انگلیاں کالی ہو جاتی ہیں بو آنے لگتی ہے انگلیوں میں۔ تو وہاں کا سونا اور چاندی کدورت ملا ہوا نہیں خالص سونا، تو وہ آسمان زمین سونے اور چاندی جوہرات اور موتی خالص کے ہیں ان واسطے اس میں کوئی جوڑ بھی نہیں کہ بھئی اینٹ ہی گر گئی، چونا نکل گیا، یہ نہیں (ایک ذات ہے سارا آسمان) مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ۔ تم کوئی فرق نہیں دیکھو گے اللہ کی بناوٹ میں اس لئے کہ یہ شاہی قلعہ ہے تمہارا مکان نہیں بنا ہوا۔ اللہ نے اپنا مکان بنایا ہے مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ پھر دوبارہ لوٹا کر نظر کرو هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ کوئی فطور نظر آتا ہے تمہیں ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ، پھر لوٹا نگاہ کو کر تین دو مرتبہ دیکھ

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ

نگاہ لوٹ کر آئے گی اور نامراد واپس ہوگی، کوئی عیب لے کر نہیں آئے گی۔

چونکہ دار السلطنت کو انتہائی طور پر مضبوط بناتے ہیں فطرت یہی ہے تو فطرت الٰہی سے یہ فطرت انسانوں نے لی ہے وہاں اصل فطرت نے کام کیا تو سب سے پہلے دار الحکومت کی تعمیر کی گئی۔ اور اس میں سات شہر پناہیں بنائی گئیں۔ اور شہر پناہوں کے اندر فوجیں رکھی گئیں۔

اللہ تعالیٰ کی فوج ملائکہ ہیں:

اور فوجیں ہیں ملائکہ جو نہایت ہی قوی فوج ہے کہ اگر سارے جہاں ساری کائنات سارے شیاطین بھی مل جائیں تو ایک فرشتہ ان کے قابو میں نہیں (آسکتا)۔

حضرت جبرئیل امین کی دو صفتیں امین اور قوی:

حدیث میں ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں کہ ان کی دو صفتیں بیان کی گئی ہیں قرآن کریم میں ایک قوی اور ایک امین۔ کہ وہ قوی بھی ہیں اور امانت دار بھی ہیں تو امانت کے بارے میں تو یہ فرماتے ہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام کہ لاکھوں اسرار اللہ کے میرے سینے میں ہیں آج تک میں نے ظاہر نہیں کئے حق تعالیٰ ہی کا امر ہوتا ہے تو کسی مخصوص بندے پر کوئی ایک چیز ظاہر کرتا ہوں۔ جس سے ہم لوگ عارف کہلانے لگتے ہیں کہ معرفت رکھتے ہیں اسرار خداوندی کو جاننے والے ہیں تو کروڑوں اسرار میں سے بذریعہ ملائکہ کے کوئی ایک آدھ چیز قلب میں ڈال دی جاتی ہے وہ ہماری معرفت بن جاتی ہے تو اس ذات کے بارے میں قیاس کیا جائے کہ جبرئیل کتنے بڑے عارف اور کتنے بے صاحب معرفت ہیں۔ فرماتے ہیں کہ لاکھوں اسرار میرے سینے میں محفوظ ہیں آج تک میں نے انہیں کسی پر ظاہر نہیں کیا وہ امانت خداوندی ہیں، تو امانت کا تو یہ حال ہے اور قوت کا یہ عالم ہے کہ جب لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا تو جبرئیل کو حکم دیا کہ تم پلٹ دو ان کی بستیاں انہوں نے ایک ہاتھ ڈال کے وہ سارے شہر اور اقلیم ایک ہاتھ سے اٹھا کر اوندھے کر دیئے ان کو پلٹ دیا، یہ حال قوت کا ہے تو فرشتے کی یہ طاقت ہے تو جیسا بادشاہ ویسی اس کی فوج، بادشاہ لامحدود قوت والا ہے تو اس کی فوج بھی اتنی قوت والی ہے کہ ایک فرشتہ پورے جہاں کے لئے کافی ہے سب کو لوٹ دے کر اٹھا کر، تو ملائکہ علیہ السلام ان آسمانوں میں مقیم کئے گئے جیسے فوجی۔

جیسے اللہ تعالیٰ پاک ہیں ویسے ہی ان کی فوج پاک ہے:

تو چونکہ بادشاہ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ ہے اور پاک ہے اس لئے فوجیں بھی پاک دنیا کی فوجوں میں تو حد درجے کا تعیش بھی ہوتا ہے آزادی بھی ہوتی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ فوجی کو تو سات خون معاف ہیں جس پہ چاہے گولی چلا دی کسی بستی میں گھس گئے تو ناموس تباہ ہوتا رہتا ہے آبروئیں جاتی رہتی ہیں، کھیت اجڑ جاتے ہیں۔ باغ اجڑ جاتے ہیں لیکن وہ اللہ کی فوج ہے اس کے قلعوں کے محافظ ہیں وہ بھی پاکباز مخلوق ہیں۔ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ نہایت ہی کرام اور مکرم بندے ہیں۔ کرامت والے بندے ہیں، سب صاحب کرامت اور لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ کبھی نافرمانی نہیں کی اللہ کی۔ ہمیشہ پابند ہیں احکام ربانی کے۔ منشا خداوندی کو پاتے ہیں تو کر چلتے ہیں تو مخلوق بھی نہایت پاکباز ہے۔ جس کی فوج بنائی گئی ہے کہ اس سے زیادہ مطیع اور مقدس مخلوق دوسری نہیں اور ان کا کام دن رات اطاعت اور عبادت ہے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ آسمانوں میں چار انگشت جگہ خالی نہیں ہے کہ کوئی نہ کوئی فرشتہ مصروف عبادت نہ ہو تو اتنی فوجیں رکھی گئیں ہیں کہ چار انگشت جگہ خالی نہیں ہے کہ کوئی نہ کوئی سپاہی موجود نہ ہو تو ان گنت فوج اس لئے کہ جیسا بادشاہ ویسی بادشاہی، ویسی ہی اس کی فوج ویسی ہی پاکباز فوج۔ گویا سات قلعے بنے اس میں فوجیں رکھی گئیں اس کے اوپر وہ خندق ہے جو سمندر ہے۔ جس کی ایک ایک موج زمین و آسمانوں کے برابر ہے اور اس کے اوپر جا کر ہے کرسی اور کرسی اتنی بڑی کہ سارے آسمان اس کے سامنے ایسے ہیں جیسے چھلہ۔

کرسی درحقیقت عرش الٰہی کا پائیدان ہے:

وہ کرسی پائیدان ہے عرش کا۔ کرسی کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ تخت پر

چڑھنے کے لئے جو سیڑھی بنائی جاتی ہے وہ کرسی درحقیقت پائیدان ہے عرش پر چڑھنے کا، تو جب سیڑھی اتنی بڑی ہے تو عرش کتنا بڑا ہوگا۔ جو ساری کائنات کو گھیرے ہوئے ہے تو یہ تخت شاہی ہے جس سے یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ تدبیرات الٰہیہ جاری ہوتی ہیں۔

عرش سے تدبیرات الٰہیہ جاری ہوتی ہیں:

ان جہانوں میں جو کچھ چیزیں ہیں وہ دنیا ہو یا ستارے ہوں ان سب میں جو امر خداوندی جاری ہے وہ عرش سے چلتا ہے احکام وہاں سے نافذ ہوتے ہیں یُدَبِّرُ الْاَمْرَ تدابیر امر وہاں سے ہوتی ہیں تو عرش عظیم گویا سب سے بڑی علامت ہے حکومت کی اور اسی واسطے کہا کرتے ہیں کہ تخت کے سامنے نظریں پیش کی جائیں ادباً۔ یوں نہیں کہتے کہ بادشاہ کو نذر دے رہے ہیں درباری تخت کے سامنے نذر پیش کر رہے ہیں۔ یعنی بادشاہ تو بڑی چیز ہے وہاں کس کی پہنچ، تخت شاہی کے پائے کو چومتے ہیں وہی اظہار عقیدت ہوتا ہے بادشاہ سے، تو گویا عرش عظیم علامت ہے شہنشاہی الٰہی کی۔ اس کے سامنے نذریں پیش کرتے ہیں اس کے سامنے اطاعت کے لئے جھکتے ہیں۔

سورج نکلتا ہے تو عرش کے سامنے سجدہ ریز ہو کر چلنے کی اجازت حاصل کرتا ہے

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ یہ سورج جب چلتا ہے تو اذن حاصل کرتا ہے پہلے سجدہ کرتا ہے عرش کے نیچے اور پھر کہتا ہے اجازت ہے جانے کی اجازت مل جاتی ہے تو پھر اپنا دورہ پورا کرتا ہے۔ دورے کے بعد پہنچا پھر اذن چاہا قیامت کے دن فرمائیں گے کہ آگے جانے کی اجازت نہیں پیچھے لوٹ جاؤ تو آفتاب طلوع کرے گا مغرب سے اور وسط میں آ کر پھر لوٹ جائے گا اور اس کے بعد میں پھر حسب معمول طلوع وغروب ہونے لگے گا۔ یہ علامت کبریٰ ہوگی قیامت کی، تو بہر حال تخت کے سامنے جھکنا یہ بادشاہ کے آگے جھکنا ہے تو سب سے بڑا نورانی کرہ اس عالم میں آفتاب ہے۔ وہ روزانہ سجدہ کر کے عرش کے نیچے اجازت طلب کرتا ہے تب اسے اجازت ملتی ہے جانے کی، تو سرکاری مہمان خانہ بھی ہوگا اور شاہی قلعہ بھی ہوگیا اور شاہی قلعہ کی فوج بھی ہوگئی اور عرش عظیم بھی اس کے اوپر ٹک گیا۔

بادشاہ کے لئے تاج ہوتا ہے لیکن وہ حق تعالیٰ کی شان کے لئے مناسب نہیں

اب بادشاہ کے لئے تاج بھی درکار ہوتا ہے مگر حق تعالیٰ شانہ کے لئے تاج مناسب نہیں کہ تاج سر کے بھی اوپر ہوتا ہے بادشاہ کے، اور اللہ عَلِیٌّ الْعَظِیْم ہے، اس سے بلند کوئی چیز نہیں۔

اللہ کے تاج کی مثال:

اس واسطے وہاں تاج کی مثال ایسی رکھی گئی ہے کہ عرش پر حق تعالیٰ نے ایک لوح اور تختی رکھی کہ جس کی بڑائی زمینوں اور آسمانوں سے بھی کہیں زیادہ اس پر لکھ کر رکھا ہوا ہے اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ میری رحمت ہمیشہ میرے غضب کے اوپر غالب رہے گی۔ اگر گنہگار آئے کہ کہ نیکیاں بھی کی ہوں اور جرم بھی، پہلے رحمت بڑھے گی کہ نیکیوں کا صلہ لے غضب نہیں بڑھے گا کہ اس کو سزا دے۔ اگر کسی نے جرائم ہی جرائم کئے ہوں تو مجبوری کو غضب بڑھے گا، ورنہ رحمت ہی بڑھے گی اور اٹھائے گی آغوش رحمت میں یہ دستاویز رکھی۔ یہ وہ ہے کہ جسے کہا کرتے ہیں حکومت کی پالیسی، حکومت جب پالیسی بناتی ہے، منشور بناتی ہے کہ فلاں قوم کے ساتھ یہ برتاؤ ہوگا اور فلاں قوم کے ساتھ یہ برتاؤ ہوگا، وہ پالیسی طے ہو جاتی ہے تو وزراء اُمراء سب اسی پر عمل کرتے ہیں تو پالیسی حکومت الٰہی کی یہ طے ہوئی کہ رحمت غالب رہے گی اور غضب پیچھے رہے گا۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى فرمایا دیگر صفات ذکر نہیں کیں:

اسی واسطے عرش عظیم پر بادشاہی کی حیثیت سے حق تعالیٰ نے استوا فرمایا تو فرماتے ہیں اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى رحمٰن چھا گیا عرش کے اوپر، یوں نہیں لکھا اَلرَّحْمٰنُ الْقَهَّارُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى قہر والا چھا گیا۔ اَلْغَضَّابُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى غضب والا چھا گیا۔ اگر غضب کی تجلی چھاتی تو ساری کائنات ختم ہو جاتی۔ رحمت کے ساتھ سب کے ساتھ معاملہ کیا جا رہا ہے۔ یہ رحمت ساتھ ہے تو شکل ایسی بن گئی کہ ساری کائنات، اس کے اوپر آسمان اس کے اوپر دریا اس کے اوپر عرش، عرش کے اوپر رحمت خداوندی تو گویا پوری کائنات کو رحمت نے ڈھانپ رکھا ہے رحمت نے چلا رکھا ہے۔

غضب ناک بادشاہ ملک کو زیادہ دیر نہیں چلا سکتا:

اس سے گویا اشارہ نکلتا ہے۔ کہ جو بادشاہ غضبناک ہو وہ ملک کو زیادہ دیر تک نہیں چلا سکتا وہی بادشاہ چلا سکتا ہے، جس میں شفقت اور کرم غالب ہو۔ اور جس کے اندر قہر اور غضب اور تعصب اور عناد غالب ہوگا زیادہ دیر اس کی حکومت نہیں چل سکتی وہ ختم ہو جائے گی گویا اصول نکل آیا کہ پائیدار حکومت بنانا چاہتے ہو تو ایسے شخص کو بادشاہ بناؤ جو رحیم و کریم ہو، جس کی رحمت غالب ہو، غضب مجبوری کو جائے۔ جب مجرمین تنگ ہی کر دیں تو جا کر غضب کے احکام نازل کرے ورنہ رحمت چلتی رہے تو پہلے فرمایا اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا بادشاہانہ ذات ہے اللہ کی جس میں سات طبق یعنی آسمان بنائے اور مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ تم اللہ کی بناوٹ میں کوئی فرق نہیں محسوس کرو گے اور ہم کہتے ہیں فَارْجِعِ الْبَصَرَ نگاہ کو لوٹاؤ، غور کرو، ہے کوئی فرق

؟ نہیں ہے۔ پھر لوٹا دوبارہ لوٹا تو لوٹ کر آ جائے گی نگاہ مگر کوئی عیب اور فرق نہیں نکال سکے گی (معارف حکیم الاسلام قاسمی قدس سرہ)

مَا تَرٰى فِىْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ

کیا دیکھتا ہے تو رحمٰن کے بنانے میں کچھ فرق ☆

عظیم الشان تخلیق:

یعنی قدرت نے اپنے انتظام اور کاریگری میں کہیں فرق نہیں کیا ہر چیز میں انسان سے لے کر حیوانات، نباتات، عناصر، اجرام علویہ سبع سماوات اور نیرات تک یکساں کاریگری دکھائی ہے یہ نہیں کہ بعض اشیاء کو حکمت و بصیرت سے اور بعض کو یونہی کیف ما اتفق بے تکا یا بیکار وفضول بنا دیا ہو (العیاذ باللہ) اور جہاں کسی کو ایسا وہم گزرے سمجھو اس کی عقل ونظر کا قصور ہے۔ (تفسیر عثانی)

فِىْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ کہنے میں آسمانوں کی تخلیق کے (بے عیب اور ناقص نہ ہونے کی صراحت ہے کیونکہ ان کی تخلیق ایسی ذات کی طرف منسوب ہے جو ہر عیب سے پاک اور رحمت سے متصف ہے) اس لئے اس کی تخلیق بھی ناقص نہیں ہوسکتی۔ (تفسیر مظہری)

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ﴿۳﴾

پھر دوبارہ نگاہ کر کہیں نظر آتی ہے تجھ کو دراڑ ☆

یعنی ساری کائنات نیچے سے اوپر تک ایک قانون اور مضبوط نظام میں جکڑی ہوئی ہے اور کڑی سے کڑی ملی ہوئی ہے، کہیں درز یا دراڑ نہیں نہ کسی صنعت میں کسی طرح کا اختلال پایا جاتا ہے ہر چیز ویسی ہے جیسا اسے ہونا چاہیے اور اگر یہ آیتیں صرف آسمان سے متعلق ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ اے مخاطب اوپر آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ کہیں اونچ نیچ یا درز اور شگاف نہیں پائیگا بلکہ ایک صاف، ہموار، متصل، مربوط اور منتظم چیز نظر آئے گی جس میں باوجود مرور دہور اور تطاول ازمان کے آج تک کوئی فرق اور تفاوت نہیں آیا۔ (تفسیر عثانی)

فَارْجِعِ الْبَصَرَ یعنی اگر تمہارا خیال ہو کہ بار بار دیکھنے سے آسمانوں کی تخلیق میں کچھ عدم تناسب دکھائی دے جائے گا تو پھر دیکھ لو۔ (تفسیر مظہری)

کیا آسمان نظر آ سکتا ہے:

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا والے آسمان کو آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ نیلگوں فضا جو دکھائی دیتی ہے یہی آسمان ہو بلکہ ہوسکتا ہے آسمان اس سے بہت اوپر ہو اور یہ نیلگوں رنگ ہوا اور فضا کا ہو جیسا کہ فلاسفر کہتے ہیں مگر اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ آسمان انسان کو نظر ہی نہ آئے، ہوسکتا ہے کہ یہ نیلگوں فضا شفاف ہونے کے سبب اصل آسمان کو جو اس سے بہت اوپر ہے دیکھنے میں مانع نہ ہو۔ اور اگر کسی دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ دنیا میں رہتے ہوئے آسمان کو آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا تو پھر اس آیت میں رویت سے مراد رویت عقلی یعنی غور وفکر ہوگا۔ (بیان القرآن) (معارف مفتی اعظم)

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ

پھر لوٹا کر نگاہ کر دو دو بار لوٹ آئیگی

اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ﴿۴﴾

تیرے پاس تیری نگاہ رد ہو کر تھک کر ☆

اچھی طرح جانچ کرلو:

یعنی ممکن ہے ایک آدھ مرتبہ دیکھنے میں نگاہ خطا کر جائے اس لیے پوری کوشش سے بار بار دیکھ، کہیں کوئی رخنہ تو دکھائی نہیں دیتا خوب غور وفکر اور نظر ثانی کر کہ قدرت کے انتظام میں کہیں انگلی رکھنے کی جگہ تو نہیں۔ یاد رکھ تیری نگاہ تھک جائیگی اور ذلیل ودرماندہ ہو کر واپس آ جائیگی۔ لیکن خدائی مصنوعات وانتظامات میں کوئی عیب وقصور نہ نکال سکے گی۔ (تفسیر عثانی)

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ صرف دو مرتبہ دیکھنا مراد نہیں بلکہ بار بار دیکھنا مراد ہے۔ جیسے لفظ لبیک میں (صرف دو مرتبہ حاضری مراد نہیں بلکہ بکثرت حاضری مراد ہے)

آسمانوں کا مادہ:

بغویؒ نے کعبؓ کا قول نقل کیا ہے کہ نچلا دنیوی آسمان موج بستہ ہے (یعنی لہریں ہیں جن کو روک دیا گیا ہے) دوسرا آسمان سفید زمرد کا ہے، تیسرا لوہے کا، چوتھا پیتل کا، پانچواں چاندی کا، چھٹا سونے کا، ساتواں یاقوت سرخ کا، ساتویں آسمان اور ذات خداوندی کے حجابوں کے درمیان نور کے سات صحرا ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ

اور ہم نے رونق دی سب سے ورلے آسمان کو چراغوں سے ☆

یعنی آسمان کی طرف دیکھو رات کے وقت ستاروں کی جگمگاہٹ سے کیسی رونق وشان معلوم ہوتی ہے۔ یہ قدرتی چراغ ہیں جن سے دنیا کے بہت سے منافع وابستہ ہیں۔ (تفسیر عثانی)

آسمانوں کو ستاروں سے مزین کیوں کیا گیا:

اب ظاہر بات ہے کہ قلعے تو بن گئے مگر اس میں اندھیرا بھٹ پڑا ہو تو رہنے والے کیسے رہیں گے، ظلمت ہو، تاریکی ہو تو ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے گا، کام کیسے چلے گا۔ اس لئے آگے فرمایا وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ

بڑے بڑے چراغوں اور ہنڈوں سے ہم نے روشن کیا آسمان دنیا کو اور وہ چاند وہ ہنڈے اور وہ چاند وسورج ہیں، اور وہ ہماری ضرورت اس لئے کہ آسمان سے بالاتر جو عرش عظیم کی روشنی ہے جنتوں میں بھی، وہاں خوبصورت چاند کی نہیں چلتی یہ تو معمولی درجے کی روشنی ہے تو دنیا والوں کو ضرورت تھی انہی کے لئے چھت بنایا آسمان دنیا کو اور طبعی طور پر لالٹینیں چھت میں ٹانگی جاتی ہیں۔ زمین میں چراغ کوئی نہیں رکھا کرتا یا دیوار پر لگا تا ہے یا چھت کے قریب اور جب بجلی کی روشنی ہو قمقمے تو چھت میں ہی ٹانگے جاتے ہیں۔ تکلف کے طور پر وہ دیوار میں لگالے لیکن اصل مقام ہے چھت۔ اسی واسطے دنیا کی چھت بنایا آسمان دنیا کو اور اس آسمان سے نیچے یہ تمام ہنڈوں کا ایک نظام سجا دیا۔ کوئی زیادہ روشن کوئی کم روشن سورج تیز روشن ہے تا کہ کام کاج کر سکیں دن کا وقت ہے، رات میں ضرورت پڑتی ہے سونے کی تو سورج نہیں چمکایا، چاند چمکایا تا کہ ٹھنڈی روشنی ہو بالکل اندھیرا گھپ ہوگا تو وحشت بڑھے گی۔ نیند نہیں آئے گی۔ کچھ چاندنا بھی ہو مگر چبھنے والا نہ ہو نگاہوں میں، تو چاند کی روشنی رکھی۔

چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے مستفاد ہے:

یہ وہی سورج کی روشنی ہے مگر وہ ریفریجریٹر کے اندر کو نکل رہی ہے جو ٹھنڈی کر کے پیش کی جاتی ہے تو وہی سورج کی روشنی یہاں ٹھنڈی بنا دی گئی چاند میں، اور اگر چاند بھی نہ ہو تو کروڑوں ستارے روشن کر دیئے کہ کچھ نہ کچھ چاندنا رہتا ہے زمین پر، اگر ایک بھی ستارہ نہ ہوتا تو اندھیرا گھپ ہو جاتا اس لئے فرمایا کہ ہم نے کائنات بنائی تو روشنی کا بھی سامان کیا۔ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ۔

جتنی بڑی سلطنت اتنے ہی بڑے اس کے دشمن:

اب ظاہر بات ہے کہ جتنی بڑی سلطنت ہوتی ہے اتنے ہی بڑے دشمن بھی ہوتے ہیں تو فوجیں بے شک قوی ہیں سلطنت بڑی عظیم ہے مگر جتنی بڑی حکومت ہے اتنے بڑے ہی دشمن بھی۔

سارے شیاطین دشمن ہی تو ہیں یہ کب چاہتے ہیں کہ اللہ کا حکم چلے۔ انبیاء علیہم السلام اللہ کے احکام لے کر آتے ہیں ساتھ ہی انہیں چلانا چاہتے ہیں۔ لیکن قدم قدم پر شیطان رکاوٹیں ڈالتا ہے ایک پل بھر کے لئے شیاطین نہیں چاہتے کہ احکام خداوندی دنیا میں چلیں بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ سارے آدمی مل کر اللہ کے دشمن بن جائیں مدمقابل آجائیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپوزیشن پارٹی بھی پیدا فرمائی:

تو حق تعالیٰ نے اپوزیشن پارٹی بھی پیدا کی، حالانکہ اس کی حکومت کو ضرورت نہیں تھی۔ مگر ایک مخالف پارٹی پیدا کی تا کہ اس کا کام یہی ہو کہ اللہ کی حکومت میں دین میں اعتراض نکالتی رہے۔

اپوزیشن پارٹی کا فائدہ:

تا کہ دوست تو یہ سمجھیں کہ بھئی یہ اعتراض کی چیز ہے اس کا یہ جواب دیں گے تو ان کا علم وسیع ہوگا اور دشمن جتنے ہیں وہ بھول بھلیاں میں رہیں گے تا کہ جب اچانک عذاب آئے پنجہ گرفتاری کا تو اس وقت اچانک گرفتار کر لیا جائے، دوست بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اپوزیشن پارٹی سے، دشمن عداوت میں فائدہ اٹھاتے ہیں، دوست محبت اور دوستی میں فائدہ اٹھاتے ہیں۔

مخالف پارٹی کا وجود فطری چیز ہے:

تو بہر حال ایک مخالف پارٹی کا وجود فطرت ہے، ضروری ہے ترقی نہیں ہو سکتی جب تک کہ مخالفت کرنے والی کوئی جماعت نہ ہو اس واسطے شیاطین کی جماعت پیدا فرمائی جس کا کام ہے مخالفت اور وہ جیسے دنیا میں نہیں چاہتی کہ اللہ کی حکومت قائم ہو ویسے ہی آسمانوں میں بھی نہیں چاہتی کہ اللہ کی حکومت قائم ہو لیکن آسمان ہیں قلعے۔ اگر وہاں حکومت ختم ہو تو دنیا میں بھی حکومت باقی نہیں رہے گی۔ اس لئے ان کی کوشش ہے کہ وہیں سے مٹانے کی کوشش کرو اس لئے حق تعالیٰ نے حفاظتی سامان بنایا تو فرمایا کہ ستارے جو ہم نے مصباح اور چراغ بنا دیئے ہیں انہی سے بموں کا بھی کام لیتے ہیں۔ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ جہاں شیاطین آسمان کے کناروں تک پہنچے اور یہ بم ان کے اوپر برسنے شروع ہوئے۔ شہاب ثاقب، اور یہ بھسم ہو جاتے ہیں، تو گویا ملائکہ علیہم السلام سارا گولہ بارود کا سامان لئے ہوئے ہیں بم بھی ان کے ہاتھ میں ہیں جہاں دشمن الٰہی پہنچا قریب آسمانوں کے وہیں سے انہوں نے وہ گولہ پھینک کے مارا اور وہ بھسم ہوا۔

ستاروں سے دو کام لئے جاتے ہیں:

تو فرماتے ہیں کہ ان چراغوں سے ہم دو کام لیتے ہیں ایک روشنی کا اور اس کے ساتھ ساتھ دشمنوں کے دفع کرنے کا، تو مدافعت کا سامان بھی ہمارے یہاں پورا ہے اور پوری طاقت موجود، ساری دنیا کے شیاطین جمع ہو جائیں وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور وہ دروازے میں بھی قدم نہیں رکھ سکتے وہ ذرا قریب پہنچے وہیں سے بم پڑا ان کے وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ اب اس کے بعد خیر شیاطین تو پٹ پٹا گئے مگر وہ انسانوں کے دشمن ہیں وہ تو چاہتے ہیں کہ انہیں بھی اللہ سے جدا کرو تو بہت سوں کو ورغلانے سے خدا کی دشمنی پر آمادہ کر دیتے ہیں کہ انبیاء کی بھی مخالفت کریں اولیاء اللہ کی بھی مخالفت کریں۔ علماء ربانی کی بھی، صلحائے امت کی بھی سب کے مدمقابل آئیں اور ایسی ایسی چیزیں کہیں کہ حق کا کارخانہ درہم برہم ہو جائے۔

اپوزیشن پارٹی دنیا میں ختم نہیں کی جائے گی:

انہیں ہم دنیا میں تباہ نہیں کریں گے، دنیا تو آزمائش گاہ ہے اگر وہیں تباہ

ہو جائے تو حق کے علاوہ کا سامان کیا رہے گا؟ حق تو باطل ہی کے مقابلے میں اونچا ہوتا ہے تو باطل بھی باقی نہیں رکھیں گے۔ باقی اخیر میں ایک جیل خانہ ہم نے تیار کر رکھا ہے ان مجرموں کے لئے تو یہ شیاطین معہ اپنے شتونگڑوں کے معہ اپنی پارٹی کے سب اس کے اندر جائیں گے اور وہ اپوزیشن پارٹی وہ ساری کی ساری ختم کر دی جائے گی اس لئے کہ حکمرانی کا کارخانہ جنتوں میں خالص حق کا ہوگا۔ باطل کا نشان نہیں۔ دنیا میں حق اور باطل کی آمیزش تھی۔ دونوں پارٹیاں کنڈم کیں جب وہ مخلوق میں رکھا اور مخلوق کا عالم ختم ہو گیا اب رہ گئے خالص عالم تو جنت خالص حق کا عالم ہے اور جہنم خالص مصیبت کا عالم ہے۔ ساری اپوزیشن وہاں اور سارے مطیع یہاں الگ الگ کر دیئے جائیں گے۔ تو وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ان کے لئے ہم نے ایک نہایت ہی کھولتا ہوا عذاب تیار کر رکھا ہے وہ وہاں پہنچا دیئے جائیں گے۔ (معارف حکیم الاسلام قاسمی قدس سرہ)

وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ

اور اُن سے کر رکھی ہے ہم نے پھینک مار شیطانوں کے واسطے ☆

یہ مضمون سورہ ''حجر'' وغیرہ میں کئی جگہ بہت تفصیل سے گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شیطان آسمانی خبریں نہیں چرا سکتے:

یعنی شیاطین جب (ملائکہ کی باتیں) چوری سے سننا چاہتے ہیں تو ان کو مارنے کے لئے ستاروں کو ہم نے آتشی پتھر بنایا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ستاری اپنی جگہ سے ہٹ کر شیطانوں پر پتھروں کی طرح برستے ہیں بلکہ اون سے مجسم شعلے ٹوٹ کر شیطانوں پر پڑتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ مصابیح سے مراد ستارے ہیں اور نیچے کے آسمانوں کو ستاروں سے مزین کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ستارے آسمان کے اندر یا اس کے اوپر لگے ہوئے ہوں۔ بلکہ یہ تزین اس صورت میں بھی ثابت ہے جبکہ ستارے آسمان سے بہت نیچے خلا میں ہوں جیسے کہ تحقیق جدید سے اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ یہ اس کے منافی نہیں اور ستاروں کو شیاطین کے دفع کرنے کے لئے انگارے بنا دینے کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ ستاروں میں سے کوئی مادہ آتشیں ان کی طرف چھوڑ دیا جاتا ہو۔ ستارے اپنی جگہ رہتے ہوں، عوام کی نظر میں کیونکہ یہ شعلہ ستارہ کی طرح حرکت کرتا ہوا نظر آتا ہے اس لئے اس کو ستارہ ٹوٹنا اور عربی میں انقضاض الکوکب کہہ دیتے ہیں۔ (قرطبی)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیاطین جو آسمانی خبریں چرانے کے لئے چڑھتے ہیں وہ کواکب اور ستاروں سے نیچے ہی دفع کر دیئے جاتے ہیں۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ⑤

اور رکھا ہے اُن کے واسطے عذاب دہکتی آگ کا ☆

یعنی دنیا میں تو شہاب پھینکے جاتے ہیں اور آخرت میں ان کے لیے دوزخ کی آگ تیار ہے۔

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ

اور جو لوگ منکر ہوئے اپنے رب سے ان کے واسطے ہے عذاب

جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑥

دوزخ کا اور بُری جگہ جا پہنچے ☆

یعنی کافروں کا ٹھکانا بھی شیاطین کے ساتھ اسی دوزخ میں ہے۔

اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ

جب اُس میں ڈالے جائینگے سنیں گے اُس کا دھاڑنا اور وہ اچھل رہی ہوگی

تَفُوْرُ ⑦ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ

ایسا لگتا ہے کہ پھٹ پڑے گی جوش سے ☆

یعنی اس وقت دوزخ کی آواز سخت کریہ اور خوفناک ہوگی اور بے انتہاء جوش واشتعال سے ایسا معلوم ہوگا گویا غصہ میں آکر پھٹی پڑتی ہے (اعاذ نا اللہ منہا بلطفہ و کرمہ) (تفسیر عثمانی)

جہنم جو سرکاری جیل خانہ ہے اس کی کیفیت کیا ہوگی:

اور ساتھ میں ان کی کیفیت بھی بیان کی کہ

اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ جب وہ داخل کئے جائیں گے جہنم میں تو جہنم کے جوش کا یہ عالم ہوگا کہ جیسے غضب ناک ایک چیز ہوتی ہے اور پھٹ پڑے جوش سے ہیبت ناک آوازیں اور اس کی ہیبت ناک لپیٹیں اور اس کی ہیبت ناک تیزی یہ معلوم ہوگا کہ جیسے وہ کھول رہی ہے اور غضبناک ہے پھٹ پڑے گی۔ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ گویا پھٹ جائے گی غیظ کے سبب۔ (معارف حکیم السلام)

كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ

جس وقت پڑے اس میں ایک گروہ پوچھیں اُن سے

خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ⑧

دوزخ کے داروغہ کیا نہ پہنچا تھا تمہارے پاس کوئی ڈرسنانیوالا ☆

جہنمیوں سے سوال کا مقصد:

یہ پوچھنا اور زیادہ ذلیل ومجوب کرنے کے لیے ہوگا یعنی تم جو اس

مصیبت میں آ کر پھنسے ہو کیا کسی نے تم کو متنبہ نہ کیا تھا اور ڈرایا نہ تھا کہ اس راستے سے مت چلو ورنہ سیدھے دوزخ میں گرو گے جہاں ایسے ایسے عذاب ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

جہنم کے محافظ جہنمیوں سے سوال کریں گے:

كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ جب کوئی پارٹی ڈالی جائے گی کفار کی تو سوال کریں گے جہنم کے محافظ و نگران ملائکہ کہ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ کیا تمہارے پاس ڈرانے والا نہیں پہنچا تھا جس نے اس جہنم سے تمہیں ڈرایا ہو اس عذاب خداوندی سے، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ پہنچا مگر ان پر تمام حجت کے لئے اور ان میں حسرت پیدا کرنے کے لئے کہ عذاب دوگنا تگنا ہو جائے قوم سے کہیں گے کہ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ کوئی ڈرانے والا تمہارے پاس نہیں پہنچا کسی نے نہیں بتلایا کہ اللہ کا جیل خانہ بھی تیار ہے؟ (معارف حکیم الاسلام قدس سرہٗ)

قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا
وہ بولیں کیوں نہیں ہمارے پاس پہنچا تھا ڈر سانیوالا پھر ہم نے
وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ
جھٹلایا اور کہا نہیں اتاری اللہ نے کوئی چیز
اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ⑨
تم تو پڑے ہوئے ہو بڑے بہکاوے میں ☆

حسرت وندامت:

یعنی کھسیانے ہو کر حسرت وندامت سے جواب دینگے کہ بیشک ڈرانیوالے آئے تھے مگر ہم نے ان کی بات نہ مانی۔ برابر جھٹلایا کئے کہ تم سب غلط کہتے ہو نہ اللہ نے تم کو بھیجا نہ تم پر وحی اتاری بلکہ تم عقل وفہم کے راستہ سے بہک کر بڑی سخت گمراہی میں جا پڑے ہو۔

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ
اور کہیں گے اگر ہم ہوتے سنتے یا سمجھتے تو
مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑩
نہ ہوتے دوزخ والوں میں ☆

یعنی کیا خبر تھی کہ یہ ڈرانیوالے ہی سچے نکلیں گے اگر ہم اس وقت کسی ناصح کی بات سنتے یا عقل سے کام لیکر معاملہ کی حقیقت کو سمجھ لیتے تو آج دوزخیوں کے زمرہ میں کیوں شامل ہوتے اور تم کو یہ طعن دینے کا موقع کیوں ملتا۔ (تفسیر عثمانی)

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ یعنی اگر ہم بغیر عناد کے گوش قبول سے سنتے اور سنی ہوئی دلیلوں سے جو حقانیت ثابت ہو رہی تھی اس کو مان لیتے اَوْ نَعْقِلُ یعنی ایسے عقلی دلائل و براہین پر غور کرتے جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کے پیام پر ایمان لانے کو ضروری قرار دینے والی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا
سو قائل ہو گئے اپنے گناہ کے اب دفع ہو جائیں
لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑪
دوزخ والے ☆

اقرار جرم:

یعنی خود اقرار کر لیا کہ بیشک ہم مجرم ہیں یوں ہی بےقصور ہم کو دوزخ میں نہیں ڈالا جا رہا لیکن اس ناوقت کے اقرار واعتراف سے کچھ فائدہ نہ ہوگا ارشاد ہوگا "فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ" (اب دفع ہو جائیں دوزخ والے) ان کے لیے جوار رحمت میں کہیں ٹھکانا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حدیث میں ہے کہ قیامت والے دن اس طرح حجت قائم کی جائے گی کہ خود انسان سمجھ لے گا کہ میں دوزخ میں ہی جانے کے قابل ہوں۔ (مسند احمد) (تفسیر ابن کثیر)

جہنمی اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے:

اس وقت اعتراف کریں گے اپنے گناہ کا مگر اس وقت اعتراف کرنے سے کیا فائدہ؟ مثل مشہور ہے کہ اب سوچ سمجھ کر کیا کرو گے جب چڑیاں چگ گئی کھیت۔ جب کھیت ہی نہیں رہا اور چڑیاں ہی نہیں ہیں اب تم نے پرکھا کہ چڑیاں نہیں ہیں تو اب کیا پرکھنا۔ یہ تو مجبوری کا ایمان ہے۔

آخرت میں ہر ایک مومن بن جائے گا

وہاں تو ہر ایک مومن بن جائے گا جا کے۔ آزمائشی امتحان تو دنیا میں تھا کہ مخالف اسباب موجود تھے، مگر پھر انبیاء کی حقانیت کو سامنے رکھ کر سب چیزوں کو پرے ڈال کر آدمی اطاعت کرتا سنتا تو کہیں گے افسوس ہم نے وقت کھو دیا۔ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ اس وقت اعتراف کریں گے اپنے گناہ کا مگر اس وقت جواب کیا ہوگا۔ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ پھٹکار ہو ان لوگوں کے لئے ان کو دور دھکیل دو یہ قریب بھی نہ آنے پائیں اور زیادہ بعید (دور) جہنم میں ڈال دو۔ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (معارف حکیم الاسلام)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ
جو لوگ ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے ☆

ڈرنے والے:

یعنی اللہ کو دیکھا نہیں، مگر اس پر اور اس کی صفات پر پورا یقین رکھتے ہیں اور اس کی عظمت و جلال کے تصور سے لرزتے اور اس کے عذاب کا خیال کر کے تھرتھراتے ہیں یا ''بالغیب'' کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے مجمع سے الگ ہو کر خلوت و عزلت میں اپنے رب کو یاد کر کے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بالغیب سے مراد یہ ہے یہ کہ وہ ابھی عذاب کے قریب نہیں پہنچے یا یہ کہ وہ تنہائی میں اپنے رب سے ڈرتے ہیں منافقوں کی طرح نہیں ہیں یا غیب سے مراد وہ حصہ بدن ہے جو مخفی ہے یعنی دل، یعنی وہ دلوں میں اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

عرش کا سایہ پانے والے:

صحیحین کی حدیث میں کہ جن سات شخصوں کو جناب باری اپنے عرش کا سایہ اس دن دے گا جس دن اس کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا، ان میں سے ایک وہ ہے جسے کوئی مال و جمال والی عورت زنا کاری کی طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اسے بھی جو اس طرح پوشیدگی سے صدقہ کرے کہ دائیں ہاتھ کے خرچ کی بائیں ہاتھ کو خبر نہ لگے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ اگر تم خدا کی ذات پر پورا پورا بھروسہ کرو تو وہ تمہیں اس طرح روزیاں دے، جس طرح پرندوں کو دے رہا ہے کہ اپنے گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور آسودہ حال واپس جاتے ہیں، پس ان کا صبح شام آنا جانا اور رزق کو تلاش کرنا بھی توکل میں داخل سمجھا گیا کیوں کہ اسباب کا پیدا کرنے والا، انہیں آسان کرنے والا وہی خدائے واحد ہے اس کی طرف قیامت کے دن لوٹنا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۲﴾ وَ اَسِرُّوْا
اُن کیلئے معافی ہے اور ثواب بڑا اور تم چھپا
قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ
کر کہو اپنی بات یا کھول کر وہ
عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾
خوب جانتا ہے جیوں کے بھید ☆

بھیدوں کو جاننے والا:

یعنی گو تم اس کو نہیں دیکھتے مگر وہ تم کو دیکھ رہا ہے اور تمہاری ہر کھلی چھپی بات خلوت میں ہو یا جلوت میں سب کو جانتا ہے بلکہ دلوں میں اور سینوں میں جو خیالات گزرتے ہیں انکی بھی خبر رکھتا ہے غرض وہ تم سے غائب ہے پر تم اس سے غائب نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خوف الٰہی دانش کی چوٹی ہے۔ (ترمذی بروایت حضرت ابن مسعودؓ)

مشرکوں کا خوف:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ مشرک آپس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ ناشائستہ باتیں کرتے تھے اور کہتے تھے چپکے چپکے باتیں کرو کہیں خدا نہ سن لے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہو جائے جبرئیل علیہ السلام آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچا دیا کرتے تھے (تفسیر مظہری)

پہلے تو اسی کو علم ہوگا کہ اس مخلوق میں کیا چیزیں رکھ رہا ہوں اور کتنی عقل رکھی ہے میں نے کتنا فہم رکھا کتنا علم رکھا تو جو بنانے والا ہے مخلوق کا وہ تو اس کے اندر باہر سے سب طرح واقف ہے ورنہ وہ خالق ہی کیسا جو واقف نہ ہو تو عقلی دلیل بھی بیان فرما دی اور نقلی بھی۔ فرما دیا کہ وہ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہے اور کیوں نہ ہوگا عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ کیا خالق بھی نہیں جانے گا مخلوق کو اور کون جاننے والا ہوگا؟ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ اور اس کے لئے پھر دلیل یہ کہ وہ اتنا لطیف ہے کہ جسم سے بھی پاک اور روح سے بھی پاک اس لئے وہ تو ہر چیز کی رگوں کے اندر سرایت کئے ہوئے ہے رگ رگ کی اسے اطلاع ہے اور پتہ ہے۔

اللہ کی ذات منبع انکشاف ہے:

اس کی ذات ہی منبع انکشاف ہے اسے کوئی باہر سے خبر نہیں دیتا اس کی ذات میں سے علم پھوٹتا ہے جیسے آفتاب میں سے کرنیں پھوٹا کرتی ہیں یہ ہوا گویا پہلے رکوع کا خلاصہ کہ جس کے اندر ذات بابرکات خداوندی کو بیان کیا گیا۔ پھر ان صفات کو جو بادشاہی کے لئے ضروری ہیں۔ پھر ان لوازم سلطنت کو جو بادشاہت کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ (معارف حکیم الاسلامؒ)

اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۴﴾
بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا اور وہی ہے بھید جاننے والا خبردار ☆

خبردار ذات:

یعنی تمہارے افعال و اقوال ہر چیز کا خالق و مختار وہ ہے اور خالق و مختار جس چیز کو پیدا کرے ضروری ہے کہ اس کا پورا علم اسے حاصل ہو ورنہ پیدا کرنا ممکن نہیں پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ جس نے بنایا وہ ہی نہ جانے۔ (تفسیر عثمانی)

لطافت انکشاف کی دلیل ہے:

اور یہ کیسے ممکن ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کا علم نہ ہو۔ دلی خیالات بھی مخلوق

ہیں گویا وہ دل میں چھپے ہوئے ہیں مگر وہ تو چونکہ لطیف ہے اور لطافت دلیل ہے علم وانکشاف کی لہٰذا وہ دل کے خیالات سے بھی باخبر ہے۔ حکماء نے متعدد دلائل سے ثابت کیا ہے۔ اور یہ بات غور کرنے پر سمجھ میں بھی آتی ہے کہ جسمانیت ایک حجاب ہے بہت سی چیزوں کے علم وادراک سے یہی جسمانیت وکثافت مانع بنتی ہے۔ اس لئے چونکہ ملائکہ اجسام نوریہ اور لطیف ہیں اور ان میں روحانیت اور لطافت ہے ان کے بعد جنات جو مخلوق ناری ہیں اور نار بھی لطافت ہے گو نور سے کم ہو اس وجہ سے ملائکہ اور جن ان چیزوں کا ادراک کر لیتے ہیں جو ہمارے علم اور حواس سے بعید ہوتی ہیں۔ اسی پر خواب کو بھی محمول کر لیا جائے کہ اس میں انسان بسا اوقات وہ چیزیں بھی دیکھ لیتا ہے جو بیداری میں نہیں دیکھ سکتا اسی بناء پر حضرات متکلمین نے بحالت خواب جنت وجہنم کو دیکھنا اور دیدار خداوندی کو تسلیم کیا ہے۔ کیونکہ بحالت خواب جسمانی حجابات کمزور ہو جاتے ہیں اور مدرکات حسیہ کی بجائے قلب کے مدرکات کام کرنے لگتے ہیں تو جب نفس خواب میں انسان کو ان باتوں کا انکشاف ہو جاتا ہے جن کا بحالت بیداری مشاہدہ نہیں کر سکتا تو ظاہر ہے کہ قیامت کے روز جب عالم مادیت سے بالکل ہی منقطع ہو چکا ہوگا اور مادی حجابات مرتفع ہو چکے ہوں گے نہ معلوم وہ کیا کچھ دیکھے گا جس کا دنیا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا تو انسان جب تک دنیا میں ہے گویا وہ عالم غیب میں ہے اور احوال آخرت سے اس کے حواس بیخبر ہیں تو اس عالم میں خدا سے خوف وخشیت ایمان ہے ورنہ آخرت میں تو سب کچھ نظر آنے لگے گا اور ہر ایک ہی خدا کی عظمت وکبریائی سے کانپتا ہوگا۔ (معارف کاندھلوی)

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ
وہی ہے جس نے کیا تمہارے آگے زمین کو
ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا
پست اب چلو پھرو اُس کے کندھوں پر
وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ﴿١٥﴾
اور کھاؤ کچھ اُس کی دی ہوئی روزی اور اُسی کی طرف جی اٹھنا ہے ☆

زمین کی تسخیر:

یعنی زمین کو تمہارے سامنے کیسا پست وذلیل اور مسخر ومنقاد کر دیا کہ جو چاہو اس میں تصرف کرو تو چاہیے کہ اس کے پہاڑوں پر چلو پھرو اور روزی کماؤ مگر اتنا یاد رکھو کہ جس نے روزی دی ہے اسی کی طرف پھر لوٹ کر جانا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت میں زمین کی انتہائی فرمان پذیری کی تصویر کشی ہے اونٹ (یا گھوڑے وغیرہ) کے شانہ پر کوئی سوار نہیں ہوتا نہ جانور ہر کسی کو اپنے شانہ پر سوار ہونا برداشت کرتا ہے لیکن زمین کی فرمان پذیری اس حد تک ہے کہ زمین کے شانوں پر چلنا ممکن ہے تو معلوم ہوا کہ زمین (ہر سواری سے زیادہ سہل الرکوب ہے اور اس) کا کوئی حصہ ایسا نہیں کہ چلنے والے کا فرمان پذیر نہ ہو۔ وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ یعنی خدا داد نعمت کی طلب کرو (کھانے سے مراد ہے طلب کرنا اور رزق سے مراد ہے نعمت خداوندی) وَإِلَيْهِ النُّشُورُ یعنی اللہ ہی کے پاس واپس جانا ہے۔ وہ اپنی دی ہوئی نعمتوں کے ادائے شکر کی باز پرس کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

ءَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يَخْسِفَ
کیا تم نڈر ہو گئے اُس سے جو آسمان میں ہے اس سے کہ دھنسا دے
بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ﴿١٦﴾
تم کو زمین میں پھر تبھی وہ لرزنے لگے ☆

شانِ قہر:

پہلے انعامات یاد دلائے تھے۔ اب شان قہر وانتقام یاد دلا کر ڈرانا مقصود ہے یعنی زمین بیشک تمہارے لیے مسخر کر دی گئی۔ مگر یاد رہے اس پر حکومت اسی آسمان والے کی ہے وہ اگر چاہے تو تم کو زمین میں دھنسا دے، اس وقت زمین بھونچال سے لرزنے لگے گی اور تم اس کے اندر اترتے چلے جاؤ لہٰذا آدمی کو جائز نہیں کہ اس مالک مختار سے نڈر ہو کر شرارتیں شروع کر دے اور اس کے ڈھیل دینے پر مغرور ہو جائے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ رحمت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا روزانہ جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے اللہ نچلے آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کوئی ہے مجھ سے دعاء کرنے والا کہ میں اس کی دعاء قبول کروں کوئی ہے مجھ سے مانگنے والا کہ میں اس کو عطا کروں کوئی ہے مجھ سے معافی مانگنے والا کہ میں اس کے گناہ معاف کروں۔ بخاری ومسلم۔

مسلم کی دوسری روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ پھر اللہ اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر فرماتا ہے کون عرض کرتا ہے اس خدا سے جو نہ نادار ہے نہ حق تلفی کرنے والا (ندائے رحمت کا یہ سلسلہ) فجر ہونے تک جاری رہتا ہے (اس روایت کی روشنی میں بغیر کسی تاویل وتوجیہ کے) یہ آیت متشابہات میں سے ہے کیونکہ اللہ (مادیت سے منزہ ہونے کی وجہ سے) آسمان میں سکونت پذیری اور مکان گیر ہونے سے پاک ہے۔ (تفسیر مظہری)

مُلک اور مَلکوت میں فرق:

ایک حصہ تو وہ ہے جو ان آنکھوں سے نظر آتا ہے اور آسکتا ہے اور ایک

حصہ وہ ہے جو آنکھوں سے نظر نہیں آتا بلکہ روحانی آنکھ سے نظر آتا ہے جو حصہ آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے اس کا نام ہے مُلْک اور جو حصہ روحانی آنکھ سے نظر آتا ہے اس کا نام ہے مَلَکُوْت۔ دو حصے ہوئے حکمرانی کے ایک مُلک اور ایک مَلَکُوْت۔ جیسا کہ شروع میں فرمایا گیا ہے تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ برکت والی وہ ذات ہے کہ جس کے ہاتھ میں ملک ہے، تو ملک کے جتنے حصے آنکھوں سے نظر آتے ہیں وہ ملک میں داخل ہیں اور وہ عرش سے لے کر فرش تک اور فرش سے لے کر تحت الثریٰ تک جتنے حصے ہیں ان سب کا نام ہے ملک اور جو روحانی آنکھ سے دیکھتے ہیں یعنی عالم روحانیات ہیں اس کو ملکوت کہتے ہیں جس کو سورہ یٰسین میں فرمایا گیا ہے کہ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ پاک ہے وہ ذات کہ جس کے قبضہ میں ہے ملکوت ہر چیز کا، یعنی ہر چیز کی روحانیت اور معنویت وہ بھی اس کا مِلک ہے تو ظاہر اور باطن دونوں پر اس کی حکمرانی ہے۔ ظاہر کا ملک عرش سے لے کے تحت الثریٰ تک جس میں عرش عظیم، کرسی جنتیں آسمان اور پھر زمین اور زمین کے نیچے جہنم اور یہ سب عالم مُلک ہے اور ان کے اندر جو روحانیت معنویت کام کر رہی ہے عرش سے لے کر فرش تک اسی کا نام ہے ملکوت وہ باطنی حصہ ہے۔

مُلْک کے تین علاقے قرار دیے گئے ہیں:

تو اس ملک کے گویا تین علاقے قرار دیے گئے ہیں ایک آسمانوں سے اوپر اوپر، جس میں جنتیں، عرش، کرسی سب داخل ہیں اور ایک آسمانوں سے نیچے نیچے جس میں زمینیں اور دنیا اور اس کے نیچے جہنم یہ سب چیزیں داخل ہیں۔ ان سب کے کچھ ذمے دار بنائے گئے ہیں جو حق تعالیٰ کی طرف سے حکمرانی کرتے ہیں حکم اس کا چلتا ہے۔ وسائل وہ ہوتے ہیں۔ جیسے آسمانوں میں ملائکہ علیہم السلام ہیں۔ تو سید الملائکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں کہ جن کی حکومت پورے عالم سمٰوٰت میں ہے۔

دنیا میں ہمیشہ چالیس ابدال رہتے ہیں:

جیسے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اس دنیا میں ہمیشہ چالیس ابدال رہتے ہیں کہ جن کا حکم چلتا ہے باطنی طور پر۔ ظاہری حکام کے قلوب میں وہی چیز ڈالی جاتی ہے جو ابدالوں میں طے ہوتی ہے۔ ابدالوں کے نیچے ہیں پھر اقطاب، چالیس ابدال ہیں وہ شام میں رہتے ہیں اور جو ایک وفات پاتا ہے نیچے سے ترقی دے کے ابدالوں میں شامل کر دیا جاتا ہے تو وہ چالیس کا عدد پورا رہتا ہے۔ پھر اقطاب ہیں ان کے نیچے، پھر اغواث۔ درجہ بدرجہ، یہ گویا ذمہ دار بنائے گئے ہیں اس دنیا کے تو ان کے قلوب پر حق تعالیٰ کی مشیت وارد ہوتی ہے اور وہ اسی مشیت سے پھر قلب سے ہمتیں متوجہ کرتے ہیں ان ہمتوں سے ظاہری حکام کے دل میں وہ چیزیں پڑتی ہیں کہ جو ظاہری حکم چلتا ہے۔

اللہ کا خلیفہ اعظم:

اور پھر حق تعالیٰ کی جانب سے ایک شخصیت وہ بنائی گئی ہے کہ مُلک سے لے کر ملکوت تک اس کی حکمرانی کی گئی ہے وہ اللہ کا خلیفہ اعظم ہے اور وہ ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ سمٰوٰت و ارضین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اثرات ہیں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چار وزیر ہیں دو آسمان میں دو زمین میں

اور دلیل اسکی یہ ہے کہ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے چار وزیر ہیں وَزِیْرَایَ فِی السَّمَآءِ وَ وَزِیْرَایَ فِی الدُّنْیَا دو وزیر میرے آسمانوں میں ہیں اور وہ ہیں حضرت جبرائیل اور میکائیل علیہم السلام اور دو وزیر میرے دنیا میں ہیں اور وہ ہیں ابوبکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما جو ان کے قائم مقام چلتے ہیں دنیا میں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وزارت عالم سمٰوٰت میں بھی قائم ہے اور عالم عرض میں بھی جیسے بادشاہ کے ماتحت ایک نائب السلطنت ہوتا ہے کہ پوری سلطنت میں اس کا حکم اور اس کے اثرات غالب ہوتے ہیں۔ وہ ذات بابرکات ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو وزیر آسمانوں میں ہیں اور دو وزیر زمین میں ہیں (اور ظاہر ہے کہ وزیر کا یہی کام ہوتا ہے کہ بادشاہ کے زیر اثر رہ کر احکام چلائیں)۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ماتحتی قائم کر دی گئی ان سب کے اوپر، اس کا ظہور فرمایا گیا شب معراج میں کہ مسجد اقصیٰ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو امام بنایا گیا اور تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام ملائکہ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام جو ان کے ذمہ دار ہیں انہوں نے اقتداء کی۔ گویا ظاہراً بھی دکھلایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالا دست ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت ہیں انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام تو اس طرح سے عالم مُلک کا انتظام بٹا ہوا ہے لیکن ایک شخصیت مُلک اور ملکوت دونوں میں کام کر رہی ہے اور مشیت خداوندی اس کے قلب پر وارد ہوتی ہے تو اس کا ایک حصہ تو ہے آسمان اور ایک ہے زمین اور ایک حصہ ہے بیچ میں جَوّ اور فضا، خلا جسے کہتے ہیں یہ تابع ہے آسمانوں کے اور زمینوں کے گویا زمین کا پہلے آسمان پر جو فضا ہے اور آسمان کا ماحول ہے زمین پر وہ وہی فضا ہے تو فضا بیچ میں ہے دونوں جہانوں کے اس لئے اصل دو عالم نکل آئے ہیں عالم سمٰوٰت اور ایک عالمِ ارضین۔

پہلے رکوع میں عالم سمٰوٰت کا ذکر:

تو عالم سمٰوٰت کا ذکر تو پہلے رکوع میں کیا گیا ہے جس کی تفصیل ابھی کی

گئی ہے کہ اس میں جنتیں بھی آ جاتی ہیں جہنم بھی، ماننے والے بھی نہ ماننے والے بھی۔ قانون خداوندی ذات وصفات حق تعالیٰ کی یہ پہلے رکوع میں بیان کی گئیں۔

زمین میں ہر چیز کے خزانے رکھ دیے گئے ہیں:

تو زمین میں خزانے رکھ دیے گئے ہیں رزق کے مثلاً کھانے پینے کی چیزیں وہ سب زمین سے نکلتی ہیں اسی طرح سے معدنیات ہیں جواہرات ہیں وہ سب زمین سے نکلتے ہیں سونا ہو چاندی ہو اسی طرح سے اور معدنیات ہیں جیسے تیل کے چشمے ہیں۔ پٹرول ہے کوئلہ ہے یہ سب چیزیں انسانوں کے کام آتی ہیں اور اللہ نے انسانوں کے اندر فطرت میں ان کی ڈال دیا ان چیزوں کا تصرف کہ وہ کھود کرید کر کے پتہ چلاتا ہے کہ تیل کے خزانے کہاں ہیں؟ سونا کہاں سے نکلے گا؟ چاندی کہاں سے نکلے گی؟ اس کی تدبیریں ذہن میں ڈال دی گئیں کہ مشینوں کے ذریعے یا ہاتھ سے دستکاری کے ذریعہ مٹی سے سونے کو الگ کرنے کا یہ طریقہ ہے چاندی کو الگ کرنے کا طریقہ یہ ہے تیل اگر نکلے تو اس میں زمین کے اجزاء ملے ہوتے ہیں تو صاف کرنے کا طریقہ یہ ہے پہلے لوگ اپنی دستکاری سے صفائی کرتے تھے اب دور مشینی دور ہے تو مشینوں کی بات اللہ نے ذہنوں میں ڈال دی اور ایسی ایسی مشینیں ایجاد کرلیں انسان نے کہ منٹوں میں ہزاروں من مٹی میں سے سونا نکال لیتے ہیں چاندی نکال لیتے ہیں اسی طرح سے جواہرات، اسی طرح سے قسم قسم کے پتھر، سنگ خارا اور سنگ مرمر کی پھر اقسام ہیں سرخ اور سبز اور زرد وہ سب انسان نکالتا ہے اور پھر کاموں میں لاتا ہے تاکہ دنیا میں تصرفات چلیں۔

زمین کو انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے:

تو فرمایا کہ ہم نے ذلیل کر دیا تمہارے لئے زمین کو وہ چوں نہیں کر سکتی۔ حالانکہ تمہاری اصل ہے تم سے کہیں زیادہ بڑی ہے لیکن اس کو کھود دے جاؤ اس میں نہریں بناؤ کنویں بناؤ ذرا بھی چوں چرا نہیں کرتی اور تمہارے ہاتھ میں مسخر ہے اس کے اخلال طبعی یعنی جگر کے ٹکڑے سونے چاندی نکالے جاؤ وہ ذرا بھی چوں نہیں کرتی۔ یہ سب تمہارے لئے حاضر ہے پھر اس میں تصرف کی طاقت بھی رکھی کہ دو چیزوں کو ملا کر ایک تیسری چیز پیدا کرلو۔

انسانی ایجاد کی حقیقت:

یہی انسان کی ایجاد کی حقیقت ہے۔ ایجاد کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کوئی مادہ خود پیدا کر دے، چاندی کو پیدا کر دے۔ یہ نہیں ہے، بلکہ چند چیزوں کو ملا کر ایک چیز نکال لیتا ہے، یا دو چیزوں کو ملا کر ایک تیسری چیز بنا لیتا ہے۔ دو درخت ہیں دو قسم کے پھل ہیں۔ ان میں قلم لگایا اور ایک تیسری نوع تیار کر لی۔ سونے اور چاندی کو ملایا تو اس سے طرح طرح کے ظروف اور برتن بنا لئے۔ تو انسان کی ایجاد حقیقت ترکیب اور تحلیل دو چیزوں کو ملا کر تیسری چیز بنا لینا یا ایک چیز کا تجزیہ کر کے اس سے اجزاء نکال لینا اور اس سے چیزیں بنانا تو ترکیب کر دینا دو کی یا ایک کی تحلیل کر کے اس سے اجزاء کر دینا، یہی انسان کی ایجاد کا حاصل ہے۔ ایک ذرہ برابر زمین نہیں پیدا کر سکتا آدمی، پیدا شدہ میں سے کام نکال سکتا ہے۔ آفتاب کی ایک کرن ساری دنیا کے انسان ملیں تو نہیں بنا سکتے، لیکن ان کرنوں کی گرمی اور روشنی سے طرح طرح کی چیزیں بنا سکتے ہیں۔

ایجاد کا حاصل ترکیب وتحلیل ہے:

ایجاد کا حاصل ترکیب وتحلیل نکل آتا ہے اس میں تصرف کئے جاؤ اور نکالے جاؤ، تو پیدا کی ہوئی تمام چیزیں اللہ کی ہیں، ان کو جوڑنا، کھول دینا، ملا دینا، الگ کر دینا اس کی طاقت انسان کو دی گئی اس سے وہ اپنے کام نکالتا رہتا ہے تو زمین کو ہم نے تمہارے لئے ذلیل بنا دیا ہے اور زمین ہی میں سارے خزانے چھپے ہوئے ہیں ان خزانوں کو تمہارے ہاتھ میں مسخر کر دیا اس کے لئے ضرورت پڑتی ہے کہ آدمی چلے اور پھرے زمین میں تاکہ ان معدنیات کا پتہ چلائے کتنے سفر کرنے پڑتے ہیں اس لئے فرمایا کہ فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا زمین کے کندھوں پر چلو اور پھرو اور سفر کرو اور سیر کرو کہیں آدمی پیدل چلتا ہے، پیدل نہیں چل سکتا تو سواریاں، کچھ قدرتی سواریاں ہیں کہ گھوڑوں اور گدھوں پر سوار ہو کر جائے آدمی، جس کو فرمایا وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً۔ گھوڑے اور گدھے اور خچر یہ سب کے سب ہم نے تمہارے لئے بنائے لِتَرْكَبُوهَا تاکہ تم سواری بھی کرو ان پر وَزِينَةً اور اپنا ٹھاٹ اور کروفر بھی دکھلاؤ، جب جلوس نکلتے ہیں تو گھوڑوں پر ہاتھیوں پر، بڑی بڑی جھولیں دھر پال ڈالی جاتی ہیں تاکہ حشم خدام پیدا ہو۔ تو زینت بھی ہے اور سواری بھی وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ۔ فرمایا کہ یہ تو وہ سواریاں ہیں جو آج موجود ہیں اور جو آگے اللہ پیدا کرے گا وہ اور بہت ہیں سو برس پہلے دو سو برس پہلے کس کو خبر تھی کہ موٹر ایجاد ہو جائے گا۔ ریلیں ایجاد ہو جائیں گی۔ یہ اونٹ جو سواریاں ہیں ان پر سواریاں شروع کیں، جب یہ ریل اور موٹر ایجاد ہوا تو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ایروپلین ایجاد ہو جائیں گے ہوائی جہاز، آج ہوائی جہاز ایجاد ہو گئے تو مہینوں کی مسافت گھنٹوں میں طے کر لیتا ہے آدمی، پھر ان جہازوں میں نئی نئی ایجادات ہیں کہ ایک جہاز ڈھائی سو میل چلتا تھا تو پانچ سو میل کی رفتار فی گھنٹہ میں نکال لیا انہوں نے، اب اس کے بعد یہ اطلاعات آ رہی ہیں کہ ایک گھنٹہ میں ایک ہزار میل اڑے گا ہوائی جہاز یا پندرہ سو میل اڑے گا تو پندرہ سو میل ایک گھنٹہ میں طے ہوں گے ڈھائی ہزار میل ڈیڑھ گھنٹہ میں طے ہو جائیں گے۔ گویا یہاں سے آدمی ڈیڑھ گھنٹہ میں جدہ پہنچ جائے گا اور جدہ سے آدمی ڈیڑھ گھنٹہ میں مکہ پہنچ جائے گا اور ایک وقت آئے گا کہ آدمی چائے پی کر گھر سے کہے گا کہ میں ذرا عمرہ کر آؤں جا کے اور کھانا یہیں کھاؤں گا آ کے، تو وہ چائے پی کے جائے گا،

ڈیڑھ گھنٹہ میں پہنچ گیا عمرہ کیا اور جہاز سے گھر واپس آ کر کھانا کھا لیا تو جو مسافت کہ آدمی اپنے پیروں سے طے نہیں کر سکتا تھا حق تعالیٰ نے قلوب میں ایسی حکمتیں القاء فرمائیں کہ نئی سے نئی سواری آدمی نے ایجاد کر لی تو فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا زمین کے کندھوں پر تم چلو زمین کے تابع ہے فضا تو فضا میں اڑ تو وہ بھی اس کے ساتھ میں آ گئی تو آسمان زمین کے درمیان میں جو ہے اور خلا ہے اس میں بھی انسان اپنی سواریاں پہنچا رہا ہے حتیٰ کہ اس نے ہمتیں باندھیں کہ میں تو چاند پر پہنچ جاؤں گا اور اگر وہ پہنچنا چاہے اور اللہ تعالیٰ قدرت بھی دے تو پہنچ سکتا ہے آدمی اس میں کوئی مانع نہیں، کوئی ممنوع نہیں ہے وہ چیز تو۔ فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا (زمین کے کندھوں پر تم چلو)

سیر وسفر کا حاصل:

اب اس سارے سیر وسفر کا حاصل کیا ہے کہ وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ زمین کے رزق سے فائدہ اٹھاؤ۔ کھانے کی چیز سے کھانے کا فائدہ اور استعمال کی چیز سے استعمال کا فائدہ، زینت کی چیز سے زینت کا فائدہ، کچھ پیٹ میں جاتی ہیں کچھ بدن کے اوپر رہتی ہیں اور کچھ بدن کے باہر رہتی ہیں۔ پیٹ میں کھانا جاتا ہے، بدن پر لباس رہتا ہے، لباس سے باہر باہر مکان اور بلڈنگ اور بنگلے رہتے ہیں اور یہ سب زمین ہی سے پیدا ہو رہے ہیں سب کے مادے زمین ہی سے نکل رہے ہیں تو زمین کو ایک عجیب وغریب خزانہ حق تعالیٰ شانہ نے بنا دیا اور انسان کے ہاتھ میں دے دیا کہ کرو تصرف۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی تصرف سے روکا نہیں گیا بلکہ منشاء قدرت ہے کہ تصرف کرو۔

سب کچھ کرو مگر ہمیں مت بھولو:

مگر ایک چیز بتلا دی کہ سب کچھ کرو مگر ہمیں مت بھولو۔ اس لئے کہ ہم ہی تو ہیں محسن حقیقی ہم ہی نے تو یہ زمین بنائی، ہم نے ہی تو تمہارے دلوں میں یہ چیزیں ڈالیں کہ کس طرح اس زمین کے مادے کو اس کی نعمتوں کو استعمال کرو تو یہ سارا کا سارا جو کچھ بھی ہے ہمارے انعام واحسان کا ثمرہ ہے۔

بدفطرت اور سلیم الفطرت انسان:

تو بدفطرت ہوگا وہ انسان کہ منعم کا انعام کھائے اور منعم کو بھول جائے۔ محسن کے احسان سے فائدہ اٹھائے اور محسن کو بھلا دے وہ بدفطرت کہلائے گا۔ سلیم الفطرت انسان وہ ہے کہ جتنی نعمت بخشی جائے اتنا ہی شکر بڑھتا جائے، اتنی ہی طاعت بڑھتی جائے تو کہا جائے گا کہ یہ سلیم الفطرت انسان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ نعمتیں انسان کو عطا کیں

دنیا کی ہر چیز کو اللہ نے نعمتوں سے مالا مال کیا مگر سب سے زیادہ نعمتیں جو دیں وہ انسان کو عطا کیں۔ سب سے زیادہ چہیتی مخلوق اللہ کی اور پیاری مخلوق انسان ہے۔ اس لئے اسے وہ کچھ دیا کہ کسی اور کو نہیں ملا اسی کو ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ۝ ہم نے انسان کو معظم اور مکرم بنایا اور بحر و بر میں اسے اٹھایا کہ بر میں جہاں بھی چاہے چلا جائے اور بحر میں جہاں چاہے چلا جائے، بر کے لئے سواریاں الگ دیں اور دریا کے لئے سواریاں الگ دیں، فضا کے لئے سواریاں الگ دیں، دنیا کا ہر جاندار اپنے پیروں سے چلتا ہے، آپ نے نہیں دیکھا ہوگا کہ گھوڑا گھوڑے پر سوار ہو کر جائے، شیر شیر پہ، سانپ سانپ پر، بچھو بچھو پر، ہر ایک چیز اپنے پیروں پر سفر کرتی ہے حتیٰ کہ دریا میں بھی اگر جائے تو تیر کر نکلتی ہے۔ یہ کرامت انسان کو دی گئی کہ دریا میں جائے تو سواریاں موجود، خشکی میں چلے تو سواریاں موجود، فضا میں جائے تو سواریاں موجود تو حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔

ہر جاندار کی غذا متعین ہے، اور انسان کے لئے ہر چیز وقف ہے

پھر دنیا کے جس جاندار کو دیکھیں گے آپ اس کی ایک غذا متعین ہے، مثلاً شیر خون ہی پئے گا، گوشت ہی کھائے گا، پرندے وہ ہیں کہ دانہ ہی چگیں گے گوشت نہیں کھاتے، حیوان چرندے ہیں وہ گھاس کھائیں گے، لیکن انسان کے لئے ساری چیزیں وقف ہیں، گھاس یہ کھا جائے، ماس یہ کھا جائے، مٹی یہ کھا جائے، پتھر یہ کھا جائے۔ سونا اور چاندی یہ کھا جائے اور جواہرات یہ کھا جائے۔ اول تو ساری چیزیں مٹی سے بنی ہوئی ہیں تو مٹی کھاتا ہے آدمی ویسے بھی مٹی کھاتا ہے اور اب یہ پان کھاتے ہیں ہم، یہ چونا مٹی کے سوا اور کیا ہے، پتھر بھی کھا لیا آدمی نے۔ پھر سونے اور چاندی کہیں ورق بن رہے ہیں تو وہ دواؤں میں کام آ رہے ہیں، سونے اور چاندی کے زیور تو الگ ہیں، کھانے میں بھی سونا اور چاندی استعمال کیا جاتا ہے جواہرات ہیں تو یاقوتیاں بنتی ہیں وہ مقوی باہ ہوتی ہیں، وہ مقوی بدن ہوتی ہیں تو یاقوت اور زمرد بھی کھا جاتا ہے آدمی، تو گھاس بھی کھا جائے، ماس بھی کھا جائے، پتھر بھی کھا جائے، مٹی بھی کھا جائے۔ پھر کون سی سبزی ہے جو نہیں کھاتا آدمی، ترکاریاں ہر قسم کی بجز اس کے کہ کڑوی ہو اور نہ چلے منہ میں تو چھوڑ دے اس کی عنایت ہے۔ کھانے والے اسے بھی کھا جاتے ہیں تو غرض ہر چیز کھاتا ہے انسان، تو فرمایا وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ہر پاکیزہ چیز ہم نے انسان کو دی اور ناپاک چیز سے روک دیا، کہ وہ مت کھاؤ، کھانے کے لئے بہترین چیزیں ہیں پاک، مردار مت کھاؤ، خنزیر مت کھاؤ، شراب مت پیئو کہ یہ چیزیں نجس بنائی گئی ہیں تم نجاستوں کے استعمال کے لئے نہیں بنائے گئے، تم بنائے گئے ہو پاک باز معظم اور مکرم، تو تمہاری غذا بھی پاک ہونی چاہیے نہ کہ ناپاک چیزیں، تو پاک

چیزیں اتنی بنادی ہیں کہ ان کی حدونہایت نہیں، تو یہ کیا مصیبت ہے کہ ناپاک کی طرف جائے آدمی، ناپاک کی طرف جب جائے کہ جب پاک چیزیں نہ ہوں، حرام خوری جب کرے کہ جب حلال چیزیں نہ ہوں، ناجائز پیشہ جب اختیار کرے کہ جب جائز پیشہ نہ ہو، تجارت ہے، زراعت ہے، صحافت ہے، ملازمت ہے، صنعت ہے، حرفت ہے، کیا ضروری ہے کہ آدمی سود ہی لے اور بٹہ ہی لے اور چوری کرے اور ڈکیتی کرے، یہ ناجائز پیشے ہیں، تو جائز اس لئے لگا دیئے ہیں ہم نے کہ اگر ان کے اندر محدود رہو تو حرام اور ناجائز کی ضرورت ہی نہ پڑے یہ صرف حرص وہوس ہے کہ انجام سے بے خبر ہو کر حرام چیزوں میں بھی پڑ جاتا ہے آدمی، جس سے دنیا بھی ضائع ہو جاتی ہے اور آخرت بھی تباہ ہو جاتی ہے۔

سب چیزیں تمہارے لئے ہیں استعمال کرو مگر اصول کے تحت:

اس لئے فرمایا کہ زمین مسخر، سارے خزانے تمہارے، استعمال کرو مگر اللہ تعالیٰ کو مت بھولو، یعنی ان کے اصول کے تحت رہو کہ جو اللہ نے حرام و حلال کے اصول بنا دیئے، جائزات کی حدود میں رہو، اسراف مت کرو، اپنے استعمال میں چیز لاؤ، مگر فضول خرچی سے نہیں حدود کے اندر، دوسرے کو استعمال کے لئے دو، عنایت کرو، ہدیہ دو مگر حدود کے اندر، یہ ہدیہ نہیں ہے کہ سارا گھر لٹا دے آدمی، اور یہ بھی نہیں ہے کہ امساک اور بخل میں آ کر ایک پائی بھی نہ نکلے اس کے ہاتھ سے، تو دینے میں عطا کرنے میں بھی درمیانی چال ہونی چاہیے، اپنے استعمال میں درمیانی چال ہونی چاہیے۔ حتیٰ کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ دریا کے کنارے بیٹھ کر وضو کرو تو لَا تُسْرِفْ فِی الْمَآءِ اسراف مت کرو کہ خواہ مخواہ پانی اچھال رہے ہو بیٹھے ہوئے اور ایک لوٹے میں وضو ہو سکتا تو دو گھڑوں میں وضو کر لیا وہ اسراف میں شمار ہوگا، کپڑا پہنو، مگر حدود کے اندر، فرمایا گیا ہے کہ جو آستین پہونچوں سے نیچے لگی ہوئی ہو وہ اِسْبَالْ اور سَدَلْ کے حکم میں ہے وہ فضول خرچی ہے اس پر مواخذہ ہوگا عند اللہ، تو کپڑا پہننے میں بھی حد بندی کر دی۔ کھانے پینے میں بھی حد بندی کر دی خزانے پر بیٹھے ہو مگر حدود کے اندر استعمال کرو، یہ مت سمجھو کہ جب دس لاکھ روپے ہیں میرے پاس تو جس طرح چاہوں خرچ کر لوں، اس میں بھی حد بندی ہے کہ اعتدال کے ساتھ خرچ کرو، نہ اتنا خرچ کرو کہ کل کو تم خود بھک منگے بن جاؤ نہ اتنا امساک اور بخل کرو کہ نہ اپنے کام آئے اور نہ غیر کے کام آئے، ایک درمیانہ چال رہے انہیں اصول پر چلنا اور جائزات شرعیہ کے اندر رہنا یہی ہے حد بندی اور اللہ کو یاد کرنا۔

اللہ کو یاد کرنے کے دو معنی ہیں

تو ایک اللہ کو یاد کرنے کے یہ معنی ہیں کہ استعمال کرتے وقت دل میں غفلت نہ ہو، ذکر جاری ہو کہ کوئی اچھی چیز کھائی تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے، ابتداء کرے کھانے کی تو بِسْمِ اللّٰهِ سے کرے، لباس پہنے آدمی تو بِسْمِ اللّٰهِ سے پہنے، اور جب پہن لے آدمی تو حمد و ثنا کرے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ هٰذَا۔ اللہ کی حمد ہے کہ جس نے مجھے پہننے کو دیا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ اللہ کی حمد ہے اس پر کہ اس نے مجھے کھانے کو دیا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سَقَانِیْ۔ الحمد للہ کہ مجھے پینے کو دیا۔ گھر میں داخل ہوں تو ذکر اللہ یہ ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ رَزَقَنِیْ هٰذَا الْبَیْتَ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے یہ بلڈنگ دی، مجھے یہ مکان دیا قدم قدم پر دعائیں بتلائیں تاکہ مالک یاد رہے تو ایک تو ذکر اللہ کے یہ معنی ہیں کہ آدمی دعائیں پڑھتا رہے۔ مختلف اوقات کی جو دعائیں بتلائی گئیں ان کو استعمال کرتا رہے حمد و ثنا کرتا رہے۔

ہر چیز کو اصول شرعیہ کے مطابق استعمال کرنا بھی ذکر اللہ میں داخل ہے

اور دوسرے یہ کہ اس شے کو اصول شریعت کے مطابق استعمال کرے یہ بھی ذکر اللہ میں داخل ہے چاہے زبان سے ذکر اللہ ہو یا نہ ہو مگر جب جائز کی حد میں ہے طریقہ شرعیہ پر چل رہا ہے، سنت کے مطابق چل رہا ہے، وہ عملی ذکر ہے اگر چہ زبان پر ذکر نہیں تو ذکر اللہ کے اور منعم اور محسن کو یاد کرنے کے دو طریقے بیان کئے گئے ہیں ایک یہ کہ زبان سے یاد کرو اس کے لئے وہ دعائیں ہیں جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائیں اور اگر کسی کو وہ دعا نہ بھی یاد ہو تو ہر کام میں جو نعمت ہو کہے اے اللہ! تیرا شکر ہے، یہ تو کہہ سکتا ہے، استنجا کر کے واپس آئے اگر دعا یاد نہ ہو تو کم از کم کہے کہ اے اللہ تیرا شکر ہے کہ میرے اندر سے تو نے فضلات نکال دیئے، میں ہلکا ہو گیا یہ تو کہہ سکتا ہے زبان سے، سونے کے لئے لیٹے اگر وہ دعا یاد نہ ہو تو آیۃ الکرسی پڑھ کر سو جائے بسم اللہ پڑھ کر سو جائے۔ غرض اللہ کے نام سے سوئے، جاگ جائے تو گویا اللہ نے موت کے بعد زندگی دی (اللہ نے) تو چاہیے کہ وہ دعا پڑھے جو حدیث میں فرمائی گئی ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ۔ حمد ہے اس اللہ کے لیے کہ جس نے مجھے موت کے بعد زندگی دی اور میں اسی کی طرف لوٹ کر جانے والا ہوں۔

لیکن اگر یہ دعا یاد نہ ہو تو کم سے کم کلمہ ہی پڑھتا ہوا اٹھے آدمی، سبحان اللہ کہتا ہوا اٹھے، الحمد للہ کہہ کر اٹھے، تو ایک ہے لسانی ذکر اس میں اعلیٰ ترین طریقہ وہ ہے کہ سنت کے مطابق جو الفاظ ثابت ہیں انہیں یاد کر لے بچوں کو یاد کرا دیئے جائیں با آسانی یاد کر لیں گے، جو بچے پورا قرآن شریف یاد کر لیتے ہیں وہ کیا دعائیں حدیث کی یاد نہیں کر سکتے، مہینے بھر میں سب دعائیں یاد ہو جائیں گی اور اگر نہ ہو کم سے کم اللہ کا نام زبان پر ہو یہ لسانی ذکر ہے اور ایک یہ کہ ہر چیز کے استعمال میں یہ دیکھ لے کہ شریعت کے مطابق کر رہا ہوں استعمال یا نہیں، وہ بھی ذکر اللہ میں داخل ہے کمانے کے لیے بیٹھے آدمی تو یہ

دیکھ لے کہ جائز پیشہ اختیار کیا ہے یا ناجائز، جائز کو اختیار کرے یہ بھی ذکراللہ میں شامل ہے یہ بھی اللہ کی یاد ہے تو فرماتے ہیں کہ نعمتیں استعمال کرو، کوئی روک نہیں، مگر حدود میں رہ کر، اسراف نہ ہو فضول خرچی نہ ہو جیسا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا گیا کہ يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۔ اے رسولوں کے گروہ پاک غذائیں استعمال کرو پاک چیزیں استعمال کرو کھانے کی ہوں پہننے کی ہوں۔ لیکن عمل صالح کرتے رہو وہ ذکراللہ آ گیا تاکہ محسن کا حق ادا ہوتا رہے اور اس کا احسان دل کے اندر تازہ بہ تازہ ہوتا رہے یہ جو نمازیں پڑھتے ہیں یہ بھی وہی ذکراللہ ہے کہ اے اللہ ہم نے نعمتیں استعمال کیں مگر آپ کو نہیں بھلایا جو اوقات فرض کر دیئے حاضر ہیں آپ کی بارگاہ میں۔

مؤذن کی اذان محض اعلان نہیں ہے:

مؤذن اذان دیتا ہے اللہ اکبر، اللہ اکبر یہ محض اعلان نہیں کہ اطلاع دے دی جائے کہ آ جاؤ نماز کے لیے، یہ یاد دلانا ہے ذکراللہ کا کہ تم اللہ کی کبریائی اور عظمت دل میں رکھو اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ توحید اپنے دل میں رکھو اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ نبوت کی عظمت اور عقیدت اپنی دل میں رکھو حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ نماز کی طرف جھکو حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ دنیا و آخرت کی بہبود اور فلاح کی طرف آؤ تو کبریائی خداوندی توحید الٰہی نبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ یاد دلانے کے لیے کھڑا ہوتا ہے مؤذن پانچ وقت تاکہ بندے غفلت میں نہ پڑ جائیں اور اگر پڑے ہوئے ہوں اپنی نعمتوں میں تو اذان کی آواز سنتے ہی چونک جائیں ایکدم کہ اب ہمیں حق بھی ادا کرنا ہے اس محسن کا جس نے ہمیں ساری نعمتیں دیں اس لیے فرمایا کہ زمین کی نعمتیں استعمال کرو اس کے کندھوں پر سیر و سیاحت کرو، سفر کرو مگر ہمیں مت بھلاؤ اس لیے کہ اگر تم بھول گئے تو وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ دیکھو کل کو آنا ہے ہمارے سامنے اگر یہیں رہنا ہوتا دنیا میں اَبَدَ الْآبَادْ تک کے لیے تب بھی انسان یہ غور کرتا کہ جانا تو مجھے ہے ہی (چاہے یاد کروں چاہے نہ کروں) چھوڑنا ہے ایک دن زمین کو اور موت کا منظر سامنے ہے ہزاروں لاکھوں انسان گزر رہے ہیں اس زمین کو چھوڑ کر جا رہے ہیں جو لکھ پتی تھے وہ بھی جا رہے ہیں جو بھک منگے تھے وہ بھی جا رہے ہیں غرض ایک نہ ایک دن اس زمین کو چھوڑنا ہے اور اس کی ساری نعمتوں کو چھوڑنا ہے اور چھوڑ کر جانا کہاں ہے؟ فرماتے ہیں ہمارے ہی پاس تو آنا ہے جہاں سے گئے تھے وہیں تو لوٹ کر آؤ گے تو اس دن کو بھی یاد رکھو ایسا نہ ہو کہ بھلا دو۔

اللہ کی حضور میں ہر شخص تنہا جائے گا:

فرماتے ہیں کہ دیکھو ہمارے پاس تم تنہا آؤ گے کوئی لشکر ساتھ نہیں ہوگا بادشاہ ہے وہ بھی اسی زمین فرش خاک پر جائے گا ہمارے پاس۔ اور فقیر ہے وہ بھی اسی فرش خاک پر، کوئی لاؤ لشکر تمہارے پاس نہیں ہوگا تو جیسے تنہا ہم نے بھیجا تھا تمہیں کہ ماں کے پیٹ میں تم ہی تھے اسی طرح سے زمین کے پیٹ میں جو اصل ماں ہے تم تنہا ہی آنے والے ہو، پھر اس خیال میں مت رہنا کہ کوئی تمہارے ساتھ لاؤ لشکر ہوگا جو ہمارے مقابلے میں تمہاری مدد کرے گا تنہا آؤ گے اور اگر ساری دنیا کا لشکر بھی لے آؤ تو ہمارے مقابلے میں کیا چل سکتی ہے تمہاری ہم تو خالق ہیں، پیدا کرنے والے ہیں، جب چاہیں موت دے دیں جب چاہیں ضعیف کر دیں، جب چاہیں کمزور بنا دیں تو مقابلہ اسکا کرو جو عاجز ہو قادر مطلق کا مقابلہ کیا۔ تو اول تو تم تنہا آؤ گے یہ سارا لاؤ لشکر یہیں رہ جائے گا۔ اور اگر کسی کے ساتھ بالفرض ہو بھی لشکر ہمارے مقابلے میں کام نہیں دے سکتا۔

ایک شبہ کا حل:

یہاں سے انسان کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اللہ کا لشکر تو فرشتے ہیں جو دار السلطنت میں رہتے ہیں آسمانوں کے اندر ہیں...... جو میں ہیں فضا میں ہیں۔ بھلا اتنے لشکر آوے گا اتنے ہم اپنا کام بھی کر لیویں گے تو کیا ضرورت ہے یاد کریں، مقابلہ کے لئے تیاری کر لو اس سے ہم اپنا کام کر گزریں گے۔ بہر حال لشکر کے بنتے سنورتے دیر لگتی ہے اتنے میں ہمارا کام ہو جائے گا تو کیا مقابلہ ہو گا؟ اس لئے آگے فرمایا کہ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ ۔ تم فرشتوں کے لشکر کو لے رہے ہو یہ زمین بھی تو ہمارا لشکر ہے اگر اس کو ہم زلزلے سے دھنسا دیں اور سب دھنستے ہی چلے جاؤ تو کسی فرشتے کے بھی آنے کی ضرورت نہیں جو زمین فرش بنی ہوئی ہے وہی قبر بن جاتی ہے منٹ بھر کے اندر اسی میں دفن ہو جاتا ہے آدمی، تو ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ ۔ کیا آسمان والے سے تم بے پروا ہو گئے اگر زمین کو ہم زلزلے میں ڈال دیں اور لگے موجیں مارنے اور جگہ جگہ اس میں دراڑ کھل جائیں اور پناہ نہ ملے تب کیا ہوگا؟ فرشتوں کو آتے آتے اگر بالفرض دیر بھی لگی تو لشکر اوپر کا کیا آئے گا یہ تو نیچے ہی لشکر موجود ہے اور میں کہتا ہوں زمین بھی بعد کی چیز ہے ایک چیونٹی کو مسلط کر دے کان میں گھس جائے زندگی ختم ہے انسان کی، ایک کیڑا مکوڑا ناک میں گھس جائے زندگی ختم ہے انسان کی، تو ایک چیونٹی جسے ختم کر سکتی ہے وہ مطمئن ہو کر بیٹھے گا قادر مطلق کی طرف سے کہ فرشتے آویں گے مقابلہ ہوگا دیکھی جائے گی، فرشتے تو بعد میں آویں گے یہ جو تمہارا فرش خاک ہے وہی تمہارے لئے مقابلے کا لشکر ہے اس کی پیداوار میں ایک چیونٹی تمہارا مقابلہ کر سکتی ہے۔

نمرود کی سرکشی اور اس کا انجام:

نمرود جیسے عظیم بادشاہ کو جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا ابراہیمؑ کے زمانے میں اور اس کا دماغ نیچے ہی نہیں آتا تھا وہ تو کہتا تھا کہ میں رب ہوں، اس کو

کیسا نیچا دکھایا کہ ایک مچھر اس کی ناک میں گھس گیا اور دماغ میں جا کر لپٹ گیا اور وہ پھر پھر کرتا تھا۔ اب وہ بے چین۔ تو طریقہ یہ رکھا تھا اس نے، ایک خادم مقرر تھا کہ وہ جوتے سر پر مارتا تھا جب جوتے پڑتے تھے تو ذرا دیر کے لئے ٹھہر گیا مچھر، اور جہاں جوتے الگ ہوئے اور پھر پھر پھرایا، پھر اس نے خادم کو بلایا تو جن پر خدائی کا دعویٰ کر رکھا تھا انہی کے ہاتھ سے جوتے پٹوا دیئے سر پر، تو مطلب یہ ہے کہ چیونٹیاں بھی بعد کی چیز ہیں خود انسان ہی کو مسلط کر دے تمہارے اوپر جس کو تم اپنا بندہ جانتے ہو، خدائی کا دعویٰ کر رہے ہو اسے ہی جوتیاں دے کر تمہارے سر پر مسلط کر دے تو کیا کرو گے، تو خالق سے بچ کر کہاں جائے گا آدمی، تو زمین ہے، زمین کی پیداوار ہے، اور خود انسان ہے وہ تمہارے حق میں مد مقابل آ جائیں گے اور ایک فوج انسانوں کی کھڑی کر دے اور وہ ہاتھ میں تلواریں لے کر آ جائے تو سارا کروفر رہ جاتا ہے تو انسان ہی انسان کو بتلا دیتا ہے وہ درحقیقت خدا کی طرف سے مسلط ہوتا ہے لشکر، تا کہ متکبروں کا غرور توڑ دیا جائے، نخوت شعاروں کی نخوت توڑ دی جائے، انسان انسان پر مسلط ہو جاتا ہے تو فرماتے ہیں وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ بہر حال ایک وقت آنا ہے کہ ہماری طرف آؤ گے اور آنے کے سلسلے میں موت بھی قبول کرنی پڑے گی۔ (معارف حکیم الاسلام قدس سرہٗ)

اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ
یا نڈر ہو گئے ہو اُس سے جو آسمان میں ہے
اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ
اس بات سے کہ برسا دے تم پر مینہ پتھروں کا

یعنی بیشک زمین پر چلو پھرو اور روزی کماؤ لیکن خدا کو نہ بھولو ورنہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر ایک سخت آندھی بھیج دے یا پتھروں کا مینہ برسا دے پھر تم کیا کرو گے ساری دوڑ دھوپ یوں ہی رکھی رہ جائیگی۔ (تفسیر عثمانی)

موت کے ہزاروں اسباب ہیں:

اور موت کے اسباب ہزاروں ہیں جانور کاٹ لے، ہارٹ فیل ہو جائے، زمین میں دھنس جائے، کوئی اوپر سے آ پڑے مصیبت، ہزاروں اسباب ہیں کہ جن کے ذریعہ سے ہم تک آؤ گے تو اس وقت کو بھی یاد رکھو کہ سدا یہ وقت نہیں رہے گا کہ بلڈنگ بھی ہے، دولت بھی ہے، کام بھی چل رہا ہے یہ سب وقتی چیزیں ہیں اصل وہی وقت ہے جو آنے والا ہے وَ اِلَیْہِ النُّشُوْرُ اسی کی طرف تمہیں پھیل کر جانا ہے تو ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ زمین ہی میں دھنسا دے تو کیا ہوگا۔ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا کیا تم مطمئن ہو مامون ہو، آسمان والے سے اگر پتھر برسا دے آسمان سے، بادل آئیں اور بجائے پانی برسنے کے پتھر برسنے لگیں اور میں یہ کہتا ہوں کہ یہ جو اولے پڑتے ہیں پتھر ہی تو ہیں اسی پانی کو منجمد کر کے جما کر پتھر کی شکل دے دیتے ہیں اگر وہ بڑھ جائیں، دو دو سیر کا ایک ایک اولہ پڑنے لگے تو پناہ نہیں مل سکتی، مکان ٹوٹ جاتے ہیں ڈھ جاتے ہیں انسان تو بجائے خود ہے تو کس چیز نے تجھے مطمئن بنا رکھا ہے مالک کی طرف سے کون سی پناہ گاہ ہے کہ اس سے بچ کر تم اس میں پناہ پا لو گے؟

موت سے کسی طرح نہیں بچا جا سکتا:

اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ اگر تم بڑے بڑے سنگین قلعوں میں، بڑے بڑے پتھر کے برجوں میں، لوہے کے برجوں میں رہو گے موت وہیں جا پکڑے گی، یہ نہیں ہے کہ موت میدان میں آتی ہے اگر برجوں کے اندر تم کوئی مَنْفَذْ ہی نہ رکھو ہوا کا راستہ نہیں تو حبس دم ہو کہ آدمی ختم ہو جائے۔ ہوا کا راستہ دیکھو تو بھی بہر حال ختم ہو سکتا ہے تو فرشتے موت کے ان کے یہاں نہ سنگین کوئی چیز ہے نہ لوہے کے قلعے کوئی چیز ہیں جیسے بجلی جب آتی ہے تو کتنا بڑا ہی لوہا ہو وہ اس کے جگر میں سما جاتی ہے تو ملائکہ تو بجلی سے بھی زیادہ لطیف ہیں وہ ہر چیز میں سما کر اندر دخول کرتے ہیں تو موت کے فرشتے وہیں پہنچ جائیں گے تو فرماتے ہیں کہ زمین بھی سبب موت بن سکتی ہے، پانی بھی سبب موت بن سکتا ہے، بادل بھی سبب موت بن سکتے ہیں اولے برس جائیں، پتھر برس جائیں۔

آخر لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھر برسائے گئے اور کیوں برسائے گئے، اس لئے کہ انہوں نے حدود سے تجاوز کیا، جائز طریقہ دیا گیا تھا کہ نکاح سے عورتوں کی طرف آؤ، انہوں نے لڑکوں کو استعمال کیا، اس لواطت کے جرم میں آسمان سے پتھر برسائے گئے اور کوئی پناہ نہیں پا سکے، قوم ثمود ان کو تباہ کر دیا گیا ایک چنگھاڑ سے، جبرائیلؑ نے ایک ڈانٹ دی گھر کی دی کلیجے پھٹ گئے، قوم عاد کو ہوا سے تباہ کر دیا گیا کہ سات دن تک ہوا کے جھکڑ چلے ہیں اس طرح سے کہ جو مکان گہری گہری بنیادوں کے تھے مع بنیادوں کے ہوا نے اکھاڑا اور اوپر لے جا کر پٹخا نیچے، حدیث میں ہے کہ جب مکان اوپر جاتے تھے تو جانوروں کی آوازیں اوپر سے سننے میں آتی تھیں فضا سے مع جانوروں کے مکان اوپر لے گئے اور لے جا کر پٹخ دیئے گئے تو وہی ہوا جس سے ہم زندگی حاصل کرتے ہیں وہی موت کا ذریعہ بن جاتی ہے وہی زمین جو فرش تھا ہمارے لئے وہی قبر بنا دی جاتی ہے وہی بادل جو پانی برساتے تھے اور زندگی کا سامان ہوتا تھا وہی ذریعہ موت کا بنے تو ہم تو زندگی کے اسباب کو چاہیں موت کا سبب بنا دیں پھر تم مطمئن ہو کر کیسے بیٹھ گئے، کس طرح سے غفلت میں پڑے۔ اس واسطے ادھر توجہ دلائی کہ زمین کا ملک بے شک تمہارے لئے ہم نے کیا مگر دیکھو دینے والے کو مت بھلاؤ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ زمین میں دھنسا دیے

جائیں اَمۡ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یُّرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا یا پتھر برسا دیے جائیں آسمان سے۔ معارف حکیم الاسلام قدس سرہٗ۔

فَسَتَعۡلَمُوۡنَ کَیۡفَ نَذِیۡرِ ﴿۱۷﴾

سو جان لو گے کیسا ہے میرا ڈرانا ☆

یعنی جس عذاب سے ڈرایا جاتا تھا وہ کیسا تباہ کن اور ہولناک ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَسَتَعۡلَمُوۡنَ کَیۡفَ نَذِیۡرِ اس وقت تمہیں معلوم ہوگا کہ ڈرانے والے کا ہے سے ڈراتے تھے اس وقت تمہیں پتہ چلے گا کہ انبیاءؑ نے جن چیزوں سے ڈرایا تھا وہ معاذ اللہ واہی باتیں نہیں تھیں وہ ایک امر واقعہ تھا جو ہونے والا تھا تو اس وقت نذیروں کی نذارت کا پتہ چلے گا۔ ڈرانے والوں کے ڈرانے کا پتہ چلے گا۔ اس وقت تم ایمان لاؤ گے کہ سچ کہتے تھے وہ، لیکن اس وقت ایمان لانے سے کیا فائدہ کہ جب موت سر پر آ گئی، موت سے پہلے پہلے درجہ ہے ایمان کا بھی اور ڈرنے کا بھی۔

آخرت میں دو قسم کے لوگ ہوں گے:

پھر دو قسم کے لوگ ہوں گے ایک وہ کہ جنہوں نے تصدیق کی اور کچھ انبیاء علیہ السلام نے فرمایا انہوں نے اٰمنّا کہہ کر دل میں جگہ دی اور ان کے طریق پر چلے دنیا بھی بن گئی اور آخرت بھی ان کے لئے، ایک جھٹلانے والے تھے، جنہوں نے تکذیب کی اپنے غرور میں آ کر کسی نے دولت کے گھمنڈ میں، کسی نے رسمی تعلیم کے گھمنڈ میں، کسی نے اپنی تھوڑی سی عقل کے گھمنڈ میں وحی کو نہ مانا، انبیاءؑ کی باتوں کو جھٹلایا۔ (معارف حکیم الاسلام قاسمیؒ)

وَلَقَدۡ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ

اور جھٹلا چکے ہیں جو

قَبۡلِهِمۡ فَکَیۡفَ کَانَ نَکِیۡرِ ﴿۱۸﴾

اُن سے پہلے تھے پھر کیسا ہوا میرا انکار ☆

۱۲ یعنی "عاد" و "ثمود" وغیرہ کے ساتھ جو معاملہ ہو چکا ہے اس سے عبرت پکڑو۔ دیکھ لو ان کی حرکات پر ہم نے انکار کیا تھا تو وہ انکار کیسے عذاب کی صورت میں ظاہر ہو کر رہا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدۡ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَکَیۡفَ کَانَ نَکِیۡرِ اس وقت وہ لوگ کہ جو جھٹلانے والے تھے جب وہ انجام بد سامنے آئے گا تب وہ کہیں گے واقعی جو نکیر کی جا رہی تھی وہ اب سامنے آ گئی۔

بچے کی مثال:

بالکل اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کہ ایک بچہ ماں کے پیٹ میں نو مہینے سے اندر پرورش پا رہا ہے اور وہ یوں سمجھتا ہے کہ میری زمین اور آسمان بس یہی ہے ماں کا پیٹ۔ اس کا دھیان ہی آگے نہیں جاتا ایک آنے والا وہاں خبر دے کہ جس عالم میں بسر کر رہا ہے یہ تو مہا گندا عالم ہے، بہت تھوڑا سا عالم ہے۔ ایک عالم ہے دنیا بڑا بھاری عالم ہے ماں کے پیٹ سے جیسے مکان کروڑوں بن سکتے ہیں اس کے اندر تو اگر وہ کم عقل ہے، بچہ تو یوں کہے گا یہ واہی باتیں کہہ رہا ہے بھلا اس سے بڑھ کر کوئی اور عالم ہو سکتا ہے حیض کا خون مل رہا ہے کھانے کو اور پانی کے اندر میں تیر رہا ہوں کتنا اعلیٰ مکان ہے اس کے بساط میں ہی نہیں کہ وہ دنیا کو سمجھے اس نے دنیا کو جھٹلایا لیکن جب پیدا ہوا اور دنیا میں آیا تو اس نے دیکھا کہ واقعی ماں کے رحم جیسے کروڑوں عالم بن سکتے ہیں اس دنیا میں وہاں غذا ملتی تھی گندے خون کی یہاں اعلیٰ درجے کی مٹھائیاں ہیں تو کہنے والا سچ کہتا تھا میں نے جھٹلایا اب وہ نادم ہے لیکن جب اس دنیا میں آ گئے تو اسی آنے والے نے پھر کہا اب ایک دفعہ تو جھٹلا چکا ہے اب میں خبر دیتا ہوں کہ اس دنیا کے بعد ایک اور بڑا عالم آنے والا ہے جس کو عالم برزخ کہتے ہیں اور وہ اتنا بڑا ہے کہ دنیائیں جیسی کروڑوں بن سکتی ہیں اس کے اندر۔ جب ایک میت کے سامنے قبر وسیع کی جائے گی اور حد نظر تک ایک عالم نظر آئے گا تو ایک ایک برزخ والے کو اتنا بڑا ملک ملے گا جیسی ایک دنیا تو دنیائیں کروڑوں بن سکتی ہیں عالم برزخ میں سے، اتنا بڑا عالم ہے تو آنے والا کہتا ہے کہ ایک دفعہ تو نہیں سمجھا تھا مگر اب سمجھا، اس کے بعد ایک عالم آنے والا ہے اور اس کے بعد ایک اور عالم آنے والا ہے جس کو عالم جنت کہتے ہیں تو یہ برزخ جیسے کروڑوں عالم اس میں سے بن جائیں وہاں ادنیٰ جنتی کا حصہ دس دنیا کے برابر ہوگا یہاں تو ایک ہی دنیا کے برابر ہے تو جھٹلانے والے تو اخیر تک جھٹلاتے جائیں گے اور تصدیق کرنے والے ابتداء ہی سے تصدیق کرتے ہیں کہ یہ بھی سچ کہا کہنے والے نے اگلی بات بھی سچ کہی، اس سے اگلی بھی سچ کہی، تو تصدیق کرنے والا امن میں ہے اس لیے جسے مان لیا تھا وہ چیز آ گئی اس کی آنکھوں کے سامنے، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ

وَنَادٰۤی اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ اَصۡحٰبَ النَّارِ اَنۡ قَدۡ وَجَدۡنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَہَلۡ وَجَدۡتُّمۡ مَّا وَعَدَ رَبُّکُمۡ حَقًّا۔ اہل جنت کہیں گے ہم سے تو اللہ نے جو بھی وعدے کیے تھے ٹھیک کیے تھے اس کے مطابق پا لیے تمام انعامات ہمیں مل گئے تمہیں بھی وہ چیز مل گئی جس کا تم سے کہا گیا تھا کہ اگر نہیں مانو گے تو جہنم ملے گی تو تمہیں مل گیا اللہ کا وعدہ؟ قَالُوۡا نَعَمۡ کہیں گے ہاں اب ہم اقرار کرتے ہیں کہ مل گیا لیکن اس وقت کا اقرار کام نہیں دے گا۔ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیۡنَہُمۡ اَنۡ لَّعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ۔ ایک نداء کرنے والا نداء کرے گا کہ ان ظالموں پر اللہ کی لعنت جواب آ کر سمجھے ہیں وہاں ایمان نہیں لائے تو بعد میں ایمان لانا وہ ایمان نہیں ہے وہ تو مجبوری کا ایمان ہے

جب موت کے فرشتے سامنے آ گئے اور آنکھوں سے نظر آ گئے اب کوئی کہے میں ایمان لاتا ہوں وہ ایمان نہیں۔

ایمان کہتے ہیں غیب کی خبر کے ماننے کو:

ایمان کہتے ہیں غیب کی خبر کو ماننا غیب کی خبر اس نے نہیں مانی تو وہ فرعون کا سا ایمان ہے فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا موسیٰ علیہ السلام کی بات نہیں مانی، جب غرق کیا گیا اور گلے گلے پانی آیا تو اس وقت کہا کہ میں ایمان لایا موسیٰ کے خدا پر بنی اسرائیل کے خدا پر اس وقت فرمایا گیا آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ اب ایمان لایا اور چار سو برس تک زمین میں فساد پھیلایا وہاں تو موسیٰ کی بات نہ مانی اب کہتا ہے کہ میں ایمان لایا تو وہ تو ایمان مجبوری کا ہے جب آنکھوں کے سامنے عذاب آ گیا تو اب بھی ایمان نہیں لائے گا تو اسے ایمان تھوڑا ہی کہتے ہیں تو وقت کے بعد کسی چیز کو سمجھنا وہ ایسا ہی ہے جیسے مثل مشہور ہے فارسی کی۔

مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلہ خود باید زد

دشمن نے جب آ کر گھیر لیا اور سب ہتھیار بیکار ہو گئے اس وقت کہا کہ اُفوہ وہ! قلعے میں فلاں ہتھیار بھی تو رکھا ہوا ہے تو اب اس ہتھیار کو اپنے منہ پر مارنا چاہیے دشمن تو قابض ہو گیا تو بعد از وقت جو چیز یاد آتی ہے وہ بیکار ہوتی ہے اس لیے فرمایا جا رہا ہے کہ نعمتوں کے زمانے میں یاد کرو ہمیں جب آ پڑی مصیبت اس وقت کا یاد کرنا یاد نہیں کہلائے گا۔

حدیث قدسی:

ایک حدیث میں ہے جو حدیث قدسی ہے حق تعالیٰ بندوں سے خطاب کرتے ہیں کہ: ''اے بندے! تو اپنی صحت کے زمانہ میں مجھے یاد کرتا کہ تیری بیماری کے زمانہ میں میں تجھے یاد رکھوں اور اے بندے تو اپنی نعمت کے زمانہ میں مجھے یاد رکھتا کہ تیری مصیبت کے زمانہ میں میں تجھے یاد رکھوں اور اپنی زندگی میں مجھے یاد کرتا کہ تیری موت کے وقت میں تیری دستگیری کروں''

جب اس وقت یاد نہ کیا تو موت کے وقت کیا یاد کریگا اور جب نعمت میں یاد نہ کیا تو مصیبت کے وقت کیا یاد کریگا؟ تو یاد کرنا ہے تو قبل از وقت یاد کرے آدمی۔

سات قسم کے افراد قیامت کے دن عرش الٰہی کے سائے میں ہوں گے

اسی واسطے فرمایا گیا حدیث شریف میں کہ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ. سات قسم کے افراد ہوں گے جن کو قیامت کے دن عرش کے سائے میں جگہ دی جائے گی جب کہ کوئی سایہ نہیں ہوگا بجز اللہ کے سائے کے ان میں سے ایک قسم فرمائی گئی ہے کہ شَابٌّ نَشَأَ لِعِبَادَةِ اللّٰهِ وہ نوجوان جس نے جوانی میں اللہ کو یاد کیا اور عبادت میں گزارا وقت اس لیے کہ بڑھاپے میں اگر عبادت کرے وہ زیادہ عجیب بات نہیں۔ جب قبر میں پیر لٹکا چکا آدمی دنیا کی قوتیں جواب دے گئیں جذبات سرد پڑ گئے امنگ باقی نہیں رہی کھٹے میٹھے کی طرف کوئی توجہ نہ رہی اب بھی اللہ کو یاد نہ کرے گا تو اور کونسا وقت آئے گا تو وہ مجبوری کا یاد کرنا ہے اس لیے فرمایا گیا کہ یاد کرنا وہ ہے کہ جوانی کے زمانہ میں یاد کرلے آدمی جب کہ امنگوں کے سبز باغ سامنے ہیں امنگیں سامنے ہیں دنیا کی بہاریں سامنے ہیں قوت اندر موجود ہے اس وقت ہر چیز سے کٹ کر آدمی متوجہ ہو اللہ کی طرف وہ زیادہ عجیب چیز ہے تو وقت آنے سے پہلے پہلے یاد کرلے یہی یاد کہلاتی ہے اور وقت آ جانے کے بعد یاد کرے وہ یاد یاد نہیں ہے اس لیے اس آیت میں توجہ دلائی گئی۔ وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ زمین سے فائدہ اٹھاؤ چلو پھرو ہمارے خزانوں سے منتفع ہو مگر اسے یاد رکھو کہ لوٹ کر ہماری طرف آنا ہے۔

قیامت کے دن ایک ایک ذرہ کا حساب دینا پڑیگا:

اور حساب دینا پڑیگا ایک ایک چیز کا ایک ایک ذرہ کا حساب دینا ہوگا اس کو ایک جگہ فرمایا گیا قرآن کریم میں کہ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ پھر قیامت کے دن نعمتوں کا سوال کیا جائے گا تم سے کہاں سے کمایا کس طرح استعمال کیا۔

نعیم کی تفسیر:

اور نعیم کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ سردی کے زمانہ میں گرم پانی بھی نعیم ہے پوچھا جائے گا کہ سردی میں ہم نے گرم پانی دیا تم نے کیا شکر ادا کیا اور گرمیوں کے زمانے میں ٹھنڈا پانی بھی نعیم میں داخل ہے تو سوال کیا جائے گا کہ برستی ہوئی آگ میں ہم نے تمہیں ٹھنڈا پانی دیا تم نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا یا نہیں؟ تم نے توجہ کی ہماری طرف یا نہیں؟ وہاں ایک ایک ذرہ کا سوال کیا جائے گا ایک ایک چیز کا اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ. یہ ساری اربوں کھربوں مخلوق ہر ایک سے اس کی اربوں کھربوں چیزوں کا سوال کیا جائے گا اور حق تعالیٰ سوال کرلیں گے اور پچاس ہزار برس کا دن رکھا ہے قیامت کا تاکہ ساری امتوں کا حساب اس دن آ جائے تو ایک ایک چیز کا سوال کیا جائے گا تو اس سے پہلے کہ وہاں سوال کیا جائے یہیں اپنے ذہن سے کیوں نہ سوال کرو حدیث میں ہے حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا قبل اس کے کہ حساب لیا جائے قیامت کے دن تم ہی اپنا کچا چٹھا کیوں نہیں درست کرلیتے یہاں، پہلے ہی اپنا حساب کیوں نہیں لے لیتے ایک معمولی سا عمل ہے اگر اسے ہی کرلے آدمی تو ساری زندگی درست ہو جائے۔

سونے سے پہلے مراقبہ:

آپ بہر حال دن بھر کام کاج کر کے رات کو پڑ کے سوتے ہیں چار پائی پر لیٹ کر ایک دس منٹ مراقبہ کرلے آدمی یہ سوچے کہ آج دن بھر میں میں

نے کتنی اللہ کی اطاعت کی ہے کتنی نافرمانی۔ نعمتوں پر کتنا شکر ادا کیا کتنا غفلت میں گزارا، جتنی چیزیں غفلت میں گزریں، جتنی چیزیں معصیت کی ہوں گناہ کی ہوں سچے دل سے توبہ کرے اور فرمایا گیا اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ جیسے کیا ہی نہیں تھا اس نے گناہ اگر حقوق العباد ہیں تو سوچ لے کہ رات کو پڑ کے کہ کس کس کی حق تلفی کی ہے۔ مال کی حق تلفی۔ کسی کو گالی دی ہے۔ کسی کو تیز جملہ کہا ہے کسی کا دل دکھایا ہے۔ یہ بھی حق تلفی ہے اگلے دن اس سے معذرت کر لے بھئی وقتی بات تھی جذبہ آ گیا تھا میں نے تمہیں یہ کہہ دیا تم اللہ کے لیے معاف کرو کچا چٹھا صاف ہو گیا کسی کی چیز زبردستی جھپٹ لی ہے واپس دے دو اگر وہ خود تمہیں رضا سے دیدے لے کے رکھ لو معاملہ صاف ہو گیا کسی کو گالی دی ہے اس سے معافی مانگ لو معاملہ صاف ہو گیا......... تو قبل اس کے کہ ان گالیوں کا ان معصیتوں کا وہاں حساب لیا جائے اس سے پہلے ہی کیوں نہ حساب لیا جائے تو اگر روزانہ آدمی سوتے وقت ایک دس منٹ سوچ لے تو دن بھر کی تو ساری باتیں یاد رہتی ہیں کہ کتنی نیکیاں کیں کتنی بدیاں کیں، جتنی بدیاں کی ہیں ان سے توبہ کرلے جتنی نیکیاں کی ہیں کہے اے اللہ! تیرا شکر ہے میں تو اس قابل نہیں تھا کہ یہ نیکی انجام دوں تیری توفیق بخشی سے انجام دیں تو شکر پر وعدہ ہے کہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ ۔ جتنا شکر کرو گے نعمت پر نعمتوں کو میں بڑھاتا جاؤں گا نیکیوں پر شکر کیا تو نیکیاں بڑھتی جائیں گی اور بدی سے توبہ کی تو وہ مٹتی رہے گی تو روزانہ اگر آدمی کچا چٹھا صاف کر لے بدیاں مٹا دے نیکیوں میں اضافہ کرلے کونسی مشکل بات ہے اگر پانچ دس منٹ سوچ لیا کرے چار پائی پر لیٹ کر روز کا روز حساب ہوتا رہے گا اور اگر نہیں سوچتا اور اس غرض میں ہے کہ جب موت کا وقت آئے گا جب کرلوں گا اکٹھی توبہ تو اول تو جسے آج توفیق نہیں ہوئی کیا ضروری ہے کہ کل کو توفیق ہوگی۔ کل جب آئے گی تو کہے گا کل کرلوں گا پھر وہ کل آئے تو کل کل میں گزر جائے گی اسے موقع ہی نہیں ملے گا اور اگر موقع بھی ملا موت سے قبل تو اس وقت کہاں اتنا موقع ہے کہ اہل حقوق کے حقوق ادا کرے اور جو چیزیں کی ہیں ان کی تلافی کرے وہ تو مرنے کا وقت ہے اس واسطے قبل از موت کرے۔

قبل از موت محاسبہ میں سہولت:

اس میں سہولت یہ ہے کہ روز کا روز حساب کرتا رہے گا تو نامہ اعمال درست ہوتا رہے گا جیسے ایک سرکاری ملازم ہو اگر وہ روز کا روز اپنا حساب دیکھ لے کاغذات درست کر لے وہ مطمئن رہے گا کہ چیکر جس وقت بھی آ جائے گا میں پیش کر دوں گا۔ یہ میرا حساب صاف ہے ہر وقت اسے امید لگی ہوئی ہوگی اور وہ چاہتا ہوگا کہ کوئی چیکنگ کرنے کے لیے آئے تا کہ میرا صاف ستھرا حساب دیکھے تو میری ترقی ہوگی اور گورنمنٹ سے میرا اعزاز ہوگا اور ایک وہ ملازم ہے کہ اپنا وقت آرام سے گزار رہا ہے اس نے کہا غلطیاں ہیں مہینہ کے ختم پر کرلوں گا اکٹھی۔ لیکن جب مہینہ گزرنے نہیں پایا کہ بیچ میں چیکر آ گیا اب جو چیکنگ کی تو معلوم ہوا کہ سارا حساب غلط ہے تو سوائے برخواستگی کے، سوائے جرمانے کے سوائے جیل خانہ کے اور کیا ہوگا اس کے لیے؟ تو بہترین شخص وہ ہے جو روز کا روز حساب اپنا درست کر لے تا کہ انجام کے وقت مطمئن ہو کر چلا جائے کہ میرا چٹھا تو صاف ہے۔

آنرا کہ حساب پاک است　　از محاسبہ چہ باک

جس کا حساب صاف ہے اس کو محاسبہ اور چیکنگ سے کوئی بھی ڈر نہیں ہوگا وہ تو تمنا میں رہے گا کہ کاش کوئی چیکنگ کرے تو میرا انعام بڑھے میری ترقی ہو اس لیے میں نے عرض کیا کہ مہینہ اور سال کو چھوڑ کر اگر روز کا روز سوتے وقت آدمی غور کر لیا کرے کہ کتنی میں نے حق تلفیاں کیں اور کتنی ادائیگیاں کیں حقوق کی۔ جتنی ادائیگی اللہ کے حقوق کی، بندوں کے حقوق کی ہوئی شکر کرے حمد کرے اور کہے کہ اللہ یہ تیری توفیق سے ہوا میں تو اس قابل نہیں تھا اور جتنی غلطیاں ہوئیں فوراً معافی مانگ لے اہل حقوق ہیں ان سے معاف کرا لے۔ وہ صاف ستھرا رہے گا پھر اس کے قلب میں تشویش نہ ہوگی طمانیت ہوگی بشاشت ہوگی بادشاہوں کی مانند اس کی زندگی ہوگی کہ میں کسی کا قرض دار نہیں ہوں کسی کا دیندار نہیں ہوں وہ بادشاہوں کی طرح بسر کرے گا یہ بہتر ہے کہ ایک فقیر پریشان پراگندہ حال کی طرح زندگی بسر کرے یا یہ بہتر۔ [illegible] لہ بادشاہ بن کر زندگی بسر کرے؟ جس کا قلب صاف ہے وہ بادشاہت [illegible] ہے اور جس کے قلب میں بے چینی ہے وہ فقیر ہے پریشان حال ہے تو ا[illegible] پریشانی کو دور کرنے کی صورت شریعت نے رکھی محاسبہ کہ روزانہ اپنا حسا[illegible] لیا کرے اس لیے فرمایا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ نعمتوں کے استعمال سے ہم نہ[illegible] روکتے مگر دو باتیں چاہتے ہیں ایک تو یہ کہ حدود میں ہو استعمال حد سے گزرا ہو[illegible] ہو اور ایک یہ کہ موت کو یاد کرتے رہو بے فکر ہو کر مت رہو۔

مسلمان کی حقیقت متفکر ہونا ہے:

تو گویا مسلمان کی حقیقت نکلی متفکر وہ فکر میں رہے کہ میرے سے کسی کی حق تلفی نہ ہو جائے، ہر وقت فکر لگی ہوئی ہو اسی کو حدیث میں فرمایا گیا ہے تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ ایک گھڑی فکر کرنا اپنے معاملہ میں یہ ایک برس کی عبادت سے زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ صحیح فکر سے ایک برس کی عبادت کا رستہ درست ہو جاتا ہے کھل جاتا ہے تو بے فکری عبادت کارآمد نہیں ہے فکر مندانہ عبادت ہوگی وہ کارآمد ثابت ہوگی اس لیے وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ سے توجہ دلائی گئی کہ حساب آتا ہے اور ہماری طرف پہنچنے والے ہو تم اس وقت کو پیش نظر رکھ کر کرو جو تمہارا جی چاہے کرو چاہے اسلام اختیار کرو چاہے کفر، مگر یہ سمجھ لو آ کر حساب دینا ہے اور اگر یہ کہو کہ ہمارے فرشتے وقت پر نہیں آئیں گے

اول یہ خام خیالی ہے لیکن اگر یہ ہو بھی تو فرشتوں کو بھیجنے کی ضرورت ہی نہیں ہے یہ زمین ہی کافی ہے تمہارے لیے بادل ہی کافی ہیں، مچھر ہی کافی ہے وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ اللہ کے لشکروں کو کوئی نہیں جانتا کہ کہاں کہاں ہیں چاہے مچھروں سے کام لے لے چاہے چیونٹیوں سے کام لے لے چاہے بادلوں سے کام لے لے چاہے زمین سے کام لے لے، پہلے سے پہلے نذیروں کے ڈرانے کو یاد رکھو ایسا نہ ہو کہ وقت پر تمہیں یاد آئے تو کہو کہ واقعی ڈرانے والے صحیح کہہ رہے تھے ہم ہی غلطی کے اوپر تھے اس وقت کا اعتراف کارآمد ثابت نہیں ہوگا تو یہاں تک حق تعالیٰ نے گویا زمین کا جو صوبہ ہے اس کی حکومت کا اس کے متعلق ایک اجمالی صورت بیان فرمائی کہ نعمتوں کے استعمال کی اجازت دی، حدود بتلا دیں۔　(معارف حکیم الاسلام قاسمی)

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ
اور کیا نہیں دیکھتے ہو اُڑتے جانوروں کو اپنے اُوپر پَر کھولے ہوئے
وَيَقْبِضْنَ ۚ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَٰنُ ۚ
اور پَر جھپکتے ہوئے اُن کو کوئی نہیں تھام رہا رحمٰن کے
إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ﴿١٩﴾
سوائے اُس کی نگاہ میں ہے ہر چیز ☆

قدرتِ خداوندی:

پہلے آسمان وزمین کا ذکر ہوا تھا۔ یہاں درمیانی چیز کا ذکر ہے یعنی خدا کی قدرت دیکھو پرندے زمین و آسمان کے درمیان کبھی پر کھول کر اور کبھی بازو سمیٹے ہوئے کس طرح اڑتے رہتے ہیں اور باوجود جسم ثقیل مائل الی المرکز ہونے کے نیچے نہیں گر پڑتے نہ زمین کی قوت جاذبہ اس ذرا سے پرندے کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے بتلاؤ رحمٰن کے سوا کس کا ہاتھ ہے جس نے انہیں فضاء میں تھام رکھا ہے۔ بیشک رحمٰن نے اپنی رحمت و حکمت سے ان کی ساخت ایسی بنائی اور اس میں وہ قوت رکھی جس سے وہ بے تکلف ہوا میں گھنٹوں ٹھہر سکیں۔ وہ ہی ہر چیز کی استعداد کو جانتا اور تمام مخلوق کو اپنی نگاہ میں رکھتا ہے۔ شاید پرندوں کی مثال بیان کرنے سے یہاں اس طرف بھی اشارہ ہو کہ اللہ آسمان سے عذاب بھیجنے پر قادر ہے اور کفار اپنے کفر و شرارت سے اس کے مستحق بھی ہیں لیکن جس طرح رحمٰن کی رحمت نے پرندوں کو ہوا میں روک رکھا ہے عذاب بھی اسی کی رحمت سے رکا ہوا ہے۔　(تفسیر عثمانی)

حق تعالیٰ کی مملکت کے تین علاقے ہیں:

حق تعالیٰ کی مملکت کے تین علاقے ہیں جو اس سورۃ میں بیان فرمائے گئے ہیں ایک سمٰوٰت، آسمان اور اس کی مخلوق اور اس پر حکمرانی کا انداز اور ایک جو اور فضا آسمان اور زمین کے درمیان میں ہے اس پر حکمرانی کا طریق، تو دو علاقوں کے بارے میں میں نے بقدر ضرورت تفسیر عرض کی آج یہ تیسرا علاقہ ہے جو اور فضا کا جس کو شروع کیا گیا أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ سے اور اس کی بنا یہ ہے کہ زمینی مخلوق میں انسانوں کو توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ اللہ کی حکومت کو مانیں اور اس کے قانون پر چلیں اگر ایسا نہیں کریں گے تو ان پر بلیات اور فتنے برسیں گے اور وہ مصائب میں مبتلا ہوں گے منجملہ ان کے دو چیزیں بیان فرمائی گئی تھیں کہ کیا تم آسمان والے سے مطمئن ہو کر بیٹھ جاؤ گے اس سے کہ زمین تمہیں دھنسا دے اور خسف کر دیے جاؤ یا یہ کہ آسمان سے پتھر برسا دیئے جائیں اور ان سے پتھراؤ ہو جائے انسانوں پر اس پر انسان اگر سلامتی کے ساتھ غور کرے اور اطاعت شعاری کے جذبے سے غور کرے تو بات بالکل سیدھی اور صاف ہے۔

انسان میں یہ روگ ہے کہ وہ اللہ کے احکام میں خود رائی کو دخل دیتا ہے

مگر انسان میں ایک روگ یہ ہے کہ وہ اللہ کے احکام میں خود رائی کو دخل دیتا ہے اور اس خود رائی کا منشاء ہوتا ہے اپنی دی ہوئی عقل، تو عقل تو دی گئی تھی اس لیے کہ اللہ کے احکام کو سمجھے اور غور کرے اور کوئی شبہ پیش آئے تو عقل سے اس شبہ کو صاف کرے اس نے عقل کو استعمال کیا معارضہ میں اور حق تعالیٰ کی مقابلہ میں عقل کو ذریعہ بنایا اللہ کے احکام میں طرح طرح کے شبہات نکالنے کا، شکوک پیدا کرنے کا اور اس میں الجھنے کا، تو قلب موضوع ہو گیا دی گئی تھی عقل اس لیے کہ سمجھے احکام کو اور کوئی شبہ طبعی طور پر پیش آئے تو عقل سے اسکو دفع کر لے اس نے کیا یہ کہ عقل کو لڑائی کا ذریعہ بنایا اللہ سے، اور اس کے احکام میں طرح طرح کے شکوک و شبہات نکالنے شروع کیے اور معارضہ شروع کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ گویا یہ احکام معاذ اللہ عقل کے خلاف ہیں پھر میں کیوں مانوں انہیں۔

انسان کو عقل تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے دی گئی تھی:

تو اپنی براءت ذمہ کے لیے اس نے عقل کو استعمال کیا حق کے مقابلہ میں حالانکہ عقل دی گئی تھی حق کی اطاعت کے لیے کہ پوری طرح سمجھو تو یہاں بھی انسان نے یہی کہا کہ جب فرمایا کہ ہم آسمان سے پتھر برسا دیں گے تو اس نے کہا بھلے یہ کیسے ہو سکتا ہے پتھر تو ایک وزنی چیز ہے اور وزن دار چیز ہمیشہ نیچے کی طرف کو آتی ہے زمین مرکز ثقل ہے اور وہ اپنی طرف کھینچتی ہے اسے اوپر نہیں جانے دیتی تو آسمان میں پتھر کہاں جو وہاں سے برسیں یہ عقل کے خلاف ہے کہ وزنی چیزیں اوپر جائیں حالانکہ اگر وہ اس پر غور کرتا کہ جس خالق نے یہ چیزیں پیدا کیں ہیں اور ان میں طبعی رفتار رکھی ہے تو

طبیعت کا پیدا کرنے والا بھی تو وہ ہی ہے اگر وہ بدل دے طبیعت کو تو اس کے اختیار میں ہے اتنا تو اس کا اختیار سمجھا کہ وہ طبیعت کے مطابق بنا دے اور یہ نہ سمجھا کہ طبیعت کے خلاف کرے۔

طبیعت کا خالق طبیعت کو اس کے خلاف بھی چلا سکتا ہے:

حالانکہ جو خالق ہے طبیعت کا وہ طبیعت کو ادھر بھی چلا سکتا ہے، طبیعت کے خلاف کرے تو طبیعت اس پر حاکم تو نہیں حاکم تو وہ ہے طبیعت کے اوپر۔ ایک درخت جب پیدا ہوتا ہے اور آپ منوں مٹی کے نیچے بیج ڈال دیتے ہیں اس بیج میں سے کونپل نکلتی ہے کونپل اتنی کمزور ہے کہ اگر چٹکی سے مسلیں تو مسل دی جائے لیکن اللہ نے اس کو اتنا طاقتور بنایا کہ منوں مٹی کے جگر چیر کر وہ اوپر کی طرف آتی ہے حالانکہ طبیعت یہ تھی کہ نیچے کی طرف کو جائے پتے کو اگر آپ چھوڑیں گے وہ نیچے کی طرف جائے گا اوپر نہیں جائے گا لیکن وہی پتہ جب بیج سے نکلتا ہے تو ہوجاتا ہے اوپر کی طرف اول تو منوں مٹی کو چیرتا ہے اس کے جگر کو شق کر کے باہر نکلتا ہے پھر باہر نکل کر بھی یہ نہیں کہ نیچے کیطرف جائے وہ چڑھ کر آسمان کی طرف جاتا ہے اور ایک بڑا تناور درخت بن جاتا ہے یہ طبیعت کو کس نے بدل دیا طبیعت تو یہ چاہتی ہے کہ درخت نیچے کی طرف آئے لیکن نیچے کے بجائے اسے اوپر کی طرف لے گئے تو قدرت ہے مالک کی وہ اس طبیعت کے خلاف حکم جاری کر دے تو طبیعت کو اپنے خلاف چلنا پڑے گا طبیعت کے موافق اگر حکم دے موافق چلنا پڑے گا طبعی چیز یہ ہے کہ آدمی اگر نقش ونگار بنائے تو کاغذ پر بنا سکتا ہے پتھر پر بنا سکتا ہے لکڑی پر نقش ونگار بنا سکتا ہے لیکن کیا یہ کسی کو قدرت ہے کہ پانی کے اوپر نقاشی کر دے مگر اس کی قدرت یہ ہے کہ ایک گندے پانی کے قطرے کے اوپر ایسے نقش ونگار بناتا ہے کہ انسان بن جاتا ہے تو ایک پانی کے قطرے پر نقاشی کرنا یہ آپ کی طبیعت کے خلاف ہے لیکن اللہ کی قدرت کے تو خلاف نہیں تو جب قدرت والے کو قدرت والا مان لیا تو مان کر پھر اسے مقید کرنا کہ آپ ادھر کو چلیں ادھر کو نہ چلیں یہ انسان کی کج فطرتی کی بات ہے ورنہ وہ یوں کہتا کہ طبیعت کو چلا دیا یہ بھی اس کی قدرت ہے پتھروں کو نیچے ڈالدے یہ بھی اس کی قدرت ہے اور اوپر اٹھا کر لے جائے یہ بھی اس کی قدرت ہے تو پہلے غور کرنا چاہئے تھا عقل سے مگر عقل کو مقابلہ پر استعمال کیا اللہ کی قدرت کے، اور اپنی موافقت کے گویا عقل میری ہے اور میری تائید کرے گی آپ کے خلاف کرے گی اور یہ نہ جانا کہ عقل بھی انہی کی پیدا کی ہوئی اور تم بھی انہی کے پیدا کیئے ہوئے تمہیں حق کیا ہے کہ مالک کے خلاف چلو اور اپنے آلات اور قویٰ کو اس کے خلاف میں استعمال کرو تو یہ تو ہے ایک عقلی چیز۔

عقلی شبہہ کے دو جواب دیے گئے:

لیکن حق تعالیٰ نے جواب دیا دو طرح پر ایک تاریخ پیش کی اور ایک حسی مثال پیش کی تاریخ کی طرف تو اشارہ کیا وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے کہ پچھلوں نے بھی اعتراضات کیے لیکن پچھلوں پر تاریخ شاہد ہے کہ پتھر برسائے گئے لوطؑ کی قوم پر پتھر برسا دیئے گئے ایک تاریخی واقعہ ہے اور سچی تاریخ ہے اور سچائی سے بیان کیا گیا ہے تو اسی کو دیکھ کر عبرت پکڑ وتھوڑی سی کہ جس نے ایک قوم پر برسا دیا پتھروں کو وہ آج بھی برسا سکتا ہے، گنہگار جب بھی تھے اور آج بھی ہیں۔ (معارف حکیم الاسلام قدس سرہٗ)

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ
بھلا وہ کون ہے جو فوج ہے مدد کرے تمہاری
مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ۭ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ؀
رحمٰن کے سوائے منکر پڑے ہیں بُرے بہکائے میں ☆

اللہ سے بچانے والا کون ہے:

یعنی منکر سخت دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے باطل معبودوں اور فرضی دیوتاؤں کی فوج ان کو اللہ کے عذاب اور آنیوالی آفت سے بچالیگی؟ خوب سمجھ لو رحمٰن سے الگ ہو کر کوئی مدد کو نہ پہنچے گا۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہوگا کہ کیا انہوں نے ایسی مصنوعات دیکھ کر اس بات کو نہیں سمجھا کہ خسف زمین اور سنگبار طوفان کا عذاب دینے پر اللہ کو قدرت حاصل ہے یا ان کے پاس ان کا کوئی جتھا اور لشکر ایسا ہے جو رحمٰن کے مقابلے میں ان کی حمایت کر سکے اور خدا کے بھیجے ہوئے عذاب کو دفع کر سکے۔

جُنْدٌ لَّكُمْ. جند سے مراد وہ بت ہیں جنکو اہل شرک معبود قرار دیتے تھے یعنی یہ بات تو تصور میں ہی نہیں آتی کہ یہ بت مدد کر سکیں یا تم کو رزق دے سکیں یا جند سے مراد کافروں کے حمایتی ہیں (تفسیر مظہری)

یہ امت عام عذابوں میں مبتلا نہیں کی گئی:

یہ تو رحمۃ للعلمین کا فضل ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عامہ کا فضل ہے کہ اس قسم کے عام عذابوں میں امت کو مبتلا نہیں کیا گیا۔ لیکن اس کی نفی بھی نہیں کی گئی کہ اگر ضرورت پڑی تو اس امت پر بھی ہم عذاب نازل کریں گے حدیث میں فرمایا گیا ہے لَيْسَ عَذَابُ اُمَّتِيْ الْخَسْفُ وَ الْمَسْخُ وَالرَّجْمُ اِنَّ عَذَابَ اُمَّتِيْ الْفِتَنُ وَالْقَتْلُ وَالزَّلَازِلُ میری امت کا عام عذاب یہ نہیں ہوگا کہ ان کی صورتیں مسخ کر دی جائیں جیسے پچھلی امتوں کو بندر بنا دیا گیا تھا۔ بعضوں کو خنزیر بنا دیا گیا۔ اس امت پر یہ رحمت ہے کہ عام طور سے نہیں ہوگا لیکن جزوی طور سے اگر ہو جائے کسی کو مسخ کر کے خنزیر کی شکل بنا دیا جائے یا کسی کو بندر کی صورت دے دی جائے تو یہ آج بھی ممکن ہے اور واقعات پیش آئے ہیں۔

قرآن مجید کی توہین کا عبرت انگیز واقعہ
ایک عورت کی شکل خنزیر کی شکل سے بدل دی گئی

ابھی پچھلے دنوں آپ نے سنا ہوگا کہ اخبارات میں ایک واقعہ آیا بھوپال میں یہ قصہ گزرا اور وہ یہ ہے کہ ایک عورت کے اولاد نہیں ہوتی تھی تو اس نے کسی سادھو سے رجوع کیا اور کہا کہ کوئی تدبیر ایسی بتائیے کہ میرے اولاد ہو جائے ۔اس کم بخت نے کہا کہ قرآن شریف کو نیچے رکھ کے اس کے اوپر بیٹھ کے غسل کر تو تیرے اولاد ہو جائے گی حالانکہ وہ مسلمان عورت تھی ۔لیکن بعض دفعہ عورتیں اولاد کی طمع میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیتی ہیں اور اس قسم کے ٹونے اور ٹوٹکوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں اس ظالم نے یہ حرکت کی اور ایمان کو پس پشت ڈال کر قرآن شریف پر بیٹھی اور وہاں سے جب اٹھ کر آئی تو اس کی صورت خنزیر کی سی تھی بال وال تو سر پر تھے جس سے یہ پہچانا گیا کہ وہ انسان تھی لیکن اس کی شکل مسخ ہوگئی یہ اخبارات میں بھی آیا ۔اور بعضوں کو یہ شبہ ہے کہ صاحب اخبار نے کیوں اس واقعہ کو لکھ دیا اس سے تو معاذ اللہ اسلام کی توہین ہوئی کہ ایک مسلمان بدک گیا ۔میں کہتا ہوں کہ قرآن شریف میں اس قسم کے واقعات کیوں بیان کیے کہ پچھلی امتیں مومن ہوتے ہوئے جب حق کے مقابلہ پر آئیں تو انہیں خنزیر کی صورت دے دی گئی اس سے اس دور کے اسلام کی توہین نہیں تھی تو آج بھی اگر اس قسم کا واقعہ آئے اور وہ عام کیا جائے تو اس میں کیا اسلام کی توہین نہیں یہ تو کفر کی توہین ہے کہ اسلام کو چھوڑ کر جب کفر اختیار کیا تو صورت مسخ ہوئی اگر عیاذاً باللہ یہ ہوتا کہ اسلام قبول کرنے پر تلاوت قرآن کرنے پر معاذ اللہ صورت بگڑ جاتی تو اسلام کی توہین تھی لیکن اسلام کو چھوڑ کر کفر کی طرف آنے میں صورت بگڑی تو اسلام کی عظمت نمایاں ہوئی کفر کی اہانت اس میں واضح ہوئی تو یہ اسلام کی توہین نہیں بلکہ کفر کی توہین ہے ۔اور اسلام کی عظمت اس سے ظاہر ہوتی ہے ۔اور اگر اس میں اہانت تھی تو حق تعالیٰ قرآن میں ایسے واقعات ہی بیان نہ فرماتے ،تو اگر آج کے لوگوں نے اس قسم کے واقعات کو نقل کر دیا ہے تو قرآن کی پیروی کی کہ اللہ نے پچھلے واقعات نقل کیے انہوں نے سامنے کا واقعہ نقل کر دیا ۔اسلام کی عظمت اس سے نمایاں ہوگئی بہرحال میرے عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ خسف یا مسخ یہ تو نہیں ہوگا رحمۃ للعالمین کی اس امت میں لیکن خاص خاص طور پر ہوگا۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تقدیر کو جھٹلانے والے بعض طبقات دھنسائے جائیں گے زمین کے اندر ۔اس امت کے اندر بھی ایسے ہی واقعات ہوں گے ۔تو اگر ایسا واقعہ پیش آئے تو معاذ اللہ ،اس کو نقل کر دے مسلمان ،تو یہ ڈرانا ہوگا اس سے کہ دیکھو تقدیر کے خلاف کرنے میں یہ وبال پڑتا ہے لہٰذا تقدیر کی حمایت کرو اسلام کے مطابق چلو تاکہ اس قسم کے وبال سے بچ جاؤ ،تو

قرآن کریم نے تاریخی واقعات کی طرف اشارہ کیا کہ پچھلے دور میں ہو چکا ہے ایسا ،پورے طبقے کے طبقے مسخ کر دیے گئے پوری امت ڈرا دی جائے یا پوری امت دھنسا دی جائے اس واسطے کہ یہ امت دوامی اور ابدی ہے اس کے مٹنے کے بعد کوئی اور امت آنے والی نہیں ۔اس لئے قیامت تک یہ امت رہے گی اور ایک طبقہ حق پر رہے گا خلاف کرنے والوں پر اس قسم کے عذاب آئیں گے اور اس قسم کے وبال ڈالے جائیں گے ۔تو اشارہ دیا قرآن کریم نے کہ جنہوں نے پہلے تکذیب کی تھی ہُوا ان پر یہ واقعہ لہٰذا تم بچو اس قسم کی تکذیب سے کہ تم نہ کہیں مبتلا کر دیے جاؤ تو پہلی چیز تو یہ ہے کہ تاریخی واقعات سے عبرت پکڑو لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۔

قرآن کریم میں گزشتہ امتوں کے واقعات
محض قصہ وکہانی کے لئے بیان نہیں ہوئے

قرآن کریم نے جو پچھلی امتوں کے واقعات بیان کئے ہیں وہ قصہ کہانی کے طور پر نہیں ہیں کہ وقت گزاری اور تفریح طبع کے لئے کچھ قصے سنا دیے ،وبیان کیے گئے ہیں عبرت کے لئے تاکہ آدمی غور کرے کہ پچھلوں کی ان حرکتوں پر جب یہ عذاب آیا تو آج اگر وہ حرکتیں ہوگئیں تو آج بھی عذاب آسکتا ہے یہی معنی اعتبار اور عبرت پکڑنے کے ہیں فرماتے ہیں اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ تمہارے سروں پر یہ پرندے اڑ رہے ہیں اور صٰٓفّٰتٍ ٹکڑیاں اور جماعتیں بن بن کر اڑ رہے ہیں اگر ہوا اٹھا کر لے جاتی تو ایک کو دو کو چار کو ایک اتفاقی واقعہ پیش آتا ،لیکن یہ تو ترتیب وار صف بندی کر کے اڑتے ہیں ۔یہ تو ان کے شعور اور ارادہ کا دخل ہوا وہ اللہ نے ان کے اندر پیدا کیا تو يَقْبِضْنَ خدا کے سوا کسی نے روک رکھا ہے انہیں؟ اور وہ صف بن کر اڑتے ہیں جیسے مرغابیاں اڑتی ہیں تو ہمیشہ مثلث کی شکل میں اڑتی ہیں دو ٹکڑیاں ہوتی ہیں مثلث آگے ان کا سردار ہوتا ہے ،وہ آگے آگے چلتا ہے اور وہ پیچھے چلتی ہیں جیسے پریڈ کرتی ہوئی فوج جاتی ہے ۔ترتیب وار ،یا مرغابیاں جب اڑتی ہیں تو ترتیب وار اڑتی ہیں ،بطیں جب اڑتی ہیں تو ترتیب وار اڑتی ہیں چھوٹی چڑیاں جب اڑتی ہیں تو ٹکڑیاں بن کر اڑتی ہیں ۔تو سارے نمونے دکھلا دیے انفرادی طور پر بھی پرندے اڑتے ہیں صف باندھ کر بھی اڑتے ہیں ،ٹکڑیاں بن کر بھی اڑتے ہیں ،معلوم ہوتا ہے کہ محض کوئی طبعی کارخانہ نہیں ہے بلکہ فاعل مختار کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں کہ کسی کو اس طرح بنا دیا اور کسی کو اُس طرح بنا دیا ۔ اگر طبعی بات ہوتی تو طبیعت کی ایک رفتار ہوتی جب جانور گرا نیچے آپڑتا ،لیکن ترتیب وار اڑنا قاعدہ سے اڑنا معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص نظام کے تحت وہ اڑ رہے ہیں کسی اختیار کے تحت وہ اڑ رہے ہیں صفّت صفیں باندھ کر پرہ بن کر۔

ویَقْبِضْنَ اور ان پروں کو وہ سمیٹ دیتا ہے وہ پھر بھی اڑتے رہتے ہیں

اور فضا میں معلق ہو جاتے ہیں بہت دیر تک بعضے جانور نہیں اڑتے اور لٹکے ہوئے ہیں فضا میں، مَا یُمْسِکُھُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ رحمان کے سوا کون ہے جس نے تھام رکھا ہے تو جوان پرندوں کے اجسام کو اوپر تھام سکتا ہے۔

عقل کے پرستاروں سے سوال:

اگر میں کہوں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت دی ہے کہ جب آپ اینٹ پھینکتے ہیں تو بیس گز تک چلی جاتی ہے حالانکہ اینٹ بھی طبعی رفتار کا تقاضا ہے کہ نیچے آئے مگر آپ کے ارادہ کی قوت اسے اوپر پھینک دیتی ہے جب آپ کے ارادہ کی قوت ختم ہو جاتی ہے پھر وہ اصلی رفتار پہ آ کر اینٹ نیچے آ جاتی ہے تو آپ کے ارادہ میں تو یہ طاقت ہو کہ اینٹ کی طبیعت کے خلاف اسے اوپر پہنچا دے اور تمہارا ارادہ زیادہ سے زیادہ پچاس گز تک اس کی قوت جا سکتی ہے اللہ کا ارادہ لامحدود ہے وہ اگر پچاس ہزار گز تک اوپر اڑا دے تو اس کی طاقت سے بعید نہیں تو معلوم ہوا کہ باہر کی طاقت لے جا سکتی ہے اوپر اشیاء کو اور جتنی طاقت ہو گی اتنا ہی لے جائے گا۔ انسان کی طاقت محدود ہے کہ بیس گز اس نے پھینک دیا ڈھیلا۔ اور اللہ کی طاقت لامحدود ہے اس نے پچاس ہزار گز سے اوپر پھینک دیا پتھر کو اور پھر نیچے ڈال دیا تو مطلب یہ ہے کہ حسی طور پر دیکھو، عقلی طور پر دیکھو، تاریخی طور پر دیکھو، کوئی وجہ انکار کی نہیں ہے سوائے ڈھٹائی کے سوائے سرکشی کے اس واسطے فرمایا کہ مَا یُمْسِکُھُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ اس واسطے کہ وہ ہر چیز کو بصیرت سے جانتا ہے اس لئے کہ وہی تو پیدا کرنے والا ہے اسے تو معلوم ہے کہ کس چیز میں میں نے کتنی قوت رکھی ہے اور کس طرح میں اسے استعمال کروں گا تو اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ۔ تم پتھر پھینکتے ہو تو تمہیں بصیرت حاصل نہیں ہے کہ اس کے اندر کیا قوت ہے کیا نہیں ہے؟ تم نے تو اٹھا کر ڈھیلا پھینک دیا۔ چلا گیا، وہ بصیرت کے ساتھ اپنی طاقت کے ساتھ لے جائے اس پر تو اعتراض اور تم جو بے بصیرتی کے ساتھ ایک حرکت کر گزرو اس پر کوئی اعتراض نہیں تو یہ سوائے عصبیت اور جہالت کے اور کیا چیز ہے کوئی عقلی دلیل تو نہیں ہے کہ انکار کرو۔ (معارف حکیم الاسلام قاسمی قدس سرہٗ)

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ

بھلا وہ کون ہے جو روزی دے تم کو اگر وہ رکھ چھوڑے اپنی روزی ☆

یعنی اللہ اگر روزی کے سامان بند کر لے تو کس کی طاقت ہے جو تم پر روزی کا دروازہ کھول دے؟ (تفسیر عثمانی)

کفار عبرت حاصل کرنے کے بجائے لڑنے کو مقصد بنائے ہوئے ہیں

حاصل اس کا یہ نکلا کہ تمہیں تو لڑنا ہی مقصود ہے اللہ میاں سے، نہ عقل سے کام لینا، نہ حس سے کام لینا، نہ تاریخ سے عبرت پکڑنا لڑنا مقصود، فرمایا کہ اچھا آ و لڑو اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ یہ کون ہے جو خدا کے مقابلے پر لشکر آئے گا تمہاری مدد کرے گا۔ اس لشکر کو بھی ہمیں بتا دو وہ کون سا لشکر ہے؟ یہ لشکر جتنا تم لاؤ گے اس مخلوق میں سے لاؤ گے یہ تو ہماری بنائی ہوئی چیز (ہے) تو ہماری بنائی ہوئی چیز ہمارے ہی مقابلے پر تھوڑا ہی آ سکتی ہے تمہاری کوئی بنائی ہوئی چیز ہو وہ تمہارے مقابلے پر نہیں آتی تو ہماری بنائی ہوئی چیز ہمارے مقابلے پر کیسے آ جائے گی؟ اور تم جو بھی لشکر لاؤ گے وہ مخلوق میں سے لاؤ گے اس لیے کہ خالق سے تو تم نے تعلق پیدا نہیں کیا کہ اس کے تابع بنتے اس کی طاقت کو لیتے اس سے تو لڑائی ٹھان لی اب مقابلہ کرو گے تو اپنی طاقت سے اور مخلوق کی طاقت سے تو بتلاؤ وہ کون سی مخلوق ہے جو ہمارے مقابلے پر آئی گی اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ وہ کون ہے جو رحمٰن کے مقابلے پر تمہاری مدد کرے گا۔ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ سوائے اس کے کہ تم دھوکے میں پڑے ہوئے ہو اور بہکے ہوئے ہو اس کے سوا اور کیا کہا جائے، عقل کی تم نہیں کہتے، حس کی تم نہیں کہتے تاریخ کی تم نہیں کہتے کوئی قوت تمہارے ہاتھ میں نہیں کہ خدا کا مقابلہ کرو اور لڑنے کے لئے تیار بقول شخصے،

ع لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

لڑنے کو موجود اور نہ ہاتھ اور نہ ہاتھ میں تلوار، اور پھر وہ قوتیں بخشی ہوئی خدا کی ہیں تو اسکی بخشی ہوئی قوتوں کو اسکے مقابلہ پر لانا اس سے زیادہ حماقت کی اور کیا بات ہوگی اب آپ زیادہ سے زیادہ کہیں گے کہ صاحب سامان اور وسائل ہمارے ہاتھ میں ہیں ہم بجلی کی مدد سے کام لیں گے ہم گیس کی طاقت سے کام لیں گے، ہم راکٹ سے کام لیں گے، ان چیزوں کو لائیں گے مقابلے پر تو اول تو ظاہر ہے کہ یہ تو مخلوقات خداوندی ہیں۔ ان میں یہ جرات کہاں ہے کہ اپنے خالق کا مقابلہ کریں یہ حماقت تو انسان پر ہی سوار ہے کہ وہ مقابلہ کرتا ہے خالق سے، نہ پتھر مقابلے پہ ہیں، نہ درخت مقابلے پہ ہیں، نہ پہاڑ نہ دریا، کوئی چیز مقابلے نہیں کرتی یہ چیزیں حق ہیں۔ اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا، آسمانوں میں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ عبد اور بندہ بن کر اللہ کے سامنے آیا ہوا ہے۔ ڈھٹائی پر یہی انسان ہے کہ مقابلہ کرتا ہے اور کیوں کرتا ہے اس لئے کہ ہم نے کچھ طاقتیں دے دی تھیں کچھ عقل کی طاقت دے دی تھی کچھ وسائل دے دیے تھے تو سوال یہ ہے کہ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ وہ رزق دینے والا ان سامانوں کا وہ کون ہے؟ تم نے خود پیدا کر لئے تھے؟ بجلی تم نے پیدا کی ہے؟ پیدا اللہ نے کی ہے کام اس سے لیتے ہو تم، زمین اللہ نے پیدا کی ہے کام اس سے لیتے ہو تم بیج کا درختوں کو اگانے کا، لیکن نہ درخت تم نے پیدا کیا نہ بیج تم نے پیدا کیا نہ زمین تم

نے پیدا کی، تمہاری بنائی ہوئی کوئی چیز نہیں (البتہ) استعمال کرنے کی کچھ قوت ہے تمہارے اندر، تو حاصل یہ نکلا کہ رزق دینے والے حق تعالیٰ ہیں وہ دانے کا رزق ہو کھانے کا رزق ہو، کپڑے کا رزق ہو، ہتھیار کا رزق ہو، عقل کا رزق ہو، قوتوں کا رزق ہو، دینے والے وہ ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ اپنی دی ہوئی چیزیں چھین لے تو کیا حشر ہو؟

اچھا اگر وہ اپنے رزق کو چھین لیں پھر تم کیا کرو گے تمہارے قبضے میں تو نہیں، ایک بارش رک جائے، دانہ نہ ہو تو بیٹھ جاتے ہیں حضرت انسان اب آگے کچھ نہیں، بارش صرف روک دے اور بارش تو خیر سال بھر میں آتی ہے ہر وقت تو آپ دھوپ سے اور ہوا سے کام لیتے ہیں ایک منٹ کے لئے وہ اپنی ہوا نکال لے اب کیا ہوگا؟ بس سانس گھٹ کر ختم ہو جائے گا انسان، یہ کل آپ کی طاقت ہے تو اسی کے دیے ہوئے رزق پر غرہ اور اسی کا مقابلہ کرنا اس سے زیادہ حماقت اور سفاہت اور کیا ہوگی، کوئی اپنی چیز لاتے جو خدا کے مقابلے پر استعمال کرتے تو اپنی چیز تو کیا ہوتی تم خود بھی اپنے نہیں تم نے خود بنالیا ہے آپ کو؟ بنانے والے نے بنایا ہے تم کون ہو جب تم خود نہیں بنے اپنے آپ تو بقیہ چیزیں تم کیا بنا سکتے ہو تو جو کچھ ہے وہ رزق دیا ہوا اللہ کا تو اَمَّنْ هٰذَا الَّذِىْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ اگر اللہ اپنا رزق روک لے تو وہ کون ہے جو اللہ کے مقابلے پر آ کے تمہیں رزق دے گا؟ اچھا ہم بارش روک لیتے ہیں اور ساری مخلوق کو اکٹھا کر لو کہ وہ تمہیں رزق دے تو کہاں سے دے دے گی اس لیے کہ دارومدار بارش پہ اور وہ قبضے میں اس کے، ہم نے رزق روک لیا تو جس کا رزق ہم روکنا چاہیں وہ کون ہے جو تم کو رزق دے دے، ہم نے رزق روک لیا تو کون ہے جو دروازے رزق کے تمہارے اوپر کھول دے بات کیا ہے بَلْ لَّجُّوْا فِىْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ سوائے اس کے کہ یہ بدک رہے ہیں سوائے اس کے کہ سرکشی پر ہیں اور ڈھٹائی پر جمے ہوئے ہیں۔ ہٹ دھرمی کے سوا کوئی حجت ان کے ہاتھ میں نہیں، نہ عقل کی، نہ حس کی، نہ طبع کی، نہ تو ی کی، کوئی چیز ان کے قبضے میں نہیں ہے ڈھٹائی پر آمادہ ہیں اور وہ ڈھٹائی انہی کے انجام کو خراب کرے گی اللہ میاں کا کچھ بھی نہیں بگڑے گا، اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں۔ بَلْ لَّجُّوْا فِىْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ۔

کفار کی مثال:

تو اب ان کی مثال ایسی ہوگی کہ جیسے ایک شخص تو وہ ہے کہ سیدھے راستے پر دیکھتی آنکھوں چل رہا ہے اور منزل مقصود کی طرف جا رہا ہے اور ایک وہ ہے کہ ٹیڑھا ترچھا (چلا) اور اوندھا لیٹ گیا اس کے اوپر، آنکھ بھی کام نہیں کرتی، ہاتھ پیر بھی کام نہیں کرتے اور چاہتا یہ ہے کہ منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ تو کون پہنچے گا منزل مقصود پر؟ وہ پہنچے گا کہ جو سیدھے راستے پر جا رہا ہے عقل سے کام لے رہا ہے محسوسات کو دیکھ رہا ہے اپنی قوتوں کو خالق کی راہ میں اختیار اور استعمال کر رہا ہے، رستہ دیکھ کر جا رہا ہے چل رہا ہے، وہ پہنچے گا یا وہ پہنچے گا کہ جو اوندھا لیٹ گیا ہے ہاتھ پیر بھی چھوڑ دیئے آنکھیں بھی زمین میں دھنسا دیں نہ رستہ سامنے نہ منزل سامنے، تو تمہاری مثال وہی ہوگی کہ رستہ کے اوپر ہو مگر اوندھے لیٹ کر، نہ آنکھ سے دیکھتے ہو نہ دل سے سوچتے ہو، نہ غور و فکر کرتے ہو اور چاہتے ہو کہ منزل پر پہنچ جائیں منزل پر تو وہی پہنچیں گے جو متبعین انبیاء ہیں کہ راستے میں پڑے ہوئے ہیں، چل رہے ہیں ہاتھ پیر استعمال کر رہے ہیں، آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، عقل سے حق کا راستہ معلوم کر رہے ہیں، اس کی تائید کر رہے ہیں وہ پہنچیں گے منزل پر تم نہیں پہنچو گے۔ (معارف حکیم الاسلام)

بَلْ لَّجُّوْا فِىْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾

کوئی نہیں پر اڑ رہے ہیں شرارت اور بدکنے پر ☆

یعنی دل میں یہ لوگ بھی سمجھتے ہیں کہ اللہ سے الگ ہو کر نہ کوئی نقصان کو روک سکتا ہے نہ نفع پہنچ سکتا ہے مگر محض شرارت اور سرکشی ہے کہ توحید و اسلام کی طرف آتے ہوئے بدکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَمَنْ يَّمْشِىْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى

بھلا ایک جو چلے اوندھا اپنے منہ کے بل وہ سیدھی راہ

اَمَّنْ يَّمْشِىْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۲﴾

پائے یا وہ شخص جو چلے سیدھا ایک سیدھی راہ پر ☆

مُوَحِّد اور مشرک:

یعنی ظاہری کامیابی کی راہ طے کر کے وہی مقصد اصلی تک پہنچے گا جو سیدھے راستہ پر آدمیوں کی طرح سیدھا ہو کر چلے جو شخص ناہموار راستہ پر اوندھا ہو کر منہ کے بل چلتا ہو اس کے منزل مقصود تک پہنچنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ یہ مثال ایک مواحد اور ایک مشرک کی ہوئی۔ محشر میں بھی دونوں کی چال میں ایسا ہی فرق ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

یہاں اس امر کا اقرار واجب ہے کہ ہموار راستہ پر سیدھا چلنے والا ہدایت یافتہ ہوتا ہے، مومن کی بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ بصیرت کے ساتھ دانش اور (رسول) کے بتائے ہوئے راستے پر وہ چلتا ہے اور کافر نہ دانش سے کام لیتا ہے اور نہ رسول کی بات سنتا ہے اس لئے مومن کافر کے مقابلہ میں ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔

کافر منہ کے بل چلے گا:

قتادہ نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں گناہوں پر اوندھا ہوگا، قیامت کے

دن منہ کے بل چلے گا۔ جب کہ مومن سیدھے چل رہے ہوں گے۔ بخاری و مسلم نے بیان کیا کہ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کافر کو منہ کے بل کیسے چلایا جائے گا فرمایا کہ کیا وہ خدا جو دنیا میں قدموں سے چلاتا ہے قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر قادر نہیں ہے۔ ایسی ہی روایت حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالہ سے ابوداؤدؒ نے نقل کی ہے (گذشتہ کلام میں کافروں کی فریب خوردگی کی صراحت کی تھی) اس جملہ میں ان کی حالت بدکو اور زیادہ واضح کردیا (تفسیر مظہری)

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ حضور لوگ منہ کے بل چل کر کس طرح حشر کئے جائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے پیروں کے بل چلایا ہے وہ منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے صحیحین میں بھی یہ روایت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

کافروں کی مثال:

تو تمہاری مثال اس شخص کی ہے کہ زمین کا راستہ سامنے ہے بجائے چلنے کے اوندھا لیٹ جائے، سب قویٰ کو بے کار کردے، ہاتھ پیر کو بے کار کردے، اس لئے کہ کسی قوت سے بھی کام نہیں لیتے تو اور کیا مثال ہے تمہاری یہ ہی مثال بن سکتی ہے، تو اس کو فرمایا کہ اَفَمَنۡ یَّمۡشِیۡ مُکِبًّا عَلٰی وَجۡہِہٖۤ اَہۡدٰۤی اَمَّنۡ یَّمۡشِیۡ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ آیا وہ شخص جو چل رہا ہے اوندھا چہرے کے اوپر الٹا پڑا ہوا ہے وہ ہدایت پائے گا یا وہ پائے گا جو سیدھے راستے پر سیدھا چل رہا ہے تو جو سیدھے چلنے والے ہیں وہ انبیاؑ ہیں ان کے متبعین ہیں ان کے پیروکار ہیں کہ علم وحی سامنے آیا کانوں سے سنا آنکھوں سے دیکھا عقل سے سوچا اور چل پڑے راستے کے اوپر وہی پہنچیں گے منزل پر وہ نہیں کہ آنکھ بھی بند کرلی یعنی اوندھے لیٹ گئے دل کو بھی بے کار کرلیا یعنی عقل سے بھی نہ سمجھا ہاتھ پیروں کو الٹا ڈال لیا چلنے کے قابل نہ رہے، اور مدعی اس کے ہیں کہ ہم پہنچیں گے منزل مقصود پہ، تو سوائے اس کے کہ اندھا پن کہا جائے اور کیا کہا جائے گا وہ رستہ پر پہنچے گا یا یہ رستہ پر پہنچے گا؟ اس کے بعد فرمایا کہ یہ تو ہے سامان سا ہی مختلف چیزیں ہم نے دیں عقل دی سب کچھ دیا۔

انسان خود اپنی ذات میں غور کرے:

لیکن خود تم اپنے اوپر غور کرو تم کہاں سے آئے؟ آیا تمہیں اللہ نے بنایا یا خود بخود بن گئے تھے تم؟ ظاہر ہے کہ خود بخود تو بنے نہیں اگر خود بخود بن جاتے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وجود تمہارے ہاتھ میں ہے تو اگر وجود ہاتھ میں تھا تو یہ موت کیوں قبول کرتے ہو جبراً؟ کس کا جی چاہتا ہے کہ مرجائے تو اگر وجود ہاتھ میں ہے تو ملک الموت کو واپس کردیا کرو۔ کہ صاحب ہم زندگی دینا نہیں چاہتے، آپ وہاں تو چپ پڑ رہتے ہو، وہاں تو سانس چلنے لگتا ہے۔ جان چھپائی کے لئے تیار ہوجاتے ہو معلوم ہوتا ہے تمہارے ہاتھ میں کچھ نہیں تو جب روکنا زندگی کا تمہارے ہاتھ میں نہیں تو لانا بھی زندگی کا تمہارے ہاتھ میں نہیں۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے — اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

جب ہم پیدا ہورہے تھے تو ہماری درخواست نہیں تھی، خواہش نہیں تھی، دینا تھا جان اللہ کو تو لینی پڑی مجبوراً آنا پڑا چاہے ہمارا جی چاہتا تھا آنے کو یا نہیں چاہتا تھا اور جب لے جائیں گے تو جانا پڑے گا چاہے ہمارا جی چاہے نہ چاہے تو وجود تو آپ کا یہ ہے کہ نہ حیات پہ قبضہ نہ اپنے وجود پہ قبضہ، اور دعوے یہ ہیں کہ اللہ کے احکام میں مین میخ نکالتے ہیں کہ ہم یوں کرڈالیں گے اور قدرت کے چیلنجوں کو منظور کرتے ہیں، بعضے عقل کے اندھے یہ جو درمیان میں بہت سے سیلاب آئے اور انہوں نے بستیوں کو غرقاب کیا، ہزاروں آدمی مارے گئے تو بعض عقل کے اندھوں نے دعویٰ کیا کہ ہم نے بند لگانے شروع کردیئے ہیں اور قدرت کے چیلنج کو ہم نے قبول کرلیا ہے۔ ہم مقابلے کے لئے تیار ہیں اور جو بند باندھے اگلے ہی سال اس میں شق واقع ہوگئے، دراڑ واقع ہوگئے، پھر مرمت شروع ہوئی اور خدا جانے کب تک وہ مرمت کام دے گی خدانخواستہ وہ پھٹ پھٹا گئے تو پھر ساری بستیاں اور جلد ہی غرق ہوگئیں۔ (معارف حکیم الاسلام قاسمی)

قُلۡ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَکُمۡ وَ جَعَلَ لَکُمُ
تو کہہ وہی ہے جس نے تم کو بنا کھڑا کیا اور بنا دیئے
السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡـِٕدَۃَ
تمہارے واسطے کان اور آنکھیں اور دل
قَلِیۡلًا مَّا تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۲۳﴾
تم بہت تھوڑا حق مانتے ہو ☆

حواس کا استعمال:

یعنی اللہ نے سننے کے لیے کان، دیکھنے کے لیے آنکھیں اور سمجھنے کے لیے دل دیے تھے کہ اس کا حق مان کر ان قوتوں کو ٹھیک مصرف میں لگاتے اور اس کی طاعت وفرمانبرداری میں خرچ کرتے مگر ایسے شکرگذار بندے بہت کم ہیں۔ کافروں کو دیکھو کہ ان نعمتوں کا کیسا حق ادا کیا؟ اس کی دی ہوئی قوتیں اسی کے مقابلہ میں استعمال کیں۔ (تفسیر عثمانی)

نکتہ: السمع کو بصورت مفرد ذکر کرلیا لیکن البصر اور الفواد کی یہ حالت نہیں ہے (یہ مصدر نہیں ہیں) اس لئے الابصار اور الافئدۃ کو بصورت جمع ذکر کیا) اس کے علاوہ السمع کو مفرد اور الابصار اور الافئدۃ کو جمع لانے کی ایک وجہ یہ بھی

ہے کہ کان سے ایک ہی نوع کا علم حاصل ہوتا ہے اور آنکھ سے علم حاصل ہونے کی متعدد صورتیں ہیں۔ (رنگ شکل مقدار حُسن وقبح وغیرہ) اور دل سے ادراک بھی مختلف طریقوں سے ہوتا ہے (شک، وہم، ظن، یقین، حصولی حضوری مختلف تصورات وتخیلات وغیرہ۔ (تفسیر مظہری)

سمع وبصر وقلب کی تخصیص:

اس میں اعضاء انسانی میں ان تین اعضا کا ذکر ہے جن پر علم وادراک اور شعور موقوف ہے فلاسفہ نے علم وادراک کے پانچ ذریعہ بیان کئے ہیں جن کو حواس خمسہ کہا جاتا ہے یعنی سننا، دیکھنا، سونگھنا، چکھنا، چھونا، سونگھنے کے لئے ناک اور چکھنے کے لئے زبان اور چھونے کی قوت سارے بدن میں حق تعالیٰ نے رکھی ہے سننے کے لئے کان اور دیکھنے کے لئے آنکھ بنائی ہے، یہاں حق تعالیٰ نے ان پانچ چیزوں میں سے صرف دو کا ذکر کیا ہے یعنی کان اور آنکھ، وجہ یہ ہے کہ سونگھنے، چکھنے اور چھونے سے بہت کم چیزوں کا علم انسان کو حاصل ہوتا ہے اس کی معلومات کا بڑا مدار سننے اور دیکھنے پر ہے۔ اور ان میں بھی سننے کو مقدم کیا گیا، غور کرو تو معلوم ہوگا کہ انسان کو اپنی عمر میں جتنی معلومات ہوئی ہیں ان میں سنی ہوئی چیزیں بہ نسبت دیکھی ہوئی چیزوں کے بدرجہا زائد ہوتی ہیں۔ اس لئے اس جگہ حواس خمسہ میں سے صرف دو پر اکتفا کیا گیا ہے کہ بیشتر معلومات انسانی ان ہی دو راہوں سے حاصل ہوتی ہیں اور تیسری چیز قلب کو بتلایا ہے کہ وہ اصل بنیاد اور مرکز علم کا ہے۔ کانوں سے سنی ہوئی اور آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیزوں کا علم بھی قلب پر موقوف ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

بعض عقل کے اندھے قدرت کی پکار کو چیلنج سمجھ کر مقابلے کی ٹھانتے ہیں:

بعض عقل کے نابینا وہ بھی ہیں کہ وہ قدرت کی پکار کو چیلنج سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے چیلنج مان لیا ہم مقابلہ کریں گے اور طاقت یہ ہے کہ اپنی زندگی بھی اپنے ہاتھ میں نہیں، اپنی قوت بھی اپنے ہاتھ میں نہیں، تو فرماتے ہیں ، قُلْ هُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ جن قویٰ پر تم نازاں ہو آنکھ پہ، ناک پہ، یہ دینے والا کون ہے هُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَكُمْ وہی ہے جس نے تمہیں ابتداء میں بنایا اور از سر نو بنایا اور وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ تم میں سننے کی طاقت رکھی کہ کچھ معلومات سن کر حاصل کرو، آنکھوں میں دیکھنے کی طاقت رکھی کہ کچھ معلومات دیکھ کر حاصل کرو، دل میں بوجھنے کی طاقت رکھی، تاکہ غور وفکر سے کچھ معلومات میں اضافہ کرو، یہ ساری قوتیں حق تعالیٰ نے دیں اور عجیب صناعی کے ساتھ دیں۔

انسانی دل ایک عجیب کائنات ہے:

قلب کو ایک عجیب کائنات بنایا اللہ نے اس قلب کے اندر، محققین لکھتے ہیں کہ دو دروازے ہیں، قلب کے ایک نیچے کی طرف کھڑکی کھلی ہوئی ہے قلب میں ایک اوپر کی طرف اوپر کی کھڑکی کھلتی ہے، تو عالم غیب کے مشاہدات کرتا ہے وحی اور الہام ربانی اور جمالات اور خداوندی کو دیکھتا ہے، عالم غیب منکشف ہوتا ہے اور نیچے کی کھڑکی سے دیکھتا ہے تو محسوسات نظر پڑتے ہیں دریا اور پہاڑ اور جنگل تو محسوسات کے نیچے کے سوراخ سے دیکھتا ہے تو مغیبات کو اوپر کے سوراخ سے دیکھتا ہے، قلب ایک ہی ہے لیکن اس میں بینائیاں دو قسم کی رکھی ہیں، ایک اوپر کے دیکھنے کی اور ایک نیچے سے دیکھنے کی۔

ایک ظاہری چیز دیکھنے کی، اور ایک باطنی چیز دیکھنے کی، ظاہری چیزوں کے دیکھنے کے لئے آلات بنائے، قلب کے لئے آنکھ بنائی تاکہ شکلیں اور صورتیں دیکھے، کان بنائے تاکہ آوازوں کو سنے، زبانیں دیں تاکہ ذائقوں کو چکھیں، ناک دی تاکہ خوشبو اور بدبو کو سونگھے تو شئی کی صورت بھی دیکھتا ہے، انسان شے کی خوشبو اور بدبو کا بھی ادراک کرتا ہے۔ شے کی آواز بھی سنتا ہے، آوازیں سن کر بچاؤ بھی کرتا ہے۔ اپنے کام بھی نکالتا ہے اگر شیر کی دھاڑ سنی، تو بچنے کی کوشش کرتا ہے تو کان ذریعہ بنتے ہیں بچنے کا، اور اگر آواز سن لی کسی اچھے خوشنما پرندے کی تو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے کہ گھر کی زینت بناؤں گا تو کان ذریعہ بنا منافع حاصل کرنے کا بھی اور مضار یعنی مضرتوں سے بچنے کا بھی، اسی طرح سے آنکھ ذریعہ بنتی ہے، چیزوں کے لینے کا بھی، اور چیزوں سے بچنے کا بھی، اگر صورت دیکھ لے سانپ کی تو بھاگتا ہے آدمی، اگر صورت دیکھ لی کسی اچھے خوشنما پتھر کی سونے کی چاندی کی، دوڑتا ہے اس کو اٹھانے کے لئے، اگر آنکھ نہ ہوتی تو نہ نفع حاصل کر سکتا، نہ مضرت سے بچ سکتا، تو آنکھ کو اللہ نے ذریعہ بنایا دور سے دیکھ کر منافع حاصل کرنے کا اور مضرتوں سے بچنے کا، بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ سامنے نہیں ہیں، ان کی آواز بھی نہیں آتی، لیکن ان کی بدبو اور خوشبو سے سمجھ لیتا ہے، کہ یہاں فلاں چیز موجود ہے، شیر کی منہ کی بدبو ہوتی ہے، اگر وہ سامنے بھی نہیں تو اسکے منہ کی بدبو دور تک سونگھ سکتا ہے آدمی سمجھ لیتا ہے کہ یہاں شیر موجود ہے، بھاگتا ہے وہاں سے، اور اگر دوسرا جانور ہے، اس کی بو آئی اور وہ استعمال کا ہے تو شکار کرنے کی کوشش کرتا ہے، تو ناک ذریعہ بنتی ہے بہت سی چیزوں سے بچنے کا اور بہت سی چیزوں کے حاصل کرنے کا، اسی طرح سے ذائقہ، بعضی چیزوں کو چکھ کر آدمی محسوس کرتا ہے کہ یہ مضر ہوں گی، اس کا ذائقہ بتلا رہا ہے کہ یہ مضر ہے بعض ذائقے ہیں جو فرحت بخشتے ہیں۔ انہیں حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

آنکھ، ناک، کان وغیرہ آلات ہیں اور ادراک کرنا دل کا کام ہے

تو آنکھ، ناک، کان، منہ، یہ تمام چیزیں آلات ہیں، مگر حقیقت میں ان

ساری چیزوں کا ادراک کرنے والا قلب ہے، یہ سب خدام ہیں اس کے آنکھ حقیقتاً خود نہیں دیکھتی، دل دیکھتا ہے، یہ عینک چڑھی ہوئی ہے دل کے اوپر، آنکھ، آنکھ خود نہیں دیکھتی بسا اوقات آپ کسی بازار میں چلے جا رہے ہیں اور بڑے اعلیٰ اعلیٰ مناظر، بڑی بہترین دکانیں اور روشنیاں ہیں، گھر آ کر دوسرا کہتا ہے کہ بھئی بڑے بڑے تماشے تھے، آج تو بازار میں، آپ کہتے ہیں کہ مجھے تو کچھ بھی نظر نہیں پڑا، کہتا ہے میاں آنکھیں تو کھلی ہوئی تھیں، افوہ میں تو فلاں خیال میں غرق تھا، مجھے تو کچھ نظر نہیں آیا، معلوم ہوا کہ آنکھ دیکھنے والی نہیں ہے، دل دیکھنے والا ہے، دل متوجہ ہے، دوسری طرف کچھ نظر نہیں آتا آپ کسی دھیان میں پڑے ہوئے ہیں اور زور سے گھنٹہ بجا آپ کو پتہ بھی نہ چلا، دوسرے نے کہا کہ میاں تم نے نماز نہیں پڑھی، وہ گھنٹہ جو بج گیا تھا۔ اور تم نے افطار نہیں کیا، وہ اتنا بڑا گولا چھوٹا تھا، ارے ہے! میں نے تو سنی ہی نہیں ارے میاں! بڑے زور سے بجا تھا، کہتے ہیں، افوہ میں تو فلاں خیال میں لگا ہوا تھا، مجھے تو دھیان ہی نہ آیا، معلوم ہوا دل سنتا ہے، کان نہیں سنتا، جب دل متوجہ ہے تو کان سنے اور دل متوجہ نہیں تو کھلے ہوئے کان نہیں سنتے، اسی طرح سے ذائقہ کی بات ہے، بعض دفعہ دھیان نہیں ہوتا، تو نہ کھٹے کا ذائقہ آتا ہے نہ میٹھے کا۔

ایک واقعہ: مجھے ایک واقعہ یاد آیا، حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے سالے تھے۔ حاجی مقبول صاحب بڑے بزرگ لوگوں میں سے تھے، حضرت ہی کے یہاں رہتے تھے، ان کا کھانا وانا سب وہیں تھا، اتفاق سے دو تین دن سے روزانہ چنے کی دال پک رہی تھی، انہوں نے بہن سے شکایت کی کہ روزانہ چنے کی دال کوئی اور دال پکا لیا کرو، خیر انہوں نے اگلے دن ماش کی دال پکالی، کھانا کھانے کے بعد کہنے لگے آج بھی وہی چنے کی دال پکائی تھی، انہوں نے کمر میں دو ہنٹر ماری، اندھے یہ دال چنے کی ہے کہ ماش کی؟ اخوہ، مجھے وہی دھیان رہا جو تین دن سے تھا، اسی دھیان میں کھاتا رہا۔ مجھے وہی مزہ آتا رہا جیسے چنے کا تھا معلوم ہوتا ہے کہ زبان نہیں چکھتی بلکہ دل ہے چکھنے والا۔ اگر دل متوجہ ہو جائے تو آدمی متوجہ ہو کر سب کچھ چکھ لیتا ہے، دل متوجہ نہ ہو نہیں چکھتا، تو اصل میں دیکھنے والا بھی دل ہے، سننے والا بھی دل ہے، چکھنے والا بھی دل ہے تو دل عجیب چیز نکلا، وہ ان تمام خدام کو استعمال کر رہا ہے محسوسات کو دیکھتا ہے۔

دل اشیاء کا صرف ادراک ہی نہیں کرتا بلکہ انہیں اپنے اندر محفوظ بھی کر لیتا ہے

اچھا اب اس کے بعد پھر ایک عجیب کائنات دل کی یہ بھی ہے کہ ان ساری چیزوں کے ذریعے اس نے دیکھ بھی لیا، سن بھی لیا، چکھ بھی لیا، چکھنے کے بعد وہ ذائقہ غائب ہو جانا چاہیے تھا، دیکھنے کے بعد صورت غائب ہو جانی چاہیے تھی لیکن دل نے اتنا قبول کیا کہ اب وہ شئی سامنے نہیں ہے لیکن ذرا آپ نے گردن جھکائی تو وہ شئی دل کے سامنے ہے، یہ کہاں موجود ہے، یہ آنکھ میں تو موجود نہیں، اگر آنکھ میں ہوتی موجود تو دوسری چیزیں دیکھنے کے قابل نہ رہتی وہ چیزیں ہی ٹکراتی رہتیں، تو آنکھ کہاں سے دیکھتی ہے آنکھ دیکھ کر فارغ ہوئی، قلب نے فوٹو اتار لیا اور قلب کے پاس وہ نقشہ موجود ہے اب جب چاہیں گے آپ دیکھ لیں گے کسی شاعر نے کہا ہے ناں کہ

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

بس جہاں مراقبہ کیا، اور سامنے موجود چیز جہاں غور کیا چیز موجود، تو دل فقط دیکھتا ہی نہیں بلکہ نگلتا بھی ہے ان چیزوں کو، دیکھنے میں تو یہ ہے کہ دیکھ لیا باہر باہر کی چیز ہے، دیکھ کر اس کی صورت کو نگل لیتا ہے اپنے اندر اور اس کا نقشہ کھینچ لیتا ہے فوٹو لے لیتا ہے، تو دل ایک بڑا زبردست کیمرہ بھی ہے، تو اس میں صورتیں بھی موجود، ذائقے جو چکھے تھے وہ بھی موجود، آپ کہا کرتے ہیں کہ فلاں صاحب کے یہاں میں نے ایک ایسا عجیب وغریب سالن کھایا کہ آج تک ذائقہ میری زبان میں موجود ہے، وہ زبان میں نہیں وہ دل میں موجود ہے، تو دوسرا ذائقہ مل ملا کے کوئی ذائقہ باقی نہ رہتا خلط ملط ہو جاتا، تو زبان چکھ کر الگ ہوئی اس نے پہنچا دیا قلب کے اندر تو یہ درحقیقت ہرکارے اور خدام ہیں جو صورتیں، آوازیں، ذائقے بٹور کر...... قلب کے سامنے پیش کر دیتے ہیں تو گویا یہ ایک سی، آئی، ڈی ہے جس کے ذریعہ قلب تمام چیزوں کے احوال معلوم کرتا ہے، صورتوں کے بھی، آوازوں کے بھی ذائقوں کے بھی، خوشبو بدبو کے بھی۔

دل نے پانچ دروازے حواس ظاہرہ کے رکھے اور پانچ دروازے حواس باطنہ کے

تو قلب ایک عجیب کائنات نکلی، تو اس نے پانچ دروازے رکھے حواس ظاہرہ کے ان کے ذریعہ محسوسات کو دیکھ کر اپنے اندر لے لیتا ہے اور پانچ ہی پھر حواس ہیں باطنی، قوت وہم اور قوت خیال اور قوت متصرفہ اور قوت عاقلہ تو ان کے ذریعہ سے وہ غیبی چیزیں دیکھتا ہے، علوم میں جب غور کرتا ہے تو نئے نئے علوم اس کے سامنے منکشف ہوتے ہیں یہ ظاہر ہے کہ بدن کے اندر نہیں ہے روح میں ہے اور روح کا کنکشن ہے روح اعظم سے تو وہاں سے علوم اترتے ہیں تو قلب ہی کے اندر یہ خاصہ ہے کہ جب غیب کی طرف متوجہ ہو تو علوم اور کمالات لیتا ہے وہاں سے تو عجیب کائنات اللہ نے بنائی ہے تو یہ اتنی سی ڈبیہ گاجر کی شکل کی سینے کے بائیں جانب پڑی ہوئی ہے لیکن ایک بطن اس کا وہ ہے کہ جو اوپر کی چیزیں منکشف کرتا ہے اور ایک بطن وہ ہے کہ جو نیچے کی چیزیں منکشف کرتا ہے تو اگر انسان اوپر کے دروازے بند کر دے اور صرف نیچے کی چیزیں دیکھے نہ علم ہو نہ کمال ہو نہ اللہ کا اعتقاد ہو نہ وہاں سے علوم ہوں تو وہ اندھا ایسے ہی کام کرے گا جس کی شکایت کی

جارہی ہے کہ اس نے آنکھیں بھی بند کرلیں، ہاتھ بھی سکوڑ لئے کچھ بھی نہیں کررہا اور ایک وہ لوگ ہیں کہ جو محسوسات کو بھی دیکھتے ہیں اور ساتھ میں مغیبات کے علوم بھی ان کے قلب میں ہیں انبیاءؑ کے طفیل سے وہ ان علوم کے ذریعہ سے ان ساریان ساری محسوسات کو اپنی اپنی حد میں رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ان محسوسات کو کہاں کہاں استعمال کرنا چاہیے اور کہاں نہیں، کہاں جائز ہے اور کہاں ناجائز کہاں حرام ہے اور کہاں حلال؟

حرام وحلال کی تمیز علم غیب (وحی) سے ہوتی ہے:

تو حرام وحلال کی تمیز علم غیب سے ہوتی ہے ان محسوسات سے نہیں ہوتی اور وہ سمجھنے والا صرف قلب ہے آنکھ، ناک، کان، یہ حق اور باطل دونوں چیزیں قبول کرتے ہیں آنکھ اگر آپ جائز چہرے پر ڈال لیں جب بھی لذت لے گی اور حرام چہرے پر بھی ڈالیں جب بھی آنکھ لذت لے گی، ہاتھ اگر آپ جائز مال پر ڈالیں اسے بھی گرفت کرلے گا اور اگر رشوت کا مال لیں وہ چھپے گا نہیں ہاتھ میں، اسے بھی قبضہ کرلے گا، اسی طرح سے کان ہے اگر آپ کسی ناجائز آواز پر گانے بجانے پر متوجہ کردیں اس سے بھی کانوں کو لذت ہوگی اور جائز آوازیں ہیں مثلاً تلاوت قرآن ہورہی ہے، ذکر اللہ ہورہا ہے وہ بھی کان لے لیں گے، تو آنکھ حق وباطل میں امتیاز نہیں کرسکتی، کان حق وباطل میں امتیاز نہیں کرسکتا، ہاتھ حق وباطل میں امتیاز نہیں کرسکتا، لیکن قلب وہ ہے کہ امتیاز کرتا ہے حق وباطل میں، اگر غلط چیز آئی تو کھٹکا رہے گا قلب جب تک کہ سچی بات سامنے نہیں آئے گی مطمئن نہیں ہوگا، ناجائز مال آئے گا قلب کے سامنے کھٹکتا رہے گا، چور کے دل میں کبھی اطمینان نہیں ہوگا، ضمیر ملامت کرتا رہے گا کہ برا کیا چاہے نفس مانے نہ مانے تو قلب احساس کرتا ہے حرام کا بھی، حلال کا بھی، جائز کا بھی، ناجائز کا بھی، لیکن یہ کس طرح سے یہی علوم غیب کے ذریعے وحی جو اوپر سے ضمیر میں آرہی ہے چیز اس کے ذریعہ سے حق وباطل کا امتیاز ہوتا ہے ورنہ صورتوں اور شکلوں میں امتیاز نہیں ہوتا حق وباطل کی، تو جن لوگوں نے اوپر کا دروازہ بند کردیا قلب کا، نہ انبیاء کی بات سنی، نہ علم وحی کو قبول کیا، نہ اللہ کے احکام کو لیا ان کے سامنے صرف محسوس زندگی رہ گئی، یہی اینٹ، ڈلا، پتھر، خوشبو یہی چیزیں رہ گئیں اب اس پر چاہے وہ غرور کرے وہ بھی جہالت ہوگی کیونکہ اوپر کا علم نہیں ہے۔ عظمت خداوندی سامنے نہیں ہے اسے غلط استعمال کرے تو کرسکتا ہے اس لئے کہ اوپر کا علم سامنے نہیں ہے جو غلط کو غلط بتاتا اور صحیح کو صحیح، تو ان کی آنکھیں کھلی ہونے کے باوجود اندھی ہیں۔ کان کھلے ہونے کے باوجود بہرے ہیں کہ وہ حق وباطل میں امتیاز نہیں کرسکتے۔

محض صورتوں کو دیکھنا کمال نہیں ان میں امتیاز کرنا کمال ہے:

تو صورتوں کا دیکھنا کمال نہیں، جانور بھی دیکھتا اور بیل بھی دیکھتا ہے صورتیں، ان صورتوں میں یہ امتیاز کرنا کہ یہ دیکھنے کے لائق ہیں یا نہیں یہ حلال یا حرام، یہ قلب کا کام ہے مگر وہی قلب جس کے اندر ایمان کی روشنی ہو جس میں انبیاء علیہ السلام کا طاعت کا جذبہ ہو، ان لوگوں نے جب وہ جذبہ کھو دیا تو ظاہر بات ہے کہ صرف محسوسات رہ گئیں اسی کے چکر میں پڑے رہے نہ عقل کام دے گی نہ علم کام دے گا۔

سائنس اور فلسفہ علم نہیں حس ہے:

آج مجازی طور پر آپ علم کہہ دیں سائنس کو فلسفے کو مگر یہ علم نہیں ہے یہ حس ہے یعنی محسوسات کو دیکھنا تجربات سے اس میں نئی نئی چیزیں پیدا کرتے رہنا یہ بس دیکھنا اور دست کاری ہے۔

علم کسے کہتے ہیں؟

علم کہتے ہیں مغیبات کو یعنی ایسی چیز کے جاننے کو کہ جو آنکھ اور کان سے نہ دیکھی جاسکے، اور علم اللہ کا ہے جو وحی کے ذریعے آتا ہے تو علم کہلانے کا مستحق وہ ہے، یہ جو حسی چیزیں ہیں ان میں حس سے تصرفات کریں گے یہ احساسات سے تعلق رکھتے ہیں اسے حس کہیں گے علم نہیں کہیں گے اور حس جانور میں بھی ہوتی ہے اور انسان میں بھی، جانور کے لاٹھی ماردو گے وہ بھی تکلیف پائے گا۔ انسان کی خصوصیت نہیں اس کو ڈھیلا مارو، وہ بھی جذبہ میں آجائے گا۔ یہ عقل سے تعلق نہیں رکھتا، طبیعت سے تعلق رکھتا ہے حس سے تعلق رکھتا ہے تو یہ جتنی چیزیں ہیں یہ احساسات ہیں علوم نہیں ہیں، علوم کا تعلق ہے مغیبات سے اور وہ جبھی آتا ہے جب قلب کے اوپر کا دروازہ کھلے اور اس دروازے میں وہاں سے آمد شروع ہوجائے علم کی اور کنکشن ہو، تو حاصل یہ نکلا اس آیت کا کہ انہوں نے اوپر کا دروازہ بند کرلیا ہے قلب کا، اور وہ کام نہیں لیتے جو قلب کا کام ہے کہ جائز میں اور ناجائز میں امتیاز کرے صورتیں دیکھنے پر قناعت کررہے ہیں تو پھر کہاں سے انہیں منزل مقصود نظر آئے گی اور پھر یہ سامان بھی جتنا ہے دیکھنے کا یہ بھی ہمارا ہی تو دیا ہوا ہے اس نے خود کہاں پیدا کیا ہے اگر ہم روک لیں تو دیکھ بھی نہ سکے چکھ بھی نہ سکے تو ان طاقتوں کے بل بوتے پر ہمارے مقابلے پر آرہا ہے جن کے خالق ہم ہیں تو حماقت اور جہالت واضح فرمائی گئی اس کو فرمایا قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ کہہ دیجئے اے پیغمبر کہ وہی ہے اللہ جس نے تمہیں پیدا کیا پیدا کرنے والا وہ ہے اور پیدا بھی کیا اس شان سے کہ جن قوتوں پر ناز کرتے ہو وہ اس نے رکھیں سننے کی طاقت اس نے رکھی، دیکھنے کی طاقت اس نے رکھی بوجھنے کی طاقت اس نے رکھی، دل دیا آنکھ دی کان دیے مگر قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ بہت کم ہیں خوشگزار ہیں اللہ کے ان نعمتوں کو نعمت سمجھیں بس یوں سمجھ لیا ہے کہ ہماری ملکیت ہے کون ہے دینے والا تو نہ تو شکر کا کام ہے نہ حمد کا کام ہے تو جب

حمد شکر ہی نہیں اس واسطے اس کا استعمال بھی صحیح نہیں اس لیے کہ ادھر عقل لڑاتے ہی نہیں اور فرماتے ہیں یہ تو ہیں قوتیں اب خود اپنی ذات کو دیکھ لو جس میں یہ قوتیں رکھی گئیں وہ ذات کہاں سے آئی؟ وہ بھی تو اللہ ہی نے بنائی ہے تم خود ہی تو نہیں بنے۔ (معارف حکیم الاسلام)

قُلْ هُوَ الَّذِىْ ذَرَاَكُمْ فِى

تو کہہ وہی ہے جس نے پھیلایا دیا تم کو

الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

زمین میں اور اُسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے ☆

خالق کی طرف واپسی:

یعنی ابتداء بھی اس سے ہوئی انتہا بھی اسی پر ہوگی، جہاں سے آئے تھے وہیں جانا ہے۔ چاہیے تھا کہ اس سے ایک دم غافل نہ ہوتے اور ہمہ وقت اس کی فکر رکھتے کہ مالک کے سامنے خالی ہاتھ نہ جائیں مگر ایسے بندے بہت تھوڑے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تو اس کو فرمایا قُلْ هُوَ الَّذِىْ ذَرَاَكُمْ فِى الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ آپ فرما دیجئے اللہ ہی وہ ذات ہے۔

جس نے تمہیں بکھیر دیا عجیب اعجازی شان سے کہ ایک نفس واحد کو پیدا کیا آدم کو، اور اس کے ذریعے اربوں، کھربوں انسان پوری زمین پر بکھیر دیے تو یہ بکھیرنے والے ہم ہیں یا تم ہو؟ ہم نے ہی تو تمہاری ذات کو دنیا کے اندر بھیجا تو ذات جب ہم نے بھیجی تو ذات میں جو کرامتیں رکھیں ہیں سننا دیکھنا عقل یہ بھی تو ہم ہی رکھنے والے ہیں جو ذات کا دینے والا وہ صفات کا دینے والا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ذات تو تم بناؤ اور صفات میں ہم تمہارے تابع ہو جائیں یا ذات ہم بنائیں اور صفات تم رکھ لو جو ذات بنائے گا وہی صفات بنائیگا۔

سارے بیان کا حاصل:

تو حاصل یہ نکلا کہ اگر اللہ کی قدرت پر غور کرو تب بھی جواب موجود ہے کہ تم اسکی اطاعت کرو اور عبرت پکڑو اور عقل سے غور کرو تو عقل بھی بتلاتی ہے کہ دینے والا جو ہے اسی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اگر حس پر غور کرو تو پرندوں کو دیکھ لو وہی ہے اوپر جانے والا، وہ پتھروں کو اوپر لے جا کر برسا سکتا ہے اگر تاریخ پر غور کرو تو پچھلوں میں ایسے واقعات پیش آچکے ہیں۔ لیکن جب نہ تاریخ سامنے رکھو نہ آنکھ کان کھول کر دیکھو نہ عقل سے دیکھو، نہ ایمان لاؤ تو سوائے ہٹ دھرمی کے اور کیا ہے؟ اس کا حاصل یہ ہے کہ گویا مستعد بن رہے ہو ہمارے عذاب اٹھانے کے لیے تو ہم عذاب بھیجنے والے ہیں ہم نے دنیا میں بھی عذابات دیے ہیں قیامت کا دن بھی رکھا ہے کہ اس میں آخری طور پر عذاب دیں گے اب آگے جب یہ بات ہوگئی تو فرمایا کہ گویا جب تم عذاب ہی چاہ رہے ہو تو اچھا تیار رہو عذاب کے لیے مگر مصیبت یہ ہے کہ انسان کی کٹ حجتی پر کہ تیار ہونے کے باوجود پھر تیار نہیں۔ (معارف حکیم الاسلام)

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور کہتے ہیں کب ہو گا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو ☆

یعنی اکٹھے کب کیے جائیں گے؟ اور قیامت کب آئیگی اسے جلدی بلا لو۔

(تفسیر عثمانی)

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اجی صاحب وہ عذاب کب کو آئے گا، وہ قیامت کب آئے گی۔ اب اس پر بھی یقین نہیں کہ وہ آنے والی ہے اس لئے کہ یقین کا سبب اور اسباب تو پیدا کیے نہیں۔ اس سے کام نہیں لیا تو قیامت کی دھمکی دی کہ اب تیامت مانگنے کو تیار کہ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ یہاں سے پھر آگے قیامت کا اثبات شروع کیا۔ کہ آخری سزا کے لئے قیامت کا دن تیار ہے۔ دنیا میں جب تک گزار رہے ہو گزار لو۔ یہاں بھی عذاب آئے گا اور وہاں بھی عذاب آئے گا۔ یہاں کے عذاب کو ممکن ہے تھوڑا بہت اسباب کے ذریعے ٹال لو گے لیکن قیامت کے دن تو کوئی صورت ہی نہیں ہے ٹلنے کی۔ وہ تو آنے والا ہے چاہے اسے مانگو تم چاہے نہ مانگو۔ اس واسطے آگے قیامت کے ثبوت اور قیامت کے اثبات پر بحث فرمائی ہے۔ اب یہاں سے کل ہوگا ان شاء اللہ دعا فرمائیں۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کو قیامت سے ڈرایا کہ ایک وقت آنے والا ہے کہ پوری دنیا ختم ہو جائے گی اور اس کے بعد ایک نئی زندگی شروع ہوگی تو اس زندگی کے لئے اس زندگی میں کچھ کرو۔ اگر کچھ کر لیا سامان تو اگلی زندگی راحت سے کٹے گی۔ اور اگر نہ کیا یا برا سامان مہیا کیا تو اگلی زندگی تکلیفوں میں کٹے گی۔ اور چونکہ وہ اگلی زندگی دوامی اور ابدی ہے اس لئے راحت کا سامان کیا تو راحت بھی دوامی اور مصیبتوں کے سامان کر لئے تو وہ مصیبتیں بھی دوامی اور ابدی ہونگی جو کاٹے نہیں کٹیں گی۔ اس لئے آپ نے قیامت کو پیش فرمایا، تو اس پر قوم نے جھٹلایا حضور کو جس کی شکایت فرمائی حق تعالیٰ نے کہ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ یہ جو آپ قیامت سے ڈراتے ہیں وعدہ دیتے ہیں وہ کب کو آئے گی۔ وہ آ کیوں نہیں جاتی۔ قیامت؟ تو اگر ہو تو اسے لے آئیے جلدی سے برس ہا برس سے صدیوں سے ہزاروں برس سے وعدے دے رکھے ہیں آپ نے کہ دنیا ختم ہوگی تب وہ آئے گی۔ تو اسے اگر آنا ہے تو وہ جلدی کیوں نہیں آجاتی۔ تا کہ آپ کو بھی ہمیں جھٹلانے کا موقع نہ رہے۔ قیامت سامنے آجائے تو مجبور ہو کر ہم یقین کر لیں۔ یہ سوال کیا کہ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ کب آئے گی وہ قیامت؟

قیامت کے سوال کا منشاء دو چیزیں ہوسکتی ہیں:

اس سوال کا منشاء دو ہو سکتے ہیں اور تھے بھی دو ایک تو یہ کہ بعضے قیامت ہی کے منکر تھے کہ کوئی زندگی اگلی آنے والی نہیں ہے ان کے مزاجوں میں دہریت تھی۔ نہ وہ اس عالم کی ابتداء کے مقر تھے نہ انتہا کے مقر تھے کہ بس یونہی چلا آ رہا ہے قصہ ، یونہی چلتا چلا جائے گا ابد الآباد تک ۔ اِنْ هِيَ اِلَّاحَيَاتُنَا الدُّنْيَانَمُوْتُ وَنَحْيَاوَمَايُهْلِكُنَآاِلَّا الدَّهْرُ یہ زندگی ہماری ، مر رہے ہیں۔ جی رہے ہیں یونہی دیکھتے چلے آ رہے ہیں یونہی دیکھتے ہوئے چلے جائیں گے۔ تو زمانہ ہمیں زندگیاں دے رہا ہے۔ زمانہ ہی آتا ہے وقت گزرتا ہے موت آجاتی ہے، یہی سلسلہ چلتا رہے گا۔ نہ قیامت ہے نہ کوئی ابتداء ہے اس عالم کی، تو کچھ تو دہریہ مزاج تھے کہ جو شروع ہی سے منکر تھے قیامت کے۔

فلاسفہ یونان بھی دہریوں کی طرح قیامت کے منکر ہیں:

جیسا کہ فلاسفہ یونان وہ بھی منکر ہیں قیامت کے، وہ عالم کو قدیم مانتے ہیں کہ ہمیشہ سے ہے دنیا اور ہمیشہ اسی طرح چلی جائے گی نہ کوئی ابتداء ہے اس عالم کی، نہ کوئی انتہا ہے اس عالم کی۔

فلاسفہ ہند بھی قیامت کے منکر ہیں:

فلاسفہ ہند، یہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ ابتداء بھی نہیں ہے اور انتہا بھی نہیں ہے۔ اور اگر ہے بھی انتہا تو وہ انتہائیں بھی ہزاروں آئیں گی۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اتنے ارب اتنے کھرب اتنے کروڑ اتنے لاکھ برس تک یہ قائم رہتی ہے اور پھر پرلو آجاتی ہے قیامت آجاتی ہے۔ عالم مٹ جاتا ہے۔ اور پل بھر میں پھر از سرنو بننا شروع ہو جاتا ہے اور چار بیسی یعنی جو سب سے اول پیدا ہوتے ہیں تبت کے پہاڑ میں ان پر ریت اترتا ہے پھر دنیا چلتی ہے اور چار ارب اور چار کھرب اور چار کروڑ برس تک یہ چلتی رہے گی پھر پرلو آئے گی اور پھر از سرنو سلسلہ شروع ہو جائے گا تو ارواح ان کے یہاں گنتی کی متعین ہیں وہی لوٹ پھیر کر آجاتی ہیں اور مختلف لون بدلتی رہتی ہیں تو ابتداء وانتہاء کے یہ بھی قائل نہیں اور فلاسفہ یونان بھی قائل نہیں یعنی جتنے بھی بندگان عقل ہیں وہ قائل نہیں ہیں۔ قیامت کے ان کا خدا ان کی عقل ہے یہ اس واسطے کہ ان کے عقائد میں یہ چیزیں آئی نہیں کہ ابتداء ہے اس عالم کی، تو درحقیقت خدا کے وجود کے بھی منکر ہیں، ایک نمونہ عرب میں موجود تھا جو منکر تھے قیامت کے تو ایک منشاء تو ان کے سوال کا استہزاء اور مسخرہ پن ہے جو چیز آنے والی نہیں ہے آپ خواہ مخواہ اس سے ڈرا رہے ہیں ہمیں نہ قیامت آوے نہ عالم ختم۔ بعض قائل تھے قیامت کے مگر اس کے مقصد سے واقف نہیں تھے کہ حقیقت کیا ہے قیامت کی، اس کی جہالت کی وجہ سے یہ سوال پیدا ہوا تمسخر آمیز کہ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ کب کو آئے گی وہ قیامت تو قیامت کی حقیقت پیش نظر نہیں یعنی یہ پیش نظر نہیں تھا کہ ایک زندگی ختم ہو کر اس کے ثمرات اگلی زندگی میں نکلیں گے اور اس کے لئے لازمی ہے کہ ایک عالم کو ختم کیا جائے اور دوسرے عالم کی بنیاد ڈالی جائے تاکہ مجموعہ بنی آدم کو نتائج دیکھنے کا موقع ملے اچھے برے۔ یہ ہو نہیں سکتا جب تک کہ ایک جہان بدل کر دوسرا جہان نہ لایا جائے۔ تو بعض اس حقیقت کے منکر تھے۔ قیامت کے قائل تھے مگر حقیقت سے لاعلم تھے۔ اس واسطے یہ سوال کیا کہ کب کو آئے گی یہ قیامت؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا انکار ہو یا قیامت کے مقصد کا انکار ہو یہ اپنی بھی تکذیب ہے اور مشاہدات کو بھی جھٹلانا ہے خود اپنے دیکھے کو جھٹلانا ہے۔

قیامتیں تین ہیں شخصی قرنی کلی۔

اس واسطے کہ قیامت ایک نہیں ہے بلکہ کئی ہیں قیامتیں ایک قیامت ہے شخصی اور ایک قیامت ہے قرنی۔ اور ایک قیامت ہے کلی۔ شخصی قیامت ہر شخص کی موت ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ۔ جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہوگئی۔ تو یہ شخصی قیامت ہے کہ ہر شخص کے اوپر آرہی ہے۔ یعنی ایک زندگی ختم ہوتی ہے اور دوسری زندگی شروع ہوتی ہے۔ تو یہ شخصی زندگی ہے شخصی موت ہے۔ اور شخصی قیامت بھی۔ دوسری قیامت ہے قرنی یعنی ایک نسل کا اختتام جس کا اندازہ تخمینہ سو برس ہے۔ سو برس کے اندر اندر ایک نسل ختم ہو جاتی ہے۔ اور دوسری نسل کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی فرد کی عمر اتفاق سے بہت بڑھ جائے سو دو سو برس ہو جائے۔ تو ایک فرد کا نام زمانہ نہیں ہوتا زمانہ کہتے ہیں اکثریت کو کہ ایک نسل کی نسل آجائے۔ اور نسل کی نسل ختم ہو جائے۔ ایک آدھ فرد رہ جائے۔ تو اس سے نسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تو گویا ایک صدی رکھی گئی ہے ایک نسل کے لیے تخمینہ کے طور پر۔ اس واسطے حدیث میں تجدید کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ کہ دین کو تازہ بہ تازہ کیا جائے گا۔ اور ہر صدی کے اوپر مجدد کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس امت میں نبی تو نہیں آئے گا کیونکہ نبوت آخری ہے لیکن مجدد دین آئیں گے۔ ہر سو برس کے بعد اللہ تعالیٰ مجدد پیدا کرے گا۔ لوگ اپنی خود رائیوں سے دین میں جو خلط ملط کریں گے کچھ بدعات ملا دیں گے کچھ منکرات، مجدد آ کر پھر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دے گا اور پھر از سرنو دین تازہ بہ تازہ ہو جائے گا۔ اس لیے وعدہ کیا گیا ہے کہ ایک طبقہ ہمیشہ اس امت میں حق پر رہے گا۔ کبھی حق منقطع نہیں ہوگا۔ اس سے وہ ایک بیج کی مانند ہوگا۔ اس میں سے کونپلیں پھوٹیں گی۔ اور نئی شاخیں پھر ابھر آئیں گی۔ اور مجدد دین آ کر دین کی تجدید کریں گے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَاْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُلَهَا دِيْنَهَا ۔ کہ اللہ تعالیٰ تازہ بہ تازہ کرے گا۔ اس دین کو ہر صدی پر ہر صدی پر مجدد آئیں گے۔

ہر صدی کے شروع میں مجدد آنے کی حکمت

تو ہر سو برس کے بعد مجدد کا وعدہ اس لیے کیا گیا ہے کہ سو ہی برس ہوتے ہیں ایک نسل کے جب نسل آتی ہے تو نظریات بھی نئے ہوتے ہیں کچھ حالات بھی نئے ہوتے ہیں۔ زمانے میں کچھ ترقی ہوتی ہے ان ترقیات سے نئے نئے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ تو لوگوں میں اشتباہ پیدا ہوتا ہے دین کے بارے میں مجدد آ کر اس قرن کی ضروریات کو سامنے رکھ کر دین کی تجدید کرتا ہے تو پھر دین قلوب میں تازہ بہ تازہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایک نسل کے آغاز اور ایک نسل کے اختتام کا عمومی اندازہ سو برس ہے۔ اس لیے سو برس پر مجدد کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کا حاصل نکلا کہ ہر سو برس کے بعد ایک قیامت قائم ہوتی ہے یعنی ایک نسل ختم ہو کر دوسری نسل کے لیے جگہ چھوڑتی ہے۔ اسے قیامت قرنی کہتے ہیں۔ اور ایک تیسری قیامت ہے جو قیامت کلی ہے کہ پورے عالم پر موت طاری ہو جائے۔ آسمان سے لے کر زمین پہاڑ حتیٰ کہ ملائکہ علیہم السلام ارواح مقدسہ کوئی چیز باقی نہ رہے۔ اور اَحَدِیَّتِ مطلقہ کا ظہور ہو صرف ایک اللہ کی ذات قائم رہے تو جیسے اس کا نام واحد ہے کہ وہ ایک ہے۔ ایسے ہی اس کا نام احد بھی ہے وہ یکتا ہے اور بے مثل و بے مثال تو یکتائی کا ظہور نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ ہر چیز مٹ کر تنہا ذات واحد نہ رہ جائے۔

عالم دنیا اللہ تعالیٰ کی صفات کے ظہور کے لیے بنایا گیا

یہ عالم اللہ نے بنایا ہے اپنی صفات کے اظہار کے لیے تو تمام صفات ظاہر ہوں گی رحمانیت بھی ظاہر ہو رہی ہے غفوریت بھی ظاہر ہے رزاقیت بھی ظاہر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت احدیت کے ظہور کے لیے قیامت کا آنا ضروری ہے

احدیت کا کوئی ایسا ظہور کہ کوئی نہ ہو اور وہ ہو یہ جب ہی ہو گا۔ جب پورے عالم کا نظام ختم کر دیا جائے۔ اور اس کے بعد پھر ایک نظام لایا جائے تو احد کی صفت کے ظہور کے لیے قائم کی گئی ہے تو ایک قیامت شخصی ہوئی ایک قرنی ہوئی اور ایک قیامت کلی ہوئی۔ دو قیامتیں وہ ہیں جو ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے ہر انسان جب مرتا ہے اس کی قیامت قائم ہوئی یہ ہر ایک کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ تو جس عالم کے اجزاء پر قیامتیں آ رہی ہیں۔ کیسے ممکن ہے کہ اس کے کل پر قیامت نہ آئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں فنا کے قبول کرنے کی صلاحیت ہے۔ جبھی تو ہر جز اس کا موت کی طرف جاتا ہے۔ اگر اس عالم میں صلاحیت نہ ہوتی موت کے قبول کرنے کی تو ایک فرد بھی اس کا نہ مرتا۔ ایک جز میں بھی تغیر نہ ہوتا۔ سارے اجزاء علی حالہ باقی رہتے۔ لیکن جب ایک جزء موت کی طرف جاتا ہے تو مجموعہ بھی یقیناً موت کی طرف جائے گا۔ ان اجزاء کے مجموعہ کا نام ہی تو عالم ہے۔ اب انفرادی طور پر یہ اجزاء جتنے ہیں ایک وقت آئے گا مجموعہ مل کر مٹ جائے گا۔ پورے عالم پر موت طاری ہو جائے گی۔ جس کے ایک جز میں یہ خاصیت ہے وہ کل کے اندر بھی ہو گی۔ ورنہ اجزاء میں وہ بات پیدا نہ ہوتی اجزاء میں خاصیت کل سے آتی۔ تو موت شخصی قیامت شخصی ہم روز دیکھتے ہیں ہر فرد پر۔

عالم دنیا کے ہر جز پر موت طاری ہوتی ہے

انسان ہی نہیں جانور بھی مرتے ہیں۔ اور جانور ہی نہیں تمام اجزاء مرتے ہیں ایک پتھر رکھا صحیح سالم وہ ٹوٹ گیا۔ اس کی ہیئت کذائی مٹ گئی۔ درخت ہیں ان پر موت طاری ہوتی ہے۔ بعضے درختوں کی عمر سال بھر ہے جیسے پپیتا سال بھر میں اگا اس کے بعد نئی شاخ پھوٹ آئی۔ یا کیلا ہے کہ سال بھر رہا اس کے بعد مٹ گیا۔ بعضے درختوں کی عمر بھی زیادہ ہوتی ہے۔ بعضوں کی سو سو برس ہوتی ہے۔ تو جس طرح سے بنی آدم میں عمریں مختلف ہیں نباتات میں بھی مختلف ہیں تو نباتات بھی مرتے ہیں جمادات بھی مرتے ہیں۔ حیوانات بھی مرتے ہیں۔ انسان بھی مرتے ہیں تو جب اس سارے عالم کے سارے اجزاء موت کو قبول کرتے ہیں تو عقل بتلاتی ہے کہ مجموعہ بھی قبول کر لے گا۔ اس کے اندر موت آنے کی صلاحیت موجود ہے۔ تو جو لوگ روزانہ دیکھتے ہیں قیامت کو آتے ہوئے وہ کیسے انکار کر سکتے ہیں۔ مجموعہ قیامت کا یہ تو اپنے مشاہدہ کو جھٹلانا ہے۔

قیامت کا انکار خود اپنے آپ کو جھٹلانا ہے

تو قیامت کا انکار کرنا خود اپنی تکذیب ہے اپنا انکار کرنا ہے۔ ورنہ جو منکر ہیں قیامت کے انہیں چاہیے کہ وہ مرا نہ کریں اور ملک الموت کا مقابلہ کریں۔ اور کہہ دیں کہ ہم میں صلاحیت نہیں ہے موت آنے کی۔ ہم میں تو ابد الاباد تک رہنے کی صلاحیت ہے لہٰذا ہم مرنا نہیں چاہتے۔ اگر وہ اس پر قادر ہوتے تو عالم کے بارے میں بھی دعویٰ کر سکتے تھے۔ کہ اس عالم پر بھی موت نہیں آئے گی۔ جب اس کے اجزاء پر نہیں آتی تو کل پر بھی نہیں آئے گی۔ لیکن جب آتی ہے اجزاء پر تو کل پر آنا ممکن ہے۔ اس واسطے یہ اپنے مشاہدے کی تکذیب ہے اب دوسری چیز یہ ہے کہ قیامت کا مقصد پیش نظر نہیں ان کے جس سے وہ انکار کرتے ہیں۔

قیامت کا مقصد:

قیامت کا مقصد یہ ہے کہ پہلی زندگی میں کچھ سامان کیا جائے۔ تا کہ اگلی زندگی میں کار آمد ثابت ہو۔ اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس موت کا علم بھی ہو یہ علم ہونا چاہیے کہ یہ زندگی ختم ہو گی تو آدمی سامان کرے گا اگلی زندگی کا۔ مثلاً ایک شخص مرتا ہے تو کیا وہ اپنی زندگی میں اس کی فکر نہیں کرتا۔ کہ میں اپنی اولاد کے لیے کچھ کر جاؤں تا کہ کل کو آنے والے مجھے برا بھلا نہ کہیں۔ اس واسطے آدمی جائیداد خریدتا ہے تجارتیں قائم کرتا ہے۔ کمپنیاں بناتا ہے کہ میں ہی نہیں

میری اولاد کے بھی کام آئے۔ اس کو یقین ہے کہ میں گزر جاؤں گا۔ اس عالم سے تو میری نسل مصیبت میں نہ پڑے۔ احادیث میں بھی ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم بجائے اس کے کہ مرتے وقت اولاد کے ہاتھ میں بھیک کا ڈھوگرا دے جاؤ۔ یہ بہتر ہے کہ ایسا سامان کر جاؤ۔ کہ تمہاری اولاد خوشحالی کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ یعنی تنہا اپنی فکر نہ کرو۔ بلکہ اپنی اولاد کی بھی فکر کرو۔ تو اولاد کی فکر آدمی اسی زندگی میں تو کرتا ہے۔ اور کرتا ہے اگلی زندگی کے لیے۔ تو کیا وہ یہ پوچھا کرتا ہے کہ صاحب پہلے سے بتلا دو کہ کون سی تاریخ میری موت آئے گی۔ جب میں یہ سامان کروں اولاد کے لیے۔ وہاں مطلقاً اتنا کافی ہے۔ کہ موت کا علم ہو کہ آئے گی ضرور۔ کب آئے گی کون سی تاریخ پہ آئے گی یہ ضروری نہیں۔ جب تم اپنی شخصی زندگی کو جانتے ہو۔ کہ ایک زندگی میرے بعد آئے گی۔ مجھے نیک نامی کا سامان کرنا چاہیے۔ اور اس کے لیے یہ لازم نہیں کہ موت کے وقت کا علم ہو۔ تو مجموعہ عالم کی موت میں کیوں سوال کرتے ہو۔ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ کون سی تاریخ کو آئے گی قیامت۔ بھئی جیسے تمہیں شخصی موت کے وقت کا علم نہیں اسی طرح اگر مجموعہ قیامت کا علم بھی نہ ہو دن تاریخ کا تو اس میں کیا نقصان بیٹھتا ہے؟ وہاں بھی بلا تاریخ کے علم کے اگلے سامان کرتے رہو۔ یہاں بھی تم اس زندگی کے بعد اگلی زندگی کا سامان کرو۔

قیامت کے دن کے لیے وہاں تاریخ نہیں پوچھتے یہاں کیوں پوچھتے ہو؟ وہاں کیوں نہیں کہتے کہ صاحب موت کب آئے گی پہلے مجھے یہ علم ہو کہ جنوری کی فلاں تاریخ میں میرا انتقال ہوگا۔ جب تو میں اپنی اولاد کے لیے کچھ آئندہ کا سامان کروں۔ اور اگر یہ علم ہی نہ ہو مرنے دو اولاد کو بھی جانے دو۔ جب وہاں سوال نہیں کرتے یہاں بھی سوال نہیں کرنے چاہئیں۔ اسی طرح سے قرنی قیامت قائم ہوتی ہے ایک نسل ختم ہوتی ہے۔ دوسری نسل آتی ہے یہ نسل بھی تو سامان کرتے رہے گی۔ کہ ہماری اگلی نسلیں ٹھیک رہیں۔ اگر کسی نسل میں حکومت ہے تو وہ اپنے دم بھر صحیح حکومت کرے گی۔ کہ میرے خاندان میں باقی رہے یہ حکومت میری قوم میں باقی رہے۔ دوسری قوم اس پر غالب نہ آئے۔ تو کیا وہ یہ پوچھا کرتی ہے کہ ایک صدی کی کون سی تاریخ کون سے منٹ میں یہ تاریخ ختم ہوگی جب تو ہم سامان کریں اگلی نسل کے لیے۔ اور جب معلوم نہ ہو تاریخ تو نہ کریں کوئی اس کی فکر نہیں کرتا۔ اسے اتنا معلوم ہے کہ سو برس میں اندازاً ایک نسل گذر جائے گی۔ وہاں وہ کبھی نہیں پوچھتے مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ یہ کب کو آئے گی؟ کون سی تاریخ ہوگی؟ جب وہاں بلا تاریخ کے علم کے اگلی نسلوں کا بندوبست کرتے ہو۔ تو یہاں بلا علم تاریخ کے کیوں نہیں کرتے قیامت کا بندوبست قیامت کے بعد کی زندگی کی فکر کیوں نہیں کرتے۔ معلوم ہوا کہ تمہارا سوال مہمل ہے۔ محض ٹال مٹول کے لیے سوال کر رہے ہو۔ کوئی معقول سوال نہیں ہے اگر معقول ہوتا۔ تو شخصی موت میں بھی یہ سوال کرتے۔ اور قرنی موت میں بھی یہ سوال کرتے لیکن وہاں نہیں کرتے اسے غیر معقول جانتے ہو۔ تو کلی قیامت میں اس سوال کو کیوں تم نے معقول سمجھا؟ یہاں بھی غیر معقول تو اصل میں قیامت کے مقصد کا علم نہیں ہے مقصد یہ ہے کہ اس زندگی میں کچھ کر جاؤ تا کہ اگلی زندگی میں کام آ جائے۔ یہ ایک مقصد ہے۔ یہ شخصی قیامت میں بھی ہے قرنی قیامت میں بھی ہے کلی قیامت بھی ہے تو یا تو اس کا علم نہیں۔ یا جان بوجھ کر اپنے کو جاہل بنا رکھا ہے۔ ٹال مٹول کر کے دعوے کو رد کرنا ہے۔ اس واسطے سوال کرتے ہو تو یہ حاصل نکلا کہ قیامت کا آنا یہ آنکھوں دیکھی چیز ہے۔ روزانہ قیامتیں آنکھوں سے دیکھتے ہیں جب مشاہدہ ہے تو انکار کرنا اس کو جھٹلانا ہے۔ اپنے مشاہدہ کو وہ اپنی تکذیب سے وہ خدا کی تکذیب نہیں اللہ کا وعدہ اپنی جگہ سچا ہے وہ اس درجے کا ہے ہی نہیں کہ کوئی اس کو جھٹلا سکے۔ اسے جھٹلانے والا اپنے کو جھٹلا رہا ہے۔ جیسے ایک موقع پر فرمایا اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ یہ جو اللہ کو جھٹلا رہے ہیں۔ درحقیقت اپنے نفس کو جھٹلا رہے ہیں اپنے کو دھوکے میں ڈال رہے ہیں۔ تو مشاہدہ کا انکار خود اپنا انکار ہے۔ جب آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ کہ قیامتیں روزانہ ہیں۔ تو پھر قیامت کا انکار وہ اپنے مشاہدے کی تکذیب ہے اور اپنی آنکھوں دیکھی بات کو جھٹلانا یہ اپنے کو جھٹلانا ہے خدا کو جھٹلانا نہیں وہ بری ہے اس سے کہ کوئی اس کو جھٹلائے اس کو تو یہ ہے مشاہدہ۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ قیامت آنی چاہیے

اور جہاں تک عقل کا تعلق ہے تو عقل بھی اس کی موید ہے کہ قیامت آنی چاہیے۔ عقل خود شاہد ہے۔ اس واسطے کہ یہ ایک عقلی قاعدہ ہے کہ جو چیز مخلوط ہوتی ہے۔ چند اجزاء سے جب تک کہ اسے توڑ کر اجزاء الگ الگ نہ نکالے جائیں۔ وہ نفع نہیں دیتی۔ جب اس کے اجزاء الگ الگ چیزوں کو نفع پہنچاتے ہیں۔ تو مجموعہ کو توڑ پھوڑ کر جب تک اجزاء الگ نہیں کر دیئے جائیں گے۔ وہ نفع بخش ثابت نہیں ہوں۔ مثال اس کی ہے کھیتی۔ ایک کسان نے کھیتی بوئی جو۔ اور چھ مہینے کے بعد کھیتی لہلہا اٹھی۔ آنکھیں بھی اس کو دیکھ کر لے رہی ہیں۔ اور کاشتکار کا دل بھی خوش ہے۔ کہ اب میرے لیے موقع آ گیا ہے۔ میرا گھر بھرے گا۔ بہت خوش لیکن جب کھیتی پک گئی دانے پختہ ہو گئے۔ تو وہی کسان جس نے خون پسینہ ایک رنگ کر کے اس کھیتی کو پروان چڑھایا تھا۔ درانتی لے کر خود ہی اسے کاٹنا شروع کر دیا۔ اور ساری کھیتی کو اجاڑ کر رکھ دیا کاٹ ڈالا۔ پھر اسی پر بس نہ کی۔ کہ کھیتی کاٹ دی ہو۔ کھیتی کاٹ دی ہو کھیتی کا کاٹ کر کھلیان میں جمع کیا اور اس کے بعد بیل چلا کر اسے چکنا چور کرنا شروع کیا۔ ریزہ ریزہ کر دیا۔ پھر اسی پر بس نہیں کرتے کسان کاٹنے کے بعد خود اپنے پیروں سے نہیں بلکہ بیلوں کے پیروں سے روندوایا اس کے بعد تھال میں لے کر اڑاتے ہیں۔ جو ساری بکھر کر الگ الگ ہو جائے۔ اگر کوئی کاشتکار یوں کہے کہ بیوقوف، چھ مہینے کی خون پسینے کی کمائی تیری تو نے

ہی اسے آباد کیا تھا۔ پروان چڑھایا تھا۔ اور بیوقوف اپنے ہی ہاتھ سے اجاڑ دیا اس کو۔ یہ تو نے بڑی غلطی کی۔ غیر معقول بات کی۔ اپنی پروان چڑھائی ہوئی کھیتی کو کاٹ ڈالا ریزہ ریزہ اور چکنا چور کر دیا۔ تو وہ یہ کہے گا کہ بیوقوف تم ہو سوال کرنے والے میں نے عقل مندی سے کام لیا اور اس لیے کہ میری کھیتی میں بھوسہ اور جو مخلوط تھے۔ بھوسہ غذا ہے بیلوں کی اور جو غذا ہے انسانوں کی جب تک میں اسے کاٹ کر چکنا چور نہ کروں بھوسہ الگ نہیں ہو سکتا تھا دانے سے۔ جب میں نے الگ کر دیا بھوسہ تو گیا جانوروں کے پیٹ میں اور دانہ گیا انسانوں کے پیٹ میں اپنے اپنے ٹھکانے پر ہر چیز پہنچ گئی۔ مجموعی کھیتی اگر نہ توڑی جاتی نہ چکنا چور کی جاتی تو ہر ایک کو اپنی اپنی غذا نہیں مل سکتی تھی یہ جواب معقول ہوگا اس کا سوال نامعقول ہوگا۔

دنیا آخرت کی کھیتی ہے

فرماتے ہیں اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الاٰخِرَۃِ یہ دنیا کھیتی ہے آخرت کی اس میں کفر اور اسلام حق اور باطل سچ اور جھوٹ سب رلا ملا چل رہا ہے دونوں چیزیں الگ الگ ہیں ایک دوسرے کے منافی ہیں مگر یہاں رلی ملی چل رہی ہیں۔ ایک حقانی دلائل پیش کرتا ہے ایک باطل پسند کچھ ملمع سازی کر کے حق کو باطل میں ملا کر پیش کر دیتا ہے وہی اپنے باطل کو حق ثابت کر رہا ہے بہت لوگ جو زیرک ہیں دانش مند ہیں وہ تو اصلیت کا پتہ لگا لیتے ہیں مگر ہزاروں بہک بھی جاتے ہیں۔ پھر دلائل کو ایسی ملمع سازی سے پیش کریں گے لوگ کہ اہل حق تو بے چارے بیٹھے رہ جائیں گے۔ اور باطل کو فروغ ہو جائے گا۔ تو دنیا میں حق اور باطل سچ اور جھوٹ اخلاص اور نفاق کفر اور اسلام سب خلط ملط چل رہا ہے اور ہر ایک مدعی ہے کہ میں حق پر ہوں۔ الگ نہیں کہ دودھ الگ ہو پانی الگ ہو، عقل لڑا کر غور کرو تو الگ ہوتا ہے ورنہ دیکھنے میں بالکل یکساں ہیں ہیرا بھی یکساں ہے اور کانچ کا ٹکڑا بھی یکساں ہے اب جوہری تو کم ہوتے ہیں جو ہیرے کو الگ کر دیں اور کانچ کے ٹکڑوں کو الگ سارے تو جوہری نہیں وہ کہیں گے بھئی یہ جو نقلی ہے یہ بھی وہی ہے اصلی ہے وہ بھی وہی ہے ہمیں تو کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔

دنیا میں سب چیزیں خلط ملط ہیں آخرت میں سب کو الگ الگ کر دیا جائے گا

تو دنیا میں دونوں چیزیں چل رہی ہیں خلط ملط، حق تعالیٰ نے اس دنیا کی کھیتی کو پروان چڑھایا ہزاروں ہزار برس سے اس کو پانی دیا، سینچا لہلہا اٹھی اور قیامت کے دن اپنے ہی ہاتھوں سے سب کچھ چکنا چور کر کے تباہ و برباد کر دیں گے۔ آسمان نیچے گر پڑے گا۔ چاند سورج کے ٹکڑے، زمین کے ٹکڑے پانی مٹی یہ سب گڈ مڈ ہو کر خلط ملط جائے گا۔ اگر کوئی حق تعالیٰ سے سوال کرے کہ آپ ہی نے تو اس کھیتی کو پروان چڑھایا تھا۔ ہزار برس آپ کی قدرت نے اسے سینچا اور بنایا اور اپنے ہی ہاتھوں اجاڑ دیا۔ فرمائیں گے اس میں کفر اور اسلام، حق و باطل ملا ہوا تھا۔ اس میں حق اور حقانی لوگ یہ غذا ہیں جنت کی اور کفر اور کفر والے لوگ یہ غذا ہیں جہنم کی۔ جب تک اس کھیتی کو کاٹ کر اجزاء الگ الگ نہ کر دیئے جائیں تو جنت کی غذا الگ نہیں ہو سکتی۔ جہنم کی غذا بھی الگ نہیں ہو سکتی تھی۔ تو میں نے اسے پروان چڑھایا تا کہ پک جائے۔ پکنے کے بعد اب اسے غذا دینی ہے جنت اپنی غذا مانگ رہی ہے۔ تو اسلام اور صاحب اسلام اسے دیئے جائیں گے اور کفر اور صاحب کفر جہنم کو دیئے جائیں گے کھیتی اگر یونہی برقرار رہتی تو جنت بھی خالی رہتی جہنم بھی خالی رہتی۔ حالانکہ اس عالم کو بھی بھرنا ہے تو آج جنت بھی خالی اور جہنم بھی خالی مگر دونوں مانگ رہے ہیں کہ میری غذا دیجئے۔ جنت بھی رات دن سوال کر رہی ہے۔ کہ مجھے بھیجئے لوگ اور وعدہ ہے اللہ کا کہ ہم بھر دیں گے اور جہنم بھی پکار رہی ہے۔ کہ مجھے بھر دیجئے اور اللہ کا وعدہ ہے کہ ہاں بھریں گے لیکن ذرا بھوک کو کامل ہونے دو۔ ایک وقت گذر جائے۔ جب تکمیل کو پہنچ جائے گی۔ بھوک تب غذا دیں گے۔ تا کہ تمہارے اندر سرور پیدا ہو بلا بھوک کے اگر کھا لیا۔ تو وہ ہضم نہیں ہوگا اور اس کے لطف بھی محسوس نہیں ہوں گے۔ جب معدہ پوری طرح کامل بن جائے۔ اور بروقت غذا دی جائے۔ تو فرحت اور سرور اور قوت کا باعث ہوتا ہے۔ اور اگر اشتہا صادق نہ ہو۔ اشتہاء کاذب ہو مانگتا رہے معدہ اور بھرتے رہیں تو بیماریاں پیدا ہوں گی۔ تو کامل بھوک کے وقت جو چیز دی جاتی ہے وہ پچتی بھی ہے۔ کھپتی بھی ہے۔ اور مسرت کا باعث ہوتی ہے اس کے لیے ہم نے وقت رکھا ہے۔ اس وقت اس کھیتی کو کاٹ کر چکنا چور کر کے دانہ الگ کر دیں گے اور بھوسہ الگ کر دیں گے بھوسہ جائے گا جہنم میں، دانہ چلا جائے گا جنت میں۔ اس جہان میں دانہ ہے حق اور اہل حق اور بھوسہ ہے کفر اور اہل کفر وہ جہنم کی غذا ہیں۔ یہ جنت کی غذا ہے تو جس طرح سے روزانہ ایک کاشتکار اپنی کھیتی کو ہر چھٹے مہینے پامال کرتا ہے تا کہ غذا الگ الگ کرے۔ حق تعالیٰ شانہ اس پورے عالم کی کھیتی کو ایک دن چکنا چور کر کے اجزاء الگ الگ کر دیں گے۔ تو ظاہر بات ہے کہ قیامت کا ماننا گویا عقلاً ضروری ہے۔ عقل خود کہتی ہے کہ ایک عالم آنا چاہیے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ ہو کر نکھر جائے۔ اسی کا نام قیامت ہے۔

قیامت تخریب کا نام نہیں تعمیر کا نام ہے

قیامت تخریب کا نام نہیں کہ عالم کو اجاڑ دو تعمیر کا نام ہے۔ بس اتنا ہے کہ اگر کسی پرانے مکان کی جگہ آپ نیا مکان بنانا چاہیں تو قاعدہ ہے کہ اسے ڈھا کر جو اچھے اجزاء ہیں وہ لے لیتے ہیں اور بقیہ پھینک دیتے ہیں۔ اور نئی تعمیر کرتے ہیں کوٹھی دار پرانے اجزاء پھینک دیتے ہیں۔ اور کارآمد ملبہ اور میٹریل لے کر نئی تعمیر بناتے ہیں۔ تو قیامت درحقیقت ایک نئے عالم کی تعمیر کا نام ہے مگر وہ بن نہیں سکتا جب تک کہ اس پرانے عالم کو ڈھا نہ دیا

جائے۔ اور ڈھانے کے بعد جو میٹریل عمدہ اور مضبوط ہے وہ تو ادھر لے لیں گے اور جو خراب اور خستہ ہے اسے پرے پھینک دیں گے۔ اس طرح سے ایک نئے عالم کی تعمیر ہوگی۔ تو قیامت درحقیقت تعمیر کا نام ہے۔ تخریب کا نام نہیں ہے مگر تعمیر نہیں ہوتی جب تک کہ ڈھانہ دیا جائے پرانی عمارتوں کو اس وقت تک جگہ خالی نہیں ہوتی۔ اور نیا عالم نہیں بنتا۔ تو اب جب قیامت کا مقصد واضح ہو گیا۔ کہ پرانی چیزوں کو ختم کر کے نئے عالم کی تعمیر ہو۔ اور اس پرانے میں بھی دودھ الگ کر دیا جائے اور پانی الگ۔ دانہ الگ اور بھوسہ الگ۔ اس کے لیے لازمی ہے کہ اس کی تخریب کر کے چکنا چور کرو۔ پھر نئے عالم کو بساؤ۔ یہ ایک ایسی معقول چیز ہے کہ دنیا میں کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ اور جب یہ معقول ہے تو قیامت کا آنا کیوں غیر معقول ہے۔ اور جب وہ غیر معقول نہیں ہے تو یہ سوال کیسا کہ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ صاحب وہ کب کو آئے گی قیامت؟ یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے ایک کاشتکار نے بیج بویا اور کونپلیں نکل آئیں اور اس نے کہا کہ مجھے توقع ہے کہ اس کھیتی میں دانہ لگے گا اور ہزاروں روپے ہوں گے دوسرا جھٹلا دیتا ہے۔ کہ دانہ دے کیوں نہیں دیتا نکال؟ یعنی آج کھیتی بوئی ہے اور کل کو وہ کہے گا کہ لے آ ناوہ دانہ کہاں ہے؟ اور اگر نہیں لاتا تو یہ جھوٹ موٹ باتیں کر رہا ہے تو کاشت کار کہے گا کہ یہ احمق ہے نہ اسے کھیتی کا خبر نہ اسے یہ پتہ کہ کتنے دنوں میں اگتی ہے؟ نہ یہ پتہ کہ کیا انداز ہے کھیتی کا؟ بس اس نے دانہ کا نام سن کر آج ہی مانگنا شروع کر دیا ہے کہ اگر تو سچا ہے تو لے آ نا حالانکہ آج ہی تو کونپل نکلی ہے اور کونپل نکلے گی۔ چار مہینے میں ذرا بڑا ہوگا۔ اور کوئی یوں کہے کہ لاؤ نا بھئی کہاں ہے وہ دانہ؟ تو کہے گا احمق ذرا ٹھہر جا تھوڑے دن یہ تو طبعی رفتار ہے چھ مہینے میں دانہ پختہ ہوتا ہے۔ اس سے پہلے نہیں ہوتا۔ تو جو اس چھ مہینے کو نہ مانے اور دو ہی میں مطالبہ کرنے لگے کہ اگر تو سچا ہے تو دکھلا وہ دانہ، وہی کفار کی مثال ہے کہ قیامت اپنے وقت پر آئے گی۔ انہوں نے جھٹلا کے کہا کہ صاحب آنی ہے تو آج ہی کیوں نہیں آجاتی۔ تو معلوم ہوا کہ یہ سوال بالکل غیر معقول ہے اور جہالت پر مبنی ہے معقول پسندی پر مبنی نہیں۔ صرف ڈھینگا ڈھانگی ہے ہٹ دھرمی ہے کہ ماننا نہیں ہے پیغمبر کی بات صرف ادھر ادھر کے سوالات میں الجھا دو۔ لیکن اللہ کے معاملات میں الجھاوا چلتا نہیں۔ فوراً دودھ الگ ہو جاتا ہے اور پانی الگ۔ (معارف حکیم الاسلام)

قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ

تو کہہ خبر تو ہے اللہ ہی کے پاس

وَ اِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

اور میرا کام تو یہی ڈر سنا دینا ہے کھول کر ☆

یعنی وقت کی تعیین میں نہیں کر سکتا اس کا علم اللہ ہی کو ہے البتہ جو چیز یقیناً آنیوالی ہے اس سے آگاہ کر دینا اور خوفناک مستقبل سے ڈرا دینا میرا فرض تھا وہ میں ادا کر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

دین اسلام دین فطرت ہے

اس لیے کہ دین فطرت کا دین ہے اس کی تمام کی تمام منقول چیزیں معقول بھی ہیں۔ جب عقل اور نقل سے ثابت ہو تو دوسرا مجبور ہو کر چپ ہو گا۔ اور نا معقول ہی اس کا قائل ہوگا۔ تو قرآن کریم میں پہلے تو ان کا سوال نقل کیا ہے يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ کہتے ہیں وہ کہنے والے کہ صاحب وہ کب کو آئے گی قیامت؟ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ نا کب کو آئے گی قیامت۔ کوئی تاریخ بتلاؤ یا آج ہی لے آؤ اس قیامت کو، حق تعالیٰ نے ان کو دفع کرنے کے لیے جواب دیا کہ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ اے پیغمبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے بھئی مجھے کچھ خبر نہیں کہ کب آئے گی قیامت میں تو اتنا جانتا ہوں کہ آئے گی کب آئے گی کون سی تاریخ کو آئے گی تو یہ علم اللہ کو ہے مجھے نہیں۔

قیامت کی تاریخ کا علم نہ ہونا ہی مصلحت ہے:

اور اس کی ضرورت بھی نہیں اس واسطے کہ اگر قیامت کا علم دے دیا جاتا کہ دس ہزار برس کے بعد آئے گی تو جتنی نسلیں اس سے پہلے تھیں وہ تو مطمئن ہو کر بیٹھ جاتیں کہ بھئی ہمارے اوپر تو نہیں آئے گی قیامت جن پر آئے گی وہ بھگت لیں لہٰذا ہم تو آزاد ہیں جو چاہے کریں حرام ہو حلال ہو، جائز ہو یا ناجائز ہو۔ پھر اس درجہ ڈھٹائی میں مبتلا ہوتے کہ پھر کسی کو ہوش نہ ہوتا عمل صالح انجام دینے کا، سوائے اس کے کچھ فکر اس نسل کو ہو شاید جس کے اوپر قیامت آتی تو ایک تو اس میں یہ مضرت تھی کہ قیامت کی تاریخ بتلا دینے میں جو لوگ تاریخ سے بعید لوگ تھے وہ بے فکر ہو کر دنیا کی زندگی کو تباہ کر لیتے اور عمل صالح کی انہیں توفیق نہ ہوتی لیکن جب ان کو اتنا علم ہے کہ آئے گی تاریخ کا علم نہیں تو ہر وقت ایک ہی خطرہ لگا ہوا ہے۔ کہ معلوم نہیں کہ کب قائم ہو جائے قیامت۔ اور جب قیامت آنے والی ہے تو بھئی اپنی زندگی کو درست کر لو اس کی فکر کر لو۔ اس کے لیے کچھ سامان کرو۔ تو علم نہ دینے کے اندر ہی مصلحت ہے۔ کہ انسان آمادہ رہے نیکی کرنے میں۔ علم ہو جانے کے بعد نیکی چھوڑ دیتا یا اتنا خائف ہوتا کہ نیکی سے معطل ہو جاتا۔

انسان کو اس کے مرنے کی تاریخ نہ دینے میں بھی بڑی مصلحت ہے

حق تعالیٰ کی بڑی حکمت اور مصلحت ہے کہ کسی کو اس کی موت کا علم نہیں دیا۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۖ

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ

کسی نفس کو یہ پتہ نہیں ہے کہ میں کب مروں گا۔ اور کہاں انتقال کروں گا۔ اس میں بڑی مصلحت یہ ہے کہ اگر ہر انسان کو مطلع کر دیا جاتا۔ کہ تیری عمر ساٹھ برس کی ہے تو اول تو اس کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہر روز گنتا کہ آج ایک دن کم ہو گیا آج دو دن کم ہو گئے۔ پھر نہ نیکی کرتا نہ بدی کرتا وہ تو ہر وقت لرزتا کانپتا رہتا اور زندگی اس کی اجیرن ہو جاتی۔ نہ کھانے میں لطف نہ پینے میں لطف۔ تو جب سارے ہی انسان ہی ایسے ہو جاتے تو نظام عالم تباہ ہو جاتا۔ نہ ترقی کی سوجھتی نہ تمدن کی سوجھتی نہ دنیا کو آباد کرنے کی سوجھتی، بس ہر شخص بیٹھا کانپتا رہتا لرزتا رہتا کسی کے پاس جاتے کہ بھئی کیوں کانپ رہے ہو؟ کہ جی میری عمر کے ایک سو انچاس دن رہ گئے ہیں۔ دوسرا کہتا کہ میرے تو چالیس ہی رہ گئے ہیں۔ تیسرا کہتا میرے تیس ہی رہ گئے ہیں تو ایک دوسرے سے رونا رو کر گزارتے نہ عمل ہوتا نہ دنیا آباد ہوتی اور منشا خداوندی ہے کہ دنیا کا نظام بھی چلے اور دنیا سے تمدن بھی چلے۔ اس تمدن میں رہ کر ہی تم دین بنا سکتے ہیں۔ اس لیے دنیا کی آبادی ضروری ہے اور وہ ہو نہیں سکتی تھی جب تک کہ موت کے وقت سے تمہیں غافل نہ بنا دیا جائے۔ یہ علم تو ہے کہ آنے والی ہے۔ یہ نہ ہو کہ کب آنے والی ہے۔ تم سے وقت کا اور تاریخ کا چھپانا ہی مصلحت ہے۔ اسی طرح سے قیامت کلی کے وقت کو چھپانا ہی مصلحت تھا۔ اتنا علم دے دیا جانا ضروری تھا۔ کہ آئے گی قیامت، اور یہ جہاں ایک دن ختم ہو جائے گا۔ تو جتنا علم دیا وہ بھی معقول اور جتنا نہیں دیا وہ بھی معقول۔ اور ظاہر بات ہے کہ معقول کا انکار وہ اپنی عقل کا بھی انکار ہے۔ وہ اپنے ہی کو جھٹلانا ہے۔ وہ حق تعالیٰ کی تکذیب نہیں بلکہ اپنی تکذیب ہے وہ تو بری ہے تکذیب سے اس کا ہر دعوی سچا ہے۔ تو اپنے کو جھٹلا رہا ہے آدمی جبکہ ایک معقول چیز کو جھٹلا رہا ہے اس واسطے فرمایا قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ بھئی علم، کب آئے گی اللہ کے پاس ہے۔ جب پیغمبروں کو بھی خبر نہیں دی گئی اس کی میری اور آپ کی کیا حقیقت کہ ہمیں اس کا علم دیا جائے۔ آگے فرمایا وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ علم اللہ کے پاس ہے میں تو ڈرانے والا ہوں اتنا علم مجھے دیا گیا ہے کہ آئے گی قیامت تو اسے پیش کر کے میں تمہیں ڈرا رہا ہوں۔ کہ جب آنے والی ہے تو کچھ سامان کر لو اس کے لیے۔

جہاں جتنا رہنا ہے اتنا ہی سامان اس کے لیے کرنا چاہیے

جیسے کہ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "اِعْمَلْ لِلدُّنْیَا بِمِقْدَارِ بَقَائِكَ فِیْهِ وَاعْمَلْ لِلْاٰخِرَةِ بِمِقْدَارِ بَقَائِكَ فِیْهِ اَوْ كَمَا قَالَ دنیا کے لیے اتنا سامان کرو جتنا تمہیں دنیا میں رہنا ہے آخرت کے لیے اتنا سامان کرو جتنا تمہیں آخرت کے لیے کرنا ہے دنیا میں رہنا ہے چند دن یہاں تھوڑا بھی کافی ہے آخرت میں رہنا ہے ابد الآباد تک تو وہاں کے لیے لمبا سامان کرنا چاہیے، انسانوں نے الٹا کر دیا ہے کہ جہاں چند دن رہنا ہے وہاں کے سارے سامان کر رہے ہیں تو یہ عقل کی گمراہی ہے۔ عقل کا کھوٹ ہے ہونا چاہیے تھا برابر تو آپ نے فرما دیا کہ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ علم تو اللہ کے پاس ہے کہ تاریخ کون سی ہے قیامت کی میں تو ایک کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔ اس لیے کہ مجھے آنے کا علم دیا گیا ہے وہ علم میں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں اور وہی علم مصلحت بھی ہے تاریخ اور وقت کا علم مصلحت نہیں تمہارے لیے۔ (معارف حکیم الاسلام)

فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ
پھر جب دیکھیں گے کہ وہ پاس آ لگا تو بگڑ جائیں گے منہ
الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَقِیْلَ هٰذَا
منکروں کے اور کہے گا یہی ہے
الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾
جس کو تم مانگتے تھے ☆

یعنی اب تو جلدی مچا رہے ہیں لیکن جس وقت وہ وعدہ قریب آ لگے گا۔ بڑے بڑے سرکشوں کے منہ بگڑ جائینگے اور چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں گی۔ (تفسیر عثمانی)

سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا تم کیا سمجھتے ہو قیامت کو جب آئے گی قریب تو حلیے بگڑ جائیں گے تمہارے منہ سیاہ ہو جائیں گے تمہارے کفار کو خطاب کیا جا رہا ہے کہ بڑی آسانی سے تم مانگ رہے ہو آ جائے قیامت جب وہ آئے گی تو کیا حال ہوگا تمہارا، یہ تھوڑا ہی ہوگا جیسے آج مگن بیٹھے ہوئے کہہ رہے ہو کہ صاحب لے آ و قیامت کو کہ جب آئے گی تو چہرے بگڑ جائیں گے حلیے بگڑ جائیں گے اور وہ آئے گی۔ یہ نہیں کہ بڑے مقدمات اس کے چلیں گے چھ مہینے پہلے کچھ اطلاعات دی جائیں اور چھ مہینے پہلے کچھ گڑگڑاہٹ ہو۔

قیامت پل بھر میں قائم ہو جائیگی:

وہ تو پل بھر میں قائم ہو جائے گی وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ۔

قیامت کا آنا لَمْحِ بَصَرٍ جیسے جیسے نگاہ جھپکتی ہے اتنے میں آ جائیگی کوئی پتہ پہلے سے نہیں ہوگا حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ دو آدمی کپڑا سکھا رہے ہوں گے رنگ ریز، ایک پلہ ایک کے ہاتھ میں ہوگا ایک پلہ دوسرے کے ہاتھ میں وہ اسے سکھا رہے ہوں گے کہ اچانک قیامت قائم ہو جائے گی

؟ حدیث میں ہے کہ ایک عورت آٹا گوندھ رہی ہوگی گھر میں بیٹھی ہوئی اس کا ہاتھ آٹے میں ہوگا کہ اچانک قیامت قائم ہو جائے گی پل بھر میں قائم ہوگی۔

صور کی کیفیت:

صور جب پھونکا جائے گا جو عالم کی تباہی کا سبب ہوگا ابتداء بہت ہلکی آواز ہوگی کسی کو وہم بھی نہیں گزرے گا کہیں سے کوئی چیز ہے کوئی باجا ہے کوئی چیز ہے بج رہی ہے رفتہ رفتہ بڑھنا شروع ہوگی جب آواز ذرا بڑھے گی تو اب لوگ چونکیں گے کہ یہ کیا چیز ہے رفتہ رفتہ بڑھتی جارہی ہے تو ادھر ادھر دیکھیں گے پھر کچھ کام میں لگ جائیں گے اس کے بعد اس میں درد کی سی آواز پیدا ہوگی تو اب حیران ہوں گے پریشان ہونگے درد بیک دم ہوتا ہے یہ تدریجی طور پر بڑھتا جارہا ہے جب زیادہ درد ہوگی تو اب اضطراب اور بے چینی پیدا ہوگی جنگلوں سے گھروں میں آئیں گے گھروں سے جنگلوں میں جائیں گے جانور انسان میں انسان جانوروں میں کوئی کسی کو اپنے حالت کی خبر نہ ہوگی اور اس کے بعد جب وہ انتہائی بڑھے گی حدیث میں ہے کہ جیسے سو گرجوں کے برابر ایک گرج ہوتی ہے مسلسل تو پھر کلیجے پھٹنے شروع ہونگے گرنے شروع ہونگے اور یہاں تک تو جانیں جائیں گی جب زیادہ بڑھے گی آواز تو پہاڑ پھٹنے شروع ہو جائیں گے سب چیزیں ریزہ ریزہ ہو کر گڈمڈ ہو جائیں گی دنیا میں جب کوئی بم پھٹتا ہے تو دیواریں ہلتی معلوم ہوتی ہیں اور کھڑکیوں کے کواڑ ٹوٹ جاتے ہیں انسان بعضے بے ہوش ہو جاتے ہیں تو اس کی بناء یہ ہے کہ اصل میں روح جو ہے یہ اللہ نے پیدا کی ہے قوت ہوائی اور آواز جو ہے یہ بھی ہوائی، یہ سانس زیادہ نکلتا ہے وہی آواز کہلاتی ہے تو سانس کے ٹھونکے کا نام آواز ہے ظاہر ہے کہ جب آواز اور ہوا زیادہ گرجتی ہوگی تو وہ جذب کرے گی چھوٹی ہوا کو تو یہ ارواح چونکہ ہوا سے پیدا کی گئی ہیں جب اصل مادہ زوروں پر آئے گا اور وہ ہے آواز اور وہ ہوا ہے تو روحوں کو جذب کرنا شروع کرے گی روحیں ہلنی شروع ہونگی تو غرض قیامت ہوگی صور پھونکنے سے۔

صور بتدریج پھونکا جائے گا:

اور صور بتدریج پھونکے گا تو جب وہ پھونکا جانا شروع ہوگا اور آواز آئے گی تو یہ نہیں کہ پہلے سے کچھ اطلاعات ہوں یا پہلے خطرات ہوں گے تو وہ پل بھر میں قائم ہو جائے گی۔ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ. جتنی دیر میں نگاہ جھپکاتے ہو بلکہ اس سے بھی کم میں ایک دم اچانک آجائے گی جیسے موت انسان کی اچانک ہی آتی ہے یہ تھوڑا ہی ہے کہ پہلے سے اطلاعات دی جائیں بیمار بھی اگر آدمی ہوتا ہے تو یہ اس کو اندازہ نہیں ہوتا کہ اگلے منٹ میں آجائے گی موت، چل رہا ہے بیماری جب آتی ہے تو ایک دم نزع شروع ہو گیا لوگ بھی سمجھ گئے کہ مرنے کا وقت آ گیا تو شخصی قیامت بھی اچانک ہی آتی ہے کلی قیامت بھی اچانک ہی آئے گی۔ اسکا علم دے دیا گیا تو فرمایا اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ اس کی دن تاریخ کا علم تو اللہ کو ہے ہمیں نہیں ہے ہمیں تو اتنا علم ہے کہ آئے گی اور وہ ہی کافی ہے ہمارے عمل کیلئے وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اور تم جو سہولت سے کہہ رہے ہو کہ لے آؤ اس قیامت کو تو فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جب وہ آجائیگی اچانک تو تمہارے حلیے بگڑ جائیں گے چہرے بگڑ جائیں گے تم اس حالت میں نہیں ہو گے جس حالت میں آج ہو کہ سہولت سے مانگ رہے ہو قیامت کو تم سمجھ نہیں رہے کہ ہے کیا قیامت؟ اس واسطے بڑے اطمینان سے مانگ رہے ہو جیسے آدمی گھبرا کر بعض اوقات کسی مصیبت سے تنگ آکر موت کی دعا کرنے لگتا ہے تو یہی جواب اس کا ہوتا ہے کہ بیوقوف پتہ نہیں کہ موت کیا چیز ہے وہ تو سمجھ رہا ہے کہ یہ مصیبت تو ہے بہت بری اور موت بڑی معمولی چیز موت آجائے گی تو مصیبت ٹل جائے گی۔

موت سب مصیبتوں کا پیش خیمہ ہے:

موت تو سب مصیبتوں کا پیش خیمہ ہے سب سے بڑھ کر مصیبت ہے یہ تیری حماقت اور غلطی ہے کہ اس مصیبت سے تنگ آکر موت مانگ رہا ہے وہ کسی شاعر نے کہا ہے ناں کہ:

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
اور مر کے بھی چین نہ آیا تو کدھر جائیں گے

تو یہ سمجھ لینا کہ موت ہلکی چیز ہے یہ دنیا کی مصیبتیں بڑی ہیں یہ غلط ہے یہ ساری مصیبتیں اولین آخرین کی جمع کر دی جائیں تب ایک موت بنتی ہے تو موت سرچشمہ ہے سارے مصائب کا۔

حضرت ابراہیمؑ کا موت کی کیفیت کے بارے میں سوال:

حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام نے ملک الموت سے پوچھا، حضرت ابراہیمؑ نے سوال کیا ملک الموت سے کہ موت کی کیا کیفیت ہے، انہوں نے عرض کیا کہ میں کیفیت بتلاؤں جو جس پر گزرے گی وہ جانے گا مگر میں ایک مثال کے ذریعے کچھ فہم کے قریب کر دوں گا اصلیت نہیں سمجھا سکتا وہ تو گزرنے کی چیز ہے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ سمجھو انسان کے بدن میں تار ڈالا جائے ایڑی سے لے کر چوٹی تک اور جتنی رگیں اور ہڈیاں ہیں اتنی شاخیں ہوں اس تار میں اور ہر ہر شاخ ہر ہر رگ میں پیوست کی جائے اور ان شاخوں میں کانٹے بھی ہوں لوہے کے وہ کانٹوں دار تار ہر ہر رگ کے اندر پیوست ہو تو اب گویا ایک تار انسان کے اندر گیا ہوا ہے اور اتنی شاخیں ہیں جتنی رگیں ہیں پٹھے ہیں اور ہر تار میں ہر شاخ میں کانٹے ہیں اور وہ پھٹ گیا اس کے بعد اس کو کھینچنا شروع کرو تو یوں معلوم ہوگا کہ رگ رگ درد سے بھرپور

ہے اور گویا ساری رگیں کھنچ آئیں گی اوپر، فرمایا کہ یہ ادنیٰ سی مثال ہے موت کی اور جان کندنی کی کہ جیسے رگ رگ کے اندر کانٹوں دار تار ڈال کر اسے کھینچا جائے اوپر تو جو اذیت اس وقت محسوس کر سکتا ہے آدمی وہ ادنیٰ سی مثال ہے موت کی اذیت کی تو موت کوئی آسان چیز تھوڑا ہی ہے کہ ذرا سی مصیبت میں گھبرا کر مانگنے لگے موت کوئی آسان بات نہیں ہے عظیم چیز ہے۔

مومن وکافر کی روح قبض کرتے وقت ملک الموت کی صورت

حدیث میں فرمایا گیا کہ ابراہیمؑ نے پوچھا ملک الموت سے کہ تم کس شکل میں آ کر روح قبض کرتے ہو۔ فرمایا کہ مومن کے آگے تو نہایت اعلیٰ اور باجمال صورت ہے اس میں میں آتا ہوں اس سے بڑھ کر جمال نہیں ہو سکتا اور کفار کے آگے انتہائی بھیانک شکل میں آتا ہوں کہ جس سے بڑھ کر ڈراؤنی صورت نہیں ہو سکتی کہا مجھے دکھلا دو وہ صورت، کہا کہ آپ تحمل نہیں کر سکیں گے مگر اصرار کیا، تو حدیث میں ہے کہ اس شکل میں آئے جس سے مومن کی روح قبض کرتے ہیں ابراہیمؑ نے کہا اگر اللہ کوئی بھی نعمت نہ دے مومن کو صرف یہ شکل دکھلا دے تمہاری تو ساری نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت ہے اس کو دیکھ کر قلب میں فرحت اور سرور بڑھ جاتا ہے اس کے بعد کہا کہ اب وہ شکل بھی دکھلاؤ کہا آپ تحمل نہیں کریں گے کہا نہیں دکھلاؤ اس شکل میں آئے تو دیکھتے ہی بے ہوش ہو گئے حضرت ابراہیمؑ برداشت نہیں کر سکے اسکے بعد ہوش آیا تو کہا کہ اگر کوئی بھی مصیبت نہ آئے کافر پر، فقط یہ شکل دکھلا دی جائے تو ہزار مصیبتوں کی یہ ایک مصیبت ہے اس کی کچھ شکل حدیث میں فرمائی گئی ہے کہ ملک الموت جس شکل میں آتے ہیں کفار کے آگے وہ ایک عجیب بھیانک شکل ہے ایک شخص کی، سیاہ فام اور ہر بدن پر جو رواں ہے وہ مثل نیزوں کے ہے اور ہر نیزے میں ایک شکل بنی ہوئی ہے انسان کی شکل یا جانور کی، تو اس سے گویا لاکھوں شکلیں صورتیں ایک شخصیت میں نمایاں ہوتی ہیں۔ جتنی گویا ڈراؤنی شکلیں ہیں ہیبت ناک وہ سب سامنے ہوتی ہیں تو وہ دیکھ کر خود ہی خون خشک ہو جاتا ہے وہ مستقل مصیبت ہے تو بہر حال موت کوئی سہل چیز نہیں الا یہ کہ حق تعالیٰ ہی سہل فرما دیں کسی کے لیے اسے سب کچھ قدرت ہے ساری شدت بھی گزر رے اور محسوس بھی نہ ہونے دے۔

موت کے آسان ہونے کی صورت:

جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی صورت فرمائی، فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ ''مَنْ اَحَبَّ لِقَاءِ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَائِهِ'' جو شخص اس کا خواہش مند ہے کہ میں کب ملوں اپنے اللہ سے ہر وقت منتظر ہے شوق لگ رہا ہے عالم آخرت میں جانے کا اور:

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم　　تا در میکدہ شاداں وغزل خواں بروم

ان کی کیفیت یہ ہے کہ وہ کہتے کہ وہ کونسا مبارک دن ہوگا کہ ہم غزل خواں، شاداں وفرحاں اپنے پروردگار سے ملیں گے اور اس اجڑے ہوئے عالم کو چھوڑیں گے تو جن لوگوں کے دلوں میں شوق ہے اللہ سے ملنے کا فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے یہاں بھی شوق ہے وہ بھی منتظر ہیں کہ یہ بندہ کب ملے مجھ سے آ کے تو ادھر سے بھی شوق ادھر سے شوق، مرنے کا جب وقت آتا ہے اس مومن پر وہ شوق وغلبہ کے ساتھ قلب پر ہجوم کرتا ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح جلدی پہنچوں لگا ہوا ہے اس شوق میں، اس شوق کے اندر اتنا منہمک ہوتا ہے کہ ساری تکلیفیں بھی گزر رہی ہیں اور کچھ بھی نہیں گزر رہیں اسے پتہ بھی نہیں چلتا سب کچھ گزر رہا ہے مگر وہ اتنا شوق میں غرق ہے کہ اسے محسوس ہی نہیں ہوتا کہ کیا تکلیف گزر رہی ہے۔ اور کچھ محسوس بھی ہوتا ہے تو نعمتیں سامنے اتنی ہیں کہ وہ کہتا ہے کہ اس سے دگنی بھی مصیبت گزر جائے یہ سامنے نعمتیں موجود ہیں، اب میرے پاس آنے والی ہیں پل بھر کی بات ہے۔

مصیبت کے سہل اور آسان ہونے کی مثال:

مثلاً آپ کو ایک گورنمنٹ یہ کہے کہ یہاں سے پانچ میل پر جو اسٹیشن ہیں وہاں ایک پانچ لاکھ کا بنگلہ آپ کے لیے تیار کیا ہے گورنمنٹ نے اور اس میں خزانہ بھی ہے دس لاکھ روپے کا ابھی گاڑی سے جاؤ اور اس پر جا کر قبضہ کر لو آپ خوشی خوشی چلے ریل میں گئے تو وہاں بیٹھنا تو بجائے خود کھڑے ہونے کی جگہ نہیں تھرڈ کلاس میں جا کر کھڑے ہوئے اور اتنا ہجوم کہ ہڈی اور پسلی چور ہو جائے تو انتہائی تکلیف میں ہے مگر شوق لگا ہوا ہے کہ پانچ منٹ کی بات ہے اب گئے اور دس لاکھ کے بنگلے پر قبضہ ہو گیا تو ذرہ برابر آپکو تکلیف کا احساس نہیں ہوگا کہیں گے چاہے اس سے دگنی آ جائے بس پانچ ہی منٹ کی تو بات ہے اب گئے اور جائیداد ملی لاکھوں کی، تو جیسا کہ دنیا کی ایک معمولی جائیداد کے شوق میں بڑی سے بڑی تکلیف بھگت جاتے ہیں اور احساس نہیں ہوتا تو ابد الآباد کی نعمت اور وہ نعمتیں جنکا یہاں کبھی تصور بھی نہیں ہو سکتا وہ سامنے کی جائے تو لاکھوں من بھی اگر تکلیف کا بوجھ پڑا ہوا ہوگا بھاد یں بھی نہیں ہوگا کہ منٹ بھر کی بات ہے اب یہ نعمتیں مل رہی ہیں۔

مومن کی روح قبض کرنے کے وقت فرشتے جنت کے تحائف لیکر آتے ہیں

اسی واسطے فرمایا گیا ہے کہ مومن کی قبض روح کے وقت ملائکہ علیہم السلام کچھ تحائف لے کر آتے ہیں جنت کے وہاں کے پھل اور وہاں کے کپڑے اور وہاں کے کفن اور وہاں کی خوشبوئیں، ایک دم روح اس طرح سے جاتی ہے کہ بس وہ یوں کہتی ہے کہ میں پہنچ جاؤں پل بھر میں چاہے ہزار کانٹوں میں سے گزرنا

پڑے تو خود قبول کرتی ہے اس تکلیف کو کہ جتنی بھی تکلیف آئے مجھے بھگتنی ہے اسلیے کہ سامنے وہ نعمت موجود ہے تو اس وقت مشاہدہ ہوتا ہے نعمت کا، انبیاء علیہم السلام اور کمل اولیاء اللہ انکو آنکھ سے دیکھنے سے زیادہ یقین ہوتا ہے اللہ کے وعدوں پر، ہر وقت ان کے سامنے وہ نعمتیں ہیں اس واسطے کوئی تکلیف انکے یہاں تکلیف نہیں ہوتی ہزاروں ابتلاء ہزاروں مصیبتیں انبیاءؑ پر گزرتی ہیں اور ان کے قلوب مبارکہ پر ذرہ برابر اثر نہیں ہوتا اس لیے کہ اللہ کے وعدہ ہائے حق سامنے ہیں اس لیے کہ یہ چند دن کی تکلیف ہے اب وہ نعمتیں آرہی ہیں۔

انبیاء اکرام اپنی روحانی قوت سے وہ کچھ دیکھ لیتے ہیں جو ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے

تو انبیاء اپنی ایمانی قوت سے وہ کچھ دیکھتے ہیں جو کچھ ہم اپنی آنکھوں سے بھی نہیں دیکھتے اور ہم آنکھ سے دیکھ کر اتنا یقین کرتے ہیں اس سے زیادہ کہیں یقین انبیاء کا اللہ کے وعدوں پر ہوتا ہے اس لیے وہ ساری تکالیف جھیل جاتے ہیں، ورنہ انبیاء سے زیادہ کون ہے تکلیفیں اٹھانے والا لیکن ان کے قلوب پر ذرہ برابر اثر نہیں۔ قلب مگن اور مطمئن، اس لیے کہ وعدہ ہائے خداوندی اندر موجود ہیں تو بہرحال مومن باوجودیکہ موت اتنی شدید ہے کہ باوجودیکہ اتنی ایذاء دہ ہے لیکن مومن اس سے گھبرائے گا نہیں خوش دلی سے برداشت کرے گا، اگر خدانخواستہ کوئی وعدہ سامنے نہ ہوتا تو مرنا بھی موت ہو جاتا، لیکن چونکہ نعمتیں موجود ہیں اب تو آنکھ سے دیکھ رہا ہے اس واسطے وہ کہتا ہے کہ کوئی پرواہ نہیں چلو، چاہے مصیبتوں میں کانٹوں میں جائیں مگر وہ نعمت ہے ابھی میں پہنچ جاؤں گا اس لیے ہوتی بھی تکلیف اور نہیں بھی ہوتی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کوئی شدید قسم کا آپریشن کیا جائے کسی کا تو پہلے کلوروفارم سونگھا کر بیہوش کر لیتے ہیں اس کے بعد اس کا سر کاٹ دو پیر کاٹ دو، اسے کچھ خبر نہیں تو گزر رہی ہے ساری تکلیف مگر احساس باطل ہو گیا کہ جس سے اس کی اذیت محسوس نہیں ہوتی اسی طرح سے موت کی اذیت جب گزرے گی تو محبت خداوندی کا کلوروفارم سونگھا دی گئی اس میں وہ اتنا موثر مگن ہو گا کہ اس تکلیف کا ادنی برابر اسے احساس نہیں ہو گا اور محسوس بھی ہو تو بھاویں نہیں ہو گی تو نعمتوں کے آگے کیا چیز ہے تکلیف، تو پھر ان شاء اللہ مومن کے لیے راحت ہے باوجود اذیت کے۔

موسیٰ علیہ السلام سے موت کی کیفیت کے بارے میں سوال:

موسیٰؑ سے پوچھا گیا کہ موت کی کیفیت کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ کیفیت ہے کہ آدمی کو بیچ میں رکھ کر دو پہاڑوں کو ملا دیجئے اس میں جو اذیت ہے بس وہ موت ہے اور بعض انبیاء نے مثال دی کہ جیسے ایک نہایت ہی جابر قسم کا قصائی ہو ذبح کرنے والا اور بڑا قوی اور ایک بکری کا بچہ اس کے ہاتھ میں ہو اور وہ کانٹ چھانٹ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے بس یہ حالت ہے موت کی ملک الموت کے سامنے اس طرح سے ہو گا آدمی اس وقت، تو باوجود اس اذیت کے وہ جو قوت ایمانی ہے وہ سنبھالتی ہے دنیا میں بھی جو بڑی سے بڑی مصیبت آتی ہے تو قوت ایمانی تو سنبھالتی ہے بھروسہ اللہ پر ہوتا ہے تو تکلیف معلوم بھی نہیں ہوتی وہی قوت ایمانی وہاں سنبھالے گی اور وہی قوت ایمانی قبر کے اندر سنبھالے گی اور وہی قوت ایمانی حشر کے اندر سنبھالے گی ہر جگہ تکلیف آدمی جھیل جائے گا۔

حضرت عمر کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال:

حضرت عمرؓ تشریف رکھتے تھے مجلس نبوی میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے ہولناک حالات بیان فرما رہے تھے تو لوگ لرز رہے تھے کانپ رہے تھے حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ تمام لوگ لرزاں و ترساں آپے سے باہر ہو گئے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری عقل بھی صحیح سالم ہو گی قبر میں فرمایا! ہاں عقل رہے گی، کہ اب تو فکر کی کوئی بات نہیں بس نمٹ لیں گے تو عقل سے مراد یہ عقل معاش نہیں تھی جو موٹر بنانے کی عقل ہے ہوائی جہاز بنانے کی عقل ہے عقل معاد تھی جو آخرت کی عقل ہے جس کا دوسرا نام ایمان ہے مطلب یہ ہے کہ ہمارا ایمان بھی رہے گا فرمایا رہے گا تو بس اب جھیل جائیں گے۔

قوت ایمانی سب چیزوں کو ہلکا کر دیتی ہے:

قوت ایمانی سب چیزوں کو ہلکا کر دیتی ہے تو اصل چیز ایمان ہے دنیا کی مصیبتوں میں بھی جب آدمی اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے توکل اور صبر سے تو مصیبتیں ہیچ معلوم ہوتی ہیں اللہ جانے جو کچھ ہو گا ہو رہے گا مجھے تو خدا پر بھروسہ ہے تو دنیا کی مصیبتیں بھی اللہ ہی کا یقین اور ایمان سہل کرتا ہے موت کی مصیبت بھی یہی ایمان سہل کرے گا۔ قبر کے مصائب یہی ایمان سہل کرے گا حشر کے مصائب یہی ایمان سہل کرے گا اور ان سب سے گزر کے اپنے ٹھکانہ پر پہنچ جائے گا وہی جو راحتوں کا ٹھکانہ ہے جس کا نام جنت ہے تو کافر کے لیے یہاں سے لیکر وہاں تک اور ابد تک مصیبت ہی مصیبت ہے (معارف حکیم الاسلام قاسمی)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ

تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر ہلاک کر دے مجھ کو اللہ

وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ

اور میرے ساتھ والوں کو یا ہم پر رحم کرے پھر وہ کون ہے

الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾

جو بچائے منکروں کو عذاب دردناک سے ☆

کفار تمنا کرتے تھے کہ کہیں جلد مر مرا کر ان کا قصہ ختم ہو جائے (العیاذ باللہ)

اس کا جواب دیا کہ فرض کرو تمہارے زعم کے موافق میں اور میرے ساتھی دنیا میں سب ہلاک کر دیئے جائیں یا ہمارے عقیدے کے موافق مجھ کو اور میرے رفقاء کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کامیاب و بامراد کرے۔ ان دونوں صورتوں میں سے جو صورت بھی ہو مگر تم کو اس سے کیا فائدہ ہے۔ ہمارا انجام دنیا میں جو کچھ ہو بہر حال آخرت میں بہتری ہے کہ اس کے راستہ میں جدوجہد کر رہے ہیں۔ لیکن تم اپنی فکر کرو کہ اس کفر و سرکشی پر جو دردناک عذاب آنا یقینی ہے اس سے کون بچائیگا ہمارا اندیشہ چھوڑ دو اپنی فکر کرو کیونکہ کافر کسی طرح بھی خدائی عذاب سے نہیں چھوٹ سکتا۔ (تفسیر عثانی)

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا

تو کہہ وہی رحمت ہے ہم نے اُس کو مانا اور اُسی پر بھروسہ کیا ☆

یعنی جب ہمارا ایمان اس پر ہے تو ایمان کی بدولت نجات یقینی ہے اور جب ہم صحیح معنی میں اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں تو مقاصد میں کامیابی یقینی ہے۔'' وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ '' تم میں دو نوں چیزیں نہیں، نہ ایمان نہ توکل پھر تم کیسے بے فکر ہو؟ (تفسیر عثانی)

فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾

سو اب تم جان لو گے کون پڑا ہے صریح بہکائے میں ☆

یعنی ہم جیسا کہ تمہارا گمان ہے یا تم جیسا کہ ہمارا عقیدہ ہے۔ (تفسیر عثانی)

جب نتائج سامنے آئیں گے تو پتہ چل جائے گا تو دنیا میں تو ہم نے تمہیں عقل صحیح سے بھی سمجھا دیا۔ مشاہدہ سے بھی سمجھا دیا۔ اب اگر نہیں سمجھتے مشاہدہ ہی چاہتے ہو تو عنقریب ہی وقت آنے والا ہے تمہیں پتہ چل جائے گا کون ہدایت پر تھا کون ضلالت پر، جب برے نتائج آئیں گے سامنے تو سمجھ میں آ جائے گا کہ تم گمراہی میں تھے اور جب ہمارے سامنے اچھے نتائج آئیں گے تو ہم بھی سمجھ جائیں گے کہ ہم حق پر تھے۔ اب آ گے تمہیں زیادہ سے زیادہ بھروسہ اس دنیا کے سامانوں پر ہے۔ اول تو یہ وہاں نہیں جائیں گے لیکن اگر وہاں نہ بھی جائیں یہ تو بعد کی بات ہے دنیا میں بھی رہنا کوئی لازمی بات نہیں ہے۔ سامان ہوتے ہیں اور پھر چھین لئے جاتے ہیں ہزاروں امیر غریب بنتے دیکھے گئے ہیں۔ ہزاروں غریب امیر بنتے دیکھے گئے ہیں ہزاروں امراء ہیں کہ دولت کے انبار لگے ہوئے ہیں اور چین میسر نہیں حالانکہ دولت کا مقصد ہی یہی ہے کہ چین ہو تو بہت سے دولت مند ہیں کہ چین میسر نہیں ہے کوئی گھن لگ رہا ہے قلب پر کوئی فکر لگ رہا ہے تو لاکھوں رو پیہ رکھا ہوا ہے مگر جو گھن لگا ہوا ہے ساری زندگی کرکری ہو گئی اس سے، تو جن سامانوں پر تم بھروسہ کر رہے ہو آخرت تو بعد کی چیز ہے۔ دنیا میں بھی نفع دینے والی نہیں کہ سامان ہوتے ہیں اور چین میسر نہیں آتا۔

سکون و چین آنے کا ایک ہی راستہ ہے:

چین اگر آتا ہے تو پھر وہی ایک راستہ ہے کہ اللہ پر بھروسہ کرے آدمی تو کل اور اعتماد اور ایمان اور چین اسی سے ملے گا۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اللہ کے ذکر ہی سے دل چین پا سکتے ہیں سامانوں سے چین نہیں پا سکتے سامان ہیں وہ خود ذریعہ بن جاتے ہیں جتنا زیادہ ہو گا سامان زیا دہ مصیبت پڑے گی۔ وہ کسی عربی کے شاعر نے کہا ہے۔

اِذَا اَدْبَرَتْ كَانَتْ عَلَى الْمَرْءِ حَسْرَةً
وَاِنْ اَقْبَلَتْ كَانَتْ كَثِيْرًا هُمُوْمُهَا

دنیا جب جاتی ہے تو حسرتیں چھوڑ کر جاتی ہے برسوں روتا ہے آدمی اور جب آتی ہے سینکڑوں مصیبتیں ساتھ لاتی ہے کہیں محافظ کی فکر تو کہیں سنتری کی فکر کہیں چور کی کہیں ڈاکو کی ایک مصیبت میں مبتلا اور ایک وہ ہے کہ بقدر ضرورت ہے کھانے پینے کو تو ''کس نیاید بخانہء درویش کہ خراج زمین و باغ بدہ'' درویش کے گھر کوئی نہیں آتا کہ بھئی ٹیکس ادا کرو کہ خراج ادا کرو وہ اپنا بادشاہ بنا بیٹھا ہے۔

جہاں دولت زیادہ ہے وہاں مصائب بھی زیادہ ہیں:

تو جہاں دولت زیادہ ہے وہاں مصائب بھی زیادہ ہیں۔ اور ہمیشہ رہنے والی نہیں بیچ میں جواب دے جاتی ہے بیوفائی کرتی ہے تو ایسی بیوفا پر تم بھروسہ کیے ہوئے ہو آخرت کے بارے میں، آخرت تو بعد میں ہے تم دنیا تو سنبھال لو وہ لازمی نہیں سنبھلنی ایک چیز چھن جائے اللہ کی طرف سے تو ساری زندگی ختم۔ فرمایا کہ ہم مثال دیتے ہیں پانی کی، پانی کنوؤں میں ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ پانی کو نیچے کر دیں۔ خشک سالی کے زمانہ میں ایسا ہوتا ہے کہ کنویں ہو جاتے ہیں خشک، پانی چلا جاتا ہے نیچے۔ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا۔ اگر گہرائیوں میں پانی چلا جائے تو تم کھدائی کر کے نہیں پہنچ سکتے۔ فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ پھر پانی لانے والا کون ہے تمہارے واسطے۔ یہ سامان تھا اس پر بھروسہ تھا اللہ نے ذرا نیچے کر دیا پچاس گز۔ اب بیٹھے ہوئے ہیں نہ کھدائی کر سکتے ہیں اور اگر کھودیں گے تو اور نیچا ہو جائے گا اور نیچا تو تحت الثریٰ تک تو کھودنے سے رہے وہ کھودے جاؤ تو کھودتے رہو گے مرتے رہو گے تو ایک پانی کی مثال دی کہ اگر اسے گہرائیوں میں اتار دے تو زندگی کا کوئی سامان نہیں دریا خشک ہو جائیں اور قحط سالیوں کے زمانے میں ہوتا ہے کہ آسمان تو برسنا بند کر دیتا ہے۔ دریاؤں میں خشکی آ جاتی ہے۔ کنویں نیچے اتر جاتے ہیں تو ہزاروں آدمی مر جاتے ہیں تو ایک پانی پر جب اس کا قبضہ نہیں ہے وہ آدمی بھروسہ کرے گا کہ قیامت میں اچھی طرح سے ہوں گا۔ اور قیامت آ جائے تو اچھی طرح سے نمٹ لوں گا تم ان چیزوں سے نمٹو گے جو تمہارے پاس ہر وقت موجود، اگر آفتاب کے اندر گرمی نہ رکھی جائے تو ساری دنیا برف کی طرح جم کر رہ جا

ئے اس کی حرارت ہے جس نے پگھلا رکھا ہے۔ ہوا اگر منٹ بھر کے لئے روک دی جائے سانس لینے بند ہو جائیں تو زندگی ختم ہو جائے، تو آگ نہ رہے جب ختم، پانی نہ ہو جب ختم مگر اور چیزیں تو خیر اوپر کی ہیں پانی تو ہر وقت کا ہے جس کو کھودا اور نکال لیا اس کو نیچے اتار دیں تب اس پر قبضہ نہیں تو آخر کون سی چیز پر تمہارا قبضہ ہے کہ اتنے بڑے بڑے دعوے کر رہے ہو کہ صاحب لے آؤ قیامت کہ جیسے معلوم ہو بڑا لشکر جرار ان کے ہاتھ میں ہے کہ قیامت آئے گی یہ مقابلہ کریں گے۔ اسے دھکیل کر پرے کر دیں گے۔ تم اپنی عمر کے ایک سال کو نہیں دھکیل نہیں سکتے زندگی جاتی ہوئی روک نہیں سکتے آتی ہوئی ہو تو نہیں روک سکتے تو کون سی طاقت ہے کہ اتنے بڑے بڑے دعوے اور اللہ سے لڑنے کا ارادہ کیا تو قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ فرما دیجئے کہ اگر اس حالت میں تم صبح کرو کہ پانی کنوؤں کا نیچے اتر جائے تو پانی لانے والا کون ہے تمہارے پاس، تو یہ ایک مثال ہے سارے عناصر کو اس پر قیاس کر لو اور پانی پر آگ کو بھی ہوا کو بھی مٹی کو بھی جب ہاتھ پلے کچھ نہیں تو دعوے مت کرو غالب اور قوی خدا کے سامنے جھک جاؤ یہی ہے پناہ کی صورت لڑنا پناہ کی صورت نہیں ہے۔ (معارف حکیم الاسلام قاسمیؒ)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ
تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر ہو جائے صبح کو پانی تمہارا
غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾
خشک پھر کون ہے جو لائے تمہارے پاس پانی نتھرا ☆

پانی بھی تمہاری قدرت میں نہیں ہے:

یعنی زندگی اور ہلاکت کے سب اسباب اسی اللہ کے قبضہ میں ہیں۔ ایک پانی ہی کو لے لو، جس سے ہر چیز کی زندگی ہے اگر فرض کرو! چشموں اور کنوؤں کا پانی خشک ہو کر زمین کے اندر اتر جائے جیسا کہ اکثر موسم گرما میں پیش آ جاتا ہے تو کس کی قدرت ہے کہ موتی کی طرح صاف شفاف پانی اس قدر کثیر مقدار میں مہیا کر دے جو تمہاری زندگی اور بقا کے لیے کافی ہو۔ لہٰذا ایک مومن متوکل کو اسی خالق الکل مالک علی الاطلاق پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ یہیں سے یہ بھی سمجھ لو کہ جب ہدایت کے سب چشمے خشک ہو چکے، اس وقت ہدایت و معرفت کا خشک نہ ہونے والا چشمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں جاری کر دینا بھی اسی رحمان مطلق کا کام ہو سکتا ہے جس نے اپنے فضل و انعام سے تمام جانداروں کی ظاہری و باطنی زندگی کے سامان پیدا کیے ہیں اگر بفرض محال یہ چشمہ خشک ہو جائے، جیسا کہ اشقیا کی تمنا ہے تو کون ہے جو مخلوق کے لیے ایسا پاک و صاف نتھرا پانی مہیا کر سکے۔ تم سورۃ الملک وللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ اگر پانی ناقابل رسائی گہرائی تک پہنچ جائے تو پھر کون (سوائے خدا کے) یہ بہتا ہوا یا آسانی کے ساتھ حاصل کرنے والا پانی تمہارے لئے فراہم کر سکتا ہے۔ عقل بدیہی شاہد ہے کہ بت ایسا نہیں کر سکتے بلکہ اللہ کے سوا کسی میں بھی اس کی قدرت نہیں۔

شیخ جلال الدین محلیؒ نے بیان کیا ہے کہ سورت کے ختم کرنے پر اللہ رب العالمین کہنا مستحب ہے۔ (یعنی پروردگار عالم ہی کو یہ قدرت حاصل ہے کہ ناقابل حصول پانی اپنی رحمت سے آسانی کے ساتھ بندوں کو عطا فرماتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کی ایک صورت جس کی تیس آیات ہیں آدمی (یعنی اپنے پڑھنے والے) کی سفارش اتنی کرے گی کہ اس شخص کو بخش دیا جائے گا اور وہ سورۃ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ہے۔ (احمد۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ ابن حبان۔ حاکم نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد صحیح بھی قرار دیا ہے)

بغوی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ کتاب اللہ کی ایک سورت ہے جو صرف تیس آیات کی ہے وہ آدمی کے لئے سفارش کرے گی اور قیامت کے دن اس کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کرے گی یہ سورت تبارک ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک الم تنزیل اور تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ پڑھ نہ لیتے تھے سوتے نہ تھے۔

(احمد، ترمذی، دارمی، ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ حفاظت کرنے والی ہے وہ اللہ کے عذاب سے نجات دینے والی ہے۔ (ترمذی)

خالد بن معدان نے فرمایا مجھے الم تنزیل اور اسی طرح تبارک الذی کے متعلق یہ اطلاع پہنچی ہے کہ ایک آدمی ان صورتوں کو پڑھا کرتا تھا ان کے علاوہ اور کچھ نہیں پڑھتا تھا اور تھا بڑا گنہگار (قبر میں) اس سورت نے (پرندہ کی شکل میں آ کر) اس پر اپنے پروں کا سایہ کر دیا اور عرض کیا الٰہی اس کو بخش دے۔ یہ مجھے بہت پڑھتا تھا اللہ نے اس کی سفارش قبول فرمائی اور فرمایا اس شخص کے ہر گناہ کی جگہ ایک نیکی لکھ دو اور اس کا درجہ اونچا کر دو۔

یہ بھی خالد کا قول ہے کہ قبر کے اندر یہ صورت اپنے پڑھنے والے کی طرف سے جھگڑا کرتی ہے اور کہتی ہے الٰہی اگر میں تیری کتاب میں سے ہوں تو میری سفارش اس (قاری) کے متعلق قبول فرما اور اگر میں تیری کتاب میں سے نہیں ہوں تو مجھے کتاب میں سے مٹا دے۔ یہ سورت (قبر) میں پرندہ کی طرح ہوگی اور اپنے بازو صاحب قبر پر پھیلا دیگی۔ اور اسکی سفارش کرے گی اور قبر کے عذاب سے اس کو بچا لیگی۔ طاؤس نے فرمایا دونوں (غالباً الم تنزیل اور تبارک الذی) قرآن کی ہر سورت سے بقدر ساٹھ نیکیوں سے بڑھ کر ہیں۔ (دارمی) (تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورۃ الملک ختم ہوئی

سورۃ القلم

جو اس کو خواب میں پڑھے گا اللہ تعالیٰ سے اس کو عنایت اور کامیابی اور قضاءت حاصل ہوگی۔ (ابن سیرینؒ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝۱

قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲

تو نہیں اپنے رب کے فضل سے دیوانہ

مشرکین کی تردید:

مشرکین مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (العیاذ باللہ) دیوانہ کہتے تھے۔ کوئی کہتا کہ شیطان کا اثر ہے جو یک بیک تمام قوم سے الگ ہو کر ایسی باتیں کرنے لگے ہیں جن کو کوئی نہیں مان سکتا، حق تعالیٰ نے اس خیال باطل کی تردید اور آپ کی تسلی فرما دی یعنی جس پر اللہ تعالیٰ کے ایسے ایسے فضل و انعام ہوں جن کو ہر آنکھ والا مشاہدہ کر رہا ہے مثلاً اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور حکمت و دانائی کی باتیں۔ مخالف و موافق کے دل میں اس قدر قوی تاثیر، اور اتنے بلند اور پاکیزہ اخلاق کیا اسے دیوانہ کہنا خود اپنی دیوانگی کی دلیل نہیں۔ دنیا میں بہت دیوانے ہوئے ہیں اور کتنے عظیم الشان مصلحین گزرے ہیں جن کو ابتداءً قوم نے دیوانہ کہہ کر پکارا ہے۔ مگر قلم نے تاریخی معلومات کا جو ذخیرہ بطون اوراق میں جمع کیا ہے وہ بابانگ دہل شہادت دیتا ہے کہ واقعی دیوانوں اور ان دیوانہ کہلانے والوں کے حالات میں کس قدر زمین و آسمان کا تفاوت ہے آج آپ کو (العیاذ باللہ) مجنون کے لفظ سے یاد کرنا بالکل وہی رنگ رکھتا ہے جس رنگ میں دنیا کے تمام جلیل القدر اور اولوالعزم مصلحین کو ہر زمانہ کے شریروں اور بے عقلوں نے یاد کیا ہے لیکن جس طرح تاریخ نے ان مصلحین کے اعلیٰ کارناموں پر بقاء و دوام کی مہر ثبت کی اور ان مجنون کہنے والوں کا نام ونشان باقی نہ چھوڑا قریب ہے کہ قلم اور اسکے ذریعہ سے لکھی ہوئی تحریریں آپ کے ذکر خیر اور آپ کے بے مثال کارناموں اور علوم و معارف کو ہمیشہ کے لیے روشن رکھیں گی اور آپ کو دیوانہ بتلانے والوں کا وجود صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ کر رہیگا۔ ایک وقت آئے گا جب ساری دنیا آپ کی حکمت و دانائی کی داد دیگی اور آپ کے کامل ترین انسان ہونے کو بطور ایک اجماعی عقیدہ کے تسلیم کریگی۔ بھلا خداوند قدوس جس کی فضیلت و برتری کو ازل الآزال میں اپنے قلم نور سے لوح محفوظ کی تختی پر نقش کر چکا، کسی کی طاقت ہے کہ مجنون و مفتون کی پھبتیاں کس کر اس کے ایک شوشہ کو مٹا سکے؟ جو ایسا خیال رکھتا ہو پرلے درجہ کا مجنون یا جاہل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قلم کی پیدائش

حضرت عبادہ ؓ بن صامت کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب سے اول اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ۔ قلم نے عرض کیا کیا لکھوں ارشاد فرمایا تقدیر کو لکھ۔ چنانچہ قلم نے ہر وہ چیز لکھ دی جو گزر گئی اور آئندہ کبھی بھی ہونے والی ہے۔ (ترمذی نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد غریب کہا ہے)

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آسمان اور زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ نے مخلوقات کی تقدیریں (اندازے) لکھ دیے تھے اور اس کا تخت (حکومت و اقتدار) پانی پر تھا۔ (مسلم)

بغویؒ نے کہا (تقدیریں لکھنے والا) قلم کا نور تھا جس کا طول آسمان وزمین کی درمیانی مسافت کے برابر تھا۔

دنیا میں علوم کے نقل اور اشاعت کا ذریعہ قلم ہے اور قلم کے ذریعہ علم و معرفت کے خزانے ایک قرن سے دوسرے قرن اور ایک قلب سے دوسرے قلب تک منتقل کئے جاتے ہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ قلم سے تقدیر الٰہی کا قلم مراد ہو جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا اللہ رب العزت نے سب سے اول قلم پیدا فرمایا اور پھر اس کو فرمایا "اکتب" یعنی لکھ اے قلم۔ قلم نے کہا اے پروردگار کیا لکھوں جواب ملا۔ لکھ لے ہر وہ چیز جو موجود ہے اور وہ بھی جو قیامت تک ہونے والا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

مچھلی کی پیدائش:

نٓ سے مراد وہ بڑی مچھلی ہے جو ایک محیط عالم پانی پر ہے جو ساتوں زمینوں کو اٹھائے ہوئے ہے۔ ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے خدا تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ! اس نے کہا کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر لکھ ڈال۔ پس اس دن سے لیکر قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے

اس پر قلم جاری ہوگیا۔ پھر خدائے تعالیٰ نے مچھلی پیدا کی اور پانی کے آبخرے بلند کئے جس سے آسمان بنے اور زمین کو اس مچھلی کی پیٹھ پر رکھا، مچھلی نے حرکت کی جس سے زمین بھی ہلنے لگی۔ پس زمین پر پہاڑ گاڑ کر اسے مضبوط اور ساکن کر دیا پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی (ابن ابی حاتم)

ابن عساکر کی حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پھر ن یعنی دوات کو، پھر قلم سے فرمایا لکھ لے! اس نے پوچھا کیا؟ فرمایا جو ہو رہا ہے اور جو ہونے والا ہے، عمل، رزق، عمر، موت، وغیرہ پس قلم نے سب کچھ لکھ لیا۔ یہی مراد ہے اس آیت میں پھر قلم پر مہر لگا دی اور وہ قیامت تک نہ چلے گا۔ پھر عقل کو پیدا کیا اور فرمایا مجھے اپنی عزت کی قسم اپنے دوستوں میں تو میں تجھے کمال تک پہنچاؤں گا اور اپنے دشمنوں میں تجھے ناقص رکھوں گا۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہ مشہور تھا کہ نون سے مراد وہ مچھلی ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے۔

عبداللہ بن سلام کے تین سوال:

مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ جب عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آ گئے ہیں تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور بہت کچھ سوالات کئے۔ کہا کہ میں وہ باتیں پوچھنی چاہتا ہوں جنہیں نبیوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، بتلائیے قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے؟ اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ کبھی بچہ اپنے باپ کی طرف کھنچتا ہے کبھی ماں کی طرف؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ باتیں ابھی ابھی جبرئیل علیہ السلام نے مجھے بتا دیں۔ ابن سلام رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔ فرشتوں میں سے یہی فرشتہ ہے جو یہودیوں کا دشمن ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنو! قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ کا نکلنا ہے جو لوگوں کو مشرق کی طرف سے مغرب کی طرف لے جائے گی اور جنتیوں کا پہلا کھانا مچھلی کی کلیجی کی زیادتی ہے۔ اور مرد کا پانی عورت کے پانی پر سابق آ جائے تو لڑکا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت کر جائے تو کھینچ لیتی ہے، دوسری حدیث میں اتنی زیادتی ہے کہ پوچھا جنتیوں کے اس کھانے کے بعد انہیں کیا ملے گا؟ فرمایا جنتی بیل ذبح کیا جائے گا جو جنت میں چرتا چگتا رہا تھا۔ پوچھا انہیں پانی کون سا ملے گا؟ فرمایا سلسبیل نامی نہر کا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد ''ن'' سے نور کی تختی ہے۔

(قلم آلہ تحریر ہے۔ کیونکہ قلم کو اہل علم کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔ مؤخر الذکر صورت میں اہل قلم کی طرف بھی ضمیر لوٹ سکتی ہے یا اعمال نامے لکھنے والے فرشتے مراد ہیں یا علماء مراد ہیں جو علوم دین لکھتے ہیں۔

مَآ اَنۡتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ بِمَجۡنُوۡنٍ آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں ہیں۔ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ حال ہے۔ یعنی فضل خدا کی موجودگی میں آپ دیوانہ نہیں ہیں۔ بنعمت فضل سے مراد ہے نبوت، شرافت، کمال فہم، عظمت مرتبہ، علوم، اور دوسرے مکارم۔

کافروں کی بیہودگی:

بغوی نے لکھا ہے کہ کافر کہتے تھے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡ نُزِّلَ عَلَیۡهِ الذِّکۡرُ اِنَّكَ لَمَجۡنُوۡنٌ۔ اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا ہے حقیقت میں بلاشبہ تو دیوانہ ہے۔ کافروں کے اس قول کے جواب میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ابن منذر نے بھی ابن جریج کی روایت سے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کا دعویٰ کیا سب لوگوں کی مخالفت مول لی۔ اس وقت آپ تنگدست بھی تھے۔ اور کافروں کا غلبہ بھی تھا۔ اس لئے کافروں نے بطور تعجب قول مذکور کہا تھا۔ کہ ایسی حالت میں ایسا دعویٰ کرنا دیوانہ ہی کا کام ہے۔

جب کسی کو فضل الٰہی یعنی علم، عقل، فہم اور دوسرے کمالات اس حد تک ہوں اس کو دیوانہ کہنا محض بے ہودگی ہے ایسی بات وہی کہہ سکتا ہے جو گدھے سے بھی بڑھ کر احمق اور کودن ہو۔ کیا تم کو نہیں معلوم کہ جب حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لئے گدھی پر سوار تھی تو گدھی نے کعبہ کی طرف تین بار سجدہ کیا اور کہا کہ میری پشت پر افضل الانبیاء سید المرسلین خیر الاولین والآخرین حبیب رب العالمین سوار ہیں۔ مواہب لدنیہ میں اس روایت کو ایک طویل حدیث کے ذیل میں ذکر کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ کافر گدھے سے بھی زیادہ بیوقوف تھے۔ (تفسیر مظہری)

فائدہ: علماء نے فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ جس چیز کی قسم کھاتے ہیں وہ مضمون قسم پر ایک شہادت ہوتی ہے یہاں مَا یَسۡطُرُوۡنَ سے دنیا کی تاریخ میں جو کچھ لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے اس کو بطور شہادت پیش کیا ہے کہ دنیا کی تاریخ کو دیکھو، ایسے اعلیٰ اخلاق و اعمال والے کہیں مجنون ہوتے ہیں وہ تو دوسروں کی عقل درست کرنے والے ہوتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِنَّ لَكَ لَاَجۡرًا غَيۡرَ مَمۡنُوۡنٍ ③

اور تیرے واسطے بدلہ ہے بے انتہا ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بلند مرتبہ:

یعنی آپ غمگین نہ ہوں ان کے دیوانہ کہنے سے آپ کا اجر بڑھتا ہے اور غیر محدود فیض ہدایت بنی نوع انسان کو آپ کی ذات سے پہنچنے والا ہے اس کا بے انتہا اجر و ثواب آپ کو یقیناً ملنے والا ہے۔ کیا دیوانوں اور پاگلوں کا مستقبل ایسا پائدار اور شاندار کسی نے دیکھا ہے؟ یا کسی مجنون کی اسکیم اس طرح کامیاب ہوتے سنی ہے؟ پھر جس کا رتبہ اللہ کے ہاں اتنا بڑا ہو اس کو چند احمقوں کے دیوانہ کہنے کی کیا پروا ہونی چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيۡمٍ ④

اور تو پیدا ہوا ہے بڑے خلق پر ☆

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر اداء اعلیٰ ہے:

یعنی اللہ تعالیٰ نے جن اعلیٰ اخلاق وملکات پر آپ کو پیدا فرمایا، کیا دیوانوں میں ان اخلاق وملکات کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ ایک دیوانے کے اقوال وافعال میں قطعاً نظم وترتیب نہیں ہوتی، نہ اس کا کلام اس کے کاموں پر منطبق ہوتا ہے برخلاف اسکے آپ کی زبان قرآن ہے اور آپ کے اعمال واخلاق قرآن کی خاموش تفسیر۔ قرآن جس نیکی، جس خوبی، اور بھلائی کی طرف دعوت دیتا ہے وہ آپ میں فطرۃً موجود، اور جس بدی وزشتی سے روکتا ہے آپ طبعاً اس سے نفور و بیزار ہیں۔ پیدائشی طور پر آپ کی ساخت اور تربیت ایسی واقع ہوئی ہے کہ آپ کی کوئی حرکت اور کوئی چیز حد تناسب واعتدال سے ایک انچ ادھر اُدھر ہٹنے نہیں پاتی۔ آپ کا حُسن اخلاق اجازت نہ دیتا تھا کہ جاہلوں اور کمینوں کے طعن وتشنیع پر کان دھریں جس شخص کا خلق اس قدر عظیم اور مطمح نظر اتنا بلند ہو۔ بھلا وہ کسی مجنون کے مجنون کہہ دینے پر کیا التفات کریگا۔ آپ تو اپنے دیوانہ کہنے والوں کی نیک خواہی اور دردمندی میں اپنے کو گھلائے ڈالتے تھے جس کی بدولت ''فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ'' کا خطاب سننے کی نوبت آتی ہے۔ فی الحقیقت اخلاق کی عظمت کا سب سے زیادہ عمیق پہلو یہ ہے کہ آدمی دنیا کی ان حقیر ہستیوں سے معاملہ کرتے وقت خداوند قدوس کی عظیم ہستی سے غافل وذاہل نہ ہو۔ جب تک یہ چیز قلب میں موجود رہیگی تمام معاملات عدل واخلاق کی میزان میں پورے اتر ینگے۔ کیا خوب فرمایا شیخ جنید بغدادیؒ نے ''سمی خلقه عظيما اذ لم تكن له همة سوى الله تعا لىٰ عاشر الخلق بخلقه و ذاهلهم بقلبه فكان ظاهرهٗ مع الخلق وبا طنه مع الحق'' وفي وصية بعض الحكماء ''علیک بالخلق مع الخلق و با لصدق مع الحق''. (تفسیر عثمانی)

حضور کا صبر اور رحمت:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ بلاشبہ آپ بڑے اخلاق کے مالک ہیں کیونکہ آپ ایسی (ایذا رساں توہین آگیں) باتیں برداشت کر لیتے تھے جو دوسرے لوگ نہیں برداشت کر سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے راستے میں جو دکھ مجھے دیا گیا ہے وہ کسی کو نہیں دیا گیا (ابونعیم فی الحلیۃ براویت حضرت انسؓ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر ورحمت:

ابن عساکر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اس طرح نقل کی ہے۔ حضرت ابوہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مشرکوں کے لئے بددعا کر دیجئے فرمایا مجھے لعنت گر بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے بلکہ محض رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے (مسلم)

کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دیوانہ ہونے کی تہمت لگائی اور دیوانہ کسی اجر کا مستحق نہیں ہوتا یا اس کو بھلائی کا حق نہیں ہوتا بہرحال ان دونوں جملوں سے نفی جنون کی تاکید اور کافروں کی قول کی بہترین طریقے سے تردید ہوگئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہد کا قول ہے کہ خلق عظیم سے مراد ہے دین عظیم یعنی دین اسلام اس سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ مجھے کوئی مذہب نہیں حسنؒ کا قول ہے کہ خلق عظیم آداب قرآنی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا کیا تم قرآن (میں) نہیں پڑھتے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ. الخ (مسلم فی الصحیح والبخاری فی الادب المفرد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن:

حضرت براء رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خوبصورت اور جسمانی لحاظ سے حسین ترین تھے نہ بے تکے دراز قامت تھے نہ کوتاہ قد۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ لیکن حضور نے کبھی مجھے ہوں بھی نہیں فرمایا اگر میں نے کوئی کام کر لیا تو یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام کیوں کیا اور نہیں کیا تو یہ نہیں فرمایا کہ کیوں نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہی خوش خلق تھے کوئی ریشم۔ کوئی سلک بلکہ کوئی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم میں نے نہیں چھوئی نہ حضور کے پسینہ سے زیادہ خوشبودار کسی مشک اور عطر کو پایا۔ (مسلم و بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ایک عورت کی عقل میں کچھ فتور تھا اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کام ہے ارشاد فرمایا اے عورت مدینہ کی جس گلی میں چاہے بیٹھ جا میں بھی تیرے پاس بیٹھ جاؤں گا چنانچہ حضور اس کے پاس (زمین پر) بیٹھ گئے اس نے اپنا کام پورا کر لیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ مدینہ کی باندی بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی تھی لے جاتی تھی۔ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مصافحہ کرتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک اس وقت تک اس کے ہاتھ سے الگ نہ کرتے جب تک وہ خود ہی اپنا ہاتھ الگ نہ کر لیتا نہ اپنا رخ اس طرف سے پھیرتے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ہم نشین کے سامنے دو زانو بڑھائے دیکھا گیا۔ (ترمذی)

اعلیٰ کردار:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راہ خدا میں جہاد کے بغیر اپنے ہاتھ سے (کسی کے) کوئی چیز نہیں ماری نہ کسی خادم کو مارا نہ کسی عورت کو نہ کسی حق تلفی کرنے والے سے انتقام لیتے تھے ہاں اگر کوئی ضوابط الٰہیہ کی خلاف ورزی کرتا تھا تو اس کو اللہ کے واسطے حضور سزا دیتے تھے۔ (مسلم)

بے مثال سخاوت:

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ پیدل جا رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نجرانی چادر موٹی کناری کی پہنے ہوئے تھے ایک دیہاتی آ پہنچا اور چادر پکڑ کر اتنی زور سے کھینچی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن کے ایک طرف چادر کی کناری کا نشان پڑ گیا اس کے بعد کہنے لگا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو خدا کا مال تیرے پاس ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی دینے کا حکم دے دے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف رخ پھیرا اور ہنس دیئے پھر کچھ عطا فرمانے کا حکم دیا۔ (مسلم و بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے رسول اللہ سب سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ (مسلم و بخاری)

حضرت جابرؓ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سوال کے جواب میں نہیں کبھی نہیں فرمایا۔ (مسلم و بخاری)

حضرت جبیرؓ بن مطعم نے بیان کیا ہے حنین سے واپسی میں میں رسول اللہ کے ساتھ چل رہا تھا (اثناء راہ میں) کچھ دیہاتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگنے کے لئے چمٹ گئے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کیکر کے درخت کی پناہ لینے پر مجبور ہو گئے دیہاتیوں نے حضور کی چادر جھپٹ لی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ان سے فرما رہے تھے کہ مجھے میری چادر دے دو اگر میرے پاس ان سنگریزوں کے برابر بھی اونٹ ہوں گے تو میں تمہیں بانٹ دوں گا تم مجھے نہ بخیل پاؤ گے نہ جھوٹا نہ کم حوصلہ (یا بزدل) (بخاری)

حسن اخلاق:

اور ابوداؤدؒ نے یہ حدیث نقل کی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابیوں سے فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ جنت کے اندر لوگوں کو سب سے زیادہ تعداد میں کیا چیز لے جائے گی صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتا ہے فرمایا کہ جنت کے اندر سب سے زیادہ تعداد میں لوگوں کو لے جانے والی چیز تقویٰ اور حسن اخلاق ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ پیارے لوگوں میں سے وہ شخص ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو (بخاری) صحیحین کی ایک دوسری روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے برگزیدہ لوگوں میں سے میرے نزدیک وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

بیہقی نے شعب الایمان میں ایک مزنی شخص کی روایت سے اور شرح السنہ میں حضرت اسامہ بن شریک کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اچھی چیز آدمی کو کیا دی گئی ہے فرمایا کہ اچھا خلق ہے (تفسیر مظہری)

قرآن مجسم:

مطلب اس حدیث کا جو کئی طریق سے مختلف الفاظ میں کئی کتابوں میں ہے یہ ہے کہ ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جبلت اور پیدائش خدائے عالم نے پسندیدہ اخلاق اور خصلتیں اور پاکیزہ عادتیں رکھی تھیں تو اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل قرآن کریم پر ایسا تھا کہ گویا احکام قرآن کا مجسم عملی نمونہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ہر حکم کو بجالانے اور ہر نہی سے رک جانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت یہ تھی کہ گویا قرآن میں جو کچھ ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کریمانہ اخلاق کا بیان ہی ہے۔ (مسند احمد)

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خوب صورت اور سب سے زیادہ خلیق تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قد نہ تو بہت لانبہ تھا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پست قامت تھے اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔

اعلیٰ نمونہ: شمائل ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے نہ تو کبھی کسی خادم یا غلام کو مارا ہو کی بچوں کو نہ کسی اور کو، ہاں خدا کی راہ کا جہاد الگ چیز ہے۔ جب کبھی دو کاموں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے زیادہ پسند کرتے جو زیادہ آسان ہوتا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اس میں کچھ گناہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت دور ہو جاتے۔ کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بدلا کسی سے نہیں لیا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی خدا کی حرمتوں کو توڑتا ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے احکام جاری کرنے کے لئے ضرور انتقام لیتے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں میں بہترین اخلاق اور پاکیزہ ترین عادتوں کو پورا کرنے کیلئے آیا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کاملہ میں غور کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے کہ دیوانو ذرا تو دیکھو کہیں مجنوں دیوانوں کے ایسے اخلاق و اعمال ہوا کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خلق عظیم سے مراد دین عظیم ہے کہ اللہ کے نزدیک اس دین اسلام سے زیادہ کوئی محبوب دین نہیں حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق خود قرآن ہے یعنی قرآن کریم جن اعلیٰ اعمال اخلاق کی تعلیم دیتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کا عملی نمونہ ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ خلق عظیم سے مراد آداب القرآن ہیں یعنی وہ آداب جو قرآن نے سکھائے ہیں۔ حاصل سب کا تقریباً ایک

ہی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود میں حق تعالیٰ نے تمام ہی اخلاق فاضلہ بدرجہ کمال جمع فرما دیئے تھے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعثت لا تم مکا رم الا خلا ق یعنی مجھے اس کام لئے بھیجا گیا ہے کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں۔ (ابوحیان)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اس پوری مدت میں جو کام میں نے کیا اس پر کبھی یہ نہیں فرمایا کہ ایسا کیوں کیا اور جو کام نہیں کیا اس پر کبھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام کیوں نہیں کیا (حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ دس سال کی مدت خدمت کرنے والے کے بہت سے کام خلاف طبع ہوں گے۔ (بخاری ومسلم)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کی مکارم اخلاق کا یہ حال تھا کہ مدینہ کی کوئی لونڈی باندی بھی آپ کا ہاتھ پکڑ کر جہاں لے جانا چاہے لے جاسکتی تھی۔ (رواہ البخاری)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارا بجز جہاد فی سبیل اللہ کے کہ اس میں کفار کو مارنا قتل کرنا ثابت ہے ورنہ آپ نے نہ کسی خادم کو نہ کسی عورت کو کبھی نہیں مارا ان میں سے کسی سے خطا ولغزش بھی ہوئی تو اس کا انتقام نہیں لیا بجز اس کے کہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہو۔ تو اس پر شرعی سزا جاری فرمائی۔ (رواہ مسلم)

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی چیز کا سوال نہیں کیا گیا جس کے جواب میں آپ نے نہیں فرمایا ہو۔ (بخاری ومسلم)

اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ فحش گو تھے نہ فحش کے پاس جاتے تھے نہ بازاروں میں شور وشغب کرتے تھے برائی کا بدلہ کبھی برائی سے نہیں دیتے تھے۔ بلکہ معافی اور درگزر کا معاملہ فرماتے تھے اور حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میزان عمل میں خلق حسن کے برابر کسی عمل کا وزن نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ گالی گلوچ کرنے والے بدزبان سے بغض رکھتے ہیں۔ (رواہ الترمذی وقال الحدیث حسن صحیح)

اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان اپنے حسن خلق کی بدولت اس شخص کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو ہمیشہ رات کو عبادت میں جاگتا اور دن بھر میں روزہ رکھتا ہو۔ (رواہ ابوداؤد)

اور حضرت معاذ نے فرمایا مجھے یمن کا عامل مقرر کر کے بھیجنے کے وقت آخری وصیت جو آپ نے مجھے اس وقت فرمائی جبکہ میں اپنا ایک پاؤں رکاب میں رکھ چکا تھا وہ یہ تھی یَا مُعَاذُ اَحْسِنْ خُلُقَکَ لِلنَّاسِ (اے معاذ لوگوں سے حسن خلق کا برتاؤ کرو۔ رواہ مالک) یہ سب روایات حدیث تفسیر مظہری سے نقل کی گئی ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝۵ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝۶

سو اب تو بھی دیکھ لے گا اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ کون ہے تم میں جو بچل رہا ہے☆

حقیقت واضح ہونے والی ہے:

یعنی دل میں تو پہلے سے سمجھتے ہیں، لیکن عنقریب فریقین کو آنکھوں سے نظر آ جائیگا کہ دونوں میں کون ہشیار اور عاقبت اندیش تھا اور کس کی عقل ماری گئی تھی جس کی وجہ سے پاگلوں کی طرح بہکی بہکی باتیں کرتا تھا"۔ (تفسیر عثمانی)

دراصل کافر بے عقل ہیں:

(یعنی تم میں سے کس کو جنون تھا) یا یہ مراد ہے کہ دونوں فریقوں میں سے کس کو جنون تھا مومنوں کے فرقہ کو یا کافروں کے فرقہ کو مجنون کہنا کس فریق کو زیبا ہے۔

حاصل مطلب یہ نکلا کہ کافروں کو ہی جنون ہے کیونکہ عقل کا تقاضا ہے کہ دو اختیاری چیزوں میں سے ایک کو انتخاب کر لینے کا اگر کسی کو اختیار دیا جائے اور دو مصیبتوں میں سے ایک مصیبت میں مبتلا ہونا لازم ہو تو جو چیز دونوں میں اچھی ہو اور جو مصیبت آسان ہو اس کو آدمی اختیار کرے مومن تو اس خدا سے لو لگائے ہوئے ہیں جو جامع کمالات ہے تمام عیوب سے پاک ہے نفع نقصان اسی کے دست قدرت میں ہے اسی کی مرضی کی طلب میں مومن اپنی پوری ہمت صرف کرتے ہیں۔ اس کی ناراضگی پیدا کرنے والی چیزوں سے پرہیز رکھتے ہیں دنیا کی ذلیل ناپائیدار فانی نعمتوں کو اختیار نہیں کرتے اور کافروں کی نظر اس کائنات پر مقصود ہے جو بغیر حکم خدا نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر بلکہ پتھروں کی پوجا کو انہوں نے اختیار کر رکھا ہے اور اللہ واحد قہار کی عبادت کو چھوڑ دیا ہے اور آخرت کی دوامی نعمتوں کو ترک کر کے دنیا کی فوری لذتوں کو پسند کر رکھا ہے حالانکہ یہ لذتیں بھی اتنی ہی ملتی ہیں جتنی خدا چاہتا ہے۔ غرض دوزخ کو جنت پر انہوں نے ترجیح دے رکھی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ

بیشک تیرا رب وہی خوب جانے اُس کو جو بہکا

عَنْ سَبِيْلِهٖ ۖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۷

اُس کی راہ سے اور وہی خوب جانتا ہے راہ پانے والوں کو ☆

یعنی پوری طرح علم تو اللہ ہی کو ہے کہ کون لوگ راہ پر آنیوالے ہیں اور کون بھٹکنے والے لیکن نتائج جب سامنے آئینگے تو سب کو نظر آ جائیگا کہ کون کامیابی کی منزل پر پہنچا اور کون شیطان کی رہزنی کی بدولت ناکام ونامراد رہا۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۸

سو تو کہنا مت مان جھٹلانے والوں کا

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿۹﴾

وہ چاہتے ہیں کسی طرح تو ڈھیلا ہو تو وہ بھی ڈھیلے ہوں ☆

مداہنت کی ضرورت نہیں:

یعنی راہ پر آنیوالے نہ آنیوالے سب اللہ کے علم محیط میں طے شدہ ہیں لہٰذا دعوت تبلیغ کے معاملہ میں کچھ رورعایت کی ضرورت نہیں جس کو راہ پر آنا ہوگا آرہیگا اور جو محروم ازلی ہے وہ کسی لحاظ ومروت سے ماننے والا نہیں۔ کفار مکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ آپ بت پرستی کی نسبت اپنا سخت رویہ ترک کردیں اور ہمارے معبودوں کی تردید نہ کریں ہم بھی آپ کے خدا کی تعظیم کرینگے اور آپ کے طور وطریق اور مسلک ومشرب سے متعرض نہ ہوں گے۔ ممکن تھا کہ ایک مصلح اعظم کے دل میں جو "خلق عظیم" پر پیدا کیا گیا ہے۔ نیک نیتی سے یہ خیال آجائے کہ تھوڑی سی نرمی اختیار کرنے اور ڈھیل دینے سے کام بنتا ہے تو برائے چندے نرم روش اختیار کرنے سے کیا مضائقہ ہے اس پر حق تعالی نے متنبہ فرمادیا کہ آپ ان مکذبین کا کہنا نہ مانیے ان کی غرض محض آپ کو ڈھیلا کرنا ہے، ایمان لانا اور صداقت کو قبول کرنا مقصود نہیں۔ آپ کی بعثت کی اصلی غرض اس صورت میں حاصل نہیں۔ ہوتی آپ تو ہر طرف سے قطع نظر کرکے اپنا فرض ادا کرتے رہیے۔ کسی کو منوادینے اور راہ پر لے آنے کے آپ کے ذمہ دار نہیں (تنبیہ) "مداہنت" اور "مدارات" میں بہت باریک فرق ہے اول الذکر مذموم ہے اور آخر الذکر محمود فلا تغفل۔ (تفسیر عثمانی)

(مطلب یہ ہوگا کہ وہ مداہنیت مذہبی) (معاملات میں نرمی) فریقین کی طرف سے چاہتے ہیں لیکن اس بات کے خواستگار ہیں کہ پہلے آپ نرمی کریں پھر وہ کریں دوسری صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ وہ تمہاری طرف سے نرمی کے خواستگار ہیں اس طمع میں وہ خود بھی نرمی کرتے ہیں یعنی اگر ممانعت شرک میں تم ان کے ساتھ کچھ نرمی کرو یا بعض امور کبھی کبھی ان سے موافقت کرلو تو وہ بھی تم پر طعن کرنا اور بعض امور میں تمہاری مخالفت کرنا ترک کردیں گے۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: اس آیت میں معلوم ہوتا ہے کہ دین کے معاملہ میں نرمی کرنی حرام ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار وفجار کے ساتھ یہ سودا کرلینا کہ ہم تمہیں کچھ نہیں کہتے تم ہمیں کچھ نہ کہو۔ یہ مداہنت فی الدین اور حرام ہے (مظہری) یعنی بلا کسی اضطرار اور مجبوری کے ایسا معاہدہ جائز نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿۱۰﴾

اور تو کہا مت مان کسی قسمیں کھانے والے بے قدر کا ☆

کافروں کے اوصاف:

یعنی جس کے دل میں خدا کے نام کی عظمت نہیں، جھوٹی قسم کھالینا ایک معمولی بات سمجھتا ہے اور چونکہ لوگ اس کی باتوں پر اعتبار نہیں کرتے۔ اس لیے یقین دلانے کے لیے بار بار قسمیں کھا کر بے قدر اور ذلیل ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: قسمیں کھانا مکروہ ہے۔ (مظہری)

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ﴿۱۱﴾

طعنے دے چغلی کھاتا پھرے،

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾

بھلے کام سے روکے حد سے بڑھے بڑا گنہگار

عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿۱۳﴾

اُجڈ ان سب کے پیچھے بدنام ☆

یعنی ان خصلتوں کے ساتھ بدنام اور رسوائے عالم بھی ہے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "کہ یہ سب کافر کے وصف ہیں آدمی اپنے اندر دیکھے اور یہ خصلتیں چھوڑے" (تنبیہ) "زنیم" کے معنی بعض سلف کے نزدیک ولد الزنا اور حرام زادے کے ہیں جس کافر کی نسبت یہ آیتیں نازل ہوئیں وہ ایسا ہی تھا۔ (تفسیر عثمانی)

بھلا اور برا شخص:

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے بھلا شخص کون ہے؟ لوگوں نے کہا ضرور ارشاد فرمائیے۔ فرمایا! وہ کہ جب انہیں دیکھا جائے، خدا یاد آجائے، اور سن لو سب سے بدتر شخص وہ ہے جو چغل خور ہو، دوستوں میں فساد ڈلوانے والا ہو۔ ، پاک صاف لوگوں کو تہمت لگانے والا ہو ترمذی میں بھی یہ روایت ہے پھر ان بدلوگوں کے اور ناپاک خصائل بیان ہورہے ہیں کہ بھلائیوں سے باز رہنے والا اور باز رکھنے والا ہے، حلال چیزوں اور حلال کاموں سے ہٹ کر حرام خوری اور حرام کاری میں پڑتا ہے گنہگار بدکردار محرمات کو استعمال کرنے والا بدخو بدگو جمع کرنے والا اور نہ دینے والا ہے مسند احمد۔

حدیث میں ہے کہ زنا کی اولاد جنت میں نہیں جائیگی اور روایت میں ہے کہ زنا کی اولاد تین برے لوگوں کی برائی کا مجموعہ ہے اگر وہ بھی اپنے ماں باپ کے سے کام کرے۔

ابن جریر نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ. نازل ہوئی تو ہم

کو کسی کی خصوصی شناخت نہ ہو سکی لیکن اس کے بعد زنیم کا لفظ نازل ہوا تو ہم پہچان گئے بکری کے کانوں (تھنوں) کی طرح اس کے کانوں میں لٹکا ؤ تھا۔

سعید بن جبیر نے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ وہ شر میں ایسا ہی معروف تھا جس طرح بکری اپنے لٹکائے ہوئے کانوں اور (تھنوں) سے پہچانی جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ شاید زنیم ہونے کی صفت مذکورہ بالا قبائح سے زیادہ بری تھی اس لیے تو چند قبائح کے ذکر کے بعد زنیم کو ذکر کیا۔

حارث بن وہب خزاعی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا میں تم کو نہ بتاؤں (کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون ہے) جنتی ہر وہ ضعیف آدمی ہے کہ اگر خدا کے بھروسہ پر وہ قسم کھا لے تو اللہ اس کی قسم سچی کردے اور دوزخی ہے ہر بدخلق اکھڑ مغرور (بغوی) (تفسیر مظہری)

اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۝١٤

اس واسطے کہ رکھتا ہے مال اور بیٹے ☆

مالداری معیار نہیں ہے:

یعنی ایک شخص اگر دنیا میں طالع مند اور خوش قسمت نظر آتا ہے۔ مثلاً مال واولاد وغیرہ رکھتا ہے محض اتنی بات سے اس لائق نہیں ہو جاتا کہ اس کی بات مانی جائے۔ اصل چیز انسان کے اخلاق و عادات ہیں۔ جس شخص میں شرافت اور خوش اخلاقی نہیں اللہ والوں کا کام نہیں کہ اس کی ابلہ فریب باتوں کی طرف التفات کریں۔ (تفسیر عثمانی)

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ

جب سنائے اس کو ہماری آیتیں کہے

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٥

یہ نقلیں ہیں پہلوں کی ☆

یعنی اللہ کی باتوں کو یہ کہہ کر جھٹلاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝١٦

اب داغ دینگے ہم اس کو سونڈ پر ☆

ولید بن مغیرہ کی رسوائی:

کہتے ہیں قریش کا ایک سردار ولید بن مغیرہ تھا اس میں یہ سب اوصاف مجتمع تھے اور ناک پر داغ دینے سے مراد اس کی رسوائی اور روسیاہی ہے شاید دنیا میں حسی طور پر بھی کوئی داغ پڑا ہو یا آخرت میں پڑیگا۔ (تفسیر عثمانی)

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝ یہ جملہ مستانفہ (الگ) ہے اس سے تہدید اور تخویف ہے خرطوم ہاتھی کی سونڈھ اور خنزیر کی تھوتھنی یہاں مراد ناک ہے اس شخص کو ہاتھی اور سور کے ساتھ تشبیہ دیکر اس کی ناک کو ہاتھی کی سونڈھ یا خنزیر کی تھوتھنی قرار دیا فراء کے نزدیک پورا چہرہ مراد ہے جزء بول کر کل مراد لے لیا جاتا ہے ابوالعالیہ اور مجاہد نے کہا قیامت کے دن اس کا منہ کالا ہو جائے گا اس علامت سے اس کی شناخت ہو جائیگی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (مراد یہ ہے کہ ہم اس کی ناک میں تلوار کی نکیل ڈالینگے چنانچہ بدر کے دن ایسا ہی ہوا۔ (تفسیر مظہری)

ایسے نالائق اور بدبخت انسان کے لیے تو ہم نے یہ طے کر لیا اور ہم داغ دیں گے اس کی سونڈ پر اسکی وہ ناک جو سونڈ کی طرح ہے نہایت ہی بے ڈول اور چوڑی بڑی بھدی نظر آتی ہے یہ شخص قریش کا ایک سردار ولید بن مغیرہ تھا جس میں یہ تمام اوصاف تمام وکمال موجود تھے۔

ناک ہی انسان کے غرور وتکبر کا نشان ہے عرف میں ناک عزت وآبرو کو کہتے ہیں اور ذلت و رسوائی کو محاورات میں ناک کٹ جانا کہتے ہیں تو اس لحاظ سے غرور خود بینی کے نشان پر داغ لگایا جانا تکبر اور سرتابی کی مناسب سزا ہوئی۔ (معارف کاندھلوی)

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ج

ہم نے اُن کو جانچا ہے جیسے جانچا تھا باغ والوں کو ☆

دولت، مال واولاد آزمائش ہے:

یعنی مال اولاد کی کثرت کوئی مقبولیت کی علامت نہیں' نہ اللہ کے ہاں اس کی کچھ قدر وقیمت ہے لہٰذا کفار مکہ اس چیز پر مغرور نہ ہوں یہ تو اللہ کی طرف سے ان کی آزمائش اور جانچ ہے جیسے پہلے بعض لوگوں کی جانچ کی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ ۔ یعنی قحط اور بھوک سے ہم نے اہل مکہ کی آزمائش کی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کے لیے بددعا کی کہ الٰہی ان پر (زمانہ) یوسف کا ایسا قحط ڈال (تو اللہ نے ان کو قحط میں مبتلا کر دیا یہاں تک کہ لوگ ہڈیاں اور مردار کھا گئے۔

ابن ابی حاتم بروایت ابن جریج نے بیان کیا کہ بدر کے دن ابوجہل نے مسلمانوں کی تعداد کم دیکھ کر کہا تھا ان کو پکڑ کر رسیوں میں باندھ لو قتل کسی کو نہ کرنا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم نے مکہ والوں کو مسلمانوں پر اتنی قوت عطا فرمائی جیسی اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ کو دی تھی۔

باغ والوں کا قصہ:

محمد بن مروان بروایت قلبی بحوالہ ابن صالح حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ یمن میں صنعاء سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر ایک نیک شخص نے ایک باغ لگایا تھا جس کو صروان کہا جاتا تھا اس شخص کا دستور تھا کہ درانتی

کی زد سے جو پھل درختوں پر بچ رہتے تھے اُن کو مسکینوں کیلئے چھوڑ دیتا تھا اسی طرح پھل توڑنے میں جو پھل نیچے بچھے ہوئے فرش سے باہر گرتے تھے وہ بھی مسکینوں کے ہوتے تھے باغ کے اندر کھیتی کی بھی یہی کیفیت تھی کٹتے وقت درانتی سے جو پودا بچ رہتا وہ مسکینوں کا ہوتا تھا اور دائیں چلاتے میں جو حصہ ادھر ادھر منتشر ہو جاتا وہ بھی مسکینوں کا حق تھا اس شخص کے مرنے کے بعد اس کے تین بیٹے وارث ہوئے انہوں نے آپس میں کہا کہ اس زمانہ میں مال تو کم ہے اور بچے زیادہ ہوگئے ہیں اس لیے باپ کی طرح ہم نہیں کرسکتے ایسا تو اس وقت کیا جاتا تھا جب مال زیادہ اور بچے کم تھے چنانچہ ہم باہم قسمیں کھالیں کہ ہم اب ایسا نہیں کریں گے۔

اِذْ اَقْسَمُوْا لَیَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِیْنَ ﴿۱۷﴾
جب اُن سب نے قسم کھائی کہ اُس کا میوہ توڑینگے صبح ہوتے
وَلَا یَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۸﴾
اور ان شاء اللہ نہ کہا ☆

نیت بد کا انجام:

کئی بھائی جن کے باپ نے ترکہ میں میوے کا ایک باغ چھوڑا تھا۔ اس میں کھیتی بھی ہوتی ہوگی۔ سارا گھر اس کی پیداوار سے آسودہ تھا' باپ کے زمانہ میں عادت تھی کہ جس دن میوہ توڑا جاتا یا کھیتی کٹتی تو شہر کے سب فقیر محتاج جمع ہو جاتے یہ سب کو تھوڑا بہت دیدیتا اسی سے برکت تھی' اس کے انتقال کے بعد بیٹوں کو خیال ہوا کہ فقیر جو اتنا مال لے جاتے ہیں' وہ اپنے ہی کام آئے تو خوب ہو۔ کیوں ہم ایسی تدبیر نہ کریں کہ فقیروں کو کچھ دینا نہ پڑے اور ساری پیداوار گھر میں آجائے پھر آپس میں مشورہ کر کے یہ رائے قرار پائی کہ صبح سویرے ہی توڑ کر گھر لے آئیں۔ فقیر جائینگے تو وہاں کچھ نہ پائینگے اور اپنی اس تدبیر پر ایسا یقین جمایا کہ ''انشاء اللہ'' بھی نہ کہا۔ (تفسیر عثمانی)

فَطَافَ عَلَیْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ
پھر پھیرا کر گیا اُس پر کوئی پھیرے والا تیرے رب کی طرف سے
نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِیْمِ ﴿۲۰﴾
اور وہ سوتے ہی رہے پھر صبح تک ہو رہا جیسے ٹوٹ چکا ☆

یعنی رات کو بگولا اٹھا، آگ لگی یا اور کوئی آفت پڑی سب کھیت اور باغ صاف ہو رہا۔ (تفسیر عثمانی)

حسن بصریؒ نے فرمایا اس باغ سے ہراچھائی اور خوبی منقطع ہوگئی یعنی اس میں کچھ نہیں رہا۔

ابن عباس نے فرمایا بنی خزیمہ کے محاورہ میں صریم کالی راکھ کو کہتے ہیں یعنی وہ باغ سیاہ راکھ کی طرح ہوگیا۔ (تفسیر مظہری)

فَتَنَادَوْا مُصْبِحِیْنَ ﴿۲۱﴾ اَنِ اغْدُوْا
پھر آپس میں بولے صبح ہوتے کہ سویرے چلو
عَلٰی حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَارِمِیْنَ ﴿۲۲﴾
اپنے کھیت پر اگر تم کو توڑنا ہے
فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ یَتَخَافَتُوْنَ ﴿۲۳﴾
پھر چلے اور آپس میں کہتے تھے چپکے چپکے
اَنْ لَّا یَدْخُلَنَّهَا الْیَوْمَ عَلَیْكُمْ مِّسْكِیْنٌ ﴿۲۴﴾
کہ اندر نہ آنے پائے اُس میں آج تمہارے پاس کوئی محتاج
وَّغَدَوْا عَلٰی حَرْدٍ قٰدِرِیْنَ ﴿۲۵﴾
اور سویرے چلے لپکتے ہوئے زور کے ساتھ ☆

یعنی یہ یقین کرتے ہوئے کہ اب جا کر سب پیداوار اپنے قبضہ میں کر لینگے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾
پھر جب اُس کو دیکھا بولے ہم تو راہ بھول آئے،
بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾
نہیں ہماری قسمت پھوٹ گئی ☆

وہ زمین کھیتی اور درختوں سے ایسی صاف ہو چکی تھی کہ وہاں پہنچ کر پہچان نہ سکے سمجھے کہ ہم بھول کر کہیں اور نکل آئے پھر جب غور کیا تو سمجھے کہ نہیں جگہ تو وہی ہے مگر ہماری قسمت پھوٹ گئی اور حق تعالیٰ کی درگاہ سے ہم محروم کیے گئے۔ (تفسیر عثمانی)

رات کو کھیتی کاٹنا:

امام بیہقی نے جعفر بن محمد کی سند سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بیان کیا کہ آپ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص رات میں اپنی کھیتی کاٹے یا باغ کے پھل توڑے، بظاہر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اسی قصہ کے پیش نظر ہے کیونکہ مجرمین کی مشابہت سے بھی انسان کو بچنا چاہیے۔

گناہ رزق سے محرومی کا سبب ہے:

عبداللہ بن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک بیان کرتے ہیں فرمایا اِیَّاكُمْ وَالْمَعَاصِیَ اِنَّ الْعَبْدَ لَیَذْنِبُ ذَنْبًا فَیُحْرَمُ بِهٖ رِزْقًا قَدْ كَانَ هَیَّاَہٗ

یعنی اے لوگو! تم معاصی اور گناہوں سے بچو بے شک بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک بندہ کوئی گناہ کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس رزق سے محروم ہو جاتا ہے جو اس کو اللہ رب العزت کی طرف سے عطا کیا گیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُوْنَ۔ (معارف کاندھلوی)

قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ
بولا بھلا اُن کا میں نے تم کو
اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾
نہ کہا تھا کہ کیوں نہیں پاکی بولتے اللہ کی ☆

پشیمانی:

منجھلا بھائی ان میں زیادہ ہوشیار تھا۔ اس نے مشورہ کے وقت متنبہ کیا ہوگا کہ اللہ کو مت بھولو یہ سب اسی کا انعام سمجھو اور فقیر محتاج کی خدمت سے دریغ نہ کرو جب کسی نے اس کی بات پر کان نہ دھرا' چپ ہو رہا اور ان ہی کا شریک حال ہو گیا۔ اب یہ تباہی دیکھ کر اس نے وہ پہلی بات یاد دلائی۔ (تفسیر عثمانی)

ابو صالح نے کہا وہ لوگ ان شاء اللہ کہنے کے موقع پر سبحان اللہ کہا کرتے تھے (اسی لیے انشاء اللہ کی جگہ تسبحون کہا) یا یہ مطلب ہے کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ اللہ کی نعمت کا شکر کیوں نہیں کرتے کہ اس نے تم کو یہ باغ دیا اور مسکینوں کو کیوں روکتے ہو (اس وقت تسبیح بمعنی شکر کے ہوگا) کیونکہ شکر کا معنی ہے نعمت کو دینے والے کی مرضی حاصل کرنے کے لیے صرف کرنا۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾
بولے پاک ذات ہے ہمارے رب کی ہم ہی تقصیر دار تھے
فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾
پھر منہ کر کر ایک دوسرے کی طرف لگے الاہنا دینے ☆

اعترافِ جرم:

اب اپنی تقصیر کا اعتراف کر کے رب کی طرف رجوع ہوئے اور جیسا کہ عام مصیبت کے وقت قاعدہ ہے ایک دوسرے کو الزام دینے لگے' ہر ایک دوسرے کو اس مصیبت اور تباہی کا سبب گردانتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾
بولے ہائے خرابی ہماری ہم ہی تھے حد سے بڑھنے والے
عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا
شاید ہمارا رب بدل دے ہم کو

مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾
اس سے بہتر ہم اپنے رب سے آرزو رکھتے ہیں ☆

توبہ اور پھر انعام:

آخر میں سب مل کر کہنے لگے کہ واقعی ہماری سب کی زیادتی تھی کہ ہم نے فقیروں محتاجوں کا حق مارنا چاہا اور حرص وطمع میں آ کر اصل بھی کھو بیٹھے۔ یہ جو کچھ خرابی آئی اس میں ہم ہی قصوروار ہیں' مگر اب بھی ہم اپنے رب سے ناامید نہیں کیا عجب ہے وہ اپنی رحمت سے پہلے باغ سے بہتر باغ ہم کو عطا کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی امید انعام ہم کو اپنے رب سے اس لیے ہے کہ اسی کی طرف ہمارا رخ ہو گیا ہے اور جس کا رخ اپنے رب کی طرف ہو جاتا ہے پروردگار اس کو اپنی نعمت عطا فرماتا ہے) حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا مجھے اطلاع ملی کہ جب ان لوگوں نے خالص دل سے توبہ کر لی اور اللہ کو ان کی سچائی معلوم ہو گئی تو اللہ نے سوختہ باغ کے عوض ان کو ایک اور باغ عطا فرمایا جس کو جنون کہا جاتا ہے اس باغ کے انگوروں کی یہ حالت تھی کہ ایک خوشہ خچر پر لادا جاتا تھا۔ (بغوی) (تفسیر مظہری)

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ
یوں آتی ہے آفت اور آخرت کی
الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾
آفت سب سے بڑی ہے اگر اُن کو سمجھ ہوتی ☆

عذابِ آخرت:

یعنی یہ تو دنیا کے عذاب کا ایک چھوٹا سا نمونہ تھا جسے کوئی ٹال نہ سکا بھلا آخرت کی اس بڑی آفت کو تو کون ٹال سکتا ہے سمجھ ہو تو آدمی یہ بات سمجھے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ
البتہ ڈرانیوالوں کو اُن کے
رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾
رب کے پاس باغ ہیں نعمت کے ☆

جنت کے باغ:

یعنی دنیا کے باغ و بہار کو کیا لیے پھرتے ہو جنت کے باغ ان سے کہیں بہتر ہیں جن میں ہر قسم کی نعمتیں جمع ہیں۔ وہ خاص متقین کے لیے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ اللہ کے پاس یعنی جوار قدس میں متقیوں کے لیے جَنّٰتِ النَّعِيْمِ راحت کے باغ ہیں۔ ایسے باغ جن کے اندر آسائش کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

سابق آیت میں مجرموں کے لیے خدا کی وعید تھی اس آیت میں متقیوں کے لیے جنت کا وعدہ ہے مشرکوں نے کہا تھا کہ بالفرض اگر روز آخرت ہوا تو جس طرح دنیا میں ہم کو نعمتیں ملی ہیں اسی طرح تم سے زیادہ یا تمہاری طرح کے ہم کو اس روز یہی نعمتیں دی جائیں گی۔ (تفسیر مظہری)

اوپر چونکہ دنیوی جنت والوں کا حال بیان ہوا تھا اور خدا کی نافرمانی اور اسکے حکم کا خلاف کرنے سے ان پر جو بلا اور آفت آئی اس کا ذکر ہوا تھا اس لیے اب ان متقی پرہیزگار لوگوں کا حال ذکر کیا گیا جنہیں آخرت میں جنتیں ملیں گی جن کی نعمتیں نہ فنا ہوں گی نہ گھٹیں گی نہ ختم ہوں گی۔ نہ سڑیں گی نہ گلیں گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۳۵﴾

کیا ہم کر دیں گے حکم برداروں کو برابر گنہگاروں کے

مَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾

کیا ہو گیا تم کو کیسے ٹھہراتے ہو بات ☆

کافروں کا دعویٰ:

کفار مکہ نے غرور تکبر سے اپنے دل میں ٹھہرا رکھا تھا کہ اگر قیامت کے دن مسلمانوں پر عنایت و بخشش ہوگی تو ہم پر ان سے بہتر اور بڑھ کر ہوگی۔ اور جس طرح دنیا میں ہم کو اللہ نے عیش و رفاہیت میں رکھا ہے وہاں بھی یہ ہی معاملہ رہے گا اس کو فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو یہ مطلب ہوگا کہ ایک وفادار غلام جو ہمیشہ اپنے آقا کی حکم برداری کے لیے تیار رہتا ہے اور ایک جرائم پیشہ باغی دونوں کا انجام یکساں ہو جائے بلکہ مجرم اور باغی وفاداروں سے اچھے رہیں، یہ وہ بات ہے جس کو عقل سلیم اور فطرت صحیحہ رد کرتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عقلاً یہ ہونا ضروری ہے کہ کوئی ایسا وقت آئے جہاں سب کا حساب ہو اور جہاں مجرموں کے لئے چور دروازہ نہ ہو اور جہاں انصاف ہی انصاف ہو اور نیک اور بد کا کھل کر امتیاز واضح ہو اور اگر یہ نہیں ہے تو دنیا میں کوئی برا کام برا نہیں اور کوئی جرم جرم نہیں اور پھر خدائی عدل و انصاف کے کوئی معنی نہیں رہتے۔ (معارف مفتی اعظم)

اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِیْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾

کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں پڑھ لیتے ہو

اِنَّ لَكُمْ فِیْهِ لَمَا تَخَیَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾

اُس میں ملتا ہے تم کو جو تم پسند کر لو

اَمْ لَكُمْ اَیْمَانٌ عَلَیْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى

کیا تم نے ہم سے قسمیں لے لی ہیں ٹھیک پہنچنے والی

یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾

قیامت کے دن تک کہ تم کو ملے گا جو کچھ تم ٹھہراؤ گے

سَلْهُمْ اَیُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِیْمٌ ﴿۴۰﴾

پوچھ اُن سے کونسا اُن میں اس کا ذمہ لیتا ہے ☆

دعوے کی دلیل لاؤ:

یعنی یہ بات کہ مسلم اور مجرم دونوں برابر کر دیئے جائیں ظاہر ہے کہ عقل و فطرت کے خلاف ہے۔ پھر کیا کوئی نقلی دلیل اس کی تائید میں تمہارے پاس ہے؟ کیا کسی معتبر کتاب میں یہ مضمون پڑھتے ہو کہ جو تم اپنے لیے پسند کر لو گے وہ ہی ملے گا؟ اور تمہاری من مانی خواہشات پوری کی جائینگی یا اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے کوئی قسم کھا لی ہے کہ تم جو کچھ اپنے دل سے ٹھہرا لو گے وہ ہی دیا جائیگا؟ اور جس طرح آج عیش و رفاہیت میں ہو قیامت تک اسی حال میں رکھے جاؤ گے؟ جو شخص ان میں سے ایسا دعویٰ کرے اور اس کے ثابت کرنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے 'لاؤ' اسے سامنے کرو ہم بھی تو دیکھیں کہ وہ کہاں سے کہتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سَلْهُمْ اَیُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِیْمٌ ان سے دریافت کرو کہ اس دعوے کا مدعی اور مثبت کون ہے اللہ نے ان آیات میں ان تمام عقلی اور نقلی دلائل کی نفی فرما دی جن سے ثبوت دعویٰ کا امکان ہو سکتا تھا نہ ان کو استحقاق ہے نہ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے نہ کوئی شخص ہے جو اس دعویٰ کو ثابت کر سکتا ہو کہ یہ اس کی تقلید کرتے ہوں جب مومنوں کے ساتھ کافروں کی مساوات کی نفی (ہر طرح) کر دی تو یہ خیال ممکن تھا کہ اگرچہ خدا کافروں کو مومنوں کے برابر درجہ میں نہیں کرے گا لیکن خدا کے دوسرے شریک ایسا کر دیں گے اس امکانی خیال کو دفع کرنے کے لیے آئندہ آیت میں وجود شرکاء کی ہی نفی فرما دی کہ جب اللہ کا کوئی شریک ہی نہیں تو اس کا تصرف کیسا۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ فَلْیَاْتُوْا بِشُرَكَآىٕهِمْ

کیا ان کے واسطے کوئی شریک ہیں پھر تو چاہئے لے آئیں اپنے اپنے شریکوں کو

اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ ﴿۴۱﴾

اگر وہ سچے ہیں ☆

جھوٹے معبود بھی عاجز ہیں:

یعنی اگر عقلی و نقلی دلیل کوئی نہیں محض جھوٹے دیوتاؤں کے بل بوتے پر یہ دعوے کیے جا رہے ہیں کہ وہ ہم کو یوں کر دینگے اور یوں مرتبے دلا دینگے کیونکہ

وہ خود خدائی کے شریک اور حصہ دار ہیں تو اس دعوے میں ان کا سچا ہونا اسی وقت ثابت ہوگا جب وہ ان شرکاء کو خدا کے مقابلہ پر بلالائیں اور اپنی من مانی کارروائی کرادیں۔لیکن یادرہے کہ وہ معبود عابدوں سے زیادہ عاجز اور بے بس ہیں۔وہ تمہاری کیامدد کرینگے‘ خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔(تفسیر عثمانی)

یَوۡمَ یُکۡشَفُ عَنۡ سَاقٍ وَّیُدۡعَوۡنَ
جس دن کہ کھولی جائے پنڈلی اور وہ بلائے جائیں
اِلَی السُّجُوۡدِ فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ﴿۴۲﴾
سجدہ کرنے کو، پھر نہ کر سکیں ☆

تجلیٔ الٰہی:

اس کا قصہ حدیث شیخین میں مرفوعاً اس طرح آیا ہے کہ حق تعالیٰ میدان قیامت میں اپنی ساق ظاہر فرمائیگا ''ساق'' (پنڈلی) کو کہتے ہیں اور یہ کوئی خاص صفت یا حقیقت ہے صفات وحقائق الٰہیہ میں سے جس کو کسی خاص مناسبت سے ''ساق'' فرمایا جیسے قرآن میں ''ید'' (ہاتھ) ''وجہ'' (چہرہ) کا لفظ آیا ہے یہ مفہومات متشابہات میں سے کہلاتے ہیں۔ان پر اسی طرح بلا کیف ایمان رکھنا چاہیے جیسے اللہ کی ذات‘ وجود‘ حیات اور سمع وبصر وغیرہ صفات پر ایمان رکھتے ہیں۔اسی حدیث میں ہے کہ اس تجلی کو دیکھ کر تمام مومنین ومومنات سجدہ میں گر پڑینگے مگر جو شخص ریاء سے سجدہ کرتا تھا اس کی کمر نہیں مڑ یگی تختہ سی ہو کر رہ جائیگی اور جب اہل ریاء ونفاق سجدہ پر قادر نہ ہونگے تو کفار کا اُس پر قادر نہ ہونا بطریق اولیٰ معلوم ہو گیا۔یہ سب کچھ محشر میں اس لیے کیا جائیگا کہ مومن وکافر اور مخلص و منافق صاف طور پر کھل جائیں اور ہر ایک کی اندرونی حالت حسی طور پر مشاہد ہو جائے (تنبیہ) ''متشابہات'' پر پہلے کلام کیا جا چکا ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس آیات ''کشف ساق'' کی تفسیر میں نہایت عالی اور عجیب تبصرہ متشابہات پر کیا ہے۔فلیراجع۔(تفسیر عثمانی)

جھوٹے معبودوں کے پجاری جہنم میں:

صحیح بخاری مسلم وغیرہ میں بروایت حضرت ابو سعید خدری بیان کیا گیا ہے کہ کچھ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا قیامت کے دن ہم اپنے رب کو دیکھیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں! دوپہر کے وقت جبکہ ابر بھی نہ ہو کیا تم کو سورج کو دیکھنے میں کچھ اشتباہ ہوتا ہے یا چودھویں تاریخ کو جب ابر نہ ہو تم کو چاند دیکھنے میں کوئی رکاوٹ ہوتی ہے صحابہؓ نے عرض کیا نہیں اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم۔ارشاد فرمایا جیسے تم کو سورج اور چاند کو دیکھنے میں اشتباہ نہیں ہوتا اسی طرح قیامت کے دن اللہ کو دیکھنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔قیامت کا دن ہوگا تو ایک اعلانچی اعلان کریگا ہر گروہ اپنے اپنے معبود کے پیچھے چلا جائے حکم ہوتے ہی مورتیوں اور استھانوں کی پوجا کرنے والے دوزخ میں گرنے لگیں گے کوئی بغیر گرے نہ رہے گا جب اللہ کی عبادت کرنے والوں کے سوا خواہ نیک ہوں یا بد (دوسری روایت میں ہے جب اہل کتاب کے سوا) کوئی باقی نہ رہے گا تو یہودیوں کو بلایا جائے گا اور دریافت کیا جائے گا تم کس کی عبادت کرتے تھے وہ کہیں گے اللہ کے بیٹے عزیر کی ارشاد ہوگا تم جھوٹے ہو اللہ نے تو اپنے لیے نہ بیوی بنائی نہ اولاد۔پھر فرمان ہوگا کیا چاہتے ہو وہ عرض کریں گے پروردگار ہم پیاسے ہیں ہم کو پانی پلا اشارہ ہوگا کیا تم کو دکھتا نہیں جہنم اس وقت سراب کی طرح (پانی کا دھوکہ) ہوگا سب کو ہنکا کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا حقیقت میں جہنم کی آگ اتنی تیز ہوگی کہ ایک حصہ دوسرے حصہ کو کھا رہا ہوگا سب جا کر اس میں گر پڑینگے پھر عیسائیوں کو بلایا جائے گا اور پوچھا جائیگا کس کی عبادت کرتے تھے عرض کریں گے اللہ کے بیٹے مسیح کی ارشاد ہوگا جھوٹے ہو اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بیان فرمایا جو یہودیوں کے متعلق فرمایا تھا۔

طبرانی، ابویعلیٰ، بیہقی وغیرہ نے بروایت حضرت ابوہریرہ بیان کیا ہے کہ کسی فرشتہ کو عزیر کی شکل پر اور کسی فرشتہ کو مسیح کی شکل پر کر دیا جائے گا ایک کے پیچھے یہودی ہو جائیں گے اور دوسرے کے پیچھے عیسائی پھر یہ معبود دوزخ کی طرف ان کی قیادت کریں گے آیت لَوۡ کَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوۡهَا ؕ وَكُلٌّ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ کا یہی مطلب ہے اب ہم صحیحین کی روایت (جو حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے) کی طرف لوٹتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غرض جب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کے سوا کوئی نہیں رہے گا جن میں نیک بھی ہوں گے اور بد بھی تو رب العلمین ان کے پاس تشریف فرما ہوگا اور ارشاد فرمائے گا ہر امت اپنے اپنے معبود کے پیچھے جارہی ہے تم کیا دیکھ رہے ہو وہ عرض کریں گے پروردگار جب دنیا میں ہم کو ان کی بہت زیادہ حاجت تھی اس وقت بھی ان سے الگ رہے ان کے ساتھی نہ ہوئے (اب بھی ان سے الگ ہیں اللہ فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں وہ جواب دیں دینگے نعوذ باللہ ہم کسی چیز کو اللہ کا شریک نہیں قرار دیتے یہ الفاظ دو یا تین بار کہیں گے یہاں تک کہ بعض لوگ پلٹ ہی جانے والے ہوں گے کہ اللہ فرمائے گا کیا کوئی نشانی ہے جس سے تم اپنے رب کو پہچان لو وہ عرض کریں گے جی ہاں اس وقت اللہ پنڈلی کھولے گا تو جو خلوص دل سے (دنیا میں) سجدہ کرتا تھا اس کو سجدہ کرنے کی اجازت ملے گی اور جو شخص نفاق کے ساتھ یا دکھاوٹ کے لیے سجدہ کرتا تھا اسکی پشت کو اللہ ایک تختہ سا کر دیگا وہ سجدہ کرنا چاہے گا تو پشت کے بل گر پڑے گا اس کے بعد جہنم میں پل لگایا جائے گا۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جسر (پل) کیا ہوگا فرمایا کہ پھسلواں دلدل جس پر آنکڑے لوہے کے کانٹے

اور نجد میں پیدا ہونے والی خاردار گھاس یعنی سعدان کی طرح خمیدہ خار ہوں گے اس وقت شفاعت کی اجازت ہو جائے گی اور انبیاء کہیں گے الٰہی بچا الٰہی بچا۔ اہل ایمان جسر کے اوپر سے نگاہ اور ہوا اور تیز رفتار گھوڑوں اور اونٹوں کی طرح (مختلف مراتب کے لحاظ سے) گزر جائیں گے، کچھ صحیح سالم بچ جائیں گے، کچھ خراش اور کھرونچ پا کر کچھ جہنم کی آگ میں گر پڑیں گے جب اہل ایمان دوزخ سے بچ جائیں گے تو قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے وہ اپنے دوزخی بھائیوں کے لئے اللہ سے اتنا جھگڑا کریں گے کہ تم میں سے کوئی اپنے واضح حق کے لئے اس سے زیادہ نہیں جھگڑتا، عرض کریں گے پروردگار! وہ ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے، نمازیں پڑھتے تھے، حج کرتے تھے ارشاد ہوگا کہ شناخت کر کے ان کو نکال لو چونکہ ان کے چہرے دوزخ سے محفوظ ہوں گے اس لئے (شناخت کر کے) بہت سے لوگوں کو وہ دوزخ سے نکال لیں گے پھر عرض کریں گے پروردگار! جن لوگوں کے متعلق تو نے اجازت دی تھی ان میں سے دوزخ کے اندر کوئی باقی نہیں رہا ارشاد ہوگا کہ لوٹ کر جاؤ جس کے دل میں دینار کے برابر خیر (ایمان اور نیک عمل کی نشانی) پاؤ، اس کو نکال لو۔ یہ مومن بہتیرے آدمیوں کو نکال لیں گے اللہ فرمائے گا پھر لوٹو اور جس کے دل میں آدھے دینار کے برابر خیر پاؤ اس کو نکال لو، اس پر بہت لوگوں کو مومن نکال لیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر لوٹو اور جس کے دل میں چیونٹی کے برابر خیر پاؤ اس کو بھی نکال لو حسب الحکم بہت مخلوق کو نکال لیں گے اور عرض کریں گے پروردگار، دوزخ کے اندر اب ہم کو خیر نہیں ملتی، اللہ فرمائے گا، ملائکہ شفاعت کر چکے، انبیاء بھی شفاعت کر چکے، اہل ایمان نے بھی شفاعت کر لی اب سوائے ارحم الراحمین کے کوئی اور نہیں رہا چنانچہ اس کے بعد اللہ خود مٹھی بھر کر لوگوں کو دوزخ سے نکال لے گا جنھوں نے نہ کبھی نیکی کی ہوگی اور (جل کر) کوئلہ بن گئے ہوں گے۔ جنت کے ایک دروازے پر ایک دریا ہے جس کو زندگی کا دریا کہا جاتا ہے اس نہر حیاۃ میں ان کو ڈال دے گا نہر حیات سے وہ ایسے تر و تازہ ہو کر نکلیں گے جیسے دانہ سیلاب کی کیچڑ میں سی (پھوٹ کر) نکلتا ہے گویا وہ موتی ہوں گے مگر ان کی گردنوں پر مہریں لگی ہوں گی اہل جنت کہیں گے کہ یہ ہیں رحمٰن کے آزاد کردہ جن کو بغیر کسی عمل اور سابق نیکی کے اللہ نے جنت میں داخل فرمایا ہے، حکم ہوگا کہ جو کچھ تم کو نظر آئے وہ سب تمہارا ہے اور اتنا ہی اور بھی۔

کشف ساق کا ذکر حاکم وغیرہ کی نقل کردہ اس حدیث میں بھی آیا ہے جو حضرت ابن مسعودؓ سے بھی مروی ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں جو حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے آئی ہے اس میں یہ لفظ ہیں کہ ان کے پاس اللہ ایسی شکل میں تشریف فرما ہوگا جن کو وہ پہچانتے نہ ہوں گے۔

مؤمنوں کے لئے دیدار الٰہی کا شرف:

لالکائی نے کتاب السنۃ میں اور آجری نے کتاب الرویۃ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے قیامت کا دن ہوگا تو ہر قوم کے سامنے اس کا دنیوی معبود مجسم کر کے لایا جائے گا اور ہر قوم اپنے معبود کی طرف چلی جائے گی صرف اہل توحید رہ جائیں گے ان سے کہا جائے گا کہ وہ لوگ جا چکے (تم بھی جاؤ) وہ عرض کریں گے کہ ہم جس رب کی دنیا میں عبادت کرتے تھے وہ نظر نہیں آتا (کس کے پاس جائیں) اللہ فرمائے گا کیا تم اس کو دیکھ کر پہچان لو گے، اہل توحید جواب دیں گے جی ہاں پوچھا جائے گا کہ جب تم نے اس کو دیکھا ہی نہیں تو کیسے پہچان لو گے عرض کریں گے (یہی اس کی شناخت ہے کہ) اس کی کوئی شکل نہیں اللہ ان کے لئے حجاب کھول دے گا اور وہ دیکھ کر سجدہ میں گر پڑیں گے اور کچھ لوگ (کھڑے رہ جائیں گے) جن کی پشت کے مہرے بیل کی پشت کے مہروں کی طرح ہو جائیں گے (جھک نہ سکیں گے) وہ سجدہ کرنا چاہیں گے مگر کر نہ سکیں گے۔ اس کے بعد اللہ فرمائے گا سروں کو اٹھاؤ میں نے تم میں سے ہر شخص کے عوض (دوزخ کے اندر یہودیوں اور عیسائیوں میں سے ایک شخص کر دیا (یعنی اگر تم مومن نہ ہوتے تو اس جگہ جاتے جہاں یہودی اور عیسائی داخل ہیں)۔

مختلف تجلیات:

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی تجلیاں مختلف اقسام کی ہیں ایک صورت کی تو پرتو اندازیاں ہیں جو عالم مثال میں ہوتی ہیں حقیقت میں یہ دیدار الٰہی نہیں ہوتا۔

بغیر کسی شکل اور صورت کے ہوگی لیکن اس میں کسی قدر پرچھائیں کی آمیزش ہوگی شاید کشف ساق سے یہی تجلی مراد ہے جس کو اچھے برے مومن بلا ابر مہر نیم روز اور چودھویں چاند کی طرح دیکھیں گے اور کافروں کو یہ تجلی نصیب نہ ہوگی اللہ نے فرمایا ہے کہ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ۔ حدیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب اللہ کی عبادت کرنے والے نیک اور بد لوگوں کے سوا کوئی باقی نہیں رہے گا تو رب العلمین تشریف فرما ہو کر کشف ساق کرے گا ید (ہاتھ) اور وجہ (چہرہ) کی طرح لفظ ساق بھی متشابہات میں سے ہے جس کی حقیقی مراد سے سوائے اللہ کے کوئی واقف نہیں پختہ علماء تو یہی کہتے ہیں کہ ہم حقیقت کو جانے بغیر اس کو مانتے ہیں۔

تیسری تجلی جنت میں ہوگی اس میں پرچھائیں کی آمیزش بھی نہیں ہوگی (لفظ زیادۃ سے) اس آیت میں اسی کو بیان کیا گیا ہے اَلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ۔

وَيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ یعنی نیک اور بد اہل ایمان کو سجدہ کی دعوت دی

جائے گی لیکن یہ سجدہ تکلیفی نہ ہوگا آخرت دار تکلیف نہیں ہے بلکہ طبعی دعوت ہوگی جب عظمت وجلال کے پردے اٹھ جائیں گے اور کوئی مانع نہ رہے تو حقیقت ممکن کا تقاضا ہے کہ واجب کے سامنے سربسجود ہو جائے۔

فَلَا يَسْتَطِيعُونَ یعنی نافرمان (ریاکار) سجدہ نہ کرسکیں گے کیونکہ گناہوں کے بوجھ سے ان کی پشت ایک بے جوڑ تختہ بن چکی۔

بے نمازی:

احادیث مذکورہ اسی پر دلالت کر رہی ہیں پس کا لَا يَسْتَطِيعُونَ سے مراد وہ اہل ایمان ہیں جو نماز بالکل نہیں پڑھتے تھے یا جماعت کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے اور پڑھتے بھی تھے تو تقیہ کے طور پر جیسے رافضی وغیرہ بدعتی پڑھتے ہیں یا دکھاوٹ کے لیے پڑھتے تھے انکے عمل میں خلوص نہ تھا (تفسیر مظہری)

تقدیس الٰہی:

اہل سنت اور علماء متکلمین نے افراط وتفریط سے بعید رہتے ہوئے ان حقائق وشعون کو تسلیم بھی کیا اور ساتھ ساتھ یہ بھی متعین کر دیا کہ ذات خداوندی مخلوق کے احوال واوصاف سے منزہ اور پاک ہے۔ چنانچہ کہا گیا کہ خداوند عالم سمیع ہے لیکن وہ ہماری قوت سامعہ کی طرح کسی آلہ کے ذریعے سمع نہیں۔ وہ بصیر ہے لیکن ہماری طرح بصیر ہونے میں آنکھ، آنکھ کی پتلی اور شعاع بصریہ کا محتاج نہیں تو جس قدر بھی نصوص قرآن وحدیث میں ایسے عنوانات سے وارد ہوئیں، اہل حق اور علماء متکلمین نے ان کا یہی مفہوم اختیار کیا...... الغرض محشر میں اللہ رب العزت کی ایک خاص قسم کی تجلی ظاہر ہوگی جس کی حقیقت کے ادراک سے انسانی افکار وعقول عاجز ہیں جس کو کشف ساق سے تعبیر کیا گیا اور اس وقت ہر ایک کو سجدہ کے لئے پکارا جائے گا تو جو بندہ دنیاوی حیات میں ایمان واخلاص سے سجدہ کرتا تھا اس کو وہاں سجدہ نصیب ہو جائے گا۔ اور جو دنیا میں نفاق وریاء سے سجدہ کرتا تھا اس کو ممکن نہ ہوگا کہ سجدہ کر سکے خواہ ہزار کوشش کر لے کیونکہ دنیا میں تو ظاہر وباطن کا اختلاف ہوسکتا ہے مگر آخرت میں یہ ممکن نہیں۔ وہاں تو جو حقیقت ہوگی وہی ظاہر ہو سکے گی۔ (معارف کاندھلوی)

صحیح بخاری شریف میں اس جگہ حضرت ابوسعید خدریؓ کی یہ حدیث آئی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کہ ہمارا رب اپنی پنڈلی کھول دے گا۔ پس ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت سجدہ میں گر پڑے گی، ہاں دنیا میں جو لوگ دکھانے اور سنانے کے لئے سجدہ کرتے تھے، وہ بھی سجدہ کرنا چاہیں گے۔ لیکن ان کی کمر تختہ کی طرح ہو جائے گی، یعنی سجدہ نہ کرسکیں گے۔

بخاری ومسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے اور پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ یعنی اس طرح ہے تیرے رب کی پکڑ بڑی دردناک اور بڑی سخت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اس کا قصہ حدیث شیخین میں مرفوعاً اس طرح آیا ہے کہ حق تعالیٰ قیامت کے میدان میں اپنی ساق ظاہر فرما دے گا، ساق کہتے ہیں پنڈلی کو، اور کوئی خاص صفت ہے جس کو کسی مناسبت سے ساق فرمایا جیسے قرآن میں ہاتھ آیا ہے اور ایسے مفہومات متشابہات کہلاتے ہیں اور اسی حدیث میں ہے کہ اس تجلی کو دیکھ کر مومنین مومنات سجدہ میں گر پڑیں گے مگر جو شخص ریاء سے سجدہ کرتا تھا اس کی کمر تختہ کی طرح رہ جائے گی کہ سجدہ نہ کر سکے گا اور سجدے کی طرف بلائے جانے سے یہ شبہہ نہ جاوے کہ دار التکلیف نہیں ہے، کیونکہ بلائے جانے سے مراد امر بالسجود نہیں ہے بلکہ اس تجلی میں یہ اثر ہوگا کہ سب بالاضطرار سجدہ کرنا چاہیں گے جن میں مومن اس بات پر قادر ہو جائیں گے اور کفار کا قادر نہ ہونا اس سے بدرجہ اولیٰ مفہوم ہوتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ
جھکی پڑتی ہونگی اُن کی آنکھیں ☆

ذلّت کا ہار:

یعنی ندامت اور شرمندگی کے مارے آنکھ اوپر نہ اٹھ سکے گی۔ (تفسیر عثمانی)

تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ
چڑھی آتی ہو گی اُن پر ذلت اور پہلے اُن کو بُلاتے رہے
اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾
سجدہ کرنے کو اور وہ تھے اچھے خاصے ☆

یعنی دنیا میں سجدہ کا حکم دیا گیا تھا جس وقت اچھے خاصے تندرست تھے اور با اختیار خود سجدہ کر سکتے تھے وہاں کبھی اخلاص سے سجدہ نہ کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ استعداد ہی باطل ہوگئی اب چاہیں بھی سجدہ نہیں کر سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

فَذَرْنِىْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ
اب چھوڑ دے مجھ کو اور اُن کو جو کہ جھٹلائیں اس بات کو
سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾
اب ہم سیڑھی سیڑھی اتاریں گے اُن کو جہاں سے ان کو پتہ بھی نہیں ☆

یعنی ان کو عذاب ہونا تو یقینی ہے لیکن چندے عذاب کے توقف سے رنج نہ کیجئے اور ان کا معاملہ میرے اوپر چھوڑ دیجئے۔ میں خود ان سے نبٹ لونگا

اوراس طرح بتدریج آہستہ آہستہ دوزخ کی طرف لے جاؤں گا کہ ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ یہ اپنی حالت پر مگن رہیں گے اور اندر ہی اندر سکھ کی جڑیں کٹتی چلی جائینگی۔ (تفسیر عثمانی)

وَ اُمْلِیْ لَهُمْ ۗ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿۴۵﴾

اور اُن کو ڈھیل دیئے جاتا ہوں بیشک میرا داؤ پکا ہے ☆

قانونِ مُہلت:

یعنی میری لطیف اور خفیہ تدبیر ایسی پکی ہے، جس کو یہ لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے بھلا اس کا توڑ تو کیا کر سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

صحیح یہ ہے کہ کیس سے مراد ہے مہلت دینا، ڈھیل دینا، یعنی دنیا میں جو نعمتیں ہم ان کو عطا کرتے ہیں یہ ان کے لئے ڈھیل ہے، مسلمانوں پر ترجیح دینا مقصود نہیں ہے۔

فائدہ: اگر گناہ کرنے کے بعد دنیا ہی میں کوئی مصیبت بطور سزا آ جائے تو گناہ کی معافی کی امید ہوسکتی ہے لیکن ارتکاب معصیت کے بعد اگر نعمت کی افزونی ہو تو اندیشہ رکھنا چاہیے کہ یہ اللہ کی طرف سے کہیں ڈھیل ہو۔ (تفسیر مظہری)

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾

کیا تو مانگتا ہے اُن سے کچھ حق سو اُن پر تاوان کا بوجھ پڑ رہا ہے

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ فَهُمْ یَکْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾

کیا اُن کے پاس خبر ہے غیب کی، سو وہ لکھ لاتے ہیں ☆

کفار کا انکار فقط ضد کی وجہ سے ہے:

یعنی افسوس اور تعجب کا مقام ہے کہ یہ لوگ اس طرح تباہی کی طرف چلے جا رہے ہیں لیکن آپ کی بات نہیں مانتے۔ آخر نہ ماننے کی وجہ کیا ہے؟ کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ (تنخواہ یا کمیشن وغیرہ) طلب کرتے ہیں؟ جس کے بوجھ میں وہ دبے جا رہے ہیں۔ یا خود ان کے پاس غیب کی خبریں اور اللہ کی وحی آتی ہے؟ جسے وہ حفاظت کے لیے قرآن کی طرح لکھ لیتے ہیں۔ اس لیے آپ کے اتباع کی ضرورت نہیں سمجھتے آخر کچھ سبب تو ہونا چاہیے۔ جب ان پر کچھ بار بھی ڈالا نہیں جاتا اور اس چیز سے استغنا بھی نہیں تو نہ ماننے کا سبب بجز عناد اور ہٹ دھرمی کے اور کیا ہوسکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

کشف غیب اور الہام سے انبیاء اور ملائکہ کو علم حاصل ہوتا ہے بلکہ بعض اولیاء کو بھی لوح محفوظ اور امور غیبیہ کا کشف ہو جاتا ہے اور یہی ان کے علم کا ذریعہ ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ امور مذکورہ میں سے جب ان کے پاس کچھ نہیں تو ان کا فیصلہ بیہودہ اور بے حقیقت ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ

اب تو استقلال سے راہ دیکھتا رہ اپنے رب کے

وَلَا تَکُنْ کَصَاحِبِ الْحُوْتِ

حکم کی اور مت ہو جیسا وہ مچھلی والا ☆

گھبرانے کی ضرورت نہیں:

یعنی مچھلی کے پیٹ میں جانیوالے پیغمبر (حضرت یونس علیہ الصلوۃ والسلام) کی طرح مکذبین کے معاملہ میں تنگدلی اور گھبراہٹ کا اظہار نہ کیجئے انکا قصہ پہلے کئی جگہ تھوڑا تھوڑا گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ:

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ ابن مسعودؓ سعید بن جبیر اور وہب کے بیان کے موافق اس طرح ہوا کہ نینوی علاقہ موصل میں ایک لاکھ یا اس سے (کچھ زیادہ لوگ آباد تھے ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کو بھیجا جب انہوں نے ان کا حکم نہ مانا تو حضرت یونسؑ نے ان کو اطلاع دی کہ تین روز میں صبح کے وقت تم پر عذاب آئے گا۔ اہل نینوی نے آپس میں کہا کہ حضرت یونسؑ نے اللہ پر دروغ بندی تو نہیں کی اگر یونسؑ رات بھر ساتھ رہے تو سمجھ لو کچھ نہ ہوگا اور رات کو نہ رہے (کہیں نکل گئے تو سمجھ لو کہ سچا ہے صبح کو عذاب آئے گا۔ چنانچہ حضرت یونسؑ آدھی رات کو ہی نینوی سے نکل گئے اور صبح کو عذاب کا کچھ ظہور ہونے لگا سروں سے میل بھر اونچا کالا بادل بلکہ سخت دھواں چھا گیا اور پھر نیچے اتر کر شہر کو ڈھانپ لیا گھروں کی چھتیں تک کالی پڑ گئیں لوگوں نے یہ کیفیت دیکھی تو ہلاکت کا یقین ہو گیا، یونسؑ کو تلاش کیا تو وہ نہ ملے، مگر اللہ نے ان کے دلوں میں توبہ کا ارادہ پیدا کیا سب مرد، عورتیں، بچے اور چوپائے شہر کے باہر میدان میں نکل کھڑے ہوئے کمبل کا لباس پہن لیا، ماں کو بچہ سے اور چوپائے کو اس کے بچہ سے الگ کر دیا، خلوص نیت کے ساتھ ایمان لے آئے اور توبہ کی۔ بارگاہ الٰہی میں گڑگڑائے تو اللہ نے ان پر رحم فرمایا اور ان کی دعا قبول کر لی آیا ہوا عذاب دور کر دیا یہ واقعہ دس محرم کا ہے اور ادھر حضرت یونسؑ بستی سے نکل کر نزول عذاب اور قوم کی بربادی کے منتظر تھے لیکن جب کچھ نظر نہ آیا اور ان کا قول غلط ثابت ہوا اور عذاب نازل نہ ہونے کی کوئی وجہ بھی ان کے پاس موجود نہ تھی تو کہنے لگے کہ اب میں جھوٹا ثابت ہو گیا قوم کے سامنے کیسے جاؤں گا یہ خیال کر کے چل دیئے اور سمندر پر پہنچ گئے وہاں ایک کشتی پر کچھ لوگ سوار ہو رہے تھے۔ حضرت کو دیکھ کر بے کرایہ سوار کر لیا لیکن کشتی سمندر میں پہنچ کر کھڑی ہو گئی نہ آگے بڑھتی تھی اور نہ پیچھے ہٹتی تھی لوگوں نے کہا کہ آج اس میں کوئی نئی بات پیدا ہو گئی حضرت یونسؑ نے فرمایا کہ مجھے

اس کی بات معلوم ہے اس پر ایک گنہگار آدمی سوار ہے لوگوں نے پوچھا کون ہے فرمایا کہ میں ہوں مجھے سمندر میں پھینک دو کہنے لگے ہم خود آپ پر قربان ہو جائینگے آپ کو نہیں پھینکے گے بالآخر باہم تین بار قرعہ ڈالا اور حضرت یونس کا نام نکلا کشتی کے قریب ایک مچھلی منہ کھولے حکم ربی کی منتظر تھی حضرت نے فرمایا خدا کی قسم تم سب ہلاک ہو جاؤ گے ورنہ مجھے سمندر میں پھینک دو مجبوراً لوگوں نے پھینک دیا فوراً مچھلی نے لے لیا اور لوگ کشتی لے کر چل دیے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب کشتی کھڑی ہوگئی تو ملاحوں نے کہا یہاں کوئی گنہگار آدمی یا بھاگا ہوا غلام کشتی میں ہے کشتی کا یہی طریقہ ہے اور قرعہ ڈالنے کا ہمارا رواج ہے چنانچہ تین بار قرعہ ڈالا اور حضرت یونس کا نام نکلا آپ خود پانی میں گر پڑے۔ اور مچھلی نے آپ کو نگل لیا اور اس مچھلی کو ایک اور بڑی مچھلی نے نگل لیا اور اس کو ایک اور بڑی مچھلی نے نگل لیا اللہ نے مچھلی کو پیغام بھیجا کہ ہم نے یونس کو تیرا رزق نہیں بنایا بلکہ تیرے پیٹ کو اس کی پناہ گاہ اور مسجد بنایا ہے۔ دوسری روایت میں پناہ گاہ کے بجائے قید خانہ کا لفظ آیا ہے۔

یہ بھی منقول ہے کہ قرعہ اندازی سے پہلے حضرت یونسؑ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں ہی گنہگار بھاگا ہوا (غلام) ہوں لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول جب تک ہم قرعہ نہ ڈال لیں آپ کو پانی میں نہیں پھینکیں گے لیکن جب آپ کے نام کا قرعہ آگیا آپ خود پانی میں گر پڑے۔

قصہ میں یہ بات بھی منقول ہے کہ سمندر کے کنارے جب آپ پہنچے تو آپ کے ساتھ آپ کی بیوی اور دولڑکے تھے جہاز آگیا اور آپ نے چڑھنے کا ارادہ کیا تو سوار ہونے سے پہلے بیوی کو آگے بڑھایا لیکن جہاز اور آپ کے درمیان ایک لہر آگئی (اور بیوی کو بہا کر لے گئی) اور دوسری لہر نے آکر بڑے بیٹے کو بھی لے لیا اور چھوٹے بیٹے کو (جو کنارہ پر) تنہا تھا بھیڑیا لے گیا غرض دوسری کشتی میں آپ تنہا سوار ہوئے تو کشتی رک کر کھڑی ہوگئی۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ مچھلی آپ کو نگل کر ساتویں زمین کے گڑھے میں لے گئی اس کے پیٹ کے اندر آپ چالیس رات رہے۔ پھر پتھروں کی تسبیح پڑھنے کی آواز سنی تو اندھیریوں کے اندر ہی پکار اٹھے لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ آیت میں اسی نداء کا بیان ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت حضرت یونسؑ کا واقعہ ذکر فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت فرمائی گئی کہ جس طرح یونسؑ نے لوگوں کے مطالبے سے تنگ آکر عذاب کی دعا کر دی اور عذاب کے آثار سامنے بھی آگئے اور یونسؑ اس جائے عذاب سے دوسری جگہ منتقل بھی ہو گئے مگر پھر پوری قوم نے الحاح وزاری اور اخلاص کے ساتھ توبہ کر لی اللہ تعالیٰ نے ان کو معافی دیدی اور عذاب ہٹا لیا تو اب یونسؑ نے یہ شرمندگی محسوس کی کہ میں ان لوگوں میں جھوٹا قرار پاؤں گا اس بدنامی کے خوف سے اللہ تعالیٰ کے اذن صریح کے بغیر اپنے اجتہاد سے یہ راہ اختیار کر لی کہ اب ان لوگوں میں واپس نہ جائیں (معارف مفتی اعظم)

اِذْ نَادٰی وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾
جب پکارا اُس نے اور وہ غصہ میں بھرا تھا ☆

دُعاءِ یونس علیہ السلام:

یعنی قوم کی طرف سے غصہ میں بھرے ہوئے تھے جھنجھلا کر شتابی عذاب کی دعا بلکہ پیشین گوئی کر بیٹھے (تنبیہ) "مکظوم" کے معنی بعض مفسرین نے یہ کیے ہیں کہ وہ غم سے گھٹ رہے تھے اور یہ غم مجموعہ تھا کئی غموں کا۔ ایک قوم کے ایمان نہ لانے کا' ایک عذاب کے ٹل جانے کا' ایک بلا اذن صریح شہر چھوڑ کر چلے آنے کا' ایک مچھلی کے پیٹ میں محبوس رہنے کا۔* اس وقت اللہ کو پکارا اور یہ دعا کی "لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ" اس پر اللہ کا فضل ہوا اور مچھلی کے پیٹ سے نجات ملی۔　(تفسیر عثمانی)

مطلب یہ کہ کافروں کے عذاب میں صاحب حوت کی طرح عجلت پسندی نہ کرو اور یاد کرو کہ جب اس نے توبہ کے ساتھ غمگین ہونے کی حالت میں اللہ کو پکارا تھا کیونکہ صرف عجلت پسندی اور بے صبری کی وجہ سے اس کو غم کھانا پڑا۔ (تفسیر مظہری)

لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ
اگر نہ سنبھالتا اُس کو احسان تیرے رب کا
لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾
تو پھینکا گیا ہی تھا چٹیل میدان میں الزام کھا کر ☆

فضل الٰہی نے بچالیا:

یعنی اگر قبول توبہ کے بعد اللہ کا مزید فضل و احسان دستگیری نہ کرتا تو اسی چٹیل میدان میں جہاں مچھلی کے پیٹ سے نکال کر ڈالے گئے تھے الزام کھائے ہوئے پڑے رہتے اور وہ کمالات و کرامات باقی نہ رہنے دیئے جاتے جو محض خدا کی مہربانی سے اس ابتلاء کے وقت بھی باقی رہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت یونسؑ کی قوم سے ناراضگی کا سبب:

عوفی وغیرہ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول منقول ہے کہ حضرت یونسؑ اپنی قوم کے ساتھ فلسطین میں رہتے تھے کسی بادشاہ نے ان پر حملہ کیا اور ۱۲ اسباط (قبائل) میں ساڑھے نو کو گرفتار کر لیا صرف ڈھائی سبط

(قبائل) رہ گئے اللہ نے شعیا نبی کے پاس وحی بھیجی کہ شاہ حزقیا (بنی اسرائیل کا بادشاہ) سے جا کر کہو کہ (حملہ کرنے والے بادشاہ کے پاس) کسی قوی سنجیدہ آدمی کو بھیجے میں ان کے دلوں میں یہ خیال پیدا کر دوں گا کہ وہ بنی اسرائیل کو رہا کر دیں اس زمانہ میں حزقیا کی حکومت میں پانچ انبیاء تھے۔ بادشاہ نے حضرت یونسؑ کو بلا کر جانے کی درخواست کی۔ حضرت یونسؑ نے فرمایا کہ کیا تم کو اللہ نے میرے بھیجنے کا حکم دیا ہے بادشاہ نے کہا نہیں حضرت یونس نے فرمایا کہ کیا اللہ نے مجھے نامزد کیا ہے بادشاہ نے کہا نہیں حضرت یونس نے فرمایا تو پھر یہاں دوسرے طاقتور انبیاء موجود ہیں ان کو بھیجو، لوگوں نے جب زیادہ اصرار کیا تو آپ ناراض ہو کر نکل کھڑے ہوئے اور بحر روم کے کنارہ پر جا کر جہاز میں سوار ہو گئے۔ الخ۔ (تفسیر مظہری)

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾

پھر نوازا اُس کو اُس کے رب نے پھر کر دیا اُس کو نیکوں میں ☆

یونس علیہ السلام کا مرتبہ:

یعنی پھر ان کا اور زیادہ رتبہ بڑھایا۔ اور اعلیٰ درجہ کے نیک و شائستہ لوگوں میں داخل رکھا۔ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص نہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ

اور منکر تو لگ ہی رہے ہیں کہ پھسلا دیں تجھ کو

بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ

اپنی نگاہوں سے جب سنتے ہیں قرآن

وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾

اور کہتے ہیں وہ تو باؤلا ہے ☆

کافروں کی سازشیں:

یعنی قرآن سن کر غیظ و غضب میں بھر جاتے ہیں اور اس قدر تیز نظروں سے تیری طرف گھورتے ہیں جانے تجھ کو اپنی جگہ سے ہٹا دینگے۔ زبان سے بھی آوازے کستے ہیں کہ یہ شخص تو مجنون ہو گیا ہے۔ اس کی کوئی بات قابل التفات نہیں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس طرح آپ کو گھبرا کر مقام صبر و استقلال سے ڈگمگا دیں۔ مگر آپ برابر اپنے مسلک پر جمے رہیے اور تنگدل ہو کر کسی معاملہ میں گھبراہٹ یا جلدی یا مداہنت اختیار نہ کیجئے (تنبیہ) بعض نے "لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ" سے یہ مطلب لیا ہے کہ کفار نے بعض لوگوں کو جو نظر لگانے میں مشہور تھے اس پر آمادہ کیا تھا کہ وہ آپ کو نظر لگائیں۔ چنانچہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن تلاوت فرما رہے تھے ان میں سے ایک آیا اور پوری ہمت سے نظر لگانے کی کوشش کی۔ آپ نے "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" پڑھا اور وہ ناکام و نامراد واپس چلا گیا باقی نظر لگنے یا لگانے کا مسئلہ بحث کرنے کا یہ موقع نہیں اور آج کل جبکہ "مسمریزم" ایک باقاعدہ فن بن چکا ہے اس میں مزید رد و کد کرنا بیکار سا معلوم ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر لگانے والے سے حفاظت:

کلبی نے بیان کیا ہے کہ عرب میں ایک آدمی تھا جب وہ دو تین روز بھوکا رہ کر اپنے خیمہ میں لوٹ کر آتا اور ادھر سے اونٹ یا بکریاں گزرتیں وہ کہہ دیتا کہ آج ان سے زیادہ خوبصورت ہم نے اونٹ اور بکریاں نہیں دیکھیں تو وہ کچھ ہی دور جانے پاتے تھے کہ ان میں سے چند (جانور) گر کر (مر) جاتے تھے کافروں نے اس شخص سے درخواست کی کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر لگا دے لیکن اللہ نے اپنے پیغمبر کی حفاظت فرمائی اور مذکورہ آیت کا نزول ہوا۔

نظر لگنا حق ہے:

جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نظر آدمی کو قبر میں لے جاتی ہے اور اونٹ کو ہانڈی میں۔ (ابو نعیم فی الحلیہ) ابن عدی نے حضرت ابوذرؓ سے اسی طرح کی روایت کی ہے۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ نظر حق ہے۔ احمد اور مسلم نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ نظر حق ہے، اگر کوئی چیز تقدیر سے آگے بڑھ سکتی تو نظر آگے بڑھ جاتی۔ اگر تم سے غسل کی درخواست کی جائے تو غسل کر لیا کرو (نظر لگانے والے کے غسل کا پانی اس شخص پر ڈالتے تھے جس پر اس کی نظر لگی ہوتی تھی)

حضرت ابو ہریرہؓ کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ نظر حق ہے نظر کے وقت شیطان آموجود ہوتا ہے اور آدمی پر حسد کرتا ہے۔

عبیدؓ بن رفاعہ کی روایت ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعفرؓ کے لڑکوں کو نظر لگ جاتی ہے، آپ ان کے لئے کچھ افسون پڑھ دیجئے۔ فرمایا کہ ہاں۔ اگر قضاء (الٰہی) سے کوئی چیز سبقت کرتی تو نظر کرتی۔ (بغوی) ابن قتیبہ نے بیان کیا ہے کہ آیت کی مراد یہ نہیں ہے کہ نظر لگانے والے کی طرح تم کو نظر بد لگانا چاہتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب تم قرآن پڑھتے ہو تو انتہائی دشمنی اور بغض کی وجہ سے وہ ایسی تیز نظر سے تم کو دیکھتے ہیں کہ زمین پر گویا تم کو گرا دیں گے۔ (تفسیر مظہری)

نظر وغیرہ سے حفاظت کا مسنون عمل:

مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو ان الفاظ کے ساتھ پناہ میں دیتے اُعِیْذُ کُمَا

بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّ هَامَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ۔
یعنی تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے بھرپور کلمات کی پناہ میں سونپتا ہوں ہر شیطان سے اور ہر ایک زہریلے جانور سے اور ہر ایک لگ جانے والی نظر سے، اور فرماتے کہ حضرت ابراہیمؑ بھی حضرت اسحٰق اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کو انہی الفاظ سے خدا کی پناہ میں دیا کرتے تھے۔ یہ حدیث سنن میں اور بخاری شریف میں بھی ہے۔

سہل بن حنیفؓ کو نظر لگنا:

ابن ماجہ میں ہے کہ کہ سہل بن حنیفؓ غسل کر رہے تھے عامر بن ربیعہؓ کہنے لگے میں نے تو آج تک ایسا پنڈا کسی پردہ نشین کا بھی نہیں دیکھا۔ پس ذرا سی دیر میں وہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان کی خبر لیجئے یہ تو بیہوش ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی پر تمہارا شک بھی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں! عامر بن ربیعہ پر۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تم میں سے کیوں کوئی اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے، جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی کسی ایسی چیز کو دیکھے کہ اسے بہت اچھی لگے تو اسے چاہیے کہ اس کے لئے برکت کی دعا کرے۔ پھر پانی منگوا کر عامر سے فرمایا کہ تم وضو کرو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ گھٹنے اور تہمد کے اندر کا حصہ جسم دھو ڈالو۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برتن کو اس کی پیٹھ کے پیچھے سے اوندھا دو۔ نسائی وغیرہ میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

معوذتین: حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی اور انسانوں کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ جب سورۂ معوذتین نازل ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لے لیا اور سب کو چھوڑ دیا۔ (ابن ماجہ، ترمذی، نسائی)

جبریل علیہ السلام کا دم:

مسند وغیرہ میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا اے نبی صاحب! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ بِسْمِ اللهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُّؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ وَّ عَيْنٍ وَّ اللهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللهِ اَرْقِيْكَ بعض روایات میں کچھ الفاظ کا ہیر پھیر بھی ہے۔

مسند کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ شگون تین چیزوں میں ہے، گھر، گھوڑا، عورت، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ کہوں گا جو آپ نے نہیں فرمایا، ہاں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تو سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے اچھا شگون نیک فال ہے اور نظر کا لگنا حق ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حضرت جعفرؓ کے بچوں کو نظر لگ جایا کرتی ہے تو کیا میں کچھ دم کرا لیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کر جانے والی ہوتی تو وہ نظر ہوتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نظر بد سے دم کرنے کا حکم مروی ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نظر لگانے والے کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ وضو کرے اور جس کو نظر لگی ہے اسے اس پانی سے غسل کرایا جاتا تھا۔ (احمد)

نظر کا علاج:

ابن عساکر میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غمزدہ تھے سبب پوچھا تو فرمایا حسن اور حسین کو نظر لگ گئی ہے۔ فرمایا کہ یہ سچائی کے قابل چیز ہے نظر واقعی لگتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات پڑھ کر انہیں پناہ میں کیوں نہ دیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کلمات کیا ہیں؟ فرمایا: یوں کہو اَللّٰهُمَّ ذَاالسُّلْطَانِ الْعَظِيْمِ وَالْمَنِّ الْقَدِيْمِ ذَا الْوَجْهِ الْكَرِيْمِ وَلِيَّ الْكَلِمَاتِ التَّامَّاتِ وَالدَّعَوَاتِ الْمُسْتَجَابَاتِ عَافِ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ مِنْ اَنْفُسِ الْجِنِّ وَ اَعْيُنِ الْاِنْسِ۔ یعنی اے اللہ! اے بہت بڑی شان والے، اے زبردست قدیم احسانوں والے، اے بزرگ تر چہرے والے، اے پورے کلموں والے اور اے دعاؤں کو قبولیت کا درجہ دینے والے تو حسن اور حسین کو تمام جنات کی ہواؤں سے اور تمام انسانوں کی آنکھوں سے اپنی پناہ دے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا پڑھی، وہیں دونوں بچے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھیلنے کودنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو اپنی جانوں کو، اپنی بیویوں کو، اور اپنی اولاد کو اسی پناہ کے ساتھ پناہ دیا کرو، اس جیسی اور کوئی پناہ کی دعا نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

فائدہ: حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ جس شخص کو نظر بد کسی انسان کی لگ گئی ہو اس پر یہ آیات پڑھ کر دم کر دینا اس کے اثر کو زائل کر دیتا ہے یہ آیات وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا آخر سورۃ تک ہیں۔ (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾

اور یہ قرآن تو یہی نصیحت ہے سارے جہان والوں کو ☆

عالمگیر نصیحت:

یعنی قرآن میں جنون اور باؤلے پن کی بات کونسی ہے۔ جس کو تم جنون کہہ رہے ہو وہ تو تمام عالم کے لیے اعلیٰ ترین پند و نصیحت کا ذخیرہ ہے اسی

قرار پائینگے جو اس کلام کے دیوانے نہیں ہیں۔ تم سورۃ القلم وللہ الحمد والمنتہ۔ (تفسیر عثمانی)

میرے شیخ اور امام مولانا یعقوب کرخی نے فرمایا ہوسکتا ہے کہ ھو کی ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہان کے لئے پیام ہدایت دینے والے اور ناصح ہیں۔

حضرت حنظلہ کا عجیب واقعہ:

حضرت حنظلہ راوی ہیں کہ (راستہ میں) میری ملاقات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہوئی انہوں نے پوچھا حنظلہ کیسے ہو میں نے جواب دیا حنظلہ منافق ہوگیا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا سبحان اللہ یہ کیا کہہ رہے ہو میں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو جنت دوزخ کا بیان کر کے نصیحت فرماتے ہیں تو جنت دوزخ گویا نظر کے سامنے آجاتے ہیں جب وہاں سے ہٹ کر ہم باہر آتے ہیں اور اہل وعیال اور جائیدادوں میں مشغول ہوتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں بھی ایسا ہی پاتا ہوں (میری بھی یہی حالت ہے) چنانچہ میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ حنظلہ منافق ہوگیا فرمایا کیا بات ہے؟) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت اور دوزخ کا ذکر ہمارے سامنے کرتے ہیں تو گویا جنت دوزخ ہماری نظر کے سامنے آجاتے ہیں لیکن یہاں سے نکل کر جب ہم بیوی بچوں اور جائیدادوں میں مشغول ہوتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں ارشاد فرمایا: قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم اس حالت پر باقی رہو جو نصیحت کے وقت ہوتی ہے تو بستروں پر اور راستوں پر فرشتے تم سے مصافحہ کریں مگر حنظلہ وقت وقت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ تین بار دہرائے۔

نتیجہ: اولیاء اللہ کی علامت ہی یہ ہے کہ ان کے دیدار اور بیان سے اللہ کی یاد ہو جاتی ہے بعض مرفوع احادیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا اولیاء اللہ کون ہیں فرمایا جن کے دیکھنے سے اللہ کی یاد ہو یہ بھی روایت ہے کہ حضور پرنور صلوٰۃ اللہ وبرکاتہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرے اولیاء وہ بندے ہیں جن کی یاد میری یاد سے ہو جاتی ہے اور میری یاد ان کی یاد سے واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

الحمدللہ سورۃ القلم ختم ہوئی

سورۃ الحاقۃ

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے گا اس کو مار کاٹ کا خوف ہوگا اور وہ حق پر رہے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْحَاۗقَّةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثِنْتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورہ حاقہ مکہ میں نازل ہوا اور اس کی باون آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْحَاۗقَّةُ ۝۱ مَا الْحَاۗقَّةُ ۝۲

وہ ثابت ہو چکنے والی، کیا ہے وہ ثابت ہو چکنے والی ☆

حقیقت ثابتہ:

یعنی وہ قیامت کی گھڑی جس کا آنا ازل سے علم الٰہی میں ثابت اور مقرر ہو چکا ہے جبکہ حق باطل سے بالکل واشگاف طور پر بدون کسی طرح کے اشتباہ والتباس کے جدا ہو جائیگا اور تمام حقائق اپنے پورے کمال وسبوغ کے ساتھ نمایاں ہونگی اور اس کے وجود میں جھگڑا کرنے والے سب اس وقت مغلوب و مقہور ہو کر رہینگے جانتے ہو وہ گھڑی کیا چیز ہے؟ اور کس قسم کے احوال و کیفیات اپنے اندر رکھتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حاقہ کیوں کہا گیا:

الحاقۃ۔ یعنی قیامت حق ہے امر واقع ہے کہ اس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے (اس لیے اس کو حاقہ کہا گیا ہے)

یا اس وجہ سے حاقہ کہا گیا کہ تمام امور کی حقیقت اس روز معلوم ہو جائے گی یا اس وجہ سے کہ اعمال کا بدلہ اس روز ضرور ملے گا حَقَّ عَلَيْهِ الشَّيْءُ وہ چیز اس پر لازم ہوگئی۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ کا موضوع:

اس سورت کا مضمون بھی مکی سورتوں کے مضمون کی طرح عقیدہ توحید اور تحقیق ایمان پر مشتمل ہے، جس میں بالخصوص قیامت اور قیامت کے ہولناک احوال کا ذکر ہے اور مجرم و نافرمان قوموں جیسے عاد وثمود اور قوم لوط وفرعون کی ہلاکت وتباہی کا ذکر ہے، اور ان سب مضامین کو قرآن کریم نے اپنی صداقت اور حقانیت کی اساس کی نوعیت سے پیش کیا، اور یہ واضح فرمایا اہل سعادت وشقاوت کا انجام کیا ہوتا ہے، ساتھ ہی ان لغو اور بیہودہ الزامات واعتراضات کو بھی رد کیا گیا

جو کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگاتے تھے۔ (معارف کاندھلوی)

وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الۡحَآقَّةُ ؕ ﴿۳﴾
اور تو نے کیا سوچا کیا ہے وہ ثابت ہو چکنے والی ☆

قیامت کی ہولناکی:

یعنی کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی کتنا ہی سوچے اور فکر کرے اس دن کے زہرہ گداز اور ہولناک مناظر کی پوری طرح ادراک نہیں کر سکتا ہاں تقریب الی الفہم کے لیے بطور تمثیل و تنظیر چند واقعات آگے بیان کیے جاتے ہیں جو دنیا میں اس قیامت کبریٰ کا نشان دینے میں بالکل ہی حقیر اور ناتمام نمونہ کا کام دے سکتے ہیں۔ گویا ان چھوٹے "حاقوں" کا ذکر اس بڑے "حاقہ" کے بیان کے لیے توطیہ و تمہید ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ وَعَادٌ ۢ بِالۡقَارِعَةِ ﴿۴﴾
جھٹلایا ثمود اور عاد نے اُس کوٹ ڈالنے والی کو ☆

قوم عاد و ثمود کا انکار:

یعنی قوم 'ثمود' و 'عاد' نے اس آنیوالی گھڑی کو جھٹلایا تھا جو تمام زمین' آسمان' چاند سورج' پہاڑوں اور انسانوں کو کوٹ کر رکھ دیگی۔ اور سخت سے سخت مخلوق کو ریزہ ریزہ کر ڈالیگی پھر دیکھ لو دونوں کا انجام کیا ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَمَّا ثَمُوۡدُ فَاُهۡلِكُوۡا بِالطَّاغِيَةِ ﴿۵﴾
سو وہ جو ثمود تھے سو غارت کر دیئے گئے اُچھال کر ☆

قوم ثمود کی ہلاکت:

یعنی سخت بھونچال سے۔ جو ایک نہایت ہی سخت آواز کے ساتھ آیا' سب تہ و بالا کر دیئے گئے۔ (تفسیر عثمانی)

قصہ یوں ہوا کہ ثمود کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو مامور فرمایا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے احکام الٰہی کی دعوت دی، لوگوں نے انکار کر دیا اور درخواست کی کہ (بطور معجزہ) ایک دس ماہہ حاملہ اونٹنی پتھر کی چٹان سے برآمد کرا گر ایسا ہو گیا تو وہ ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے دعاء کی، آپ کی دعا سے ایک بڑی قد آور اونٹنی جس کی چوڑائی کا قطر ایک سو بیس ہاتھ تھا اور دس ماہہ گابھن تھی، پتھر کی چٹان سے برآمد ہوئی اور فوراً ہی ایک بچہ بیاہ گئی جو اسی کی طرح تھا۔ لیکن لوگوں نے تب بھی آپ کی نبوت کا یقین نہیں کیا اور کہنے لگے یہ جادو ہے، اللہ نے اس اونٹنی کو ان کے لئے عذاب بنا دیا اس خطہ میں پانی کم تھا، ایک روز تمام پانی اونٹنی پی جاتی تھی اور ایک روز ان کے لئے چھوڑ دیتی تھی، گھاس کی بھی یہی صورت تھی، آخر ایک جماعت نے اونٹنی کے قتل کرنے پر اتفاق کر لیا اور سب سے بڑے بدبخت یعنی قذار بن سالف کو قتل پر مامور کیا۔ سب نے اونٹنی کو قتل کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے سرکشی کرنے میں حد سے بڑھ گئے اور حضرت صالح سے کہنے لگے اگر تو سچا ہے تو جس عذاب کی تو ہم کو دھمکی دیتا ہے اس کو لے آ۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ تین روز تک اپنے گھروں میں مزے اڑا لو، پہلے روز تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے، دوسرے روز سرخ اور تیسرے روز سیاہ اور پھر چوتھے روز صبح کو تم پر عذاب آ جائے گا ایک چیخ نے ان ظالموں کو آ پکڑا اور گھروں میں زمین پر چپکے رہ گئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہاں پر بستی ہی نہ تھی۔ (تفسیر مظہری)

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهۡلِكُوۡا بِرِيۡحٍ صَرۡصَرٍ عَاتِيَةٍ ۙ ﴿۶﴾
اور وہ جو عاد تھے سو برباد ہوئے ٹھنڈی سناٹے کی ہوا سے نکلی جائے ہاتھوں سے ☆

قوم عاد کی ہلاکت:

یعنی وہ ہوا اس قدر تیز و تند تھی جس پر کسی مخلوق کا قابو نہ چلتا تھا حتیٰ کہ فرشتے جو ہوا کے انتظام پر مسلط ہیں ان کے ہاتھوں سے نکلی جاتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، میری مدد کی گئی صبا کے ساتھ، یعنی پروا ہوا کے ساتھ اور عادی ہلاک کئے گئے دبور سے یعنی پچھوا ہوا سے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عادیوں کے ہلاک کرنے کے لئے ہواؤں کے خزانے میں سے صرف انگوٹھی کے برابر کشادہ کی گئی تھی جس سے ہوائیں نکلیں اور پہلے وہ گاؤں اور دیہات والوں پر آئیں۔ ان کے تمام مردوں اور عورتوں کو، چھوٹوں بڑوں کو، ان کے مالوں اور جانوں سمیت لے کر آسمان و زمین کے درمیان معلق کر دیا، شہریوں کو بوجہ بلندی اور کافی اونچائی کے یہ معلوم ہونے لگا کہ سیاہ رنگ کا بادل چڑھا ہوا ہے، خوش ہونے لگے کہ گرمی کے باعث جو ہماری بری حالت ہو رہی ہے اب پانی برس جائے گا۔ اتنے میں ہواؤں کو حکم ہوا اور اس نے ان تمام کو ان شہریوں پر پھینک دیا یہ اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس ہوا کے پر اور دم تھی۔ (تفسیر ابن کثیر)

سَخَّرَهَا عَلَيۡهِمۡ سَبۡعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ
مقرر کر دیا اُس کو اُن پر سات رات اور آٹھ دن تک
اَيَّامٍ ۙ حُسُوۡمًا فَتَرَى الۡقَوۡمَ فِيۡهَا
لگاتار پھر تو دیکھے کہ وہ لوگ اُس سے پچھڑ گئے
صَرۡعٰى ۙ كَاَنَّهُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ خَاوِيَةٍ ﴿۷﴾
گویا وہ ڈھنڈ ہیں کھجور کے کھوکھلے ☆

طاقت کا گھمنڈ خاک ہوگیا:

یعنی جو قوم لنگوٹ کس کر اکھاڑے میں یہ کہتی ہوئی اتری تھی "مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً" (ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے) وہ ہماری ہوا کا مقابلہ نہ کر سکی اور ایسے گرانڈیل پہلوان ہوا کے تھپیڑوں سے اس طرح پچھاڑ کھا کر گرے گویا کھجور کے کھوکھلے اور بیجان تنے ہیں جن کا سر اوپر سے کٹ گیا ہو۔ (تفسیر عثمانی)

قوم عاد کی ایک بوڑھی عورت طوفان سے بچنے کے لئے ایک تہہ خانہ میں گھس گئی تھی لیکن ہوا نے اس کو وہاں بھی جا لیا یہ عذاب کے آٹھویں دن کا واقعہ تھا اس کے بعد عذاب ختم ہوگیا۔ (تفسیر مظہری)

بعض روایات میں ہے کہ بدھ کی صبح سے یہ آندھی کا عذاب شروع ہو کر دوسرے بدھ کی شام تک رہا اس طرح دن تو آٹھ ہوگئے اور راتیں سات آئیں۔

حُسُوْمًا حاسم کی جمع ہے، جس کے معنی قطع کرنے اور استیصال کرنے یعنی بالکل فنا کر دینے والے کے ہیں (معارف مفتی اعظم)

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ﴿۸﴾

پھر تو دیکھتا ہے کوئی اُن میں کا بچا ☆

یعنی ان قوموں کا بیج بھی باقی رہا؟ اس طرح صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دی گئیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ

اور آیا فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور اُلٹ جانیوالی بستیاں

بِالْخَاطِئَةِ ﴿۹﴾ فَعَصَوْا رَسُوْلَ

خطائیں کرتے ہوئے پھر حکم نہ مانا اپنے رب کے رسول کا

رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿۱۰﴾

پھر پکڑا اُن کو پکڑنا سخت ☆

دیگر متکبر قوموں کی تباہی:

یعنی "عاد"، "ثمود" کے بعد فرعون بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا ہوا آیا اور اس سے پہلے اور کئی قومیں گناہ سمیٹتی ہوئی آئیں (مثلاً قوم نوح، قوم شعیب اور قوم لوط جن کی بستیاں الٹ دی گئیں تھیں) ان سبھوں نے اپنے اپنے پیغمبر کی نافرمانی کی اور خدا سے مقابلے باندھے آخر سب کو خدا نے بڑی سخت پکڑ سے پکڑا اس کے آگے کسی کی کچھ بھی پیش نہ چلی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ ﴿۱۱﴾

ہم نے جس وقت پانی اُبلا لا د لیا تم کو چلتی کشتی میں

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾

تاکہ رکھیں اُس کو تمہاری یادگاری کے واسطے اور سینت کر رکھے اُس کو کان سینت کر رکھنے والا ☆

طوفان میں نوحؑ کو بچا لیا گیا:

یعنی نوح کے زمانہ میں جب پانی کا طوفان آیا تو بظاہر اسباب تم انسانوں میں سے کوئی بھی نہ بچ سکا تھا یہ ہماری قدرت و حکمت اور انعام و احسان تھا کہ سب منکروں کو غرق کر کے نوحؑ کو مع اس کے ساتھیوں کے بچا لیا بھلا ایسے عظیم الشان طوفان میں ایک کشتی کے سلامت رہنے کی کیا توقع ہو سکتی تھی لیکن ہم نے اپنی قدرت و حکمت کا کرشمہ دکھلایا تا لوگ رہتی دنیا تک اس واقعہ کو یاد رکھیں اور جو کان کوئی معقول بات سن کر سمجھتے اور محفوظ رکھتے ہیں وہ کبھی نہ بھولیں کہ اللہ کا ہم پر ایک زمانہ میں یہ احسان ہوا ہے اور سمجھیں کہ جس طرح دنیا کا ہنگامہ دار و گیر میں فرمانبرداروں کو نافرمان مجرموں سے علیحدہ رکھا جاتا ہے یہی حال قیامت کے ہولناک "حاقہ" میں ہوگا آگے اسی کی طرف کلام منتقل کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ دل ظروف ہیں پس افضل ترین وہی دل ہے جو زیادہ یاد رکھنے والا ہو (طبرانی) (تفسیر مظہری)

فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾

پھر جب پھونکا جائے صور میں ایک بار پھونکنا

وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً

اور اُٹھائی جائے زمین اور پہاڑ پھر کوٹ دیئے جائیں

وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾

ایک بار پھر اُس دن ہو پڑے وہ ہو پڑنے والی ☆

پہاڑ ریزہ ریزہ:

یعنی صور پھنکنے کے ساتھ زمین اور پہاڑ اپنے حیز کو چھوڑ دینگے اور سب کو کوٹ پیٹ کر ایک دم ریزہ ریزہ کر دیا جائیگا بس وہ ہی وقت ہے قیامت کے ہو پڑنے کا۔ (تفسیر عثمانی)

آغاز قیامت:

ابن عساکر نے بحوالہ زیاد بن مخراق بیان کیا ہے کہ حجاج نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام عکرمہ سے دریافت کیا کہ کیا قیامت کا دن دنیا کا دن ہوگا یا اس کا شمار آخرت میں ہوگا عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس

کا ابتدائی حصہ دنیا کا ہوگا اور آخری حصہ آخرت کا۔ اس بناء پر زمانہ نفخ صور وہ بھی ہوگا۔ جس میں پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا اور وہ بھی ہوگا جب سب مرجائیں گے۔ پھر جی اٹھیں گے اور ان کا حساب ہوگا اور آسمان پھٹ جائیں گے اور ستارے ٹوٹ کر پراگندہ ہوجائیں گے اور کچھ لوگ جنت میں اور کچھ دوزخ میں چلے جائیں گے پس آیت مذکورہ میں زمان قیامت کے آغاز کو بیان کیا گیا ہے اور آیت فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ اور خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ الخ میں انتہا قیامت کا اظہار ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ زمین اور پہاڑ غبار ہو جائیں گے اور وہ غبار کفار کے چہروں پر چڑھ جائے گا، اہل ایمان کے چہروں پر نہیں پڑے گا۔ کفار ہی کے چہرے اس روز غبار آلود اور دھواں دار ہوں گے۔

جب صور پھونکا جائے گا اور زمین وکوہ اپنی جگہ سے اٹھا کر تھوڑ پھوڑ دیئے جائیں گے تو اس وقت دنیا ختم ہوجائے گی اور قیامت آجائے گی۔ (تفسیر مظہری)

صور کیا ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ صور کوئی سینگ (کی شکل کی کوئی چیز) ہے جس میں قیامت کے روز صور پھونکا جائے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿١٦﴾

اور پھٹ جائے آسمان پھر وہ اس دن بکھر رہا ہے

وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ؕ

اور فرشتے ہونگے اس کے کناروں پر ☆

آسمان پھٹ جائے گا:

یعنی آج جو آسمان اس قدر مضبوط و محکم ہے کہ لاکھوں سال گزرنے پر بھی کہیں ذرا سا شگاف نہیں پڑا اس روز پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا۔ اور جس وقت درمیان سے پھٹنا شروع ہوگا تو فرشتے اس کے کناروں پر چلے جائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿١٧﴾

اور اٹھائینگے تخت تیرے رب کا اپنے اُوپر اس دن آٹھ شخص ☆

عرش کو اُٹھانے والے:

اب عرش عظیم کو چار فرشتے اٹھا رہے ہیں جن کی بزرگی اور کلانی کا علم اللہ ہی کو ہے۔ اس دن ان چار کے ساتھ چار اور لگیں گے تفسیر عزیزی میں اس عدد کی حکمتوں اور ان فرشتوں کے حقائق پر بہت دقیق و بسیط بحث کی ہے۔ جس کو شوق ہو وہاں دیکھ لے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آسمان میں سوراخ اور غار پڑ جائیں گے اور شق ہوجائے گا۔ عرش اس کے سامنے ہوگا، فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے جو کنارے اب تک ٹوٹے نہ ہوں گے اور دروازوں پر ہوں گے آسمان کی لمبائی میں پھیلے ہوئے ہوں گے اور زمین والوں کو دیکھ رہے ہوں گے۔ پھر فرمایا کہ قیامت والے دن آٹھ فرشتے خداوند تعالیٰ کا عرش اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے پس یا تو مراد عرش عظیم کا اٹھانا ہے یا اس عرش کا اٹھانا مراد ہے جس پر قیامت کے دن حق تعالیٰ لوگوں کے فیصلے کے لئے ہوگا، واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب المحترم فرماتے ہیں کہ یہ فرشتے پہاڑی بکروں کی صورت میں ہوں گے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی آنکھ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک سو سال کا راستہ ہے۔ ابن ابی حاتم کی مرفوع حدیث میں ہے کہ مجھے اجازت دی گئی ہے کہ میں تمہیں عرش کے اٹھانے والے فرشتوں میں سے ایک فرشتے کی نسبت خبر دوں کہ اس کی گردن اور کان کے نیچے کی لو کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ اڑنے والا پرندہ سات سو سال تک اڑتا چلا جائے۔ اس کی اسناد بہت عمدہ ہیں اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

زمین اور آسمان کا فاصلہ:

ابو داؤد اور ترمذی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب المحترم کا قول نقل کیا ہے عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں بطحا میں ایک گروہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے ایک بادل گزرنے لگا، لوگوں نے اس کی طرف دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس کو کیا کہتے ہو لوگوں نے جواب دیا سحاب (ابر) فرمایا اور مزن (بھی) لوگوں نے کہا مزن بھی (کہتے ہیں) فرمایا اور عنان بھی (کہتے ہو) لوگوں نے کہا عنان بھی (کہتے ہیں) فرمایا کیا تم کو معلوم ہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان کتنا فاصلہ ہے لوگوں نے کہا نہیں، فرمایا کہ دونوں کے درمیان فاصلہ اکہتر یا بہتر یا تہتر سال کی راہ کا ہے اور نچلے آسمان سے اوپر والا آسمان بھی ایسا ہے (یعنی اتنی ہی دور) ہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات آسمان شمار کیے (اور فرمایا) کہ ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے جس کے زیریں اور بالائی (سطح) کا فاصلہ اتنا ہی ہے جتنا کہ ایک آسمان کا فاصلہ دوسرے آسمان سے پھر سمندر کے اوپر آٹھ پہاڑی بکرے ہیں جن کے کھروں اور کولھوں (سرینوں) کا فاصلہ دو آسمانوں کی درمیانی مسافت کے برابر ہے اس کے اوپر عرش الٰہی ہے جس کے اعلیٰ اور سفل کا فاصلہ بھی دو آسمانوں کی درمیانی مسافت کے برابر ہے اس کے اوپر اللہ ہے۔ بغویؒ نے

بھی یہ حدیث اس طرح نقل کی ہے مگر زمین و آسمان کے درمیانی فاصلے کی مقدار اسی طرح ہر دو آسمانوں کے درمیانی فاصلے کی مقدار پانچ سو برس کی راہ بتائی ہے۔ سمندر کے اعلیٰ و اسفل کا فاصلہ اور پہاڑی بکروں کے کھروں اور سرینوں کا درمیانی فاصلہ بھی اتنا ہی نقل کیا ہے۔ مسافت کا یہ اختلاف (شاید) چلنے والوں کے اختلاف کے لحاظ سے ہو۔ واللہ اعلم۔

بغویؒ نے بیان کیا ہے کہ حدیث میں آیا ہے عرش کو اٹھانے والے ملائکہ اب تو چار ہیں قیامت کے دن ان کی مدد کے لئے اللہ اور چار مقرر فرمادے گا۔ ان کی شکل بکروں جیسی ہے۔ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک کی صورت مرد کی دوسرے کی شیر کی تیسرے کی بیل کی اور چوتھے کی گدھ کی۔ (تفسیر مظہری)

اہل سنۃ کا موقف اس قسم کی آیت میں یہی ہے کہ حقیقت پر محمول کرتے ہوئے اور اس کی کیفیات اور جملہ احوال کو خداوند عالم کے علم کے حوالہ کر دینا جیسے کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ خدا کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے جیسے کہ نص قرآنی نے بتادیا مگر کیفیت مجہول اور غیر معلوم ہے اور اس پر ایمان لانا لازم ہے اور سوال و تحقیق کہ کیسے اور کس طرح عرش پر متمکن ہے بدعت ہے۔ (معارف کاندھلوی)

> يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾
>
> اُس دن سامنے کئے جاؤ گے چھپی نہ رہے گی تمہاری کوئی چھپی بات ☆

عدالت الٰہیہ میں حاضری:

یعنی اس دن اللہ کی عدالت میں حاضر کیے جاؤ گے اور کسی کی کوئی نیکی یا بدی مخفی نہ رہے گی۔ سب منظر عام پر آ جائینگی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اعلیٰ فرشتوں کے آٹھ حصے ہیں جن میں سے ہر ایک حصہ کی گنتی تمام انسانوں اور جنوں اور سب فرشتوں کے برابر ہے، پھر فرمایا کہ قیامت کے روز تم سب خدا کے سامنے پیش کئے جاؤ گے جو پوشیدہ کو اور ظاہر کو بخوبی جانتا ہے جس طرح کھلی سے کھلی چیز کا وہ عالم ہے اسی طرح چھپی سے چھپی چیز کو بھی وہ جانتا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ تمہارا کوئی بھید اس روز چھپ نہ سکے گا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ لوگو! اپنی جانوں کا حساب کرلو اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے اور اپنے اعمال کا آپ اندازہ کرلو اس سے پہلے کہ ان اعمال کا وزن کیا جائے تا کہ کل قیامت والے دن تم پر آسانی ہو، جس دن کے تمہارا پورا پورا حساب لیا جائے گا اور بڑی پیشی میں خود خدائے جل شانہ کے سامنے تم پیش کر دیئے جاؤ گے۔

تین پیشیاں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز لوگوں کی تین پیشیاں ہوں گی دو پیشیاں تو جھگڑا کرنے اور معذرتوں کے لئے ہوں گی اور تیسری پیشی کے وقت اعمال نامے ہاتھوں میں نمودار ہو جائیں گے کوئی دائیں ہاتھ میں لینے والا ہوگا اور کوئی بائیں ہاتھ میں۔ (ترمذیؒ بروایت حضرت ابو ہریرہؓ، وابن ماجہؒ بروایت حضرت ابوموسیٰ اشعری، وبیہقی بروایت حضرت ابن مسعودؓ)

حکیم ترمذیؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ جھگڑا کرنے کے لئے پیشی دشمنوں کی ہوگی وہ رب کو نہیں پہچانیں گے اس لئے خیال کریں گے کہ رب سے جھگڑا کر کے ان کو نجات مل جائے گی اور بات بن جائے گی یہ سوچ کر وہ اللہ سے جھگڑیں گے اور معذرت کے لئے پیشی اللہ کی طرف سے ہوگی آدم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کے سامنے اللہ دشمنوں کے خلاف اتمام حجت فرماوے گا اور (تمام معذرتوں کے بعد) اعداء کو دوزخ میں بھیج دے گا اور تیسری پیشی اہل ایمان کی ہوگی یہ نام کی تو پیشی ہوگی مگر اللہ تنہائی میں ان پر اس حد تک عتاب فرمائے گا کہ ان کو شرم آ جائے پھر ان کی مغفرت فرمادیگا اور ان سے راضی ہو جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

چٹیل میدان:

اللہ تعالیٰ کے علم و بصر سے تو آج تک کوئی نہیں چھپ سکا، اس روز کی خصوصیت شاید یہ ہو کہ میدان حشر میں تمام زمین ایک سطح مستوی ہو جائے گی نہ کوئی غار رہے گا نہ کوئی پہاڑ، نہ کوئی تعمیر و مکان نہ کسی درخت وغیرہ کی آڑ، یہی چیزیں ہیں جن میں دنیا کے پیچھے چھپنے والے چھپا کرتے ہیں۔ وہاں ان میں سے کوئی چیز نہ ہوگی، کسی کو چھپنے کا امکان ہی نہ رہے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

> فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ
>
> سو جس کو ملا اُس کا لکھا داہنے ہاتھ میں
>
> فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ ﴿١٩﴾
>
> وہ کہتا ہے لیجیو پڑھیوں میرا لکھا ☆

نجات کی علامت:

یعنی اس دن جس کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا گیا جو ناجی و مقبول ہونے کی علامت ہے وہ خوشی کے مارے ہر کسی کو دکھاتا پھرتا ہے کہ لو آؤ یہ میرا اعمال نامہ پڑھو۔ (تفسیر عثمانی)

> إِنِّي ظَنَنتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾
>
> میں نے خیال رکھا اس بات کا کہ مجھ کو ملے گا میرا حساب ☆

یعنی میں نے دنیا میں خیال رکھا تھا کہ ایک دن ضرور میرا حساب کتاب ہونا ہے اس خیال سے میں ڈرتا رہا اور اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہا آج اس کا دل خوش کن نتیجہ دیکھ رہا ہوں کہ خدا کے فضل سے میرا حساب بالکل صاف ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مومن کی پردہ پوشی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی صحیح حدیث جو پہلے بیان ہو چکی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندے کو اپنے پاس بلائے گا اور اس سے اس کے گناہوں کی بابت پوچھے گا کہ فلاں گناہ کیا؟ فلاں گناہ کیا؟ وہ اقرار کرے گا یہاں تک کہ سمجھ لے گا کہ اب میں ہلاک ہوا۔ اس وقت جناب باری عزّ اسمہٗ فرمائے گا اے میرے بندے! دنیا میں میں نے تیری ان برائیوں پر پردہ ڈال رکھا تھا، اب آج تجھے کیا رسوا کروں؟ جا میں نے تجھے بخش دیا، پھر اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جاتا ہے جس میں صرف نیکیاں ہی نیکیاں ہوتی ہیں لیکن کافروں اور منافقوں کے بارے میں تو گواہ پکار اٹھتے ہیں کہ یہ لوگ وہ ہیں کہ جنہوں نے خدا پر جھوٹ کہا، لوگو! سنو، ان ظالموں پر خدا کی پھٹکار ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ابن مبارک نے بروایت ابوعثمان نہدی بیان کیا کہ مومن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسروں سے چھپا کر اعمالنامہ دیا جائے گا، اپنی بداعمالیوں کو پڑھ کر اس کا رنگ بدل جائے گا پھر نیکیوں کو پڑھے گا تو رنگ لوٹ آئے گا پھر جو اس کی نظر پڑے گی تو دیکھے گا کہ اس کی بداعمالیوں کو نیکیوں سے بدل دیا گیا ہے (برائیوں کی جگہ بھلائیاں لکھ دی گئیں) اس وقت وہ کہے گا لو میرا اعمال نامہ پڑھو۔ (تفسیر مظہری)

فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٢١﴾ فِي جَنَّةٍ

سو وہ ہیں من مانتے گذران میں اونچے باغ

عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾

میں جس کے میوے جھکے پڑے ہیں ☆

جو کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر حالت میں نہایت سہولت سے چنے جا سکتے ہیں۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا

کھاؤ اور پیو رچ کر بدلہ اس کا

أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾

جو آگے بھیج چکے ہو تم پہلے دنوں میں ☆

یعنی دنیا میں تم نے اللہ کے واسطے اپنے نفس کی خواہشوں کو روکا تھا اور بھوک، پیاس کی تکلیفیں اٹھائیں تھیں، آج کوئی روک ٹوک نہیں، خوب رچ پچ کے کھاؤ، پیو، نہ طبیعت منغض ہوگی نہ بدہضمی نہ بیماری یا نہ زوال کا کھٹکا۔

وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي

اور جس کو ملا اُس کا لکھا بائیں ہاتھ میں وہ کہتا ہے کیا اچھا ہوتا

لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهْ ﴿٢٥﴾ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿٢٦﴾

جو مجھ کو نہ ملتا میرا لکھا اور مجھ کو خبر نہ ہوتی کہ کیا ہے حساب میرا

يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿٢٧﴾ مَا أَغْنَىٰ

کسی طرح وہی موت ختم کر جاتی کچھ کام نہ آیا

عَنِّي مَالِيَهْ ﴿٢٨﴾ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ ﴿٢٩﴾

مجھ کو میرا مال برباد ہوئی مجھ سے حکومت میری

ناکام ہونے والے:

یعنی پیٹھ کی طرف سے بائیں ہاتھ میں جس کا اعمال نامہ دیا جائیگا' سمجھ لے گا کہ کم بختی آئی' اس وقت نہایت حسرت سے تمنا کریگا کہ کاش میرے ہاتھ میں اعمالنامہ نہ دیا جاتا اور مجھے کچھ خبر نہ ہوتی کہ حساب کتاب کیا چیز ہے۔ کاش موت میرا قصہ ہمیشہ کے لیے تمام کر دیتی۔ مرنے کے بعد پھر اٹھنا نصیب نہ ہوتا۔ یا اٹھا تھا تو اب موت آ کر میرا لقمہ کر لیتی۔ افسوس وہ مال و دولت اور جاہ و حکومت کچھ کام نہ آئی۔ آج ان میں سے کسی چیز کا پتہ نہیں۔ نہ میری کوئی حجت اور دلیل چلتی ہے نہ معذرت کی گنجائش ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن سائب نے کہا ہے کہ بائیں ہاتھ کو موڑ کر پشت کے پیچھے کر کے اعمال نامہ دیا جائے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کافر کا بایاں ہاتھ سینہ کے اندر سے کھینچ کر پشت کے پیچھے کر دیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

کافر کی حسرت:

مطلب یہ کہ دنیا میں جو مجھے دوسرے لوگوں پر بڑائی اور غلبہ حاصل تھا میں سب میں بڑا مانا جاتا تھا آج وہ بڑائی اور غلبہ بھی کچھ کام نہ آیا اور سلطان بمعنی حجت بھی لیا جا سکتا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ افسوس آج میرے ہاتھ میں کوئی حجت و سند نہیں جس کے ذریعہ عذاب سے نجات حاصل ہو سکے۔ (معارف مفتی اعظم)

خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ﴿٣١﴾

اُس کو پکڑو پھر طوق ڈالو پھر آگ کے ڈھیر میں اس کو ڈالو

ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ﴿٣٢﴾

پھر ایک زنجیر میں جس کا طول ستر گز ہے اس کو جکڑ دو ☆

کافر کی گرفتاری:

فرشتوں کو حکم ہوگا اسے پکڑ' طوق گلے میں ڈالو' پھر دوزخ کی آگ میں غوطہ دو اور اس زنجیر میں جس کا طول ستر گز ہے اس کو جکڑ دو' تا جلنے کی حالت میں ذرا بھی حرکت نہ کر سکے کہ ادھر ادھر حرکت کرنے سے بھی جلنے والا

قدرے تخفیف محسوس کیا کرتا ہے (تنبیہ) گز سے وہاں کا گز مراد ہے جس کی مقدار اللہ ہی جانے۔ (تفسیر عثمانی)

دوزخ کی زنجیریں:

ابن ابی حاتم اور بیہقی نے عوفی کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ زنجیر کافر کے مقعد سے داخل کر کے ناک کے نتھنوں سے نکال لی جائے گی (اس طرح اس کو زنجیر میں پرو دیا جائے گا) تا کہ وہ پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکے۔ ابن ابی حاتم نے ابن جریر رضی اللہ عنہ کے طریقہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا ہے کہ زنجیر سرین سے داخل کی جائے گی اور منہ سے نکالی جائے گی اور جس طرح ٹڈی کو لکڑی میں پروتے ہیں اسی طرح زنجیر میں کافر کو پرو دیا جائے گا۔ اس کے بعد اس کو بھونا جائے گا۔

نوف بکالی شامی کا قول ہے کہ زنجیر ستر ذراع کی ہوگی اور ہر ذراع ستر بانہہ کا اور ہر بانہہ اتنی لمبی جتنی یہاں سے مکہ تک مسافت ہے اس بات کے وقت بکالی کوفہ کے میدان میں تھے۔

ہناد اور ابن مبارک کا بیان ہے کہ سفیان نے فرمایا کہ ہر ذراع ستر ذراع کا ہوگا حسن بصریؒ نے فرمایا اللہ جانے کون سا ذراع ہوگا۔

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾
وہ تھا کہ یقین نہ لاتا تھا اللہ پر جو سب سے بڑا
وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾
اور تاکید نہ کرتا تھا فقیر کے کھانے پر ☆

ایمان نہ لانا اور مسکین کو نہ کھلانا:

یعنی اس نے دنیا میں رہ کر نہ اللہ کو جانا نہ بندوں کے حقوق پہنچانے فقیر محتاج کی خود تو کیا خدمت کرتا دوسروں کو بھی ادھر ترغیب نہ دی پھر جب اللہ پر جس طرح چاہیے ایمان نہ لایا تو نجات کہاں؟ اور جب کوئی بھلائی کا چھوٹا بڑا کام بن نہ پڑا تو عذاب میں تخفیف کی بھی کوئی صورت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بزرگی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار (یعنی میں بزرگی اور بڑائی کے پردوں میں پوشیدہ ہوں) اب جو شخص میرا کوئی لباس مجھ سے کھینچے گا میں اس کو آگ میں داخل کر دوں گا۔ (مسلم)

بدترین عقیدہ اور بدترین عمل:

آیت سے ثابت ہے کہ فروغ اعمال پر بھی کافروں کا مواخذہ ہوگا۔ عدم ایمان اور عدم ترغیب کا خصوصیت کے ساتھ اس جگہ ذکر شاید اس لئے کیا گیا کہ بدترین (عقیدہ) کفر ہے اور بدترین (عمل) بخل (تفسیر مظہری)

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾
سو کوئی نہیں آج اُس کا یہاں دوست دار ☆

کوئی دوست نہ ہوگا:

یعنی جب اللہ کو دوست نہ بنایا تو آج اس کا دوست کون بن سکتا ہے جو حمایت کر کے عذاب سے بچا دے یا مصیبت کے وقت کچھ تسلی کی بات کرے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾
اور نہ کچھ کھانا مگر زخموں کا دھوون
لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ﴿۳۷﴾
کوئی نہ کھائے اُس کو مگر وہی گنہگار ☆

دوزخیوں کا کھانا:

کھانے سے بھی انسان کو قوت پہنچتی ہے مگر وہ دوزخیوں کو کوئی ایسا مرغوب کھانا نہ ملے گا جو راحت و قوت کا سبب ہو۔ ہاں دوزخیوں کے زخموں کی پیپ دی جائے گی جسے ان گنہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھا سکتا اور وہ بھی بھوک پیاس کی شدت میں غلطی سے یہ سمجھ کر کھائیں گے کہ اس سے کچھ کام چلے گا بعد کو ظاہر ہوگا کہ اس کا کھانا بھوک کے عذاب سے بڑا عذاب ہے (اعاذنا اللہ سائر انواع العذاب فی الدنیا والآخرۃ)۔ (تفسیر عثمانی)

ابن ابی حاتم نے بطریق عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ غسلین دوزخیوں کا کچ لہو ہوگا ضحاک اور ربیع کا قول ہے کہ غسلین ایک درخت ہوگا جس کو دوزخی کھائیں گے، ابن ابی حاتم بطریق مجاہد بیان کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے نہیں معلوم کہ غسلین کیا چیز ہوگی مگر میرا خیال یہ ہے کہ غسلین، ہی زقوم (تھوہر کا درخت) ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا
سو قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جو دیکھتے ہو
لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾
اور جو چیزیں کہ تم نہیں دیکھتے یہ کہا ہے ایک پیغام لانیوالے سردار کا ☆

قرآن کی سچائی:

یعنی جو کچھ جنت و دوزخ وغیرہ کا بیان ہوا یہ کوئی شاعری نہیں نہ کاہنوں کی اٹکل پچو باتیں ہیں بلکہ یہ قرآن ہے اللہ کا کلام جس کو آسمان سے ایک بزرگ فرشتہ لیکر ایک بزرگ ترین پیغمبر پر اترا جو آسمان سے لایا' وہ اور جس

نے زمین والوں کو پہنچایا' دونوں رسول کریم ہیں ایک کا کریم ہونا تو تم آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ اور دوسرے کی کرامت و بزرگی پہلے کریم کے بیان سے ثابت ہے۔ (تنبیہ) عالم میں دو قسم کی چیزیں ہیں ایک جن کو آدمی آنکھوں سے دیکھتا ہے دوسری جو آنکھوں سے نظر نہیں آتی' عقل وغیرہ کے ذریعہ سے ان کے تسلیم کرنے پر مجبور ہے مثلاً ہم کتنا ہی آنکھیں پھاڑ کر زمین کو دیکھیں۔ وہ چلتی ہوئی نظر نہ آئیں گی لیکن حکماء کے دلائل و براہین سے عاجز ہو کر ہم اپنی آنکھ کو غلطی پر سمجھتے ہیں اور اپنی عقل کے یا دوسرے عقلاء کی عقل کے ذریعہ سے حواس کی ان غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کر لیتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کی عقل بھی غلطیوں اور کوتاہیوں سے محفوظ نہیں۔ آخر اس کی غلطیوں کی اصلاح اور کوتاہیوں کی تلافی کس سے ہو۔ بس تمام عالم میں ایک وحی الٰہی کی قوت ہے جو خود غلطی سے محفوظ و معصوم رہتے ہوئے تمام عقلی قوتوں کی اصلاح و تکمیل کر سکتی ہے۔ جس طرح حواس جہاں پہنچ کر عاجز ہوتے ہیں وہاں عقل کام دیتی ہے ایسے ہی جس میدان میں عقل مجرد کام نہیں دیتی یا ٹھوکریں کھاتی ہے اس جگہ وحی الٰہی اس کی دستگیری کر کے ان بلند حقائق سے روشناس کرتی ہے شاید اسی لیے یہاں "بِمَا تُبْصِرُوْنَ o وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ" کی قسم کھائی یعنی جو حقائق جنت و دوزخ وغیرہ کی پہلی آیات میں بیان ہوئے ہیں اگر دائرہ محسوسات سے بلند تر ہونے کی وجہ سے تمہاری سمجھ میں نہ آئیں تو اشیاء میں مبصرات و غیر مبصرات یا بالفاظ دیگر محسوسات و غیر محسوسات کی تقسیم سے سمجھ لو کہ یہ رسول کریم کا کلام ہے جو بذریعہ وحی الٰہی دائرہ حس و عقل سے بالاتر حقائق کی خبر دیتا ہے جب ہم بہت سی غیر محسوس بلکہ مخالف حس چیزوں کو اپنی عقل یا دوسروں کی تقلید سے مان لیتے ہیں تو بعض بہت اونچی چیزوں کو رسول کریم کے کہنے سے ماننے میں کیا اشکال ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾

اور نہیں ہے یہ کہا کسی شاعر کا تم تھوڑا یقین کرتے ہو

قرآن شاعری نہیں:

یعنی قرآن کے کلام اللہ ہونے کی نسبت کبھی کبھی یقین کی کچھ جھلک تمہارے دلوں میں آتی ہے' مگر بہت کم جو نجات کے لیے کافی نہیں۔ آخر اس کو شاعری وغیرہ کہہ کر اڑا دیتے تو کیا واقعی انصاف سے کہہ سکتے ہو کہ یہ کسی شاعر کا کلام ہو سکتا ہے اور شعر کی قسم سے ہے۔ شعر میں وزن و بحر وغیرہ ہونا لازم ہے قرآن میں اس کا پتہ نہیں شاعروں کا کلام اکثر بے اصل ہوتا ہے اور اس کے اکثر مضامین محض وہمی اور خیالی ہوتے ہیں حالانکہ قرآن کریم میں تمام تر حقائق ثابتہ اور اصول محکمہ کو قطعی دلیلوں اور یقینی حجتوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بہت ہی کم یا تھوڑے وقت میں ایمان لاتے ہو کیونکہ اس کی سچائی جب تم پر نمایاں ہو جاتی ہے تو مجبوراً کسی قدر یا تھوڑے وقت کے لئے اس کو سچا مان لیتے ہو (لیکن پھر عناد اور دشمنی کی وجہ سے انکار کرنے لگتے ہو) قلت ایمان چاہتی ہے کہ کثرت ایمان منفی ہو کیونکہ کثرت ایمان کی نفی عناد اور ضد پر مبنی ہے اور وہ لوگ عناد اور ضد کی وجہ سے پورے مومن ہی نہ تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قلیل ایمان سے مراد نفی ایمان ہے یعنی بالکل ایمان نہیں رکھتے ہو، جیسے اس شخص سے تم کہو جو تمہاری ملاقات کو نہیں آتا کہ آپ تو بالکل کم ہی ہم سے ملاقات کرتے ہیں یعنی نہیں کرتے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾

اور نہیں ہے کہا پریوں والے کا تم بہت کم دھیان کرتے ہو ☆

قرآن کاہن کی بات نہیں:

یعنی پوری طرح دھیان کرو تو معلوم ہو جائے کہ یہ کسی کاہن کا کلام بھی نہیں۔ کاہن عرب میں وہ لوگ تھے جو بھوت پریت جنوں اور چڑیلوں سے تعلق یا مناسبت رکھتے تھے وہ ان کو غیب کی بعض جزئی باتیں ایک مقفیٰ و مسجع کلام کے ذریعہ سے بتلاتے تھے لیکن جنوں کا کلام معجز نہیں ہوتا کہ ویسا دوسرا نہ کر سکے' بلکہ ایک جن کسی کاہن کو جو ایک بات سکھلاتا ہے دوسرا جن بھی ویسی بات دوسرے کاہن کو سکھلا سکتا ہے اور یہ کلام یعنی قرآن کریم ایسا معجز ہے کہ سب جن وانس مل کر بھی اس کے مشابہ کلام نہیں بنا سکتے دوسرے کاہنوں کے کلام میں محض قافیہ اور سجع کی رعایت کے لیے بہت الفاظ بھرتی کے بالکل بیکار اور بے فائدہ ہوتے ہیں اور اس کلام معجز نظام میں ایک حرف یا ایک شوشہ بھی بیکار و بے فائدہ نہیں۔ پھر کاہنوں کی باتیں چند مبہم جزئی اور معمولی خبروں پر مشتمل ہوتی ہیں لیکن علوم و حقائق پر مطلع ہونا اور ادیان و شرائع کے اصول و قوانین اور معاش و معاد کے دستور و آئین کا معلوم کر لینا اور فرشتوں کے اور آسمانوں کے چھپے ہوئے بھیدوں پر سے آگاہی پانا ان سے نہیں ہو سکتا بخلاف قرآن کریم کے وہ ان ہی مضامین سے پر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن کا شعر نہ ہونا ایک واضح امر تھا جس کے انکار کی سوائے عناد کے اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی لیکن الفاظ کاہن سے قرآن کا فرق غور طلب تھا۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال، اطوار اور قرآن کے حقائق پر غور نہ کیا جائے واضح طور پر اس کو سمجھنا مشکل ہے۔ (تفسیر مظہری)

تَنْزِيلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٣﴾

یہ اُتارا ہوا ہے جہان کے رب کا ☆

اسی لیے سارے جہان کی تربیت کے اعلیٰ اور محکم ترین اصول اس میں بیان ہوئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿٤٤﴾

اور اگر یہ بنا لاتا ہم پر کوئی بات

لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿٤٥﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿٤٦﴾

تو ہم پکڑ لیتے اُس کا داہنا ہاتھ پھر کاٹ ڈالتے اُس کی گردن

فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿٤٧﴾

پھر تم میں کوئی ایسا نہیں جو اُس سے بچا لے ☆

پیغمبر جھوٹ نہیں کہہ سکتا:

حضرت شاہ عبدالقادر رحمتہ اللہ لکھتے ہیں ''یعنی اگر جھوٹ بناتا اللہ پر تو اول اس کا دشمن اللہ ہوتا اور ہاتھ پکڑتا'' یہ دستور ہے گردن مارنے کا جلاد اس کا داہنا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ رکھتا ہے تاسرک نہ جائے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''تَقَوَّلَ'' کی ضمیر رسول کی طرف لوٹتی ہے یعنی اگر رسول بالفرض کوئی حرف اللہ کی طرف منسوب کر دے یا اس کے کلام میں اپنی طرف سے ملا دے جو اللہ تعالیٰ نے نہ کہا ہو تو اسی وقت اس پر یہ عذاب کیا جائے (العیاذ باللہ) کیونکہ اس کی تصدیق اور سچائی آیات بینات اور دلائل و براہین کے ذریعہ سے ظاہر کی جا چکی ہے۔ اب اگر اس قسم کی بات پر فوراً عذاب اور سزا نہ کی جائے تو وحی الٰہی سے امن اٹھ جائیگا اور ایسا التباس و اشتباہ پڑ جائیگا جس کی اصلاح ناممکن ہو جائے گی جو حکمت تشریع کے منافی ہے۔ بخلاف اس شخص کے جس کا رسول ہونا آیات و براہین سے ثابت نہیں ہوا بلکہ کھلے ہوئے قرائن و دلائل علانیہ اس کی رسالت کی نفی کر چکے ہیں تو اس کی بات بھی بے ہودہ اور خرافات ہے کوئی عاقل اس کو درخور اعتناء نہ سمجھے گا اور نہ بحمد اللہ دین الٰہی میں کوئی التباس و اشتباہ واقع ہو گا۔ ہاں ایسے شخص کی معجزات وغیرہ سے تصدیق ہونا محال ہے ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جھوٹا ثابت کرنے اور رسوا کرنے کے لیے ایسے امور بروئے کار لائے جو اس کے دعوئے رسالت کے مخالف ہوں۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ جس طرح بادشاہ ایک شخص کو کسی منصب پر مامور کر کے اور سند و فرمان وغیرہ دے کر کسی طرف روانہ کرتے ہیں۔ اب اگر اس شخص سے اس خدمت میں کچھ خیانت ہوئی یا بادشاہ پر کچھ جھوٹ باندھنا اس سے ثابت ہوا تو اسی وقت بلا توقف اس کا تدارک کرتے ہیں۔ لیکن اگر سڑک کوٹنے والا مزدور یا جھاڑو دینے والا بھنگی بکتا پھرے کہ گورنمنٹ کا میرے لیے یہ فرمان ہے یا میرے ذریعے سے یہ احکام دیے گئے ہیں تو کون اس کی بات پر کان دھرتا ہے اور کون اس کے دعوؤں سے تعرض کرتا ہے۔ بہر حال آیت ہذا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر استدلال نہیں کیا گیا بلکہ یہ بتلایا گیا ہے کہ قرآن کریم خالص اللہ کا کلام ہے جس میں ایک حرف یا ایک شوشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی طرف سے شامل نہیں کر سکتے۔ اور نہ باوجود پیغمبر ہونے کے آپ کی یہ شان ہے کہ کوئی بات اللہ کی طرف منسوب کر دیں جو اس نے نہ کہی ہو۔ تورات سفر استثناء کے اٹھارویں باب میں بیسواں فقرہ یہ ہے ''لیکن وہ نبی ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے'' خلاصہ یہ ہے کہ جو نبی ہوگا اس سے ایسا ممکن نہیں فنظیر ھٰذہ الآیۃ قولہ تعالیٰ فی البقرۃ ''وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ''۔ (تفسیر عثمانی)

اسلام سے پہلے عمر فاروق پر قرآن کا اثر:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے سے پہلے کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرم میں پہنچ گئے ہیں۔ میں بھی گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑا ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ حَآقَّۃ شروع کی جسے سن کے مجھے اس کی پیاری نشست الفاظ اور بندش مضامین اور فصاحت و بلاغت پر تعجب آنے لگا آخر میرے دل میں یہ خیال آیا کہ قریش ٹھیک کہتے ہیں کہ یہ شخص شاعر ہے۔ ابھی میں اسی خیال میں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتیں تلاوت کیں کہ ''یہ قول رسول کریم کا ہے شاعر کا نہیں، تم میں ایمان ہی کم ہے۔'' تو میں نے خیال کیا اچھا، چلو شاعر نہ سہی، کاہن تو ضرور ہے، ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت میں یہ آیت آئی کہ ''یہ کاہن کا قول بھی نہیں تم نے نصیحت ہی کم لی ہے۔'' اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ پوری سورت ختم کی۔ فرماتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ میرے دل میں اسلام پوری طرح گھر کر گیا اور رونگٹے رونگٹے میں اسلام کی سچائی گھس گئی۔

وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾

اور یہ نصیحت ہے ڈرنے والوں کو

وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿٤٩﴾

اور ہم کو معلوم ہے کہ تم میں بعضے جھٹلاتے ہیں

وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٠﴾

اور وہ جو ہے پچھتاوا ہے منکروں پر

منکر پچھتائے گا: یعنی خدا سے ڈرنیوالے اس کلام کو سن کر نصیحت حاصل کرینگے اور جن کے دل میں ڈر نہیں وہ جھٹلائینگے لیکن ایک وقت آنیوالا ہے کہ یہی کلام اور ان کا یہ جھٹلانا سخت حسرت و پشیمانی کا موجب ہوگا اس وقت پچھتائیں گے کہ افسوس کیوں ہم نے اس سچی بات کو جھٹلایا تھا جو آج یہ آفت دیکھنی پڑی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٥١﴾

اور وہ جو ہے یقین کرنے کے قابل ہے

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۵۲﴾

اب بول پاکی اپنے رب کے نام کی جو ہے سب سے بڑا

قرآن یقینی حقیقت ہے:

یعنی یہ کتاب تو ایسی چیز ہے۔ جس پر یقین سے بھی بڑھ کر یقین رکھا جائے کیونکہ اس کے مضامین سرتا پاسچ اور ہر طرح کے شک وشبہ سے بالا تر ہیں۔ لازم ہے کہ آدمی اس پر ایمان لاکر اپنے رب کی تسبیح وتحمید میں مشغول ہو۔ تم سورۃ الحاقۃ وللہ الحمد۔ (تفسیر عثمانی)

رکوع وسجدہ کی تسبیحات:

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ بن عامر جہنی سے مروی ہے کہ جب آیت فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو اپنے رکوع میں (داخل) کرلو اور جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى نازل ہوئی تو فرمایا اس کو اپنے سجدہ میں داخل کر لو۔ (ابوداؤد وابن ماجہ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں **سبحان ربی العظیم** اور سجدہ میں **سبحان ربی الاعلی** پڑھتے تھے اور جب آیت رحمت پر پہنچتے تو ٹھہر کر دعا کرتے اور آیت عذاب پر پہنچتے تو ٹھہر کر پناہ مانگتے۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے نسائی اور ابن ماجہ نے آیت رحمت اور آیت عذاب پر ٹھہرنے اور دعا کرنے اور پناہ مانگنے کا ذکر نہیں کیا عون بن عبد اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی رکوع کرے اور تین بار رکوع میں **سبحان ربی العظیم** کہہ لے تو اس کا رکوع پورا ہوگیا اور یہ کم ترین (مقدار) ہے۔ اور جب سجدہ کرے اور سجدہ میں تین بار **سبحان ربی الاعلیٰ** کہہ لے تو اس کا سجدہ پورا ہوگیا اور یہ قلیل ترین (تعداد) ہے (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

ایک وزنی عمل:

ترمذی نے لکھا کہ اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے کیونکہ عون نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دو لفظ ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں وزن میں بھاری ہیں رحمٰن کو محبوب ہیں (وہ دو لفظ یہ ہیں) **سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم**. (بخاری ومسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو **سبحان اللہ العظیم وبحمدہ** کہتا ہے اس کے لئے جنت کے اندر ایک کھجور کا درخت بو دیا جاتا ہے۔ (ترمذی)

سورۃ المعارج

اس کو خواب میں پڑھنے والا امن سے اور تاکید کے ساتھ فتح مند رہے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ معارج مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چوالیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ﴿۱﴾

مانگا ایک مانگنے والے نے عذاب پڑنے والا

لِّلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ﴿۲﴾

منکروں کے واسطے کوئی نہیں اُس کو ہٹانے والا ☆

کافروں پر ضرور عذاب آئے گا:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی پیغمبر نے تم پر عذاب مانگا ہے وہ کسی سے نہ ہٹایا جائے گا" یا عذاب مانگنے والے کفار ہوں جو کہا کرتے تھے کہ آخر جس عذاب کا وعدہ ہے وہ جلدی کیوں نہیں آتا اے اللہ! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کہنا سچ ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر دے۔ یہ باتیں انکار وتمسخر کی راہ سے کہتے تھے اس پر فرمایا کہ عذاب مانگنے والے ایک ایسی آفت مانگ رہے ہیں جو بالیقین ان پر پڑنے والی ہے کسی کے روکے رک نہیں سکتی۔ کفار کی انتہائی حماقت یا شوخ چشمی ہے جو ایسی چیز کا اپنی طرف سے مطالبہ کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

نضر بن حارث:

نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ مانگنے والا نضر بن حارث تھا۔ جس نے قرآن اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب میں اس جراءت سے کام لیا کہ کہنے لگا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (القرآن) یعنی یہ دعا کی کہ یا اللہ اگر یہ قرآن ہی حق ہے اور آپ کی طرف سے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے یا کوئی دوسرا عذاب الیم بھیج دے۔ (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾

آئے اللہ کی طرف کو چڑھتے درجوں والا ہے ☆

فرشتوں اور خاص بندوں کا عروج:

یعنی فرشتے اور مومنین کی روحیں تمام آسمانوں کو درجہ بدرجہ طے کر کے اس کی بارگاہ قرب تک چڑھتی ہیں یا اس کے بندے اس کے حکموں کی تابعداری میں جان و دل سے کوشش کر کے اور اچھی خصلتوں سے آراستہ ہو کر قرب و وصول کے روحانی مرتبوں اور درجوں سے ترقی کرتے ہوئے اس کی حضوری سے مشرف ہوتے ہیں اور وہ درجے مسافت کی دوری اور نزدیکی میں مختلف اور متفاوت ہیں بعض ایسے ہیں کہ ایک پلک مارنے میں ان کے سبب سے ترقی ہوسکتی ہے جیسے اسلام کا کلمہ زبان سے کہنا اور بعض ایسے ہیں کہ ایک ساعت میں ان سے ترقی حاصل ہوتی ہے جیسے نماز ادا کرنا' اور بعض سے پورے ایک دن میں' جیسے روزہ' یا ایک مہینہ میں جیسے پورے رمضان کے روزے یا ایک سال میں جیسے حج ادا کرنا علی ہذا القیاس اور اسی طرح فرشتوں اور روحوں کا عروج جو کسی کام پر مقرر ہیں اس کام سے فراغت پانے کے بعد مختلف و متفاوت ہے اور اس خداوند قدوس کی تدبیرو انتظام کا اتار چڑھاؤ بیشمار درجے رکھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ذِي الْمَعَارِجِ اللہ کی صفت ہے یعنی ترقیات والا اللہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے تشریح میں فرمایا درجات والا اللہ۔ میں کہتا ہوں درجات سے مراد ہیں بے کیف قرب الٰہی کے وہ مراتب جن پر انبیاء علیہ السلام اور ملائکہ اولیاء فائز ہوتے ہیں اور قبول کے وہ درجات جہاں تک پاکیزہ کلمات اور نیک اعمال کو بلندی نصیب ہوتی ہے۔ یا مراد ہیں دار الثواب میں ترقیات اور جنت میں مراتب، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے اندر سو درجات ہیں ہر درجے کا دوسرے درجے سے اتنا فصل ہے (یعنی بلندی) اتنا ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان فردوس کا درجہ سب سے اونچا ہے اسی سے جنت کے چاروں دریا پھوٹ کر نکلتے ہیں۔ اس سے اوپر عرش ہے جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کیا کرو۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے اس روایت میں ہے کہ دو درجات کے درمیان سو سال کی راہ کے بقدر فصل ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت والے باہم بالا خانوں والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم مشرقی یا مغربی افق پر چمکدار ستاروں کو دیکھتے ہو۔ کیونکہ ان کے آپس میں درجات کا تفاوت ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مرتبہ پر تو انبیاء کے علاوہ کوئی نہیں پہنچے گا۔ فرمایا کہ کیوں نہیں پہنچے گا قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور پیغمبروں کی انہوں نے تصدیق کی وہ ان مراتب پر فائز ہوں گے۔ (مسلم و بخاری)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے للمعارج کی تفسیر السموات کی ہے آسمانوں والا اللہ۔ کیونکہ فرشتے آسمانوں پر چڑھتے ہیں اس لیے ہر آسمان ملائکہ کے چڑھنے کا زینہ ہوگیا۔ قتادہ نے انعامات ترجمہ کیا ہے۔ (نعمتوں والا خدا) تفسیر مظہری ذی معارج اس معنے سے ہے کہ اللہ تعالیٰ درجات عالیہ والا ہے۔ (کذا قال سعید بن جبیر) اور یہ درجات عالیہ اوپر نیچے سات آسمان ہیں حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ ذی المعارج کے معنے ہیں ذی السموات یعنی مالک السموات. (معارف مفتی اعظم)

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ

چڑھیں گے اس کی طرف فرشتے اور روح ☆

یعنی فرشتے اور لوگوں کی روحیں پیشی کے لیے حاضر ہونگی۔ (تفسیر عثمانی)

روح سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں مرتبہ کی بزرگی یا تمام ملائکہ سے زیادہ عظمت جسمانی رکھنے کی وجہ سے ملائکہ سے الگ الروح کو ذکر کیا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ الروح سے مراد روح انسانی ہو جس کا تعلق عالم امر سے ہے اس وقت عوج روح کے یہ معنی ہوں گے۔ کہ دوری اور غفلت کی پستی سے نکل کر قرب و حضور کے مراتب کی طرف انبیاء اور اولیاء کی روحیں چڑھتیں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ یعنی یہ درجات جو تہہ بہ تہہ اوپر نیچے ہیں ان درجات کے اندر چڑھتے ہیں فرشتے اور روح الامین یعنی جبرائیل امین۔ جبرئیل علیہ السلام بھی اگرچہ فرشتوں کے زمرہ میں شامل ہیں لیکن ان خصوصی اعزاز کے لیے ان کا نام الگ ذکر فرمایا گیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ

اس دن میں جس کا لنباؤ

خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴿۴﴾

پچاس ہزار برس ہے ☆

قیامت کا دن:

پچاس ہزار برس کا دن قیامت کا ہے یعنی پہلی مرتبہ صور پھونکنے کے وقت

سے لے کر بہشتیوں کے بہشت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں قرار پکڑنے تک پچاس ہزار برس کی مدت ہوگی اور کل فرشتے اور تمام قسم کی مخلوقات کی روحیں اس تدبیر میں بطور خدمت گار کے شریک ہونگی۔ پھر اس بڑے کام کے سر انجام کی مدت گزرنے پر ان کو عروج ہوگا (تنبیہ) حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا کی قسم ایماندار آدمی کو وہ (اتنا لمبا) دن ایسا چھوٹا معلوم ہو گا جتنی دیر میں ایک نماز فرض ادا کر لیتا ہے"۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اس روز جس کی مقدار پچاس ہزار برس کے برابر ہے ان پر عذاب واقع ہوگا۔ مراد روز قیامت۔ بیہقی نے باسناد عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی قول نقل کیا ہے۔

زکوۃ نہ دینے کا عذاب

بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کنز والا اپنے کنز (جمع کیا ہوا سونا چاندی) کی زکوۃ ادا نہیں کرے گا۔ قیامت کے دن دوزخ کی آگ میں اس کنز کو تپا کر سیاں بنا کر اس کے دونوں پہلوں اور پیشانی پر داغ لگائے جائیں گے۔ یہ اس وقت تک ہوگا۔ کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کو اس روز جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہوگی فیصلہ کر دے، پھر اس کو جنت یا دوزخ کا راستہ بتا دیا جائے گا۔ اور جو اونٹوں والا اونٹوں کی زکوۃ ادا نہیں کرے گا۔ تو قیامت کے دن چٹیل میدان میں اس کو پچھاڑا جائے گا۔ اور سب اونٹوں کی اس پر آمدورفت ہوگی اونٹ کا کوئی بچہ بھی باقی نہیں رہے گا۔ سب اپنے موزوں (قدموں) سے اسے روندیں گے۔ اور منہ سے کاٹیں گے۔ پہلی جماعت اس پر سے گذر جائے گی۔ تو دوسری لوٹا کر لائی جائے گی۔ اور یہ پامالی اس دن ہوگی۔ جس کی مقدار ہزار برس ہوگی۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا فیصلہ کر دے گا۔ اور جنت یا دوزخ کا راستہ بتا دیا جائے گا۔ اور جو بکریوں والا بکریوں کی زکوۃ ادا نہیں کرے گا۔ تو اس کو قیامت کے دن پچھاڑ کر بکریوں کو اس پر سے گذارا جائے گا۔ ہر بکری موجود ہوگی۔ کوئی سینگ مڑی یا سینگ ٹوٹی نہ ہوگی۔ یہ بکریاں اس کو سینگوں سے ماریں گی اور کھروں سے روندیں گی اسی طرح جیسا کہ اونٹوں کے بیان میں گذر گیا پہلی جماعت گذر چکی تو پچھلی جماعت کو پھر اس پر لوٹا کر لایا جائے گا۔ اور یہ پامالی اس روز ہوگی۔ جس کی مقدار ہزار برس ہوگی۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا فیصلہ کر دے گا۔ اور جنت یا دوزخ کا راستہ بتا دیا جائے گا۔

قیامت کے دن کی لمبائی

احمدؒ، ابو یعلیؒ، ابن حبانؒ اور بیہقیؒ نے حسن اسناد کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس روز کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہو گی کہ وہ دن کس قدر لمبا ہوگا۔ فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ دن مومن کے لیے ہلکا ہوگا یہاں تک کہ دنیا میں جو فرض نماز پڑھتا تھا اتنے وقت سے بھی اس کے لیے آسان۔ (یعنی کم) ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ اس توجیہ کی بناء پر کوئی تعارض نہیں رہتا۔ ایک یہی آیت جس میں پچاس ہزار برس کی مقدار بیان کی ہے۔ دوسری تنزیل السجدہ والی آیت يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (اس آیت میں ایک ہزار سال کی مقدار بیان کی ہے) کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ مختلف امور کے متعلق حکم دیتا ہے۔ اور جبرائیل اس حکم کو لے کر آسمان سے زمین تک آتے ہیں پھر چڑھ کر اللہ تک جاتے ہیں اس آمدورفت میں دنیا کا ایک دن صرف ہوتا ہے۔ حالانکہ مقدار مسافت ایک ہزار برس کی طے ہو جاتی ہے۔ کیونکہ آسمان سے زمین کا بعد پانچ سو برس کی راہ ہے پانچ سو برس جانے کے اور پانچ سو برس آنے کے۔ یعنی آمدورفت کی اس مسافت کو اگر کوئی آدمی طے کرے گا۔ تو ایک ہزار برس میں کرے گا۔ مگر ملائکہ ایک دن میں بلکہ اس سے بھی کم مدت میں طے کر لیتے ہیں۔

حاکمؒ اور بیہقیؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت مرفوعاً اور موقوفاً بیان کی ہے کہ مومنوں کے لیے قیامت کا دن اتنا ہوگا۔ جتنا عصر و ظہر کے درمیان ہوگا۔ اس قول پر تنزیل السجدہ والی آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ آسمان سے زمین تک نظم احکام (روزانہ) مدت ایام دنیا تک کرتا رہے گا۔ پھر دنیا کے فنا ہونے اور ہر حاکم کا حکم اور ہر آمر کا امر ختم ہو جانے کے بعد ہر حکم اور نظم کا رجوع (براہ راست) قیامت کے دن اللہ ہی کی طرف ہو جائے گا۔ اور قیامت کے دن کی مقدار ایک ہزار سال ہوگی۔

شیخ ضروری ہے:

اسی وجہ سے صوفیہ نے کہا کہ صوفی کو فناء قلب کا مرتبہ اللہ کی کشش سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مشائخ کے وسیلے سے حاصل ہوتا ہے لیکن شیخ کی کشش کے بغیر اگر خود عبادت اور ریاضت سے اس مرتبہ پر پہنچنا چاہے گا۔ تو پچاس ہزار برس میں پہنچے گا۔ اور پچاس ہزار برس تک زندہ رہنا بلکہ دنیا کا باقی رہنا ہی تصور کی رسائی سے باہر ہے تو لامحالہ کسی شیخ کی وساطت اور الٰہی کشش کے بغیر معمولاً فناء قلب محال ہے ہاں غیر معمولی طور پر بغیر شیخ کے براہ راست روحانی کشش جیسا کہ بعض اویسی فرقہ والوں کو ہو جاتی ہے ممکن ہے (مگر وہاں بھی توسط نبی کی ضرورت ہے۔) (تفسیر مظہری)

حضرت ابو ہریرہ کی ایک مالدار کو نصیحت:

ایک اور حدیث میں ہے کہ ابو ہریرہؓ کے پاس قبیلہ بنو عامر کا ایک شخص گذرا لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ اپنے قبیلے کا سب سے بڑا مالدار ہے۔ آپ نے اسے بلوایا۔ اور فرمایا کہ کیا واقع میں تم سب سے زیادہ مالدار ہو؟ اس نے کہا، ہاں میرے پاس رنگ برنگ کے سینکڑوں اونٹ قسم قسم کے غلام اعلیٰ اعلیٰ درجے کے گھوڑے وغیرہ بھی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دیکھو خبردار ایسا نہ ہو کہ یہ جانور تمہیں اپنے پاؤں سے روندیں۔ اور اپنے سینگوں سے تمہیں ماریں بار بار یہی فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ عامری کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے کہا حضرت یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا کہ سنو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو اپنے اونٹوں کا حق ادا نہ کرے گا ان کی سختی میں اور ان کی آسانی میں تو اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک چٹیل لمبے چوڑے صاف میدان میں چت لٹائے گا۔ اور ان تمام جانوروں کو موٹا تازہ کر کے حکم دے گا۔ کہ اسے روندتے ہوئے چلو۔ چنانچہ ایک ایک کر کے اسے کچلتے ہوئے جائیں گے۔ اور جب آخر والا گذر جائے گا تو پہلے والا لوٹ آئے گا۔ یہی عذاب اسے ہوتا رہے گا۔ اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے۔ پھر وہ اپنا راستہ دیکھ لے گا۔ اسی طرح گائے گھوڑے بکری وغیرہ بھی سینگ دار جانور بھی اسے مارتے چلے جائیں گے۔ کوئی ان میں بے سینگ یا ٹوٹے ہوئے سینگ والا نہ ہوگا۔

عامری نے پوچھا اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمائیے کہ اونٹوں میں خدا کا کیا حق ہے۔ فرمایا کہ مسکینوں کو سواری کے لیے تحفۃً دینا۔ غرباء کے ساتھ سلوک کرنا۔ دودھ پینے کے لیے جانور کو دینا۔ ان کے نروں کی ضرورت جنھیں مادہ کے لیے ہو۔ انہیں مانگا ہوا بے قیمت دینا۔ (ابن کثیر)

مومن کے لیے وہ دن ہلکا ہوگا:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن کے متعلق سوال کیا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔ کہ یہ دن کتنا دراز ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ یہ دن مومن پر اتنا ہلکا ہوگا۔ کہ ایک نماز فرض ادا کرنے کے وقت سے بھی کم ہو گا۔ (رواہ احمد وابو یعلی وابن حبان والبیہقی بسند حسن۔ مظہری)

اور ابو ہریرہ سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے کہ **یکون علی المؤمنین کمقدار ما بین الظهر و العصر اخرجه الحاكم والبیهقی مرفوعا و موقوفا** (مظہری)

یعنی یہ روز مؤمنین کے لیے اتنا ہوگا کہ جتنا وقت ظہر وعصر کے درمیان ہوتا ہے یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بھی منقول ہے اور موقوفاً بھی۔ ان روایات حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ اس دن کا یہ طول کہ پچاس ہزار سال کا ہوگا۔ ایک اضافی امر ہے کفار کے لیے اتنا دراز اور مومنین کے لیے اتنا مختصر ہوگا۔

اس دن کا طول مختلف گروہوں کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔ تمام کفار کے لیے پچاس ہزار سال کا اور مومنین صالحین کے لیے ایک نماز کا وقت ان کے درمیان طوائف کفار ہیں ممکن ہے کہ بعض کے لیے صرف ایک ہزار سال کے برابر ہو۔ اور وقت کا دراز اور مختصر ہونا شدت و بے چینی اور آرام و آرائش میں مختلف ہونا مشہور و معروف ہے کہ بے چینی اور شدت تکلیف کا ایک گھنٹہ بعض اوقات انسان کو ایک دن بلکہ ایک ہفتہ عشرہ سے زیادہ محسوس ہوتا ہے اور آرام وعیش کا بڑے سے بڑا وقت مختصر معلوم ہوتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿۵﴾
سو تو صبر کر بھلی طرح کا صبر کرنا ☆

صبر سے کام لیں:

یعنی یہ کفار اگر از راہ انکار و تمسخر عذاب کے لیے جلدی مچائیں، تب بھی آپ جلدی نہ کریں بلکہ صبر و استقلال سے رہیں' نہ تنگدل ہوں نہ حرف شکایت زبان پر آئے۔ آپ کا صبر اور ان کا تمسخر ضرور رنگ لائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کی طرف سے سوال درخواست عذاب محض ضد اور استہزاء کی وجہ سے تھا اور اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبیدہ خاطر ہوتے تھے۔ اس لیے حکم دیا کہ آپ ان کے سوال سے تنگ دل نہ ہوں اور ان پر عذاب آنے کی جلدی نہ کریں۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ﴿۶﴾ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴿۷﴾
وہ دیکھتے ہیں اس کو دور اور ہم دیکھتے ہیں اس کو نزدیک

قیامت قریب ہے:

یعنی ان کے خیال میں قیامت کا آنا بعید از امکان اور دور از عقل ہے اور ہم کو اس قدر قریب نظر آ رہی ہے گویا آئی رکھی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۙ﴿۸﴾

جس دن ہو گا آسمان جیسے تانبا پگھلا ہوا ☆

بعض نے ''مہل'' کا ترجمہ تیل کی تلچھٹ سے کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آسمان پگھل جائے گا۔

المهل پگھلایا ہوا تانبا یا کوئی اور دھات یا تیل کی تلچھٹ بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ آسمان کے رنگ مختلف ہوں گے۔ (کبھی) مہل کی طرح کبھی سرخ تیل کی تلچھٹ کی طرح اور کمزور ہو کر پھٹ جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۙ﴿۹﴾

اور ہونگے پہاڑ جیسے اُون رنگی ہوئی ☆

پہاڑ اُون بن جائیں گے:

اون مختلف رنگ کی ہوتی ہے اور پہاڑوں کی رنگتیں بھی مختلف ہیں کما قال تعالیٰ ''وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ'' (فاطر۔ رکوع ۴) دوسری جگہ فرمایا ''كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ'' (القارعہ) یعنی پہاڑ دھنکی ہوئی اون کی طرح اڑتے پھرینگے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ﴿۱۰﴾ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ

اور نہ پوچھے گا دوست دار دوست دار کو سب نظر آ جائینگے اُن کو ☆

نفسا نفسی ہوگی:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''سب نظر آ جائینگے۔ یعنی دوستی ان کی نکمی تھی'' ایک دوسرے کا حال دیکھے گا مگر کچھ مدد و حمایت نہ کر سکے گا۔ ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

ہر شخص کو اپنی پڑی ہوگی یا مشاہدہ حال کی وجہ سے دماغ غائب ہو جائے گا۔ چہرہ کا اتار چڑھاؤ اور نیلا پیلا ہونا سوال کرنے ہی نہ دے گا۔ غرض یہ کہ گہرے دوست نظروں کے سامنے ہوں گے مگر ان کے احوال کی پرسش کوئی نہ کر سکے گا۔ بغویؒ نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن تمام جن و انس نظروں کے سامنے ہوں گے باپ بھائی عزیز دوست سب کو آدمی آنکھوں کے سامنے دیکھے گا مگر اپنی مصیبت میں ایسا مشغول ہوگا۔ کہ دوسرے کو نہ پوچھ سکے گا۔ (تفسیر مظہری)

يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ

چاہے گا گنہگار کسی طرح چھڑوائی میں دے کر

عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ ۙ﴿۱۱﴾

اُس دن کے عذاب سے اپنے بیٹے کو

وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۙ﴿۱۲﴾

اور اپنی ساتھ والی کو اور اپنے بھائی کو

وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۙ﴿۱۳﴾

اور اپنے گھرانے کو جس میں رہتا تھا

وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ

اور جتنے زمین پر ہیں سب کو

ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۙ﴿۱۴﴾ كَلَّا ؕ

پھر اپنے آپ کو بچا لے ہرگز نہیں ☆

یعنی چاہے گا کہ بس چلے تو سارے کنبہ بلکہ ساری دنیا کو فدیہ میں دیکر اپنی جان بچا لے مگر یہ ممکن نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

مشرک کی آرزو: مجرم یعنی مشرک یہ تمنا کرے گا۔ کہ اپنی اولاد بیوی بھائی اور خاندان جس میں پیدا ہوا ہے اور تمام جن و انس جو زمین پر آباد ہیں سب کو عذاب قیامت کے عوض دے کر رہائی پائی جائے۔

یود یعنی آرزو کرے گا۔ مجرم، مشرک۔ مطلب یہ ہے کہ مشرک اپنی مصیبت میں ایسا گرفتار ہوگا کہ عذاب سے چھوٹنے کے لیے اپنے قریب ترین اعزاء اور محبوب ترین اشخاص کو اپنے عوض پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ عزیزوں اور دوستوں کی خبر گیری اور جستجو حال کا تو ذکر ہی کیا اس مطلب کی بناء پر آیت لَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا کافروں کے ساتھ مخصوص ہوگی۔ رہے مومن تو وہ اپنے دوستوں کی خبر گیری کریں گے اور ان کے لیے شفاعت بھی کریں گے۔ بکثرت احادیث بطور تواتر معنوی اس مفہوم کو ثابت کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم میں سے کوئی بھی اپنے واضح حق کے لیے اتنا نہیں جھگڑتا جتنا قیامت کے دن مومن اپنے دوزخی بھائیوں کی رہائی کے لیے اللہ سے جھگڑیں گے اور عرض کریں گے کہ پروردگار یہ تو ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے۔ الخ (متفق علیہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے اس معنی میں ایک طویل حدیث مروی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّهَا لَظٰى ۙ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۶﴾

وہ تپتی ہوئی آگ ہے کھینچ لینے والی کلیجہ☆

کھال اتارنے والی آگ:

یعنی وہ آگ مجرم کو کہاں چھوڑتی ہے وہ تو کھال اتار کر اندر سے کلیجہ نکال لیتی ہے۔

شواۃ کا معنی ہے سر کی کھال (مجاہد) یعنی سر کی کھال اتارنے والی۔ یا ہڈیوں سے گوشت اتار دینے والی۔ (ابراہیم بن مہاجر)

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ پٹھوں کو کھینچ لینے والی ہوگی۔ کلبیؒ نے کہا کہ سارے دماغ کو کھا جائے گی۔ اور پھر دماغ ویسا ہی ہو جائے گا جیسا تھا۔ (تفسیر مظہری)

تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۙ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾

پکارتی ہے اس کو جس نے پیٹھ پھیر لی اور پھر کر چلا گیا اور جوڑا اور سینت کر رکھا☆

دوزخ کی کشش:

یعنی دوزخ کی طرف سے ایک کشش اور پکار ہوگی بس جتنے لوگ دنیا میں حق کی طرف سے پیٹھ پھیر کر چلدیے تھے اور عمل صالح کی طرف سے اعراض کرتے اور مال سمیٹنے اور سینت کر رکھنے میں مشغول رہے تھے۔ وہ سب دوزخ کی طرف کھنچے چلے آئینگے بعض آثار میں ہے کہ دوزخ اول زبان قال سے پکاریگی ''الیّ یا کافر، الیّ یا منافق، الیّ یا جامع المال'' (یعنی او کافر! او منافق! او مال سمیٹ کر رکھنے والے! ادھر آ) لوگ ادھر ادھر بھاگیں گے اس کے بعد ایک بہت لمبی گردن نکلے گی جو کفار کو چن چن کر اس طرح اٹھالیگی جیسے جانور زمین سے دانہ اٹھالیتا ہے (العیاذ اللہ)۔ (تفسیر عثمانی)

تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى حق سے پشت پھیرنے والے کو اطاعت اور روگردانی کرنے والوں کو وہ آگ پکار کر کہے گی اے منافق ادھر آ! اے مشرک میرے پاس آ! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کافروں اور منافقوں کو ان کے نام لے کر فصیح زبان سے پکارے گی اور اس طرح اچک لے گی جیسے پرندہ دانے کو اچک لیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

مطلب یہ کہ حقوق اللہ وحقوق العباد ضائع کیے ہوں گے۔ یا اشارہ ہے کہ فساد عقائد و فساد اخلاق کی طرف اور بلا نامعنے حقیقی پر محمول ہوسکتا ہے خلاصہ یہ کہ ایسے صفات موجب استحقاق نار ہیں اور اس مجرم میں یہ صفات پائے جاتے ہیں پھر نجات عن العذاب کب متصور ہے اور

وَجَمَعَ فَاَوْعٰى سے کفار کا مکلف بالفروع ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ ان رذائل کی وجہ سے کفار کو اصل عذاب نہیں ہوگا۔ بلکہ اشتد ادعذاب ہوگا۔ اور نفس عذاب کفر پر ہوگا۔ بخلاف گناہگار مومنین کے ان کو معاصی پر نفس عذاب ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۙ﴿۱۹﴾

بے شک آدمی بنا ہے جی کا کچا

اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۙ﴿۲۰﴾

جب پہنچے اُس کو برائی تو بے صبرا

وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۙ﴿۲۱﴾

اور جب پہنچے اس کو بھلائی تو بے توفیقا

انسانی طبیعت:

یعنی کسی طرف پختگی اور ہمت نہیں دکھلاتا۔ فقر وفاقہ، بیماری اور سختی آئے تو بے صبر ہو کر گھبرا اٹھے، بلکہ مایوس ہو جائے گویا اب کوئی سبیل مصیبت سے نکلنے کی باقی نہیں رہی اور مال و دولت تندرستی اور فراخی ملے تو نیکی کے لیے ہاتھ نہ اٹھے اور مالک کے راستہ میں خرچ کرنے کی توفیق نہ ہو ہاں وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جب کوئی مصیبت آدمی کو چھو جاتی ہے تو بے صبر ہو جاتا ہے اور ذرا مال کا کچھ لگاؤ ہو جاتا ہے تو روک کر رکھتا ہے نہ شکر کرتا ہے نہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر آدمی کو مال سے بھرے ہوئے دو وادیاں مل جائیں تب بھی وہ تیسرے کا خواستگار ہوتا ہے۔ آدمی کے پیٹ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھرتی اور جو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ بھی اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ (متفق)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگ مختلف کانیں ہیں جیسے سونے اور چاندی کی کانیں ہوتی ہیں تم میں سے جو جاہلیت میں بہتر (اعلیٰ) تھے وہی اسلام میں بھی بہتر ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے کچھ لوگ جنت کے قابل پیدا کیے ہیں جب وہ اپنے آباء کی پشت میں تھے اسی وقت انکو جنت کے قابل بنا دیا تھا۔ اور کچھ لوگوں کو دوزخ کے

قابل بنایا۔ جب وہ اپنے آباء کی پشت میں تھے اسی وقت ان کو دوزخ کے قابل بنا دیا تھا۔ (مسلم) اس مبحث کی بہت سے احادیث آئی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا کہ حضرت دانیال پیغمبر نے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ ''وہ ایسی نماز پڑھے گی کہ اگر قوم نوح ایسی نماز پڑھتی تو ڈوبتی نہیں اور قوم عاد کی اگر ایسی نماز ہوتی تو ان پر بے برکتی ہوائیں نہ بھیجی جاتیں۔ اور اگر قوم ثمود کی ایسی نماز ہوتی تو انہیں چیخ سے ہلاک نہ کیا جاتا''۔ پس اے لوگو! نماز کو اچھی طرح پابندی سے پڑھا کرو۔ مومن کا یہ زیور اور اس کا بہترین خلق ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

إِلَّا الْمُصَلِّينَ ﴿٢٢﴾ الَّذِينَ هُمْ
مگر وہ نمازی جو اپنی
عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ﴿٢٣﴾
نماز پر قائم ہیں ☆

امت محمدیہ کی نماز:

یعنی گنڈے دار نہیں بلکہ مداومت والتزام سے نماز پڑھتے ہیں وہ نماز کی حالت میں نہایت سکون کے ساتھ برابر اپنی نماز ہی کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

آیت میں دوام سے مراد ہے دوام حضور جو نماز کے آداب ارکان اور شرائط کی نگہداشت سے حاصل ہوتا ہے بغوی نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ ابو الخیر نے حضرت عقبہ بن عامر سے دریافت کیا کہ آیت الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ کا یہ مطلب ہے کہ وہ ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں حضرت عقبہ نے فرمایا نہیں یہ مطلب نہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ وہ نماز میں دائیں بائیں اور پیچھے نہیں دیکھتے۔ (احمد، ابوداؤد)

نسائیؒ اور دارمیؒ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نماز کے اندر بندہ جب تک ادھر ادھر نہیں دیکھتا اللہ برابر اس کی طرف متوجہ رہتا ہے جب بندہ ادھر ادھر التفات کرتا ہے تو اللہ بھی (اس کی طرف) سے پھر جاتا ہے۔ بیہقی نے سنن کبیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انس رضی اللہ عنہ اپنی نظر سجدہ کی جگہ پر رکھا کرو۔ ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا تباہی ہے۔

فائدہ: حضور قلب حاصل کرنے کے اور وسوسوں کو دور کرنے میں سجدہ گاہ پر نظر قائم رکھنے کو بڑا اثر آفریں دخل ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ ﴿٢٤﴾
اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے
لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿٢٥﴾
مانگنے والے اور ہارے ہوئے کا

سورۃ ''المومنون'' میں اس کی تفسیر گزر چکی۔

وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٢٦﴾
اور جو یقین کرتے ہیں انصاف کے دن پر ☆

یعنی اس یقین کی بناء پر اچھے کام کرتے ہیں جو اس دن کام آئیں گے۔

وَالَّذِينَ هُمْ مِنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ﴿٢٧﴾
اور جو لوگ کہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں

یعنی اس سے ڈر کر برائیوں کو چھوڑتے ہیں۔

إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ﴿٢٨﴾
بے شک ان کے رب کے عذاب سے کسی کو نڈر نہ ہونا چاہئے ☆

یعنی اللہ کا عذاب ایسی چیز نہیں کہ بندہ اس کی طرف سے مامون اور بے فکر ہو کر بیٹھ رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿٢٩﴾
اور جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں
إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ
مگر اپنی بی بیوں سے یا اپنے ہاتھ کے مال سے
فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٣٠﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ
سو ان پر نہیں کچھ الاہنا پھر جو کوئی ڈھونڈے
وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿٣١﴾
اس کے سوائے سو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے ☆

شرمگاہ کی حفاظت:

یعنی بیوی اور باندی کے سوا جو اور کوئی جگہ قضائے شہوت کے لیے ڈھونڈے وہ حد اعتدال اور حد جواز سے باہر قدم نکالتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

باتفاق علماء آیت کا حکم عام نہیں ہے۔ حالت حیض اور ایام ظہار میں اپنی بیوی سے بھی قربت جائز نہیں نہ اس باندی سے صحبت جائز ہے جس سے رشتہ رضاعت (دودھ کی شرکت ہو)۔

کسی عورت کے لیے اپنے مملوک غلام سے صنفی جائز نہیں کیونکہ علی بتا رہا ہے کہ مملوک مالک سے نیچا ہونا چاہیے۔

آیت میں مملوک سے مراد باندیاں ہیں غلام نہیں اغلام غلام کے ساتھ بھی جائز نہیں۔

صنفی قربت کی شرائط:

اصل یہی ہے کہ مرد کی عورت سے صنفی قربت حرام ہے اس کا جواز چند شرائط سے وابستہ ہے مثلاً نکاح ہو یا ملکیت علاقہ جزئیت نہ ہو (یعنی نہ سلسلہ اولاد ہو نہ سلسلہ آباء وامہات) حیض ونفاس سے طہارت ہو۔ مقام تولید ہو۔ یعنی زنانہ شرم گاہ مقام ناقابل تولید نہ ہو یعنی لواطت نہ کی جائے۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ یعنی بیویوں اور باندیوں کے سوا (کسی اور سے یا غیر مقام میں) کرنے کے جو طالبگار رہوں گے۔ وہی کامل طور پر حد (شرعی) سے تجاوز کرنے والے ہیں کیونکہ اللہ نے جو کچھ ان پر حلال کیا تھا۔ اس پر انہوں نے بس نہیں کیا بلکہ فعل حرام کے مرتکب ہوئے۔

حفاظت کا طریقہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی (اجنبی) عورت کو دیکھ کر پسند کرلے تو اٹھ کر اپنی بیوی کے پاس چلا جائے کیونکہ بیوی کے پاس بھی ویسی ہی چیز ہے جیسی اس عورت کے پاس ہے۔ (دارمی بروایت حضرت ابن مسعود)

مسئلہ: آیت دلالت کررہی ہے کہ متعہ حرام ہے کیونکہ متعہ والی عورت زوجہ نہیں ہو جاتی۔ جو لوگ متعہ کے حلال ہونے کے قائل ہیں وہ بھی متعہ کی وجہ سے استحقاق میراث کے قائل نہیں (اگر متعہ والی عورت بیوی ہو جاتی تو اس کو بیوی کی طرح میراث ہونی چاہیے تھی۔

مشت زنی کا حرام ہونا:

بغویؒ نے اس آیت سے مشت زنی کی حرمت پر استدلال کیا ہے کہ دوسرے علماء کا بھی یہی قول ہے کہ (مشت زنی حرام ہے) سعید بن جبیر نے فرمایا کہ ایک گروہ کو اللہ عذاب دے گا کہ وہ اپنی شرمگاہوں سے کھیلتے ہوں گے میں کہتا ہوں کہ اس سلسلے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے ہاتھ سے نکاح کیا وہ ملعون ہے۔ ازدی نے یہ حدیث الضعفاء میں نقل کی ہے اور ابن جوزی نے اپنے مشہور جزیہ میں حسن بن عرفہ کی اسناد سے ان الفاظ میں روایت کی ہے کہ سات شخص ہیں جن کی طرف اللہ نظر (رحمت) نہ فرمائے گا۔ ان میں سے ایک مشت زن کا قرار دیا گیا ہے مگر اس روایت کی اسناد کمزور ہے۔ (تفسیر مظہری)

اور حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے ایک ایسی قوم پر عذاب نازل فرمایا کہ جو اپنے ہاتھوں سے اپنی شرمگاہوں سے کھیلتے تھے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **ملعون من نکح یدہ** یعنی جو اپنے ہاتھ سے نکاح کرے وہ ملعون ہے سند اس کی ضعیف ہے۔ (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ
اور جو لوگ کہ اپنی امانتوں
وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾
اور اپنے قول کو نباہتے ہیں ☆

اس میں اللہ کے اور بندوں کے سب حقوق آ گئے۔ کیونکہ آدمی کے پاس جس قدر قوتیں ہیں سب اللہ کی امانت ہیں۔ ان کو اسی کے بتلائے ہوئے مواقع میں خرچ کرنا چاہیے۔ اور جو قول وقرار ازل میں باندھ چکا ہے اس سے پھرنا نہیں چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

کچھ امانتیں تو خدا اور بندے کے درمیان ہیں جیسے روزہ، نماز اور غسل جنابت اور وہ تمام احکام جن کا تعلق محض اللہ تعالی سے ہے اور ان کو بجا لانا واجب ہے ہر کمال وجود تمام لوازم حیات بیرونی اور اندرونی نعمتیں وغیرہ اس ساری چیزوں کے عطاء کی نسبت خدا کی طرف کرنی چاہیے۔ یہ بات جاننا اور ماننا لازم ہے کہ یہ سب کچھ الٰہی عطیہ اور خداوندی امانت ہے جو عاریۃً اللہ نے ہم کو دی ہے اور ہم پیدائش کے وقت ایسے ہی تہی دست مفلس تھے۔ جیسے مانگے کا کپڑا پہننے والا بذات خود برہنہ ہوتا ہے۔ کپڑے کا مالک نہیں ہوتا۔ بندہ کو یقین کرنا چاہیے کہ بزرگی اور عظمت اللہ کا خصوصی لباس ہے کسی کے لیے جائز نہیں کہ اس لباس کی خدا سے کشاکش کرے اگر نعمتیں مل جائیں تو (عنائت کا) شکر اور چھن جائیں تو صبر کرنا لازم ہے، کچھ امانتیں بندوں کے آپس میں ہوتی

ہیں جیسے ودیعت۔ سرمایہ (خواہ تجارتی ہو جیسے مضاربت اور ایجنسی میں ہوتا ہے یا بطور قرض ہو) اور عاریت (مستعار چیزیں) ان سب کی پوری ادائیگی انسان پر لازم ہے۔ (دوسری شق ہے حفاظت عہد) یعنی اپنے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کرتے ہیں عہد کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو بندوں نے ازل کے دن خدا سے کیا تھا اور اس کے علاوہ بھی بعض عہود الٰہیہ ہیں مثلاً اللہ نے اہل کتاب سے وعدہ لیا تھا کہ صفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھول کر بیان کریں گے مخفی نہ رکھیں گے دوسری قسم انسانوں کے آپس کے وہ معاہدات ہیں جو باہمی معاملات اور معاشرت وسماج میں کئے جاتے ہیں ان سب کی نگہداشت واجب ہے۔

منافق کی نشانیاں:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (عملی) منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ بات کرے تو جھوٹ بولے۔ وعدہ کرے تو پورا نہ کرے اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ اس حدیث کے وسط میں مسلم نے الفاظ زیادہ نقل کئے ہیں کہ خواہ روزہ نماز ادا کرتا ہو اور مسلمان ہونے کا دعویدار بھی ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چار باتیں ہیں جس کے اندر یہ چاروں ہوں گی وہ (عملاً) خالص منافق ہوگا اور جس کے اندر ایک خصلت ہوگی اس میں نفاق کی ایک بات رہے گی تاوقتیکہ اس کو ترک نہ کردے اگر اس کے پاس امانت رکھی جائے تو (اس میں) خیانت کرے۔ بات کہے تو جھوٹ بولے۔ وعدہ کرے تو اسکے خلاف کرے اور جھگڑے کے وقت گالیاں بکے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی:

ابوداؤد نے نقل کیا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ابی الحسماء نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے پہلے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ خرید و فروخت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ دینا میرے ذمہ باقی رہ گیا میں نے وعدہ کرلیا کہ (ابھی) اسی جگہ لا کر دیتا ہوں جانے کے بعد میں بھول گیا تین روز کے بعد وہ وعدہ یاد ہوا اور میں لوٹ کر آیا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ موجود ہیں (مجھے دیکھ کر) فرمایا تم نے مجھے دکھ دیا میں تین روز سے یہاں تمہارا انتظار کررہا ہوں۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِیْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور جو اپنی گواہیوں پر سیدھے ہیں ☆

گواہی دینا: یعنی ضرورت پڑے تو بلا کم وکاست اور بے رورعایت گواہی دیتے ہیں حق پوشی نہیں کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

نہ شہادت کو چھپاتے ہیں نہ بدلتے ہیں نہ اس سلسلے میں کسی برا کہنے والے کے برا کہنے سے ڈرتے ہیں خواہ شہادت کا تعلق محض حق خداوندی سے ہو جیسے شہادت توحید ورسالت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے متعلق تورات کی شہادت کا اظہار اور رمضان کا چاند دیکھنے کی شہادت اور حدود خداوندی قائم کرنے کی شہادت وغیرہ یا حقوق عباد کے سلسلہ کی شہادت ہو جیسے باہمی لین دین کی شہادت پر شہادت میں عموم ہے کسی کے خلاف ہو خواہ اپنے اقرباء اور والدین بلکہ اپنی ذات ہی کے خلاف ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِیْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ، یہاں بھی لفظ شہادات کو بلفظ جمع لانے میں اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ شہادت کی بہت سی قسمیں ہیں اور ہر قسم شہادت کو قائم رکھنا واجب ہے۔ اس میں شہادت ایمان وتوحید رسالت بھی داخل ہے۔ ہلال رمضان اور حدود شریعت کی شہادت بھی اور لوگوں کے باہمی معاملات جو کسی کے سامنے ہوں ان کی شہادت بھی، کہ ان شہادتوں کا چھپانا اور ان کی کمی بیشی کرنا حرام ہے ان کو صحیح صحیح قائم کرنا اس آیت کی رو سے فرض ہے۔ (از مظہری) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (معارف مفتی اعظم)

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور جو اپنی نماز سے خبردار ہیں ☆

یعنی نمازوں کے اوقات اور شروط وآداب کی خبر رکھتے ہیں اور اس کی صورت وحقیقت کو ضائع ہونے سے بچاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی نماز کے اوقات ارکان سنن اور مستحبات کی نگہداشت کرتے ہیں۔ کسی (ضروری رکن یا سنت یا وقت) کو فوت نہیں ہونے دیتے۔

نماز کا تذکرہ دو جگہ آیا ہے۔ شروع میں اور (یہاں) آخر میں اور دونوں جگہ تذکرہ کا طریقہ جدا جدا ہے۔ تکرار ذکر بتا رہی ہے کہ دوسرے ارکان اسلام کے مقابلہ میں نماز کو اہمیت حاصل ہے۔ (تفسیر مظہری)

اُولٰٓئِكَ فِیْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾

وہی لوگ ہیں باغوں میں عزت سے ☆

جنت کی آٹھ صفات:

جنتیوں کی یہ آٹھ صفتیں ہوئیں جن کو نماز سے شروع اور نماز ہی پر ختم

کیا گیا ہے تا معلوم ہو کہ نماز اللہ کے ہاں کس قدر مہتم بالشان عبادت ہے جس میں یہ صفات ہونگی وہ "ہلوع" (کچے دل کا) نہ ہوگا بلکہ عزم و ہمت والا ہوگا۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿٣٦﴾

پھر کیا ہوا ہے منکروں کو تیری طرف دوڑتے ہوئے آتے ہیں

عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿٣٧﴾

داہنے سے اور بائیں سے غول کے غول

اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ

کیا طمع رکھتا ہے ہر ایک شخص ان میں کہ

يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿٣٨﴾ كَلَّا ؕ

داخل ہو جائے نعمت کے باغ میں ہر گز نہیں ☆

کافروں کو قرآن سے وحشت کیوں ہے:

یعنی قرآن کی تلاوت اور جنت کا ذکر سن کر کفار ہر طرف سے ٹولیاں بنا کر تیری طرف اُمڈے چلے آتے ہیں پھر ہنسی اور ٹھٹھا کرتے ہیں کیا اس کے باوجود یہ بھی طمع رکھتے ہیں کہ وہ سب جنت کے باغوں میں داخل کیے جائینگے؟ جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہم کو لوٹ کر خدا کی طرف جانا ہوا تو وہاں بھی ہمارے لیے بہتری ہی بہتری ہے۔ ہرگز نہیں۔ اس خداوند عادل و حکیم کے ہاں ایسا اندھیر نہیں ہو سکتا (تنبیہ) ابن کثیر نے ان آیات کا مطلب یہ لیا ہے کہ تیری طرف کے ان منکروں کو کیا ہوا کہ تیزی کے ساتھ دوڑے چلے جاتے ہیں۔ داہنے اور بائیں غول کے غول یعنی قرآن سن کر ایسے کیوں بدکتے اور بھاگتے ہیں۔ پھر کیا اس وحشت و نفرت کے باوجود یہ بھی توقع رکھتے ہیں کہ ان میں ہر شخص بے کھٹکے جنت میں جا گھسے گا؟ ہرگز نہیں وھذا کما قال تعالیٰ "فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ" (مدثر رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے کہ کافروں کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جمع ہو کر کلام مبارک سنتی تھی مگر استہزاء اور تکذیب کرتی تھی اور ان کو تنبیہ کرنے کے لئے اس آیت کا نزول ہوا اور اللہ نے فرمایا کہ کیا وجہ یہ لوگ آپ کے پاس بیٹھتے آپ کو دیکھتے اور کلام سنتے ہیں مگر فائدہ حاصل نہیں کرتے۔

مہطعین یعنی آپ کی طرف نظریں اٹھائے گردنیں بڑھائے تیزی کے ساتھ جھپٹتے ہوئے آتے ہیں۔ (بغوی، تفسیر مظہری)

اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾

ہم نے ان کو بنایا ہے جس سے وہ بھی جانتے ہیں

اعزاز کا مدار ایمان ہے:

یعنی مٹی جیسی حقیر یا منی جیسی گھناؤنی چیز سے پیدا ہوا وہ کہاں لائق ہے بہشت کے مگر ہاں جب ایمان کی بدولت پاک وصاف اور معظم و مکرم ہوا اور ممکن ہے "اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾" سے اشارہ ہو "اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا" کی طرف جو چند آیات پہلے اسی سورت میں آ چکا ہے یعنی وہ پیدا تو ہوا ہے ان صفات پر اور "اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ" الخ کے استثناء میں اپنے کو شامل نہ کیا۔ پھر بہشت کا مستحق کیسے ہوا اس تقدیر پر "مِمَّا يَعْلَمُوْنَ" کی ترکیب "خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ" کے قبیل سے ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو گندے نطفہ سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے بنایا ان میں سے کوئی چیز اعزاز کی خواستگار ہے نہ عالم قدس میں داخلہ کے شایان۔ اس لئے جو شخص ایمان و طاعت سے اپنے نفس کی (تخلیقی) کمی کو پورا نہ کرلے گا اور اللہ کے پسندیدہ اوصاف سے آراستہ نہ ہو جائے گا وہ جنت میں داخلہ کے قابل نہ ہوگا۔

آخر حق کا اقرار کرنا پڑتا ہے:

بغوی نے اپنی سند سے بہ روایت حضرت بشر بن حجاش بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اپنی ہتھیلی پر تھوک کر اس پر انگلی رکھی اور فرمایا۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے اے آدم کے بچہ کیا تو مجھے عاجز بنا سکتا ہے حالانکہ میں نے تجھے ایسی حقیر چیز سے بنایا یہاں تک کہ میں نے تیری تخلیق درست اور ساخت ہموار کر دی اور تو دو چادریں پہن کر چلنے لگا۔ پھر تو نے کمائی کر کے مال جمع کیا اور روک کر رکھا آخر جب جان ہنسلی کی ہڈی میں آ کر چلنے لگی اس وقت تو نے کہا موت اور خدا کی ہمہ گیر قدرت حق ہے۔ اب حق کے اقرار کا وقت کہاں رہا۔ یا آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس غرض سے تم کو پیدا کیا گیا ہے اس کو تم جانتے ہو اللہ نے خود فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۔ جن وانس کو ہم نے محض اپنی معرفت کے لئے پیدا کیا ہے لہٰذا جو شخص علم و عمل سے اپنے نفس کی تکمیل نہ کر پایا وہ اہل کمال کے مراتب تک پہنچنے کی طمع کیسے رکھ سکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ

سو میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی ☆

آفتاب ہر روز ایک نئے نقطہ سے طلوع ہوتا ہے اور نئے نقطہ پر غروب ہوتا ہے ان کو ''مشارق'' و ''مغارب'' کہا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا

تحقیق ہم کر سکتے ہیں کہ بدل کر لے آئیں ان سے بہتر

مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾

اور ہمارے قابو سے نکل نہ جائیں گے

اللہ ہر چیز پر قادر ہے:

یعنی جب ان کی جگہ ان سے بہتر لا سکتے ہیں تو خود ان کو دوبارہ کیوں پیدا نہیں کر سکتے؟ کیا وہ ہمارے قابو سے نکل کر کہیں جا سکتے ہیں؟ یا '' خَيْرًا مِّنْهُمْ '' سے مراد ان ہی کا دوبارہ پیدا کرنا ہو۔ کیونکہ عذاب ہو یا ثواب' دوسری زندگی اس زندگی سے بہر حال اکمل ہوگی یا یہ مطلب ہو کہ ان کفار مکہ کو ہنسی ٹھٹھا کرنے دیجئے' ہم خدمت اسلام کے لیے اس سے بہتر قوم لے آئینگے چنانچہ ''قریش'' کی جگہ اس نے ''انصار مدینہ'' کو کھڑا کر دیا۔ اور مکہ والے پھر بھی اس کے قابو سے نکل کر کہیں نہ جا سکے۔ آخر اپنی شرارتوں کے مزے چکھنے پڑے (تنبیہ) مشارق ومغارب کی قسم شاید اس لیے کھائی کہ خدا ہر روز مشرق ومغرب کو بدلتا رہتا ہے اس کو تمہارا تبدیل کرنا کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ہم کو قدرت حاصل ہے ان کو فنا کر کے ان سے بہتر مخلوق پیدا کر دیں یا اس بات پر قادر ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننے کے لئے تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو لے آئیں جو تم سے بہتر ہوں یعنی انصار۔

اللہ عاجز نہیں ہے: وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ یعنی اگر ہم ان کو ہلاک کرنا چاہیں تو کوئی ہم پر غالب نہیں آ سکتا لفظ رَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ فرما کر اس امر پر استدلال فرمایا ہے کہ آسمانوں کی اور کائنات سماوی کی تخلیق پر اور سیاروں ستاروں کے روزانہ طلوع وغروب پر اللہ کو قدرت حاصل ہے۔ اس لئے اللہ اس سے بھی عاجز نہیں ہو سکتا کہ ان کافروں کو ہلاک کر کے ان کی جگہ ایسے لوگوں کو لے آئے جو ان سے بہتر ہوں۔

فَذَرْهُمْ یعنی جب آپ واقف ہیں کہ ہم ان کو ہلاک کر ڈالنے پر قابو رکھتے ہیں تو آپ ان کی پرواہ نہ کیجئے ہم ان کو ڈھیل دینا اور سخت ترین عذاب میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا

سو چھوڑ دے ان کو کہ باتیں بنائیں اور کھیلا کریں

حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾

یہاں تک کہ مل جائیں اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ ہے ☆

یعنی تھوڑے دن کی ڈھیل ہے پھر سزا ہونی یقینی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ

جس دن نکل پڑیں گے قبروں سے

سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾

دوڑتے ہوئے جیسے کسی نشانی پر دوڑتے جاتے ہیں ☆

قبروں سے زندہ ہونا:

یعنی کسی خاص نشان اور علامت کی طرف جیسے تیزی سے دوڑتے ہیں اور ایک دوسرے سے پہلے پہنچنے کی کوشش کرتا ہے یا ''نصب'' سے بت مراد ہوں جو کعبہ کے گرد کھڑے کیے ہوئے تھے۔ ان کی طرف بھی بہت عقیدت اور شوق کے ساتھ لپکتے ہوئے جاتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جس طرح یہ بتوں کی طرف تیزی سے لپکتے ہیں کہ کون مورتی کو پہلے چوم لے اسی طرح قیامت کے دن قبروں سے نکل کر میدان حشر کی طرف یہ تیزی سے لپکیں گے تا کہ اپنے اعمال کے بدلہ کو دیکھ لیں۔ کلبی نے نصب کا ترجمہ علم کیا ہے یعنی جس طرح لشکری اپنے جھنڈوں کی طرف لپکتے ہیں اسی طرح یہ حشر کے دن محشر کی طرف لپکیں گے۔ (تفسیر مظہری)

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ

جھکی ہونگی ان کی آنکھیں، چڑھی آتی ہو گی

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

ان پر ذلت یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ تھا

یعنی قیامت کا دن۔ تم سورۃ المعارج وللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

الحمد للہ سورۃ المعارج ختم ہوئی

سورۃ نوح

اس کو خواب میں پڑھنے والا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنیوالوں میں سے ہوگا۔اور دشمنوں پر مظفر و منصور رہے گا۔(علامہ ابن سیرینؒ)

سُوۡرَةُ نُوحٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَعِشۡرُونَ اٰيَةً وَفِيهَا رُكُوعَانِ

سورۃ نوح مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی اٹھائیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى قَوۡمِهٖۤ اَنۡ

ہم نے بھیجا نوح کو اُس کی قوم کی طرف

اَنۡذِرۡ قَوۡمَكَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ

کہ ڈرا اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ

يَّاۡتِيَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱﴾

پہنچے اُن پر عذاب درد ناک ☆

نوحؑ کا مقصد:

یعنی اس سے پہلے کہ کفر و شرارت کی بدولت دنیا میں طوفان کے اور آخرت میں دوزخ کے عذاب کا سامنا ہو۔ (تفسیر عثانی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث بھی اسی پر دلالت کر رہی ہے ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں عنایت فرمائی گئی ہیں۔ جو مجھ سے پہلے کسی کو بھی عطا نہیں ہوئیں۔ایک ماہ کی راہ کی مسافت سے میرا رعب دشمنوں پر ڈال کر میری مدد کی گئی۔تمام زمین کو میرے لیے مسجد اور طاہر قرار دیا گیا۔اس لیے میری امت کے کسی آدمی کو جہاں نماز کا وقت آ جائے وہیں پڑھ لے۔میرے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا مجھے شفاعت کا (حق) دیا گیا (گذشتہ) نبی خصوصیات کے ساتھ اپنی قوم کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوتے تھے۔مجھے تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا۔(بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں چھ خصوصیات کا ذکر ہے مگر شفاعت کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ یہ الفاظ ہیں کہ مجھے ساری مخلوق کے لیے بھیجا گیا ہے اور نبوت کو مجھ پر ختم کر دیا گیا ہے۔(مسلم) (تفسیر مظہری)

قَالَ يٰقَوۡمِ اِنِّىۡ لَـكُمۡ نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ۙ﴿۲﴾

بولا اے قوم میری تم کو ڈر سناتا ہوں کھول کر

اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوۡهُ وَاَطِيۡعُوۡنِ ۙ﴿۳﴾

کہ بندگی کرو اللہ کی اور اُس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو ☆

دعوت ایمان و عمل:

یعنی اللہ سے ڈر کر کفر و معصیت چھوڑو اور اطاعت و عبادت کا راستہ اختیار کرو۔ (تفسیر عثانی)

اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوۡهُ کہ اللہ کی عبادت کرو اس سے تقوی رکھو کسی چیز کو (الوہیت اور عبادت میں) اس کا شریک نہ قرار دو۔

وَاَطِيۡعُوۡنِ اور توحید و اطاعت الٰہی کی بابت جو کچھ میں حکم دے رہا ہوں اس کو مانو۔ (تفسیر مظہری)

يَغۡفِرۡ لَـكُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِكُمۡ وَيُؤَخِّرۡكُمۡ

تاکہ بخشے وہ تم کو گناہ تمہارے اور ڈھیل دے تم کو

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

ایک مقرر وعدہ تک ☆

ایمان و عمل کا نتیجہ:

یعنی ایمان لے آ و گے تو اس سے پہلے اللہ کے جو حقوق تلف کیے ہیں وہ معاف کر دیگا اور کفر و شرارت پر جو عذاب آنا مقدر ہے ایمان لانے کی صورت میں وہ نہ آئیگا۔ بلکہ ڈھیل دی جائے گی کہ عمر طبعی تک زندہ رہو جیسے کہ جانداروں کی موت و حیات کے عام قانون کے موافق اپنے مقرر وقت پر موت آئے کیونکہ اس سے تو بہر حال کسی نیک و بد کو چارہ نہیں۔(تفسیر عثانی)

يَغۡفِرۡ لَـكُمۡ۔ ایمان و اطاعت مغفرت کا سبب ہے۔یعنی اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمہاری مغفرت کر دیگا۔

اسلام، ہجرت اور حج گذشتہ گناہ مٹا دیتے ہیں:

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا قول ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک پھیلایئے میں بیعت کرنا چاہتا ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دایاں ہاتھ پھیلا دیا۔مگر میں نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا فرمایا عمرو کیا بات ہے میں نے عرض کیا کچھ شرط رکھنی چاہتا ہوں فرمایا شرط بیان کرو۔ میں نے عرض کیا

کہ شرط بیعت یہ ہے کہ میرے گناہ بخش دیئے جائیں۔ فرمایا کہ عمرو کیا تمہیں معلوم نہیں۔ کہ اسلام گذشتہ گناہ ڈھا دیتا ہے۔ اور ہجرت بھی پہلے گناہ گرا دیتی ہے۔ اور حج بھی سابق کے گناہ ساقط کر دیتا ہے۔ (مسلم)

اللہ تعالیٰ اور بندہ کا حق:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں (ایک سفر میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اونٹ پر سوار تھا۔ میرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف کجاوہ کا پچھلا حصہ حائل تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا معاذ کیا تجھے معلوم ہے کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا خدا پر کیا حق ہے۔ میں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو پورا علم ہے۔ فرمایا کہ اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں۔ کسی چیز کو اس کا شریک نہ قرار دیں اور بندوں کا حق خدا پر یہ ہے کہ وہ غیر مشرک کو عذاب نہ دے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا لوگوں کو میں یہ خوشخبری نہ سنا دوں۔ فرمایا کہ لوگوں کو یہ بشارت نہ دو ورنہ وہ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کا واقعہ منقول ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اخفاء حق کے گناہ سے بچنے کے لیے مرنے کے وقت یہ حدیث بیان کی تھی۔ (مسلم و بخاری)

مسئلہ: قضا کی دو قسمیں ہیں (۱) قضا مبرم (قطعی ناقابل فسخ) (۲) معلق۔ معلق کی صورت مثلاً یہ ہے کہ اللہ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ زید اگر اللہ کی اطاعت کرے گا۔ تو اتنی مدت تک اس کو تباہی سے محفوظ رکھا جائے گا۔ اور نافرمانی کرے گا۔ تو اللہ اس پر طوفان مسلط کر دے گا۔

قضاء معلق کی تبدیلی جائز ہے جب شرط مفقود ہو (تو حکم قضاء بھی نافذ نہ ہوگا۔) آیت يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ کا یہی مطلب ہے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دعا کے علاوہ قضاء کو کوئی چیز نہیں لوٹاتی اور عمر میں زیادتی نیکی ہی سے ہوتی ہے۔ (ترمذی)

قضاء مبرم ناقابل تبدیل ہے۔ آیت لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ سے یہی مراد ہے۔ (تفسیر مظہری)

حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ ایمان لانے سے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس میں بھی حقوق العباد کی ادائیگی یا معافی شرط ہے۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ حرف مِنْ اس جگہ زائد ہے اور مراد یہ ہے کہ ایمان لانے سے تمہارے سب گناہ معاف ہو جائینگے۔ مگر دوسری نصوص کی بناء پر شرط مذکور بہرحال ضروری ہے۔

اسی طرح بعض اعمال مثلاً والدین کی اطاعت و خدمت سے عمر میں ترقی ہونا جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اس کا بھی یہی مطلب ہے۔

اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ
وہ جو وعدہ کیا ہے اللہ نے جب آ پہنچے گا اس کو ڈھیل نہ ہوگی ☆

موت اور عذاب ٹل نہیں سکتے:

یعنی ایمان نہ لانے کی صورت میں عذاب کا جو وعدہ ہے اگر وہ سر پر آ کھڑا ہوا تو کسی کے ٹالے نہیں ٹلے گا نہ ایک منٹ کی ڈھیل دی جائے گی یا یہ مطلب ہو کہ موت کا وقت معین پر آنا ضرور ہے اس میں تاخیر نہیں ہو سکتی۔ والظاہر ہو الاول حضرت شاہ صاحبؒ ان آیات کی تقریر ایک اور طرح کرتے ہیں "یعنی بندگی کرو کہ نوع انسان دنیا میں قیامت تک رہے۔ اور قیامت کو تو دیر نہ لگے گی اور جو سب مل کر بندگی چھوڑ دو تو سارے ابھی ہلاک ہو جاؤ"۔ طوفان آیا تھا ایسا ہی کہ ایک آدمی نہ بچے۔ حضرت نوحؑ کی بندگی سے ان کا بچاؤ ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی)

اہل سنت جو کہتے ہیں کہ اجل ایک ہے نہ گھٹتی ہے نہ بڑھتی ہے۔ اس سے مراد قضا مبرم جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ایک منٹ بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتی مقتول اسی قضا مبرم سے مرتا ہے یہ تو ہو سکتا ہے کہ لوح محفوظ میں مقتول کی موت معلق ہو کہ اگر اس کو فلاں شخص قتل کر دے گا تو مر جائیگا ورنہ نہیں مرے گا۔ لیکن لوح محفوظ میں قضاء مبرم کے طور پر یہ بھی درج ہوگا کہ فلاں وقت فلاں شخص فلاں شخص کو ضرور مار ڈالیگا۔ اور اس کی زندگی کی کوئی شرط سبب ذریعہ وغیرہ باقی نہیں رہے گی۔ اس جواب کی تقدیر پر اس حدیث کی تاویل کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ جو ابوخزامہ نے اپنے باپ کی وساطت سے بیان کی ہے ابوخزامہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کچھ منتر دم کرتے ہیں اور دواء بھی کرتے ہیں۔ اور دوسرے بچاؤ بھی اپنے لیے کرتے ہیں فرمایئے کہ کیا یہ فعل اللہ کی تقدیر کو کچھ لوٹا سکتا ہے۔ فرمایا کہ یہ بھی تو اللہ کی تقدیر ہی سے ہے۔ (احمد ترمذی ابن ماجہ)

یعنی اللہ نے مقدر کر دیا ہے۔ کہ فلاں شخص علاج کرے گا۔ تو اس کو شفا حاصل ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

تقدیر معلق کا بیان ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو علم عطا فرمادیا ہوگا۔ اس کے سبب سے انھوں نے اپنی قوم کو بتلایا۔ کہ تم ایمان لائے تو جو اصلی عمر تمہارے لیے اللہ نے مقرر فرمائی ہے وہاں تک تمہیں مہلت ملے گی۔ اور کسی عذاب دنیوی کے ذریعہ ہلاک نہ کیے جاؤ گے اور اگر ایمان نہ لائے تو اصلی عمر سے پہلے ہی خدا تعالیٰ کا عذاب تمہیں ہلاک کر دے گا۔ اور آخرت کا عذاب اس صورت میں اس کے علاوہ ہوگا۔ (معارف مفتی اعظم)

لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝
اگر تم کو سمجھ ہے ☆

یعنی اگر تم کو سمجھ ہے تو یہ باتیں سمجھنے اور عمل کرنے کی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت نوحؑ کی عمر:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت نوح علیہ السلام چالیس سال کے عمر میں پیغمبر ہوئے۔ اور طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے مقاتل نے وقت بعثت سو سال کی عمر بتائی ہے۔ بعض نے پچاس برس اور بعض نے دوسو برس بھی کہا ہے حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار چار سو پچاس برس ہوئی تو یہ بات تو ناقابل شک ہے کہ ساڑھے نوسو سال تک آپ قوم کو نصیحت کرتے رہے۔

آپؑ کی تکالیف:

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ قوم والے حضرت نوح علیہ السلام کو اتنا مارتے تھے کہ اپنی دانست میں مردہ سمجھ کر نمدہ میں لپیٹ کر گھر میں ڈال آتے تھے۔ لیکن آپ دوسرے روز پھر باہر تشریف لا کر لوگوں کو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دیتے تھے۔ محمد بن اسحاق نے عبید بن عمر لیثی کا قول نقل کیا ہے کہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کو پکڑ کر اتنا گلا گھونٹتے تھے کہ آپ بے ہوش ہو جاتے لیکن جب آپ کو ہوش آتا تو دعا کرتے کہ الٰہی میری قوم کو بخش دے یہ ناواقف ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ بار بار گناہوں میں منہمک رہے اور قوم کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام پر تکلیفیں شدید ترین ہونے لگیں تو آپ آئندہ نسل کے انتظار میں رہے۔ کہ (شاید ان کی نسل ہدایت یاب ہو جائے) مگر جو نسل آتی تھی وہ اگلوں سے زیادہ خبیث ہوتی تھی۔ سلف خلف سے کہہ مرتے تھے کہ یہ شخص دیوانہ ہے ہمارے باپ دادا کے ساتھ بھی رہا ہے اس طرح کوئی آپ کی بات نہ مانتا تھا۔ بالآخر حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ سے شکایت کی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت عطاء ہوئی اور قرآنی تصریح کے مطابق انکی عمر پچاس کم ایک ہزار سال ہوگی۔ اس پوری مدت دراز میں نہ کبھی اپنی کوشش کو چھوڑا نہ کبھی مایوس ہوئے۔ قوم کی طرف سے طرح طرح کی ایذائیں دی گئیں سب پر صبر کرتے رہے۔

بروایت ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ان کی قوم ان کو اتنا مارتی کہ وہ گر جاتے تو ان کو ایک کمبل میں لپیٹ کر مکان میں ڈال دیتے اور یہ سمجھتے تھے کہ مر گئے مگر جب اگلے روز ان کو ہوش آتا۔ تو ان کو اللہ کی طرف بلاتے اور تبلیغ کے عمل میں لگ جاتے۔ محمد بن اسحاق نے عبید بن عمر و لیثی سے روایت کیا ہے کہ ان کو یہ خبر پہنچی ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم ان کا گلا گھونٹ دیتی تھی جس سے وہ بے ہوش ہو جاتے۔ اور جب ہوش آتا تو یہ دعا کرتے رب اغفر لقومی انھم لا یعلمون ۔ اے میرے پروردگار میری قوم کو معاف فرما دے۔ کیونکہ وہ نہیں جانتے انکی نسل کے ایمان لانے سے مایوسی ہوئی۔ تو یہ امید رکھتے تھے کہ انکی اولاد میں سے کوئی ایمان لے آئے گا۔ وہ نسل بھی گذر جاتی تو تیسری نسل سے بھی یہ توقع لگا کر اپنے فرض منصبی میں مشغول رہتے کیونکہ ان کی نسلوں کی عمریں اتنی طویل نہ تھیں جتنی حضرت نوح علیہ السلام کو بطور معجزہ عطاء ہوئی تھی۔ (معارف مفتی اعظم)

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ﴿٥﴾

بولا اے رب میں بلاتا رہا اپنی قوم کو رات اور دن

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاءِي إِلَّا فِرَارًا ﴿٦﴾

پھر میرے بلانے سے اور زیادہ بھاگنے لگے ☆

قوم کی بے پرواہی کی دعاء:

یعنی نوح علیہ السلام ساڑھے نوسو برس تک انکو سمجھاتے رہے جب امید کی کوئی جھلک باقی نہ رہی تو مایوس اور تنگدل ہو کر بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ بار خدایا میں نے اپنی طرف سے دعوت و تبلیغ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ رات کی تاریکی میں اور دن کے اجالے میں برابر ان کو تیری طرف بلاتا رہا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ جوں جوں تیری طرف آنے کو کہا گیا یہ بد بخت اور زیادہ ادھر سے منہ پھیر کر بھاگے اور جس قدر میری طرف سے شفقت و دلسوزی کا اظہار ہوا ان کی جانب سے نفرت اور بیزاری بڑھتی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ

اور میں نے جب کبھی اُن کو بُلایا تا کہ تو اُن کو بخشے

جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ

ڈالنے لگے انگلیاں اپنے کانوں میں ☆

کیونکہ میری بات سننا ان کو گوارا نہیں۔ چاہتے ہیں کہ یہ آواز کان میں نہ پڑے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ

اور لپیٹنے لگے اپنے اُوپر کپڑے ☆

تا وہ میری اور میں ان کی صورت نہ دیکھوں۔ نیز انگلیاں اگر کسی وقت کانوں میں ڈھیلی پڑ جائیں تو کچھ کپڑوں کی روک رہے غرض کوئی بات کسی عنوان سے دل میں اترنے نہ پائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ﴿٧﴾

اور ضد کی اور غرور کیا بڑا غرور

یعنی کسی طرح اپنے طریقہ سے ہٹنا نہیں چاہتے اور ان کا غرور اجازت نہیں دیتا کہ میری بات کی طرف ذرا اب بھی کان دھریں۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۙ﴿۸﴾
پھر میں نے اُن کو بُلایا برملا ☆

یعنی ان کے مجمعوں میں خطاب کیا اور مجلسوں میں جا کر سمجھایا۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ
پھر میں نے ان کو کھول کر کہا
وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۙ﴿۹﴾
اور چھپ کر کہا چپکے سے ☆

یعنی مجمع کے سوا ان سے علیحدگی میں بات کی صاف کھول کر بھی اور اشاروں میں بھی، زور سے بھی اور آہستہ بھی غرض، نصیحت کا کوئی عنوان اور کوئی رنگ نہیں چھوڑا۔ (تفسیر عثمانی)

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ﴿۱۰﴾
تو میں نے کہا گناہ بخشواؤ اپنے رب سے بیشک وہ ہے بخشنے والا ☆

یعنی باوجود سینکڑوں برس سمجھانے کے اب بھی میری بات مان کر اپنے مالک کی طرف جھکو گے اور اس سے اپنی خطائیں معاف کراؤ گے تو وہ بڑا بخشنے والا ہے پچھلے سب قصور یک قلم معاف کر دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

قحط کے ذریعہ تنبیہ:

بغوی نے لکھا ہے کہ قوم نوح جب حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب مدت دراز تک کرتی رہی تو اللہ نے بارش روک دی۔ اور چالیس برس تک پیدائش نسل بند کر دی۔ اسطرح ان کے مال اور چوپائے تباہ ہو گئے۔ اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا۔ کفر و معصیت سے توبہ کر کے پچھلے گناہوں پر نادم ہو کر اپنے رب سے گناہوں کی مغفرت کے طلبگار رہو۔ کیونکہ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا وہ توبہ کرنے والوں کے گناہ بہت زیادہ معاف کر دینے والا ہے۔ (تفسیر مظہری)

بعض روایات میں ہے کہ حسن بصریؒ سے کسی نے قحط سالی کی شکایت کی تو آپ نے کہا کہ کثرت سے استغفار کرو۔ کسی نے آ کر اپنی تنگدستی کا شکوہ کیا تو فرمایا کہ استغفار کرو۔ ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا کہ میرے کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے جواب دیا کہ استغفار کرو کوئی اور آیا اور کہا کہ میرا کھیت خشک ہو رہا ہے اور پیداوار نہیں تو فرمایا کہ استغفار کرو۔ پھر ایک اور آیا اور اس نے عرض کیا کہ اے امام میرے کنوئیں کا پانی سوکھ چکا ہے اس میں پانی نہیں تو فرمایا کہ استغفار کرو۔ بعض حاضرین کو بڑا ہی تعجب ہوا کہ ایک مجلس میں مختلف لوگ مختلف حاجتیں لے کر آئے۔ اور حسن بصری نے سب کو ایک ہی جواب دیا اور ایک ہی علاج بتایا تو سوال کیا گیا۔ جواب میں فرمایا میں نے تو ان سب کو کوئی بات اپنی طرف سے نہیں بتائی۔ میں نے انکو وہی بتایا جو اللہ رب العزت نے اپنے کلام میں فرمایا ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۙ استغفار صرف زبان سے لفظ استغفر اللہ کہنے کا نام نہیں بلکہ اپنے گناہوں پر ندامت اور شرمندگی کے ساتھ اللہ سے معافی مانگنے کا نام ہے اس عہد اور دل کے پختہ ارادے کے ساتھ کہ میں پھر یہ گناہ نہیں کروں گا۔ ہر صبح و شام "استغفرو اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم و اتوب الیہ"، پڑھنے کی بڑی ہی فضیلت احادیث میں آئی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ﴿۱۱﴾
چھوڑ دے گا آسمان کی تم پر دھاریں
وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ
اور بڑھا دے گا تم کو مال اور بیٹوں سے اور بنا دے گا
لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ؕ﴿۱۲﴾
تمہارے واسطے باغ اور بنا دے گا تمہارے لئے نہریں ☆

ایمان و استغفار کی برکت:

یعنی ایمان و استغفار کی برکت سے قحط و خشک سالی (جس میں وہ برسوں سے مبتلا تھے) دور ہو جائیگی اور اللہ تعالیٰ دھواں دھار برسنے والا بادل بھیج دیگا جس سے کھیت اور باغ خوب سیراب ہونگے۔ غلے، پھل، میوہ کی افراط ہوگی، مواشی وغیرہ فربہ ہو جائینگے دودھ گھی بڑھ جائیگا اور عورتیں جو کفر و معصیت کی شامت سے بانجھ ہو رہی ہیں اولاد ذکور جننے لگیں گی۔ غرض آخرت کے ساتھ دنیا کے عیش و بہار سے بھی وافر حصہ دیا جائیگا (تنبیہ) امام ابوحنیفہؒ نے اس آیت سے یہ نکالا ہے کہ استسقاء کی اصل حقیقت اور روح استغفار و انابت ہے اور نماز اس کی کامل ترین صورت ہے جو سنت صحیحہ سے ثابت ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

اگر نزول مصیبت ترقی اور درجات کا سبب ہو تو ایسی مصیبت استغفار سے دفع نہیں ہوتی جیسے حضرت ایوب علیہ السلام اور بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام کی مصیبتیں تھیں۔

انبیاء کی آزمائش:

حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے کڑی مصیبت انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے انبیاء علیہم السلام کے بعد ان لوگوں کی جو باقی لوگوں سے افضل ہوں...... پھر ان لوگوں کی جو بقیہ سے افضل ہوں آدمی کی آزمائش اس کے دین کے مرتبہ کے موافق ہوتی ہے۔ اگر وہ دین میں پختہ ہے تو اس کی آزمائش بھی کڑی ہوتی ہے اور اگر اس کے دین میں کمزوری ہے تو درجہ دینی کے موافق اس کی آزمائش ہوتی ہے۔ صرف عہد کرنے سے بلا نہیں ٹلتی جب تک گناہ کو چھوڑ نہ دے۔ اور گناہ سے پاک ہو کر زمین پر نہ چلنے لگے۔ (احمد، بخاری، ترمذی، ابن ماجہ)

بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں کسی ام المؤمنین کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں سب سے کڑی مصیبت والا نبی ہوتا ہے یا صفی یعنی ولی۔ حاکم نے مستدرک میں اور ابن ماجہ نے اور عبد الرزاق نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جتنے تم عطیہ ملنے پر خوش ہوتے ہو انبیاء علیہم السلام مصیبت پر اس سے زیادہ خوش ہوتے ہیں۔

یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ بارش نہ ہونا ایک عمومی مصیبت ہے جو عمومی گناہوں کی نحوست سے آتی ہے۔ معصیت عوام کے بغیر اس مصیبت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس صورت میں استغفار عمومی بارش کا سبب قرار پائے گا۔ استسقاء میں استغفار کی مشروعیت اسی وجہ سے ہے مطرفؒ نے شعبیؒ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو لے کر دعاء بارش کے لیے شہر سے باہر نکلے لیکن صرف استغفار کرنے کے بعد لوٹ آئے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا (یعنی نماز نہیں پڑھی) عرض کیا کہ ہم نے سنا تھا کہ آپ بارش کی دعا کریں گے مگر آپ نے صرف استغفار پر ہی اکتفا کیا۔ فرمایا کہ میں نے بارش کی دعا ان سرچشموں یا راستوں سے کی جن سے آسمان سے بارش ہوتی ہے اس کے بعد آپ نے آیت تلاوت کی اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ تلاوت کی۔ (تفسیر مظہری)

اکثر علماء نے استدلال کیا ہے کہ گناہوں سے توبہ استغفار سے اللہ تعالیٰ بارش حسب موقع برسا دیتے ہیں۔ قحط نہیں پڑنے دیتے۔ اور مال و اولاد میں استغفار سے برکت ہوتی ہے۔ کہیں کسی حکمت الٰہیہ کے تقاضے سے اس کے خلاف بھی ہوتا ہے مگر عادۃ اللہ عالم کے لوگوں کے ساتھ یہی ہے کہ توبہ استغفار سے اور ترک معصیت سے دنیا کی بلائیں بھی ٹل جاتی ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾
کیا ہوا ہے تم کو کیوں نہیں امید رکھتے اللہ سے بڑائی کی ☆

یعنی اللہ کی بڑائی سے امید رکھنا چاہیے کہ تم اس کی فرمانبرداری کرو گے تو تم کو بزرگی اور عزت و وقار عنایت فرمائے گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم اللہ کی بڑائی کا اعتقاد کیوں نہیں رکھتے اور اس کی عظمت و جلال سے ڈرتے کیوں نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾
اور اُسی نے بنایا تم کو طرح طرح سے ☆

یعنی ماں کے پیٹ میں تم نے طرح طرح کے رنگ بدلے۔ اور اصلی مادہ سے لیکر موت تک آدمی کتنی پلٹیاں کھاتا ہے اور کتنے اطوار و ادوار اور اتار چڑھاؤ ہیں جن میں کو گزرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تخلیق کے مراحل:

پہلے تم عنصری تخلیق میں تھے۔ پھر مرکب غذائی کی تخلیق میں آئے۔ پھر نطفہ پھر خون بستہ پھر لوتھڑا پھر ہڈیاں اور گوشت بنا۔ پھر ایک جدید تخلیق کی یعنی روح پھونک کر انسان بنایا۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ. پھر تم کو موت آئے گی۔ پھر اللہ تم کو قبر (عالم برزخ) میں لے جائے گا۔ پھر لوٹا کر دوبارہ زندہ کرے گا۔ پھر فرمانبردار کو ثواب دے کر اس کی حوصلہ افزائی کرے گا۔ اور نافرمان کو سزا دے گا۔ یہ اللہ کی وہ تخلیقی نشانیاں تھیں۔ جو ہر شخص کی شخصیت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کے بعد آفاقی نشانیاں بیان کیں۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ
کیا تم نے نہیں دیکھا کیسے بنائے اللہ نے
سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾
سات آسمان تہ پر تہ ☆

یعنی ایک کے اوپر ایک۔ (تفسیر عثمانی)

وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا
اور رکھا چاند کو اُن میں اُجالا
وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾
اور رکھا سُورج کو چراغ جلتا ہوا ☆

چاند اور سورج کی روشنی:

سورج کا نور تیز اور گرم ہوتا ہے جس کے آتے ہی رات کی تاریکی کافور ہو جاتی ہے۔ شاید اس لیے اس کو جلتے چراغ سے تشبیہ دی۔ اور چاند کے نور کو اسی چراغ کی روشنی کا پھیلاؤ سمجھنا چاہیے جو جرم قمر کے توسط سے ٹھنڈی اور دھیمی ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی دنیا والے آسمان میں اللہ نے چاند پیدا کیا جیسے روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی نجار کے گھروں میں سب سے اول مدینہ میں رونق افروز ہونے کے وقت اترے تھے۔ یعنی بنی نجار کے مکانوں میں سے کسی ایک مکان میں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چاند سورج کے رخ آسمانوں کی طرف ہیں۔ اوران کا نور آسمانوں میں ہی ہے لیکن ان کی انعکاسی کرنیں زمین کی طرف آتی ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کا قول منقول ہے۔

وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا۔ یعنی سورج کو چراغ کی طرح بنایا جس طرح چراغ کی روشنی سے ماحول کی تاریکی جاتی رہتی ہے۔ اسی طرح سورج کی روشنی سے سامنے کا اندھیرا دور ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾

اور اللہ نے اُگایا تم کو زمین سے جما کر ☆

انسان کا خمیر: یعنی زمین سے خوب اچھی طرح جماؤ کے ساتھ پیدا کیا اول ہمارے باپ آدم مٹی سے پیدا ہوئے' پھر نطفہ جس سے بنی آدم پیدا ہوتے ہیں غذا کا خلاصہ ہے جو مٹی سے نکلتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مِّنَ الْاَرْضِ زمین سے پیدا کیا یعنی آدم کو مٹی سے بنایا یا یہ کہ تم کو نطفہ سے پیدا کیا۔ اور نطفہ کو غذا سے اور غذا زمین سے پیدا ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾

پھر کر ڈالے گا تم کو اُس میں اور نکالے گا تم کو باہر ☆

یعنی مرے پیچھے مٹی میں مل جاتے ہیں پھر قیامت کے دن اسی سے نکالے جائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا۔ اور پھر تم کو قبروں سے نکالیگا یعنی تمہارا یقینی حشر کرے گا اِخْرَاجًا فرمایا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ تخلیق اول کی طرح حشر بھی یقینی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾

اور اللہ نے بنا دیا تمہارے لئے زمین کو بچھونا

لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾

تاکہ چلو اس میں کشادہ رستے ☆

زمین کا فرش:

یعنی اس پر لیٹو' بیٹھو' چلو' پھرو ہر طرف کشادہ راستے نکال دیئے ہیں۔ ایک شخص چاہے اور وسائل ہوں تو ساری زمین کے گرد گھوم سکتا ہے راستہ کی کوئی رکاوٹ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ

کہا نوح نے اے رب میرے انہوں نے میرا کہا نہ مانا اور مانا ایسے کا

لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾

جس کو اُس کے مال اور اولاد سے اور زیادہ ہو ٹوٹا ☆

مالداروں کا کردار: یعنی اپنے رئیسوں اور مالداروں کا کہا مانا جن کے مال واولاد میں کچھ خوبی اور بہتری نہیں بلکہ وہ ان پر ٹوٹا ہے ان ہی کے سبب دین سے محروم رہے اور غایت تمرد وتجبر سے اوروں کو بھی محروم رکھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾

اور داؤ کیا ہے بڑا داؤ ☆

یعنی سب کو سمجھا دیا کہ اس کی بات نہ مانو اور طرح طرح کی ایذاء رسانی کے درپے رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ

اور بولے ہرگز نہ چھوڑیو اپنے معبودوں کو ☆

یعنی اپنے معبودوں کی حمایت پر جمے رہنا' نوحؑ کے بہکائے میں نہ آنا کہتے ہیں کہ سینکڑوں برس تک ہر ایک اپنی اولاد اور اولاد در اولاد کو وصیت کر جاتا تھا کہ کوئی اس بڈھے ''نوحؑ'' کے قریب نہ آئے اور اپنے آبائی دین سے قدم نہ ہٹائے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے محمد بن کعب رضی اللہ عنہ کا قول لکھا ہے کہ یہ تمام نام ان نیک لوگوں کے تھے کہ جو حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان گذرے تھے۔ جب وہ مر گئے تو انکی اتباع میں ان کے ساتھی ویسے ہی عبادت میں مشغول رہے جیسے پہلے تھے مگر ان کو عبادت کا ذریعہ بنا لیا پھر شیطان نے ان کو بہکایا اور ترغیب دی کہ ان کی مورتیاں بنالیں مورتیوں کے سامنے ہونے سے عبادت میں چستی پیدا ہوگی۔ اور شوق بڑھے گا، انہوں نے شیطانی اغواء کو مان لیا اور مورتیاں بنا لیں پھر ان کے بعد دوسری نسل آئی تو شیطان نے ان سے کہا کہ تمہارے باپ دادا ان مورتیوں کی پوجا کرتے تھے تم بھی کرو۔ وہ بہکاوے میں آ گئے مورتی پوجا کا آغاز اسی طرح ہو گیا پھر ان مورتیوں ہی کے مذکورہ بالا نام رکھ لیے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ

اور نہ چھوڑیو ودّ کو اور نہ سواع کو

وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾

اور نہ یغوث کو اور یعوق اور نسر کو ☆

بت پرستی کی ایجاد: یہ ان کے بتوں کے نام ہیں ہر مطلب کا ایک الگ بت

بنا رکھا تھا۔ وہ ہی بت پھر عرب میں آئے۔ اور ہندوستان میں بھی۔ اسی قسم کے بت بشنو، برہما، اندر، شیوا اور ہنومان وغیرہ کے ناموں سے مشہور ہیں اس کی مفصل تحقیق حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ نے تفسیر عزیزی میں کی۔ بعض روایات میں ہے کہ پہلے زمانہ میں کچھ بزرگ لوگ تھے ان کی وفات کے بعد شیطان کے اغواء سے قوم نے ان کی تصویریں بطور یادگار بنا کر کھڑی کر لیں پھر ان کی تعظیم ہونے لگی شدہ شدہ پرستش کرنے لگے۔ (العیاذ باللہ)۔ (تفسیر عثمانی)

علامہ عبدالشکور سالمی نے اپنی کتاب التمہید میں بیان کیا ہے کہ شرک اور کفر کی ابتداء حضرت اخنوع علیہ السلام جن کو ادریس علیہ السلام بھی کہا جاتا ہے کے زمانہ میں ہوئی اس سے قبل کل دنیا دین واحد اور توحید پر قائم تھی جزوی طور پر معصیت اور نافرمانی کا ارتکاب تو آدم کے بیٹے قابیل نے ہی کیا تھا۔ کہ ہابیل کو قتل کیا لیکن یہ نوعیت کفر و شرک کی نہ تھی بلکہ ارتکاب معصیت اور نافرمانی کی تھی۔ شرک کا آغاز حضرت ادریس یا اخنوع کے بعد سے حضرت نوح علیہ السلام تک کے زمانہ میں ہوا حضرت نوح علیہ السلام اس وقت مبعوث ہوئے جبکہ دنیا شرک میں مبتلا ہو چکی تھی۔ اسی کے باعث حضرت نوح علیہ السلام کو پہلا رسول کہا گیا ہے کہ شرک کا مقابلہ کرنے کے لیے دنیا میں پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام مبعوث فرمائے گئے۔ (معارف کاندھلوی)

وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ

اور بہکا دیا بہتوں کو

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿٢٤﴾

اور تو نہ زیادہ کرنا بے انصافوں کو مگر بھٹکنا ☆

نوحؑ نے یہ بد دعاء کب کی:

حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں "یعنی (بھٹکتے رہیں) کوئی تدبیر (سیدھی) نہ بن پڑے" اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ "استدراج کے طور پر بھی ان کو اپنی معرفت سے آشنا نہ کر" اور عامۂ مفسرین نے ظاہری معنے لیے ہیں۔ یعنی اے اللہ ان ظالموں کی گمراہی کو اور بڑھا دیجئے تا جلد شقاوت کا پیمانہ لبریز ہو کر عذاب الٰہی کے مورد بنیں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ بد دعا ان کی ہدایت سے کلی مایوس ہو کر کی۔ خواہ مایوسی ہزار سالہ تجربہ کی بنا پر ہو یا حق تعالیٰ کا یہ ارشاد سن چکے ہونگے "اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ" (ھود۔ رکوع ۴) بہرحال ایسی مایوسی کی حالت میں تنگدل اور غضبناک ہو کر یہ دعا کرنا کچھ مستبعد نہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص یا جماعت کے راہ راست پر آنے کی طرف سے قطعاً مایوسی ہو جائے اور نبی ان کی استعداد کو پوری طرح جانچ کر سمجھ لے کہ خیر کے نفوذ کی ان میں مطلق گنجائش نہیں بلکہ ان کا وجود ایک عضو فاسد کی طرح ہے جو یقیناً باقی جسم کو بھی فاسد اور مسموم کر ڈالے گا۔ تو اس وقت ان کے کاٹ ڈالنے اور صفحۂ ہستی سے محو کر دینے کے سوا دوسرا کیا علاج ہے۔ اگر قتال کا حکم ہو تو قتال کے ذریعہ سے ان کو فنا کیا جائے یا قوت توڑ کر ان کے اثر بد کو متعدی نہ ہونے دیا جائے۔ کوئی آخری صورت یہ ہے کہ اللہ سے دعا کی جائے کہ وہ ان کے وجود سے دنیا کو پاک کر دے اور ان کے زہریلے جراثیم سے دوسروں کو محفوظ رکھے کما قال "اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ" الخ بہرحال نوح کی دعاء اور اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کی دعاء جو سورہ "یونس" میں گزری اسی قبیل سے تھی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قوم نوح کے نیک لوگوں کے یہ اسماء تھے جب وہ مر گئے تو شیطان نے ان کی قوم سے یہ کہا کہ جس جگہ وہ لوگ بیٹھتے تھے وہاں ان کے بت نصب کر دو۔ اور وہی بتوں کے نام رکھ دو جو ان کے تھے لوگوں نے ایسا ہی کیا مگر کسی نے ان بتوں کی پوجا نہیں کی جب یہ طبقہ مر گیا تو بعد والوں نے ان کو معبود بنا لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ طوفان میں یہ مورتیاں ڈوب گئیں تھیں۔ اور مٹی کے اندر دب گئیں تھیں مدت تک دفن رہیں آخر مکہ کے مشرکوں کے لیے شیطان نے ان کو برآمد کیا۔ یہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جو بت قوم نوح کے معبود تھے وہ آخر میں عرب میں آ گئے۔ دومۃ الجندل میں ود کی پرستش بنی کلب کرتے تھے۔ سواع بنی ہذیل کا بت تھا۔ یغوث اول بنی مرہ کا بت تھا۔ پھر مقام جرف میں بنی غطیف کا معبود ہو گیا۔ اور سبا (واقع یمن) میں پہنچ گیا۔ یعوق بنی ہمدان کا بت تھا۔ اور نسر حمیر کے قبیلہ میں خاندان ذی الکلاع کا۔ (تفسیر مظہری)

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ

کچھ وہ اپنے گناہوں سے دبائے گئے پھر ڈالے گئے آگ میں ☆

یعنی طوفان آیا اور بظاہر پانی میں ڈبائے گئے لیکن فی الحقیقت برزخ کی آگ میں پہنچ گئے۔ (تفسیر عثمانی)

عذاب قبر کا ثبوت: بے انتہا احادیث سے عذاب قبر کا ثبوت ملتا ہے اور اجماع سلف صالحین بھی اسی پر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ کو قبر میں رکھ کر اس کے ساتھی لوٹ جاتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہوتا ہے تو دو فرشتے آ کر اس کو بٹھاتے ہیں اور ایک فرشتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھتا ہے تو اس شخص کے متعلق کیا کہتا ہے اگر مردہ مومن ہے تو جواب دیتا ہے میں شہادت دیتا تھا کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اس وقت مردے سے کہا جاتا ہے کہ اپنے آگے والے ٹھکانے کو دیکھ کہ اللہ نے اس کے عوض تجھ کو جنت میں جگہ دے دی۔ بندہ دونوں مقامات کو دیکھتا ہے۔ لیکن اگر مردہ منافق یا کافر ہے تو اس سے وہی سوال کیا جاتا ہے اور وہ جواب میں کہتا ہے کہ مجھے کچھ معلوم نہیں جو بات لوگ کہتے تھے میں بھی کہہ دیتا تھا۔ اس

جواب پر اس سے کہا جاتا ہے کہ تو جانتا بھی نہ تھا اور تو نے پڑھا بھی نہ تھا۔ پھر اس کو لوہے کے ہتھوڑوں سے ایسا مارا جاتا ہے کہ جن وانس کے علاوہ برابر والے (جانور وغیرہ) اس کی چیخیں سنتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے نہیں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز پڑھی ہو اور عذاب قبر سے پناہ نہ مانگی ہو۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ آپ کی ڈاڑھی تر ہو جاتی کسی نے پوچھا حضرت آپ جنت دوزخ کے ذکر کے وقت تو روتے نہیں اور اس پر روتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے اگر اس سے نجات پالی تو بعد والی منزلیں اس سے آسان ہیں اور اس سے نجات نہ ملی تو بعد کی منزلیں اس سے سخت ہوں گی۔ (ترمذی وابن ماجہ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر کے اندر کافر پر ننانوے سانپ مسلط کر دیئے جاتے ہیں جو قیامت بپا ہونے تک اس کو ڈستے اور کاٹتے رہیں گے۔ اگر ایک سانپ زمین پر پھونک مار دے تو سبزہ پیدا نہ ہو۔ (دارمی و ترمذی)

ترمذی میں ننانوے کے جگہ ستر ہے۔ آیت مذکورہ میں نارا کی تنوین عظمت نار کو ظاہر کر رہی ہے یا تنکیر کے لیے ہے۔ یعنی جس آگ میں قوم نوح کو داخل کر لیا گیا۔ وہ دوزخ کی آگ سے غیر تھی۔ (تفسیر مظہری)

احادیث صحیحہ متواترہ میں قبر کے اندر عذاب وثواب ہونیکا بیان اس کثرت ووضاحت سے آیا ہے کہ انکار نہیں کیا جا سکتا اس لیے اس پر امت کا اجماع اور اس کا اقرار اہل سنت والجماعت کی علامت ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾

پھر نہ پائے اپنے واسطے انہوں نے اللہ کے سوائے کوئی مددگار ☆

یعنی وہ بت (ود، سواع، یغوث وغیرہ) اس آڑے وقت میں کچھ بھی مدد نہ کر سکے یونہی کس مپرسی کی حالت میں مر کھپ گئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ

اور کہا نوح نے اے رب نہ چھوڑیو زمین

مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ

پر منکروں کا ایک گھر بسنے والا مقرر اگر تو چھوڑ دے گا اُن کو

يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾

بہکائیں گے تیرے بندوں کو اور جو جنیں گے سو ڈھیٹھ حق کا منکر ☆

ان میں کوئی چھوڑنے کے لائق نہیں: یعنی ایک کافر کو زندہ نہ چھوڑیئے، ان میں کوئی اس لائق نہیں کہ باقی رکھا جائے، جو کوئی رہیگا میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ اس کے نطفہ سے بھی بے حیا ڈھیٹ منکر حق اور ناشکرے پیدا ہونگے اور جب تک ان میں سے کوئی موجود رہیگا خود تو راہ راست پر کیا آتا دوسرے ایمانداروں کو بھی گمراہ کریگا۔ (تفسیر عثمانی)

قابل رحم عورت:

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر طوفان نوح میں خداوند تعالیٰ کسی پر رحم کرتا تو اس کے لائق وہ عورت تھی جو پانی کو ابلتے اور برستے دیکھ کر اپنے بچے کو لے کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور پہاڑ پر چڑھ گئی تھی۔ جب پانی وہاں پر بھی جا چڑھا تو بچہ کو اٹھا کر اپنے مونڈھے پر بٹھا لیا جب پانی وہاں بھی پہنچ گیا تو اس کو سر پر بٹھا لیا جب پانی سر تک جا چڑھا تو اپنے بچے کو ہاتھوں میں لے کر سر سے بلند اٹھا لیا لیکن آخر پانی وہاں تک پہنچ گیا اور ماں بیٹا ڈوب گئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قوم نوح نے جب پیغمبروں کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو غرق کر دیا۔ اور ظاہر ہے کہ بچہ تکذیب نہیں کر سکتا (اور اگر بچہ کسی کی تکذیب کرے بھی تو نا قابل عذاب ہے) اسی سے استدلال کیا جاتا ہے کہ طوفان ساری زمین پر نہیں آیا تھا۔ بلکہ صرف قوم نوح کی زمین پر آیا تھا۔ کیونکہ مختلف ممالک کے رہنے والوں کا تو کوئی قصور نہ تھا۔ اور نزول عذاب بغیر تکذیب کے ممکن نہیں۔ (تفسیر مظہری)

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ

اے رب معاف کر مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو آئے میرے

بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ

گھر میں ایماندار اور سب ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو ☆

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

اور گنہگاروں پر بڑھتا رکھ یہی برباد ہونا

والدین اور مؤمنین کیلئے استغفار:

یعنی میرے مرتبہ کے موافق مجھ سے جو تقصیر ہوئی ہو اپنے فضل سے معاف کیجئے اور میرے والدین اور جو میری کشتی یا میرے گھر یا میری مسجد میں مومن ہو کر آئے ان سب کی خطاؤں سے درگزر فرمایئے۔ بلکہ قیامت تک جس قدر مرد اور عورتیں مومن ہوں سب کی مغفرت کیجئے اے اللہ! نوحؑ کی دعا کی برکت سے اس بندہ عاصی وخاطی کو بھی اپنی رحمت وکرم سے مغفور کر کے بدون تعذیب دنیوی اور اخروی اپنی رضا وکرامت کے محل میں پہنچایئے۔ "انک سمیع قریب مجیب الدعوات"، تم سورۃ نوح وللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مومن ہی کے ساتھ اٹھ بیٹھ، رہ سہہ اور صرف پرہیزگار ہی تیرا کھانا کھائیں یہ حدیث ابو دؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورة الجن

اس کوخواب میں پڑھنے والا جنات سے محفوظ رہے گا ۔(ابن سیرینؒ)

سُوۡرَةُ الۡجِنِّ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّعِشۡرُوۡنَ اٰيَةً وَّفِيۡهَا رُكُوۡعَانِ

سورہ جن مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلۡ اُوۡحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ

تو کہہ مجھ کو حکم آیا کہ سن گئے کتنے لوگ جنوں کے

جنوں کا وجود:

جنوں کے وجود اور حقیقت پر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے سورہ ہٰذا کی تفسیر میں نہایت مبسوط و مفصل بحث کی ہے اور عربی میں ''آکام المرجان فی احکام الجان'' اس موضوع پر نہایت جامع کتاب ہے جس کو شوق ہو مطالعہ کرے یہاں گنجائش نہیں کہ اس قسم کے مباحث درج کیے جائیں ۔(تفسیر عثمانی)

روایت میں آیا ہے کہ نصیبین کے نو جن تھے یا سات تھے، جن دوسرے حیوانوں کی طرح جسم بھی رکھتے ہیں اور جان بھی، ان کو انسانوں کی طرح عقل بھی حاصل ہے مگر انسانوں کی نظر سے چھپے ہوئے ہیں ۔اسی لئے ان کو جن کہا جاتا ہے (جَنٌّ چھپانا جِنٌّ پوشیدہ) جن کو آگ سے بنایا گیا ہے ۔جیسے آدم کو مٹی سے ۔آیت میں آیا ہے وَالۡجَآنَّ خَلَقۡنٰهُ مِنۡ قَبۡلُ مِنۡ نَّارِ السَّمُوۡمِ

جنات میں توالد و تناسل ہوتا ہے ان میں نر بھی ہوتے ہیں اور مادہ بھی ۔ظاہر یہ ہے کہ شیاطین جنات ہی کی ایک قسم ہے، ملائکہ مذکر و مونث (نر مادہ) نہیں ہوتے جنات شیاطین اور ملائکہ کا وجود شرعاً ثابت ہے ۔فلسفی کسی کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے ۔(یونانی) فلاسفہ جن دس عقول کے قائل ہیں وہ اسلامی ملائکہ نہیں ہیں کیونکہ فلاسفہ کی نظر میں عقول عشرہ غیر جسمانی ہیں اور اسلام جن ملائکہ کا قائل ہے ان کے جسم بھی ہیں اور روحیں بھی ۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں کو دیکھا تھا:

آیت کی رفتار سے بطور اقتضاء ثابت ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو نہیں دیکھا تھا کسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرأت قرآن کر رہے تھے ۔اتفاقاً جنات بھی آگئے اور انہوں نے قراءت سن لی، اس واقعہ کی اطلاع وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی اور قصہ بیان کر دیا ۔بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے سامنے نہ قرآن پڑھا نہ ان کو دیکھا (بلکہ واقعہ یہ ہوا کہ) بازار عکاظ کو جانے کے ارادہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (مکہ سے) چلے تھے اس وقت شیطانوں سے آسمان کی خبریں روک دی گئیں تھیں اور (خبر لینے کے لئے آسمان کی طرف چڑھنے والے) شیطانوں کو انگاروں سے مارا جاتا تھا ۔جنات نے (آپس میں) کہا اس کی کوئی خاص وجہ تو ضرور ہے (کوئی نئی بات ضرور پیدا ہوئی ہے ۔) مشرق و مغرب میں جا کر دیکھو نئی بات کیا پیدا ہوئی ہے یہ طے کر کے جنات تلاش کے لئے چل دیئے اور ایک گروہ تہامہ کی طرف آگیا یہی گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی مڑ گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نخلہ میں ساتھیوں کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے ۔جنات نے قرآن سنا تو متوجہ ہو کر سننے لگے اور بولے بخدا یہی تمہارے اور آسمانی خبروں کے درمیان رکاوٹ پیدا ہوئی ہے چنانچہ واپس جا کر اپنی قوم سے انہوں نے کہا ،قوم والو ہم نے عجیب قرآن سنا ۔الخ

جنات کو باقاعدہ دعوت:

ایک گروہ (علماء) کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ جنات کو اسلام کی دعوت دیں اور اللہ کے عذاب سے ڈرائیں اور ان کو قرآن سنائیں چنانچہ نینوا سے جنات کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجی گئی جب وہ جمع ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں سے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آج رات کو جنات کو قرآن سناؤں تم میں سے کون میرے ساتھ چلے گا سب نے سن کر سر جھکا لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ساتھ لیجانے کی خواہش کی تو عبداللہ بن مسعود ساتھ ہو لیے ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان:

حضرت عبداللہ کا بیان ہے کہ میرے سوا کوئی ساتھ نہیں گیا ہم چل دیئے بالائے مکہ میں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھاٹی میں داخل ہو گئے جس کا نام شعب الحجون تھا اور میرے گرداگرد ایک لکیر (حصار) کھینچ کر حکم دیا کہ اس کے اندر بیٹھے رہنا جب تک میں نہ بلاؤں باہر نہ نکلنا یہ حکم دے کر چل دیے اور کھڑے ہو کر قرآن پڑھنا شروع کر دیا میں نے دیکھا کہ گدھوں کی طرح کچھ (جانور) تیزی کے ساتھ اترتے آرہے ہیں اسی کے ساتھ مجھے سخت شور و غل بھی سنائی دیا مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فکر ہوئی پھر کثرت پر چھائیاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس چھا گئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میری آڑ ہو گئی آپ کی آواز بھی مجھے سنائی نہ دیتی تھی کچھ دیر بعد بادل کے ٹکڑوں کی طرح ٹکڑیاں بنا کر جانا شروع ہو گئے اور فجر

کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہو کر میرے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا کیا تم سو گئے میں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم (میں نہیں سویا) کئی بار میرا ارادہ ہوا کہ لوگوں کو مدد کے لیے پکاروں مگر لاٹھی کھٹکھٹا کر میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا بیٹھ جاؤ (تو مجھے کچھ اطمینان ہوا) فرمایا اگر تم حصار سے باہر نکل آتے تو ڈر تھا کہ ان میں سے کوئی تم پر جھپٹا مار دیتا۔

پھر فرمایا تم نے کچھ دیکھا میں نے عرض کیا جی ہاں کچھ کالے رنگ کے آدمی سفید پوش دیکھے تھے فرمایا کہ وہ نصیبین کے جنات تھے مجھ سے کھانے کی چیزیں مانگ رہے تھے میں نے انکے لیے موٹی ہڈیاں اور گوبر اور مینگنیاں مقرر کر دیں انہوں نے کہا کہ ان کو تو آدمی گندہ کر دیتے ہیں چنانچہ حضور نے ہڈی اور گوبر سے استنجا کرنے کی ممانعت فرما دی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکو اس سے کیا ملے گا فرمایا کھانے کے وقت ان کو ہر ہڈی پر گوشت اور ہر گوبر میں وہ دانے ملیں گےجن کو کھا کر گوبر بنتا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے سخت شور گل سنائی دیا فرمایا ایک جن کو قتل کر دیا گیا تھا اس کے قتل کے سلسلہ میں ان کے باہم جھگڑا تھا ایک دوسرے کو قاتل قرار دے رہا تھا انہوں نے مجھ سے فیصلہ کی اپیل کی میں نے انکا صحیح فیصلہ کر دیا اس کے بعد قضاء حاجت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور کچھ دیر بعد آ کر فرمایا کہ کیا تمہارے ساتھ پانی ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ لوٹا تو ہے لیکن اس میں کچھ آب کھجور ہے حضور نے اس کو طلب فرما لیا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر آب کھجور ڈالا آپ نے وضو کیا اور فرمایا کھجوریں پاکیزہ اور پانی بالکل پاک۔ (تفسیر مظہری)

جنات کی حقیقت:

جنات مخلوقات الٰہیہ میں ایک ایسی مخلوق کا نام ہے جو ذی اجسام بھی ہے اور ذی روح بھی۔ اور انسان کی طرح عقل و شعور والے بھی مگر لوگوں کی نظروں سے مخفی ہیں اس لیے ان کا نام جن رکھا گیا جن کے لفظی معنی مخفی کے ہیں ان کی تخلیق غالب مادہ آگ ہے جیسے انسان کی تخلیق کا غالب مادہ مٹی ہے اس نوع میں بھی انسان کی طرح نر و مادہ یعنی مرد و عورت ہے اور انسان ہی کی طرح ان میں توالد و تناسل کا سلسلہ بھی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ قرآن میں جن کو شیاطین کہا گیا ہے وہ بھی جنات ہی میں سے شریر لوگوں کا نام ہے جنات اور فرشتوں کا وجود قرآن و سنت کی قطعی دلالت سے ثابت ہے جس کا انکار کفر ہے۔ (تفسیر مظہری)

صحیح بخاری، مسلم اور ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ (اس واقعہ میں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو قرآن بالقصد سنایا نہیں بلکہ انکو دیکھا بھی نہیں بلکہ واقعہ یہ پیش آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بازار عکاظ کی طرف جا رہے تھے ان کا جو وفد تہامہ حجاز کی طرف بھی جاتا تھا وہ مقام نخلہ پر پہنچے تو وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیساتھ صبح کی نماز جماعت سے ادا کر رہے تھے۔

جنات کے اس وفد نے جب قرآن سنا تو قسمیں کھا کر آپس میں کہنے لگے واللہ یہی کلام ہے جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل اور مانع بنا ہے یہ لوگ یہاں سے لوٹے اور جا کر اپنی قوم سے یہ قصہ بیان کیا جس کا ذکر ان آیات میں ہے اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا الآیۃ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کی خبر اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آیات میں دے دی۔

سفر طائف:

محمد بن اسحٰق کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف پہنچے تو قبیلہ ثقیف کے تین بھائیوں کے پاس گئے جو قبیلہ کے سردار اور شریف سمجھے جاتے تھے، یہ تین بھائی عمیر کے بیٹے عبد یالیل اور مسعود اور حبیب تھے، ان کے گھر میں ایک عورت قریش کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور اپنی قوم کے مظالم کا ذکر کر کے ان سے معاونت کیلئے فرمایا۔ مگر ان تینوں نے بڑا سخت جواب دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور کچھ کلام نہیں کیا۔

سرداروں کو دعوت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ قبیلہ بنو ثقیف کے یہی تین آدمی ایسے شریف سمجھے جاتے تھے جن سے کسی معقول جواب کی امید تھی ان سے بھی مایوسی ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اچھا اگر آپ لوگ میری مدد نہیں کرتے تو کم از کم میرے آنے کو میری قوم پر ظاہر نہ کرنا مقصد یہ تھا کہ انکو خبر ملے گی اور وہ زیادہ ستاویں گے۔

ردعمل: مگر ان ظالموں نے یہ بات نہ مانی بلکہ اپنے قبیلہ کے بیوقوف لوگوں کو اور غلاموں کو آپ کے پیچھے لگا دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور شور مچائیں ان کے شور و شغب سے بہت سے اور شریر جمع ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے شر سے بچنے کے لیے ایک باغ میں جو عتبہ اور شیبہ دو بھائیوں کا باغ تھا پناہ لی اور یہ دونوں بھی اس باغ میں موجود تھے اس وقت یہ شریر لوگ آپ کو چھوڑ کر واپس ہوئے اور آپ انگوروں کے باغ کے سائے میں بیٹھ گئے یہ دونوں بھائی آپ کو دیکھ رہے تھے اور یہ بھی دیکھا کہ انکی قوم کے بیوقوفوں کے ہاتھوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا تکلیف اور اذیت پیش آئی اسی درمیان وہ قریشی عورت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی جو ان ظالموں کے گھر میں تھی آپ نے اس سے شکایت کی تمہاری سسرال کے لوگوں نے ہمارے ساتھ کیا معاملہ کیا۔

دعاء نبوی:

جب اس باغ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان حاصل ہوا تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں دعا مانگنی شروع کی اس دعا کے الفاظ بھی عجیب وغریب ہیں اور کسی موقع پر آپ سے ایسے الفاظِ دعا منقول نہیں ہیں وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْكُوْٓا اِلَیْکَ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَهَوَانِیْ عَلَى النَّاسِ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ وَاَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ فَاَنْتَ رَبِّیْ اِلٰی مَنْ تَكِلُنِیْ اِلٰی بَعِیْدٍ یَّتَجَهَّمُنِیْ اَوْاِلٰی عَدُوٍّ مَّلَّکْتَهٗ اَمْرِیْ اِنْ لَّمْ تَكُنْ سَاخِطًا عَلَیَّ فَلَا اُبَالِیْ وَلٰكِنَّ عَافِیَتَکَ هِیَ اَوْسَعُ لِیْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَیْهِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ مِنْ اَنْ تُنْزِلَ لِیْ غَضَبَکَ لَکَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِکَ۔ (مظہری باختصار) (معارف مفتی اعظم)

ترجمہ: یااللہ میں آپ سے شکایت کرتا ہوں اپنی قوت اور ضعف کی اور کمی کی اور اپنی تدبیر کی ناکامی کی اور لوگوں کی نظروں میں اپنی خفت و بے توقیری کی اور آپ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔ اور آپ کمزوروں کی پرورش فرمانے والے ہیں۔ آپ ہی میرے رب ہیں آپ مجھے کس کے سپرد کرتے ہیں کیا ایک غیر آدمی کے جو مجھ پر حملہ کرے یا کسی دشمن کے جس کو آپ نے میرے معاملے کا مالک بنادیا ہے کہ جو چاہے کرے اگر آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں تو مجھے ان سب چیزوں کی بھی پرواہ نہیں لیکن آپ کی عافیت میرے لیے زیادہ بہتر ہے (اس کو طلب کرتا ہوں) میں آپکی ذات مبارک کے نور کی پناہ لیتا ہوں جس سے تمام اندھیریاں روشن ہوجاتی ہیں اور اس کی بنا پر دنیا وآخرت کے سب کام درست ہوجاتے ہیں اس بات سے کہ مجھ پر اپنا غضب نازل فرمائیں ہمارا کام ہی یہ ہے کہ آپ کو راضی کرنے اور منانے میں لگے رہیں جب تک کہ آپ راضی نہ ہوجائیں اور ہم تو کسی برائی سے بچ سکتے نہ کسی بھلائی کو حاصل کرسکتے ہیں بجز آپ کی مدد کے۔

عداس غلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پاؤں چوم لئے:

جب ربعیہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ نے یہ حال دیکھا تو ان کے دل میں رحم آیا اور اپنے ایک نصرانی غلام عداس نامی کو بلا کر کہا کہ انگور کا ایک خوشہ لو اور ایک طبق میں رکھ کر اس شخص کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہو یہ کھائیں عداس نے ایسا ہی کیا اس نے جا کر انگور کا یہ طبق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا عداس یہ دیکھ کر کہنے لگا یہ کلام یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تو اس شہر کے لوگ نہیں بولتے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا عداس تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا کیا مذہب ہے اس نے کہا میں نصرانی ہوں اور نینوا کا رہنے والا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ کے نیک بندے یونس بن متی علیہ السلام کی بستی کے رہنے والے ہو اس نے کہا کہ آپ کو یونس بن متی کی کیا خبر رسول اللہ نے فرمایا کہ وہ میرے بھائی ہیں کیونکہ وہ بھی اللہ کے نبی تھے میں بھی اللہ کا نبی ہوں۔

یہ سن کر عداس آپ کے قدموں پر گر پڑا اور آپ کے سر مبارک اور ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا عتبہ اور شیبہ یہ ماجرا دیکھ رہے تھے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس نے تو ہمارے غلام کو خراب کردیا جب عداس لوٹ کر ان کے پاس گیا تو انہوں نے کہا عداس تجھے کیا ہوا کہ اس شخص کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینے لگا اس نے کہا میرے سردارو! اس وقت زمین پر ان سے بہتر کوئی آدمی نہیں اس نے مجھے ایک ایسی بات بتلائی جو نبی کے سوا کوئی نہیں بتلاسکتا انہوں نے کہا کمبخت ایسا نہ ہو کہ یہ آدمی تجھے تیرے مذہب سے پھیر دے کیونکہ تیرا دین بہرحال اس کے دین سے بہتر ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے مکہ مکرمہ کی طرف لوٹ گئے جب ثقیف کی ہر خیر سے مایوس ہوگئے۔ واپسی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام نخلہ پر قیام فرمایا اور آخر شب میں نماز تہجد پڑھنے لگے تو ملک یمن نصیبین کے جنات کا یہ وفد بھی وہاں پہنچا ہوا تھا اس نے قرآن سنا اور سن کر ایمان لے آئے اور اپنی قوم کی طرف واپس جا کر واقعہ بتلایا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے آیات مذکورہ میں نازل فرمایا۔ (مظہری)

ایک صحابی جن کا واقعہ:

ابن جوزی نے کتاب الصفہ میں اپنی سند کے ساتھ حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ انہوں نے ایک مقام پر ایک بوڑھے جن کو دیکھا کہ بیت اللہ کی طرف نماز پڑھ رہا ہے اور اون کا جبہ پہنے ہوئے تھا جس پر بڑی رونق معلوم ہوتی تھی نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے سلام کا جواب دے کر بتلایا کہ تم اس جبہ کی رونق سے تعجب کررہے ہو یہ جبہ سات سو سال سے میرے بدن پر ہے اسی جبہ میں میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی پھر اسی جبہ میں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور میں ان جنات میں سے ہوں جن کے بارہ میں سورہ جن نازل ہوئی ہے۔ (مظہری، معارف مفتی اعظم)

فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾

پھر کہنے لگے ہم نے سنا ہے ایک قرآن عجیب

یَّهْدِیْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ

کہ سمجھاتا ہے نیک راہ سو ہم اس پر یقین لائے

وَلَنْ نُّشْرِکَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾

اور ہرگز نہ شریک بتلائیں گے ہم اپنے رب کا کسی کو ☆

جنوں کا ایمان لانا:

سورہ ''احقاف'' میں گزر چکا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں قرآن پڑھ رہے تھے کہ کئی جن ادھر کو گزرے اور قرآن کی آواز پر فریفتہ ہو کر سچے دل سے ایمان لے آئے۔ پھر اپنی قوم سے جا کر سب ماجرا بیان کیا کہ ہم نے ایک کلام سنا ہے جو (اپنی فصاحت و بلاغت' حسن اسلوب' قوت تاثیر' شیریں بیانی' طرز موعظت اور علوم ومضامین کے اعتبار سے) عجیب و غریب ہے معرفت ربانی اور رشد وفلاح کی طرف رہبری کرتا ہے اور طالب خیر کا ہاتھ پکڑ کر نیکی اور تقویٰ کی منزل پر پہنچا دیتا ہے اس لئے ہم سنتے ہی بلا توقف اس پر یقین لائے اور ہم کو کچھ شک وشبہ باقی نہیں رہا کہ ایسا کلام اللہ کے سوا کسی کا نہیں ہوسکتا اب ہم اس کی تعلیم وہدایت کے موافق عہد کرتے ہیں کہ آئندہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ ان کے اس تمام بیان کی آخر تک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر وحی فرمائی اس کے بعد بہت مرتبہ جن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر ملے ایمان لائے اور قرآن سیکھا۔ (تفسیر عثمانی)

فقالوا یعنی جنات کی جماعت جب لوٹ کر اپنی قوم کے پاس گئی تو اس نے کہا اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۔ کہ ہم نے نرالا قرآن سنا جو مخلوق کلام سے بالکل الگ ہے عجب مصدر ہے کہ قرآن عجیب ہے عجیب نہیں اس کو عجب کہنے سے یہ مراد ہے کہ قرآن بالکل نرالا ہے۔

جنوں والی رات:

مسلم نے علی بن محمد باسناد اسمٰعیل بن ابراہیم بحوالہ داؤد عامر کا قول نقل کیا ہے عامر نے کہا کہ میں نے علقمہؒ سے دریافت کیا کہ لیلۃ الجن میں کیا حضرت ابن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھے علقمہ نے کہا میں نے حضرت ابن مسعودؓ سے پوچھا تھا کہ کیا آپ حضرات میں سے کوئی لیلۃ الجن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا ابن مسعود نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غائب ہوگئے کہ ہم نے وادیوں کے اندر گھاٹیوں میں جستجو کی مگر کہیں نہیں ملے ہم نے کہا کہ کیا کوئی اڑا کر لے گیا کسی نے ناگہاں شہید کر دیا غرض وہ رات سب کے لیے بدترین رات گزری (آخر میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے) تو فرمایا جنات کی طرف سے بلانے والا آیا تھا میں اس کے ساتھ گیا تھا اور جا کر ان کو قرآن سنایا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ساتھ لے گئے اور جنات کے پس ماندہ نشانات اور انکی آگ کی علامات دکھائیں۔

جنوں کی خوراک:

شعبی کا قول ہے کہ وہ جنات جزیرہ کے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے کھانے کی چیز کے متعلق سوال کیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا جس ہڈی پر بسم اللہ پڑھ لی گئی ہو اور تمہارے ہاتھ پڑ جائے یا اس کو کچھ گوشت لگا ہو یا چوپایوں کے چارہ کھانے کے بعد ان کی مینگنیاں ہوں (یعنی لید نہ ہو) وہ تمہارے لیے خوراک ہے اسی لیے سرکار نے ارشاد فرمایا تھا کہ ان دونوں چیزوں سے استنجا نہ کیا کرو یہ تمہارے بھائی جنات کی خوراک ہے۔

ستر جنوں کی جماعت:

روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے جاٹ قوم کے کچھ لوگوں کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ لیلۃ الجن والے جنات سے بہت زیادہ مشابہ ہیں میں کہتا ہوں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بازار عکاظ کے ارادے سے جا رہے تھے اور طائف سے واپس ہوئے اس وقت پہلی مرتبہ جنات نے قرآن سنا تھا اور آیت قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ میں اللہ نے ایسی واقعہ کو بیان فرمایا ہے رہا لیلۃ الجن کا واقعہ جو حضرت مسعود نے بیان کیا ہے وہ اس کے بعد کا ہے۔

بغویؒ نے سورہ احقاف کی تفسیر میں حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کر کے بیان کیا کہ فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ سے یہ مراد ہے کہ نخلہ میں جب جنات قرآن سن کر اپنی قوم کے پاس گئے اور ان کو تبلیغ کی تو ستر جنات کی ایک جماعت تبلیغی دعوت پر لبیک کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بطحاء میں آکر حضور سے ملی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا اور امر ونہی فرمایا۔

چھ بار جنوں کا آنا: خفاجی نے ذکر کیا ہے کہ جنات کی آمد چھ بار ہوئی تھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جن وانس سب کے لیے تھی مقاتل کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جن وانس (دونوں کے لیے) نہیں ہوئی واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا

اور یہ کہ اُونچی ہے شان ہمارے رب کی

اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ ③

نہیں رکھی اُس نے بی بی نہ بیٹا ☆

عقیدۂ تثلیث کی تردید:

یعنی جو بیٹا رکھنا اس کی عظمت شان کے منفی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ''جو گمراہیاں آدمیوں میں پھیلی ہوئی تھیں وہ جنوں میں بھی تھیں (عیسائیوں کی طرح) اللہ کے جورو بیٹا بتاتے تھے۔'' (تفسیر عثمانی)

وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوۡلُ سَفِيۡهُنَا

اور یہ کہ ہم میں کا بیوقوف

عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ﴿٤﴾

اللہ پر بڑھا کر باتیں کہا کرتا تھا ☆

حقیقت کا انکشاف:

یعنی ہم میں جو بیوقوف ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نسبت ایسی لغو باتیں اپنی طرف سے بڑھا کر کہتے تھے اور اُن میں سب سے بڑا بیوقوف ابلیس ہے شاید خاص وہی اس جگہ لفظ "سفیہ" سے مُراد ہو۔ (تفسیر عثمانی)

مراد یہ ہے کہ ایمان لانے والے جنات نے اب تک شرک وکفر میں مبتلا رہنے کا عذر یہ بیان کیا کہ ہماری قوم کے بے وقوف لوگ اللہ تعالیٰ کی شان میں بے سروپا باتیں کہا کرتے اور ہمیں یہ گمان نہ تھا کہ کوئی انسان یا جن اللہ کی طرف جھوٹی بات کی نسبت کرسکتا ہے اس لیے ان بیوقوفوں کی بات میں آ کر آج تک ہم کفروشرک میں مبتلا تھے اب قرآن سنا تو حقیقت کھلی۔ (معارف مفتی اعظم)

وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ

اور یہ کہ ہم کو خیال تھا کہ ہرگز نہ بولیں گے آدمی

وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿٥﴾

اور جن اللہ پر جھوٹ ☆

یعنی ہم کو خیال یہ تھا کہ اس قدر کثیر التعداد جن اور آدمی مل کر جن میں بڑے بڑے عاقل اور دانا بھی ہیں اللہ تعالیٰ کی نسبت جھوٹی بات کہنے کی جرات نہ کرینگے یہی خیال کرکے ہم بھی بہک گئے۔ اب قرآن سن کر قلعی کھلی اور اپنے پیشرووں کی اندھی تقلید سے نجات ملی۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ہم پہلے خیال کرتے تھے کہ انسان اور جن اللہ پر دروغ بندی نہیں کررہے ہیں (اور واقعی خدا کی بیوی بھی ہے اور اولاد بھی) حقیقت میں یہ بعض نادانوں کی پیروی کرنے کی ایک معذرت ہے کہ اس وقت ہمارا خیال ہی یہ تھا کہ یہ لوگ خدا کے متعلق غلط بات نہیں کہہ رہے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ

اور یہ کہ تھے کتنے مرد آدمیوں میں کے

يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ

پناہ پکڑتے تھے کتنے مردوں کی جنوں میں کے

فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ﴿٦﴾

پھر تو وہ اور زیادہ سر چڑھنے لگے ☆

اہل عرب کی جہالت:

عرب میں جہالت بہت پھیلی ہوئی تھی۔ جنوں سے غیب کی خبریں پوچھتے، ان کے نام کی نذر و نیاز کرتے، چڑھاوے چڑھاتے اور جب کسی کا قافلہ کا گزر یا پڑاؤ کسی خوفناک وادی میں ہوتا تو کہتے کہ اس حلقہ کے جنوں کا جو سردار ہے ہم اس کی پناہ میں آتے ہیں تاکہ وہ اپنے ماتحت جنوں سے ہماری حفاظت کریں۔ ان باتوں سے جن اور زیادہ مغرور ہوگئے اور سرچڑھنے لگے۔ دوسری طرف اس طرح کی شرکیات سے آدمیوں کے عصیان اور طغیان میں بھی اضافہ ہوا جب انہوں نے خود اپنے اوپر جنوں کو مسلط کرلیا تو وہ ان کے اغوا میں کیا کمی کرتے۔ آخر قرآن نے آکر ان خرابیوں کی جڑ کاٹی۔ (تفسیر عثمانی)

ابن منذر، ابن ابی حاتم اور ابن ابی الشیخ نے کروم بن السائب انصاری کا قول نقل کیا ہے۔ کروم نے کہا کہ میں اپنے باپ کے ساتھ کسی کام سے مدینہ کو جانے کے لئے نکلا (وادی میں پہنچ کر رات ہوگئی اور) رات گزارنے کے لئے بکریوں کے ایک چرواہے کے پاس ٹھہرنا پڑا آدھی رات ہوئی تو ایک بھیڑیا بکری کے بچے کو اٹھا کر لے گیا چرواہا دوڑا اور پکارا اے وادی کے مالک یہ تیری پناہ میں تھا فوراً کسی منادی نے جو ہم کو نظر نہ آتا تھا پکارا بھیڑیے اس کو چھوڑ دے بکری کا بچہ فوراً دوڑتا ہوا آ گیا اور بکریوں میں داخل ہوگیا کہیں اس کے خراش بھی نہیں لگی تھی۔ یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب شروع شروع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سننے میں آیا تھا۔ اس پر اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ الخ نازل فرمائی۔

فلاح کا صحیح راستہ:

ابن سعد رضی اللہ عنہ نے بروایت ابو رجاء عطاردی بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانہ میں میں اپنے گھر والوں کی بکریاں چراتا اور ان کے ضروری کام پورے کرتا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوگئی تو ہم بھاگ کر (اپنے قبیلے سے) نکلے اور ایک بیابان پر پہنچ کر ہم کو شام ہوگئی ہمارے قبیلے کے شیخ کا طریقہ یہ تھا کہ اگر (سفر میں) کہیں اسطرح شام ہو جاتی (اور جنگل میں رات بسر کرنی پڑتی) تو وہ کہتا تھا کہ ہم آج اس جنگل کے سردار جن کی پناہ پکڑتے ہیں۔ چنانچہ حسب معمول یہی الفاظ اس نے کہے۔ (غیب سے) جواب دیا گیا اس پناہ کا راستہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کا اقرار ہے۔ (اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں) چنانچہ ہم واپس آکر اسلام میں داخل ہوگئے۔ ابو رجاء نے کہا میرے خیال میں آیت وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ میرے ہی ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی۔

رافع بن عمیر کا مسلمان ہونا:

جزاء سفی نے کتاب ہواتف الجن میں اپنی سند سے سعید بن جبیر کا قول

نقل کیا ہے۔ کہ قبیلہ تمیم کا ایک شخص تھا جس کا نام تھا رافع بن عمیر تھا اس نے اپنے آغاز اسلام کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ ایک رات میں مالج کے ریگستان میں جا رہا تھا جب نیند سے بے قابو ہو گیا۔ تو اونٹنی کو ٹھہرا کر اتر کر ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ اور سو گیا۔ لیکن سونے سے پہلے میں نے کہا کہ اس وادی کے جن سردار کی میں پناہ پکڑتا ہوں۔ خواب میں میں نے دیکھا کہ ایک آدمی کے ہاتھ میں چھوٹا نیزہ ہے اور وہ میری اونٹنی کے گلے میں بھالا مارنا چاہتا ہے۔ میں گھبرا کر بیدار ہوا ادھر ادھر دیکھا کچھ نظر نہیں آیا۔ خیال کیا یہ بیہودہ خواب ہے۔ دوبارہ پھر غافل ہو کر سو گیا۔

پھر بھی ایسا ہی خواب دیکھا اور بیدار ہو کر اونٹنی کے چاروں طرف گھوم کر دیکھا لیکن کوئی دکھائی نہ دیا البتہ اونٹنی لرز رہی تھی پھر سو گیا اور ویسا ہی خواب دیکھا بیدار ہوا تو اونٹنی کو بے قرار پایا ادھر ادھر دیکھا تو خواب والے آدمی کی طرح ایک جوان ہاتھ میں چھوٹا نیزہ لئے نظر آیا اور ایک بوڑھا آدمی جوان کا ہاتھ پکڑے اس کو اونٹنی سے روک رہا تھا وہ دونوں اسی کشاکش میں تھے کہ تین نیل گائے نرنمودار ہوئے بوڑھے نے جوان سے کہا کہ اٹھ اور اس پناہ گیر آدمی کی اونٹنی کے عوض ان میں سے جس کو چاہے پکڑ لے وہ جوان اٹھا اور ایک بڑے نیل گائے کو پکڑ لیا اور واپس چلا گیا۔ میں نے بوڑھے کی طرف رخ کیا تو اس نے کہا کہ اے شخص جب تو کسی وادی میں فروکش ہو اور وہاں تجھے کسی دہشت کا خطرہ ہو تو یوں کہا کر کہ میں اس اللہ کی جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ہے اس وادی کے خطرہ سے پناہ مانگتا ہوں۔ کسی جن کی پناہ نہ مانگنا ان کا کام اب تباہ ہو گیا میں نے پوچھا یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں بوڑھے نے کہا کہ عرب کے رہنے والے ایک نبی ہیں نہ مشرقی ہیں نہ مغربی دو شنبہ کے دن ان کی بعثت ہوئی ہے میں نے پوچھا ان کا مقام سکونت کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ نخلستان والا یثرب جب صبح چمکی تو میں اونٹنی پر سوار ہو کر تیز تیز چل کر مدینہ پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھتے ہی بغیر میرا ذکر کئے میری سرگزشت بیان فرما دی اور مجھے اسلام کی دعوت دی میں مسلمان ہو گیا۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم خیال کرتے تھے کہ یہ وہی شخص تھا جس کے متعلق آیت وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

بت کے پیٹ سے آواز:

صحیح بخاری میں ہے کہ عمر بن الخطاب بیان کرتے ہیں کہ میں جاہلیت کے زمانہ میں اپنے بتوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے آکر ایک بت پر گائے ذبح کی تو اس بت کے پیٹ میں سے آواز آئی۔ جو بہت سے لوگوں نے سنی۔ یَا جَلِیحُ امر نجیحُ رَجل یصیح یقولُ لا الٰہ الا اللّٰہ یعنی اے مردقوی ایک بات بڑی ہی کامیابی کی ظاہر ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ ایک شخص باآواز بلند کہہ رہا ہے لا الٰہ الا اللہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ یہ آواز سن کر بھاگ گئے۔ میں اسی جگہ بیٹھا رہا کہ معلوم کروں یہ آواز کیا ہے۔ دوبارہ پھر یہی آواز بلند ہوئی پھر میں نے توقف کیا حتیٰ کہ تیسری مرتبہ بھی یہی آواز بلند ہوئی میں انتہائی حیران ہوا اسی حال میں تھا کہ لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہاں ایک پیغمبر ظاہر ہوئے ہیں جو لوگوں کو لا الٰہ الا اللہ کی دعوت دیتے ہیں۔

جنوں میں اضطراب:

اسی طرح بیہقی نے سواد بن قارب سے نقل کیا ہے۔ بیان کیا کہ ایام جاہلیت میں ایک جن میرا دوست تھا مجھے آگے کچھ آنے والی باتیں بتایا کرتا تھا۔ میں لوگوں کو بتاتا اور اس کے ذریعے خوب حلوہ مانڈہ حاصل کرتا۔ ایک رات اس نے میرے خواب میں آکر کہا اٹھ اور ہوشیار ہو جا۔ اگر کچھ شعور ہے۔ ایک پیغمبر لوئی بن غالب کی نسل سے پیدا ہو گئے ہیں۔ اور پھر کچھ اشعار پڑھے جن کا حاصل یہ تھا کہ اب جنوں میں بڑا ہی اضطراب برپا ہو چکا ہے۔ اور انہوں نے اپنے اپنے اڈوں سے واپس ہونے کے لئے اپنے اونٹوں پر کجاوے کسنے شروع کر دیئے ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ
اور یہ کہ اُن کو بھی خیال تھا جیسا تم کو خیال
لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ﴿۷﴾
تھا کہ ہرگز نہ اٹھائیگا اللہ کسی کو ☆

موت کے بعد دوبارہ اٹھنا:

مسلمان جن یہ سب گفتگو اپنی قوم سے کر رہے ہیں یعنی جیسا تمہارا خیال ہے بہت آدمیوں کا بھی یہی خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو ہرگز قبروں سے نہ اٹھائیگا۔ یا آئندہ کوئی پیغمبر معبوث نہ کریگا۔ جو رسول پہلے ہو چکے سو ہو چکے۔ اب قرآن سے معلوم ہوا کہ اس نے ایک عظیم الشان رسول بھیجا ہے جو لوگوں کو بتلاتا ہے کہ تم سب موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جاؤ گے اور رتی رتی کا حساب دینا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ کہ پہلے عقیدہ آدمیوں کا بھی خراب تھا اور وہ بھی قیامت اور حشر کے قائل نہ تھے۔ لیکن نزول قرآن کے بعد وہ غیب پر ایمان لے آئے۔ لہٰذا تم بھی آدمیوں کی طرح حشر نشر پر ایمان لے آؤ۔ لیکن اگر اَنَّهُمْ بفتح ہمزہ پڑھا جائے تو حاصل مطلب یہ ہوگا کہ اے قریش مکہ! تمہارے خیال کی طرح جنات کا بھی خیال تھا کہ حشر نشر نہیں ہوگا لیکن جب قرآن نازل ہوا اور جنات نے اس کو سنا تو قیامت کے قائل ہو گئے لہٰذا تم بھی قیامت پر ایمان لے آؤ۔ جس طرح وہ ایمان لے آئے۔ (تفسیر مظہری)

وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ

اور یہ کہ ہم نے ٹٹول دیکھا آسمان کو پھر پایا اس کو بھر رہے ہیں

حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا ﴿۸﴾

اُس میں چوکیدار سخت اور انگارے

وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ

اور یہ کہ ہم بیٹھا کرتے تھے ٹھکانوں میں سننے کے واسطے

فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ﴿۹﴾

پھر جو کوئی اب سننا چاہے وہ پائے اپنے واسطے ایک انگارا گھات میں ☆

آسمان پر پہرے:

یعنی ہم اڑ کر آسمان کے قریب تک پہنچے تو دیکھا کہ آج کل بہت سخت جنگی پہرے لگے ہوئے ہیں جو کسی شیطان کو غیب کی خبر سننے نہیں دیتے اور جو شیطان ایسا ارادہ کرتا ہے اس پر انگارے برستے ہیں اس سے پیشتر اتنی سختی اور روک ٹوک نہ تھی جن اور شیاطین آسمان کے قریب گھات میں بیٹھ کر ادھر کی کچھ خبر سن آیا کرتے تھے۔ مگر اب اس قدر سخت ناکہ بندی اور انتظام ہے کہ جو سننے کا ارادہ کرے فوراً شہاب ثاقب کے آتشیں گولے سے اس کا تعاقب کیا جاتا ہے اس کی بحث سورہ "حجر" وغیرہ میں گزر چکی وہاں دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ہم نے سماء کو چھونا چاہا۔ بظاہر السماء سے مراد ابر ہے کیونکہ ہر بالائی چیز کو سماء کہہ دیا جاتا ہے اس تاویل پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث دلالت کرتی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ملائکہ عنان یعنی بادل میں اترتے ہیں۔ اور کسی ایسے امر کا تذکرہ کرتے ہیں جس کا فیصلہ آسمان پر ہو چکا ہے شیطان چوری سے اس کو سن لیتے ہیں اور کاہنوں کے پاس پہنچ کر ان کو بتا دیتے ہیں کاہن اس ایک بات میں اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ (بخاری)

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ السَّمَآء سے حقیقی آسمان مراد ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب آسمان پر اللہ کسی بات کا حکم دیتا ہے تو عجز و انقیاد کے طور پر فرشتے اپنے پر پھڑ پھڑاتے ہیں (اور ایک گنگناہٹ پیدا ہوتی ہے) جیسے کسی پتھر کی چٹان پر زنجیر لگنے سے پیدا ہوتی ہے۔ جب کلام ختم ہو جاتا ہے تو فرشتے باہم پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا دوسرے جواب دیتے ہیں جو کچھ فرمایا حق ہے۔ اللہ بزرگ و برتر ہے اس بات کو چوری سے سننے والے سن لیتے ہیں اور یکے بعد دیگرے ہر اوپر والا نیچے والے کو پہنچا دیتا ہے یہاں تک کہ سب سے آخر والا کاہن یا ساحر کی زبان پر اس بات کو ڈال دیتا ہے اور وہ اس کے ساتھ جھوٹ ملا دیتا ہے کبھی نیچے والے (شیطان) تک اس قول کو پہنچانے سے پہلے انگارا بالائی شیطان کو آ پکڑتا ہے (اور اس طرح راز محفوظ رہتا ہے)۔ (بخاری)

ان دونوں حدیثوں میں بلکہ ان کے ہم معانی جو دوسری حدیثیں آئی ہیں کسی میں بھی یہ نہیں آیا کہ آسمان دنیا سے شیطان چرالاتے ہیں بلکہ شاید یہ معنی ہیں کہ آسمان دنیا تک وہ بات پہنچتی ہے پھر دنیوی آسمان والے (ملائکہ) بادل تک اترتے ہیں اور اس بات کا تذکرہ کرتے ہیں یہاں جنات اس کو جھپٹ لیتے ہیں ابر سے نیچے شیاطین مسلسل قطار در قطار ہوتے ہیں اور اوپر والا نیچے والے سے وہ بات کہہ دیتا ہے اور ایسے وقت میں کوئی ٹوٹنے والا تارا اس پر انگاروں کی طرح پڑتا ہے واللہ اعلم (تفسیر مظہری)

بارگاہِ نبوی میں آنے کا سبب:

حضرت سدی فرماتے ہیں کہ شیاطین اس سے پہلے آسمانی بیٹھکوں میں بیٹھ کے فرشتوں کی آپس کی باتیں اڑالایا کرتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر بنائے گئے تو ایک رات ان شیاطین پر بڑی شعلہ باری ہوئی جسے دیکھ کر اہل طائف گھبرا گئے کہ شاید آسمان والے ہلاک ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کی تابڑ توڑ ستارے ٹوٹ رہے ہیں شعلے اٹھ رہے ہیں اور دور دور تک تیزی کے ساتھ جا رہے ہیں انہوں نے غلام آزاد کرنے اپنے جانوروں کو راہِ للہ چھوڑنا شروع کر دیا۔ آخر عبدیالیل بن عمرو بن عمیر نے ان سے کہا کہ "طائف والو! تم کیوں اپنے مال برباد کر رہے ہو؟ تم نجوم دیکھو اگر ستاروں کو اپنی جگہ پاؤ تو سمجھ لو کہ آسمان والے تباہ نہیں ہوئے بلکہ یہ صرف انتظامات ابن ابی کبشہ کے لئے ہو رہے ہیں (اور اگر تم دیکھو کہ فی الحقیقت ستارے اپنی مقررہ جگہ پر نہیں ہیں تو بے شک اہل آسمان والوں کو تم ہلاک شدہ مان لو)" انہوں نے نجوم دیکھا تو ستارے سب اپنی اپنی مقررہ جگہ پر موجود نظر آئے تب انہیں چین آیا شیاطین میں بھی بھاگ دوڑ مچ گئی۔ یہ ابلیس کے پاس آئے۔ واقعہ کہہ سنایا تو ابلیس نے کہا کہ میرے پاس ہر ہر علاقہ کی مٹی لاؤ تو مٹی لائی گئی۔ اس نے سونگھی اور سونگھ کر بتایا کہ اس کا باعث کہ مکہ میں ہے سات جنات نصیبین کے رہنے والے مکہ پہنچے۔ یہاں حضور علیہ السلام مسجد حرام میں نماز پڑھ رہے تھے اور قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے جسے سن کر ان کے دل نرم ہو گئے بہت ہی قریب ہو کر قرآن سنا پھر اس کے اثر سے مسلمان ہو گئے اور اپنی قوم کو بھی دعوت اسلام دی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صَعد جہنم کے ایک کنویں کا نام

ہے حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک جن ہمارے پاس آیا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ اس سے پوچھا کہ تمام کھانوں میں سے تمہیں کون سا کھانا پسند ہے؟ اس نے کہا چاول میں نے لا دیئے تو دیکھا کہ لقمہ برابر اٹھ رہا ہے لیکن کھانے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ میں نے پوچھا کہ جو خواہشات ہم میں ہیں کیا وہ تم میں بھی ہیں؟ اس نے کہا ہاں ہیں۔ میں نے پھر پوچھا کہ رافضی تم میں کیسے گنے جاتے ہیں؟ اس نے کہا کہ بدترین۔ حافظ ابوالحجاج مزیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

جن کے اشعار:

ابن عساکر میں ہے کہ حضرت عباس بن احمد دمشقیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے رات کے وقت ایک جن کو اشعار میں یہ کہتے سنا کہ ''دل خدا کی محبت سے پر ہوگئے ہیں یہاں تک کہ مشرق و مغرب میں اس کی جڑیں جم گئی ہیں اور وہ حیران و پریشان ادھر ادھر خدا کی محبت میں پھر رہے ہیں جو ان کا رب ہے انہوں نے اپنے تعلقات مخلوقات سے کاٹ کے خدا سے وابستہ کر لئے ہیں'' (تفسیر ابن کثیر)

وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ

اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ بُرا ارادہ ٹھہرا ہے

فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ

زمین کے رہنے والوں پر یا چاہا ہے اُن کے حق میں

رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿١٠﴾

ان کے رب نے راہ پر لانا ☆

جنوں کی حیرت:

یعنی یہ جدید انتظامات اور ناکہ بندیاں خدا جانے کس غرض سے عمل میں آئی ہیں۔ یہ تو ہم سمجھ چکے کہ قرآن کریم کا نزول اور پیغمبر عربی کی بعثت اس کا سبب ہوا لیکن نتیجہ کیا ہونے والا ہے؟ آیا زمین والے قرآن کو مان کر راہ پر آئینگے اور اللہ ان پر الطاف خصوصی مبذول فرمائے گا؟ یا یہی ارادہ ٹھہر چکا ہے کہ لوگ قرآنی ہدایت سے اعراض کرنے کی پاداش میں تباہ و برباد کیے جائیں؟ اس کا علم اسی علام الغیوب کو ہے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ

اور یہ کہ کوئی ہم میں نیک ہیں اور کوئی اس کے سوائے

ذٰلِكَ ۭ كُنَّا طَرَاۗىِٕقَ قِدَدًا ﴿١١﴾

ہم تھے کئی راہ پر پھٹے ہوئے ☆

جنوں کے مختلف فرقے:

یعنی نزول قرآن سے پہلے بھی سب جن ایک راہ پر نہ تھے کچھ نیک اور شائستہ تھے اور بہت سے بدکار و ناہنجار ان میں بھی فرقے اور جماعتیں ہونگی کوئی مشرک کوئی عیسائی کوئی یہودی وغیرذٰلک اور عملی طور پر ہر ایک کی راہ عمل جدا ہوگی۔ اب قرآن آیا جو اختلافات اور تفرقوں کو مٹانا چاہتا ہے۔ لیکن لوگ ایسے کہاں ہیں کہ سب کے سب حق کو قبول کر کے ایک راستہ پر چلنے لگیں لامحالہ اب بھی اختلاف رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ توحید و بعث پر ایمان ہماری طرف سے کوئی انوکھی بات نہیں۔ پہلے جنات بھی مختلف مسالک پر تھے کچھ صالح تھے کچھ غیر صالح اور گزشتہ زمانہ میں اگرچہ ہم خفیف العقل لوگوں کے پیچھے چلتے تھے اور حدود صداقت سے ہٹی ہوئی باتیں کہتے تھے۔ مگر جب قرآن سن لیا تو ہم کو معلوم ہوگیا کہ ہم خدا پر غالب نہیں آسکتے اب ہم نے ہدایت کی بات سن لی اور اس کو اسی طرح مان لیا جیسے ہمارے بعض اسلاف نے مان لیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

وجود جن کے بارہ میں فلاسفہ کا خیال:

اکثر فلاسفہ جنات کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ کائنات و موجودات کا دائرہ محسوسات تک ہی محدود ہے۔ جو چیزیں انسانی ادراکات سے خارج ہیں وہ ان کے وجود کا انکار کرتے ہیں اور یہ دعویٰ ہے کہ وہ چیزیں محض وہمی تخیلات ہیں۔

موجودہ زمانہ کا یورپ بھی اسی فلسفہ کا قائل ہے اور یورپ کے اس فلسفہ سے بہت سے مسلمان متاثر ہو کر ایسی آیات و روایات کی تاویل یا انکار کرنے لگتے ہیں جو دائرہ محسوسات سے ماوراء اور بالا ہیں۔

طبیعین کا ایک گروہ جو خدا کا بھی قائل نہیں وہ تمام کائنات اور اس میں واقع ہونے والے جملہ احوال کو کواکب و سیارات کی تاثیر حرکت کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ آریہ سماج اسی قسم کا اعتقاد رکھتا ہے۔ لیکن قدیم فلاسفہ و حکماء اس بات کے قائل ہوئے کہ غیر محسوسات کا بھی وجود ہے۔ اور عالم کی بہت سی اشیاء ایسی ہیں جو حواس کے ذریعہ محسوس و معلوم نہیں ہوتیں۔ اسی بناء پر قدیم فلاسفہ کا ایک گروہ وجود جن کا قائل تھا۔ اسی طرح مذاہب سماویہ سے تعلق رکھنے والے تمام حکماء بھی روحانیت کے قائل رہے۔ ارواح سفلیہ اور ارواح کی تقسیم ان کی کتابوں اور اقوال سے مفہوم ہوتی ہے۔ عیسائی یہودی بھی جنات کے وجود کے قائل رہے۔ ہر ایک زبان میں اس مخلوق جن کا کوئی نہ کوئی نام اور عنوان ملتا ہے موجودہ انجیلوں میں اس قسم کے مضامین ملتے ہیں کہ حضرت مسیح جنوں کو مریض سے نکالا کرتے تھے۔ (معارف کاندھلوی)

وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ

اور یہ کہ ہمارے خیال میں آ گیا کہ ہم چھپ نہ جائیں گے

فِي الْأَرْضِ وَلَن نُّعْجِزَهُ هَرَبًا ﴿۱۲﴾

اللہ سے زمین میں اور نہ تھکا دینگے اس کو بھاگ کر ☆

یعنی اگر ہم نے قرآن کو نہ مانا تو اللہ کی سزا سے بچ نہیں سکتے نہ زمین میں کسی جگہ چھپ کر نہ ادھر ادھر بھاگ کر یا ہوا میں اڑ کر۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَىٰ آمَنَّا بِهِ ۖ

اور یہ کہ جب ہم نے سن لی راہ کی بات تو ہم نے اُس کو مان لیا ☆

یعنی ہمارے لیے فخر کا موقع ہے کہ جنوں میں سب سے پہلے ہم نے قرآن سن کر بلاتوقف قبول کیا اور ایمان لانے میں ایک منٹ کی دیر نہیں کی۔ (تفسیر عثمانی)

فَمَن يُؤْمِن بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ

پھر جو کوئی یقین لائے گا اپنے رب پر سو وہ ڈرے گا

بَخْسًا وَلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾

نقصان سے اور نہ زبردستی سے ☆

سچا مؤمن:

یعنی سچے ایمان دار کو اللہ کے ہاں کوئی کھٹکا نہیں۔ نہ نقصان کا کہ اس کی کوئی نیکی اور محنت یونہی رائیگاں چلی جائے نہ زیادتی کا کہ زبردستی کسی دوسرے کے جرم اس کے سر تھوپ دیئے جائیں، غرض وہ نقصان تکلیف اور ذلت و رسوائی سب سے مامون و محفوظ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا رَهَقًا ذلت چھا جانا یعنی جو اپنے رب پر ایمان رکھے گا اس کو نہ ثواب میں کمی ہونے کا اندیشہ ہوگا نہ ذلت چھا جانے کا۔ یا یہ مطلب ہے کہ مومن اپنی طاعت کے نقص اور بے جا حرکات کے ارتکاب کی سزا سے بے خوف نہیں ہوتا قرآن پر ایمان رکھنے کا تقاضا ہے کہ اس کا اندیشہ لگا رہے۔ (تفسیر مظہری)

وَأَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُونَ وَمِنَّا الْقَاسِطُونَ ۖ

اور یہ کہ کچھ ہم میں حکم بردار ہیں اور کچھ ہیں بے انصاف

فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولَٰئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾

سو جو لوگ حکم میں آ گئے سو انہوں نے اٹکل کر لیا نیک راہ کو

وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾

اور جو بے انصاف ہیں وہ ہوئے دوزخ کے ایندھن ☆

جنوں کے دو گروہ:

یعنی نزول قرآن کے بعد ہم میں دو طرح کے لوگ ہیں ایک وہ جنہوں نے اللہ کا پیغام سن کر قبول کیا اور اس کے احکام کے سامنے گردن جھکا دی یہی ہیں جو تلاش حق میں کامیاب ہوئے۔ اور اپنی تحقیق و تفحص سے نیکی کے راستہ پر پہنچ گئے۔ دوسرا گروہ بے انصافوں کا ہے جو کجروی و بے انصافی کی راہ سے اپنے پروردگار کے احکام کو جھٹلاتا اور اس کی فرمانبرداری سے انحراف کرتا ہے۔ یہ وہ ہیں جن کو جہنم کا کندا اور دوزخ کا ایندھن کہنا چاہیے (تنبیہ) یہاں تک مسلمان جنوں کا کلام نقل فرمایا جو انہوں نے اپنی قوم سے کیا آگے حق تعالیٰ اپنی طرف سے چند نصیحت کی باتیں ارشاد فرماتے ہیں گویا " وَأَنْ لَوِ اسْتَقَامُوا " الخ کا عطف " أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ " پر ہوا۔ مترجم محققؒ نے ترجمہ میں اور یہ "حکم" آیا کہ الفاظ بڑھا کر بتلا دیا کہ یہاں سے اخیر تک " قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ " کے تحت میں داخل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جنوں کا عذاب اور ثواب:

کافر جنات کو آگ کا عذاب ہوگا اس پر تمام آئمہ کا اتفاق ہے آیت وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا سے یہی معلوم ہو رہا ہے۔ رہی قوم جنات کے ثواب کی بحث تو یہ اختلافی ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جنات کے لئے ثواب صرف یہ ہے کہ وہ دوزخ سے محفوظ رہیں گے آیت يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ۔ اسی کی تشریح ہے۔ (اے قوم اللہ کی طرف بلانے والے کی آواز پر لبیک کہو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور دکھ کے عذاب سے تم کو محفوظ رکھے گا)

بغوی نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اسی طرف گئے ہیں۔ سفیانؒ نے لیث کا قول نقل کیا ہے کہ جنات کے لئے ثواب صرف یہ ہوگا کہ انکو دوزخ سے محفوظ رکھا جائے گا پھر ان کو بہائم (چوپایوں) کی طرح مٹی کر دیا جائے گا۔ ابوالزیاد کا قول ہے کہ جب اللہ انسانوں کا فیصلہ کرے گا تو مومن جنات سے کہا جائے گا مٹی ہو جاؤ وہ مٹی ہو جائیں گے یہ دیکھ کر کافر کہے گا کہ کاش میں بھی مٹی ہو جاتا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے (کچھ نہیں صراحت کی کہ مؤمن جنات کے ثواب کی کیا صورت ہوگی) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس بات کو اللہ نے مبہم رکھا ہے تم بھی مبہم رکھو اللہ نے کافر جنات کے عذاب کا تو ذکر کیا ہے مگر فرمانبردار جنات کے ثواب کا کچھ تذکرہ نہیں فرمایا صرف اتنا فرمایا کہ ان کو دوزخ سے محفوظ رکھا جائے گا۔ کچھ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ انسانوں کی طرح جنات کے لئے بھی نیکی کا ثواب اور بدی کا عذاب ہوگا امام مالک اور ابن ابی لیلیٰ اسی قول کی طرف گئے ہیں۔

جریر رضی اللہ عنہ نے ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ جنات جنت میں داخل ہوں گے اور وہاں کھائیں گے پئیں گے ابوالشیخ نے ایک حدیث بیان کی ہے اور نقاش نے اس کو اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ جنات جنت میں داخل ہوں گے

۔ابوالشیخ سے پوچھا گیا، کیا جنت کی نعمتوں سے بھی بہرہ اندوز ہوں گے شیخ نے جواب یا کہ اللہ جنات کے دل میں تسبیح اور ذکر بطور الہام پیدا کر دے گا وہ اس تسبیح اور ذکر میں وہ لذت محسوس کریں گے جو جنت کی نعمتوں سے انسانو ں کو حاصل ہوگی۔ گویا ابوالشیخ نے مؤمن جنات کو ملائکہ کی صف میں داخل کر دیا۔ ابن المنذر نے کہا کہ میں نے حمزہ بن حبیب سے پوچھا کیا جنات کو ثوا ب ملے گا حمزہ نے کہا کہ ہاں اور یہ آیت پڑھی لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ پس انسی حوریں انسانوں کے لئے ہوں گی اور جنی حور یں جنات کے لئے (یعنی انسانوں کے مناسب حوریں انسانوں کے لئے اور جنات کے مناسب حوریں جنات کے لئے)

ابوالشیخ نے باسناد ضحاک حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ مخلوق کے تین گروہ ہوں گے ایک گروہ پورا جنت میں ہے۔ دوسرا گروہ دوزخ میں ۔اول گروہ ملائکہ کا ہے اور دوسرا گروہ شیطانوں کا۔ تیسرا گروہ (کچھ) جنت میں ہوگا اور کچھ دوزخ میں یہ جنات اور انسانوں کا گروہ ہوگا ان کے لئے عذاب بھی ہے اور ثواب بھی۔

میرے نزدیک جمہور کا قول صحیح ہے امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کا بھی یہی خیال ہے صاحبینؒ کا قول ہے کہ ثواب جنات کے قائل اپنے قول کی دلیل اور ثبوت رکھتے ہیں اس لئے ان کی بات مانی جائے گی اور امام اعظم کے نزد یک فقدان دلیل ہے اس لئے وہ توقف کے قائل ہیں۔ ان میں شک نہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ و عمر بن عبدالعزیز اور دوسرے صحابہ و تابعین کے اقوال مرفوع کے حکم میں ہیں (اگر چہ مرفوع نہیں ہیں) اور بیہقی نے تو حضرت انس کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایماند ار جنات کے لئے ثواب اور (غیر مؤمن جنات کے لئے) عذاب ہوگا۔ ہم نے ثواب کی کیفیت پوچھی تو فرمایا کہ وہ اعراف پر ہوں گے جنت میں نہیں ہوں گے ہم نے دریافت کیا اعراف کیا ہے فرمایا جنت سے باہر جس میں دریا رواں ہوں گے اور درخت اور پھل ہوں گے واللہ اعلم (تفسیر مظہری)

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ
اور یہ حکم آیا کہ اگر لوگ سیدھے رہتے راہ پر تو ہم پلاتے اُن کو
مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ
پانی بھر کر تاکہ اُن کو جانچیں اُس میں ☆

جنوں اور انسانوں کی آزمائش:

یعنی اگر جن وانس حق کی سیدھی راہ پر چلتے تو ہم انکو ایمان وطاعت کی بدولت ظاہری و باطنی برکات سے سیراب کر دیتے اور اس میں بھی ان کی آزمائشیں ہوتی کہ نعمتوں سے بہرہ ور ہو کر شکر بجالاتے اور طاعت میں مزید ترقی کرتے ہیں یا کفران نعمت کر کے اصل سرمایہ بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اس وقت مکہ والوں کے ظلم وشرارت کی سزا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے کئی سال کا قحط پڑا تھا۔ لوگ خشک سالی سے پریشان ہو رہے تھے۔ اس لیے متنبہ فرمادیا کہ اگر سب لوگ ظلم وشرارت سے باز آ کر اللہ کے راستہ پر چلیں جیسے مسلمان جنوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے تو قحط دور ہو اور باران رحمت سے ملک سرسبز وشاداب کر دیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض علماء کا قول ہے کہ آب کثیر سے مراد وسیع رزق کیونکہ پانی حصول رزق کا سبب ہے (سبب بول کر مسبب بطور مجاز مراد لیا گیا) جس طرح رزق سے بارش اس آیت میں مراد ہے وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ (آسمان سے غلہ نہیں بلکہ پانی اترتا ہے جو زمین کی سرسبز ی کا ذریعہ ہے) مراد یہ ہے کہ اگر وہ دین فطرت پر قائم رہتے تو ہم ان کو بکثر ت مال اور آرام کی زندگی عطا کریں گے اس آیت کا مفہوم وہی ہے جو آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ کا ہے اور اسی مضمون کو آیت وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ میں بیان کیا گیا ہے۔

لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ یعنی اس سیرابی یا عطاء فراخی کی غرض تھی ان کی آزمائش ہم کو ان کا امتحان لینا مقصود تھا کہ (ہماری نعمت کا وہ) کس طرح شکر ادا کرتے ہیں سعید بن مسیب، عطاء بن ابی رباح ضحاک قتادہ مقاتل اور حسن بصر ی نے آیت مندرجہ کی یہی تفسیر کی ہے۔

اہل مکہ پر قحط:

ابوجہل اور مکہ کے دوسرے کفار جب ایمان نہ لائے تو ہفت سالہ قحط میں مبتلا کر دیئے گئے اور ایسا کال پڑا کہ لوگ گوبر کھانے لگے اور آخر بدترین حال میں جنگ بدر میں مارے گئے لیکن وہ ایمان دار جو دین الٰہی پر قائم رہے اللہ نے ان کو قیصر وکسریٰ کی حکومتیں عطا فرمائیں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ
اور جو کوئی منہ موڑے اپنے رب کی یاد سے
يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾
وہ ڈال دے گا اس کو چڑھتے عذاب میں ☆

عذاب کا راستہ:

یعنی اللہ کی یاد سے منہ موڑ کر آدمی کو چین نصیب نہیں ہوسکتا۔ وہ تو ایسے

راستہ پر چل رہا ہے جہاں پریشانی اور عذاب ہی چڑھتا چلا آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تقویٰ کے بغیر پریشانی ہی پریشانی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا مال تھوڑا ہو یا بہت اگر تقویٰ نہ ہو تو ایسے مال میں کوئی بھلائی نہیں یہی زندگی کی تنگی ہے جو لوگ حق سے روگرداں ہوتے ہیں خواہ وہ کتنے ہی مالدار اور کیسے ہی فراخ دست ہوں لیکن ان کی زندگی تنگ ہی ہوتی ہے کیونکہ ان کو خیال ہوتا ہے کہ (موجودہ مال صرف ہو گیا تو) اس کی جگہ دوسرا مال ان کو نہیں ملے گا اللہ کے متعلق بد گمانی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی زندگیاں تنگ ہی گزرتی ہیں۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قناعت ان سے چھین لی جاتی ہے اسلئے ان کو سیری حاصل ہی نہیں ہوتی میں کہتا ہوں یہ بات بالکل کھلی ہوئی ہے۔

دنیاداروں سے قناعت چھین لی جاتی ہے وہ ہمیشہ کمائی کی دھن میں لگے رہتے ہیں کماتے ہیں اور مال کا چوکیدارہ کرتے ہیں اور ہر وقت مال کے ضائع ہونے کا ان کو اندیشہ لگا رہتا ہے باہمی بغض وحسد کی یہی بنیاد ہے دشمنوں اور حاسدوں کی کثرت ان کو چین نہیں لینے دیتی یہ ہی عذاب الیم اور تنگی حیات ہے وہ نہیں جانتے کہ صوفیاء کی زندگی کیسی خوش گوار گزرتی ہے ذکر الٰہی سے اطمینان قلب اور کشائش صدر کا حصول تھوڑے پر قناعت دنیا سے استغناء مخلوق پر مہربانی ان کے خصوصی اوصاف ہوتے ہیں مصائب سے بھی خوش ہوتے ہیں اور شکر ادا کرتے ہیں کیونکہ ان کو تکالیف سے گناہوں کا کفارہ اور حسن ثواب کے حصول کی امید ہوتی ہے فراخی حال اور آسائش کا تو ذکر ہی کیا ہے اللہ جس کو چاہتا ہے دنیا اور آخرت کی راحت عطا فرماتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا
اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی یاد کے واسطے ہیں
مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾
سو مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو ☆

مساجد کی خصوصیت:

یوں تو خدا کی ساری زمین اس امت کے لیے مسجد بنا دی گئی ہے لیکن خصوصیت سے وہ مکانات جو مسجدوں کے نام سے خاص عبادت الٰہی کے لئے بنائے جاتے ہیں ان کو اور زیادہ امتیاز حاصل ہے۔ وہاں جا کر اللہ کے سوا کسی ہستی کو پکارنا ظلم عظیم اور شرک کی بدترین صورت ہے مطلب یہ ہے کہ خالص خدائے واحد کی طرف آؤ اور اس کا شریک کر کے کسی کو کہیں بھی مت پکارو خصوصاً مساجد میں جو اللہ کے نام پر تنہا اسی کی عبادت کے لیے بنائی گئی ہیں۔ بعض مفسرین نے "مساجد" سے مراد وہ اعضا لیے ہیں جو سجدہ کے وقت زمین پر رکھے جاتے ہیں۔ اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ یہ خدا کے دیے ہوئے اور اس کے بنائے ہوئے اعضاء ہیں، جائز نہیں کہ ان کو اس مالک وخالق کے سوا کسی دوسرے کے سامنے جھکاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

جنات کو مسجدوں میں آنے کی اجازت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے وقت صرف مسجد اقصیٰ اور مسجد حرام تھیں حضرت اعمشؒ نے اس آیت کی تفسیر یہ بھی بیان کی ہے کہ جنات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اور انسانوں کے ساتھ نماز ادا کریں۔ تو گویا ان سے کہا جا رہا ہے کہ نماز پڑھو لیکن انسانوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

فقط مسجدیں عبادت کے لئے ہیں:

قتادہ نے کہا کہ یہودی اور عیسائی عبادت خانوں میں جا کر عبادت الٰہی میں دوسروں کو شریک کرتے تھے۔ اس پر اللہ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مسجدوں میں جائیں تو اپنی دعائیں خالص خدا ہی سے کریں۔ مساجد سے مراد ہیں تمام مسجدیں جن کو (شرک وغیرہ سے پاک) رکھنے کا حکم اللہ نے دیا تھا اور فرمایا تھا طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ الخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حکم دیا تھا کہ اپنے بچوں کو پاگلوں کو خدا کے (فرضی جھوٹے) شریکوں کو خرید وفروخت کو آپس کے جھگڑوں کو چیخ و پکار کو حدود (قصاص، سنگساری، سزا، تازیانہ وغیرہ) کو اور تلواروں کو بے نیام رکھنے کو ہماری مسجدوں سے الگ رکھو مسجدوں کے دروازوں پر لوٹے رکھو اور جمعہ میں مسجدوں کے اندر خوشبو سلگاؤ۔

یہ حدیث ابن ماجہ نے براویت واصلہ مرفوعاً نقل کی ہے ابوداؤد اور ترمذی نے بسلسلہ عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ عمرؓ کے دادا نے بیان کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے اندر بلند آواز سے شعر خوانی کی اور خرید وفروخت کی اور جمعہ کے دن نماز سے پہلے حلقہ بنا کر بیٹھنے کی ممانعت فرمائی ہے یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس گناہ کا اتاریہ ہے کہ تھوک کو مٹی میں دبا دیا جائے (اگر زمین خام ہو) (بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے نیک کام میرے سامنے لائے جائیں گے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص مسجد سے کوڑا نکال کر باہر پھینک دے گا (تو وہ بھی میری پیشی میں لایا جائے گا) (ابوداؤد اور ترمذی)

یہ بھی فرمایا اگر کوئی شخص کسی کو اپنی گم شدہ اونٹنی کو مسجد میں ڈھونڈتے سنے تو کہے اللہ تیری اونٹنی واپس نہ کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ مسجد اس کام کے لئے نہیں بنائی جاتی (مسلم براویت ابوہریرہؓ، ترمذی اور دارمی نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اس میں یہ الفاظ زیادہ بیان کئے ہیں کہ اگر تم کسی کو مسجد کے

اندر خرید وفروخت کرتے دیکھوتو کہہ دو کہ خدا تجھے تجارت میں نفع نہ دے۔

حسن بصری نے کہا المساجد سے مراد تمام مقامات ہیں کیونکہ اس امت کے لئے تمام زمین کو مسجد بنادیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ کسی جگہ کسی کو اللہ کا ساجھی قرار نہ دو اور اللہ کی موجودگی میں کسی دوسرے سے دعا نہ کرو۔

ابن ابی حاتم نے بسلسلہ ابوصالح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جنات نے عرض کیا (یارسول اللہ) کیا ہم کو اجازت ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز میں شریک ہو جایا کریں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریر نے حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جنات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم مسجد میں کیسے حاضر ہوں یا یہ عرض کیا کہ ہم نماز میں کیسے حاضر ہوں۔ کیونکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت دور رہتے ہیں اس پر یہ آیت اتری ۔بعض لوگوں کا قول ہے کہ مسجد سے مراد ہیں اعضاء سجود (ہاتھ، پاؤں، زانو، پیشانی) مطلب یہ ہے کہ یہ اعضاء اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں ان سے دوسروں کے لئے سجدہ نہ کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سات ہڈیوں سے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں زانو، دونوں قدموں، کے سرے اور یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ (نماز میں) کپڑوں کو سمیٹا جائے نہ بالوں کو۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ باجماع امت غیر اللہ کے لئے سجدہ حرام ہے اور بعض علماء کے نزدیک کفر ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ

اور یہ کہ جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ ☆

یعنی بندۂ کامل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (تفسیر عثمانی)

نکتہ: بجائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عبداللہ کہنے کی وجہ اس جگہ محض تواضع ہے کیونکہ یہ کلام (اگرچہ خدا کا ہے) مگر ایسے موقعوں پر واقع ہے کہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے متعلق فرمایا۔ پھر لفظ عبداللہ میں قیام (نماز) کی وجہ بھی در پردہ بتادی گئی ہے (کہ عبدیت کا تقاضا نماز ہے نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہونے کی وجہ ہی عبدیت ہے) حضرت مجدد قدس سرہٗ نے فرمایا عبدیت کمال (بشری) کا سب سے اونچا درجہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾

کہ اس کو پکارے لوگوں کا بندھنے لگتا ہے اُس پر ٹھٹھ ☆

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لوگوں کا ہجوم:

یعنی آپ جب کھڑے ہو کر قرآن پڑھتے ہیں تو لوگ ٹھٹھ کے ٹھٹھ کر آپ پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ مومنین تو شوق و رغبت سے قرآن سننے کی خاطر اور کفار عداوت وعناد سے آپ پر ہجوم کرنے کے لیے۔ (تفسیر عثمانی)

حسن قتادہ اور ابن زید نے یہ مطلب بیان کیا کہ توحید کی دعوت دینے کے لئے جب اللہ کا بندہ کھڑا ہوا تو جن وانس سب کے سب دعوت توحید کو باطل کرنے کے لئے اکٹھے ہو گئے وہ اللہ کے نور کو اپنی پھونک سے بجھانا چاہتے تھے مگر اللہ کا فیصلہ تھا کہ وہ اپنا نور پورا (پھیلا کر) رہے گا اور تمام دشمنوں کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کامیابی عطا فرمائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہو کہ جب نخلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کرنے اور قرآن پڑھنے کھڑے ہوئے تو قرآن سننے کے شوق میں جنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجوم کر آئے اور ٹھٹ کے ٹھٹ جمع ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾

تو کہہ میں تو پکارتا ہوں بس اپنے رب کو اور شریک نہیں کرتا اُس کا کسی کو ☆

میرا بھروسہ فقط اللہ پر ہے:

یعنی کفار سے کہہ دیجئے کہ تم مخالفت کی راہ سے بھیڑ کیوں کرتے ہو، کونسی بات ایسی ہے جس پر تمہاری خفگی ہے میں کوئی بری اور نامعقول بات تو نہیں کہتا صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کا شریک کسی کو نہیں سمجھتا تو اس میں لڑنے جھگڑنے کی کونسی بات ہے اور اگر تم سب مل کر مجھ پر ہجوم کرنا چاہتے ہو تو یاد رکھو میرا بھروسہ اکیلے اسی خدا پر ہے جو ہر قسم کی شرکت سے پاک اور بے نیاز ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یا یہ مطلب ہے کہ جب جنات اس کا کلام سننے کے لئے شوق کے ساتھ جمع ہوئے تو اس نے کہا میں صرف اپنے رب کو پکار رہا ہوں تم بھی میری دعاء ہی کی طرح رب ہی سے دعاء کرو اور کسی کو اس کا ساجھی نہ بناؤ۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾

تو کہہ میرے اختیار میں نہیں تمہارا برا اور نہ راہ پر لانا ☆

نفع نقصان کا مالک اللہ ہے:

یعنی میرے اختیار میں نہیں کہ تم کو بھی راہ پر لے آؤں۔ اور نہ آؤ تو کچھ نقصان پہنچا دوں سب بھلائی برائی اور سود وزیاں اسی خدائے واحد کے قبضہ میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ

تو کہہ مجھ کو نہ بچائے گا اللہ کے ہاتھ سے کوئی

وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ ۙ

اور نہ پاؤنگا اس کے سوائے کہیں سرک رہنے کو جگہ ☆

یعنی تم کو نفع ونقصان پہنچانا تو کجا اپنا نفع وضرر میرے قبضہ میں نہیں۔ اگر بالفرض میں اپنے فرائض میں تقصیر کروں تو کوئی شخص نہیں جو مجھ کو اللہ کے ہاتھ سے بچالے اور کوئی جگہ نہیں جہاں بھاگ کر پناہ حاصل کرسکوں۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تھا جو کفار میرے کام کو تباہ کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں جب وہ مجھ سے کہتے ہیں کہ اگر تو پیغمبر ہے تو ہم پر عذاب لے آ۔ یا کفار کہتے ہیں اب اس کام سے باز آجا ہم تجھے اپنی پناہ میں لیتے ہیں تو میں ان کے جواب میں کیا کہوں (اس جواب کو بتانے کے لئے اللہ نے یہ دونوں جملے نازل فرمائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پہلا جملہ سوال محذوف کا جواب ہو گویا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دیدار اور ملاقات کا جنات کی طرف سے اشتیاق ملاحظہ کیا تو سوال کیا کہ میں ان سے کیا کہوں وجہ یہ تھی کہ سب کا انتہائی شوق کے زیر اثر ہجوم کرآنا اس بات کی دلیل تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان ونفع کا مالک خیال کرتے تھے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلا جملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عاجزی کو ظاہر کرنے کے لئے اور دوسرا جملہ اس کے مضمون کی تاکید کے لئے لایا گیا ہو۔ ابن جریر نے حضرمی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جنات کے کسی سردار نے اپنے گروہ سے کہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے یہ چاہتے ہیں کہ ہم ان کو پناہ عطا کریں اس لئے میں ان کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں اس پر آیت قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ الخ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ

مگر پہنچانا ہے اللہ کی طرف سے اور اس کے پیغام لانے ☆

پیغمبر کی ذمہ داری:

یعنی اللہ کی طرف سے پیغام لانا اور اس کے بندوں کو پہنچا دینا' یہی چیز ہے جو اس نے میرے اختیار میں دی اور یہی فرض ہے جس کے ادا کرنے سے میں اس کی حمایت اور پناہ میں رہ سکتا ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

حقیقت میں تبلیغ حکم بھی ہدایت، اور نفع رسانی ہے (اور تبلیغ نبی کا فرض ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت کرنا اور نفع پہنچانا نبی کے قبضہ میں ہے اس لئے تبلیغ حکم کو لااملک کی عمومی نفی سے مستثنیٰ کرلیا) مطلب یہ کہ مجھ میں نقصان کو دور کرنے اور فائدہ پہنچانے کی اور کچھ طاقت نہیں صرف تبلیغ احکام اور پیغام رسانی میری طاقت میں ہے یا استثنا کا تعلق اَحَدٌ یا مُلتحدًا سے ہے یعنی اللہ کے عذاب سے مجھے کوئی نہیں بچاسکتا اور نہ اس کے سوا میرے لئے کوئی پناہ گاہ ہے ہاں وہ تبلیغ و پیغام رسانی میرا فرض ہے وہی مجھے اللہ کے عذاب سے بچالے گا اور اگر میں نے اس فرض کو ادا نہیں کیا تو اللہ مجھے عذاب دے گا، حسنؒ اور مقاتلؒ نے اس طرح مطلب بیان کیا ہے کہ میں نہ خیر کا مالک ہوں نہ شر کا نہ ہدایت کا ہاں تبلیغ احکام اور پیغام رسانی کا فرض خدا کی طرف سے مجھ پر ہے یعنی اگر میں اللہ کا حکم اور پیغام نہ پہنچاؤں تو اللہ کے عذاب سے مجھے کوئی نہیں بچائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ

اور جو کوئی حکم نہ مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا سو اس کے لئے

نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾

آگ ہے دوزخ کی رہا کریں اُس میں ہمیشہ ☆

نافرمان کی سزا:

یعنی تمہارے نفع ونقصان کا مالک میں نہیں۔ لیکن اللہ کی اور میری نافرمانی کرنے سے نقصان پہنچنا ضروری ہے۔ (تفسیر عثمانی)

پورا کلام اس طرح تھا کہ میرے اختیار میں صرف تبلیغ احکام ہے، میں حکم پہنچا رہا ہوں، جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا وہ ہدایت یاب ہوگا، جو نافرمانی کرے گا تو اس کے لئے دوامی جہنم ہے۔

اصل کلام یوں تھا کہ یہ لوگ برابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتے رہیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضعیف سمجھتے رہیں گے یہاں تک کہ عذاب کو دیکھیں گے۔ (تفسیر مظہری)

حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ

یہاں تک کہ جب دیکھیں گے جو کچھ اُن سے وعدہ ہوا تب جان لیں گے

مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾

کس کے مددگار کمزور ہیں اور گنتی میں تھوڑے ☆

کثرت پر نہ اتراؤ:

یعنی تم جو جتھے باندھ کر ہم پر ہجوم کرتے ہو اور سمجھتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے ساتھی تھوڑے سے آدمی ہیں وہ بھی کمزور۔ تو جب وعدہ کا وقت آئے گا اس وقت پتہ لگے گا کہ کس کے ساتھی کمزور اور گنتی میں تھوڑے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ

تو کہہ میں نہیں جانتا کہ نزدیک ہے جس چیز کا تم سے وعدہ

اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْۤ اَمَدًا ﴿۲۵﴾

ہوا ہے یا کردے اُس کو میرا رب ایک مدت کے بعد ☆

قیامت کا وقت:

یعنی اس کا علم مجھے نہیں دیا گیا کہ وعدہ جلد آنے والا ہے یا ایک مدت

کے بعد ۔ کیونکہ قیامت کا وقت معین کر کے اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا ۔ یہ ان غیوب میں سے ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾
جاننے والا بھید کا سو نہیں خبر دیتا اپنے بھید کی کسی کو
اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ
مگر جو پسند کر لیا کسی رسول کو تو وہ چلاتا ہے
مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾
اُس کے آگے اور پیچھے چوکیدار ☆

پیغمبر کے علوم:

یعنی اپنے بھید کی پوری خبر کسی کو نہیں دیتا ہاں رسولوں کو جس قدر ان کی شان و منصب کے لائق ہو بذریعہ وحی خبر دیتا ہے اس وحی کے ساتھ فرشتوں کے پہرے اور چوکیاں رکھی جاتی ہیں کہ کسی طرف سے شیطان اس میں دخل کرنے نہ پائے اور رسول کا اپنا نفس بھی غلط نہ سمجھے ۔ یہی معنی ہیں اس بات کے کہ پیغمبروں کو (اپنے علوم واخبار میں) عصمت حاصل ہے، اوروں کو نہیں ۔ انبیاء کی معلومات میں شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی دوسروں کی معلومات میں کئی طرح کے احتمال ہیں اسی لیے محققین صوفیہؒ نے فرمایا ہے کہ ولی اپنے کشف کو قرآن وسنت پر عرض کر کے دیکھے اگر ان کے مخالف نہ ہو تو غنیمت سمجھے ورنہ بے تکلف رد کر دے (تنبیہ) اس آیت کی نظیر آل عمران میں ہے "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ" اور کئی سورتوں میں علم غیب کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے وہیں ہم فوائد میں اس پر مفصل کلام کر چکے ہیں فلیراجع ۔ (تفسیر عثمانی)

علم غیب: کچھ چیزیں بعض افراد کے اعتبار سے غیب ہوتی ہیں اور بعض کے لحاظ سے نہیں ہوتیں مثلاً جنات کے احوال اور دور کی چیزوں کا علم انسانوں کے لئے غیب ہے اور جنات کے لئے شہادت ہے ۔ اسی لئے (حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں) کچھ لوگ خیال کرتے تھے کہ جن غیب سے واقف ہوتے ہیں، حالانکہ جنات صرف شہادت کو جانتے تھے (جو چیز انسانوں کے لئے غیب تھی وہ جنات کے لئے حاضر تھی اس لئے جنات کو غیب کا نہیں بلکہ حاضر کا علم تھا) اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں (جنات کے عالم الغیب ہونے کی تردید میں) فرمایا فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ یا جیسے زمین والوں کے لئے آسمان کے احوال مشرق والوں کے لئے مغرب کے احوال اور مغرب والوں کے لئے مشرق کے احوال غیب ہیں، اس قسم کا علم غیب کبھی وحی والہام سے حاصل ہو جاتا ہے اور کبھی درمیانی پردے اٹھ جانے اور وسطی حجابات کے شفاف ہو جانے کی وجہ سے ۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حجر میں موجود تھا اور قریش مجھ سے سیر شب (معراج) کی کیفیت پوچھ رہے تھے انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی بعض ایسی باتیں پوچھیں جو مجھے ٹھیک یاد نہ تھیں اس وقت مجھے ایسی پریشانی ہوئی کہ ویسی پریشانی کبھی نہیں ہوئی تھی پھر اللہ نے میری نگاہ سے حجاب اٹھا دیا اب جو کچھ وہ مجھ سے پوچھتے تھے میں ان کو بتا دیتا تھا ۔

بیہقی نے بروایت ابو عمر رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر بھیجا اور ساریہ نام کے ایک شخص کو اس کا کمانڈر مقرر کیا ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے اور دوران خطبہ میں بلند آواز سے پکارنے لگے ۔ اے ساریہ پہاڑ (کی طرف دیکھ)

ابو داؤد رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ نجاشی کی وفات کے بعد ہم آپس میں تذکرہ کرتے تھے کہ ان کی قبر پر پیہم ایک نور نظر آتا ہے ۔ حجابات اٹھنے کے بعد یہ علم بھی علم غیب نہیں رہتا بلکہ علم الشہادۃ ہو جاتا ہے اگر چہ معجزہ اور کرامت کے طور پر ہی اس کا حصول ہوتا ہے ۔

فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا یعنی وہ اپنے غیب پر کسی مخلوق کو مطلع نہیں فرماتا ۔

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مگر جن کو وہ پسند کر لیتا ہے ان کو وہ واقف کرا دیتا ہے، تا کہ یہ علم ان کا معجزہ ہو جائے اور وہ فرمانبرداروں کو بشارت دے سکیں اور نافرمانوں کو عذاب سے ڈرائیں ۔

رسول کا معنی:

مِنْ رَّسُوْلٍ رسول کا لفظ بہت عام ہے انسان ہو یا فرشتہ دونوں اس میں داخل ہیں، لفظ رسول انبیاء کو بھی شامل ہے، تمام انبیاء تبلیغ احکام کے لئے خدا ہی کے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں ۔ صرف ایسے نبی کو رسول کہنا جس کو جدید شریعت اور کتاب دے کر بھیجا گیا ہو محض اصطلاح ہے (باعتبار حقیقت ولغت ہر نبی رسول ہوتا ہے)

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہے کہ علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں ۔ احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ: ، دارمی بروایت کثیر بن قیسؒ، ابن البخاری بروایت ابن انسؓ، وابن عدی بروایت علیؓ، موخر الذکر دونوں راویوں کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، علماء زمین کے چراغ اور انبیاءؑ کے جانشین ہیں یا یہ فرمایا کہ علماء میرے وارث اور انبیاءؑ کے وارث ہیں ۔

ابن عقیل نے بروایت انس رضی اللہ عنہ یہ الفاظ نقل کئے کہ علماء اس وقت تک

پیغمبروں کی طرف سے امین ہیں جب تک بادشاہ کے ساتھ نہ مل جائیں اور دنیا میں نہ گھس جائیں۔

اولیاء کی کرامتیں:

اہل السنت والجماعت قائل ہیں کہ اولیاء کی کرامتیں (حقیقت میں) ان کے پیغمبر ہی کا معجزہ ہوتی ہیں اللہ نے فرمایا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ۔ ہم نے ہر پیغمبر کو اس کی قوم کی زبان ہی میں پیغام رسان بنا کر بھیجا ہے اور چونکہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے۔ (اور تمام انسان آپ کی قوم قرار پائی) اس لئے جو علماء اور اولیاء آپ کے پیرو ہوئے اہل سنت کے نزدیک وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زبان ہوئے تاکہ حصر درست ہو جائے اور لِسَانِ قَوْمِهٖ میں اضافت کا عموم صحیح قرار پائے (پس علماء امت اور اولیاء اسلام سے جو کرامتیں ظاہر ہوئیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا معجزہ ہوا)۔

صوفیاء کے مکاشفات:

اولیاء کو جو علم غیب الہام وغیرہ سے حاصل ہوتا ہے وہ قطعی یقینی نہیں ہوتا بلکہ ظنی ہوتا ہے (جس میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے) اسی لئے صوفیاء کا قول ہے کہ صوفیہ کے مکاشفات کا کتاب وسنت (قرآن وحدیث) سے مقابلہ کرنا ضروری ہے اگر قرآن وحدیث کے موافق ہوں تو قبول کئے جائیں کیونکہ قطعی کے موافق کا بھی قطعی ہونا ضروری ہے اگر مخالف ہوں تو قبول نہ کئے جائیں۔ یہ بھی صوفیا کا قول ہے کہ جس چیز کو شریعت نے رد کر دیا وہ گمراہی ہے اور اگر شریعت اس چیز میں خاموش ہو تو اس کو قبول کر لیا جائے گا مگر (وہ چیز یقینی نہیں قرار پائے گی) غلطی کا احتمال اس میں باقی رہے گا۔ اور آیت میں علم غیب سے مراد وہ علم ہے جو یقینی اور قطعی ہو۔

ایک اور آیت ہے (جس میں حضرت مریم کا تذکرہ ہے اور مریم "پیغمبر نہیں تھیں)

ترجمہ: فرشتہ نے نشیبی جانب سے مریم کو پکارا کہ کچھ رنجیدہ نہ ہو تیرے خدا نے تیرے نیچے نہر جاری کر دی اور درخت کھجور کے تنہ کو ہلا (باوجود خشک ہونے کے) اس سے تازہ کھجوریں گریں گی، کھجوریں کھا، پانی پی، بچہ سے آنکھیں ٹھنڈی کر اب اگر تجھے کوئی آدمی دکھائی دے تو اس سے بات نہ کر اور اشارہ سے بتا دے کہ میں نے آج اللہ کی نذر کا روزہ رکھا ہے اس لئے کسی شخص سے آج بات نہیں کروں گی۔

ایک اور آیت میں فرمایا وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ میں نے حواریوں کو الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔

تنبیہ: اولیاء کے جس علم کو ہم نے ظنی کہا ہے اس سے مراد علم حصولی ہے جو کبھی الہام سے حاصل ہوتا ہے خواہ بتوسط ملائکہ ہو یا براہ راست اور کبھی درمیانی حجابات اٹھ جانے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسے ساریہ والی حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہم نقل کر چکے ہیں، اسی قسم میں اس انکشاف کو داخل قرار دیا گیا ہے جو بعض اولیاء کو کسی وقت لوح محفوظ کا ہو جاتا ہے اور وہ قضاء مبرم و معلق کا مطالعہ کرتے ہیں اور کبھی کشف علمی خواب یا مراقبہ کی حالت میں عالم مثال کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے، حضرت انس کی روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صالح خواب نبوت کا چھیالیسواں جزء ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، سوا مبشرات کے نبوت کا اور کوئی حصہ باقی نہیں رہا، صحابہ نے عرض کیا مبشرات کیا، فرمایا صالح خواب، بخاری علم کی ان تمام اقسام میں انبیاء کے علاوہ غلطی واقع ہو سکتی ہے کیونکہ الہام میں شیطان گڑ بڑ کر سکتا ہے۔ آدمی کے دل کے دو خانے ہیں۔ ایک فرشتے کا اور دوسرا شیطان کا، کبھی کشف شیطانی ملکی چمکارے کی شکل میں نمودار ہو جاتا ہے کیونکہ وہم دخل انداز ہو جاتا ہے یا شیطان کشف اور عالم مثال کے مطالعے میں دھوکہ دے دیتا ہے۔ حضرت ابو قتادہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نیک خواب اللہ کی طرف سے اور بدخواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

محمد بن سیرین کا قول ہے کہ خواب تین ہوتے ہیں (۱) نفس کا تخیل۔ (۲) شیطان کی طرف سے ڈراوا۔ (۳) اللہ کی طرف سے بشارت (متفق علیہ) کبھی خواب کی تعبیر میں غلطی ہو جاتی ہے۔ کشف اولیاء میں اگرچہ غلطی کا امکان ہوتا ہے مگر غلطی کا وقوع بہت ہی نادر ہے کیونکہ اولیاء انبیاء سے مشابہت رکھتے ہیں (فرق یہ ہے کہ) انبیاء ہمیشہ معصوم ہیں اور اولیاء اکثر (خطاء علمی سے) محفوظ ہوتے ہیں۔

علم لدنی: رہا اولیاء کا علم حضوری بلکہ حضوری سے بھی زیادہ کاشف جس کو علم لدنی کہا جاتا ہے اور جس کا تعلق اللہ کی ذات وصفات سے ہوتا ہے تو اس میں خطاء کا امکان نہیں ہوتا وہ وجدانی اور قطعی ہوتا ہے۔ بلکہ اس علم کا درجہ عام علوم سے اونچا ہوتا ہے ہر شخص کو اپنی ذات کا علم حضوری وجدانی ہوتا ہے کیونکہ خود ہی عالم ہے اور خود ہی معلوم (اپنی ذات کو) جاننے کے لئے کسی تصور کی ضرورت نہیں پڑتی۔

پس یہ لدنی علم اولیاء کو پیغمبروں کے توسل سے حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ پیغمبر تک پہنچنے کے درمیان وسائل کتنے ہی زیادہ ہوں۔

کاہنوں اور نجومیوں کی خبریں:

بخاری نے بروایت ابو الغاظور حاکم ایلیا کی بیان کردہ حدیث نقل کی ہے۔ حاکم ایلیا مسلمان ہو چکا تھا، اس کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں ہرقل ایلیا میں آیا تو ایک روز صبح کو کچھ پریشان تھا کسی سردار نے پوچھا آج آپ کی حالت ہم غیر پاتے ہیں کیا وجہ ہے ہرقل نجومی تھا سوال کے جواب میں بولا

آج رات میں نے نجوم کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ ختنہ کرنے والی قوم کا بادشاہ برآمد ہو گیا ہے، ہرقل نے اپنے اس مطالعہ کی اطلاع اپنے کسی دوسرے ساتھی کو بھی لکھ بھیجی جو ہرقل کی ہی طرح ماہر نجوم تھا اس کے خط سے بھی ہرقل کی رائے کی تائید ہو گئی اور اس نے لکھ دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہو گیا اور وہ واقعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

یہ بھی صحیح ہے کہ کاہنوں اور نجومیوں نے فرعون کو اطلاع دے دی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا اور فرعون کی حکومت کا زوال اسی کے ہاتھ سے ہوگا یہی وجہ تھی کہ فرعون بنی اسرائیل کے نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کرا دیتا تھا اور لڑکیوں کو قتل نہ کراتا تھا، طبیب بھی مرض کی کیفیت اور مریض کو شفاء دینے والی دواء جڑی بوٹیوں کے خواص سے واقف ہوتے ہیں اور ان کا یہ علم کبھی قطعی ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی راویت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا کہ وہ کبھی ایسی بات کہہ دیتے ہیں جو کہ سچی ہوتی ہے اور وہ بات (خدا کی طرف سے) حق ہوتی ہے جس کو کوئی جن لے جھپٹتا ہے اور مرغی کی ٹھونگ کی طرح اپنے دوست (کاہن) کے کان میں کٹ کٹ کر دیتا ہے وہ سو سے زیادہ جھوٹ اس میں ملا دیتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

رہا علم نجوم اور فن طب تو ان کی بنیاد تجربہ پر ہے اور تجربہ علم غیب نہیں علم شہادت ہے اور یہ امر زیادہ واضح ہے کہ دواؤں کی خاصیت وطبیعت کی شناخت اور ستاروں کے خواص یعنی سعادت ونحوست وغیرہ کی پہچان۔

علم طب وغیرہ یقینی علم نہیں:

بغوی نے سورۂ سبا کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ بیت المقدس کی محراب میں جب حضرت سلیمان ہوتے تھے تو روزانہ ایک درخت وہاں اگتا تھا آپ پوچھتے تھے، تیرا نام کیا ہے وہ اپنا نام بتاتا تھا، پھر آپ دریافت کرتے تھے تو کس کام کے لئے ہے؟ وہ جواب دیتا تھا ایسے ایسے کام کے لئے پھر آپ اس کو کاٹ دینے کا حکم دے دیتے تھے اگر وہ بوئے جانے کے قابل ہوتا تو اس کا پودا بو دیا جاتا تھا اور اگر کوئی دوا ہوتی تھی تو اس کو (نام اور خاصیت کے ساتھ) لکھ لیا جاتا تھا آخر خروبہ بوٹی پیدا ہوئی، آپ نے اس کا نام پوچھا اس نے خروبہ بتایا آپ نے پوچھا تو کس کام کے لئے ہے اس نے جواب دیا آپ کی مسجد کی ویرانی کے لئے۔ یہ قصہ امام محمد غزالیؒ نے اپنی کتاب منقذ من الضلال میں ذکر کیا ہے۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ علم طب اور نجوم یقینی علوم نہیں کیونکہ دواؤں اور ستاروں کی تاثیر (بذات خود کچھ نہیں) ایک عادی امر ہے، اللہ کا معمول ہے کہ دواؤں کو استعمال کرنے اور ستاروں کے طلوع ہونے کے بعد اللہ کچھ تاثیریں پیدا کر دیتا ہے لیکن بہت مرتبہ وہ تاثیریں نمودار نہیں بھی ہوتیں یہ تو اللہ کی مشیت ہے جیسا چاہتا ہے کر دیتا ہے۔ (دواء کا استعمال یا ستارہ کا طلوع بذات خود یقینی طور پر اثر آفریں نہیں) اس تقریر سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی نجوم کا قائل ہو اور یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ کا معمول یہ ہے کہ اس ستارے کے طلوع کے بعد اللہ یہ اثر پیدا کر دیتا ہے تو ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر نہیں ہو جاتا یہ بات تو ایسی ہی ہے کہ جیسے کسی کا عقیدہ ہو کہ دواء پینے سے اللہ شفاء عطا کرتا ہے اور زہر پینے سے موت مسلط کر دیتا ہے، ہاں کسی کا عقیدہ ہو کہ ستاروں کے طلوع و غروب سے براہ راست کسی اثر کی پیدائش وابستہ ہے (اور ستاروں کا طلوع و غروب واقعات کا موجد اور علت تامہ ہے) تو ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر ہو جائے گا جیسے دواء کو شفاء کی علت تامہ سمجھنے والا کافر ہو جائے گا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ بن خالد جہنی نے فرمایا کہ ایک روز حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز ہم کو پڑھائی رات کو بارش ہو چکی تھی، نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف رخ کر کے فرمایا کیا تم واقف ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی بخوبی علم ہے اللہ نے ارشاد فرمایا میرے بندوں میں سے کچھ لوگ مومن رہے اور کچھ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا اللہ کی فضل ورحمت سے ہم پر بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان رکھنے اور ستاروں (کی تاثیر حقیقی کے) منکر ہوئے اور جنہوں نے کہا کہ فلاں فلاں ستاروں کے طلوع کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی وہ میرے منکر اور ستاروں کے عقیدت مند ہوئے۔ (بخاری ومسلم)

فن نجوم سیکھنا: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤخر الذکر عقیدہ والا کافر ہے اور اول عقیدہ والا کافر نہیں، مگر فن نجوم میں مشغول ہونا مطلقاً مکروہ کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے علم نجوم سے اقتباس کیا اس نے سحر کی ایک شاخ سے اقتباس کیا اس نے (بظاہر علم میں) زیادتی کی اور (حقیقت میں) کچھ زیادتی نہیں کی کہ یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے احمد ابوداؤد اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے۔

علم رمل: اسی طرح علم خطوط ونقاط (علم رمل) بھی تعلیم انبیاء کا خوشہ چیں ہے مگر مفید ظن ہے قطعی نہیں ہے باقی بدشگونی بالکل بے حقیقت ہے۔

جاہلیت کے کاموں سے ممانعت:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن حکم نے بیان کیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم جاہلیت کے زمانے میں کیا کچھ کیا کرتے تھے (مثلاً) کاہنوں کے پاس جاتے تھے (اب کیا حکم ہے) فرمایا کاہنوں کے پاس نہ جاؤ، میں نے عرض کیا ہم بدشگونی لیتے تھے فرمایا کہ یہ تمہارا ذاتی تاثر ہوتا ہے اب یہ (شگون) تم کو (کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے سے) نہ روکے میں نے عرض کیا ہم میں سے کچھ لوگ لکیریں کھینچتے ہیں (اور اس طرح آئندہ کی خبر معلوم کرنا چاہتے

ہیں) فرمایا کہ ایک پیغمبر خط کشی (فن رمل کا عمل) کیا کرتے تھے اب جس کی کھینچی ہوئی لکیر اس کے موافق ہو جاتی ہے تو وہی ہو جاتا ہے۔ (مسلم)

فراست مومن: (۱) صوفی جب شریعت کا اتباع کرتا ہے اور سنت پر چلتا ہے تو اس کے ظاہری اور باطنی حواس روشن ہو جاتے ہیں، یہی روشنی اس کے لئے علم غیب کا ذریعہ ہوتی ہے اسی کو فراست مومن کہا گیا ہے (۲) بھوکا رہ کر ریاضت اور نفس کشی کر کے بھی بعض اوقات درمیانی حجابات اٹھ جاتے ہیں اور مثالی شکلیں (یعنی غیر مادی عالم بالا کی تصویریں) نظر کے سامنے آ جاتی ہیں مگر حقیقت میں یہ علم غیب نہیں ہوتا بلکہ علم بالشہادہ ہوتا ہے (جس چیز کا علم ہو جاتا ہے وہ یا اس کی مثالی صورت آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے) پھر بھی یہ سمجھنے کی بات ہے کہ جب اولیاء کا علم کشفی و مثالی ظنی ہوتا ہے (یقینی نہیں ہوتا) اور اس میں غلطی کا امکان ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

علم غیب اور غیبی خبروں میں فرق:

علم غیب کلی کی نفی سے ہر غیب کی نفی مطلقاً مراد نہیں، بلکہ منصب رسالت کے لئے جس قدر علم غیب کی خبروں اور غیب کی چیزوں کا علم کسی رسول کو دینا ضروری ہے وہ ان کو منجانب اللہ بذریعہ وحی دیا جاتا ہے اور وہ ایسے محفوظ طریقے سے دیا جاتا ہے کہ جب ان پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے تو اس کے ہر طرف فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے تاکہ شیاطین اس میں کوئی مداخلت نہ کر سکیں، اس میں اول تو لفظ رسول سے اس غیب کی نوعیت متعین کر دی گئی جس کا علم رسول و نبی کو دیا جاتا ہے اور وہ ظاہر ہے کہ علم شرائع و احکام بتامہ اور غیب کی خبریں بقدر ضرورت وقت، اس کے بعد جو علم غیب رسول و نبی کو دیا جاتا ہے اس کی نوعیت اگلے جملوں سے یوں بھی متعین کر دی کہ وہ بذریعہ فرشتوں کے بھیجا جاتا ہے اور وحی لانے والے فرشتے کے گرد دوسرے فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے، اس سیت یہ بات واضح ہوگئی کہ اس استثناء سے جس علم غیب کا نبی و رسول کے لئے اثبات ہے وہ بعض اور مخصوص علم غیب ہے جس کی ضرورت منصب رسالت کے لئے درپیش ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

علم غیب کمالات الوہیت میں سے ہے نہ کہ کمالات نبوت سے۔ اس لئے پیغمبر سے علم غیب کی نفی کی کوئی تنقیص نہیں، بلکہ علم غیب ثابت کرنے سے بہت سے کمالات عبدیت و بندگی ختم ہو جاتے ہیں اور یہ کیونکر ممکن ہے کہ اللہ کا وہ پیغمبر جس کی سب سے بڑی عظمت و بلندی یعنی واقعہ معراج کو بیان کرتے ہوئے عبدیت بیان کی گئی جیسے ارشاد ہے، سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ ۔ وہ عبدیت ہی کے کمالات سے محروم ہو۔ واللہ اعلم بالصواب ۔ (معارف کاندھلوی)

مسئلہ علم غیب گلدستہ تفاسیر جلد اول میں یؤمنون بالغیب اور سورۃ بقرہ آیت نمبر ۳۳ پر مفصل موجود ہے ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ

تاکہ جانے کہ انہوں نے پہنچائے پیغام اپنے رب کے ☆

وحی کی حفاظت: یعنی یہ زبردست انتظامات اس غرض سے کیے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ فرشتوں نے پیغمبروں کو یا پیغمبروں نے دوسرے بندوں کو اس کے پیغامات ٹھیک ٹھیک بلا کم و کاست پہنچا دیئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ تاکہ اللہ جان لے (یوں تو اللہ کو ہر چیز کا علم پہلے سے ہے یہاں) جاننے سے مراد ہے عملی تعلق کا کسی موجود کے ساتھ ظاہر ہو جانا۔ یہ ہی مراد آیت لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّخَافُهٗ بِالْغَیْبِ میں بھی ہے۔ شیطان سے حفاظت کرنے کے لئے ملائکہ کو مومور کرنے کی یہ علت ہے مطلب یہ ہے کہ حفاظت وحی کے بعد اللہ کو معلوم ہو جائے کہ پیغمبروں نے اپنے رب کے پیام بلا کم و بیش پہنچا دیئے حاصل کلام یہ ہے کہ پیغمبر اللہ کے پیام کو بغیر تغیر و تبدل اور آمیزش کے پہنچا سکیں اسی غرض سے اللہ نے حفاظت وحی کے لئے فرشتوں کو مقرر کر دیا ہے۔

بعض لوگوں نے لیعلم کا فاعل رسول کو قرار دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رسول کو معلوم ہو جائے کہ اس نے اور اس کے دوسرے پیغمبر بھائیوں نے صحیح صحیح اللہ کے پیغام پہنچا دیئے اور شیطان اس میں کوئی مداخلت نہ کر سکا نہ اس کو بگاڑ سکا نہ اس میں آمیزش کر سکا یا ابلغوا کا فاعل ملائکہ ہے مطلب یہ کہ پیغمبر کو معلوم ہو جائے کہ ملائکہ نے اللہ کا پیغام صحیح سالم بغیر شیطان کی دخل اندازی کے مجھ تک پہنچا دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَاَحْصٰی

اور قابو میں رکھا ہے جو ان کے پاس ہے

كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

اور گن لی ہے ہر چیز کی گنتی ☆

یعنی ہر چیز اس کی نگرانی اور قبضہ میں ہے کسی کی طاقت نہیں کہ وحی الٰہی میں تغیر و تبدل یا قطع و برید کر سکے۔ اور یہ پہرے چوکیاں بھی شان حکومت کے اظہار اور سلسلہ اسباب کی محافظت کے لیے بہت سی حکمتوں پر مبنی ہیں۔ ورنہ جس کا علم اور قبضہ ہر چیز پر حاوی ہو اس کو ان چیزوں کی کوئی احتیاج نہیں۔ تم سورۃ الجن وللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ یعنی پیغمبروں کو جو علم دیا گیا اللہ اس کو محیط ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

ہر چیز کا عددی احاطہ: وَاَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ۔ وَاَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا اللہ نے ہر چیز کا عددی احاطہ کر رکھا ہے پہاڑوں کے وزن کی تعداد، دریاؤں کے ناپ کی تعداد، بارش کے قطروں کی تعداد، درختوں کے پتوں کی تعداد، غرض ان تمام چیزوں کی تعداد جو رات کے اندھیرے یا دن کی روشنی میں ہوں اللہ کو معلوم ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

سورہ جن ختم ہوئی بحمد اللہ تعالیٰ

سورة المزمل

جس نے اس کوخواب میں پڑھا اس کی سیرت اچھی ہوگی اور وہ صابر رہے گا۔(ابن سیرین)

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ
سورہ مزمل مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی بیس آیتیں ہیں اور دو رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ ﴿۱﴾
اے کپڑے میں لپٹنے والے☆

مُزمل کہنے کی وجہ:

یہ سورۃ ابتدائی سورتوں میں سے ہے جو مکہ میں نازل ہوئیں۔روایات صحیحہ میں ہے کہ شروع میں جب وحی کی دہشت اور ثقل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن کانپنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر والوں سے فرمایا ''زَمّلونی زمّلونی'' (مجھے کپڑا اڑھاؤ کپڑا اڑھاؤ) چنانچہ کپڑا اڑھا دیا گیا۔اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اور اس سے اگلی سورت میں آپ کو وہی نام لے کر پکارا۔اور بعض روایات میں ہے کہ قریش نے ''دارالندوہ'' میں جمع ہوکر آپ کے متعلق مشورہ کیا کہ آپ کی حالت کے مناسب کوئی لقب تجویز کرنا چاہیے۔کسی نے ''کاہن'' کہا کسی نے ''جادوگر'' کسی نے ''مجنوں'' مگر اتفاق رائے کسی چیز پر نہ ہوا۔اخیر میں ''ساحر'' کی طرف رجحان تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو رنجیدہ اور غمگین ہوئے اور کپڑوں میں لپٹ گئے۔جیسا کہ اکثر سوچ اور غم میں مغموم آدمی اس طرح کر لیتا ہے۔اس پر حق تعالیٰ نے تأنیس و ملاطفت کے لیے اس عنوان سے خطاب فرمایا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ایک مرتبہ ''قم ابا تراب'' فرمایا تھا جبکہ وہ گھر سے رنجیدہ ہوکر چلے گئے اور مسجد میں زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔

درویشی کے لوازم:

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں ''کہ اس سورت میں خرقہ پوشی کے لوازم و شروط بیان ہوئی ہیں''۔گویا یہ سورت اس شخص کی سورۃ ہے جو درویشوں کا خرقہ پہنے اور اپنے تئیں اس رنگ میں رنگے۔لغت عرب میں ''مزمل'' اس شخص کو کہتے ہیں جو بڑے کشادہ کپڑے کو اپنے اوپر لپیٹ لے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ایسا تھا کہ جب نماز تہجد اور قرآن شریف کی تلاوت کے لیے رات کو اٹھتے تھے تو ایک کمبل دراز اوڑھ لیتے تھے۔تا سردی سے بدن محفوظ رہے اور وضو و نماز کی حرکات میں کسی طرح کا حرج واقع نہ ہو۔نیز اس عنوان کے اختیار کرنے میں ان لوگوں کو ہوشیار کرنا ہے جو کپڑوں میں لپٹے ہوئے رات کو آرام کر رہے ہوں کہ رات کا ایک معتد بہ حصہ اللہ کی عبادت میں گزاریں۔(تفسیر عثمانی)

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔اس کا معنی ہے کپڑوں میں لپٹ جانا تَزَمَّلَ ثِيَابَهٗ اس نے اپنے اوپر کپڑے لپیٹ لئے۔مدثر کے بھی یہی معنی اور یہی اصل ہے تبلیغ رسالت سے پہلے ابتداء وحی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی خطاب سے مخاطب کیا گیا اس وقت دہشت کے مارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے لپیٹے ہوئے تھے۔اس زمانہ کے بعد پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرما کر خطاب کیا گیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم توقف وحی کے متعلق بیان فرما رہے تھے کہ میں پیدل جا رہا تھا ، اچانک ایک آواز سنی اوپر نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو میرے پاس حراء میں آیا تھا۔کرسی پر بیٹھا آسمان و زمین کے درمیان (معلق) موجود تھا مجھے اس سے اتنا ڈر لگا کہ قریب تھا کہ گر جاؤں گھر لوٹ کر آیا تو میں نے گھر والوں سے کہا مجھے کپڑے اڑھاؤ ، اس وقت اللہ نے يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ آیت فَاهْجُرْ تک نازل فرمائی پھر وحی گرما گرم ہوگئی اور پے در پے آنے لگی۔متفق علیہ۔

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کردہ طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جا کر فرمایا مجھے کپڑے اڑھاؤ، مجھے کپڑے اڑھاؤ، گھر والوں نے کپڑے اڑھا دیئے ، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دہشت جاتی رہی، ہم اس حدیث کو سورۂ اقراء میں ذکر کریں گے، بزار اور طبرانی نے ضعیف سند سے بیان فرمایا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مشورہ گھر (چوپال) میں قریش نے جمع ہو کر کہا کہ اس شخص کا کوئی خاص نام رکھ دو کہ لوگ اس نام کو لے کر (مکہ سے) باہر نکلیں (اور وہ نام اطراف ملک میں مشہور ہو جائے) لوگوں نے کہا اس کو کاہن کہو، دوسرے کہنے لگے یہ کاہن تو نہیں ہے، کہنے لگے، دیوانہ کہو، دوسروں نے کہا کہ یہ دیوانہ بھی نہیں ہے، کہنے لگے ساحر کہو، بولے ساحر بھی نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کپڑا اوڑھ کر لیٹ گئے۔اس وقت جبرائیل علیہ السلام آئے

اور یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ اور یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ کہا۔ (تفسیر مظہری)

محبت بھرا لقب:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کی بیہودہ باتوں پر کپڑوں میں لپٹے ہوئے تھے کہ وحی نازل ہوئی اور اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت ہی انداز ملاطفت میں اس عنوان سے پکارا یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ کہ اے چادر میں لپٹنے والے، جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ گھر سے کسی بات پر رنجیدہ ہو کر باہر چلے گئے اور مسجد کے صحن میں زمین پر لیٹ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کرایا کہ علی رضی اللہ عنہ کہاں ہیں، معلوم ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریب تشریف لائے اور شانہ پر دیکھا کہ مٹی لگی ہوئی ہے، اس کو اپنے دست مبارک سے صاف کرتے ہوئے یہ فرماتے جارہے تھے ۔ **قم یا ابا تراب ، قم ابا تراب**، اے ابوتراب یعنی مٹی میں لتھڑے ہوئے اٹھ جا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پیار و ملاطفت کو زندگی بھر یاد کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے، خدا کی قسم اس لقب سے مجھ کو پکارا جانا جس قدر محبوب ہے اتنا کسی بھی نام سے پکارا جانا محبوب نہیں تو اسی طرح یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ کا عنوان اللہ رب العزت کی طرف سے اس حال میں جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رنج و غم کے عالم میں کپڑوں میں لپٹے ہوئے تھے، بارگاہ خداوندی سے ملاطفت و محبت کا پیکر اعظم ہے تو فرمایا۔ (معارف کاندھلوی)

قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾
کھڑا رہ رات کو مگر کسی رات ☆

تہجد کا حکم:

یعنی کسی رات اتفاق سے نہ ہو سکے تو معاف ہے اور اکثر مفسرین کے نزدیک ''اِلَّا قَلِيْلًا'' کا مطلب یہ ہے کہ رات کو اللہ کی عبادت میں کھڑے رہو ہاں تھوڑا سا حصہ شب کا اگر آرام کرو، تو مضائقہ نہیں۔ غالباً تھوڑے سے مراد یہاں نصف ہوگا کیونکہ رات جو آرام کے لئے تھی جب آدھی عبادت میں گزار دی تو اس کے اعتبار سے باقی نصف کو ''تھوڑا'' ہی کہنا موزوں تھا۔ (تفسیر عثمانی)

قُم یعنی نماز پڑھ، قیام سے نماز مراد ہے جزء بول کر کل مراد لیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قیام رکن صلوۃ ہے یہی اجماعی فیصلہ ہے۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نصف رات میں نماز نہ پڑھنا یعنی سونا معمولی سونے سے کم ہی ہوتا ہے کیونکہ اللہ نے رات آرام کے لئے بنائی ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ جب آدھی رات تہجد کی نماز کے لئے ہوگی اور دوسرے نصف میں مختلف مشاغل بھی ہوئے، مغرب اور عشاء کی نمازیں کھانا، پینا، قضائے حاجت وغیرہ تو سونے کے لئے آدھی رات سے کم حصہ باقی رہا۔ (تفسیر مظہری)

نماز تہجد کے احکام اور ان میں تبدیلی:

لفظ مزمل اور مدثر خود اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ یہ آیت بالکل شروع اسلام اور نزول قرآن کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی ہیں جبکہ اس وقت پانچ نمازیں امت پر فرض نہیں ہوئیں تھیں کیونکہ پانچ نمازوں کی فرضیت تو شب معراج میں ہوئی ہے۔

امام بغویؒ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ کی احادیث کی بناء پر یہ فرمایا ہے کہ اس آیت کی رو سے قیام اللیل یعنی رات کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام امت پر فرض تھی اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب پانچ نمازیں فرض نہیں تھیں۔

امام بغویؒ روایت حدیث کی بناء پر یہ فرماتے ہیں کہ اس حکم کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات کے اکثر حصہ کو نماز تہجد میں صرف فرماتے تھے یہاں تک کہ ان کے قدم ورم کر گئے، اور یہ حکم خاصا بھاری معلوم ہوا، سال بھر کے بعد اسی سورت کا آخری حصہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ نازل ہوا جس نے اس طویل قیام کی پابندی منسوخ کر دی اور اختیار دے دیا کہ جتنی دیر کسی کے لئے آسان ہو سکے اتنا وقت خرچ کرنا نماز تہجد میں کافی ہے یہ مضمون ابوداؤد و نسائی میں حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب پانچ نمازوں کی فرضیت شب معراج میں نازل ہوئی تو نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہوگئی البتہ سنت پھر بھی رہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس پر مداومت فرمائی اس طرح اکثر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بڑی پابندی سے نماز تہجد ادا کرتے تھے۔ (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ
آدھی رات یا اُس میں سے کم کر دے
قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ
تھوڑا سا یا زیادہ کر اُس پر ☆

یعنی آدھی رات سے کچھ کم جو تہائی تک پہنچ سکتی ہے یا آدھی سے زیادہ جو دو تہائی تک ہو۔ بقرینۃ قولہٖ تعالیٰ فیما بعد ''اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ'' الخ۔ (تفسیر عثمانی)

آسانی کا حکم:

بغویؒ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قیام شب کرتے تھے لیکن کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ تہائی رات کب ہوئی اور نصف کب ہوئی اور دو تہائی کب ہوئی، اس طرح ساری

رات قیام میں گزرتی تھی تا کہ کہیں واجب مقدار فوت نہ ہو جائے یہ بات صحابہؓ پہ بہت شاق گزرتی تھی یہاں تک کہ ان کے پاؤں پر ورم آ گیا تھا۔ آخر میں اللہ نے رحم فرمایا اور حکم میں تخفیف فرما دی اور آیت فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ سے حکم کو منسوخ فرما دیا اب قیام سنت رہ گیا (وجوب ساقط ہو گیا)۔

سعید بن ہشام کا بیان ہے کہ میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں گیا اور عرض کیا یا ام المومنین مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بتائیے، فرمایا کیا تو قرآن نہیں پڑھتا؟ میں نے عرض کیا پڑھتا کیوں نہیں ہوں فرمایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا، میں نے عرض کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام شب کے متعلق فرمائیے، فرمایا کہ تو يَاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ نہیں پڑھتا، میں نے عرض کیا پڑھتا کیوں نہیں ہوں فرمایا کہ اس سورت کے شروع میں اللہ نے قیام فرض کر دیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سال بھر تک رات کو قیام کرتے رہے یہاں تک کہ پاؤں سوج گئے۔ سورۃ کی آخری آیت کو بارہ مہینے تک اللہ نے آسمان پر روکے رکھا پھر سورۃ کے آخر میں تخفیف فرما دی اس کے بعد قیام شب نفل ہو گیا۔ ابوداؤد، نسائی، بغوی، حاکم، ابن جریر نے اسی طرح کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما کی نقل کی ہے۔

مقاتل رضی اللہ عنہ اور ابن کیسان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ واقعہ (یعنی فرضیت قیام شب) پنجگانہ نماز کے فرض ہونے سے پہلے کا ہے جو مکہ میں تھا، جب پانچ نمازیں فرض ہو گئیں تو فرضیت قیام منسوخ ہو گئی۔

میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ فرضیت قیام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ مخصوص تھی کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ. اللہ جانتا ہے کہ تم دو تہائی رات سے کم اور آدھی رات اور تہائی رات نماز پڑھتے ہو اور تمہارے ساتھیوں کا ایک گروہ بھی نماز پڑھتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ

اور کھول کھول کر پڑھ قرآن کو صاف ☆

ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھنا:

یعنی تہجد میں قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کہ ایک ایک حرف صاف سمجھ میں آئے اس طرح پڑھنے سے فہم و تدبر میں مدد ملتی ہے اور دل پر اثر زیادہ ہوتا ہے اور ذوق و شوق بڑھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا کہ پڑھ اور ترقی کر اور ترتیل کر، تیری منزل اس آخری آیت کے پاس ہے جو تو پڑھتا تھا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

ترتیل کا معنی ہے سہولت اور راستی کے ساتھ زبان سے لفظ کو نکالنا (صراح و قاموس)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ۔ قرآن کو کھول کر بیان کر۔ حسن بصریؒ سے بھی یہی مطلب منقول ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت:

قتادہؒ نے کہا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کیسی تھی؟ فرمایا کھینچ کرتی تھی پھر آپ نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی قراءت اللہ اور الرحمن اور الرحیم کو کھینچ کر کی۔ (بخاری)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت دریافت کی گئی تو آپؓ نے قراءت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح کرتے ہوئے ایک ایک لفظ کھول کر پڑھا یعنی فرمایا کہ ایک ایک حرف علیحدہ علیحدہ پڑھتے تھے تمام حروف الگ الگ سمجھ میں آ جاتے تھے۔ (ترمذی ابوداؤد نسائی)

یہ بھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قراءت توڑ دیتے تھے (یعنی) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پڑھ کر ٹھہراؤ کرتے تھے پھر الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر ٹھہراؤ کرتے تھے۔ (ترمذی)

خوش آوازی:

میں کہتا ہوں کہ ترتیل کے اندر خوش آوازی سے پڑھنا بھی شامل ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کسی چیز کی طرف اتنا متوجہ نہیں ہوتا جتنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش آوازی سے قرآن پڑھنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے (ہم نے اذن کا ترجمہ متوجہ ہونا کیا لفظی ترجمہ کان لگانا) (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں ہے کہ اللہ اتنی (سننے میں) توجہ کسی چیز کی طرف نہیں کرتا جتنی اس خوش آواز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتا ہے جو بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا ہو۔ (بخاری و مسلم)

گا کر نہ پڑھو:

یہ بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قرآن کی قراءت میں تغنی نہ کرے وہ ہم میں سے غیر متعلق ہے۔ (بخاری)

تغنی سے مراد گانا نہیں ہے یہ تو حرام ہے بلکہ خوش آوازی سے پڑھنا مراد ہے بعض روایات میں خوش آوازی سے پڑھنے کی صراحت بھی آئی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قرآن کو عرب کے لہجوں اور آوازوں میں پڑھو، اہل عشق اور یہود و نصاریٰ کی لے سے پرہیز رکھو میرے بعد کچھ لوگ آئیں گے جو قرآن میں گٹ کری لگائیں گے جیسے گانے اور نوحہ کرنے میں گٹکری کی جاتی ہے

قرآن ان کے حلق سے آگے نہیں بڑھے گا انکے دل اوران کی اس کیفیت کو پسند کرنے والوں کے دل فتنہ زدہ ہونگے۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

فائدہ: قرآن کے نصیحت آفرین الفاظ ومعانی پرغور کرنا عذاب کی آیت پڑھ کر ڈرنا اور ثواب کی آیت پڑھ کر امیدوار ہونا وغیرہ وغیرہ ترتیل کے فوائد ہیں۔

بغویؒ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ قرآن کو نہ بکھیرو نہ شعروں کی طرح گاؤ اس کے عجائب پرٹھہراؤ کرو اس سے دلوں کو ہلا دو اور سورت کو آخر تک ختم کرنا ہی تمہارا اصل مقصود نہ ہو

جنت دوزخ کی آیات:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز شب پڑھی آپ جب بھی جنت کے ذکر کرنے والی آیت پر پہنچے تو ضرور ٹھہر کر اللہ سے جنت کی درخواست کی اور جب بھی دوزخ والی آیت پر پہنچے تو ٹھہر کر دوزخ سے پناہ مانگی۔

حضرت عبید ملکی رضی اللہ عنہ صحابی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے قرآن والو قرآن کو سرہانا نہ بناؤ اور اوقات شب وروز میں اس کی تلاوت کرو اور جیسا حق ہے ویسی تلاوت کرو۔ قرآن کو پھیلاؤ قرآن کو خوش آوازی سے پڑھو قرآن کے مضامین پر غور کرو تا کہ تم کو فلاح حاصل ہو اس کی قراءت جلدی جلدی نہ کرو اس کی تلاوت کا بھی ثواب ہے۔ (بیہقی)

قرآن کی اجرت:

حضرت سہل بن عبد ساعدی نے فرمایا ہم قرآن پڑھ رہے تھے اچانک حضور صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے اور فرمایا اللہ کی کتاب ایک ہے۔ تم میں علماء بھی ہیں اور کالے اور گورے بھی ہیں قرآن پڑھو۔ اس زمانہ سے پہلے پڑھو جب کہ کچھ لوگ ایسے آئیں گے کہ قرآن پڑھیں گے اور ایسے درست حروف ادا کریں گے جیسے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے مگر قرآن ان کے حلق سے آگے نہیں بڑھے گا وہ فوری اجر قرآن کے طالب ہونگے۔ اجر قرآن میں تاجیل نہیں کریں گے (یعنی ثواب آخرت کے طالب نہیں ہوں گے)۔

ترتیل قرآن کا مطلب:

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ترتیل کے لفظی معنی کلمہ کو سہولت اور استقامت کے ساتھ منہ سے نکالنے کے ہیں (مفردات امام راغب) مطلب آیت کا یہ ہے کہ تلاوت قرآن میں جلدی نہ کریں بلکہ ترتیل وتسہیل کے ساتھ ہی اس کے معانی میں تدبر وغور کریں۔ (قرطبی)

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کا صرف پڑھنا مطلوب نہیں بلکہ ترتیل مطلوب ہے۔ جس میں ہر ہر کلمہ صاف صاف اور صحیح ادا ہو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح ترتیل فرماتے تھے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعا لی عنہا سے بعض لوگوں نے رات کی نماز میں آپ کی تلاوت قرآن کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے نقل کر کے بتلایا جس میں ایک ایک حرف واضح تھا۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ازمظہری)

مسئلہ: ترتیل میں تحسین صوت یعنی بقدر اختیار خوش آوازی سے پڑھنا بھی شامل ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی کی قراءت وتلاوت کو ایسا نہیں سنتا جیسا اس نبی کی تلاوت کو سنتا ہے جو خوش آوازی کے ساتھ جہراً تلاوت کرے۔ (مظہری)

> اِنَّا سَنُلْقِىْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝
>
> ہم ڈالنے والے ہیں تجھ پر ایک بات وزن دار ☆

قرآن کی ذمہ داری:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی ریاضت کر تو بھاری بوجھ آسان ہو۔" اور وہ بوجھ ایسا ہے کہ جس کے سامنے شب بیداری کو سہل سمجھنا چاہیے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد پے بہ پے قرآن تم پر نازل کریں گی جو اپنی قدر ومنزلت کے اعتبار سے بہت قیمتی اور وزن دار اور اپنی کیفیات ولوازم کے اعتبار سے بہت بھاری اور گراں بار ہے۔ احادیث میں ہے کہ نزول قرآن کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت گرانی اور سختی گزرتی تھی۔ جاڑے کے موسم میں آپ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔ اگر اس وقت کسی سواری پر سوار ہوتے تو سواری تحمل نہیں کر سکتی تھی۔ ایک مرتبہ آپ کی فخذ مبارک زید بن ثابتؓ کی ران پر تھی۔ اس وقت وحی نازل ہوئی۔ زید بن ثابتؓ کو ایسا محسوس ہوا کہ ان کی ران بوجھ سے پھٹ جائیگی۔ اس کے علاوہ اس ماحول میں قرآن کی دعوت وتبلیغ اور اس کے حقوق کا پوری طرح ادا کرنا اور اس راہ میں تمام سختیوں کو کشادہ دلی سے برداشت کرنا بھی سخت مشکل اور بھاری کام تھا۔ اور جس طرح ایک حیثیت سے یہ کلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھاری تھا دوسری حیثیت سے کافروں اور منکروں پر شاق تھا۔ غرض ان تمام وجوہ کا لحاظ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ جس قدر قرآن اتر چکا ہے۔ اس کی تلاوت میں رات کو مشغول رہا کریں اور اس عبادت خاص کے انوار سے اپنے تئیں مشرف کر کے اس فیض اعظم کی قبولیت کی استعداد اپنے اندر مستحکم فرمائیں۔ (تفسیر عثمانی)

بعض لوگوں نے کہا کہ غور کرنے والے کے لیے قرآن ثقیل ہے کیونکہ غور کرنے کے لیے اس کو مزید باطنی تصفیہ اور فکری تجرید کی ضروورت ہوتی ہے قرآن کے معانی کا استحکام اور متانت اس کا طالب ہے یہ توجیہ گذشتہ اور آئندہ (آیات) کے مناسب ہے اس لیے غور کرنے اور سمجھنے کے لیے ترتیل ہے اور رات کو اٹھنا دل اور زبان کے درمیان موافقت پیدا کرنے کے لیے بہت سخت ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ صوفی کے باطن کے لیے قرآن ثقیل ہے کیونکہ مخلوق کے دل

پر خالق بزرگ و برتر جلوہ پاش ہوتا ہے فراء کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے فراء نے کہا کہ قرآن ثقیل ہے خفیف اور لچر نہیں ہمارے رب کا کلام ہے۔

قرآن کی حقیقت:

ہمارے شیخ اجل مرشد کامل نے فرمایا کہ حقیقت قرآن کا انکشاف سالک کے باطن کے لیے بڑا وزنی ہوتا ہے اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۔ میں کہتا ہوں اس معرفت کی تائید آیت لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ سے ہوتی ہے اور یہی معنی اس قول کا کہ قرآن کو قبول کرنا ثقیل ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی اترتی تھی تو آپ بے چین ہو جاتے تھے اور چہرہ مبارک فق ہو جاتا تھا ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی سر جھکا لیتے تھے اور صحابہ بھی جب کیفیت وحی زائل ہو جاتی تو سر اٹھاتے تھے۔

نبوت اور ولایت:

حضرت شیخ مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے: نبوت بہر حال ولایت سے افضل ہے کیونکہ صوفیہ کی نظر میں نبوت نام ہے سیر ذات کا، اور ولایت نام ہے سیر صفات کا، اور دونوں میں بڑا فرق ہے اصطلاح صوفیہ میں خدا کی طرف رخ کرنے کو عروج اور مخلوق کی طرف متوجہ ہونے کو نزول کہتے ہیں۔

نماز خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کی ٹھنڈک تھی۔ احمد۔ نسائی اور بیہقی نے حضرت انس کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نماز میرے لیے خنکی چشم بنا دی گئی ہے ابوداؤد نے ایک خزاعی صحابی رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت بلال رضی اللہ عنہ) سے فرمایا بلال نماز کی اقامت کہہ کر ہم کو سکھ پہنچاؤ۔

گویا مخلوق کی طرف متوجہ ہونے کا جو بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑتا تھا اس کی تلافی تہجد سے ہو جاتی تھی یا یوں کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد کا اثر براہ راست نفوس امت پر پڑتا ہے پس قیام شب سے امت کے نفوس کو متاثر کرنا مقصود ہے۔ (تفسیر مظہری)

وحی کا نزول: مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وحی کا احساس بھی آپ کو ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں ایسی آواز سنتا ہوں جیسے کسی زنجیر کے بجنے آواز ہو، میں چپکا ہو جاتا ہوں جب بھی وحی نازل ہوتی ہے مجھ پر اتنا بوجھ پڑتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں میری جان نکل جائے گی۔

صحیح بخاری شریف کے شروع میں ہے کہ حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ آپ نے فرمایا کبھی تو گھنٹی کی آواز کی طرح ہوتی ہے جو مجھ پر بہت بھاری پڑتی ہے اور جب وہ گنگناہٹ کی آواز ختم ہو جاتی ہے تو اس دوران جو کچھ مجھ سے کہا گیا تھا وہ مجھے خوب محفوظ ہو جاتا ہے اور کبھی فرشتہ انسانی صورت میں میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور میں یاد کر لیتا ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ سخت جاڑے والے دن میں بھی جب آپ پر وحی اتر چکی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے مسند احمد میں ہے کہ کبھی اونٹنی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوتے اور اسی حالت میں وحی آتی تو اونٹنی جھک جاتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ
البتہ اٹھنا رات کو سخت روندتا ہے
وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا ؕ﴿۶﴾
اور سیدھی نکلتی ہے بات ☆

قیام شب مشکل کام ہے:

یعنی رات کو اٹھنا کچھ آسان کام نہیں۔ بڑی بھاری ریاضت اور نفس کشی ہے جس سے نفس روندا جاتا ہے اور نیند آرام وغیرہ خواہشات پامال کی جاتی ہیں۔ نیز اس وقت دعا اور ذکر سیدھا دل سے ادا ہوتا ہے زبان اور دل موافق ہوتے ہیں۔ جو بات زبان سے نکلتی ہے ذہن میں خوب جمتی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ ہر قسم کے شور وغل اور چیخ پکار سے یکسو ہونے اور خداوند قدوس کے سماء دنیا پر نزول فرمانے سے قلب کو ایک عجیب قسم کے سکون و قرار اور لذت و اشتیاق کی کیفیت میسر ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ سونے کے بعد رات کو نماز کے لیے اٹھنا اس صورت میں ناشئۃ اللیل اور تہجد کا ایک معنی ہوگا ابن کیسان نے کہا کہ آخر شب میں اٹھنا ناشئۃ اللیل ہے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نشأ کا معنی قام ہے۔ (اٹھا، کھڑا) ہوا ہے اسلئے رات کی جو ساعت کے لیے قیام ہو وہ ناشئۃ ہے ابن زید کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اول رات کی نماز زیادہ بار ڈالنے والی ہوتی ہے مراد یہ کہ اللہ کی طرف سے فرض کی ہوئی نماز شب (اگر اول رات میں پڑھ لی جائے تو اسکا احصاء ہو جاتا ہے ناغہ نہیں ہو سکتی) کیونکہ جب آدمی سو جاتا ہے تو معلوم نہیں کس وقت بیدار ہو۔ (تفسیر مظہری)

ابن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ رات کے وقت نماز کے لیے اٹھنا قلب، نگاہ، کان اور زبان سب میں باہمی موافقت پیدا کرنے میں اشد

ہے یعنی بہت زیادہ موثر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اَشَدُّ وِطَأً کے معنی یہ ہیں کہ کان اور قلب میں اس وقت زیادہ موافقت ہوتی ہے کہ رات کا وقت عموماً کاموں سے فراغت اور شور وشغب سے نجات اور سکون کا وقت ہوتا ہے۔ اس وقت جو الفاظ زبان سے نکلیں گے اپنے کان بھی ان کو سنیں گے اور دل بھی حاضر ہوگا۔

وَاَقْوَمُ قِيْلًا۔ اور اقوم کے معنی زیادہ مستقیم و درست اور زیادہ ثابت کے ہیں مراد یہ ہے کہ رات کے وقت تلاوت قرآن زیادہ درست اور جماؤ اور ثبات کے ساتھ ہوسکتی ہے کیونکہ مختلف قسم کی آوازوں اور شور وشغب سے قلب اور ذہن مشوش نہیں ہوتا۔

خلاصہ اس آیت کا بھی حکم قیام الیل کی حکمت بیان کرنا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ سونے کے بعد رات کی نماز کے لیے اٹھنا ناشئة الیل ہے۔ یعنی نفس کو قابو میں رکھنے اور ناجائز خواہشات پر اڑنے سے روکنے میں نماز تہجد سے بڑی مدد ملتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ لَكَ فِى النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ﴿۷﴾

البتہ تجھ کو دن میں شغل رہتا ہے لمبا ☆

نماز تہجد کی حکمت:

یعنی دن میں لوگوں کو سمجھانا اور دوسرے کئی طرح کے مشاغل رہتے ہیں۔ گو وہ بھی آپ کے حق میں بالواسطہ عبادت ہیں تاہم بلاواسطہ پروردگار کی عبادت اور مناجات کے لیے رات کا وقت مخصوص رکھنا چاہیے۔ اگر عبادت میں مشغول ہو کر رات کی بعض حوائج چھوٹ جائیں تو کچھ پرواہ نہیں۔ دن میں ان کی تلافی ہوسکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ دن میں ضروری کاموں کی تکمیل تبلیغ اور دعوت دین کے لیے آپ کو ادھر ادھر جانا پڑتا ہے اور ان امور میں آپ مشغول رہتے ہیں رات فراغت کا وقت ہوتا ہے اس لیے آپ کو رات کی نماز پڑھنی چاہیے گویا یہ جملہ گذشتہ حکم کی علت ہے۔

نماز شب کا بیان:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا ہے تو ہمارا رب نچلے آسمان پر نزول اجلال فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کوئی ہے کہ مجھ سے دعا کرے اور میں قبول کروں کوئی ہے کہ مجھ سے مانگے اور میں عطا کروں کوئی ہے کہ مجھ سے مغفرت کا طالب ہو اور میں اس کے گناہ معاف کروں۔ (بخاری ومسلم)

مسلم کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ پھر اللہ اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر فرماتا ہے کوئی ایسی ہستی کو قرض دینے والا ہے جو نہ مفلس ہے نہ حق تلفی کرنیوالا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے رات میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اگر ٹھیک اس ساعت میں کوئی مسلمان دنیا اور آخرت کی بھلائی کا خدا سے خواستگار ہوتا ہے تو اللہ اس کو ضرور ہی عطا فرماتا ہے۔ (مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نماز داؤد علیہ السلام کی نماز تھی اور سب سے زیادہ پسندیدہ روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ تھا۔ داؤد علیہ السلام آدھی رات سوجاتے تھے پھر اٹھ کر ایک تہائی رات میں نماز پڑھتے تھے پھر رات کے چھٹے حصہ میں سو رہتے تھے ایک دن روزہ رکھتے ایک دن ناغہ کرتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نماز شب کا التزام کرو یہ تم سے پہلے گزرے ہوئے صالحین کا طریقہ ہے۔ رب کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے گناہوں کو ساقط کرنے والا اور خطاؤں سے روکنے والا ہے (ترمذی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں (کی حالت دیکھ کر) اللہ ہنستا ہے یعنی (پسند فرماتا ہے) ایک وہ آدمی جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھتا ہے ایک وہ جماعت جو نماز میں ہمہ تن مشغول رہتی ہے اور ایک وہ جماعت ہو جہاد میں منہمک ہوتی ہے۔ شرح السنہ للبغوی۔ (تفسیر مظہری)

اس آیت میں قیام الیل کے حکم کی حکمت و مصلحت کا بیان ہے یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور پوری امت کے لیے عام ہے وہ یہ کہ دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی طرح دوسرے بھی حضرات کو بہت سے مشاغل چلنے پھرنے کے رہتے ہیں فارغ البالی سے عبادت میں توجہ مشکل ہوتی ہے رات کا وقت اس کام کے لیے رہنا چاہیے کہ بقدر ضرورت نیند اور آرام بھی ہوجائے اور قیام الیل کی عبادت بھی۔

فائدہ: حضرات فقہاء نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء ومشائخ جو تعلیم وتربیت اور اصلاح خلق کی خدمتوں میں لگے رہتے ہیں ان کو بھی چاہیے کہ یہ کام دن ہی تک محدود رہنے دیں رات کا وقت اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری اور عبادت کے لیے فارغ رکھنا بہتر ہے جیسا کہ علماء سلف کا تعامل اس پر شاہد ہے کوئی وقتی ضرورت دینی تعلیمی تبلیغی کبھی اتفاقات کو بھی اس میں مشغول رکھنے کی داعی ہو تو وہ بقدر ضرورت مستثنیٰ ہے اس کی شہادت بھی بہت سے حضرات علماء وفقہاء کے عمل سے ثابت ہوتی ہے۔

قولہ اِنَّ لَكَ فِى النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا اس آیت میں ایک ایسی عبادت کا حکم ہے جو رات یا دن کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر حال میں

جاری رہتی ہے وہ ہے ذکر اللہ، اور مراد ذکر اللہ کے حکم سے اس پر مداومت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تو تصور ہی نہیں ہوسکتا کہ آپ بالکل ذکر نہ کرتے ہوں اس لیے اس حکم کا منشاء دوام ذکر ہی ہوسکتا ہے۔
(مظہری)(معارف مفتی اعظم)

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝

اور پڑھے جا نام اپنے رب کا اور چھوٹ کر چلا آ اس کی طرف سب سے الگ ہو کر☆

ذکر اللہ:

یعنی علاوہ قیام لیل کے دن میں بھی (گو بظاہر مخلوق سے معاملات وعلائق رکھنے پڑتے ہیں لیکن) دل سے اسی پروردگار کا علاقہ سب پر غالب رکھیے اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اسی کی یاد میں مشغول رہیے غیر اللہ کا کوئی تعلق ایک آن کے لیے ادھر سے توجہ کو ہٹنے نہ دے بلکہ سب تعلقات کٹ کر باطن میں اسی ایک کا تعلق باقی رہ جائے یا یوں کہو کہ سب تعلقات اسی ایک تعلق میں مدغم ہو جائیں جسے صوفیہ کے ہاں ''بے ہمہ وباہمہ'' یا ''خلوت در انجمن'' سے تعبیر کرتے ہیں۔(تفسیر عثمانی)

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ. قم الیل پر عطف ہے ذکر رب سے مراد ہے شبانہ روز برابر ذکر میں مشغول رہنا کہ نہ کسی وقت سستی پیدا ہو نہ غفلت لیکن ایسا ذکر زبان سے تو ہو نہیں سکتا زبان اور دوسرے اعضاء سے تسبیح حمد نماز اور قراءت وغیرہ جو کچھ کیا جاتا ہے کسی وقت اس میں نیت کی سستی آ ہی جاتی ہے لامحالہ قلبی ذکر مراد ہے حقیقت میں قلبی ذکر ہی ذکر ہے کیونکہ یاد نام ہے غفلت کو دور کردینے کا جیسا کہ حدیث ذکر الله في الغافلين بمنزلة الصابر في الغازمين۔ میں ذکر کا غفلت سے مقابلہ کرنا بتا رہا ہے غفلت کے مقابل ذکر کو لانے کا اقتضاء ہی یہ ہے کہ ذکر غفلت کو دور کرنے کا نام ہے دل کی غفلت کی حالت میں نہ کوئی نماز قابل اعتبار ہے نہ تسبیح نہ قراءت جو نمازی نماز کی طرف سے غافل ہیں انکے لیے تباہی ہے۔

بعض لوگوں کے نزدیک ذکر رب سے مراد یہ کہ تلاوت قرآن بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرو۔

مسئلہ: نماز سے باہر اگر سورہ فاتحہ پڑھی جائے یا کوئی دوسری سورۃ ابتداءً شروع کی جائے یعنی سابق سورت سے ملا کر نہ پڑھی جائے بلکہ تلاوت کا آغاز ہی کسی سورت سے کیا جائے تو دونوں صورتوں میں شروع میں بسم اللہ پڑھنی باجماع علماء مسنون ہے۔ انفال اور براءت پر نہ پڑھنا اجماعی مسئلہ ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام احمدؒ کے نزدیک صرف سورہ فاتحہ کے ساتھ بسم اللہ چپکے چپکے پڑھنی مسنون ہے دوسری سورت کے ساتھ بالکل نہ پڑھی جائے ایک روایت میں امام احمدؒ کا قول آیا ہے کہ ہر سورت کے ساتھ بسم اللہ چپکے چپکے پڑھنی مستحب ہے ہم نے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں دلائل کے ساتھ بیان کر دیا ہے بسم اللہ نہ سورہ فاتحہ کا جزء ہے نہ کسی دوسری سورت کا اور نماز میں جہر کے ساتھ اس کو پڑھنا نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے نہ خلفاء اربعہ سے۔

رہبانیت ممنوع ہے:

تبتل سے مراد یہ نہیں ہے کہ لوگوں سے ملنا چھوڑ دو، اور حقوق عباد کی ادائیگی میں کوتاہی کرو۔ اور جس تعلق ورشتہ داری کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اس کو کاٹ دو۔ اسلام میں سادھو پن تو قطعاً نہیں ہے۔ تم پر اپنے نفس کا بھی حق ہے اور بیوی بچوں کا بھی حق ہے اور مہمان کا بھی حق ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ حسی اور علمی تعلقات سے دل کی وابستگی نہ رکھو۔

وصول حق کی دو منزلیں:

صوفیہ کا قول ہے کہ ہم جس راستے کو قطع کرنے کے درپے ہیں اس کی دو منزلیں ہیں۔ پہلی منزل ہے مخلوق سے کٹ جانے کی اور دوسری منزل ہے حق سے جڑ جانے کی۔ ایک دوسرے کے لیے لازم ہے اسی لیے اللہ نے دونوں کے درمیان واو عاطفہ جو جمعیت پر دلالت کرتا ہے ذکر کیا ہے اور پہلے وصول حق کو وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ. فرما کر ذکر کیا پھر تَبَتَّلْ (مخلوق سے انقطاع) کو بیان کیا کیونکہ مخلوق سے کٹ جانے کی اصل غرض ہی حق سے جڑ جانا ہے (لہٰذا مقصود اصلی کو پہلے ذکر کیا)

ہم نے ذکر اللہ کی تعبیر وصول حق سی اس لیے کی کہ جس یاد میں ہستی کا گزر نہ ہو اور غفلت ادھر نہ گزرے وہ علم حضوری ہوگا۔ علم حصولی کا تصور وہاں بداہتہً ممکن نہیں کیونکہ علم حضوری اسی کو کہتے ہیں کہ جس میں عالم کے سامنے خود معلوم حاضر ہو (اس کی صورت نہ ہو) جب معلوم خود پیش نظر رہے تو یہ ہی دوام حضور ہے یہ ہی وصول اا تصال ہے اسی کو اتحاد اور بقاء کہتے ہیں الفاظ مختلف ہیں مطلب سب کا ایک ہے متقدمین اسی کو اخلاق کہتے تھے حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا تھا اللہ کے لیے کامل اخلاص اختیار کرو۔

مذکورہ تفسیر کی صورت میں وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ. اسم ذات کی تکرار کی طرف اشارہ ہوگا اور رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ میں (بشرطیکہ رب کو جر کے ساتھ ربک کی صفت قرار دیا جائے) تمام ممکنات کو اللہ کا محیط ہونا اور لآ اله الا هو میں نفی واثبات کا بیان ہوگا۔ یہ دنوں چیزیں کمال ولایت حاصل کرنے والوں کے طریقہ کی بنیاد ہیں اس وقت قم الیل اور رتل القرآن اور وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ تینوں الگ الگ احکام ہونگے اس تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ چاروں امور یعنی نماز تلاوت قرآن اور ذکر اسم ذات اور ذکر نفی واثبات قرب کے درجات اور مراتب حاصل ہونے کی بناء ہیں۔

لیکن اول الذکر دونوں چیزیں آخری حد پر پہنچنے والوں کے لیے ہیں اور

آخری دونوں امور ابتدائی مدارج طے کرنے والوں کے لیے اور چونکہ آیات مذکورہ میں اول ترین مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور انتہائی کمال تک پہنچنے والوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ سب سے اونچا ہے اس لیے جو دو امور اہل انتہا کے لیے مخصوص ہیں ان کا ذکر پہلے کر دیا گیا۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر میں مشغول رہنا:

اور ایک حدیث میں جو حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے یہ آیا ہے کہ کان یذکر اللہ علیٰ کل حین یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ کا ذکر فرماتے تھے یہ بھی اس عام معنی کی رو سے صحیح ہوسکتا ہے۔ کیونکہ بیت الخلاء وغیرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر لسانی نہ کرنا روایات حدیث سے ثابت ہے مگر ذکر قلبی ہر وقت جاری رہ سکتا ہے اور ذکر قلبی کی دو صورتیں ہیں ایک الفاظ مخیلہ کے ذریعے ذکر کرنا اور دوسرے اللہ تعالیٰ کی صفات و کمالات میں غور کرنا۔ (کما افادہ شیخ التھانوی قدس سرہ)

اللہ کی طرف لگنے کا مفہوم:

پیچھے متن میں دوسرا حکم اس آیت میں یہ دیا گیا کہ تَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا، یعنی آپ تمام مخلوقات سے قطع نظر کر کے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کی عبادت میں لگ جائیں اس کے مفہوم میں اللہ کی عبادت میں غیر اللہ کو شریک نہ کرنا بلکہ خالص اللہ کی عبادت کرنا بھی داخل ہے اور یہ بھی کہ اپنے تمام اعمال و افعال اور حرکات و سکنات میں نظر اور بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر رہے کسی مخلوق کو نفع و ضرر کا مالک یا حاجت روا اور مشکل کشا نہ سمجھیں۔ حضرت ابن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تبتل کے معنی یہ ہیں کہ تمام دنیا و مافیہا کو چھوڑیں اور صرف اس چیز کی طرف متوجہ رہیں جو اللہ کے پاس ہے۔ (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
مالک مشرق اور مغرب کا ☆

دن رات ذکر کرو:

مشرق دن کا اور مغرب رات کا نشان ہے گویا اشارہ کر دیا کہ دن اور رات دونوں کو اسی مالک مشرق و مغرب کی یاد اور رضا جوئی میں لگانا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

مقامات سلوک:

امام یعقوب کرخیؒ نے فرمایا کہ شروع سورت سے اس آیت تک مقامات سلوک کی طرف اشارہ ہے (۱) یعنی رات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے خلوت۔ (۲) قرآن کریم میں اشتغال۔ (۳) ذکر اللہ پر دوام۔ (۴) ماسوی اللہ سے اعراض و ترک تعلق۔ (۵) اللہ تعالیٰ پر توکل۔ توکل کے آخری حکم سے پہلے اللہ تعالیٰ شانہٗ کی صفت رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ بیان کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ جو ذات پاک مشرق و مغرب یعنی سارے جہان کی پالنے والی اور ان کی تمام ضروریات ابتدا سے انتہا تک پورا کرنے کی متکفل ہے توکل اور بھروسہ کرنے کے قابل صرف وہی ذات ہوسکتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿٩﴾
اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں سو پکڑ لے اس کو کام بنانیوالا ☆

یعنی بندگی بھی اسی کی اور توکل بھی اسی پر رہنا چاہیے۔ جب وہ وکیل و کارساز ہو تو دوسروں سے کٹ جانے اور الگ ہونے کی کیا پرواہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ایک وہم کا ازالہ:

جب اللہ ساری مخلوق کا رب ہے اور الوہیت میں منفرد ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ تمام معاملات اسی کے سپرد کر دیے جائیں۔

تعلیم تبتل سے دماغ میں ایک وہم پیدا ہوسکتا تھا کہ ہر انسان دوسرے کے تعاون کا محتاج ہے تمدن کے بغیر معاشیات اور ضروریات حیات کی فراہمی کا نظام ابتر ہو جائے گا پھر تبتل اور مخلوق سے قطع تعلق کی صورت میں نظام معاشی کیسے چلے گا اس وہم دفع کرنے کے لیے فرمایا رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ الخ یعنی سارے سنسار کا مالک و حاکم اللہ ہے تمام انسان انسانوں کی بستیاں تمام آدمیوں کے افعال، اعمال، منافع اور دل اسی کے دست قدرت میں ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے اس کے سوا نہ کوئی حاکم اعلیٰ ہے نہ معبود برحق نہ اسکی اجازت اور مشیت کے بغیر کوئی کسی کو نفع و نقصان پہنچا سکتا ہے لہٰذا اسی کے سپرد اپنے تمام معاملات کر دو اسی کو اپنا ذمہ دار کارساز مانو وہی سب سے اچھا کارساز ہے اس کی ذمہ داری کے بعد تم کو کسی دوسرے کی ضرورت ہی نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم خدا پر پورا توکل کر لو جیسا توکل کا حق ہے تو جس طرح وہ پرندوں کو رزق دیتا ہے تم کو بھی دے گا، پرندے صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں (ترمذی و ابن ماجہ)

یہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روح القدس (یعنی جبرئیل) نے میری روح میں یہ بات پھونک دی ہے کہ کوئی شخص اپنا رزق پورا کیے بغیر نہیں مرتا۔

لہٰذا تم اللہ سے تقویٰ رکھو اور اچھے راستہ سے رزق طلب کرو یہ حدیث بیہقی نے شعب الایمان میں اور بغوی نے شرح السنۃ میں نقل کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

تہجد کا نور: حضرات عارفینؒ فرماتے ہیں کہ تہجد گزار کے چہرے پر عجیب قسم کا نور نمایاں ہوتا ہے اور یہ بھی فرمایا اس کی قبر میں کبھی اندھیرا نہ ہوگا اس کی مشکلات آسان ہونگی اور اسکو دنیا کی ہر ایک ظلمت سے نجات ملے گی خواہ وہ ظلمت مصائب و آفات کی ہو یا افکار و فتن کی ہو۔ واللہ علم (تفسیر ابن کثیر جلد

رابع تفسیر روح البیان، تفسیر روح المعانی تفسیر فتح المنان) (معارف کاندھلوی)

ترک دنیا کا مطلب:

اور ترمذی میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ترک دنیا اس کا نام نہیں کہ تم اپنے اوپر اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کرلو یا جو مال تمہارے پاس ہو اسے خوامخواہ اڑادو بلکہ ترک دنیا اس کا نام ہے کہ تمہارا اعتماد اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں جو چیز ہے اس پر زیادہ ہو بہ نسبت اس کے جو تمہارے ہاتھ میں ہے۔ (مظہری معارف مفتی اعظم)

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ

اور سہتا رہ جو کچھ کہتے رہیں ☆

یعنی کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر، کاہن اور مجنون و مسحور وغیرہ کہتے ہیں۔ ان باتوں کو صبر و استقلال سے سہتے رہیئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ﴿۱۰﴾

اور چھوڑ دے ان کو بھلی طرح کا چھوڑنا ☆

مخالفوں کو چھوڑنا:

بھلی طرح کا چھوڑنا یہ کہ ظاہر میں ان کی صحبت ترک کرو اور باطن میں ان کے حال سے خبردار رہو کہ کیا کرتے ہیں اور کیا کہتے ہیں اور مجھ کو کس طور سے یاد کرتے ہیں، دوسرے ان کی بدسلوکی کی شکایت کسی کے سامنے نہ کرو نہ انتقام لینے کے درپے ہو نہ گفتگو یا مقابلہ کے وقت کج خلقی کا اظہار کرو۔ تیسرے یہ کہ باوجود جدائی اور مفارقت کے ان کی نصیحت میں قصور نہ کیجئے بلکہ جس طرح بن پڑے ان کی ہدایت و رہنمائی میں سعی کرتے رہیئے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ "یعنی خلق سے کنارہ کر لیکن لڑ بھڑ کر نہیں سلوک سے" مگر یاد رہے کہ یہ آیت مکی ہے اور آیات قتال کا نزول مدینہ میں ہوا ہے۔" (تفسیر عثمانی)

اعلیٰ مقام:

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا۔ بقول امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ چھٹا حکم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے یعنی لوگوں کی ایذاؤں اور گالیوں پر صبر جمیل۔ یہ مقاماتِ سلوک میں سب سے اعلیٰ مقام ہے کہ دشمنوں کی جفا و ایذاء پر صبر کیا جائے یعنی یہ حضرات جن لوگوں کی خیرخواہی اور ہمدردی میں اپنی ساری قوت و توانائی اور ساری عمر خرچ کرتے ہیں انہیں کی طرف سے اس کی جزاء میں گالیاں، ایذائیں، طرح طرح کے جور و ستم ان کے مقابلے میں آتے ہیں۔ ان پر صبر جمیل کرنا یعنی انتقام کا ارادہ بھی نہ کرنا یہ وہ اعلیٰ مقام ہے جو اصطلاح صوفیہ میں فنا ء کامل کے بغیر نصیب نہیں ہوتا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَذَرْنِیْ وَالْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ﴿۱۱﴾

اور چھوڑ دے مجھ کو اور جھٹلانے والوں کو جو آرام میں رہے ہیں اور ڈھیل دے اُن کو تھوڑی سی ☆

منکرین کو ہم سنبھال لیں گے:

یعنی حق و صداقت کو جھٹلانے والے جو دنیا میں عیش و آرام کر رہے ہیں ان کا معاملہ میرے سپرد کر دیجئے میں خود ان سے نبٹ لونگا، مگر تھوڑی سی ڈھیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا اور ان کو کچھ مہلت یا کچھ زمانہ کے لیے ڈھیل دیدو یعنی اس وقت تک یہ خود ہی مر جائیں یا اللہ ان سے لڑنے کا حکم نازل فرمادے اور اہل ایمان کے ہاتھوں سے ان کو عذاب دے اور مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرے۔

مقاتل بن حبان رضی اللہ عنہ نے کہا اس آیت کا نزول مقتولین بدر کے بارے میں ہوا کچھ ہی مدت گزری تھی کہ وہ بدر کی لڑائی میں مارے گئے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ لَدَیْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِیْمًا ﴿۱۲﴾

البتہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور آگ کا ڈھیر

وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۳﴾

اور کھانا گلے میں اٹکنے والا اور عذاب درد ناک ☆

منکروں کا عذاب:

عذاب دردناک سانپوں اور بچھوؤں کا اور خدا جانے کس کس قسم کا (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

اَنْكَالًا نکل کی جمع بھاری قید بیڑی۔ بیہقیؒ نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ انکال آگ کی بیڑیاں ہونگی۔

وَّجَحِیْمًا وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ۔ یعنی ایسا کھانا جس سے پھندہ لگے گا نہ اندر اترے گا نہ باہر نکلے گا۔ ابن جریر اور ابن ابی الدنیا نے اس کو آگ کی صفات میں شمار کیا ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس سے زقوم (تھوہر) کا درخت مراد ہے عبداللہ بن احمد نے بروایت حضرت ابن عباسؓ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ضریع (سینڈھ یا تھوہر) دوزخ کے اندر کانٹوں (یا خاردار جھاڑی) کی طرح ایک چیز ہوگی جو ایلوے سے زیادہ تلخ، مردار سے زیادہ بدبودار اور آگ سے زیادہ گرم ہوگی اور جب دوزخی کو کھلائی جائے گی تو نہ پیٹ میں جائے گی نہ منہ تک لوٹ کر آئے گی بیچ میں اٹکی رہے گی نہ فربہی پیدا کرے گی نہ بھوک کو دفع کرے گی۔

وَعَذَابًا اَلِيْمًا ابن ابی الدنیا نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ دوزخیوں پر آگ کے سانپ اور بچھو گریں گے اور اگر ان میں سے ایک سانپ مشرق میں پھونک مارے تو مغرب والے جل جائیں اور اگر ان میں سے ایک بچھو دنیا والوں کو کاٹ لے تو سب سوختہ ہو جائیں وہ سانپ اور بچھو دوزخیوں پر گریں گے اور ان کے گوشت و پوست کے درمیان داخل ہوں گے۔

مسلم نے بروایت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب اس شخص کا ہوگا جس کے دونوں چپل اور (چپلوں کے تسمے) آگ کے ہوں گے جن کی وجہ سے ہانڈی کے ابال کی طرح اس کا دماغ کھولے گا وہ خیال کرے گا کہ اس پر سب سے سخت عذاب ہے حالانکہ اس پر سب سے ہلکا عذاب ہوگا۔ حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

سلف صالحین کا خوف آخرت:

امام احمد، ابن ابی داؤد، ابن عدی اور بیہقی کی روایت ہے کہ ایک شخص نے قرآن پاک کی یہ آیت سنی تو خوف سے بیہوش ہو گیا اور حضرت حسن بصریؒ ایک دن روزہ سے تھے، افطار کے وقت کھانا سامنے آیا تو اس آیت کا دھیان آ گیا، کھانا نہ کھا سکے اٹھوا دیا، اگلے روز شام کو ایسا ہی ہوا، کھانا اٹھوا دیا، تیسرے روز پھر ایسا ہی ہوا تو ان کے صاحبزادے حضرت ثابت بنانی اور یزید ضبی اور یحییٰ بکاء کے پاس گئے اور حال سنایا، یہ تینوں حضرات آئے اور حضرت حسن کو کھانے کا بہت اصرار کرتے رہے جب مجبور ہو کر کچھ تناول فرمایا۔ (روح المعانی) (معارف مفتی اعظم)

يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ

جس دن کہ کانپے گی زمین اور پہاڑ

وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾

اور ہو جائیں گے پہاڑ ریت کے تودے پھسلتے ☆

آغازِ قیامت: یعنی اس عذاب کی تمہید اس وقت سے شروع ہوگی جب پہاڑوں کی جڑیں ڈھیلی ہو جائیں گی اور وہ کانپ کر گر پڑیں گے اور ریزہ ریزہ ہو کر ایسے ہو جائیں گے جیسے ریت کے تودے جن پر قدم جم نہ سکے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ

ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول بتلانے والا تمہاری باتوں کا ☆

پیغمبر گواہی دیں گے:

یعنی یہ پیغمبر اللہ کے ہاں گواہی دیگا کہ کس نے اس کا کہنا مانا اور کس نے نہیں مانا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾

جیسے بھیجا فرعون کے پاس رسول ☆

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح تم کو مستقل دین اور عظیم الشان کتاب دیکر بھیجا۔ شاید یہ اس پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہے جو تورات "سفر استثناء" میں ہے کہ "میں ان کے لیے ان کے بھائیوں (بنی اسماعیل) میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا"۔ (تفسیر عثمانی)

فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ

پھر کہا نہ مانا فرعون نے رسول کا

فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾

پھر پکڑی ہم نے اس کو وبال کی پکڑ ☆

جب موسیٰ علیہ السلام کے منکر کو ایسا سخت پکڑا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین کو کیوں نہ پکڑے گا۔ جو تمام انبیاء سے افضل اور برتر ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا

پھر کیونکر بچو گے اگر منکر ہو گئے اس دن سے

يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ﴿۱۷﴾

جو کر ڈالے لڑکوں کو بوڑھا ☆

منکر کسی صورت بچ نہیں سکتے:

یعنی دنیا میں اگر بچ گئے تو اس دن کیونکر بچو گے جس دن کی شدت اور درازی بچوں کو بوڑھا کر دینے والی ہوگی۔ خواہ فی الحقیقت بچے بوڑھے نہ ہوں لیکن اس روز کی سختی اور لمبائی کا اقتضاء یہی ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

بچے بوڑھے ہو جائیں گے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ قیامت کے دن فرمائے گا آدمؑ! حضرت آدم علیہ السلام جواب دیں گے حاضر ہوں دست بستہ حاضر ہوں ہر بھلائی تیرے ہی ہاتھوں میں ہے اللہ فرمائے گا کہ دوزخ کا حصہ الگ کر لو۔ آدم علیہ السلام عرض کریں گے، دوزخ کا کتنا حصہ اللہ فرمائے گا نو سو ننانوے فی ہزار اس وقت (ایسا ہول ہوگا کہ) بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حمل والی کو اسقاط ہو جائے گا (یا بچے بوڑھے ہو جائیں اور ہر حمل والی کو اسقاط ہو جائے)۔

اور تم لوگوں کو نشہ میں خیال کرو گے، حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔

نجات پانے والے:

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے وہ ایک (نجات یافتہ) کون ہوگا فرمایا خوش ہو تم میں سے ایک (دوزخی) اور یاجوج ماجوج میں سے ہزار ہوں گے، پھر فرمایا کہ قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا چہارم حصہ ہو گے ہم نے یہ سن کر تکبیر کہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت میں ایک تہائی ہو گے ہم نے یہ سن کر تکبیر کہی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت میں آدھے ہو گے ہم نے تکبیر کہی، فرمایا کہ تم (دوزخی) لوگوں میں ایسے ہو گے جیسے سفید بیل کی کھال پر ایک سیاہ بال یا سیاہ بیل کی کھال میں ایک سفید بال۔ (بخاری ومسلم) (تفسیر مظہری)

السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾
آسمان پھٹ جائے گا اُس دن میں اس کا وعدہ ہونے والا ہے ☆

یعنی اللہ کا وعدہ اٹل ہے ضرور ہو کر رہے گا خواہ تم اس کو کتنا ہی بعید از امکان سمجھو۔ (تفسیر عثمانی)

السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ یعنی آسمان اپنی عظمت اور مضبوطی کے باوجود اس روز شدت کی وجہ سے پھٹ جائے گا دوسری چیزوں کا ذکر ہی کیا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ
یہ تو نصیحت ہے پھر جو کوئی
شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾
چاہے بنا لے اپنے رب کی طرف راہ ☆

جو چاہے نصیحت پکڑے:

یعنی نصیحت کر دی گئی اب جو اپنا فائدہ چاہے اس نصیحت پر عمل کر کے اپنے رب سے مل جائے۔ راستہ کھلا پڑا ہے کوئی روک ٹوک نہیں نہ خدا کا کچھ فائدہ ہے۔ تم سو دفعہ اپنا فائدہ سمجھو تو سیدھے چلے آؤ (تنبیہ) رات کے جاگنے کا حکم جو شروع سورت میں تھا تقریباً ایک سال تک رہا۔ پھر اگلی آیت سے منسوخ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

بندوں کی غفلت:

بات یہ ہے کہ اللہ کا قرب ہم سے ہماری اپنی جانوں سے بھی زیادہ ہے مگر ہماری غفلت اور اللہ کی عظمت و بزرگی کا پردہ حائل ہے انہی حجابوں کی طرف ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے فرمایا ہے اللہ کے ستر ہزار حجاب نور اور تاریکی کے ہیں، عظمت و کبریاء کے حجابات تو نورانی ہیں اللہ نے فرمایا ہے کہ بزرگی میری چادر ہے اور عظمت میری ردا (یعنی بزرگی و برتری میرا لباس ہے جو بندوں سے مجھے چھپائے ہوئے ہے) اور بندوں کی غفلت کے حجابات تاریکی کے پردے ہیں۔ اگر ان پردوں کو دور کر دے تو اس کے چہرے کے جلوے تمام چیزوں کو جلا ڈالیں جہاں تک اس کے بصر کی رسائی ہو (اور چشم الٰہی کی رسائی سے تو کوئی چیز باہر نہیں لامحالہ ہر چیز سوختہ ہو جائے گی۔) پردوں کو دور کرنے کی سہولت صرف یادداشت سے ہوتی ہے۔ یادداشت سے غفلت دور ہو جاتی ہے اور مرتبہ معیت پر فائز ہونے کی وجہ سے استحقاق محبت پیدا ہو جاتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اپنے محبوب کے ساتھ ہوتا ہے، محبت محب کو محبوب تک پہنچا دیتی ہے عظمت و بزرگی کے پردے بھی اس کو نہیں روکتے۔ جلوہ ہائے چہرہ کا سوختہ کر دینا، فناء اور بقاء سے کنایہ ہے خواہ یہ علمی مرتبہ میں ہی ہو (ظاہراً جسمانی سوختگی نہ ہو) بعض علماء نے کہا کہ پورے کلام کا مضمون تحیر ہے (یعنی وہ دن حیران کن ہوگا) اور مجازاً اس سے مقصود ڈرانا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى
بے شک تیرا رب جانتا ہے کہ تو اٹھتا ہے نزدیک
مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ
دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور تہائی رات کے
وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ
اور کتنے لوگ تیرے ساتھ کے ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی تہجد:

یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے اس حکم کی پوری تعمیل کی۔ کبھی آدھی کبھی تہائی اور کبھی دو تہائی رات کے قریب اللہ کی عبادت میں گزاری۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ صحابہؓ کے پاؤں راتوں کو کھڑے کھڑے سوج جاتے اور پھٹنے لگتے تھے۔ بلکہ بعض تو اپنے بال رسی سے باندھ لیتے تھے کہ نیند آئے تو جھٹکا لگ کر تکلیف سے آنکھ کھل جائے۔ (تفسیر عثمانی)

ثابت ہوتا ہے کہ تہائی رات سے کم اور چوتھائی رات سے زیادہ قیام بھی ہوتا ہے، چوتھائی رات سے زیادہ کی قید ہم نے اس لئے لگائی کہ آیت اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا کی تفسیر میں ہم لکھ چکے ہیں کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ قیام چوتھائی رات سے زیادہ ہو۔

وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی اقتداء میں آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک جماعت بھی ایسا ہی قیام کرتی ہے۔

بغویؒ نے تفسیر میں کہا ہے یعنی سب مومن جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ قیام کرتے تھے، یہ تفسیر بہت بعید از فہم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو مومن ہی تھے کافر کب تھے، اللہ نے فرمایا ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اور مِنَ الَّذِيْنَ میں مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی قیام کرنے والے بعض تھے، سب کے سب نہ تھے معلوم ہوا کہ بعض صحابہ مراد ہیں۔

وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ

اور اللہ ماپتا ہے رات کو اور دن کو

عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ

اس نے جانا کہ تم اس کو پورا نہ کر سکو گے سو تم پر معافی بھیج دی

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ

اب پڑھو جتنا تم کو آسان ہو قرآن سے ☆

فرضیت تہجد کی منسوخی:

یعنی رات اور دن کی پوری پیمائش تو اللہ کو معلوم ہے وہی ایک خاص اندازہ سے کبھی رات کو دن سے گھٹاتا ہے کبھی بڑھاتا اور کبھی دونوں کو برابر کر دیتا ہے۔ بندوں کو اس نیند اور غفلت کے وقت روزانہ آدھی' تہائی، اور دو تہائی رات کی پوری طرح حفاظت کرنا خصوصاً جبکہ گھڑی گھنٹوں کا سامان نہ ہو، سہل کام نہیں تھا، اسی لیے بعض صحابہؓ رات بھر نہ سوتے تھے کہ کہیں نیند میں ایک تہائی رات بھی جاگنا نصیب نہ ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے معافی بھیج دی اور فرمادیا کہ تم اس کو ہمیشہ پوری طرح نباہ نہ سکو گے۔ اس لیے اب جس کو اٹھنے کی توفیق ہو، وہ جتنی نماز' اور اس میں جتنا قرآن چاہے پڑھ لے۔ اب امت کے حق میں نہ نماز تہجد فرض ہے نہ وقت کی نہ امقدار تلاوت کی کوئی قید ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث بھی بتا رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تہجد کی نماز بصورت نفل باقی رہ گئی تھی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر قیام شب کیا کہ دونوں پاؤں پر ورم آ گیا عرض کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کیوں کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اگلی پچھلی لغزشیں اللہ معاف کر چکا ہے فرمایا کہ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ یہ نہیں فرمایا کہ یہ مجھ پر فرض ہے۔

سفر میں نفل:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کی حالت میں اونٹنی پر سوار ہی نماز شب پڑھتے تھے اونٹنی کا رخ جدھر بھی ہوتا (اسی رخ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے) سوائے فرائض کے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرائض سوار ہونے کی حالت میں نہیں پڑھتے تھے) ہاں وتر سواری کی حالت میں پڑھ لیتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

امام کے پیچھے قراءت نہ کرنا:

صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے قراءت خلف الامام کا ترک منقول ہے۔ امام مالک نے مؤطا میں بروایت نافع بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ امام کے پیچھے قرأت فاتحہ نہیں کرتے تھے۔

طحاویؒ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ امام کے پیچھے نماز کے کسی حصہ میں قرآءت (فاتحہ) نہ کرو۔

امام محمدؒ نے مؤطا میں لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرآءت کا مسئلہ پوچھا گیا فرمایا کہ خاموشی کے ساتھ متوجہ رہو کیونکہ نماز میں (قرأت سے) روکنے والی چیز موجود ہے اور تمہارے امام کے لئے کافی ہے۔ محمد بن سعدؒ نے کہا کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے منہ میں انگارے بھرے ہوں۔ عبدالرزاق نے ایسی ہی روایت نقل کی ہے مگر اس میں انگاروں کی جگہ پتھر کا لفظ ہے۔ محمدؒ نے بروایت داؤد بن قیس از عملان بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے بیان فرمایا جو امام کے پیچھے پڑھتا ہے کاش اس کے منہ میں پتھر ہوں۔

ابن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ نے مصنف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ امام جہر کے ساتھ پڑھے یا پوشیدہ اس کے پیچھے قرأت نہ کی جائے ان اقوال سے متعلق قرآت کی کراہت (امام کے پیچھے ثابت ہوتی ہے نماز جہری ہو یا سری۔

جہری نماز میں ترک قراءت اس آیت کا بھی مقتضاء ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا تھا اذا قرء فانصتوا قراءت کی جائے تو خاموشی کے ساتھ متوجہ رہو۔ اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ابو داؤد نسائیؒ اور ابن ماجہؒ نے بیان کیا ہے۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہؒ وتر ونفل کی ہر رکعت میں وجوب قراءت کے قائل ہیں مگر اس حد تک نہیں کہ ترک قراءت سے سجدہ سہو واجب ہو جائے۔ امام ابو حنیفہؒ نفل میں جو ہر رکعت کے اندر وجوب قراءت کے قائل ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ نفل کے اندر ہر دوگانہ مستقل نماز ہے، ہاں فرض کے اندر صرف دو رکعتوں میں قراءت واجب ہے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی اول دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں (اور) پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں (صرف) سورۂ فاتحہ، اور فجر وظہر کی پہلی رکعت (دوسری رکعت سے) لمبی پڑھتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

نماز اطمینان سے پڑھو:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد کے اندر ہی تشریف فرما تھے نماز پڑھ کر وہ شخص خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور سلام کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا کہ لوٹ کر جاؤ اور نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی (وہ لوٹ کر گیا نماز پڑھی پھر آیا پھر واپسی کا اور نماز پڑھنے کا حکم ہوا اور وہ پھر گیا اور نماز پڑھی اور حاضر ہوا) اس طرح اس نے تین بار کیا آخر میں عرض کیا قسم ہے اس کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے میں اس کے علاوہ (یا اس سے زیادہ اچھی) نماز نہیں پڑھ سکتا مجھے سکھا دیجئے۔ ارشاد فرمایا جب نماز کو کھڑے ہو تو اللہ اکبر کہو پھر جتنا قرآن بسہولت پڑھ سکو پڑھو، پھر رکوع کرو، اور جب اطمینان سے رکوع کرلو تو سر اٹھا کر سیدھے کھڑے ہو پھر سجدہ کر چکو تو سر اٹھاؤ اور ٹھیک ٹھاک بیٹھ جاؤ پھر تمام نماز میں اسی طرح کرو (متفق علیہ) اسی حدیث کی طرح رفاعہ رزقی نے بھی بیان کیا ہے جس کو احمد ابوداؤد ترمذی اور نسائی نے نقل کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ
جانا کہ کتنے ہونگے تم میں بیمار
وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ
اور کتنے اور لوگ پھرینگے ملک میں
يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ
ڈھونڈھتے اللہ کے فضل کو
وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ
اور کتنے لوگ لڑتے ہونگے اللہ کی راہ میں
اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ
سو پڑھ لیا کرو جتنا آسان ہو اس میں سے
وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ ☆

تخفیف کی وجہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ تم میں بیمار بھی ہونگے اور مسافر بھی جو ملک میں روزی یا علم وغیرہ کی تلاش کرتے پھرینگے اور وہ مرد مجاہد بھی ہونگے جو اللہ کی راہ میں جنگ کرینگے ان حالات میں شب بیداری کے احکام پر عمل کرنا سخت دشوار ہوگا۔ اس لیے تم پر تخفیف کر دی کہ نماز میں جس قدر قرآن پڑھنا آسان ہو پڑھ لیا کرو۔ اپنی جان کو زیادہ تکلیف میں ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں فرض نمازیں نہایت اہتمام سے باقاعدہ پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے رہو کہ ان ہی باتوں کی پابندی سے بہت کچھ روحانی فوائد اور ترقیات حاصل ہوسکتی ہیں (تنبیہ) اولین صحابہ سے ایک سال تک بہت تاکید و تحتم کے ساتھ یہ ریاضت شاقہ شاید اس لیے کرائی کہ وہ لوگ آئندہ تمام امت کے ہادی و معلم بننے والے تھے۔ ضرورت تھی کہ وہ اس قدر منجھ جائیں اور روحانیت کے رنگ میں ایسے رنگے جائیں کہ تمام دنیا ان کے آئینہ میں کمالات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا نظارہ کر سکے اور یہ نفوس قدسیہ ساری امت کی اصلاح کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا سکیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

دیندار تاجر کا ثواب:

بغوی نے بروایت ابراہیم بیان کیا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا جو آدمی مسلمانوں کے کسی شہر میں (کسی ملک سے) کچھ مال (فروخت کیلئے) بامید ثواب تکلیفیں اٹھا کر لائے اور اسی روز کے نرخ پر فروخت کر دے وہ اللہ کے ہاں شہیدوں کا ہم پلہ ہوگا پھر حضرت ابن مسعودؓ نے یہ آیت تلاوت کی: وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔

مسئلہ: قراءت میں توسط مستحب ہے افراط تفریط دونوں نامناسب ہیں، ہمیشہ ہی اعتدال کے ساتھ پڑھنا چاہیے ایسا نہ کرنا چاہیے کہ کبھی تو بہت زیادہ حد سے بڑھ کر پڑھ لیا اور کبھی ترک کر دیا۔ قراءت کی درمیانی مقدار ایک سو پچاس آیت اور زیادہ سے زیادہ ایک ہزار آیت ہیں تاکہ ایک ہفتہ میں قرآن ختم ہو جائے۔

سو آیات پڑھنا:

طبرانی نے بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ (یعنی) سو آیات۔ ابن کثیر نے کہا یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔

بغویؒ نے اپنی سند سے بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جس نے ایک رات دن میں پچاس آیتیں پڑھ لیں اس کا شمار غافلوں میں نہیں ہوگا اور جس نے سو آیات کی قراءت کی اس کو عبادت گزاروں میں لکھا جائے گا اور جس نے دو سو آیات کی تلاوت کی قیامت کے دن قرآن مجید حجت میں اس پر غالب نہیں ہوگا اور جس نے پانچ سو آیات پڑھیں اس کے لئے ثواب کا ڈھیر لکھا جائے گا۔

دارمی نے حسب بصریؒ کی روایت مرسلاً لکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ایک رات میں سو آیات پڑھ لیں اس رات

قرآن اس سے جھگڑا نہیں کرے گا اور جس نے ایک رات میں دو سو آیات کی تلاوت کی اس کے لئے پوری رات کی عبادت لکھی جائے گی اور جس نے پانچ سو سے ایک ہزار تک قرأت کی اس کے لئے ثواب کا ایک ڈھیر لگ جائے گا، صحابہ رضی اللہ عنہم عرض کیا، ڈھیر کیا فرمایا کہ بارہ ہزار درجے۔

ختم قرآن:

مسلم نے محمد بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت لکھی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مہینہ میں (ایک) قرآن پڑھا کرو، میں نے عرض کیا میں (اس سے بھی زیادہ) قوت پاتا ہوں تو فرمایا بیس رات میں (ایک ختم کیا کرو) میں نے عرض کیا میں (اس سے بھی زیادہ) قوت پاتا ہوں فرمایا تو سات رات میں (ایک بار ختم کرلیا کرو) اور اس سے زیادہ نہ کرو۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی نظر میں سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر مداومت (پابندی) کی جائے خواہ عمل تھوڑا ہی ہو۔ یہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنی طاقت ہو اتنا عمل اختیار کرو کیونکہ (زیادہ کرنے سے) تم اکتا جاؤ گے اور خدا نہیں اکتائے گا۔ صحیحین میں حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چستی رہنے تک نماز پڑھو اور سستی آ جائے تو بیٹھ جاؤ۔

غلبہ نیند کے وقت نہ پڑھو:

صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کو نماز پڑھنے میں اونگھ آنے لگے تو اس کو سو جانا چاہیے تاکہ نیند کا غلبہ جاتا رہے کیونکہ اونگھنے میں نماز پڑھے گا تو اس کو معلوم نہ ہوگا (کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے) شاید وہ استغفار کرنا چاہتا ہو اور خود اپنے کو گالیاں دینے لگے۔

تہجد کی نماز پنجگانہ نمازوں سے منسوخ نہ قرار دی جائے جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

احکام شرعیہ کے منسوخ ہونے کی حقیقت:

دنیا کی حکومتیں یا ادارے جو اپنے قوانین میں ترمیم و تنسیخ کرتے رہتے ہیں اس کی بیشتر وجہ تو یہ ہوتی ہے کہ تجربے کے بعد کوئی نئی صورتحال سامنے آتی ہے جو پہلے سے معلوم نہ تھی تو اس صورتحال کے مطابق پہلے حکم کو منسوخ کر کے دوسرا حکم جاری کر دیا جاتا ہے مگر احکام الٰہیہ جس میں اس کا کوئی تصور و احتمال ہی نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم محیط ازلی اور ابدی سے کوئی چیز باہر نہیں۔ کوئی حکم شرعی جاری ہونے کے بعد لوگوں کے کیا حالات رہیں گے کیا کیا صورتیں پیش آئیں گی حق تعالیٰ کو پہلے ہی سے معلوم ہے لیکن باقتضائے حکمت و مصلحت کوئی حکم کچھ عرصہ کے لئے جاری کیا جاتا ہے۔ پہلے ہی اس کا ہمیشہ جاری کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ ایک مدت اللہ کے علم میں متعین ہوتی ہے کہ اس مدت تک یہ حکم جاری رہے گا مگر اس مدت کا اظہار مخلوق پر بمصلحت نہیں کیا جاتا، الفاظ کے عموم سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حکم غیر موقت اور دائمی ہے عنداللہ جو اس کی مدت مقرر ہے جب وہ مدت ختم ہو کر حکم واپس لیا جاتا ہے تو مخلوق کی نظر میں وہ حکم کی منسوخی ہوتی ہے اور حقیقت میں وہ بیان مدت ہوتا ہے یعنی اس وقت مخلوق پر ظاہر کر دیا جاتا ہے کہ ہم نے یہ حکم ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ اس مدت کے لئے جاری کیا تھا اب وہ مدت ختم ہوگئی اور حکم باقی نہیں رہا۔

یہ آیت جس کے ذریعہ نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہوئی اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ سے شروع ہوکر فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ تک آئی ہے یہ آیت شروع سورت کی آیت سے ایک سال یا آٹھ ماہ بعد نازل ہوئی ہے۔ سال بھر کے بعد قیام اللیل کی فرضیت منسوخ ہوئی، مسند احمد، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے شروع میں قیام اللیل کو فرض کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک سال تک اس کی پابندی کرتے رہے۔ سورت کا آخری حصہ اللہ تعالیٰ نے بارہ مہینے تک آسمان میں روک رکھا سال بھر کے بعد آخری حصہ نازل ہوا جس میں قیام اللیل کی فرضیت منسوخ ہوکر تخفیف ہوگئی اور اس کے بعد قیام اللیل صرف نفل و مستحب رہ گیا۔ (از روح المعانی) (معارف مفتی اعظم)

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا پانچ نمازیں دن رات میں فرض ہیں۔ اس نے پوچھا اس کے سوا بھی کوئی اور نمازیں مجھ پر فرض ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باقی سب نوافل ہیں (تفسیر ابن کثیر)

امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب نے اس آیت سے استدلال کر کے یہ مسئلہ کہا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ ہی کا پڑھنا متعین نہیں، اسے پڑھے خواہ اور کہیں سے پڑھ لے گو ایک ہی آیت پڑھنا کافی ہے، اور پھر اس مسئلہ کی مضبوطی اس حدیث سے کی ہے کہ جس میں ہے کہ بہت جلدی جلدی نماز ادا کرنے والے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا پھر پڑھ جو آسان ہو تیرے ساتھ قرآن سے (صحیحین)

وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ

اور قرض دو اللہ کو اچھی طرح پر قرض دینا ☆

اللہ کو قرض دینا:

پورے اخلاص سے اللہ کی راہ میں اس کے احکام کے موافق خرچ کرنا یہی اس کو اچھی طرح قرض دینا ہے۔ بندوں کو اگر قرض حسن دیا جائے وہ بھی اس کے عموم میں داخل سمجھو۔ کما ثبت فضلہ فی الحدیث۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس سے مراد ہے زکوٰۃ کے علاوہ دوسرا صرف خیر جیسے رشتہ داروں سے سلوک مہمان نوازی۔ میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے کہ اس سے عام اطاعت الٰہیہ مراد ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زکوٰۃ کو اچھے طور پر ادا کرنا مراد ہو لفظ قَرْضًا حَسَنًا اس امر پر دلالت کر رہا ہے لفظ حَسَنًا میں معاوضہ دینے کے وعدہ کی طرف طبائع کو مائل کرنا مقصود ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ
اور جو کچھ آگے بھیجو گے اپنے واسطے
خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ
کوئی نیکی اس کو پاؤ گے اللہ کے پاس
هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا
بہتر اور ثواب میں زیادہ ☆

ہر نیکی کا اجر ملے گا:

یعنی جو نیکی یہاں کرو گے۔ اللہ کے ہاں اس کو نہایت بہتر صورت میں پاؤ گے اور بہت بڑا اجر اس پر ملے گا تو یہ مت سمجھو کہ جو نیکی ہم کرتے ہیں یہیں ختم ہو جاتی ہے۔ نہیں، وہ سب سامان تم سے آگے اللہ کے ہاں پہنچ رہا ہے جو عین حاجت کے وقت تمہارے کام آئے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اپنا مال اور وارثوں کا مال:

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے سوال کیا کہ تم میں ایسا کون ہے جو اپنے وارث کے مال سے بہ نسبت اپنے مال کی زیادہ محبت رکھتا ہو، صحابہؓ نے عرض کیا ہم میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اپنے وارث کے مال کی محبت خود اپنے مال سے زیادہ رکھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوچ سمجھ کر بات کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہمیں تو اس کے سوا کوئی دوسری صورت معلوم نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (جب یہ بات ہے تو سمجھ لو کہ) تمہارا مال وہ ہے جو تم نے اپنے ہاتھ سے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا اور جو رہ گیا وہ تمہارا مال نہیں بلکہ تمہارے وارث کا مال ہے (ذکرہ ابن کثیر باسناد ابی یعلے الموصلی ثم قال ورواہ البخاری من حدیث حفص بن غیاث الخ) (معارف مفتی اعظم)

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٠﴾
اور معافی مانگو اللہ سے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ☆

ہر حال میں استغفار کرو:

یعنی تم احکام بجالا کر پھر اللہ سے معافی مانگو۔ کیونکہ کتنا ہی محتاط شخص ہو اس سے بھی کچھ نہ کچھ تقصیر ہو جاتی ہے۔ کون ہے جو دعویٰ کر سکے کہ میں نے اللہ کی بندگی کا حق پوری طرح ادا کر دیا۔ بلکہ جتنا بڑا بندہ ہو اسی قدر اپنے کو تقصیروار سمجھتا ہے اور اپنی کوتاہیوں کی معافی چاہتا ہے۔ اے غفور رحیم تو اپنے فضل سے میری خطاؤں اور کوتاہیوں کو بھی معاف فرما۔ تم سورة الممل ولله الحمد و المنة. (تفسیر عثمانی)

اپنے گناہوں کی اللہ سے معافی مانگو، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ آدمی اپنی نیکیوں پر اعتماد اور بھروسہ نہ کرے بلکہ نیکی کے ساتھ استغفار بھی کرتا رہے کیونکہ آدمی کی کوئی طاعت قصور سے خالی نہیں ہوتی پھر بندہ سے کتنی ہی بڑی نیکی سرزد ہو بارگاہِ خداوندی کے شایان شان نہیں ہوتی جن تک اس کے ساتھ اپنی عاجزی قصور اور حقارت کا اقرار شامل نہ ہو۔

اللہ تمہارے قصوروں کو معاف کرنے والا اور تم پر رحم فرمانے والا ہے تھوڑے عمل کا بھی بڑا ثواب عطا فرماتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورۃ المزمل ختم ہوئی

سورۃ المدثر

جس نے اس کو خواب میں پڑھا وہ رزق کی تنگی میں رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے اس تنگی کو دور فرما دے گا۔ (ابن سیرین)

الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتٌّ وَخَمْسُونَ آيَةً فِيهَا رُكُوعَانِ
سورۂ مدثر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھپن آیتیں ہیں اور اس میں دو رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ①
اے لحاف میں لپٹنے والے ☆

اس کے لیے سورہ ''مزمل'' کا پہلا فائدہ ملاحظہ کرلیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

اس سورۃ کا نزول:

یحییٰ بن کثیر کا بیان ہے کہ میں نے ابوسلمہؓ بن عبدالرحمٰنؒ سے پوچھا کہ سب سے پہلے قرآن کا کون سا حصہ نازل ہوا۔ ابوسلمہؒ نے کہا ''المدثر'' میں نے کہا، لوگ کہتے ہیں کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ سب سے پہلے نازل ہوئی ابو سلمہؒ نے جواب دیا کہ میں نے حضرت جابرؓ سے پوچھا تھا اور جو تم نے مجھ سے کہا میں نے بھی ان سے یہی کہا تھا، انہوں نے جواب دیا تھا کہ میں وہی بیان کررہا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان فرمایا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا میں حراء میں ایک مہینہ گوشہ نشین رہا جب مہینہ پورا کرلیا تو اتر کر آیا (راستہ میں) مجھے ندا آئی میں نے دائیں بائیں اور پیچھے دیکھا (مگر کچھ نظر نہ آیا اوپر سر اٹھایا تو کچھ نظر آیا میں خدیجہؓ کے پاس پہنچا اور (ان سے) کہا مجھے کپڑا اڑھاؤ، مجھے کپڑا اڑھاؤ اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو اس کے بعد فوراً نازل ہوا يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ اور یہ واقعہ فرضیت نماز سے پہلے کا ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے قریش کی دعوت کی، لوگ کھانا کھا چکے تو کہنے لگے آپ لوگ اس شخص (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کیا کہتے ہیں ایک بولا وہ ساحر ہے، دوسرا بولا وہ ساحر نہیں ہے کسی نے کہا کہ وہ کاہن ہے دوسرے نے کہا کہ وہ کاہن نہیں ہے، کسی نے کہا کہ شاعر نے دوسرا بولا کہ شاعر بھی نہیں ہے ایک شخص کہنے لگا (اس کا کلام تو) اثر آفرین جادو ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے ان خیالات کی اطلاع پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا اور کپڑا اوڑھ کر اوپر کو سر اٹھایا اس وقت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا یایھا المدثر فاصبر تک۔

زمانہ فترت کے آخر میں یہ واقعہ پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں کسی جگہ تشریف لے جارہے تھے۔ اوپر سے کچھ آواز سنی تو آپ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غار حرا میں سورہ اقراء لے کر آیا تھا۔ وہ ہی آسمان کے نیچے فضا میں ایک معلق کرسی پر بیٹھا ہے۔ اس کو اس حال میں دیکھ کر وہی طبعی رعب و ہیبت کی کیفیت طاری ہوگئی۔ جو غار حرا میں نزول اقراء کے وقت ہوئی تھی۔ سخت سردی اور کپکپی کے احساس سے آپ گھر میں واپس تشریف لے گئے۔ اور فرمایا زملونی زملونی یعنی مجھے ڈھانپو ڈھانپو۔ آپ کپڑوں میں لپٹ کر لیٹ گئے۔ اس پر سورہ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ (کمافی حدیث صحیحین) (معارف مفتی اعظم)

قُمْ فَاَنْذِرْ ②
کھڑا ہو پھر ڈر سنا دے ☆

لوگوں کو خبر دار کریں:

یعنی وحی ثقل اور فرشتہ کی ہیبت سے آپ کو گھبرانا اور ڈرنا نہیں چاہیے۔ آپ کا تو کام یہ ہے کہ سب آرام و چین چھوڑ کر دوسروں کو غدا کا خوف دلائیں۔ اور کفر و معصیت کے برے انجام سے ڈرائیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ③
اور اپنے رب کی بڑائی بول ☆

اللہ کی بڑائی:

کیونکہ رب کی بڑائی بولنے اور بزرگی و عظمت بیان کرنے ہی سے اس کا خوف دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تقدیس ہی وہ چیز ہے جس کی معرفت سب اعمال و اخلاق سے پہلے حاصل ہونی چاہئے۔ بہرحال اس کے کمالات و انعامات پر نظر کرتے ہوئے نماز میں اور نماز سے باہر اس کی بڑائی کا اقرار و اعلان کرنا تمہارا کام ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تکبیر کا معنی ہے حدوث اور ہر زوال و نقصان کی علامات سے اللہ کو برتر قرار دینا۔ وجوب وجود اور الوہیت و عبادت میں کسی کو اس کا شریک نہ بنانا کسی ممکن سے کسی طرح ذات اوصاف اور افعال میں اس کو مشابہ نہ ماننا صرف اسی کے اندر اوصاف کمال تسلیم کرنا اور دوسروں کے اوصاف کو ناقص اوصاف جاننا۔ عقیدہ تکبیر ہر شخص پر سب سے اول لازم ہے۔ تمام فرائض

سے زیادہ اہم ہے۔ نہ اس کی خلاف ورزی قابل معافی ہے۔ نہ کسی سے یہ واجب ساقط ہوسکتا ہے حکم شرعی سے پہلے محض عقل کی نظر میں بھی یہ عقیدہ واجب تھا۔ اور ہے مگر عقل بطور خود اس کی تفصیل کو جاننے سے قاصر ہے۔ اس لیے ہدایت شرع کی ضرورت ہوئی۔ یعنی یہ بھی عقیدہ خلاف عقل نہیں مگر شریعت کے اظہار کے بغیر اس کی تفصیل کی حدود میں عقل کی رسائی نہیں۔

مسئلہ: فقہاء نے اسی آیت کی وجہ سے نماز میں تکبیر تحریمہ کو فرض کہا ہے اور ثبوت میں اسی آیت کو پیش کیا ہے امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ قائل ہیں کہ بجائے اللہ اکبر کے جو لفظ بھی مفید تعظیم ہو اس سے نماز کا انعقاد ہو جائے گا۔ جیسے اللہ اجل . اللہ اعظم . لا الہ الا اللہ الرحمن اکبر۔ وغیرہ آغاز صلوٰت کی صحت صرف اللہ اکبر کہنے پر ہی موقوف نہیں ہے کیونکہ حکم ہے اللہ کی بڑائی یعنی عظمت کو ظاہر کرنے کا اور اس کا اقرار کرنے کا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ اکبر اچھی طرح کہہ سکتا ہو۔ معذور نہ ہو تو پھر اللہ اکبر کے سوا کوئی دوسرا لفظ کافی نہیں اللہ الاکبر اور اللہ الکبیر کہنا تینوں اماموں کے نزدیک درست ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿٤﴾ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴿٥﴾
اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی سے دور رہ ☆

طہارت: اس سورت کے نازل ہونے پر حکم ہوا کہ مخلوق کو خدا کی طرف بلائیں پھر نماز وغیرہ کا حکم ہوا۔ نماز کے لیے شرط ہے کہ کپڑے پاک ہوں اور گندگی سے احتراز کیا جائے۔ ان چیزوں کو یہاں بیان فرمادیا۔ یہ ظاہر ہے کہ جب کپڑوں کا حسی ومعنوی نجاستوں سے پاک رکھنا ضروری ہے تو بدن کی پاکی بطریق اولیٰ ضروری ہوگی۔ اس لیے اس کے بیان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ بعض علماء نے کپڑوں کو پاک رکھنے سے نفس کا برے اخلاق سے پاک رکھنا مراد لیا ہے۔ اور گندگی سے دور رہنے کے معنی یہ لیے ہیں کہ بتوں کی گندگی سے دور رہیے۔ جیسے اب تک دور ہیں۔ بہر حال آیت ہذا میں طہارت ظاہری و باطنی کی تاکید مقصود ہے۔ کیونکہ بدون اس کے رب کی بڑائی کماحقہ دلنشیں نہیں ہوسکتی۔ (تفسیر عثمانی)

اپنے کپڑوں کو پاک کرو۔ یعنی اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کرلو۔ مجاہد۔ ابراہیم۔ ضحاک، شعبی، زہری، عکرمہ نے کہا حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کا معنی پوچھا گیا تو فرمایا کہ گناہ اور گندگی کی حالت میں لباس نہ پہنو۔ پھر فرمایا کیا تو نے غیلان بن سلمہ ثقفی کا شعر سنا ہے

و انی بحمد اللہ لا ثوب فاجر لبست و لا من عذرۃ اتقنع

اللہ کا شکر ہے کہ میں نے فسق لباس نہیں پہنا اور نہ گندگی کی حالت میں چادر اوڑھی۔

حضرت ابی بن کعب کا بھی یہی قول ہے ضحاک نے کہا کہ اپنے اعمال ٹھیک کرلو۔ سدی نے کہا کہ نیک اعمال آدمی کو پاک کپڑوں والا اور بدکردار آدمی کو ناپاک کپڑوں والا کہا جاتا ہے۔ سعید بن جبیرؒ نے کہا اپنے دل اور گھر کو پاک کرلو۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اپنے اخلاق اچھے بناؤ۔ ابن سیرین اور ابن زید نے کہا کہ آیت میں کپڑوں کو پاک رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ مشرک اپنے کپڑوں کو پاک نہیں رکھتے تھے۔ طاؤس نے کہا اپنے کپڑوں کو طویل نہ کرو۔ کپڑوں کا لمبا نہ ہونا ان کی (تطہیر کا سبب) ہے۔

میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ کپڑوں کو پاک رکھنے کا حکم تو عبارت النص اور الفاظ ہی سے واجب ہے۔ اور بدن کو پاک کرنے کا حکم دلالت النص سے بدرجہ اولیٰ معلوم ہو رہا ہے۔ بنسبت کپڑے کے بدن کا مرتبہ اونچا ہے۔ اور بدن کو خدا سے زیادہ قرب ہے تو جب اللہ تعالیٰ کپڑوں کی ناپاکی کو پسند نہیں فرماتا تو بدن کی ناپاکی کو کیسے پسند فرماسکتا ہے۔ اور اس سے بھی اہم نفس اور قلب کی طہارت ہے۔ قلب کو بدن سے بھی زیادہ اللہ کا قرب حاصل ہے۔ بے شک اللہ توبہ شعار اور پاکیزہ لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔

مسئلہ: فقہاء نے اس آیت سے نماز کے لیے کپڑوں کی اور جگہ کی اور بدن کی نجاست حقیقیہ سے ضروری قرار دی ہے میرے نزدیک صحیح یہ ہے۔ کہ اس آیت سے صرف نماز کے لیے طہارت کی شرط لگانا درست نہیں بلکہ تینوں قسم کی عمومی طہارت کے واجب ہونے پر ہر حال میں یہ آیت دلالت کررہی ہے۔ ہاں نماز کے لیے تینوں اقسام کی طہارت کے وجوب پر اجماع ہے اور اجماع کی علت یہ ہے کہ جب جسمانی ناپاکیوں سے پاک رہنے کا حکم ناقابل نسخ آیت سے ثابت ہے۔ تو اخلاقی اور فکری نجاستوں سے پاک رہنے کا وجوب بطریق اولیٰ ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت وضو میں فرمایا ہے مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ ۔

بتوں اور گناہوں سے پاک رہو:

مجاہد، عکرمہ، قتادہ، زہری، ابن زید اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہم نے کہا رجز سے مراد ہیں بت یعنی بتوں کو چھوڑ دو۔ ان کے قریب بھی نہ جاؤ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا گناہ چھوڑ دو۔ ابوالعالیہ اور ربیع نے کہا رجز کا معنی بت اور رجز کا معنی ہے ہے نجاست اور گناہ ضحاک نے کہا کہ شرک مراد ہے۔

طہارت نہ رکھنے کا عذاب:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کی طرف سے گذرے اور فرمایا ان دونوں کو عذاب دیا جارہا ہے لیکن کسی بڑی بات کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جارہا ایک تو پیشاب سے آڑ نہیں کرتا تھا۔ اور مسلم کی روایت میں ہے ایک پیشاب سے پاک نہیں رہا کرتا

تھا۔ اور دوسرا چغلیاں کھاتا پھرتا تھا۔ (متفق علیہ)

اور کلبی کے نزدیک عذاب یعنی ایسے عقائد و اعمال کو ترک کر دو۔ جو موجب عذاب ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝۶
اور ایسا نہ کر کہ احسان کرے اور بدلہ بہت چاہے؛
وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝۷
اور اپنے رب سے اُمید رکھ ☆

احسان نہ جتلاؤ:

یہ ہمت اور اولو العزمی سکھلائی کہ جو کسی کو دے (روپیہ پیسہ یا علم و ہدایت وغیرہ) اس سے بدلہ نہ چاہیے۔ محض اپنے رب کے دیے پر شاکر و صابر رہ اور جو شدائد دعوت و تبلیغ کے راستہ میں پیش آئیں ان کو اللہ کے واسطے صبر و تحمل سے برداشت کر اور اسی کے حکم کی راہ دیکھ کہ یہ عظیم الشان کام بدون اعلیٰ درجہ کی حوصلہ مندی اور صبر و استقلال کے انجام نہیں پائیگا۔ ان آیتوں کی تفسیر اور بھی کئی طرح کی گئی ہے لیکن احقر کے خیال میں یہی بے تکلف ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح تشریح کی کہ اپنے اعمال کو کھیل سمجھ کر اللہ پر اپنے اعمال کا احسان نہ رکھو۔ یہ بھی حسن بصری نے فرمایا اپنے اعمال کو اپنی نظر میں زیادہ نہ سمجھو۔ اللہ کی دی ہوئی نعمت کے مقابلہ میں وہ کم ہی ہیں مجاہد کا قول نصیف کی روایت سے آیا ہے کہ ''ممنین'' کا معنی ہے ضعیف مطلب یہ ہے کہ کثرت خیر کی طلب میں کمزور نہ ہو۔ ابن زید نے کہا نبوت کا لوگوں پر احسان نہ رکھو کہ ان سے دنیوی مال اس کے عوض طلب کرنے لگو۔ یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اگر اہل حاجت کو کچھ دو۔ تو اپنے عطیہ کو بڑا سمجھ کر ان پر احسان نہ دھرو۔ (تفسیر مظہری)

فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۝۸
پھر جب بجنے لگے وہ کھوکھری چیز ☆

یعنی صور پھونکا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

صور اور اسرافیل:

صحاح جوہری ابوالشیخ ابن حبان نے کتاب العظیمۃ میں وہب بن منبہ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے سفید موتی سے جو بلور کی طرح چمکدار تھا۔ صور کو بنایا پھر عرش کو حکم دیا کہ صور کو پکڑ لے۔ صور عرش سے معلق ہو گیا پھر کن فرمایا تو اسرافیل علیہ السلام پیدا ہو گیا۔ اللہ نے اسرافیل علیہ السلام کو صور لے لینے کا حکم دیا اسرافیل علیہ السلام نے صور لیا صور میں ہر پیدا شدہ روح کی تعداد کے مطابق سوراخ ہیں کسی ایک سوراخ سے دو روحیں برآمد نہیں ہوں گی صور کے وسط میں آسمان و زمین کے چکر کی طرح ایک گول سوراخ ہے جس پر اسرافیل اپنا منہ رکھے ہوئے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ نفخہ اور صیحہ کی خدمت میں نے تیرے سپرد کی۔ اسرافیل علیہ السلام عرش کے اگلے حصے میں داخل ہو گیا اور سیدھا قدم عرش کے نیچے اور بایاں قدم عرش کے اندر رکھے ہوئے اللہ کے حکم کے انتظار میں ہے۔ احمد اور ترمذی نے بسند قوی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کس طرح آرام پاؤں صور والا تو صور منہ میں لیے پیشانی جھکائے کانوں کو خدا کے حکم کی طرف متوجہ کیے موجود ہے کہ کب اس کو صور پھونکنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ یہ بات صحابہ پر سخت دشوار ہوگئی۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چین نہیں تو ہم کو بدرجہ اولیٰ مضطرب رہنا چاہیے ہم کہاں اور رسول کہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ پڑھو احمد اور حاکم نے اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے روایت کی ہے اس روایت میں نِعْمَ الْوَكِيْلُ کے بعد عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا زائد ہے۔

فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝۹
پھر وہ اُس دن مشکل دن ہے ☆

قیامت کی سختی:

یعنی اس دن کے واقعات میں سے صور کا پھونکا جانا گویا ایک مستقل دن ہے جو سرتاپا مشکلات اور سختیوں سے بھرا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ۝۱۰
منکروں پر نہیں آسان ☆

یعنی منکروں پر کسی طرح کی آسانی نہ ہوگی بلکہ اس دن کی سختی دمبدم ان پر بڑھتی جائیگی بخلاف مومنین کے کہ اگر سختی بھی دیکھیں گے تو کچھ مدت کے بعد پھر آسانی کر دی جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

ولید بن مغیرہ کے تاثرات:

بغوی نے لکھا ہے کہ جب آیت

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ

الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان آیات کو پڑھنے مسجد میں کھڑے ہوئے۔ ولید بن مغیرہ پاس ہی موجود تھا اور قراءت سن رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کے سننے

کا احساس ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ان آیات کو پڑھا۔ ولید ان آیات کو سن کر اپنی قوم بنی مخزوم کی مجلس میں گیا اور کہنے لگا بخدا ابھی میں نے محمد سے ایسا کلام سنا ہے۔ جو نہ انسان کا کلام ہے نہ جن کا اس میں عجیب چاشنی اور رونق ہے۔ اور اس (درخت) کی چوٹی ثمر آفریں اور نچلا حصہ خوشہ دار ہے وہ غالب آئے گا۔ مغلوب نہ گا۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھر چلا گیا۔ قریش کہنے لگے کہ خدا کی قسم ولید صابی (بے دین) ہوگیا واللہ تمام قریش والے بے دین ہو جائیں گے۔

قریشیوں کی پریشانی:

ولید کو ریحانہ قریش کہا جاتا ہے ابو جہل بولا تمہاری یہ مصیبت میں خود حل کروں گا۔ یہ کہہ کہ ابو جہل ولید کے پاس گیا۔ اور غمگین شکل کے ساتھ اس کے پہلو میں بیٹھ گیا ولید نے کہا میرے بھتیجے آج تم غمگین نظر آتے ہو۔ کیا وجہ ہے ابو جہل بولا رنجیدہ نہ ہونے کی وجہ بھی کیا ہوسکتی ہے۔ قریش خیمہ میں جمع ہو کر آپ کے بڑھاپے کے باوجود آپ پر تہمت لگا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ نے محمد کے کلام کو سچا کر دکھایا۔ آپ ابن کبشہ اور ابن ابی قحافہ کے پاس اس لیے جاتے ہیں کہ ان کا پس خوردہ کھانا کچھ آپ کو مل جائے۔ ولید یہ سن کر طیش میں آگیا اور بولا کیا قریش کو یہ معلوم نہیں کہ میں بڑا مالدار اور کثیر الاولاد ہوں محمد اور اس کے ساتھیوں کا پیٹ تو خود ہی بھرا ہوا نہیں ان کے پاس پس خوردہ کہاں سے آیا۔ پھر ابو جہل کے ساتھ اٹھ کر قوم کے جلسہ میں آیا اور بولا کیا تمہارا خیال ہے کہ محمد مجنون ہے کیا کبھی کسی نے دیوانوں کی طرح بات کہتے اسے دیکھا ہے۔ حاضرین نے جواب دیا بخدا نہیں ولید نے کہا کیا تمہارا خیال ہے کہ محمد کاہن ہے کیا کبھی کہانت کرتے تم نے اس کو دیکھا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ خدا گواہ ہے کبھی نہیں دیکھا۔ ولید نے کہا کیا تم کہتے ہو کہ محمد شاعر ہے۔ کیا تم نے اس کو شعر کہتے کبھی دیکھا ہے لوگوں نے کہا خدا کی قسم نہیں ولید نے کہا کیا تم کہتے ہو کہ محمد بڑا جھوٹا ہے کیا کبھی تمہارے تجربہ میں اس کا جھوٹ آیا ہے لوگوں نے کہا بخدا نہیں۔ سچائی کی وجہ سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے پہلے امین کہا جاتا تھا۔ پھر قریش نے ولید سے کہا تو آخر وہ کیا ہے ولید نے دل ہی دل میں غور کیا پھر نظر اٹھائی اور منہ بگاڑ کر بولا بس وہ جادوگر ہے۔ اور کچھ نہیں تم نے دیکھ لیا کہ وہ اپنے کلام سے میاں، بیوی باپ، اولاد اور بھائیوں میں جدائی پیدا کر دیتا ہے۔ حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ قصہ نقل کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے بغوی نے کہا اس وقت مندرجہ ذیل آیات کا نزول ہوا ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے دوسری سند سے اس روایت کو بیان کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ﴿۱۱﴾
چھوڑ دے مجھ کو اور اُس کو جس کو میں نے بنایا اکا ☆

منکروں کیلئے اللہ کافی ہے:

ہر انسان ماں کے پیٹ سے اکیلا اور جریدہ آتا ہے۔ مال، اولاد، فوج، لشکر، سامان وغیرہ کچھ ساتھ نہیں لاتا یا ''وحید'' سے مراد خاص ولید بن مغیرہ ہو جس کے بارہ میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں وہ اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اور دنیوی ثروت ولیاقت کے اعتبار سے عرب میں فرد اور یکتا سمجھتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے منکروں کے معاملہ میں جلدی نہ کیجئے نہ ان کو مہلت ملنے سے تنگدل ہوں بلکہ ان کا قصہ میرے سپرد کرو میں سب کا بھگتان کردوں گا آپ کو غمگین و پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ولید بن مغیرہ:

وحید وہ شخص ہوتا ہے جس کا نسب کسی باپ سے نہ ملتا ہو وحید بھی حرامی تھا، بغوی نے بیان کیا ولید کا خطاب قوم میں وحید تھا اللہ نے بھی بطورِ استہزاء واستخفاف اس کو وحید فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾
اور دیا میں نے اس کو مال پھیلا کر
وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾
اور بیٹے مجلس میں بیٹھنے والے ☆

ولید کا مال واولاد:

یعنی مال واولاد کا پھیلاؤ بہت ہوا۔ دسوں بیٹے ہمہ وقت آنکھوں کے سامنے رہتے اور محفلوں میں باپ کی توقیر بڑھاتے اور دھاک بٹھلاتے تھے تجارتی کاروبار اور دوسرے کام کاج کے لیے نوکر چاکر بہت تھے۔ ضرورت نہیں تھی کہ بیٹے باپ کی نظر سے غائب ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

ولید بن مغیرہ کی آمدنی ایک کروڑ گنیاں سالانہ

یہ کافر ولید بن مغیرہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا مال ودولت اور اولاد فراوانی کے ساتھ دی تھی۔ بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی زمین جائیداد باغات مکہ سے طائف تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور بقول ثوری اس کی سالانہ آمدنی ایک کروڑ دینار تھی۔ بعض نے اس سے کم بھی بتلایا ہے۔ لوگوں میں اس کا لقب ریحانہ قریش مشہور تھا۔ یہ خود اپنے آپ کو وحید ابن وحید یعنی یکتا کا بیٹا یکتا کہا کرتا تھا کہ نہ قوم میں میری کوئی نظیر ہے اور نہ میرے باپ مغیرہ کی۔ (قرطبی)

تفسیر قرطبی میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب قرآن کریم کی آیت حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ سے اِلَيْهِ تک نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاوت کر رہے تھے۔ ولید بن مغیرہ نے یہ قراءت سنی تو بے ساختہ کلام الٰہی ماننے اور کہنے پر مجبور ہوگیا۔ کہ واللہ میں نے محمد صلی

اللہ علیہ وسلم سے ایسا کلام سنا ہے کہ جو نہ کسی انسان کا کلام ہو سکتا ہے نہ کسی جن کا۔ اس میں بڑی طاقت ہے۔ اور اس پر خاص رونق ہے۔ اس کا اعلیٰ پھل دینے والا اور اسفل پانی جاری کرنے والا ہے۔ وہ بلاشبہ بالا و بلند ہو کر رہے گا۔ اس پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا۔ یہ بشر کا کلام نہیں ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ﴿١٤﴾
اور تیاری کر دی اُس کیلئے خوب تیاری ☆

ولید کی سیاسی حیثیت:

یعنی دنیا میں خوب عزت جما دی اور مسند حکومت و ریاست اچھی طرح تیار کر دی۔ چنانچہ تمام قریش ہر مشکل کام میں اسی کی طرف رجوع کرتے اور اس کو اپنا حاکم جانتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی میں نے اس کی ریاست اور جاہ و حشمت کا سامان درست کیا ریاست اور پیشوائی کے استحقاق میں یکتا بنایا یہاں تک کہ اس کو ریحانہ قریش کہا جانے لگا۔ یا یہ مطلب کہ اس کی طویل کی طول عمر کے اسباب عطاء کیے۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ﴿١٥﴾
پھر لالچ رکھتا ہے کہ اور بھی دوں ☆

حرص اور ناشکری:

یعنی باوجود کثرت نعمت و ثروت کے کبھی حرف شکر زبان سے نہ نکلا بلکہ ہمیشہ بت پرستی اور زیادہ مال جمع کرنے کی حرص میں منہمک رہتا اور اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس کے سامنے بہشت کی نعمتوں کا ذکر فرماتے تو کہتا تھا کہ اگر یہ شخص اپنے بیان میں سچا ہے تو یقین کامل ہے کہ وہاں کی نعمتیں بھی مجھے ہی ملیں گی۔ اس کو فرماتے ہیں کہ باوجود اس قدر ناشکری اور حق ناشناسی کے یہ بھی توقع رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دنیا و آخرت کی نعمتیں اور زیادہ دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ﴿١٦﴾
ہرگز نہیں وہ ہے ہماری آیتوں کا مخالف ☆

ولید کا زوال: یعنی جب وہ منعم حقیقی کی آیتوں کا مخالف ہے تو اسے ہرگز حق نہیں پہنچتا کہ ایسی توقع باندھے اور خیالی پلاؤ پکائے۔ کہتے ہیں کہ ان آیات کے نزول کے بعد پے بہ پے اس کے مال و اسباب میں نقصان ہونا شروع ہوا۔ آخر فقیر ہو کر ذلت کے ساتھ مر گیا۔ (تفسیر عثمانی)

سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿١٧﴾
اب اُس سے چڑھواؤں گا بڑی چڑھائی ☆

عذاب کی پیش گوئی:

یعنی ابھی اس کو بہت بڑی چڑھائی چڑھنا اور سخت ترین مصائب میں گرفتار ہونا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ "صعود" دوزخ میں ایک پہاڑ ہے جس پر کافر کو ہمیشہ چڑھائینگے اور گرائینگے یہ بھی عذاب کی ایک قسم ہے (تنبیہ) ولید ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھ کر سنایا۔ جس سے کسی قدر متاثر ہوا۔ مگر ابو جہل نے اس کو ورغلایا اور قریش میں چرچا ہونے لگا کہ اگر ولید مسلمان ہو گیا تو بڑی خرابی ہو گی۔ غرض سب جمع ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گفتگو ہوئی کسی نے کہا شاعر ہیں کسی نے کاہن بتلایا ولید بولا کہ میں شعر میں خود بڑا ماہر ہوں اور کاہنوں کی باتیں بھی سب سنی ہیں، پر قرآن نہ شعر ہے نہ کہانت لوگوں نے کہا کہ آخر تیری کیا رائے ہے کہنے لگا کہ ذرا سوچ لوں۔ آخر تیوری بدل کر اور منہ بنا کر کہا کچھ نہیں جادو ہے جو بابل والوں سے نقل ہوتا چلا آیا ہے۔ حالانکہ پیشتر قرآن سن کر کہہ چکا تھا کہ یہ سحر بھی نہیں نہ دیوانے کی بڑ معلوم ہوتی ہے بلکہ اللہ کا کلام ہے مگر محض برادری کو خوش کرنے کے لیے اب یہ بات بنا دی۔ آگے اسی گفتگو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن عباس فرماتے ہیں کہ صعود جہنم کی ایک چٹان کا نام ہے جس پر کافر کو منہ کے بل گھسیٹا جائے گا۔ سعدی کہتے ہیں کہ یہ پتھر بڑا اپھسلنا ہے۔ (ابن کثیر)

میں اس پر سخت عذاب ڈھانک دوں گا۔ صعود ایسا سخت عذاب ہے جو ہر عذاب سے بڑھ کر ہو سب پر غالب ہو۔

دوزخ کا پہاڑ:

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت میں ہے کہ آیت سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا کی تشریح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دوزخ میں آگ کا پہاڑ ہے ولید کو اس پر چڑھنے کا حکم ہوگا۔ جب وہ اپنا ہاتھ اس پر رکھے گا تو ہاتھ پگھل جائے گا۔ اور جب اٹھا لے گا تو دوبارہ اصلی حالت میں ہو جائے گا۔ اور جب اس پر قدم رکھے گا تو قدم پگھل جائے گا اور جب قدم کو اٹھا لے گا تو قدم پھر اصلی حالت میں ہو جائے گا۔ (بغوی)

بغوی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس حدیث کو نقل کیا ہے احمد، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے بھی یہ روایت کی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے حضرت ابو سعیدؓ کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دوزخ کے اندر ایک پہاڑ ہوگا۔ ستر سال تک اس پر چڑھے گا اور پھر لڑھک کر نیچے گر جائے گا۔ اور ہمیشہ اسی طرح کرتا رہے گا۔

کلبی نے کہا صعود دوزخ میں ایک چکنی چٹان ہے ولید کو اس پر چڑھنے کا حکم دیا جائے گا۔ اوپر سے لوہے کی زنجیروں سے اس کو کھینچا جائے گا۔ اور نیچے

سے لوہے کے ہتھوڑوں سے مارا جائے گا۔ اور پھر چڑھنے کا حکم ہوگا۔ اور آگے سے کھینچا جائے گا اور پیچھے سے مارا جائے گا۔ اس کی یہ حالت ہمیشہ رہے گی۔

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾

اُس نے فکر کیا اور دل میں ٹھہرا لیا

فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾

سو مارا جائیو کیسا ٹھہرایا

ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾

پھر مارا جائیو کیسا ٹھہرایا ☆

بدبختی کی تجویز: یعنی بدبخت نے دل میں سوچ کر ایک بات تجویز کی کہ قرآن جادو ہے۔ خدا غارت کرے کیسی مہمل تجویز کی پھر خدا غارت کرے کہ اپنی قوم کے جذبات کے لحاظ سے کیسی برمحل تجویز نکالی جس کو سن کر سب خوش ہو جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾

پھر نگاہ کی پھر تیوری چڑھائی اور منہ تھتھایا

ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾

پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا

فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾

پھر بولا اور کچھ نہیں یہ جادو ہے چلا آتا

اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾

اور کچھ نہیں یہ کہا ہوا ہے آدمی کا ☆

یعنی مجمع پر نگاہ ڈالی پھر خوب منہ بنایا۔ تا دیکھنے والے سمجھیں کہ اس کو قرآن سے بہت کراہت اور انقباض ہے پھر پیٹھ پھیر لی گویا بہت ہی قابل نفرت چیز کے متعلق کچھ بیان کرنا ہے حالانکہ اس سے قبل اس کی حقانیت کا اقرار کر چکا تھا۔ اب برادری کی خوشنودی کے لیے اس سے پھر گیا۔ آخر نہایت غرور تکبر کے انداز میں کہنے لگا۔ بس اور کچھ نہیں یہ جادو ہے جو پہلوں سے نقل ہوتا چلا آتا ہے۔ اور یقیناً یہ آدمی کا کلام ہے جو جادو بن کر باپ کو بیٹے سے' میاں کو بیوی سے' اور دوست کو دوست سے جدا کر دیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ عَبَسَ جب نکتہ چینی کی کوئی چیز نہ ملی اور سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہے تو منہ بگاڑ لیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا اور دشمنی سے تیوری پر بل ڈال لیے۔

وَبَسَرَ یہ عبس کی تاکید ہے یعنی ترش رو ہوا تیوری بگاڑی۔ ثُمَّ اَدْبَرَ پھر رخ موڑا۔ (تفسیر مظہری)

سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾

اب اس کو ڈالوں گا آگ میں ☆

جہنم میں داخلہ:

یعنی عنقریب اس کو آگ میں ڈال کر عناد و تکبر کا مزہ چکھاؤں گا۔ (تفسیر عثمانی)

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں کافر کو گرایا جائے گا۔ چالیس سال تک اندر ہی اندر جاتا رہے گا۔ لیکن پھر بھی تہہ تک نہ پہنچے گا۔ اور صعود جہنم کی ایک ناری پہاڑی کا نام ہے جس پر کافر کو چڑھایا جائے گا۔ ستر سال تک تو چڑھتا ہی رہے گا۔ پھر وہاں سے نیچے گرا دیا جائے گا۔ ستر سال تک نیچے لڑھکتا رہے گا۔ اور اسی ابدی سزا میں گرفتار رہے گا۔

وَمَآ اَدْرٰكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾

اور تو کیا سمجھا کیسی ہے وہ آگ نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے ☆

دوزخ کی آگ:

یعنی دوزخیوں کی کوئی چیز باقی نہ رہنے دیگی جو جلنے سے بچ جائے۔ پھر جلانے کے بعد اس حالت پر بھی نہ چھوڑ یگی بلکہ دوبارہ اصلی حالت پر لوٹا جائیں گے اور جلیں گے یہی سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا (العیاذ باللہ) (تنبیہ) اکثر سلف سے یہی معنی منقول ہیں۔ بعض مفسرین نے دوسری طرح توجیہ کی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لَا تُبْقِيْ جو چیز اس میں ڈالدی جائے اس کو باقی نہیں چھوڑتا۔

وَلَا تَذَرُ اور بغیر ہلاک کیے نہیں رہتا۔ مجاہد نے دونوں جملوں کی تشریحی معنی اس طرح کئے ہیں کہ سقر کسی کو نہیں چھوڑتا اور نہ اس کے اندر کوئی چیز مردہ رہتی ہے۔ جب دوزخی اس کے اندر جل جائیں گے تو ازسرنو انکی بدنی ساخت درست ہو جائے گی۔ ضحاک نے کہا کہ ہر چیز کی تیزی ایک حد پر پہنچ کر سست ہو جاتی ہے مگر سقر کی تیزی دھیمی نہ پڑے گی۔

لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾

جلا دینے والی ہے آدمیوں کو ☆

یعنی بدن کی کھال جھلس کر حیثیت بگاڑ دیگی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "جیسے دہکتا لوہا سرخ نظر آتا ہے آدمی کی پنڈلی پر وہ سرخی نظر آئے گی۔ (تفسیر عثمانی)

کھال کو بگاڑ دینے والی ہے۔ سفیدی کو سیاہی سے بدل دینے والی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور زید بن اسلم نے تفسیر کی وہ جلد کو جلا دینے والی ہے۔ لواحة کا ترجمہ لائحة بھی کیا گیا ہے۔ یعنی وہ لوگوں کے سامنے نمایاں اور ظاہر ہوگی۔ حسن اور ابن کیسان نے کہا وہ سامنے دکھتی ہوگی۔ کہ

آنکھوں دیکھے لوگ اس میں اتریں گے۔ اسی کی طرح معنی ہے۔ آیت وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغٰوِينَ کا۔

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾

اس پر مقرر ہیں انیس فرشتے ☆

دوزخ کے منتظمین:

یعنی دوزخ کے انتظام پر جوفرشتوں کا لشکر ہوگا اس کے افسر انیس فرشتے ہونگے۔ جن میں سب سے بڑے ذمہ دار کا نام "مالک" ہے (تنبیہ)

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے نہایت تفصیل سے انیس کے عدد کی حکمتیں بیان کی ہیں جو قابل دید ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جہنم میں مجرموں کو عذاب دینے کے لیے انیس قسم کے فرائض ہیں جن میں سے ہر فرض کی انجام دہی ایک ایک فرشتہ کی سرکردگی میں ہوگی کوئی شبہ نہیں کہ فرشتہ کی طاقت بہت بڑی ہے اور ایک فرشتہ وہ کام کرسکتا ہے جو لاکھوں آدمی مل نہیں کرسکتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ ہر فرشتہ کی یہ قوت اسی دائرہ میں محدود ہے جس میں کام کرنے کے یے وہ مامور ہوا ہے مثلاً ملک الموت لاکھوں آدمیوں کی جان ایک آن میں نکال سکتا ہے۔

مگر عورت کے پیٹ میں ایک بچہ کے اندر جان نہیں ڈال سکتا۔ حضرت جبریل چشم زدن میں وحی لاسکتے ہیں لیکن پانی برسانا ان کا کام نہیں جس طرح کان دیکھ نہیں سکتا آنکھ سن نہیں سکتی اگر چہ اپنی قسم کے کام کتنے ہی سخت ہوں کرسکتے ہیں مثلاً کان ہوسکتا ہے کہ ہزاروں آوازیں سن لے اور نہ تھکے آنکھ ہزاروں رنگ دیکھ لے اور عاجز نہ ہو اسی طرح اگر ایک فرشتہ عذاب کے واسطے دوزخیوں پر مقرر ہوتا اس سے ایک ہی قسم کا عذاب دوزخیوں پر ہوسکتا تھا دوسری قسم کا عذاب جو اس کے دائرہ استعداد سے باہر ہے ممکن نہ تھا اس لیے انیس قسم کے عذابوں کے لیے (جن کی تفصیل تفسیر عزیزی میں ہے) انیس ذمہ دار فرشتے مقرر ہوئے ہیں علماء نے اس عدد کی حکمتوں پر بہت کچھ کلام کیا ہے مگر احقر کے نزدیک حضرت شاہ صاحبؒ کا کلام بہت عمیق ولطیف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

دوزخ پر انیس ملائکہ مسلط ہوں گے۔ یہ سب دوزخ کے دربان ہوں گے۔ ایک مالک اور باقی اٹھارہ دوسرے فرشتے۔ ابن وہب نے بروایت زید بن اسلم بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے ہر ایک کے دونوں مونڈھوں کے درمیان ایک سال کی راہ کے بقدر فاصلہ ہوگا رحم ان (کے دلوں) سے نکال دیا گیا ہے۔ ہر فرشتہ ستر ہزار کو اٹھا کر دوزخ میں جہاں چاہے گا پھینک دے گا۔

بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا قول نقل کیا ہے اور بیہقی نے بھی ابن اسحاق کی روایت سے لکھا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو ابوجہل نے قریش سے کہا کہ تم پر تمہاری مائیں روئیں کیا تمہارے دس دس آدمیوں میں بھی یہ طاقت نہیں کہ ایک ایک دربان کو پکڑ لیں ابن کبشہ تو بیان کررہا تھا۔ کہ دوزخ کے صرف انیس دربان ہیں تم تو بڑے طاقتور بہادر ہو۔ ابوالاسد کلدہ جمحی بولا سترہ کے لیے تو میں کافی ہوں دس کو پشت اور سات کو پیٹ سے باندھ لوں گا۔ دو کو تم پکڑ لینا۔ اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔ بیہقی نے سعدی کا قول نقل کیا ہے کہ جب آیت عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ نازل ہوئی تو ایک قریشی شخص نے جس کو ابوالاسدین کہا جاتا تھا۔ کہا کہ اے گروہ قریش تم کو ان انیس سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ میں دس کو اپنے سیدھے مونڈھے اور نو کو بائیں مونڈھے سے دھکے دے کر تم سے دور کردوں گا۔ اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحٰبَ النَّارِ إِلَّا مَلٰٓئِكَةً

اور ہم نے جو رکھے ہیں دوزخ پر داروغہ وہ فرشتے ہی ہیں ☆

فرشتوں کی طاقت:

انیس کا عدد سن کر مشرکین ٹھٹھا کرنے لگے کہ ہم ہزاروں ہیں۔ انیس ہمارا کیا کرلیں گے۔ بہت ہوا ہم میں سے دس دس ان کے ایک ایک کے مقابلہ میں ڈٹ جائیں گے ایک پہلوان بولا کہ سترہ کو تو میں اکیلا ہی کافی ہوں۔ دو کا تو تم مل کر تیاپانچا کرلینا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ یعنی وہ انیس تو ہیں مگر آدمی نہیں فرشتے ہیں۔ جن کی قوت کا یہ حال ہے کہ ایک فرشتہ نے قوم لوط کی ساری بستی کو ایک بازو پر اٹھا کر پٹک دیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

مثال کے طور پر سمجھ لیجئے کہ ملک الموت لاکھوں انسانوں کی جان ایک آن میں نکال سکتا ہے مگر عورت کے پیٹ میں ایک بچہ کے اندر جان نہیں ڈال سکتا۔ حضرت جبرئیل چشم زدن میں وحی لاسکتے ہیں مگر پانی برسانا ان کا کام نہیں۔ جس طرح انسان کی قوتوں کو قدرت خداوندی نے محدود کر رکھا ہے۔ کان لاکھوں آوازیں تو سن سکتا ہے لیکن وہ ایک چیز بھی دیکھ نہیں سکتا۔ آنکھیں بے شمار چیزوں کو دیکھ کر نہیں تھکیں گی۔ لیکن وہ ایک آواز بھی سننے پر قادر نہیں اسی طرح جو فرشتہ بھی عذاب پر مقرر ہوگا۔ وہ فرشتہ صرف اسی قسم کا عذاب دے گا۔ جس قسم کے عذاب پر وہ مامور ہے۔ دوسری قسم کا عذاب دینے کی اس کو قطعی قدرت نہ ہوگی۔ تو اس طرح انیس قسم کے عذاب ہوں گے۔ کوئی ضرب سے عذاب دیتا ہوگا۔ کوئی توبیخ وملامت سے کوئی زقوم اور صدید وحمیم کے کھلانے و پلانے پر مقرر ہوگا۔ اس طرح یہ انیس فرشتے اپنے مقرر کردہ عذاب کی انجام دہی میں مصروف ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (معارف کاندھلوی)

وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور اُن کی جو گنتی رکھی ہے سو جانچنے کو منکروں کے ☆

انیس کے عدد کی حکمت:

یعنی کافروں کو عذاب دینے کے لیے انیس کی گنتی خاص حکمت سے رکھی ہے جس کی طرف "عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ" کے فائدہ میں اشارہ کیا جا چکا ہے اور اس گنتی کے بیان کرنے میں منکروں کی جانچ ہے دیکھتے ہیں کہ کون اس کو سن کر ڈرتا ہے اور کون ہنسی مذاق اڑاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ

تاکہ یقین کر لیں وہ لوگ جن کو ملی ہے کتاب اور بڑھے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ

ایمانداروں کا ایمان اور دھوکا نہ کھائیں جن کو

أُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

ملی ہے کتاب اور مسلمان ☆

اہل کتاب پر اثر:

اہل کتاب کو پہلے سے یہ عدد معلوم ہوگا جیسا کہ ترمذی کی ایک روایت میں ہے یا کم از کم کتب سماویہ کے ذریعہ اتنا تو جانتے تھے کہ فرشتوں میں کس قدر طاقت ہے انیس بھی تھوڑے نہیں اور یہ کہ انواع تعذیب کے اعتبار سے مختلف فرشتے دوزخ پر مامور ہونے چاہئیں یہ کام تنہا ایک کا نہیں بہرحال اس بیان سے اہل کتاب کے دلوں میں قرآن کی حقیقت کا یقین پیدا ہوگا اور یہ دیکھ کر مومنین کا ایمان بڑھے گا اور ان دونوں جماعتوں کو قرآن کے بیان میں کوئی شک و تردد نہیں رہے گا نہ مشرکین کے استہزاء و تمسخر سے وہ کچھ دھوکہ کھائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: ابن ابی حاتم نے اور بیہقی نے بعث میں ذکر کیا ہے۔ کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے چند صحابیوں سے جہنم کے دربانوں کے متعلق سوال کیا وہ خدمت گرامی میں حاضر ہوئے تو اسی وقت آیت عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ نازل ہوئی۔ اور اس آیت کا نزول اہل کتاب کے لیے یقین بخش اور اہل ایمان کے ایمان کو بڑھانے والا ہوا۔ (تفسیر مظہری)

وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

اور تاکہ کہیں وہ لوگ کہ جن کے دل میں روگ ہے

مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ

اور منکر ☆

منافقوں اور کافروں کی نادانی:

"الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ" سے منافقین یا ضعیف الایمان مراد ہیں اور "الْكٰفِرُوْنَ" سے کھلے ہوئے منکر۔ (تفسیر عثمانی)

مَاذَآ أَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا

کیا غرض تھی اللہ کو اس مثل سے ☆

یعنی انیس کے بیان سے کیا غرض تھی۔ بھلا ایسی بے تکی اور غیر موزوں بات کو کون مان سکتا ہے۔ (العیاذ باللہ)۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ

یوں بچلاتا ہے اللہ جس کو چاہے

وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ

اور راہ دیتا ہے جس کو چاہے ☆

یعنی ایک ہی چیز سے بد استعداد آدمی گمراہ ہو جاتا ہے اور سلیم الطبع راہ پالیتا ہے جسے ماننا مقصود نہ ہو وہ کام کی بات کو ہنسی مذاق میں اڑا دیتا ہے اور جس کے دل میں خوف خدا اور نور توفیق ہو اس کے ایمان و یقین میں ترقی ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ

اور کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکر کو مگر خود ہی ☆

اللہ کے لشکر:

یعنی اللہ کے بے شمار لشکروں کی تعداد اسی کو معلوم ہے انیس تو صرف کارکنانِ جہنم کے افسر بتلائے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

عطاء نے بیان کیا کہ جن فرشتوں کو اللہ نے دوزخیوں کے عذاب کے لیے مقرر کیا ہے ان کی تعداد سوائے خدا کے کوئی واقف نہیں مراد یہ ہے کہ دربان تو انیس ہی ہیں مگر مددگار اور معاون کتنے ہیں انکی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے۔ ہناد نے کعب کا قول نقل کیا ہے کہ جس شخص کو دوزخ میں لے جانے کا حکم ہوگا۔ اس کے لیے ایک لاکھ فرشتے پکڑنے کو آگے بڑھیں گے۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ تِسْعَةَ عَشَرَ سے مراد سردار ہیں کل ملائکہ جہنم کتنے ہوں گے سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔

حضرت عدی بن ارطاۃؒ نے مدائن کی جامع مسجد میں اپنے خطبہ میں فرمایا کہ میں نے ایک صحابیؓ سے سنا ہے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے ہیں جو ہر وقت خوف خدا سے کپکپاتے رہتے ہیں ان کے آنسو گرتے رہتے ہیں اور وہ ان فرشتوں پر ٹپکتے ہیں جو نماز میں مشغول ہیں اور ان میں ایسے فرشتے بھی ہیں جو ابتدائے دنیا سے رکوع میں ہی ہیں اور بعض سجدے میں ہی ہیں قیامت

کے دن اپنی پیٹھ اور سر اٹھائیں گے اور نہایت عاجزی سے عرض کریں گے ۔ کہ خدایا تو پاک ہے ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا ۔ اس حدیث کی اسناد میں کوئی حرج نہیں ۔ پھر فرماتا ہے یہ آگ جس کا وصف تم سن چکے ہو ۔ یہ لوگوں کے لیے سراسر باعث عبرت ونصیحت ہے ۔ پھر چاند کی رات کے جانے کی صبح کے روشن ہونے کی بڑی بڑی قسمیں کھا کھا کر فرماتا ہے کہ وہ آگ ایک زبردست اور بہت بڑی چیز ہے جو اس ڈراوے کو قبول کر کے حق کی راہ میں لگنا چاہے ۔ لگ جائے ۔ جو چاہے اس کے باوجود بھی حق کو پیٹھ ہی دیتا رہے ۔ اور اس سے دور بھاگتا رہے ۔ اور اسے رد کرتا رہے ۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے آسمان چرچرا رہے ہیں اور انہیں چرچرانے کا حق ہے ایک انگلی کی جگہ بھی ایسی نہیں کہ جہاں کوئی فرشتہ سجدے میں نہ پڑا ہو ۔ اگر تم وہ جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے اور بستروں پر اپنی بیویوں کے ساتھ لذت نہ پا سکتے ۔ بلکہ فریاد وزاری کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل کھڑے ہوتے ۔ اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابو ذرؓ کی زبان سے بے ساختہ نکل جاتا کاش کہ میں درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا ۔ یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے ۔ اور امام ترمذی اسے حسن غریب بتلاتے ہیں اور حضرت ابوذر سے مرفوعا بھی روایت کی گئی ہے ۔ (تفسیر ابن کثیر)

امام احمد جنبلؒ نے حضرت ابو ذر غفاریؓ کی وہ معروف حدیث تخریج فرمائی ہے ۔ جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا آسمانوں میں انگشت برابر کوئی جگہ ایسی نہیں کہ جہاں کوئی فرشتہ بارگاہ رب العزت میں سربسجود نہ ہو اور فرمایا کہ اے لوگو ۔ اگر تم کو وہ بات معلوم ہو جائے ۔ جو مجھے معلوم ہے تو تمہارا یہ حال ہو جائے کہ تم کثرت سے رونے لگو ۔ اور ہنسنا کم کر دو ۔ اور تم اپنے بستروں سے لطف اندوز ہونے کے بجائے جنگلوں اور بیابانوں میں نکل جاؤ ۔ اور اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے آہ وزاری کرتے کرتے گڑگڑانے لگو ۔ (معارف کاندھلوی)

وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ ﴿٣١﴾

اور وہ تو سمجھانا ہے لوگوں کے واسطے ☆

ذکر دوزخ کی حکمت:

یعنی دوزخ کا ذکر صرف عبرت ونصیحت کے لیے ہے کہ اس کا حال سن کر لوگ غضب الٰہی سے ڈریں اور نافرمانی سے باز آئیں ۔ (تفسیر عثانی)

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿٣٣﴾

سچ کہتا ہوں اور قسم ہے چاند کی، اور رات کی جب پیٹھ پھیرے

وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿٣٤﴾

اور صبح کی جب روشن ہووے

إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾

وہ ایک ہے بڑی چیزوں میں کی ☆

یعنی جو بڑی بڑی ہولناک اور عظیم الشان چیزیں ظاہر ہونیوالی ہیں دوزخ ان میں کی ایک چیز ہے ۔ (تفسیر عثانی)

نَذِيرًا لِلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ

ڈرانے والی ہے لوگوں کو جو کوئی چاہے تم میں سے کہ

أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٣٧﴾

آگے بڑھے یا پیچھے رہے ☆

آگے بڑھے نیکی یا بہشت کی طرف اور پیچھے رہے بدی میں پھنسا ہوا یا دوزخ میں پڑا ہوا ۔ بہرحال مقصود یہ ہے کہ دوزخ سب مکلفین کے حق میں بڑے ڈراوے کی چیز ہے اور چونکہ اس ڈرانے کے عواقب ونتائج قیامت میں ظاہر ہونگے ۔ اس لیے قسم ایسی چیزوں کی کھائی جو قیامت کے بہت ہی مناسب ہے چنانچہ چاند کا اول بڑھنا پھر گھٹنا نمونہ ہے اس عالم کے نشو ونما اور اضمحلال وفنا کا ۔ اسی طرح اس عالم دنیا کو عالم آخرت کے ساتھ حقائق کے اختفاء وانکشاف میں ایسی نسبت ہے جیسے رات کو دن کے ساتھ ۔ گویا اس عالم کا ختم ہو جانا رات کے گزرنے اور اس عالم کا ظہور نور صبح کے پھیل جانے کے مشابہ ہے واللہ اعلم ۔ (تفسیر عثانی)

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿٣٩﴾

ہر ایک جی اپنے کئے کاموں میں پھنسا ہوا ہے مگر داہنی طرف والے

فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٤٠﴾ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٤١﴾

باغوں میں ہیں مل کر پوچھتے ہیں گنہگاروں کا حال ☆

داہنی طرف والے:

یعنی جو لوگ میثاق کے دن حضرت آدمؑ کی پشت سے داہنی طرف سے نکلے تھے اور دنیا میں بھی سیدھی چال چلتے رہے اور موقف میں بھی عرش کے داہنی طرف جدھر بہشت ہے کھڑے ہوئے اور اسی طرف روانہ ہوئے اور ان کے نامہ اعمال بھی داہنے ہاتھ میں آئے وہ لوگ البتہ قید میں پھنسے ہوئے نہیں بلکہ جنت کے باغوں میں آزاد ہیں اور نہایت بے فکر اور فارغ البال ہو کر آپس میں ایک دوسرے سے یا فرشتوں سے گنہگاروں

کا حال پوچھتے ہیں کہ وہ لوگ کہاں گئے جو نظر نہیں پڑتے۔ (تفسیر عثانی)

اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ۔ سوا اہل ایمان کے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے کہ اصحاب الیمین سے مراد ہیں وہ لوگ جن کے اعمال نامے دائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے۔

ابن مبارک نے ایک اسدی شخص کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا آخرت کے متعلق کوئی بات تمہارے پاس ہے کعب نے کہا جی ہاں امیر المؤمنین قیامت کا دن ہوگا تو لوح محفوظ رکھ دی جائے گی ہر شخص اپنے اپنے عمل کو دیکھ لے گا پھر اعمال نامے لا کر عرش کے چاروں طرف بکھیر دیئے جائیں گے پھر مؤمن کو بلا کر اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دے دیا جائے گا وہ اس پر غور کرے گا۔

مقاتل نے کہا اصحاب الیمین وہ جنتی ہوں گے جو روز میثاق میں حضرت آدم کے دائیں طرف تھے اور اللہ نے ان کے متعلق فرمایا تھا ھؤلاء للجنة و لا ابالی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ایک روایت میں آیا ہے کہ اصحاب الیمین وہ لوگ ہوں گے جن کے نفوس مبارک ہیں۔ ان تمام اقوال کا نتیجہ یہ ہے کہ اصحاب الیمین سے مراد مومنین ہیں اہل ایمان کو ہی دوامی عذاب نہ ہو گا یا بقدر گناہ سزا پانے کے بعد مغفرت ہو جائے گی یا شفاعت کی وجہ سے معافی ہو جائے گی یا محض رحمتِ الٰہی سے بغیر عذاب کے محفوظ رہیں گے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اصحاب الیمین سے مراد مخلص اہل ایمان ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ ہر شخص سے اس کے اعمال کا مواخذہ ہوگا اگرچہ بعض کی پکڑ سخت نہ ہو مگر کامل مسلمانوں سے مواخذہ نہ ہوگا۔ اصحاب الیمین سے کامل ایمان والے مراد لینے کی کوئی دلیل نہیں۔

سعد بن منصورؒ اور ابن حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے نوادر الاصول میں حضرت علیؓ کی طرف سے اس قول کی نسبت کی ہے کہ اصحاب الیمین سے مراد مسلمانوں کے خورد سال بچے ہیں (جو طفولیت میں مر گئے) حکیم نے اس روایت میں اتنی بیشی کی ہے کہ انھوں نے کوئی عمل نہیں کیا اور نہ وہ اپنے اعمال کے ہاتھوں میں رہن ہوئے۔

ابوظبیانؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد ملائکہ ہیں لیکن جب تک اس روایت کی صحت ثابت نہ ہو نہیں کہا جا سکتا کہ اصحاب الیمین سے ملائکہ (یا طفال مسلمین) مراد ہیں۔ (تفسیر مظہری)

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾
تم کاہے سے جا پڑے دوزخ میں ☆

دوزخیوں سے سوال:

یعنی جب سنیں گے کہ گنہگاروں کو دوزخ میں داخل کیا گیا ہے تب ان گنہگاروں کی طرف متوجہ ہو کر یہ سوال کرینگے کہ باوجود عقل و دانائی کے تم اس دوزخ کی آگ میں کیسے آ پڑے۔ (تفسیر عثانی)

اصل کلام اس طرح تھا کہ اہل جنت کچھ لوگوں سے مجرموں کی حالت میں پوچھیں گے اور وہ مجرموں سے سوال کریں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ میں عن زائد ہے اس وقت یہ مطلب ہوگا کہ اہل جنت مجرموں سے دریافت کریں گے۔ سقر بڑی بلاؤں میں سے ایک بلا ہے۔ بڑی بلائیں بہت سی ہیں ان میں ایک سقر بھی ہے جہنم، لظٰی، حطمہ، سعیر، ہاویہ، سقر سب بڑی بلائیں ہیں (متعدد دوزخ ہیں) (تفسیر مظہری)

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾
وہ بولے ہم نہ تھے نماز پڑھتے
وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾
اور نہ تھے کھانا کھلاتے محتاج کو
وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾
اور ہم تھے باتوں میں دھنستے دھنسنے والوں کے ساتھ
وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾
اور ہم تھے جھٹلاتے انصاف کے دن کو
حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾
یہاں تک کہ آ پہنچی ہم پر وہ یقینی بات ☆

دوزخ میں ڈالنے والے جرائم:

یعنی نہ اللہ کا حق پہچانا نہ بندوں کی خبر لی۔ البتہ دوسرے لوگوں کی طرح حق کے خلاف بحثیں کرتے رہے اور بد صحبتوں میں رہ کر شکوک وشبہات کی دلدل میں دھنستے چلے گئے اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہم کو یقین نہ ہوا کہ انصاف کا دن بھی آنیوالا ہے ہمیشہ اس بات کو جھٹلایا کئے یہاں تک کہ موت کی گھڑی سر پر آن پہنچی اور آنکھوں سے دیکھ کر ان باتوں کا یقین حاصل ہوا جن کی تکذیب کیا کرتے تھے۔ (تفسیر عثانی)

اور جو چیز مسکین کو دینی واجب تھی ہم اس کو کھانے کو نہیں دیتے تھے۔ آیت بتا رہی ہے کہ آخرت میں فروع اعمال پر گرفت کرنے کے لئے کافروں سے خطاب کیا جائے گا البتہ دنیا میں کافر فروع اعمال کے مخاطب اس لئے نہیں ہیں کہ خطاب بالاعمال کی شرط یعنی ایمان مفقود ہے۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کفار اعمال پر مکلّف نہیں ہیں کیونکہ کفر کا تقاضا تو شدت تکلیف ہے۔ تخفیف تکلیف مقتضاء کفر کے خلاف ہے۔ ہاں اسلام لانے سے گزشتہ حقوق اللہ نماز

روزہ اور مختلف سزائیں ساقط ہو جاتی ہیں۔ حالتِ کفر میں کافر جو اللہ کی حق تلفیاں کرتا ہے مسلمان ہونے کے بعد ان کا مواخذہ نہ ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام پہلے کے گناہوں کو نابود کر دیتا ہے الخ۔ (تفسیر مظہری)

فاروق اعظمؓ کا ابو جحش کا پچھاڑنا:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئے نماز کھڑی ہوئی تھی۔ اور تین شخص بیٹھے ہوئے تھے جن میں کا ایک کا نام ابو جحش لیثی تھا۔ آپ نے فرمایا حضور کے ساتھ نماز میں کھڑے ہو جاؤ۔ تو دو شخص تو کھڑے ہوگئے۔ لیکن ابو جحش کہنے لگا کہ اگر کوئی ایسا شخص آئے کہ جو طاقت وقوت میں مجھ سے زیادہ ہو اور مجھ سے کشتی لڑے اور مجھے گرادے پھر میرا منہ مٹی میں ملادے تو میں اٹھوں گا ورنہ بس اٹھ چکا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور کون آئے گا میں تیار ہوں۔ چنانچہ کشتی ہونے لگی اور میں نے اسے پچھاڑ دیا پھر اس کے منہ کو مٹی میں ملادیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ﴿۴۸﴾

پھر کام نہ آئے گی ان کے سفارش سفارش کرنیوالوں کی ☆

کافروں کیلئے کوئی سفارش نہ ہوگی:

کافر کے حق میں کوئی سفارش نہ کریگا اور کریگا تو قبول نہ ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا یا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا جس مسلمان کے تین خورد سال بچے جوانی کو پہنچنے سے پہلے مرجائیں ان کو قیامت کے دن لاکر جنت کے دروازہ پر کھڑا کر دیا جائے گا اور جنت کے اندر داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا وہ کہیں گے کہ اگر ہمارے ماں باپ داخل ہوں گے (تو ہم بھی داخل ہوں گے بغیر ان کے ہم اندر داخل نہ ہوں گے) آخر دوسری یا تیسری بار حکم دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ جنت میں تم بھی آ ؤ اور تمہارے ماں باپ بھی آیت فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ سے یہی مراد ہے (یعنی شافعین سے مرا دخورد سال اطفال ہیں اور شفاعت سے مراد ان کی شفاعت ہے)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ملائکہ اور انبیاء اور شہید اور نیک بندے اور تمام اہل ایمان شفاعت کریں گے پھر دوزخ کے اندر صرف چار (قسم کے آدمیوں کے) سوا اور کوئی نہیں رہے گا اس کے بعد آپ نے آیت قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۔ بِيَوْمِ الدِّينِ تک تلاوت کی (یعنی آیت میں جن چار اقسام کا بیان ہے وہی دوزخ میں رہیں گے)۔

صحیح یہ ہے کہ عدم افادۂ شفاعت کا ترتب اوصاف اربعہ کے مجموعہ پر ہے جن میں ایک وصف تکذیب قیامت بھی ہے تو افادۂ شفاعت سے مانع یہ اوصاف بحیثیت مجموعہ ہیں (ایک ایک انفرادی وصف افادۂ شفاعت سے مانع نہیں)

مؤمنین کے لئے شفاعت:

ہر مومن کے لئے شفاعت کے جواز پر اجماع ہے دوزخ میں داخل ہونے کے قابل بعض مومن شفاعت کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہی نہیں ہونگے۔ اور داخل ہو چکے ہوں گے تو نکال لئے جائیں گے۔ معتزلہ، خوارج اور ان جیسے دوسرے بدعتی شفاعت کے منکر ہیں حالانکہ احادیث شفاعت متواتر للمعنی ہیں تمام احادیث کو ذکر کرنا تو موجب طوالت ہے ہم بعض احادیث بیان کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا آخر میرا رب ندا دے گا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا تو اب خوش ہو گیا۔ میں عرض کروں گا جی ہاں! میرے رب میں راضی ہوں۔ (بزاز، طبرانی، ابونعیم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبیرہ گناہوں والے امتی کے لئے میری شفاعت ہے۔

(ترمذی، ابن حبان، حاکم، احمد، ابوداؤد)

ایسی ہی روایت حضرت جابر کی بھی ترمذی، ابن حبان حاکم، اور ابن ماجہ نے بیان کی ہے۔

اسی قسم کی روایت حضرت ابن عباسؓ کی بھی طبرانی نے لکھی ہے اور خطیب نے حضرت ابن عمر اور حضرت کعب بن عجرہؓ کی روایات بھی اس طرح کی درج کی ہیں۔

عالم کی شفاعت:

حضرت عثمان بن عفانؓ نے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ (قیامت کے دن) عالم اور عابد کو لایا جائے گا عابد سے کہا جائے گا تو جنت میں چلا جا اور عالم سے کہا جائے گا تو شفاعت کے لئے ٹھہرا رہ۔ (اصبہانی)

یہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ میری امت کے بدکردار (بھی) اچھے لوگ ہیں عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسے فرمایا کہ میری امت کے بدکردار لوگوں کو میری شفاعت سے اللہ جنت میں داخل کردے گا اور نیکوں کو ان کے اعمال کی وجہ سے اللہ کی طرف سے جنت میں داخلہ ملے گا۔ (طبرانی و ابونعیم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی موقوف روایت ہے کہ عالم سے کہا جائے گا کہ اپنے شاگردوں کی شفاعت کر خواہ ان کی تعداد آسمان کے ستاروں کے برابر ہو جائے۔ (دیلمی)

حضرت ابو درداء کی مرفوع روایت ہے کہ شہید اپنے ستر گھر والوں کی شفا

عت کرے گا۔ (ابوداؤد)

ایک جنتی کی سفارش:

حضرت انسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ قیامت کے دن لوگ قطار در قطار کھڑے ہوں گے پھر ایک جنتی آدمی دوزخی کی طرف سے گزرے گا دوزخی اس سے کہے گا کیا تجھ کو یاد نہیں کہ ایک روز تو نے مجھ سے پینے کے لئے کچھ مانگا تھا اور میں نے تجھے شربت پلایا تھا یہ سن کر جنتی اس شخص کی سفارش کرے گا پھر وہ (شفاعت یافتہ دوزخی یا جنتی) ایک اور دوزخی شخص کی طرف سے گزرے گا اور مؤخر الذکر اول الذکر شخص سے کہے گا کیا تجھے یاد نہیں میں نے تجھے پاک پانی دیا تھا یہ سن کر وہ اس دوزخی کی شفاعت کرے گا پھر وہ (نجات یافتہ نمبر دوئم یا اوّل الذکر جنتی) ایک اور دوزخی کی طرف سے گزرے گا اور دوزخی اس سے کہے گا تجھے یاد نہیں کہ تو فلاں کام کو جا رہا تھا اور میں نے تیرا وہ کام کر دیا تھا یہ سن کر وہ شخص اس دوزخی کی شفاعت کرے گا۔

مسئلہ: شفاعت کس کو نصیب ہوگی حضرت انسؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے (عقیدۃً) شفاعت کی تکذیب کی اس کو شفاعت نصیب نہ ہوگی اور جس نے حوض (کوثر) کی تکذیب کی اس کو حوض سے کچھ حصہ نہیں ملے گا۔ اس روایت کے راوی سعید بن منصور ہیں۔

حضرت زید بن ارقم اور کچھ اوپر دس صحابیوں رضی اللہ عنھم سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مروی ہے کہ قیامت کے دن میری شفاعت حق ہے جس کا شفاعت پر ایمان نہ ہوگا وہ شفاعت کا مستحق بھی نہیں ہوگا۔ (ابن منیع)

حضرت عبدالرحمٰنؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری شفاعت (ہر مؤمن کے لئے) مباح ہے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے میرے صحابہ رضی اللہ عنھم کو گالیاں دیں۔ (ابونعیم فی الحلیۃ)

مسئلہ: احادیث میں آیا ہے کہ بعض گناہ شفاعت سے محروم رکھنے والے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے عرب سے کھوٹ کی (دغا دی فریب کیا) اس کو میری شفاعت حاصل نہ ہوگی بیہقی نے اس کو جید سند سے روایت کیا ہے۔

حضرت معقل بن یسارؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ دو آدمیوں کو قیامت کے دن میری شفاعت نصیب نہ ہوگی (۱) بڑا ظالم لوگوں کی بڑی حق تلفیاں کرنے والا (۲) دنیا میں بہت زیادہ گھسنے والا دین سے نکل جانے والا۔ بیہقی اور طبرانی نے اس کو عمدہ سند سے بیان کیا ہے۔

حضرت ابودرداءؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپس کے جھگڑے چھوڑ دو قیامت کے دن میں جھگڑالو کی شفاعت نہیں کروں گا۔ (طبرانی تفسیر مظہری)

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٤٩﴾
پھر کیا ہوا ہے اُن کو کہ نصیحت سے منہ موڑتے ہیں ☆

یعنی یہ مصیبتیں سامنے ہیں مگر نصیحت سن کر ٹس سے مس نہیں ہوتے بلکہ سننا بھی نہیں چاہتے۔ (تفسیر عثمانی)

كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ﴿٥٠﴾
گویا کہ وہ گدھے ہیں بدکنے والے
فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾
بھاگے ہیں غل مچانے سے ☆

یعنی حق کا شور وغل اور شیران خدا کی آوازیں سنکر جنگلی گدھوں کی طرح بھاگے جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ابوالمتوکل نے کہا کہ لوگوں کے شور شغب کو قسورہ کہتے ہیں۔

عکرمہ کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ قسورہ شکاری کے جال کو کہتے ہیں سعید بن جبیرؒ نے شکاری ترجمہ کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ
بلکہ چاہتا ہے ہر ایک مرد اُن میں کا
أَن يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾
کہ ملیں اُس کو ورق کھلے ہوئے ☆

کافروں کی چاہت:

یعنی پیغمبر کی بات ماننا نہیں چاہتے۔ بلکہ ان میں ہر شخص کی آرزو یہ ہے کہ خود اس پر اللہ کے کھلے ہوئے صحیفے اتریں اور پیغمبر بنایا جائے "حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ" (انعام رکوع ۱۵) یا یہ کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک براہ راست نوشتہ خدا کی طرف سے آئے جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا حکم دیا گیا ہو "حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ" (بنی اسرائیل۔ رکوع ۱۰) (تفسیر عثمانی)

اہل تفسیر نے بیان کیا ہے کہ کفار قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ (اگر تم سچے ہو تو) ہم میں سے ایک شخص کے سرہانے ایک کھلی چٹھی برآمد ہونی چاہئے جس میں لکھا ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر عمل کرنا ضروری ہے۔ (تفسیر مظہری)

كَلَّا ۖ
ہرگز نہیں ☆

یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ نہ ان میں لیاقت نہ اس کی ضرورت۔ (تفسیر عثمانی)

بَلۡ لَّا یَخَافُوۡنَ الۡاٰخِرَةَ

پر وہ ڈرتے نہیں آخرت سے ☆

خوف آخرت سے محرومی:

یعنی یہ بے ہودہ درخواستیں بھی کچھ اس لیے نہیں کہ ایسا کر دیا جائے تو واقعی مان جائینگے بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ یہ لوگ آخرت کے عذاب سے نہیں ڈرتے اس لیے حق کی طلب نہیں اور یہ درخواستیں محض تعنت سے ہیں۔ اگر یہ درخواستیں بالفرض پوری کردیجائیں تب بھی اتباع نہ کریں کما قال تعالیٰ "وَلَوۡ نَزَّلۡنَا عَلَیۡكَ كِتٰبًا فِیۡ قِرۡطَاسٍ فَلَمَسُوۡهُ بِاَیۡدِیۡهِمۡ لَقَالَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ" (انعام۔ رکوع ۱)۔ (تفسیر عثمانی)

رفتار کلام بتا رہی ہے کہ اصل کلام اس طرح تھا اگر ان کو کھلے پروانے بھی دے دیئے جائیں تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ ان کو معجزہ کی طلب اس غرض کے لئے نہیں ہے کہ معاملہ مبہم ہے (نبوت کی صداقت ان پر واضح نہیں ہے) معاملہ تو ان پر کھلا ہوا ہے اب جو معجزہ کے طلب گار ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کو آخرت کا اندیشہ ہی نہیں ہے۔

تنبیہ: خوف آخرت ایک وہبی امر ہے صداقت رسول صلی اللہ علیہ وسلم واضح ہو جانے کے بعد بھی ضروری نہیں کہ کافر مان ہی لے اور روز قیامت اس کو خوف ہو جائے (تفسیر مظہری)

كَلَّاۤ اِنَّهٗ تَذۡكِرَةٌ ﴿۵۴﴾

کوئی نہیں یہ تو نصیحت ہے ☆

نصیحتِ قرآنی:

یعنی ہر ایک کو الگ الگ کتاب دی جائے ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ ایک کتاب (قرآن کریم) ہی نصیحت کے لیے کافی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَمَنۡ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾

پھر جو کوئی چاہے اس کو یاد کرے ☆

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی (یہ کتاب) ایک پراُتری تو کیا ہوا 'کام تو سب کے آتی ہے"۔ (تفسیر عثمانی)

اور اللہ کا چاہنا نہ چاہنا سب حکمتوں پر مبنی ہے۔ جن کا احاطہ کوئی بشر نہیں کرسکتا۔ وہی ہر شخص کی استعداد و لیاقت کو کما حقہٗ جانتا ہے۔ اور اُس کے موافق معاملہ کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا یَذۡكُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰهُ

اور وہ یاد جب ہی کریں کہ چاہے اللہ ☆

یعنی وہ کس وقت نصیحت پذیر نہیں ہوسکتے مگر اسی وقت جبکہ خدا، ان کی مشیت اور نصیحت پذیری کا ارادہ کرے۔ یہ آیت صراحۃً دلالت کر رہی ہے کہ انسانی اعمال اللہ کی مشیت و ارادہ سے وابستہ ہیں۔ (تفسیر مظہری)

هُوَ اَهۡلُ التَّقۡوٰی وَاَهۡلُ الۡمَغۡفِرَةِ ﴿۵۶﴾

وہی ہے جس سے ڈرنا چاہیے اور وہی ہے بخشنے کے لائق ☆

تقویٰ مغفرت کا سبب ہے:

یعنی آدمی کتنا ہی گناہ کرے لیکن پھر جب تقویٰ کی راہ چلے گا اور اس سے ڈریگا وہ اس کے سب گناہ بخش دیگا اور اس کی توبہ کو قبول کریگا۔ انس ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر بطور حاشیہ منہیہ کے ایک عبارت اس آیت کی تلاوت کے بعد نقل فرمائی جس کے الفاظ یہ ہیں "**قال ربکم عزوجل انا اهل ان اتقی فلا یشرک بی شئی فاذا اتقانی العبدفانا اهل ان اغفرله**" "یعنی میں اس کے لائق ہوں کہ بندہ مجھ سے ڈرے اور میرے ساتھ کسی کو کسی کام میں شریک نہ کرے' پھر جب بندہ مجھ سے ڈرا اور شرک سے پاک ہوا تو میری شان یہ ہے کہ میں اس کے گناہوں کو بخش دوں" حق تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے ہم کو توحید و ایمان پر ہمیشہ قائم رکھے اور اپنی مہربانی سے ہمارے گناہ معاف فرمائے۔ آمین۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ ہی سے خوف رکھا جائے:

یعنی اللہ ہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے عذاب سے خوف کیا جائے جس کی صورت صرف یہی ہے کہ اس کے احکام کی مخالفت سے اجتناب کیا جائے۔

اللہ مغفرت کا اہل ہے یعنی مومن بندوں کے گناہ معاف کر دینے کا مالک ہے۔ حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت هُوَ اَهۡلُ التَّقۡوٰی کے سلسلہ میں فرمایا تمہارے رب نے فرمایا کہ میں اسی قابل ہوں کہ میرا شریک قرار دینے سے اجتناب کیا جائے اور کسی کو میرا ساجھی نہ بنایا جائے اور میں اس بات کا اہل ہوں کہ جو تقویٰ رکھے اور کسی کو میرا شریک نہ بنائے میں اس کی بخشش کردوں (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، حاکم وغیرھم واللہ اعلم (تفسیر مظہری)

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے کہ میں اسکا حق دار ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے، اور میرے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہرایا جائے جو میرے ساتھ شریک بنانے سے بچ گیا ،تو وہ میری بخشش کا مستحق ہوگیا۔ ابن ماجہ، اور نسائی امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن غریب کہتے ہیں۔ تم سورۃ المدثر وللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورة القيامة

اس کو خواب میں پڑھنے والا قسم سے ہمیشہ بچتا رہے گا اور کبھی قسم نہ کھائے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورہ قیامت مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴿١﴾

قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی ☆

قیامت میں اٹھنا یقینی ہے:

یعنی قیامت کا دن جس کا ممکن ہونا عقل سے اور متیقن الوقوع ہونا ایسے مخبر صادق کی خبر سے ثابت ہو چکا ہے جس کے صدق پر دلائل قطعیہ قائم ہیں اس کی قسم کھاتا ہوں کہ تم یقیناً مرے پیچھے اٹھائے جاؤ گے اور ضرور بھلے برے کا حساب ہوگا (تنبیہ) واضح ہو کہ دنیا میں کئی قسم کی چیزیں ہیں جن کی قسم لوگ کھاتے ہیں اپنے معبود کی کسی معظم و محترم ہستی کی کسی مہتم بالشان چیز کی کسی محبوب یا نادر شے کی اس کی خوبی یا ندرت جتانے کے لیے جیسے کہتے ہیں کہ فلاں کی قسمت کی قسم کھائی ہے پھر بلغاء یہ بھی رعایت کرتے ہیں کہ مقسم بہ، مقسم علیہ کے مناسب ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ مقسم بہ کو مقسم علیہ کے لئے شاہد ہی گردانا جائے جیسے ذوق نے کہا ہے۔

اتنا ہوں تیری تیغ کا شرمندۂ احسان
سر میرا ترے سر کی قسم اٹھ نہیں سکتا

یہاں اپنے سر کی نہ اٹھ سکنے پر محبوب کے سر کی قسم کھانا کس قدر موزوں ہے شریعت حقہ نے غیر اللہ کی قسم کھانا بندوں کے لیے حرام کر دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی شان بندوں سے جداگانہ ہے وہ اپنے غیر کی قسم کھاتا ہے اور عموماً ان چیزوں کی جو اس کے نزدیک محبوب یا نافع یا وقیع و مہتم بالشان ہوں یا مقسم علیہ کے لیے بطور شاہد و حجت کے کام دے سکیں یہاں یوم قیامت کی قسم اس کے نہایت وقیع و مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے ہے اور جس مضمون پر قسم کھائی ہے اس سے مناسبت ظاہر ہے کیونکہ بعث و مجازات کا ظرف ہی یوم قیامت ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

میں کہتا ہوں کہ فعل قسم پر نفی لانے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آئندہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ بالکل واضح اور ناقابل انکار ہے قسم کھا کر موکد کرنے کی اس کو ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ عقل و فہم رکھنے والے واقف ہیں کہ کچھ لوگ اس دنیا میں اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والے ہیں۔ خلق خدا پر ظلم کرنے والے اور رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والے ایسی حرکتوں کا ارتکاب کرنے والے جن کی خرابی اور برائی ہر دانش مند کی نظر میں یقینی ہے لیکن ان تمام معصیت کوشیوں کے باوجود وہ خوش عیش اور آسودہ حال ہیں اور ان کے خلاف کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے بڑے شکر گزار ہر حال میں خدا کے حکم پر راضی اور مخلوق پر مہربان ہیں مگر ہر وقت دکھ اور مصیبت میں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿٢﴾

اور قسم کھاتا ہوں جی کی کہ جو ملامت کرے برائی پر ☆

نفس کی قسمیں:

محققین نے لکھا ہے کہ آدمی کا نفس ایک چیز ہے لیکن اس کی تین حالتوں کے اعتبار سے تین نام ہو گئے ہیں۔ اگر نفس عالم علوی کی طرف مائل ہوا اور اللہ کی عبادت و فرمانبرداری میں اس کو خوشی حاصل ہوئی اور شریعت کی پیروی میں سکون اور چین محسوس کیا اس نفس کو "مطمئنہ" کہتے ہیں "يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً" (الفجر) اور اگر عالم سفلی کی طرف جھک پڑا اور دنیا کی لذات و خواہشات میں پھنس کر بدی کی طرف رغبت کی اور شریعت کی پیروی سے بھاگا اس کو "نفس امارہ" کہتے ہیں کیونکہ وہ آدمی کو برائی کا حکم کرتا ہے "وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ" (یوسف۔ رکوع ۷) اور اگر کبھی عالم سفلی کی طرف جھکتا اور شہوت و غضب میں مبتلا ہوتا ہے اور کبھی عالم علوی کی طرف مائل ہو کر ان چیزوں کو برا جانتا ہے اور ان سے دور بھاگتا ہے اور کوئی برائی یا کوتاہی ہو جانے پر شرمندہ ہو کر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے اس کو "نفس لوامہ" کہتے ہیں حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "آدمی کا جی اول کھیل میں اور مزوں میں غرق ہوتا ہے ہرگز نیکی کی طرف رغبت نہیں کرتا۔ ایسے جی کو "امارہ بالسوء" کہتے ہیں پھر ہوش پکڑا نیک و بد سمجھا تو باز آیا کبھی (غفلت ہوئی تو) اپنی خو پر دوڑ پڑا پیچھے کچھ سمجھ آئی تو اپنے کیے پر پچھتانے اور ملامت کرنے لگا۔ ایسا نفس (جی) "لوامہ" کہلاتا ہے۔ پھر جب پورا سنور گیا دل سے رغبت نیکی ہی پر ہو گئی بے ہودہ کام سے خود بخود بھاگنے لگا اور بدی کے ارتکاب بلکہ تصور سے تکلیف پہنچنے لگی وہ نفس "مطمئنہ" ہو گیا (اھ بتغییر یسیر)۔ یہاں نفس لوامہ کی قسم کھا کر اشارہ فرما دیا کہ اگر فطرت صحیح ہو تو خود انسان کا نفس دنیا ہی میں برائی اور تقصیر پر ملامت کرتا ہے یہی چیز ہے جو اپنی اعلیٰ و اکمل ترین صورت میں قیامت کے دن ظاہر ہو گی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت حسن بصریؒ نے نفس لوامہ کی تفسیر نفس مومنہ سے کی ہے اور فرمایا کہ

واللہ مومن تو ہمیشہ ہر حال میں اپنے نفس کو ملامت ہی کرتا ہے سیئات پر تو ظاہر ہی ہے اپنے حسنات اور نیک کاموں میں بھی وہ بمقابلہ شان حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے کمی اور کوتاہی محسوس کرتا ہے کیونکہ حق عبادت کو پورا ادا کرنا تو کسی کے بس میں نہیں اس لیے ادائے حق میں تقصیر اس کے سامنے رہتی ہے اس پر ملامت کرتا ہے۔

نفس امارہ، لوامہ، مطمئنہ :

اور حضرات صوفیائے کرام نے اس میں یہ تفصیل کی ہے کہ نفس اپنی جبلت و فطرت کے اعتبار سے اَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ ہوتا ہے یعنی انسان کو برے کاموں کی طرف بلانے اور اس میں مبتلا کرنے کا داعی ہوتا ہے مگر ایمان اور عمل صالح اور ریاضت و مجاہدہ سے یہ نفس لوامہ بن جاتا ہے کہ برائی اور کوتاہی پر نادم ہونے لگتا ہے مگر برائی سے بالکلیہ انقطاع اس کا نہیں ہوتا آگے عمل صالح میں ترقی اور قرب حق تعالیٰ کے حصول میں کوشش کرتے کرتے جب اس کا یہ حال ہو جائے کہ شریعت اس کی طبیعت بن جائے اور خلاف شرع کام سے طبعی نفرت ہونے لگے تو اس نفس کا قلب مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم (معارف مفتی اعظم)

حسن نے کہا نفس لوامہ سے مراد مومن کا نفس ہے مومن دنیا میں ہر طعام و کلام پر اپنے نفس کو ملامت کرتا رہتا ہے لیکن کافر نہ اپنے نفس سے حساب فہمی کرتا ہے نہ اس کو برا کہتا ہے مقاتل نے کہا اس سے کافر مراد ہے ہر کافر قیامت کے دن اپنے نفس کو برا کہے گا۔

صوفیاء کہتے ہیں کہ نفس بدی کا حکم دیتا ہے لیکن آدمی اگر کوشش کر کے ذکر الٰہی کرے اور اللہ کی طرف سے کشش بھی اس کی مددگار ہو تو اپنے نفس کی برائیاں اس پر کھل جاتی ہیں وہ اپنے نفس کو ماسوی اللہ میں مشغول پاتا ہے اور مخلوق سے کامل طور پر تعلق منقطع کر لینے پر اس کو قدرت نہیں ہوتی تو اس وقت خود اپنے کو ملامت کرتا ہے۔ اس مرتبہ میں پہنچ کر نفس کو نفس لوامہ کہا جاتا ہے لیکن جب اس کو فناء فی اللہ اور بقاء باللہ کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور ماسوائے اللہ کے تعلق سے بالکل آزاد ہو جاتا ہے اور ذکر الٰہی سے ہی اس کو اطمینان نصیب ہو جاتا ہے تو اس مرتبہ پر اس نفس کو نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

نفس کی مثال: نفس کی مثال امام رازی نے کلب اور کتے کی سی بیان فرمائی ہے اور فرمایا لیکن وہ کلبٌ جو معلّم ہو یعنی شکاری کتا تعلیم تربیت اس کی درندگی کو ختم کر کے اس کے شکار کو حلال اور پاک بنا دیتی ہے۔ جب کہ کسی بھی جانور پر کتے کو منہ مارنا اس کو ناپاک اور مردار بنا دیتا ہے تو اسی طرح نفس تعلیم و تربیت کے بعد جب مطمئنہ ہو جائے گا تو اسکے عمل اور تحریک میں بھی خیر اور پاکیزگی آ جائےگی جبکہ اس کے بغیر نفس کی ہر تحریک اور عمل شر ہی شر تھا۔

نفس اور روح:

حافظ ابن عبدالبرؒ نے التمہید میں ایک حدیث نقل کی ہے اسی کو امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں بھی تخریج فرمایا ہے۔

ان اللہ تعالیٰ خلق آدم وجعل فيه نفساً وروحاً فمن الروح عفافه وفهمهٗ وحلمهٗ وجودهٗ وسخائهٗ وفائهٗ ومن النفس شهوتهٗ وغضبهٗ وسفههٗ وطيشهٗ.

ترجمہ: کہ اللہ رب العزت نے آدم کو پیدا کیا اور اس میں نفس بھی رکھا اور روح بھی تو روح سے انسان کی عفت و پاکدامنی اس کا علم و فہم اور اس کا جود و کرم اور وفاء عہد ہے اور نفس سے اس کی شہوت اس کا غضب اور برافروختگی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴿۳﴾
کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ جمع نہ کریں گے ہم اُس کی ہڈیاں ☆

انسان کی غلط فہمی:

یعنی یہ خیال ہے کہ ہڈیوں تک کا چورا ہو گیا اور ان کے ریزے مٹی وغیرہ کے ذرات میں جا ملے۔ بھلا اب کس طرح اکٹھے کر کے جوڑ دیئے جائیں گے؟ یہ چیز تو محال معلوم ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عدی بن ربیعہ کا انکار قیامت:

بغوی نے لکھا ہے کہ یہ آیت عدی بن ربیعہ کے حق میں نازل ہوئی عدی خاندان زہرہ کا حلیف اور اخنس بن شریق ثقفی کا داماد تھا عدی اور اخنس ہی کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی الٰہی مجھے میرے برے ہمسایہ سے محفوظ رکھ۔

بات یہ ہوئی کہ عدی نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بتاؤ قیامت کب ہوگی؟ اسکے احوال کیا ہونگے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قیامت کی کیفیت بتائی کہنے لگا اگر میں قیامت کو دیکھ بھی لوں تب بھی تمہاری بات کی تصدیق نہیں کروں گا اور نہ تمہیں سچا جانوں گا کیا خدا ہڈیوں کو پھر اکٹھا کر دیگا اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾
کیوں نہیں ہم ٹھیک کر سکتے ہیں اُس کی پوریاں ☆

اللہ کی قدرت:

یعنی ہم تو انگلیوں کی پوریاں بھی درست کر سکتے ہیں اور پوریوں کی تخصیص شاید اس لیے کی کہ یہ اطراف بدن ہیں اور ہر چیز کے بننے کی تکمیل اس کے اطراف پر ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمارے محاورہ میں ایسے موقع پر بولتے ہیں کہ میری پور پور میں درد ہے اس سے مراد تمام بدن ہوتا ہے دوسرے پوریوں میں باوجود چھوٹی ہونے کے صنعت کی رعایت زیادہ اور عادۃً یہ زیادہ دشوار اور باریک کام

ہے لہٰذا جو اس پر قادر ہو گا وہ آسان پر بطریق اولیٰ قادر ہو گا۔ (تفسیر عثمانی)

عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ . اس کے پور پور جوڑنے پر بھی ہم قادر ہیں بنان سے مراد ہیں انگلیاں یا انگلیوں کے پورے اور ان کی ہڈیاں تو چھوٹی اور باریک ہوتی ہیں جب انکو ہم جوڑ دیں گے تو بڑی ہڈیوں کو جوڑنے پر قدرت تو بدرجہ اولیٰ ہم کو حاصل ہے۔ (تفسیر مظہری)

اگر غور کیا جائے تو شاید بنان یعنی انگلیوں کے پوروں کی تخصیص میں اس کی طرف بھی اشارہ ہو کہ حق تعالیٰ نے ایک انسان کو دوسرے انسان سے ممتاز کرنے کے لیے اس کے سارے ہی بدن میں ایسی خصوصیات رکھی ہیں جن سے وہ پہچانا جاتا ہے اور ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے خصوصاً انسانی چہرہ جو چند انچ مربع سے زائد نہیں اسکے اندر قدرت حق نے ایسے امتیازات رکھے ہیں کہ اربوں پدموں انسانوں میں ایک کا چہرہ بالکل دوسرے کیساتھ ایسا نہیں ملتا کہ امتیاز باقی نہ رہے۔ انسان کی زبان اور حلقوم بالکل ایک ہی طرح ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے ایسی ممتاز ہے کہ بچے' بوڑھے' عورت' مرد کی آوازیں الگ الگ پہچانی جاتی ہیں اور ہر انسان کی آواز الگ الگ پہچانی جاتی ہے اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز انسان کے انگوٹھے اور انگلیوں کے پوردے ہیں کہ ان پر جو نقش نگار خطوط کی جال کی صورت میں قدرت نے بنائے ہیں وہ کبھی ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ نہیں ملتے صرف آدھ انچ کی جگہ میں ایسے امتیازات کہ اربوں انسانوں میں یہ پورے مشترک ہونے کے باوجود ایک کے خطوط دوسرے سے نہیں ملتے۔ اور قدیم و جدید ہر زمانے میں نشان انگوٹھا کو امتیازی چیز قرار دے کر عدالتی فیصلے اس پر ہوتے ہیں اور فنی تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ بات صرف انگوٹھے ہی میں نہیں ہر انگلی کے پورے کے خطوط بھی اسی طرح ممتاز ہوتے ہیں۔ یہ سمجھ لینے کے بعد پوروں کے بیان کی تخصیص خود بخود سمجھ میں آ جاتی ہے۔

غور کی دعوت: مطلب یہ ہے کہ تمہیں تو اسی پر تعجب ہے کہ یہ انسان دوبارہ کیسے زندہ ہو گیا ذرا اس سے آگے سوچو اور غور کرو کہ صرف زندہ ہی نہیں ہو گیا بلکہ اپنی سابقہ شکل وصورت اور اس کے ہر امتیازی وصف کیساتھ زندہ ہوا ہے یہاں تک کہ انگوٹھے اور انگلیوں کے پوروں کے خطوط پہلی پیدائش میں جس طرح تھے اس نشانات ثانیہ میں بالکل وہی ہوں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝۵

بلکہ چاہتا ہے آدمی کہ ڈھٹائی کرے اُس کے سامنے

یَسْـَٔلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ ۝۶

پوچھتا ہے کب ہو گا دن قیامت کا ☆

انسان کی ڈھٹائی:

یعنی جو لوگ قیامت کا انکار کرتے اور دوبارہ زندہ کیے جانے کو محال جانتے ہیں اس کا سبب یہ نہیں کہ یہ مسئلہ بہت مشکل ہے اور اللہ کی قدرت کاملہ کے دلائل ونشانات غیر واضح ہیں بلکہ آدمی چاہتا ہے کہ قیامت کے آنے سے پہلے اپنی اگلی عمر میں جو باقی رہ گئی ہے بالکل بیباک ہو کر فسق و فجور کرتا رہے اگر کہیں قیامت کا اقرار کر لیا اور اعمال کے حساب کتاب کا خوف دل میں بیٹھ گیا تو فسق وفجور میں اس قدر بیبا کی اور ڈھٹائی اس سے نہ ہو سکے گی۔ اس لیے ایسا خیال دل میں آنے ہی نہیں دیتا۔ جس سے عیش منغص ہو اور لذت میں خلل پڑے۔ بلکہ استہزاء وتعنت اور سینہ زوری سے سوال کرتا ہے کہ ہاں صاحب وہ آپ کی قیامت کب آئیگی۔ اگر واقعی آنیوالی ہے تو بقید سنہ وماہ اس کی تاریخ تو بتلایئے۔ (تفسیر عثمانی)

سعید بن جبیرؒ نے کہا آدمی گناہ میں جلدی کرتا ہے اور توبہ کو ٹالتا رہتا ہے کہتا ہے میں پھر نیکی کرلوں گا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسی بداعمالی کی حالت میں اس کو موت آ جاتی ہے ضحاک نے کہا کہ اس سے مراد امیدیں باندھنا ہیں آدمی کہتا ہے میں زندہ رہونگا اور اتنا مال منال حاصل کروں گا موت کی یاد اس کو نہیں ہوتی۔ (تفسیر مظہری)

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝۷

پھر جب چندھیانے لگے آنکھ ☆

اللہ تعالیٰ کا غصہ:

یعنی حق تعالیٰ کی تجلی وقہری سے جب آنکھیں چندھیانے لگیں گی اور مارے حیرت کے نگاہیں خیرہ ہو جائینگی اور سورج بھی سر کے قریب آ جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ قیامت کا بیان ہے کیونکہ اس کے بعد شمس وقمر کا اجتماع بیان کیا گیا ہے اور یہ اجتماع قیامت کے دن ہو گا لہٰذا بروق نظر سے بھی مراد وہی تحیر ہے جو قیامت کے دن ہو گا۔ (تفسیر مظہری)

وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝۸

اور گہ جائے چاند ☆

چاند اور سورج کا انجام:

یعنی بے نور ہو جائے۔ چاند کو شاید الگ اس لیے ذکر کیا کہ عرب کو بوجہ قمری حساب رکھنے کے اس کا حال دیکھنے کا زیادہ اہتمام تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝۹

اور اکٹھے ہوں سورج اور چاند ☆

یعنی بے نور ہونے میں دونوں شریک ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

عطار بن یسار نے کہا قیامت کے دن دونوں کو اکٹھا کر کے سمندر میں پھینک دیا جائے گا اور سمندر آگ بن جائیگا۔ یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ بے نور ہو جانے میں دونوں کا اشتراک ہو جائیگا یہی دونوں کا اجتماع ہے جمل میں ہے کہ بروق بصر بعض کے نزدیک موت کے وقت ہوتا ہے اسکی تشریح خسوف قمر ہے کہ آنکھوں کی روشنی جاتی رہے گی اور اجتماع شمس وقمر کا معنی یہ ہے کہ حاسہ نظر کے پیچھے روح بھی جاتی رہے گی یا یہ مراد کہ عالم بالا کے اس مقام پر پہنچ جائیگا۔ جہاں سے نور عقل حاصل ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَقُولُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿١٠﴾

کہے گا آدمی اُس دن کہاں چلا جاؤں بھاگ کر

كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿١١﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ﴿١٢﴾

کوئی نہیں کہیں نہیں ہے بچاؤ، تیرے رب تک ہے اُس دن جا ٹھہرنا ☆

انسان کی بے بسی:

یعنی اب تو کہتا ہے کہ وہ دن کہاں ہے اور اس وقت بدحواس ہو کر کہے گا کہ آج کدھر بھاگوں اور کہاں پناہ لوں ارشاد ہوگا کہ آج نہ بھاگنے کا موقع ہے نہ سوال کرنے کا۔ آج کوئی طاقت تیرا بچاؤ نہیں کر سکتی' نہ پناہ دے سکتی ہے۔ آج کے دن سب کو اپنے پروردگار کی عدالت میں حاضر ہونا اور اسی کی پیشی میں ٹھہرنا ہے پھر وہ جس کے حق میں جو کچھ فیصلہ کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

يُنَبَّأُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ﴿١٣﴾

جتلا دیں گے انسان کو اُس دن جو اس نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا ☆

اعمال کا سامنا:

یعنی سب اگلے پچھلے اعمال نیک ہوں یا بد اس کو جتلا دیئے جائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

زید بن اسلم نے کہا اول سے مراد وہ مال ہے جو (راہ خدا میں) اپنے فائدے کے لیے انسان خرچ کر دیتا ہے اور دوسرے سے مراد ہے وہ مال جو وارثوں کے لیے پیچھے چھوڑ آتا ہے بعض نے کہا کہ مَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ کا مطلب یہ ہے کہ دنیوی امور کو آخرت کے کاموں پر ترجیح دی ہو یا اس کے خلاف کیا ہو، دونوں کی اطلاع قیامت کے دن اس کو دیدی جائیگی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جو نیک کام اپنی موت سے پہلے کر لیا وہ آگے بھیج دیا اور جو نیک یا بد مفید یا مضر کوئی طریقہ کوئی رسوم ایسی چھوڑی کہ اسکے بعد لوگ اس پر عمل کریں وہ پیچھے چھوڑا (اسکا ثواب یا عذاب اس کو ملتا رہے گا) اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ مَا قَدَّمَ سے مراد وہ عمل صالح ہے جو اپنی زندگی میں کر گزرا اور ماخر سے مراد وہ عمل صالح ہے جس کو کر سکتا تھا مگر نہ کیا اور فرصت ضائع کر دی۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ﴿١٤﴾

بلکہ آدمی اپنے واسطے آپ دلیل ہے

وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ﴿١٥﴾

اور پڑا ڈالے اپنے بہانے ☆

انسانی وجود کی گواہی:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی اپنے احوال میں غور کرے تو رب کی وحدانیت جانے (اور یہ کہ سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) اور جو کہے میری سمجھ میں نہیں آتا یہ سب بہانے ہیں" لیکن اکثر مفسرین نے اس کا تعلق "يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ" الخ سے رکھا یعنی جتلانے پر بھی موقوف نہیں انسان اپنی حالت پر خود مطلع ہوگا گو باقتضائے طبیعت وہاں بھی بہانے بنائے اور حیلے حوالے پیش لائے جیسے کفار کہیں گے "وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ" بلکہ یہاں دنیا میں بھی وہ انسان جس کا ضمیر بالکل مسخ نہ ہو گیا ہو اپنی حالت کو خوب سمجھتا ہے گو دوسروں کے سامنے حیلے بہانے بنا کر اس کے خلاف ثابت کرنے کی کتنی ہی کوشش کرے۔ (تفسیر عثمانی)

مقاتل اور قلبی نے کہا معنی اس طرح ہے کہ انسان کے نفس پر کچھ نگراں ہیں جو نگرانی کرتے رہتے ہیں اور قیامت کے دن اس کے اعمال کی شہادت دینگے یہ نگران ہیں آنکھ، کان اور ہاتھ، پاؤں ضحاک اور سدی نے اس لیے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ انسان اپنے اعمال کو چھپانے کے لیے پردے چھوڑ کر دروازے بند کر کے کوئی کام کرے سود مند نہ ہوگا اس کا نفس اس کے خلاف شہادت دیگا جو فرشتہ موکل ہے وہ بھی شاہد ہوگا اور اللہ تو ہر چیز کا حاضر و ناظر ہی ہے۔

مجاہد قتادہ اور سعید بن جبیرؒ نے اس طرح مطلب بیان کیا کہ انسان کے اعضاء اور ملائکہ اس کے اعمال کی شہادت دینگے خواہ انسان کچھ ہی عذر پیش کرے اور کتنا ہی جھگڑے لیکن کچھ فائدہ نہ ہو گا دوسری آیت يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ کا بھی یہی مطلب ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ﴿١٦﴾

نہ چلا تو اُس کے پڑھنے پر اپنی زبان تاکہ جلدی اس کو سیکھ لے،

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴿١٧﴾

وہ تو ہمارا ذمہ ہے اس کو جمع رکھنا تیری سینہ میں اور پڑھنا تیری زبان سے

فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴿١٨﴾

پھر جب ہم پڑھنے لگیں فرشتہ کی زبانی تو ساتھ رہ اس کے پڑھنے کے،

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾

پھر مقرر ہمارا ذمہ ہے اس کو کھول کر بتلانا ☆

حفاظت قرآن کا وعدہ:

شروع میں جس وقت حضرت جبرئیلؑ اللہ کی طرف سے قرآن لاتے ان کے پڑھنے کے ساتھ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی دل میں پڑھتے جاتے تھے تاکہ جلد اسے یاد کرلیں اور سیکھ لیں۔ مبادا جبریلؑ چلے جائیں اور وحی پوری طرح محفوظ نہ ہوسکے۔ مگر اس صورت میں آپ کو سخت مشقت ہوتی تھی۔ جب تک پہلا لفظ کہیں اگلا سننے میں نہ آتا اور سمجھنے میں بھی ظاہر ہے دقت پیش آتی ہوگی اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس وقت پڑھنے اور زبان ہلانے کی حاجت نہیں ہمہ تن متوجہ ہوکر سننا ہی چاہیے۔ یہ فکر مت کرو کہ یاد نہیں رہے گا۔ پھر کیسے پڑھوں گا۔ اور لوگوں کو کس طرح سناؤں گا۔ اس کا تمہارے سینہ میں حرف بحرف جمع کردینا اور تمہاری زبان سے پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے۔ جبریلؑ جس وقت ہماری طرف سے پڑھیں آپ تو خاموشی سے سنتے رہیے۔ آگے اس کا یاد کرانا اور اس کے علوم و معارف کا تمہارے اوپر کھولنا اور تمہاری زبان سے دوسروں تک پہنچانا ان سب باتوں کے ہم ذمہ دار ہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریلؑ کے ساتھ ساتھ پڑھنا ترک کردیا۔ یہ بھی ایک معجزہ ہوا کہ ساری وحی سنتے رہے اس وقت زبان سے ایک لفظ نہ دہرایا لیکن فرشتے کے جانے کے بعد پوری وحی لفظ بہ لفظ کامل ترتیب کے ساتھ بدون ایک زیر زبر کی تبدیلی کے فرفر سنادی اور سمجھادی یہ اس دنیا میں ایک چھوٹا سا نمونہ ہوا "يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ" کا یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنی وحی فرشتے کے چلے جانے کے بعد پوری ترتیب کے ساتھ حرف بحرف بدون ادنیٰ فروگذاشت کے اپنے پیغمبر کے سینے میں جمع کردیئے کیا اس پر قادر نہیں کہ بندوں کے اگلے اور پچھلے اعمال جن میں سے بعض کو کرنیوالا بھی بھول گیا ہوگا سب جمع کرکے ایک وقت میں سامنے کردے اور ان کو خوب طرح یاد دلادے اور اسی طرح ہڈیوں کے منتشر ذرات کو سب جگہ سے اکٹھا کرکے ٹھیک پہلی ترتیب پر انسان کو از سر نو وجود عطا فرمادے بیشک وہ اس پر اور اس سے کہیں زیادہ پر قادر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی قرآن کو جلدی جلدی یاد کرلینے کے لیے تکمیل وحی سے پہلے تم اپنی زبان نہ ہلایا کرو بقول ابن عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ ہوتا تھا کہ نازل شدہ آیات کا کوئی حصہ چھوٹ نہ جائے اس لیے (دوران نزول میں ہی چپکے چپکے) لبوں کو حرکت دیتے رہتے تھے۔ (صحیحین)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب جبرائیل وحی لے کر آتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیات وحی کو یاد رکھنے کے لیے (جبرئیل کی قراءت کے وقت میں ہی) اپنی زبان اور لبوں کو چپکے چپکے حرکت دیتے تھے اور یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت گزرتا تھا جس کے آثار نمایاں ہوتے تھے اس پر اللہ نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی۔ (صحیحین)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کوئی آیت متشابہ نہیں ہے:

میں کہتا ہوں کہ بعض آیات محکم ہیں (واضح المراد) لیکن آیت مذکورہ کی روشنی میں کسی آیت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے متشابہ ہونا اور مراد کی اطلاع آپ کو نہ ہونا درست نہیں ورنہ کلام بے سود ہوگا اور آیت مندرجہ بالا میں جو وعدہ کیا گیا ہے اسکی بھی مخالفت لازم آئے گی آیت وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ کی تفسیر میں ہم اس کی توضیح کرچکے ہیں۔

آیت ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ میں لفظ ثم بتارہا ہے کہ خطاب کے وقت اگر مطلب واضح نہ کیا جائے اور کچھ مدت کے بعد مراد واضح کردی جائے تو جائز ہے لیکن وقت ضرورت سے تاخیر جائز نہیں۔ (تفسیر مظہری)

امام کے پیچھے مقتدی کے قراءت نہ کرنے کی ایک دلیل:

حدیث صحیح میں جو آیا ہے کہ امام کو اقتداء اور اتباع ہی کے لیے بنایا گیا ہے اس لیے مقتدیوں کو اس کا اتباع کرنا چاہیے جب وہ رکوع کرے تو سب مقتدی رکوع کرلیں جب وہ سجدہ میں جائے تو سب سجدہ میں جائیں صحیح مسلم کی روایت میں اسی کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہے کہ جب امام قراءت کرے تو خاموش رہ کر سنو اذا قرا فانصتوا، یہ بھی اس کا بیان ہے کہ مقصود امام کا اتباع ہے رکوع سجدے میں اتباع امام کی صورت یہ ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ وہ افعال رکوع سجدے کے ادا کیے جائیں مگر قراءت کا اتباع یہ نہیں کہ ساتھ ساتھ پڑھا جائے بلکہ قراءت کا اتباع یہ ہے کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہ کر سنو یہی استدلال ہے امام اعظم ابوحنیفہؒ اور بعض دوسرے ائمہ کا اس معاملے میں کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قراءت نہیں کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم ۔ (معارف مفتی اعظم)

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾

کوئی نہیں پر تم چاہتے ہو جو جلد آئے

وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾

اور چھوڑتے ہو جو دیر میں آئے ☆

انسان کی دنیا پرستی:

یعنی تمہارا قیامت وغیرہ سے انکار کرنا ہرگز کسی دلیل صحیح پر مبنی نہیں، اِک دنیا میں انہماک اس کا سبب ہے دنیا چونکہ نقد اور جلد ملنے والی چیز ہے اس لئے تم

چاہتے ہو۔ اور آخرت کو ادھار سمجھ کر چھوڑتے ہو کہ اس کے ملنے میں ابھی دیر ہے۔ انسان کی طبیعت میں جلد بازی داخل ہے "خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ" (انبیاء۔ رکوع ۳) فرق اتنا ہے کہ نیک لوگ پسندیدہ چیزوں کے حاصل کرنے میں جلدی کرتے ہیں جس کی ایک مثال ابھی "لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ" میں گزری اور بدتمیز آدمی اس چیز کو پسند کرتے ہیں جو جلد ہاتھ آئے خواہ آخر کار اس کا نتیجہ ہلاکت ہی کیوں نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ کہ انسان اس بات سے تو ناواقف نہیں اللہ دوبارہ حشر و تخلیق پر قادر ہے اور قیامت کے دن کوئی معذرت نفع بخش نہ ہوگی بات یہ ہے کہ دنیا کی محبت کی وجہ سے خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں ہوا و ہوس نے ان کی آنکھوں کو اندھا اور دلوں کو نابینا کر دیا ہے اس لیے وہ آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہیں اس کے بعد احوال آخرت کو بیان فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾
کتنے منہ اُس دن تازہ ہیں
اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾
اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ☆

مؤمنین کے چہرے:

یہ آخرت کا بیان ہوا یعنی مومنین کے چہرے اس پر روز تر و تازہ اور ہشاش بشاش ہونگے۔ اور ان کی آنکھیں محبوب حقیقی کے دیدار مبارک سے روشن ہونگی۔ قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے یقینی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ گمراہ لوگ اس کے منکر ہیں کیونکہ یہ دولت ان کے نصیب میں نہیں۔ اللهم لاتحرمنا من هذه النعمة التى ليس فوقها نعمة. (تفسیر عثمانی)

دیدار الٰہی:

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فاجروں کے دیدار الٰہی سے محروم رہنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ ابرار یعنی نیک کار لوگ دیدار الٰہی سے سیراب کیے جائیں گے اور متواتر حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے اور اسی پر اس آیت کی روانی الفاظ صاف دلالت کرتی ہے کہ ایمان دار دیدار باری سے محظوظ ہوں گے۔

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے تو خدا تعالیٰ ان سے دریافت فرمائے گا کہ کچھ چاہتے ہو کہ بڑھا دوں؟ وہ کہیں گے خدایا تو نے ہمارے چہرے سفید نورانی کر دیے ہمیں جنت میں پہنچا دیا جہنم سے بچا لیا اب ہمیں کس چیز کی ضرورت ہے؟

اسی وقت حجاب ہٹا دیے جائیں گے اور ان اہل جنت کی نگاہیں جمال باری سے منور ہوں گی اس میں انہیں جو سرور و لذت حاصل ہو گی وہ کسی چیز میں حاصل نہ ہوگی سب سے زیادہ محبوب انہیں دیدار باری ہوگا اسی کو اس آیت میں لفظ زِيَادَةٌ سے تعبیر کیا گیا ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ۔ یعنی احسان کرنے والوں کو جنت بھی ملے گی اور دیدار خدا بھی۔

صحیح مسلم کی حضرت جابر والی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں پر قیامت کے میدان میں مسکراتا ہوا تجلی فرمائیگا پس معلوم ہوا کہ ایماندار قیامت کے عرصات میں اور جنتوں میں دیدار خدا سے مشرف کیے جائیں گے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب سے ہلکے درجے کا جنتی اپنی ملکیت کو دو ہزار سال دیکھتا رہے گا دور کی اور نزدیک کی چیزیں یکساں نگاہ میں ہوں گی ہر طرف ہر جگہ اس کی بیویاں اور خادم نظر آئیں گے اور اعلیٰ درجے کے جنتی ایک ایک دن میں دو دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کے بزرگ چہرے کو دیکھیں گے۔ ترمذی شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

آجری نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جنتی ہر جمعہ کو اپنے رب کو دیکھیں گے۔ حسن بصریؒ سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنتی ہر جمعہ کو اپنے رب کی طرف دیکھیں گے۔ اس حدیث کی تخریج یحییٰ بن سلام نے کی ہے۔

حضرت انسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں جس کی دو پیاری آنکھیں لے لوں گا اس کا بدلہ (یہ ہوگا) کہ وہ میرے گھر (جنت) میں اترے گا اور میرے چہرے کی طرف دیکھے گا۔ طبرانی وغیرہ

حضرت جریر بجلیؓ نے فرمایا ہم خدمت گرامی میں بیٹھے ہوئے تھے حضور نے چودھویں کے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا بلاشبہ تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جیسے چودھویں کے اس چاند کو دیکھ رہے ہو دیکھنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی جہاں تک ہو سکے طلوع و غروب سے پہلے کی نمازوں کی پابندی کرو۔ (صحیحین)

لالکائی نے حضرت حذیفہؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی ایسی حدیث منقول ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے الٰہی میں مرنے کے بعد خنک کی زندگی اور تیرے دیدار کی لذت اور تیری ملاقات کے شوق کی تجھ سے درخواست کرتا ہوں جس میں نہ ضرر رساں دکھ ہو نہ گمراہ کن فتنہ۔ (لالکائی)

حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت میں ہے کہ تم مرنے سے پہلے اپنے رب کو ہرگز نہیں دیکھو گے۔ دار قطنی۔ لالکائی نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔ ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ

۔ تلاوت فرما کر ارشاد فرمایا کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا موسیٰ مجھے کوئی زندہ مرے بغیر نہیں دیکھے گا اور نہ کوئی خشک اور نہ کوئی تر ۔ مجھے صرف جنتی دیکھیں گے (جنت میں) انکی آنکھیں مردہ نہیں ہونگی اور نہ ان کے جسم کہنہ ہوں گے۔

آیت فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا کی تشریح میں حضرت علیؓ نے فرمایا جو شخص اپنے خالق کی طرف دیکھنا چاہتا ہے تو لازم ہے کہ وہ نیک عمل کرے اور کسی کو خالق کا شریک نہ بنائے (بیہقی) خلاصہ یہ کہ اس آیت کی تفسیر اور آیت لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ کی تشریح اور آیت لدینا مزید کی توضیح اور ان کے علاوہ بعض دوسری آیات کی تعبیر رویۃ اللہ سے کرنا نقلاً ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی اور تابعین سے بھی اس تفسیر کی اتنی احادیث مروی ہیں جو اصحاب حدیث کے نزدیک حد تواتر کو پہنچتی ہیں سیوطی وغیرہ نے اسی طرح بیان کیا ہے۔

مختلف دیدار:

البتہ حدیث میں آیا ہے کہ بعض لوگوں کو اللہ کا دیدار ہر جمعہ میں ہوگا اور بعض کو ہر جمعہ یعنی ہفتہ میں دوبار ہوگا۔ ابن ابی الدنیا نے حضرت ابوامامہؓ کی روایت اسی طرح نقل کی ہے۔ اور بعض لوگوں کو عید کی مقدار کے برابر دیدار ہوگا یعنی سال میں دوبار یحییٰ بن سلام نے ابوبکر بن عبداللہ المزنی کی روایت اسی طرح بیان کی ہے اور بعض کو روزانہ دوبار صبح اور شام دیدار ہوگا۔ ابن عمرؓ کی روایت میں ایسا ہے آیا ہے۔

ابونعیمؒ نے ابویزید بسطامیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ کے کچھ خاص بندے ایسے ہیں کہ اگر جنت میں اللہ ان سے اپنے دیدار کو آڑ میں کرے گا تو وہ اسی طرح فریاد کریں۔ جس طرح دوزخی دوزخ سے نکلنے کی فریاد کریں گے۔

سب سے معزز شخص:

اللہ کے ہاں سب سے معزز وہ شخص ہوگا جس کو صبح شام دیدار الٰہی ہوگا اس سے مراد یہ ہے کہ صبح و شام نعمت دیدار سے سرفراز ہونے والا معزز ترین معزز ترین گروہ میں شامل ہوگا مقصد یہ نہیں کہ سب سے زیادہ باعزت ہوگا اس سے زیادہ کسی کی عزت ہی نہیں ہوگی۔ (یعنی اکرمھم، میں تفضیل نفسی ہے تفضیل اضافی نہیں کہ سب سے زیادہ معزز ہونے کا مفہوم پیدا ہو)

نعمت رویت سے ہمیشہ اور ہر وقت فیض یاب ہونے والے انبیاء ہوں گے یا پھر وہ اہل قربت ہوں گے جو ذات مقدس سے باوجودیکہ وہ تمام کیفیات اور اعتبارات سے پاک ہے وصل رکھتے ہیں یہ وہی لوگ ہوں گے جن کو ذات کی تجلی دوامی طور پر حاصل تھی بجلی کے جھپکنے کی طرح ان پر جلوہ ذات کا پَرتوِ افگن نہیں تھا (کہ ایک آن میں چمک پڑی اور جاتی رہی) مگر قابلیت نہ ہونے کی وجہ سے اس دنیا میں ان کو دیدار میسر نہ تھا لامحالہ آخرت میں میسر ہوگا جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ابونعیم نے حلیہ میں حدیث نقل کی ہے مانع زائل ہوگیا تو آخرت میں دوامی دیدار حاصل ہونا ہی چاہئے ورنہ کیا ہے۔ اس جگہ ہم نے جس قدر ذکر کر دیا وہ کافی ہے اس قسم کی جو آیت جہاں آئے گی ہم اس کی تفسیر میں اس کے متعلقات پر ان شاء اللہ روشنی ڈالیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی رؤیت پر اہل سنت کا اجماع ہے۔ معتزلہ اور خوارج وغیرہ رویت الٰہی کو ناممکن قرار دیتے ہیں ان کا خیال ہے کہ دیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ جس کو دیکھا جائے وہ جسم ہو کثیف ہو (یعنی شفاف نہ ہو) اور اس پر پردہ نہ ہو اور دیکھنے والی آنکھ سے اوس کی مسافت متوسط ہو نہ زیادہ دور ہو نہ بہت قریب۔ (ان کا یہ بھی خیال ہے کہ) دیکھنے والے کی آنکھ سے شعاع کا نکل کر مرئی تک پہنچنا چاہتا ہے کہ مرئی کسی جہت میں ہو پس اگر خدا کو مرئی کہا جائیگا تو اس کا کسی جہت میں ہونا لازم ہوگا۔

اہل سنت کا عقیدہ:

اہل سنت کہتے ہیں کہ دیکھنے کے لیے مرئی کا موجود ہونا ہی کافی ہے اور دیکھنے والے کا وجود حیٰوۃ علم اور نگاہ سے دیکھنا ضروری ہے (اگر مرئی موجود ہو اور دیکھنے والے میں یہ شرائط بھی موجود ہوں تو رویت ہو جاتی ہے) مرئی کی رویت کے لئے ان باتوں کے علاوہ دوسری شرطوں کا پایا جانا اس وقت ضروری ہے جب وہ چیز مادی ہو (اور خدا مادی نہیں) حاضر پر غائب کو قیاس کرنا درست نہیں۔ دیکھو اللہ اپنی ساری مخلوق کو دیکھتا ہے مخلوق مادی ہو یا غیر مادی نہ وہاں کوئی مسافت ہے اور فاصلہ ہوتا ہے نہ شعاع آنکھ سے نکلتی ہے وہ بہرحال سمیع و بصیر ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صراحت کے بعد رویت الٰہی کا کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے رہی آیت لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ تو اس میں ادراک کی نفی کی گئی ہے اور کسی چیز کو ادراک کرنے کا تقاضا ہے کہ اس چیز کو گھیر لیا جائے اور اس کی حقیقت کا علم ہو جائے۔

سب سے ادنیٰ اور اعلیٰ جنتی:

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ادنیٰ درجے کا جنتی وہ ہوگا جو اپنے باغوں کو بیویوں کو سامان آسائش کو خدمت گاروں کو اور مسہریوں کو ایک ہزار سال کی راہ کے بقدر دیکھا کرے گا اور اللہ کے ہاں سب سے معزز وہ جنتی ہوگا جو صبح شام اللہ کا دیدار کرے گا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ تلاوت فرمائی۔ احمد، ترمذی، دارقطنی، لالکائی، آجری وغیرہ آجری کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ ادنیٰ جنتی وہ ہوگا جو اپنے ملک میں دو ہزار برس کی راہ کے بقدر (مسافت جنت) دیکھے گا اور آخر ترین حصہ کو بھی اس طرح دیکھے گا جیسے قریب ترین حصہ کو دیکھے گا۔

یوم مزید:

باب رویت میں حضرت انسؓ کی روایت کردہ حدیث بھی آئی ہے جس کو بزار، طبرانی، بیہقی اور ابو یعلی نے پورا پورا نقل کیا ہے۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جمعہ کے دن جنت میں دیدار الٰہی دیکھنے کی مزید نعمت حاصل ہوگی اسی لئے یوم جمعہ کو یوم مزید کہا جائے گا۔ بزار واصفہانی وغیرہ (تفسیر مظہری)

فائدہ:

حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت رچی ہوئی تھی باوجودیکہ اہل قرب کے دل غیر اللہ کی محبت سے خالی ہوتے ہیں اس کا کیا راز تھا۔ شیخ سرہندی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات جلد سوئم کے مکتوب نمبر ۱۰۰ میں اس کی تنقیح فرمائی ہے فرمایا ہے کہ۔

ہر شخص کے تعین (تشخیص) کا مبدا اللہ کے ناموں میں سے کوئی نام ہوتا ہے (کسی کا مبدأ اسم رحمٰن ہے کسی کا اسم صمد ہے کسی کا قہار ہے غرض وجود مطلق نے کسی وصف خاص کے ساتھ جب ظہور کیا اور تعینی جامہ پہنا تو مخلوق ظاہر ہوئی پس ہر شخص کا تعین اور تشخیص اللہ کے کسی نہ کسی اسم صفی کا مظہر ہے) اب اس شخص کی جنت اسی اسم وصفی کے ظہور کا نام ہے جو اس شخص کے تعین کا مبداء ہے اور اس اسم وصفی کا ظہور اور جلوہ پاشی درختوں، دریاؤں، اعلیٰ مکانوں اور حور وغلماں کی شکل میں ہوتی ہے اس انکشاف حقیقت کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ہوتی ہے کہ جنت پاکیزہ مٹی والی اور شیریں ہوگی یعنی اس کے دریا شیریں ہوں گے اور اس کے پودے یہی (کلمات) ہیں یعنی سبحان اللہ اور الحمد للہ اور لآ الہ الا اللہ و اللہ اکبر۔ اس کے بعد مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وہ درخت اور دریا (جو اسم وصفی کے مظہر ہیں اور جن کا نام جنت ہے) کبھی بلور کی طرح شفاف ہو جائیں گے اور ان کے ذریعے سے بے کیف رویت الٰہی کی نعمت حاصل ہوگی پھر کچھ وقت کے بعد ان کی شفافیت جاتی رہے گی اور اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئیں گے اور خود ان سے مومن دل بہلائے گا اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا (کبھی جنت بذات خود مؤمن کے دل کا بہلاوا ہوگی اور کبھی رویت خداوندی کا آئینہ)

اس سے آگے مجدد صاحبؒ نے فرمایا جس طرح دنیا میں صوفی کو کبھی اسماء وصفات کے پردوں سے (چھن کر) تجلی ذات حاصل ہوتی ہے اور کبھی یہ پردے بھی اٹھ جاتے ہیں اور تڑپتی بجلی کی طرح جلوہ ذات ضوء افگن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آخرت میں دیدار الٰہی ہوگا، ہر جنتی کا ذات خداوندی سے تعلق اس اسم وصفی کے اعتبار سے ہوگا جو جنت کا مبدأ ہے اور جس کا ظہور جنت کی شکل میں ہوگا (کبھی جنت کی نعمتیں دیدار الٰہی کا آئینہ ہوں گی اور کبھی لوٹ کر اپنی اصل حالت پر آ جائیں گی) رویت الٰہی کی جنت میں جلوہ پاشی اس تڑپتی بجلی کی طرح ہوگی جو تھوڑی دیر کے لئے چمکتی ہے اور پھر چھپ جاتی ہے لیکن اس کی نورانیت اور برکت جنت کی نعمتوں اور درختوں کی شکل میں باقی رہے گی۔ میں کہتا ہوں کہ شیخ نے جو رویت کی یہ تشریح کی ہے وہ عام مؤمنوں کے لئے ہوگی خواص کے لئے تو دنیا میں تجلی ذات کی ضوء افگنی دوامی ہوتی ہے آخرت میں دیدار بھی دوامی ہوگا۔

اچانک جلوہ افروزی:

حضرت جابرؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت والے اپنی راحتوں میں ہوں گے کہ اچانک اوپر سے ایک نور چمکے گا جنتی سر اٹھا کے دیکھیں گے تو پروردگار ان کے اوپر سے جلوہ افگن ہوگا اور فرمائے گا اے جنت والو تم پر سلام ہو آیت سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ کا یہی مفہوم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر اللہ ان کی طرف اور وہ اللہ کی طرف دیکھیں گے جب تک خدا کی طرف دیکھیں گے کسی دوسری طرف توجہ نہیں کریں گے یہاں تک کہ اللہ ان سے حجاب فرمالے گا مگر اس کی نورانیت اور برکت ان کے مکانوں میں باقی رہے گی۔ (ابن ماجہ، ابن ابی دنیا اور دار قطنی)۔

دیدار انہیں آنکھوں سے ہوگا:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ بمعنی تروتازہ یعنی اس روز کچھ چہرے ہشاش بشاش تروتازہ ہوں گے اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ یعنی یہ چہرے اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے، اس سے ثابت ہوا کہ آخرت میں اہل جنت کو حق تعالیٰ کا دیدار بچشم سر نصیب ہوگا اس پر اہل سنت والجماعت اور سب علماء وفقہاء کا اجماع ہے، صرف معتزلہ اور خوارج منکر ہیں وجہ انکار کی فلسفیانہ شبہات ہیں۔

(معارف مفتی اعظم)

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾

اور کتنے منہ اس دن اُداس ہیں ☆

یعنی پریشان اور بے رونق ہونگے۔

تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾

خیال کرتے ہیں کہ ان پر وہ آئے جس سے ٹوٹے کمر ☆

یعنی یقین رکھتے ہیں کہ اب وہ معاملہ ہونیوالا ہے اور عذاب بھگتنا ہے جو بالکل ہی کمر توڑ دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾

ہر گز نہیں جس وقت جان پہنچے ہانس تک ☆

موت آغاز قیامت ہے:

یعنی آخرت کو ہرگز دور مت سمجھو۔ اس سفر آخرت کی پہلی منزل تو موت

ہے جو بالکل قریب ہے یہیں سے باقی منزلیں طے کرتے ہوئے آخری ٹھکانے پر جا پہنچو گے۔ گویا ہر آدمی کی موت اس کے حق میں بڑی قیامت کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے جہاں مریض کی روح سمٹ کر ہنسلی تک پہنچی اور سانس حلق میں رکنے لگی سمجھو کہ سفر آخرت شروع ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقِيْلَ مَنْ رَاقٍ ﴿٢٧﴾
اور لوگ کہیں کون ہے جھاڑنے والا

موت کا کوئی علاج نہیں ہے:

ایسی مایوسی کے وقت طبیبوں اور ڈاکٹروں کی کچھ نہیں چلتی جب لوگ ظاہری علاج و تدبیر سے عاجز آ جاتے ہیں تو جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں کی سوجھتی ہے۔ کہتے ہیں کہ میاں کوئی ایسا شخص ہے جو جھاڑ پھونک کر کے اس کو مرنے سے بچالے اور بعض سلف نے کہا کہ "من راق" فرشتوں کا کلام ہے جو ملک الموت کے ساتھ روح قبض کرنے کے وقت آتے ہیں وہ آپس میں پوچھتے ہیں کہ کون اس مردے کی روح کو لے جائیگا رحمت کے فرشتے یا عذاب کے؟ اس تقدیر پر "رق" "رقی" سے مشتق ہوگا جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں "رقیہ" سے نہ ہوگا جو افسوں کے معنی میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قتادہ نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ حاضرین یا مردہ کہتا ہے کہ اس پر کوئی افسوں دم کر دے کہ یہ موت سے بچ جائے سلیمان تیمی اور مقاتل بن سلیمان نے کہا موت کے فرشتے کہتے ہیں کہ اسکی روح کو لے کر کون چڑھے گا رحمت کے فرشتے یا عذاب کے فرشتے۔ (تفسیر مظہری)

وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿٢٨﴾
اور وہ سمجھا کہ اب آیا وقت جدائی کا ☆

دنیا سے جدائی:

یعنی مرنے والا سمجھ چکا کہ تمام عزیز و اقارب اور محبوب و مالوف چیزوں سے اب اس کو جدا ہونا ہے یا یہ مطلب کہ روح بدن سے جدا ہونے والی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿٢٩﴾
اور لپٹ گئی پنڈلی پر پنڈلی ☆

موت کی سختی:

یعنی بعض اوقات سکرات موت کی سختی سے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ لپٹ جاتی ہے۔ نیز نیچے کے بدن سے روح کا تعلق منقطع ہونے کے بعد پنڈلیوں کا ہلانا اور ایک کو دوسری سے جدا رکھنا اس کے اختیار میں نہیں رہتا اس لیے ایک پنڈلی دوسری پر بے اختیار جا گرتی ہے۔ اور بعض سلف نے کہا کہ عرب کے محاورات میں "ساق" کنایہ ہے سخت مصیبت سے۔ تو آیت کا ترجمہ یوں کیا جائیگا "ملی ایک سختی دوسری سختی کے ساتھ" کیونکہ مرنے والے کو اس وقت دو سختیاں پیش آتی ہیں پہلی سختی تو یہی دنیا سے جانا مال و اسباب اہل و عیال، جاہ و حشم، سب کو چھوڑنا، دشمنوں کی خوشی و طعنہ زنی، اور دوستوں کے رنج و غم کا خیال آنا، اور دوسری اس سے بڑی قبر اور آخرت کے احوال کی ہے۔ جس کی کیفیت بیان میں نہیں آ سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ رہی ہوگی اور آدمی میں ان کو ہلانے کی طاقت نہیں ہوگی شعبی اور حسن بصری وغیرہما نے یہی تفسیر کی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (ساق سے مراد ہے امر دنیا اور آخرت یعنی) امر دنیا امر آخرت کے ساتھ لپٹا ہوگا دنیا کا آخری اور آخرت کا اول ترین دن ہوگا اور مرنے والے پر دوہری شدت ہوگی دنیا کو چھوڑنے کی اور آخرت کے سامنے آنے کی۔ (تفسیر مظہری)

اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۣالْمَسَاقُ ﴿٣٠﴾
تیرے رب کی طرف ہے اُس دن کھنچ کر چلا جانا ☆

آغازِ سفر: یعنی سفر آخرت کی ابتدا یہاں سے ہے۔ گویا اب بندہ اپنے رب کی طرف کھنچنا شروع ہوا۔ مگر افسوس اپنی غفلت و حماقت سے کوئی سامان سفر کا پہلے سے درست نہ کیا نہ اتنے بڑے سفر کے لیے کوئی توشہ ساتھ لیا۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿٣١﴾
پھر نہ یقین لایا اور نہ نماز پڑھی
وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿٣٢﴾
پھر جھٹلایا اور منہ موڑا
ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿٣٣﴾
پھر گیا اپنے گھر کو اکڑتا ہوا ☆

انسان کی بے غرضی: یعنی بجائے سچا سمجھنے اور یقین لانے کے پیغمبروں کو جھوٹا بتلاتا رہا اور بجائے نماز پڑھنے اور مالک کی طرف متوجہ ہونے کے ہمیشہ ادھر سے منہ موڑ کر چلا نہ صرف یہی بلکہ اپنی اس سرکشی اور بدبختی پر اتراتا اور اکڑتا ہوا اپنے متعلقین کے پاس جاتا تھا۔ گویا کوئی بہت بڑی بہادری اور ہنرمندی کا کام کر کے آ رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

• بہر حال اس جگہ یتمطی سے مراد ہے (اکڑتا ہے اینٹھتا چلتا ہے) اتراتا چلتا ہے گردن اکڑا کر پشت دراز کر کے چلنا اترانے کی علامت ہے۔

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾

خرابی تیری خرابی پر خرابی تیری پھر خرابی تیری خرابی پر خرابی تیری ☆

ہلاکت: یعنی او بد بخت اب تیری کمبختی آئی ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ اب تیرے لئے خرابی اور تباہی پر تباہی ہے۔ تجھ سے بڑھ کر اللہ کی نئی نئی سزاؤں کا مستحق اور کون ہوگا۔ (تنبیہ) شاید اوّل خرابی یقین نہ لانے اور نماز نہ پڑھنے پر دوسری اُس سے بڑھ کر جھٹلانے اور منہ موڑنے پر تیسری اور چوتھی ان دونوں امور میں سے ہر ایک کو قابلِ فخر سمجھنے پر ہو۔ جس کی طرف۔ "ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى" میں اشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

نکتہ: جملہ کی تکرار مفید تاکید ہے یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے جملے میں دنیاوی تباہی اور اس جملے میں آخرت کی تباہی مراد ہو یعنی قتل، پھٹکار، بدنامی اور دنیاوی سزا کی صورت میں تیری تباہی ہوگی اور مرنے کے وقت بھی تیری تباہی ہوگی اور جب تجھے قبر سے اٹھایا جائے گا اس وقت بھی تیری تباہی ہوگی اور جہنم میں داخل ہونے کے وقت بھی تیری تباہی ہوگی (اول اور دوسرا اولیٰ دنیوی تباہی کے لئے ہے یعنی زندگی میں اور مرتے وقت تباہی ہوگی اور تیسرا اور چوتھا اولیٰ آخرت کی تباہی کے لئے ہے یعنی حشر کے وقت اور جہنم میں داخلہ کے وقت تباہی ہوگی)

ابوجہل کی تباہی: قتادہؒ کا قول ہے کہ ہم سے بیان کیا گیا جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطحا میں ابوجہل کے پورے کپڑے تھام کے فرمایا اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى۔ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ابوجہل نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا تم مجھے دھمکی دیتے ہو خدا کی قسم نہ تم میرا کچھ کر سکتے ہو نہ تمہارا رب میں مکہ کے پہاڑوں کے درمیان چلنے والوں میں سب سے طاقت ور ہوں لیکن بدر کا دن ہوا تو اللہ نے بدترین طور پر اس کو ہلاک کیا اور بہت بری طرح وہ مارا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر امت کا ایک فرعون ہوتا ہے اس امت کا فرعون ابوجہل ہے۔

ابن جریرؒ نے عوفی کی وساطت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب آیت عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ نازل ہوئی تو ابوجہل نے قریش سے کہا کہ تمہاری مائیں تم پر روئیں ابو کبشہ کا بیٹا تم سے کہہ رہا ہے کہ دوزخ کے دربانوں کی تعداد انیس ہے تم بڑے پہلوان ہو کیا تم میں سے دس دس آدمی بھی ایک ایک دربان کو پکڑ لینے سے عاجز ہیں اس پر اللہ نے اپنے پیغمبر کے پاس وحی بھیجی کہ ابوجہل کے پاس جاؤ اور اس سے کہو آیت اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى۔ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى۔

نسائی نے بیان کیا کہ سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی طرف سے فرمایا تھا یا اللہ نے ایسا کہنے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی طرف سے فرمایا تھا پھر اللہ نے آیت نازل فرمائی۔

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾

کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ چھوٹا رہے گا بے قید ☆

انسان یونہی نہیں چھوڑا جائے گا:

یعنی کیا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اس کو یونہی مہمل چھوڑ دیا جائیگا؟ اور امر و نہی کی کوئی قید اس پر نہ ہوگی؟ یا مرے پیچھے اٹھایا نہ جائیگا؟ اور سب نیک و بد کا حساب نہ لینگے؟ (تفسیر عثمانی)

کیا انسان کا یہ خیال ہے کہ اس کو یوں ہی بے کار چھوڑ دیا جائے گا نہ کسی کام کو کرنے کا حکم دیا جائے گا نہ کسی فعل سے منع کیا جائے گا نہ اس کا حشر ہوگا نہ جزا سزا۔ انکار حشر کا تو اقتضاء ہے کہ آدمی کو آزاد چھوڑ دیا جائے حالانکہ انسانی پیدائش کی غرض ہی پابندی امر و نہی ہے اللہ نے فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ دوسری جگہ فرمایا قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾

بھلا نہ تھا وہ ایک بوند منی کی جو ٹپکی ☆

یعنی عورت کے رحم میں۔ (تفسیر عثمانی)

مراتب پیدائش: انسان حشر کا کیسے انکار کرتا ہے اور اس طرح دوبارہ جی اٹھنے کو ناممکن قرار دیتا ہے کیا وہ منی کی ایک بوند نہ تھا جو رحم میں ٹپکائی جاتی ہے پھر نطفہ ہونے کے چالیس روز بعد خون کا لوتھڑا ہوا پھر اتنے ہی دنوں میں بوٹی بنا پھر ہڈیاں بنیں پھر ان کو گوشت پہنایا۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾

پھر تھا لہو جما ہوا پھر اُس نے بنایا اور ٹھیک کر اُٹھایا

فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾

پھر کیا اُس میں جوڑا نر اور مادہ

اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾

کیا یہ خدا زندہ نہیں کر سکتا مُردوں کو ☆

یعنی نطفہ سے جمے ہوئے خون کی شکل میں آیا۔ پھر اللہ نے اس کی پیدائش کے سب مراتب پورے کر کے انسان بنا دیا اور تمام ظاہری اعضاء اور باطنی قوتیں ٹھیک کر دیں۔ ایک نطفہ بے جان سے انسان عاقل بن گیا۔ پھر اسی نطفہ سے عورت اور مرد دو قسم کے آدمی پیدا کئے جن میں سے ہر ایک قسم کی ظاہری و باطنی خصوصیات جدا گانہ ہیں۔ کیا وہ قادر مطلق جس نے اولاً سب کو ایسی حکمت و قدرت سے بنایا اس پر قادر نہیں کہ دوبارہ زندہ کر دے؟ "سبحانک اللھم فبلٰی" پاک ہے تیری ذات اے خدا کیوں نہیں تو بیشک قادر ہے (تم سورة القيمته ولله الحمد والمنته). (تفسیر عثمانی)

کیا وہ خدا جو مذکورہ بالا عمل انجام دیتا ہے اور عدم سے وجود میں لاتا ہے مردوں

کو زندہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ حشر جسمانی سے زیادہ تعجب آفرین قدرت کا مشاہدہ ہوتے ہوئے حشر کا انکار کرنا انتہائی حماقت اور عناد پر دلالت کرتا ہے۔

آیات کا جواب:

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے جو شخص (سورئہ التین) پڑھے اور آخر سورت اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ پر ختم کرے تو اس کو کہنا چاہئے بلیٰ و انا علیٰ ذلک من الشاھدین (کیوں نہیں میں اس کی شہادت دینے والوں میں سے ہوں) اور جو شخص لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ اور اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی پر ختم کرے تو اس کو کہنا چاہئے بلیٰ و انا علیٰ ذلک من الشاھدین اور جو شخص والمرسلات پڑھے اور فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ پر پہنچے تو کہے اٰمَنَّا بِاللّٰہِ۔

موسیٰ بن عائشہؒ نے کہا ایک شخص اپنے مکان کی چھت پر نماز پڑھا کرتا تھا جب آیت اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی پر پہنچتا تو کہتا سُبْحَانَکَ بَلٰی لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو اس نے جواب دیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے مذکورہ بالا دونوں حدیثیں ابوداؤد نے نقل کیں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک صحابی اپنی چھت پر باآواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے تھے جب اس سورت کی آخری آیت کی تلاوت کی تو فرمایا سُبْحَانَکَ بَلٰی یعنی اے اللہ تو پاک ہے اور بے شک قادر ہے لوگوں نے اس کہنے کا باعث پوچھا تو فرمایا میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کا یہی جواب دیتے ہوئے سنا ہے ابوداؤد میں بھی یہی حدیث ہے، لیکن دونوں کتابوں میں اس صحابی کا نام نہیں، گو یا یہ نام نہ ہونا مضر نہیں۔

ابوداؤد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے سورۂ وَالتِّیْنِ کی آخری آیت اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ پڑھے وہ بَلٰی وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ کہے یعنی ہاں اور میں بھی اس پر گواہ ہوں اور جو شخص سورۂ قیامت کی آخری آیت اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی پڑھے تو وہ کہے بَلٰی اور جو شخص سورۂ والمرسلات کی آخری آیت فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ پڑھے تو اٰمَنَّا بِاللّٰہِ کہے۔ یہ حدیث مسند احمد اور ترمذی میں بھی ہے ابن جریر میں حضرت قتادہؒ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کی اس آخری آیت کے بعد فرماتے سُبْحَانَکَ بَلٰی حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کے جواب میں یہ کہنا ابن ابی حاتم میں مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

الحمدللہ سورۂ قیامہ کی تفسیر ختم ہوئی

سورة الدهر

خواب میں پڑھنے والا سخاوت اور نعمت پر شکر کی توفیق پائے گا۔ تعبیر الرؤیا۔
سورۂ دہر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی اکتیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ
کبھی گزرا ہے انسان پر ایک وقت

مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْـًٔا مَّذْكُوْرًا ①
زمانے میں کہ نہ تھا وہ کوئی چیز جو زبان پر آتی ☆

بیشک انسان پر ایک وقت گزر چکا ہے۔ جب اس کا کچھ نام ونشان نہ تھا۔ پھر کتنے ہی دور طے کر کے نطفہ کی شکل میں آیا وہ حالت بھی اس کی موجودہ شرافت و کرامت کو دیکھتے ہوئے اس قابل نہیں کہ زبان پر لائی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حِیْنٌ۔ زمانہ کا ایک محدود ٹکڑا (معین حصہ) حین ہے بیضاوی دھر طویل زمانہ یا ایک ہزار برس میں کہتا ہوں یہی حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کی مدت تھی۔ صحاح میں ہے کہ دہر اصل میں عالم کی کل عمر۔ آغاز آفرینش سے آخر اختتام تک ہے۔ اور آیت هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ (میں الدہر) اسی معنی پر محمول ہے (پھر عرف عام میں) بڑی طویل مدت کو دہر کہا جانے گا دہر فلاں یعنی فلاں شخص کی مدت زندگی۔

اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ اگر الانسان سے مراد آدم ہوں تو حین سے مراد ہوگا وہ وقت جب گارے سے اللہ نے ان کی مورتی بنا کر مکہ اور طائف کے درمیان چالیس برس تک بغیر روح کے ڈال رکھی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا پھر (پتلا بنانے سے) ایک سوبیس برس کے بعد اللہ نے آدم علیہ السلام کو (زندہ) بنایا اور اگر الانسان سے مراد عام انسان ہے تو حین سے مراد ہوگی وہ چار ماہ کی مدت جس میں نطفہ علقہ اور مضغہ کی صورت میں انسان ہوتا ہے اور وہ چھے ماہ جو کم سے کم حمل کی مدت ہے۔ یا دو سال جو زیادہ سے زیادہ حمل کی مدت ہے۔

فناء اور بقاء:

حضرت مجدد صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ بے شک اے میرے رب انسان

پر ایک ایسا وقت گذرا کہ وہ قابل ذکر چیز نہ تھا اور نہ اس کی ذات تھی نہ نشان نہ شہود نہ وجود پھر اس دور کے بعد اگر تو چاہتا ہے تو وہ تیری ہی حیات سے زندہ اور تیری ہی بقاء سے باقی اور تیرے ہی اخلاق سے موصوف بالخلق ہو جاتا ہے بلکہ تیری مہربانی اور تیری قدرت سے وہ عین فناء کی حالت میں بھی باقی بن جاتا ہے۔ اور عین بقاء کی حالت میں بھی تجھ سے الگ نہیں ہوتا۔

حضرت مجدد صاحبؒ کا قول پھر اگر تو چاہتا تو...... وہ ہو جاتا ہے گویا حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ کی تفسیر ہے مِنَ الدَّهْرِ میں مِنْ ابتدائیہ ہے اور الدَّهْر کا شمار اللہ کے ناموں میں کیا جاتا ہے۔ صاحب قاموس نے یہی لکھا ہے۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے ابن آدم دکھ دیتا ہے اور دہر کو گالیاں دیتا ہے حالانکہ میں ہی دہر ہوں میرے ہی ہاتھوں میں ہر امر ہے۔ رات دن کی لوٹ پلٹ میں ہی کرتا ہوں۔ (گویا اللہ کی طرف سے انسان پر ایک وقت ایسا آ جاتا ہے کہ وہ نا قابل ذکر ہو جاتا ہے) (تفسیر مظہری)

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ
ہم نے بنایا آدمی کو ایک دورنگی بوند سے ☆

مادۂ پیدائش:

یعنی مرد اور عورت کے دورنگے پانی سے پیدا کیا گیا۔

(تنبیہ) ''امشاج'' کے معنی مخلوط کے ہیں نطفہ جن غذاؤں کا خلاصہ ہے وہ مختلف چیزوں سے مرکب ہوتی ہیں اس لیے عورت کے پانی سے قطع نظر کر کے بھی اس کو ''امشاج'' کہہ سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

امشاج کو نطفہ کی صفت اس لئے بنایا کہ نطفہ میں مرد اور عورت کا پانی مخلوط ہوتا ہے اور ہر نطفہ اجزاء خواص اور رقت وقوام کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔

بعض نے کہا کہ امشاج مفرد ہے اس کا معنی ہے مخلوط یعنی عورت اور مرد کے پانی کا مخلوط مجموعہ۔ (تفسیر مظہری)

ڈارون کا عجیب وغریب نظریہ:

انیسویں صدی عیسوی میں سرزمین مغرب میں ایک مادی فلسفی شخص گذرا ہے جس کا نام ڈارون تھا۔ اس نے اپنی فلسفیانہ تحقیقات میں ایک یہ انکشاف کیا کہ انسان دراصل بندر تھا۔ بتدریج ارتقائی مراحل طے کرتے کرتے بالآخر انسان بن گیا۔

مغربیت سے مرعوب اذہان نے بلا دلیل اور بغیر اسکے کہ اپنی عقل واور فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں اس نظریہ کو قبول کر لیا اور اس کو پھیلانا شروع کر دیا۔ حالانکہ اس پر آج تک نہ کوئی عقلی دلیل پیش کی جاسکی نہ ہی کوئی دلیل تجربی۔

ہر صاحب عقل ادنیٰ تعقل سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ نظریہ صرف ایسا شخص ہی قبول بھی کر سکتا ہے جو فاتر العقل ہو اور سمجھنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بے شمار انواع واقسام کی مخلوقات پیدا کی ہیں جانوروں میں گدھا، کتا، گھوڑا، سانپ، بچھو، کیڑے مکوڑے۔ چرند پرند غرض حیوانوں میں برو بحر اور فضاء کی یہ بے شمار مخلوقات ہیں۔ ہر ایک کی طبیعت اور فطرت جدا ہے یہ کہنا کہ فلاں حیوان یعنی بندر ترقی کر کے انسان بن گیا ایسی ہی مہمل بات ہے جیسے یہ کہا جائے کہ فلاں کیڑا۔ مکوڑا ارتقائی مدارج طے کر کے مرغا بن گیا۔ اور پھر اسی مہمل تخیل کو تھیوری کہنا اور بھی خلاف عقل بات ہے۔

کیا اس تھیوری کے قائلین اس کا جواب دیں گے۔ کہ یہ ارتقاء صرف ایک نوع حیوان میں کیوں ہوا۔ دیگر حیوانات اس سے کیوں محروم رہے؟

پھر یہ بھی بتائیں کہ نوع حیوان کے علاوہ نباتات و جمادات بھی ہیں ان میں یہ ارتقائی مراحل کیوں واقع نہیں ہوئے۔ ایک نوع کا ارتقاء اسی کی حدود میں محدود رہتا ہے۔ ایک گھاس کا تنکا ارتقاء کے بعد تناور درخت تو ہوسکتا ہے لیکن پہاڑ نہیں بن سکتا۔ علی ھذا القیاس زمین کی سطح پر ابھرنے والا ٹیلا پہاڑ تو ہو جائے لیکن وہ کوئی اور نوع کی شکل اختیار کر کے اس میں تبدیل ہو جائے۔ یہ ناممکن اور خلاف عقل بات ہے۔ پھر یہ نظریہ رکھنے والے یہ بتائیں بالفرض اگر بندر نے ارتقاء کر کے انسانی پیکر اور وضع اختیار کر لی تو یہ ارتقاء نوعی تھا۔ یا ارتقاء فردتھا۔ ظاہر ہے کہ چند بندروں کے ارتقاء کا تو مسئلہ بھی نہیں نوع من حیث النوع کے ارتقاء کا دعویٰ ہے تو اصولاً بات یہ ہے کہ کوئی بھی چیز تغیر وتبدل قبول کرنے کے بعد اپنی پہلی صورت چھوڑ دیتی ہے۔ تو یہ کس قسم کا ارتقاء ہوا کہ دنیا میں بندر بھی موجود ہیں اور ارتقائی شکل اختیار رکھنے والے انسان بھی موجود (تفصیل کی گنجائش نہیں) بلاشبہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں بہت سے مہمل اور خلاف عقل نظریات ظاہر ہوئے لیکن ایسا مہمل اور خلاف عقل اور مضحکہ خیز نظریہ کوئی بھی سننے میں نہیں آیا۔ کہ اچھے خاصے عقل وفہم اور شعور وتدبر رکھنے والی اشرف المخلوق حسن و جمال اور کمالات وفضائل کے جوہر سے آراستہ انسانوں کو بندر کی اولاد تجویز کر دیا جائے۔ (بریں عقل ودانش بباید گریست)

عجب بات ہے کہ اس نظریہ کے قائلین ایک طرف تو بندر کے ترقی کر کے انسان بن جانے کو تسلیم کرتے ہیں دوسری طرف جب قرآن کریم میں بنی اسرائیل کے واقعات میں انکے نافرمان افراد کے مسخ کے واقعہ کا ذکر آتا ہے۔ کہ ان کو مسخ کر کے بندر بنا دیا گیا۔ تو اس کو خلاف فطرت اور خلاف عقل بات کہہ کر رد کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو تو سہولت سے یہ بات تسلیم کر لینی چاہیے کہ جب بندر ترقی کر کے انسان بن سکتا ہے۔ تو ضرور ایسا ہونا چاہیے کہ انسان تنزل کر کے بندر بن جائے۔ بلکہ یہ شکل تو زیادہ آسان ہے۔ بنسبت پہلی صورت کے کیونکہ ان کے قانون کے مطابق یہ صورت

تو کل شئی یرجع الی اصلہ کے تحت آسکتی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

ہر انسان کی تخلیق میں دنیا بھر کے اجزاء اور ذرات کی شمولیت:

اور اگر غور کیا جائے تو یہ اخلاط اربعہ مذکورہ بھی اقسام غذا سے حاصل ہوتے ہیں اور ہر انسان کی خوراک میں غور کیا جائے تو اس میں دور دراز ملکوں اور خطوں کے اجزاء آب و ہوا وغیرہ کے ذریعہ شامل ہو جاتے ہیں اس طرح ایک انسان کے موجودہ جسم کا تجزیہ اور تحلیل کی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ ایسے اجزاء اور ذرات کا مجموعہ ہے جو دنیا کے گوشہ گوشہ میں بکھرے ہوئے تھے۔ قدرت کے نظام عجیب نے حیرت انگیز طریقہ پر ان کو اسکے وجود میں سمویا ہے۔ اگر امشاج کا مطلب یہ لیا جائے تو اس جگہ امشاج کے ذکر سے منکرین قیامت کے سب سے بڑے شبہ کا ازالہ بھی ہو جائیگا کیونکہ ان خدا ناشناس لوگوں کے نزدیک قیامت قائم ہونے اور مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے میں سب سے بڑا اشکال یہی ہے کہ انسان مرکر مٹی اور پھر ریزہ ریزہ ہوکر دنیا میں بکھر جاتا ہے ان کو دوبارہ جمع کر یا پھر ان میں روح ڈالنا ان کے نزدیک گویا ناممکن ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيعًۢا بَصِيرًا ﴿۲﴾
ہم پلٹتے رہے اُس کو پھر کر دیا اس کو ہم نے سننے والا دیکھنے والا ☆

عمر بلوغت کو پہنچنا:

یعنی نطفہ سے جما ہوا خون' پھر اس سے گوشت کا لوتھڑا بنایا۔ اسی طرح کئی طرح کے الٹ پھیر کرنے کے بعد اس درجہ میں پہنچا دیا کہ اب وہ کانوں سے سنتا اور آنکھوں سے دیکھتا ہے اور ان قوتوں سے وہ کام لیتا ہے جو کوئی دوسرا حیوان نہیں لے سکتا گویا اور سب اس کے سامنے بہرے اور اندھے ہیں (تنبیہ) "نَبْتَلِيهِ" کے معنی اکثر مفسرین نے امتحان و آزمائش کے لیے ہیں۔ یعنی آدمی کا بنانا اس غرض سے تھا کہ اس کو احکام کا مکلّف اور امر و نہی کا مخاطب بنا کر امتحان لیا جائے اور دیکھا جائے کہ کہاں تک مالک کے احکام کی تعمیل میں وفاداری دکھلاتا ہے اسی لیے اس کو سننے' دیکھنے اور سمجھنے کی وہ قوتیں دی گئیں جن پر تکلیف شرعی کا مدار ہے۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُورًا ﴿۳﴾
ہم نے اُس کو سجھائی راہ یا حق ماننا ہے اور یا ناشکری کرتا ہے ☆

مختلف راہیں اختیار کرنا:

یعنی اولاً اصل فطرت اور پیدائشی عقل و فہم سے پھر دلائل عقلیہ و نقلیہ سے نیکی کی راہ سجھائی جس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ سب انسان ایک راہ پر چلتے لیکن گردوپیش کے حالات اور خارجی عوارض سے متاثر ہو کر سب ایک راہ پر نہ رہے۔ بعض نے اللہ کو مانا اور اس کا حق پہچانا' اور بعض نے ناشکری اور ناحق کوشی پر کمر باندھ لی۔ آگے دونوں کا انجام مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ہم نے اس کے لیے راستہ کھول دیا یعنی پیغمبر بھیج کر کتابیں اتار کر اور (نفسی اور آفاقی) دلائل قائم کر کے اللہ کے قرب، اللہ کی خوشنودی اور اللہ کی جنت تک پہنچنے کا راستہ انسان کے لیے کھول دیا۔ ہدایت سے اس جگہ مراد ہے راستہ دکھانا، مقصود تک پہنچانا مراد نہیں ہے اس کے برخلاف آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ میں مقصد تک پہنچانا مراد ہے۔

شاکراً اور کفوراً هَدَيْنَاهُ کی ضمیر۔ ہ۔ سے حال ہیں یعنی انسان یا ہماری ہدایت کا شکر گزار ہوگا اور اس کو قبول کرے گا یا کفران نعمت اور ناشکری کرے گا دونوں باتوں میں ایک ضرور ہوگی۔

اللہ نے جب انسان کو پیدا کر دیا اور اس کو سمیع بصیر بنا دیا تو پھر انسان نے کیا کیا اور خدا نے اس کے ساتھ کیا کیا اس موہومی سوال کو دور کرنے کے لیے انا ھدینٰہ فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ سَلٰسِلَا۟
ہم نے تیار کر رکھی ہیں منکروں کے واسطے زنجیریں
وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيرًا ﴿۴﴾
اور طوق اور آگ دہکتی ☆

انجام منکرین:

یعنی جو لوگ رسم و رواج اور اوہام و ظنون کی زنجیروں میں جکڑے رہے اور غیر اللہ کی حکومت و اقتدار کے طوق اپنے گلوں سے نہ نکال سکے بلکہ حق و حاملین حق کے خلاف دشمنی اور لڑائی کی آگ بھڑکانے میں عمریں گزار دیں' کبھی بھول کر اللہ کی نعمتوں کو یاد نہ کیا۔ نہ اس کی سچی فرمانبرداری کا خیال دل میں لائے۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں دوزخ کے طوق و سلاسل اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شکر گزاروں اور ناشکروں کو کیا ملے گا یہ ایک سوال پیدا ہوتا تھا اس کا جواب ان جملوں میں دے دیا کافروں کا ذکر تو شاکروں کے بعد کیا تھا۔

مگر ان کی سزا کا تذکرہ مومنوں کی جزا سے پہلے کیا کیونکہ عذاب سے تخویف نصیحت پذیری کے لیے (بشارت سے) زیادہ مفید ہوتی ہے پھر اہل ایمان کے تذکرہ سے کلام کا آغاز اور انہی کے ذکر پر کلام کا خاتمہ یوں بھی بہت اچھا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ
البتہ نیک لوگ پیتے ہیں پیالہ جس کی

مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللهِ

ملونی ہے کافور ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں بندے اللہ کے ☆

مؤمنوں کا انعام:

یعنی جام شراب پئیں گے جس میں تھوڑا سا کافور ملایا جائیگا۔ یہ کافور دنیا کا نہیں بلکہ جنت کا ایک خاص چشمہ ہے جو خاص طور پر اللہ کے مقرب مخصوص بندوں کو ملے گا شاید اس کو ٹھنڈا، خوشبودار، مفرح اور سفید رنگ ہونے کی وجہ سے کافور کہتے ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

ابرار سے مراد ہیں وہ اہل ایمان جو اپنے ایمان میں سچے ہیں اور اپنے رب کے فرمان بردار ہیں بِرٌّ مصدر ہے بِرٌّ کا معنی ہے اچھا سلوک اور خیر۔ اطاعت، سچائی اور بھلائی میں وسعت، (قاموس) یہ تمام اوصاف مومنوں کے ہیں۔ مِنْ كَاْسٍ جوہری نے صحاح میں کہا کاس شربت (پانی وغیرہ) سے بھرے ہوئے برتن کو کہا جاتا ہے اور شربت کے خالی برتن کو بھی کاس کہتے ہیں دونوں طرح اس لفظ کا استعمال سے كَاسٌ خالٍ بھی کہا جاتا ہے اور شربت کاساً اور شربت کاساً طیبۃ بھی کہا جاتا ہے میں نے پیالہ پیا یعنی شربت سے بھرا ہوا میں نے پاکیزہ پیالہ پیا یعنی پاکیزہ شربت۔

قاموس میں ہے "کاس" پینے کا برتن بشرطیکہ اس میں پینے کی چیز موجود ہو پینے کی چیز کوئی ہو، کوئی تخصیص نہیں نہ شراب کی نہ شہد کی نہ دودھ کی نہ پانی کی شاید آیت میں برتن مراد ہے اور من ابتدائیہ ہے یعنی ابرار پینے کی چیزیں پینے کے برتن سے پئیں گے شراب، شہد، پانی کچھ بھی ہو۔

كَافُوْرًا۔ قتادہ نے کہا اہل جنت کے لیے کافور (شربت میں) ملایا جائے گا اور مشک کی مہر لگائی جائے گی عکرمہ نے کہا چکھنے میں اس کی خوشبو کافور کی طرح ہوگی۔ کلبی نے کہا کہ ایک چشمہ کا نام کافور ہے۔

جیسے آیت ومزاجہ میں تسنیم آئی ہے تسنیم ایک چشمہ کا نام ہے۔

عَيْنًا یہ کافور سے بدل ہے بشرطیکہ کافور کو چشمہ کا نام قرار دیا جائے۔ (تفسیر مظہری)

يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝

چلاتے ہیں وہ اس کی نالیاں ☆

یعنی وہ چشمہ ان بندوں کے اختیار میں ہوگا جدھر اشارہ کرینگے اسی طرف کو اس کی نالی بہنے لگے گی بعض کہتے ہیں کہ اس کا اصل منبع حضور پُرنور محمد صلی اللہ علیہ سلم کے قصر میں ہوگا۔ وہاں سب سے انبیاء و مومنین کے مکانوں تک اس کی نالیاں پہنچائی جائینگی۔ واللہ اعلم۔ آگے ابرار کی خصلتیں بیان فرمائی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اللہ کے پرستار جنت کے اندر اپنے مکانوں اپنے محلات میں جہاں چاہیں گے۔ آسانی کے ساتھ اس چشمہ (کی شاخ) بہا کرلے جائیں گے۔

عبداللہ ابن احمد نے کتاب الزہد میں ابن شوذب کا قول نقل کیا ہے کہ اہل جنت کے پاس سونے کی ٹہنیاں ہونگی ان ٹہنیوں کے ذریعہ سے چشمہ کا پانی جہاں چاہیں گے لیجائیں گے پانی ان کے حکم کا تابع ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ

پورا کرتے ہیں منت کو ☆

نیکوں کے اوصاف:

یعنی جو منت مانی ہوا سے پورا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب خود اپنی لازم کی ہوئی چیز کو پورا کرینگے تو اللہ کی لازم کی ہوئی باتوں کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

گویا یہ جواب ہے ایک فرضی سوال کا کہ ابرار کو ایسا ثواب کیوں ملے گا یا ابرار کے کیا اوصاف ہیں اس صورت میں یہ ابرار کی تعریف ہو جائیگی کہ وہ فرائض ادا کرتے ہیں اللہ سے ڈرتے ہیں ممنوعات سے پرہیز رکھتے ہیں بندوں پر رحم کرتے ہیں اور مرضیٔ مولیٰ کی طلب میں خلوص کے ساتھ نیکیاں کرتے ہیں یہ ابرار کے اوصاف ہیں اور یہ مرتبہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب نفس کو فنا کر دیا گیا ہو اور بری خصلتیں دور ہوگئیں ہوں۔ رہے اہل قرب تو انکے اوصاف ان سے بھی اونچے ہیں۔

منت پورا کرنا:

نذر کا لغوی معنی ہے غیر واجب چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینا۔ (صحاح) اور جب ابرار غیر واجب (مستحب) امور کو اپنے اوپر واجب کرتے اور ان کو ادا کرتے ہیں تو نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، عمرہ، جہاد اور دوسرے دوسرے فرائض الٰہیہ کو تو بدرجہ اولیٰ ادا کرتے ہی ہیں شاید قتادہ کے قول کا یہی مطلب ہے قتادہ نے آیت کی تشریح میں کہا تھا کہ اللہ نے جو فرائض ان پر مقرر فرمائے ہیں نماز زکوٰۃ، حج عمرہ وغیرہ ان کو وہ ادا کرتے ہیں۔

وجوب کا بیان:

جب نذر کا معنی ہے غیر واجب کو اپنے اوپر واجب بنالینا تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نذر کے انعقاد کے لیے دو شرطیں ضروری ہیں (۱) جس چیز کی نذر مانی جائے وہ طاعت ہو (معصیت نہ) ہو اگر طاعت نہ ہوگی تو اس قابل نہ ہوگی کہ اس کو واجب بنایا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے نذر وہی ہوتی ہے جو خالص مرضی مولیٰ کی طلب کے لیے ہو یہ حدیث حضرت امام احمدؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کی ہے (۲) پہلے سے اللہ کی طرف سے واجب کردہ نہ ہو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دو شرطیں اور بھی ہیں۔

(۱) وہ عبادت مقصودہ ہو اس لیے عبادت غیر مقصودہ جیسے وضوء، طہارت جسم للصلوٰۃ کی نذر صحیح نہیں (۲) اس قسم کا کوئی دوسرا واجب اللہ کی طرف سے موجود ہو۔ وجوب نذر کی تعیم پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی دلالت کر رہی ہے فرمایا جس نے اللہ کی اطاعت کی منت مانی اس کو اطاعت کرنی چاہیے اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی نذر مانی اس کو نافرمانی نہ کرنی چاہیے۔ (بخاری)

مسئلہ: اگر کسی نے نذر اطاعت مگر نذر کو بعض (غیر ضروری) شرطوں کیساتھ مشروط کر دیا تو نذر کا ایفاء واجب ہو جائیگا اور شرطیں لغو قرار پائیں گی (ان کی تکمیل واجب نہ ہوگی) جیسے کسی نے نذر مانی کہ کسی خاص جگہ نماز پڑھوں گا یا روزہ میں کھڑا رہوں گا۔

اس صورت میں ادائے صوم وصلوٰۃ واجب ہوگی اور ہر حال میں یہ نذر پوری ہو جائے گی اس پر اجماع ہے۔

لیکن امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ کے نزدیک اگر مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی نذر مانی ہو تو کسی دوسری مسجد میں پڑھنے سے نذر پوری نہ ہوگی اور اگر مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) یا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو مسجد حرام میں پڑھنے سے نذر پوری ہو جائیگی غرض کم فضیلت والی مسجد میں نماز پڑھنے سے اس نماز کی نذر پوری نہ ہوگی جو زیادہ فضیلت والی مسجد میں لازم کی گئی ہو۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر صورت میں ہر جگہ نماز پڑھنے سے نذر پوری ہو جائیگی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ فتح مکہ دن ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ نصیب فرمادے گا تو میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی جگہ پڑھ لو۔ اس شخص نے دوسری بار یا تیسری بار وہی گزارش کی آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم جانو تمہارا حال (یعنی تم کو اختیار ہے جو چاہو کرو یہاں پڑھو یا وہاں۔ واللہ اعلم) (ابوداؤد، دارمی)

اسی حدیث کی بناء پر امام صاحب نے شرط مکانی کو لغو قرار دیا ہے۔

فائدہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری اس مسجد میں نماز علاوہ مسجد حرام کے دوسری مسجدوں میں ہزار نمازوں سے زیادہ بہتر ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کی اپنے گھر میں نماز ایک نماز کا اجر رکھتی ہے اور محلّہ کی مسجد میں پچیس نمازوں کا اور جامع مسجد میں پانچ سو نمازوں کا اور مسجد اقصیٰ میں ہزار نمازوں کا اور میری مسجد میں پچاس ہزار نمازوں کا اور مسجد حرام میں ایک لاکھ نمازوں کا۔ (ابن ماجہ)

(یہ تفصیلی درجات) فرض نمازوں کے لیے ہیں نوافل کا یہ حکم نہیں ہے

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا علاوہ فرض کے (باقی دوسری نماز) آدمی کے لیے اپنے گھر میں میری مسجد میں پڑھنے سے بہتر ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

علاوہ طاعت کے دوسری شرائط کے لغو ہونے پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث دلالت کر رہی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے دفعتہً ایک شخص دھوپ میں کھڑا نظر آیا اس کے متعلق کیفیت دریافت فرمائی ابو اسرائیلؓ نے عرض کیا اس نے منت مانی ہے کہ نہ بیٹھے گا نہ سایہ میں جائے گا نہ بات کرے گا اور اسی طرح روزہ پورا کرے گا فرمایا اس کو حکم دو بات کرے، سایہ میں جائے بیٹھ جائے اور روزہ پورا کرے۔ ابو داؤد، ابن ماجہ، وابن حبان، بخاری کی روایت میں دھوپ کا ذکر نہیں ہے۔

امام مالکؒ نے اس حدیث کو موطا میں مرسل ذکر کیا ہے اس روایت میں ہے اس کو حکم دو کہ طاعت خداوندی کو پورا کرے اور جو معصیت ہے اس کو ترک کر دے۔

مسئلہ: اگر واجب نذر ادا نہ کر سکے تو قضا واجب ہے نذر کی مثل ادا کرے خواہ مثل حقیقی ہو یا حکمی جیسے نماز نذر کے عوض نماز، صوم نذر کے عوض صوم۔ اور شیخ فانی (پیر ضعیف) ہر صوم نذر کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ اگر کسی نے پیدل حج کرنے کی منت مانی اور کسی عذر کی وجہ سے سوار ہو گیا تو جمہور کے نزدیک اس کو ایک جانور کی قربانی پیش کرنی چاہیے، صحیح روایت سے امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی مسلک ثابت ہے۔

اصل روایت میں امام صاحب کا قول یہ آیا تھا کہ پیدل حج کی نذر ماننے والے پر پیدل جانا واجب ہی نہیں ہے اس لیے اگر سوار ہو جائے تو قربانی واجب نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی اپنے دولڑکوں کے درمیان دونوں کے سہارے سے جا رہا ہے وجہ دریافت فرمائی جواب ملا اس نے پیادہ جانے کی نذر مانی ہے فرمایا اللہ کو اس کو عذاب دینے کی کوئی ضرورت نہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سوار ہو جانے کا حکم دیا، (متفق علیہ)

ہم (جمہور کی طرف سے) کہتے ہیں کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت کو ابوداؤد نے جید سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ میری بہن نے کعبہ تک پیادہ جانے کی منت مانی تھی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سوار ہونے اور ایک قربانی کرنے کا حکم دیا۔

عبدالرزاق نے صحیح سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جس نے کعبہ کو پیدل جانے کی منت مانی ہو تو اس کو پیدل چلنا چاہیے اگر تھک جائے تو سوار ہو جائے اور اونٹ کی قربانی دے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ و حضرت ابن عباسؓ قتادہ اور حسن بصریؒ کے بھی ایسے ہی اقوال منقول ہیں۔

مسئلہ: اگر کسی نے گناہ کی نذر مانی یا ایسے امر مباح کی منت مانی جو طاعت نہیں ہو سکتا تو اس کو پورا کرنا واجب نہیں ہے اور بالا جماع وہ نذر درست نہ ہوگی امام اعظمؒ کے نزدیک کلام لغو ہو جائے گا اور جمہور کے نزدیک نذر نہیں ہوگی لیکن کلام بھی لغو نہ ہوگا بلکہ قسم کے حکم میں آ جائے گی جہاں تک ہو سکے صحیح العقل کے کلام کو لغویت سے محفوظ رکھا جائے۔ نذر کے لفظوں میں چونکہ پختہ تاکید ہوتی ہے اللہ کا نام ذکر کیا جاتا ہے۔ اس لیے کلام لفظاً قسم بن جانے کی صلاحیت رکھتا ہے اور معنیً بھی وہ قسم ہو سکتا ہے۔

کیونکہ جس چیز کی منت کو واجب بنایا ہے لامحالہ اس کی ضد کو حرام قرار دیا ہے لہٰذا جمہور کے نزدیک اس قسم کو توڑنا اور نذر معصیت کی صورت میں کفارۂ (قسم) دینا واجب ہے۔

منت کا کفارہ:

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے معین نذر مانی اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جس نے گناہ کی نذر مانی اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جس نے ایسی منت مانی جس کو ادا کرنے کی اس میں طاقت نہیں اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور قابل برداشت نذر مانی تو اس کو پورا کرے۔ (ابوداؤد ابن ماجہ)

حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے کسی خاص مقام پر ایک روایت میں اس مقام کا نام بوانہ آیا ہے اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے (دریافت) کیا، فرمایا کیا جاہلیت کے دور میں وہاں کسی بت کی پوجا ہوتی تھی لوگوں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا کیا جاہلیت والوں کا خوشی کا میلا لگتا تھا۔ لوگوں نے جواب دیا نہیں فرمایا تو اپنی نذر پوری کر۔ ابوداؤ داس حدیث کی سند صحیح ہے۔

عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے باپ پردادا کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے اور اسی طرح ابن ماجہؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت بھی لکھی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایسی چیز کی نذر مانی ہو جو طاعت نہ ہو نہ معصیت تو اس کو پورا کرنا جائز ہے عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کے باپ نے دادا کے حوالہ سے بیان کیا کہ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے منت مانی کہ آپکے سر پر دف بجاؤں گی اس کی مراد یہ تھی کہ آپ کی تشریف آوری پر (آپ کے سامنے دف بجاؤں گی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی منت پوری کر لے یہ حدیث ابوداؤ دنے نقل کی ہے شاید یہ واقعہ دف بجانے کی حرمت سے پہلے کا تھا۔

اگر کسی نے نذر مشروط کی صورت میں کل مال خیرات کرنیکی منت مانی اور شرط واقع ہوگئی تو (کل مال خیرات کرنا ضروری نہیں صرف) ایک تہائی مال خیرات کرنا لازم ہے باقی جو صورت بھی ہو ہر حالت میں جو منت مانی ہے اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔

صاحب ہدایہ اور دوسرے محققین حنفیہ نے کہا ہے کہ کفارۂ قسم امام صاحبؒ کے نزدیک اس شرط کے وقت کافی ہوگا جس شرط کا تحقق وہ چاہتا نہ ہو مثلاً یوں کہے کہ اگر میں گھر کے اندر جاؤں یا فلاں شخص سے بات کروں یا فلاں کام کروں تو مجھ پر حج یا ایک سال کے روزے لازم ہیں اس نذر کو نذر حاج کہا جاتا ہے لیکن اگر شرط ایسی ہے جس کا وقوع وہ خود چاہتا ہے اور (وہ شرط ہوگئی) تو نذر پوری کرنی لازم ہے مثلاً یوں کہا اگر فلاں غائب شخص آ ئے یا میرا دشمن مر جائے یا میرا فلاں کام ہو جائے یا میری بیوی کے لڑکا پیدا ہو تو مجھ پر یہ چیز لازم ہے تو اس صورت میں لامحالہ اس پر وہی چیز ادا کرنی لازم ہو گی جو اس نے مانی ہے اس نذر کا نام نذر تَبَرُّء ہے اسی تفصیل کے امام احمدؒ بھی قائل ہیں اور ظاہر ترین روایت میں امام شافعیؒ کا بھی یہی قول آیا ہے۔

سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے دو انصاری بھائی کسی میراث کے مشترکہ وارث ہوئے ایک نے دوسرے سے تقسیم کی خواہش کی اس نے جواب دیا کہ اگر تو نے دوبارہ تقسیم کے لیے کہا تو میرا کل مال کعبہ کے منافع کے لیے ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کعبہ کو تیرے مال کی ضرورت نہیں اپنی قسم کا کفارہ ادا کر اور اپنے بھائی سے کلام کر۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ تم پر نہ کوئی قسم پڑے گی نہ نذر (اگر) خدا کی نافرمانی یا قطع رشتہ داری یا ایسی چیز کے متعلق ہو جس کے تم مالک نہ ہو۔ (ابوداؤد)

مسئلہ: جس نے خارج از طاقت عبادت کی نذر مانی تو کفارہ دینا جائز ہے امام اعظمؒ کے نزدیک کفارہ لازم نہ ہوگا صرف اللہ سے استغفار کرے۔

ہماری دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو اوپر گذر چکی ہے کہ جس نے خارج از طاقت چیز کی منت مانی اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی بہن کے قصہ میں بھی آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تیری بہن کے پیدل چلنے کی سخت تھکان سے خدا کو کچھ فائدہ نہیں وہ سوار ہو جائے اور سوار ہو کر حج کو جائے اور اپنی قسم کا کفارہ دیدے۔ (ابوداؤد)

عبداللہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عقبہ بن عامر نے بیان کیا کہ میری بہن نے برہنہ سر پیدل چل کر حج کو جانے کی منت مانی تھی اس کا تذکرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا ارشاد فرمایا اپنی بہن سے کہہ دے کہ سر پر اوڑھنی اوڑھے سوار ہو اور تین روزے رکھے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، طحاوی)

اختلاف احادیث کو دور کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ کا حکم اس وقت دیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا کہ

وہ عورت نذر پوری کرنے سے عاجز ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

منت کی شرط:

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ جس کام کو بذریعہ نذر اپنے اوپر واجب کیا ہے اس کی جنس سے کوئی عبادت شریعت میں واجب کی گئی ہو جیسے نماز، روزہ، صدقہ، قربانی وغیرہ اور جس کی جنس سے کوئی عبادت شرعاً مقصود نہیں ہے اس کی نذر ماننے سے نذر لازم نہیں ہوتی جیسے کسی مریض کی عیادت یا جنازے کے پیچھے چلنا وغیرہ جو اگرچہ عبادات ہیں مگر عبادت مقصودہ نہیں، نذر ویمین کے احکام کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

حدیث میں ہے کہ جو اللہ کی اطاعت کی نذر مانے وہ پوری کرے اور جو نافرمانی کی نذر مانے اسے پوری نہ کرے۔ امام بخاریؒ نے اسے امام مالکؒ کی روایت سے بیان فرمایا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ⑦

اور ڈرتے ہیں اُس دن سے کہ اُس کی برائی پھیل پڑے گی ☆

خوفِ آخرت:

یعنی اس دن کی سختی اور برائی درجہ بدرجہ سب کو عام ہو گی۔ کوئی شخص بالکلیہ محفوظ نہ رہے گا "الا من شاء اللّٰہ"۔ (تفسیر عثمانی)

مُسْتَطِيرًا بہت زیادہ پھیلی ہوئی اِسْتَطَارَ الْحَرِيقُ آگ بہت پھیل گئی اِسْتَطَارَ الْفَجْرُ صبح کی روشنی خوب پھیل گئی۔ مقاتل نے کہا کہ روز قیامت کا شر آسمانوں میں پھیلے گا تو آسمان پھٹ جائیں گے، ستارے جھڑ جائیں گے اور چاند سورج بے نور ہو جائیں گے، ملائکہ پر خوف طاری ہو جائے گا اور زمین پر شر پھیلے گی تو پہاڑ خاک ہو کر اڑ جائیں گے، پانی خشک ہو جائے گا، روئے زمین پر جو پہاڑی یا عمارت ہو گی ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔ اس آیت میں مومنوں کے عقیدے کی خوبی اور گناہوں سے پرہیز رکھنے کا اظہار ہے جس طرح آیت یوفون بالنذر میں اہل ایمان کی ادائیگی فرض کا اظہار تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ

اور کھلاتے ہیں کھانا اُس کی محبت پر

مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ⑧

محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو ☆

محتاجوں کو کھلانا:

یعنی اللہ کی محبت کے جوش میں اپنا کھانا باوجود خواہش اور احتیاج کے نہایت شوق اور خلوص سے مسکینوں یتیموں اور قیدیوں کو کھلا دیتے ہیں

(تنبیہ) قیدی عام ہے کہ مسلم ہو یا کافر۔ حدیث میں ہے کہ "بدر" کے قیدیوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جس مسلمان کے پاس کوئی قیدی ہے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے چنانچہ صحابہؓ اس حکم کی تعمیل میں قیدیوں کو اپنے سے بہتر کھانا کھلاتے تھے۔ حالانکہ وہ قیدی مسلمان نہ تھے۔ مسلمان بھائی کا حق تو اس سے بھی زیادہ ہے اور اگر لفظ "اسیر" میں ذرا توسع کر لیا جائے تب تو یہ آیت غلام اور مدیون کو بھی شامل ہو سکتی ہے کہ وہ بھی ایک طرح سے قید میں ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ اس میں اشارہ ہے اس امر کی جانب کہ مومن اللہ کے بندوں پر مہربانی کرتے ہیں رضائے مولیٰ کے حصول کے لئے خلوص کے ساتھ نفل (غیر لازم) نیکیاں کرتے ہیں۔

عَلَى حُبِّهِ اللہ کی محبت میں یا کھانے کی محبت اور حاجت کے باوجود۔

مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ابن منذرؒ نے ابن جریجؒ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل اسلام کو قید نہیں کرتے تھے (اس لئے آیت میں مسلمان قیدی مراد نہیں) بلکہ اس آیت کا نزول ان مشرکوں کے سلسلہ میں ہوا تھا جن کو مسلمان قید کر لیا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرک قیدیوں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتے تھے قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو ضعیفوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو مملوک اور عورت۔ (رواہ ابن عساکر)

ابوعمروؓ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ نماز اور اپنے مملوک کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ (رواہ الخطیب)

بخاریؒ نے ادب میں حضرت علیؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ اپنے مملوکوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔

بغوی کی روایت میں ہے کہ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو وہ تمہارے پاس قیدی ہیں۔ بغوی نے لکھا کہ اس آیت کے شان نزول کے متعلق علماء میں اختلاف ہے مقاتل کا بیان ہے کہ اس کا نزول ایک انصاری کے متعلق ہوا تھا جس نے ایک ہی دن میں مسکین کو بھی کھانا کھلایا تھا اور یتیم کو بھی اور قیدی کو بھی۔

حضرت علیؓ کی فضیلت:

مجاہد اور عطاء نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں ہوا تھا۔

حضرت علیؓ نے ایک یہودی کی مزدوری کر کے کچھ جو حاصل کئے اور ان میں سے ایک تہائی پیس کر گھر والوں کے کھانے کے لئے کچھ کھانا تیار کیا جونہی کھانا پک کر تیار ہوا ایک مسکین نے آ کر سوال کیا گھر والوں نے وہ

کھانا اس کو دے دیا دوبارہ پھر ایک تہائی جو پکائے گئے کھانا پک کر تیار ہوا تو ایک یتیم نے آ کر سوال کیا گھر والوں نے وہ کھانا اس کو کھلا دیا، تیسری بار باقی جو کو پکایا گیا اور پک کر تیار ہوا تو ایک مشرک قیدی آ گیا اور سوال کیا گھر والوں نے وہ کھانا اس کو دے دیا اور سب اس روز بھوکے رہے۔

ثعلبیؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ (ایک بار) حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور (حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے) فرمایا ابوالحسن اگر تم اپنے بچوں (کی صحت کے) لئے نذر مان لو (تو بہتر ہے) حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فضہ رضی اللہ عنہا نے نذر مان لی کہ اگر ان دونوں کو صحت ہوگئی تو ہم تین روزے رکھیں گے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خادمہ کا نام فضہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا چنانچہ دونوں صحت یاب ہو گئے مگر اس روز ان حضرات کے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شمعون خیبری (یہودی) سے تین صاع (تقریباً ۱۲ سیر) جو قرض لئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک صاع جو کا آٹا پیسا اور پانچ روٹیاں پکا کر گھر والوں کے سامنے روزہ افطار کرنے کے لئے رکھ دیں اتنے میں ایک مسکین آ کر کھڑا ہو گیا گھر والوں نے اس کو اپنے اوپر ترجیح دی اور روٹیاں اس کو دے دیں خود پانی کے سوا کچھ نہیں چکھا اور رات یونہی گزار دی اور صبح کو روزے رکھ لئے شام ہوئی تو گذشتہ دن کی طرح کھانا پکا کر سامنے ہی رکھا تھا کہ ایک یتیم آ گیا سب کھانا اس کو دیدیا اور رات یونہی فاقہ سے گزار دی اور صبح کو روزے رکھ لئے شام کو کھانا پکا کر رکھا ہی تھا کہ تیسری مرتبہ ایک قیدی آ کھڑا ہوا اور گھر والوں نے حسب سابق اس کے ساتھ برتاؤ کیا اس پر جبرائیل علیہ السلام یہ سورۃ لے کر نازل ہوئے اور کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ لو اللہ نے تمہارے اہل بیت کے معاملہ میں تم کو مبارک باد دی ہے۔ ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔

یہ آیت مدنی ہے یا مکی:

نفس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ مدنی ہو کیونکہ قیدی مدینہ میں تھے مکہ میں نہ تو جہاد تھا نہ کسی مشرک قیدی کا وجود پس ظاہر ہے کہ اس سورت کا کچھ حصہ مدنی ہے خواہ بعض حصہ مکی ہو۔ (تفسیر مظہری)

سعید بن جبیرؒ اور حسن بصریؒ سے منقول ہے قیدی سے اہل اسلام مراد ہے لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ قیدیوں سے مراد وہ قیدی بھی ہیں جو مشرکین میں سے مسلمانوں کی قید میں ہوں۔ چنانچہ اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی۔

عکرمہ سے منقول ہے کہ اس سے مراد غلام ہیں اور متعدد احادیث میں غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید فرمائی گئی۔ (تفسیر ابن کثیر، معارف کاندھلوی)

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ

ہم جو تم کو کھلاتے ہیں سو خالص اللہ کی خوشی چاہنے کو نہ تم سے

مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ﴿٩﴾

ہم چاہیں بدلہ اور نہ چاہیں شکر گذاری ☆

رضاء الٰہی کی طلب:

یہ کھلانے والے زبان حال سے کہتے ہیں اور کہیں مصلحت ہو تو زبان قال سے بھی کہہ سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مجاہد اور سعید بن جبیرؒ نے کہا ان لوگوں نے اپنی زبانوں سے یہ الفاظ نہیں کہے تھے مگر ان کے دل کی حالت سے اللہ واقف تھا (اور دل میں ضرور انہوں نے یہ بات کہی تھی) اس قلبی قول ہی کی اللہ نے تعریف فرمائی ہے۔

لِوَجْهِ اللّٰهِ لفظ وجہ زائد ہے مراد ہے اللہ واسطے اللہ کی خوشنودی اور ثواب کی طلب میں۔

روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خیرات کا کچھ مال کسی کے گھر بھیجتی تھیں پھر واپسی کے بعد قاصد سے پوچھتی تھیں ان گھر والوں نے کیا کہا اگر قاصد کہتا تھا کہ آپ کے لئے دعا کی تھی تو ام المومنین بھی ان کو ویسی ہی دعا دیتی تھیں تا کہ خیرات خالص اللہ کے واسطے باقی رہے (یعنی اجر آخرت کے لئے باقی رہے۔ دنیوی کوئی اجر اس سے حاصل نہ ہو یہاں تک کہ اس کے عوض کلمہ دعائیہ بھی نہ ملے)۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ایثار:

حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیمار پڑے، تو آپ کی بیماری میں انگور کا موسم آیا جب انگور بکنے لگے تو آپ کا دل بھی چاہا کہ انگور کھاؤں تو آپ کی بیوی صاحبہ حضرت صفیہؒ نے ایک درہم کے انگور منگوائے آدمی جو لے کر آیا اسکے ساتھ ہی ساتھ ایک سائل بھی آ گیا اور اس نے آواز دی کہ میں سائل ہوں۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ یہ سب اسی کو دے دو، چنانچہ دے دیئے گئے، پھر دوبارہ آدمی گیا اور انگور خرید لایا اب کے مرتبہ بھی سائل آ گیا اور اس کے سوال پر سب کے سب انگور اسی کو دے دیئے گئے، لیکن اب کی مرتبہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے سائل کو کہلوا بھیجا کہ اگر اب آئے تو تمہیں کچھ نہ ملے گا چنانچہ تیسری مرتبہ ایک درہم کے انگور منگوائے گئے۔ (بیہقی تفسیر ابن کثیر)

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ﴿١٠﴾

ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے ایک دن اُداسی والے کی سختی سے ☆

یعنی کیوں نہ کھلائیں اور کھلانے کے بعد کیونکر بدلہ یا شکریہ کے امیدوار رہیں جب کہ ہم کو اپنے پروردگار کا اور اس دن کا خوف لگا ہوا ہے جو بہت سخت اداس اور غصہ سے چیں بہ جبیں ہوگا۔ ہم تو اخلاص کے ساتھ کھلانے پلانے کے بعد بھی ڈرتے ہیں کہ دیکھئے ہمارا عمل مقبول ہوا یا نہیں۔ مبادا اخلاص وغیرہ میں کمی رہ گئی ہو اور الٹا منہ پر مارا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا اس دن کے عذاب سے جو عبوس اور قمطریر ہوگا۔ عبوس ترشرو۔ تیوری پر بل ڈالے ہوئے آدمی۔ یہ یوم کی صفت مجازاً ہے جیسے نھارہٗ صائم اس کا دن روزہ دار ہے یعنی وہ دن میں روزہ دار ہے (پس دن کے تیوری پر بل پڑنے کا معنی یہ ہوا کہ اس دن غم و رنج کی وجہ سے سب لوگ ترش رو ہوں گے) قمطریر سخت ترشرو۔ (تفسیر مظہری)

فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ
پھر بچا لیا ان کو اللہ نے برائی سے اُس دن کی
وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ﴿۱۱﴾
اور ملا دی اُن کو تازگی اور خوش وقتی ☆

یعنی جس چیز سے وہ ڈرتے تھے۔ اللہ نے اس سے محفوظ و مامون رکھا۔ اور ان کے چہروں کو تازگی اور دلوں کو سرور عطا کیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴿۱۲﴾
اور بدلہ دیا اُن کو اُن کے صبر پر باغ اور پوشاک ریشمی ☆

جنت کا عیش: یعنی از بسکہ یہ لوگ دنیا کی تنگیوں اور سختیوں پر صبر کر کے معاصی سے رُکے اور طاعت پر جمے رہے تھے۔ اس لئے اللہ نے اُن کو عیش کرنے کے لئے جنت کے باغ اور لباسہائے فاخرہ مرحمت فرمائے۔ (تفسیر عثمانی)

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ
تکیہ لگائے بیٹھیں اس میں تختوں کے اُوپر ☆

بادشاہوں کی طرح۔ (تفسیر عثمانی)

متکئین حال ہے، یعنی جنت کی اندر مسہریوں پر وہ تکیہ لگائے ہوں گے ارائک پردہ والی مسہریاں حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ صرف پلنگ بغیر پردے اور چھتری کے اور صرف چھتری پردہ بغیر پلنگ کے ارائک نہیں کہلاتا پلنگ مع چھتری اور پردہ کے ہو تو ارائک کہلاتا ہے۔ بیہقی۔ (تفسیر مظہری)

لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾
نہیں دیکھتے وہاں دُھوپ اور نہ ٹھر ☆

جنت کا موسم:

یعنی جنت کا موسم نہایت معتدل ہوگا نہ گرمی کی تکلیف نہ سردی کی۔ (تفسیر عثمانی)

ابن مبارک نے بیان کیا اور عبداللہ بن احمد نے بھی زوائد میں تخریج کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جنت سکون بخش ہے نہ اس میں گرمی ہے اور نہ سردی۔ یا زمہریر سے مراد چاند یا چمکتے ستارے اس وقت یہ مطلب ہوگا کہ جنت خود روشن ہے نور رب سے منور ہے اس کو نہ سورج کی ضرورت ہے نہ چاند کی۔ شعیب بن جیحان نے بیان کیا میں ابوالعالیہ ریاحی کے ساتھ سورج نکلنے سے پہلے باہر نکلا ابوالعالیہ نے فرمایا کہ جنت کی اسی طرح نسبت کی جاتی ہے پھر آیت وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ پڑھی۔ (بیہقی)

میں کہتا ہوں کہ ابوالعالیہ کی مراد نور صبح سے جنت کی تشبیہ دینا نہیں ہے۔ صبح کا نور تو ضعیف ہوتا ہے جس میں تاریکی مخلوط ہوتی ہے۔ بلکہ اس امر میں تشبیہ دینی مقصود ہے کہ (جس طرح) صبح کی روشنی پھیلتی جاتی ہے منقطع نہیں ہوتی (اس طرح جنت کی روشنی روبترقی ہوگی منقطع نہیں ہوگی)۔ (تفسیر مظہری)

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ
اور جھک رہیں اُن پر اس کی چھائیں اور پست کر رکھے ہیں
قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾
اُس کے گچھے لٹکا کر ☆

باغات: یعنی درختوں کی شاخیں مع اپنے پھول پھل وغیرہ کے ان پر جھکی پڑتی ہونگی اور پھلوں کے خوشے ایسی طرح لٹکے ہونگے اور انکے قبضہ میں کر دیئے جائینگے کہ جنتی جس حالت میں چاہے کھڑے بیٹھے لیٹے بے تکلف چن سکے (تنبیہ) شاید درختوں کی شاخوں کو یہاں "ظلال" سے تعبیر فرمایا ہے یا واقعی سایہ ہو۔ کیونکہ آفتاب کی دھوپ نہ سہی کوئی دوسری قسم کا نور تو وہاں ضرور ہوگا۔ اس کے سایہ میں بہشتی تفنن و تفریح کی غرض سے کبھی بیٹھنا چاہیں گے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

قطوف سے مراد ہیں پھل یعنی جنت کے پھل بڑے سہل الحصول ہوں گے، اہل جنت جس طرح چاہیں گے توڑیں گے کسی طرح کی کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جنتی جنت کے پھل چاہیں گے (توڑ کر) کھائیں گے، کھڑے ہو کر، بیٹھ کر، لیٹ کر۔ (بیہقی اور سعید بن منصور) (تفسیر مظہری)

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ
اور لوگ لئے پھرتے ہیں اُن کے پاس برتن چاندی کے
فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ﴿۱۵﴾
اور آبخورے جو ہو رہے ہیں شیشے کے

قَوَارِیْرَاۡ مِنْ فِضَّةٍ

شیشے ہیں چاندی کے ☆

جنت کے برتن:

یعنی آبخورے اصل میں چاندی کے بنے ہونگے نہایت سفید، بے داغ اورفرحت بخش لیکن صاف وشفاف اور چمکدار ہونے میں شیشے کی طرح معلوم ہونگے ان کے اندر کی چیز باہر سے صاف نظر آئیگی ۔ (تفسیر عثانی)

ابن جریر نے بسند عوفی حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ چاندی کے برتن ہیں، جن کی صفائی شیشوں کی طرح ہے ۔سعید بن مسعود بن عبدالرزاق نے اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر دنیا کی چاندی لے کر تم اس کا باریک ورق مکھی کے پر کی طرح بھی بنالو تب بھی دوسری طرف کا پانی اس میں سے نظر نہیں آئے گا، لیکن جنت کے برتن کی سفیدی مثل چاندی کے اور صفائی شیشوں کی طرح ہوگی۔

قَوَارِیْرَا اول قواریر سے بدل ہے، ابن ابی حاتم کی روایت ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جنت میں کوئی ایسی چیز نہیں کہ تم کو دنیا میں اس کے مشابہ چیز نہیں دی گئی ہو جنت کے قَوَارِیْرَاۡ مِنْ فِضَّةٍ کے مشابہ دنیاوی قواریر ہیں، کلبی کا قول ہے کہ اللہ نے ہر قوم کے بلوری برتن انہی کے ملک کی مٹی سے پیدا کئے اور جنت کی زمین چاندی کی ہے اس لئے وہاں کے چاندی کے بلوری برتن ہوں گے جن سے اہل جنت پئیں گے۔ (تفسیر مظہری)

قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ⑯

ماپ رکھا ہے اُن کا ماپ ☆

برتنوں کی مقدار:

یعنی جنتی کو جس قدر پینے کی خواہش ہوگی ٹھیک اس کے اندازے کے موافق بھرے ہونگے کہ نہ کمی رہے نہ بچے یا بہشتیوں نے اپنے دل سے جیسے اندازہ کرلیا ہوگا بلا کم وکاست اسی کے موافق آئینگے۔ (تفسیر عثانی)

شیخ اجل مولانا ایوب کرخیؒ نے فرمایا کہ شاید اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ ارواح میں معرفت الٰہی کی جتنی استعداد ہوگی اسی کی مقدار کے موافق کوزوں کی مقدار ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ⑰

اور اُن کو وہاں پلاتے ہیں پیالے جس کی ملونی ہے سونٹھ ☆

مشروب جنت:

یعنی ایک جام شراب وہ تھا جس کی ملونی کافور ہے دوسرا وہ ہوگا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔ مگر یہ دنیا کی سونٹھ نہ سمجھیے وہ ایک چشمہ ہے جنت میں جس کو سلسبیل کہتے ہیں۔ سونٹھ کی تاثیر گرم ہے اور وہ حرارتِ غریزیہ میں انتعاش پیدا کرتی ہے۔ عرب کے لوگ اس کو بہت پسند کرتے تھے۔ بہرحال کسی خاص مناسبت سے اس چشمہ کو زنجبیل کا چشمہ کہتے ہیں۔ ابرار کے پیالہ میں اس کی تھوڑی سے آمیزش کی جائیگی۔ اصل میں وہ چشمہ بڑے عالی مقام مقربین کے لیے ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثانی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے جنت کی جن چیزوں کا تذکرہ قرآن میں کیا ہے اور جو نام ذکر کیے ہیں ان کی مثال دنیا میں نہیں۔ بعض کا قول ہے کہ زنجبیل جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے جس کے پانی میں سونٹھ کا مزہ ہوگا۔ قتادہ نے کہا کہ جنتی چشمہ کا پانی اہل قربت کو بغیر آمیزش کے ملے گا اور اہل جنت کو آمیزش کے بعد۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ نے كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا بھی فرمایا اور كاسا كان مزاجها زنجبيلاً بھی فرمایا کہ اختلاف پینے والوں کی طبعی خواہش کے پیش نظر ہوگا گرم مزاج والوں کو مشروب کی خنکی پسند ہوتی ہے ان کو ایسی شراب پسند ہوتی ہے جن میں کافور کی آمیزش ہو اور سرد مزاج والوں کو گرم مشروب پسند ہوتا ہے اس لئے ان کو ایسا مشروب مرغوب ہوتا ہے، جس میں سونٹھ کی آمیزش ہو ہر شخص کی رغبت کی خاطر۔ (تفسیر مظہری)

عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ⑱

ایک چشمہ ہے اُس کا نام کہتے ہیں سلسبیل ☆

اس نام کے معنی ہیں پانی صاف بہتا ہوا۔ کذا فی الموضح۔ (تفسیر عثانی)

مقاتل اور ابوالعالیہ نے کہا کہ وہ چشمہ اہل جنت کے راستے میں اور ان کے گھروں میں رواں ہوگا۔ زیر عرش سے جنت عدن کے اندر سے پھوٹ کر نکلے گا اور جنت والوں تک پہنچے گا جنت کی شراب میں کافور کی خنکی، سونٹھ کا مزہ اور مشک کی خوشبو ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ

اور پھرتے ہیں اُن کے پاس لڑکے سدا رہنے والے ☆

خُدّام: یعنی ہمیشہ لڑکے رہیں گے یا جنتیوں سے کبھی چھینے نہ جائینگے۔ (تفسیر عثانی)

اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ⑲

جب تو ان کو دیکھے خیال کرے کہ موتی ہیں بکھرے ہوئے ☆

یعنی اپنے حسن و جمال صفائی اور آب وتاب میں ادھر ادھر پھرتے ہوئے ایسے خوش منظر معلوم ہونگے گویا بہت سے چمکدار خوبصورت موتی زمین پر بکھیر دیئے گئے۔ (تفسیر عثانی)

ابن مبارک اور ہناد اور بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ادنیٰ جنتی وہ ہوگا کہ جس کی خدمت میں ایک ہزار خادم لگے ہوں گے اور ہر خادم کا کام دوسرے خادم کے کام سے جدا ہوگا۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ ابن ابی الدنیا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے کم درجہ کے جنتی کے سر کے پیچھے دس ہزار خادم (خدمت کے لئے) کھڑے ہوں گے۔ ابن ابی الدنیا نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ سب سے کم مرتبہ والا جنتی وہ ہوگا جس کے پاس خدمت کے لئے صبح وشام پانچ ہزار خادم آئیں گے اور ہر خادم کے پاس (کھلانے، پلانے کے لئے ایسا) برتن ہوگا جو دوسرے خادم کے پاس نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

آئندہ آیت کا شانِ نزول:

ابن المنذر رضی اللہ عنہ نے بروایت عکرمہ بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کی ٹہنیوں کی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اور پہلو پر نشان پڑ گئے تھے، یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو دیئے، ارشاد فرمایا کہ کیوں روتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسریٰ اور اس کی حکومت، ہرمز اور اس کی حکومت، شاہ حبشہ اور اس کی حکومت کا ذکر کیا اور عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور کھجور کی ٹہنیوں کی چٹائی پر تشریف فرما ہیں۔ فرمایا کہ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ ان کے لئے دنیا ہے اور ہمارے لئے آخرت۔ اس پر اللہ نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ﴿۲۰﴾

اور جب تو دیکھے وہاں تو دیکھے نعمت اور سلطنت بڑی ☆

عظیم بادشاہت:

یعنی جنت کا حال کیا کہا جائے کوئی دیکھے تو معلوم ہو کہ کیسی عظیم الشان نعمت اور کتنی بھاری بادشاہت ہے جو ادنیٰ ترین جنتی کو نصیب ہوگی۔ رزقنا اللہ منها بمنه وفضله۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ کم ترین مرتبہ والا جنتی وہ ہوگا جو اپنے باغات کو، بیویوں کو، خادموں کو اور تختوں (مسہریوں) کو ہزار برس (اور ایک روایت میں ہے کہ دو ہزار برس) کی راہ کی مسافت سے دیکھے گا اور اس کو (اپنی حدود کا) آخری کنارہ اس طرح نظر آئے گا جس طرح قریب ترین حصہ نظر آئے گا مُلْكًا كَبِيرًا کی تشریح میں کہا گیا ہے، لازوال حکومت ہوگی فرشتے آکر سلام کریں گے اور باریابی کی اجازت کے خواستگار ہوں گے، جنت کے اندر اہل جنت کو وہ سب کچھ ملے گا جو ان کی خواہش ہوگی۔ رب جلیل کو بھی دیکھیں گے۔ (تفسیر مظہری)

طبرانی کی ایک بہت ہی غریب حدیث میں وارد ہے کہ ایک حبشی دربار رسالت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں جو کچھ پوچھنا ہو اور جس بات کو سمجھنا ہو پوچھ لو، اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صورت و شکل میں رنگ و روپ میں نبوت و رسالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم پر فضیلت دی گئی، اب تو یہ فرمائیے کہ اگر میں بھی ان چیزوں پر ایمان لاؤں جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان لائے ہیں اور جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے ہیں میں بھی اگر ان پر عمل کروں تو کیا جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں قسم ہے اس اللہ تعالیٰ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ سیاہ رنگ لوگوں کو جنت میں وہ سفید رنگ دیا جائے گا جو ایک ہزار سال کے فاصلے سے دکھائی دے گا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الخ کہے اس کے لئے خدا کے پاس عہد مقرر ہو جاتا ہے اور جو شخص سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ کہے اس کیلئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ تو ایک شخص نے کہا پھر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کیسے ہلاک ہو جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنو ایک شخص اتنی نیکیاں لائے گا کہ اگر کسی بڑے پہاڑ پر رکھی جائیں تو اس پر بوجھل پڑیں لیکن پھر جو خدا کی نعمتیں اس کے مقابل آئیں گی تو قریب ہوگا کہ سب فنا ہو جائیں مگر یہ اور بات ہے کہ رحمت رب توجہ فرمائے، اس وقت یہ سورت مُلْكًا كَبِيرًا تک اتری تو اسی حبشی شخص نے کہا کہ اے حضور صلی اللہ علیہ وسلم! جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں جنت میں دیکھیں گی کیا میری آنکھیں بھی دیکھیں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ہاں۔ پس وہ رونے لگا یہاں تک کہ اس کی روح پرواز کر گئی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے اسے دفن کیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

جیسے امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اہل جنت، جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو انہیں دو نہریں نظر آئیں گی اور انہیں از خود خیال پیدا ہوگا، ایک کا وہ پانی پئیں گے تو ان کے دلوں میں جو کچھ تھا سب دور ہو جائے گا، دوسرے میں غسل کریں گے جس سے چہرے تروتازہ، ہشاش بشاش ہو جائیں گے، ظاہری و باطنی دونوں خوبیاں انہیں بدرجہ کمال حاصل ہوں گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ

اوپر کی پوشاک اُن کی کپڑے ہیں

خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ

باریک ریشم کے سبز اور گاڑھے ☆

جنت کا لباس:

یعنی باریک اور دبیز دونوں قسم کے ریشم کے لباس جنتیوں کو ملیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنتیوں کے کپڑوں کے متعلق ارشاد فرمائیے کیا وہ کوئی پیدا ہونے والی چیز ہے جس کی تخلیق کی جائے گی یا بننے والی چیز ہے جس کو بنا جائے گا فرمایا نہیں۔ وہ ایسی چیز ہے جو جنت سے پھوٹ کر نکلے گی وہ جنت کا ایک پھل ہے۔ (رواہ النسائی، والبزار والبیہقی بسند جید)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جنت میں ایک درخت سے سندس پیدا ہوگا جس سے اہل جنت کپڑے (تیار) ہوں گے (رواہ البزار والطبرانی وابویعلی بسند صحیح)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس (مرد) نے دنیا میں ریشم پہناوہ آخرت میں نہ پہنے گا۔ (بخاری ومسلم)

نسائی وحاکم نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی بیان کی ہے اس میں اتنا زائد ہے کہ جس نے دنیا میں شراب پی وہ آخرت میں نہیں پیئے گا اور جس نے سونے چاندی کے برتنوں میں دنیا میں کچھ کھایا پیا وہ آخرت میں سونے چاندی کے برتنوں میں پینے سے محروم رہے گا۔ صحیحین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرح حضرت انس اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما اجمعین سے بھی حدیث مروی ہے اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے مگر اس روایت میں اتنا زائد ہے اگر وہ جنت میں داخل ہو بھی جائے گا تو ریشم تب بھی نہیں پہنے گا۔ ابوداؤد نے صحیح سند سے اس کو بیان کیا ہے نسائی ابن حبان اور حاکم بھی اس کے ناقل ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ج
اور اُن کو پہنائے جائیں گے کنگن چاندی کے ☆

زیور: اس سورت میں تین جگہ چاندی کے برتنوں اور زیور وغیرہ کا ذکر آیا ہے۔ دوسری جگہ سونے کے بیان کیے گئے ہیں۔ ممکن ہے یہ بھی ہوں اور وہ بھی، کسی کو یہ ملیں، کسی کو وہ۔ یا کبھی یہ کبھی وہ۔ (تفسیر عثمانی)

ابوالشیخ نے العظمۃ میں کعب احبار کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ کا ایک فرشتہ اہل جنت کے لئے زیور آغاز آفرینش سے بنا رہا ہے اور قیامت بپا ہونے تک بناتا رہے گا اور اہل جنت کا کوئی ایک زیور بھی نمودار ہو جائے تو سورج کی روشنی (پر غالب آجائے) جاتی رہے۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کے (ہاتھ کے) زیور وہاں تک پہنچیں گے جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا (یا پہنچتا ہے) نسائی اور حاکم نے عقبہ بن عامرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اگر تم جنت کا زیور اور ریشمی لباس پسند کرتے ہو تو دنیا میں اس کو نہ پہنو۔ (تفسیر مظہری)

دنیا میں ملوک کسریٰ ہاتھوں میں کنگن اور سینے اور تاج میں زیورات استعمال کرتے تھے اور یہ ان کا خاص امتیاز واعزاز سمجھا جاتا تھا، ملک کسریٰ فتح ہونے کے بعد جو خزائن کسریٰ مسلمانوں کو ہاتھ آئے ان میں کسریٰ کے کنگن بھی تھے۔ جب دنیا کے مختلف ملکوں اور قوموں کے معمولی جغرافیائی اور قومی تفاوت سے یہ معاملہ مختلف ہو سکتا ہے تو جنت کو دنیا پر قیاس کرنے سے کوئی معنی نہیں ہو سکتا ہے کہ وہاں پر زیور مردوں کے لئے بھی مستحسن سمجھا جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (۲۱)
اور پلائے ان کو اُن کا رب شراب جو پاک کرے دل کو ☆

شراب طہور:

یعنی سب نعمتوں کے بعد شراب طہور کا ایک جام محبوب حقیقی کی طرف سے ملے گا، جس میں نہ نجاست ہوگی نہ کدورت، نہ سرگرانی، نہ بدبو، اس کے پینے سے دل پاک اور پیٹ صاف ہونگے، پینے کے بعد بدن سے پسینہ نکلے گا جس کی خوشبو مشک کی طرح مہکنے والی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

تمام گندگیوں سے اور ہاتھ کے چھونے سے پاک۔ ابوقلابہ اور ابراہیم کا قول ہے کہ جنت کی شراب اہل جنت کی بدن میں ناپاک پیشاب نہیں بن جائے گی بلکہ پسینہ بن جائے گی جس کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ پہلے کھانا دیا جائے گا پھر شراب طہور دی جائے گی شراب پینے سے ان کے پیٹ پاک ہو جائیں گے اور جو کچھ کھایا ہوگا وہ پسینہ بن کر جلد بدن سے خارج ہو جائے گا جس کی خوشبو خالص مشک جیسی ہوگی (پسینہ آنے کے بعد) پھر کھانے کی خواہش لوٹ آئے گی۔

مقاتل نے کہا جنت کے دروازہ پر پانی کے ایک چشمہ کا نام طہور ہے۔ جو شخص اس کا پانی پیئے گا۔ اللہ اس کے دل سے ہر طرح کا کینہ اور حسد نکال دے گا۔

بیضاوی نے کہا ان اقوال سے بہتر وہ قول ہے کہ جس میں کہا گیا ہے کہ یہاں شراب کی ایک اور خاص قسم مراد ہے جو دونوں مذکورہ اقسام سے اعلیٰ ہے اسی کو عطاء فرمانے کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی ہے اور اسی کو طہور فرمایا ہے کیونکہ اس کو پینے والا تمام حسی لذتوں کی طرف میلان اور غیر اللہ کی رغبت سے پاک ہو جاتا ہے۔ صرف جمال ذات کا معائنہ کرتا اور دیدار الٰہی سے لذت اندوز ہوتا ہے یہ درجہ ثواب ابرار کا آخری درجہ اور صدیقین کے ثواب کا ابتدائی مرتبہ اور مبدا ہے۔ صاحب مدارک نے۔ اور کہیں گے درمیانی وسائل سے تو ہم مدت دراز سے لیتے رہے ہیں۔ (اب تو براہ راست لیں گے) اچانک غیب سے بغیر ہاتھوں کے وساطت کے پیالے منہ کو لگ جائیں گے۔ اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ جو ابن ابی الدنیا نے جید سند کے ساتھ نقل کی ہے۔

کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جنتی آدمی شراب کی خواہش کرے گا۔ شراب فوراً اس کے ہاتھ میں آجائیگی۔ وہ پی لے گا۔ پینے کے بعد پیالہ لوٹ کر اپنی جگہ چلا جائے گا۔ شیخ ایوب کرخیؒ نے فرمایا کہ سابقین کو زیرین عرش سے بغیر کسی درمیانی ذریعہ کے شراب ملے گی۔ اور درمیانی درجہ والوں کو یعنی ابرار کو فرشتے دیں گے۔ باقی اہل جنت کو یعنی ان لوگوں کو جو گناہوں کی بخشش کے بعد یا سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہوئے۔ غلمان شراب پیش کریں گے۔ میں کہتا ہوں ان آیات میں ابرار کے احوال کا تذکرہ ہے اس لیے ممکن ہے کہ کبھی ان کے غلمان کے ذریعہ سے کبھی ملائکہ کے ذریعہ سے اور کبھی بغیر کسی ذریعہ کے شراب دی جائے۔ البتہ اہل قرابت کو اکثر بغیر واسطہ کے دی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً
یہ ہے تمہارا بدلہ اور
وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾
کمائی تمہاری ٹھکانے لگی ☆

اعمال کی قدر دانی:

یعنی مزید اعزاز و اکرام اور تطییبِ قلوب کے لیے کہا جائیگا کہ یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے۔ تمہاری کوشش مقبول ہوئی اور محنت ٹھکانے لگی۔ اس کو سنکر جنتی اور زیادہ خوش ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ قول گویا ان کے حسن اعمال کا شکریہ ہوگا۔ کیونکہ وہ یتیموں اور مسکینوں سے شکریہ کے طالب نہیں تھے۔ میں کہتا ہوں اللہ نے اپنی مہربانی سے جنت کی نعمتوں کو ابرار کے اعمال کی جزاء قرار دیا ورنہ آدمی کا کونسا عمل اس قابل ہو سکتا ہے کہ اس کی جزاء جنت ہو۔ یعنی کوئی نیکی جنت کا مستحق نہیں بنا سکتی نہ خدا پر لازم ہے کہ وہ نیکوں کو جنت عطاء فرمائے بلکہ اس نے اپنی مہربانی سے نیکی کے عوض جنت دینے کا وعدہ فرمالیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾
ہم نے اتارا تجھ پر قرآن سہج سہج اُتارنا
فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ
سو تو انتظار کر اپنے رب کے حکم کا ☆

فیصلہ کا انتظار کریں:

تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل مضبوط رہے اور لوگ بھی آہستہ آہستہ اپنے نیک و بد کو سمجھ لیں اور معلوم کرلیں کہ جنت کن اعمال کی بدولت ملتی ہے اگر اس طرح سمجھانے پر بھی نہ مانیں اور اپنی ضد و عناد ہی قائم رہیں تو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر برابر جمے رہیئے اور آخری فیصلہ کا انتظار کیجئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾
اور کہنا مت مان اُن میں سے کسی گنہگار کا یا ناشکر کا ☆

عتبہ اور ولید وغیرہ کفار قریش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیوی لالچ دے کر اور چکنی چپڑی باتیں بنا کر چاہتے تھے کہ فرض تبلیغ و دعوت سے باز رکھیں۔ اللہ نے متنبہ فرمادیا کہ آپ ان میں سے کسی کی بات نہ مانیں۔ کیونکہ کسی گنہگار فاسق یا ناشکر کافر کا کہا ماننے سے نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ ایسے شریروں اور بدبختوں کی بات پر کان دھرنا نہیں چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

مقاتل نے کہا کہ آثم سے مراد ہے عتبہ بن ربیعہ اور کفور سے مراد ہے ولید بن مغیرہ۔ دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا۔ کہ جو کچھ تم کر رہے ہو۔ اگر عورتوں کے اور مال کے لیے کر رہے ہو۔ تو اس سے باز آجاؤ عتبہ نے کہا میں اپنی بیٹی کا نکاح بغیر مہر کے کردوں گا۔ اور ولید نے کہا میں تم کو تمہاری پسند کے موافق مال دوں گا۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت کعب بن عجرہؓ سے آپ نے فرمایا خدا تجھے بے وقوفوں کی سرداری سے بچائے۔ حضرت کعب نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا ہے فرمایا وہ میرے بعد کے سردار ہوں گے جو میری سنتوں پر نہ عمل کریں گے۔ نہ میرے طریقہ پر چلیں گے پس جو لوگ ان کے جھوٹ کی تصدیق کریں گے۔ اور ان کے ظلم کی امداد کریں گے۔ نہ وہ میرے ہیں اور نہ میں ان کا ہوں۔ یاد رکھو وہ میرے حوض کوثر پر بھی نہیں آسکتے اور جو ان کے جھوٹ کو سچا نہ کرے۔ اور ان کے ظلموں میں ان کا مددگار نہ بنے، وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں یہ لوگ میرے حوض کوثر پر مجھ سے ملیں گے۔ اے کعب! روزہ ڈھال ہے اور صدقہ خطاؤں کو مٹا دیتا ہے اور نماز قرب خدا کا سبب ہے۔ یا فرمایا کہ دلیل نجات ہے۔ اے کعب وہ گوشت پوست جنت میں نہیں جا سکتا جو حرام سے پلا ہوا ہو۔ وہ تو جہنم میں ہی جانے کے قابل ہے۔ اے کعب! لوگ ہر صبح اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتے ہیں کوئی تو اسے آزاد کرا لیتا ہے اور کوئی ہلاک کر گذرتا ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جو نکلنے والا نکلتا ہے اس کے دروازے پر دو جھنڈے ہوتے ہیں ایک فرشتے کے ہاتھ میں دوسرا شیطان کے ہاتھ میں پس اگر وہ اس کام کے لیے نکلا ہے جو خدا کی مرضی کا کام ہے تو فرشتہ اپنا جھنڈا لیے ہوئے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے۔ اور یہ واپسی تک فرشتہ کے جھنڈے تلے رہتا ہے اور اگر یہ خدا کی ناراضگی کے کام کے لیے نکلا ہے۔ تو شیطان اپنا جھنڈا لئے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے اور واپسی تک شیطانی جھنڈے تلے رہتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾

اور لیتا رہ نام اپنے رب کا صبح اور شام ☆

یعنی ہمہ وقت اس کو یاد رکھو خصوصاً ان دو وقتوں میں۔ سب خرخشوں کا علاج یہی ذکر خدا ہے۔ (تفسیر عثانی)

صاحب نماز کا ہر عمل اور ہر قول ذکر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس نماز میں کوئی حصہ انسانی کلام کا نہیں یہ صرف تسبیح تکبیر اور قراءت قرآن ہے۔ (رواہ مسلم من حدیث معاویۃ بن الحکم)

وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ

اور کسی وقت رات کو سجدہ کر اُس کو ☆

یعنی نماز پڑھ، شاید مغرب وعشاء مراد ہو یا تہجد۔ (تفسیر عثانی)

سجدہ سے مراد نماز ہے اور اس سے مغرب اور عشاء کی نمازیں مراد ہیں چونکہ رات کی نمازوں میں تکلیف زیادہ برداشت کرتی ہوتی ہے اس لیے من اللیل کو فاسجد سے پہلے ذکر کیا ہے۔

وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾

اور پاکی بول اُس کی بڑی رات تک ☆

اگر ''وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ'' سے تہجد مراد لیا جائے تو یہاں تسبیح سے اس کے معنی متبادر مراد لینگے۔ یعنی شب کو تہجد کے علاوہ بہت زیادہ تسبیح وتہلیل میں مشغول رہے اور اگر پہلے مغرب وعشاء مراد تھی تو یہاں تسبیح سے تہجد مراد لے سکتے ہیں۔ (تفسیر عثانی)

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ

یہ لوگ چاہتے ہیں جلدی ملنے والے کو اور چھوڑ رکھا ہے

وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾

اپنے پیچھے ایک بھاری دن کو ☆

حُبِّ دنیا کے مریض:

یعنی یہ لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت وہدایت قبول نہیں کرتے اُس کا سبب حُبّ دنیا ہے۔ دنیا چونکہ جلد ہاتھ آنیوالی چیز ہے اُسی کو یہ چاہتے ہیں اور قیامت کے بھاری دن سے غفلت میں ہیں۔ اُس کی کچھ فکر نہیں۔ بلکہ اُس کے آنے کا یقین بھی نہیں۔ سمجھتے ہیں کہ مرکر جب گل سڑ گئے پھر کون دوبارہ ہم کو ایسا ہی بنا کر کھڑا کر دیگا؟ آگے اس کا جواب دیا ہے۔ (تفسیر عثانی)

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ

ہم نے ان کو بنایا اور مضبوط کیا ان کی جوڑ بندی کو

وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾

اور جب ہم چاہیں بدل لائیں ان جیسے لوگ بدل کر ☆

ہم منکروں سے نمٹ سکتے ہیں:

یعنی اول پیدا ہم نے کیا اور سب جوڑ بند درست کیے آج ہماری وہ قدرت سلب نہیں ہوگئی ہم جب چاہیں ان کی موجودہ ہستی کو ختم کر کے دوبارہ ایسی ہی ہستی بنا کر کھڑی دیں یا یہ مطلب ہے کہ وہ لوگ نہ مانیں گے تو ہم قادر ہیں کہ جب چاہیں انکی جگہ دوسرے ایسے ہی آدمی لے آئیں جو ان کی طرح سرکش نہ ہونگے۔ (تفسیر عثانی)

انسان اپنے ہاتھ کی انگلیوں کے جوڑوں کو دیکھے اور حساب لگائے کہ عمر بھر میں ان جوڑوں نے کتنی حرکتیں کی ہیں۔ کیسے کیسے زور اور دباؤ ان پر ڈالے گئے۔ کہ اگر فولاد بھی ہوتا تو گھس گیا ہوتا۔ مگر یہ جوڑ ہیں جو ستر اسی سال چلنے پر بھی اپنی جگہ قائم ہیں۔ تَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ

یہ تو نصیحت ہے پھر جو کوئی چاہے

اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾

کر رکھے اپنے رب تک راہ ☆

آپ کا کام نصیحت ہے:

یعنی جبر وزور سے منوا دینا آپ کا کام نہیں۔ قرآن کے ذریعہ نصیحت کر دیجئے آگے ہر ایک کو اختیار ہے جس کا جی چاہے اپنے رب کی خوشنودی تک پہنچنے کا راستہ بنا رکھے۔ (تفسیر عثانی)

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ

اور تم نہیں چاہو گے مگر جو چاہے اللہ

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾

بیشک اللہ ہے سب کچھ جاننے والا حکمتوں والا ☆

اللہ کی چاہت اصل ہے:

یعنی تمہارا چاہنا اللہ کے چاہے بدون نہیں ہوسکتا کیونکہ بندہ کی مشیت اللہ کے مشیت کے تابع ہے وہ جانتا ہے کہ کس کی استعداد وقابلیت کس قسم کی ہے اس کے موافق اس کی مشیت کام کرتی ہے پھر وہ جس کو اپنی مشیت سے راہ راست پر لائے اور جس کو گمراہی میں پڑا چھوڑ دے عین صواب وحکمت ہے۔ (تفسیر عثانی)

یعنی اے لوگو! یا اے کافرو! تمہاری مشیت راہ خدا پر چلنے کے متعلق ہو یا کسی اور چیز کے متعلق کسی وقت بھی اس کا وجود نہیں ہو سکتا مگر اسی وقت تمہاری مشیت کا وجود ہوگا جب خدا کی مشیت تمہاری مشیت کے وجود کی ہو۔ (یعنی تمہاری مشیت خود بخود پیدا نہیں ہو سکتی تمہاری مشیت کی ہستی اور تخلیق اللہ کی مشیت پر موقوف ہے)۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمام بنی آدم کے دل ایک دل کی طرح رحمٰن کی چٹکی میں ہیں جس طرح چاہتا ہے اس کو پھیر دیتا ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنی اطاعت پر موڑ دے (مسلم)

چونکہ مومنوں کو ہدایت یاب کرنے کی اللہ کی مشیت تھی۔ اس لیے اس کی مشیت کے موافق اہل ایمان نے اس کی راہ اختیار کی اور کافروں کو ہدایت یاب کرنے کی مرضی نہ تھی اس لیے کافروں کو راہ حق پر چلانا نہ چاہا۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا۔ اللہ ہر شخص کی اہلیت سے بخوبی واقف ہے اس لیے ہر شخص کو وہی دیتا ہے جس کا وہ اہل ہوتا ہے یہ آیت چاہتی ہے کہ انسانوں میں خیر و شر کی قابلیت پہلے سے ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تعین مومن کا مبدا اللہ کا اسم ہادی ہے اور تعین کافر کا مبدأ اللہ کا اسم مضل۔ حَكِيْمًا۔ اللہ حکیم ہے تقاضائے حکمت کے مطابق اس کی مشیت ہوتی ہے۔

يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ
داخل کر لے جس کو چاہے اپنی رحمت میں ☆
وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۳
اور جو گنہگار ہیں تیار ہے ان کے واسطے عذاب دردناک

یعنی جن کی استعداد اچھی ہوگی ان کو نیکی پر چلنے کی توفیق دیگا۔ اور اپنی رحمت و فضل کا مستوجب بنائیگا۔ تم سورۃ الدہر وللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنی جنت میں داخل کرتا ہے رحمت سے مراد ہے جنت کیونکہ آخرت میں جنت ہی محل رحمت ہے۔ رحمت میں داخل کرنے کی مشیت اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ دل میں ایمان اور یقین ڈال دیتا ہے۔ اور سر میں اپنی محبت پیدا کر دیتا ہے اور اطاعت کی توفیق دے دیتا ہے اور اطاعت پر قائم رکھتا ہے اور کفر و معصیت سے نفرت پیدا کر دیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ المرسلات

خواب میں پڑھنے والا دلیل ہے کہ جھوٹ سے توبہ کرے گا۔ (تعبیر الرؤیا)

سورہ مرسلات مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پچاس آیتیں اور دو رکوع۔

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ
سورہ مرسلات مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پچاس آیتیں ہیں اور دو رکوع
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۱
قسم ہے چلتی ہواؤں کی دل کو خوش آتی،
فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۲
پھر جھونکا دینے والیوں کی زور سے ☆

دنیا و آخرت کی مثال:

یعنی اول ہوا نرم اور خوشگوار چلتی ہے جس سے مخلوق کی بہت سے توقعات اور منافع وابستہ ہوتے ہیں پھر کچھ دیر بعد وہی ہوا ایک تند آندھی اور طوفانی جھکڑ کی شکل اختیار کر کے وہ خرابی اور غضب ڈھاتی ہے کہ لوگ بلبلا اٹھتے ہیں۔ یہی مثال و آخرت کی سمجھو کتنے ہی کام ہیں جن کو لوگ فی الحال مفید اور نافع تصور کرتے ہیں اور ان پر بڑی بڑی امیدیں باندھتے ہیں۔ لیکن وہی کام جب قیامت کے دن اپنی اصلی اور سخت ترین خوفناک صورت میں ظاہر ہونگے تو لوگ پناہ مانگنے لگیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ کا نزول:

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ کے ایک غار میں تھے۔ اچانک سورہ مرسلات نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پڑھتے جاتے تھے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک سے اس کو سنتا یاد کرتا جاتا تھا۔ اور آپ کا دہن مبارک اس سورۃ کی حلاوت سے رطب (شاداب) ہو رہا تھا اچانک ایک سانپ نے ہم پر حملہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا، ہم اس کی طرف جھپٹے وہ نکل بھاگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ جس طرح تم اس کے شر سے محفوظ رہے وہ بھی تمہارے شر سے محفوظ ہو گیا۔ (ابن کثیر، معارف مفتی اعظم)

مغرب کی نماز میں:

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی والدہ صاحبہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز مغرب میں اس سورت کی قراءت کرتے ہوئے سنا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو اس سورت کو پڑھتے سن کر ام الفضل رضی اللہ عنہا نے فرمایا پیارے بچے آج تو تم نے یاد دلا دیا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس سورت کو مغرب کی نماز میں پڑھتے ہوئے آخری مرتبہ سنا ہے۔ (مسند احمد وصحیحین) (تفسیر ابن کثیر)

وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۙ﴿۳﴾ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۙ﴿۴﴾
پھر اُبھارنے والیوں کی اٹھا کر پھر پھاڑنے والیوں کی بانٹ کر ☆

آخرت کا نمونہ:

یعنی ان ہواؤں کی قسم جو بخارات وغیرہ کو اٹھا کر اوپر لے جاتی ہیں اور ابر کو ابھار کر جو میں پھیلا دیتی ہیں پھر جہاں جہاں پہنچانا ہے اللہ کے حکم سے اس کے حصے کر کے بانٹتی ہیں اور بارش کے بعد بادلوں کو پھاڑ کر ادھر ادھر متفرق کرتی ہیں اور کچھ ابر کے ساتھ مخصوص نہیں، ہوا کی عام خاصیت یہ ہے کہ اشیاء کی کیفیات مثلاً خوشبو، بدبو وغیرہ کو پھیلائے ان کے لطیف اجزا کو جدا کر کے لے اڑے اور ایک چیز کو اٹھا کر دوسری چیز سے جا ملائے۔ غرض یہ جمع و تفریق جو ہوا کا خاصہ ہے ایک نمونہ ہے آخرت کا' جہاں حشر و نشر کے بعد لوگ جدا کیے جائینگے اور ایک جگہ جمع ہونے کے بعد الگ الگ ٹھکانوں پر پہنچا دیئے جائینگے "هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ"۔ (تفسیر عثمانی)

فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۵﴾
پھر فرشتوں کی جو اُتار کر لائیں وحی ☆

حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ نے "فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا" سے بھی ہوائیں مراد لی ہیں کیونکہ وحی کی آواز کا لوگوں کے کانوں تک پہنچنا بھی ہوا کے ذریعہ سے ہے (تنبیہ) "اَلْمُرْسَلٰت" "اَلْعَاصِفَاتِ" "اَلنّٰشِرَات" "اَلْفَارِقَات" "اَلْمُلْقِيَات" پانچوں کا مصداق کسی نے ہواؤں کو ٹھہرایا ہے، کسی نے فرشتوں کو، کسی نے پیغمبروں کو اور بعض مفسرین نے پہلی چار سے ہوائیں مراد لی ہیں اور پانچویں سے فرشتے جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے۔ اور بھی اقوال ہیں جن سب کی تفصیل روح المعانی میں ملے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اور اللہ کے احکامات کو زمین پر پھیلاتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے کتابیں اتارتے اور پھیلاتے ہیں اور ان احکام کے ذریعہ سے ان مردہ نفوس کو جو جہالت کی وجہ سے مر چکے ہوتے ہیں زندہ کر دیتے ہیں فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا اور حق اور باطل میں تفریق کر دیتے ہیں۔ فالملقیات ذکرًا اور انبیاء کے دلوں میں وحی کا القاء کرتے ہیں یا مومنوں کے دلوں میں ذکر خدا سے یقین پیدا کرتے ہیں۔

فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا دلوں میں پیدا کرنے والیاں۔ ہوش مند جب ہوا کی رفتار دیکھتا ہے اور اس کے اٹھان کا مشاہدہ کرتا ہے تو اللہ کا ذکر کرتا ہے اور اس کے کمال قدرت کا اعتراف کرتا ہے لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد بارش کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہے۔ اسی طرح ہوائیں ذکر الٰہی کا سبب بن جاتی ہیں۔

یہ بھی احتمال ہے کہ آیات قرآن مراد ہوں آیات قرآن ہر امر معروف کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجی گئیں العاصفات گذشتہ کتابوں اور ملتوں کو ان آیات نے منسوخ کر دیا گویا اڑا دیا الناشرات مشرق و مغرب میں ہدایت کے آثار پھیلائے۔ الفارقات حق و باطل میں امتیاز کر دیا گیا۔ الملقیات اللہ کی یاد کل جہاں میں پیدا کر دی۔

یا نفوسِ انبیاء مراد ہیں جن کو مخلوق کی ہدایت رہنمائی اور احکام پہنچانے کے لیے بھیجا گیا۔ العاصفات نفوس انبیاء نے امتثال مامورات اور اجتناب ممنوعات میں جلدی کی الناشرات اور ہدایت کو پھیلایا الفارقات اور حق کو باطل سے جدا کیا فالملقیات اور اللہ کی یاد امت کے دلوں میں اور زبانوں پر پیدا کر دی۔ (تفسیر مظہری)

عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۙ﴿۶﴾
الزام اُتارنے کو یا ڈر سنانے کو ☆

حضرت شاہ عبد القادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں "کہ (وحی سے) کافروں کا الزام اتارنا منظور ہے کہ (سزا کے وقت) نہ کہیں ہم کو خبر نہ تھی اور جن کی قسمت میں ایمان ہے ان کو ڈر سنانا تا ایمان لائیں" اور حضرت شاہ عبد العزیزؒ فرماتے ہیں کہ جو کلام الٰہی امر و نہی اور عقائد و احکام پر مشتمل ہے وہ عذر کرنے کے واسطے ہے تا اعمال کی باز پرس کے وقت اس شخص کے لیے عذر اور دستاویز ہو کہ میں نے فلاں کام حق تعالیٰ کے حکم کے بموجب کیا اور فلاں کام اس کے حکم سے ترک کیا۔ اور جو کلام الٰہی قصص و اخبار وغیرہ پر مشتمل ہو وہ عموماً منکرین کو ڈرانے اور خوف دلانے کے لیے ہے اور اس سورت میں روئے سخن بیشتر مکذبین و منکرین کی طرف تھا۔ اس لیے بشارت کا ذکر نہیں کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

بہر حال وحی لانے والے فرشتے اور وحی پہنچانے والی ہوائیں شاہد ہیں کہ ایک وقت ضرور آنا چاہیے جب مجرموں کو انکی حرکات پر ملزم کیا جائے اور خدا سے ڈرنے والوں کو بالکلیہ مامون و بے فکر کر دیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

احکام الٰہی کی حکمت:

المرسلات وغیرہ سے ہوائیں مراد ہوں تو ان کا مسلمانوں کے لیے درسِ معذرت ہونا تو ظاہر ہے البتہ کافروں کے لیے سبب خوف بننے کی یہ صورت ہوگی کہ کافر ستاروں کی وجہ سے بارش ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس لیے بارش لانے والی ہوائیں اس بداعتقادی کی وجہ سے ان کے لئے پیام عذاب ہوتی ہیں۔ اگر ذکر سے وحی مراد ہو تو عُذْرًا اَوْ نُذْرًا کا نصب بدلیت کی وجہ سے ہوگا۔ اور آیات قرآن مراد ہوں تو دونوں حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝
مقرر جو تم سے وعدہ ہوا وہ ضرور ہونا ہے ☆

وعدہ قیامت:

یعنی قیامت کا اور آخرت کے حساب و کتاب و جزا و سزا کا وعدہ۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝
پھر جب تارے مٹائے جائیں اور جب آسمان میں جھروکے پڑ جائیں ☆

کائنات کا حشر:

یعنی تارے بے نور ہو جائیں، آسمان پھٹ پڑیں اور پھٹنے کی وجہ سے ان میں دریچیاں اور جھروکے سے نظر آنے لگیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝
اور جب پہاڑ اُڑا دیئے جائیں ☆

یعنی روئی کی طرح ہوا میں اڑتے پھریں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝
اور جب رسُولوں کا وقت مقرر ہو جائے ☆

انبیاء کی حاضری:

تاکہ آگے پیچھے وقت مقرر کے موافق اپنی اپنی امتوں کے ساتھ رب العزت کی سب سے بڑی پیشی میں حاضر ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی پیغمبروں کو اپنی امتوں پر شہادت دینے اور یکجا ہونے کے لیے ظاہر کیا جائے گا (اور قبروں سے باہر لایا جائے گا) (تفسیر مظہری)

اول یہ کہ سب ستارے بے نور ہو جائیں گے جس کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ یہ سب بالکلیہ فنا ہی ہو جائیں۔ یا یہ کہ موجود رہیں مگر ان کا نور سلب ہو جائے۔ اس طرح پوری دنیا ایک انتہائی سخت اندھیری میں غرق ہو جائے گی۔ دوسرا حال یہ بیان کیا کہ آسمان پھٹ جائے گا۔ تیسرا یہ کہ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔

انبیاء و رسل کے لیے جو میعاد اور وقت مقرر کیا گیا تھا کہ اس میں اپنی اپنی امتوں کے معاملے میں شہادت کے لیے حاضر ہوں وہ اس میعاد کو پہنچ گئے اور ان کی حاضری کا وقت آ گیا۔ اسی لیے خاصہ تفسیر مذکور میں اس کا ترجمہ انبیاء علیہ السلام کے جمع کرنے کے ساتھ کیا گیا ہے۔ آگے قیامت کے دن کے عظیم اور ہولناک ہونے کا بیان ہے کہ وہ فیصلہ کا دن ہے جس میں مکذبین اور کفار کے لیے تباہی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ (معارف مفتی اعظم)

لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ۝ لِیَوْمِ الْفَصْلِ ۝
کس دن کے واسطے ان چیزوں میں دیر ہے اس فیصلے کے دن کے واسطے ☆

بس فیصلے کے دن کا انتظار ہے:

یعنی جانتے ہو؟ ان امور کو کس دن کے لیے اٹھا رکھا ہے؟ اس دن کے لیے جس میں ہر بات کا بالکل آخری اور دوٹوک فیصلہ ہوگا۔ بیشک اللہ چاہتا تو ابھی ہاتھوں ہاتھ ہر چیز کا فیصلہ کر دیتا لیکن اس کی حکمت مقتضی نہیں ہوئی کہ ایسا کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ ۝
اور تو نے کیا بوجھا کیا ہے فیصلے کا دن
وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ۝
خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی ☆

یعنی کچھ مت پوچھو۔ فیصلہ کا دن کیا چیز ہے بس یہ سمجھ لو کہ جھٹلانے والوں کو اس روز سخت تباہی اور مصیبت کا سامنا ہوگا۔ کیونکہ جس چیز کی انہیں امید نہ تھی جب وہ یکایک اپنی ہولناک صورت میں آن پہنچے گی تو ہوش پراں ہو جائینگے اور حیرت و ندامت سے حواس باختہ ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

فعل تعجب اظہار تعجب کے لیے ہے یہ تعجب بالائے تعجب یَوْمُ الْفَصْلِ کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے مطلب یہ ہے کہ یَوْمُ الْفَصْلِ عظیم الشان چیز ہے تم کو اس کی حقیقت معلوم نہیں نہ اس کی مثل کوئی دن تم نے دیکھا۔

ویل کیا ہے:

وَیْلٌ اصل میں اس کا معنی ہے تباہی اور خرابی پیدا ہو جانا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وَیْلٌ جہنم کی ایک وادی ہے کافر اس کے اندر چالیس سال تک تلی تک پہنچے بغیر لڑھکتا رہے گا۔ احمد ترمذی، ابن جریر، ابن ابی

حاتم، حاکم، بیہقی، ابن ابی دنیا، ہناد حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ویل جہنم کی ایک وادی ہے۔ جس میں دوزخیوں کا کچ لہو بہتا ہوگا۔ اللہ نے مکذبین کے لیے اس کو مقرر فرمایا ہے۔ بیہقی و ابن منذر، حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت سے بھی ابن ابی حاتم نے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ ویل جہنم کے کچ لہو سے بھری ہوئی ایک وادی ہے اگر پہاڑ بھی اس میں چھوڑ دیئے جائیں تو اس کی گرمی سے پگھل جائیں گے۔ (بیہقی، ابن جریر، ابن مبارک)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ویل دوزخ میں ایک پہاڑ ہے۔ ابن جریر بزار نے ضعیف سند بروایت حضرت سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ میں ایک پتھر ہے جس کو ویل کہتے ہیں۔ اس پر اہل عرافت (علم غیب کا مدعی اور غیب کی خبریں دینے والا ایک خاص گروہ عرب میں اہل عرافت کہلاتا تھا۔ گویا عرافت ایک قسم کی کہانت تھی)۔ چڑھیں گے اتریں گے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ

کیا ہم نے نہیں مار کھپایا پہلوں کو پھر اُن کے پیچھے بھیجتے ہیں

الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾

پچھلوں کو ہم ایسا ہی کرتے ہیں گنہگاروں کے ساتھ کیا ☆

گذشتہ اقوام کی ہلاکت:

منکرین قیامت سمجھتے تھے کہ اتنی بڑی دنیا کہاں ختم ہوتی ہے؟ بھلا کون باور کریگا کہ سب آدمی بیک وقت مر جائینگے اور نسل انسانی بالکل نابود ہو جائیگی؟ یہ دوزخ اور عذاب کے ڈراوے سب فرضی اور بناوٹی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اُس کا جواب دیا کہ پہلے کتنے آدمی مر چکے اور کتنی قومیں اپنے گناہوں کی پاداش میں تباہ کی جا چکی ہیں پھر ان کے پیچھے بھی موت و ہلاکت کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے جب ہماری قدیم عادت مجرموں کی نسبت معلوم ہو چکی تو سمجھ لو کہ دور حاضر کے کفار کو بھی ہم ان ہی اگلوں کے پیچھے چلتا کر دیں گے جو ہستی الگ الگ زمانوں میں بڑے بڑے مضبوط آدمیوں کو مار سکتی اور طاقتور مجرموں کو پکڑ کر ہلاک کر سکتی ہے وہ اس پر کیوں قادر نہ ہوگی کہ سب مخلوق کو ایک دم میں فنا کر دے۔ اور تمام مجرموں کو بیک وقت عذاب کا مزہ چکھائے۔ (تفسیر عثمانی)

الْاٰخِرِيْنَ سے مراد امت محمدیہ کے کفار ہیں پچھلی امتوں کی ہلاکت اور عذاب کی خبر دینے کے بعد موجودہ کفار اہل مکہ کو آئندہ ان پر آنے والے عذاب کی خبر دینا مقصود ہے۔ جیسا کہ غزوہ بدر وغیرہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں ان پر عذاب بدایت نازل ہوا تھا۔

فرق یہ ہے کہ پچھلی امتوں پر آسمانی عذاب آیا تھا۔ جس سے پوری بستیاں تباہ ہو جاتی تھیں۔ امت محمدیہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے خاص اکرام ہے کہ ان کے کفار پر آسمانی عذاب نہیں آتا ان کا عذاب مسلمانوں کی تلوار سے آتا ہے۔ جس میں ہلاکت عام نہیں ہوتی۔ صرف بڑے سرکش مجرم ہی مارے جاتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾

خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی ☆

یعنی جو قیامت کی آمد کو اس لیے جھٹلاتے تھے کہ سب انسان ایک دم کیسے فنا کر دیئے جائینگے اور کس طرح سب مجرموں کو بیک وقت گرفتار کر کے سزا دینگے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾

ہم نے نہیں بنایا تم کو ایک بے قدر پانی سے

فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾

پھر رکھا اُس کو ایک جمے ہوئے ٹھکانے میں ☆

انسان کی پیدائش:

یعنی ایک ٹھہراؤ کی جگہ میں محفوظ رکھا مراد اس سے رحم مادر ہے جسے ہمارے محاورات میں بچہ دانی کہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾

ایک وعدہ مقرر تک ☆

اکثر وہاں ٹھہرنے کی مدت نو مہینے ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ہم نے اس کو رحم میں رکھا۔ اتنے وقت تک جس کی مقدار عرفاً (عام لوگوں کو) معلوم ہے کم سے کم چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ دو سال یا معلوم سے مراد اللہ کو معلوم ہونا ہے۔ یعنی اس وقت تک اس کو رحم میں رکھا جس کی مقدار اللہ کو معلوم ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾

پھر ہم اس کو پورا کر سکے سو ہم کیا خوب سکت والے ہیں ☆

قدرت خداوندی کا اندازہ لگاؤ:

یعنی اس پانی کی بوند کو بتدریج پورا کر کے انسان عاقل بنا دیا۔ اس سے ہماری قدرت اور سکت کو سمجھ لو تو اسی انسان کو مرنے کے بعد ہم دوبارہ زندہ نہیں کر سکتے؟ (تنبیہ) بعض نے "قَدَرْنَا" کے معنی اندازہ کرنے کے لیے ہیں "اندازہ کیا ہم

نے" اور ہم کیا خوب اندازہ کرنے والے ہیں کہ اتنی مدت میں کوئی ضروری چیز رہ نہیں جاتی اور کوئی زائد و بیکار چیز پیدا نہیں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی)

نافع اور کسائی کی روایت میں فَقَدَّرْنَا ہے یعنی ہم نے ماں کے پیٹ میں رہنے کا وقت اور وقت پیدائش کا پیدا ہونے کے بعد اعمال زندگی مدت زندگی اور رزق کا اور (آخرت میں) نیک بخت اور بدنصیب ہونے کا ایک اندازہ مقرر کر دیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں (ہر) ایک کا تخلیقی قوام ماں کے پیٹ کے اندر چالیس روز تک بطور نطفہ رہتا ہے پھر اتنی ہی مدت میں بستہ خون ہوتا ہے۔ پھر اتنی ہی مدت میں گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے۔ پھر اللہ اس کے پاس فرشتہ کو چار باتوں کے لیے بھیجتا ہے فرشتہ اس کا (آئندہ) عمل اور مدت زندگی اور رزق اور شقی یا سعید ہونا لکھ دیتا ہے۔ پھر اس میں جان پھونکتا ہے۔ پس قسم ہے خدا کی جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں کہ تم میں سے بعض لوگ جنت والوں کے لیے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان ایک بانہہ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ مگر لکھا ہوا غالب آتا ہے اور وہ دوزخیوں کا عمل کرتے ہیں اور دوزخ میں چلے جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

نافع و کسائی کے علاوہ دوسروں نے فَقَدَرْنَا پڑھا ہے یعنی ہم اس کو ہست کرنے اور نیست کرنے اور دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہیں۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾

خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی ☆

منکروں کو حسرت ہوگی:

جو یوں کہا کرتے تھے کہ مٹی میں مل کر جب ہماری ہڈیاں تک ریزہ ریزہ ہو جائیں گی پھر کس طرح زندہ کر دیئے جائینگے؟ اس وقت اپنے ان لچر پوچ شبہات پر شرمائیں گے اور ندامت سے ہاتھ کاٹیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾

کیا ہم نے نہیں بنائی زمین سمیٹنے والی

اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾

زندوں کو اور مردوں کو ☆

زمین: یعنی زندہ مخلوق اسی زمین پر بسر کرتی ہے اور مردے بھی اسی مٹی میں پہنچ جاتے ہیں انسان کو زندگی بھی اسی خاک سے ملی اور موت کے بعد بھی یہی اس کا ٹھکانا ہوا تو دوبارہ اسی خاک سے اس کو اٹھا دینا کیوں مشکل ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ

اور رکھے ہم نے کہ زمین میں بوجھ کیلئے پہاڑ اونچے

وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾

اور پلایا ہم نے تم کو پانی میٹھا پیاس بجھانیوالا ☆

پہاڑ اور پانی: یعنی اسی زمین میں پہاڑ جیسی وزنی اور سخت چیز پیدا کر دی جو اپنی جگہ سے ذرا جنبش نہیں کھاتے اور اسی زمین میں پانی کے چشمے جاری کر دیئے جو نرم و سیال ہونے کی وجہ سے برابر بہتے رہتے ہیں۔ اور بڑی سہولت سے پینے والے کو سیراب کرتے ہیں پس جو خدا اس حقیر زمین میں اپنی قدرت کے متضاد نمونے دکھلاتا ہے اور موت و حیات اور سختی و نرمی کے مناظر پیش کرتا ہے کیا وہ میدان حشر میں سختی و نرمی اور نجات و ہلاکت کے مختلف مناظر نہیں دکھلا سکتا۔ نیز جس کے قبضہ میں پیدا کرنا' ہلاک کرنا' اور حیات و بقاء کے سامان فراہم کرنا یہ سب کام ہوئے اس کی قدرت و نعمت کو جھٹلانا کیوں کر جائز ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾

خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی ☆

جو سمجھتے تھے کہ ایک جگہ اور ایک وقت میں تمام اولین و آخرین کی اثابت و تعذیب کے اس قدر مختلف اور متضاد کام کیونکر سرانجام پائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾

چل کر دیکھو جس چیز کو تم جھٹلاتے تھے ☆

یعنی قیامت کے دن یوں کہا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

فائدہ: سورۃ المرسلات میں اصل خطاب منکرین قیامت سے ہے۔ اس ضمن میں دس مرتبہ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ کا اعادہ کر کے یہ ظاہر کرنا بظاہر مقصود ہے کہ منکرین قیامت دس وجوہ سے ہلاکت اور بربادی میں ہیں۔

تو ہر وجہ کے پیش نظر ہلاکت اور بربادی کی وعید بیان فرما دی گئی۔ جس کی تفصیل اس طرح سمجھ لی جائے کہ انسان میں قدرت خداوندی کی طرف سے تین قوتیں رکھی گئی ہیں۔ جن کی اصلاح سے سعادت اور فلاح کا ترتب ہوتا ہے۔ اور ان کے فساد سے شقاوت و بدبختی اور ہلاکت اور بربادی ہے اول قوت نظریہ جس پر ادراک صحیح اور اعتقادات کا دار و مدار ہے کافروں اور منکرین قیامت نے اس کو بگاڑ رکھا تھا۔ متعدد وجوہ سے اول ذات خداوندی کا شرک کر کے۔ دوم صفات خداوندی میں بے ہودہ اور لغو خیالات اور من گھڑت تصورات باطلہ قائم کر کے۔ سوم فرشتوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنے سے کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں ہمارے کاروبار کے وہی مالک و مختار ہیں۔ چہارم یہ کہ انسان کی زندگی بس دنیا تک محدود ہے۔ نہ حشر ہے نہ بعث بعد الموت۔ پنجم قضاء و قدر کا انکار اور مخلوقات کی اس میں شرکت۔ ششم انبیاء علیہم السلام اور کتب سماویہ کا انکار اور ان کے اوامر و ہدایات سے سرتابی۔

تو یہ چھ قسم کی خرابیاں تو منکرین قیامت میں قوت نظریہ کے فساد کی وجہ سے پائی جاتی ہیں۔ دوسری قوت شہویہ جس کی خرابی افراط وتفریط ہے افراط کے باعث انسان بہائم تک پہنچ جاتا ہے۔اور تفریط کی وجہ سے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے۔تو یہ دونوں عیب منکرین قیامت میں تھے۔تیسری قوت غضبیہ ہے اس میں بھی افراط انسان کو بہائم اور درندوں سے بڑھا دیتا ہے۔اور اس کی وجہ سے ظلم وتعدی کی کوئی حد نہیں رہتی۔اور تفریط انسان میں سے حمیت وغیرت کا وصف ختم کر دیتی ہے۔نوبت یہاں تک ہو جاتی ہے کہ محارم الٰہیہ کی بے حرمتی اور گستاخی پر غصہ تو در کنار کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔تو دو خرابیاں یہ ہوئیں۔اس طرح ظاہر ہوا کہ منکرین قیامت اور ایسے مجرمین ان دس خرابیوں میں مبتلا تھے۔تو ہر ایک خرابی کے بالمقابل میں ایک بار فرما دیا گیا۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ. واللہ اعلم بالصواب (معارف کاندھلوی)

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ

چلو ایک چھاؤں میں جس کی تین پھانکیں ہیں ☆

کافروں کیلئے سایہ: قتادہؒ وغیرہ سے مروی ہے کہ کافروں کے سایہ کے لیے ایک دھواں دوزخ سے اٹھے گا۔ جو پھٹ کر کئی ٹکڑے ہو جائیگا۔ کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر شخص کو تین طرف سے گھیرے گا ایک ٹکڑا سر کے اوپر سائبان کی طرح ٹھہرے گا۔ دوسرا ٹکڑا داہنے اور تیسرا بائیں ہو جائیگا حساب سے فارغ ہونے تک وہ لوگ اسی سایہ کے نیچے رہیں گے اور ایمان دار نیک کردار عرش اعظم کے سایہ میں آرام سے کھڑے ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

تین شاخوں کی وجہ: ہمارے نزدیک تین شاخیں بنانے کی پسندیدہ وجہ یہ ہے کہ جہنم میں صرف تین قسم کے لوگ داخل ہوں گے (۱) وہ کافر جنھوں نے صریحی الفاظ کے ساتھ پیغمبروں کی تکذیب کی جیسے کفار نے کہا تھا۔ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (۲) وہ بدعتی جن کے اقوال ظاہر نصوص قطعیہ کے خلاف ہیں اور وہ اجماع کے خلاف نصوص کی غلط تاویلیں کرتے ہیں ان کے کلام سے آیت کا انکار اور پیغمبروں کی تکذیب اقتضاءً ثابت ہوتی ہے۔جیسے مجسمہ، قدریہ، رافضی، خارجی اور مرجیہ کے فرقے۔ مثلاً مجسمہ آیت وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ کی تکذیب کرتے ہیں۔اور ان تمام آیات کو نہیں مانتے جن میں اعمال کے تولنے کا یا پل صراط وغیرہ کا تذکرہ ہے۔اور رافضی وخارجی ان متواتر المعنی احادیث کے منکر ہیں۔جو حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مدح میں آئی ہیں (۳) نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے والے (مسلمان) جو صغیرہ کبیرہ گناہ کرتے اور فرائض کو ترک کرتے ہیں یہی تینوں امور دخان جہنم کی تثلیث کے اسباب بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

دوزخ کی گردن:

بغوی نے کہا ہے کہ بعض علماء کا قول ہے۔ کہ دوزخ سے ایک گردن برآمد ہو گی جو تین شاخوں میں تقسیم ہو جائے گی (۱) نور ہو گا جو مومنوں کے سروں پر آ کر ٹھہر جائے گا (۲) دخان ہو گا جو منافقوں کے سروں پر آ کر ٹھہر جائے گا (۳) بھڑکتے ہوئے شعلے ہوں گے جو کافروں کے سروں پر آ کر ٹھہر جائیں گے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ قول مرفوع ہے کیونکہ صرف رائے سے اس کا ادراک نہیں ہو سکتا۔اس قول کی تشریح یہ ہے کہ آتش جہنم کی سہ گانہ اقسام ہیں پہلی قسم نور کی ہو گی۔نور کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دوسری دونوں قسموں سے کم تاریک ہو گا۔ ورنہ دوزخ کی آگ میں نور ہونے کا معنی ہی کیا ہو سکتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔کہ ہزار برس تک دوزخ کی اگ بھڑکائی گئی۔یہاں تک کہ وہ سرخ ہو گئی۔پھر ہزار برس تک بھڑکائی گئی۔یہاں تک کہ وہ سیاہ ہو گئی۔اب وہ سیاہ تاریک ہے۔یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ترمذی اور بیہقی نے بیان کی ہے۔ دخان کی یہی ہلکی ظلمت والی قسم گنہگار مسلمانوں پر آ کر ٹھہر جائے گی۔اس جگہ منافقوں سے مراد ہیں وہ بدعتی جو ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں مگر کفر اور تکذیب انبیاء ان کے قول کے لیے لازم ہیں وہ منافق مراد نہیں جو زبانوں سے ایمان کے قائل ہیں اور دلوں میں ان کے ایمان نہیں ہے بظاہر مومن بباطن کافر۔یہ تو علانیہ کفر کرنے والوں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔اور ان کی جگہ تو دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہے۔ تیسری قسم بھڑکتے ہوئے شعلوں کی ہو گی۔اس قسم میں سوزش اور التہاب (خالص) ہو گا۔کافروں کے سروں پر آ کر ٹھہر جائے گی۔ بدعتیوں کو منافق کہنے کی وجہ سورہ بقرہ کی تفسیر میں بیان کی جا چکی ہے۔اور اللہ نے جو منافقوں کی مثال دی ہے اس کی بدعتیوں پر مطابقت کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔

کافروں کا سایہ آگ کا ہوگا:

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آیت ظل سے مراد خود جہنم کی آگ ہے۔آگ کی تاریک اور سیاہ ہونے کی وجہ سے مجازاً اس کو ظل کہہ دیا کیونکہ سایہ میں کچھ تاریکی ہوتی ہے۔پس تین شاخوں والی آگ کی طرف چلنے کا مطلب یہ ہوا کہ اس آتش جہنم کی طرف چلو جس میں پہنچنے والے تین راستے ہیں (۱) انبیاء علیہ السلام کی صراحۃً تکذیب (۲) انبیاء کی لزومی تکذیب (اول کفر التزامی اور دوسرا کفر لزومی ہے) (۳) گناہوں کا ارتکاب۔آیت میں کافروں کے لیے امر استہزائی ہے جیسے آیات ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ہیں اور بَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ میں خطاب استہزائی ہے۔ (تفسیر مظہری)

انسان کے تین لطیفے:

حضرات عارفین فرماتے ہیں کہ انسان کے اندر تین لطیفے ہیں جن کی اصلاح اس کو مقام ملکیت تک پہنچا دیتی ہے۔اور اس کا فساد اس کو شیاطین کے زمرے میں شامل کر دیتا ہے۔ایک دائیں طرف جو لطیفہ قلب ہے جس کا فساد قوت غضبیہ کو حد سے بڑھا کر ظلم وسرکشی پر آمادہ کرتا ہے۔ دوسرا دائیں

طرف ہے جس کا فساد قوت شہویہ کو بڑھاتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے انسان فسق و فجور اور بدکاریوں میں پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ جگر معدن خون ہے۔ اور یہی شہوتوں کا سرچشمہ ہے۔ تیسرا لطیفہ دماغ ہے جو قوت ادراکیہ کا خزانہ اور معدن ہے تو پہلے دو لطیفوں کا فساد عملی خرابیوں کا باعث ہے۔ اور تیسرے لطیفے کا فساد عقائد باطلہ کا سبب ہے۔ اس طرح اعمال خبیثہ اور عقائد باطلہ ان لطائف کی خرابی پر مرتب ہوئے۔ تو اس مناسبت سے یہ اعمال خبیثہ اور عقائد جہنم کے دھوئیں اور شعلوں سے ظاہر ہونے والے سایہ کی تین شاخوں کی شکل میں نمایاں ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب (روح المعانی فتح المنان، معارف کاندھلوی)

لَّا ظَلِيلٍ وَلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ ﴿٣١﴾

نہ گہری چھاؤں اور نہ کچھ کام آئے طپش میں ☆

برائے نام سایہ: یعنی محض برائے نام سایہ ہوگا گہری چھاؤں نہیں ہوگی جس سے آفتاب کی گرمی یا آگ کی تپش سے نجات ملے یا اندر کی گرمی اور پیاس میں کمی ہو۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿٣٢﴾

وہ آگ پھینکتی ہے چنگاریاں جیسے محل ☆

چنگاریاں: یعنی اونچی ہوتی ہیں چنگاریاں بڑے اونچے محل کے برابر۔ یا اس کے انگارے کلانی میں محل کے برابر ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

كَأَنَّهُ جِمَالَتٌ صُفْرٌ ﴿٣٣﴾

گویا وہ اونٹ ہیں زرد ☆

یعنی اگر قصر کے ساتھ تشبیہ بلندی میں تھی تو اونٹ کے ساتھ کلانی میں ہوگیا اور اگر وہ تشبیہ کلانی میں ہو تو "كَأَنَّهُ جِمَالَتٌ صُفْرٌ" کا مطلب یہ ہوگا کہ ابتداءً چنگاریاں محل کے برابر ہونگی پھر ٹوٹ کر اور چھوٹی ہو کر اونٹ کے برابر ہو جائینگی یا اونٹ کے ساتھ رنگت میں تشبیہ ہو لیکن اس صورت میں "كَأَنَّهُ جِمَالَتٌ صُفْرٌ" کا ترجمہ جنہوں نے "کالے اونٹوں" سے کیا ہے وہ زیادہ چسپاں ہوگا کیونکہ روایات سے جہنم کی آگ کا سیاہ و تاریک ہونا ثابت ہو چکا ہے اور عرب کالے اونٹ کو صفر اس لیے کہتے ہیں کہ عموماً وہ زردی مائل ہوتا ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جہنم کی چنگاریاں تارکول کی طرح سیاہ ہوں گی۔ اونٹ کے رنگ کی سیاہی زردی مائل ہوتی ہے اس لیے عرب اونٹ کے رنگ کو صفر کہتے ہیں۔ صفر کے ساتھ تشبیہ مقدار کی بڑائی میں تھی اور جمالات صفر کے ساتھ تشبیہ رنگ، کثرت تسلسل باہم اختلاط اور سرعت حرکت میں ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٤﴾

خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی ☆

جو سمجھتے تھے کہ قیامت آنیوالی نہیں اور اگر آئی تو ہم وہاں بھی آرام سے رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

هَٰذَا يَوْمُ لَا يَنطِقُونَ ﴿٣٥﴾

یہ وہ دن ہے کہ نہ بولیں گے ☆

کافر بول نہ سکیں گے:

یعنی محشر کے بعض مواطن میں بالکل بول نہ سکیں گے اور جن مواطن میں بولینگے وہ نافع نہ ہوگا اس لحاظ سے بولنا نہ بولنا برابر ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ ﴿٣٦﴾

اور نہ اُن کو حکم ہو کہ توبہ کریں ☆

کیونکہ معذرت اور توبہ کے قبول ہونے کا وقت گزر گیا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی عدم معذرت کی وجہ عدم اذن نہیں ورنہ یہ وہم پیدا ہوسکتا ہے کہ چونکہ ان کو معذرت پیش کرنے کی اجازت نہیں ہوگی اس لیے معذرت پیش نہ کرسکیں گے کہ حقیقت میں ان کے پاس عذر ہوگا کہ اگر اس کو اجازت مل جائے تو پیش کرسکے۔ (تفسیر مظہری)

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٧﴾

خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی ☆

یعنی جنہوں نے دنیا کی عدالتوں پر قیاس کر کے سمجھ رکھا ہوگا کہ اگر ایسا موقع پیش آگیا وہاں بھی زبان چلا کر اور کچھ عذر معذرت کر کے چھوٹ جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

هَٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ

یہ ہے دن فیصلے کا

جَمَعْنَاكُمْ وَالْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾

جمع کیا ہم نے تم کو اور اگلوں کو

سب کا اجتماع ہوگا:

تا سب کو اکٹھا کر کے پھر الگ الگ کر دیں اور آخری فیصلہ سنائیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو عبداللہ جدلیؒ فرماتے ہیں کہ میں بیت المقدس گیا کیا دیکھا کہ وہاں حضرت عبادہ بن صامت، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت کعب احبار رضی اللہ علیہم اجمعین بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں میں بھی بیٹھ گیا تو میں نے سنا کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تمام اگلوں پچھلوں کو ایک چٹیل صاف میدان میں جمع کرے گا۔ آواز دینے والا آواز دے کر سب کو ہوشیار کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ آج کا دن فیصلوں کا دن ہے تم سب اگلوں پچھلوں کو میں نے جمع کرلیا ہے۔ اب میں تم

سے کہتا ہوں کہ اگر میرے ساتھ کوئی دغا، فریب، مکر، حیلہ کر سکتے ہوتو کرو۔ سنو! متکبر سرکش منکر اور جھٹلانے والا آج میری پکڑ سے نہیں بچ سکتا۔ اور نہ کوئی نافرمان شیطان میرے عذابوں سے نجات پا سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لو ایک حدیث میں بھی سنا دوں اس دن جہنم اپنی گردن دراز کر کے لوگوں کے بیچوں بیچ پہنچا کر آواز بلند کر کے کہے گی۔ اے لوگو تین قسم کے لوگوں کو ابھی ہی پکڑ لینے کا مجھ کو حکم مل چکا ہے۔ میں انہیں خوب پہچانتی ہوں۔ کوئی باپ اپنی اولاد کو، کوئی بھائی اپنے بھائی کو اتنا نہ جانتا ہوگا۔ جتنا میں انہیں پہچانتی ہوں۔ آج نہ تو وہ مجھ سے کہیں چھپ سکتے ہیں۔ نہ انہیں کوئی چھپا سکتا ہے ایک تو وہ جس نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک کیا ہو۔ دوسرے وہ جو منکر اور متکبر ہوں اور تیسرے وہ جو نافرمان شیطان ہوں پھر وہ مڑ مڑ کر چن چن کر ان اوصاف کے لوگوں کو میدان حشر میں سے چھانٹ لے گی اور ایک ایک کو پکڑ پکڑ کر نگل جائے گی۔ اور حساب سے چالیس سال پہلے ہی یہ جہنم واصل ہو جائیں گے۔ (اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے) (تفسیر ابن کثیر)

فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيدُونِ ﴿۳۹﴾
پھر اگر کچھ داؤ ہے تمہارا تو چلا لو مجھ پر ☆

کوئی تدبیر نہ بن سکے گی:

لو! سب کو ہم نے یہاں جمع کر دیا آپس میں مل کر اور مشورے کر کے جو داؤ تدبیر ہماری گرفت سے نکلنے کی کر سکتے ہو کر دیکھو! دنیا میں حق کو دبانے کی بہت تدبیریں کی تھیں آج ان میں سے کوئی یاد کرو۔ (تفسیر عثمانی)

اگر عذاب کو دفع کرنے کی تمہارے پاس کوئی تدبیر ہو تو اب کرو جیسے دنیا میں اہل ایمان کے مقابلہ میں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہم میں سے دس دس آدمی بھی ایک ایک کارندہ جہنم کو پکڑ لینے سے عاجز ہے کِیدُوْنِ میں یاء محذوف ہے امر صرف زجر اور تعجیز کے لیے ہے (یعنی مخاطب کا عجز ظاہر کرنا مقصود ہے)۔ (تفسیر مظہری)

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾
خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی ☆

جو دوسروں پر بھروسہ کیے ہوئے تھے کہ وہ کسی نہ کسی طرح ہم کو چھڑا لینگے اور بعض گستاخ تو دوزخ کے فرشتوں کی تعداد انیس سن کر یہاں تک کہہ گزرتے تھے کہ ان میں سے سترہ کو میں اکیلا کافی ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ
البتہ جو ڈرنے والے ہیں وہ سایہ میں ہیں ☆

یعنی اول عرش کے پھر جنت کے سایوں میں۔ (تفسیر عثمانی)

مومن عرش کے سایہ میں:

فِيْ ظِلٰلٍ سایوں میں ہوں گے۔ (سایہ کا حقیقی معنی مراد نہیں) جنت میں سورج ہی نہ ہوگا۔ سایہ کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا (بلکہ) سایہ سے کنایۃً مراد ہے جنت کے درختوں کا گھنا ہونا جیسے طويل النجاد (لمبے پرتلہ والا) دراز قد آدمی کو کہتے ہیں۔ خواہ اس کے پاس پرتلہ نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾
اور نہروں میں اور میوے جس قسم کے وہ چاہیں
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾
کھاؤ اور پیو مزے سے بدلہ اُن کاموں کا جو تم نے کیے تھے ☆

مکذبین کے مقابل یہ متقین کا حال بیان فرمادیا کہ ''الاشیاء تعرف باضدادہا''۔ (تفسیر عثمانی)

چشمے اور میوے:

وَّعُيُوْنٍ اور جاری چشمے۔ جو ایسے پانی کے ہوں گے۔ جو کبھی خراب ہونے والا نہ ہوگا۔ اور ایسے دودھ کے ہوں گے جو کبھی بدمزہ نہ ہوگا اور ایسی شراب کے ہوں گے جو پینے والوں کے لیے سراسر لذت ہوگی (تلخ نہیں ہو گی) اور صاف شدہ شہد کے ہوں گے۔

وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ اور طرح طرح کے پھل ہوں گے جن کا مزہ حسب اشتہا ہوگا۔ يَشْتَهُوْنَ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جنت کے اندر کھانے پینے کی چیزوں کا مزہ کھانے والوں کی اشتہاء کے موافق ہوگا۔ دنیوی پھلوں کی حالت اس کے خلاف ہے ان کا مزہ وہی ہے جو سب کے لیے یکساں ہوتا ہے۔

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اپنے اعمال کے عوض (عمل قلب کا ہو جیسے) ایمانیات پر عقیدہ (یا اعضاء جسمانی کا ہو جیسے) تمام طاعات بدنیہ۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾
ہم یونہی دیتے ہیں بدلہ نیکی والوں کو
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾
خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی ☆

جو دنیا میں مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ اگر مرنے کے بعد دوسری زندگی ہے تو وہاں بھی ہم تم سے اچھے رہیں گے اب ان کو عیش میں اور اپنے کو

تکلیف میں دیکھ کر اور زیادہ جلیں گے اور ذلیل ورسوا ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

نیکی والوں کا بدلہ:

محسنین سے مراد بھی متقی ہی ہیں۔ یوں احسان میں تقویٰ سے زیادہ خصوصیت ہے کیونکہ احسان کا معنی ہے اللہ کی اس طرح عبادت کرنا کہ گویا عبادت کرنے والا خدا کو دیکھ رہا ہے۔ اگر عبادت کرنے والے کو خدا نظر نہیں آتا۔ تو خدا (بہرحال) اس کو دیکھتا ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کا یہی معنی بیان فرمایا تھا۔ (رواہ الشیخان)

مگر احسان کا یہ معنی آیت میں مراد نہیں ہے ورنہ اعلیٰ کی تشبیہ ادنیٰ سے لازم آئے گی (اور آیت کا مطلب یہ نکلے گا کہ ہم متقیوں کی طرح محسنوں کو بھی ثواب دیتے ہیں) آیت میں مرتبہ احسان حاصل کرنے کی (در پردہ) ترغیب ہے۔ (تفسیر مظہری)

كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

کھا لو اور برت لو تھوڑے دنوں بیشک تم گنہگار ہو ☆

چند روزہ مہلت ہے:

یہ خطاب مکذبین کو ہے کہ چند روز اور مزے اڑالو۔ آخر یہ کھایا پیا بہت بری طرح نکلے گا۔ کیونکہ تم اللہ کے مجرم ہو جس کی سزا حبس دوام اور عذاب الیم کے سوا کچھ نہیں۔ گویا ''كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا'' فرمانا ایسا ہوا جیسے ایک مجرم کو جس کے لیے پھانسی کا حکم ہو چکا ہو پھانسی دینے سے قبل کہہ دیتے ہیں کہ کوئی خواہش ہو تو ظاہر کرو تا اس کے پورا کرنے کی کوشش کی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾

خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی ☆

جو دنیا کے عیش و بہار اور لذتوں پر ریجھ رہے تھے یہ خبر نہ تھی کہ جس چیز کو پھولوں کا ہار سمجھ کر گلے میں ڈال رہے ہیں وہ کالا ناگ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آیت ذیل کا شان نزول:

ابن منذرؒ نے مجاہدؒ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی ثقیف کے نمائندوں کو ایمان لانے اور نماز پڑھنے کا حکم دیا انہوں نے جواب دیا مگر ہم تجبیہ نہیں کریں گے کیونکہ یہ ایک گالی ہے۔ یعنی بڑی ذلت ہے۔ تجبیہ کا معنی ہے گھٹنوں یا زمین پر ہاتھ رکھنا۔ یا سرنگوں ہونا (قاموس) اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور جب کہیے اُن کو کہ جھک جاؤ نہیں جھکتے ☆

یعنی نماز میں یا اللہ کے عام احکام کے سامنے۔

اس شان نزول کی بناء پر اس جملہ میں کافروں کی مذمت کی گئی ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا عطف مجرموں پر ہو۔ اور تفنن عبارت کے لیے خطاب سے غیبت کی طرف انتقال کیا گیا ہو۔ اس وقت حاصل مطلب ہوگا کہ تم مجرم ہو۔ تم کو نماز کے لیے بلایا جاتا ہے تو رکوع نہیں کرتے۔ یہ بھی احتمال ہے۔ کہ المکذبین کے مفہوم پر عطف ہو۔ یعنی ان لوگوں کے لیے ویل ہے۔ جنہوں نے تکذیب کی اور ان کو نماز کو بلایا گیا تو نماز نہیں پڑھی۔ (تفسیر مظہری)

لفظ ارکعوا کا ترجمہ جھک جاؤ۔ اس لفظ کے معنی لغوی کے لحاظ سے کیا گیا ہے۔ اور یہی زیادہ بلیغ ہے بہ نسبت اس کے کہ یہاں رکوع کو رکوع اصطلاحی کے معنی پر محمول کیا جائے۔ (معارف کاندھلوی)

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾

خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی ☆

اس دن پچھتائینگے کہ دنیا میں احکام الٰہی کے سامنے کیوں نہ جھکے۔ وہاں سر جھکاتے تو آج یہاں سربلند ہوتے۔ (تفسیر عثمانی)

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

اب کس بات پر اُس کے بعد یقین لائیں گے ☆

قرآن سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں:

یعنی قرآن سے بڑھ کر کامل اور مؤثر بیان کس کا ہوگا۔ اگر یہ مکذبین اس پر یقین نہیں لاتے تو اور کس بات پر ایمان لائینگے؟ کیا قرآن کے بعد کسی اور کتاب کے منتظر ہیں جو آسمان سے اترے گی؟ تم سورۃ المرسلات وللہ الحمد والمنۃ وبہ التوفیق والعصمۃ۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے سورۂ ہود اور الواقعہ اور المرسلات اور عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا۔ حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور ابن مردویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

آیت کا جواب:

ابن ابی حاتم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس سورت کی اس آیت کو پڑھے تو اسے جواب میں اٰمَنْتُ بِاللہِ وَ بِمَا اُنْزِلَ کہنا چاہیے یعنی میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کی اتاری ہوئی کتابوں پر ایمان لایا۔ یہ حدیث سورہ قیامہ کی تفسیر میں بھی گذر چکی ہے۔ الحمد للہ سورۂ مرسلات کی تفسیر ختم ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورة النبا

خواب میں پڑھنے والا دلیل ہے کہ خدا خوف اور متوکل ہوگا۔ (تعبیر الرؤیا)

سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۂ نبا مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چالیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ①

کیا بات پوچھتے ہیں لوگ آپس میں ☆

قیامت کے متعلق مشرکین کی چہ میگوئیاں:

یعنی لوگ کس بات کا کھوج لگانے اور کس چیز کی تحقیق و تفتیش میں مشغول ہیں۔ کیا ان میں ایسی استعداد ہے کہ بہت پوچھ پاچھ کرنے سے وہ چیز ان کی سمجھ میں آ جائیگی؟ ہرگز نہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ کفار جواز راہ انکار واستہزاء آپس میں ایک دوسرے سے نیز پیغمبر اور مومنین سے سوال کرتے ہیں کہ ہاں صاحب وہ قیامت کب آئیگی؟ اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟ ابھی کیوں نہیں آ جاتی؟ جانتے ہو یہ کس چیز کی نسبت سوال کر رہے ہیں؟ وہ بہت عظیم الشان چیز ہے جس کا علم ان کو عنقریب ہو جائیگا جب اپنی آنکھ سے اس کے ہولناک مناظر دیکھیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

يَتَسَآءَلُوْنَ کیسی عظیم الشان ہولناک چیز کے متعلق اہل مکہ باہم سوال کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو جب توحید کی دعوت دی اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کی خبر بیان کی اور قرآن پڑھ کر سنایا تو وہ باہم پوچھنے لگے اور کہنے لگے کہ کیسے ہیبت ناک واقعہ کی خبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیتے ہیں۔ (بغوی)

اسی طرح ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے یا یہ معنی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے قیامت کے متعلق بطور استہزاء دریافت کرتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ② الَّذِيْ هُمْ

پوچھتے ہیں اُس بڑی خبر سے جس میں وہ

فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ③

مختلف ہیں ☆

مختلف آراء:

یعنی قیامت کی خبر جس میں لوگوں کو اختلاف ہے کوئی اس کے آنے کا یقین رکھتا ہے کوئی منکر ہے کوئی شک میں پڑا ہے کوئی کہتا ہے بدن اٹھے گا کوئی کہتا ہے کہ سب عذاب وثواب روح پر گذرے گا بدن سے کچھ تعلق نہیں الی غیر ذالک من الاختلافات۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا تو کفار مکہ اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر اس کے متعلق رائے زنی اور چہ مگوئیاں کیا کرتے تھے قرآن میں قیامت کا ذکر اہمیت کے ساتھ آیا ہے اور ان کے نزدیک گویا یہ محال چیز تھی اس لئے اس میں گفتگو بکثرت چلتی تھی، کوئی تصدیق کرتا کوئی انکار، اس لیے اس سورت کے شروع میں ان کا یہ حال ذکر کر کے آگے قیامت کا واقعہ ہونا مذکور ہے اور ان کے نزدیک جو اس کے واقع ہونے میں اشکال اور استبعاد تھا اس کا جواب دیا گیا۔ اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ یہ سوال جواب کوئی واقعی تحقیق کے لیے نہیں تھا بلکہ محض استہزاء وتمسخر کے لیے تھا۔ واللہ اعلم (معارف مفتی اعظم)

بڑی خبر کیا ہے:

مجاہد اور اکثر علماء کے نزدیک نباء عظیم سے مراد قرآن ہے کیونکہ اللہ نے قرآن کو نباء عظیم فرمایا ہے ارشاد ہوا ہے قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۔ قتادہ کے نزدیک حشر مراد ہے یہ بھی احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حشر کی خبر دینا (بجائے خود) نباء عظیم ہو۔ (تفسیر مظہری)

كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ④ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ⑤

ہرگز نہیں اب جان لیں گے پھر بھی ہرگز نہیں اب جان لیں گے ☆

عنقریب پتہ چل جائے گا:

یعنی پیغمبروں نے ابتداء دنیا سے آج تک بہت کچھ سمجھایا مگر لوگ اپنے اختلافات اور پوچھ پاچھ سے ہرگز ہرگز باز آنیوالے نہیں۔ اب قریب ہے کہ وہ ہولناک منظر ان کے سامنے آ جائے اس وقت جان لینگے کہ قیامت کیا چیز ہے اور ان کے سوالات واختلافات کی حیثیت کیا تھی۔ (تفسیر عثمانی)

عذاب کی دھمکی دو مرتبہ ہوگئی ایک بار قبر کے عذاب کی اور دوسری بار قیامت کے دن کی۔ لفظ ثُمَّ بتا رہا ہے کہ قیامت کے عذاب کی وعید قبر کی وعید سے زیادہ پرسطوت ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ⑥

کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو بچھونا ☆

زمین کا فرش:

جس پر سکون واطمینان سے آرام کرتے اور کروٹیں بدلتے ہیں۔

وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝۷

اور پہاڑوں کو میخیں ☆

پہاڑ: جیسا کسی چیز میں میخ لگا دینے سے وہ چیز اپنی جگہ سے نہیں ہلتی۔ ایسے ہی ابتداء میں زمین جو کانپتی اور لرزتی تھی اللہ نے پہاڑ پیدا کر کے اس کے اضطراب اور کپکپی کو دور کیا گویا زمین کو ایک طرح کا سکون پہاڑوں سے حاصل ہوا۔ (تفسیر عثانی)

وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝۸

اور تم کو بنایا ہم نے جوڑے جوڑے ☆

نر مادہ کے جوڑے:

یعنی مرد کے سکون وراحت کے لیے عورت کو اس کا جوڑا بنایا۔

"وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا" (روم۔ رکوع ۳)

یا ازواج سے مراد طرح طرح کی اشکال والوان وغیرہ ہوں۔

وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝۹

اور بنایا نیند کو تمہاری تکان دفع کرنے کیلئے ☆

نیند تھکاوٹ کا علاج:

یعنی دن بھر کی دوڑ دھوپ سے تھک کر جب آدمی نیند کر لیتا ہے تو سب تعب اور تکان دور ہو جاتا ہے گویا نیند تو نام ہی سکون واستراحت کا ہے' آگے نیند کی مناسبت سے رات کا ذکر کرتے ہیں۔ (تفسیر عثانی)

نیند بہت بڑی نعمت ہے:

یہاں حق تعالیٰ نے انسان کو جوڑے جوڑے بنانے کا ذکر فرمانے بعد اس کی راحت کے سب سامانوں میں سے خاص طور پر نیند کا ذکر فرمایا ہے، غور کیجئے تو یہ ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے کہ انسان کی ساری راحتوں کا مدار یہی ہے اور اس نعمت کو حق تعالیٰ نے پوری مخلوق کے لئے ایسا عام فرما دیا ہے کہ امیر، غریب، عالم، جاہل، بادشاہ اور مزدور سب کو یہ دولت یکساں بیک وقت عطا ہوتی ہے، بلکہ دنیا کے حالات کا تجزیہ کریں تو غریبوں اور محنت کشوں کو یہ نعمت جیسی حاصل ہوتی ہے وہ مالداروں کو اور دنیا کے بڑوں کو نصیب نہیں ہوتی، ان کے پاس راحت کے سامان، راحت کے مکان، ہوا اور سردی گرمی کے اعتدال کی جگہ نرم گدے، تکیہ، سب کچھ ہوتے ہیں جو غریبوں کو بہت کم ملتے ہیں مگر نیند کی نعمت ان گدوں، تکیوں یا کوٹھی، بنگلوں کی فضا کے تابع نہیں وہ تو حق تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جو براہ راست اس کی طرف سے ملتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝۱۰

اور بنایا رات کو اوڑھنا ☆

رات کا لباس: جیسے آدمی کپڑا اوڑھ کر اپنے بدن کو چھپا لیتا ہے اسی طرح رات کی تاریکی مخلوق کی پردہ داری کرتی ہے اور جو کام چھپانے کے لائق ہوں عموماً رات کے اندھیرے میں کیے جاتے ہیں۔ اور حسی طور پر بھی شب کو کپڑا اوڑھنے کی ضرورت دن سے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ نسبتاً وہ وقت خنکی اور ٹھنڈک کا ہوتا ہے۔ (تفسیر عثانی)

وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝۱۱

اور بنایا دن کمائی کرنے کو ☆

کام کاج کے لئے دن:

یعنی عموماً کاروبار اور کمائی کے دھندے دن میں کیے جاتے ہیں جن کا مقصد یہی ہے کہ اپنی اور اپنے بال بچوں کی حوائج کی طرف سے دل کو سکون و اطمینان نصیب ہو۔ آگے رات دن کی مناسبت سے آسمانوں اور سورج کا ذکر فرماتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ زمین کے مقابل آسمان کا بیان ہے۔ (تفسیر عثانی)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رات سکون کا باعث بن جاتی ہے اور بر خلاف رات کے دن کو ہم نے روشن اجالے اور اندھیرے بغیر کا بنایا ہے۔ تا کہ تم کام دھندا اس میں کر سکو، جا آ سکو، بیوپار، تجارت، لین دین کر سکو اور اپنی روزیاں اور رزق حاصل کر سکو۔ اور ہم نے جہاں تمہیں رہنے سہنے کو زمین بنا دی، وہاں ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے، جو بڑے لمبے چوڑے، مضبوط، پختہ، عمدہ اور زینت والے ہیں، تم دیکھتے ہو کہ ان میں ہیروں کی طرح چمکتے ہوئے ستارے لگ رہے ہیں۔ بعض چلتے پھرتے رہتے ہیں، اور بعض ایک جگہ قائم ہیں۔ پھر فرمایا کہ ہم نے سورج کو چمکتا چراغ بنایا جو تمام جہاں کو روشن کر دیتا ہے، ہر چیز کو جگمگا دیتا ہے۔ اور دنیا کو منور کر دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝۱۲

اور چنی ہم نے تم سے اُوپر سات چنائی مضبوط ☆

سات آسمان:

یعنی سات آسمان بہت مضبوط بنائے۔ جن میں آج تک اس قدر مدت گزرنے کے باوجود کوئی رخنہ نہیں پڑا۔

وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿۱۳﴾

اور بنایا ایک چراغ چمکتا ہوا ☆

روشن سورج:

یعنی آفتاب جس میں روشنی اور گرمی دونوں وصف موجود ہیں۔

وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾

اور اُتارا نچڑنے والی بدلیوں سے پانی کا ریلا ☆

بارش کا نظام:

نچڑنے والی بدلیاں یا نچوڑنے والی ہوائیں۔

لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿۱۵﴾

تا کہ ہم نکالیں اُس سے اناج اور سبزہ

وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾

اور باغ پتوں میں لپٹے ہوئے ☆

کفیت و باغ:

یعنی نہایت گنجان اور گھنے باغ، یا یہ مراد ہو کہ ایک ہی زمین میں مختلف قسم کے درخت اور باغ پیدا کیے (تنبیہ) قدرت نے عظیم الشان نشانیاں بیان فرما کر بتلا دیا کہ جو خدا ایسی قدرت و حکمت والا ہے کیا اسے تمہارا دوسری مرتبہ پیدا کر دینا اور حساب و کتاب کے لیے اٹھانا کچھ مشکل ہوگا؟ اور کیا اس کی حکمت کے یہ بات منافی نہ ہوگی کہ اتنے بڑے کارخانہ کو یوں ہی خلط ملط بے نتیجہ پڑا چھوڑ دیا جائے۔ یقیناً دنیا کے اس طویل سلسلہ کا کوئی صاف نتیجہ اور انجام ہونا چاہیے اسی کو ہم ''آخرت'' کہتے ہیں جس طرح نیند کے بعد بیداری اور رات کے بعد دن آتا ہے، ایسے ہی سمجھ لو کہ دنیا کے خاتمہ پر آخرت کا آنا یقینی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جب ثابت ہو گیا کہ جو ان چیزوں کو ابتداء عدم سے وجود میں لا سکتا ہے وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے اور اس عظیم الشان سنسار کی ہستی بغیر اس کے کہ اس کا خالق حکیم ہو ممکن نہیں اور کائنات میں سے کسی چیز کا وجود بیکار اور منافی حکمت نہیں (اور لامحالہ اس کائنات سے فائدہ اندوزی کی باز پرس انسان سے ہونی چاہیے) تو سننے والے کو شوق پیدا ہوا کہ فیصلہ کا وقت اور اس کی تفصیل معلوم ہو۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿۱۷﴾

بیشک دن فیصلے کا ہے ایک وقت ٹھہرا ہوا ☆

فیصلہ کا دن:

فیصلہ کا دن وہ ہوگا جس میں نیک کو بد سے بالکلیہ الگ کر دیا جائے گا کسی قسم کا اشتراک و اجتماع باقی نہ رہے ہر نیکی اپنے معدون میں اور ہر بدی اپنے مرکز پر جا پہنچے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کامل امتیاز و افراق اس دنیا میں نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں رہتے ہوئے زمین، آسمان، چاند، سورج، رات دن، سونا جاگنا، بارش بادل، باغ کھیت اور بیوی بچے تمام نیکوں اور بدوں میں مشترک ہیں ہر کافر اور مسلم ان سامانوں سے یکساں منتفع ہوتا ہے اس لیے ضرور ہے کہ ''يَوْمَ الْفَصْلِ'' ایک دن موجودہ نظام عالم کے ختم کیے جانے کے بعد ہو اس کا تعین اللہ کے علم میں ٹھہرا ہوا ہے۔

يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ

جس دن پھونکی جائے صور پھر تم چلے آؤ

اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾

جٹ کے جٹ ☆

باعتبار عقائد لوگوں کی تقسیم:

یعنی کثرت سے الگ الگ جماعتیں اور ٹولیاں بن کر جن کی تقسیم ان کے ممتاز عقائد و اعمال کی بناء پر ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ قیامت کے روز تین فوجوں میں تقسیم ہونگے ایک فوج ان لوگوں کی ہوگی جو پیٹ بھرے ہوئے لباس پہنے ہوئے سواریوں پر سوار ہو کر میدان حشر میں آئیں گے دوسری فوج پیادہ لوگوں کی ہوگی جو چل کر میدان میں آئیں گے تیسری فوج ان لوگوں کی ہوگی جن کو چہروں کے بل گھسیٹ کر میدان حشر میں لایا جائے گا۔ (مظہری بروایت نسائی و حاکم و بیہقی)

بعض روایات میں افواج کی تشریح دس قسم کی افواج سے کی گئی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حاضرین محشر کی بیشمار جماعتیں اپنے اپنے اعمال و کردار کے اعتبار سے ہوں گی ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں سب جمع ہو سکتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

صور کیا ہے: سدی کی باسناد صحیح روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا صور سینگ کی شکل کی ہوگی جس میں پھونکا جائیگا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے سورہ الحاقہ میں اس کا بیان گزر چکا ہے وہب کا قول ہے کہ صور کی ساخت سفید موتی کی ہوگی جس میں چمک شیشہ کی طرح ہوگی ہر زوج کی تعداد کی برابر اس میں سوراخ ہوں گے سورہ المدثر میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا۔ یعنی صور پھونکتے ہی تم قبروں سے نکل کر جماعت در جماعت ہو کر حساب کے مقام پر آ ؤ گے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم سے سچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا کہ قیامت کے دن حشر کے موقع پر لوگوں کے تین گروہ ہوں گے ایک گروہ ان لوگوں کا ہوگا جو کھانے سے سیر لباس پوش اور سواریوں پر سوار ہونگے دوسرا گروہ پیادہ دوڑتا ہوگا تیسرے گروہ کو منہ کے بل گھسیٹ کر لایا جائے گا۔ (نسائی۔ حاکم بیہقی)

امت کے دس گروہ:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ تلاوت کرنے کے بعد فرمایا۔ وقت حشر میری امت کے دس گروہ ہونگے ایک قطار کی صورت میں بندروں کی طرح ہونگی یہ قدر یہ ہونگے۔ ایک قطار سوروں کی شکل پر ہوگی یہ مرجۂ ہوں گے ایک قطار سوروں اور کتوں جیسی ہوگی یہ حرور یہ ہونگے ایک گروہ کی صورت گدھوں کی طرح ہوگی یہ رافضی ہوں گے ایک گروہ کی شکل چھوٹی چیونٹیوں کی طرح ہوگی۔ یہ متکبروں کا گروہ ہوگا۔ ایک قطار چوپاؤں کی شکل کی ہوگی۔ یہ سود خور ہوں گے۔ ایک گروہ درندوں کی صورت کا ہوگا۔ یہ زندیق ہوں گے۔ ایک گروہ کا حشر منہ کے بل ہوگا۔ یہ مصور اور دوسروں کی عیب چینی کرنے والے ہوں گے۔ اور دوسروں پر طنز وطعن کرنے والے ہوں گے۔ ایک گروہ ناز وادا سے ٹہلنے والوں کا ہوگا۔ یہ لوگ مقرب ہوں گے ایک گروہ وہ ہوگا جو شکم سیر ہوگا۔ یہ دائیں طرف والے ہوں گے۔ ابن عساکر نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے یہ حدیث منکر ہے اس کی اسناد میں کچھ مجہول راوی ہیں۔

خطیب نے (السراج المنیر میں) ان الفاظ کے ساتھ حدیث کو نقل کیا ہے کہ میری امت کی دس اصناف کا حشر دس گروہوں کی صورت میں ہوگا۔ بعض کی صورتیں بندروں کی ہوں گی یہ چغل خور ہوں گے۔ بعض سوروں کی شکل پر ہوں گے۔ یہ حرام خور ہوں گے۔ بعض سرنگوں ہوں گے۔ ٹانگیں اوپر اور آنکھیں اور چہرے نیچے ان کو اس طرح گھسیٹا جائے گا۔ یہ سود خور ہوں گے کچھ لوگ نابینا ہوں گے۔ ادھر ادھر سرگرداں ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو فیصلے میں ظلم کرتے تھے۔ بعض گونگے بہرے اور بے عقل ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے اعمال پر مغرور تھے۔ بعض لوگوں کی زبانیں سینہ پر لٹکتی ہوں گی اور ان کے منہ سے لہو اور پیپ بہتا ہوگا۔ جس سے مجمع میں تعفن پیدا ہوگا۔ یہ وہ علماء اور واعظ ہوں گے۔ جن کا کردار گفتار کے خلاف تھا۔ بعض لوگوں کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں گے۔ یہ پڑوسیوں کو دکھ دینے والے لوگ ہوں گے۔ بعض لوگوں کو آتشی تختے پر صلیب دی گئی ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو حاکم سے جا کر لوگوں کی چغلیاں کھاتے تھے۔ اور بعض لوگوں کی بدبو مردار سے زیادہ سڑی ہوئی ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو نفسانی خواہشات اور لذات میں مزے اڑاتے تھے اور اللہ کے (مالی) حق کو اپنے مالوں کے ساتھ روکے رکھتے تھے۔ (زکوۃ عشر وغیرہ ادا نہیں کرتے تھے) بعض لوگوں کو تارکول کی لمبی چادریں پہنائی جائیں گی۔ یہ رعونت فخر اور غرور کرنے والے ہوں گے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بھی براویت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ایسی ہی حدیث بیان کی ہے۔ جس کو ثعلبی نے نقل کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿١٩﴾
اور کھولا جائے آسمان تو ہو جائیں اُس میں دروازے ☆

آسمان پھٹ جائیں گے:

یعنی آسمان پھٹ کر ایسا ہو جائے گا گویا دروازے ہی دروازے ہیں۔ شاید اس کی طرف اشارہ ہے جو دوسری جگہ فرمایا "وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا" (فرقان رکوع۳)۔
(تفسیر عثمانی)

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ جہنم کے پل پر نگراں فرشتوں کی چوکی ہوگی جس کے پاس جنت جانیکا پروانہ ہوگا اس کو گذرنے دیا جائے گا۔ جس کے پاس نہ ہوگا اس کو روک لیا جائے گا۔ (قرطبی، معارف مفتی اعظم)

وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾
اور چلائے جائیں گے پہاڑ تو ہو جائیں گے چمکتا ریتا ☆

پہاڑ ریت بن جائیں گے:

جیسے چمکتی ریت پر دور سے پانی کا گمان ہو جاتا ہے ایسے ہی ان پر پہاڑوں کا گمان ہوگا۔ حالانکہ واقع میں وہ پہاڑ نہیں رہینگے محض ریت کے تودے رہ جائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾				
بیشک	دوزخ	ہے	تاک	میں
لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿٢٢﴾				
شریروں کا ٹھکانا ☆				

شریروں کا ٹھکانہ:

یعنی دوزخ شریروں کی تاک میں ہے اور ان ہی کا ٹھکانا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سرکش شریر کون ہے:

طاغین طاغی کی جمع ہے طغیان سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں سرکشی اور

طاغی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو سرکشی اور نافرمانی میں حد سے گذر جائے۔ اور یہ جبھی ہوسکتا ہے جبکہ وہ ایمان سے نکل جائے اس لیے طاغین سے مراد اس جگہ کفار ہوں گے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد وہ بدعقیدہ گمراہ مسلمانوں کے فرقے ہوں جو قرآن وسنت کی حدود سے نکلے ہوئے ہیں اگرچہ صراحۃً کفر اختیار نہیں کیا۔ جیسے روافض خوارج معتزلہ وغیرہ۔ (کمافی المظہری)

فرشتوں کا گھات میں بیٹھنا:

مطلب یہ ہے کہ جہنم کے پل پر عذاب اور رحمت کے فرشتے گذرنے والوں کی تاک میں رہیں گے عذاب کے فرشتے تو کافروں کی گھات میں رہیں گے کہ ان کو پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیں اور عذاب دیں اور رحمت کے فرشتے ایمان والوں کی تاک میں ہوں گے کہ پل صراط سے گذرتے وقت مؤمنوں کو جہنم کی لپٹ اور پل پر دوطرفہ لگے ہوئے آنکڑوں سے محفوظ رکھیں۔ اس تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم سب لوگوں کی گذرگاہ ہوگی۔ تمام آدمی اس پر سے گذریں گے جیسا کہ آیت وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا میں آیا ہے اس صورت میں مرصاد کا معنی ہوگا گھات کا راستہ یا مرصاد کا مفہوم التزامی ہوگا۔ راستہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مرصاد سے مراد ہے کافروں کے لیے تیار کیا ہوا۔ ارصدت الشئی میں نے وہ چیز تیار کی ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مرصاد مبالغہ کا صیغہ ہو۔ یعنی کافروں کو تاکنے اور ان کی گھات لگانے میں بڑی کوشش کرنے والا تاکہ کوئی کافر بچ کر نہ نکل جائے۔ بیہقیؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ صراط تلوار کی دھار کی طرح بہت تیز اور باریک ہوگی۔ اور ملائکہ ایماندار مردوں اور عورتوں کی حفاظت کرتے ہوں گے۔ جبرائیل میری کمر پکڑے ہوں گے۔ اور میں کہتا ہوں گا الٰہی بچا! الٰہی بچا! اور پھسل کر گرنے والے اور گرنے والیاں بہت ہوں گے۔ ابن مبارکؒ بیہقیؒ اور ابن ابی الدنیاؒ نے حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم پر صراط تلوار کی دھار کی طرح ہوگی اس کے دوطرفہ آنکڑے اور کانٹے ہوں گے آنکڑوں کے ذریعہ سے لوگوں کو اچک لیا جائے گا۔

الٰہی بچا الٰہی بچا:

قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے صرف ایک آنکڑے سے قبائل مضر وربیعہ سے بھی زیادہ لوگ پکڑ لیے جائیں گے۔ اور ملائکہ اس کے کنارے پر کھڑے کہتے ہوں گے۔ الٰہی بچا الٰہی بچا۔ بیہقیؒ نے عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ صراط تلوار کی دھار کی طرح باریک اور تیز ہوگی اور پھسلواں لغزش الٰہی ہوگا۔ ملائکہ اور انبیاء کھڑے کہہ رہے ہوں گے الٰہی بچا! الٰہی بچا! اور کچھ فرشتے کافروں کو آنکڑوں سے پکڑ رہے ہوں گے۔

سات جگہ سوال:

بیہقیؒ نے بروایت مقسم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جہنم کے پل پر سات جگہ لوگوں کو روکا جائے گا۔ پہلی جگہ بندے سے **لا الہ الا اللہ** کی شہادت پوچھی جائے گی اگر اس نے شہادت پوری دی ہوگی تو دوسرے مقام سے گذارا جائے گا۔ وہاں اس سے نماز کی باز پرس ہوگی۔ اگر اس نے نماز بھی ٹھیک ادا کی ہوگی تو تیسرے مقام سے گذارا جائے گا۔ وہاں زکوٰۃ کی پرسش ہوگی اگر زکوٰۃ بھی پوری دی ہوگی۔ تو چوتھے مقام سے گذارا جائے گا۔ وہاں روزہ کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی۔ اگر روزے ٹھیک ادا کیے ہوں گے۔ تو پانچویں مقام تک چلا جائے گا۔ وہاں حج کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اگر ٹھیک طور پر حج ادا کیا ہوگا۔ تو چھٹے مقام تک چلا جائے گا۔ وہاں عمرہ کا پوچھا جائے گا۔ اگر یہ بھی کر چکا ہوگا۔ تو ساتویں مقام پر بندوں کے حقوق کے متعلق دریافت کیا جائے گا اگر اس مقام سے بھی نکل گیا تو خیر ورنہ کہا جائے گا۔ کہ دیکھو اس کے پاس کچھ نوافل ہیں نوافل سے اس کے فرض اعمال کو پورا کیا جائے گا۔ سب امور سے فارغ ہو جائے گا تو اس کو جنت کی طرف لیجایا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾
رہا کریں اس میں قرنوں ☆

جہنم میں قیام کب تک:

جن کا کوئی شمار نہیں۔ قرن پہ قرن گزرتے چلے جائینگے۔ اور ان کی مصیبت کا خاتمہ نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا، لَا بِثِيْنَ. **لا بث** کی جمع ہے۔ جس کے معنی ٹھہرنے والے اور قیام کرنے والے کے ہیں احقاب حقبہ کی جمع ہے۔ زمانہ دراز حقبہ کو کہا جاتا ہے اس کی مقدار میں اقوال مختلف ہیں۔ ابن جریرؒ نے حضرت علی کرم وجہ اللہ سے اس کی مقدار اسی سال نقل کی اور ہر سال بارہ مہینے کا اور ہر مہینہ تیس دن کا اور ہر دن ایک ہزار سال کا۔ اسی طرح دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال کا ایک حقبہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عمر ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ نے مقدار حقبہ اسی کے بجائے ستر سال دی ہے۔ باقی حساب وہی ہے۔ (ابن کثیر)

مگر مسند بزار میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ مرفوعاً یہ منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

لا یخرج احدکم من النار حتی یمکث فیه احقابا و الحقب بضع و ثمانون سنة کل سنة ثلثمائة و ستون یوما مما تعدون. (ازمظہری)

"تم میں سے جو لوگ گناہوں کی سزا میں جہنم میں ڈالے جائیں گے

کوئی اس وقت تک جہنم سے نہ نکلے گا۔ جب تک اس میں چند احقاب نہ رہ لے اور حقبہ کچھ اوپر اسی سال اور ہر سال تین سو ساٹھ دن کا ہے۔ تمہارے موجودہ دنوں کے مطابق''۔

سعدی نے حضرت مرہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ کفار اہل جہنم کو اگر یہ خبر دی جائے کہ ان کا قیام جہنم کے یہ ہوں کہ احقاب زمانہ تک یہ لوگ نہ ٹھنڈی لذیذ ہوا کا مزہ چکھیں نہ کسی کھانے اور پینے کی چیز کا۔ بجز جمیم اور غساق پھر احقاب گذرنے کے بعد ہوسکتا ہے کہ یہ حال بدل جائے۔ اور دوسری اقسام کے عذاب ہونے لگیں

بالاخر کلمہ توحید کی بدولت جہنم سے نکال لیے جاویں گے۔

مظہری نے اس احتمال کی تائید میں وہ مرفوع حدیث بھی پیش کی جو اوپر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مسند بزار نقل ہو چکی ہے جس میں آپ نے یہی فرمایا ہے کہ مدت احقاب گزرنے کے بعد یہ لوگ جہنم سے نکال لیے جاویں گے۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اس پر تین پل ہیں پھر فرمایا وہ اس میں مدتوں اور قرنوں پڑے رہیں گے۔ احقاب جمع ہے حقب کی ایک لمبے زمانے کو کہتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ حقب اسی سال کا ہوتا ہے سال بارہ مہینے کا مہینہ تیس دن کا اور ہر دن ایک ہزار سال کا اور یہ بہت سے صحابہ اور تابعین سے مروی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ابوالعلاء نے سلیمان تمیمیؒ سے پوچھا کہ کیا جہنم سے کوئی نکلے گا بھی۔ تو جواب دیا کہ میں نے نافع سے انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی قسم جہنم میں سے کوئی بھی بغیر مدت دراز نہ نکلے گا۔ پھر فرمایا کہ اسی سال سے کچھ اوپر کا حقب ہوتا ہے۔ اور ہر سال تین سو ساٹھ دن کا جو تم گنتے ہو۔

ہمیشہ رہیں گے:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ احقاب کبھی ختم نہیں ہوتے ایک حقب ختم ہوا دوسرا شروع ہو گیا۔ ان احقاب کی صحیح مدت کا اندازہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ ہاں ہم نے یہ سنا ہے کہ ایک حقب اسی سال کا اور ایک سال تین سو ساٹھ دن کا ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کا۔ ان جہنمیوں کو نہ تو کلیجے کی ٹھنڈک نصیب ہوگی۔ نہ کوئی اچھا پانی پینے کو ملے گا۔ ٹھنڈک کے بدلے گرم کھولتا ہوا پانی ملے گا اور کھانے پینے کی چیز بہتی ہوئی پیپ ملے گی۔ حمیم اتنے سخت گرم کو کہتے ہیں کہ جس کے بعد حرارت کا کوئی درجہ نہ ہو۔ اور غساق کہتے ہیں جہنمی لوگوں کے لہو، پیپ، پسینہ، آنسو۔ اور زخموں سے بہتے ہوئے خون و پیپ وغیرہ کو۔ اس گرم چیز کے مقابلے میں اس قدر سرد ہوگی جو بجائے خود عذاب ہے۔ اور بے حد بدبودار ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

لٰبِثِیْنَ فِیْهَآ اَحْقَابًاۚ طاغی دوزخ میں صدیوں تک رہیں گے۔ احقاب حقب کی جمع ہے ایک حقب اسی برس کا ہوگا اور ہر سال بارہ مہینے کا۔ اور ہر مہینہ تیس دن کا اور ہر دن اس دنیا کے ہزار برس کا ہے۔ بقول بغوی یہ تفصیل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور بقول ہناد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے مجاہد نے کہا الاحقاب ۴۳ حقبہ کا ہر حقبہ ستر خریف کا اور ہر خریف سات سو سال کا ہر سال تین سو ساٹھ دن کا اور ہر دن دنیا کے ہزار برس کا۔ مقاتل بن حبان نے کہا کہ ایک حقب سترہ ہزار برس کا ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

کفار اور اہل بدعت کا عذاب:

ہم الطاغین کے لفظ کو اہل بدعت پر محمول کرتے ہیں جن کے عقائد پر کفر لازم آتا ہے وہ خود مدعی اسلام ہیں اس لیے ان کا حکم کافروں جیسا نہیں نہ ان کا عذاب دائمی ہے بلکہ ان کی عذاب کی مدت لمبی ہے۔ جس کی تعبیر لفظ احقابًا سے کی گئی ہے۔ اب آیات میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا۔ آیات محکمات میں کافروں کے لیے دوامی عذاب کی صراحت ہے۔ اور اس آیت میں اہل بدعت کے عذاب طویل کی نص میرے اس قول کی تائید بزار کی نقل کردہ روایت سے بھی ہوتی ہے۔ جس کے راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی قسم کوئی بھی دوزخ سے نہ نکلے گا۔ تاوقتیکہ احقاب تک اس میں نہ رہ چکا ہو۔ حقب کچھ اوپر اسی سال کا ہوگا۔ اور ہر سال تمہاری گنتی کے تین سو ساٹھ دن کا یہ حدیث بتا رہی ہے کہ مدت مذکور گزرنے کے بعد طاغین دوزخ سے نکل آئیں گے۔ (تفسیر مظہری)

لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾
نہ چکھیں وہاں کچھ مزہ ٹھنڈک کا اور نہ پینا ملے کچھ
اِلَّا حَمِیْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿۲۵﴾
مگر گرم پانی اور بہتی پیپ ☆

کسی قسم کی کوئی راحت نہ ہوگی:

یعنی نہ ٹھنڈک کی راحت پائینگے نہ کوئی خوشگوار چیز پینے کو ملے گی ہاں گرم پانی ملے گا جس کی سوزش سے منہ جھلس جائینگے اور آنتیں کٹ کر پیٹ سے باہر آپڑیں گی اور دوسری چیز پیپ ملے گی جو دوزخیوں کے زخموں سے نکل کر بہے گی اعاذنا اللہ منها ومن سائر انواع العذاب فی الدنیا والاخرة. (تفسیر عثمانی)

شدید گرم اور شدید ٹھنڈا پانی ملے گا:

الحمیم بہت ہے گرم پانی۔ حدیث میں آیا ہے کہ لوہے کی چمٹیوں سے

پکڑ کر سخت گرم پانی ان کو پیش کیا جائے گا۔ جب وہ پانی ان کے منہ کے قریب آئے گا تو چہرے بھن جائیں گے۔ اور پیٹوں میں اتریگا۔ تو پیٹ کے اندرونی احشاء پارہ پارہ ہو جائیں گے۔ (ترندی وبیہقی بروایت حضرت ابودرداء)

الغساق کیا ہے ہناد نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ غساق انتہائی سرد جس کی شدت برودت کی وجہ سے دوزخی اس کو نہ پی سکیں گے۔ بغویؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جس طرح آگ گرمی کی وجہ سے جلاتی ہے غساق سردی کی وجہ سے ان کو سوختہ کر دے گا۔ مقاتل نے کہا غساق وہ چیز ہے جس کی سردی آخری حد کو پہنچی ہوئی ہو۔ ہناد نے ابوالعالیہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت میں پینے کی چیزوں سے گرم ترین پانی کا استثناء کیا گیا ہے۔ اور سرد سے غساق کا۔

پیپ اور زہر پئیں گے:

ہناد کی روایت ہے کہ عطیہ کے نزدیک غساق کا معنی ہے دوزخیوں کا بہتا ہوا لہو۔ ابراہیم نخعی اور ابی زرین کا بھی یہی قول مروی ہے اس قول پر لفظ غساق غَسَقَتُ کا مصدر ہوگا۔ اور اس کا معنی ہوگا بہنا غَسَقَتُ بہہ گیا۔ ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیاؒ نے کعب کا قول نقل کیا ہے۔ کہ غساق جہنم کا ایک چشمہ ہے جس میں سانپ بچھو ہر زہریلے جانور کا زہر بہہ کر جمع ہوگا۔ اور آدمی کو لا کر اس میں ایک ہی مرتبہ غوطہ دیا جائے گا۔ تو کھال ہڈیوں سے گر جائے گی۔ اور گوشت ٹخنوں پر آ کر گرے گا۔ اور وہ اپنے گوشت کو اس طرح کھینچتا پھرے گا۔ جیسے آدمی اپنے وسیع کپڑے کو کھینچتا ہے۔

یعنی اس حالت میں وہ دوزخ میں رہیں گے اور لاتعداد برسوں تک سوائے حمیم اور غساق کے اور کچھ نہ چکھیں گے گویا عدم ذوق کے ساتھ ان کے دوزخ کے اندر سکونت حقب در حقب ہوگی۔ اور ان احقاب کے گذر جانے کے بعد کیا ہوگا تو شاید وہ مزید شدید ترین عذاب میں احقاب عدم ذوق گذرنے کے بعد مبتلا کر دیئے جائیں ظاہر یہ ہے کہ لا یذوقون حال مرادف ہے لا بثین حال اول ہے اور یہ اس حال سے ہے۔

جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿٢٦﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا
بدلہ ہے پورا اُن کو توقع نہ
يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
تھی حساب کی اور جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو
كِذَّابًا ﴿٢٨﴾
مکرا کر ☆

یعنی جس چیز کی امید ان کو نہ تھی وہ ہی سامنے آئی اور جن باتوں کو جھٹلاتے تھے آنکھوں سے دیکھ لی اب دیکھیں کیسے جھٹلاتے اور مکرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بداعمالی کے موافق عذاب:

یعنی اس کو ایسا بدلہ دیا جائے گا۔ جو ان کے اعمال اور بیہودگیوں کے موافق ہوگا۔ مقاتل نے کہا وفاقا کا یہ مطلب ہے کہ عذاب گناہ کے مطابق ہوگا۔ اور شرک سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں لہٰذا جزاء وفاقا کا یہ معنی ہوا کہ سخت ترین عذاب یہ اس تقدیر پر ہوگا۔ کہ الطاغین سے کفار مراد ہوں۔

ہماری رائے کے موافق اگر الطاغین سے مراد اہل بدعت ہوں تو جزاء وفاقا پہلے جملہ کی تاکید نفسی نہ ہوگی بلکہ تاکید لغیرہ ہو جائے گی۔ اور نئے معنی کا فائدہ دے گی۔ اور تاسیس (نئے معنی کی افادیت) تاکید محض اولی ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہوگا۔ کہ اہل بدعت کے عقائد جس قدر حق سے دور ہوں گے اسی کے موافق ان کے عذاب کی نوعیت اور کیفیت ہوگی۔ اور جہنم کے اندر بعض کا قیام زیادہ ہوگا اور بعض کا کم بعض کا عذاب شدید ہوگا اور بعض کا ان سے خفیف اور یہ قیام جہنم اور عذاب زیادہ سے زیادہ احقاب کی میعاد تک پہنچے گا۔ اور کم سے کم ایک حقب ہوگا۔

وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا۔ اور ہماری آیات کی وہ پوری پوری تکذیب کرتے تھے۔ تمام بدعتیوں میں یہ وصف موجود ہے جیسا کہ ہم المرسلات میں ذکر کر چکے ہیں دیکھو رافضی تمام مناقب صحابہ کے منکر ہیں اور سب کو مرتد یا منافق قرار دیتے ہیں ہاں تین صحابیوں کو اس حکم سے (ارتداد ونفاق سے مستثنیٰ کہتے ہیں) ان کا خیال ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور دوسرے خلفاء کے ہاتھ میں جب اقتدار آیا تو انہوں نے زمین میں فساد برپا کر دیا۔ ان کا یہ بھی گمان ہے کہ صحابہ کا دور بدترین دور تھا۔ اور صحابہ کی جماعت بدترین جماعت تھی۔ حالانکہ صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا ہے كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اور اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ الخ اور اصحاب حدیبیہ کے متعلق فرمایا لَقَدْ رَضِىَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ اور السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ۔ اور ان کے علاوہ بکثرت آیات ہیں جن میں صحابہ کی مدح ہے۔

مسئلہ: ہماری تفسیر کے موافق آیت سے اہل بدعت کے عذاب پر روشنی پڑتی ہے رہے مسلمان تو ان کے قیام جہنم کی انتہائی مدت میعاد دنیا کے برابر ہوگی یعنی سات ہزار برس اور ان کو حمیم نہیں پلایا جائے گا۔ نہ اس طرح کا کوئی عذاب ہوگا۔ ابن ابی حاتم اور ابن شاہین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام امتوں کے مومن اہل کبائر اگر توبہ کیے بغیر مر گئے۔ تو ان میں سے جو لوگ جہنم میں داخل ہوں گے۔ ان کی آنکھیں نیلی نہ ہوں گی چہرے کالے نہ ہوں گے

۔ شیطانوں کیساتھ زنجیروں میں باندھا نہ جائے گا۔ نہ ان کے گلے میں زنجیروں کے طوق ڈالے جائیں گے۔ نہ ان کو حمیم پلایا جائے گا۔ نہ ان کو قطران کا لباس پہنایا جائے گا۔ اللہ نے ان کے لیے دوام جہنم حرام کر دیا ہے۔ اور سجدوں کی وجہ سے ان کے چہروں کو آگ پر حرام کر دیا ہے ان میں سے بعض لوگوں کو آگ صرف قدموں تک پکڑے گی۔ بعض کو (صرف) ایڑیوں تک بعض کو صرف کمر تک بعض کو گلے تک گناہوں اور عملوں کی مقدار کے بقدر آگ گرفت کرلے گی۔ بعض اس میں سے سال بھر رہ کر نکل آئیں گے۔ سب سے لمبی مدت قیام جہنم کی ان کے لیے دنیا کی عمر کے برابر ہوگی۔ بعض ابتدائے آفرینش دنیا سے لیکر فناء دنیا تک (جتنی مدت ہوگی اتنی ہی ان کے جہنم میں رہنے کی مدت ہوگی)۔ (الحدیث)

حاکم نے نوادر الاصول میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے اس میں بھی یہ ہے کہ ان کو گرزوں سے نہیں مارا جائے گا۔ اور طبقہ جہنم میں نہیں پھینکا جائے گا۔ ان میں سے کچھ لوگ جہنم میں ایک ساعت رہ کر نکل آئیں گے کچھ ایک دن رہ کر نکل آئیں گے۔ کچھ سال بھر رہیں گے ان کی سب سے لمبی مدت قیام اتنی ہوگی۔ جتنی دنیا کے روز آفرینش سے فناء دنیا ہو گی۔ اور یہ سات ہزار برس کی ہوگی۔ میں کہتا ہوں حدیث میں سال سے مراد یہی دنیوی سال ہے۔ کیونکہ اسی سے ان کا قیام جہنم مدت دنیا کے مساوی ہوگا۔

بعض آیات میں یہ بھی مرفوعاً آیا ہے جس کے راوی ابن سعید ہیں کہ بعض ایماندار اہل کبائر کو گناہوں کی سزا میں آگ دکھ پہنچائے گی اور اللہ ان پر موت طاری کردے گا۔ لیکن جب اذن شفاعت ہوگی اور انکی معافی ہوگی تو اللہ ان کو پھر زندہ کردے گا۔ مگر کافروں کی حالت اس کے خلاف ہوگی۔ وہ دوزخ کے اندر نہ مریں گے۔

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ﴿٢٩﴾
اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے لکھ کر ☆

ہر چیز محفوظ ہے:

یعنی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے اور اسی علم محیط کے موافق دفاتر میں باقاعدہ مندرج ہے۔ کوئی نیک و بد عمل اس کے احاطہ سے باہر نہیں۔ رتی رتی کا بھگتان کیا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَكُلَّ شَيْءٍ یہ فعل محذوف کا مفعول ہے جس کی تشریح آئندہ فعل میں کی گئی ہے۔ یعنی طاغیوں کے ہر عمل اور ہر بیہودگی کو ہم نے گھیر لیا ہے (احاطہ عددی کرلیا ہے)۔

أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا۔ کتاباً یا تمیز ہے یا حال ہے اور کتاب (مصدر) بمعنی مکتوب ہے یا مفعول مطلق جیسے ضربتہم سوطاً میں نے ان کو ضرب تازیانہ لگائی یعنی ہم نے ان کے عمل کو احصاء کرلیا ہے جیسے تحریر احصاء کرلیتی ہے یا کتاباً فعل محذوف کا مفعول ہے یعنی ہم نے ان کے اعمال کو احاطہ کرلیا ہے اور لوح محفوظ میں یا کرام کاتبین کے اعمال ناموں میں محفوظ کر رکھا ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ جملہ معترضہ ہے میرے نزدیک وفاقا کی علت ہے جیسے اِنَّهُمْ كَانُوا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ان کو اس لئے سزا دیں گے کہ وہ حساب کا انکار اور تکذیب کرتے تھے اور یہ سزا ان کے اعمال کے موافق ہوگی کیونکہ ان کے اعمال اور بیہودگیاں ہم نے لکھیں ہیں کوئی چیز بغیر لکھے نہیں رہی اسی کے مطابق ان کو سزا ملے گی۔ (تفسیر مظہری)

فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾
اب چکھو کہ ہم نہ بڑھاتے جائیں گے تم پر مگر عذاب ☆

اب ہمیشہ کا عذاب ہے:

یعنی جیسے تم تکذیب و انکار میں برابر بڑھتے چلے گئے اور اگر بے اختیار موت نہ آجاتی تو ہمیشہ بڑھتے ہی چلے جاتے اب پڑے عذاب کا مزہ چکھتے رہو ہم بھی عذاب بڑھاتے چلے جائینگے۔ جس میں کبھی تخفیف نہ ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

اہل جہنم کے لئے شدید ترین آیت:

حضرت ابو برزۃ الاسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حسن بصریؒ نے ان سے دریافت کیا اہل جہنم کے لئے کون سے آیت سب سے زیادہ شدید ہے فرمایا، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ جب جہنمی تمنا کریں گے، یا اس بات کی درخواست کریں گے کہ کم از کم عذاب ہی کچھ کم کر دیا جائے تو اس پر اعلان ہوگا فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کر کے فرمایا اس کے بعد تو اہل جہنم کی شدت و پریشانی کی کوئی حد ہی باقی نہ رہے گی اور حسرت و ویل کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔ (معارف کاندھلوی)

ابن ابی حاتمؒ، ابن مردویہؒ اور ابن ابی ہریرہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً اور طبرانیؒ و بیہقیؒ نے بعث میں موقوفاً لکھا ہے کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) دوزخیوں کے حق میں یہ آیت قرآن کی تمام آیات سے زیادہ سخت ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ﴿٣١﴾ حَدَائِقَ
بیشک ڈر والوں کو ان کی مراد ملنی ہے باغ ہیں

وَأَعْنَابًا ﴿٣٢﴾ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ﴿٣٣﴾
اور انگور اور نوجوان عورتیں ایک عمر کی سب ☆

پرہیزگاروں کیلئے انعامات:

یعنی نوخاستہ عورتیں جن کی جوانی پوری ابھار پر ہوگی! اور سب ایک ہی سن وسال کی ہونگی۔ (تفسیر عثمانی)

پرہیزگاروں کے لئے انعامات:

متقیوں کے لئے بڑی کامیابی ہوگی چمنستان اور انگور اور نوجوان، نوخیز شباب ہمجولی لڑکیاں اور چھلکتے جام ہوں گے۔ مفازاً (مصدر) کامیابی اور دوزخ سے نجات یا (اسم ظرف) مقام کامیابی۔ کواعب نوخیز شباب لڑکیاں۔ یہ کاعبٌ کی جمع ہے۔ اترابًا ہم جولی، ہم سن دھاقاً لبریز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسن بصریؒ، قتادہؒ، یاپے در پے، سعید بن جبیر۔ یا صاف، عکرمہ۔ (تفسیر مظہری)

وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾

اور پیالے چھلکتے ہوئے ☆

یعنی شراب طہور کے لبریز جام۔ (تفسیر عثمانی)

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿٣٥﴾

نہ سنیں گے وہاں بک بک اور نہ مکرانا ☆

یعنی جنت میں بے ہودہ بکواس یا جھوٹ فریب کچھ نہ ہوگا نہ کوئی کسی سے جھگڑیگا کہ جھوٹ بولنے اور مکرنے کی ضرورت پیش آئے۔ (تفسیر عثمانی)

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾

بدلہ ہے تیرے رب کا دیا ہوا حساب سے ☆

یعنی رتی رتی کا حساب ہوکر بدلہ ملے گا اور بہت کافی بدلہ ملے گا۔ (تفسیر عثمانی)

جنت محض عمل سے نہیں ملتی:

حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے عمل سے جنت میں نہیں جاسکتا جب تک حق تعالیٰ کا فضل نہ ہو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی، آپ نے فرمایا ہاں میں بھی اپنے عمل سے جنت میں نہیں جاسکتا۔

درجات اخلاص کے مطابق ہوں گے:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے مطلب آیت کا یہ قرار دیا کہ یہ عطائے ربانی اہل جنت پر ان کے اعمال کے حساب سے مبذول ہوگی، اس عطا میں درجات بحساب اخلاص اور احسان عمل کے ہونگے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کے اعمال کا درجہ باقی امت کے اعمال کے مقابلے میں یہ قرار دیا ہے کہ صحابی اگر اللہ کی راہ میں ایک مد خرچ کرے جو تقریباً ایک سیر ہوتا ہے، اور غیر صحابی احد کے پہاڑ کے برابر خرچ کرے تو صحابی کا ایک مد اس پہاڑ سے بڑھا ہوا رہے گا۔ واللہ اعلم (معارف مفتی اعظم)

مطلب یہ ہے کہ ان کو کامل جزا اور کامل عطاء دی جائے گی۔

(یہ فقیر کہتا ہے کہ شاید یہ مطلب ہے کہ متقیوں کو کچھ ملے گا وہ بظاہر ان کے اعمال صالحہ کی جزاء ہوگی مگر حقیقت میں محض عطاء الٰہی ہوگی کیونکہ اعمال بذات خود موجب جزا نہیں ہیں)۔

حِسَابًا۔ یہ عَطَاءً کی صفت ہے پوری پوری۔ کامل عطاء۔ اَحْسَبْتُ فَلَا نًا کے معنی یہ ہیں کہ میں نے اس کو اتنا دیا جو اس کے لئے کافی تھا یہاں تک کہ اس نے بس کہہ دیا۔ ابن عتبہ نے کہا عَطَاءً احِسَابًا یعنی عطاء کثیر بر قول ابن عتبہ حِسَابًا تاکید لنفسہٖ ہوگا جیسے اَللّٰهُ اَكْبَرُ دَعْوَةَ الْحَقِّ اور لَهٗ عَلَيَّ اَلْفُ دِرْهَمٍ اعْتِرَافًا۔

جزا فضل الٰہی کے مطابق ملے گی:

مطلب یہ نکلے گا کہ اہل طغیان کو ان کے اعمال اور بیہودگیوں کے بقدر سزا ملے گی اور اہل تقوی کو ان کے اعمال کے مطابق جزاء میں کہتا ہوں کہ (جزا اعمال کے مطابق نہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور فضل کے مطابق ملے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔

كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

اور اہل عمل کے اخلاص اور ان کے مراتب قرب کے اعتبار سے جزا ملے گی کیونکہ مقربین کو تھوڑے عرصے کا بھی اتنا اجر ملے گا کہ ابرار کو زیادہ عمل کا بھی نہیں ملے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام:

بخاری و مسلم نے صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابیوں رضی اللہ عنہم کو گالیاں نہ دو اگر تم میں سے کوئی (کوہ) احد کے برابر سونا بھی (راہ خدا میں) خرچ کردے تو صحابیوں کے ایک مد بلکہ آدھے مد کے برابر بھی نہ ہوگا (مد بقدر ایک سیر) اور یہ تفاوت اہل قرب کے آپس میں بھی درجات قرب کے فرق کے لحاظ سے ہوگا۔ مجددؒ صاحب نے لکھا ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہم اور بکثرت تابعین اور کچھ تبع تابعین یعنی مقربین کمالات نبوت کی وجہ سے دوامی تجلی ذات میں ڈوبے ہوئے تھے لیکن ان تینوں قرون (دور دن) کے بعد جن کے خیر ہونے کی شہادت (احادیث) میں آچکی ہے اس دولت عظمیٰ کی روشنی بجھ گئی اور اس کے نشانات بھی مٹ گئے پھر ہجرت سے ہزار سال کے بعد اللہ

نے بعض بزرگوں کو پیدا کیا اور ان کو اولین کی طرح کمالات عطا فرمائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا تھا کہ میری امت بارش کی طرح ہے جس میں نہیں جانا جا سکتا کہ اول حصہ بہتر ہے یا آخر حصہ۔ ترمذیؒ بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اس امت کے اول و آخر کو یکساں قرار دیا کہ معلوم نہیں اس کا اول دور بہتر ہے یا آخر دور۔

امت محمدیہ کی حالت:

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن محمد کے دادا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خوش ہو جاؤ بشارت سن لو کہ میری امت کی حالت بارش کی طرح ہے جس میں معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا اول حصہ بہتر ہے یا آخر۔ یا باغ کی طرح ہے کہ جس سے ایک گروہ ایک سال اور دوسرا گروہ دوسرے سال پھل کھاتا ہے ممکن ہے کہ آخر (میں پھل کھانے والا) گروہ سب سے زیادہ لمبا چوڑا اور گہرا ہو اور سب سے زیادہ نیکیوں والا ہو۔ (الحدیث بیہقی)

اور زرین نے ایک صحابی کی روایت سے جنہوں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا نقل کیا ہے کہ اس امت کے آخر میں ایک قوم آئیگی جس کا اجر اوائل امت کی طرح ہوگا۔ (فی دلائل النبوۃ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری زندگی زمانہ گذشتہ امتوں کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا عصر سے مغرب تک کا وقت۔ تمہاری مثال یہود و نصاریٰ کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے کسی نے کام کرنے کے لیے مزدور رکھا جائے اور کہا جو شخص دوپہر تک کام کرے گا اس کو ایک قیراط ملے گا نصاریٰ نے دوپہر چنانچہ یہودوں نے ایک قیراط کی شرط پر کام کیا پھر اس نے کہا کہ جو شخص دوپہر سے عصر تک کام کرے گا اس کو ایک ایک قراط ملے گا نصاریٰ نے دوپہر سے عصر سے کیا پھر اس نے کہا کہ جو شخص نماز عصر سے مغرب تک کام کرے گا اس کو دو دو قیراط ملیں پس اب تم بھی وہ لوگ ہو جو عصر سے مغرب تک کام کرو گے۔ خوب سن لو تمہارے لیے دوہرا اجر ہے اس پر یہودی اور عیسائی ناراض ہو گئے اور کہنے لگے کام ہمارا زیادہ ہے اور عطیہ ہم کو کم ملا۔ اللہ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے حق میں سے کچھ مار لیا ہے یہودی اور نصاریٰ نے کہا نہیں اللہ نے فرمایا تو پھر میری مہربانی ہے میں نے جس کو چاہا دیا۔ (بخاری)

میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو گذشتہ اقوام کے مقابلہ میں اس امت کی میعاد زندگی۔ عصر سے مغرب تک قرار دی اس کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کی عمر میں کوتاہ عمل زیادہ ہونگے اور دو قیراط سے مراد اس کو مطلق کثرت ہے جیسے آیت ارجع ابصر کرتین کی کثرت مراد ہے صرف دوگنا مراد نہیں ہے ہماری تفسیر پر اس آیت گذشتہ آیت جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا سے مربوط ہو جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

جنتیوں کے لباس:

ایک حدیث میں ہے کہ جنتیوں کے لباس ہی خدا کی رضامندی کے ہوں گے بادل ان پر آئیں گے اور ان سے کہیں گے ہم تم پر کیا برسائیں پھر وہ جو فرمائیں گے بادل ان پر برسائیں گے یہاں تک کہ نوجوان کنواری لڑکیاں بھی ان پر برسیں گی۔ (ابن ابی حاتم) (تفسیر ابن کثیر)

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا
جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ
بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ
اُن کے بیچ میں ہے بڑی رحمت والا ☆

یہ انعامات محض فضل ہے:

یہ بدلہ بھی محض بخشش اور رحمت سے ہے ورنہ ظاہر ہے اللہ پر کسی کا قرض یا جبر نہیں آدمی اپنے عمل کی بدولت عذاب سے بچ جائے یہ ہی مشکل ہے۔ رہی جنت وہ تو خالص اس کے فضل و رحمت سے ملتی ہے اس کو ہمارے عمل کا بدلہ قرار دینا یہ دوسری ذرہ نوازی اور عزت افزائی ہے۔

لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾
قدرت نہیں کہ کوئی اُس سے بات کرے ☆

جلال الٰہی:

یعنی باوجود اس قدر لطف و رحمت کے عظمت و جلال ایسا ہے کہ کوئی اس کے سامنے لب نہیں ہلا سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا
جس دن کھڑی ہو روح اور فرشتے قطار باندھ کر ☆

مخلوقات کی صف بندی:

روح فرمایا جانداروں کو یا ''روح القدس'' (جبریل) مراد ہوں اور بعض مفسرین کے نزدیک وہ روح اعظم مراد ہے جس سے بے شمار روحوں کا انشعاب ہوا ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

یوم کا تعلق لَا يَمْلِكُوْنَ سے ہے یعنی جس روز روح و ملائک کا قیام ہوگا اس روز اللہ سے کوئی خطاب نہ کر سکے گا یا لا یتکلمون سے متعلق ہے یعنی اس روز سوائے اس کے جس کو خدا اذن دے اور کوئی اللہ سے کلام نہیں کر سکے گا اول صورت زیادہ ظاہر ہے۔

روح کون ہے:

روح کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں ابن جریر نے حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ روح چوتھے آسمان پر ہے تمام انسانوں سے پہاڑوں سے ملائکہ سے بڑا ہے بغوی نے اتنا اور بھی بیان کیا ہے کہ وہ روزانہ بارہ ہزار تسبیح (سبحان اللہ) پڑھتا ہے اور اس کی ہر ایک تسبیح سے اللہ ایک فرشتہ کو پیدا کر دیتا ہے قیامت کے دن روح تنہا ایک صف ہوگا۔

اس آیت کے ذیل میں ابوشیخ نے ضحاک رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ روح اللہ کا صاحب ہے اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تمام فرشتوں سے بڑا ہے اگر منہ کھول دے تو سارے ملائک اس میں سما جائیں فرشتے اس کی ہیبت سے اس کی طرف نظر نہیں اٹھاتے اور اوپر کو نہیں دیکھتے ابوالشیخ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار منہ ہیں ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں ہیں ہر زبان میں ستر ہزار بولیاں ہیں اور ان تمام بولیوں میں وہ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے۔ ابوالشیخ نے باسناد عطا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے جس کے دس ہزار بازو ہیں۔ باسناد ابوطلحہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے کہ وہ جسمانیت میں سب فرشتوں سے بڑا ہے۔ بغویؒ نے عطاءؒ کی روایت میں اتنا اور نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن تنہا روح ایک صف میں اور باقی ملائکہ ایک صف میں کھڑے ہوں گے پس اس کی جسمانیت ان سب کے برابر ہوگی۔

ابوالشیخ نے مقاتل کا قول نقل کیا ہے کہ روح اشرف الملائکہ ہے، تمام ملائکہ سے زیادہ خدا کا مقرب ہے صاحب وحی ہے۔

اسی آیت کے ذیل میں ضحاک کا قول بروایت ابوالشیخ آیا ہے کہ روح حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام قیامت کے دن اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے اور اللہ کے خوف سے ان کے شانے لرز رہے ہوں گے اور عرض کرتے ہوں گے، تو پاک ہے سوائے تیرے کوئی معبود نہیں ہم نے مشرق سے لے کر مغرب تک کسی نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا۔ آیت یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا کا یہی مطلب ہے۔ ابونعیم رضی اللہ عنہ نے مجاہد رضی اللہ عنہ کا اور ابن مبارک نے ابوصالح مولی ام ہانی کا قول نقل کیا ہے کہ روح آدمی کی شکل کی ایک اور مخلوق ہے جو آدمی نہیں ہے۔ بغوی نے اتنا زائد بیان کیا ہے کہ وہ ایک قطار میں ہوگی اور ملائکہ ایک قطار میں ان کی بھی ایک جماعت ہوگی بغویؒ نے یہی قول قتادہؒ کا نقل کیا ہے۔

ابوالشیخ نے باسناد مجاہد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوعاً نقل کی ہے کہ اللہ کی فوجوں میں سے روح ایک فوج (جماعت) ہے جو ملائکہ نہیں اس کے سر بھی ہیں اور ہاتھ پاؤں بھی پھر یہ آیت تلاوت کی۔ یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا اور فرمایا کہ ایک ان کی جماعت ہوگی۔

بغویؒ نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے روح کو اولاد آدم کی شکل پر پیدا کیا ہے، جو فرشتہ آسمان سے اترتا ہے اس کے ساتھ روح کا ایک شخص ضرور ہوتا ہے۔ ابن مبارک اور ابوالشیخ نے بیہقی کا قول یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا ذیل میں نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن رب العالمین کے سامنے دو قطاریں کھڑی ہوں گی۔ ایک ملائکہ کی اور دوسری روح کی۔ بغویؒ نے حسن بصریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ روح اولاد آدم ہے (یعنی آیت میں روح سے مراد آدمی ہیں) بروایت قتادہؒ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے قتادہؒ نے کہا کہ اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہ چھپایا کرتے تھے (یعنی یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اسرار میں سے ہے)

صَفًّا یقومون کے فاعل سے حال ہے یا فعل محذوف کا مصدر (مفعول مطلق) ہے یعنی وہ صف بستہ ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ
کوئی نہیں بولتا مگر جس کو حکم دیا
الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾
رحمٰن نے اور بولا بات ٹھیک ☆

جو بولے گا سچ بولے گا:

یعنی اس کے دربار میں جو بولے گا اس کے حکم سے بولے گا۔ اور بات بھی وہ ہی کہے گا جو ٹھیک اور معقول ہو مثلاً کسی غیر مستحق کی سفارش نہ کریگا۔ مستحق سفارش کے وہ ہی ہیں جنہوں نے دنیا میں سب باتوں سے زیادہ سچی اور ٹھیک بات کہی تھی یعنی لا الٰہ الا اللّٰہ۔ (تفسیر عثمانی)

لَا یَمْلِکُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا کی تاکید ہے کیونکہ جب روح اور ملائکہ جو تمام مخلوق سے افضل اور اللہ کے سب سے مقرب ہیں اللہ کے سامنے بول نہیں سکتے تو دوسروں کا ذکر ہی کیا ہے۔

لَا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ یعنی کوئی نہ بول سکے گا سوا، اس کے جس کو بولنے یا شفاعت کرنے کی اللہ اجازت دے دے۔ یہ لَا یَتَکَلَّمُوْنَ کی ضمیر فاعل یا لَا یَمْلِکُوْنَ کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔ اول لفظی قرب کی وجہ سے زیادہ ظاہر ہے اور دوسرا معنی کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہے کیونکہ شفاعت کرنے اور بولنے کی اجازت روح و ملائکہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

مومن کو اجازت ہوگی:

اور وہ صحیح اور حق بات کہے اور اس پر اعتقاد بھی رکھتا ہو قول سے بطور کنایہ

اعتقاد مراد ہے کیونکہ اعتقاد کا اظہار قول سے ہی ہوتا ہے قَالَ کا عطف ہے اَذِنَ پر۔ یعنی دنیا میں اس نے اعتراف حق کیا ہوا اور جھوٹی بات نہ کہی ہو اور سب سے بڑا جھوٹ کفر ہے کیونکہ کسی تاویل سے بھی کفر کا سچ ہونا ممکن نہیں کفر کے بعد اہل بدعت کے قول کا درجہ ہے کیونکہ قرآن ان کی تکذیب کر رہا ہے۔ بعض لوگوں نے قول صواب لا الٰہ الا اللہ کو قرار دیا ہے۔ پس کفار کو تو بولنے اور معذرت پیش کرنے کی بھی اجازت نہ ہوگی اور اہل بدعت کو شفاعت کی اجازت نہ ہوگی (کیونکہ دنیا میں وہ شفاعت کے منکر تھے اس سے اشارہ معتزلہ کی طرف ہے) (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ
وہ دن ہے برحق پھر جو کوئی چاہے بنا رکھے
اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿٣٩﴾
اپنے رب کے پاس ٹھکانا ☆

اپنی نجات کا سامان کرلو:

یعنی وہ دن آنا تو ضروری ہے اب جو کوئی اپنی بہتری چاہے اس وقت کی تیاری کر رکھے۔ (تفسیر عثمانی)

مآب جائے رجوع اللہ کے قرب تک پہنچانے والا راستہ یعنی جو چاہے طاعات۔ اتباع انبیاء علیہم السلام اور مجذوب و سالک اہل ہدایت کی پیروی کر کے اللہ تعالیٰ کے قرب کا رستہ اختیار کرے فمن میں فاء سببی ہے کیونکہ اللہ تک پہنچنے والا راستہ اختیار کرنے کا سبب قیامت کا برحق ہونا ہے۔ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا کے متعلق ہے یا حال ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ
ہم نے خبر سنا دی تم کو ایک آفت نزدیک آنے والی کی جس دن
يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ
دیکھ لے گا آدمی جو آگے بھیجا اُسکے ہاتھوں نے

سب عمل سامنے آئیں گے:

یعنی سب اچھے برے اگلے پچھلے اعمال سامنے ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

اے کافرو ہم تم کو عذاب کے قریب سے ڈراتے ہیں۔ عذاب قریب سے مراد یا عذاب آخرت ہے کیونکہ جو آنے والا ہے وہ قریب ہی ہے یا عذاب قبر مراد ہے اور موت جوتا کے تسمہ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

ہر شخص قیامت کے دن اپنے اس عمل کو جو پہلے اس نے دنیا سے بھیجا ہوگا اپنے اعمالنامے میں دیکھے گا یا اس کا بدلہ آخرت میں دیکھے گا یا قبر میں دیکھے گا۔

نکتہ: اعمال کو بھیجنے کی نسبت ہاتھوں کی طرف اس لئے کی کہ عموماً کام ہاتھ سے ہی ہوتے ہیں یا یَدٌ (ہاتھ) سے بطور کنایہ قدرت اور قوت مراد ہے۔

قبر کی منزل:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخرت کی منزلوں میں قبر پہلی منزل ہے اگر اس سے بچ گیا تو اس کے بعد والی منزلیں آسان (ہو جاتی) ہیں اور اگر اس سے نہ بچا تو بعد والی منزلیں اس سے زیادہ سخت ہوتی ہیں۔

عذاب قبر:

عذاب قبر کے متعلق احادیث بہت ہیں صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کی طرف سے گزرے فرمایا کہ ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی چیز کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا ہے (بلکہ معمولی چیزوں کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے جس سے پرہیز رکھنا بہت آسان ہے) ایک تو پیشاب سے آڑ نہیں کرتا تھا اور مسلم کی روایت میں ہے کہ ایک تو پیشاب سے اپنا بچاؤ نہیں رکھتا تھا اور دوسرا چغلیاں کھاتا پھرتا تھا۔

قبر میں اعمال کا سامنا:

قبر کے اندر بعض اعمال کے سامنے آنے پر حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ والی لمبی حدیث دلالت کرتی ہے۔ اس حدیث میں مومن کے تذکرہ کے ذیل میں آیا ہے۔ پھر اس کے لئے وہاں تک کشادہ ہو جاتی ہے جہاں تک نظر پہنچے اور اس کے پاس ایک خوبصورت، خوش لباس، پاکیزہ خوشبو والا آدمی آتا ہے اور کہتا ہے کہ خوش کن چیزوں کی تجھے بشارت ہو یہ تیرا وہی دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا، مومن اس سے کہتا ہے کہ تیرا چہرہ تو بڑا خوبصورت چہرہ ہے تو خیر کو لے کر آ رہا ہے (تو کون ہے) وہ کہتا ہے کہ میں تیرا نیک عمل ہوں۔ کافر کے سلسلہ میں آیا ہے کہ اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے (اور اس کو زمین اتنا دباتی ہے) کہ اس کی پسلیاں ادھر ادھر نکل جاتی ہیں اور ایک بدرو، بدلباس، بدبودار آدمی اس کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تیرا عمل بد ہوں تجھے بشارت ہو ایسی چیز کی جو تیرے لئے ناگوار ہے۔ یہ تیرا وہی دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا وہ کہتا ہے تو کون ہے تیرا چہرہ تو بڑا بدصورت ہے تو بری چیز لے کر آیا وہ کہتا ہے کہ میں تیرا عمل خبیث ہوں۔ (الحدیث رواہ احمد) (تفسیر مظہری)

وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿٤٠﴾ ع
اور کہے گا کافر کسی طرح میں مٹی ہوتا ☆

کافر کی حسرت:

یعنی مٹی ہی رہتا آدمی نہ بنتا کہ آدمی بن کر ہی اس حساب و کتاب کی مصیبت میں گرفتار ہونا پڑا۔ (تفسیر عثمانی)

مسند عبد بن حمید اور بیہقی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قیامت کے روز جب حق تعالیٰ انسانوں کے اعمال کا حساب لے کر فارغ ہو جائے گا۔ اپنی شان عدل اور یوم حساب کے تقاضے کی تکمیل کے لئے حیوانات کا حساب لیا جائے گا۔ ان کے نیک و بد کا اور باہمی مظالم کا اور جب ان کا حساب ختم ہو جائے گا تو ان کو حکم ہو گا کہ تم خاک ہو جاؤ (کیونکہ حیوانات مکلف نہیں ہیں اور جنت و جہنم ان کے لئے نہیں جن و انس کے لئے ہے) تو وہ سب خاک اور نیست و نابود ہو جائیں گے اس وقت کافر تمنا کریں گے کہ اے کاش ہم بھی اسی طرح خاک ہو جاتے۔

بعض عارفین خاک ہونے کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ میں تواضع کر لیتا اور خدا کے سامنے سے جھکا لیتا۔ افسوس کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو ماننے سے انکار کیا اور تکبر اور غرور کے ساتھ سرکشی و نافرمانی کرتا رہا۔ (روح المعانی) (معارف کاندھلوی)

وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنتُ تُرَابًا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز ساری زمین ایک سطح مستوی ہو جائے گی جس میں انسان، جنات، زمین پر چلنے والے جانور اور وحشی جانور سب جمع کر دیئے جائیں گے اور جانوروں میں سے اگر کسی نے دوسرے پر ظلم دنیا میں کیا تھا تو اس سے اس کا انتقام دلوا دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر کسی سینگ والی بکری نے بے سینگ بکری کو مارا تھا تو آج اس کا بدلہ بھی دلوایا جائے گا، جب اس سے فراغت ہو گی تو سب جانوروں کو حکم ہو گا کہ مٹی ہو جاؤ وہ سب مٹی ہو جائیں گے۔ اس وقت کافر لوگ یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی جانور ہوتے اور اس وقت مٹی ہو جاتے، حساب کتاب اور جہنم کی سزا سے بچ جاتے نعوذ باللہ منہ، واللہ سبحانہ، تعالیٰ اعلم　　　(معارف مفتی اعظم)

وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنتُ تُرَابًا اور کافر کہے گا کاش میں خاک ہو جاتا حاکم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو زمین کو چمڑے کی طرح کھینچ دیا جائے گا اور اللہ ساری مخلوق یعنی انسان، جنات، چوپایوں اور وحشی جانوروں کو اٹھائے گا اس روز اللہ چوپایوں کا آپس میں بدلہ دلوا دے گا یہاں تک کہ منڈی بکری کا سینگ والی بکری سے بھی بدلہ دلوائے گا جب چوپایوں کے باہمی قصاص سے فارغ ہو جائے گا تو فرمائے گا خاک ہو جاؤ۔ (وہ خاک ہو جائیں گے) کافر یہ بات دیکھ کر کہے گا کاش میں بھی خاک ہو جاتا۔

دینوری نے یحییٰ بن جعدہ کی روایت سے اور ابن جریر رضی اللہ عنہ اور ابن حاتم رضی اللہ عنہ و بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے اور بغویؒ نے مقاتلؒ کا قول بھی اسی طرح نقل کیا ہے اس قول میں یہ الفاظ ہیں کہ کافر کہے گا کاش میں دنیا میں خنزیر کی شکل میں ہوتا اور آج خاک ہو جاتا۔

بغویؒ نے کہا کہ زیاد اور عبد اللہ بن ذکوان کا قول ہے جب اللہ لوگوں کا فیصلہ کر چکے گا جنتیوں کو جنت کی طرف اور دوزخیوں کو دوزخ کی طرف لے جانے کا حکم دے چکے گا تو دوسری انواع کے حیوانات اور مومن جنات کے متعلق فیصلہ صادر فرمائے گا اور وہ لوٹ کر خاک بن جائیں گے اس وقت کافر کہے گا کاش میں خاک ہو جاتا۔ ابن سلیم نے کہا کہ مومن جنات لوٹ کر خاک ہو جائیں گے۔

شیطان کی حسرت:

یہ بھی کہا گیا ہے کہ الکافر سے مراد ہے۔ ابلیس، کیونکہ اس نے آدم علیہ السلام کی تخلیق خاکی کی تحقیر کی تھی اور اپنے آتشی خلقت ہونے پر فخر کیا تھا اور جب قیامت کے دن آدم علیہ السلام اور ایمان دار اولاد آدم کے ثواب و رحمت کو دیکھے گا اور اپنی سزا اور سختی اس کو نظر آئے گی تو کہے گا کاش میں مٹی ہوتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ فرمائے گا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ جس نے میری مثل کسی کو قرار دیا اس کی کوئی عزت نہیں۔ (تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورۃ النبا ختم ہوئی

سورة النازعات

اس سورہ کو خواب میں پڑھنے والے کے دل سے بھی جملہ رنج وغم نکل جائیں گے۔(ابن سیرینؒ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے ﴾

وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ①

قسم ہے گھسیٹ لانیوالوں کی غوطہ لگا کر☆

موت کے فرشتوں کی قسم:

یعنی ان فرشتوں کی قسم جو کافر کی رگوں میں گھس کر اس کی جان سختی سے گھسیٹ کر نکالیں۔(تفسیر عثمانی)

سورۃ کے مضامین:

اس سورت میں اثبات رسالت بعث ونشر کے لئے دلائل وشواہد ذکر فرمائے گئے اور اسی کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ قیامت کے روز شدت و اضطراب کا نا قابل تصور عالم ہوگا اہل ایمان وتقویٰ کامیاب وکامران ہوں گے اور مجرمین ومشرکین کے لئے عذاب جہنم ہوگا۔

جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ کافر کی نزع روح کی شدت ایسی ہوتی ہے جیسے بھیگی ہوئی روئی میں کانٹوں دار سلاخ ڈال کر کھینچی جائے تو جس کیفیت کے ساتھ روئی کے اجزاء کو اپنے ساتھ لئے نکلے گی۔(معارف کاندھلوی)

یعنی قسم ہے نازعات اور ناشطات کی تم کو ضرور اٹھایا جائے گا اور بلاشبہ تم سے حساب فہمی ہوگی۔ محذوف جواب پر آئندہ آیت دلالت کر رہی ہے۔

النّٰزِعٰتِ غَرۡقًا سے مراد ہیں وہ ملائکہ جو کافروں کی جانیں پوری قوت اور شدت سے نکالتے ہیں غرقًا اسم ہے لیکن بجائے مصدر کے مستعمل ہے یعنی مفعول مطلق من غیر لفظہ ہے جیسے فَعَدْتُ جَلُوْسًا میں جَلُوْسًا مفعول مطلق میں غیر لفظہ ہے۔ اَغۡرَقَ النَّازِعُ فِی الْقَوْسِ کمان کھینچنے والے نے پوری قوت اور شدت کے ساتھ جہاں تک کھینچاؤ ممکن تھا کمان کو کھینچا۔ (تفسیر مظہری)

وَّالنّٰشِطٰتِ نَشۡطًا ②

اور بند چھڑا دینے والوں کی کھول کر☆

مؤمن کی موت کے فرشتے:

یعنی جو فرشتے مومن کے بدن سے جان کی گرہ کھول دیں پھر وہ اپنی خوشی سے عالم پاک کی طرف دوڑے جیسے کسی کے بند کھول دیئے جائیں تو آزاد ہو کر بھاگتا ہے۔ مگر یاد رہے کہ یہ ذکر روح کا ہے بدن کا نہیں نیک خوشی سے عالم قدس کی طرف دوڑتا ہے بد بھاگتا ہے پھر گھسیٹا جاتا ہے۔(تفسیر عثمانی)

مومن وکافر کا فرق:

کافر کو نزع روح کے وقت سے ہی برزخ کا عذاب سامنے آ جاتا ہے، اس کی روح اس سے گھبرا کر بدن میں چھپنا چاہتی ہے، فرشتے کھینچ کر نکالتے ہیں، اور مومن کی روح کے سامنے عالم برزخ کا ثواب، نعمتیں اور بشارتیں آتی ہیں تو اس کی روح تیزی سے ان کی طرف جانا چاہتی ہے۔(معارف مفتی اعظم)

النّٰشِطٰتِ نَشۡطًا سے مراد ہیں وہ ملائکہ جو اہل ایمان کی جانیں، آہستگی کے ساتھ نکالتے ہیں یہ لفظ نَشَطَ الدَّلْوَ ڈول کو آسانی کے ساتھ بغیر تکلیف کے نکال لیا کے محاورہ سے ماخوذ ہے۔ یا نَشَطَ الْحَبْلَ سے ماخوذ ہے یعنی رسی کو اتنا ڈھیلا چھوڑ دیا کہ وہ کھل گئی۔ درحقیقت مومن دنیوی مصائب میں گویا بندھا ہوا قیدی ہوتا ہے ملائکہ اس بندش سے اس کو رہا کرتے اور آسانی سے اس کی گرہ کھول دیتے ہیں جیسے اونٹ کا زانو بند کھول دیا جاتا ہے (اور اونٹ آزاد ہو جاتا ہے) حدیث میں مومنوں کی روح کے متعلق آتا ہے کہ گویا ان کا زانو بند کھول دیا گیا اور ان کو رہا کر دیا گیا۔

مومن کی موت:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب مومن دنیا سے انقطاع اور آخرت کی طرف توجہ کی حالت میں ہوتا ہے تو آفتاب جیسے گورے چہرے والے ملائکہ جنتی کفن اور بہشتی خوشبو لے کر آتے ہیں اور مد نظر کے فاصلے پر بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اے نفس مطمئنہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور خوشنودی کی طرف نکل کر چل فوراً جان اس طرح بہہ کر باہر آ جاتی ہے جیسے مشکیزہ سے پانی کا قطرہ ملک الموت اس کو لے لیتا ہے مگر وہ ملائکہ لمحہ بھر نفس کو ملک الموت کے پاس نہیں چھوڑتے اور خود اپنے قبضہ میں لے کر جنتی کفن اور بہشتی خوشبو میں رکھ دیتے ہیں اور اس سے پاکیزہ ترین مشک کی خوشبو نکلتی ہے۔(الحدیث)

کافر کی موت:

اور کافر بندہ جب دنیا سے قطع تعلق کی حالت میں ہوتا ہے تو آسمان سے سیاہ رو ملائکہ ٹاٹ لے کر اس کے پاس آتے ہیں اور بقدر حد نظر بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت اس کے سرہانے بیٹھ کر کہتا ہے اے نفس خبیث، اللہ کے غضب کی طرف نکل کر چل جان بدن کے اندر دوڑتی پھرتی ہے مگر ملک الموت اس کو اس طرح کھینچ کر نکالتا ہے جیسے خار دار تار

ترّاُون سے کھینچ کر نکالا جاتا ہے آخر اس کو پکڑ لیتا ہے اس کے بعد ملائکہ اس کو لمحہ بھر کی تاخیر کئے بغیر لے لیتے ہیں اور ٹاٹ میں لپیٹ دیتے ہیں اور اس سے مردار کی بو کی طرح بو نکلتی ہے۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ ملک الموت کافر کی جان کو رگوں سمیت کھینچتا ہے۔ (رواہ احمد)

کافر پر موت کی سختی:

بغویؒ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا ہے کہ ملک الموت کافر کی جان ہر بال اور ناخن اور قدموں کے تلوؤں کے نیچے سے کھینچتا ہے اور جسم کے اندر اس کو لوٹا دیتا ہے پھر کھینچتا ہے یہاں تک کہ جب وہ نکلنے کے قریب آ جاتی ہے تو پھر بدن کے اندر لوٹا دیتا ہے کافر کی جان کے ساتھ اس کا یہ عمل ہوتا ہے مقاتلؒ نے کہا کہ ملک الموت اور اس کے مددگار کافر کی جان کو اس طرح کھینچتے ہیں جیسے بہت زیادہ شاخ دار تار ترّاُون میں سے کھینچا جاتا ہے۔

نفس اور روح:

روایت مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم کثیف کی طرح نفس بھی ایک جسم ہے مگر لطیف جو بدن میں نفوذ کئے ہوئے ہے اور عناصر اربعہ کی پیداوار ہے اور روح وقلب اور دوسرے غیر مادی جواہر ممکنہ جن کا وجود عالم امر سے تعلق رکھتا ہے اس پر حاکم ہیں چونکہ جواہر مجردہ لطیف اور غیر مادی ہیں اس لئے کشف کی نگاہ سے ہی عالم مثال میں عرش کے اوپر ان کی ہستی دیکھی جاتی ہے (مادی نظر سے اس عالم خلق میں ان کو نہیں دیکھا جا سکتا)۔

صوفیہ کہتے ہیں کہ ارواح کے سامنے نفوس کو اللہ نے اپنے کمال قدرت سے اس طرح قائم کیا ہے جیسے سورج کے سامنے آئینہ جس طرح آئینہ سورج کی کرنوں سے بھر جاتا ہے اور جگمگا جاتا ہے اسی طرح روح کا فیضان نفس پر ہوتا ہے یا نفس چاند کی طرح اور روح سورج کی طرح ہے اور فلاسفہ کا قول ہے کہ چودھویں کا چاند سورج کی روشنی سے بھرپور روشن ہوتا ہے پس بدن کی زندگی تو نفس کی وجہ سے ہے اور نفس کی حیٰوۃ روح کی وجہ سے معیاد مقرر پر نفس کو بدن سے کھینچ لیا جاتا ہے لیکن (روح مجرد کا تعلق منقطع نہیں ہوتا) نفس کے کھنچ جانے سے روح نہیں کھنچتی۔

مومن کی روح کا استقبال:

اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ نفس کو بدن سے کھینچا جاتا ہے اور کفن و حنوط (ایک خاص خوشبو) میں رکھ کر اوپر چڑھایا جاتا ہے اور نفس مومن کیلئے ساتویں آسمان تک سب آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کے اعمال نامے کو علیین میں لکھ دو اور اس کو زمین کی طرف لوٹا دو، کیونکہ زمین سے ہی میں نے ان کو پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف لوٹاؤں گا اور اسی سے دوبارہ برآمد کروں گا۔

کافر کی روح:

کافر کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے بلکہ اس کی روح کو زمین پر پھینک دیا جاتا ہے۔

اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ روح (بمعنی نفس) ایک جسم ہے جو زمین سے بنا (یعنی عنصری ہے مادی ہے) اس تحقیق کی بناء پر اب عذاب قبر کے انکار کی گنجائش نہیں رہی جیسا کہ بعض اہل بدعت (معتزلہ) کا خیال ہے کہ بدن کثیف سے قطع نظر کر کے عذاب قبر ممکن نہیں۔ اہل حق کے نزدیک تو عذاب قبر بدن کثیف پر بھی ممکن ہے موت اس سے مانع نہیں، سورۂ بقرہ میں اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ﴿٣﴾ فَالسّٰبِقٰتِ
اور پیرنے والوں کی تیزی سے پھر آگے بڑھنے
سَبْقًا ﴿٤﴾
والوں کی دوڑ کر☆

تیزی سے روح کو لے جانا:

یعنی جو فرشتے روحوں کو لے کر زمین سے آسمان کی طرف اس سرعت وسہولت سے چلتے ہیں گویا بے روک ٹوک پانی پر تیر رہے ہیں۔ پھر ان ارواح کے باب میں جو خدا کا حکم ہوتا ہے اس کے امتثال کے لیے تیزی کے ساتھ دوڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تیسری صفت فرشتوں کی وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ہے، سبح کے لغوی معنی تیرنے کے آتے ہیں، مراد اس جگہ تیزی سے چلنا ہے جیسے دریا میں کوئی آڑ پہاڑ نہیں ہوتا، تیرنے والا کشتی وغیرہ میں چلنے والا سیدھا اپنی منزل مقصود کی طرف جاتا ہے فرشتوں کی یہ صفت کہ تیز جانے والے ہیں یہ بھی ملائکہ موت سے متعلق ہے کہ انسان کی روح قبض کرنے کے بعد اس کو تیزی سے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔

چوتھی صفت فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ہے مراد یہ ہے کہ پھر یہ روح جو فرشتوں کے قبضہ میں ہے اس کو اس کے اچھے یا برے ٹھکانے پر پہنچانے میں سبقت یا عجلت سے کام لیتے ہیں۔ مومن کی روح کو جنت کی ہواؤں اور نعمتوں کی جگہ میں کافر کی روح کو دوزخ کی ہواؤں اور عذابوں کی جگہ میں پہنچا دیتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

سیر کرنے والوں کی یا تیرنے والوں کی قسم۔ مجاہد رضی اللہ عنہ نے کہا اس سے مراد وہ ملائکہ ہیں جو تیزی کے ساتھ اعلیٰ گھوڑے کی رفتار کی طرح اترتے ہیں۔

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا اور سبقت کرنے والوں کی قسم مجاہد رضی اللہ عنہ نے کہا ان

سے مراد ہیں وہ ملائکہ جو نیکی اور عمل صالح میں انسان سے آگے ہیں مقاتل نے کہا کہ وہ ملائکہ مراد ہیں جو مومنوں کی روحوں کو جنت یعنی ثواب کی طرف لے جاتے ہیں میں کہتا ہوں اور کافروں کی روحوں کو عذاب کی طرف۔ یہ وہی ملائکہ ہیں جن کا ذکر حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں پہلے آ چکا ہے کہ ملک الموت جب نفس پر قبضہ کر لیتا ہے تو ملائکہ لمحہ بھر اس نفس کو اس کے پاس نہیں چھوڑتے بلکہ خود لے لیتے ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے کہ السابقات سے مراد ہیں اہل ایمان کے نفوس جو قبض کرنے والے ملائکہ کی جانب اللہ کی ملاقات کے شوق اور انتہائی خوشی میں بڑھتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝

پھر کام بنانے والوں کی حکم سے ☆

احکام الٰہی کی تدبیر وانتظام:

یعنی اس کے بعد ان ارواح کے متعلق ثواب کا حکم ہو یا عقاب کا دونوں امروں میں سے ہر امر کی تدبیر وانتظام کرتے ہیں یا مطلقاً وہ فرشتے مراد ہوں جو عالم تکوین کی تدبیر و انتظام پر مسلط ہیں والظاہر ہو الاول "وَالنّٰزِعٰتِ"، "وَالنّٰشِطٰتِ" وغیرہ کی تعیین میں بہت اقوال ہیں ہم نے مترجم رحمہ اللہ کے مذاق پر تقریر کر دی۔ (تفسیر عثمانی)

پانچویں صفت فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ہے۔ امر الٰہی کی تدبیر و تنفیذ کرنے والے یعنی ان ملائکہ موت کا آخر کام یہ ہوگا کہ جس روح کو ثواب اور راحت دینے کا حکم ہوگا اس کے لئے راحت کا سامان جمع کر دیں اور جس کو عذاب اور تکلیف میں ڈالنے کا حکم ہوگا اس کے لئے اس کا انتظام کر دیں۔

نفس اور روح

تفسیر مظہری کے حوالے سے نفس و روح کی حقیقت پر کچھ کلام سورۂ حجر کی آیت ۲۹ کے تحت گزر چکا ہے اسی سلسلے کی مزید تحقیق و توضیح بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پت قدس سرہ نے اس جگہ تحریر فرمائی ہے۔ جس سے بہت سے اشکالات حل ہو جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ حدیث مذکور سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نفس انسانی ایک جسم لطیف ہے۔ جو اس کے جسم کثیف کے اندر سمایا ہوا ہے۔ اور وہ انھیں مادی عناصر اربعہ سے بنا ہے۔ فلاسفہ اور اطباء اسی کو روح کہتے ہیں۔ مگر درحقیقت روح انسانی ایک جوہر مجرد اور لطیفہ ربانی ہے۔ جو اس طبعی روح کے ساتھ ایک خاص تعلق رکھتا ہے۔ اور طبعی روح یعنی نفس کی حیات خود اس لطیفہ ربانی پر موقوف ہے۔ گویا اس کو روح الروح کہہ سکتے ہیں۔ کہ جسم کی زندگی نفس سے ہے اور نفس کی زندگی روح سے وابستہ ہے اس روح مجرد اور لطیفہ ربانیہ کا تعلق اسی جسم لطیف یعنی نفس کے ساتھ کیا اور کس طرح کا ہے اس کی حقیقت کا علم ان کے پیدا کرنے والے کے سوا کسی کو نہیں۔ اور یہ جسم لطیف جس کا نام نفس ہے اس کو حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایک آئینہ کی مثال بنایا ہے جو آفتاب کے مقابل رکھ دیا گیا ہے۔ آفتاب کی روشنی اس میں ایسی آ جاتی ہے کہ یہ خود آفتاب کی طرح روشنی پھیلاتا ہے نفس انسانی اگر تعلیم وحی کے مطابق ریاضت و محنت کر لیتا ہے تو وہ بھی منور ہو جاتا ہے ورنہ وہ جسم کثیف کے خراب اثرات میں ملوث ہوتا ہے یہی جسم لطیف ہے جس کو فرشتے اوپر لے جاتے ہیں۔ اور پھر اعزاز کے ساتھ نیچے لاتے ہیں۔ جبکہ وہ منور ہو چکا ہو۔ ورنہ آسمان کے دروازے اس کے لیے نہیں کھلتے۔ اوپر ہی سے نیچے پٹخ دیا جاتا ہے۔

یہی جسم لطیف ہے جس کے بارے میں حدیث مذکور میں ہے۔ کہ ہم نے اس کو زمین کی مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اس میں لوٹائیں گے۔ پھر اسی سے دوبارہ پیدا کریں گے۔ یہی جسم لطیف اعمال صالحہ سے منور اور خوشبودار اور بنجر بن جاتا ہے۔ اور کفر و شرک سے بدبودار ہو جاتا ہے۔ باقی روح مجرد اس کا تعلق جسم کثیف کے ساتھ بواسطہ جسم لطیف یعنی نفس کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس پر موت طاری نہیں ہوتی قبر کا عذاب و ثواب بھی اسی جسم لطیف یعنی نفس سے وابستہ ہے اور اسی نفس کا تعلق قبر سے رہتا ہے اور روح مجرد علیین میں ہوتی ہے۔ اور روح مجرد اس کے ثواب و عذاب سے بالواسطہ متاثر ہوتی ہے۔ اس طرح روح کا قبر میں ہونا بمعنے نفس کے صحیح ہے اور اس کا عالم ارواح یا علیین میں رہنا بمعنے روح مجرد صحیح ہے اس سے ان روایات مختلفہ کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم (معارف مفتی اعظم)

اور امر کا انتظام کرنے والوں کی قسم۔ ابن ابی الدنیاؒ کی روایت سے حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے۔ کہ المدبرات سے وہ ملائکہ مراد ہیں جو مردوں کی روحیں قبض کرنے کے وقت ملک الموت کے ساتھ آتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو روح کو چڑھا کے لے جاتے ہیں۔ اور بعض میت کے لیے کی جانے والی دعا پر آمین کہتے ہیں۔ اور بعض میت کے لیے اس وقت تک دعاء مغفرت کرتے ہیں کہ اس پر نماز پڑھ لی جائے۔ اور اس کو قبر میں رکھ دیا جائے۔

چار منتظم فرشتے:

بغویؒ کی روایت میں ہے کہ ابن عباس کے نزدیک وہ ملائکہ مراد ہیں جن کے سپرد کچھ کام بحکم خدا کر دیئے گئے ہیں۔ اور ان کو انجام دینے کا طریقہ اللہ نے ان کو بتا دیا ہے۔

عبدالرحمن بن سابط نے کہا ہے کہ دنیا کا انتظام کرنے والے چار فرشتے ہیں۔ جبرئیل، میکائیل ملک الموت اور اسرافیل، جبرئیل کے سپرد ہوائیں اور فوجیں ہیں۔ یعنی اگر ملائکہ کو لے کر مومن مجاہدوں کی مدد کرنی ہوتی ہے۔ تو بحکم خدا الٰہی جنود ملائکہ کی قیادت جبرئیل کرتے ہیں۔ اور میکائیل کے سپرد

بارش اور زمین کی روئیدگی کی خدمت ہے۔ اور ملک الموت قبض ارواح پر مامور ہیں۔ اور اسرافیل اللہ کا امر لے کر ان کے پاس اترتے ہیں۔

ستاروں کی حرکت:

قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ المدبرات کے علاوہ باقی تینوں سے ستارے مراد لیے گئے ہیں۔ ستارے ایک افق سے دوسرے افق کی طرف زبردستی بغیر طبعی میلان کے جاتے ہیں اور ڈوب جاتے ہیں اور ایک افق سے دوسرے افق طبعی میلان کے ساتھ حرکت کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے کُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ اور باہم رفتار میں ستارے سبقت بھی کرتے ہیں۔ یہ قول ضعیف ہے۔

سالکین کے نفوس:

یا یوں کہو کہ بوقت سلوک (الی اللہ) سالکین کے نفوس فاضلہ کے یہ احوال ہوتے ہیں خواہشات نفس سے نکل کر عالم القدس کی طرف نشاط کے ساتھ جاتے پھر مراتب ترقی میں تیرتے پھر کمالات کی طرف بڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ مدبرات ہو جاتے ہیں۔ یعنی دوسرے لوگوں کو سلوک کی راہ بتانے والے۔

مجاہدین: یا مجاہدوں کے احوال مراد ہیں۔ کہ ان کے ہاتھ کمانوں کو قوت کے ساتھ کھینچتے پھر چستی کے ساتھ تیر پھینکتے ہیں اور وہ بحر و بر میں پھرتے ہیں۔ اور دشمن کا مقابلہ کی طرف بڑھتے ہیں۔ اور جنگی امور کا نظم کرتے ہیں۔

یا یہ مجاہدوں کے گھوڑوں کے اوصاف ہیں انکے گھوڑے اپنی لگاموں میں شوخیاں کرتے ہیں اور پسینہ میں ڈوبے ہوتے ہیں۔ دار السلام سے دار الکفر تک جاتے ہیں۔ رفتار میں ہمواری رکھتے ہیں گویا تیرتے ہیں دشمن کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ آخر میں امر فتح کا انتظام کرتے ہیں (تفسیر مظہری)

یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ﴿۶﴾
جس دن کانپے کانپنے والی ☆

صور پھونکنا:

یعنی زمین میں بھونچال آئے۔ پہلی دفعہ صور پھونکنے سے۔ (تفسیر عثمانی)

یوم ظرف زمان قسم کے جواب محذوف سے متعلق ہے یعنی تمہارا حشر و حساب اس روز ہوگا جس روز زمین و پہاڑ میں زلزلہ آئے گا۔ اس روز کی مقدار تو نفخہ اولیٰ کے وقت سے جنت و دوزخ کے داخلہ کے وقت تک پچاس ہزار برس ہوگی۔ مگر حشر و حساب اس دن کے کچھ حصہ میں ہوگا۔ انہی اجزاء وقتی کے لحاظ سے پورے دن کو یوم الحشر والحساب قرار دیا ہے۔ بیہقی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ ترجف الرجفة یعنی زمین اور پہاڑوں میں لرزہ آئے گا۔ الراجفة زلزلہ اس کے بعد دوسرا آئے گا۔ (تفسیر عثمانی)

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ؕ﴿۷﴾
اُس کے پیچھے آئے دوسری ☆

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی لگاتار (ایک کے بعد دیگرے) بھونچال چلے آئیں"، اور اکثر مفسرین نے "رادفة" سے صور کا دوسرا نفخہ مراد لیا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

دو مرتبہ صور پھونکنا:

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ۔ الراجفة سے مراد ہے پہلا نفخہ اور الرادفہ سے مراد دوسرا نفخہ بیہقی نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے۔ پہلے نفخہ کو رادفہ کہنے کی یہ وجہ ہے کہ پہلی بار صور پھونکنے سے زلزلہ آ جائے گا۔ اور ہر چیز ہل جائے گی۔ مخلوق مر جائے گی دوسرے نفخہ کو رادفہ اس لیے کہا کہ وہ پہلے کے پیچھے آئے گا۔

دونوں نفخوں کا درمیانی وقفہ:

ابن مبارک رضی اللہ عنہ نے حسن بصری کا مرسل قول نقل کیا ہے کہ دونوں نفخوں کے درمیان چالیس برس کی مدت ہوگی۔ اول نفخہ سے بحکم خدا ہر مرنے والی چیز مر جائے گی۔ حلیمیؒ نے بیان کیا ہے۔ کہ دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کی مدت ہونے پر تمام روایات متفق ہیں۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کی مدت ہوگی لوگوں نے پوچھا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کیا چالیس دن کی میعاد ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا مجھے اس سے انکار ہے لوگوں نے کہا تو پھر چالیس مہینے ہوں گے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اس بھی انکار ہے۔ پھر اللہ آسمان سے بارش برسائے گا جس سے لوگ قبروں سے ایسے اگیں گے۔ جیسے سبزی اگتی ہے۔ انسان کا ہر جز بدن فنا ہو جاتا ہے سوائے دم گزے کی ہڈی کے اسی سے قیامت کے دن جڑ کر دوبارہ تخلیق ہوگی ابن ابی داؤد نے البعث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایسی حدیث لکھی ہے اس روایت میں چالیس سال کا لفظ ہے لیکن اول روایت اس کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے۔ جس میں چالیس کا لفظ تو ہے لیکن سال کا لفظ نہیں ہے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ دونوں نفخوں کے درمیان وادی میں سیلاب آ جائے گا۔ اور دونوں کے درمیان چالیس دن یا مہینہ یا سال کا فاصلہ ہوگا۔ پھر ہر فنا شدہ انسان حیوان چوپایہ زمین سے اگے گا۔ اگر ان کے مرنے سے پہلے کوئی گذرنے والا انکی طرف سے گذرا ہو اور پھر جی اٹھنے کے بعد ادھر سے گذرے تو ان کو پہچان لے یعنی اول زندگی کی شکل وصورت میں اور دوسری زندگی کی شکل وصورت میں کوئی پھر روحوں کو چھوڑا جائے۔ اور بدنوں سے ملا دیا جائے گا۔ آیت وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ کے یہی معنی ہے۔ (تفسیر مظہری)

قُلُوْبٌ یَّوْمَىِٕذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ﴿۸﴾ اَبْصَارُهَا
کتنے دل اُس دن دھڑکتے ہیں اُن کی آنکھیں

خَاشِعَةٌ ⑨
جھک رہی ہیں ☆

گھبراہٹ اور پریشانی:

یعنی اضطراب اور گھبراہٹ سے دل دھڑکتے ہونگے اور ذلت وندامت کے مارے آنکھیں جھک رہی ہونگی۔ (تفسیر عثمانی)

يَقُولُونَ ءَاِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي
لوگ کہتے ہیں کیا ہم پھر آئیں گے اُلٹے
الْحَافِرَةِ ⑩ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا
پاؤں کیا جب ہم ہو چکیں ہڈیاں
نَّخِرَةً ⑪ قَالُوا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ⑫
کھوکھری بولے تو تو یہ پھر آنا ہے ٹوٹے کا ☆

آخرت کے بارہ میں کافروں کی رائے:

یعنی "قبر کے گڑھے میں پہنچ کر کیا پھر ہم الٹے پاؤں زندگی کی طرف واپس کیے جائینگے۔ ہم تو نہیں سمجھ سکتے کہ کھوکھلی ہڈیوں میں دوبارہ جان پڑ جائیگی ایسا ہوا تو یہ صورت ہمارے لیے بڑے ٹوٹے اور خسارہ کی ہوگی۔ کیونکہ ہم نے اس زندگی کے لیے کوئی سامان نہیں کیا" یہ تمسخر سے کہتے تھے۔ یعنی مسلمان ہماری نسبت ایسا سمجھتے ہیں حالانکہ وہاں مرنے کے بعد سرے سے دوسری زندگی ہی نہیں' نقصان اور خسارہ کا کیا ذکر۔ (تفسیر عثمانی)

سائنسی تحقیقات نے اشکال ختم کر دیا:

اس سائنسی دور میں اگر فضا میں منتشر شدہ آوازیں ضبط کی جاتیں تو یہ بات مادہ پرست انسان تسلیم کرنے سے کیوں تردد کرتا ہے کہ پروردگار عالم اپنی قدرت کاملہ سے انسانی اجسام اور ان کے پراگندہ اجزاء حتی کہ مٹی اور پانی میں تحلیل شدہ گوشت پوست کو بھی جمع کر کے دوبارہ مبعوث فرمادے گا۔

عالم جسمانی کی حقیقت اور اس کی موت وحیات:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ "تقریر دلپذیر" میں عالم جسمانی کی حقیقت اور اس کی حیات وممات پر ایک تفصیلی بحث کے دوران فرماتے ہیں کہ:

"عالم جسمانی بھی انسان کی طرح مختلف اجزاء سے مرکب ہے اور جس طرح انسان کی ہیئت ترکیبی اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ اس کی حیات مستعار محض ہے اور چندروزہ ہے اور اس کے بعد موت ہے اسی طرح اس عالم پر بھی ایک وقت موت کا آنے والا ہے اور جیسے انسان پر مختلف دور گذرتے ہیں طفولیت وشباب اور پیری اور پھر موت اسی طرح عالم کے لیے بھی طفولیت و شباب اور بڑھاپے کا زمانہ ہے اس کے بعد اس کو فنا ہے اور یہ قیام قیامت کے وقت ہے اس وقت مجموعہ عالم کا قبض روح ہوگا اور اس کی حیات ختم ہو جائے گی آسمان وزمین پھٹ جائیں گے۔ اور عالم ہو جائے گا"

آسمان اس عالم کا سر ہے اور آگ سینہ ہے اور ہوا پیٹ ہے اور زمین اس کے پاؤں ہیں اور پانی بمنزلہ ہاتھ کے ہے اور شمس وقمر بمنزلہ آنکھ کے ہیں۔ اور پہاڑ بمنزلہ ہڈیوں کے اور اشجار بمنزلہ بال اور روئیں کے ہیں۔

غرض جیسے ایک انسانی جسم پر موت وفناء کا طاری ہونا نظام قدرت ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے نظام کائنات میں بھی یہ مقدر فرمادیا ہے کہ ایک وقت آئے گا۔ کہ یہ تمام عالم دنیا بھی انسانی جسم کی طرح امراض، آفات ومصائب اور بلاؤں میں مبتلا ہوتے ہوتے زوال وفناء کا راستہ اختیار کرے گا۔ اور اسرافیل علیہ السلام کا نفخ صور عالم دنیا کے اس طویل وعریض اور وسیع جسد عنصری کو درہم برہم کردے گا۔

امام رازی نے فرمایا حق یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ حشر جسمانی کا انکار جمع ہونا ممکن نہیں ان ہی دلائل ونصوص کے پیش نظر جس کو قرآن کریم نے بیان کیا ہے اور علی ہذا القیاس قدم عالم کا قول جس کے فلسفے ہیں حشر جسمانی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔

بہر صورت مردے زندہ ہوں گے۔

علامہ سفارینی رحمۃ اللہ علیہ بعث جسمانی کے مسئلہ پر بحث کے دوران عکرمہ رحمۃ اللہ سے نقل کرتے ہیں۔ جو لوگ سمندر میں غرق ہو جائیں۔ اور ان کے گوشت پوست سمندر کی مچھلیاں کھا جائیں اور انکی ہڈیوں کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہے پھر ان ہڈیوں کو سمندر کی موجیں ساحل پر ڈال دیں۔ اور پھر کچھ عرصہ تک پڑی رہیں۔ یہاں تک کہ بوسیدہ ہوگئیں اور پھر اس جگہ پر اونٹوں کا گذر ہوا وہ اس کو کھالیں اور مینگنی کردیں۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد کوئی قافلہ اس جگہ آکر ٹھہرے اور ان مینگنوں کو قافلہ کھانا پکانے کے لیے جلالے تاکہ یہ آگ بجھ کر راکھ ہو جائے اور اس راکھ کو ہوائیں اڑا کر دور دراز کے میدانوں تک لے جائیں تو بھی نفخ صور ہوتے ہی یہ سب مردے جن کی ہڈیوں کی راکھ اس طرح منتشر و پراگندہ ہو چکی ہے اٹھ کھڑے ہوں گے اور ان میں اور قبروں سے ان مردوں کے اٹھنے میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ جن کے ابدان قبور میں ابھی تک صحیح وسالم ہیں۔

ایک آدمی کی راکھ کا زندہ ہونا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک ایسے شخص نے جس نے کوئی خیر کا کام نہیں کیا تھا۔ اپنے گھر والوں کو بطور وصیت یہ کہا...... اور ایک روایت میں ہے کہ ایسے شخص نے کہ اس نے

اپنے اوپر بہت ہی تعدی کی تھی جب وہ مرنے لگا تو اس نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی کہ جب وہ مر جائے پہلے اس کو جلا دینا پھر اس کی راکھ نصف تو ہوا میں اڑا دینا۔ اور نصف سمندر میں بہا دینا اور کہا کہ خدا کی قسم اگر خدا مجھ پر قادر ہو گیا تو ایسا عذاب دے گا کہ جہان والوں میں کسی کو ایسا عذاب نہ دے گا۔

الغرض وہ شخص جب مر گیا تو اس کے حکم کے مطابق گھر والوں نے معاملہ کیا لیکن اللہ رب العزت نے خشکی کو حکم دیا کہ اس کی راکھ کی جو اجزاء ہیں وہ جمع کر لے چنانچہ اس نے جو کچھ اس میں تھا جمع کر لیا پھر سمندر کو حکم دیا کہ جو کچھ اس میں ہے وہ جمع کر لے اس نے وہ بھی راکھ کے تمام اجزاء جمع کر لیے جو سمندر میں تھے۔ اس طرح رب العزت نے اس کو زندہ کر اٹھایا اور فرمایا کہ اے بندے تو نے یہ کس لیے کیا عرض کیا تیرے خوف سے تو حق تعالیٰ شانہ اس کی خشیت اور عذاب خداوندی کی ہیبت پر مغفرت فرما دے گا۔

(صحیح بخاری مسلم بحوالہ مشکوۃ المصابیح) (معارف کاندھلوی)

معاد جسمانی اور حشر ابدان پر عقلی شواہد:

علامۃ الدہر شیخ حسین آفندیؒ مسئلہ بعث و معاد اور حشر جسمانی پر محققانہ کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں مسئلہ بعث اور آخرت مقتضائے عقل کے عین مطابق اور سراپا حکمت و مصلحت ہے کیونکہ آخرت کا خوف اور جزاء و سزا کی فکر ہی انسانی زندگی اور عالم کو برے اعمال و افعال ظلم و تشدد خیانت و مکر و فریب فواحش و منکرات سے بچانے والی چیز ہے اگر انسانی اذہان اس فکر و خوف سے خالی ہو جائیں تو پھر نہ قتل و خون ریزی میں کسی کو تامل ہوگا۔ نہ اعمال اور معاشرت کے مفاسد اور تباہیوں کی کسی کو فکر ہوگی۔ حتی کہ اگر کوئی بڑی سے بڑی طاقتور حکومت اور زائد سے زائد باوقار بادشاہ بھی ہو تو تب بھی مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے افراد صرف اسی حد تک اپنے جرائم روک سکتے ہیں جہاں تک ان پر حکومت کے نگراں حکام قائم و مسلط ہیں۔ ایسے افراد جس کسی بھی مرحلہ پر گرفت اور نگرانی کی بندشیں ذرا بھی ڈھیلی دیکھیں گے۔ فوراً اسی ظلم و ستم قتل و غارت گری اور مجرمانہ روش کو اختیار کریں گے رات کی تاریکیوں خلوتوں اور ایسے بیابانوں میں جہاں اس پر کسی انسان کی نگاہ نہ پڑ سکتی ہو بے راہ روی سے باز رکھنے کی طاقت صرف خداوندی اور یوم الحساب آخرت کا اندیشہ ہی ہے۔ علی ہذا القیاس محاسن افعال اور بھلائیوں کا حصول بھی اسی پر موقوف ہے۔ (معارف کاندھلوی)

شان نزول: سعید بن منصور نے محمد بن کعب کا قول نقل کیا ہے کہ جب آیت يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ نازل ہوئی تو کفار قریش کہنے لگے کہ اگر مرنے کے بعد ہم دوبارہ زندگی کی طرف لوٹے تو بڑے گھاٹے میں رہیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

چونکہ ہم دوسری زندگی کی تکذیب کرتے ہیں اگر دوسری زندگی ہوگئی تو لامحالہ ہم کو گھاٹا اٹھانا پڑے گا۔ کفار کا یہ کلام بطور استہزاء تھا۔ (تفسیر مظہری)

فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ فَإِذَا
سو وہ تو صرف ایک جھڑکی ہے پھر تبھی
هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿۱۴﴾
وہ آ رہیں میدان میں ☆

اللہ کے لئے یہ کام کوئی مشکل نہیں:

یعنی لوگ اسے بہت مشکل کام سمجھ رہے ہیں حالانکہ اللہ کے ہاں یہ سب کام دم بھر میں ہو جائینگے جہاں ایک ڈانٹ پلائی یعنی صور پھونکا اسی وقت بلا توقف سب اگلے پچھلے میدان حشر میں کھڑے دکھائی دینگے آگے اس کی ا یک مختصری جھڑکی اور معمولی سی ڈانٹ کا ذکر کیا جاتا ہے جو دنیا میں ایک بڑے متکبر کو دی گئی تھی یا یوں کہیے کہ ان منکرین کو سنایا جا رہا ہے کہ تم سے پہلے بڑے زبردست منکروں کا کیا حشر ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

بس ایک جھڑکی میں سب مردے زندہ:

یعنی نفخہ دوم تو بس ایک جھڑکی ہوگا۔ صحاح میں ہے کہ زجر کا معنی ہے آواز نکال دینا زجرتہ فانزجر میں نے اس کو جھڑک کر نکال دیا وہ نکل گیا۔ اس آیت کا یہی مفہوم ہے۔ صور میں جو آواز پھونکی جائے گی اس سے لوگ قبروں سے باہر نکال دیئے جائیں گے۔ لفظ زجر کا استعمال کبھی صرف آواز میں ہوتا ہے۔ جیسے والزاجرات زجرا میں وہ ملائکہ مراد ہیں جو ابر کو ڈانٹ کی آواز سے ہنکاتے ہیں (نکالتے نہیں ہیں) کبھی صرف نکال دینے کا معنی مراد ہوتا ہے جیسے وَازْدُجِرَ یعنی اس نے نکال دیا روک دیا۔ (تفسیر مظہری)

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ﴿۱۵﴾
کیا پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی ☆

یہ قصہ کئی جگہ مفصل گذر چکا۔

إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ
جب پکارا اُس کو اُسکے رب نے پاک میدان میں
طُوًى ﴿۱۶﴾
جس کا نام طویٰ ہے ☆

یعنی کوہ طور کے پاس۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۷﴾

جا فرعون کے پاس اُس نے سر اُٹھایا

فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾

پھر کہہ تیرا جی چاہتا ہے کہ تو سنور جائے

وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾

اور راہ بتلاؤں تجھ کو تیرے رب کی طرف پھر تجھ کو ڈر ہو ☆

موسیٰؑ کی فرعون کو دعوت:

یعنی اگر تجھے سنورنے کی خواہش ہو تو میں اللہ کے حکم سے سنوار سکتا ہوں اور ایسی راہ بتا سکتا ہوں جس پر چلنے سے تیرے دل میں اللہ کا خوف اور اس کی کامل معرفت جم جائے کیونکہ خوف کا ہونا بدون کمال معرفت کے متصور نہیں۔ معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کی بعثت کا مقصد فرعون کی اصلاح بھی تھی محض بنی اسرائیل کو قید سے چھڑانا ہی نہ تھا۔ (تفسیر عثمانی)

اور اس سے کہو کہ کیا تجھے شرک سے پاک ہو جانے کی خواہش ہے تزکی تو شرک سے پاک ہو جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو لا اله الا الله کی شہادت دے کیا تجھے اس طرف رغبت ہے۔

اور کیا تجھے اس بات کی خواہش ہے کہ میں تجھے اللہ کی معرفت عبادت اور توحید کا راستہ بتاؤں۔ اور نتیجہ میں تو اس کے عذاب سے ڈرنے لگے۔ یعنی فرائض کو ادا کرے اور ممنوعات سے اجتناب رکھے۔ فتخشی میں فاء سببی ہے خشیت الٰہی (خوف خدا) نتیجہ معرفت ہے اور معرفت ثمرہ ہدایت (لہٰذا خوف خدا نتیجہ ہدایت ہے)۔ (تفسیر مظہری)

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾

پھر دکھلائی اُس کو وہ بڑی نشانی ☆

موسیٰؑ کا معجزہ: یعنی وہاں پہنچ کر اللہ کا پیغام پہنچایا اور اس پر حجت تمام کرنے کے لیے وہ سب سے بڑا معجزہ عصا کے اژدہا بننے کا دکھلایا۔

فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾

پھر جھٹلایا اُس نے اور نہ مانا پھر چلا پیٹھ پھیر کر تلاش کرتا ہوا ☆

فرعون کی سرکشی:

یعنی وہ ملعون ماننے والا کہاں تھا اس فکر میں چلا کہ لوگوں کو جمع کرے اور جادوگروں کو تلاش کر کے بلوائے کہ وہ موسیٰ کے معجزات کا مقابلہ کریں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس پہنچے اور اس کو اپنی سچائی کی بڑی نشانی دکھائی یعنی وہ کھلے کھلے عظیم الشان معجزے دکھائے۔ جو واضح طور پر موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کو بتا رہے تھے۔ لیکن فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا قرار دیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی صداقت معجزات سے ظاہر ہونے کے بعد بھی فرعون نے اللہ اور اس کے پیغمبر کی نافرمانی کی۔ اَلْاٰيَةَ الْكُبْرٰى سے مراد ہیں معجزات۔ لیکن تمام معجزات چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کو ظاہر کرنے میں ایک معجزہ کی طرح تھے۔ سب میں یکسانیت تھی گویا سب ایک ہی تھے۔ (تفسیر مظہری)

فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ

پھر سب کو جمع کیا پھر پکارا تو کہا میں ہوں رب

الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾

تمہارا سب سے اُوپر ☆

یعنی سب سے بڑا رب تو میں ہوں۔ یہ موسیٰ کس کا بھیجا ہوا آیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ نادی کا بیان ہے کہ یعنی فرعون نے نداء میں کہا کہ میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں۔ مجھ سے اوپر تمہارا کوئی رب نہیں یا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ تمہارے کرتا دھرتا ہیں ان سب سے بڑا میں ہوں یہ بھی کہا گیا کہ اس کلام سے فرعون کی مراد یہ تھی کہ یہ بت دیوتا ہیں اور میں ان کا بھی دیوتا ہوں۔ اور تمہارا بھی۔ (تفسیر مظہری)

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ

پھر پکڑا اُس کو اللہ نے سزا میں آخرت کی

وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾

اور دنیا کی ☆

فرعون کی ہلاکت:

یعنی یہاں پانی میں ڈوبا، وہاں آگ میں جلے گا۔ (تفسیر عثمانی)

نَكَالٌ کا معنی:

لغت میں نکال کا معنی ہے ضعف اور عجز یا ایسی چیز جو کسی کو کسی کام سے روک دے۔ اور عاجز بنا دے۔ چوپایہ کے پاؤں میں بندھی رسی اور لگام کے دہانہ کو بھی

نکل اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ چوپائے کو روک دیتے ہیں آزاد نہیں رہنے دیتے۔

عبرت انگیز سزا:

فرعون کی گرفت آخرت میں بھی نکال تھی اور دنیا میں۔ آخرت میں دوزخ میں جلنا اور دنیا میں ڈبونا دونوں عبرت آفریں سزائیں تھیں حسن بصریؒ اور قتادہؒ کا قول ہے دوسری صورت میں یہ مطلب ہوگا۔ کہ پہلے لفظ اور دوسرے لفظ کی وجہ سے اللہ نے اس کو عبرت آفریں سزا دی۔ ایک کلمہ تھا۔ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى اور دوسرا کلمہ تھا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِىْ ان دونوں لفظوں میں چالیس برس کا فصل تھا۔ مجاہد رضی اللہ عنہ اور جماعت علما کا یہی قول ہے۔

اہل تقوی کے لیے تو نصیحت کی ضرورت نہیں۔ (مظہری)

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۲۶﴾

بیشک اس میں سوچنے کی جگہ ہے جس کے دل میں ڈر ہے ☆

عبرت پکڑو:

یعنی اس قصہ میں بہت سی باتیں سوچنے اور عبرت پکڑنے کی ہیں۔ بشرطیکہ آدمی کے دل میں تھوڑا بہت ڈر ہو۔ (ربط) موسیٰ اور فرعون کا قصہ درمیان میں استطر اداً آ گیا تھا۔ آگے پھر اسی مضمون قیامت کی طرف عود کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ

کیا تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا ☆

تمہاری پیدائش آسمان سے مشکل نہیں:

یعنی تمہارا پیدا کرنا (اور وہ بھی ایک مرتبہ پیدا کر چکنے کے بعد) آسمان وزمین اور پہاڑوں کے پیدا کرنے سے زیادہ مشکل تو نہیں۔ جب اتنی بڑی بڑی چیزوں کا خالق اس کو مانتے ہو پھر اپنی دوبارہ پیدائش میں کیوں تردد ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی آسمان کی تخلیق زیادہ سخت ہے آسمان سے مراد ہے آسمان مع ان تمام چیزوں کے جو اس کے اندر ہیں کیونکہ مقام تفصیل میں زمین اور پہاڑوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ آسمان اور اس کی موجودات کی تخلیق تمہاری تخلیق سے زیادہ سخت ہے تم کائنات سماوی کا جز ہو اور جز کی تخلیق کل کی تخلیق سے بداہتہً آسان ہوتی ہے پھر دوباری تخلیق تو خلق اول سے سہل ہی ہے۔

پوری دلیل اس طرح بنتی ہے کہ اللہ نے آسمان بنایا جس کی تخلیق تمہاری تخلیق سے زیادہ دشوار ہے۔ جو اس کی تخلیق پر قدرت رکھتا ہے وہ ایسی چیز کو جو آسمان سے کمزور ہے دوبارہ بنانے پر بدرجہ اولیٰ قدرت رکھتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

بَنٰهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا ﴿۲۸﴾

اُس نے اُس کو بنا لیا' اُونچا کیا اُس کا اُبھار پھر اُس کو برابر کیا

وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ﴿۲۹﴾

اور اندھیری کی رات اُس کی اور کھول نکالی اُس کی دھوپ ☆

نہ آسمان کی خلقت میں غور کرو:

یعنی آسمان کو خیال کرو کس قدر اونچا' کتنا مضبوط' کیسا صاف ہموار' اور کس درجہ مرتب و منظم ہے کس قدر زبردست انتظام اور باقاعدگی کے ساتھ اس کے سورج کی رفتار سے رات اور دن کا سلسلہ قائم کیا ہے۔ رات کی اندھیری میں اس کا سماں کچھ اور ہے اور دن کے اجالے میں ایک دوسری ہی شان نظر آتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَسَوّٰهَا پھر اس کو ہموار بلا شگاف کے بنایا۔

وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا اور آسمان سے پیدا ہونے والی رات کو تاریک بنایا غطش الیل رات اندھیری ہوگئی۔ آسمان کی طرف رات کی اضافت اس لیے کی کہ سورج آسمان پر ہے اور سورج کی حرکت سے رات پیدا ہوتی ہے۔

وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا اور آسمان کے سورج کی روشنی نمودار کی اور ایک دن کو اس سے پیدا کیا۔

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ﴿۳۰﴾

اور زمین کو اُس کے پیچھے صاف بچھا دیا ☆

زمین کا بچھانا:

آسمان اور زمین میں پہلے کون پیدا کیا گیا؟ اس کے متعلق ہم پیشتر کسی جگہ کلام کر چکے ہیں غالباً سورہ "فصلت" میں (تنبیہ) "دحی" کے معنی راغب نے کسی چیز کو اس کے مقر (جائے قرار) سے ہٹا دینے کے لکھے ہیں تو شاید اس لفظ میں ادھر اشارہ ہو جو آجکل کی تحقیق ہے کہ زمین اصل میں کسی بڑے جرم سماوی کا ایک حصہ ہے جو اس سے الگ ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

پہاڑوں کا زمین میں گاڑنا:

حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ میں بروایت احمد بن حنبل اس طرح مذکور ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ رب العزت نے زمین کو پیدا کیا تو زمین لرزنے لگی اللہ نے پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا جس سے زمین ٹھہر گئی۔ فرشتوں کو پہاڑ کی شدت سختی پر تعجب ہوا اور پوچھنے لگے اے پروردگار کیا تیری مخلوق میں پہاڑوں سے بھی زیادہ کوئی طاقتور چیز ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ

ہاں لوہا ہے تو لوہے کی شدت پر فرشتوں نے پوچھا کہ اے رب اس سے زیادہ بھی کوئی طاقتور چیز تیری مخلوق میں شدید ہے۔ فرمایا ہاں اور آگ پیدا کر کے دکھا دی فرشتوں نے اس پر تعجب کرتے ہوئے پوچھا اے رب کیا اس سے بھی طاقتور چیز ہے جواب میں فرمایا ہاں اور پانی پیدا کر دیا۔ اس پر وہی سوال ہوا تو جواب دیا گیا ہاں اس سے بھی بڑھ کر طاقتور چیز وہ ہوا ہے فرشتوں نے اس پر تعجب کرتے ہوئے عرض کیا یا رب کیا اس سے بھی بڑھ کر کوئی طاقتور چیز ہے۔ جواب دیا **نعم ابن آدم تیصدق بمینیه لا تعلم شماله ما تنفق بمینیه**۔ کہ اس سے طاقتور چیز انسان کا وہ صدقہ ہے جو اس طرح دے کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ کہ دائیں نے کیا دیا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا بغیر اس کے کہ آسمان کی تخلیق سے پہلے زمین پھیلائی جائے اللہ نے زمین کو پیدا کر دیا پھر براہ راست آسمان کو بنانے کا ارادہ کیا اور دو روز میں سات آسمانوں کو ٹھیک بنا دیا پھر دو روز میں زمین کو بچھایا غرض زمین مع اپنی موجودات کے چار روز میں بنائی گئی۔

یعنی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کو ظاہر کر رہا ہے تفسیر اول چونکہ سلف کا کلام سے ماخوذ ہے اس لیے اولیٰ ہے۔ (تفسیر مظہری)

أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا ﴿٣١﴾
باہر نکالا زمین سے اُس کا پانی اور چارا ☆

یعنی اور چشمے جاری کئے پھر پانی سے سبزہ پیدا کیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا ﴿٣٢﴾
اور پہاڑوں کو قائم کر دیا ☆

زمین کی مضبوطی:

جو اپنی جگہ سے جنبش نہیں کھاتے اور زمین کو بھی بعض خاص قسم کے اضطرابات سے محفوظ رکھنے والے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ ہلنے لگی پروردگار نے پہاڑوں کو پیدا کر کے زمین پر گاڑ دیا۔ جس سے وہ ٹھہر گئی فرشتوں کو اس پر سخت تعجب ہوا۔ اور پوچھنے لگے۔ خدایا تیری مخلوق میں ان پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت چیز کوئی اور ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں لوہا پوچھا اس سے بھی زیادہ سخت فرمایا آگ، پوچھا اس سے بھی زیادہ سخت فرمایا ہوا۔ پوچھا پروردگار کیا تیری مخلوق میں اس سے بھی زیادہ بھاری کوئی چیز ہے؟ فرمایا کہ ہاں ہے وہ ابن آدم ہے جو اپنے دائیں ہاتھ سے خرچ کرتا ہے اس کی خبر بائیں ہاتھ کو بھی نہیں ہوتی۔

ابن جریر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ جب زمین کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو وہ کانپنے لگی اور کہنے لگی مجھ پر تو آدم کو اور ان کی اولاد کو پیدا کرنے والا ہے جو اپنی گندگی مجھ پر ڈالیں گے، اور میری پیٹھ پر تیری نافرمانیاں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو گاڑ کر زمین کو ٹھہرا دیا ہے۔ بہت سے پہاڑ تم دیکھ رہے ہو اور بہت سے تمہاری نگاہوں سے اوجھل ہیں زمین کا پہاڑوں کے بعد سکون حاصل کرنا بالکل ایسا ہی تھا جیسے اونٹ کو ذبح کرتے ہی اس کا گوشت تھرکتا رہتا ہے پھر کچھ دیر بعد ٹھہر جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾
کام چلانے کو تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے ☆

یہ سب تمہارے لئے ہے شکر ادا کرو:

یعنی یہ انتظام نہ ہو تو تمہارا اور تمہارے جانوروں کا کام کیسے چلے ان تمام اشیاء کا پیدا کرنا تمہاری حاجت روائی اور راحت رسانی کے لیے ہے۔ چاہیے کہ اس منعم حقیقی کا شکر ادا کرتے رہو۔ اور سمجھو کہ جس قادر مطلق اور حکیم برحق نے ایسے زبردست انتظامات کیے ہیں کیا وہ تمہاری بوسیدہ ہڈیوں میں روح نہیں پھونک سکتا۔ لازم ہے کہ آدمی اس کی قدرت کا اقرار کرے اور اس کی نعمتوں کی شکر گزاری میں لگے ورنہ جب وہ بڑا ہنگامہ قیامت کا آئیگا اور سب کیا کرایا سامنے ہو گا سخت پچھتانا پڑیگا۔ (تفسیر عثمانی)

اے لوگو! اللہ نے زمین بچھائی اور پہاڑوں کی میخیں قائم کیں تم کو اور تمہارے چوپائیوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے۔ (تفسیر مظہری)

فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَىٰ ﴿٣٤﴾
پھر جب آئے وہ بڑا ہنگامہ
يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ مَا سَعَىٰ ﴿٣٥﴾
جس دن کہ یاد کریگا آدمی جو اُس نے کمایا
وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَن يَرَىٰ ﴿٣٦﴾
اور نکال ظاہر کر دیں دوزخ کو جو چاہے دیکھے

دوزخ کا نظارہ:

یعنی دوزخ کو اس طرح منظر عام پر لائینگے کہ ہر دیکھنے والا دیکھ سکے گا کوئی آڑ پہاڑ درمیان میں حائل نہ رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جب اس کائنات کی ایجاد سے اللہ کا قادر ہونا ظاہر ہو گیا اور

قیامت کا امکان ہو گیا اور پھر اللہ کے خبر دینے سے حشر کا ثبوت بھی ہو چکا تو اب الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى کا لفظ بول کر اللہ نے قیامت آنے کا وقت اور اس کے احوال بتائے یہ لفظ اس لیے اختیار کیا کہ (تفصیل بیان کرنے سے پہلے) عنوان سے ہی قیامت کے کچھ احوال معلوم ہو جائیں لغت میں طم کا معنی ہے غلبہ۔ سمندر کو طم کہنے کی وجہ یہی ہے کہ وہ ہر چیز پر غالب ہے۔ عرب نا قابل برداشت مصیبت کو الطَّآمَّةُ کہتے ہیں قیامت کو طامة کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ حادثہ قیامت تمام حوادث و مصائب پر غالب ہے (سب سے بڑی مصیبت ہے) الکبریٰ۔ الطَّآمَّةُ کی صفت تاکیدی ہے اور اذا ظرفیہ ہے (جس وقت) لیکن معنی شرط کو متضمن ہے۔ (جب بھی)

مطلب یہ ہے کہ جب قیامت آئے گی یعنی وہ دن آئے گا کہ انسان انتہا غفلت یا امتدادِ زمانہ کے سبب اپنے کئے ہوئے اعمال کو اپنے اعمال نامہ میں دیکھ کر یاد کرے گا۔

مقاتلؒ نے کہا کہ دوزخ کا سرپوش ہٹا دیا جائیگا کافر اس میں داخل ہو جائینگے اور مومن اس کی پشت پر قائم شدہ پل صراط سے گزر جائیں گے یہ مراد ہے کہ دیکھنے والے کافروں کے سامنے دوزخ نمایاں ہو جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾

سو جس نے کی ہو شرارت اور بہتر سمجھا ہو دنیا کا جینا ☆

دنیا پرست لوگ:

یعنی دنیا کو آخرت پر ترجیح دی اسے بہتر سمجھ کر اختیار کیا اور اسے بھلا دیا۔ (تفسیر عثمانی)

پس جو معصیت میں حد سے آگے بڑھ گیا ہے یہاں تک کہ کافر ہو گیا ہے اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ کر دنیوی زندگی کو آخرت پر اس نے ترجیح دے رکھی ہے اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ ابو موسیٰ کی روایت ہے جو اپنی دنیا سے محبت کرے گا وہ اپنی آخرت کو پیچھے ڈال دے گا اور جو اپنی آخرت سے محبت کرے گا وہ اپنی دنیا کو پیچھے کر دے گا۔ پس تم باقی کو فانی کے مقابلہ میں اختیار کرو۔ (احمد و بیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دوزخ خواہشات سے ڈھانکی ہوئی ہے۔ (اور مسلم کی روایت میں گھری ہوئی ہے) اور جنت نامرغوب اشیا سے ڈھانکی ہوئی یا گھری ہوئی ہے۔ یہ بھی حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ سوائے ذکر اللہ اور اس کے متعلقات اور عالم اور متعلم کے (باقی) دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے ملعون ہے۔ (ترمذی و ابن ماجہ) (تفسیر مظہری)

فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾ وَاَمَّا

سو دوزخ ہی ہے اُس کا ٹھکانا اور جو کوئی

مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى

ڈرا ہو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے اور روکا

النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ

ہو اُس نے جی کو خواہش سے سو بہشت ہی ہے

هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾

اُس کا ٹھکانا ☆

پرہیزگار لوگ:

یعنی جو اس بات کا خیال کر کے ڈرا کہ مجھے ایک روز اللہ کے سامنے حساب کے لیے کھڑا ہونا ہے اور اسی ڈر سے اپنے نفس کی خواہش پر نہ چلا۔ بلکہ اسے روک کر اپنے قابو میں رکھا اور احکام الٰہی کے تابع بنایا تو اس کا ٹھکانا بہشت کے سوا کہیں نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

نفس کی مخالفت کے درجات:

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ مخالف ہوئی کے تین درجے ہیں۔

اول درجہ تو یہ ہے کہ آدمی ان عقائد باطلہ سے بچ جائے جو ظاہر نصوص اور اجماع سلف کے خلاف ہوں، اس درجہ میں پہنچ کر وہ سنی مسلمان کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔

متوسط درجہ یہ ہے کہ وہ کسی معصیت یا گناہ کا ارادہ کرے پھر اس کو یہ بات یاد آ جائے کہ مجھے اللہ کے سامنے حساب دینا ہے اس خیال کی بناء پر گناہ کو ترک کر دے۔ اسی متوسط درجے کا تکملہ یہ ہے کہ آدمی شبہات سے بھی پرہیز کرے اور جس مباح اور جائز میں مشغول ہونے سے کسی ناجائز کام میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو اس جائز کام کو بھی ترک کر دے۔

جیسا کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مشتبہات سے پرہیز کیا اس نے اپنی آبرو اور اپنے دین کو بچا لیا اور جو شخص مشتبہات میں مبتلا ہو گیا وہ بالآخر محرمات میں مبتلا ہو جائے گا، مراد مشتبہات سے وہ کام ہیں جن میں جائز و ناجائز ہونے کے دونوں احتمال ہوں، یعنی عمل کرنے والے کو یہ شبہ ہو کہ میرے لئے یہ کام جائز ہے یا ناجائز، مثلاً ایک شخص بیمار اور وضو کرنے پر قادر تو ہے اور اس کا یقین پورا نہیں کہ میرے لئے وضو کرنا اس حالت میں مضر ہی ہے تو تیمم کا جواز اور عدم جواز مشتبہ ہو گیا اسی طرح کھڑے ہو کر نماز پڑھ تو

سکتا ہے مگر مشقت بہت زیادہ ہے اس کی وجہ یہ اشتباہ ہو گیا کہ بیٹھ کر نماز میرے لئے درست ہے یا نہیں ایسے مواقع میں مشتبہ چیز کو چھوڑ کر یقینی جواز کو اختیار کرنا تقویٰ ہے اور مخالفت کا متوسط درجہ یہی ہے۔

مکائد نفس:

نفس کی مخالفت ان چیزوں میں جو صریح طور سے گناہ اور سیئات ہیں یہ تو اگر کوئی کوشش کرے تو باختیار خود بھی اس میں کامیابی ہو جاتی ہے لیکن ایک ہوائے نفس وہ ہے جو عبادات اور اعمال حسنہ میں شامل ہو جاتی ہے، ریا و نمود، و خود پسندی، یہ ایسے دقیق گناہ اور شدید ہوائے نفس ہیں جس میں انسان اکثر خود بھی دھوکا کھاتا ہے اپنے عمل کو درست و صحیح سمجھتا رہتا ہے اور یہی وہ ہوائے نفس ہے جس کی مخالفت سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ضروری ہے، مگر اس سے بچنے کا صحیح علاج اور مجرب نسخہ اس کے سوا نہیں کہ انسان کوئی ایسا شیخ کامل تلاش کرے جو کسی ماہر شیخ کی خدمت میں رہ کر مجاہدات کر کے عیوب نفس اور ان کے معالجہ سے واقف ہوا پنے آپ کو اس کے حوالہ کر دے اور اس کے مشورہ پر عمل کرے۔ شیخ امام حضرت یعقوب کرخیؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنی ابتدائی عمر میں نجار تھا (لکڑی کا کام کرتا تھا) میں نے اپنے نفس میں سستی اور باطن میں ایک قسم کی ظلمت محسوس کی تو ارادہ کیا کہ چند روز روزے رکھوں تا کہ یہ ظلمت اور سستی دور ہو جائے، اتفاقاً اسی روزے کی حالت میں ایک روز شیخ اجل امام بہاؤالدین نقشبندؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، شیخ نے مہمانوں کے لئے کھانا منگوایا اور مجھے بھی کھانے کا حکم دیا اور فرمایا بہت برا بندہ ہے جو اپنی ہوائے نفسانی کا بندہ ہو جو اس کو گمراہ کرے اور فرمایا کھانا کھا لینا اس روزے سے بہتر ہے جو ہوائے نفسانی کے ساتھ ہو، اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میرا نفس عجب و خود پسندی کا شکار ہو رہا تھا جس کو شیخ نے محسوس کیا اور مجھے ثابت ہو گیا کہ ذکر و شغل اور نفلی عبادات میں کسی شیخ کامل کی اجازت و ہدایت درکار ہے کیونکہ وہ مکائد نفس سے واقف ہوتا ہے جس نفلی عمل میں نفس کا کیسا ہوگا اسی سے روک دے گا، اس وقت میں نے حضرت شیخ نقشبند قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت اگر ایسا شیخ جس کو اصطلاح میں فانی فی اللہ اور باقی باللہ کہا جاتا ہے کسی کو میسر نہ ہو تو وہ کیا کرے، شیخ نے فرمایا کہ اس کو چاہیے کہ وہ استغفار کی کثرت کرے اور ہر نماز کے بعد بیس مرتبہ استغفار کرنے کی پابندی کرے تا کہ پانچ وقت سو مرتبہ استغفار ہو جائے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بعض وقت میں اپنے قلب میں کدورت محسوس کرتا ہوں اور میں ہر روز اللہ تعالیٰ سے سو بار استغفار یعنی طلب مغفرت کرتا ہوں۔

تیسرا اعلیٰ درجہ مخالفت ہوائے نفسانی کا یہ ہے کہ کثرت ذکر و مجاہدات و ریاضت کے ذریعہ اپنے نفس کو ایسا مزکّٰی بنا لو کہ اس میں وہ ہوائے نفسانی باقی ہی نہ رہے جو انسان کو شر کی طرف کھینچتی ہے یہ مقام ولایت خاصہ کا مقام ہے اور اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جس کو صوفیاء کی اصطلاح میں فانی فی اللہ اور باقی باللہ کہا جاتا ہے، یہی لوگ قرآن کی اس آیت کے مصداق ہیں جو شیطان کو مخاطب کر کے کہی گئی اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ، یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہیں چل سکے گا، اور یہی مصداق ہیں اس حدیث کے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ . یعنی تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک اس کی ہوائے نفسانی میری تعلیمات۔

ہوا کا معنی:

صحاح میں ہے کہ ہوا کا معنی ہے اپنی پسندیدہ چیزوں کی طرف نفس کا جھکاؤ۔ ھوی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ہوا صاحب ہوا کو دنیا میں مصیبت میں لے کر گرتی ہے اور آخرت میں ھاویہ کے اندر۔ ہوا کا معنی ہے نشیب کی طرف اترنا اور بلندی سے پستی کی طرف گرنا۔

ہوا تمام ممنوعات کا سرچشمہ اور حرام چیزوں کی بنیاد ہے ابوبکر وراق کا قول ہے کہ اللہ نے کوئی مخلوق ہوا سے زیادہ گندی پیدا نہیں کی۔ ہوا از روئے عقل بھی بری ہے اور از روئے شرع بھی عقلی برائی تو یہ ہے کہ اشیاء کی حقیقتیں واقع ہیں، موجود ہیں خصوصاً مبدء و معاد کی حقیقت اور اخلاق و اعمال وغیرہ کے نتائج جو بجائے خود اپنے حسن و قبح کے خواستگار ہیں مگر ان کی اچھائی اور برائی عموماً عقل سے دریافت نہیں کی جا سکتی اگر بعض امور کا اچھا برا ہونا صرف عقل سے معلوم بھی ہوتا ہے تو وہ ناقابل اعتماد ہوتا ہے تاوقتیکہ علام الغیوب پیغمبروں کی معرفت اس کی اطلاع نہ دیدے۔ کیونکہ اگر اشیاء کے حسن و قبح کو جاننے کے لئے عقل کافی ہو تو پیغمبروں کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔

عبادت دو طرح کی ہوتی ہے۔ (۱) تکوینی اضطراری جیسا کہ اس آیت میں ہے وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْهًا جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے سب چارونا چار اللہ کا فرمان بردار ہے۔ (۲) اختیاری۔ یہی جن و انس سے مطلوب ہے پس جس طرح تکوینی طور پر ہر چیز اللہ کی فرماں بردار ہے اللہ کی مشیت و ارادہ کے خلاف تکوینی نظم کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اس طرح اختیار عبادات بھی ہونی چاہیے، قلب کا کوئی فعل ہو یا اعضاء کا یا اخلاق نفسانیہ۔ کوئی بھی اللہ کے ارادہ اور حکم کے خلاف نہ ہونا چاہیے، ہوا کو اس میں قطعاً دخل نہ ہونا چاہیے خواہش پرستی تو عبودیت کے خلاف ہے ہر باطل قبیح (فعل عمل عقیدہ رائی) ہوا پرستی ہی کی شاخ ہے اور غلط افکار سے ہی پیدا ہوتا ہے، کافروں نے اپنی فکر فاسد پر اعتماد کرتے

ہوے ہی تو کہا تھا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۔ اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗ ۔ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا اور بازاروں میں پھرتا ہے۔کیا ہم اپنے میں سے ایک آدمی کا اتباع کریں۔

فرقہ مجسمہ نے کہا تھا کہ اللہ موجود ہے اور ہر موجود جسم مکانی ہوتا ہے (اس لئے اللہ بھی جسم مکانی ہے) معتزلہ وغیرہ نے کہا تھا کہ عذاب قبر، وزن اعمال اور وجود پل صراط ممکن نہیں۔وغیرہ وغیرہ

گناہ کبیرہ کرنے والے اقرار کرتے ہیں کہ رسول اور قرآن کے احکام کی تعمیل فرض ہے اور برے اخلاق و اعمال ہونے والوں کو آخرت میں عذاب ہونے کا ان کو بھی علم ہے لیکن خواہش پرستی اور اتباع ہوا کی وجہ سے وہ اوامر و نواہی کے پابند نہیں ہوتے۔ اسی لئے فرائض کو ترک کرتے اور ممنوعات و مکروہات کا ارتکاب کرتے ہیں۔

تباہ کن چیزیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین چیزیں تباہ کن ہیں یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خواہش پرست بندہ برا بندہ ہے خواہش اس کو گمراہ کر دیتی ہے۔ (ترمذی و بیہقی بروایت حضرت اسماء بن عمیس)

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں گمراہ کن ہیں خواہش نفس جس کا اتباع کیا جائے، حد سے بڑی کنجوسی جس کے حکم پر چلا جائے اور خود پرستی اور یہ سب سے زیادہ بری ہے۔بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگرچہ حدیث میں ہوا سے خاص قسم کی ہوا مراد ہے مگر حقیقت میں تینوں تباہ کن چیزوں کا رجوع خواہش پرستی ہی کی جانب ہے۔

ترک ہوا کے درجات:

ترک ہوا کے مختلف درجات ہیں ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ عقائد کے متعلق جو سلف کا اجماع اور ظاہری نصوص ہیں ان کی مخالفت سے پرہیز کرے اسی سے سنی مسلمان ہوتا ہے۔اوسط درجہ وہ ہے کہ جس کے متعلق مقاتل نے کہا ہے کہ گناہ کے ارادہ کے وقت آدمی یاد کرے کہ حساب فہمی کے لئے اللہ کے سامنے کھڑا ہوگا ، یہ سن کر گناہ کے اردے کو چھوڑ دے ۔ اس درجہ کی تکمیل یہ ہے کہ مشتبہات (جن کی حرمت وحلت واضح نہ ہو) کو بھی ترک کر دے اور گناہ میں مبتلا ہو جانے کے ڈر سے ان چیزوں کو بھی ترک کر دے جن کو کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو مشتبہات سے بچتا ہے وہ اپنا دین و آبرو بچا لیتا ہے اور جو مشتبہات میں پڑ جاتا ہے وہ ممنوعات میں بھی آئندہ پڑ جاتا ہے جیسے وہ چرواہا جو جانوروں کو محفوظ ممنوع چراگاہ کے پاس چراتا ہے ممکن ہے کسی جانور کو چراگاہ کے اندر بھی ڈال دے۔(بخاری و مسلم)

اس مرتبہ کی تکمیل یہ بھی ہے کہ ضروریات پر جواز کا دائرہ محدود کر دے حضرت نعمان بن بشیر کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر دل پسند چیز کو کھا لینا بھی اسراف میں داخل ہے۔ (رواہ ابن ماجہ والبیہقی عن انس)

سب سے قریبی راستہ:

حضرت مجدد نے فرمایا کہ ہمارے شیخ اجل حضرت شیخ بہاء الدین نقشبند فرماتے ہیں کہ اللہ تک پہنچنے کا سب سے قریبی راستہ مخالفت نفس ہے مراد یہ ہے کہ احکام شریعت کی پوری نگہداشت کے ساتھ ساتھ نفس کی مخالفت کی جائے۔واللہ اعلم

خاص نکتہ:

یہاں ایک خاص نکتہ ہے وہ یہ کہ کچھ گناہ تو کھلے ہوئے ہیں بخوف حساب ان سے پرہیز ممکن ہے کچھ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ دقیق ہیں یہ وہ گناہ ہیں جو نیکی کے جامہ میں سے ہوتے ہیں جیسے (عبادات وغیرہ) کی دکھاوٹ اور (اپنی عبادت و ریاضت پر) غرور اور کثرت نوافل و طاعات سے نفس کا ایسا تزکیہ جس کی ممانعت آئی ہے یہ مقام بڑی لغزش گاہ ہے اکابر میں سے کسی نے اپنے مرید سے کہا تھا بیٹا مجھے یہ اندیشہ تو نہیں کہ گناہوں کے راستے سے شیطان کی رسائی تیرے پاس ہو سکے گی مجھے تو یہ خوف ہے کہ نیکیوں کے راستے سے کہیں وہ تجھ تک نہ پہنچ جائے اس مقام میں نگہداشت کی صورت یہ ہے کہ ہر کام میں نفس کو مشتبہ سمجھے اور زاری و استغفار کرے۔چند اشعار۔

نفس و شیطان کی مخالفت و نافرمانی کر اگر وہ تیری خالص خیر خواہی بھی کریں تب بھی مشتبہ سمجھ حریف اور پنچ کی خفیہ طریقوں سے تو تو واقف ہی ہے اس لیے وہ دونوں حریف بن کر آئیں گے یا پنچ بن کر تو کسی کا کہنا نہ مان بے عمل قول کی اللہ سے معافی طلب کر کیونکہ بانجھ ((ناقابل تولید) کی طرف نسب سے نسبت کر رہا ہے یعنی بے عمل قول بانجھ ہے اس سے ثواب و خیر کی نسل پیدا نہیں ہو سکتی) اس مقام میں کامل تحفظ کی صورت یہ ہے کہ کسی فانی فی اللہ باقی باللہ شیخ کا دامن پکڑے اور کوئی کام اس کے حکم و اجازت کے بغیر نہ کرے۔

امام یعقوب کرخیؒ کا واقعہ:

حضرت شیخ امام یعقوب کرخیؒ نے اپنے ابتدائی حال کا ایک واقعہ بیان کیا ہے فرماتے ہیں میں بخار میں تھا مجھے اپنے نفس میں کچھ سستی اور باطن میں کچھ تاریکی محسوس ہوئی میں نے ارادہ کیا کچھ دنوں روزے رکھوں گا تا کہ یہ سستی اور تاریکی دور ہو جائے روزہ رکھ لیا اور صبح کو شیخ اجل حضرت بہاء الدین نقشبندی کی خدمت میں حاضر ہوا شیخ نے کھانا حاضر کرنے کا حکم دیا (کھانا آ گیا) تو مجھ سے فرمایا کھاؤ وہ بندہ برا ہے جو ہوا پرست ہو اور خواہش اس کو گمراہ کر دے اور فرمایا جو روزہ خواہش نفس کے زیر اثر ہو اس سے کھانا

افضل ہے اس سے میں سمجھ گیا کہ نفل اجازت کے لیے ایسے شیخ کی اجازت ضروری ہے جو فانی فی اللہ ہو اور خواہش نفس سے آزاد ہو چکا ہو۔ میں نے عرض کیا اگر ایسا شیخ نہ ملے تو آدمی کیا کرے فرمایا اللہ سے بکثرت استغفار کرے یا ہر نماز کے بعد بیس مرتبہ اللہ سے مغفرت کی طلب کرلیا کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے دل پر کچھ کدورت آجاتی ہے اور میں روزانہ اللہ سے سو بار استغفار کرتا ہوں۔

ترک ہوا کا اعلیٰ مرتبہ:

خواہش نفس سے باز رہنے کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اپنے دل سے بالکل خواہش نکال پھینکے سوائے خدا اور مرضیٔ خدا کے اس کا نہ کوئی مقصود ہو نہ مراد۔ اس مرتبہ کو حاصل کرنے کے لیے صوفیہ **لا الہ الااللہ** کی کثرت کیا کرتے ہیں مگر **لا الہ الا اللہ** کہتے وقت پیش نظر یہ رکھتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں۔

حضرت مجدد صاحبؒ نے فرمایا کہ بندہ جب تک خواہش نفس میں لگا رہتا ہے بندہ نفس اور مطیع شیطان ہوتا ہے یہ نعمت عظمیٰ یعنی بالکل خواہش نفس سے آزاد ہو جانا خالص ولایت سے وابستہ ہے اور کامل ترین فناء بقاء پر موقوف ہے (ہر شخص کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوسکتا) میں کہتا ہوں کہ اس مرتبہ پر پہنچ کر صوفی تقدیر الٰہی کو پسند کرتا ہے خواہ اس کی طبیعت کے خلاف ہی ہو کسی آئے ہوئے دکھ کو دور کرنے کی دعا وہ صرف اس لیے کرتا ہے کہ اس کو دعا کرنے کا حکم ہے اور طلب عافیت پر وہ مامور ہے اس لیے دعا نہیں کرتا کہ وہ تکلیف سے دل تنگ اور مراد نہ ملنے سے کبیدہ خاطر ہو جاتا ہو اس مرتبہ پر وہ ویسا ہی اللہ کا بندہ ہے اپنے اختیار سے ہو جاتا ہے جس طرح وہ تکوینی اور اضطراری طور پر خدا کا بندہ ہوتا ہے اس وقت شیطان کو اس کے پاس پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا شاذ و نادر اس صورت سے مستثنیٰ ہے کیونکہ انسان تک شیطان کا راستہ خواہش نفس کے ذریعے ہی پہنچتا ہے دیکھو جو شخص گرم مزاج رکھتا ہو اور غصہ سے مغلوب ہو جاتا ہو شیطان اس کی نظر میں قتل اور ظلم کو اچھا فعل بنا کر دکھاتا ہے اور جو شخص ٹھنڈے مزاج اور کمزور دل والا ہو اس کو شیطان بتاتا ہے کہ جہاد سے بھاگ جانا حق کے معاملے میں غیرت کو چھوڑ دینا اور منافقت کرنا اچھا ہے وغیرہ۔

لہٰذا اگر کوئی شخص خواہش ہی کو ختم کر دے تو اس کے پاس آنے کے شیطان کے سب راستے بند ہو جاتے ہیں یہی مفہوم ہے اس آیت مبارکہ کا
اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَکَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا

شیخ اجل مولانا یعقوب کرخیؒ نے اسی مقام کے متعلق فرمایا کہ آدمی جب تک خواہش سے آزاد نہ ہو جائے مردوں کے مرتبہ تک نہیں پہنچتا اسی مقام پر پہنچ کر بندہ کو مومن حقیقی کہا جاتا ہے اور یہی مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی کہ جب تک کسی کی خواہش اس (شریعت) کے تابع نہ ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں مومن نہیں ہوتا رواہ البغوی فی شرح السنۃ۔ نووی نے اربعین میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (تفسیر مظہری)

یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ
تجھ سے پوچھتے ہیں وہ گھڑی کب ہو گا
مُرْسٰهَا ﴿۴۲﴾
قیام اُس کا ☆

یعنی آخر وہ گھڑی کب آئے گی اور قیامت کب قائم ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول: ابن حاتم نے باسناد جبیر ضحاک رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ مکہ کے مشرکوں نے بطور استہزاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ قیامت کب پیدا ہوگی اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حاکم ابن جریر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سوال کا جواب دینے کے لیے) قیامت کے متعلق (جبریل سے یا بوقت مناجات اللہ سے) سوال کرتے تھے اس پر آیت یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ الخ نازل ہوئی طبرانی اور ابن جریر نے طارق بن شہاب کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کا ذکر بکثرت کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی ابن حاتم نے حضرت عروہ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے حاصل کلام یہ ہے کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت بپا ہونے کا وقت دریافت کرتے تھے اور آپ ان کو جواب دینے کے خواہش مند تھے اس لیے اللہ سے وقت قیامت دریافت کرتے تھے اس پر آیت مذکورہ کا نزول ہوا اور آپ نے سوال کرنا ترک کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ تعیین قیامت کو پوشیدہ رکھنے میں خاص حکمت ہے اور اس کا علم نا قابل امید ہے۔

فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰىهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰی رَبِّکَ
تجھ کو کیا کام اُس کے ذکر سے تیرے رب کی طرف ہے
مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾
پہنچ اُس کی ☆

قیامت کا معین وقت صرف اللہ جانتا ہے:

یعنی اس کا وقت ٹھیک متعین کرکے بتلانا آپ کا کام نہیں کتنے ہی سوال جواب کرو آخر کار اس کا علم خدا ہی پر حوالہ کرنا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "پوچھتے پوچھتے اسی تک پہنچنا ہے پیچھے سب بے خبر ہیں"۔ (تفسیر عثمانی)

قیامت قریب ہے:

حضرت انس کی رضی اللہ عنہ روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو اور قیامت کو ان دونوں (انگلیوں) کی طرح متصل بھیجا گیا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے قیامت ہی کے وقت میں بھیجا گیا مجھے سابق بنا دیا گیا جیسے یہ اس سے سابق رہے حضور نے کلمہ کی انگلی اور انگوٹھے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا۔ (ترمذی)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ فِيمَ أَنتَ مِن ذِكْرَاهَا کا تعلق يَسْأَلُونَكَ سے ہے یعنی وہ لوگ آپ سے قیامت کے وقت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ وہ کب بپا ہو گی اور کہتے ہیں کہ تم کو اس مقرر وقت کے متعلق کیا معلومات ہیں بتاؤ اور اس کا معین وقت بیان کرو۔

إِلَىٰ رَبِّكَ مُنتَهَاهَا یعنی مدت دنیا جس کے ختم ہونے پر قیامت بپا ہو گی۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرُ مَن يَخْشَاهَا ﴿٤٥﴾
تو تو ڈر سنانے کے واسطے ہے اُس کو جو اُس سے ڈرتا ہے ☆

پیغمبر کا کام:

یعنی آپ کا کام قیامت کی خبر سنا کر لوگوں کو ڈرا دینا ہے۔ اب جس کے دل میں اپنے انجام کی طرف سے کچھ خوف ہوگا یا خوف آخرت کی استعداد ہو گی وہ سن کر ڈرے گا اور ڈر کر تیاری کریگا۔ گویا آپ کا ڈرانا نتیجہ کے اعتبار سے صرف ان ہی لوگوں کے حق میں ہوا جو اس سے منتفع ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں ورنہ نا اہل لوگ تو انجام سے غافل ہو کر ان ہی فضول بحثوں میں پڑے ہوئے ہیں کہ قیامت کس تاریخ کس دن کس سن میں آئیگی؟۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی آپ کو قیامت کا وقت بیان کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا بلکہ اس لیے بھیجا گیا ہے کہ اہل خشیہ کو شدائد قیامت سے ڈراؤ تا کہ شدائد قیامت میں مبتلا ہونے والے اسباب سے وہ پرہیز رکھیں اور صرف اتنا یقین کر لینا کہ قیامت آئیگی دوسروں کو ڈرانے کے لیے کافی ہے قیامت کا تعینی وقت بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے لیے منذر تھے کیونکہ بغیر تخصیص کے آپ کی نبوت عمومی تھی) مگر اہل خشیہ ہی آپ کے انداز سے فائدہ اٹھانے والے ہیں (جن کے دل میں خوف خدا اور اندیشہ قیامت نہیں ان کو کچھ فائدہ نہیں) اسی لیے خاص طور پر اہل خشیہ کا ذکر کیا۔ (تفسیر مظہری)

كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا
ایسا لگے گا جس دن دیکھیں گے اُس کو کہ نہیں ٹھہرے تھے
إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا ﴿٤٦﴾
دنیا میں مگر ایک شام یا صبح اُس کی ☆

جب آئے گی تو آنکھیں کھلیں گی:

یعنی اب تو شور مچا رہے ہیں کہ قیامت کے آنے میں دیر کیوں ہے جلد کیوں نہیں آجاتی مگر اس وقت معلوم ہوگا کہ بہت جلد آئی بیچ میں دیر کچھ نہیں لگی۔ (تفسیر عثمانی)

دنیا کی زندگی ایک شام یا صبح ہے:

یعنی جس روز وہ قیامت کو دیکھیں گے تو ایسا محسوس کریں گے کہ گویا دنیا میں اور قبروں میں ایک دن کے صرف نصف یا اخیر یا مع نصف اول کے یعنی (پورے دن) رہے تھے۔

مراد یہ ہے کہ دنیا میں اور قبروں میں رہنے کی مدت چونکہ محدود ہے اور وہ مدت ختم ہو چکی ہوگی اور عذاب کی مدت غیر محدود ہوگی اور عذاب کی شدت بھی ہوگی اس لیے وہ مدت عذاب کے مقابلہ میں دنیا اور قبر کے قیام کو ہیچ سمجھیں گے اور خیال کریں گے کہ ہم وہاں بہت تھوڑے وقت رہے اسی مضمون کو آیت لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ میں بیان کیا گیا گویا مذکورہ بالا آیت ان کے سوال کا جواب ہے انہوں نے وقت قیامت پوچھا تھا جواب دیا گیا قیامت آنے کا وقت قریب ہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورۃ النازعات ختم ہوئی

سورة عبس

اس کوخواب میں پڑھنے والا صدقات زیادہ دے گا اور زکوۃ نکالے گا۔

سُوۡرَۃُ عَبَسَ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ اثۡنَتَانِ وَاَرۡبَعُوۡنَ اٰیَۃً فِیۡھَا رُکُوۡعٌ وَّاحِدٌ کَذَا
سورہ عبس مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی بیالیس آیتیں ہیں اور ایک رکوع اور اسی طرح آ خر تک
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○
﴿شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾
عَبَسَ
تیوری چڑھائی ☆

شانِ نزول: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض سرداران قریش کو مذہب اسلام کے متعلق کچھ سمجھا رہے تھے اتنے ایک نابینا مسلمان (جن کو ابن ام مکتوم کہتے ہیں) حاضر خدمت ہوئے اور اپنی طرف متوجہ کرنے لگے کہ فلاں آیت کیونکر ہے یارسول اللہ! مجھے اس میں سے کچھ سکھایئے جو اللہ نے آپ کو سکھلایا ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انکا بے وقت کا پوچھنا گراں گزرا آپ کو خیال ہوا ہوگا کہ میں ایک بڑے مہم کام میں مشغول ہوں قریش کے یہ بڑے بڑے سردار اگر ٹھیک سمجھ کر اسلام لے آئیں تو بہت لوگوں کے مسلمان ہونے کی توقع ہے۔ ابن ام مکتوم بہرحال مسلمان ہے اس کو سمجھنے اور تعلیم حاصل کرنے کے ہزار مواقع حاصل ہیں اس کو دکھائی نہیں دیتا کہ میرے پاس ایسے بااثر اور بارسوخ لوگ بیٹھے ہیں جن کو اگر ہدایت ہو جائے تو ہزاروں اشخاص ہدایت پر آ سکتے ہیں میں انکو سمجھا رہا ہوں یہ اپنی کہتا چلا جاتا ہے اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ اگر ان لوگوں کی طرف سے ہٹ کر گوشۂ التفات اس کی طرف کرونگا تو ان لوگوں پر کس قدر شاق ہوگا۔ شاید پھر وہ میری بات سننا بھی پسند نہ کریں۔ غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم منقبض ہوئے اور انقباض کے آثار چہرے پر ظاہر ہونے لگے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں روایات میں ہے کہ اس کے بعد جب وہ نابینا آپ کی خدمت میں آتے آپ بہت تعظیم وتکریم سے پیش آتے اور فرماتے "مرحبا بمن عا تبنی فیه ربی". (تفسیر عثمانی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم عتبہ بن ربیعۃ، ابوجہل بن ہشام اور عباس بن عبدالمطلب سے گفتگو فرما رہے تھے اور بڑی ہی توجہ سے ان کی جانب منہمک تھے اور آپ کو حرص تھی کہ کسی طرح یہ لوگ اسلام قبول کر لیں ناگہاں عبداللہ بن ام مکتوم بڑی ہی بیقراری کے ساتھ مجلس میں پہنچ گئے اور قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگے علمنی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مما علمک اللہ کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وہ سکھا دیجئے جو اللہ نے آپ کو سکھایا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض فرمایا یہ بار بار اسی بات کو دہراتے رہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی جذبہ کے باعث ناگواری سے اس کی طرف سے چہرہ پھیر لیا اور ان کے سرداران قریش کو سمجھاتے رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اس مجلس سے فارغ ہو کر جانے لگے تو وحی کے آثار شروع ہوئے آپ اپنا سر جھکا کر بیٹھ گئے اور یہ آیت نازل ہوئی۔

راوی بیان کرتے ہیں اس کے بعد ابن مکتوم جب کبھی بھی آتے آپ ان کا بہت احترام فرماتے اور ایک روایت میں یہ فرماتے یہ تو وہ ہے جس کے معاملے میں میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا۔ (معارف کاندھلوی)

شان نزول میں جو واقعہ حضرت عبداللہ ابن مکتوم نابینا صحابی کا نقل کیا ہے اس میں بغوی نے یہ مزید روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مکتوم نابینا ہونے کے سبب یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کو کسی دوسرے سے گفتگو میں مشغول ہیں مجلس میں داخل ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دینی شروع کی اور بار بار آواز دی۔ (تفسیر مظہری)

اور ابن کثیر کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھوانے کا سوال کیا اور اس سوال کے فوری جواب دینے پر اصرار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مکہ کے کفار سرداروں کو دین کی تبلیغ کرنے اور سمجھانے میں مصروف تھے یہ سردار عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل ابن ہشام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس موقع پر ابن مکتوم کا اس طرح خطاب کرنا اور ایک آیت کے الفاظ درست کرنے کے معمولی سوال پر فوری جواب کے لیے اصرار کرنا ناگوار ہوا جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ عبداللہ ابن مکتوم پکے مسلمان اور ہر وقت کے حاضر باش تھے دوسرے اوقات میں بھی سوال کر سکتے تھے ان کے جواب کے موخر کرنے میں کسی دینی نقصان کا خطرہ نہ تھا بخلاف روسائے قریش کے کہ نہ یہ لوگ ہر وقت آپ کی خدمت میں آتے ہیں اور نہ ہر وقت ان کو اللہ کا کلمہ پہنچایا جا سکتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرز عمل اپنے اجتہاد پر مبنی تھا کہ جو مسلمان آداب مجلس کے خلاف طرز گفتگو اختیار کرے اس کو کچھ تنبیہ ہونی چاہیے تاکہ آئندہ وہ آداب مجلس کی رعایت کرے اس کے لیے تو آپ نے حضرت ابن

مکتوم سے رخ پھیرلیا اور دوسری بات یہ تھی کہ اس بظاہر حال کفر وشرک سب سے بڑے گناہ ہیں ان کے ازالہ کی فکر مقدم ہونا چاہیے بمقابلے دین کی فروعی احکام کی تعلیم کے جو عبداللہ ابن مکتوم چاہتے تھے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَتَوَلّٰى ۝١ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝٢

اور نہ موڑا اس بات سے کہ آیا اُسکے پاس اندھا ☆

یعنی پیغمبر نے ایک اندھے کے آنے پر چیں بجبیں ہو کر منہ پھیر لیا حالانکہ اس کو اندھے کی معذوری، شکستہ حالی اور طلب صادق کا لحاظ زیادہ کرنا چاہیے تھا حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ کلام گویا اوروں کے سامنے گلہ ہے رسول کا (اسی لیے بصیغہ غائب ذکر کیا) آگے خود رسول کو خطاب فرمایا ہے" اور محققین کہتے ہیں کہ یہ غایت تکرم و استحیاء متکلم کا، اور غایت کرامت مخاطب کی ہے۔ کہ یہ عتاب کے وقت بھی رو در رو اس امر کی نسبت آپ کی طرف نہیں فرمائی اور آگے خطاب کا صیغہ بطور التفات کے اس لیے اختیار کیا کہ شبہ اعراض کا نہ ہو نیز وہ مضمون پہلے مضمون سے ہلکا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کا اعزاز:

ترمذیؒ اور حاکمؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مکتوم کو دو بار مدینہ میں اپنی جگہ قائم کیا جبکہ آپ دونوں مرتبہ جہاد پر تشریف لے گئے تھے۔

نکتہ: الاعمیٰ کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کاٹنے کی جراءت کرنے میں ابن ام مکتوم معذور تھے (نابینا تھے)۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى ۝٣ اَوْ يَذَّكَّرُ

اور تجھ کو کیا خبر ہے شاید کہ وہ سنورتا یا سوچتا

فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝٤

تو کام آتا اُس کے سمجھانا ☆

یعنی وہ اندھا طالب صادق تھا۔ تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے فیض توجہ سے اس کا حال سنور جاتا اور اس کا نفس مزکی ہو جاتا۔ یا تمہاری کوئی بات کان میں پڑتی اس کو اخلاص سے سوچتا سمجھتا اور آخر وہ بات کسی وقت اس کے کام آجاتی۔ (تفسیر عثمانی)

علماء کے لیے ہدایت:

اس میں ان علماء کے لیے ایک عام ہدایت ہے جو غیر مسلموں کے شبہات کے ازالے اور ان کو اسلام سے مانوس کرنے کی خاطر بعض ایسے کام کر بیٹھتے ہیں جن سے عام مسلمانوں کے دلوں میں شکوک شبہ یا شکایات پیدا ہو جاتی ہیں ان کو اس قرآنی ہدایت کے مطابق مسلمانوں کی حفاظت اور اصلاح حال کو مقدم رکھنا چاہیے اکبر مرحوم نے خوب فرمایا:

بے وفا سمجھیں تمہیں اہل حرم اس سے بچو ۔۔۔ دَیر والے کج ادا کہہ دیں یہ بدنامی بھلی

(معارف مفتی اعظم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز

وَمَا يُدْرِيْكَ یعنی تم کو اس کے حال پر کون واقف بنائے بہر حال اس لفظ میں رسول اللہ کی طرف سے ایک عذر (مترشح) ہے کہ تم واقف نہ تھے اگر نابینا کے حال سے واقف ہوتے تو دوسروں کی طرف متوجہ اور اسکی طرف سے روگرداں نہ ہوتے آیت میں چند طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز موجود ہے۔

اعمال کا مدار نیت پر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت اس کی طرف سے بالکل منہ موڑنے کی نہیں تھی بلکہ آپکا مقصد یہ تھا کہ یہ شخص تو مومن ہے اگر اس کی تعلیم میں کچھ تاخیر بھی ہو جائے تو اس کا کچھ نقصان نہ ہوگا نہ اس کی طرف سے انحراف اور چلے جانے کا اندیشہ ہے اور قریش کے سردار اپنی طرف سے میرے رخ کو پھرا دیکھ کر چلے جائیں گے انتظار نہیں کریں گے اور یہ سردار اگر مسلمان ہو گئے تو ان کے ساتھ بہت لوگ مسلمان ہو جائیں گے اور دائرہ اسلام وسیع ہو جائے گا انہی مقاصد کے زیر اثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کی طرف سے منہ پھیر لیا گویا واقعی طور پر ان کی طرف سے روگردانی نہیں کی اگر چہ ظاہری طور پر اس فعل کا وقوع ہو گیا۔

الحمدللہ سورۃ عبس ختم ہوئی

صیغہ خطاب کی طرف سے رخ پھیرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانوس بنانا اور آپ کے دل سے ملال کو دور کرنا مقصود ہے۔

موجب عذر (عدم علم) کی اسناد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صریحی تخاطب کے ساتھ بتارہی ہے کہ آپ سے جو فعل سرزد ہوگیا اس میں آپ معذور تھے۔

تزکیہ نفس: لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ شاید وہ کامل طور پر پاک ہو جاتا شرک ظاہر اور خفی سے عیوب نفسانی سے ہوا و ہوس سے اللہ کے علاوہ دوسروں کے ساتھ دل کو وابستہ رکھنے سے (روح دل خفی اخفی وغیرہ) تمام لطائف کو ہوشیار بنانے سے اور عالم خلق (مادی قویٰ کو ہر مادے کے غلبہ سے اور یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت۔ انفاس قدسیہ کے فیض اور ظاہری باطنی انوار نبوت کی شعاع اندوزی سے حاصل ہوتا ہے۔

''یا وہ اللہ کی یاد میں مشغول ہو جاتا اس کا حضور قلب بڑھ جاتا خوف عذاب اور امید ثواب کا حصول حاصل ہو جاتا''۔

ابرار واخیار کا مقام:

لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ میں تو مراتب ابرار کی انتہا کی طرف اشارہ ہے اور اَوْ يَذَّكَّرُ میں اخیار (برگزیدگان الٰہی) کے آغاز حال کی طرف ایماء ہے مقربین اور صدیقین کا حال یہاں نہیں بیان کیا کیونکہ یہ مقام انانیت کا مقام ہے (یعنی کسی اختیاری مراتب کے حصول کے بیان کا مقام ہے ان مراتب کو بیان کرنے کا مقام نہیں ہے جو محض وہبی ہے جو خالص عطیہ الٰہیہ ہیں اعمال حسنہ سے ان مراتب تک پہنچنا ممکن نہیں۔

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝۵ فَاَنْتَ لَهٗ
وہ جو پرواہ نہیں کرتا سو تو اُس کی
تَصَدّٰى ۝۶ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝۷
فکر میں ہے اور تجھ پر کچھ الزام نہیں کہ وہ نہیں درست ہوتا ☆

متکبروں کی ضرورت نہیں:

یعنی جو لوگ اپنے غرور اور شیخی سے حق کی پروا نہیں کرتے اور ان کا تکبر اجازت نہیں دیتا کہ اللہ ورسول کے سامنے جھکیں آپ ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ یہ کسی طرح مسلمان ہو جائیں تا کہ ان کے اسلام کا اثر دوسروں پر پڑے حالانکہ اللہ کی طرف سے آپ پر کوئی الزام نہیں کہ یہ مغرور اور شیخی باز آپ کی ہدایت سے درست کیوں نہ ہوئے آپ کا فرض دعوت تبلیغ کا تھا وہ ادا کر چکے اور کر رہے ہیں آگے ان لاپروا متکبروں کی فکر میں اس قدر انہماک کی ضرورت نہیں کہ سچے طالب اور مخلص ایماندار توجہ سے محروم ہونے لگیں۔

یا معاملہ کی ظاہری سطح دیکھ کر بے سوچے سمجھے لوگوں میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ پیغمبر صاحب کی توجہ امیروں اور تونگروں کی طرف زیادہ ہے شکستہ حال غریبوں کی طرف نہیں اس مہمل خیال کے پھیلنے سے جو ضرر دعوت اسلام کے کام کو پہنچ سکتا ہے وہ اس نفع سے کہیں بڑھ کر ہے جس کی ان چند متکبرین کے مسلمان ہونے سے توقع کی جاسکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آپ اس کے درپے ہیں اس کی طرف متوجہ ہیں تا کہ تزکیہ اور طہارت اس کے ہاتھ سے جاتی نہ رہے۔

آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے (کسی کے نہ ماننے سے آپ کا کوئی نقصان نہیں) یعنی کسی کو پاک کر دینا آپ کا فرض نہیں۔ صرف پہنچا دینا آپ کا فرض ہے۔

وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝۸ وَهُوَ
اور وہ جو آیا تیرے پاس دوڑتا اور وہ
يَخْشٰى ۝۹
ڈرتا ہے ☆

یعنی اللہ سے ڈرتا ہے یا ڈر لگا ہے کہ آپ کی ملاقات میسر ہو یا نہ ہو۔ پھر اندھا ہے کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں اندیشہ ہے کہیں راستہ میں ٹھوکر لگے یا کسی چیز سے ٹکرا جائے یا یہ سمجھ کر کہ آپ کے پاس جارہا ہے دشمن ستانے لگیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝۱۰
سو تو اُس سے تغافل کرتا ہے ☆

طلبگار توجہ کے مستحق ہیں:

حالانکہ ایسے ہی لوگوں سے امید ہو سکتی ہے کہ ہدایت سے منتفع ہونگے اور اسلام کے کام آئینگے۔ کہتے ہیں کہ یہ ہی نابینا بزرگ زرہ پہنے اور جھنڈا ہاتھ میں لیے جنگ قادسیہ میں شریک تھے آخر اسی معرکہ میں شہید ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝۱۱ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝۱۲
یوں نہیں یہ تو نصیحت ہے پھر جو کوئی چاہے اُس کو پڑھے ☆

قرآن تو نصیحت عام ہے:

یعنی متکبر اغنیاء اگر قرآن کو نہ پڑھیں اور اس نصیحت پر کان نہ دھریں تو اپنا ہی برا کرینگے۔ قرآن کو ان کی کچھ پروا نہیں نہ آپ کو اس درجہ ان کے درپے ہونے کی ضرورت ہے۔ ایک عام نصیحت تھی سو کر دی گئی جو اپنا فائدہ

چاہے اس کو پڑھے اور سمجھے۔ (تفسیر عثمانی)

فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿١٣﴾ مَّرْفُوْعَةٍ

لکھا ہے عزت کے ورقوں میں اونچے رکھے ہوئے

مُّطَهَّرَةٍ ﴿١٤﴾

نہایت ستھرے☆

قرآن کی شان:

یعنی کیا ان مغرور سر پھروں کے ماننے سے قرآن کی عزت و وقعت ہو گی؟ قرآن تو وہ ہے جس کی آیتیں آسمان کے اوپر نہایت معزز، بلند مرتبہ اور صاف ستھرے ورقوں میں لکھی ہوئی ہیں اور زمین پر مخلص ایماندار بھی اس کے اوراق نہایت عزت و احترام و تقدیس و تطہیر کے ساتھ اونچی جگہ رکھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ۔ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ۔ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ، صحف سے مراد لوح محفوظ ہے وہ اگرچہ ایک ہی ہے مگر اس کو بصیغہ جمع صحف سے تعبیر اس لیے کیا گیا کہ اس میں سب صحائف آسمانی لکھے ہوتے ہیں یا اس لیے کہ فرشتے اپنے صحیفے اس سے نقل کرتے ہیں مرفوعہ سے مراد ان صحیفوں کا عند اللہ عالیشان ہونا ہے اور مطہرہ سے مراد یہ ہے جنابت والے آدمی اور حیض نفاس والی عورت اور بے وضو کے لئے ان کا چھونا جائز نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

بعض علماء نے آیت کی تشریح اس طرح بھی کی ہے کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر نازل ہونے والی کتاب کا ذکر تمام صحف انبیاء میں تھا۔ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ صحیفے بھی اس ذکر سے خالی نہ تھے اِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ اور اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى کا مطلب یہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿١٥﴾ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ﴿١٦﴾

ہاتھوں میں لکھنے والوں کے جو بڑے درجہ والے نیک کار ہیں☆

قرآن کے کاتب اور حامل:

یعنی وہاں فرشتے اس کو لکھتے ہیں اس کے موافق وحی اترتی ہے اور یہاں بھی اوراق میں لکھنے اور جمع کرنے والے دنیا کے بزرگ ترین پاکباز نیکوکار اور فرشتہ خصلت بندے ہیں جنھوں نے ہر قسم کی کمی بیشی اور تحریف و تبدیل سے اس کو پاک رکھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سفیر وہ درمیانی آدمی جو قوم میں باہم صلح کرانے کے درپے ہوتا ہے یہاں مراد ہیں ملائکہ اور انسانوں میں اللہ کے پیغمبر۔ میں کہتا ہوں کہ وحی کے کاتب اور علماء امت بھی اس طرح سفیر ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان ان میں سے ہر ایک سفیر ہے۔

بخاری و مسلم بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یعنی اس کو دو ثواب ملیں گے ایک قرآن پڑھنے کا دوسرا دشواری اٹھانے کا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماہر کے لیے غیر متناہی ثواب ہے کرام سے مراد ہے اللہ کی نظر میں معزز جو مومنوں پر مہربان ہیں کہ ان کی تکمیل بھی کرتے ہیں اور ان کے لیے دعائے مغفرت بھی کرتے ہیں بَرَرَةٍ یعنی متقی۔ (تفسیر مظہری)

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿١٧﴾

مارا جائیو آدمی کیسا ناشکر ہے ☆

انسان کتنا ناشکرا ہے:

یعنی قرآن جیسی نعمت عظمیٰ کی کچھ قدر نہ کی اور اللہ کا حق کچھ نہ پہچانا۔

(تفسیر عثمانی)

قتل انسان کے لیے بدترین بددعاء ہے اور تعجب ہے کہ شکر گزاری اور ایمان کے تمام اسلوب موجود ہونے کے بعد بھی انسان انتہائی ناشکری کرتا ہے یہ الفاظ انتہائی مختصر ہونے کے باوجود اللہ کے انتہائی غضب اور خدا تعالیٰ کی طرف سے پوری پوری مذمت پر دلالت کرر ہے ہیں۔

یعنی قُتِلَ ضرور بددعاء کا ہے اور اَكْفَرَهٗ صیغہ تعجب ہے مگر بددعاء وہ شخص کرتا ہے جو انتقام سے عاجز ہو اور تعجب وہ کرتا ہے جس کی نظر کے سامنے اس سے زیادہ تعجب انگیز چیزیں نہ ہوں اور خدا نہ عاجز ہے نہ جاہل اس لیے محاورہ عربیہ کے مطابق صیغہ بددعا سے مراد ہے اظہار مذمت اور صیغہ تعجب سے مراد ہے کہ یہ چیز لوگوں کے لیے بہت بڑی تعجب انگیز ہونی چاہئے کیونکہ واقع میں تعجب آفریں ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے اظہار تعجب نہیں ہے بلکہ انسان کی ناشکری کی تعجب انگیزی کا اظہار ہے۔ تمت

سیر کی کتابوں میں یہ قصہ اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کی بہن کا نکاح ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے کر دیا تھا جب سورۃ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں سے کہا اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو طلاق نہ دو تو تم عاق ہو دونوں نے طلاق دے دی۔

میں کہتا ہوں کہ عُتَيْبَةُ اور مُعَتِّبُ ابولہب کے دونوں بیٹے اس کے بعد مسلمان ہو گئے اور جنگ حنین میں ہنگامی طور پر بھاگنے کے بعد جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھر لوٹ آئے تھے ان میں سے یہ دونوں بھی تھے۔ (تفسیر مظہری)

مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝۱۸ مِنْ نُّطْفَةٍ

کس چیز سے بنایا اُس کو ایک بوند سے ☆

اپنی اصل پر غور کرو:

یعنی ذرا اپنی اصل پر تو غور کیا ہوتا کہ وہ پیدا کس چیز سے ہوا ہے؟ ایک ناچیز اور بے قدر قطرہ آب سے جس میں حس وشعور، حسن و جمال اور عقل وادراک کچھ نہ تھا سب کچھ اللہ نے اپنی مہربانی سے عطا فرمایا۔ جس کی حقیقت کل اتنی ہو کیا اسے یہ طمطراق زیبا ہے کہ خالق ومنعم حقیقی ایسی عظیم الشان نصیحت اتارے اور یہ بے شرم اپنی اصل حقیقت اور مالک کی سب نعمتوں کو فراموش کر کے اس کی کچھ پروا نہ کرے اور احسان فراموش کچھ تو شرمایا ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝۱۹

بنایا اُس کو پھر اندازہ پر رکھا اُس کو☆

اپنی بناوٹ دیکھو:

یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ سب اعضاء وقویٰ ایک خاص اسلوب اور اندازے سے رکھے کوئی چیز یوں ہی بے تکی اور بے ڈھنگی خلاف حکمت نہیں رکھ دی۔ (تفسیر عثمانی)

چار چیزیں جو مقدر ہیں:

اور لفظ قَدَّرَهٗ سے یہاں یہ بھی مراد ہوسکتی ہے کہ انسان جس وقت بطن مادر میں زیر تخلیق ہوتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ اس کی چار چیزوں کی مقدار لکھ دیتے ہیں وہ یہ کہ وہ کیا کیا اور کیسے کیسے عمل کرے گا اس کی عمر کتنی ہوگی اس کو رزق کتنا ملے گا اور وہ انجام کا رسعید و نیک بخت ہوگا یا شقی بد بخت (کمافی حدیث ابن مسعود عند الشیخین)

اس کے بعد اس کے لیے ایک اندازہ مقرر کر دیا یعنی اللہ کے حکم سے موکل فرشتے نے اس کے لیے چار باتیں لکھ دیں۔ (۱) مقدار عمل (۲) مدت زندگی (۳) رزق (۴) اور شقی یا سعید ہونا (تفسیر مظہری)

ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝۲۰

پھر راہ آسان کر دی اُس کو☆

بھلے برے کی تمیز:

یعنی ایمان کفر اور بھلے برے کی سمجھ دی یا ماں کے پیٹ میں سے نکالا آسانی سے۔ (تفسیر عثمانی)

دنیا یا جنت کا راستہ ہے یا دوزخ کا۔ قرار گاہ نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دنیا میں پردیسی یا راہ گیر کی طرح رہو۔

(رواہ البخاری من حدیث ابن عمر) (تفسیر مظہری)

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝۲۱

پھر اُس کو مُردہ کیا پھر قبر میں رکھوا دیا اُس کو☆

دفن کرنے کا طریقہ:

یعنی مرنے کے بعد اُس کی لاش کو قبر میں رکھنے کی ہدایت کر دی۔ تا زندوں کے سامنے یوں ہی بے حُرمت نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

تاریخی روایات سے یہ معلوم ہوتا کہ دور قدیم میں انسان کی لاشیں جانوروں کی طرح پھینک دی جاتی تھیں جن کو چیل کوے کھا جاتے تھے ظاہر ہے کہ اس میں انسان کے پیکر جسد کی بے حرمتی بھی تھی اور اس کے تعفن سے لوگوں کو اذیت بھی پہنچتی تھی اور امراض بھی پھیلتے تھے تو خداوند عالم کے اس تکوینی امر سے اور قبر میں دفن کے طریقہ سے انسان کی حرمت بھی باقی رہی گندگی اور امراض سے بھی تحفظ کا سامان ہو گیا۔

پارسی اور مجوسی قوم میں بھی یہی رواج ہے کہ وہ اپنے مردوں کی لاش کو اسی طرح چھوڑ دیتے ہیں البتہ اتنا کرتے ہیں کہ ایک احاطہ گہرا سا کنوئیں کی شکل بنا دیتے ہیں اس میں ایک دروازہ ہوتا ہے اس احاطہ میں مردہ چھوڑ کر چلے جاتے ہیں پھر گدھ چیل اور کوے اس کو نوچ نوچ کر کھا جاتے ہیں بس ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جاتا ہے قوم مجوس میں اس جگہ کو دخمہ کہا جاتا ہے۔

ہندوؤں کے یہاں مردوں کو جلانے کی رسم ہے اہل کتاب یہود ونصاریٰ کیونکہ ان کے مذہب کی بہر حال اصل بنیاد خدا کی کتاب تورات اور انجیل ہے تو اس وجہ سے وہ مسلمانوں کی طرح اپنے مردوں کو دفناتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اسلام کے سوا جو بھی طرائق انسان کی لاش کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں عقل وفطرت کے خلاف ہیں اور انسانی عظمت کو سراسر پامال کرتے ہیں جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے دنیا کو یہ ہدایت ملتی ہے کہ مردوں کے جسم کا احترام زندوں کے جسم کی طرح ہے جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسا کہ زندہ کی ہڈی کو توڑنا۔

ہندوؤں کا یہ خیال کہ آگ میں جلا دینا زمین میں دفن کرنے سے زیادہ بہتر ہے اور آگ جلا کر مردہ کو پاک کر دیتی ہے عقل وفطرت کے خلاف ہے۔

انسان کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا تو مناسب یہی ہے کہ مرنے کے بعد بھی مٹی میں ہی دفنا دیا جائے اسی کو حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى (معارف کاندھلوی)

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تحفة المومن

الموت کہ مومن کا تحفہ موت ہی ہے اور اس میں مجموعہ عالم کے اعتبار سے بڑی حکمتیں ہیں اور فَاَقْبَرَهٗ کے معنی پھر اس کو قبر میں داخل کیا یہ بھی ایک انعام ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے عام جانوروں کی طرح نہیں رکھا کہ مر گیا تو وہیں زمین پر سڑتا اور پھولتا پھٹتا ہے، بلکہ اس کا اکرام یہ کیا گیا کہ اس کو نہلا کر نئے اور پاک صاف کپڑوں میں ملبوس کر کے احترام کے ساتھ قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مردہ انسان کو دفن کرنا واجب ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

موت انعام ہے:

چونکہ موت دار القرار تک پہنچانے والی ہے اس لیے امانت کا شمار نعمتوں میں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت مومن کے لیے تحفہ ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث طبرانی نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں۔ اور حاکم نے اور ابونعیم نے حلیہ میں نقل کی ہے دنیا کا راہ جہنم ہونا صرف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ انسان (راہ زندگی کا انتخاب کرنے میں آزاد ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھ سے کہا گیا کہ کسی سردار قوم نے ایک مکان بنایا اس میں دسترخوان چنا اور ایک پکانے والے کو (عمومی دعوت کا اعلان کرنے کے لیے) بھیج دیا اب جس نے پکانے والے کی دعوت قبول کر لی وہ گھر کے اندر گیا اور دسترخوان پر کھانا کھا لیا اور وہ سردار اس سے خوش ہو گیا اور جس نے دعوت کرنے والے کا کہنا نہ مانا وہ گھر کے اندر نہیں آیا اور نہ دسترخوان سے کچھ کھایا اس پر وہ سردار ناراض ہوا پس سردار تو اللہ ہے اور داعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور مکان اسلام اور دسترخوان جنت ہے۔ یہ حدیث دارمی نے ربیعہ جرسی کی روایت سے اور بخاری نے جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کی ہے۔

قبر میں دفن کرنے کا حکم اللہ کی مزید نعمت ہے کہ اللہ نے انسان کو اتنی عزت عطا فرمائی کہ اس کی لاش کو دوسرے جانوروں کی لاشوں کی طرح پھینکنے کا حکم نہیں دیا۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾
پھر جب چاہا اُٹھا نکالا اُس کو☆

دوبارہ زندگی: یعنی جس نے ایک مرتبہ جلایا اور مارا۔ اسی کو اختیار ہے کہ جب چاہے دوبارہ زندہ کر کے قبر سے نکالے کیونکہ اس کی قدرت اب کسی نے سلب نہیں کر لی (العیاذ باللہ) بہر حال پیدا کر کے دنیا میں لانا پھر مار کر برزخ میں لے جانا، پھر زندہ کر کے میدان حشر میں کھڑا کر دینا، یہ امور جس کے قبضہ میں ہوئے کیا اس کی نصیحت سے اعراض و انکار اور اس کی نعمتوں کا استحقار کسی آدمی کے لیے زیبا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

پھر جب اللہ اس کو قبر سے اٹھانا چاہے گا تو موت کے بعد زندگی عطا فرما دے گا کیونکہ جو خدا اول تخلیق کی قدرت رکھتا ہے اس کی اطلاع پیغمبروں کی زبانی اللہ دے چکا ہے اگر حشر و جزا نہ ہو تو شاکر بھی کافر کی طرح ہو جائیگا (نہ شاکر کو جزا نہ کافر کو سزا) اور یہ (عقلاً) قبیح ہے۔ (تفسیر مظہری)

ریڑھ کی ہڈی: ابن ابی حاتم کی حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انسان کے تمام اعضاء وغیرہ کو مٹی کھا جاتی ہے مگر ریڑھ کی ہڈی کو۔ لوگوں نے کہا کہ وہ کیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک رائی کے دانے کے برابر ہے اسی سے تمہاری پیدائش ہوگی یہ حدیث بغیر سوال و جواب کی زیادتی کے بخاری و مسلم میں بھی ہے کہ ابن آدم گل سڑ جاتا ہے مگر ریڑھ کی ہڈی کہ اسی سے پیدا کیا گیا ہے اور اسی سے پھر ترکیب دیا جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾
ہرگز نہیں پورا نہ کیا جو اُس کو فرمایا ☆

انسان کی ناقدری:

یعنی انسان نے ہرگز اپنے مالک کا حق نہیں پہچانا اور جو کچھ حکم ہوا تھا ابھی تک اس کو بجا نہیں لایا (تنبیہ) ابن کثیرؒ نے "كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ" کو "ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ" سے متعلق رکھا ہے یعنی جب چاہے گا زندہ کر کے اٹھائے گا ابھی ایسا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دنیا کی آبادی کے متعلق اس کا جو حکم کونی وقدری ہے وہ ابھی تک اس نے ختم نہیں کیا۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾
اب دیکھ لے آدمی اپنے کھانے کو ☆

بقاء زندگی کا سامان: پہلے انسان کے پیدا کرنے اور مارنے کا ذکر تھا۔ اب اس کی زندگی اور بقاء کے سامان یاد دلاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی انسان کو اول آغاز خلقت سے آخر حیات تک اپنے اوپر غور کرنا چاہیے پھر ایسی غذا کو دیکھنا چاہیے کہ ہم نے اس کی غذا کیسے پیدا کی اور کس طرح اس کو بہرہ اندوز ہونے کا موقع دیا۔ (تفسیر مظہری)

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا
کہ ہم نے ڈالا پانی اُوپر سے گرتا ہوا پھر چیرا
الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾
زمین کو پھاڑ کر☆

زمین سے اُگاؤ:

یعنی ایک گھاس کے تنکے کی کیا طاقت تھی کہ زمین کو چیر پھاڑ کر باہر نکل آتا یہ قدرت کا ہاتھ ہے جو زمین کو پھاڑ کر اس سے طرح طرح کے غلے، پھل اور سبزے، ترکاریاں وغیرہ باہر نکالتا ہے۔

فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾

پھر اگایا اُس میں اناج اور انگور اور ترکاری

وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾

اور زیتون اور کھجوریں اور گھن کے باغ

وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾

اور میوہ اور گھاس کام چلانے کو تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے ☆

یعنی بعض چیزیں تمہارے کام آتی ہیں اور بعض تمہارے جانوروں کے۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: اور وہ پھل جن کو مزہ کے لیے کھایا جاتا ہے اسی جگہ سے فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کسی نے فاکھہ نہ کھانے کی قسم کھالی تو کھجور انگور اور زیتون کھانے سے اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ یہ پھل طاقت کے لیے کھائے جاتے ہیں تنہا مزہ کے لیے نہیں کھائے جاتے۔ (تفسیر مظہری)

اَبّ کیا ہے:

ہاں البتہ صحیح سند سے ابن جریرؓ میں حضرت عمر فاروق ؓ سے مروی ہے کہ آپ نے منبر پر سورۂ عبس پڑھی اور یہاں تک پہنچ کر کہا فَاكِهَةً کو تو ہم جانتے ہیں لیکن یہ اب کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرمایا عمر اس تکلیف کو چھوڑ اس سے مراد یہ ہے کہ اس شکل وصورت اور اس کی تعیین معلوم نہیں ورنہ اتنا تو صرف آیت کے پڑھنے سے ہی صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ یہ زمین سے اگنے والی ایک چیز ہے کیونکہ پہلے یہ لفظ موجود ہے فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا الخ۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ تمہاری زندگی کے قائم رکھنے اور تمہیں فائدہ پہنچانے کے لیے اور تمہارے جانوروں کے لیے ہے قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا اور تم اس سے فیض یاب ہوتے رہو گے (تفسیر ابن کثیر)

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾

پھر جب آئے وہ کان پھوڑنے والی ☆

صُور کی آواز:

یعنی ایسی سخت آواز جس سے کان بہرے ہو جائیں۔ اس سے مراد نفخہ صور کی آواز ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی صور کی آواز سے لوگ سخت چیخ و پکار مچائیں گے جب صور پھونکنے کی آواز آئیگی۔

انسان پر لعنت ہو یہ کیسا ناشکرا ہے جب صور کی آواز آئیگی اس وقت اس کو اپنی ناشکری کا نتیجہ کہے گا۔ (تفسیر مظہری)

نفسا نفسی کا عالم:

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صَآخَّة قیامت کا نام ہے اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نفخہ کی آواز اور اس کو شور وغل کانوں کے پردے پھاڑ دے گا اس دن انسان اپنے قریبی رشتہ داروں کو دیکھے گا لیکن بھاگتا پھرے گا کوئی کسی کے کام نہ آئے گا میاں بیوی کو دیکھ کر کہے گا کہ بتلا تیرے ساتھ میں نے دنیا میں کیسا کچھ سلوک کیا وہ کہے گی کہ بے شک آپ نے میرے ساتھ بہت ہی خوش سلوکی کی بہت پیار محبت سے رکھا۔ یہ کہے گا کہ آج مجھے ضرورت ہے صرف ایک نیکی دیدو تا کہ اس آفت سے چھوٹ جاؤں تو وہ جواب دے گی کا آپ کا سوال تھوڑی سی چیز کا ہی ہے مگر کیا کروں یہی ضرورت مجھے درپیش ہے اور اسی کا خوف مجھے لگ رہا ہے میں تو نیکی نہیں دے سکتی بیٹا باپ سے جا ملے گا اور یہی جواب پائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اولوالعزم پیغمبروں سے لوگ شفاعت کی طلب کریں گے اور ان میں ہر ایک یہی کہے گا کہ نَفْسِىْ نَفْسِىْ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوات اللہ بھی یہی فرمائیں گے۔ کہ آج میں خدا سے سوائے اپنی جان کے اور کسی کے لئے بھی کچھ نہ کہوں گا۔ میں تو آج اپنی والدہ حضرت مریم علیہ السلام کے لئے بھی کچھ نہ کہوں گا جن کے بطن سے میں پیدا ہوا (تفسیر ابن کثیر)

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾

جس دن کہ بھاگے مرد اپنے بھائی سے

وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَ

اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی ساتھ والی سے اور اپنے

بَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ

بیٹوں سے ہر مرد کو اُن میں سے

يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾

اُس دن ایک فکر لگا ہوا ہے جو اُس کے لئے کافی ہے ☆

یعنی اس وقت ہر ایک کو اپنی فکر پڑی ہوگی احباب و اقارب ایک دوسرے کو نہ پوچھیں گے بلکہ اس خیال سے کہ کوئی میری نیکیوں میں سے نہ مانگنے لگے یا اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگے ایک دوسرے سے بھاگے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے دو بچوں کی کیفیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کی جن کا انتقال اسلام سے پہلے ہو گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دونوں دوزخ میں ہوں گے (حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ کو یہ سن کر کچھ ناگواری ہوئی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرے پر ناگواری دیکھ کر فرمایا اگر تم ان کے مقام کو دیکھ لو تو تم کو بھی ان سے نفرت ہو جائے گی۔　(الحدیث رواہ احمد)

کسی کو کسی کا ہوش نہ ہوگا:

ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ لوگوں کو برہنہ پا ننگے بدن بے ختنہ اٹھائے گا لوگوں کے منہ پر پسینہ کی لگام ہوگی اور کانوں کی لو تک پسینہ پہنچا ہوگا یعنی قدم سے لے کر منہ اور کانوں کی جڑوں تک آدمی پسنہ میں غرق ہوگا حضرت سودہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پردہ کے اعضاء ایک دوسرے کے دیکھے گا۔ فرمایا کہ لوگوں کو اس کا ہوش ہی نہیں ہوگا۔ ہر شخص کا حال اس روز ایسا ہوگا کہ اس کو دوسروں سے لاپرواہ کر دے گا۔ اس حدیث کو طبرانی بیہقی اور بغوی نے نقل کیا ہے صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت بھی اسی طرح ہے۔

اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ اس روز لوگوں کا معاملہ اس سے زیادہ سخت ہوگا یعنی کوئی کسی کو دیکھے (اس کی فرصت کہاں ہوگی؟) بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی طرح نقل کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم ننگے پیروں ننگے بدن اور بے ختنہ خدا کے ہاں جمع کئے جاؤ گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی صاحبہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر تو ایک دوسرے کی شرمگاہوں پر نظریں پڑیں گی۔ فرمایا اس روز کی گھبراہٹ وہاں کا حیرت انگیز ہنگامہ ہر شخص کو مشغول کئے ہوگا بھلا کسی کو دوسرے کی طرف دیکھنے کا موقعہ کہاں؟ (ابن ابی حاتم)

روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی لِكُلِّ امْرِئٍ الخ۔ دوسری روایات میں ہے کہ یہ بیوی صاحبہ حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔

اور روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں میں ایک بات پوچھتی ہوں ذرا بتا دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں جانتا ہوں تو ضرور بتاؤں گا۔ پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کا حشر کس طرح ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ننگے پاؤں اور ننگے بدن۔ تھوڑی دیر بعد پوچھا کہ کیا عورتیں بھی ایسی ہی حالت میں ہوں گی؟ فرمایا ہاں یہ سن کر ام المؤمنین افسوس کرنے لگیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہ اس آیت کو سن لو پھر تمہیں اس کا کوئی رنج و غم نہیں ہوگا کہ کپڑے پہنے ہیں کہ نہیں؟ پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ آیت کون سی ہے فرمایا لِكُلِّ امْرِئٍ الخ۔

ایک روایت میں ہے کہ ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا یہ سن کر کہ لوگ اس طرح ننگے بدن ننگے پاؤں بے ختنہ جمع کئے جائیں گے، پسینے میں غرق ہوں گے کسی کے منہ تک پسینہ پہنچ گیا ہوگا اور کسی کے کانوں تک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾
کتنے منہ اُس دن روشن ہیں
ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾
ہنستے خوشیاں کرتے ☆

مؤمنین کے چہرے:

یعنی مومنین کے چہرے نور ایمان سے روشن اور غایت مسرت سے خنداں وفرحاں ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

وَوُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾
اور کتنے منہ اُس دن اُن پر گرد پڑی ہے
تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾
چڑھی آتی ہے اُن پر سیاہی ☆

کافروں کے چہرے:

یعنی کافروں کے چہروں پر کفر کی کدورت چھائی ہوگی اور اوپر سے فسق و فجور کی ظلمت اور زیادہ تیرہ و تاریک کر دیگی۔　(تفسیر عثمانی)

أُولَئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿٤٢﴾
یہ لوگ وہی ہیں جو منکر ہیں ڈھیٹھ ☆

یعنی کافر بے حیا کو کتنا ہی سمجھاؤ ذرا نہ پسیجیں، نہ خدا سے ڈریں نہ مخلوق سے شرمائیں۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ التکویر

اس کو خواب میں پڑھنے والے کے سفر مشرق کی جانب زیادہ ہوں گے اور سفر کامیاب رہے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۂ تکویر مکہ میں نازل ہوئی اور اُسکی اُنتیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ①

جب سورج کی دھوپ تہ ہو جائے ☆

چاند ستاروں، سورج کی حالت:

گویا اس کی لمبی شعاعیں جن سے دھوپ پھیلتی ہے لپیٹ کر رکھ جائیں اور آفتاب بے نور ہو کر پنیر کی چکی کی مانند رہ جائے یا بالکل نہ رہے۔ (تفسیر عثمانی)

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شمس وقمر قیامت کے دن دریا میں ڈال دیے جائیں گے اور مسند بزار میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جہنم میں ڈال دئے جائیں گے ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ نے ان آیات کے متعلق یہ نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ شمس وقمر اور تمام ستاروں کو سمندر میں ڈال دیں گے اور پھر اس پر تیز ہوا چلے گی جس سے سارا سمندر آگ ہو جائے گا، اس طرح یہ بھی کہنا صحیح ہوگا کہ شمس وقمر کو دریا میں ڈال دیا جائے گا، اور یہ کہنا بھی درست رہا کہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا کیونکہ سارا سمندر اس وقت جہنم بن جائے گا۔ (مستفاد امن المظہری والقرطبی) (معارف مفتی اعظم)

اور کتاب العظمۃ میں ابوالشیخ نے ان آیات کے ذیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول اس طرح نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن خدا سورج، چاند اور ستاروں کو بے نور کر کے سمندر میں ڈال دے گا اور ایک پچھی ہوا بھیجے گا جو سمندر پر لگے گی اور سمندر آگ ہو جائے گا۔

بعض لوگوں کا قول ہے جب سورج کو سمندر میں پھینکا جائے گا تو سمندر گرم ہو کر آگ بن جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ②

اور جب تارے میلے ہو جائیں ☆

یعنی تارے ٹوٹ کر گر پڑیں اور ان کا نور زائل ہو جائے۔ (تفسیر عثمانی)

کلبی نے کہا اوس روز آسمان سے ستاروں کی بارش ہوگی کوئی تارہ بغیر گرے نہیں بچے گا۔ (مظہری)

وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ③

اور جب پہاڑ چلائے جائیں ☆

یعنی ہوا میں اڑتے پھریں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ④

اور جب بیاہتی اونٹنیاں چھٹی پھریں ☆

قیمتی مال کا بھی ہوش نہ رہے گا:

اونٹ عرب کا بہترین مال ہے اور دس مہینے کی گابھن اونٹنی جو بیانے کے قریب ہو دودھ اور بچہ کی توقع پر بہت زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ لیکن قیامت کے ہولناک زلازل کے وقت ایسے نفیس وعزیز مال کو کوئی نہ پوچھے گا نہ مالک کو اتنا ہوش ہوگا کہ ایسے بڑھیا مال کی خبر گیری کرے۔ باقی یہ کہنا کہ ریل نکل جانے کی وجہ سے اونٹنیاں بیکار ہو جائینگی محض ظرافت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

دس ماہ گابھن اونٹنیاں پورے سال میں اگر اونٹنی کے بچہ ہو تب بھی بچہ پیدا ہونے سے پہلے پہلے عرب اس کو عشراء کہتے تھے عرب کے نزدیک عشراء اونٹنی نفیس ترین مال سمجھا جاتا تھا وہ لوگ ایسی اونٹنیوں کی دمیں پکڑتے ہی رہتے تھے (یعنی ہمیشہ ان کی نگہداشت کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ⑤

اور جب جنگل کے جانوروں میں رول پڑ جائے

جنگلی جانوروں کی بدحواسی:

یعنی جنگل کے وحشی جانور جو آدمی کے سایہ سے بھاگتے ہیں مضطرب ہو کر شہر میں آگھسیں اور پالتو جانوروں میں مل جائیں جیسا کہ اکثر خوف کے وقت دیکھا گیا ہے۔ ابھی چند سال ہوئے گنگا جمنا میں سیلاب آیا تھا تو لوگوں نے دیکھا کہ ایک چھپر بہتا جا رہا ہے اس پر آدمی بھی ہیں اور سانپ وغیرہ بھی لپٹ رہے ہیں ایک دوسرے سے کچھ تعرض نہیں کرتا۔ نفسی نفسی پڑی ہوئی بلکہ زیادہ سردی کے زمانے میں بعض درندے جنگل سے شہر میں گھس آتے ہیں

(تنبیہ) بعض مفسرین نے ''حشرت'' کے معنی مارنے کے اور بعض نے مار کر اٹھانے کے لیے ہیں واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

جانوروں کا حشر:

عکرمہ کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول آیا ہے کہ جانوروں کا حشر ان کی موت ہے یہ بھی فرمایا کہ سوائے جن وانس کے ہر چیز کا حشر اس کی موت ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿٦﴾
اور جب دریا جھونکے جائیں ☆

سمندر آگ بن جائیں گے:

یعنی سمندروں کا پانی گرم ہو کر دھواں اور آگ بن جائے جو نہایت گرم ہو کر محشر میں کافروں کو دکھ پہنچائے اور تنور کی طرح جھونکنے سے اُبلے۔

(تفسیر عثمانی)

وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ، سُجِرَتْ تسجیر سے مشتق ہے جس کے معنی آگ لگانے اور بھڑکانے کے بھی آتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس جگہ یہی معنی لیے ہیں اور اس کے معنی بھر دینے کے بھی آتے ہیں اور گڈمڈ غلط ملط کر دینے کے بھی بعض ائمہ تفسیر نے یہی معنی لیے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ پہلے سمندر اور میٹھے دریاؤں کو ایک کر دیا جائے گا درمیان کی رکاوٹیں ختم کر دی جائیں گی جس سے دریائے شور اور شیریں دریاؤں کے پانی خلط ملط ہو جائیں گے اور زیادہ بھی، پھر شمس وقمر اور ستاروں کو اس میں ڈال دیا جائے گا پھر اس تمام پانی کو آگ بنا دیا جائے گا جو جہنم میں شامل ہو جائے گا۔ (تفسیر مظہری) (معارف مفتی اعظم)

میں کہتا ہوں ان تمام اقوال کو (ایک نقطہ پر) جمع کرنے کی یہ صورت ہے کہ تمام سمندر جمع کر کے ایک سمندر لبریز کر دیا جائے گا اور سورج کو اس میں ڈال دیا جائے گا جس کی وجہ سے سمندر گرم ہو کر آگ ہو جائے گا۔ اور دوزخیوں کے لیے آب حمیم بن جائے گا کل پانی خشک ہو جائے گا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہے گا۔

چھ نشانیاں:

ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت سے پہلے چھ نشانیاں ہوں گی لوگ بازاروں میں مشغول ہوں گے یک دم سورج کی روشنی جاتی رہے گی اسی اثنا میں پہاڑ زمین پر آگریں گے زمین ہل جائے گی اور اس میں لرزہ پیدا ہو جائے گا آدمی اور جنات ڈر جائیں گے جنات آدمیوں سے کہیں گے کہ ہم تم کو خبر لا کر دیتے ہیں چنانچہ جنات سمندر تک پہنچیں گے اور سمندر بھڑکتی آگ نظر آئے گا اسی دوران میں اچانک ایک ہوا آئے گی جس سے سب مر جائیں گے۔ بغوی نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا یہی قول بروایت ابو العالیہ بیان کیا ہے لیکن اس میں سمندروں کے آگ ہو جانے کے بعد اتنا زائد ہے کہ وہ اسی کام میں ہونگے کہ یک دم زمین پھٹ پڑے گی یعنی ساتویں زمین سے بلند ترین آسمان تک (ایک آواز ہوگی) اور اسی دوران میں ایک ہوا آئے گی جس سے سب مر جائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا قیامت کی بارہ باتیں ہونگی چھ دنیا میں اور چھ آخرت میں آخرت والی چھ باتیں آئندہ آیات میں مذکور ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ﴿٧﴾
اور جب جیوں کے جوڑے باندھے جائیں ☆

الگ الگ گروہ:

یعنی کافر کافر کے اور مسلم مسلم کے ساتھ پھر ہر قسم کا نیک یا بدعمل کرنے والا اپنے جیسے عمل کرنیوالوں کے ساتھ جوڑ دیا جائے اور عقائد' اعمال' اخلاق وغیرہ کے اعتبار سے الگ جماعتیں بنا دی جائیں یا یہ مطلب ہے کہ روحوں کو جسموں کے ساتھ جوڑ دیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے تھے کہ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ میں ازواج سے مراد ہیں ان کے شرکاء کار۔

سعید بن منصور رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ ہیں کہ اچھے آدمی کو اچھے آدمی کے ساتھ جنت میں ملا دیا جائے گا اور برے آدمی کو برے آدمی کے ساتھ دوزخ میں۔

عطاء رضی اللہ عنہ اور مقاتل رضی اللہ عنہ نے کہا نفوس مومنین کا جوڑا تو فراخ چشم حوروں کے ساتھ لگا دیا جائے گا اور نفوس کفار کو شیطانوں کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ عکرمہ کا قول مروی ہے کہ نفوس کو جوڑ دینے کا یہ مطلب ہے کہ حوروں کو اجسام میں واپس کر دیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھتے ہوئے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا ہر جماعت اپنے جیسوں سے مل جائیگی۔

دوسری روایت میں ہے کہ وہ دو شخص کہ جن کے اعمال ایک جیسے ہوں گے وہ یا تو جنت میں ساتھ رہیں گے یا جہنم میں ساتھ جلیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو فرمایا نیک نیکوں کے ساتھ مل جائیں گے اور بد بدوں کے ساتھ آگ میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں سے اس آیت کی تفصیل پوچھی تو سب خاموش رہے آپ نے فرمایا لو میں بتاؤں، آدمی کا جوڑا جنت میں اسی جیسا ہوگا اس طرح جہنم میں بھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مطلب اس سے یہی ہے کہ تین قسم کے لوگ ہو جائیں گے یعنی اصحاب الیمین اصحاب الشمال اور سابقین۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝۸ بِاَیِّ

اور جب بیٹی جیتی گاڑ دی گئی کو پوچھیں کہ کس

ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝۹

گناہ پر وہ ماری گئی ☆

مظلوم بچیوں کا سوال:

عرب میں رسم تھی کہ باپ اپنی بیٹی کو نہایت سنگدلی اور بے رحمی سے زندہ زمین میں گاڑ دیتا تھا بعض تو تنگدستی اور شادی بیاہ کے اخراجات کے خوف سے یہ کام کرتے تھے۔ اور بعض کو یہ عار تھی کہ ہم اپنی بیٹی کسی کو دینگے وہ ہمارا داماد کہلائے گا۔ قرآن نے آگاہ کیا کہ ان مظلوم بچیوں کی نسبت بھی سوال ہوگا کہ کس گناہ پر ان کو قتل کیا تھا۔ یہ مت سمجھنا کہ ہماری اولاد ہے اس میں ہم جو چاہیں تصرف کریں بلکہ اولاد ہونے کی وجہ سے جرم اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قیس بن عاصم کا واقعہ

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ قیس بن عاصم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے جاہلیت کے زمانہ میں اپنی چند بیٹیاں زندہ درگور کی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس جرم کے کفارہ میں (اگرچہ یہ زمانہ جاہلیت میں ہوا اور تم اسلام بھی لے آئے) تم غلام آزاد کرو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو اونٹوں والا ہوں (غلام میرے پاس نہیں ہیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ایک بچی کے لیے ایک اونٹ ذبح کرو اور اس کو صدقہ کردو۔ (معارف کاندھلوی)

بعض مفسرین نے حشرت کا ترجمہ مارنے کے بعد اٹھانے کا بھی کیا ہے حضرت۔ شیخ الاسلام نے اپنے فوائد میں بیان فرمایا ہے ابھی چند سال ہوئے گنگا جمنا میں سیلاب آیا تھا تو لوگوں نے دیکھا کہ ایک چھپر بہتا جا رہا ہے اس پر آدمی بھی ہیں اور سانپ اور بچھو بھی اس سے لپٹے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے سے کوئی تعرض نہیں کر رہا۔ (معارف کاندھلوی)

حاملہ کے پیٹ پر مارنا:

جو شخص کسی حاملہ عورت کے پیٹ پر ضرب لگائے اور اس سے بچہ ساقط ہو جائے تو باجماع امت مارنے والے پر دیت میں غرہ یعنی ایک غلام یا اس کی قیمت واجب ہوتی ہے اور بطن سے باہر آنے کے وقت وہ زندہ تھا پھر مر گیا تو پوری دیت بڑے آدمی کے برابر واجب ہوتی ہے اور چار ماہ سے پہلے اسقاط حمل بھی بدون اضطراری حالات کے حرام ہیں مگر پہلی صورت کی نسبت کم ہے کیونکہ اس میں کسی زندہ انسان کا قتل صریح نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

ضبط تولید: کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے حمل قرار نہ پائے جیسے آجکل دنیا میں ضبط تولید کے نام سے اس کی سینکڑوں صورتیں رائج ہوگئی ہیں اس کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وأد خفی فرمایا ہے یعنی خفیہ طور سے بچہ کو زندہ درگور کر دینا۔ (کما رواہ مسلم عن حذامۃ بنت وھب)

اور بعض دوسری روایات میں جو عزل یعنی ایسی تدبیر کرنا کہ نطفہ رحم میں نہ جائے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سکوت یا عدم ممانعت منقول ہے وہ ضرورت کے مواقع کے ساتھ مخصوص ہے وہ بھی اس طرح کہ ہمیشہ کے لیے قطع نسل کی صورت نہ بنے۔ (تفسیر مظہری)

آجکل ضبط تولید کے نام سے جو دوائیں یا معالجات کیے جاتے ہیں ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ ہمیشہ کے لئے سلسلہ نسل و اولاد کا منقطع ہو جائے اس کی کسی حال اجازت شرعاً نہیں ہے واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

عرب کا ایک ظالمانہ رواج:

عرب (دامادی کی) عار اور افلاس کے اندیشہ سے اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے آیت میں مدفونہ سے سوال کرنے کی غرض یہ ہے کہ دفن کرنے والے کی تذلیل و تعجیز کی جائے۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **الوائدة والمؤدة فی النار** یعنی وائدہ (دفن کرنے والی دائی) اور **مؤدہ لھا** (جس کی طرف سے دائی جا کر بچی کو دفن کرتی تھی مراد ماں) دونوں دوزخی ہیں۔

اس حدیث کو ابوداؤد نے اچھی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

اسقاط حمل:

زندہ بچہ کو دفن کر دینا گناہ کبیرہ ہے یہ قتل ناحق ہے چار ماہ سے زیادہ کا حمل ساقط کرنا بھی اسی حکم میں ہے کیونکہ جنین کی جسمانی تخلیق اس مدت میں پوری ہو جاتی ہے اور روح جسم میں پڑ جاتی ہے چار مہینے سے کم کا حمل ساقط کر دینا بھی حرام ہے لیکن اس کا گناہ پہلے سے کم ہے حرمت کی وجہ سے ہی باتفاق علماء ایک نابالغ غلام دینا واجب ہے جب کسی نے کسی حاملہ کے پیٹ پر کچھ ایسی ضرب پہنچائی کہ کامل یا ناقص اعضاء والا حمل ساقط ہو جائے بشرطیکہ اس میں تخلیق انسانی کا نقشہ پیدا ہو گیا ہو اور مردہ ہو جانے کی حالت میں ساقط ہو لیکن اگر گرنے کے وقت زندہ تھا پھر مر گیا تو بڑے آدمی کے برابر دیت واجب ہوگی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ بنی لحیان کی ایک عورت کا بچہ (ضرب سے) ساقط ہو گیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک نابالغ غلام یا باندی دینے کا حکم دیا۔ (بخاری و مسلم)

عزل کرنا:

باندی سے عزل جائز ہے آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں مگر عزل باوجود جائز ہونے کے ہے بہرحال مکروہ۔

ایک حدیث میں حضرت حذامہ بنت وہب رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے متعلق دریافت کیا فرمایا یہ پوشیدہ زندہ دفن ہے اور وہ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ (میں موجود ہے) جواز عزل کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہوتا تھا (یعنی نزول قرآن ختم نہیں ہوا تھا پھر بھی ہم کو عزل کی ممانعت نہیں کی گئی) (بخاری و مسلم)

مسلم نے اتنا زائد نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع پہنچی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس کی ممانعت نہیں فرمائی۔

عزل کے لئے آزاد عورت کی اجازت کی ضرورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد عورت سے عزل کی اس کی اجازت کے بغیر ممانعت فرما دی تھی۔ (ابن ماجہ، تفسیر مظہری)

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿١٠﴾ وَاِذَا
اور جب اعمالنامے کھولے جائیں اور جب
السَّمَآءُ كُشِطَتْ ﴿١١﴾
آسمان کا پوست اُتار لیں ☆

آسمان کا اکھاڑنا:

جیسے جانور کا بعد ذبح کے پوست اتار لیتے ہیں۔اس سے تمام اعضاء اور رگ وریشہ ظاہر ہو جاتے ہیں اسی طرح آسمان کے کھل جانے سے اس کے اوپر کی چیزیں نظر آئینگی اور غمام کا نزول ہوگا۔جس کا ذکر انیسویں پارہ میں آیت "وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ الخ" سے ہوا ہے۔(تفسیر عثمانی)

جب آسمان اکھاڑ دیا جائے گا ہٹا دیا جائے گا جیسے ذبیحہ کی کھال اتاری جاتی ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ نفخۂ بے ہوشی سے پہلے اس وقت ہوگا جب سورج کی روشنی زائل ہوگی اور ستارے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے یا نفخۂ بے ہوشی کے وقت ہوگا یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں نفخوں کے درمیان ہو اور آسمان اور زمین کو لپیٹ دیا جائے اس آسمان کو دوسرے آسمان میں اور اس زمین کو دوسری زمین میں تبدیل کر دیا جائے۔

قرطبی نے لکھا ہے کہ صاحب افصاح نے اخبار (مختلفہ) کے درمیان تو فیق پیدا کی ہے اور کہا ہے کہ آسمان اور زمین کی تبدیلی دو مرتبہ واقع ہوگی ایک تو فقط حالات کی تبدیلی ہوگی یہ نفخہ بے ہوشی سے پہلے ہوگی ستارے بکھر جائیں گے چاند سورج کو گرہن لگ جائے گی آسمان تانبے کی طرح ہو جائے گا اور روئے زمین سے ان کو ہٹا دیا جائے گا پہاڑ رواں ہو جائیں گے سمندر آگ بن جائے گا زمین میں نشیب و فراز پیدا ہو جائیں گے زمین پھٹ جائے گی اسکی ہیئت پہلی ہیئت کے خلاف ہو جائے گی پھر دونوں نفخوں کے درمیان آسمان و زمین لپیٹ دیے جائیں گے اور اس آسمان کو دوسرے آسمان سے بدل دیا جائے گا (یہ تبدیل ذات ہوگی)۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ﴿١٢﴾ وَاِذَا
اور جب دوزخ دہکائی جائے اور جب
الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ﴿١٣﴾
بہشت پاس لائی جائے

جنت اور جہنم کی رونمائی:

یعنی دوزخ بڑے زور و شور کے ساتھ دہکائی جائے اور بہشت متقیوں کے نزدیک کر دی جائے جس کی رونق و بہار دیکھنے سے عجیب مسرت و فرحت حاصل ہو۔ (تفسیر عثمانی)

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ﴿١٤﴾
جان لے گا ہر ایک جی جو لے کر آیا ☆

اعمال سامنے آئیں گے:

یعنی ہر ایک کو پتہ لگ جائیگا کہ نیکی یا بدی کا کیا سرمایہ لے کر حاضر ہوا ہے۔(تفسیر عثمانی)

یعنی اس وقت کا شخص اپنی کی ہوئی اچھائی برائی کو جان لے گا۔یہ وقت ایک وسیع وقت ہوگا نفخہ اولیٰ کے پہلے سے جنت و دوزخ کے داخلہ کے وقت تک سارا وقت قیامت کا وقت ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿١٥﴾ الْجَوَارِ
سو قسم کھاتا ہوں میں پیچھے ہٹ جانیوالوں سیدھے چلنے والوں
الْكُنَّسِ ﴿١٦﴾
دبک جانیوالوں کی ☆

خمسہ متحیرہ:

کئی سیاروں (مثلاً زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد) کی چال اس ڈھب سے ہے کہ کبھی مغرب سے مشرق کو چلیں یہ سیدھی راہ ہوئی کبھی ٹھٹھک کر الٹے پھریں اور کبھی سورج کے پاس آ کر کتنے دنوں تک غائب رہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ پانچ ستارے ہیں جن کو اہل ہیئت خمسہ متحیرہ کہتے ہیں یعنی زحل، مشتری، مریخ زہرہ، عطارد ان ستاروں کی عجیب حیرت ناک رفتار ہے یہ کبھی سیدھے چلتے ہیں تو اس لحاظ سے ان کو الجوار (یعنی جاری رہنے والے اور چلنے والے) کہا گیا۔ اور کبھی چلتے چلتے الٹے ہو جاتے ہیں اس لحاظ سے الخنس کہا گیا ہے کیونکہ خنس لغت میں لوٹنے کو کہا جاتا ہے۔ اور کبھی یہ غائب ہو جاتے ہیں اس بناء پر ان کو الکنس کہا گیا جو کنس سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ستر اور پوشیدگی کے ہیں یہ ستارے مغرب سے مشرق کو چلے تو یہ سیدھی راہ ہوئی اور کبھی ٹھٹک کر الٹے پھر جاتے ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

جن ستاروں کی قسم یہاں کھائی گئی وہ پانچ ستارے ہیں جن کو علم ہیئت و فلکیات میں خمسہ متحیرہ کہتے ہیں اور متحیرہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان پانچوں ستاروں کی حرکت دنیا میں اس طرح دیکھی جاتی ہے کہ کبھی مشرق سے مغرب کی طرف چل رہے ہیں کبھی پھر پیچھے کو مغرب سے مشرق کی طرف چلنے لگتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے اور دونوں مختلف حرکتوں کا سبب کیا ہے، اس کے بارے میں قدیم فلسفہ یونان والوں کے مختلف اقوال ہیں اور جدید فلسفہ والوں کی تحقیق ان میں سے بعض کے مطابق ہے بعض کے خلاف اور حقیقت کا علم، پیدا کرنے والے کے سوا کسی کو نہیں۔ سب تخمینے اور اندازے ہی ہیں جو غلط بھی ہو سکتے ہیں اور صحیح بھی۔ (معارف مفتی اعظم)

الخنس سے اس جگہ وہ پانچ ستارے مراد ہیں جو کو متحیرہ کہا جاتا ہے یعنی عطارد، زہرہ، مشتری، مریخ، زحل ان کو متحیرہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی رفتار کچھ اس طرح دکھائی دیتی ہے کہ مشرق سے مغرب کی طرف جاتے جاتے لوٹ پڑتے ہیں کبھی یہ ٹھہرے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔ ہیئت (قدیم) کی نظر میں اس کا سبب یہ ہے کہ کچھ افلاک جزئیہ (چھوٹے دائرے) ہیں جو کھوکھلے نہیں ہیں ان میں یہ ستارے پیوستہ ہیں ان چھوٹے دائروں کو تدویرات کہا جاتا ہے یہ دائرے خود بھی متحرک ہیں اور ان کے بالائی حصوں کی حرکت ان افلاک کی رفتار کے تابع بھی ہے جن کے اندر یہ موجود ہیں ان دائروں کے بالائی حصہ کی حرکت مغرب سے مشرق کی طرف اپنے اپنے افلاک کی رفتار کے موافق ہے اور زیریں حصوں کی حرکت اس کے برعکس مشرق سے مغرب کی جانب ہے۔

ہمارے نزدیک تو سب ستارے ایک ایک دائرہ میں تیرتے (یعنی ہموار چال سے رواں اور متحرک) ہیں اور نہ آسمانوں کا پھٹنا ناممکن ہے نہ جڑنا۔

پس خمسہ متحیرہ کی حرکت کبھی مشرق کی طرف ہوتی ہے کبھی مغرب کی طرف کبھی سست کبھی تیز۔ جب اللہ چاہتا ہے اور جیسا ضابطہ خالق نے ویسی ہی ستاروں کی حرکات ہیں ہاں ضابطہ فطریہی ہے کہ تمام ستارے ایک ہی قسم کی رفتار اور ترتیب کے ساتھ متحرک ہوں۔

یعنی وہ خمسہ متحیرہ جو دائرے میں چلتے اور غروب یا محاق کے وقت چھپ جاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں احتمال ہے کہ ان ستاروں کے مکان سے مراد ہوں زیریں عرش ان کی قرار گاہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج ڈوب گیا تو فرمایا کیا تو جانتا ہے یہ کہاں جاتا ہے میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم باخوبی واقف ہے فرمایا وہ عرش کے نیچے سجدہ کرنے جاتا ہے۔ (الحدیث) (تفسیر مظہری)

> وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿١٧﴾
>
> اور رات کی جب پھیل جائے ☆

یا جب جانے لگے۔ اس لفظ کے دونوں معنی آتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

> وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿١٨﴾
>
> اور صبح کی جب دم بھرے ☆

طلوع صبح:

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں گویا آفتاب کو دریا میں تیرنے والی مچھلی سے تشبیہ دی اور طلوع سے پہلے اس کے نور کے منتشر ہونے کو دم ماہی سے نسبت کی جیسے مچھلی دریا میں آنکھوں سے پوشیدہ گزرتی ہے اور اس کے سانس لینے سے پانی اڑتا اور منتشر ہوتا ہے اسی طرح آفتاب کی حالت قبل طلوع اور قبل روشنی پھیلنے کے ہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ دم صبح کنایہ ہے نسیم سے جو طلوع صبح کے قریب موسم بہار میں چلتی ہے (تنبیہ) ان قسموں کی مناسبت آئندہ مضمون سے یہ ہے کہ ان ستاروں کا چلنا، ٹھہرنا، لوٹنا اور چھپ جانا ایک نمونہ ہے اگلے انبیاء پر بار بار وحی آنے اور ایک مدت دراز تک اسکے نشان باقی رہنے پھر منقطع ہو کر چھپ جانے اور غائب ہو جانے کا اور رات کا آنا نمونہ ہے اس تاریک دور کا جو خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پہلے دنیا پر گزرا کہ کسی شخص کو حق و باطل کی تمیز نہ رہی تھی۔ اور وحی کے آثار بالکل مٹ چکے تھے۔ اس کے بعد صبح صادق کا دم بھرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جہاں میں تشریف لانا اور قرآن کا اترنا ہے کہ ہر چیز کو ہدایت کے نور سے دن کی مانند روشن کر دیا۔ گویا اگلے انبیاء کا نور ستاروں کی

طرح تھا اور اس نور اعظم کو آفتاب درخشاں کہنا چاہیے۔ ولنعم ما قیل

فانہ شمس فضل ھم کواکبھا
یظھرون انوارھا للناس فی الظلم
حتی اذا طلعت فی الکون عم ھدا
ھاا لعا لمین واحیت سا ئر ا لا مم

اور بعض علماء نے فرمایا کہ ستاروں کا سیدھا چلنا اور لوٹنا اور چھپ جانا فرشتے کے آنے اور واپس جانے اور عالم ملکوت میں جا چھپنے کے مشابہ ہے۔ اور رات کا گزرنا اور صبح کا آنا قرآن کے سبب ظلمت کفر دور ہو جانے اور نور ہدایت کے پوری طرح ظاہر ہو جانے کے مشابہ ہے اس تقریر کے موافق مقسم بہ کی مناسبت مقسم علیہ سے زیادہ واضح ہے۔ واللہ اعلم۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِىْ

مقرر یہ کہا ہے ایک بھیجے ہوئے عزت والے کا

قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾

قوت والا عرش کے مالک کے پاس درجہ پانے والا

مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾

سب کا مانا ہوا وہاں کا معتبر ہے☆

جبریلؑ کی صفات:

یہ حضرت جبریلؑ کی صفات بیان ہوئیں مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم جو اللہ کے پاس سے ہم تک پہنچا اس میں دو واسطے ہیں ایک وحی لانیوالا فرشتہ (جبریل علیہ السلام) اور دوسرا پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم۔ دونوں کی صفات وہ ہیں جن کے معلوم ہونے کے بعد کسی طرح کا شک وشبہ قرآن کے صادق اور منزل من اللہ ہونے میں نہیں رہتا۔ کسی روایت کی صحت تسلیم کرنے کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ راوی وہ ہوتا ہے جو اعلیٰ درجہ کا ثقہ، عادل، ضابط، حافظ اور امانت دار ہو جس سے روایت کرے اس کے پاس عزت وحرمت کے ساتھ رہتا ہو۔ بڑے بڑے معتبر ثقات اس کی امانت وغیرہ پر اعتماد کلی رکھتے ہوں اور اسی لیے اس کی بات بے چون وچرا مانتے ہوں یہ تمام صفات حضرت جبریل میں موجود ہیں وہ کریم (عزت والے) ہیں جنکے لیے اعلیٰ نہایت متقی اور پاکباز ہونا لازم ہے" اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ " وفی الحدیث "الکرم التقوی" بڑی قوت والے ہیں جس میں اشارہ ہے کہ حفظ وضبط اور بیان کی قوت بھی کامل ہے۔ اللہ کے ہاں ان کا بڑا درجہ ہے۔ سب فرشتوں سے زیادہ بارگاہ ربوبیت میں قرب اور رسائی حاصل ہے آسمانوں کے فرشتے ان کی بات مانتے اور ان کا حکم تسلیم کرتے ہیں کیونکہ ان کے امین اور معتبر ہونے میں کسی کو شبہ نہیں۔ یہ تو رسول ملکی کا حال تھا آگے رسول بشری کا حال سن لیجئے۔ (تفسیر عثمانی)

اعلیٰ راوی:

کسی روایت کی صحت تسلیم کرانے کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ راوی وہ ہوتا ہے جو اعلیٰ مرتبہ کا ثقہ عادل ضابط حافظ اور امانت دار ہو۔ اور جس سے وہ روایت کرے اس کے پاس عزت وحرمت کے ساتھ رہتا ہو بڑے بڑے معتبر ثقات اس کی امانت پر اعتماد کلی رکھتے ہوں اس وجہ سے اس کی بات بے چون وچرا مانتے ہوں۔ (معارف کاندھلوی)

یہ جواب قسم ہے رسول سے مراد ہیں حضرت جبریل علیہ السلام یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی یہ قرآن بلاشبہ اس مرسل (قاصد) کا قول ہے جو اللہ کے نزدیک معزز اور طاقت والا ہے مطلب یہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (اور قاصد) کی حیثیت سے اس کا قول ہے خود بنا کر خدا کی طرف منسوب نہیں کر دیا ہے (نہ اس کی حیثیت محض ترجمان کی ہے)

جبریل علیہ السلام کی طاقت:

اگر رسول سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہوں تو ان کی قوت یہ تھی کہ قوم لوط کی بستیوں کو اکھاڑ کر بحر اسود کے کنارہ سے اپنے بازو پر اٹھا کر بلندی پر لے جا کر الٹ دیا قوم ثمود پر ایسی دھاڑ ماری کہ سب بیٹھے بیٹھے مردہ ہو گئے آن کی آن میں آسمان سے زمین پر آتے اور پلک مارنے میں زمین سے آسمان پر چڑھ جاتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طاقت:

اگر رسول سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہو تو آپ کی طاقت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نوسو برس اپنی قوم میں رہے اور تھوڑے لوگوں کو مومن بنا سکے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئس برس میں (لاکھوں کو) اللہ کی طرف کھینچ لیا ۲۳ برس میں ہر طرف دین کو پھیلا دیا جوق در جوق لوگ دین خدا میں داخل ہونے لگے حجۃ الوداع میں ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ ساتھ تھے ساتویں آسمان سے بھی اوپر جہاں پہنچنے کی حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طاقت نہ تھی پہنچ گئے پھر زمین پر اتر آئے اور گھڑی بھر وقت بھی صرف نہ ہوا آپ نے دیدار رب کا شرف حاصل کیا کسی دوسرے کو یہ نعمت میسر نہیں ہوئی (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر) جب اللہ کا جلوہ پہاڑ پر پڑا تو اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین سے ہموار کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔

عند مکین سے متعلق ہے یعنی عرش والے (اللہ) کے ہاں وہ معزز وبا

وجاہت اور مطاع ہے (اس کا حکم مانا جاتا ہے) اور وہاں وہ امین وحی ہے۔ ثَمَّ (وہاں) تعلق امین سے ہے اور مطاع بھی ہو سکتا ہے یعنی ملأ اعلیٰ (عالم ملائکہ) میں اس رسول کی اطاعت کیجاتی ہے۔

جبریل علیہ السلام وحی کیسے حاصل کرتے ہیں:

حضرت نواس بن سمعان کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب اللہ کسی امر کی وحی کرنی چاہتا ہے تو وحی کے ساتھ کلام فرماتا ہے جس سے آسمانوں میں ایک سخت لرزہ پیدا ہو جاتا ہے جب آسمانوں والے اس کو سنتے ہیں تو بیہوش ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر پڑتے ہیں پھر ہوش میں آ کر سب سے پہلے سر اٹھانے والے حضرت جبریل علیہ السلام ہوتے ہیں اللہ ان سے اپنی وحی کے ساتھ کلام کرتا ہے پھر حضرت جبریل علیہ السلام ملائکہ کی طرف سے گزرتے ہیں جس آسمان کی طرف سے گزرتے ہیں اس کے فرشتے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھتے ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام ہمارے مالک نے کیا فرمایا ہے حضرت جبریل علیہ السلام کہتے ہیں کہ (جو کچھ فرمایا) حق ہی ہے وہ بزرگ و برتر ہے پھر سب ملائکہ ویسے ہی کہتے ہیں جیسے حضرت جبریل علیہ السلام وحی کے متعلق حکم خداوندی کے موافق کہتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام مطاع ملائکہ ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطاع ملائکہ ہونا:

رہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مطاع ملائکہ ہونا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اہل حق (صوفیا) کے نزدیک حقیقت محمدیہ فیض وجود اور مرتبہ قرب کے لیے اول ترین تعین (مخلوق وممکن) ہے اور مراتب قرب میں سے ہی وحی و کلام کا مرتبہ بھی ہے حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل کے بغیر کسی کو وحی نہیں پہنچ سکتی یہ صرف کشفی چیز ہے بعض نصوص بھی اس پر دلالت کر رہے ہیں اللہ نے فرمایا **وما ارسلنک الا رحمة اللعالمین** ۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسمان میں میرے دو وزیر جبرئیل علیہ السلام میکائیل علیہ السلام ہیں اور زمین پر میرے دو وزیر ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ ہیں لہٰذا حضرت جبرئیل علیہ السلام مطاع ہونا بطریق اولیٰ ہے۔ (تفسیر مظہری)

> **وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ** ﴿۲۲﴾
>
> اور یہ تمہارا رفیق کچھ دیوانہ نہیں ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت وسچائی:

یعنی بعثت سے پہلے چالیس سال تک وہ تمہارے اور تم اس کے ساتھ رہے اتنی طویل مدت تک اس کے تمام کھلے چھپے احوال کا تجربہ کیا۔ کبھی ایک مرتبہ اس کا جھوٹ فریب یا دیوانہ پن کی بات نہ دیکھی ہمیشہ اس کے صدق و امانت اور عقل و دانائی کے معترف رہے اب بلا وجہ اسے جھوٹا یا دیوانہ کیونکر کہہ سکتے ہو کیا یہ وہ ہی تمہارا رفیق نہیں ہے جس کے رتی رتی احوال کا تم پہلے سے تجربہ رکھتے ہو اب اس کو دیوانہ کہنا بجز دیوانگی کے کچھ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اس امر پر تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ چالیس برس سے یہ تمہارے ساتھ ہیں کوئی حکمت ان سے ایسی نہیں ہوئی جو کمال عقل و ہوش کے خلاف ہو لہٰذا انکو اب مجنون کہنا یا محض ضد ہے یا بجائے خود مجنون ہیں۔ (تفسیر مظہری)

> **وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ** ﴿۲۳﴾
>
> اور اُس نے دیکھا ہے اُس فرشتہ کو آسمان کے کھلے کنارہ کے پاس ☆

جبریلؑ کو دیکھنا:

یعنی مشرقی کنارہ کے پاس اس کی اصل صورت میں صاف صاف دیکھا اس لیے یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ شاید دیکھنے یا پہچاننے میں کچھ اشتباہ والتباس ہو گیا ہوگا جس کو فرشتہ سمجھ لیا وہ واقع میں فرشتہ نہ ہوگا سورہ "نجم" میں پہلے آ چکا "فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى"۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہتے تھے وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو کھلے افق پر دیکھا ہے جیسا کہ سورہ نجم میں فرمایا کہ فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى اور مقصود اس کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ وحی لانے والے فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوب واقف تھے ان کو اصلی ہیئت وصورت میں بھی دیکھ چکے تھے اس لیے اس وحی میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ باتفاق علماء رأی کی ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے ۔ یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی دیکھا تھا۔ ہ' کی ضمیر یا ذی العرش کی طرف راجع ہے یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف۔

اول صورت میں بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ. رای کی ضمیر فاعلی سے حال ہوگا یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساتوں آسمانوں کے آخر میں عالم کے افق پر تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو دیکھا۔

دیدار الٰہی:

بغوی نے لکھا ہے کہ ہم نے قصہ معراج میں باسناد شریک بن عبداللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ رب العزت قریب ہوا نیچے کو آیا یہاں تک کہ بقدر فاصلہ قوسین یا اس سے بھی زیادہ قریب ہو گیا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ

کی بھی یہی روایت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی قول مروی ہے اور ضحاک بھی اسی کے قائل ہیں جو لوگ قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو دیکھا تھا تفصیل میں ان کے اقوال مختلف ہیں بعض قائل ہیں کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کے اندر آنکھوں کی بینائی پیدا کر دی تھی اور آپ نے دل سے دیکھا تھا اس قول کا استنباط آیت مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى سے کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے کہ مسلم نے بروایت ابوالعالیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ آیت مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى کا یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو دل سے دوبار دیکھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ، حسن بصریؒ اور عکرمہ قائل تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ عکرمہ کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول آیا ہے کہ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کا انتخاب خلت کے لیے اور موسیٰ علیہ السلام کا کلام کے لیے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رویت (دیدار) کے لیے کیا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا فرمایا وہ نور ہے میں اس کو کیسے دیکھتا۔ (رواہ مسلم)

مسئلہ کا فیصلہ یہ ہے کہ رویت الٰہیہ کو ثابت کرنے والوں کا قول حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول سے اولیٰ ہے۔ آیت لاتدرکہ الابصار۔ سے آخرت میں رویت کی نفی تو باجماع اہل سنت ظاہر نہیں ہوتی اسی طرح دنیا میں شب معراج کے اندر رویت الٰہیہ اور جنت دوزخ کو دیکھنے کے منافی کوئی چیز آیت میں نہیں ہے۔ رہا حضرت جبریل علیہ السلام کو اصل صورت میں دیکھنے کا واقعہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نقل کیا ہے وہ بجائے خود صحیح ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آیت وَلَقَدْ رَاٰهُ میں بھی یہی واقعہ مراد ہے بلکہ کلام کی رفتار تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور کمال کے اظہار کو بتا رہی ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھنا کوئی فضیلت نہیں باجماع علماء حضرت جبریل علیہ السلام سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل تھے۔ پھر لفظ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ کمال قرب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر دلالت کر رہا ہے اس سے آگے مرتبہ کی ترقی بس رویت خداوندی کا اثبات ہی ہوسکتا ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے دیکھنے کا مرتبہ مکین عنداللہ ہونے کے مرتبہ سے بڑا نہیں لیکن اگر مکین عنداللہ ہونے کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی صفت کہا جائے اور لَقَدْ رَاٰهُ سے رویت حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد لی جائے تو مضمون الٹا ہو جائے گا (کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تو مکین عنداللہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بس اتنا شرف حاصل ہے کہ انہوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ لیا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿٢٤﴾

اور یہ غیب کی بات بتانے میں بخیل نہیں ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن نہیں کہا جا سکتا:

یعنی یہ پیغمبر ہر قسم کے غیوب کی خبر دیتا ہے ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے یا اللہ کے اسماء وصفات سے یا احکام شرعیہ سے یا مذاہب کی حقیت و بطلان سے یا جنت و دوزخ کے احوال سے یا واقعات بعد الموت سے اور ان چیزوں کے بتلانے میں ذرا بخل نہیں کرتا نہ اجرت مانگتا ہے۔ نہ نذرانہ، نہ بخشش، پھر کاہن کا لقب اس پر کیسے چسپاں ہوسکتا ہے کاہن محض ایک جزئی اور نامکمل بات غیب کی سو جھوٹ ملا کر بیان کرتا ہے اور اس کے بتلانے میں بھی اس قدر بخیل ہے کہ بدون مٹھائی یا نذرانہ وغیرہ وصول کیے ایک حرف زبان سے نہیں نکالتا پیغمبروں کی سیرت سے کاہنوں کی پوزیشن کو کیا نسبت۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿٢٥﴾

اور یہ کہا ہوا نہیں کسی شیطان مردود کا ☆

بھلا شیطان ایسی نیکی اور پرہیزگاری کی باتیں کیوں سکھلانے لگا جس میں سراسر بنی آدم کا فائدہ اور خود اس ملعون کی تفضیح و مذمت ہو۔

فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿٢٦﴾

پھر تم کدھر چلے جا رہے ہو ☆

حقیقت کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو:

یعنی جب جھوٹ، دیوانگی، تخیل و توہم اور کہانت وغیرہ کے سب احتمالات مرفوع ہوئے تو بجز صدق و حق کے اور کیا باقی رہا۔ پھر اس روشن اور صاف راستے کو چھوڑ کر کدھر بہکے چلے جا رہے ہو۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٧﴾

یہ تو ایک نصیحت ہے جہان بھر کے واسطے ☆

سچا نصیحت نامہ:

قرآن کی نسبت جو احتمالات تم پیدا کرتے ہو سب غلط ہیں۔ اگر اس کے مضامین و ہدایات میں غور کرو تو اس کے سوا کچھ نہ نکلے گا یہ سارے جہان کے لیے ایک سچا نصیحت نامہ اور مکمل دستور العمل ہے جس سے ان کی دارین کی فلاح وابستہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

انسان جنات اور ملائکہ:

عالمین سے عموماً تمام جنات اور انسان مراد ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام جن وانس کے لیے ہے بلکہ آپ کی ذات رحمۃ للعالمین تھی اور قرآن کا فیض ملائکہ کو بھی حاصل ہے آیت بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ ۝ کِرَامٍۭ بَرَرَةٍ اس پر دلالت کر رہی ہے حاکم نے مستدرک میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ جب سورۂ انعام نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی پاکی کا زبان سے اظہار فرمایا پھر فرمایا ملائکہ نے بھی پاکی بیان کی (اتنی تعداد نے کہ) افق کو بند کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿۲۸﴾
جو کوئی چاہے تم میں سے کہ سیدھا چلے ☆

استقامت:

یعنی بالخصوص ان کے لیے نصیحت ہے جو سیدھا چلنا چاہیں عناد اور کجروی اختیار نہ کریں کیونکہ ایسے ہی لوگ اس نصیحت سے منتفع ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

سفیان بن عبداللہ ثقفی نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے اسلام کی کوئی ایسی بات فرما دیجئے کہ آپ کے بعد مجھے اس کے متعلق کسی اور سے پوچھنا نہ پڑے فرمایا کہو امنت باللہ پھر استقامت رکھ۔ رواہ مسلم (تفسیر مظہری)

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ
اور تم جبھی چاہو کہ چاہے اللہ
رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾ ع
سارے جہان کا مالک ☆

اصل اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے:

یعنی فی نفسہٖ قرآن نصیحت ہے لیکن اس کی تاثیر مشیت الٰہی پر موقوف ہے جو بعض لوگوں کے لیے متعلق ہوتی ہے اور بعض کے لیے کسی حکمت سے ان کو سوء استعداد کی بنا پر متعلق نہیں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ میں انسان کے لیے ارادہ اور مشیت کا اثبات فرمایا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ واضح کیا جا رہا ہے کہ انسان کا ارادہ اور مشیت اللہ کی مشیت اور اس کی تقدیر کے مطابق اس کے تابع ہے اس کی توفیق ہی سے ہدایت اختیار کرتا ہے اور ہر انسان قضا وقدر کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے البتہ بات صرف اتنی ہے کہ قضاء وقدر اس سے جو کچھ کراتی ہے وہ اسکے ارادہ اور اختیار کے توسط سے کراتی ہے اینٹ پتھر کی طرح نہیں ہے کہ اس کو کوئی حرکت دے رہا ہو اور خود اس میں کسی طرح کا شعور وادراک اور ارادہ اور اختیار نہ ہو تو بندہ اسی ارادہ اور اختیار کو استعمال کرنے کی وجہ سے ثواب وعتاب کا مستحق ہوتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وہ سارے جہاں کا مالک ہے ہر چیز کو ترقی دے کر حد کمال تک پہنچانے والا ہے جواہر ہوں یا اعراض سب کا خالق وہی ہے انسانی افعال کا بھی وہی خالق ہے یہاں تک کہ تمہاری مشیت بھی وہی پیدا کرتا ہے جو استقامت کا خواستگار ہو اور استقامت اسکو نبھائے تو یہ اللہ کا فضل وانعام ہے۔ (تفسیر مظہری)

صبح کی نماز میں تلاوت:

حضرت عمر بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سورۃ کی تلاوت کرتے ہوئے سنا اس نماز میں میں بھی مقتدیوں میں شامل تھا۔ (مسلم تفسیر ابن کثیر)

الحمد للہ سورۃ التکویر ختم ہوئی

سورۃ الانفطار

اس کو خواب میں پڑھنے والے کو سلاطین کا قرب حاصل ہوگا اور وہ اس کی عزت کریں گے۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعَ عَشَرَةَ اٰيَةً
سورۂ انفطار مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی اُنیس آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
﴿شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾
اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝۱ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ
جب آسمان چر جائے اور جب تارے
انْتَثَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝۳
جھڑ پڑیں اور جب دریا اُبل نکلیں ☆

یعنی سمندر کا پانی زمین پر زور کرے آخر میٹھے اور کھاری سب پانی مل جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

نماز عشاء کی قراءت:

نسائی میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عشاء کی نماز پڑھائی اور اس میں لمبی قراءت پڑھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاذ کیا یہ سورتیں نہ تھیں۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝۴
اور جب قبریں زیروزبر کردی جائیں ☆

یعنی جو چیز زمین کی تہ میں تھی اوپر آجائے اور مردے قبروں سے نکالے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ
جان لے ہر ایک جی جو کچھ کہ آگے بھیجا اور
اَخَّرَتْ ۝۵
پیچھے چھوڑا ☆

تمام اعمال کا سامنا ہوگا:

یعنی جو بھلے برے کام کیے یا نہیں کیے شروع عمر میں کیے یا اخیر میں ان کا اثر اپنے پیچھے چھوڑا یا نہیں چھوڑا سب اس وقت سامنے آجائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

اچھے اور برے طریقہ کا بدلہ:

حدیث میں ہے کہ جس شخص نے اسلام میں کوئی اچھی سنت اور طریقہ جاری کرایا اسکا ثواب ہمیشہ اس کو ملتا رہے گا، اور جس نے کوئی بری رسم اور گناہ کا کام دنیا میں جاری کر دیا تو جب تک لوگ اس برے کام میں مبتلا ہوں گے اس کا گناہ اس شخص کے لئے بھی لکھا جاتا رہے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ
اے آدمی کس چیز سے بہکا تو اپنے رب
الْكَرِيْمِ ۝۶
کریم پر ☆

ربّ کریم کا حق: یعنی وہ رب کریم کیا اس کا حقدار تھا کہ تو اپنے جہل و حماقت سے اس کے حلم پر مغرور ہوکر نافرمانیاں کرتا رہے؟ اور اس کے لطف و کرم کا جواب کفران وطغیان سے دے؟ اس کا کرم دیکھ کر تو اور زیادہ شرمانا اور حلیم کے غصہ سے بہت زیادہ ڈرنا چاہیے تھا۔ بیشک وہ کریم ہے لیکن منتقم اور حکیم بھی ہے۔ پھر یہ غرور اور دھوکا نہیں تو اور کیا ہوگا کہ اس کی ایک صفت کو لے کر دوسری صفات سے آنکھیں بند کر لی جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

کسی نسبت ونسب پر مغرور نہ ہونا چاہیئے:

بعض مبصرین کی رائے ہے کہ یہاں الانسان سے ہر ایک کو خطاب ہے خواہ وہ کافر ہو یا مومن۔ گناہ گار ہو یا بدکار۔ تو بطور تنبیہ سب کو یہ خطاب فرمایا جا رہا ہے تا کہ کوئی بھی متنفس اس طرح کی روش اختیار نہ کرے اور آسمانی عدالت سے کسی وقت غفلت نہ برتے اگر کسی وقت بشری کوتاہی کرے اور کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر نادم اور شرمندہ ہوکر تائب ہو یہ نہیں کہ عیسائیوں کی طرح یہ سمجھ کر مطمئن ہو جائے کہ بس یسوع مسیح ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو چکے ہیں۔ اب ہم کو کسی بھی گناہ کی سزا بھگتنی نہیں پڑے گی اور نہ یہودیوں کی طرح یہ سمجھیں کہ بس حضرت ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونا کافی ہے اور اگر کسی گناہ کی کوئی سزا بھی ملے تو بس چندروز کی ہوگی۔ جیسے کہ ارشاد ہے وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً یا ان جہلاء کی طرح دھوکہ میں نہ پڑے جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ انکے بزرگ اور غوث وقطب ان کو بخشوا دیں گے۔ اور انکو نہ کسی فرض کے ادا کرنے کی ضرورت ہے اور نہ کسی معصیت سے ان کو کچھ نقصان ہوگا اور نہ ہی روافض وشیعہ کی طرح یہ اعتقاد قائم کرلے کہ بنی

فاطمہ پر آگ حرام ہے۔ خواہ وہ کچھ بھی کریں ان کو قطعاً سزا نہ ہوگی ایسے فاطمیوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خود اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ یا فاطمہ بنت محمد انقذی نفسک من النار فانی لا اغنی عنک من اللہ شیئاً کہ اے فاطمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی! تو اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا۔ (بغیر ایمان و عمل) میں اللہ کے یہاں تجھے ذرہ برابر بھی فائدہ نہ پہنچا سکوں گا۔ (معارف کاندھلوی)

کیا اللہ تعالیٰ کے کرم کا یہی جواب ہے:

بیان فرما کر ارشاد فرمایا مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ کہ اے غافل انسان جس پروردگار نے تیرے وجود میں ایسے ایسے کمالات ودیعت فرمائے اس کے معاملے میں تو نے کیونکر دھوکہ اور فریب کھایا کہ اسی کو بھول بیٹھا اس کے احکام کی نافرمانی کرنے لگا، تجھے تو خود تیرے جسم کا جوڑ جوڑ اللہ کی یاد دلانے اور اس کی اطاعت پر مجبور کرنے کے لئے کافی تھا پھر یہ بھول اور غفلت یہ غرور اور دھوکہ کیسے لگا، اس جگہ رب کی صفت کریم ذکر کر کے اس کے جواب کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ انسان کی بھول اور دھوکہ میں پڑنے کا سبب حق تعالیٰ کا قریب ہونا ہے۔ کہ وہ اپنے لطف و کرم سے انسان کے گناہ پر فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ اس کے رزق اور عافیت اور دنیوی آسائش میں بھی کوئی کمی نہیں کرتا، یہ لطف و کرم اس کے غرور اور دھوکہ کا سبب بن گیا۔ حالانکہ ذرا عقل سے کام لیتا تو یہ لطف و کرم غرور و غفلت کا سبب بننے کے بجائے اور زیادہ اپنے رب کریم کے احسانات کا ممنون ہو کر اطاعت میں لگ جانے کا سبب ہونا چاہئے تھا۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ کم من مغرور تحت الستر و ھو لا یشعر۔ یعنی کتنے ہی انسان ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے عیبوں اور گناہوں پر پردہ ڈالا ہوا ہے۔ اور ان کو رسوا نہیں کیا۔ وہ اس لطف و کرم سے اور زیادہ غرور اور دھوکہ میں مبتلا ہو گئے۔ (معارف مفتی اعظم)

شانِ نزول: بغویؒ کا بیان ہے کہ ولید بن مغیرہؓ کے حق میں اس آیت کا نقول ہوا۔ ابن ابی حاتمؒ نے عکرمہ کا قول نقل کیا ہے کہ نزول آیت کا مورد ابی بن خلف تھا۔ کلبی نے اسید بن کلدہ کے متعلق آیت کا نزول قرار دیا ہے۔ اسید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارا تھا اور اللہ نے اس کو فوری سزا نہیں دی تھی۔ اور یہ آیت نازل فرمائی یعنی رب کریم کے متعلق تجھے کس چیز نے فریب خوردہ بنایا اور کس نے اس کی خلاف ورزی پر تجھے جرات دلائی کیا اس کی درگزر نے یا اس بات نے کہ اس نے تجھے فوری سزا نہیں دی رب کی صفت کریم اس موقع پر ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ خدا کے وصف کریمی ہی کی وجہ سے اس نے فریب کھایا تھا اور شیطان یہی کہہ کر دھوکہ دیتا ہے کہ تیرا رب کریم ہے کسی کو فوری سزا نہیں دیتا۔ مقاتل نے جو کہا تھا کہ اللہ کی درگزر نے اس کو فریب دیا تھا کہ خدا نے اس کی حرکت کی فوری سزا نہیں دی اس قول کا بھی وہی مطلب ہے۔ جو ہم نے بیان کیا سعدی نے کہا اللہ کے نرمی کرنے نے اس کو فریب دیا۔

کریم خداوندی: بعض اہل بشارت کا قول ہے کہ دوسرے اسماء صفات کو چھوڑ کر رَبِّكَ الْكَرِيمِ کہنے سے گناہ گار کو یہ جواب دینے کا موقع مل گیا کہ جب اس سے گناہ کی باز پرس ہو تو وہ کہہ دے کہ مجھے کریم کے کرم نے دھوکہ دیا، یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا اگر مجھے سامنے کھڑا کر کے پوچھا کہ یحییٰ تجھے میرے متعلق کس نے فریب خوردہ کر دیا اور مجھ پر کس نے جرات دلائی تو کہہ دوں گا کہ تیرے رب گذشتہ اور حالیہ کرم نے مجھے دھوکہ دیا اور ابوبکر وراق نے کہا کہ اگر مجھ سے فرمایا مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ تو کہہ دوں گا غَرَّنِیْ کَرَمُ الْکَرِیْمِ. حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایسا نہیں کہ قیامت کے دن اللہ اس سے باز پرس نہ کرے وہ ضرور کہے گا کہ اے ابن آدم تجھے مجھ پر کس چیز نے جلی بنا دیا اے ابن آدم تو نے اپنے علم کے موافق کیا عمل کیا۔ اے ابن آدم تو نے پیغمبر کو کیا جواب دیا۔ عطاءؒ نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں کہا کہ تجھے کس چیز نے خدا سے کاٹ دیا کس نے خدا سے روک کر نفس میں پھنسایا بئس للظا لمین بدلا۔

سبق آموز واقعہ: نقل ہے کہ ایک عورت نے قاضی سے استغاثہ کیا کہ میرے شوہر نے میرے اوپر ایک عورت سے نکاح کر لیا ہے قاضی نے کہا کہ تجھ کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں اللہ نے مردوں کے لئے حسب مرضی دو دو تین تین اور چار چار عورتیں مباح کر دیں ہیں عورت بولی قاضی جی اگر حجاب و حیاء نہ ہوتی تو میں اپنا حسن تم کو دکھاتی اور پھر پوچھتی کہ جس کا حسن جمال ایسا ہو جیسا میرا کیا اس سے رخ موڑ کر دوسرے سے مشغلہ کرنا جائز ہے عورت کا یہ قول ایک اہل دل نے سن پایا اور سنتے ہی گر کر چیخ مار کر بیہوش ہو کر گر پڑا کچھ دیر کے بعد ہوش میں آیا تو کہنے لگا میں نے ایک ہاتف کو یہ ندا دیتے سنا کہ کیا تو نے اس عورت کی بات نہیں سنی اگر عظمت و کبریاء کا حجاب نہ ہوتا تو میں تم کو اپنا جمال و جلال دکھاتا جس کی سمائی کسی مقابلہ میں نہیں، اور تم سے پوچھتا کہ جو مجھ سے مشغلہ رکھ سکتا ہے میری مثل کون ہے کوئی میری مثل ہو ہی نہیں سکتا میری ہی طلب کرے گا تو مجھے پالے گا۔ (تفسیر مظہری)

ابن آدم کی حقیقت: مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلی میں تھوکا پھر اس پر اپنی انگلی رکھ کر فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے، اے ابن آدم! کیا تو مجھے عاجز کر سکتا ہے؟ حالانکہ میں نے تو تجھے اس جیسی چیز سے پیدا کیا ہے پھر ٹھیک ٹھاک کیا ہے پھر صحیح قامت بنایا پھر تجھے پہنا اوڑھا کر چلنا پھرنا سکھایا۔ آخر کار تیرا ٹھکانا زمین کے اندر ہے تو نے خوب جمع جتھا کی اور میری راہ میں دینے سے رکتا رہا یہاں تک کہ جب دم حلق میں آ گیا تو کہنے لگا کہ میں صدقہ کرتا ہوں بھلا اب صدقے کا وقت کہاں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ﴿٧﴾

جس نے تجھ کو بنایا پھر تجھ کو ٹھیک کیا پھر تجھ کو برابر کیا ☆

جسم و عادات کی درستی:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ٹھیک کیا بدن میں برابر کیا خصلت میں" یا یہ مطلب ہے کہ تیرے اعضاء کے جوڑ بند درست کیے اور حکمت کے موافق ان میں تناسب رکھا پھر مزاج و اخلاط میں اعتدال پیدا کیا۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کی توجہ اور انسان کی بے توجہی:

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی انسان نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ بھی اپنا رخ اس کی طرف کر لیتا ہے پھر جب آدمی رخ پھیر لیتا ہے تو اللہ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم کس کی طرف تو رخ پھیرتا ہے مجھ سے بہتر کون ہے؟ میری طرف رخ کر جب آدمی دوبارہ رخ گردانی کرتا ہے تو اللہ وہی پہلی بات فرماتا ہے جب تیسری بار آدمی رخ پھیر لیتا ہے تو اللہ بھی اس کی طرف سے رخ پھیر لیتا ہے۔ (رواہ البزار)

فِيٓ أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝٨

جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا ☆

ہر ایک کو مخصوص شکل عطاء کی:

یعنی سب کی صورتوں میں تھوڑا بہت تفاوت رکھا۔ ہر ایک کو الگ صورت شکل اور رنگ و روپ عنایت کیا اور بحیثیت مجموعی انسان کی صورت کو تمام جانداروں کی صورت سے بہتر بنایا بعض سلف اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ وہ چاہتا تو تجھے گدھے، کتے، خنزیر کی شکل و صورت میں ڈال دیتا باوجود اس قدرت کے محض اپنے فضل اور مشیت سے انسانی صورت میں رکھا بہرحال جس خدا کی یہ قدرت ہو اور ایسے انعامات ہوں کیا اس کے ساتھ آدمی کو یہی معاملہ کرنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

حدیث میں آیا ہے کہ جب نطفہ رحم میں ٹھہرتا ہے تو اس سے لے کر آدم تک تمام (صورتوں) کو سامنے لایا جاتا ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت فِيٓ أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ تلاوت فرمائی اس حدیث کو بن جریر اور طبرانی نے موسیٰ بن علی بن رباح کے سلسلہ سے ضعیف سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

سیاہ رنگ کا بچہ: صحیحین کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا کہ میری بیوی کے جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ سیاہ فام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے پاس اونٹ بھی ہیں؟ کہا ہاں فرمایا کس رنگ کے ہیں؟ کہا سرخ رنگ کے۔ فرمایا کہ کیا ان میں چتکبرا بھی ہے؟ کہا ہاں۔ فرمایا اس رنگ کا بچہ سرخ نر و مادہ کے درمیان کیسے پیدا ہو گیا؟ کہنے لگا کہ شاید اوپر کی نسل کی طرف کوئی رگ کھینچ لی گئی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح تیرے بچے کے سیاہ رنگ ہونے کی وجہ بھی شاید یہی ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ ۝٩

ہرگز نہیں پر تم جھوٹ جانتے ہو انصاف کا ہونا ☆

غفلت کی وجہ: یعنی بہکنے والے اور دھوکا کھانے کی۔ اور کوئی وجہ نہیں بات یہ ہے کہ تم انصاف کے دن پر یقین نہیں رکھتے کہ جو چاہیں کرتے رہیں آگے کوئی حساب اور باز پرس نہیں یہاں جو کچھ عمل ہم کرتے ہیں کون ان کو لکھتا اور محفوظ کرتا ہوگا۔ بس مر گئے سب قصہ ختم ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ہر انسان نے جو پہلے معصیت اور پیچھے طاعت کی ہوگی اس کو جان لے گا اور تم عصیان کرتے ہو۔ لہٰذا تم اپنے گناہوں کو جان لو گے اور فقط معصیت ہی نہیں کرتے بلکہ جزاء سزا کو ہی نہیں مانتے۔ (تفسیر مظہری)

وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝١٠ كِرَامًا

اور تم پر نگہبان مقرر ہیں عزت والے

كَاتِبِينَ ۝١١ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝١٢

عمل لکھنے والے جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو ☆

اعمال لکھنے والے فرشتے: جو نہ خیانت کرتے ہیں نہ کوئی عمل لکھے بغیر چھوڑتے ہیں۔ نہ ان سے تمہارے اعمال پوشیدہ ہیں جب سب عمل ایک ایک کر کے اس اہتمام سے لکھے جا رہے ہیں تو کیا یہ سب دفتریوں ہی بیکار چھوڑ دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں یقیناً ہر شخص کے اعمال اس کے آگے آئیں گے اور اس کا اچھا یا برا پھل چکھنا پڑیگا۔ جس کی تفصیل آگے بیان کی۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا کے یہ بزرگ فرشتے تم سے جنابت اور پاخانہ کی حالت کے سوا کسی وقت بھی الگ نہیں ہوتے تم ان کا احترام کرو۔ غسل کے وقت بھی پردہ کر لیا کرو، دیوار سے یا اوٹ سے ہی سہی۔ یہ بھی نہ ہو تو اپنے کسی ساتھی کو کھڑا کر لیا کرو تا کہ وہی پردہ ہو جائے۔ (ابن ابی حاتم)

بزار کی اس حدیث کے الفاظ میں کچھ ہیر پھیر ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ننگا ہونے سے منع کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے ان فرشتوں سے شرماؤ۔ اس میں یہ بھی ہے کہ غسل کے وقت یہ فرشتے دور ہو جاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جب یہ کراماً کاتبین بندے کا اعمالنامہ خدا کے سامنے پیش کرتے ہیں تو اگر شروع اور آخر میں استغفار ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے درمیان کی سب خطائیں میں نے اپنے بندے کی بخش دیں۔ (بزار، تفسیر ابن کثیر)

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝١٣

بیشک نیک لوگ بہشت میں ہیں ☆

نیکیوں کا ٹھکانہ: جہاں ہمیشہ کے لیے ہر قسم کی نعمتوں اور راحتوں میں رہنا ہوگا اگر نکلنے کا کھٹکا لگا رہتا تو راحت ہی کیا ہوتی۔ (تفسیر عثمانی)

ابرار کیوں کہا: ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عمر کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے ان کو ابرار اس لئے فرمایا کہ انہوں نے باپ اور بیٹوں کے ساتھ نیک سلوک کیا۔ (تفسیر مظہری)

وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ﴿١٤﴾ یَّصْلَوْنَهَا

اور بیشک گنہگار دوزخ میں ہیں ڈالے جائیں گے اس میں

یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿١٥﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِیْنَ ﴿١٦﴾

انصاف کے دن اور نہ ہونگے اُس سے جدا ہونے والے

کوئی دوزخ سے بھاگ نہیں سکتا:

یعنی نہ بھاگ کر اس سے الگ رہ سکتے ہیں نہ داخل ہونے کے بعد کبھی نکل کر جاسکتے ہیں۔ ہمیشہ وہیں رہنا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فجور کا معنی ہے پھاڑنا جن لوگوں نے کفر و معصیت کے ہاتھ سے دین اور دیانت کا پردہ پھاڑ دیا وہ فجار ہیں اِنَّ الْاَبْرَارَ سے لَفِیْ جَحِیْمٍ تک علمت نفس کا بیان ہے کیونکہ ہر شخص اپنے کئے ہوئے عمل اچھے برے کو سزا اور جزا سے پہچان لے گا۔

اپنے اعمال معلوم کرنے کا طریقہ:

سلیمان بن عبدالملک نے ابوحازم مدنی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کاش ہم کو معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہمارے لئے کیا ہے (ثواب یا عذاب) ابوحازم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اپنے اعمال کو کتاب اللہ کے سامنے لاؤ تم کو معلوم ہو جائے گا کہ خدا کے پاس تمہارے لئے کیا ہے سلیمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کتاب اللہ میں مجھے کس جگہ ملے گا۔ ابوحازم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ میں۔ سلیمان رضی اللہ عنہ نے پھر کہا رحمت کہاں ہے ابوحازم نے کہا کہ نیک کام کرنے والوں کے نزدیک۔

قبر میں جنت یا جہنم کا نظارہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی مرجاتا ہے تو صبح شام اس کی جگہ اس کے سامنے لائی جاتی ہے اگر وہ جنتی ہے تو جنت والوں کی جگہ اور اگر دوزخی ہے تو دوزخ والوں کی جگہ پیش ہوتی ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیری جگہ ہے یہاں تک کہ اللہ تجھے اٹھا کر قیامت کے دن وہاں لے جائے گا۔ (بخاری و مسلم)

آگ کا فرش اور آگ کے کپڑے:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت سے حسب فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں کافروں کا حال کے ذکر میں آیا ہے کہ اس سے اس کے دین کے متعلق پوچھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ ہاں مجھے نہیں معلوم اس پر آسمان کی طرف سے ایک نداء آتی ہے اس نے جھوٹ کہا اس کے لئے آگ کا فرش کر دو اور آگ کے کپڑے اس کو پہنا دو اور آگ کی طرف اس کے لئے دروازہ کھول دو۔ (تفسیر مظہری)

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿١٧﴾ ثُمَّ

اور تجھ کو کیا خبر ہے کیسا ہے دن انصاف کا پھر بھی

مَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿١٨﴾ یَوْمَ لَا

تجھ کو کیا خبر ہے کیسا ہے دن انصاف کا جس دن کہ بھلا نہ

تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْـًٔا ؕ

کر سکے کوئی جی کسی جی کا کچھ بھی ☆

سب رشتے ناطے نابود ہو جائیں گے:

یعنی کتنا ہی سوچو اور غور کرو پھر بھی اس ہولناک دن کی پوری کیفیت سمجھ میں نہیں آسکتی۔ بس مختصراً اتنا سمجھ لو کہ اس دن جتنے رشتے ناطے خویشی اور آشنائی کے ہیں سب نیست و نابود ہو جائینگے۔ سب نفسی نفسی پکارتے ہونگے۔ کوئی شخص بدون حکم مالک الملک کے کسی کی سفارش نہ کر سکے گا عاجزی، چاپلوسی اور صبر و استقلال کچھ کام نہ دیگا۔ "الا من رحم اللّٰہ" (تفسیر عثمانی)

نیک اعمال کرلو: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بنوہاشم! اپنی جانوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لئے نیک اعمال کی تیاریاں کرلو۔ میں تمہیں اس دن خدا کے عذاب سے بچانے کا اختیار نہیں رکھتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿١٩﴾

اور حکم اُس دن اللہ ہی کا ہے ☆

سب عارضی بڑائیاں ختم ہو جائیں گی:

یعنی دنیا میں جس طرح بادشاہ کا حکم رعیت پر ماں باپ کا اولاد پر اور آقا کا نوکر پر جاری ہوتا ہے اس دن یہ سب حکم ختم ہو جائینگے اور اس شہنشاہ مطلق کے سوا کسی کو دم مارنے کی قدرت نہ ہوگی تنہا بلا شرکت غیرے ظاہراً و باطناً اسی کا حکم چلے گا اور سارے کام حساً اور معناً اکیلے اسی کے قبضہ میں ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْن

اس کو خواب میں پڑھنے والے کو وفا اور عدل نصیب ہوگا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

سورۂ مطففین مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھتیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝١ الَّذِيْنَ اِذَا

خرابی ہے گھٹانے والوں کی وہ لوگ کہ جب ماپ کر لیں

اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝٢ وَاِذَا

لوگوں سے تو پورا بھر لیں اور جب

كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝٣

ماپ کر دیں اُن کو یا تول کر تو گھٹا کر دیں ☆

ناپ تول میں کمی کرنا:

گو لوگوں سے اپنا حق پورا لینا مذموم نہیں مگر یہاں اس کے لانے سے مقصود خود اس بات پر مذمت کرنا نہیں بلکہ کم دینے کی مذمت کو مؤکد کرنا ہے یعنی کم دینا اگر چہ فی نفسہ مذموم ہے لیکن اس کے ساتھ اگر لیتے وقت دوسروں کی بالکل رعایت نہ کی جائے تو اور زیادہ مذموم ہے بخلاف رعایت کرنے والے کے کہ اگر اس میں ایک عیب ہے تو ایک ہنر بھی ہے۔ فتلک بتلک۔ لہٰذا پہلے شخص کا عیب زیادہ شدید ہوا اور چونکہ اصل مقصود مذمت ہے کم دینے کی اس لیے اس میں ناپ اور تول دونوں کا ذکر کیا جائے تا خوب تصریح ہو جائے کہ ناپنے میں کم ناپتے ہیں اور تولنے میں بھی کم تولتے ہیں اور چونکہ پورا لینا فی نفسہ مذموم نہیں اس لیے وہاں صرف ایک کے ذکر پر اکتفا کیا پھر تخصیص ناپ کی شاید اس لیے ہو کہ عرب میں اور خصوصاً مدینہ میں زیادہ رواج کیل کا تھا۔ اس کے سوا اور بھی وجوہ تخصیص کی ہوسکتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وبائی امراض، دشمن کا خوف، معاشی تنگی اور قحط کے اسباب:

ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خمس بخمس کہ پانچ گناہوں کی سزا پانچ مصیبتوں کی شکل میں انسان پر واقع ہوتی ہیں۔ جو عہد شکنی کرتا ہے خدا اس پر اسکے دشمن مسلط کر دیتا ہے جو اللہ کا قانون چھوڑ کر دوسرے قانون پر فیصلے کرتے ہیں ان میں فقر واحتیاج آ جاتا ہے اور جس قوم میں بے حیائی اور زناء عام ہو جاتا ہے تو اس پر طاعون اور دوسرے وبائی امراض مسلط ہو جاتے ہیں اور جو ناپ تول میں کمی کریں ان پر قحط واقع ہو جاتا ہے اور جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان سے بارش روک لیتا ہے۔ (قرطبی)

ایک اور روایت میں ہے کہ جس قوم میں مال غنیمت میں خباثت اور چوری ہونے لگے اللہ تعالیٰ اس کا رعب دشمنوں کے دل سے نکال دیتا ہے اور خود دشمنوں کا ڈران کے دلوں میں ڈال دیتا ہے (معارف کاندھلوی)

شان نزول: امام نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو دیکھا کہ مدینہ کے لوگ جن کے عام معاملات کیل یعنی ناپ کے ذریعے ہوتے تھے وہ اس معاملہ میں چوری کرنے کم ناپنے کے بہت عادی تھے اس پر سورت وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ نازل ہوئی۔

اہل مدینہ کا اس سورۃ پر مثالی عمل:

وجہ یہ تھی کہ اہل مدینہ میں یہ رواج اس وقت عام تھا کہ جب خود کسی سے سودا لیتے تو پورا ناپ تول پورا پورا لیتے تھے اور جب دوسروں کو بیچتے تو اس میں کمی اور چوری کرتے تھے۔ اس سورت کے نازل ہونے پر یہ لوگ اس رسم بد سے باز آ گئے اور ایسے باز آئے کہ آج تک اہل مدینہ ناپ تول پورا پورا کرنے میں معروف مشہور ہیں۔ (رواہ الحاکم، والنسائی، وابن ماجہ، بسند صحیح از مظہری)

قرآن کریم اور حدیث میں ناپ تول میں کمی کرنے کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ عام طور سے معاملات کا لین دین انہی دو طریقوں سے ہوتا ہے انہی طریقوں سے کہا جا سکتا ہے کہ حق دار کا حق ادا ہو گیا یا نہیں، لیکن یہ معلوم ہے کہ مقصود اس سے ہر ایک حق دار کا حق پورا پورا دینا ہے اس میں کمی کرنا حرام ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ صرف ناپ تول کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر وہ چیز جس سے کسی کا حق پورا کرنا یا نہ کرنا جانچا جاتا ہے اس کا یہی حکم ہے کہ خواہ ناپ تول سے ہو یا عددی شمار سے یا کسی اور طریقے سے ہر ایک میں حق دار کے حق سے کم دینا بحکم تطفیف حرام ہے۔

موطا امام مالکؒ میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز کے رکوع اور سجدے وغیرہ پورے نہیں کرتا جلدی جلدی نماز ختم کر ڈالتا ہے تو اس کو فرمایا لَقَدْ طَفَّفْتَ یعنی تو نے اللہ کے حق میں تطفیف کر دی، فاروق اعظم کے اس قول کو نقل کر کے حضرت امام مالکؒ نے فرمایا

لکلّ شیءٍ وفاء و تطفیف یعنی پورا حق دینا یا کم کرنا ہر چیز میں ہے یہاں تک کہ نماز، وضو، طہارت میں بھی اور اسی طرح دوسرے حقوق اللہ اور عبادات میں کمی کوتاہی کرنے والا تطفیف کا مجرم ہے اسی طرح حقوق العباد میں جو شخص مقررہ حق سے کم کرتا ہے وہ بھی تطفیف کے حکم میں ہے۔ مزدور ملازم نے جتنے وقت کی خدمت کا معاہدہ کیا ہے اس میں سے وقت چرانا اور کم کرنا اس میں داخل ہے۔ وقت کے اندر جس طرح محنت سے کام کرنے کا عرف میں معمول ہے اس میں سستی کرنا بھی تطفیف ہے اس میں عام لوگوں میں یہاں تک اہل علم میں بھی یہ غفلت پائی جاتی ہے، اپنی ملازمت کے فرائض میں کمی کرنے کو کوئی گناہ نہیں سمجھتا اعاذنا اللہ منہ۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خمس نجمس یعنی پانچ گناہوں کی سزا پانچ چیزیں ہیں (۱) جو شخص عہد شکنی کرتا ہے اللہ اس پر اس کے دشمن کو غالب اور مسلط کر دیتا ہے (۲) جو قوم اللہ کے قانون کو چھوڑ کر دوسرے قوانین پر فیصلے کرتے ہیں ان میں فقر واحتیاج عام ہو جاتا ہے۔ (۳) جس قوم میں بے حیائی اور زنا عام ہو جائے اس پر اللہ تعالیٰ طاعون (اور دوسرے وبائی امراض) مسلط کر دیتا ہے (۴) اور جو لوگ ناپ اور تول میں کمی کرنے لگیں اللہ تعالیٰ ان کو قحط میں مبتلا کر دیتا ہے (۵) جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان سے بارش کو روک دیتا ہے۔

(ذکر القرطبی وقال خرجہ البزار بمعناہ و مالک بن انس ایضا من حدیث ابن عمرؓ)

اور طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم میں مال غنیمت کی چوری رائج ہو جائے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں دشمن کا رعب اور ہیبت ڈال دیتا ہے۔ اور جس قوم میں ربوا یعنی سود خوری کا رواج ہو جائے ان میں موت کی کثرت ہو جاتی ہے اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کا رزق قطع کر دیتا ہے اور جو لوگ حق کے خلاف فیصلے کرتے ہیں ان میں قتل وخون عام ہو جاتا ہے اور جو لوگ معاہدات میں غداری کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر ان کے دشمن مسلط کر دیتا ہے۔ (رواہ مالک موقوفاً، از مظہری)

قحط کی صورتیں: اسی طرح قحط کی یہ صورتیں بھی ہو سکتی ہیں کہ اشیاء ضرورت مفقود ہو جائیں، اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ موجود بلکہ کثیر ہونے کے باوجود ان کی گرانی اتنی بڑھ جائے کہ خریداری مشکل ہو جائے جیسا کہ آج کل اس کا مشاہدہ اکثر چیزوں میں ہو رہا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ابوجہینہ کے باٹ: سعدی کا بیان ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہاں ایک شخص رہتا تھا جس کو ابوجہینہ کہا جاتا تھا اس کے پاس دو صاع (تقریباً چار سیر کا ایک پیمانہ) تھے ایک صاع سے ناپ کر دیتا اور دوسرے سے لیتا تھا اس پر اللہ نے وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ نازل فرمائی۔

نکتہ: یا یوں کہا جائے کہ اس زمانے میں پیمانوں سے ناپ کر لین دین زیادہ ہوتا تھا اور تول کر کم ہوتا تھا۔ بجائے من الناس (لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں) کے علی الناس (لوگوں پر) فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں پر جوان کا حق ہوتا ہے وہ ان کو پورا پورا لیتے ہیں یا یوں کہو کہ لوگوں پر اپنا حق مکر کے ساتھ ٹھونس کر وصول کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی تنبیہ:

بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بائع کی طرف سے گزرتے تو فرماتے کہ اللہ سے ڈرتا رہ ناپ تول پورا کیا کر کیونکہ قیامت کے دن ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو اتنا کھڑا کیا جائے گا کہ پسینہ کی لگام ان کے دہانہ پر ہو جائے گی اور آدھے کانوں پر پسینہ پہنچے گا (گویا پسینہ میں غرق آب ہوں گے ناک اور ناک سے اوپر کا حصہ ڈوبنے سے بچے گا)۔ (تفسیر مظہری)

مدینہ والوں کی ناپ تول:

ابن طلقؒ نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مکے مدینے والے بہت ہی عمدہ ناپ تول رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیوں نہ رکھتے، جب خدا تعالیٰ کا فرمان وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الخ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝٤
کیا خیال نہیں رکھتے وہ لوگ کہ اُن کو اُٹھنا ہے
لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝٥
اُس بڑے دن کے واسطے☆

عقیدہ آخرت کی کمزوری:

یعنی اگر انہیں خیال ہوتا کہ مرنے کے بعد ایک دن پھر اٹھنا اور اللہ کے سامنے تمام حقوق وفرائض کا حساب دینا ہے تو ہرگز ایسی حرکت نہ کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

خوف خدا رکھنے والی اقوام:

ابن مبارک نے حسن بصریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ تم سے پہلے کچھ تو میں ایسی گزری ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی ان سنگریزوں (کی شمار) کے برابر بھی (راہ خدا میں) صرف کر دیتا تب بھی روز قیامت کی عظمت کا خوف اسے لگا رہتا اور آخرت کے ڈر سے اس کی رہائی نہ ہوتی۔ (تفسیر مظہری)

یوم عظیم: صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشیر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا تو کیا

کرے گا جس دن لوگ خدائے رب العالمین کے سامنے تین سو سال تک کھڑے رہیں گے، نہ تو کوئی خبر آسمان سے آئے گی اور نہ کوئی حکم کیا جائے گا، حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے اللہ ہی مددگار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنو! جب بستر پر جاؤ تو اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن کی تکلیفوں سے اور حساب کی برائی سے پناہ مانگ لیا کرو۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن کے کھڑے ہونے کی جگہ کی تنگی سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل:

ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز کو شروع کرتے تو دس مرتبہ اللہ اکبر کہتے، دس مرتبہ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ کہتے دس مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ کہتے دس مرتبہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کہتے پھر کہتے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَعَا فِنِیْ خدایا مجھے بخش دے، مجھے ہدایت دے، مجھے روزیاں دے اور عافیت عنایت فرما۔ پھر اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن کے مقام کی تنگی سے پناہ مانگتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نیک آدمی اور کافر کی روح:

ابن ماجہ بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک حدیث بیان کی ہے، جس کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نیک اور ایماندار شخص کی روح قبض ہونے والی ہوتی ہے تو رحمت کے فرشتے جن پر اللہ کا نور برستا ہوا ہوتا ہے آ کر بیٹھ جاتے ہیں اور بڑی ہی نرمی سے روح کو خطاب کرتے ہیں۔ نکل چل خدا کی رحمت و مغفرت و باغ و بہار اور عیش و راحت کی طرف تو فوراً ہی وہ روح نشاط و فرحت کے ساتھ نکل کر ان کے ساتھ عالم بالا کی طرف چلی جاتی ہے۔ جہاں ملائکہ ہوتے ہیں اور جس طرف سے وہ روح گزرتی ہے اس کی مہک اور خوشبو اس جگہ کو معطر کر دیتی ہے تو فرشتے کہتے ہیں یہ کون معطر اور روشن روح ہے تو بڑی تعظیم سے اس کا نام بتا دیا جاتا ہے۔ برخلاف کافر و فاسق کی روح کے کہ بڑی ہی سختی اور ذلت کے ساتھ نکالی جاتی ہے اور جہاں سے بھی اس کا گزر ہوتا ہے فرشتے اس کی بدبو اور گندگی سے تکلیف محسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ کس قدر خبیث اور گندی روح ہے تو پھر اس کو سجین میں ڈال دیا جاتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝۶

جس دن کھڑے رہیں لوگ راہ دیکھتے جہان کے مالک کی ☆

فیصلہ کا انتظار:

کہ کب تجلی فرماتا اور کب حساب کتاب کر کے ہمارے حق میں کوئی فیصلہ سناتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

کھڑے کھڑے پسینہ میں ڈوب جائیں گے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ رب العالمین کے سامنے اس روز کھڑے ہوں گے جبکہ بعض لوگ اپنے پسینہ میں نصف کانوں تک ڈوبے ہوں گے۔ حاکمؒ نے ابوسعید خدری کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو اس قدر پسینہ آئے گا کہ زمین میں ستر باتھ تک پہنچ جائے گا اور کانوں تک پسینہ کی لگام لگی ہوگی۔ طبرانی اور ابویعلی اور ابن حبان رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول لکھا ہے کہ قیامت کے دن کافر کو اس کے پسینہ کی لگام لگی ہوگی (یعنی منہ تک پسینہ میں غرق ہوگا) یہاں تک کہ وہ کہے گا کہ پروردگار مجھے اس سے نجات دے خواہ دوزخ ہی کو بھیج دے حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مقام حشر میں (کچھ) لوگوں کو پسینہ کی لگام لگی ہوگی اور وہ عرض کرے گا۔ پروردگار! میرے لئے دوزخ میں چلا جانا اس تکلیف سے آسان ہے جو میں پا رہا ہوں اور وہ دوزخ کے عذاب کی شدت سے واقف ہوتے ہوئے ایسا کہے گا۔

تین سو برس کا انتظار:

بیہقی نے آیت یوم یقوم الناس لرب العالمین کی تشریح میں قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ لوگ بمقدار تین سو برس کھڑے رہیں گے۔

سورج قریب ہو جائے گا:

حضرت مقداد ابن اسود رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ قیامت کے دن سورج مخلوق سے قریب آ جائے گا یہاں تک کہ ایک میل کے بقدر ہوگا۔ سلیم بن عامر نے کہا کہ خدا کی قسم ہم کو نہیں معلوم کہ میل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا مراد ہے کیا زمین کی مسافت مراد ہے کہ آنکھ میں سرمہ لگانے کی سلائی۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کہ لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینہ میں ہوں گے۔ پسینہ بعض لوگوں کے ٹخنوں تک بعض کے زانو تک بعض کی کمر تک ہوگا اور بعض کو پسینہ کی لگام لگی ہوگی (یعنی منہ تک ہوگا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرماتے ہوئے اپنے ہاتھ سے منہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ (مسلم)

سورج کی گرمی:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی حدیث طبرانی احمدؒ، ابن حبانؒ، بیہقیؒ، اور حاکمؒ نے لکھی ہے اور حاکمؒ نے اس کو صحیح بھی کہا ہے۔ حضرت ابوامامہ باہلی کی روایت سے بھی احمد و طبرانی نے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے

اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ سورج کی گرمی سے پسینہ میں کیڑے مکوڑے اس طرح ابال کھائیں گے جس طرح ہانڈی میں ابال آتا ہے۔

پسینہ میں کشتیاں:

احمد وطبرانی نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ آغاز آفرینش سے موت سے زیادہ تکلیف آدمی کو نہیں آتی لیکن موت بعد والی شدائد سے آسان ہے اس روز کی دہشت سے لوگوں کو ایسا پسینہ آئے گا کہ منہ تک پسینہ کی لگام لگ جائیگی اگر کشتیاں اس میں چلائی جائیں تو چل جائیں گی۔

مؤمنوں کا اعزاز:

بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس روز سختی کی اتنی شدت ہوگی کہ حساب سے پہلے کافر کو پسینہ کی لگام لگ جائے گی۔ دریافت کیا گیا پھر مومن کہاں ہوں گے فرمایا کہ سونے کی کرسیوں پر ابر کے سائے کے نیچے۔ ہناد نے یہ تمام حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف بھی نسبت کرکے بیان کی ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ مومنوں کے لئے وہ پورا دن بس دن کی ایک گھڑی کے برابر ہوگا ہناد رضی اللہ عنہ اور ابن مبارک رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان فارسی کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن سورج لوگوں کے سروں کے قریب کمانوں کے فصل کے برابر یا کمانوں کے برابر آجائے گا اور دس سال کی گرمی دے گا اس روز کسی بھی بدن پر کوئی پردہ نہ ہوگا مومن اور مومنہ کا ستر دکھائی نہ دے گا اور نہ سورج کی گرمی مومن و مومنہ کو محسوس ہوگی ہاں کافروں کو وہ گرمی خوب پکائے گی کہ ان کے اندر سے عق عق کی آواز سنائی دے گی۔ (تفسیر مظہری)

كَلَّآ

ہرگز نہیں ☆

یہ دن ضرور آئے گا: یعنی ہرگز گمان نہ کیا جائے کہ ایسا دن نہیں آئے گا۔ وہ ضرور آنا ہے اور اس کے لیے سب نیکوں اور بدوں کے اعمالنامے اپنے اپنے دفتر میں مرتب کیے رکھے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝۷

بیشک اعمال نامہ گنہگاروں کا سجین میں ہے

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝۸ كِتٰبٌ

اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہے سجین ایک دفتر ہے

مَّرْقُوْمٌ ۝۹

لکھا ہوا ☆

دوزخیوں کا دفتر:

یعنی سجین ایک دفتر ہے جس میں نام ہر ایک دوزخی کا درج ہے۔ اور ''بندوں کے عمل لکھنے والے فرشتے'' جن کا ذکر اس سے پہلی سورت میں آچکا ان بدکاروں کے مرنے اور عمل منقطع ہونے کے بعد ہر شخص کے عمل علیحدہ علیحدہ فردوں میں لکھ کر اس دفتر میں داخل کرتے ہیں اور اس فرد پر یا ہر ایک دوزخی کے نام پر ایک علامت بنا دیتے ہیں جس کے دیکھتے ہی معلوم ہو جائے کہ یہ شخص دوزخی ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی ارواح بھی اسی مقام میں رکھی جاتی ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں یعنی ان کے نام وہاں داخل ہوتے ہیں مرکر وہیں پہنچیں گے بعض سلف نے کہا ہے کہ یہ مقام ساتویں زمین کے نیچے ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

سجین ایک مقام خاص کا نام ہے اور کفار فجار کی ارواح کا مقام یہی ہے اور اسی مقام میں ان کے اعمال نامے رہتے ہیں جس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے اعمالنامے اس جگہ میں محفوظ کر دیئے جاتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس جگہ کوئی ایسی کتاب جامع ہو جس میں تمام دنیا کے کفار و فجار کے اعمالنامے لکھ دیئے جاتے ہیں۔

یہ مقام کس جگہ ہے اس کے متعلق حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سجین ساتویں زمین کے نچلے درجہ میں ہے اور علیین ساتویں آسمان میں زیر عرش ہے۔ (اخرجہ البغوی بسندہ واخرجہ احمد وغیرہ از مظہری)

بعض روایات حدیث میں یہ بھی ہے کہ سجین کفار و فجار کی ارواح کا مستقر ہے اور علیین مومن، متقین کی ارواح کی جگہ ہے۔

جنت اور دوزخ کا مقام:

بیہقی نے دلائل نبوت میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جنت آسمان میں ہے اور جہنم زمین میں اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قرآن کریم میں جو یہ آیا ہے کہ قیامت کے روز جہنم کو لایا جائے گا وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ اس کا مطلب کیا ہے جہنم کو کہاں سے لایا جائے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم کو ساتویں زمین سے لایا جائے گا ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم ساتویں زمین میں ہے وہیں سے بھڑک کر سارے سمندر اور دریا اس کی آگ میں شامل ہو

جائیں گے اور سب کے سامنے آجائے گی۔ جہنم کے لائے جانے کا یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ جس طرح یہ روایت میں آیا ہے کہ سجین جہنم میں ایک مقام کا نام ہے وہ بھی اس پر منطبق ہوگیا۔ (مظہری)

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ مرقوم کے معنی اس جگہ مختوم کے ہیں یعنی مہر لگی ہوئی امام بغوی اور ابن کثیر نے فرمایا کہ یہ جملہ مقام سجین کی تفسیر نہیں بلکہ اس سے پہلے کِتَابَ الفُجَّارِ آیا ہے اس کا بیان ہے معنی یہ ہیں کہ کفار وفجار کے اعمالنامے مہر لگا کر محفوظ کر دیئے جاویں گے کہ ان میں کسی کمی بیشی وتغیر کا امکان نہ رہے گا اور ان کے محفوظ کرنے کی جگہ سجین ہے یعنی کفار کی ارواح کو جمع کر دیا جائے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

کافروں کی روحوں کا قید خانہ:

احادیث وآثار سے ظاہر ہے کہ سجین اس مقام کا نام ہے جہاں کفار کا رجسٹر ہے (قاموس) سجین نے کفار کا رجسٹر ہونا یا یہ معنی ہے کہ ان کے اعمالنامے وہاں رکھے جاتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ کافر جن وانس کے اعمالناموں کی ایک کتاب ہے۔ جس میں سب اعمالنامے جمع کئے جاتے ہیں سجین کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ کافروں کی روحیں وہاں بند کردی جاتی ہیں اور سجن کا معنی حبس ہے سجین ساتویں زمین میں یا ساتویں زمین کے نیچے ہے۔

ابن منزہ طبرانی اور ابوالشیخ نے حمزہ بن حبیب کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارواح اہل ایمان کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا کہ سبز پرندوں کی شکل میں جنت کے اندر جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی پھرتی ہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی روحیں کہاں ہوتی ہیں فرمایا سجین میں بند ہوتی ہیں ابن مبارک، حکیم ترمذی، ابن ابی الدنیا، اور ابن منزہ نے بروایت سعید بن المسیب حضرت سلیمان فارسی کا قول نقل کیا ہے کہ کافروں کی روح سجین میں ہوتی ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر، قتادہ، مجاہد اور ضحاک نے بیان کیا ہے کہ سجین سب سے نچلی ساتویں زمین ہے۔ جس میں کافروں کی روحیں ہوتی ہیں میں کہتا ہوں کہ ابن ابی الدنیا نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

بغوی نے اپنی سند سے بروایت براء رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سجین سات زمینوں کے نیچے اور علیین ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے مومنوں اور کافروں کی موت کے تذکرہ میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں مرفوعاً آیا ہے کہ کفار کے سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی کتاب کو نچلی زمین میں سجین کے اندر لکھ لو چنانچہ اس کی روح دور پھینک دی جاتی ہے۔ (الحدیث)

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کی تقریر:

امام احمد وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ بغویؒ نے بھی شبرمہ بن عطاء کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن احبار کے پاس گئے اور فرمایا آیت اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ کی تشریح سے مجھے مطلع کیجئے کعب احبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا فاجر یعنی کفار کی روح کو آسمانوں کو چڑھایا جاتا ہے مگر آسمان اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے پھر اس کو زمین کی طرف اتارا جاتا ہے پھر اسکو زمین بھی لینے سے انکار کر دیتی ہے آخر سات زمینوں کے نیچے اس کو داخل کیا جاتا ہے یہاں تک کہ سجین تک اس کو پہنچا دیا جاتا ہے یہ مقام ابلیس کی فوج کے نیچے واقع ہے سجین سے اس کے لئے کاغذ برآمد کیا جاتا ہے اور اس میں لکھ کر مہر کر کے ابلیس کی فوج کے نیچے ایک مقام پر رکھ دیا جاتا ہے تا کہ قیامت کے دن بوقت حساب اس کی تباہی شناخت ہو سکے۔

سجین کے متعلق مختلف اقوال:

کلبیؒ کا قول ہے کہ سجین ساتویں نچلی زمین کے نیچے ایک سبز پتھر ہے آسمانوں کی سردی اسی کے عکس کی وجہ سے ہے اس کے نیچے کافروں کی کتاب رکھ دی جاتی ہے بغویؒ نے لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے الفلق جہنم کے اندر سجین میں سرپوش ڈھانکا ہوا ایک کنواں ہے اور ایک کنواں سرپوش کھلا ہوا بھی جہنم میں ہے میں کہتا ہوں کہ سجین ساتویں زمین کے نیچے ہے اور سجین جہنم میں ہے یہ دونوں قول متعارض ہیں ان کا تعارض اس طرح دور کیا جا سکتا ہے کہ جہنم ساتویں زمین کے نیچے ہے ابوالشیخ نے العظمۃ میں نیز بیہقی نے باسناد ابوالزعراء حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جنت ساتویں آسمان میں ہے اور دوزخ ساتویں نچلی زمین میں ہے۔ بیہقی نے دلائل میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جنت آسمان میں اور دوزخ زمین میں ہے ابن جریر نے تفسیر میں حضرت معاذ کا قول لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ قیامت کے دن جہنم کو کہاں سے لایا جائے گا فرمایا ساتویں زمین سے اس کو لایا جائے گا اس کی ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے کھینچتے ہوں گے جب انسانوں سے اس کا فاصلہ ایک ہزار سال کی مسافت کے بقدر رہ جائے گا تو وہ ایک دم کھینچ جائے گی جس سے ہر مقرب فرشتہ اور ہر نبی مرسل دوزانو ہو کر کہے گا رب نفسی نفسی۔

اعمال کی کتاب:

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ط وہ ایک ایسی تحریر ہے جس میں کافروں کے اعمال چھاپ دیئے گئے ہیں اور اس طرح ثبت کر دئے گئے ہیں جیسے نقوش کپڑے میں ثبت ہوتے ہیں نہ وہ بھولے میں آئیں نہ مٹائے جائیں گے یہاں تک

کہ اس تحریر کے مطابق سزا دی جائے گی۔ یا یہ معنی ہے کہ اس کتاب پر ایسی علامات ہیں کہ ہر دیکھنے والا دیکھتے ہی پہچان لے گا کہ اس کے اندر کوئی خیر نہیں ہے بعض لوگوں کا قول ہے کہ قبائل حمیر (یمنی) کے محاورے میں مرقوم کا معنی ہے مہری یا مہر زدہ۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ کتاب مرقوم سجین کی تشریح نہیں ہے بلکہ کِتٰبَ الْفُجَّارِ کا بیان ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ یہ سجین کی تشریح ہے سجین کو کتاب کے لقب سے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کتاب حبس وقید کا ذریعہ ہے گویا سجین ایک کتاب ہے جو جن وانس کے تمام کتابچوں کو اپنے اندر جمع رکھتی ہے۔

میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ سجین کافروں کی روحوں کی قرارگاہ ہے اور ان کے اعمال ناموں کا گودام بھی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٠ الَّذِيْنَ
خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی جو
يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝١١ وَمَا
جھوٹ جانتے ہیں انصاف کے دن کو اور اُس کو
يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝١٢
جھٹلاتا ہے وہی جو بڑھ نکلنے والا گنہگار ہے ☆

آخرت کا منکر:

جو شخص روز جزا کا منکر ہے فی الحقیقت اللہ کی ربوبیت اس کی قدرت اور اس کے عدل وحکمت سب کا منکر ہے اور جوان چیزوں کا منکر ہو وہ جس قدر گناہوں پر دلیر ہو تھوڑا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جھٹلانے والوں کی سزا:

میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے یہ جملہ مرقوم کا نائب فاعل ہو یعنی کتاب میں لکھ دیا گیا ہے کہ سزا جزا کے دن مکذبین کے لئے ویل ہوگی یا یہ جملہ کتابٌ کی صفت ہے یعنی کتاب موجب ویل ہوگی اول تاویل لفظی قرب کی وجہ سے زیادہ مناسب ہے لیکن معنوی مناسبت کے لحاظ سے آخری دونوں تاویلیں قابل ترجیح ہیں کیونکہ کتاب مرقوم صرف کافروں کے لئے ہی مخصوص نہیں بلکہ کتاب الابرار میں بھی یہی کہا گیا ہے۔

حد سے نکلنے والا گنہگار:

معتد وہ شخص جو جہالت اور جاہل آباؤ اجداد کی پیروی میں حد سے بڑھ گیا ہو یہاں تک کہ دوبارہ پیدا کرنے پر خدا کو بھی قادر نہ سمجھتا ہو اثیم وہ گنہگار جو خواہش نفس میں منہمک اور اتنا مشغول ہو کہ مخالف خواہش امور کو اس نے پس انداز کر دیا ہو اور اس انہماک نفسانی نے اس کو مخالف نفسیات چیزوں کے انکار پر آمادہ کر دیا ہو۔ (تفسیر مظہری)

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ
جب سنائیے اُس کو ہماری آیتیں کہے
اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٣
نقلیں ہیں پہلوں کی ☆

قرآن سے منکرین کا رویہ:

یعنی قرآن اور نصیحت کی باتیں سن کر کہتا ہے کہ ایسی باتیں لوگ پہلے بھی کرتے آئے ہیں۔ وہ ہی پرانی کہانیاں اور فرسودہ افسانے انہوں نے نقل کر دیئے بھلا ہم ان نقلوں اور کہانیوں سے ڈرنے والے کہاں ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

جب اس کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو اپنی انتہائی نادانی اور اعجاز قرآن سے غافل ہونے کے وجہ سے یا اپنی عبادات اور دیدہ دانستہ حق سے روگردانی کی وجہ سے کہتا ہے یہ تو گزشتہ لوگوں کی لکھی ہوئی داستانیں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
کوئی نہیں پر زنگ پکڑ گیا ہے اُن کے دلوں پر
مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝١٤
جو وہ کماتے تھے ☆

ان کے دل زنگ آلود ہیں:

یعنی ہماری آیتوں میں کچھ شک وشبہ کا موقع نہیں۔ اصل یہ ہے کہ گناہوں کی کثرت ومزاولت سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گئے ہیں اس لیے حقائق صحیحہ کا انعکاس ان میں نہیں ہوتا۔ حدیث میں فرمایا کہ جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اس کے دل پر لگ جاتا ہے اگر توبہ کر لی تو مٹ گیا ورنہ جوں جوں گناہ کرتا جائیگا وہ نقطہ بڑھتا اور پھیلتا رہے گا۔ تا آنکہ قلب بالکل کالا سیاہ ہو جائے کہ حق و باطل کی تمیز باقی نہ رہے۔ یہ ہی حال ان مکذبین کا سمجھو کہ شرارتیں کرتے کرتے ان کے دل بالکل مسخ ہو چکے۔ ہیں اس لیے آیات اللہ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ہر گناہ زنگے است بر مراۃ دل دل شود زیں رنگہا خوار وخجل

(کاندھلوی)

قبول حق کی استعداد ہی ختم ہے:

(یعنی پہلے صرف یہ کہا گیا تھا کہ وہ یوم جزا کی تکذیب کرتے ہیں پھر کَلَّا کہہ کران کواس تکذیب سے روکا گیااس کے بعد کہا گیا کہ یہ لوگ صرف تکذیب ہی نہیں کرتے بلکہ ان کے دلوں پر بداعمالی کا زنگ چڑھا ہوا ہے اس لئے ادراک حق کی قابلیت ہی ان کے دلوں میں نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پیدا ہوجاتا ہے پھر اگر وہ توبہ کرلیتا ہے، ڈر جاتا ہے، استغفار کرلیتا ہے تو دل سے گناہ کا نکتہ دور ہوجاتا ہے لیکن اگر گناہ میں زیادتی کرتا ہے تو نکتہ بھی بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے یہی ہے وہ ران جس کا ذکر اللہ نے اس آیت بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ میں فرمایا ہے۔ بغوی، احمد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم، ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے (تفسیر مظہری)

دل کی موت:

مسند احمد میں یہ بھی حدیث ہے۔ حضرت حسن بصریؒ وغیرہ کا فرمان ہے کہ گناہوں پر گناہ کرنے سے دل اندھا ہوجاتا ہے پھر مرجاتا ہے اور پھر فرمایا کہ یہ لوگ ان عذابوں میں گرفتار ہوکر دیدار باری تعالیٰ سے بھی محروم اور محجوب کردیئے جائیں گے۔

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ
کوئی نہیں وہ اپنے رب سے اُس دن
لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾
روک دیئے جائیں گے☆

دیدار الٰہی سے محرومی:

یعنی اس انکار وتکذیب کے انجام سے بےفکر نہ ہوں۔ وہ وقت ضرور آنیوالا ہے جب مومنین حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے دیدار کی دولت سے مشرف ہونگے اور یہ بدبخت محروم رکھے جائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

مومن کو دیدار ہوگا:

حضرت امام مالکؒ اور شافعیؒ نے فرمایا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مومنین اور اولیاء اللہ کو حق تعالیٰ کی زیارت ہوگی ورنہ پھر کفار کے محجوب رہنے کا کوئی فائدہ ہی نہ ہوتا۔

اگر کفار میں حق تعالیٰ کی زیارت کا شوق نہ ہوتا تو انکی سزا میں یہ نہ کہا جاتا کہ وہ زیارت سے محروم رہیں گے کیونکہ جو شخص کسی کی زیارت کا طالب ہی نہیں بلکہ متنفر ہے اس کے لئے یہ کوئی سزا ہی نہیں کہ اس کو اس کی زیارت سے محروم کیا جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

یعنی قیامت کے دن جب مومن اللہ کو دیکھیں گے کافر اس روز دیدار الٰہی سے یقیناً روک دیئے جائیں گے۔ بداعمالیوں کی تاریکیوں کے حجاب ان کی آنکھوں پر پڑے ہوں گے پس جس طرح وہ دنیا میں حق کو نہیں دیکھتے تھے اسی طرح قیامت کے دن دیدار الٰہی نہ کرسکیں گے۔

حسن بصریؒ نے فرمایا اگر زاہدوں اور عابدوں کو معلوم ہوجائے کہ رب کا دیدار ان کو نہ ہوگا تو ان کی جان نکل جائے۔ مالکؒ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ جب دشمنوں کو دیدار سے روک دیا جائے گا اور ان کو دیدار میسر نہ ہوگا تو دوستوں پر وہ ضرور جلوہ فگن ہوگا۔ دوست اس کو دیکھیں گے، امام شافعیؒ نے فرمایا آیت میں (بطور مفہوم مخالف) دلالت ہے اس امر پر کہ اولیاء اللہ کو دیدار ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ يُقَالُ
پھر مقرر وہ گرنے والے ہیں دوزخ میں پھر کہا جائیگا
هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۷﴾ كَلَّآ
یہ وہی ہے جس کو تم جھوٹ جانتے تھے ہرگز نہیں ☆

یعنی ان بدمعاشوں کا اور نیکوں کا ایک انجام ہرگز نہیں ہوسکتا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ وَ
بیشک اعمالنامہ نیکیوں کا علیین میں ہے اور
مَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾
تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہے علیین ایک دفتر ہے لکھا ہوا ☆

جنتیوں کا ریکارڈ:

یعنی جنتیوں کے نام درج ہیں اور ان کے اعمال کی مسلیں مرتب کر کے رکھی جاتی ہیں اور ان کی ارواح کو اول وہاں لیجا کر پھر اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچایا جاتا ہے اور قبر سے بھی ان ارواح کا ایک گونہ تعلق قائم رکھا جاتا ہے کہتے ہیں کہ یہ مقام ساتویں آسمان کے اوپر ہے اور مقربین کی ارواح اسی جگہ رہتی ہیں واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

جنتیوں کی روحوں کا مقام:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت سے ثابت ہے کہ

علیین ساتویں آسمان پر زیر عرش ایک مقام ہے جس میں مومنین کی ارواح اور صحائف اعمال رکھے جاتے ہیں اور آگے جو کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ مذکور ہے یہ بھی علّیین کی تفسیر نہیں بلکہ ابرار کے نامۂ اعمال کا بیان ہے۔

بیہقی زمانہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں یہ بیان کیا ہے کہ یہ بات کچھ بعید نہیں کہ اصل مستقر ارواح کا علّیین اور سجّین ہی ہوں مگر ان ارواح کا ایک خاص رابطہ قبروں کے ساتھ بھی قائم ہو اس رابطہ کی حقیقت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا مگر جس طرح آفتاب ماہتاب آسمان میں ہیں ان کی شعائیں زمین میں پڑ کر اس کو روشن بھی کر دیتی ہیں گرم بھی اسی طرح علّیین اور سجّین کی ارواح کا کوئی رابطہ مان لیا قبروں سے ہوسکتا ہے اور ان تمام اقوال کی تطبیق میں قاضی ثناء اللہ کی تحقیق سورۂ نازعات کی تفسیر میں ابھی گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ روح دو قسم کی ہے ایک جسم لطیف ہے جو انسان کی جسم میں حلول کرتا ہے اور وہ مادی اور عنصری جسم ہے مگر لطیف ہے نظر نہیں آتا اسی کو نفس کہا جاتا ہے دوسری روح جو ہر مجرد ہے مادی نہیں اور وہ روح مجرد ہی روح اول کی حیات ہے اس لئے اس کو روح الروح کہہ سکتے ہیں انسان کے جسم سے تعلق تو ان دونوں روحوں کا ہے مگر پہلی قسم جسم انسانی کے اندر رہتی ہے اس کے نکلنے ہی کا نام موت ہے دوسری روح کا اس پہلی روح سے تعلق قریب تو ہے مگر اس تعلق کی حقیقت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں مرنے کے بعد روح اول تو آسمانوں میں لے جائی جاتی ہے پھر قبر میں لوٹا دی جاتی ہے اس کا مستقر قبر ہی ہے اسی پر عذاب وثواب ہوتا ہے اور روح مجرد علیین یا سجّین میں رہتی ہے اس طرح اقوال جمع ہو گئے۔ مستقل ارواح کا جنت یا علّیین میں یا اس کے مقابل جہنم یا سجّین میں ہونا روح مجرد کے اعتبار سے ہے اور ان کا مستقر قبر میں ہونا روح کی قسم اول یعنی نفس کے اعتبار سے ہے جو جسم لطیف ہے اور مرنے کے بعد قبر میں رہتا ہے واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت براء رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت پہلے گزر چکی ہے کہ علّیین ساتویں آسمان میں عرش کے نیچے ہیں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں مومنوں اور کافروں کی موت کے ذکر کے سلسلہ میں آیا ہے کہ مومن کی روح کو اوپر چڑھایا جاتا ہے یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک لے جایا جاتا ہے پھر اللہ فرماتا ہے کہ میرے بندے کی کتاب علّیین میں لکھ دو اور اس کو زمین کی طرف لوٹا دو۔ (الحدیث)

سبز تختی: یہ حدیث صحیح طریقوں سے امام احمدؒ، ابو داؤدؒ اور حاکمؒ وغیرہ نے بیان کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ یعنی علّیین زمرد سبز کی ایک تختی ہے جو عرش کے نیچے آویزاں ہے مومنوں کے اعمال اس میں لکھے ہوئے ہیں اس اثر کی بناء پر لوگوں نے کہا کہ علّیین ایک ایسا رجسٹر ہے جس میں ملائکہ اور جن وانس کے اچھے اعمال جمع ہوتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

اُس کو دیکھتے ہیں نزدیک والے یعنی فرشتے ☆

اعمال ناموں کا معائنہ:

مقرب فرشتے یا اللہ کے مقرب بندے خوش ہو کر مومنین کے اعمال نامے دیکھتے ہیں اور اس مقام پر حاضر رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

روح المعانی میں بتخریج عبد بن حمید کعب سے روایت ہے جب ملائکہ مومن کی روح کو قبض کر کے لے جاتے ہیں تو ہر آسمان کے مقرب فرشتے اس کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک پہنچ کر اس روح کو رکھ دیتے ہیں پھر فرشتے عرض کرتے ہیں ہم اس کا نامہ اعمال دیکھنا چاہتے ہیں چنانچہ وہ نامہ اعمال کھول کر دکھلایا جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

شہیدوں کی روحیں:

میں کہتا ہوں کہ شہیدوں اور صدیقوں اور پیغمبروں کی روحیں بھی مقربین میں شامل ہیں کیونکہ یہ سب ارواح وہاں ہوں گی مسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہیدوں کی روحیں اللہ کے ہاں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں اور جنت کے دریاؤں پر جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی پھرتی ہیں اور لوٹ کر ان قندیلوں میں آجاتی ہیں جو عرش کے نیچے آویزاں ہیں۔

سعید بن منصور رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے تقی رضی اللہ عنہ بن مخلد نے حضرت ابن ابو سعید رضی اللہ عنہ خدری کی روایت سے بھی اسی طرح حدیث نقل کی ہے ابو الشیخ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن سفید پرندوں کے پوٹوں سے اللہ شہیدوں کو اٹھائے گا یہ پرندے ان قندیلوں میں ہوں گے جو عرش سے آویزاں ہے۔ صبح کو نکل کر (سیر کو) چلے جاتے ہیں پھر گلزار جنت کی طرف لوٹ جاتے ہیں روزانہ اللہ ان پر جلوہ انداز ہو کر السلام علیکم فرماتا ہے۔

حضرت حارثہ رضی اللہ عنہا اور حبیب نجار:

ابن ابی حاتم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ ارواح شہداء سبز پرندوں (کی شکل) میں ہوتی ہیں۔ (الحدیث)

بخاریؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب حضرت حارث رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک وہ جنتی ہے اور فردوس اعلیٰ میں ہے حضرت حبیب رضی اللہ عنہ نجار کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے قیل ادخل الجنة قال یلیت قومی یعلمون بما غفر لی ربی. الآیة

مختلف روایات میں تطبیق:

شہداء کا جنت کے اندر ہونا اور عرش کے نیچے قندیلوں میں ہونا باہم متعارض نہیں کیونکہ جنت کے لئے عرش آسمان کی طرح ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حکم شہداؤں کے لئے ہی خاص نہیں کیونکہ انبیاء اور صدیقوں کا مرتبہ تو شہداؤں سے اونچا ہے بلکہ حدیث میں تو المومنین کا لفظ عمومی آیا ہے گویا ہر کامل مومن کے مرنے کے بعد یہی حالت ہوتی ہے۔

مالک اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومنوں کی روحیں پرندوں (کی شکل میں) جنت کے درختوں پر سے آویزاں ہوتی ہیں آخر میں قیامت کے دن اپنے اپنے جسموں میں لوٹ جائیں گی اسی طرح احمد طبرانی نے حضرت ام ہانی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روحیں پرندوں کی شکل میں درختوں سے آویزاں ہوتی ہیں یہاں تک کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ہر روح اپنے جسم میں داخل ہو جائے گی ابن عساکر نے حضرت ام بشر زوجہ ابو معروف کی روایت سے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے مگر ان احادیث میں مومنوں سے مراد کامل مومن ہیں آیت یَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ اسی پر دلالت کر رہی ہے (اہل قربت علّیین میں موجود ہوں گے) بعض احادیث میں آیا ہے کہ مومنوں کی روحوں کی قرار گاہ ساتویں آسمان میں ہے وہاں سے وہ اپنے جنت والے مکانوں کو دیکھتے ہیں۔

ابو نعیم رضی اللہ عنہ نے ضعیف سند سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور وہب بن منبہ کا قول نقل کیا ہے کہ ساتویں آسمان میں اللہ کا مقرر کردہ ایک مکان ہے جس کو مکان سفید کہا جاتا ہے اس میں مومنوں کی روحیں جمع ہوتی ہیں۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ (مومن کی) روح کو جب جسم سے نکال لیا جاتا ہے تو اس کو آسمان وزمین کے درمیان رکھا جاتا ہے۔ (رواہ سعید بن منصور عن سلیمان الفارسیؓ)

ابن مبارک اور حکیم ترمذی اور ابن ابی الدنیا اور ابن منذر نے سعید بن مسیب کی وساطت حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ مومنوں کی روحیں عارضی برزخ میں ہوتی ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں اور کافر کی روح سجّین میں بند ہوتی ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث میں مومنوں کی روحوں کی حالت حسب تفاوت درجہ بیان کی گئی ہے جو شعبیؒ نے بحر الکلام میں نقل کی ہے کہ روحیں چار طرح کی ہوتی ہیں انبیاء کی روحیں بدن سے نکل کر مشکی اور کافوری شکلیں اختیار کر لیتی ہیں اور جنت میں کھاتی، پیتی اور چین کرتی ہیں اور رات کو ان قندیلوں میں قرار گزیں ہوتی ہیں جو عرش سے آویختہ ہیں شہیدوں کی روحیں بدن سے نکل کر سبز پرندوں کے پوٹوں میں رہ کر جنت کے اندر کھاتی پیتی اور چین کرتی ہیں اور رات کو ان قندیلوں میں قرار گزیں ہوتی ہیں جو عرش سے آویختہ ہیں فرماں بردار مومنوں کی روحوں کو جنت میں روک لیا جاتا ہے وہ جنت میں نظارے تو کرتی ہیں۔ مگر کھاتی پیتی نہیں اور نہ کسی طرح سے لذت اندوز ہوتی ہیں گنہگار مسلمانوں کی روحیں آسمان وزمین کے درمیان فضا میں رہتی ہیں۔

رہیں کافروں کی روحیں تو وہ سیاہ پرندوں کے جوف میں سجّین کے اندر ساتویں زمین کے نیچے بند رہتی ہیں میں کہتا ہوں کہ انبیاء کی روحوں کے متعلق جو یہ آیا ہے کہ وہ اپنی مشکی شکلوں میں ہو جاتی ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے جسم انسانوں جیسے ہوتے ہیں مگر مشکی ہوتی ہیں تا کہ ان کی پاکیزہ خوشبو ادھر ادھر منتشر ہو شیخ مجدد الف ثانی نے ان کی مشکی اور کافوری اجسام کو وہبی اجسام سے تعبیر کیا ہے جو انبیاء علیہم السلام اور ان کا کامل اتباع کرنے والوں یعنی صدیقوں کو مرنے سے پہلے ہی حاصل ہو جاتے ہیں۔

روح کا قبر کے جسم سے تعلق رہتا ہے:

شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میری قبر کے پاس جو درود پڑھے گا میں اس کو سن لوں گا اور جو غیب حالت میں درود پڑھے گا اس کا درود مجھے پہنچا دیا جائے گا ہم کہتے ہیں ارواح مومنین کی قرار گاہ علّیین میں ہے یا ساتویں آسمان میں اور ارواح کفار کی قرار گاہ سجّین میں ہے لیکن اس کے باوجود ہر روح کا اپنے قبر والے جسم سے ایک خاص تعلق رہتا ہے۔ جس کی حقیقت سوا خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ اسی تعلق کی وجہ سے وہ تمام احوال صحیح ثابت ہو جاتے ہیں جو قرآن وحدیث میں آئے ہیں انسان یعنی جسم وروح کے مجموعے کے سامنے قبر کے اندر اس کا جنتی یا جہنمی مقام لایا جاتا ہے وہ سکھ دکھ کا احساس کرتا ہے آنے والے کے سلام کو سنتا ہے اور منکر نکیر کو جواب دیتا ہے وغیرہ جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام باوجودیکہ ان کا مستقر آسمانوں میں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آجاتے تھے یہاں تک کہ اپنے ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں پر رکھ دیتے تھے۔

شعبی نے بحر الکلام میں لکھا ہے کہ روحوں کا تعلق اجسام سے ہوتا ہے روحوں کو عذاب ہوتا ہے اور جسم کو دکھ ہوتا ہے جیسے آفتاب آسمان میں ہے اور اس کی روشنی زمین میں۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَی
بیشک نیک لوگ ہیں آرام میں تختوں
الْاَرَآئِكِ یَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾
پر بیٹھے دیکھتے ہونگے ☆

جنتیوں کا عیش ونشاط: یعنی مسہریوں پر بیٹھے جنت کی سیر کرتے ہونگے اور دیدار الٰہی سے آنکھیں شاد کریں گے۔

تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ ﴿۲۴﴾
پہچان لے تو اُن کے منہ پر تازگی آرام کی ☆

چہروں کی رونق: یعنی جنت کے عیش و آرام سے ان کے چہرے ایسے پر رونق اور تر و تازہ ہونگے کہ ہر دیکھنے والا دیکھتے ہی پہچان جائے کہ یہ لوگ نہایت عیش و تنعم میں ہیں۔

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾

اُن کو پلائی جاتی ہے شراب خالص مُہر لگی ہوئی ☆

نادر شراب کی نہریں: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "شراب کی نہریں ہیں ہر کسی کے گھر میں لیکن یہ شراب نادر ہے جو سربمہر رہتی ہے"۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے گا اسے اللہ تعالیٰ رحیق مختوم پلائے گا یعنی جنت کی مہر والی شراب اور جو کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلائے اسے اللہ تعالیٰ جنت کے میوے کھلائے گا جو کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنائے اللہ تعالیٰ اس کو جنتی سبز ریشم کے جوڑے پہنائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ

جس کی مہر جمتی ہے مشک پر ☆

مشک کی مہر سے بند: جیسے دنیا میں مہر لاکھ یا مٹی پر جمائی جاتی وہاں کی مٹی مشک ہے اسی پر جمائی جائے گی شیشہ ہاتھ میں لیتے ہی دماغ معطر ہو جائیگا اور اخیر تک خوشبو مہکتی رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اور یہ مہر لگنا علامت اکرام کی ہے ورنہ وہاں ایسی حفاظت کی ضرورت نہیں اور مشک کی مہر کا مطلب یہ ہے کہ جیسے قاعدہ ہے کہ لاکھ وغیرہ لگا کر اس پر مہر کرتے ہیں اور ایسی چیز کو طِیْن ختام کہتے ہیں وہاں شراب کے برتن کے منہ پر مشک لگا کر اس پر مہر کر دی جائے گی۔ (معارف مفتی اعظم)

مَّخْتُوْمٍ ۙ مہر زدہ یعنی ابرار ہی اس کی مہر توڑیں گے اس سے پہلے کوئی اس کو ہاتھ نہ لگا سکے گا مطلب یہ کہ ابرار کو ان کی مخصوص صاف سفید پاکیزہ شراب پلائی جائے گی جس کی مہر وہ خود توڑیں گے کسی نے اس کو ہاتھ سے چھوا بھی نہ ہوگا۔

خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ جس پر مہر لگی ہوگی وہ (مٹی یا موم نہیں ہوگا) مشک ہوگا قاموس میں ہے ختام بروزن کتاب وہ مٹی جس پر مہر لگائی جاتی ہے اور خاتم وہ مہر جو مٹی پر لگائی جاتی ہے یعنی بجائے مٹی کے (موم وغیرہ) کے اس شراب کے برتنوں پر مشکی مہر لگی ہوگی ابن زید نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔

آخری گھونٹ مشک کا ہوگا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (اس جگہ ختام کا معنی آخری مزہ) اس کا آخری مزہ (یعنی آخری گھونٹ) مشک سے ملا ہوا ہوگا قاموس میں ہے کہ ہر چیز کا ختام، آخر، خاتمہ (تفسیر مظہری)

وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ

اور اُس پر چاہئے کہ ڈھکیں

الْمُتَنٰفِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ ؕ

ڈھکنے والے ☆

اس شراب کیلئے ٹوٹ پڑو:

یعنی دنیا کی ناپاک شراب اس لائق نہیں کہ بھلے آدمی اس کی طرف رغبت کریں۔ ہاں یہ شراب طہور ہے جس کیلئے لوگوں کو ٹوٹ پڑنا چاہیے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش ہونی چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

اکبر مرحوم نے خوب فرمایا۔

یہ کہاں کا فسانہ ہے سود و زیاں، جو گیا سو گیا جو ملا سو ملا
کہو ذہن سے فرصتِ عمر ہے کم، جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

(معارف مفتی اعظم)

وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿۲۷﴾ ۙ عَيْنًا يَّشْرَبُ

اور اُس کی ملونی ہے تسنیم سے وہ ایک چشمہ ہے

بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۸﴾ ؕ

جس سے پیتے ہیں نزدیک والے ☆

مقربین کی شراب:

یعنی مقرب لوگ اس چشمہ کی شراب کو خالص پیتے ہیں اور ابرار کو اس شراب کی ملونی دی جاتی ہے جو بطور گلاب وغیرہ کے ان کی شراب میں ملاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شراب کی بارش: میں کہتا ہوں کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرش کے اوپر سے برسے گی کیونکہ جنت کے اوپر عرش چھت کی طرح ہوگا یہ بھی کہا گیا ہے کہ اوپر ہوا میں شراب رواں ہوگی اور اہل جنت کے برتنوں میں ان کو بھرنے کے بقدر گرے گی جب برتن بھر جائیں گے تو شراب کی بارش رک جائے گی۔ ضحاکؒ نے کہا تسنیم ایک شراب کا نام ہے جنت کی اعلیٰ شرابوں میں اس کا شمار ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تسنیم اہل قرب کے لئے مخصوص ہے اہل قرب اس کو کسی چیز کی آمیزش کے بغیر پئیں گے اور باقی اہل جنت کے لئے اس میں آمیزش کی جائے گی۔

اَلْمُقَرَّبُوْنَ وہ لوگ جو کمالات نبوت کے خود حامل ہیں یا انبیاء علیہ السلام کی معرفت ان کو وہ کمالات حاصل ہوئے یعنی صدیق (گویا اہل قرب سے مراد ہیں انبیاء اور صدیقین) بغوی نے یوسف بن مہران کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے من تسنیم کا مطلب دریافت کیا گیا فرمایا کہ یہ ان (نامعلوم) چیزوں میں سے ہے جن کے متعلق اللہ نے فرمایا فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ

وہ لوگ جو گنہگار ہیں تھے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿٢٩﴾

ایمان والوں سے ہنسا کرتے ☆

مسلمانوں پر کافروں کی پھبتیاں:

کہ ان بے وقوفوں کو کیا خیال فاسد دامن گیر ہوا ہے کہ محسوس و موجود لذتوں کو جنت کی خیالی لذتوں کی توقع پر چھوڑتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اور جب یہ کفار مومنین کو دیکھتے ہیں تو بظاہر ہمدردی کے لہجہ میں اور در حقیقت تمسخر کے لئے یہ کہتے ہیں کہ یہ بیچارے بڑے سادہ لوح اور بیوقوف ہیں ان کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے گمراہ کر دیا۔

آج کل کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو اس وقت وہ لوگ جو کچھ نئی تعلیم کی نحوست سے دین و آخرت سے بے فکر ہو چکے ہوتے ہیں خدا اور رسول پر ایمان برائے نام رہ جاتا ہے وہ علماء وصلحاء کے ساتھ بعینہ اس طرح کا معاملہ کرتے ہیں حق تعالیٰ مسلمانوں کو اس عذاب الیم سے نجات عطاء فرماویں مومنین وصالحین کے لئے اس آیت میں تسلی کا کافی سامان ہے کہ اس کے ہنسنے کی پرواہ نہ کریں کسی نے خوب کہا ہے کہ

ہنسے جانے سے جب تک ہم ڈریں گے زمانہ ہم پہ ہنستا ہی رہے گا

(معارف مفتی اعظم)

حضرت عمار، بلال، صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہم:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد حضرت عمار رضی اللہ عنہ خباب رضی اللہ عنہ صہیب رضی اللہ عنہ بلال رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی نادار مسلمان یعنی یہ مجرم مومنوں کا مذاق اڑانے کے لئے ان سے ہنستے تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿٣٠﴾

اور جب ہو کر نکلتے اُن کے پاس کو تو آپس میں آنکھ مارتے ☆

کہ دیکھو یہ ہی بے عقل اور احمق لوگ ہیں جنہوں نے اپنے کو جنت کے ادھار پر دنیا کے نقد سے محروم کر رکھا ہے۔

وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا

اور جب پھر کر جاتے اپنے گھر پھر جاتے

فَكِهِيْنَ ﴿٣١﴾

باتیں بناتے ☆

یعنی خوش طبعی کرتے اور مسلمانوں پر پھبتیاں کستے تھے اور اپنے عیش و آرام پر مفتون و مغرور ہو کر سمجھتے کہ ہمارے ہی عقیدے اور خیالات درست ہیں ورنہ یہ نعمتیں ہم کو کیوں ملتیں۔

وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ

اور جب اُن کو دیکھتے کہتے بیشک یہ لوگ

لَضَآلُّوْنَ ﴿٣٢﴾

بہک رہے ہیں ☆

کہ خواہ مخواہ زہد اور ریاضت کر کے اپنی جانیں کھپاتے اور موہوم لذتوں کو موجود لذتوں پر ترجیح دیتے ہیں اور لا حاصل مشقتوں کا کمالات حقیقی نام رکھا ہے۔ کیا کھلی ہوئی گمراہی نہیں کہ سب گھر بار اور عیش و آرام چھوڑ کر ایک شخص کے پیچھے ہولیے اور اپنے آبائی دین کو بھی ترک کر بیٹھے۔

وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿٣٣﴾

اور اُن کو بھیجا نہیں اُن پر نگہبان بنا کر ☆

نادانوں کو اپنی فکر نہیں ہے:

یہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کافروں کو ان مسلمانوں پر کچھ نگہبان نہیں بنایا گیا کہ احمق اپنی تباہ کاریوں سے آنکھیں بند کر کے ان کی حرکات کی نگرانی کیا کریں اپنی اصلاح کی فکر نہ ہو اور سیدھی راہ چلنے والوں کو گمراہ اور احمق بنائیں۔ (تفسیر عثمانی)

حالانکہ ان کافروں کو اس غرض سے نہیں بھیجا گیا تھا کہ مومنوں کے اعمال کی نگہداشت کریں اور ان کی ہدایت وصلح کا فیصلہ کریں۔ (تفسیر مظہری)

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ

سو آج ایمان والے منکروں سے

يَضْحَكُوْنَ ﴿٣٤﴾

ہنستے ہیں ☆

مومنین کی سرخروئی کا دن:

یعنی قیامت کے دن مسلمان ان کافروں پر ہنستے ہیں کہ یہ لوگ کیسے کوتاہ اندیش اور احمق تھے جو خسیس اور فانی چیز کو نفیس اور باقی نعمتوں پر ترجیح دی۔ آخر آج دوزخ میں کس طرح عذاب دائم کا مزہ چکھ رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جب مومن اپنی مسہریوں پر بیٹھے دیدار خدا کر رہے ہوں گے اور

کافروں کو طوق وزنجیر میں بندھا ہوا اور دوزخ کے اندر دیکھیں گے تو اس روز مومن کافروں پر ہنسیں گے۔ ابو صالح نے کہا اس کی صورت یہ ہوگی کہ جب کافر دوزخ کے اندر ہوں گے تو دوزخ کے دروازے کھول کر ان سے کہا جائے گا باہر نکل جاؤ دروازے کھلے ہوئے ہیں کافر دروازے کھلے دیکھ کر باہر نکلنے کے لئے دروازوں کی طرف بڑھیں گے مومن ان کی یہ حالت دیکھتے ہوں گے کافر دروازوں پر پہنچیں گے تو یکدم دروازے بند کر دیے جائیں گے ایسی حرکت بار بار ہوگی اس وقت مومن کافروں پر ہنسیں گے جیسے دنیا میں کافر مسلمانوں پر ہنستے تھے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا جنت اور دوزخ کے درمیان کچھ کھڑکیاں ہوں گی جب مومن اپنے دنیوی دشمن کو دیکھنا چاہے گا تو کھڑکیوں سے دوزخ کے اندر جھانکے گا جیسا اللہ نے فرمایا فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۔ دوزخ کے اندر کافروں پر عذاب ہوتا دکھائی دے گا تو مومن ہنسیں گے آیت مذکورہ بالا میں اسی واقعہ کو بیان فرمایا ہے۔

بیہقیؒ نے حسن بصریؒ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ مسلمان آدمیوں کا مذاق اڑانے والوں میں سے بعض کے لئے جنت کا کوئی دروازہ کھول دیا جائے گا اس سے کہا جائے گا اندر آ جاوہ اپنے دکھ اور رنج کے ساتھ بڑھے گا اور جب دروازے پر پہنچے گا تو دروازہ بند کر دیا جائے گا یہ کیفیت پیہم ہوتی رہے گی یہاں تک کہ آخر میں انتہائی مایوسی کی وجہ سے کوئی استہزاء کرنے والا جنت کے دروازے تک نہیں جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿٣٥﴾
تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہیں ☆

یعنی اپنی خوشحالی اور کافروں کی بدحالی کا نظارہ کر رہے ہیں۔

هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا
اب بدلہ پایا ہے منکروں نے جیسا کچھ کہ
يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾
کرتے تھے ☆

کافروں کا انجام: یعنی جو دنیا میں مسلمانوں کی ہنسی اڑاتے تھے آج ان کا حال قابل مضحکہ ہو رہا ہے اور مسلمان ان کی گزشتہ حماقتوں کا خیال کر کے ہنستے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سورة الانشقاق

اس کو خواب میں پڑھنے والے کی اولاد نسل زیادہ ہوگی۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً
سورۂ انشقاق مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پچیس آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے
اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿١﴾ وَاَذِنَتْ
جب آسمان پھٹ جائے اور سن لے حکم اپنے
لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿٢﴾
رب کا اور وہ آسمان اسی لائق ہے ☆

حکمِ الٰہی کے آگے آسمان کی اطاعت:

یعنی اللہ کی طرف سے جب پھٹنے کا حکم تکوینی ہوگا آسمان اس کی تعمیل کریگا اور وہ مقدور ومقہور ہونے کے لحاظ سے اسی لائق ہے کہ باایں عظمت و رفعت اپنے مالک وخالق کے سامنے گردن ڈال دے اور اس کی فرمانبرداری میں ذرا چون وچرا نہ کرے۔ (تفسیر عثمانی)

اس سورۃ میں سجدہ:

موطا امام مالکؒ میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور اس میں اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ الخ کی سورۃ پڑھی اور سجدہ کیا اور فارغ ہو کر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے پڑھتے ہوئے سجدہ کیا تھا یہ حدیث مسلم اور نسائی میں بھی ہے بخاری میں ہے کہ حضرت ابو رافعؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھی آپ نے اس میں اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ کی تلاوت کی اور سجدہ کیا میں نے پوچھا تو جواب دیا کہ میں نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سجدہ کیا (یعنی حضور نے بھی اس سورۃ کو نماز میں پڑھا اور آیت سجدہ پہ سجدہ کیا اور مقتدیوں نے بھی سجدہ کیا) پس میں تو جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملوں گا (اس موقع پر) سجدہ کرتا رہوں گا (یعنی مرتے دم تک) اس حدیث

کی سندیں اور بھی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ ﴿٣﴾

اور جب زمین پھیلا دی جائے ☆

زمین کا پھیلانا:

محشر کے دن یہ زمین ربڑ کی طرح کھینچ کر پھیلا دی جائیگی اور عمارتیں پہاڑ وغیرہ سب برابر کر دیئے جائینگے تا ایک سطح مستوی پر سب اولین وآخرین بیک وقت کھڑے ہوسکیں اور کوئی حجاب وحائل باقی نہ رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ، مَدّ کے معنی کھینچنے اور دراز کرنے کے ہیں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز زمین کو اس طرح کھینچ کر پھیلایا جائے گا جیسے چمڑے یا (ربڑ کو) کھینچ کر بڑا کر دیا جاتا ہے، مگر اس کے باوجود میدان حشر جو زمین پر ہوگا اس میں ابتداء دنیا سے قیامت تک کے تمام انسان جمع ہوں گے تو صورت یہ ہوگی ایک آدمی کے حصہ میں اتنی زمین ہوگی جس پر اسکے پاؤں ہیں۔ (رواہ الحاکم بسند جید، مظہری، معارف مفتی اعظم)

حاکمؒ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کا دن ہوگا تو زمین کو اس طرح پھیلا دیا جائے گا جیسے چمڑا پھیلایا جاتا ہے اور مخلوق کو اٹھا دیا جائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقام محمود:

حاکم رضی اللہ عنہ نے عمدہ سند سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن زمین کو اس طرح پھیلا دیا جائے گا جیسے چمڑے کو پھیلایا جاتا ہے پھر آدمی کو زمین میں صرف قدم رکھنے کی جگہ ملے گی پھر سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا میں سجدہ میں گر جاؤں گا تو مجھے (کچھ عرض کرنے کی) اجازت دی جائے گی۔ اس وقت جبرائیلؑ اللہ کی دائیں طرف سے ہوں گے واللہ اس سے پہلے جبرائیلؑ نے اللہ کو کبھی نہ دیکھا ہوگا میں عرض کروں گا اے میرے رب! مجھے اس جبرائیل نے خبر دی تھی کہ تو نے اس کو میرے پاس بھیجا تھا، جبرائیلؑ خاموش ہوں گے کوئی بات نہیں کریں گے یہاں تک کہ اللہ فرمائے گا کہ اس نے سچ کہا اللہ مجھے شفاعت کی اجازت دے گا اور میں عرض کروں گا اے میرے رب تیرے بندے تمام زمین پر (پھیلے ہوئے ہیں) مقام مَحْمُوْدًا (شفاعت کا مقام) یہی ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو چمڑے کی طرح کھینچ لے گا یہاں تک کہ ہر انسان کو صرف دو قدم ٹکانے کی جگہ ملے گی سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا حضرت جبرائیلؑ اللہ تعالیٰ کے دائیں جانب ہوں گے خدا کی قسم اس سے پہلے اس نے کبھی اسے نہیں دیکھا تو میں کہوں گا خدایا جبرائیلؑ نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ تیرے بھیجے ہوئے میرے پاس آتے ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا سچ کہا تو میں کہوں گا خدایا پھر مجھے شفاعت کی اجازت ہو، چنانچہ مقام محمود پر کھڑا ہو کر میں شفاعت کروں گا اور کہوں گا خدایا! تیرے ان بندوں نے زمین کے گوشے گوشے پر تیری عبادت کی ہے۔ (ابن جریر، تفسیر ابن کثیر)

وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ﴿٤﴾

اور نکال ڈالے جو کچھ اُس میں ہے اور خالی ہو جائے ☆

زمین دفینے باہر نکال دے گی:

زمین اس دن اپنے خزانے اور مردوں کے اجزاء اگل ڈالے گی اور ان تمام چیزوں سے خالی ہو جائیگی جن کا تعلق اعمال عباد کے مجازات سے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ، یعنی اگل دے گی زمین ہر اس چیز کو جو اس کے بطن میں ہے اور بالکل خالی ہو جائے گی زمین کے بطن میں خزائن و دفائن اور معادن بھی ہیں اور ابتدائی دنیا سے مرنے والے انسانوں کے اجسام وذرات بھی زمین ایک زلزلہ کے ساتھ یہ سب چیزیں اپنے بطن سے باہر نکال دے گی۔ (معارف مفتی اعظم)

وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿٥﴾

اور سن لے حکم اپنے رب کا اور وہ زمین اسی لائق ہے ☆

آدمی کیلئے سرکشی کا کوئی جواز نہیں:

زمین وآسمان جس کے حکم تکوینی کے تابع ومنقاد ہوں آدمی کو کیا حق ہے کہ اس کے حکم تشریعی سے سرتابی کرے۔ (تفسیر عثمانی)

سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھیں گے:

ابوالقاسم ختلی نے الدیباج میں عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ الخ کی تشریح میں فرمایا کہ میں ہی ہوں گا سب سے اول وہ شخص جو زمین پھاڑ کر باہر نکلے گا۔ میں اٹھ کر اپنی قبر میں بیٹھ جاؤں گا میرے سر کے مقابل آسمان تک ایک دروازہ کھل جائے گا پھر عرش تک مجھے دکھائی دے گا پھر میرے نیچے سے ایک دروازہ کھولا جائے گا پھر ساتویں زمین تک مجھے دکھائی دے گی اور ثریٰ تک میں دیکھ لوں گا دائیں طرف ایک دروازہ کھولا جائے گا کہ میں جنت تک دیکھ لوں گا اور اپنے ساتھیوں کے مکان مجھے دکھائے جائیں گے اور زمین مع میرے جنبش میں آ جائے گی تو میں کہوں گا زمین تجھے کیا ہو گیا زمین جواب دے گی۔ میرے مالک نے مجھے حکم دیا ہے

کہ میرے اندر جو کچھ ہے اس کو باہر پھینک دوں اور خالی ہو جاؤ لہٰذا جیسے میں (انسانوں سے پہلے) تھی ویسی ہی ہو جاؤں گی اسی (مضمون) کے متعلق ہے اللہ کا فرمان وَاَلْقَتْ مَافِیْهَا وَتَخَلَّتْ ۔ (تفسیر مظہری)

يَاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى
اے آدمی تجھ کو تکلیف اُٹھانی ہے اپنے
رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۚ ⑥
رب تک پہنچنے میں سہہ سہہ کر پھر اُس سے ملنا ہے ☆

انسان کی مختلف کوششیں: یعنی رب تک پہنچنے سے پہلے ہر آدمی اپنی استعداد کے موافق مختلف قسم کی جدوجہد کرتا ہے کوئی اس کی طاعت میں محنت ومشقت اٹھاتا ہے کوئی بدی اور نافرمانی میں جان کھپاتا ہے پھر خیر کی جانب میں ہو یا شر کی طرح طرح کی تکلیفیں سہہ سہہ کر آخر پروردگار سے ملتا اور اپنے اعمال کے نتائج سے دوچار ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رجوع الی اللہ: اس آیت میں حق تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو خطاب فرما کر اس کے غور وفکر کیلئے ایک ایسی راہ دکھائی ہے کہ اس میں کچھ بھی عقل وشعور ہو تو اپنی جدوجہد کا رخ صحیح سمت کی طرف پھیر سکتا ہے جو اس کو دنیا ودین میں سلامتی اور عافیت کی ضمانت دے۔ پہلی بات تو یہ ارشاد فرمائی کہ انسان نیک ہو یا بد، مومن ہو یا کافر، اپنی فطرت سے اس کا عادی ہے کہ کچھ نہ کچھ حرکت کرے اور کسی نہ کسی چیز کو اپنا مقصود بنا کر اس کے حاصل کرنے کے لئے جدوجہد اور محنت برداشت کرے جس طرح ایک شریف نیک خو انسان اپنے معاش وضروریات زندگی کی تحصیل میں فطری اور جائز طریقوں کو اختیار کرتا ہے اور ان میں اپنی محنت وتوانائی صرف کرتا ہے بدکار بدخواہ انسان بھی اپنے مقاصد کہیں سے بے محنت، بے جدوجہد حاصل نہیں کر سکتا، (معارف مفتی اعظم)

کَدْحٌ کا معنی ہے اچھے برے کام میں اتنی محنت وکوشش کرنا کہ محنت کا اثر کرنے والے میں پیدا ہو جائے کَدْحٌ کا لغوی معنیٰ ہے خراش پیدا کر دینا پس کوشش اور محنت اگر انسان میں کوئی اثر پیدا کر دے تو گویا کوشش نے اس کے اندر خراش پیدا کر دی۔ (تفسیر مظہری)

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ ⑦
سو جس کو ملا اعمالنامہ اُس کا داہنے ہاتھ میں
فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ ⑧
تو اُس سے حساب لیں گے آسان حساب ☆

آسان حساب:

آسان حساب یہ ہے کہ بات بات پر گرفت نہ ہوگی محض کاغذات پیش ہو جائیں گے اور بدون بحث ومناقشہ کے سستے چھوڑ دیئے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

بخاری نے اپنی سند سے ابن ابوملیکہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اگر کوئی بات ایسی سنتی تھیں جس کا مطلب ان کی سمجھ میں نہیں آتا ہے تو سمجھ لینے کیلئے اس بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتی تھیں۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ حُوسِبَ عُذِّبَ جس سے حساب لیا گیا پس اس کو عذاب دیا گیا تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا (پھر حساب فہمی کے لئے عذاب کس طرح لازم ہے) فرمایا یہ (حساب جس کا ذکر آیت میں ہے) صرف ایک پیشی ہوگی جس کی پوچھ گچھ کے ساتھ حساب فہمی ہوگی وہ ہلاک ہو جائے گا۔

امام احمدؒ کی روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حساب یسیر کیا ہوگا فرمایا یعنی صرف اس کا کتابچہ دیکھ کر درگزر کی جائے گی۔ البتہ جس کی حساب فہمی پوچھ گچھ کے ساتھ کی جائے گی وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۗ ⑨
اور پھر کر آئیگا اپنے لوگوں کے پاس خوش ہو کر ☆

مؤمن کی خوشی: نہ سزا کا خوف رہیگا نہ غصہ کا ڈر، نہایت امن واطمینان سے اپنے احباب واقارب اور مسلمان بھائیوں کے پاس خوشیاں مناتا ہوا آئیگا۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۙ ⑩
اور جس کو ملا اُس کا اعمالنامہ پیٹھ کے پیچھے سے ☆

کافر کی بدبختی:

یعنی پیٹھ کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں پکڑایا جائیگا۔ فرشتے سامنے سے اس کی صورت دیکھنا پسند نہیں کریں گے۔ گویا غایت کراہیت کا اظہار کیا جائیگا۔ اور ممکن ہے پیچھے مشکیں بندھی ہوں اس لیے اعمالنامہ پشت کی طرف سے دینے کی نوبت آئے۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت کی تشریح میں علامہ بیہقیؒ نے مجاہدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اس کا بایاں ہاتھ پشت کے پیچھے کر دیا جائے گا اور اعمالنامہ کو بائیں ہاتھ سے لے گا۔ ابن السابت رضی اللہ عنہ نے کہا اس کا بایاں ہاتھ مروڑ کر سینہ کے اندر سے پشت کے پیچھے نکال دیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ⑪
سو وہ پکاریگا موت موت ☆

موت کی تمنا: یعنی عذاب کے ڈر سے موت مانگے گا۔ (تفسیر عثانی)

فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ثبور کا معنی ہے ہلاکت یعنی وہ مرنے کی تمنا کرے گا اور کہے گا وائے موت (آجا)۔ (تفسیر مظہری)

وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ⑫ اِنَّهٗ كَانَ
اور پڑے گا آگ میں وہ رہا تھا
فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ⑬
اپنے گھر میں بے غم ☆

دنیا میں بے فکری کا نتیجہ: یعنی دنیا میں آخرت سے بے فکر تھا اس کا بدلہ یہ ہے کہ آج سخت غم میں مبتلا ہونا پڑا اس کے برعکس جو لوگ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی فکر میں گھلے جاتے تھے ان کو آج بالکل بے فکری اور امن چین ہے۔ کافر یہاں مسرور تھا مومن وہاں مسرور ہے۔

اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ⑭
اُس نے خیال کیا تھا کہ پھر کر نہ جائیگا ☆

کافر کی بے خیالی: اسے کہاں خیال تھا کہ ایک روز خدا کی طرف واپس ہونا اور رتی رتی کا حساب دینا ہے اسی لیے گناہوں اور شرارتوں پر خوب دلیر رہا۔

بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ⑮
کیوں نہیں اُس کا رب اُس کو دیکھتا تھا ☆

اللہ تعالیٰ کی ہر چیز پر نظر ہے:

یعنی پیدائش سے موت تک برابر دیکھتا تھا کہ اس کی روح کہاں سے آئی بدن کس کس چیز سے بنا پھر کیا اعتقاد رکھا کیا عمل کیا دل میں کیا بات تھی زبان سے کیا نکلا ہاتھ پاؤں سے کیا کمایا اور موت کے بعد اس کی روح کہاں گئی اور بدن کے اجزا بکھر کر کہاں کہاں پہنچے وغیر ذلک۔ جو خدا آدمی کے احوال سے اس قدر واقف ہو اور ہر جزئی وکلی حالت کو نگاہ میں رکھتا ہو کیا گمان کر سکتے ہو کہ وہ اس کو یوں ہی مہمل اور معطل چھوڑ دیگا؟ ضرور ہے کہ اس کے اعمال پر ثمرات ونتائج مرتب کرے۔ (تفسیر عثانی)

یعنی اس کی واپسی خدا کی طرف ضرور ہوگی۔ اللہ اس کو ضرور سزا دے گا کیونکہ اللہ اس کے اعمال سے بخوبی واقف ہے دیکھ رہا ہے۔ اس لئے اس کے اعمال کو یونہی رائیگاں نہیں چھوڑے گا ضرور انتقام لے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ⑯
سو قسم کھاتا ہوں شام کی سُرخی کی
وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ⑰
اور رات کی اور جو چیزیں اُس میں سمٹ آتی ہیں ☆

رات: یعنی آدمی اور جانور دن میں تلاش معاش کے لیے مکانوں سے نکل کر ادھر ادھر منتشر ہوتے ہیں رات کے وقت سب طرف سے سمٹ کر اپنے اپنے ٹھکانوں پر جمع ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر عثانی)

شفق کا مطلب:

شیخ حلبی نے شرح منیہ میں لکھا ہے کہ شفق آسمان کے کنارہ پر باقی رہنے والی سفیدی کو کہا جاتا ہے جو سرخی کے دور ہونے کے بعد ہو امام ابوحنیفہؒ اسی کے قائل ہیں اور اسی بناء پر ان کے نزدیک شفق ابیض کے غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔

اس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جن میں لفظ "حتّٰی یغیب الافق" آتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

منصور رضی اللہ عنہ نے مجاہد رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ مَا وَسَقَ کا معنی یہ ہے کہ جس چیز کو رات اپنی لپیٹ میں لے لے اور تاریکی میں چھپا لے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا رات میں جو کچھ کیا جائے سب مَا وَسَقَ میں داخل ہے یعنی قسم ہے شفق کی اور رات کی اور ان چیزوں کی جن کو رات سمیٹ لیتی ہے یا جن کو رات اپنے لپیٹ میں لے لیتی ہے یا اس کی جو رات میں کیا جاتا ہے۔ (مظہری)

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ⑱
اور چاند کی جب پورا بھر جائے ☆

چودھویں کا چاند:

یعنی چودھویں رات کا چاند جو اپنی حد کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ (تفسیر عثانی)

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ⑲
کہ تم کو چڑھنا ہے سیڑھی پر سیڑھی ☆

انسان کے حالات:

یعنی دنیا کی زندگی میں مختلف دور سے بتدریج گزر کر اخیر میں موت کی سیڑھی ہے پھر عالم برزخ کی پھر قیامت کی، پھر قیامت میں خدا جانے کتنے

احوال و مراتب درجہ بدرجہ طے کرتے ہیں۔ جیسے رات کے شروع میں شفق کے باقی رہنے تک ایک قسم کی روشنی رہتی ہے۔ جو فی الحقیقت بقیہ ہے آفتاب کے اثرات کا پھر شفق غائب ہونے پر دوسرا دور تاریکی کا شروع ہوتا ہے جو سب چیزوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے اس میں چاند بھی نکلتا ہے اور درجہ بدرجہ اس کی روشنی بڑھتی ہے آخر چودھویں شب کو ماہ کامل کا نور اس تاریک فضا میں ساری رات اجالا رکھتا ہے گویا انسانی احوال کے طبقات رات کی مختلف کیفیات سے مشابہ ہوئے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

انسانی وجود میں بیشمار انقلابات اور دائمی سفر اور اس کی آخری منزل:

نطفہ سے منجمد خون بنا پھر اس سے ایک مضغۂ گوشت بنا پھر اس میں ہڈیاں پیدا ہوئیں، ہڈیوں پر گوشت چڑھا اور اعضاء کی تکمیل ہوئی پھر اس میں روح لا کر ڈالی گئی اور وہ ایک زندہ انسان بنا اس کی غذا مادر کے اندر رحم کا گندہ خون تھا نو مہینے کے بعد اللہ نے اس کے دنیا میں آنے کا راستہ آسان کر دیا۔ اور گندی غذا کی جگہ ماں کا دودھ ملنے لگا۔ دنیا کی وسیع فضا اور ہوا دیکھی تو بڑھنے اور پھلنے پھولنے لگا۔ دو برس کے اندر چلنے پھرنے اور بولنے کی قوت بھی حرکت میں آئی۔ ماں کا دودھ چھوٹ کر اس سے زیادہ لذیذ اور طرح طرح کی غذائیں ملیں کھیل کود لہو لعب اس کے دن رات کا مشغلہ بنا کچھ ہوش وشعور بڑھا۔ تو تعلیم و تربیت کے شکنجے میں کسا گیا۔ جوان ہوا تو پچھلے تمام کام متروک ہو کر جوانی کی خواہشات نے ان کی جگہ لے لی۔ اور ایک نیا عالم شروع ہوا۔ نکاح شادی اولاد اور خانہ داری کے مشاغل دن رات کا مشغلہ بن گئے۔ آخر یہ دور بھی ختم ہونے لگا۔ قویٰ میں اضمحلال اور ضعف پیدا ہوا۔ بیماریاں آئے دن رہنے لگیں۔ بڑھاپا آ گیا۔ اور اس جہاں کی آخری منزل یعنی قبر تک پہنچنے کے سامان ہونے لگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ۔ یعنی دنیا میں اس طرح رہو جیسے کوئی مسافر چند روز کے لیے ٹھہرایا گیا ہے۔ یا کسی رہ گذر میں چلتے چلتے کچھ دیر آرام کے لیے رک گیا ہو۔ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ۔ کی جو تفسیر اوپر بیان کی گئی ہے۔ ابونعیم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی مضمون کی روایت کی ہے۔ یہ طویل حدیث اس جگہ قرطبی نے بحوالہ ابی نعیم اور ابن کثیر نے بحوالہ ابن ابی حاتم مفصل نقل کی ہے۔ ان آیات میں غافل انسان کو اس کی تخلیق اور عمر دنیا میں اس کو پیش آنے والے حالات وانقلابات سامنے کر کے یہ ہدایت دی کہ غافل اب بھی وقت ہے کہ اپنے انجام پر غور کر اور آخرت کی فکر کر مگر ان تمام روشن ہدایات کے باوجود بہت سے لوگ اپنی غفلت سے باز نہیں آتے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرب خداوندی اور علو مرتبہ میں درجہ بدرجہ ترقی دینا مراد ہو۔ بخاریؒ نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا ہے۔ کہ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ کا معنی ہے حال بعد حال ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے مراد تمہارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

گذشتہ اقوام سے مشابہت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث آئی ہے۔ جس کو حاکم نے صحیح کہا ہے۔ کہ تم لوگ بالشت بالشت اور بانہہ بانہہ گذشتہ اقوام کے طریقوں پر چلو گے۔ یہاں تک کہ اگر گذشتہ اقوام میں سے کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا تھا تو تم بھی داخل ہو گے۔ اور اگر ان میں سے کسی نے اپنی بیوی سے سرراہ جماع کیا تھا تو تم بھی کرو گے۔ بخاریؒ نے اسی طرح کی حدیث حضرت ابوسعید خدریؓ سے بیان کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

پست و بلند حالات:

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ نرمی کے بعد سختی، سختی کے بعد نرمی، امیری کے بعد فقیری، فقیری کے بعد امیری۔ صحت کے بعد بیماری، بیماری کے بعد تندرستی۔

انسان کی غفلت:

ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ابن آدم غفلت میں ہے وہ پروا نہیں کرتا کہ کس لیے پیدا کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ جب کسی کو پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تو فرشتے سے کہتا ہے کہ اس کی روزی، اس کی اجل اس کی زندگی، اس کا نیک یا بد ہونا لکھ دے۔ پھر وہ فارغ ہو کر چلا جاتا ہے اور دوسرا فرشتہ آتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ اسے سمجھ آ جائے۔ پھر وہ فرشتہ اٹھ جاتا ہے پھر دو فرشتے اس کا نامہ اعمال لکھنے والے آ جاتے ہیں موت کے وقت وہ بھی چلے جاتے ہیں اور ملک الموت آ جاتے ہیں۔ اس کی روح قبض کرتے ہیں ملک الموت چلے جاتے ہیں اور سوال جواب کرنے والے فرشتے آ جاتے ہیں اپنے کام کے بعد وہ بھی چلے جاتے ہیں قیامت کے دن نیکی بدی کے فرشتے آ جائیں گے اور اس کی گردن سے اس کا نامہ اعمال کھول لیں گے پھر اس کے ساتھ ہی رہیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۲۰﴾

پھر کیا ہوا ہے انکو جو یقین نہیں لاتے ☆

اب بھی یقین نہیں آتا؟

کہ ہم کو موت کے بعد بھی کسی طرف رجوع ہونا ہے اور ایک بڑا بھاری سفر درپیش ہے جس کے لیے کافی توشہ ساتھ ہونا چاہیے۔ (تفسیر عثانی)

میں کہتا ہوں یہ بھی احتمال ہے کہ اس کلام کا ربط آیت لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ سے ہو۔ کیونکہ تبدیلی احوال سے تبدیل کرنے والے کی ہستی کا پتہ چلتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ اس کو نہیں مانتے۔ (مظہری)

وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ

اور جب پڑھیے اُن کے پاس قرآن وہ

لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿٢١﴾ السجدۃ

سجدہ نہیں کرتے ☆

نہ خود عقل ہے نہ قرآن پر غور کرتے ہیں:

یعنی اگر ان کی عقل خود بخود ان حالات کو دریافت نہیں کر سکتی تھی تو لازم تھا کہ قرآن کے بیان سے فائدہ اُٹھاتے لیکن اس کے برخلاف ان کا حال یہ ہے کہ قرآن معجز بیان کو سن کر بھی ذرا عاجزی اور تذلل کا اظہار نہیں کرتے حتیٰ کہ جب مسلمان خدا کی آیات سن کر سجدہ کرتے ہیں ان کو سجدہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی)

آیت سجدہ:

امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس آیت پر بھی سجدہ واجب ہے جیسا کہ مفصل کی دوسری آیتوں پر واجب ہے۔ امام اعظم کا استدلال اس کے وجوب پر مندرجہ ذیل احادیث سے ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ایک روز عشاء کی نماز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی انہوں نے اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ کی تلاوت نماز میں فرمائی۔ اور اس آیت پر سجدہ کیا میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ کیسا سجدہ ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز میں اس آیت پر سجدہ کیا ہے اس لیے میں ہمیشہ اس آیت پر سجدہ کرتا رہوں گا۔ جب تک کہ محشر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو (معارف مفتی اعظم)

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین نے وجوب سجدہ تلاوت کے ثبوت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی سجدہ کی آیت پڑھتا ہے اور سجدہ کرتا ہے۔ تو شیطان روتا ہوا الگ چلا جاتا ہے اور کہتا ہے ہائے افسوس آدمی کو سجدہ کا حکم دیا گیا اور اس نے سجدہ کیا اور اس کے لیے جنت ہوگئی اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا مگر میں نے نہیں کیا اور میرے لیے دوزخ ہوگئی۔ (مسلم)

ابن ابی شیبہؒ نے مصنف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص آیت سجدہ سن لے اس پر سجدہ واجب ہے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ کے نزدیک سننے والے پر سجدہ واجب ہے خواہ پڑھنے والا سجدہ نہ کرے کیونکہ امر مطلق ہے پڑھنے والے کے سجدہ کرنے کی قید اس میں نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿٢٢﴾

اوپر سے اور یہ کہ منکر جھٹلاتے ہیں

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿٢٣﴾

اور اللہ خوب جانتا ہے جو اندر بھر رکھتے ہیں ☆

بلکہ دلوں میں بغض بھی رکھتے ہیں:

یعنی فقط اتنا ہی نہیں کہ اللہ کی آیات سن کر انقیاد و تذلل کا اظہار نہیں کرتے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان کو زبانوں سے جھٹلاتے اور دلوں میں جو تکذیب و انکار بغض و عناد اور حق کی دشمنی بھری ہوئی ہے اس کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٤﴾

سو خوشی سنا دے اُن کو عذاب دردناک کی ☆

بہر حال اس کا بدلہ ملے گا:

یعنی خوشخبری سنا دیجئے کہ جو کچھ وہ کما رہے ہیں اس کا پھل ضرور ملے گا انکی یہ کوششیں ہرگز خالی نہیں جائینگی۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

مگر جو لوگ کہ یقین لائے اور کام کئے بھلے

لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿٢٥﴾

اُن کے لئے ثواب ہے بے انتہا ☆

جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

احکام الٰہی کی دو اقسام:

یہ امر ثابت ہے کہ احکام الٰہیہ کی دو اقسام ہیں ان میں سے ایک احکام تشریعیہ ہیں جو وحی الٰہی سے مشروع اور مقرر ہوتے ہیں ان کا خطاب ذوالعقول کو کا ہوتا ہے خواہ وہ انسان ہوں یا جن۔ ان احکام کے جن وانس مخاطب و مکلّف ہوتے ہیں ان میں اوامر الٰہی حلال وحرام جائز و ناجائز عبادت اور عبادات سے متعلقہ احکام ہوتے ہیں جو مجموعہ شریعت دین ہے۔

احکام الٰہیہ کی دوسری قسم تکوینی ہے جو اللہ کی تمام مخلوق اور ساری کائنات پر جاری ہوتے ہیں ان میں مخاطب کا مکلّف اور ذی عقل ہونا شرط نہیں۔ وہ اللہ کے تقدیری امور ہیں وہ کائنات میں جس طرح ارادہ ہو جاری ہو جاتے ہیں لیل و نہار کا اختلاف شمس و قمر کا طلوع نور و ظلمت ہواؤں کا چلنا بارشوں کا برسنا انسان و حیوان اور نباتات کی پیدائش اور نشو و نما جیسے امور ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

سورة البروج

اس کو خواب میں پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ فکروں سے نجات دے گا اور ہر قسم کے علوم سے نوازے گا۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً
سورۂ بروج مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی بائیس آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝
قسم ہے آسمان کی جس میں بُرج ہیں ☆

آسمان کے بُرج:

برجوں سے مراد یا تو وہ بارہ برج ہیں جن کو آفتاب ایک سال کی مدت میں تمام کرتا ہے یا آسمانی قلعہ کے وہ حصے ہیں جن میں فرشتے پہرہ دیتے ہیں یا بڑے بڑے ستارے جو دیکھنے میں آسمان پر معلوم ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن کریم سیارات کو آسمانوں میں مرکوز نہیں قرار دیتا۔ بلکہ ہر سیارے کو اپنی ذاتی حرکت سے متحرک قرار دیتا ہے جیسا کہ سورہ یٰسٓ کی آیت میں ہے وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ فلک سے مراد اس میں آسمان نہیں بلکہ سیارے کی مدار ہے۔ جس میں وہ حرکت کرتا ہے۔ (مظہری، معارف مفتی اعظم)

صحیحین میں حدیث معراج کی تفصیل میں آیا ہے۔ کہ پھر بیت معمور تک مجھے اٹھا کر لے جایا گیا یعنی ساتویں آسمان پر کعبہ کے مقابل سورۃ تطفیف میں وہب بن منبہ کا قول گذر چکا ہے! یعنی ساتویں آسمان میں ایک مکان ہے جس کو سفید مکان کہا جاتا ہے وہاں مومنوں کی روحیں جمع ہوتی ہیں یا بروج سے مراد آسمان کے دروازے ہیں کیونکہ اترنے والے دروازوں سے ہی نکلتے اور برآمد ہوتے ہیں۔

کتاب اور سنت سے ثابت ہے کہ ہر سیارہ فلک میں ہموار رفتار سے چلتا ہے (تیرتا ہے) آسمانوں میں غیر متحرک ستارے موجود ہی نہیں ہیں کہ ان کے مجموعہ کے لحاظ سے آسمان کے ایک خاص حصہ کو برج کہا جا سکے۔ اللہ کے کلام میں بے دین فلسفیوں کی اصطلاح مراد نہیں ہو سکتی۔ اس لیے آسمان کے موہوم حصوں کو برج نہیں کہا جا سکتا۔ برج کے لفظی ساخت تو ظہور کے معنی پر دلالت کر رہی ہے اور اصلاحی حصہ آسمان محض وہمی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں کیونکہ وہ بالکل نمایاں ہیں یہ قول حسن رضی اللہ عنہ مجاہد رضی اللہ عنہ اور قتادہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ (تفسیر مظہری)

سورج چاند کی منزلیں:

ابن خیثمہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سورج چاند کی منزلیں ہیں جو بارہ ہیں کہ سورج ان میں سے ہر ایک میں ایک مہینہ چلتا رہتا ہے اور چاند ان میں سے ہر ایک میں دو دن تک اور ایک تہائی دن چلتا ہے۔ تو یہ اٹھائیس دن ہوئے اور دو راتوں تک وہ پوشیدہ رہتا ہے نہیں نکلتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝
اور اُس دن کی جس کا وعدہ ہے ☆

یعنی قیامت کا دن۔ (تفسیر عثمانی)

وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝
اور اُس دن کی جو حاضر ہوتا ہے اور اس کی کہ جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں ☆

جمعہ اور عرفہ کا دن:

سب شہروں میں حاضر ہوتا ہے جمعہ کا دن۔ اور سب ایک جگہ حاضر ہوتے ہیں عرفہ کے دن حج کے لیے اسی لیے روایات میں آیا کہ "شاہد" جمعہ کا دن ہے اور "مشہود" عرفہ کا دن اسکے علاوہ "شاہد" و "مشہود" کی تفسیر میں اقوال بہت ہیں لیکن اوفق بالروایات یہی قول ہے واللہ اعلم (تنبیہ) قرآنی قسموں کے متعلق ہم سورہ "قیامہ" کے شروع میں جو لکھ چکے ہیں اس کو ہر جگہ یاد رکھنا چاہیے۔ اور ان قسموں کو جواب قسم سے مناسبت یہ ہے کہ ان سب سے اللہ تعالیٰ کا مالک امکنہ وازمنہ ہونا ظاہر ہوتا ہے اور ایسے مالک الکل کی مخالفت کرنے والے کے مستحق لعن وعقوبت ہونا ظاہر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جمعہ کے دن درود کی کثرت:

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اکثر و امن **الصلوٰة یوم الجمعة فانه یوم مشهود تشهده الملائکة** ۔ کہ مجھ پر جمعہ کے روز کثرت سے درود پڑھا کرو۔ کیونکہ یہ دن یوم مشہود ہے۔ جس میں فرشتوں کی بکثرت حاضری ہوتی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

مقبولیت کی گھڑی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوم موعود یوم قیامت ہے اور یوم مشہود یوم عرفہ اور شاہد روز جمعہ اور یوم جمعہ میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اگر ٹھیک اس ساعت میں کوئی مومن بندہ اللہ سے کسی بھلائی کی دعا کرتا ہے تو اللہ اس کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ اور جس شر سے پناہ مانگتا ہے اللہ اس کو اس شر سے بچا لیتا ہے۔ (رواہ احمد الترمذی)

طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابو مالک اشعری کی روایت سے ایسی ہی ہے حدیث بیان کی ہے اس میں اتنا زائد ہے کہ یوم جمعہ کو اللہ نے ہمارے لیے مخصوص فرمادیا ہے اور صلوٰۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضور کی ذات اور قیامت کا دن:

ابن عباس سے مروی ہے کہ شاہد سے مراد خود ذات محمدؐ ہیں مشہود سے مراد قیامت کا دن ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ یعنی اس دن کے لیے لوگ جمع کیے جائیں گے اور یہ دن مشہود یعنی حاضر کیا گیا ہے۔ ایک شخص نے حضرت امام حسن بن علی سے سوال کیا کہ شاہد اور مشہود کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تم نے کسی اور سے پوچھا؟ اس نے کہا ہاں ابن عمر اور ابن زبیر سے۔ فرمایا انہوں نے کیا جواب دیا کہا قربانی کا دن اور جمعہ کا دن۔ فرمایا نہیں بلکہ مراد شاہد سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسے قرآن میں اور جگہ ہے۔ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔ یعنی کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے گواہ لائیں گے۔ تجھے ان پر گواہ بنائیں گے اور مشہود سے مراد قیامت کا دن ہے قرآن کہتا ہے وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ.

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو۔ وہ مشہود دن ہے جس پر فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۙ﴿۴﴾
مارے گئے کھائیاں کھودنے والے
النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۙ﴿۵﴾
آگ ہے بہت ایندھن والی ☆

خندقوں والے:

یعنی ملعون و مغضوب ہوئے وہ لوگ جنہوں نے بڑی بڑی خندقیں کھود کر آگ سے بھریں اور بہت سا ایندھن ڈال کر ان کو دھونکایا۔ ان "اصحاب الاخدود" سے کون مراد ہیں؟ مفسرین نے کئی واقعات نقل کیے ہیں لیکن صحیح مسلم، جامع ترمذی اور مسند احمد وغیرہ میں جو قصہ مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں کوئی کافر بادشاہ تھا۔ اس کے ہاں ایک ساحر (جادوگر) رہتا تھا۔ جب ساحر کی موت کا وقت قریب ہوا۔ اُس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ ایک ہوشیار اور ہونہار لڑکا مجھے دیا جائے تو میں اس کو اپنا علم سکھادوں تا میرے بعد یہ علم مٹ نہ جائے۔ چنانچہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا جو روزانہ ساحر کے پاس جا کر اس کا علم سیکھتا تھا۔ راستہ میں ایک عیسائی راہب رہتا تھا جو اس وقت کے اعتبار سے دین حق پر تھا۔ لڑکا اس کے پاس بھی آنے جانے لگا۔ اور خفیہ طور سے راہب کے ہاتھ مسلمان ہوگیا اور اس کے فیض صحبت سے ولایت و کرامت کے درجہ کو پہنچا۔ ایک روز لڑکے نے دیکھا کہ کسی بڑے جانور (شیر وغیرہ) نے راستہ روک رکھا ہے جس کی وجہ سے مخلوق پریشان ہے۔ اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دعا کی کہ اے اللہ اگر راہب کا دین سچا ہے تو یہ جانور میرے پتھر سے مارا جائے۔ یہ کہہ کر پتھر پھینکا جس سے اس جانور کا کام تمام ہوگیا لوگوں میں شور ہوا کہ اس لڑکے کو عجیب علم آتا ہے کسی اندھے نے سن کر درخواست کی کہ میری آنکھیں اچھی کردو لڑکے نے کہا کہ اچھی کرنے والا میں نہیں وہ اللہ وحدہ لاشریک لہٗ ہے۔ اگر تو اس پر ایمان لائے تو میں دعا کروں امید ہے وہ تجھ کو بینا کردے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا شدہ شدہ یہ خبریں بادشاہ کو پہنچیں اس نے برہم ہو کر لڑکے کو مع راہب اور اندھے کو طلب کر لیا اور کچھ بحث و گفتگو کے بعد راہب اور اندھے کو قتل کردیا اور لڑکے کی نسبت حکم دیا کہ اونچے پہاڑ پر سے گرا کر ہلاک کردیا جائے مگر خدا کی قدرت جو لوگ اس کو لے گئے سب پہاڑ سے گر کر ہلاک ہوگئے اور لڑکا صحیح وسالم چلا آیا۔ پھر بادشاہ نے دریا میں غرق کرنے کا حکم دیا۔ وہاں بھی یہ صورت پیش آئی کہ لڑکا صاف بچ کر نکل آیا اور جو لے گئے تھے وہ سب دریا میں ڈوب گئے آخر لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ میں خود اپنے مرنے کی ترکیب بتلاتا ہوں آپ سب لوگوں کو ایک میدان جمع کریں۔ ان کے سامنے مجھ کو سولی پر لٹکائیں اور یہ لفظ کہہ کر میرے تیر ماریں "بسم اللہ رب الغلام" (اس اللہ کے نام پر جو رب ہے اس لڑکے کا) چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور لڑکا اپنے رب کے نام پر قربان ہوگیا۔ یہ عجیب واقعہ دیکھ کر یکلخت لوگوں کی زبان سے ایک نعرہ بلند ہوا کہ "آمنا برب الغلام" (ہم سب لڑکے کے رب پر ایمان لائے) لوگوں نے بادشاہ سے کہا کہ لیجئے جس چیز کی روک تھام کر رہے تھے۔ وہ ہی پیش آئی پہلے تو کوئی اکا دکا مسلمان ہوتا تھا اب خلق کثیر نے اسلام قبول کر لیا۔ بادشاہ نے غصہ میں آکر بڑی بڑی خندقیں کھدوائیں اور ان کو خوب آگ سے بھروا کر اعلان کیا کہ جو شخص اسلام سے نہ پھرے گا اس کو ان خندقوں میں جھونک دیا جائیگا آخر لوگ آگ میں ڈالے جارہے تھے لیکن اسلام سے نہیں ہٹتے تھے ایک مسلمان عورت لائی گئی جس کے پاس دودھ پیتا بچہ تھا شاید بچہ کی وجہ سے آگ میں گرنے سے گھبرائی۔ مگر بچے نے خدا کے حکم سے آواز دی "اماہ اصبری فانک علی الحق" (اماں جان صبر کر کہ تو حق پر ہے)۔ (تفسیر عثمانی)

فاروق اعظمؓ کے دور میں اس لڑکے کی نعش کا ظاہر ہونا:

محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ یہ لڑکا عبداللہ بن قامر جس جگہ مدفون تھا۔ اتفاقاً کسی ضرورت سے وہ زمین حضرت فاروق اعظم کے زمانہ میں کھودی گئی۔ تو اس میں عبداللہ بن قامر کی لاش صحیح وسالم اس طرح برامد ہوئی کہ وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ان کا ہاتھ اپنی پٹھ پڑی پر رکھا ہوا تھا۔ جہاں

تیر لگا تھا۔ کسی دیکھنے والے نے ان کا ہاتھ اس جگہ سے ہٹایا تو خون جاری ہو گیا۔ پھر ویسے ہی رکھ دیا تو بند ہو گیا۔ ان کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی جس پر لکھا ہوا تھا اَللّٰہُ رَبِّی۔ عامل یمن نے اس واقعہ کی اطلاع حضرت فاروق اعظم کو دی۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ ان کو انکی ہیئت پر انگوٹھی سمیت اسی طرح چھپا دو جس طرح وہ پہلے تھے۔ (ابن کثیر)

فائدہ: ابن کثیر نے بحوالہ ابن ابی حاتم سے نقل کیا ہے کہ آگ کی خندق کا واقعہ دنیا میں ایک ہی نہیں بلکہ مختلف ملکوں اور زمانوں میں ہوئے ہیں۔ پھر ابن ابی حاتم نے ان واقعات میں سے تین کا خصوصیت سے ذکر کیا کہ ایک خندق یمن میں تھی (جس کا واقعہ زمان فترت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ستر سال پہلے پیش آیا ہے۔) دوسری خندق شام میں تیسری فارس میں تھی۔ مگر قرآن کریم میں جس خندق کا ذکر اس سورت میں ہے وہ خندق نجران ملک یمن کی خندق ہے کیونکہ یہی عرب کے ملک میں تھی۔

مغفرت اور بخشش کا بحر بیکراں

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس جود و کرم کو دیکھو کہ ان لوگوں نے اللہ کے اولیاء کو زندہ جلا کر ان کا تماشہ دیکھا اور حق تعالیٰ اس پر بھی ان کو توبہ و مغفرت کی طرف دعوت دے رہا ہے (ابن ابی کثیر، معارف مفتی اعظم)

خندقوں والوں کا قصہ

جادوگر کا شاگرد:

حضرت صہیب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گذشتہ اقوام میں یمن میں ایک بادشاہ تھا۔ اس کے پاس ایک جادوگر تھا۔ جادوگر بوڑھا ہو چکا تھا۔ تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں اس لیے کوئی لڑکا میرے پاس بھیج دیجئے کہ میں اس کو سحر سکھا دوں۔ بادشاہ نے ایک لڑکا اس کے پاس جادو سیکھنے کے لیے بھیج دیا۔ لڑکے کے راستے میں ایک درویش پڑتا تھا۔ لڑکا درویش کے پاس جاتا تھا۔ اور اس کی باتیں سنتا تھا۔ تو اس کی باتیں اس کو پسند آتی تھیں۔ چنانچہ جادوگر کے پاس جانے میں درویش کے پاس راستہ میں بیٹھ جانے کی وجہ سے دیر ہو جاتی تھی۔ ساحر اس کو مارتا تھا۔ جادوگر سے واپسی میں بھی لڑکا اس درویش کے پاس بیٹھ جاتا اور اس کی باتیں سنتا تھا۔ اس لیے گھر پہنچنے میں بھی دیر ہو جاتی۔ گھر والے بھی اس کو مارتے تھے۔ لڑکے نے درویش سے اس بات کی شکایت کی درویش نے کہا جب تم جادوگر کے پاس پہنچا کرو تو اس سے کہہ دیا کرو۔ کہ مجھے گھر والوں نے روک دیا تھا۔ اور گھر پہنچا کرو تو گھر والوں سے کہہ دیا کرو کہ مجھے جادوگر نے روک لیا تھا۔ اس لیے دیر ہوگئی۔ غرض لڑکا اسی طرح کرتا رہا۔

لڑکے پر درویش کا حق ہونا واضح ہو گیا:

ایک روز جب راستہ میں جا رہا تھا تو دیکھتا کیا ہے کہ ایک بڑے جانور درندہ نے لوگوں کا راستہ روک رکھا ہے۔ لڑکا کہنے لگا کہ آج میں آزمائش کروں گا۔ کہ درویش افضل ہے یا جادوگر۔ یہ سوچ کر پتھر لے کر کہنے لگا۔ اے خدا اگر درویش کا معاملہ جادوگر کے معاملے سے تجھے زیادہ محبوب ہے تو اس جانور کو قتل کر دے۔ تا کہ لوگ اس راستہ پر چلنے لگیں۔ یہ دعا کر کے لڑکے نے پتھر مارا اور جانور مر گیا۔ لوگ راستہ چلنے لگے۔ اور لڑکے نے جا کر درویش سے یہ بات کہہ دی۔ درویش نے کہا بیٹا اب تو مجھ سے افضل ہے تیرا معاملہ اس حد تک پہنچ چکا ہے۔ جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے۔ عنقریب تو مصائب میں مبتلا ہوگا۔ مصائب میں مبتلا ہو کر کہیں میرا نام نہ بتا دینا۔

لڑکے کی کرامتیں:

اس کے بعد وہ لڑکا مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کا اور لوگوں کے امراض کا کامیاب علاج کرنے لگا۔ ایک بار بادشاہ کے کسی ہم نشین نے لڑکے کی یہ شہرت سن لی وہ نابینا ہو گیا تھا۔ لڑکے کے پاس بہت سے تحفے لے کر پہنچا۔ اور کہا کہ اگر تو مجھے تو اچھا کر دے گا۔ تو یہ سب تحفے تیرے ہیں لڑکے نے کہا میں شفا کسی کو نہیں دیتا اللہ شفا دیتا ہے اگر تو اللہ کو اللہ سے دعا کرنے کو مان لے گا تو اللہ تجھے شفا عطا فرما دے گا۔ وہ ایمان لے آیا اللہ نے اس کو شفا دے دی۔ وہ بینا ہو کر بادشاہ کے پاس پہنچا۔ اور نابینا ہونے سے پہلے جیسا بیٹھتا تھا۔ جا کر بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ یہ بینائی کیسے لوٹ آئی۔ ہم نشین نے کہا میرے مالک نے لوٹا دی۔ بادشاہ نے کہا کیا تیرا کوئی مالک میرے علاوہ اور بھی ہے، ہم نشین نے کہا وہ میرا بھی رب ہے اور تیرا بھی۔ بادشاہ نے اس کو قید کر دیا۔ اور برابر دکھ دیتا رہا یہاں تک کہ اس نے لڑکے کا پتہ بتا دیا۔ لڑکے کو لایا گیا۔

لڑکا بادشاہ کے سامنے:

بادشاہ نے کہا میرے بیٹے تیرے سحر کی حالت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ مادر زاد کوڑھی اور نابینا کو اچھا کرنے لگا ہے۔ لڑکے نے کہا کہ میں کسی کو شفا نہیں دیتا اللہ ہی شفا دیتا ہے۔

درویش کی شہادت:

بادشاہ نے اس کو بھی گرفتار کر لیا اور اتنا دکھ دیا کہ بالآخر اس نے درویش کا پتہ بتا دیا۔ درویش کو بلایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ اپنے مذہب سے باز آ۔ درویش نے انکار کیا بادشاہ نے اس کے وسط سر پر آرہ رکھوا کر دو ٹکڑے کروا دیا۔

بادشاہ کی ناکام تدبیریں:

پھر لڑکے کو بلوایا گیا۔ اور کہا اب بھی اپنے دین سے باز آ جا۔ لڑکے نے انکار کیا۔ بادشاہ نے اپنے چند آدمیوں کو بلوا کر حکم دیا کہ اس لڑکے کو فلاں فلاں پہاڑ کے اوپر لے جاؤ۔ اور چوٹی پر پہنچ کر اگر یہ اپنا دین ترک کر دے تو خیر ورنہ اس کو نیچے پھینک دو۔ لوگ اس کو پہاڑ پر لے گئے۔ لڑکے نے دعا کی

الٰہی مجھے ان کے شر سے بچا۔ جس طرح تو چاہے۔ یک دم پہاڑ میں زلزلہ آ گیا۔ سب گر گئے۔ لڑکا چلتا چلتا پھر بادشاہ کے پاس پہنچ گیا بادشاہ نے پوچھا کہ تیرے ساتھیوں کا کیا ہوا۔ لڑکے نے کہ اللہ نے مجھے ان سے بچالیا۔

بادشاہ نے پھر لڑکے کو چند آدمیوں کے حوالے کر کے حکم دیا کہ اس کو لے جا کر کسی کشتی میں بٹھا کر سمندر میں لے جاؤ اگر یہ اپنے مذہب سے توبہ کر لے تو خیر ورنہ سمندر میں پھینک دو۔

لوگ لڑکے کو لے گئے۔ لڑکے نے دعا کی الٰہی جس طرح تو چاہے مجھے ان سے بچالے۔ طوفان کی وجہ سے کشتی الٹ گئی۔ سب ڈوب گئے لڑکا پھر چلتا چلتا بادشاہ کے پاس پہنچ گیا تو بادشاہ نے ساتھ والوں کی کیفیت دریافت کی لڑکے نے کہا اللہ نے مجھے ان سے بچالیا ان کو ڈبو دیا۔

لڑکے نے شہادت کی تدبیر خود بتائی:

پھر کہنے لگا کہ جب تک میرے کہنے کے موافق تو عمل نہیں کرے گا مجھ کو قتل نہیں کر سکتا۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کیا بات ہے لڑکے نے کہا ایک میدان میں لوگوں کو جمع کرو۔ اور مجھے کسی لکڑی کے ستون سے باندھ کر لٹکا دو۔ پھر میری ترکش سے ایک تیر لے کر کمان کے چلے میں رکھ کر **بسم الله رب الغلام** کہہ کر تیر مجھ پر چھوڑ دو۔ اگر ایسا کرو گے تو مجھے قتل کر سکو گے۔ حسب مشورہ بادشاہ نے لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا لڑکے کو لکڑی کے تنا سے باندھ کر لٹکا دیا۔ اور اسی کی ترکش سے ایک تیر لے کر کمان کے چلہ میں رکھ کر **بسم الله رب الغلام** کہہ کر مارا فوراً لڑکے کی کنپٹی میں تیر پیوست ہو گیا۔ اور لڑکا مر گیا۔

سب لوگ مسلمان ہو گئے:

یہ دیکھ کر لوگوں نے تین بار کہا ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔ کچھ آدمیوں نے بادشاہ سے جا کر کہا دیکھئے جس بات کا آپ کو اندیشہ تھا۔ وہی واقع ہو گئی۔ سب لوگ لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے۔

لوگوں کے لیے آگ کی خندقوں کا انتظام:

بادشاہ نے گلیوں، سڑکوں پر خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خندقیں کھود دی گئیں۔ تو ان میں لکڑیاں بھر کر آگ لگا دی۔ اور حکم دے دیا کہ جو شخص اپنے مذہب سے نہ پھرے اس کو خندق میں ڈال دو۔ لوگ حکم کی تعمیل کرنے لگے۔ آخر ایک عورت بھی آئی۔ جس کے پاس چھوٹا بچہ تھا۔ عورت خندق میں گرنے سے کچھ جھجکی، لیکن بچہ نے کہا کہ اماں ثابت قدم رہ۔ بلاشبہ تو حق پر ہے۔ (صحیح مسلم)

بادشاہ کا نام اور زمانہ:

عطاء نے حضرت ابن عباس کی روایت سے ایسا ہی قصہ نقل کیا ہے جس میں حضرت ابن عباس نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ نجران (علاقہ یمن) میں حمیری بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا۔ جس کا نام یوسف ذوالنواس بن شرجیل تھا۔ یہ واقعہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک سے ستر سال پہلے کا ہے۔ اس زمانہ میں کوئی نبی نہ تھا۔ اور اس لڑکے کا نام عبداللہ بن قمر تھا۔ محمد بن اسحاق نے وہب بن منبہ کا حوالہ سے لکھا ہے کہ ذوالنواس نے بارہ ہزار آدمی جلا دیئے۔ پھر ارباط حبشی نے یمن فتح کر لیا اور ذوانواس بھاگ کر بمعہ اپنے گھوڑے کے سمندر میں گھس گیا۔ اور ڈوب گیا۔ کلبی نے بیان کیا ہے کہ ذوانواس نے عبداللہ بن تامر کو قتل کیا تھا۔

محمد بن عبداللہ بن ابی بکر نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب کے زمانہ میں کوئی نہر کھودی گئی تو دیکھا کہ سر کے زخم پر عبداللہ بن تامر (شہید ہاتھ رکھے ہوئے ہیں۔ جب ہاتھ کو زخم سے ہٹایا جاتا تو خون ابل پڑتا تھا۔ اور جب ہاتھ کو چھوڑا جاتا تو ہاتھ لوٹ کر اپنی جگہ پہنچ جاتا تھا۔ اور لوہے کی ایک مہر بھی عبداللہ کی انگلی میں پڑی تھی جس میں ربی الله لکھا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے لکھ بھیجا کہ عبد (عبداللہ) اور اس کی انگوٹھی کو اسی حالت پر رہنے دو۔ جس حالت میں تم نے اس کو پایا ہے۔

اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ کے متعلق کچھ دوسری روایت بھی آئی ہیں لیکن قوت میں مسلم کی روایت کے ہم پلہ کوئی نہیں۔ اس لیے ناقابل التفات ہیں۔

ذَاتِ الْوَقُوْدِ بھڑکتی ہوئی یہ آگ کی صفت ہے۔ جو کثرت التہاب کی وجہ سے آگ کی بڑائی کو ظاہر کر رہی ہے۔ الف لام جنسی ہے۔

ربیع بن انس کا قول ہے کہ جن مومنوں کو آگ میں پھینکا گیا تھا۔ آگ کو مس کرنے سے پہلے ہی اللہ نے ان کی روحوں کو قبض کر لیا تھا۔ اور اس طرح جلنے سے ان کو محفوظ رکھا تھا۔ اور خندق کے کنارے بیٹھے ہوئے کافروں کو آگ کے شعلوں نے خندق سے نکل کر جلا دیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝
جب وہ اُس پر بیٹھے
وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ
اور جو کچھ وہ کرتے
بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝
مسلمانوں کے ساتھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ☆

بادشاہ اور وزیروں کی سنگدلی:

یعنی بادشاہ اور اس کے وزیر ومشیر خندقوں کے آس پاس بیٹھے ہوئے نہایت

سنگدلی سے مسلمانوں کے جلنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے بدبختوں کو ذرا رحم نہ آتا تھا۔

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ

اور اُن سے بدلہ نہ لیتے تھے مگر اسی بات کا کہ

يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۸﴾

وہ یقین لائے اللہ پر جو زبردست ہے تعریفوں والا

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

جس کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۹﴾

اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز ☆

مسلمانوں کا جُرم:

یعنی ان مسلمانوں کا قصور اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ کفر کی ظلمت سے نکل کر ایک زبردست اور ہر طرح کی تعریف کے لائق خدا پر ایمان لائے جس کی بادشاہت سے زمین وآسمان کا کوئی گوشہ باہر نہیں اور جو ہر چیز کے ذرہ ذرہ احوال سے باخبر ہے جب ایسے خدا کے پرستاروں کو محض اس جرم پر کہ وہ کیوں اسی اکیلے کو پوجتے ہیں آگ میں جلایا جائے تو کیا یہ گمان ہوسکتا ہے کہ ایسا ظلم وستم یوں ہی خالی چلا جائیگا اور وہ خداوند قہار ظالموں کو سخت ترین سزا دیگا۔ حضرت شاہؒ لکھتے ہیں "جب اللہ کا غضب آیا وہ ہی آگ پھیل پڑی بادشاہ اور امیروں کے گھر سارے پھونک دیئے" مگر روایات صحیحہ میں اس کا ذکر نہیں واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ وہ خدا کہ صرف اسی کی حکومت زمین اور آسمان اور ان دونوں کے درمیان ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اللہ ہی کو مرکز بیم وامید ثابت کرنے کے لیے یہ جملہ فرمایا گیا۔ اللہ نے اپنے یہ اوصاف اس لیے بیان فرمائے ہیں۔ تاکہ مومنوں کی ایمان کی حقانیت اور ان کو ثواب کا استحقاق ثابت ہوجائے اور کافروں کا باطل پرست ظالم ناحق کوش اور مستحق لعنت وعذاب ہونا ظاہر ہوجائے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ

تحقیق جو دین سے بچلائے ایمان والے

وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ

مردوں کو اور عورتوں کو پھر توبہ نہ کی تو اُن کیلئے

عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ﴿۱۰﴾

عذاب ہے دوزخ کا اور اُن کیلئے عذاب ہے آگ لگنے کا ☆

جو دین حق کی رکاوٹ بنے گا وہ آگ میں جلے گا:

یعنی کچھ اصحاب الاخدود پر منحصر نہیں۔ جو لوگ ایمانداروں کو دین حق سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرینگے (جیسے کفار مکہ کررہے تھے) پھر اپنی ان نالائق حرکات سے تائب نہ ہونگے ان سب کے لئے دوزخ کا عذاب تیار ہے جس میں بے شمار قسم کی تکلیفیں ہونگی اور بڑی تکلیف آگ لگنے کی ہوگی جس میں دوزخی کا تن من سب گرفتار ہوگا۔" (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جن لوگوں نے مومن مردوں اور عورتوں کو عذاب دیا عذاب دینے والوں میں اصحاب الاخدود بھی تھے۔ اور دوسرے لوگ بھی اس میں شامل ہیں مومن ہوں یا کافر بہرحال مومنوں کو انہوں نے دکھ دیا ہو۔ اسی طرح المومنین اور المومنات کا لفظ ان لوگوں کو بھی شامل ہے۔ جن کو اصحاب الاخدود نے جلایا تھا۔ اور وہ مومن بھی اس میں داخل ہیں جن کو کوئی شخص دکھ پہنچائے۔

مطلب یہ ہوگا۔ کہ جن کافروں نے اہل ایمان کو ان کے ایماندار ہونے کی وجہ سے عذاب دیا ان کے لئے عذاب جہنم ہے۔

خندق والوں کا حشر:

اور خندقوں کے کناروں پر بیٹھے ہوئے کافر بھی آگ کی لپیٹ میں جل گئے۔ اور ذونواس سمندر میں ڈوب کر مرگیا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوْا سے گویا اس مفروضہ کا جواب دے دیا گیا۔ کہ اللہ نے اصحاب الاخدود اور ان جیسے لوگوں کے ساتھ کیا کیا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

بے شک جو لوگ یقین لائے اور کیں انہوں نے بھلائیاں

لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ﴿۱۱﴾

یہ ہے بڑی مراد ملنی ☆

آخری کامیابی مومنین کی ہے:

یعنی یہاں کی تکلیفوں اور ایذاؤں سے نہ گھبرائیں بڑی اور آخری کامیابی

ان ہی کے لیے ہے جس کے مقابلہ میں یہاں کا عیش یا تکلیف سب ہیچ ہے۔

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿۱۲﴾

بے شک تیرے رب کی پکڑ سخت ہے ☆

خدائی گرفت: اسی لیے ظالموں اور مجرموں کو پکڑ کر سخت ترین سزا دیتا ہے۔

اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَ يُعِيْدُ ﴿۱۳﴾

بے شک وہی کرتا ہے پہلی مرتبہ اور دوسری ☆

آغاز وانجام سب اللہ کے قبضہ میں ہے:

یعنی پہلی مرتبہ دنیا کا عذاب اور دوسری مرتبہ آخرت کا (کذافی الموضح) یا یہ مطلب ہے کہ اول مرتبہ آدمی کو وہ ہی پیدا کرتا ہے اور دوسری مرتبہ موت کے بعد بھی وہ ہی پیدا کریگا پس مجرم اس دھوکا میں نہ رہے کہ موت جب ہمارا نام ونشان مٹا دیگی پھر ہم کس طرح ہاتھ آئیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَ يُعِيْدُ یعنی آغاز تخلیق وہی کرتا ہے اور دوبارہ تخلیق بھی وہی کرے گا۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں کہ اس کی گرفت کو دفع کرنا ممکن ہو سکے۔ یا یہ مطلب کہ کافروں کی دنیا میں ابتدائی گرفت بھی وہی کرتا ہے اور آخرت میں بھی وہی پکڑے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿۱۴﴾

اور وہی ہے بخشنے والا محبت کرنے والا ☆

بخشش ومحبت والا بھی ہے: یعنی باوجود اس صفت قہاری وسخت گیری کے اس کی بخشش اور محبت کی بھی کوئی حد نہیں وہ اپنے فرمانبردار بندوں کی خطائیں معاف کرتا ان کے عیب چھپاتا اور طرح طرح کے لطف وکرم اور عنایت وشفقت سے نوازتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بے انتہاء کرم: حسن بصری سے منقول ہے فرمایا خدا کے اس جود وکرم کو دیکھو کہ جنھوں نے اولیاء اور اس کے محبوب بندوں کو قتل کیا ان کو توبہ کی دعوت دی جا رہی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿۱۵﴾

مالک عرش کا بڑی شان والا

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۶﴾

کر ڈالنے والا جو چاہے ☆

جو چاہے کرسکتا ہے: یعنی اپنے علم وحکمت کے موافق جو کرنا چاہے کچھ دیر نہیں لگتی نہ کوئی روکنے ٹوکنے کا حق رکھتا ہے بہر حال نہ اس کے انعام پر بندہ کو مغرور ہونا چاہیے نہ انتقام سے بے خوف ہو۔ بلکہ ہمیشہ اس کی صفات جلال وجمال دونوں پر نظر رکھے اور خوف کے ساتھ رجاء اور رجاء کے ساتھ خوف کو دل سے زائل نہ ہونے دے۔ (تفسیر عثمانی)

عرش کی عظمت: عرش انوار رحمٰن کی جلوہ گاہ ہے۔ تجلیات رحمانیہ سے اس کو خصوصیات حاصل ہے۔ یہی اس کی عظمت ہے (تفسیر مظہری)

حضرت صدیق اکبر کا مرض الوفات:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ان کی بیماری میں جس میں آپ کا انتقال ہوتا ہے لوگ کہتے ہیں کہ کسی طبیب نے بھی آپ کو دیکھا فرمایا ہاں پوچھا پھر کیا جواب دیا۔ فرمایا کہ جواب دیا۔ اِنِّي فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ پھر فرماتا ہے کہ کیا تجھے خبر بھی ہے کہ فرعونیوں اور ثمودوں پر کیا کیا عذاب آئے اور کوئی ایسا نہ تھا۔ جو کہ ان کی کسی طرح مدد کر سکتا۔ اور نہ کوئی اس عذاب کو ہٹا سکا۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی پکڑ بہت سخت ہے جب وہ کسی ظالم کو پکڑتا ہے۔ تو دردناکی اور سختی سے بڑی زبردست پکڑ پکڑتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾

کیا پہنچی تجھ کو بات اُن لشکروں کی

فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾

فرعون اور ثمود کے ☆

فرعون وثمود کی کہانی: کہ ایک مدت تک انعام کا دروازہ ان پر کھلا رکھا تھا اور ہر طرف سے طرح طرح کی نعمتیں ان کو پہنچتی تھیں پھر ان کے کفر وطغیان کی بدولت کیسا سخت انتقام لیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ۔ یہ الجنود سے بدل ہے۔ یا جنود مخدوف ہے یعنی فرعون اور ثمود کی فوجوں کا قصہ تمہارے پاس آ چکا ہے۔ ان کو ڈبو کر ہلاک کر دیا گیا یا ایک غیبی چیخ سے ان کا دم نکل گیا۔ پھر ان کو دوزخ میں داخل کر دیا گیا۔ تم اپنی قوم کی تکذیب پر صبر کرو۔ اور ان کو عذاب سے ڈراؤ۔ جو ان جیسے کافروں پر پہلے ہی پہنچ چکا ہے۔ (تفسیر مظہری)

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿۱۹﴾

کوئی　نہیں　بلکہ　منکر　جھٹلاتے　ہیں ☆

کفار عبرت نہیں پکڑتے:

یعنی کفار ان قصوں سے کچھ عبرت نہیں پکڑتے اور عذاب الٰہی سے ذرا نہیں ڈرتے بلکہ ان قصوں کے اور قرآن کو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب اس طرح ہوگا۔ لیکن یہ کافر تو تکذیب میں گھرے ہوئے ہیں فی

تکذیب میں ظرفیت اعتباری ہے حقیقی نہیں تکذیب نہ زمان ہے نہ مکان گویا وصف تکذیب کافروں کو اس طرح ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ جیسے مکان یا زمان اپنے اندر کی چیز کو گھیر لیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿۲۰﴾

اور اللہ نے ان کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے ☆

ان کو سزا ملے گی: یعنی جھٹلانے سے کوئی فائدہ نہیں ہاں اس تکذیب کی سزا بھگتنا ضروری ہے اللہ کے قبضہ قدرت سے وہ نکل نہیں سکتے نہ سزا سے بچ سکتے ہیں۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾

کوئی نہیں یہ قرآن ہے بڑی شان کا ☆

قرآن کو جھٹلانا حماقت ہے:

یعنی ان کا قرآن کو جھٹلانا محض حماقت ہے قرآن ایسی چیز نہیں جو جھٹلانے کے قابل ہو یا چند احمقوں کے جھٹلانے سے اس کی شان اور بزرگی کم ہو جائے۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ کہ کافروں کی طرف سے تکذیب قرآن میں حقانیت کا شائبہ بھی نہیں قرآن کی تکذیب تو وہ شخص کر ہی نہیں سکتا جس کو عبارت و معنی کا کچھ بھی شعور ہو۔ (تفسیر مظہری)

فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾

لکھا ہوا لوح محفوظ میں ☆

حفاظت قرآن: جہاں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا پھر وہاں سے نہایت حفاظت و اہتمام کے ساتھ صاحب وحی کے پاس پہنچایا جاتا ہے'' فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا '' (الجن رکوع ۲)۔ اور یہاں بھی قدرت کی طرف سے اس کی حفاظت کا ایسا سامان ہے جس میں کوئی طاقت رخنہ نہیں ڈال سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

لوح محفوظ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ لوح محفوظ حضرت اسرافیل کی پیشانی پر ہے۔ عبدالرحمٰن بن سلمان فرماتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہوا، ہو رہا ہے۔ اور ہو گا۔ وہ سب لوح محفوظ میں موجود ہے اور لوح محفوظ حضرت اسرافیل کی دونوں آنکھوں کے سامنے ہے۔ لیکن جب تک انہیں اجازت نہ ملے وہ اسے دیکھ نہیں سکتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ لوح محفوظ کی پیشانی پر یہ عبارت ہے کہ کوئی معبود نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے وہ اکیلا ہے اس کا دین اسلام ہے محمد اس کے بندے ہیں۔ اور اس کے رسول ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔ اس کے وعدے کو سچا جانے اس کے رسولوں کی تابعداری کرے۔ خدائے عالم اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ فرماتے ہیں کہ یہ لوح سفید موتی کی طرح ہے جس کا طول آسمان و زمین کہ درمیان برابر ہے۔ اور اس کی چوڑائی مشرق و مغرب کے برابر ہے۔ اس کے دونوں کنارے موتی اور یاقوت کے ہیں اس کے دونوں پٹھے سرخ یاقوت کے ہیں۔ اس کا قلم نور ہے۔ اس کا کلام عرش سے وابستہ ہے۔ اس کی اصل فرشتہ کی گود میں ہے۔ مقاتل فرماتے ہیں خدا تعالیٰ کہ یہ عرش کے دائیں طرف ہے۔

طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے پیدا کیا اس کے صفحے سرخ یاقوت کے ہیں۔ اس کا قلم نور کا ہے۔ اس کی کتابت نور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر دن میں تین سو ساٹھ مرتبہ اس کو دیکھتا ہے وہ پیدا کرتا ہے۔ روزی دیتا ہے اور مارتا ہے جلاتا ہے رزق دیتا ہے جو چاہے کرتا ہے۔ الحمدللہ سورہ بروج کی تفسیر ختم ہوئی۔

خداوند تعالیٰ ہمیں نیک عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ . طبرانی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے بنایا ہے۔ اس کی صفحات سرخ یاقوت کے قلم نور کا اور تحریر نور کی ہے۔ ہر روز کے تین سو ساٹھ لمحات میں اللہ پیدا کرتا رزق دیتا موت اور زندگی عطا کرتا عزت اور ذلت دیتا اور جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔

بغوی نے سند کے ساتھ حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ سرلوح پر لکھا ہوا ہے۔ اللہ اکیلا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا دین اسلام ہے۔ محمد اس کے رسول اور بندے ہیں۔ جو اللہ پر ایمان رکھے گا۔ اللہ کے وعدے کی تصدیق کرے گا۔ اس کے پیغمبروں کا اتباع کرے گا۔ اللہ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ لوح محفوظ سفید موتی کی ہے اس کا طول اتنا ہے جتنا زمین سے آسمان اور عرض اتنا ہے جیسے مشرق سے مغرب اس کے دونوں کنارے موتی اور یاقوت کے ہیں اور اول و آخر کے دونوں پٹھے سرخ یاقوت کے اس کا قلم نور کا اور تحریر نور کی ہے وہ عرش سے وابستہ ہے اس کی جڑ ایک فرشتے کی گود میں ہے۔

مقاتل نے کہا کہ لوح محفوظ عرش کے دائیں طرف ہے۔ محفوظ لوح کی صفت ہے لوح شیطانوں سے اور کمی بیشی سے محفوظ ہے۔ اسی لئے اس کو لوح محفوظ کہا جاتا ہے یہ ام الکتاب ہے اسی سے الکتاب (یعنی قرآن کو) کو نقل کیا گیا ہے۔

رافضیوں کی جسارت: نافع کی قراءت میں محفوظ آیا ہے اس وقت یہ قرآن کی صفت ہوگی۔ اللہ نے فرمایا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ اس لیے ممکن نہیں کہ اس میں کسی دوسری عبادت کا الحاق کر دیا جائے۔ اللہ خود اس کا محافظ ہے۔ اور اس کی عبارت بھی اعجازی ہے۔ نہ اس میں ردوبدل ممکن ہے۔ نہ کچھ حذف کر دینا۔

رافضیؒ کہتے ہیں کہ غیر قرآن کو قرآن کے ساتھ ملا دیا گیا۔ اور بقدر دس پاروں کے حذف کر دیا گیا ہے اس لیے چالیس کے بجائے تیس رہ گئے ہیں۔ اور یہ تیس بھی بگڑے بگڑائے ہیں پس ان پر یہ آیت بل الذین کفروا تکذیب واللہ من ورائھم محیط بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ پڑے گی۔

سورۃ الطارق

اس کو خواب میں پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ اس کو ذکر و تسبیح کی کثرت الہام فرمائے گا۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۂ طارق مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی سترہ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾

قسم ہے آسمان کی اور اندھیرے میں آنے والے کی

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾

اور تو نے کیا سمجھا کیا ہوا اندھیرے میں آنے والا

النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿۳﴾

وہ تارا چمکتا ہوا

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿۴﴾

کوئی جی نہیں جس پر نہیں ایک نگہبان

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾

اب دیکھ لے آدمی کہ کاہے سے بنا ہے☆

اعمال کی حفاظت:

یعنی فرشتے رہتے ہیں آدمی کے ساتھ بلاؤں سے بچاتے ہیں یا اس کے عمل لکھتے ہیں (موضح القرآن) اور قسم میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ جس نے آسمان پر ستاروں کی حفاظت کے ایسے سامان کیے ہوئے ہیں اس کو زمین پر تمہاری یا تمہارے اعمال کی حفاظت کرنا کیا دشوار ہے نیز جس طرح آسمان پر ستارے ہر وقت محفوظ ہیں مگر ان کا ظہور خاص شب میں ہوتا ہے ایسے ہی سب اعمال نامہ اعمال میں اس وقت بھی محفوظ ہیں مگر ظہور ان کا خاص قیامت میں ہوگا جب یہ بات ہے تو انسان کو قیامت کی فکر چاہیے اور اگر اس کو مستبعد سمجھتا ہے تو اس کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

انسان کی حفاظت

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مومن پر اللہ کی طرف سے تین سو ساٹھ فرشتے اس کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں جو انسان کے ہر ہر عضو کی حفاظت کرتے ہیں ان میں سے سات فرشتے صرف آنکھ کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں یہ فرشتے انسان سے ہر بلا و مصیبت جو اس کے لیے مقدر نہیں اس طرح انسان سے دفع کرتے ہیں جیسے شہد میں رکھے ہوئے برتن پر آنے والی مکھیوں کو پنکھے سے دفع کیا جاتا ہے۔ اور اگر انسان پر یہ حفاظتی پہرہ نہ ہو تو شیاطین اس کو اچک لیں۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

شان نزول: کلبیؒ نے کہا ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کچھ روٹی اور دودھ پیش کیا آپ بیٹھے کھا رہے تھے کہ ایک تارا ٹوٹا جس کی چمک سے وہاں کی ہر چیز روشن ہوگئی۔ ابو طالب نے گھبرا کر کہا یہ کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تارا کسی شیطان کے مارا گیا ہے۔ اور یہ قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے ابو طالب کو یہ سن کر تعجب ہوا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

مطلب اس طرح ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر نفس انسانی پر بلا شک وشبہ رب کی طرف سے کوئی نگران مقرر ہے جو اس کے اعمال کی نگرانی کرتا ہے اور ہر نیکی بدی کو احاطہ کے ساتھ لکھ دیتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ نگران ملائکہ میں سے ہیں۔

بعض نے حافظ کا ترجمہ نگہبان کیا ہے۔ یعنی ہر شخص کا ایک نگہبان موجود ہے۔ جو آفات سے اس کی حفاظت رکھتا ہے۔ اور جب اس کی مدت زندگانی اور رزق کی تکمیل ہو چکتی ہے۔ تو وہ مرجاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿۶﴾

بنا ہے ایک اُچھلتے ہوئے پانی سے☆

یعنی منی سے جو اچھل کر نکلتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

انسان کا مادہ پیدائش:

انسان پیدا کیا گیا ہے ایک اچھلنے والے پانی سے جو نکلتا ہے سینہ او رپشت کی ہڈیوں کے درمیان سے۔ عام طور پر حضرات مفسرین نے اس کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ نطفہ مرد کی پشت اور عورت کے سینہ سے نکلتا ہے۔ مگر اعضائے انسانی کے ماہر اطباء کی تحقیق اور تجربہ یہ ہے کہ نطفہ درحقیقت انسان کے ہر ہر عضو سے نکلتا ہے۔ اور بچے کا ہر عضو اس جز نطفہ سے بنتا ہے۔ جو مرد وعورت کے اسی عضو تناسل سے نکلا ہے۔ البتہ دماغ کو اس معاملے میں سب سے زیادہ دخل ہے اس لیے مشاہدہ ہوتا ہے کہ جماع کی کثرت کرنے

والے اکثر ضعف دماغ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ان کی تحقیق یہ بھی ہے کہ نطفہ تمام اعضاء سے منفصل ہو کر نخاع کے ذریعے خصیتین میں جمع ہوتا ہے اور پھر وہاں سے نکلتا ہے۔

عورت اور مرد کا نطفہ:

اگر یہ تحقیق صحیح ہے تو حضرات مفسرین نے جو نطفہ کا خروج مرد کی پشت اور عورت کے سینے کے متعلق قرار دیا ہے اس کی توجیہ بھی کچھ بعید نہیں کیونکہ اس پر اطباء کا اتفاق ہے کہ نطفہ کی تولید میں سب سے بڑا دخل دماغ کو ہے۔ اور دماغ کا خلیفہ اور قائم مقام نخاع ہے۔ جو ریڑھ کی ہڈی کے اندر دماغ سے پشت اور پھر خصیتین تک آیا ہوا ہے۔ اور اسی کے کچھ شعبے سینے کی ہڈیوں میں آئے ہوئے ہیں ہوسکتا ہے کہ عورت کے نطفہ میں سینے کی ہڈیوں سے آنے والے نطفہ کا اور مرد کے نطفہ میں پشت سے آنے والے نطفہ کا دخل زیادہ ہو۔ (ذکرہ البیضاوی) (معارف مفتی اعظم)

يَخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ⑦

جو نکلتا ہے پیٹھ کے بیچ سے اور چھاتی کے بیچ سے ☆

منی کی جگہ: کہتے ہیں کہ مرد کی منی کا انصاب پیٹھ سے ہوتا ہے اور عورت کا سینہ سے اور بعض علماء نے فرمایا کہ پیٹھ اور سینہ تمام بدن سے کنایہ ہے یعنی منی مرد کی ہو یا عورت کی تمام بدن میں پیدا ہو کر پھر جدا ہوتی ہے اور اس کنایہ میں تخصیص صلب وترائب کی شاید اس لیے ہو حصول مادہ منویہ میں اعضاء رئیسہ (قلب، دماغ، کبد) کو خاص دخل ہے جس میں سے قلب و کبد کا تعلق تلبس ترائب سے اور دماغ کا تعلق بواسطہ نخاع (حرام مغز) کے صلب سے ظاہر ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ⑧

بے شک وہ اس کو پھیر لا سکتا ہے ☆

بعث بعد الموت:

یعنی اللہ پھیر لائیگا مرنے کے بعد (موضح القرآن)۔ حاصل یہ کہ نطفہ سے انسان بنا دینا بہ نسبت دوبارہ بنانے کے زیادہ عجیب ہے جب یہ امر عجیب اس کی قدرت سے واقع ہو رہا ہے تو جائز نہیں کہ اس سے کم عجیب چیز کے وقوع کا خواہ مخواہ انکار کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ⑨

جس دن جانچے جائیں بھید ☆

راز کھل جائیں گے:

یعنی سب کی قلعی کھل جائے گی اور کل باتیں جو دلوں میں پوشیدہ تھیں ہوں یا چھپ کر کی ہوں ظاہر ہو جائینگی اور کسی جرم کا اخفاء ممکن نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی انسان کو اس روز دوبارہ پیدا کیا جائے گا۔ جس روز پوشیدہ اعمال اور مخفی عقائد اور ارادے اور دلوں میں چھپی باتیں ظاہر ہو جائیں گی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ ہر راز کو ظاہر کر دے گا۔ پوشیدہ راز چہروں پر نمودار ہو جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ⑩

تو کچھ نہ ہوگا اُس کو زور اور نہ کوئی مدد کرنیوالا ☆

مجرموں کے پاس کوئی حیلہ نہ ہوگا:

اس وقت مجرم نہ اپنے زور و قوت سے مدافعت کر سکے گا نہ کوئی حمایتی ملے گا جو مدد کر کے سزا سے بچالے۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر غدار (عہد شکن و خائن کی رانوں کے درمیان اس کے غدر عہد شکنی کا جھنڈا گاڑ دیا جائے گا۔ اور اعلان ہو جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری عہد شکنی یا خیانت ہے اس دن نہ تو خود انسان کو کوئی قوت حاصل ہوگی۔ نہ اس کا مددگار اور کوئی کھڑا ہوگا۔ یعنی نہ تو خود اپنے آپ کو عذابوں سے بچا سکے گا۔ نہ کوئی اور ہوگا۔ جو اسے خدا تعالیٰ کے عذابوں سے بچا سکے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ⑪

قسم ہے آسمان چکر مارنے والے کی ☆

یا بارش لانے والے کی۔ (تفسیر عثمانی)

آسمان کا لوٹنا:

بارش والے آسمان کی قسم (رَجْعٌ یا لوٹانا) بارش کو رجع کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ہر سال بارش لوٹ لوٹ کر آتی ہے۔ آسمان صاحب رجع ہے یعنی آسمان کے جس حصہ سے ستارے حرکت شروع کرتے ہیں چوبیس گھنٹہ میں یا ایک مہینہ میں یا سال بھر میں اسی مقام پر آجاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ⑫

اور زمین پھوٹ نکلنے والی کی ☆

اُگانے والی زمین:

یعنی اس میں سے پھوٹ نکلتے ہیں کھیتی اور درخت۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾

بے شک یہ بات ہے دوٹوک

وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾

اور نہیں یہ بات ہنسی کی ☆

قرآن کی باتیں حق ہیں:

یعنی قرآن اور جو کچھ وہ معاد کے متعلق بیان کرتا ہے کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں بلکہ حق و باطل اور صدق و کذب کا دوٹوک فیصلہ ہے اور لاریب وہ سچا کلام اور ایک طے شدہ معاملہ کی خبر دینے والا ہے جو یقیناً پیش آ کر رہے گا (تنبیہ) قسم کو اس مضمون سے یہ مناسبت ہوئی کہ قرآن آسمان سے آتا ہے اور جس میں قابلیت ہو مالا مال کر دیتا ہے جیسے بارش آسمان کی طرف سے آتی ہے اور عمدہ زمین کو فیضیاب کرتی ہے نیز قیامت میں ایک غیبی بارش ہوگی جس سے مردے زندہ ہو جائینگے جس طرح یہاں بارش کا پانی گرنے سے مردہ اور بے جان زمین سرسبز ہو کر لہلانے لگتی ہے۔

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾

البتہ وہ لگے ہوئے ہیں ایک داؤ کرنے میں

وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾

اور میں لگا ہوا ہوں ایک داؤ کرنے میں

فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾

سو ڈھیل دے منکروں کو ڈھیل دے اُن کو تھوڑے دنوں ☆

اللہ کی تدبیر کامیاب ہوگی:

یعنی منکرین داؤ پیچ کرتے رہتے ہیں کہ شکوک وشبہات ڈال کر یا اور کسی تدبیر سے حق کو ابھرنے اور پھیلنے نہ دیں اور میری تدبیر لطیف بھی (جس کا انہیں احساس نہیں) اندر اندر کام کر رہی ہے کہ ان کے تمام مکر و کید کا جال توڑ پھوڑ کر رکھ دیا جائے اور ان کے سب داؤ پیچ ان ہی کی طرف واپس کیے جائیں اب خود سوچ لو کہ اللہ کی تدبیر کے مقابلہ میں کسی کی چالاکی اور مکاری کیا کام دے سکتی ہے لامحالہ یہ لوگ ناکام اور خائب و خاسر ہو کر رہیں گے اس لیے مناسب ہے کہ آپ ان کی سزا دہی میں جلدی نہ کریں اور ان کی حرکات شنیعہ سے گھبرا کر بددعا نہ فرمائیں بلکہ تھوڑے دن ڈھیل دیں پھر دیکھیں نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اسلام سے پہلے سورت یاد کر لی:

عبدالرحمٰن بن خالد بن ابی جبیل العدوانی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ شرق ثقیف میں اپنی عصا یا کمان پر ٹیک لگائے کھڑے ہیں جبکہ آپ ثقیف کے یہاں تشریف لائے تھے تو میں نے سنا کہ آپ سورۃ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ تلاوت فرما رہے تھے تو میں نے اس سورۃ کو اپنے اسلام لانے سے قبل ہی یاد کر لیا تھا۔ مجھے ثقیف کے لوگوں نے کہا کہ یہ کیا کہہ رہے تھے تو میں نے ان لوگوں کو یہ سورۃ سنا دی تھی۔ پھر جب اسلام لے آیا تو دوبارہ اس کو پڑھا۔۱۲

(تفسیر ابن کثیر جلد۴، معارف کاندھلوی)

فَمَهِّلِ الْكَافِرِيْنَ یعنی تم بھی ان کو مہلت دو یعنی ان سے انتقام لینے میں مشغول نہ ہو یا بددعا کر کے ان کے ہلاک کئے جانے کی فوری طلب نہ کرو۔ اول مطلب پر یہ آیت قتال والی آیت سے منسوخ قرار دی جائے گی۔

گرفت کی دھمکی:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ کی طرف سے یہ گرفت کی دھمکی ہے چنانچہ بدر کی لڑائی میں اللہ نے ان کو پکڑ لیا۔ (تفسیر مظہری)

الحمدللہ سورۃ الطارق ختم ہوئی

سورہ اعلیٰ

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے گا اس کے لئے اس کے کام آسان ہونگیں۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَۃُ الْاَعْلٰی مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ تِسْعَ عَشْرَۃَ اٰیَۃً
سورۂ اعلیٰ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی انتیس آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ①
پاکی بیان کر اپنے رب کے نام کی جو سب سے اُوپر ☆

سجدہ کی تسبیح:

حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"اجعلو ھا فی سجود کم" (اس کو اپنے سجود میں رکھو) اسی لیے سجدہ کی حالت میں "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" کہا جاتا ہے۔(تفسیر عثمانی)

مسئلہ: علماء نے فرمایا کہ قاری جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى کی تلاوت کرے تو مستحب ہے کہ یہ کہے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی، صحابہ کرام حضرت عبداللہ بن عباس، ابن زبیر، بن عمر، ابوموسیٰ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہی معمول تھا کہ جب یہ سورت شروع کرتے تو سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہا کرتے تھے (قرطبی)

یعنی نماز کے سوا جب تلاوت کریں تو ایسا کہنا مستحب ہے۔

مسئلہ: حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورۃ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اجعلوھا فی سجودکم یعنی یہ کلمہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی اپنے سجدہ میں کہا کرو۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی، تسبیح کے معنی پاک رکھنے اور پاکی بیان کرنے کے ہیں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ کے معنی یہ ہیں کہ اپنے رب کے نام کو پاک رکھئے۔ مراد یہ ہے کہ اپنے رب کے نام کی تعظیم و تکریم کیجئے اور جب اللہ کا نام لیں تو خشوع وخضوع ادب کا لحاظ رکھئے اور ہر ایسی چیز سے اس کے نام کو پاک رکھئے جو اس کے شایاں نہیں، اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف ان ناموں سے پکاریئے جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بیان فرمائے ہیں یا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بتلائے ہیں ان کے سوا کسی اور نام سے اس کو پکارنا جائز نہیں۔

مسئلہ: ایسی طرح حکم میں یہ بھی داخل ہے کہ جو نام اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں وہ کسی مخلوق کے لئے استعمال کرنا اس کی تزیہہ و تقدیس کے خلاف ہے اس لئے جائز نہیں (قرطبی)

جیسے رحمٰن، رزاق، غفار، قدوس وغیرہ آج کل اس معاملے میں غفلت برتی جارہی ہے، لوگوں کو ناموں کے اختصار کا شوق ہے عبدالرحمٰن کو رحمٰن، عبد الرزاق کو رزاق، عبدا غفار کو غفار بے تکلف کہتے رہتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس کا کہنے والا اور سننے والا دونوں گنہگار ہوتے ہیں اور یہ گناہ بے لذت رات دن بلاوجہ ہوتا رہتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

تسبیح کرنے کا مطلب:

تنزیہ اسم رب سے یہ مراد ہے کہ تعظیم واحترام کے ساتھ اللہ کا نام لو اور اپنی طرف سے اس کا کوئی نام مقرر نہ کرو بلکہ وہی نام لو جو اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر کئے ہیں یا اپنے پیغمبرؐ کی زبانی ظاہر فرمائے ہیں۔

بعض علماء کے نزدیک لفظ اسم زائد ہے مراد یہ ہے کہ زبان سے اپنے رب کی پاکی بیان کرو اور بے دین لوگ جو رب کی صفات بیان کرتے ہیں ان سے اللہ کا پاک ہونا ظاہر کرو۔ اس تقدیس پر آیت میں تسبیح قولی کا امر ہوگا۔

اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو بغوی نے اپنی سند سے بحوالہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى پڑھ کر کہا 'سبحان ربی الاعلی'

(گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا کہ آیت میں تسبیح قولی کا حکم دیا گیا ہے اسی لئے تعمیل حکم کرتے ہوئے سبحان ربی الاعلی فرمایا)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہم نے حدیث بیان کر دی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اس کو تم اپنے سجود میں (داخل) کر لو حضرت خذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں سبحان ربی الاعلی پڑھتے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے۔ (تفسیر مظہری)

معلمین قرآن:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے پہلے ہمارے پاس حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے ہمیں قرآن پڑھانا شروع کیا۔ پھر حضرت عمار، حضرت بلال، اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم اجمعین آئے۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ بیس صحابیوں کو لے کر آئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میں نے نہیں دیکھا کہ اہل مدینہ کسی چیز پر اس قدر خوش ہوئے ہوں جیسے اس چیز پر خوش ہوئے یہاں تک کہ چھوٹے

بچے اور نابالغ لڑکے بھی پکار اٹھے کہ یہ ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلے میں نے یہ سورۃ سَبِّحِ اسْمَ اسی جیسی اور سورتوں کے ساتھ یاد کرلی تھی۔

نماز عید کی قراءت: مسند احمد میں مروی ہے کہ رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى اور هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ دونوں عید کی نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔ اور جمعہ والے دن اگر عید ہوتی تو عید میں اور جمعہ میں دونوں میں انہی دونوں سورتوں کو پڑھتے یہ حدیث صحیح مسلم ہی میں ہے۔ ابوداؤد، ترمذی، نسائی میں بھی ہے۔

رکوع کی تسبیح: مسند احمد میں ہے عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیت فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اسے اپنے رکوع میں کرلو۔ جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى اتری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے اپنے سجدے میں کرلو۔ ابوداؤد وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى پڑھتے تو کہتے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ﴿۲﴾

جس نے بنایا پھر ٹھیک کیا ☆

معتدل و کامل تخلیق: یعنی جو چیز بنائی عین حکمت کے موافق بہت ٹھیک بنائی اور باعتبار خواص وصفات اور ان فائدوں کے جو اس چیز سے مقصود ہیں اس کی پیدائش کو درجہ کمال تک پہنچایا اور ایسا معتدل مزاج عطا کی جس سے وہ منافع وفوائد اس پر مرتب ہوسکیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَسَوّٰی یعنی پھر اس نے ہر چیز کے اجزاء متناسب اور متوازن بنائے یا یہ مطلب ہے کہ جن ناقابل تصور منافع اور مصالح کے پیش نظر اس نے بنانا چاہا ٹھیک ویسا ہی بنا دیا یا یہ معنی ہے کہ نظام کائنات کا جیسا تقاضا تھا ویسا ہی اس نے بنا دیا۔ اسی بناء پر کہا گیا ہے کہ جیسا بنا دیا گیا اس سے بہتر ممکن ہی نہیں یعنی نظم کائنات کے تقاضے کے مطابق کوئی تخلیق موجودہ تخلیق سے بہتر نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ﴿۳﴾

اور جس نے ٹھہرا دیا، پھر راہ بتلائی ☆

صلاحیت دی پھر راہنمائی کی:

حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں ''یعنی اول تقدیر لکھی پھر اسی کے موافق دنیا میں لایا'' گویا دنیا میں آنے کی راہ بتادی اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ تحریر فرماتے ہیں'' کہ ہر شخص کے لیے ایک کمال کا اندازہ ٹھہرایا پھر اس کو وہ کمال حاصل کرنے کی راہ بتلا دی'' وفیه اقوال اخر الانطول بذكرها۔ (تفسیر عثمانی)

ہر چیز اپنے رب کی مقرر کردہ ڈیوٹی پر لگی ہوئی ہے۔ آسمان اور اس کے ستارے اور برق وباراں سے لے کر انسان وحیوان، اور نباتات و جمادات سب میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ جس کو جس کام پر خالق نے لگا دیا ہے وہی اس پر لگا ہوا ہے۔

ابروبادومہ خورشید و فلک درکارند

اور مولانا رومیؒ نے فرمایا ہے۔

خاک وباد وآب وآتش بندہ اند　　با من وتو مردہ باحق زندہ اند

سائنسی تعلیم بھی درحقیقت عطائے ربانی ہے:

انسان جس کو حق تعالیٰ نے عقل وشعور سب سے زیادہ مکمل عطا فرمایا اور اس کو مخدوم کائنات بنایا ہے۔ تمام زمین اور پہاڑ اور دریا اور ان میں (پیدا ہونے والی اشیاء انسان کی خدمت اور اس کے نفع کے لئے پیدا ہوئی ہیں مگر ان سے پورا پورا فائدہ اٹھانا اور مختلف قسم کے منافع حاصل کرنا اور مختلف چیزوں کو جوڑ کر ایک نئی چیز پیدا کر لینا یہ بڑے علم وہنر کو چاہتا ہے۔ قدرت نے انسان کے اندر جو فطری طور پر عقل وفہم رکھا ہے کہ پہاڑوں کو کھود کر دریاؤں میں غوطہ لگا کر سینکڑوں معدنی اور دریائی چیزیں حاصل کر لیتا ہے اور پھر لکڑی، لوہے، تانبے اور پیتل وغیرہ کو باہم جوڑ کر ان سے نئی نئی چیزیں اپنے ضرورت کی بنالیتا ہے اور یہ علم وہنر فلاسفہ کی تحقیقات اور کالجوں کی تعلیمات پر موقوف نہیں، ابتدائے دنیا سے ان پڑھ اور جاہل یہ سب کام کرتے آئے ہیں، اور یہی فطری سائنس ہے جو حق تعالیٰ نے انسان کو فطرۃً بخشی ہے آگے فنی وعلمی تحقیقات کے ذریعہ اس میں ترقی کرنے کی استعداد بھی اسی قدرت ربانی کا عطیہ ہے۔

یہ سب جانتے ہیں کہ سائنس کسی چیز کو پیدا نہیں کرتی بلکہ قدرت کی پیدا کردہ اشیاء کا استعمال سکھاتی ہے اور اس استعمال کا ادنیٰ درجہ تو حق تعالیٰ نے انسان کو فطرۃً سکھا دیا ہے، آگے اس میں فنی تحقیقات اور ترقی کا بڑا وسیع میدان رکھا ہے اور انسان کی فطرت میں اس کے سمجھنے اور سیکھنے کی استعداد اور صلاحیت رکھی ہے۔ جس کے مظاہر اس سائنسی دور میں روز نئے نئے سامنے آرہے ہیں اور معلوم نہیں آگے اس سے بھی زیادہ کیا کیا سامنے آئے گا غور کرو تو یہ سب ایک لفظ قرآن **فھدی** کی شرح ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان سب کاموں کا راستہ دکھایا۔ (معارف مفتی اعظم)

مخلوق کی تقدیر: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان وزمین کی آفرینش سے پچاس ہزار برس پہلے ساری مخلوق کے مقدرات کو مقرر فرما دیا گیا تھا اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ رواہ مسلم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر چیز مقدر ہے یہاں تک کہ فہم کی نارسائی اور ہوشیاری بھی (رواہ مسلم)

فَهَدٰی یعنی خیر ہو یا شر جس غرض کے لئے اللہ نے پیدا کیا اسی کا راستہ بتا دیا۔ مجاہد نے کہا انسان کو اچھائی برائی اور سعادت وشقاوت کا راستہ بتا دیا

اور حیوان کو چراہ گاہوں کا۔ مقاتل اور کلبی نے کہا کہ مذکر کو مونث سے جفتی کا طریقہ بتا دیا۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے اشیاء کے منافع پیدا کئے اور انسان کو ان کے حاصل کرنے کا طریقہ بتا دیا۔ (تفسیر مظہری)

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے خدائے تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی تقدیر لکھی اس کا عرش پانی پر تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ﴿۴﴾
اور جس نے نکالا چارا
فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی ﴿۵﴾
پھر کر ڈالا اُس کو کُوڑا سیاہ ☆

جانوروں کی غذا کا انتظام: یعنی اول نہایت سبز وخوشنما گھاس چارہ زمین سے پیدا کیا پھر آہستہ آہستہ اس کو خشک وسیاہ کر ڈالا تا خشک ہو کر ایک مدت تک جانوروں کیلئے ذخیرہ کیا جا سکے اور خشک کھیتی کٹ کر کام میں آئے۔ (تفسیر عثمانی)

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓی ﴿۶﴾
البتہ ہم پڑھائینگے تجھ کو، پھر تو نہ بھولے گا
اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ
مگر جو چاہے اللہ ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حفاظت قرآن کا انتظام:

یعنی جس طرح ہم نے اپنی تربیت سے ہر چیز کو بتدریج اس کے کمال مطلوب تک پہنچایا ہے تم کو بھی آہستہ آہستہ کامل قرآن پڑھا دینگے اور ایسا یاد کرا دینگے کہ اس کا کوئی حصہ بھولنے نہ پاؤ گے بجز ان آیتوں کے جن کا بالکل بھلا دینا ہی مقصود ہو گا وہ بھی ایک قسم نسخ کی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن کو یاد رکھو: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قرآن کی نگہداشت کرو۔ قسم ہے اس کی کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جس طرح اونٹ اپنے زانو بند سے چھوٹ کر بھاگتا ہے قرآن (اگر اس کی طرف سے غفلت کی جائے تو) اس سے بھی زیادہ تیزی سے نکل جانے والا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی روایت آئی ہے۔ (مسلم و بخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صاحب قرآن کی حالت اس شخص کی طرح ہے جو زانو بند بندھا ہوا اونٹ رکھتا ہے اگر اس کی نگہداشت کرتا رہتا ہے تو روک کے رکھتا ہے اور کھول دیتا ہے تو بھاگ جاتا ہے حضرت سعد بن مسعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص قرآن پڑھ کر بھلا دیتا ہے وہ قیامت کے دن اللہ کے سامنے کوڑھی ہو کر جائے گا۔ (ابوداؤد و دارمی)

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ　مگر جس کا فراموش کیا جانا اللہ چاہے گا وہ تم کو فراموش ہو جائیگا۔

شان نزول: شیخ ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ حضرت جبرئیل وحی لے کر آتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نازل کردہ کلام پڑھتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآءت جبرائیل کے دوران میں ہی جو کچھ جبرائیل سے سنتے اس کو شروع ہی سے پڑھتے جاتے تھے تاکہ پہلی آیت نہ بھول جائے اس پر اللہ نے آیت سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی نازل فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

م۲ میں اس آیت کا مفہوم وہی ہوگا جو آیت لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ کا ہے ۱۲

اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یَخْفٰی ﴿۷﴾
وہ جانتا ہے پکارنے کو اور جو چھپا ہوا ہے ☆

اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے: یعنی وہ تمہاری مخفی استعداد اور ظاہری اعمال واحوال کو جانتا ہے اسی کے موافق تم سے معاملہ کریگا نیز یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جو آیات ایک مرتبہ نازل کر دی گئیں پھر ان کو منسوخ کرنے اور بھلا دینے کے کیا معنی اس کی حکمتوں کا احاطہ کرنا اسی کی شان ہے، جو تمام کھلی چھپی چیزوں کا جاننے والا ہے اسی کو معلوم ہے کہ کونسی چیز ہمیشہ باقی رہنی چاہیے اور کس کو ایک مخصوص مدت کے بعد اٹھا لینا چاہیے کیونکہ اب اس کا باقی رکھنا ضروری نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَنُیَسِّرُكَ لِلْیُسْرٰی ﴿۸﴾
اور سہج سہج پہنچا ئینگے ہم تجھ کو آسانی تک ☆

توفیق خداوندی سے سب آسان ہو جائے گا:

یعنی وحی کو یاد رکھنا آسان ہو جائے گا اور اللہ کی معرفت وعبادت اور ملک وملت کی سیاست کے طریقے سب سہل کر دیئے جائینگے اور کامیابی کے راستہ سے تمام مشکلات ہٹا دی جائینگی۔　(تفسیر عثمانی)

یعنی ہم تم کو توفیق دیں گے اور تمہارے لئے اعمال جنت کو آسان کر دیں گے اور اعمال جنت میں سے نزول کے مطابق قرآن کی قرآءت اور اس کی یادداشت اور اس کے مطابق عمل بھی ہے (اس لئے اس کی توفیق بھی ہم ہی دیں گے)

بعض علماء نے کہا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم تم کو آسان اور صحیح شریعت کی توفیق دیں گے۔ (تفسیر مظہری)

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰی ﴿۹﴾
سو تو سمجھا دے اگر فائدہ کرے سمجھانا ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منصبی ذمہ داری:

یعنی اللہ نے جب آپ پر ایسے انعام فرمائے، آپ دوسروں کو فیض پہنچایئے اور اپنے کمال سے دوسروں کی تکمیل کیجئے (تنبیہ) "اِنْ نَّفَعَتِ الذِّکْرٰی" کی شرط اس لیے لگائی کہ تذکیر و وعظ اس وقت لازم ہے جب مخاطب کی طرف سے اس کا قبول کرنا مظنون ہو اور منصب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ وتذکیر ہر شخص کے لیے نہیں ہاں تبلیغ وانذار (یعنی حکم الٰہی کا پہنچانا اور اللہ کے عذاب سے ڈرانا) تا کہ بندوں پر حجت قائم ہو اور عذر جہل و نادانی کا نہ رہے اتنا باعتبار ہر شخص کے ضرور ہے کہ اس کو عرف میں تذکیر و وعظ نہیں کہتے دعوت وتبلیغ کہتے ہیں شاید اسی لیے بعض مفسرین نے زیادہ واضح الفاظ میں آیت کے معنی یوں کیے ہیں کہ بار بار نصیحت کر (اگر ایک بار نصیحت نے نفع نہ کیا ہو) اور ہوسکتا ہے کہ "اِنْ نَّفَعَتِ الذِّکْرٰی" کی شرط محض تذکیر کی تاکید کے لیے ہو یعنی اگر کسی کو تذکیر نفع دے تو تجھ کو تذکیر کرنا چاہیے اور یقینی بات ہے کہ تذکیر عالم میں کسی نہ کسی کو ضرور نفع دیگی گو ہر کسی کو نہ دے کما قال تعالیٰ "وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ" پس ایک امر کا ایسی چیز پر معلق کرنا جس کا وقوع ضروری ہے اس امر کی تاکید کا موجب ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

اس جملہ شرطیہ کو لانے سے غرض یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان کو دکھ میں نہ ڈالیں اور ان بے ایمانوں کی حالت پر افسوس نہ کریں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ واعظ ونصیحت اور امر ونہی اس وقت واجب ہے جب اس کی اثر آفرینی کا گمان ہو اسی لئے اعراض کرنے والے سے رخ گردانی کا حکم دیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

لوگوں کی سمجھ کا لحاظ رکھو: امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم دوسروں کے ساتھ وہ باتیں کرو گے جو ان کی عقل میں نہ آسکیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمہاری بھلی باتیں سب کے لئے بری بن جائیں گی اور باعث فتنہ ہو جائیں گی۔ بلکہ لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق بات چیت کرو تا کہ لوگ خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ جھٹلائیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ⑩

سمجھ جائے گا جس کو ڈر ہوگا ☆

خوف ہدایت کا سبب ہے:

سمجھانے سے وہ ہی سمجھتا ہے اور نصیحت سے وہ ہی فائدہ اٹھاتا ہے جس کے دل میں تھوڑا بہت خدا کا ڈر ہو اور اپنے انجام کی فکر نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِىْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى جو جہنم کی آگ یا آگ کے نچلے طبقہ میں داخل ہوگا۔ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا پھر اس میں نہ تو اسے موت ہی آئے گی کہ مرکر عذاب سے چھوٹ جائے۔ وَلَا يَحْيٰى اور نہ خوشگوار زندگی ہی پائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ⑪

اور یکسو رہے گا اس سے بڑا بدقسمت

الَّذِىْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ⑫

وہ جو داخل ہوگا بڑی آگ میں ☆

بدبخت آدمی: یعنی جس بدقسمت کے نصیب میں دوزخ کی آگ لکھی ہے وہ کہاں سمجھتا ہے اسے خدا کا اور اپنے انجام کا ڈر ہی نہیں جو نصیحت کی طرف متوجہ ہو اور ٹھیک بات سمجھنے کی کوشش کرے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ⑬

پھر نہ مرے گا اُس میں اور نہ جیے گا

جہنم کا دائمی عذاب: یعنی نہ موت ہی آئیگی کہ تکلیفوں کا خاتمہ کر دے اور نہ آرام کی زندگی ہی نصیب ہوگی ہاں ایسی زندگی ہوگی جس کے مقابلہ میں موت کی تمنا کرے گا۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ⑭

بے شک بھلا ہوا اُس کا جو سنورا ☆

تزکیہ ظاہر و باطن:

یعنی ظاہری و باطنی، حسی ومعنوی نجاستوں سے پاک ہوا اور اپنے قلب و قالب کو عقائد صحیحہ، اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ سے آراستہ کیا۔ (تفسیر عثمانی)

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى یعنی جس کا باطن شرک سے اور ظاہر ہر نجاست سے اور مال زکوٰۃ نہ دینے کے میل سے اور دل یاد الٰہی کی غفلت سے اور ضمیر نفسانی عیوب سے اور اعضاء جسمانی گناہوں کی میل کچل سے پاک ہوگیا وہ کامیاب ہوگیا (مطلب یہ کہ زکوٰۃ سے جس نے مالی کثافت کو دور کیا اور نماز سے ظاہری نجاست کو اور ذکر خداوندی سے دل کی کدورت کو اور نفس کو امراض نفسانیہ کی آلائش سے اور اعضاء جسم کو گناہوں کی گندگی سے وہی نجات پا گیا) (تفسیر مظہری)

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ⑮

اور لیا اُس نے نام اپنے رب کا پھر نماز پڑھی

نماز، تکبیر اور صدقہ: یعنی پاک وصاف ہو کر تکبیر تحریمہ میں اپنے رب کا نام لیا پھر نماز پڑھی اور بعض سلف نے کہا کہ "تزکّی" "زکوٰۃ" سے ہے جس سے مراد یہاں "صدقۃ الفطر" ہے اور "ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ" سے تکبیرات عید مراد ہیں اور

''فَصَلّٰی'' میں نماز عید کا ذکر ہے یعنی عید کے دن اول ''صدقۃ الفطر'' پھر تکبیریں' پھر نماز' واللہ اعلم۔ (تنبیہ) حنفیہ نے پہلی تفسیر کے موافق اس آیت سے دو مسئلے نکالے ہیں۔ اول یہ کہ تحریمہ میں خاص لفظ ''اللہ اکبر'' کہنا فرض نہیں' مطلق ذکر اسم رب کافی ہے جو مشعر تعظیم ہو اور اپنی غرض و حاجت پر مشتمل نہ ہو ہاں ''اللہ اکبر'' کہنا احادیث صحیحہ کی بنا پر سنت یا واجب قرار پائیگا دوسرے تکبیر تحریمہ نماز کے لیے شرط ہے رکن نہیں۔ کیونکہ ''فَصَلّٰی'' کا ''ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ'' پر عطف کرنا معطوف علیہ کی مغائرت پر دال ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (یعنی) جس نے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دی اور اللہ کے شرکاء کو نکال باہر کیا اور میرے رسول ہونے کی شہادت دی اور ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (کی تشریح میں) فرمایا یہ پانچ نمازیں اور ان کی شہادت و اہتمام ہے۔

حنفیہ نے کہا کہ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ سے تکبیر تحریمہ مراد ہے اسی بناء پر احناف کے نزدیک تکبیر افتتاح کو وہ نماز کا رکن نہیں قرار دیتے بلکہ شرط صلوٰۃ کہتے ہیں۔

دعاء کے آداب: بعض لوگوں نے کہا کہ صلوٰۃ سے مراد دعا ہے اور دعا کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ اول بھی اللہ کی ثنا کی جائے اور آخر میں بھی۔ حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے ایک شخص حاضر ہوا اس نے نماز پڑھی پھر (قعدہ اخیر کے بعد) کہا اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے دعا کرنے والے تو نے عجلت سے کام لیا جب تو نماز پڑھے اور (آخری قعدہ) میں بیٹھ جائے تو (اول) ان اوصاف کو بیان کرکے اللہ کی حمد کر جن کا وہ مستحق ہے اور مجھ پر درود پڑھ اور پھر دعا کر۔

روای کا بیان ہے کہ پھر ایک اور شخص آیا اور نماز پڑھی پھر (قعدہ اخیر میں) اللہ کی حمد میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھی۔ حضور والا نے فرمایا اے نماز پڑھنے والے دعا کر تیری دعا قبول ہوگی۔ ترمذی، ابوداؤد اور نسائی نے اسی طرح کی ایک روایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی نقل کی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھے جب میں بیٹھ گیا تو میں نے اللہ کی ثنا شروع کی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا کی پھر اپنے لئے دعا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مانگ تیرا سوال پورا ہوگا مانگ تجھے ملے گا۔ (ترمذی)

سلوک کے مدارج: ہمارے شیخ اعظم یعقوب کرخی قدس سرہٗ نے فرمایا آیت میں مدارج سلوک کی طرف اشارہ ہے (۱) توبہ اور تزکیہ کی طرف قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى سے اشارہ ہے (۲) زبانی قلبی، روحی اور سری ذکر کی پابندی کی طرف وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ سے اشارہ ہے (۳) مشاہدہ کے دوام کی طرف (فصلی) سے اشارہ ہے کیونکہ نماز اہل ایمان کی معراج ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری آنکھ کے لئے خنکی نماز میں کردی گئی ہے۔ (احمد، نسائی، حاکم، بیہقی)

میں کہتا ہوں کہ تزکی پر ذکر کا واؤ کے ساتھ اور صلّی کا فاء کے ساتھ عطف طریقہ ذکر کی اس ترتیب کو بتا رہا ہے جس کا تذکرہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے کیا ہے۔ تزکیہ نفس کے ذیل میں مجدد صاحبؒ نے مبتدی کے لئے اسم ذات یا نفی و اثبات کے ذکر کو معین کردیا ہے اور فرمایا ہے کہ بغیر تزکیہ نفس کے نماز کا پورا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ پھر تجلیات ذاتیہ اور تجلیات کی ترقی کے لئے مجدد صاحبؒ نے نماز کی تعیین کی ہے (کہ نماز کے بغیر تجلیات ذاتیہ) کا نہ حصول ہوتا ہے نہ ان میں ترقی۔ (تفسیر مظہری)

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۱۶﴾
کوئی نہیں تم بڑھاتے ہو دنیا کے جینے کو
وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۷﴾
اور پچھلا گھر بہتر ہے اور باقی رہنے والا ☆

فکرِ آخرت کی اہمیت:

یعنی یہ بھلائی تم کو کیسے حاصل ہو جب کہ آخرت کی فکر ہی نہیں بلکہ دنیا کی زندگی اور یہاں عیش و آرام کو اعتقاداً یا عملاً آخرت پر ترجیح دیتے ہو حالانکہ دنیا حقیر و فانی اور آخرت اس سے کہیں بہتر اور پائیدار ہے پھر تعجب ہے کہ جو چیز کماً و کیفاً ہر طرح افضل ہو اسے چھوڑ کر مفضول کو اختیار کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

انسان اگر غور کرے کہ اگر اس کو کہا جائے کہ تمہارے سامنے دو مکان ہیں، ایک عالیشان محل اور بنگلہ تمام ساز و سامان سے آراستہ ہے اور دوسرا ایک معمولی کچا مکان ہے اور یہ سامان بھی اس میں نہیں اور ہم تمہیں اختیار دیتے ہیں کہ یا تو بنگلہ لے لو مگر صرف مہینہ دو مہینہ کے لئے اس کے بعد اسے خالی کرنا ہوگا، یا یہ کچا مکان لے لو یہ تمہاری دائمی ملکیت ہوگی تو عقلمند انسان ان دونوں میں کس کو ترجیح دے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے اپنی دنیا سے محبت کی اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے آخرت سے محبت رکھی اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا۔ تم اے لوگو! باقی رہنے والی کو فنا ہونے والی پر ترجیح دو۔ (مسند احمد)

پھر فرماتا ہے کہ ابراہیم و موسیٰ علیہم السلام کے صحیفوں میں بھی یہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ سب بیان ان صحیفوں میں بھی تھا

(بزار) نسائی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جب آیت وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک کا بوجھ دوسرے کو نہ اٹھانا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۸﴾

یہ لکھا ہوا ہے پہلے ورقوں میں

صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿۱۹﴾

صحیفوں میں ابراہیم کے اور موسیٰ کے ☆

مذکورہ موضوع کا تاریخی تسلسل:

یعنی یہ مضمون (''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى'' سے یہاں تک) اگلی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ جو کسی وقت منسوخ نہیں ہوا نہ بدلا گیا اس اعتبار سے اور زیادہ مؤکد ہو گیا (تنبیہ) بعض روایات ضعیفہ میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے اور موسیٰ علیہ السلام پر ''توراۃ'' کے علاوہ دس صحیفے نازل ہوئے تھے خدا جانے کہاں تک صحیح ہے۔ (تفسیر عثمانی)

صحف ابراہیمی کے مضامین:

آجری نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ابراہیم علیہم السلام کے صحیفے کیسے اور کیا تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان صحیفوں میں امثال عبرت کا بیان تھا، ان میں سے ایک مثال میں ظالم بادشاہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے لوگوں پر مسلط ہو جانے والے مغرور مبتلیٰ میں نے تجھے حکومت اس لئے نہیں دی تھی کہ تو دنیا کا مال پر مال جمع کرتا چلا جائے بلکہ میں نے تو تجھے اقتدار اس لئے سونپا تھا کہ تو مظلوم کی بددعا مجھ تک نہ پہنچنے دے کیونکہ میرا قانون ہے کہ میں مظلوم کی دعا کو رد نہیں کرتا اگرچہ وہ کافر کی زبان سے نکلی ہو۔

اور ایک مثال میں عام لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ عقلمند آدمی کا کام یہ ہے کہ اپنے اوقات کے تین حصے کرے، ایک حصہ اپنے رب کی عبادت اور اس سے مناجات کا ہو، دوسرا حصہ اپنے اعمال کے محاسبہ کا اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت صنعت میں غور و فکر کا، تیسرا حصہ اپنی ضروریات معاش حاصل کرنے کا اور طبعی ضرورتیں پوری کرنے کا۔

اور فرمایا کہ عقلمند آدمی پر لازم ہے کہ اپنے زمانے کے حالات سے واقف رہے اور اپنے مقصود کام میں لگا رہے، اپنی زبان کی حفاظت کرے، اور جو شخص اپنے کلام کو اپنا عمل سمجھ لے گا اس کا کلام بہت کم اور صرف ضروری کاموں میں رہ جائے گا۔

صحف موسیٰ علیہم السلام کے مضامین:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کیا کہ صحف موسیٰ علیہم السلام میں کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں سب عبرتیں ہی عبرتیں تھیں جن میں سے چند کلمات یہ ہیں۔

مجھے تعجب ہے اس شخص پر جسے مرنے کا یقین ہو پھر کیسے وہ خوش رہتا ہے، اور مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہو وہ کیسے عاجز و درماندہ و غمگین ہو اور مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو دنیا اور اس کے انقلابات اور لوگوں کے عروج و نزول کو دیکھتا ہے وہ کیسے دنیا پر مطمئن ہو کر بیٹھتا ہے، اور مجھے تعجب ہے اس شخص پر جسے آخرت کے حساب پر یقین ہو وہ کیسے عمل کو چھوڑ بیٹھتا ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے یہ سوال کیا کہ کیا ان صحیفوں میں سے کوئی چیز آپ کے پاس آنے والی وحی میں بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوذر رضی اللہ عنہ یہ آیتیں پڑھو۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى۔ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾ آخر سورۃ اعلیٰ تک۔ (قرطبی، معارف مفتی اعظم)

سورۃ کی فضیلت: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت یعنی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى سے محبت رکھتے تھے۔ (احمد)

نماز وتر کی قراءت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (وتر کی تین رکعتوں میں سے پہلی) دو رکعتوں میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى اور قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ پڑھتے تھے اور طاق رکعت (یعنی تیسری رکعت) میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھتے تھے۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت ابن ابی کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ نے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ابوداؤد، نسائی احمد اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تو پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى اور دوسری میں قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور تیسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے تھے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ عیدین اور جمعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ اور هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ پڑھتے تھے۔ مسلم۔ ابوداؤد و نسائی اور ابن حبان نے بروایت سمرہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ اور هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ پڑھتے تھے۔

فائدہ: مجدد صاحب نے فرمایا کہ جس طرح سورۃ الم نشرح کی (مرتبہ) نزول میں قوی تاثیر ہے۔ اسی طرح مرتبہ عروج میں اس سورت کا بڑا اثر ہے۔ (تفسیر مظہری)

سورۂ غاشیہ

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے گا اس کا مرتبہ بلند ہوگا اور اس کا علم پھیلے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۂ غاشیہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھبیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ①

کچھ پہنچی تجھ کو بات اُس چھپا لینے والی کی ☆

قیامت کی بات:

یعنی کہ بات سننے کے لائق ہے (تنبیہ) ''غاشیہ'' (چھپا لینے والی) سے مراد قیامت ہے جو تمام مخلوق پر چھا جائیگی اور جس کا اثر سارے عالم پر محیط ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ایسی ساعت جس کی شدتیں اور ہولناکیاں ہر چیز پر چھا جائیں گی الغاشیہ سے ساعت ہی مراد لینا صحیح ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں جا رہے تھے کہ ایک عورت کے قرآن پڑھنے کی آواز آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر سننے لگے اس نے یہی آیت هَلْ اَتٰىكَ پڑھی یعنی کیا تیرے پاس ڈھانپ لینے والی قیامت کی بات پہنچی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ نَعَمْ قَدْ جَآءَنِیْ ہاں میرے پاس پہنچ چکی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ②

کتنے منہ اُس دن ذلیل ہونے والے ہیں

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ③

محنت کرنے والے تھکے ہوئے ☆

بے نتیجہ محنت:

یعنی آخرت میں مصیبتیں جھیلنے والے اور مصیبت جھیلنے کی وجہ سے خستہ و ماندہ، اور بعض نے کہا کہ ''عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ'' سے دنیا کا حال مراد ہے یعنی کتنے لوگ ہیں جو دنیا میں محنتیں کرتے کرتے تھک جاتے ہیں مگر انکی سب محنتیں اٹھائی طریق حق پر نہ ہونے کی وجہ سے سب اکارت ہیں یہاں بھی تکلیفیں اور وہاں بھی مصیبت میں رہے '' خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ'' اسی کو کہتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں'' (کافر لوگ) جو دنیا میں (بڑی بڑی) ریاضت کرتے ہیں (اللہ کے ہاں) کچھ قبول نہیں ہوتی''۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت حسن بصریؒ نے روایت کیا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب ملک شام تشریف لے گئے تو ایک نصرانی راہب آپ کے پاس آیا جو بوڑھا تھا اور اپنے مذہب کی عبادت و ریاضت اور مجاہدہ و محنت میں لگا ہوا تھا۔ محنت سے اس کا چہرہ بگڑا ہوا تھا، بدن خشک، لباس خستہ و بد ہیئت تھا، جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھا تو آپ رو پڑے لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس بوڑھے کے حال پر رحم آیا کہ اس بیچارے نے ایک مقصد کے لیے بڑی محنت اور جان فشانی کی مگر وہ اس کے مقصد یعنی رضائے الٰہی کو نہیں پا سکا اور اسپر حضرت عمر نے یہ آیت تلاوت فرمائی وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ (قرطبی۔ معارف مفتی اعظم)

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ مشقت کرنے والے تھکے ہوئے یعنی دوزخ میں۔ نصب کا معنی تھکنا

دوزخ کی مشقت:

حسن بصری نے فرمایا انہوں نے دنیا میں اللہ کے لیے کام نہیں کیا تو دوزخ میں اللہ نے ان سے مشقت لی اور طوق و زنجیر کا بار ڈال کر تھکا دیا قتادہ کا بھی یہی قول ہے اور عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول آیا ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ دوزخ میں اس طرح دھنس جائے گا جس طرح اونٹ دلدل میں دھنس جاتا ہے۔

کلبیؒ نے کہا منہ کے بل ان کو دوزخ میں کھینچا جائے گا۔ ضحاک رضی اللہ عنہ نے کہا دوزخ میں لوہے کے پہاڑ پر چڑھے گا۔ بعض لوگوں نے کہا عاملة اور ناصبة سے وہ بت پرست اور کتابی کافروں میں سے تارک الدنیا درویش مراد ہیں جنہوں نے باطل مذہب کے موافق کام کئے۔ اور دکھ اٹھائے۔ اللہ ان کی اس ضلالت آگیں کوشش کو قبول نہیں فرمائے گا اور قیامت کے دن ان کو دوزخ میں جانا ہوگا یہ قول سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کا ہے۔ (تفسیر مظہری)

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ④

گرینگے دہکتی ہوئی آگ میں

تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝۵

پانی ملے گا ایک چشمے کھولتے ہوئے کا ☆

دوزخ کی گرمی و پیاس:

یعنی جب دوزخ کی گرمی ان کے باطن میں سخت تشنگی پیدا کریگی' بے اختیار پیاس پیاس پکارینگے کہ شاید پانی پینے سے یہ تشنگی دور ہو۔ اس وقت ایک گرم کھولتے ہوئے چشمہ کا پانی دیا جائیگا جس کے پیتے ہی ہونٹ کباب ہو جائینگے اور آنتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑینگی پھر فوراً درست کی جائے گی اور اسی طرح ہمیشہ عذاب میں گرفتار رہینگے العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً وہ گرم آگ میں داخل ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا۔ آگ تپائی جائے گی اور اللہ کے دشمنوں پر اس کو بھڑ کایا جائے گا۔

تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ان کو کھولتے چشموں کا پانی پلایا جائے گا۔ ابن ابی حاتم نے سعدی کا قول نقل کیا ہے کہ اٰنِيَةٍ کا معنی ہے گرمی کی آخری چوٹی پر پہنچا ہوا۔ جس کے اوپر گرمی کی کوئی ڈگری نہ ہو۔

اہل تفسیر نے لکھا ہے دوزخی دوزخ میں پیاسے داخل ہوں گے تو ان کو کھولتے چشموں کا پانی پلایا جائے گا۔ ایسا کھولتا ہوا کہ اگر دنیا کے پہاڑوں پر اس کا قطرہ گر جائے تو پہاڑ پگھل جائیں۔ (تفسیر مظہری)

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝۶

نہیں ان کے پاس کھانا مگر جھاڑ کانٹوں والا ☆

دوزخیوں کا کھانا:

''ضریع'' ایک خاردار درخت ہے جو دوزخ میں ہوگا اور جو تلخی میں ایلوے سے زیادہ اور بدبو میں مردار سے بدتر اور گرمی میں آگ سے بڑھ کر ہے جب دوزخی بھوک کے عذاب سے چلائینگے تو یہ چیز کھانے کو دی جائیگی۔ (تفسیر عثمانی)

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ یعنی اہل جہنم کو کھانے کے لئے ضریع کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ ضریع دنیا میں ایک خاص قسم کی خاردار گھاس ہے جو زمین پر پھیلتی ہے کوئی جانور اس کے پاس نہیں جاتا۔ بدبودار زہریلی کانٹوں والی۔ (کذا فسرہ عکرمہ و مجاہد۔ قرطبی)

جہنم میں گھاس درخت کیسے:

یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ گھاس درخت تو آگ سے جل جانے والی چیزیں ہیں جہنم میں یہ کیسے رہیں گے۔ کیونکہ جس خالق و مالک نے ان کو دنیا میں پانی اور ہوا سے پالا ہے۔ اس کو یہ بھی قدرت ہے کہ جہنم میں ان درختوں کی غذا آگ ہی بنا دیں۔ وہ اسی سے پھلیں پھولیں۔ (معارف مفتی اعظم)

عبداللہ بن احمد رضی اللہ عنہ نے باسناد نہشل ضحاک کی روایت سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ضریع ایک چیز ہے ایلوے سے زیادہ تلخ، مردار سے زیادہ بدبودار اور آگ سے زیادہ گرم شوک کی طرح ہوگی۔ جب کسی کو کھلائی جائے گی تو نہ اس کے پیٹ میں اترے گی نہ منہ تک اٹھ کر آئے گی (بیچ میں پھنس جائے گی)۔ نہ فربہی پیدا کرے گی نہ بھوک کو دفع کرے گی اور اس کے درمیان اس کو (کھولتا) پانی پلایا جائے گا۔

ابن ابی حاتم نے سعد بن جبیر کا قول بیان کیا ہے کہ ضریع زقوم (تھوہر) ہے۔ ترمذی اور بیہقی نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخیوں پر ایسی بھوک مسلط کی جائے گی۔ جو اس سارے عذاب کے برابر ہوگی۔ جس میں وہ مبتلا ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝۷

نہ موٹا کرے اور نہ کام آئے بھوک میں ☆

بس وہ نام کا کھانا ہے:

کھانے سے مقصود یا محض لذت حاصل کرنا ہوتا ہے یا بدن کو فربہ کرنا یا بھوک کو دفع کرنا ''ضریع'' کے کھانے سے کوئی بات حاصل نہ ہوگی لذت و مزہ کی نفی تو اس کے نام سے ظاہر ہے باقی دو فائدے انکی نفی اس آیت میں تصریحاً کر دی غرض کوئی لذیذ و مرغوب کھانا ان کو میسر نہ ہوگا یہاں تک دوزخیوں کا حال تھا آگے ان کے بالمقابل جنتیوں کا ذکر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ نہ وہ فربہی پیدا کرے گا نہ بھوک کے کام آئے گا اور کھانے کا مقصد انہی دو چیزوں میں سے کوئی چیز ہوتی ہے۔ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ سے مراد یہ ہے کہ طعام اور طعام جیسی اور کوئی چیز جو فربہی اور بھوک کیلئے مفید ہو۔ دوزخ میں ان کے لئے نہ ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

شان نزول: اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ جب مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تو مشرکوں نے کہا ضریع کھانے سے نہ تو ہمارے اونٹ موٹے ہوتے ہیں کیونکہ اونٹ تر و تازہ ضریع کو خصوصاً شبرق کو چرتے ہیں۔ خشک ہو جانے کے بعد کوئی چیز اس کو نہیں کھاتی۔ اس طرح وہاں بھی ہوگا۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝۸

کتنے منہ اُس دن تر و تازہ ہیں

لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝۹

اپنی کمائی سے راضی ☆

صحیح محنت کرنے والے:

یعنی خوش ہونگے کہ اپنی کوشش ٹھکانے لگی اور محنت کا پھل خوب ملا۔ (تفسیر عثمانی)

فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝
اُونچے باغ میں
لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۝
نہیں سنتے اس میں بکواس ☆

پاکیزہ ماحول:

یعنی کوئی بے ہودہ بات نہیں سنیں گے چہ جائیکہ گالی گفتار اور ذلت کی بات ہو۔ (تفسیر عثمانی)

لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً یعنی جنت میں کوئی ایسا کلام ایسی بات اہل جنت کے کان میں نہ پڑے گی جو لغو و بیہودہ اور دلخراش ہو۔ اس میں کلمات کفریہ باطلہ بھی آ گئے اور گالی گلوچ، افترا اور بہتان، الزام لگانا اور ایسے سب کلام آ گئے جن کو سن کر انسان کو ایذا پہنچتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

یعنی کسی کو تم بیہودہ بات کرتے نہیں سنو گے۔ کیونکہ اہل جنت کا سارا کلام ذکر آمیز اور پُر از حکمت ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

ابن ماجہ وغیرہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کوئی ہے جو تہبند چڑھائے، جنت کی تیاری کر لے، اس جنت کی جس کی لمبائی چوڑائی بے حساب ہے، رب کعبہ کی قسم وہ ایک چمکتا ہوا نور ہے، وہ ایک لہلہاتا ہوا سبزہ ہے، وہ بلند و بالا محلات ہیں، وہ بہتی ہوئی نہریں ہیں، وہ بکثرت ریشمی حلے ہیں، وہ پکے پکائے تیار عمدہ پھل ہیں۔ وہ ہمیشگی والی جگہ ہے، وہ سراسر میوے جات، سبزہ راحت اور نعمت ہے۔ وہ تروتازہ اور بلند و بالا جگہ ہے۔ سب لوگ بول اٹھے کہ ہم سب اس کے خواہشمند ہیں، اور اس کے لئے تیاری کریں گے اور فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ کہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انشاء اللہ تعالیٰ کہا۔ (تفسیر ابن کثیر)

فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝
اُس میں ایک چشمہ ہے بہتا ☆

بہتے چشمے:

یعنی ایک عجیب طرح کا چشمہ اور بعض نے اس کو جنس پر حمل کیا ہے یعنی بہت سے چشمے بہہ رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ابن حبان، حاکم، بیہقی اور طبرانی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے دریا مشک کے پہاڑ سے پھوٹ کر نکلتے ہیں۔ (مظہری)

فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝
اس میں تخت ہیں اُونچے بچھے ہوئے
وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۝
اور آبخورے سامنے چنے ہوئے

کہ جب پینے کو جی چاہے دیر نہ لگے۔ (تفسیر عثمانی)

جنتیوں کے تخت:

احمد و ترمذی و ابن ماجہ نے بروایت حضرت ابو سعید خدری وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے کہ دونوں فرشتوں کے درمیان اتنا فرق ہوگا جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ ترمذی کی نقل کردہ حدیث میں ہے ان کی بلندی پانچ سو برس کی راہ کے برابر ہوگی جیسی آسمان و زمین کے درمیان ہے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت ابوامامہ کا قول وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ کے ذیل میں نقل کیا ہے کہ اگر بالائی فرش زیریں فرش پر گر جائے تو چالیس برس میں بھی نہ پہنچے۔ طبرانی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی فرش اوپر سے انتہائی نشیب کی طرف گرے تو سو سال تک گرتا چلا جائے۔ بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان تختوں کے تختے سونے کے ہوں گے جن کا حاشیہ زمرد، موتی اور یاقوت سے آراستہ ہوگا وہ اونچے ہوں گے لیکن جب بیٹھنے والا ان پر بیٹھنا چاہے گا تو وہ نیچے ہو جائیں گے، پھر اٹھ جائیں گے اور اپنے مقام پر چلے جائیں گے۔ (مظہری)

وَّ نَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۝
اور غالیچے برابر بچھے ہوئے ☆

غالیچے:

یعنی نہایت قرینے اور ترتیب سے بچھے ہوئے اور گاؤ تکیے لگے ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّ زَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۝
اور مخمل کے نہالچے جگہ جگہ پھیلے ہوئے ☆

تا کہ جس وقت جہاں چاہیں آرام کریں۔ اور ایک جگہ سے دوسری جگہ

جانے کی کلفت نہ اٹھائیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ

بھلا کیا نظر نہیں کرتے اُونٹوں پر

كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾

کہ کیسے بنائے ہیں ☆

کہ ہیئت اور خاصیت دونوں اور جانوروں کی نسبت اس میں عجیب ہیں جنکی تفصیل تفسیر عزیزی میں دیکھنے کے قابل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اونٹ کی خلقت:

حق تعالیٰ نے اس عظیم الجثۃ جانور کوایسا بنادیا ہے کہ عرب کے بدو اور غریب مفلس آدمی بھی اتنے بڑے جانور کے پالنے، رکھنے میں کوئی مشکل محسوس نہ کریں کیونکہ اس کو چھوڑ دیجئے تو یہ اپنا پیٹ خود بھرلے گا اونچے درختوں کے پتے توڑنے کی بھی آپ کو زحمت بھی نہیں کرنا پڑتی۔ یہ خود درختوں کی شاخیں کھا کر گزارہ کرلیتا ہے، ہاتھی اور دوسرے جانوروں کی سی اس کی خوراک نہیں جو بڑی گراں پڑتی ہے۔ عرب کے جنگلوں میں پانی بہت ایک کمیاب چیز ہے، ہر جگہ ہروقت نہیں ملتا۔ قدرت نے اس کے پیٹ میں ایک ریزروٹینکی ایسی لگادی ہے کہ سات آٹھ روز کا پانی پی کر یہ اس ٹینکی میں محفوظ کرلیتا ہے، اور تدریجی رفتار سے وہ اس کی پانی کی ضرورت کو پورا کردیتا ہے۔ اتنے اونچے جانور پر سوار ہونے کے لئے سیڑھی لگانا پڑتی مگر قدرت نے اس کے پاؤں کو تین تہ میں تقسیم کردیا یعنی مع پاؤں میں دو گھٹنے بنادیئے جن کو وہ تہہ کرکے بیٹھ جاتا ہے تو اس پر چڑھنا اور اترنا آسان ہوجاتا ہے۔ محنت کش اتنا ہے کہ سب جانوروں سے زیادہ بوجھ اٹھالیتا ہے۔ عرب کے میدانوں میں دن کا سفر دھوپ کی وجہ سے سخت مشکل ہے قدرت نے اس جانور کو رات بھر چلنے کا عادی بنادیا ہے۔ مسکین طبع ایسا ہے کہ ایک لڑکی، بچی اس کی مہار پکڑ کر جہاں چاہے لیجائے اس کے علاوہ اور بھی بہت سی خصوصیات ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

شانِ نزول: صاحب مدارک نے لکھا ہے کہ آیت سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ تختیوں کی بلندی اتنی ہوگی اور اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ کی تشریح میں فرمایا کہ وہ بے شمار ہوں گے انکی گنتی کوئی مخلوق نہ کرسکے گی اور تکیوں کا طول اور مسندوں کا عرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کافروں نے تکذیب کردی اور کہنے لگے کہ ان تکیوں پر چڑھنا کس طرح ممکن ہوگا اور اتنی کثرت سے کوزے اور لمبے تکیے اور اتنی چوڑی مسندوں کا فرش کیسے ہوگا دنیا میں تو ایسا کبھی دیکھنے میں نہیں آتا اسوقت اللہ نے آیت اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ نازل فرمائی۔

اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ اونٹوں کی تخلیق کیسے کی گئی کہ اتنا لمبا جانور جب بیٹھتا ہے تو دوزانو ہوجاتا ہے اور پھر کھڑا ہوجاتا ہے اونٹوں کی طرح وہ تخت بھی مومنوں کے بیٹھنے کے لئے جھک جائیں گے۔

عرب میں اونٹ کی اہمیت:

عربوں کی تمام ضروریات زندگی اونٹ سے وابستہ تھیں اس کا گوشت کھاتے، دودھ پیتے، اس پر سامان لادتے اور خود سوار ہوتے تھے اور دوسرے جانوران خصوصیات سے بے بہرہ تھے اس لئے فرمایا کہ اونٹ کی تخلیق پر یہ لوگ غور نہیں کرتے جو اللہ کی قدرت کاملہ اور حسن اخلاقیت پر دلالت کررہی ہے اتنا بڑا جانور لادے جانے کے لئے دوزانو ہوکر بیٹھ جاتا ہے پھر لدکر بوجھ لے کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اپنے قائد کا (بے چون وچرا) تابع ہے۔ لمبی گردن ہونے کی وجہ سے درختوں کے پتے بھی کھالیتا ہے اور گھاس بھی چرلیتا ہے بیابانوں کو قطع کرنے میں اگر دس روز پانی نہ ملے تو پیاس کو برداشت کرلیتا ہے۔

اللہ کی تمام مخلوق بے مثال ہے:

بعض لوگوں نے کہا کہ ابل سے مراد ابر ہے ابل اس ابر کو کہتے ہیں جو پانی سے بھرا ہوا ہو۔ (قاموس)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے (حدیث قدسی) منقول ہے کہ میرے سوا کوئی ابل کی طرح پیدا کرسکتا ہے اور آسمان کی طرح کوئی چھت بلند کرسکتا ہے۔ اور پہاڑوں کی طرح (کسی چیز کو) بپا کرسکتا ہے۔ اور زمین کی طرح (کسی چیز کا فرش) بچھا سکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾

اور آسمان پر کہ کیسا اُس کو بلند کیا ہے ☆

بدون ظاہری ستون اور کھمبے کے۔

وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾

اور پہاڑوں پر کہ کیسے کھڑے کر دیئے ہیں ☆

کہ ذرا اپنی جگہ سے جنبش نہیں کھاتے۔

وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾

اور زمین پر کہ کیسی صاف بچھائی ہے ☆

دلائل قدرت:

کہ اپنی کلانی کے سبب باوجود کروی الشکل ہونے کے مسطح معلوم ہوتی ہے اسی لیے اس پر رہنا سہنا آسان ہوگیا یہ سب دلائل قدرت بیان ہوئے یعنی تعجب

ہے ان چیزوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکیمانہ انتظامات کو نہیں سمجھتے جس سے بعث بعد الموت پر اس کا قادر ہونا اور عالم آخرت کے عجیب وغریب انتظامات کا ممکن ہونا سمجھ میں آ جاتا اور تخصیص ان چیزوں کی بقول ابن کثیرؒ اس لیے ہے کہ عرب کے لوگ اکثر جنگلوں میں چلتے پھرتے تھے اس وقت ان کے سامنے بیشتر یہی چار چیزیں ہوتی تھیں سواری میں اونٹ اوپر آسمان' نیچے زمین' ارد گرد پہاڑ' اس لیے انہی علامات میں غور کرنے کے لیے ارشاد ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح ہمواری کے ساتھ اس کا فرش بچھایا گیا ہے یہی حالت جنت کے مسندوں کی ہوگی ممکن ہے آیات کا مطلب اس طرح ہو کہ انواع کائنات کچھ مرکب ہیں جیسے اونٹ اور کچھ بسیط ہیں جیسے آسمان وزمین و پہاڑ) اور یہ سب اللہ کی قدرت پر دلالت کر رہی ہیں اور اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ قیامت پر قادر ہے پھر یہ لوگ اس کائنات مرکبہ وبسیطہ غور کر کے اللہ کی قدرت علی البعث پر کیوں استدلال نہیں کرتے اور اس سچے مخبر کی شہادت کو کیوں نہیں مانتے جس کی سچائی معجزات سے ثابت ہے اور کیوں اس کے لئے آخری کی تیاری نہیں کرتے؟ (تفسیر مظہری)

فَذَكِّرْ ۗ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾

سو تو سمجھائے جا، تیرا کام تو یہی سمجھانا ہے

لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾

تو نہیں اُن پر داروغہ ☆

پیغمبر کے ذمہ نصیحت کرنا ہے:

یعنی جب یہ لوگ باجود قیام دلائل واضحہ غور نہیں کرتے تو آپ بھی ان کی فکر میں زیادہ نہ پڑیے بلکہ صرف نصیحت کر دیا کیجئے کیونکہ آپ نصیحت کرنے اور سمجھانے ہی کے لیے بھیجے گئے ہیں اگر یہ نہیں سمجھتے تو کوئی آپ ان پر داروغہ بنا کر مسلط نہیں کیے گئے کہ زبردستی منوا کر چھوڑیں' اور ان کے دلوں کو بدل ڈالیں' یہ کام مقلب القلوب ہی کا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ایک بدوی کا واقعہ:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب ہمیں (غیر ضروری سوالات) کرنے کی ممانعت کر دی گئی تھی (اور اس وجہ سے ہم مرعوب وخوفزدہ ہو کر نفس سوال کرنے کی بھی جراءت نہ کرتے تھے تو ہمارا دل چاہتا تھا کہ کوئی بدوی شخص سمجھدار آ کر مجلس میں کچھ سوال کرے اور ہم سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب مبارک سے مستفید ہو جائیں۔ تو ایک دن ایک شخص آیا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدویانہ انداز میں خطاب کرتے ہوئے کہا۔ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہمارے پاس آیا ہے اور اس نے یہ بتایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان کیا ہے کہ اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اس نے سچ کہا ہے۔ اس پر بدوی کہنے لگا اچھا تو یہ بتائیے کہ آسمان کس نے بنایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے۔ اس نے کہا کہ یہ زمین کس نے پیدا کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے۔ پھر اس نے کہا تو یہ پہاڑ کس نے قائم کئے اور ان میں پیدا کیا جو کچھ بھی پیدا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اللہ نے۔ یہ سن کر وہ بولا کہ اس ذات کی قسم جس نے یہ آسمان بنایا جس نے یہ زمین پیدا کی اور جس نے اس پر پہاڑ قائم کئے اور اس میں پیدا کیا جو بھی کچھ پیدا کیا......؟ اسی خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا بیشک اسی نے مجھے رسول بنایا۔ اس کے بعد اس نے ارکان اسلام کا ذکر کیا جو اس قاصد کے ذریعے معلوم ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کی بھی تصدیق کی۔ اور جب وہ شخص اس گفتگو سے فارغ ہوا تو فوراً مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا یہ کہتے ہوئے **واللہ لا افرید علی ھذا ولا انقص** کہ خدا کی قسم میں ان چیزوں میں نہ کمی کروں گا نہ زیادتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **ان صدق یدخلن الجنة** "یعنی اگر سچا ہے تو ضرور بالضرور یہ شخص جنت میں داخل ہوگا" تو اس حدیث کے مضمون سے یہ ظاہر ہوا کہ ان دلائل قدرت پر اس سمجھدار اعرابی کی نظر اپنے فطری تقاضے کے باعث تھی اور اسی کی وجہ سے اس کو یہ سب کچھ سعادت نصیب ہوئی جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے پیغام بشارت جاری ہوا۔ (معارف کاندھلوی)

إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ یہ نصیحت کرنے کی علت کا بیان ہے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ فقط پہنچا دینے کا ہے اگر وہ غور نہ کریں یا نصیحت پذیر نہ ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ذمہ دار نہیں۔ (مظہری)

بخاری، مسلم، ترمذی نسائی، مسند احمد وغیرہ میں حدیث ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں بار بار سوالات کرنے سے روک دیا گیا تھا تو ہماری یہ خواہش رہتی تھی کہ باہر کا کوئی عقلمند شخص آئے وہ سوالات کرے ہم بھی موجود ہوں اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی جوابات سنیں، چنانچہ ایک دن ایک بادیہ نشین آئے اور کہنے لگے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ہمارے پاس آئے اور ہم سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول بنایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے سچ کہا ہے۔ وہ کہنے لگا بتلائیے کس نے آسمان کو پیدا کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے، کہا زمین کس نے پیدا کی

۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے، کہا کہ ان پہاڑوں کو کس نے گاڑ دیا؟ اوران میں یہ فائدے کی چیزیں کس نے پیدا کیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے، کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم ہے اللہ کی جس نے آسمان وزمین پیدا کئے اوران پہاڑوں کو گاڑ دیا، اللہ تعالیٰ نے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم پر رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔کہا اس اللہ تعالیٰ کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم ہے۔جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے کہ کیا یہ خدا کا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں، کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد نے یہ بھی کہا کہ ہمارے مالوں میں ہم پر زکوۃ فرض ہے۔فرمایا سچ ہے، کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بھیجنے والے خدا کی قسم کیا اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے؟ فرمایا ہاں، کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد نے ہم میں سے طاقت رکھنے والے لوگوں کو حج کا حکم بھی دیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔ یہ سن کر وہ کہتا ہوا چل دیا کہ اس خدائے واحد کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے نہ میں ان پر کچھ زیادتی کروں نہ میں ان میں کوئی کمی کروں۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس نے سچ کہا تو یہ جنت میں داخل ہوگا بعض روایات میں ہے کہ اس نے کہا کہ میں ضمام بن ثعلبہ ہوں بنوسعد بن بکر کا بھائی۔

ایک بچے کا عجیب واقعہ:

ابویعلیٰ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اکثر یہ حدیث سنایا کرتے تھے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک عورت پہاڑ پر تھی اس کے ساتھ اس کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔یہ عورت بکریاں چرایا کرتی تھی، اس کے لڑکے نے اس سے پوچھا کہ اماں جان تمہیں کس نے پیدا کیا؟ اس نے کہا کہ اللہ نے۔پوچھا کہ میرے ابا جی کو کس نے پیدا کیا؟ اس نے کہا کہ اللہ نے۔پوچھا مجھے؟ کہا اللہ تعالیٰ نے۔پوچھا آسمان کو؟ کہا اللہ تعالیٰ نے۔پوچھا پہاڑ کو؟ بتلایا کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔بچے نے پھر سوال کیا کہ اچھا ان بکریوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ماں نے کہا انہیں بھی اللہ نے پیدا کیا ہے۔بچے کے منہ سے بے اختیار نکلا کہ خدا تعالیٰ بڑی شان والا ہے۔اس کا دل عظمت خدا سے بھر گیا وہ اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکا اور پہاڑ پر سے گر پڑا ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ابن دینار فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی یہ حدیث ہم سے اکثر بیان فرمایا کرتے تھے۔اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن جعفر مدینی ضعیف ہیں۔(تفسیر ابن کثیر)

اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿۲۳﴾
مگر جس نے منہ موڑا اور منکر ہوگیا

فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿۲۴﴾
تو عذاب کرے گا اُس پر اللہ وہ بڑا عذاب
اِنَّ اِلَيْنَاۤ اِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾
بے شک ہمارے پاس ہے ان کو پھر آنا
ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾
پھر بے شک ہمارا ذمہ ہے اُن سے حساب لینا ☆

منکر بچ نہیں سکے گا:

یعنی جس نے اللہ کی طاعت سے روگردانی کی اوراس کی آیتوں کا انکار کیا وہ آخرت کے بڑے عذاب اوراللہ کی سخت ترین سزا سے بچ نہیں سکتا یقیناً ان کوایک روز ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے اورہم کوان سے رتی رتی کا حساب لینا ہے غرض آپ اپنا فرض ادا کیے جایئے اوران کا مستقبل ہمارے سپرد کیجئے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی تم ان کونصیحت کرومگر ان میں سے جو ایمان سے روگرداں ہو اور کفر کرتا رہے اورتم کو اس کے ایمان کی امید نہ رہے تو وہ مستثنیٰ ہے (اس کو نصیحت کرنا ضروری نہیں)

اِنَّ اِلَيْنَاۤ اِيَابَهُمْ وعید کو قوی بنانے کے لئے اِلَيْنَا کو مقدم ذکر کیا یعنی ان کی واپسی ایسے جبار قہار کی طرف ہی ہوگی جوان کو سزا دینے پر قادر ہے۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ پھر ہمارے ہی ذمہ ان سے حساب لینا اور حسب درجہ کفران کو عذاب دینا ہے علیٰ لزوم پر دلالت کر رہا ہے لیکن اللہ پر کوئی چیز لازم نہیں (یعنی بالذات لازم نہیں ہاں اس نے کافروں کو معاف نہ کرنے کا وعدہ کرلیا ہے اس لئے اس وعدہ کی وجہ سے کافروں کو عذاب دینا اس پر لازم ہے) کیونکہ خدا پر کسی چیز کا وجوب اس کی شان الوہیت کے منافی ہے (لزوم سے عجز لازم آتا ہے اور ہر عجز سے اللہ پاک ہے اس لئے اس جگہ علیٰ کا استعمال تاکید وعید کے لئے ہے۔(تفسیر مظہری)

سورة الفجر

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے گا اس کو ہیبت و رونق کا لباس ملے گا۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً
سورۂ فجر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی تیس آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
وَالْفَجْرِ ۝۱ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝۲
قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی
وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝۴
اور جفت اور طاق کی، اور اُس رات کی جب رات کو چلے ☆

متبرک اوقات:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "عید قربان کی فجر بڑا حج ادا ہوتا ہے اور دس رات اس سے پہلے اور جفت اور طاق رمضان کی آخری (عشرہ) دہائی میں ہے اور جب رات کو چلے یعنی پیغمبر معراج کو"۔ یہ سب اوقات متبرک تھے اس لیے ان کی قسم کھائی (تنبیہ) "وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ" کے معنی عموماً مفسرین نے رات کے گزرنے یا اس کی تاریکی پھیلنے کے لیے ہیں۔ گویا صبح کی قسم کے مقابلہ میں رات کے جانے یا آنے کی قسم کھائی۔ جیسا کہ جفت کے مقابل طاق کی قسم کھائی گئی ہے اور "وَلَيَالٍ عَشْرٍ" سے بھی ممکن ہے مطلق دس راتیں مراد ہوں کیونکہ اس کے افراد و مصادیق میں بھی تقابل پایا جاتا ہے۔ مہینہ کے شروع کی دس راتیں اول روشن ہوتی ہیں پھر تاریک اور اخیر کی دس راتیں ابتدا میں تاریک رہتی ہیں پھر روشن ہوتی ہیں اور درمیانی دس راتوں کا حال ان دونوں سے جداگانہ ہے۔ گویا اس اختلاف و تقابل سے اشارہ فرمادیا کہ آدمی کو عیش و آرام یا مصیبت اور تنگی یا فراخی کی جو حالت پیش آئے مطمئن نہ ہو جائے اور یوں نہ سمجھے کہ اب اسکے خلاف دوسری حالت پیش نہ آئے گی۔ اسے یاد رکھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ خالق اضداد ہے جس طرح وہ آفاق میں ایک ضد کے مقابل دوسری ضد کو لاتا ہے ایسے ہی تمہارے حالات و کوائف کو بھی اپنی حکمت و مصلحت کے موافق ادل بدل کرتا رہتا ہے چنانچہ آگے جو واقعات و مضامین مذکور ہیں ان میں اسی اصول پر متنبہ فرمایا ہے (تنبیہ دوم) اس آیت کی تفسیر میں دو حدیثیں مرفوع آئی ہیں جابرؓ کی اور عمران بن حصینؓ کی۔ حافظ ابن کثیرؒ پہلی کی نسبت لکھتے ہیں۔" وهذا اسناد رجاله لاباس بهم وعندی ان المتن فی رفعه نكارة" اور دوسری کی نسبت فرماتے ہیں "وعندی ان وقفه علی عمران بن حصين اشبه والله اعلم"۔ (تفسیر عثمانی)

عبادت کے لئے افضل وقت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبادت کرنے کے لئے اللہ کے نزدیک سب دنوں میں عشرۂ ذی الحجہ سب سے افضل ہے اس کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور اس میں ہر رات کی عبادت شب قدر کے برابر ہے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ بسند ضعیف عن ابی ہریرہؓ مظہری)

اور ابوالزبیر نے جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝ کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد عشرۂ ذی الحجہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ دس راتیں وہی ہیں جو موسیٰ علیہم السلام کے قصے میں آئی ہیں وَاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ۔ کیونکہ یہی دس راتیں سال کے ایام میں افضل ہیں۔ امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ حضرت جابرؓ کی یہ حدیث مذکور سے افضل ایام ہونا عشرہ ذی الحجہ کا معلوم ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہم السلام کے لئے بھی یہ دس راتیں ذی الحجہ کی مقرر کی گئیں تھیں۔ (معارف مفتی اعظم)

یکم محرم: قتادہؒ نے کہا کہ ماہ محرم کے پہلے دن کی فجر مراد ہے اسی سے (نیا) سال پھوٹتا ہے۔ ضحاک نے کہا کہ ماہ ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کی فجر مراد ہے کیونکہ اس سے ذی الحجہ کی دس راتیں (ابتدائی عشرہ) متصل ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذی الحجہ کی دس دنوں کی عبادت سے زیادہ اللہ کو اور کسی دن کی عبادت محبوب نہیں اس کا ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے اور اس کی ہر رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ بسند ضعیف)

ایمان بن ربابؒ کا قول ہے کہ محرم کا عشرہ اول مراد ہے جس کا دسواں دن عاشورہ ہوتا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا رمضان کے بعد افضل روزے ماہ محرم کے ہیں اور فرض نماز کے بعد افضل نماز۔ رات کی نماز (تہجد) ہے۔ (رواہ مسلم)

رات کا آنا:

قتادہ نے اذا یسر کا ترجمہ کیا ہے اِذَا جَاءَ وَ اَقْبَلَ یعنی آتی ہوئی رات کی قسم۔ تعاقب شب اللہ کی قدرت کاملہ اور کثرت انعام پر دلالت کرتا

ہے اس لئے (رات کی قسم کھانے میں) یہ قید ذکر کر دی رات خود نہیں آتی جاتی بلکہ دوسری جاندار مخلوق رات میں آتی جاتی ہے اسی لئے رات کی طرف سیر کی نسبت مجازی ہے۔ (تفسیر مظہری)

جفت اور طاق رات:

حضرت واصل بن صائبؒ نے حضرت عطاؒ سے پوچھا کہ وتر سے مراد یہی وتر نماز ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں شفع عرفہ کا دن ہے اور وتر عید الاضحیٰ کی رات ہے۔

اللہ وتر ہے:

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ اللہ کے ایک کم ایک سو نام ہیں جو انہیں یاد کرلے وہ جنتی ہے وہ وتر ہے اور وتر کو دوست رکھتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝۵

ہے ان چیزوں کی قسم پوری عقل مندوں کے واسطے ☆

عظیم قسمیں:

یعنی یہ قسمیں معمولی نہیں نہایت معتبر اور مہتم بالشان ہیں اور عقلمند لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ تاکید کلام کے لیے ان میں ایک خاص عظمت و وقعت پائی جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لِّذِيْ حِجْرٍ عقلمند کے لئے (حِجْرٌ روکنا) عقل بھی عقلمند کو بری چیز سے روکتی ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝۶ اِرَمَ

تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے عاد کے ساتھ وہ جو ارم میں تھے ☆

قوم عاد:

''عاد'' ایک شخص کا نام ہے، جس کی طرف یہ قوم منسوب ہوئی اس کے اجداد میں سے ایک شخص ''ارم'' نامی تھا اس کی طرف نسبت کرنے سے شاید اس طرف اشارہ ہو کہ یہاں ''عاد'' سے ''عاد اولیٰ'' مراد ہے۔ ''عاد ثانیہ'' نہیں، اور بعض نے کہا کہ ''قوم'' عاد میں جو شاہی خاندان تھا اسے ''ارم'' کہتے تھے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت العلامہ حقانی دہلوی قدس سرہ نے اپنی تفسیر میں ان تاریخی نقول کو بیان کرتے ہوئے فرمایا'' مروی ہے کہ عاد کے دو بیٹے تھے۔ شدید اور شداد۔ یہ ملکوں پر قابض ہوئے۔ شدید مر گیا تو شداد اس کا قائم مقام ہوا۔ اس کے اقبال نے ترقی کی اور بڑے بڑے شہر اس کے مطیع ہو گئے اس نے (انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں) جنت کا ذکر سنا تو کہا کہ میں بھی ایک ایسی ہی بہشت تیار کرتا ہوں۔ تب اس نے یمن کے بعض جنگلوں میں شہر ارم کی بنیاد ڈالی اور تین سو برس میں ایک شہر تیار ہوا جس میں سونے چاندی کے محل اور زبرجد کے ستون تھے۔ اقسام و انواع کے اس میں باغ لگائے، نہریں جاری کیں۔ یہ شہر جب بن کر تیار ہو گیا تو تمام ارکان سلطنت کو جمع کر کے اپنے ساتھ لے کر اس شہر کی طرف چلا (تاکہ اپنی تیار کی ہوئی بہشت کی سیر کرائے) شداد جب اپنی بہشت کے قریب پہنچا تو آسمان سے ایک ہیبتناک کڑک آئی اور اس نے سب کو ہلاک کر ڈالا۔ تاریخی نقول سے ظاہر ہے (قوم عاد جس طرح جسمانی لحاظ سے تنومند ڈول ڈیل میں مضبوط طویل القامت ہوتے تھے اسی طرح ان کی عمریں بھی طویل ہوتی تھیں اس بناء پر تاریخی روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ) شداد نو سو برس تک زندہ رہا۔

یہ بھی ایک روایت بعض کتب تاریخ میں مذکور ہے (واللہ اعلم بالصواب) کہ حضرت ابو قلابہؓ ایک مرتبہ اپنا گمشدہ اونٹ تلاش کرتے ہوئے اس جنگل میں جا نکلے جہاں شہر ارم تھا۔ وہاں ان کو کچھ جواہرات ملے جو یہ اٹھا لائے۔ امیر معاویہؓ کو جب اس کی خبر ہوئی تو بلا کر وہاں کے احوال دریافت کئے اور سن کر یہی خیال کیا کہ شاید وہی کھنڈرات ہوں جہاں شہر ارم آباد تھا۔

(کذا فی تفسیر فتح المنان المعروف بہ تفسیر حقانی۔ ج۔۸) (معارف کاندھلوی)

تمہارے رب نے عاد کی کیا حالت کر دی ان کافروں سے ان کی عمریں لمبی تھیں، ان کی جسمانی طاقتیں بھی زیادہ تھیں، لیکن اللہ نے ان کا ستیاناس کر دیا، طوفان بھیج کر ان کو تباہ کر دیا تو یہ اس کے عذاب سے کیسے بچ سکیں گے۔

اِرَمَ: اِرَمَ یہ عاد سے بدل ہے یا عطف بیان ہے ارم عاد کے ایک قبیلے کا نام تھا جس کے ہاتھ میں اقتدار ہوتا تھا۔ اصل میں عاد بن سام بن نوح کے بیٹے کا نام ارم تھا اسی کے نام پر قبیلے کا نام ارم ہو گیا۔ محمد بن اسحاق نے کہا کہ قوم عاد کے دادا کا نام تھا اس صورت میں قوم عاد ارم کی ایک شاخ ہو گی۔ کلبی نے کہا عاد و ثمود اور سکان سواد عراق اور اہل جزیرہ کا نسب اوپر پہنچ کر ارم سے مل جاتا ہے اسی وجہ سے عاد ارم اور ثمود ارم کہا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ثور بن زید دیلیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ورق پر یہ لکھا ہوا پڑھا ہے کہ میں شداد بن عاد ہوں، میں نے ستون بلند کئے ہیں، میں نے ہاتھ مضبوط کئے ہیں میں نے سات ذراع کے خزانے جمع کئے ہیں جو امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نکالے گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ ارم اس جنت کا نام ہے جو شداد کے بیٹے عاد نے بنائی تھی اور اسی کی صفت ذات العماد ہے کہ وہ ایک عظیم الشان عمارت بہت سے عمودوں پر قائم سونے، چاندی اور جواہرات سے تعمیر کی تھی تاکہ لوگ آخرت کی جنت کے بدلے میں اس نقد جنت کو اختیار کر لیں مگر جب یہ عالیشان محلات تیار ہو گئے اور شداد نے اپنے رؤسائے مملکت کے ساتھ اس میں جانے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا یہ سب ہلاک ہو گئے اور وہ محلات بھی مسمار ہو گئے (قرطبی، معارف مفتی اعظم)

ذَاتِ الْعِمَادِ ۝۷

بڑے ستونوں والے

قوم عاد کی عمارتیں:

یعنی ستون کھڑے کر کے بڑی بڑی اونچی عمارتیں بناتے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اکثر سیر و سیاحت میں رہتے اور اونچے ستونوں پر خیمے تانتے تھے اور بعض کے نزدیک ''ذَاتِ الْعِمَادِ'' کہہ کر ان کے اونچے قد و قامت اور ڈیل ڈول کو ستونوں سے تشبیہ دی ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

قوم عاد کے قد:

یعنی دراز قامت۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ان کا طول قامت ستون کی طرح تھا مقاتلؒ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذراع سے بارہ ذراع ان کے قدوں کا طول تھا بعض نے اس سے بھی زیادہ کہا ہے قوم ارم کو ذات العماد کہنے کی بعض نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ ڈیرے، خیمے اور خیموں کے ستون اور مویشی لے کر وہ موسم بہار میں نکل کھڑے ہوتے تھے جب سبزی ختم ہو جاتی تو پھر گھروں کو لوٹ آتے تھے ان کے پاس باغات اور کھیتیاں تھیں وادی قریٰ میں ان کی بستیاں تھیں بعض نے وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ وہ اونچی عمارتیں اور مضبوط تھام بناتے تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شداد بن عاد نے ایک ایسی عمارت بنائی تھی کہ ویسی عمارت دنیا میں کسی نے نہیں بنائی اور قوم کو ساتھ لے کر اس عمارت کو دیکھنے گیا ابھی ایک شبانہ روز کی مسافت پر ہی تھا کہ بحکم خدا آسمان کیطرف سے ایک چیخ پیدا ہوئی جس سے شداد اور سب قوم والے ہلاک ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۝۸

کہ بنی نہیں ویسی سارے شہروں میں ☆

اپنے دور کی سپر طاقت:

یعنی اس وقت دنیا میں اس قوم جیسی کوئی قوم مضبوط و طاقتور نہ تھی یا ان کی عمارتیں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

یہ ارم کی صفت ہے خواہ آرم کو قبیلہ کا نام کہا جائے یا شہر کا۔ اگر قوم (یا قبیلہ) مراد ہو تو مثلہا کا معنی ہوگا کہ اس قوم کی طرح قد و قامت اور قوت میں کوئی دوسری قوم نہیں پیدا کی گئی۔ (تفسیر مظہری)

وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝۹

اور ثمود کے ساتھ جنہوں نے تراشا پتھروں کو وادی میں ☆

قوم ثمود: ''وادی القریٰ'' ان کے مقام کا نام ہے جہاں پہاڑ کے پتھروں کو تراش کر نہایت محفوظ و مضبوط مکان بناتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ۝۱۰

اور فرعون کے ساتھ تھا وہ میخوں والا ☆

فرعون اور اس کے لشکر:

یعنی بڑے لاؤ لشکر والا جس کو فوجی ضروریات کے لیے بہت کثیر مقدار میں میخیں رکھنا پڑتی تھیں یا یہ مطلب ہے کہ لوگوں کو چومیخا کر کے سزا دیتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

عطیہ کا قول ہے کہ الاوتاد سے فوجیں مراد ہیں فوج اپنے ساتھ بکثرت ڈیرے خیمے رکھتی ہے اور سفر میں جہاں جاتی تھی میخوں کے ذریعے ڈیرے قائم کرتی ہے بروایت عطیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔

فرعون کا ظلم:

سدی نے کہا آدمی کو لمبا لمبا لٹا کر میخیں ٹھوکتا پھر سانپ بچھو اس پر چھوڑ دیتا تھا۔

فرعون کا ظلم اور مؤمنہ خاتون کا عجیب قصہ:

قتادہ اور عطا نے کہا کہ فرعون نے اپنے سامنے اپنے خزانچی حزقیل کی بیوی کو چومیخا کرایا تھا۔ بغوی نے اپنی سند سے حضرت ابن عباسؓ کی طرف سے اس بیان کی نسبت کی ہے کہ فرعون کو ذوالاتاد کہنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اس کا خزانچی حزقیل مسلمان ہو گیا تھا اور سو برس تک اپنے ایمان کو چھپا تا رہا حزقیل کی بیوی فرعون کی بیٹی کی مشاطہ تھی ایک روز وہ مشاطہ فرعون کی بیٹی کے سر میں کنگھی کر رہی تھی کہ کنگھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی اس کے منہ سے فوراً یہ الفاظ نکلے کہ اللہ کو نہ ماننے والے ہلاک ہوں فرعون کی بیٹی نے کہا کیا میرے باپ کے علاوہ بھی تیرا کوئی اور معبود ہے مشاطہ نے کہا کہ میرا اور تیرے باپ کا اور زمین و آسمان کا ایک ہی اِلٰہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں لڑکی فوراً کھڑی ہو گئی اور باپ کے پاس جا کر رونے لگی فرعون نے رونے کی وجہ پوچھی تو لڑکی نے کہا آپ کے خزانچی کی بیوی میری مشاطہ ہے اس کا خیال ہے کہ آپ کا اور اس کا اور زمین و آسمان کا الٰہ ایک ہے۔ جس کا کوئی ساجھی نہیں فرعون نے مشاطہ کو بلوا کر جواب طلب کیا اس نے کہا کہ اگر تو مجھے ستر مہینے تک عذاب دیتا رہے گا تب بھی میں اللہ کا انکار نہیں کروں گی مشاطہ کی دولڑکیاں تھی بڑی لڑکی کو پکڑوا کر مشاطہ کے روبرو فرعون نے ذبح کروا دیا اور اس سے کہا کہ اب بھی خدا کا انکار کر دے ورنہ تیرے سامنے ہی تیری چھوٹی لڑکی کو بھی ذبح کر دوں گا۔ چھوٹی لڑکی شیر خوار تھی۔ مشاطہ بولی کہ اگر تو تمام روئے زمین کو میرے سامنے ذبح کر دے تو بھی میں اللہ کا انکار نہیں کروں گی غرض بچی کو لے کر جب اوندھا

لٹایا گیا اور قاتلوں نے اس کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو ماں بے صبری ہو گئی لیکن فوراً ہی بچی کی زبان کو اللہ نے کھول دیا۔

دنیا میں چار بچے بچپن میں بولے ہیں ان میں سے یہ بھی ایک بچی تھی بچی نے کہا کہ ماں بے صبری نہ ہو اللہ نے تیرے لئے جنت میں ٹھکانہ کر دیا ہے۔ صبر کر بلا شبہ تو اللہ کی رحمت اور عزت افزائی تک پہنچے گی۔ غرض بچی کو بھی ذبح کر دیا گیا اور وہ مرگئی اور اللہ نے اس کو جنت میں جگہ عطا فرما دی۔

اس کے بعد اس عورت کے شوہر حزقیل کی طلب میں آدمی بھیجے گئے۔ لیکن وہ لوگ گرفتار نہ کر سکے کسی نے فرعون کو اطلاع دی کہ حزقیل فلاں پہاڑ میں فلاں مقام پر ہے فرعون نے دو آدمی تلاش کے لئے بھیجے یہ دونوں پہنچے تو حزقیل نماز پڑھ رہا تھا اور وحشی جانوروں کی تین صفیں نماز میں شریک تھیں دونوں آدمیوں کو دیکھ کر حزقیل نے کہا کہ واپس چلے جاؤ پھر اللہ سے دعا کی کہ بار الہا میں نے اپنا ایمان سو برس چھپایا کسی کو میرے ایمان کا علم نہیں ہوا ان دونوں میں سے جو بھی میرے ایمان کو ظاہر کر دے تو دنیا میں فوراً اس کو سزا دے اور آخرت میں اس کو دوزخ میں بھیج دے دونوں آدمی واپس چلے گئے ایک مؤمن ہو گیا اور اس کو بڑی عبرت ہوئی دوسرے نے اسٹاف کے سامنے فرعون کو اطلاع دے دی۔ فرعون نے کہا کہ کیا کوئی دوسرا بھی تیرے ساتھ تھا مخبر نے کہا کہ ہاں فلاں شخص تھا۔ فرعون نے اس شخص کو بلوایا اور پوچھا کہ کیا یہ سچ کہہ رہا ہے اس شخص نے کہا نہیں اس نے جو بات کہی میں نے تو نہیں دیکھی فرعون نے اس کو کثیر انعام دیا اور مخبر کو مروا ڈالا اور صلیب پر چڑھا دیا۔

فرعون کی بیوی کا ایمان لانا:

خاندان میں ایک بڑی حسین عورت تھی وہ فرعون کی بیوی تھی اس کا نام تھا آسیہ بنت مزاحم مشاطہ کے ساتھ فرعون نے جو حرکت کی تھی اس نے اس حرکت پر غور کیا اور کہنے لگی میں مؤمن ہوں اور فرعون کافر ہے فرعون کی حرکتوں پر صبر کرنا اب میرے لئے ممکن نہیں دل میں یہ کہہ ہی رہی تھی کہ فرعون آ گیا اور بیوی کے پاس بیٹھ گیا بیوی نے کہا کہ تو ساری مخلوق سے برا اور سب سے زیادہ خبیث ہے تو نے مشاطہ کو قصداً مار ڈالا فرعون نے کہا کیا تجھے بھی اس کی طرح جنون ہو گیا ہے آسیہ نے کہا مجھے جنون نہیں بلکہ میرا تیرا اور آسمان و زمین کا خدا ایک ہے جس کا کوئی شریک نہیں فرعون نے اس کو مارا اور اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اس کے ماں باپ کے پاس آدمی بھیج کر انکو بلوایا وہ آ گئے تو کہا کہ مشاطہ کو جو جنون تھا وہی اس کو بھی ہو گیا ہے آسیہ کہنے لگی اللہ کی پناہ مجھے جنون نہیں میں شہادت دیتی ہوں کہ میرا مالک اور تیرا مالک اور زمین و آسمان کا مالک ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں باپ نے کہا کہ آسیہ کیا (آج) تو خاندان عمالقہ کی سب سے اعلیٰ عورت نہیں ہے اور تیرا شوہر عمالقہ کا خدا ہے آسیہ نے کہا کہ اعوذ باللہ من ذلک تم جو کچھ کہہ رہے ہو اگر سچ ہے تو اس سے کہو مجھے ایسا تاج بنا دے جس کے سامنے سورج پیچھے چاند اور گرداگرد ستارے ہوں۔

آخر فرعون نے آسیہ کے ماں باپ سے کہا کہ تم دونوں نکل جاؤ پھر آسیہ کو لٹا کر چومیخا کر دیا اور اللہ نے اس عذاب (کی برداشت) کو اس پر سہل بنانے کے لئے اس کے سامنے جنت کا دروازہ کھول دیا۔ اسوقت آسیہ نے دعا کی کہ الٰہی جنت کے اندر اپنے قرب میں میرے لئے مکان بنا دے۔ اور فرعون اور فرعون کی بداعمالیوں سے مجھے نجات عطا فرما دے (دعا قبول ہوئی) اللہ نے اس کی روح قبض کر لی اور جنت میں اس کو سکونت عطا فرما دی۔ (انتہیٰ)

فرعون کی یہ بیوی وہی تھی کہ حضرت موسیٰ کی ماں نے فرعون کے خوف سے بحکم خدا جب موسیٰ کو دریا میں پھینک دیا اور فرعون کے آدمیوں نے ان کو پا کر نکال لیا تو اسی بیوی نے فرعون کو حضرت موسیٰ کے قتل سے روکا تھا اور کہا تھا۔ یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے امید ہے کہ ہم کو اس سے فائدہ پہنچے گا چنانچہ آسیہ کو اس بچہ سے فائدہ پہنچا وہ مؤمن ہو گئی پورا قصہ قصص میں گزر چکا ہے۔ (تفسیر مظہری)

الَّذِيْنَ طَغَوْا فِى الْبِلَادِ ﴿١١﴾
یہ سب تھے جنہوں نے سر اٹھایا ملکوں میں
فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ﴿١٢﴾
پھر بہت ڈالی ان میں خرابی
فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿١٣﴾
پھر پھینکا ان پر تیرے رب نے کوڑا عذاب کا ☆

ان قوموں کی سرکشی:

یعنی ان قوموں نے عیش و دولت اور زور و قوت کے نشہ میں مست ہو کر ملکوں میں خوب اودھم مچایا بڑی بڑی شرارتیں کیں اور ایسا سر اٹھایا گویا ان کے سروں پر کوئی حاکم ہی نہیں؟ ہمیشہ اسی حال میں رہنا ہے! کبھی اس ظلم و شرارت کا خمیازہ بھگتنا نہیں پڑیگا؟ آخر جب ان کے کفر و تکبر اور جور و ستم کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور مہلت و درگزر کا کوئی موقع باقی نہ رہا دفعتہً خداوند قہار نے ان پر اپنے عذاب کا کوڑا برسا دیا ان کی سب قوت اور بڑائی خاک میں مل گئی اور وہ ساز و سامان کچھ کام نہ آیا۔ (تفسیر عثمانی)

نتیجہ میں اللہ نے ان پر عذاب کے کوڑے برسائے یعنی ہر قسم کا ملا جلا عذاب ان پر نازل کیا گیا۔

یعنی عذاب سے بنے ہوئے کوڑے اللہ نے ان پر برسائے۔ اہل معانی کہتے ہیں کہ یہ استعارہ ہے عذاب تازیانہ سخت ترین عذاب ہے اور لفظ صَبَّ یکدم (پانی کے ریلے کی طرح) نزول عذاب کی طرف اشارہ کر رہا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے یکدم ان پر سخت عذاب نازل کیا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾

بے شک تیرا رب لگا ہے گھات میں ☆

سب کے کرتوت اللہ کی نظر میں ہیں:

یعنی جیسے کوئی شخص گھات میں پوشیدہ رہ کر آنے جانے والوں کی خبر رکھتا ہے کہ فلاں کیونکر گزرا اور کیا کرتا ہوا گیا' اور فلاں کیا لایا اور کیا لے گیا' پھر وقت آنے پر اپنی ان معلومات کے موافق معاملہ کرتا ہے اسی طرح سمجھ لو کہ حق تعالیٰ انسانوں کی آنکھوں سے پوشیدہ رہ کر سب بندوں کے ذرہ ذرہ احوال و اعمال دیکھتا ہے' کوئی حرکت وسکون اس سے مخفی نہیں۔ ہاں سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا غافل بندے سمجھتے ہیں کہ بس کوئی دیکھنے اور پوچھنے والا نہیں جو چاہو بے دھڑک کیئے جاؤ۔ حالانکہ وقت آنے پر ان کا سارا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیتا ہے اور ہر ایک سے انہی اعمال کے موافق معاملہ کرتا ہے جو شروع سے اس کے زیر نظر تھے اس وقت پتہ لگتا ہے کہ وہ سب ڈھیل تھی اور بندوں کا امتحان تھا کہ دیکھیں کن حالات میں کیا کچھ کرتے ہیں اور ایک عارضی حالت پر نظر کر کے آخری انجام کو نہیں بھولتے۔ (تفسیر عثمانی)

مرصاد ہونے کا یہ معنی ہے کہ اللہ بندوں سے اطاعت اور فرماں پذیری چاہتا ہے اور ان کے اعمال کو نگاہ میں رکھتا ہے اس کو تمام اعمال کا علم ہے کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں جس طرح کمین گاہ میں بیٹھنے والے سے سامنے گذرنے والا مخفی نہیں ہوتا مگر انسان اس سے غافل ہے اس کے پیش نظر صرف دنیا اور اس کی لذتیں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

جہنم کے سات پل:

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ابن عبدالکلاعی نے اپنے ایک وعظ میں کہا ''لوگو! جہنم کے سات پل ہیں ان سب پر پل صراط ہے پہلے ہی پل پر لوگ روکے جائیں گے۔ یہاں نماز کا حساب کتاب ہوگا، یہاں سے نجات مل گئی تو دوسرے پل پر روک ہوگی یہاں امانتداری کا سوال ہوگا جو امانت دار ہوگا اس نے نجات پائی اور جو خیانت والا نکلا ہلاک ہوا۔ تیسرے پل پر صلہ رحمی والوں کی پرسش ہوگی اس کے کاٹنے والے یہاں سے نجات نہ پاسکیں گے اور ہلاک ہوں گے، رشتہ داری یعنی صلہ رحمی وہیں موجود ہوگی اور یہ کہہ رہی ہوگی کہ خدایا جس نے مجھے جوڑا تو اسے جوڑ اور جس نے مجھے توڑا تو اسے توڑ یہی معنی ہیں

اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ۔ یہ اثر اتنا ہی ہے پورا نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ

سو آدمی جو ہے جب جانچے اُس کو رب اُس کا

رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ

پھر اُس کو عزت دے اور اس کو نعمت دے

فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾

تو کہے میرے رب نے مجھ کو عزت دی ☆

انسان کا امتحان:

یعنی میں اسی لائق تھا، اس لئے عزت دی۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اللہ نے چونکہ انسان کو عزت دی دولت اور اولاد دی اس لئے وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے فضیلت دی۔ (تفسیر مظہری)

وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ

اور وہ جس وقت اُس کو جانچے پھر کھینچ کرے اُس پر

رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾ ج

روزی کی تو کہے میرے رب نے مجھے ذلیل کیا ☆

یعنی میری قدر نہ کی خلاصہ یہ ہے کہ اس کی نظر صرف دنیا کی زندگی اور حالت حاضرہ پر ہے بس دنیا کی موجودہ راحت وتکلیف ہی کو عزت وذلت کا معیار سمجھتا ہے نہیں جانتا کہ دونوں حالتوں میں اس کی آزمائش ہے نعمت دے کر اس کی شکر گزاری اور سختی بھیج کر اس کے صبر ورضا کو جانچا جارہا ہے نہ یہاں کا عارضی عیش وآرام اللہ کے ہاں مقبول ومعزز ہونے کی دلیل ہے۔ نہ محض تنگی اور سختی مردود ہونے کی علامت ہے۔ مگر انسان اپنے افعال واعمال پر نظر نہیں کرتا اپنی بے عقلی یا بے حیائی سے رب پر اپنا الزام رکھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مفلسی کی فضیلت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرات مہاجرین میں سے جو فقیر ومفلس تھے وہ اغنیاء مہاجرین سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ (رواہ مسلم عن عبداللہ بن عمرؓ، مظہری)

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس بندے سے محبت فرماتے ہیں اس کو دنیا سے ایسا پرہیز کراتے

ہیں جیسے تم لوگ اپنے بیمار کو پانی سے پرہیز کراتے ہو۔

(رواہ احمد والترمذی عن قتادہ بن النعمان، تفسیر مظہری، معارف مفتی اعظم)

دو شخصوں پر حسد جائز ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بروایت ابن عباس) کہ حسد صرف دو شخصوں پر جائز ہے ایک وہ شخص جس کو اللہ نے قرآن عطا فرمایا اور وہ تمام اوقات روز وشب اس کو پڑھتا ہے دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے مال عطا کیا ہے اور وہ تمام اوقات روز وشب میں اس کو (راہ خدا میں) خرچ کرتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ مال کی وسعت دنیا میں اللہ کی مہربانی ہے جو موجب شکر ہے اور آخرت میں بھی کبھی موجب عزت ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿١٧﴾

کوئی نہیں پر تم عزت سے نہیں رکھتے یتیم کو☆

یتیم کا اکرام:

یعنی خدا کے ہاں تمہاری عزت کیوں ہو جب تم بے کس یتیموں کی عزت اور خاطر مدارت نہیں کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی یہ بات نہیں کہ اللہ فقیر رکھ کر تمہاری بے عزتی کرتا ہے بلکہ اس نے تو مال عطا فرما کر تم کو نوازا مگر تم یتیم کو نہیں نوازتے اس کی پاسداری نہیں کرتے نہ اس سے محبت کرتے ہو نہ اس پر خرچ کرتے ہو

ضعیف وفقیر کی برکت:

حضرت مصعب بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ دوسروں سے اپنے کو بڑھا چڑھا کر خیال کرتے تھے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں کو صرف ضعفاء (اہل افلاس) کے سبب سے ہی رزق دیا جاتا ہے۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فقراء مہاجرین قیامت کے دن دولت مندوں سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فقراء جنت میں دولت مندوں سے پانچ سو سال اور آدھے دن پیشتر جائیں گے۔ (ترمذی)

صبر اور رضا: اگر فقر اور کمزوری کے ساتھ صبر اور رضا بھی ہو تو ایسا فقر نعمت ہے بے عزتی نہیں۔ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب اللہ بندہ سے محبت کرتا ہے تو دنیا سے اس کو الگ رکھتا ہے جیسے تم لوگ اپنے بیمار کا پانی سے پرہیز رکھتے ہو۔ (تفسیر مظہری)

امیہ بن خلف:

مقاتل نے کہا کہ قدامہ بن مظعون، امیہ بن خلف کے زیر پرورش تھا مگر امیہ قدامہ کا حق ادا نہیں کرتا تھا۔ (تفسیر مظہری)

یتیم کی پرورش:

حدیث میں ہے کہ سب سے اچھا وہ گھر ہے کہ جس میں یتیم ہو اور اس کی اچھی پرورش ہو رہی ہو۔ اور بدترین گھر وہ ہے کہ جس میں یتیم ہو اور اس سے بد سلوکی کی جاتی ہو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی اٹھا کر فرمایا میں اور یتیم کا پالنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے یعنی قریب قریب۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ کلمہ کی اور بیچ کی انگلی ملا کر انہیں دکھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور یتیم کا پالنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿١٨﴾

اور تاکید نہیں کرتے آپس میں محتاج کے کھلانے کی ☆

یعنی خود اپنے مال سے مسکینوں کی خبر گیری کرنا تو کجا دوسروں کو بھی اس طرف نہیں ابھارتے کہ بھوکے محتاجوں کی خبر لے لیا کریں۔ (تفسیر عثمانی)

مسکین کو کھانا دینے پر دوسروں کو ترغیب بھی نہیں دیتے چہ جائیکہ خود اپنے مال سے کھلائیں۔ (تفسیر مظہری)

وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾

اور کھا جاتے ہو مُردے کا مال سمیٹ کر سارا ☆

وراثت کا مال کھانا:

یعنی مردے کی میراث لینے میں حلال حرام اور ناحق کی کچھ تمیز نہیں جو قابو چڑھا ہضم کیا یتیموں اور مسکینوں کے حقوق تلف ہوں، ہونے دو۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ تم میراث کا مال حلال وحرام سب جمع کر کے کھا جاتے ہو اپنے حصے کے ساتھ دوسروں کا حصہ بھی غصب کر لیتے ہو۔ یہاں خصوصیت سے میراث کے مال کا ذکر کیا گیا۔ حالانکہ ہر ایک مال جس میں حلال وحرام کو جمع کیا گیا ہو ناجائز ہی ہے۔ وجہ خصوصیت کی شائد یہ ہو کہ میراث کے مال پر زیادہ نظر رکھنا اور اس کے درپے ہونا بڑی کم ہمتی اور کم حوصلہ ہونے کی دلیل ہے کہ مردار خور جانوروں کی طرح تکتے رہیں کہ کب ہمارا مورث مرے اور کب ہمیں یہ مال تقسیم کرنے کا موقعہ ہاتھ آئے۔ اولوالعزم اور باہمت لوگ اپنی کمائی پر خوش ہوتے ہیں مُردوں کے مال پر ایسی حریصانہ نظر نہیں ڈالتے۔ (معارف مفتی اعظم)

میراث کو سب سمیٹ کر کھا جاتے ہو حلال ہو یا حرام وہ لوگ اپنے میراثی حصے کے ساتھ کمزور عورتوں اور بچوں کے بھی حصے کھا جاتے ہیں۔ ابن زید نے کہا اَكْلًا لَّمًّا یہ معنی ہے کہ جو کچھ ہاتھ لگے کھا جائے حلال حرام کا امتیاز نہ کرے یہ بھی اَكْلًا لَّمًّا کی تشریح آئی ہے یہ جانتے ہوئے بھی کہ مورث نے حلال وحرام ہر دو طریقوں سے مال جمع کیا تھا جب وہی مال ان کی میراث میں آتا ہے تو سب کھا جاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾
اور پیار کرتے ہو مال کو جی بھر کر ☆

مال کی محبت:

یعنی جڑ کی بات یہ ہے کہ تمہارا دل مال کی حرص اور محبت سے بھرا ہوا ہے بس کسی طرح مال ہاتھ آئے اور ایک پیسہ کسی نیک کام میں ہاتھ سے نہ نکلے خواہ آگے چل کر نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ مال کی اس قدر محبت اور پرستش کہ آدمی اسی کو کعبہ مقصود ٹھہرالے صرف کافر کا شیوہ ہوسکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾
کوئی نہیں جب پست کردی جائے زمین کوٹ کوٹ کر ☆

قیام قیامت:

یعنی سب ٹیلے اور پہاڑ کوٹ کر ریزہ ریزہ کردیئے جائیں اور زمین صاف چٹیل میدان ہوجائے۔ (تفسیر عثمانی)

زمین کو پیہم جھنجھوڑا جائے گا یہاں تک کہ پہاڑ درخت عمارتیں جو کچھ روئے زمین پر ہوگا ٹوٹ پھوٹ کر خاک پران بن جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَّجَآءَ رَبُّكَ
اور آئے تیرا رب ☆

یعنی اپنی قہری تجلی کے ساتھ جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی آئے گا آپ کا رب، اور فرشتے صف بصف مراد میدان حشر میں آنا ہے ۔اللہ تعالیٰ کے آنے کی کیا شان ہوگی اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، یہ متشابہات میں سے ہے اور فرشتوں کا صف بصف آنا ظاہر ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾
اور فرشتے آئیں قطار قطار ☆

فرشتوں کی صفیں: یعنی میدان محشر میں آئینگے وہاں انتظامات کیلئے (تفسیر عثمانی)

ابن جریر اور ابن مبارک نے ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کا دن ہوگا تو اللہ کے حکم سے دنیوی آسمان پھٹ جائے گا اور ملائکہ اس کے کناروں پر ہو جائیں گے پھر بحکم رب اتریں گے اور زمین کو اس کی موجودات سمیت گھیر لیں گے ، پھر دوسرا، پھر تیسرا، پھر چوتھا، پھر پانچواں، پھر چھٹا، پھر ساتواں آسمان پھٹے گا اور ملائکہ (ترتیب وار) اتر کر صف بستہ ہوتے جائیں گے پھر سب سے اعلیٰ فرشتہ اترے گا جس کے بائیں طرف جہنم ہوگا جب زمین والے جہنم کو دیکھیں گے تو ادھر اُدھر بھاگیں گے۔ مگر زمین پر ہر طرف ان کو ملائکہ کی سات قطاریں دکھائی دیں گی مجبوراً جہاں سے چلے تھے وہیں لوٹ آئیں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ
اور لائی جائے اُس دن دوزخ ☆

جہنم کا لایا جانا:

یعنی لاکھوں فرشتے اس کی جگہ سے کھینچ کر محشر والوں کے سامنے لائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

جہنم کو لائے جانے کا کیا مطلب ہے اور کس طرح میدان حشر میں لائی جائے گی اس کی حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے ظاہر ہے کہ جہنم جواب ساتویں زمین کی تہہ میں ہے اس وقت وہ بھڑک اٹھے گی اور سمندر سب آگ ہوکر اس میں شامل ہو جائیں گے اس طرح جہنم عرصہ حشر میں سب کے سامنے آجائے گی۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس روز جہنم کو اس طرح لایا جائے گا کہ اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے کھینچے ہوں گے۔ (مسلم وترمذی)

ابن وہب نے کتاب الاہول میں زید بن اسلم کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے۔ حضرت علیؓ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آنے کی وجہ دریافت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے آکر کہا

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا
وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ

جہنم کو سات ہزار لگاموں میں کھینچ کر لایا جائے گا ستر ہزار فرشتے لگام کھینچتے ہوں گے اچانک فرشتوں کے ہاتھوں سے لگامیں چھوٹ پڑیں گی (لیکن فرشتے فوراً پکڑ لیں گے) اگر وہ پھر نہ پکڑ لیں تو سب جماعت کو جہنم جلا ڈالے مگر پکڑ لیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انوکھی شان:

ابونعیم نے کعب کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کا دن ہوگا اور ملائکہ اتر کر قطار

در قطار ہو جائیں گے تو اللہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمائے گا جہنم کو لاؤ حضرت جبرئیل علیہ السلام جہنم کو ستر ہزار لگاموں میں جکڑے ہوئے لائیں گے جب انسانوں سے جہنم کا فاصلہ سو سال کی مسافت کا رہ جائے گا تو جہنم ایک سانس لے گی جس سے مخلوق کے دل اڑنے لگیں گے پھر دوبارہ سانس لے گی تو کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل بھی بغیر دو زانو بیٹھ جانے کے نہیں رہے گا۔ پھر تیسری سانس لے گی تو دل اچھل کر حلق تک آ جائیں گے کسی کے حواس درست نہیں رہیں گے ہر شخص گھبرا جائے گا۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے اپنی خلقت کا واسطہ میں صرف تجھ سے اپنی جان کے بچاؤ کی درخواست کرتا ہوں حضرت موسیٰ عرض کریں گے (تو نے اپنی مناجات سے سرفراز کیا) میں اس مناجات کا واسطہ دیتا ہوں اور صرف اپنے نفس کے بچاؤ کی تجھ سے درخواست کرتا ہوں عیسیٰ عرض کریں گے (تو نے مجھے عزت عطا فرمائی) تیرے کرم کا واسطہ میں تجھ سے صرف اپنی ذات کے لئے درخواست کرتا ہوں اپنی ماں مریم کے لئے بھی درخواست نہیں کرتا۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم عرض کریں گے میری امت کو بچا۔ میری امت کو محفوظ رکھ۔ میں اپنی جان کو بچانے کی بھی تجھ سے درخواست نہیں کرتا اللہ فرمائے گا کہ تیری امت کے اولیاء کے لئے نہ کوئی خوف ہے نہ رنج اپنی عزت کی قسم میں تیری امت کے معاملہ میں تیری آنکھیں ٹھنڈی رکھوں گا (سجدے سے) اٹھ کے کھڑا ہو جا اس وقت ملائکہ اللہ کے حضور میں حکم کے منتظر ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾

اُس دن سوچے گا آدمی اور کہاں ملے اُس کو سوچنا ☆

بے وقت پچھتاوا:

یعنی اس وقت سمجھے گا کہ میں سخت غلطی اور غفلت میں تھا مگر اس وقت کا سمجھنا کس کام کا سوچنے سمجھنے کا موقع ہاتھ سے نکل چکا دار العمل میں جو کام کرنا چاہیے تھا وہ دار الجزاء میں نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اس یاد سے اس کو کوئی فائدہ نہ ہوگا قبول توبہ کی شرط تو ایمان بالغیب ہے (قیامت کے ظہور کے بعد غیب نہ رہا سامنے دیکھ کر تو ہر ایک کو ماننا ہی پڑے گا۔ (تفسیر مظہری)

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جہنم کی اس روز ستر ہزار لگامیں ہوں گی ہر لگام پر ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے گھسیٹ رہے ہوں گے۔ یہی روایت خود حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی مروی ہے، اس دن انسان اپنے نئے پرانے تمام اعمال کو یاد کرنے لگے گا ، برائیوں پر پچھتائے گا نیکیوں کے نہ کرنے یا کم کرنے پر افسوس کرے گا گناہوں پر نادم ہوگا۔ (تفسیر ابن کثیر)

يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿۲۴﴾

کہے کیا اچھا ہوتا جو میں کچھ آگے بھیج دیتا اپنی زندگی میں ☆

یعنی افسوس دنیا کی زندگی میں کچھ نیکی کر کے آگے نہ بھیجی جو آج اس زندگی میں کام آتی۔ یونہی خالی ہاتھ چلا آیا۔ کاش حسنات کا کوئی ذخیرہ آگے روانہ کر دیتا جو یہاں کے لیے توشہ بنتا۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہوگا کہ کاش میں اپنی دنیوی زندگی کے زمانہ میں اعمال صالحہ پہلے ہی کر لیتا۔ (تفسیر مظہری)

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾

پھر اُس دن عذاب نہ دے اُس کا سا کوئی

وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾

اور نہ باندھ کر رکھے اُس کا سا باندھنا کوئی ☆

مجرموں کی سخت سزا:

یعنی اللہ تعالیٰ اس دن مجرموں کو ایسی سخت سزا دیگا اور ایسی سخت قید میں رکھے گا کہ کسی دوسرے کی طرف سے اس طرح کی سختی کسی مجرم کے حق میں متصور نہیں اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ''اس روز نہ مار یگا اس کا سا مارنا کوئی' نہ آگ نہ دوزخ کے مؤکل نہ سانپ بچھو' جو دوزخ میں ہونگے' کیونکہ ان کا مارنا اور دکھ دینا عذاب جسمانی ہے اور حق تعالیٰ کا عذاب اس طور سے ہوگا کہ مجرم کی روح کو حسرت اور ندامت میں گرفتار کر دیگا جو عذاب روحانی ہے اور ظاہر ہے عذاب روحانی کو عذاب جسمانی سے کیا نسبت' نیز نہ باندھے گا اس کا سا باندھنا کوئی کیونکہ دوزخ کے پیادے ہر چند کہ دوزخیوں کے گلے میں طوق ڈالینگے اور زنجیروں سے جکڑ ینگے اور دوزخ کے دروازے بند کر کے اوپر سے سرپوش رکھ دینگے' لیکن ان کی عقل وخیال کو بند نہ کر سکیں گے اور عقل وخیال کی عادت ہے کہ بہت سی باتوں کی طرف التفات کرتا ہے اور ان میں سے بعض باتیں دوسری باتوں کے لیے حجاب ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے عین قید کی تنگی میں انسان کو عقلی اور خیالی وسعت حاصل ہوتی ہے برخلاف اس شخص کے کہ اللہ تعالیٰ عقل وخیال کو ادھر ادھر جانے سے روک دے اور بالکل ہمہ تن دکھ درد ہی کی طرف متوجہ رکھے۔ تو ایسی قید بدنی قید سے ہزاروں درجے سخت ہے اسی لیے مجنون سودائیوں کو عین باغوں اور جنگلوں کی سیر کے وقت تنگی اور گھبراہٹ وہم وخیال کے سبب سے پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ باغ اور وسیع جنگل اس کی نظر میں تنگ معلوم ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

صاف یہ ہے کہ کسی کو اس روز نہ ایسا عذاب دیا جائیگا جیسا عموماً کافروں کو یا مخصوص کافر یعنی امیہ بن خلف کو دیا جائے گا نہ کسی کو ایسا باندھا جائے گا جیسا اس کو باندھا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾
اے وہ جی جس نے چین پکڑلیا
ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾
پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی
فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿۲۹﴾
پھر شامل ہو میرے بندوں میں
وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿۳۰﴾
اور داخل ہو میری بہشت میں ☆

نیک لوگوں کا اعزاز:

پہلے مجرموں اور ظالموں کا حال بیان ہوا تھا اب اس کے مقابل ان لوگوں کا انجام بتلاتے ہیں جنکے دلوں کو اللہ کے ذکر اور اس کی اطاعت سے چین اور آرام ملتا ہے ان سے محشر میں کہا جائیگا کہ اے نفس آرامیدہ بحق! جس محبوب حقیقی سے تو لو لگائے ہوئے تھا اب ہر قسم کے جھگڑوں اور خرخشوں سے یکسو ہو کر راضی خوشی اس کے مقام قرب کی طرف چل، اور اس کے مخصوص بندوں کے زمرہ میں شامل ہو اس کی عالیشان جنت میں قیام کر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کو موت کے وقت بھی یہ بشارت سنائی جاتی ہے۔ بلکہ عارفین کا تجربہ بتلاتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں بھی ایسے نفوس مطمئنہ اس طرح کی بشارات کا فی الجملہ حظ اٹھاتے ہیں "اللھم انی اسالک نفساً بک مطمئنہ تؤمن بلقائک و ترضی بقضائک وتقنع بعطائک"۔ (تنبیہ) نفس مطمئنہ، نفس امارہ اور نفس لوامہ کی تحقیق سورہ "قیامہ" کے شروع میں دیکھ لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات:

شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ ازالۃ الخفاء میں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آیۃ يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ تلاوت کی۔ اور اس مجلس میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! بوقت وفات فرشتہ تم سے یہی کہے گا۔ اور يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ کہہ کر تمہیں مخاطب کرے گا۔

تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ ابن ابی حاتم سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جب وفات ہوئی تو ان کے جنازہ کی تیاری کے بعد ان کی نعش میں ایک ایسا عجیب الخلقت پرندہ داخل ہوا کہ اس جیسا پرندہ پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ اور اس کے بعد کسی نے اس کو نکلتے ہوئے بھی نہیں دیکھا تھا جب جنازہ دفن کیا جانے لگا تو قبر کے ایک کنارہ سے سنائی دے رہا ہے کہ کوئی یہ تلاوت کر رہا ہے يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔ (معارف کاندھلوی)

جنت کی سب سے بڑی نعمت:

جنت میں صرف یہی نہیں کہ ہر طرح کی راحتیں جمع ہیں اور دائمی ہیں بلکہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا مقام ہے۔

مؤمن کی موت:

ایک طویل حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مسند احمد، نسائی، ابن ماجہ، میں ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب مؤمن کی موت کا وقت آتا ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشمی کپڑا سامنے کر کے اس کی روح کو خطاب کرتے ہیں۔ اخرجی راضیۃ مرضیۃ الیٰ روح اللہ وریحانہ یعنی اس بدن سے نکلو اس حالت میں کہ تم اللہ سے راضی ہو اور اللہ تم سے راضی ہو اور یہ نکلنا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور جنت کی دائمی راحتوں کی طرف ہوگا۔ (الحدیث)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک روز یہ آیت يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھ رہا تھا تو صدیق اکبر جو مجلس میں موجود تھے کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کتنا اچھا خطاب اور اکرام ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سن لو فرشتہ موت کے بعد آپ کو یہ خطاب کرے گا۔

ایمان افروز واقعہ:

اور امام حافظ برانی نے کتاب العجائب میں اپنی سند سے فتان بن رزین ابی ہاشم سے ان کا اپنا واقعہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ہمیں بلاد روم میں قید کر دیا گیا اور وہاں کے بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا گیا اس کافر بادشاہ نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم اس کا دین اختیار کریں، اور جو اس سے انکار کرے گا اس کی گردن ماردی جائے گی ہم چند آدمی تھے ان میں تین آدمی جان کے خوف سے مرتد ہو گئے بادشاہ کا دین اختیار کر لیا، چوتھا آدمی پیش ہوا اس نے کفر کرنے اور اسکے دین کو اختیار کرنے سے انکار کیا، اس کی گردن کاٹ کر سر کو ایک قریبی نہر میں ڈال دیا گیا، اس وقت تو وہ سر پانی کی تہہ میں

چلا گیا، اس کے بعد پانی کی سطح پر ابھرا اور ان لوگوں کی طرف دیکھ کر ان کے نام لے کر آواز دی کہ فلانے فلانے اور پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝

اس کے بعد پھر پانی میں غوطہ لگا دیا۔

یہ عجیب واقعہ سب حاضرین نے دیکھا اور سنا اور وہاں کے نصاریٰ یہ دیکھ کر تقریباً سب مسلمان ہو گئے اور بادشاہ کا تخت ہل گیا، یہ تین آدمی جو مرتد ہو گئے تھے یہ سب پھر مسلمان ہو گئے تھے اور پھر خلیفہ ابوجعفر منصور نے ہم سب کو ان کی قید سے رہا کرایا۔ (ابن کثیر، معارف مفتی اعظم)

اطاعت کی راحت:

اَلنَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ وہ نفس جس کو اللہ کی یاد اور اطاعت سے ایسا سکون حاصل ہوتا ہے جیسا مچھلی کو پانی میں حاصل ہوتا ہے ایسا سکون اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب نفس کو امارہ بنانے والی رذیل صفات سے بالکل پاک کر دیا جائے اور اوصاف قبیحہ زائل کر دیے جائیں مگر ان ناپاک اوصاف کا ازالہ اسی وقت ممکن ہے جب اللہ کے اوصاف حسنہ کا پرتو پڑ جائے اور نفس ان جلوہ پاشیوں میں فنا ہو کر بقاباللہ حاصل کر لے۔ اس مرتبہ میں پہنچ کر ہی حقیقی ایمان حاصل ہوتا ہے۔ جس طرح کتا ناپاک ہے اس کو کھانا حرام ہے اسکی طہارت اور حلت کی صرف یہی صورت ہے کہ اس کو نمک میں ڈال دیا جائے اور نمک کے ساتھ وہ بھی نمک ہو جائے اوصاف کلبی فنا ہو جائیں اور نمکی اوصاف حاصل ہو جائے۔

مقام رضا: مطلب یہ ہے کہ اللہ کی ربوبیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اسلام کی ملت اور اللہ نے جو کچھ تیرے لیے مقدر کر دیا ہے اس پر راضی رہتے ہوئے اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے ایمان کی لذت پالی جو اللہ کے رب ہونے پر محمد کے رسول ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہو گیا۔ (بخاری و مسلم)

ایمان کی لذت پانے سے مراد ہے حقیقی ایمان کا حاصل ہونا۔

مَّرْضِيَّةً اور اس حالت اللہ کی طرف آ کہ اللہ بھی تجھ سے راضی ہے کیونکہ بندہ جب اللہ کی الوہیت سے راضی ہوتا ہے تو اللہ بھی اس سے راضی ہو جاتا ہے بلکہ اللہ سے بندہ کا راضی ہونا ہی رضا منجانب اللہ کی علامت ہے حسن نے کہا جب اللہ نفس مطمئنہ کو قبض کرنا چاہتا ہے تو نفس کو اس سے سکون حاصل ہوتا ہے اور وہ اس پر راضی ہوتا ہے نتیجہ یہ کہ اللہ بھی اس سے راضی ہو جاتا ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اللہ کی ملاقات پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہے یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا کسی دوسری بی بی نے عرض کی ہم تو موت سے نفرت کرتے ہیں فرمایا یہ مطلب نہیں مقصد یہ کہ مومن کے سامنے جب موت آتی ہے اور اس کو اللہ کی طرف سے خوشنودی اور عزت بخشی کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کو آئندہ ملنے والی (نعمتوں) سے زیادہ کوئی چیز مرغوب نہیں ہوتی اس لیے اس کو اللہ سے ملنے کی قلبی رغبت ہوتی ہے نتیجہ میں اللہ بھی اس کو پسند فرماتا ہے لیکن کافر کے سامنے جب موت آتی ہے اور اس کو اللہ کی طرف سے عذاب اور سزا کی اطلاع ملتی ہے تو آئندہ پہنچنے والے (عذاب) سے زیادہ اسکی نظر میں کوئی چیز قابل نفرت نہیں ہوتی اس لیے وہ اللہ سے ملنا پسند نہیں کرتا اور اللہ کو اس کی ملاقات پسند ہوتی۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت یہ بھی ہے کہ موت اللہ کی ملاقات سے پہلے ہوتی ہے۔

مومن و کافر کی موت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کے سامنے جب موت آتی ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشمی کپڑا لے کر آتے اور کہتے ہیں (اے پاک روح) خوش خوش اللہ کی رحمت اور راحت کی طرف نکل چل تو اللہ سے راضی اور اللہ تجھ سے راضی۔ رب ناراض نہیں ہے اس کی جانب چل۔

روح مشک کی پاکیزہ ترین خوشبو کی طرح (مہکتی ہوئی) نکلتی ہے فرشتے اس کو دست بہ دست لیکر آسمان کے دروازے تک پہنچتے ہیں آسمان والے فرشتے کہتے ہیں یہ کیسی پاکیزہ خوشبو ہے جو زمین کی طرف سے تم کو پہنچی ہے۔ روح لے جانے والے ملائکہ اس روح کو مومنوں کی روحوں تک پہنچا دیتے ہیں ان کو اس کے پہنچنے سے اتنی خوشی ہوتی ہے کہ تم کو اپنے غائب مسافر کے آ جانے سے اتنی خوشی نہیں ہوتی مومن اس سے پوچھتے ہیں (دنیا میں) فلاں شخص کا کیا حال ہیں دوسرے مومن کہتے ہیں اس کو آرام لینے دو یہ دنیا کے غم میں تھا روح کہتی ہے وہ تو مر چکا کیا تمہارے پاس نہیں آیا مومن کہتے ہیں (معلوم ہوتا ہے کہ) اس کو اسکے اصلی ٹھکانے یعنی ہاویہ کی طرف پہنچا دیا گیا لیکن کافر کی موت کے وقت عذاب کے فرشتے ٹاٹ لے کر آتے ہیں اور کہتے ہیں (اے خبیث روح) اللہ کے عذاب کی طرف نکل (آنے والے عذاب) تجھے ناگوار۔ اور اللہ تجھ سے ناخوش۔ روح فوراً سڑے ہوئے بدبودار مردار کی (پھیلتی ہوئی) بو کی طرح نکلتی ہے فرشتے اس کو لے کر زمین کے دروازے تک پہنچتے ہیں۔ زمین والے (ملائکہ) کہتے ہیں یہ کس قدر سڑی ہوئی بدبو ہے فرشتے اس روح کو کافروں کی روحوں کی ساتھ شامل کر دیتے ہیں۔ (احمد، نسائی)

ابن ماجہ کی حدیث بھی اسی طرح کی ہے اس میں اتنا زائد ہے کہ پھر مومن روح کو آسمان کی طرف چڑھایا جاتا ہے آسمان کا دروازہ اس کے لیے کھول دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ پاکیزہ روح کے لیے مرحبا جو پاکیزہ جسم میں تھی۔ اور کافر روح کے متعلق فرمایا کہ اس کو آسمان کی طرف چڑھا کر لے جایا جاتا ہے (لیکن آسمان کا دروازہ اس کے لیے نہیں کھولا جاتا) اور کہا جاتا ہے خبیث روح کے لیے جو خبیث جسم میں تھی مرحبا نہیں ہے ذلیل حالت میں لوٹ جا تیرے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے پھر اس کو آسمان سے (نیچے) چھوڑ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ قبروں کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

روح کو یہ خطاب کب ہوتا ہے اس مبحث کے متعلق مختلف احادیث آئی ہیں نزاعی مسئلہ یہ ہے کہ یہ قول روح سے کس وقت کہا جاتا ہے بعض علماء قائل ہیں کہ مرنے کے وقت بھی یہ بات کہی جاتی ہے

تحقیق یہ ہے کہ یہ خطاب روح کو استحقاق دنیا میں ہی ہو جاتا ہے اور اس کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اس لیے اس سے کہا جاتا ہے ارجعی الیٰ ربک یعنی اللہ کے مراتب قرب اور انوار ذاتیہ کی طرف لوٹ آ۔

مقام عبدیت:

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ یعنی آ کر میرے نیک بندوں میں شامل ہو جا یہ نیک بندے وہی ہیں جن میں داخل ہونے کی دعا حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی تھی اور عرض کیا تھا وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی ان کے ساتھ شامل ہونے کے لیے عرض کیا تھا۔ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ اور انہیں نیک بندوں کے سلسلہ میں اللہ نے ابلیس سے فرمایا تھا اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ۔

فادخلی میں فاء سببی ہے کیونکہ اطمینان نفس اور نفس کا راضی مرضی ہونا ہی خالص عبدیت کے حصول اور باطل الوہیت نفسانی کی رسی سے گلوخلاصی اور شیطانی وسوسوں سے نجات مل جانے کا سبب ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین کردہ دُعاء:

ابن عساکر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ یہ دُعاء پڑھا کر اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ نَفْسًا بِکَ مُطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَآئِکَ وَتَرْضٰی بِقَضَآئِکَ وَتَقْنَعُ بِعَطَآئِکَ۔ خدایا میں تجھ سے ایسا نفس طلب کرتا ہوں جو تیری ذات پر اطمینان اور بھروسہ رکھتا ہو، تیری ملاقات پر ایمان رکھتا ہو، تیری قضا پر راضی ہو، تیرے دیئے ہوئے پر قناعت کرنے والا ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورة البلد

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے گا اس کو کھانا کھلانے اور یتیموں کی خاطر داری کرنے کی توفیق ملے گی اور ضعیفوں پر رحم کرنے کا خیال ہوگا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۂ بلد مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی بیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۱

قسم کھاتا ہوں میں اس شہر کی ☆

یعنی مکہ معظمہ کی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۲

اور تجھ پر قید نہیں رہے گی اس شہر میں ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز:

شہر مکہ میں ہر شخص کو لڑائی کی ممانعت ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صرف فتح مکہ کے دن یہ ممانعت نہیں رہی جو کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑا اس کو مارا اور بعض سنگین مجرموں کو خاص کعبہ کی دیوار کے پاس قتل کیا گیا پھر اس دن کے بعد سے وہی ممانعت قیامت تک کے لیے قائم ہوگئی چونکہ اس آیت میں مکہ کی قسم کھا کر ان شدائد اور سختیوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن میں سے انسان کو گزرنا پڑتا ہے اور اس وقت دنیا کا بزرگ ترین انسان اسی شہر مکہ میں دشمنوں کی طرف سے زہرہ گداز سختیاں جھیل رہا تھا اس لیے درمیان میں بطور جملہ معترضہ "وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ" فرما کر تسلی کر دی کہ اگرچہ آج آپ کا احترام اس شہر کے جاہلوں میں نہیں ہے لیکن ایک وقت آیا چاہتا ہے جب آپ کا اسی شہر میں فاتحانہ داخلہ ہوگا اور اس مقدس مقام کی ابدی تطہیر و تقدیس کے لیے مجرموں کو سزا دینے کی بھی آپ کو اجازت ہوگی۔ یہ پیشین گوئی سنہ ۸ھ میں خدا کے فضل پوری ہوئی۔ (تنبیہ) بعض نے "وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ" کے معنی "وَاَنْتَ نَازِلٌ" کے لیے ہیں یعنی میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں بحالیکہ آپ اس شہر میں پیدا کیے گئے ہیں اور قیام پذیر ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

مکہ مکرمہ کی عظمت:

شہر مکہ کی قسم کھانا اس شہر کی بہ نسبت دوسرے شہروں کے شرافت و افضلیت کو بتلانا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ہجرت کے وقت شہر مکہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ (خدا کی قسم ہے کہ تو ساری زمین میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بہتر اور محبوب ہے اور اگر مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کر دیا جاتا تو میں تیری زمین سے نہ نکلتا)

(رواہ الترمذی، ابن ماجہ، مظہری، معارف مفتی اعظم)

اللہ نے معظمہ مکہ کی قسم کھائی لیکن اس قید کے ساتھ کہ مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقیم ہیں اس کی وجہ مکہ کی فضیلت کا اظہار ہے ایک تو مکہ خود ہی فضیلت رکھتا ہے (کہ اللہ نے اس کی قسم کھائی) دوسری فضیلت یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں فروکش ہیں (اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں فروکش ہونا مکہ کی ذاتی فضیلت کو بڑھا دیتا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو خطاب کر کے فرمایا تھا تو کیسا پاکیزہ شہر ہے اور اللہ کو کس قدر پیارا ہے اگر میری قوم والے مجھے تیرے اندر سے نہ نکالتے تو میں تیرے علاوہ کہیں نہ رہتا۔

(رواہ الترمذی عن ابن عباس وقال حدیث حسن صحیح غریب اسناداً)

اسی طرح ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عدی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم تو سب سے برتر زمین ہے اور اللہ کو زمین کے ہر حصہ سے زیادہ پیاری ہے اگر مجھ کو تیرے اندر سے نکالا نہ جاتا تو میں نہیں نکلتا۔

فتح مکہ کی پیشین گوئی:

حلّ کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مکہ میں تمہارے لیے کسی کو قتل اور قید کرنا حلال ہے تمہارے لیے یہ جرم نہیں ہے اس صورت میں یہ جملہ آئندہ کے متعلق ایک وعدہ ہوگا کہ آئندہ ایک وقت آئے گا کہ اس وقت اس شہر میں لوگوں کو قتل اور قید کرنا تمہارے لیے حلال کر دیا جائے گا چنانچہ فتح مکہ کے دن ایسا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں مقاتلہ کیا اور عبداللہ بن حنظل کو مار ڈالنے کا حکم دیا ابن حنظل اس وقت کعبہ کے پردوں کو پکڑے ہوئے اور مقیس بن خبابہ وغیرہ کے قتل کا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ آسمان وزمین کے آفرینش کے دن ہی اللہ نے اس شہر کو حرم بنا دیا تھا پس اللہ کے حرم بنانے کی وجہ سے روز قیامت تک کہ حرم ہے۔ مجھ سے پہلے یہاں قتال کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا اور میرے لیے بھی دن کی صرف ایک ساعت میں یہاں قتال حلال ہوا اب قیامت تک بحکم خدا یہ حرم ہے یہاں کی خاردار جھاڑیاں نہ کاٹی جائیں یہاں کے شکار کو نہ نکالا جائے یہاں گری پڑی کوئی چیز نہ اٹھائے سوائے اس شخص کے جو اس کی تشہیر کرنا چاہتا ہو اور یہاں کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے الخ۔ (تفسیر مظہری)

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۝۳

اور قسم ہے جنتے کی اور جو اُس نے جنا ☆

یعنی آدم اور بنی آدم وقیل غیر ذلک۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا وَلَدَ اس سے مراد ہے کل بنی آدم یا حضرت ابراہیم کی نسل کے پیغمبر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تنکیر اظہار عظمت کے لیے ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ۝۴

تحقیق ہم نے بنایا آدمی کو محنت میں ☆

انسانی زندگی کی مشکلات:

یعنی آدمی ابتداء سے انتہا تک مشقت اور رنج میں گرفتار ہے اور طرح طرح کی سختیاں جھیلتا رہتا ہے۔ کبھی مرض میں مبتلا ہے کبھی رنج میں، کبھی فکر میں۔ شاید عمر بھر میں کوئی لمحہ ایسا آتا ہو جب کوئی انسان تمام قسم کے خرخشوں اور محنت وتکلیف سے آزاد ہو کر بالکل بے فکری کی زندگی بسر کرے حقیقت میں انسان کی پیدائشی ساخت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ ان سختیوں اور بکھیڑوں سے نجات نہیں پاسکتا آدم اور اولاد آدم کے احوال کا مشاہدہ خود اس کی واضح دلیل ہے اور مکہ جیسے سنگلاخ ملک کی زندگی خصوصاً اس وقت جبکہ وہاں افضل الخلائق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت ترین جور و جفا اور ظلم و ستم کے ہدف بنے ہوئے تھے "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ" کی نمایاں شہادت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض علماء نے فرمایا کہ کوئی مخلوق اتنی مشقتیں نہیں جھیلتی جتنی انسان برداشت کرتا ہے باوجود یہ کہ وہ جسم اور جثہ میں اکثر جانوروں کی نسبت ضعیف وکمزور ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ انسان کی دماغی قوت سب سے زیادہ ہے اس لیے اسکی تخصیص کی گئی۔ مکہ مکرمہ اور آدم واولاد آدم علیہ السلام کی قسم کھا کر حق تعالیٰ نے اس حقیقت کو بیان فرمایا کہ انسان کو ہم نے شدت ومحنت اور مشقت ہی میں اور اسی کے لیے پیدا کیا ہے جو اس کی دلیل ہے کہ انسان خود بہ خود پیدا نہیں ہوگیا یا اس کو کسی دوسرے انسان نے جنم نہیں دیا بلکہ اس کا پیدا کرنے والا ایک قادر مختار ہے۔ جس نے اپنی حکمت سے ہر مخلوق کو خاص خاص مزاج اور خاص اعمال وافعال کی استعداد دے کر پیدا کیا ہے اگر انسان کی تخلیق میں خود انسان کو کچھ دخل ہوتا تو وہ اپنے لیے یہ محنتیں مشقتیں کبھی تجویز نہ کرتا۔ (قرطبی، معارف مفتی اعظم)

ابوالاشد کا دعویٰ:

یہ آیت ابوالاشد کے متعلق نازل ہوئی ابوالاشد کا نام اسید بن کلدہ بن جج تھا ۔یہ بڑا طاقتور تھا عکاظی چمڑا اپنے پاؤں کے نیچے دبا کر کہتا تھا جو اس چمڑے سے میرے قدم کو ہٹا دے گا اس کو اتنا انعام ملے گا لیکن کوئی اس کے قدم کو نہ ہٹا سکتا یہاں تک کہ چمڑا کھینچنے سے ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا تھا اور قدم اپنی جگہ جما رہتا تھا۔

فِیْ کَبَدٍ اگر انسان سے جنس مراد ہو کَبَدٍ کا معنی ہوگا دکھ مشقت یعنی ہر انسان کو ہم نے دکھ میں پیدا کیا۔

انسان کی خصوصیت:

میں کہتا ہوں یہ دشواریاں تو انسان اور دوسرے جانوروں میں مشترک ہیں صرف انسان کی تخصیص اس لئے کی گئی کہ انسان عقل اور شعور رکھتا ہے کمال احساس کے ساتھ شدائد کو برداشت کرنا بے شعوری کے ساتھ برداشت کرنے سے زیادہ دشوار ہے۔

میرے نزدیک کبد سے مراد اس بار امانت کی برداشت ہے جس کو اٹھانے سے آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں نے انکار کردیا تھا اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔اب اگر یہ اپنے فرض کو ادا کرے گا تو کامیاب ہوجائے گا۔اللہ مومن مردوں اور عورتوں پر رحم فرمائے گا۔اگر فرض ادا نہ کرے گا تو تباہ ہوجائے گا۔اور آخرت کی تکالیف میں مبتلا ہوجائے گا۔اللہ منافق اور کافر مردوں اور عورتوں کو عذاب دے گا اس مطلب کی بناء پر اس آیت کا مفہوم وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ کے مفہوم کی مثل ہوجائے گا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ اسلام کے سبب قوم والوں کی طرف سے جو سختیاں جھیلنی پڑتی تھیں ان کی برداشت کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس آیت میں تسکین آفرینی ہے۔مقاتل نے نزول آیت کو ابوالاشد کے متعلق قرار دیتے ہوئے کہا کہ کَبَدٍ کا معنی ہے قوت اور طاقت۔ (تفسیر مظہری)

انسان کی قوت برداشت:

ابن عباس وغیرہ سے مروی ہے کہ قوت وطاقت والا پیدا کیا ہے۔خود اسے دیکھو اس کی پیدائش کی طرف غور کرو، اس کے دانتوں کا نکلنا دیکھو وغیرہ، حضرت مجاہد فرماتے ہیں پہلے نطفہ، پھر خون بستہ، پھر لوتھڑا گوشت کا، غرض اپنی پیدائش میں خوب مشقتیں اٹھاتا ہے جیسے اور جگہ ہے حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ یعنی اس کی ماں نے حمل میں تکلیف اٹھائی پھر وضع حمل میں مشقت برداشت کی ، بلکہ دودھ پلانے میں بھی مشقت اور معیشت میں بھی تکلیف۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ⑤

کیا خیال رکھتا ہے وہ کہ اُس پر بس نہ چلے گا کسی کا ☆

انسان کی خام خیالی:

یعنی انسان جن سختیوں اور محنت ومشقت کی راہوں سے گذرتا ہے اس کا مقتضاء تو یہ تھا کہ اس میں عجز ودرماندگی پیدا ہوتی ہے اور اپنے کو بستہ حکم وقضا سمجھ کر مطیع امر وتابع رضا ہوتا ہے اور ہروقت اپنی احتیاج وافتقار کو پیش نظر رکھتا لیکن انسان کی حالت یہ ہے کہ بالکل بھول میں پڑا ہے تو کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ کوئی ہستی ایسی نہیں جو اس پر قابو پاسکے اور اس کی سرکشی کی سزا دے سکے۔(تفسیر عثمانی)

ابوالاشد کا گمان تھا کہ عذاب کے فرشتے اس پر قابو نہیں پائیں گے یا اَحَدٌ سے مراد اللہ ہے جس نے ابوالاشد کو اتنی عظیم الشان پیدائشی قوت عطا فرمائی تھی اس کا خیال تھا کہ خدا کو بھی اس سے انتقام لینے کی طاقت نہیں۔(تفسیر مظہری)

يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ⑥

کہتا ہے میں نے خرچ کر ڈالا مال ڈھیروں ☆

غلط مقصد کا انفاق:

یعنی رسول کی عداوت' اسلام کی مخالفت اور معصیت کے مواقع میں یونہی بے تکے پن سے مال خرچ کرنے کو ہنر سمجھتا ہے پھر اسے بڑھا چڑھا کر فخر سے کہتا ہے کہ میں اتنا کثیر مال خرچ کرچکا ہوں کیا اس کے بعد بھی کوئی میرے مقابلہ میں کامیاب ہوسکتا ہے لیکن آگے چل کر پتہ لگے گا کہ یہ سب خرچ کیا ہوا مال یونہی برباد گیا۔بلکہ الٹا وبال جان ہوا۔(تفسیر عثمانی)

غرض یہ ہوگی کہ میں دوسرے قریشی غیر مسلموں کے مقابلہ میں اونچا درجہ رکھتا ہوں (کیونکہ میں نے رسول کی عداوت میں کثیر مال خرچ کیا ہے) اس لئے تمام کفار قریش کو میری برتری کا اعتراف کرنا ضروری ہے (تفسیر مظہری)

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ⑦

کیا خیال رکھتا ہے کہ دیکھا نہیں اُس کو کسی نے ☆

اللہ دیکھ رہا ہے:

یعنی اللہ سب دیکھ رہا ہے جتنا مال جس جگہ جس نیت سے خرچ کیا ہے جھوٹی شیخی بگھارنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کیا اس کا یہ خیال ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا یقیناً اللہ اس کو اس وقت دیکھ رہا تھا جب وہ ریاکاری کے طور پر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں مال خرچ کررہا تھا۔اللہ اس سے ضرور باز پرس کرے گا کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور لامحالہ اس کو اس کی سزا بھی دے گا آیت کی یہ تشریح سعید بن جبیر اور قتادہؒ کے قول کے موافق کی گئی ہے۔کلبی کا قول ہے کہ ابوالاشد جھوٹا شیخی باز تھا جو کثیر مال خرچ کرنے کا دعویٰ کرتا تھا اس نے اپنے

بیان کے مطابق مال خرچ نہیں کیا۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ﴿۸﴾

بھلا ہم نے نہیں دیں اُس کو دو آنکھیں ☆

اللہ ہی نے سب کو آنکھیں عطا کی ہیں:

یعنی جس نے دیکھنے کو آنکھیں دیں کیا وہ خود دیکھتا نہ ہوگا؟ یقیناً جو سب کو بینائی دے وہ سب سے بڑھ کر بینا ہونا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن عساکر میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ فرماتا ہے اے ابن آدم میں نے بڑی بڑی بیحد نعمتیں تجھ کو بخشیں جن کو تو گن بھی نہیں سکتا، نہ اس کے شکر ادا کرنے کی تجھ میں طاقت ہے، میری ہی یہ نعمت بھی ہے، کہ میں نے تجھے دیکھنے کو دو آنکھیں دیں، پھر میں نے ان پر پلکوں کا غلاف بنا دیا ہے پس ان آنکھوں سے میری حلال کردہ چیزیں دیکھ اگر حرام چیزیں تیرے سامنے آئیں تو ان دونوں کو بند کر لے، میں نے تجھے زبان دی ہے، اور اس کا غلاف بھی عنائت فرمایا ہے میری مرضی کی باتیں زبان سے نکال اور میری منع کی ہوئی باتوں سے منہ بند کر لے۔ میں نے تجھے شرم گاہ دی ہے اور اس پر پردہ بھی عطا فرمایا ہے، حلال جگہ تو بے شک استعمال کر لیکن حرام جگہ تو پردہ ڈال لے، اے ابن آدم! تو میری ناراضگی نہیں اٹھا سکتا اور میرے عذابوں کو سہنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ﴿۹﴾

اور زبان اور دو ہونٹ ☆

جن سے بات کرنے اور کھانے پینے میں مدد لیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

زبان تیز عمل مشین:

قدرت نے زبان کو ایسی سریع العمل مشین بنایا ہے کہ آدھے منٹ میں اس سے ایسا کلمہ بھی بولا جا سکتا ہے جو اس کو جہنم سے نکال کر جنت میں پہنچا دے۔ جیسے کلمہ ایمان یا دنیا میں دشمن کی نظر میں اس کو محبوب بنا دے جیسے پچھلے قصور کی معافی۔ اور اسی زبان سے اتنے ہی وقفے میں ایسا کلمہ بھی بولا جا سکتا ہے جو اس کو جہنم میں پہنچا دے جیسے کلمہ کفر یا دنیا میں اس کے بڑے سے بڑے مہربان دوست کو اس کا دشمن بنا دے جیسے گالی گلوچ وغیرہ جس طرح زبان کے منافع بیشمار ہیں اس کی ہلاکت آفرینی بھی اسی انداز کی ہے۔ گویا یہ ایک تلوار ہے جو دشمن پر چل سکتی ہے اور خود اپنا گلا بھی کاٹ سکتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

زبان آنکھ اور شرمگاہ کے شر سے حفاظت کا سامان:

بغوی نے لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم اگر تیری زبان ناجائز چیزوں کے لئے تجھ سے کشاکش کرے تو میں نے اس کے خلاف تیری مدد کے لئے دو ڈھکن تجھے دیئے ہیں تو اس کو ڈھکن میں بند کر دے۔ اور ناجائز بات زبان سے نہ نکال۔ اور اگر تیری نگاہ ناجائز چیزوں کے لئے تجھ سے کشاکش کرے تو تیری مدد کے لئے میں نے دو غلاف دے دیئے ہیں تو ان غلافوں میں اس کو بند رکھ اور اگر تیری شرمگاہ ناجائز امور کی طرف تجھے کھینچے تو میں نے تیری مدد کے لئے دو پردے دے دیئے ہیں اور ان پردوں میں ان کو بند رکھ۔ (تفسیر مظہری)

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿۱۰﴾

اور دکھلا دیں اُس کو دو گھاٹیاں ☆

اچھائی برائی کی تمیز: یعنی خیر اور شر دونوں کی راہیں بتلا دیں تاکہ برے راستہ سے بچے اور اچھے راستہ پر چلے اور یہ بتلانا اجمالی طور پر عقل وفطرت سے ہوا اور تفصیلی طور پر انبیاء و رسل کی زبان سے (تنبیہ) بعض نے ''نجدین'' سے مراد عورت کی پستان لئے ہیں یعنی بچے کو دودھ پینے اور غذا حاصل کرنے کا راستہ بتلا دیا۔ (تفسیر عثمانی)

النجدین سے مراد ہیں خیر وشر حق و باطل اور ہدایت و گمراہی کے راستے۔ مطلب یہ ہے کہ عقل دے کر اور پیغمبروں کو بھیج کر ہم نے اچھائی برائی واضح کر دی اب جو شر کا راستہ اختیار کرے گا اور گمراہ ہوگا اس کا کوئی عذر قیامت کے دن قبول نہ ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾

سو نہ دھمک سکا گھاٹی پر ☆

انسان کی نالائقی: یعنی اس قدر انعامات کی بارش اور اسباب ہدایت کی موجودگی میں بھی اسے توفیق نہ ہوئی کہ دین کی گھاٹی پر آدھمکتا اور مکارم اخلاق کے راستوں کو طے کرتا ہوا فوز وفلاح کے بلند مقامات پر پہنچ جاتا (تنبیہ) دین کے کاموں کو گھاٹی اس لیے کہا کہ مخالفت ہوا کی وجہ سے ان کا انجام دینا نفس پر شاق اور گراں ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

گھاٹی کا مطلب:

عقبہ اصل لغت میں پہاڑی راستہ کو کہتے ہیں اقتحام گھسنا۔ یہاں مراد ہے اوامر اور نہی کی پابندی کی مشقت برداشت کرنا۔ قتادہ بعض علماء نے کہا اقتحام عقبہ سے مراد ہے گھاٹی کو پار کر لینا اور ادائے واجب سے عہدہ برآ ہو جانا۔ کیونکہ گناہ گار پر گناہ کرنے کا بار اور ادائے واجبات کی ذمہ داری پہاڑی گھاٹی کی مشابہ ہے۔ اور فرائض مذکورہ کو ادا کر دینا گھاٹی کو عبور کر لینے کے مشابہت ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ عقبہ جہنم کا ایک پہاڑ ہے۔ (حسن بصری) اور قتادہ نے کہا عقبہ جہنم میں پل سے پرے ایک گھاٹی ہے جس کا عبور اللہ کی اطاعت سے ہوگا۔ مجاہدؒ ضحاکؒ اور کلبیؒ نے کہا عقبہ جہنم پر ایک پل ہے۔ تلوار کی دھار کی طرح باریک اور تیز جس کی چڑھائی اور اتار میدانی رفتار کی مسافت تین ہزار برس کی راہ کے برابر اس کے دونوں طرف سادان کے کانٹوں کی طرح کانٹے اور آنکڑے لگے ہیں کوئی اس پر صحیح سالم نکل جائے گا۔ کوئی خراش اور کھرونچ پا کر اور کوئی سرنگوں جہنم میں چلا جائے گا۔ پھر کوئی بجلی کی طرح گذر جائے گا کوئی تیز آندھی کی طرح کوئی گھوڑے سوار کی طرح کوئی پیادہ کی طرح کوئی سرینوں کے بل سرکے گا اور کچھ لوگ پھسل کر گریں گے اور کچھ زخمی ہو کر جہنم میں چلے جائیں گے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝

اور تو کیا سمجھا کیا ہے وہ گھاٹی چھڑا نا گردن کا ☆

یعنی غلام آزاد کرنا یا قرضدار کی گردن قرض سے چھڑوانا۔ (تفسیر عثمانی)

تم کو نہ اس کی صعوبت کا علم نہ اس کی کثرت ثواب کا۔ ابن عیینہ کا قول ہے کہ جس چیز کے متعلق اللہ نے مَآ اَدْرٰىكَ فرمایا اس کی اطلاع بعد کو دیدی اور جس چیز کے متعلق ما یدریک فرمایا۔ اس کی اطلاع کسی کو نہیں دی۔

فَكُّ رَقَبَةٍ گلوخلاصی عام ہے۔ پورا غلام آزاد کرنا یا قیمت دے کر آزاد کروانا یا مکاتب کی مدد کرنا یا کسی غلام کی اگر کچھ آزادی باقی ہے تو بقدر آزادی روپیہ سے اس کی مدد کرنا سب کو یہ لفظ شامل ہے۔

جنت کے عمل:

حضرت براء بن عازب کی روایت ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں لے جائے ارشاد فرمایا تو نے اگرچہ لفظ چھوٹا بولا مگر درخواست لمبی چوڑی کی۔ بردہ آزاد کر اور گلوخلاصی کر۔ اعرابی نے عرض کیا کیا یہ دونوں چیزیں ایک ہی ہیں فرمایا نہیں۔ بردہ آزاد کرنا یہ ہے کہ تم تنہا پورا بردہ آزاد کرو اور گلوخلاصی کا یہ مطلب ہے کہ غلام یا باندی کی قیمت ادا کرنے میں تم مدد کرو۔ اور منحہ یعنی بخشش یہ ہے کہ مہربانی کے ساتھ اپنے ظالم رشتہ دار کی طرف تم خود رجوع کر لو اگر اس کی یعنی غلام آزاد کرنے کی تم میں طاقت نہ ہو تو بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور پیاسے کو پانی پلاؤ اچھا کام کرنے کا حکم دو اور بری بات سے باز داشت کرو۔ اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو کلمہ خیر کے علاوہ زبان روکے رکھو۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

غلام آزاد کرنے کا ثواب:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے مسلمان بردہ آزاد کیا اللہ اس کے ہر عضو کے مقابل آزاد کرنے والے کے اسی عضو کو دوزخ سے آزادی دے گا یہاں تک کہ اس کی شرمگاہ کے مقابل اس کی شرمگاہ کو۔ عکرمہ نے کہا فک رقبة سے مراد گناہوں سے توبہ کر کے اپنے نفس کو آزاد کرنا۔ (تفسیر مظہری)

مسند احمد میں ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا حضور کوئی ایسا کام بتا دیجئے جس سے جنت میں جا سکوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھوڑے سے الفاظ میں بہت ساری باتیں تو پوچھ بیٹھا۔ نسمہ آزاد کر۔ رقبہ چھڑا۔ اس نے کہا کیا یہ دونوں ایک چیز نہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں نسمہ کی آزادی کے معنی یہ ہیں کہ تو اکیلا ایک غلام آزاد کرے اور فَكُّ رَقَبَةٍ کے معنی ہیں کہ تھوڑی بہت مدد کرے۔ دودھ والا جانور پینے کے لئے کسی مسکین کو دینا۔ ظالم رشتہ دار سے نیک سلوک کرنا۔ یہ ہیں جنت کے کام اگر اس کی تجھے طاقت نہ ہو تو بھوکے کو کھلا پیاسے کو پلا نیکیوں کا حکم کر۔ برائیوں سے روک۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو سوائے بھلائی اور نیک بات کے کوئی کلمہ زبان سے مت نکال۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝

یا کھلانا بھوک کے دن میں ☆

بھوکوں کی خبر گیری:

یعنی قحط کے دنوں میں بھوکوں کی خبر لینا۔ (تفسیر عثمانی)

يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝

یتیم کو جو قرابت والا ہے ☆

یتیم کی خاطر داری: یتیم کی خدمت کرنا ثواب اور قرابتداروں کے ساتھ سلوک کرنا بھی ثواب ہے جہاں دونوں جمع ہو جائیں تو دوہرا ثواب ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝

یا محتاج کو جو خاک میں رُل رہا ہے ☆

مسکین کی سرپرستی:

یعنی فقر و فاقہ اور تنگدستی سے خاک میں مل رہا ہو یہ مواقع ہیں مال خرچ کرنے کے نہ یہ کہ شادی غمی کی فضول رسموں اور خدا کی نافرمانیوں میں روپیہ برباد کر کے دنیا کی رسوائی اور آخرت کا وبال سر پر لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

پھر ہووے ایمان والوں میں ☆

قبولیتِ اعمال کی شرط:

یعنی پھر ان سب اعمال کے مقبول ہونے کی سب سے بڑی شرط ایمان ہے اگر یہ چیز نہیں تو سب کیا کرایا اکارت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حکیم بن حزام نے اسلام لانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے حالت کفر میں کچھ نیک کام کئے ہیں؟ (کیاوہ قبول ہوں گے یانہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَسْلَمْتَ اَسْلَفْتَ مِنْ خَیْرٍ کہ تم ان تمام نیکیوں کے ساتھ ایمان لائے ہو جو تم پہلے کر چکے تھے۔ (معارف کاندھلوی)

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ
جو تاکید کرتے ہیں آپس میں تحمل کی
وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾
اور تاکید کرتے ہیں رحم کھانے کی ☆

صبر و رحم کی تلقین:

یعنی ایک دوسرے کو تاکید کرتے رہتے ہیں کہ حقوق و فرائض کے ادا کرنے میں ہر قسم کی سختیوں کا تحمل کرو اور خدا کی مخلوق پر رحم کھاؤ تاکہ آسمان والا تم پر رحم کھائے۔ (تفسیر عثمانی)

پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ شخص ان لوگوں میں سے نہ تھا (یا نہ ہوا) جو ایمان لائے اور ایک نے دوسرے کو نصیحت کی گناہوں سے بچنے کی طاعت پر پابندی کی اور راہ حق میں پیش آنے والی مصائب پر ثابت قدم رہنے کی اور اللہ کے بندوں پر رحم کرنے کی یا ایسے اعمال اختیار کرنے کی جو اللہ کی رحمت کے جاذب ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۸﴾
وہ لوگ ہیں بڑے نصیب والے ☆

مبارک لوگ:

یعنی یہ لوگ بڑے خوش نصیب اور میمون و مبارک ہیں جن کو عرش عظیم کے دائیں جانب جگہ ملے گی اور ان کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ
اور جو منکر ہوئے ہماری آیتوں سے

اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۱۹﴾
وہ ہیں کم بختی والے ☆

بدنصیب لوگ:

یعنی بدنصیب منحوس، شامت زدہ جن کا اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا اور عرش کے بائیں طرف کھڑے کیے جائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾
انہی کو آگ میں مونددیا ہے ☆

یعنی دوزخ میں ڈال کر سب دروازے نکلنے کے بند کر دیے جائینگے اعاذ نا اللہ منہا۔ (تفسیر عثمانی)

دوزخ کا قید خانہ:

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ نہ اس میں روشنی ہوگی نہ سوراخ ہوگا نہ کبھی وہاں سے نکلنا ملے گا حضرت ابو عمران جونی فرماتے ہیں کہ جب قیامت کا دن آئے گا اللہ تعالیٰ حکم دے گا اور ہر سرکش کو ہر ایک شیطان کو اور ہر ایک شخص کو جس کی شرارت سے لوگ دنیا میں ڈرتے رہتے تھے لوہے کی زنجیروں سے مضبوط باندھ دیا جائے گا پھر جہنم میں جھونک دیا جائے گا پھر جہنم بند کر دی جائے گی خدا کی قسم کبھی ان کے قدم نکیں گے ہی نہیں۔ خدا کی قسم کبھی صورت ہی دکھائی نہ دے گی خدا کی قسم کبھی آرام سے ان کی آنکھ لگے گی ہی نہیں۔ خدا کی قسم انہیں کوئی مزے کی چیز کھانے پینے کو ملے گی ہی نہیں (ابن ابی حاتم۔ تفسیر ابن کثیر)

الحمدللہ سورۃ البلد ختم ہوئی

سورة الشمس

جس شخص نے اس کو خواب میں پڑھا اللہ تعالیٰ اس کو عمدہ سمجھ اور زیرکی تمام امور میں عطاء فرمائیگا (علامہ ابن سیرینؒ)

سُوۡرَةُ الشَّمۡسِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمۡسَ عَشۡرَةَ اٰيَةً

سورۂ شمس مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پندرہ آیتیں ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا ۞ وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۞

قسم سورج کی اور اس کے دھوپ چڑھنے کی، اور چاند کی جب آئے سورج کے پیچھے ☆

یعنی سورج غروب ہونے کے بعد جب اس کی چاندنی پھیلے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا۔ آفتاب اور اس کی روشنی کی قسم مجاہد اور کلبی نے کہا ہے یعنی طلوع کے وقت آفتاب کی روشنی کی قسم کیونکہ اس وقت کی روشنی صاف ہوتی ہے۔

وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا۔ یعنی چاند کی قسم جب آفتاب کے طلوع کے پیچھے اس کا طلوع ہو نا ایسی صورت ہر مہینہ کے نصف اول میں ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۞

اور دن کی جب اس کو روشن کر لے ☆

یعنی جب دن میں سورج پوری روشنی اور صفائی کے ساتھ جلوہ گر ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰهَا ۞

اور رات کی جب اُس کو ڈھانک لیوے ☆

یعنی جب رات کی تاریکی خوب چھا جائے اور سورج کا کچھ نشان دکھائی نہ دے۔ (تفسیر عثمانی)

بحر موج کے مؤلف نے لکھا ہے کہ ایسا کرنا درست نہیں کیونکہ قسموں کا وقوع ان کی اوقات میں مراد نہیں نہ اس کو قمر اور نہار اور لیل کی صفت قرار دیا جاسکتا ہے۔

مطلب اس طرح ہوگا چاند کے اس انجلاء کی قسم جو سورج کے پیچھے چلنے کے وقت اس کو حاصل ہوتا ہے اور دن کے اس نمود کی قسم جو سورج کو نمایاں کرتے وقت ہوتا ہے اور رات کے نمودار ہونیکی قسم جو آفاق پر چھا جانیکے وقت ہوتا ہے اور اس تاویل پر ظرف زمان مضاف محذوف کی صفت ہوگا (تفسیر مظہری)

وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۞

اور آسمان کی اور جیسا کہ اُس کو بنایا ☆

یعنی جس شان و عظمت کا اس کو بنایا اور بعض کے نزدیک "مَابَنَاهَا" سے مراد اس کا بنانے والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالۡاَرۡضِ وَمَا طَحٰهَا ۞

اور زمین کی اور جیسا کہ اُس کو پھیلایا ☆

یعنی جس حکمت سے اس کو پھیلا کر مخلوق کی بود و باش کے قابل کیا یہاں بھی بعض نے "وَمَا طَحٰهَا" سے اس کا پھیلانے والا مراد لیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی زمین کی اور اس کو بچھانے والے کی یا بچھانے کی قسم یہی مراد آئندہ آیت۔ (تفسیر مظہری)

وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۞

اور جی کی اور جیسا کہ اس کو ٹھیک بنایا ☆

کہ اعتدال مزاج کا اور حواس ظاہری و باطنی اور قوائے طبعیہ حیوانیہ و نفسانیہ سب اس کو دیئے اور نیکی بدی کے راستوں پر چلنے کی استعداد رکھی۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰهَا۔ یعنی نفس اور اس ذات کی قسم جس نے اس کی تخلیق میں متوازن اور تقاضائے حکمت کے موافق اس کی تخلیق کا فیصلہ کیا۔

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے:

حدیث میں ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے چوپائے جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے کوئی ان میں تم کن کٹا نہ پاؤ گے۔

صحیح مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو یکسوئی والے پیدا کئے ہیں انکے پاس شیطان پہنچا اور دین سے ورغلا دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰهَا ۞

پھر سمجھ دی اُس کو ڈھٹائی کی اور بچ کر چلنے کی ☆

اچھائی اور برائی کی سمجھ:

یعنی اول تو اجمالی طور پر عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے ذریعہ سے بھلائی برائی میں فرق کرنے کی سمجھ دی پھر تفصیلی طور پر انبیاء و رسل کی زبانی خوب

کھول کھول کر بتلا دیا کہ یہ راستہ بدی کا اور یہ پرہیزگاری کا ہے اس کے بعد قلب میں جو نیکی کا رُجحان یا بدی کی طرف میلان ہوا ان دونوں کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے گو القاء اول میں فرشتہ واسطہ ہوتا ہے اور ثانی میں شیطان۔ پھر وہ رجحان و میلان کبھی بندہ کے کسب قدو اختیار سے مرتبہ عزم تک پہنچ کر صدور فعل کا ذریعہ بن جاتا ہے جس کا خالق اللہ اور کاسب بندہ ہے اسی کسب خیروشر پر مجازات کا سلسلہ بطریق تسبیب قائم ہے۔ وهذه المسئلة من معضلات المسائل و تفصيلها يطلب من مظانها ونريدان نفرد لها جزءً ا ان ساعدنا التوفيق والله الموفق والمعين. (تفسیر عثمانی)

نفس انسانی کے اندر اللہ تعالیٰ نے فجور اور تقویٰ دونوں کے مادے رکھ دیئے ہیں تو اس طرح ایک ابتدائی ہدایت انسان کو خود اس کے ضمیر سے ملتی ہے پھر اس ہدایت کی تائید کے لیے انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابیں آتی ہیں جو ان کو بالکل واضح کر دیتی ہیں۔

مسئلہ تقدیر:

صحیح مسلم میں حضرت عمران بن حصین کی روایت سے آئی ہے کہ بعض لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ تقدیر کے متعلق سوال کیا تو آپ نے جواب میں یہ آیت تلاوت فرمائی اس آیت سے مسئلہ تقدیر کے شبہ کا جواب اسی صورت میں ہوسکتا ہے جبکہ الہام فجور و تقویٰ سے مراد یہ لیا جائے کہ دونوں کے مادے استعداد یں حق تعالیٰ نے نفس انسانی کے اندر رکھ دیئے ہیں مگر اس کو ان میں سے کسی ایک پر مجبور محض نہیں کیا بلکہ اس کو قدرت و اختیار دیا کہ ان میں سے جس کو جی چاہے اختیار کرسکتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں۔

حضرت ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ آیت تلاوت فرماتے تو بلند آواز سے یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ نَفْسِیْ تَقْوٰهَا اَنْتَ وَلِیُّهَا وَمَوْلَا هَا وَاَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰهَا یعنی یا اللہ میرے نفس کو تقویٰ کی توفیق عطا فرما آپ ہی میرے نفس کے ولی اور مربی ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رات کو ایک مرتبہ میری آنکھ کھلی میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر نہیں اندھیرے کی وجہ سے گھر میں اپنے ہاتھوں سے ٹٹولنے لگی تو میرے ہاتھ آپ پر پڑے آپ اس وقت سجدے میں تھے اور یہ دعا پڑھ رہے تھے۔

رَبِّ اَعْطِ نَفْسِیْ تَقْوٰهَا وَزَکِّهَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰهَا اَنْتَ وَلِیُّهَا وَمَوْلَاهَا۔ یہ حدیث صرف مسند احمد میں ہی ہے۔

مسلم شریف اور مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَ الْکَسَلِ وَ الْهَرَمِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰهَا وَزَکِّهَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰهَا اَنْتَ وَلِیُّهَا وَ مَوْلَاهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ قَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ وَمِنْ نَّفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَدَعْوَةٍ لَا یُسْتَجَابُ لَهَا.

یا اللہ میں عاجز اور بے چارہ ہو جانے سے سستی سے اور ہار جانے سے بڑھاپے سے نامردی سے اور بخیلی سے اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ میرے دل کو اس کا تقویٰ عطاء فرما۔ اور اسے پاک کر دے تو ہی اسے بہتر پاک کرنے والا ہے تو ہی اس کا والی اور مولیٰ ہے اے اللہ مجھے ایسے دل سے بچا جس میں تیرا ڈر نہ ہو۔ اور ایسے نفس سے بچا جو آسودہ نہ ہو۔ اور ایسے علم سے بچا جو نفع نہ دے اور ایسی دعا سے بچا جو قبول نہ کی جائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

الہام کرنے کا مطلب:

الہام فجور و تقویٰ کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ نے ہر شخص کے سامنے خیر وشر اور اطاعت و معصیت کا راستہ کھول دیا ہے تاکہ خیر و اطاعت کو اختیار کرے اور شرو معصیت سے پرہیز کرے۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہی مطلب مروی ہے۔

لیکن سعید بن جبیر اور ابن زیاد اور ابن زید نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ نے انسان کے لیے بدکاری یا تقویٰ کا لازم قرار دیا ہے۔ اس کے دل میں وہی میلان پیدا کر دیتا ہے جو انسان چاہتا ہے یا نفس کو تقویٰ کی توفیق دیتا ہے اور دل میں تقویٰ پیدا کر دیتا ہے یا نفس کا بدکاری کے لیے بے مدد چھوڑ دیتا ہے اور دل میں بدکاری کی تخلیق کر دیتا ہے۔ زجاج نے اسی مطلب کو پسند کیا ہے۔

دوآدمیوں کا سوال

حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے قبیلہ مزینہ کے دوآدمیوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو فرمایئے کہ آجکل لوگ جو کچھ عمل اور مشقت کرتے ہیں کیا یہ کوئی پہلے سے فیصل شدہ اور امر گذشتہ تقدیر کے موافق ہے۔ یا آئندہ ہونے والے اختیاری امور ہیں جو نبی لے کر آتا ہے اور بصورت نافرمانی لوگوں پر حجت قائم ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ یہ فیصل شدہ امر اور سابقہ تقدیر ہے اور اس کی تصدیق اللہ کی کتاب میں موجود ہے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا۔ (رواہ مسلم)

سب کے دل اللہ کے قبضہ میں ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام آدمیوں کے دل ایک دل کی طرح رحمٰن کی چٹکی میں ہیں جدھر چاہتا ہے ان کو موڑ دیتا ہے اس کے بعد آپ نے فرمایا اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف موڑ دے۔ (مسلم)

نکتہ: فجور کو تقویٰ سے پہلے ذکر کرنے کی وجہ علاوہ رعایت سجع کے یہ بھی ہے کہ نفس کا امارہ بالسوء ہونا اصل ہے اور پرہیزگار بن جانا بعد کی چیز ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝۹
تحقیق مُراد کو پہنچا جس نے اس کو سنوار لیا ☆

نفس کا سنوارنا:

نفس کا سنوارنا اور پاک کرنا یہ ہے کہ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ کو عقل کے تابع کرے اور عقل کو شریعت الٰہیہ کا تابعدار بنائے تاکہ روح اور قلب دونوں تجلی الٰہی کی روشنی سے منور ہو جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

مذکورہ قسموں کا مقصد:

غرض آیات مبارکہ میں ان چھ چیزوں اور آخری ساتویں چیز نفس کی قسم کھا کر انسانی افکار کو ان امور کی طرف توجہ دلائی گئی۔ اسی وجہ سے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا کے بعد متصلا اصل مقصد بیان مرتب فرمایا گیا یعنی قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا آفتاب کی روشنی کی طرح نور نبوت کا تمام عالم میں پھیلنے کا ذکر کتاب یسعیاہ علیہ السلام ساٹھویں باب میں اس طرح بطور بشارت مذکور ہے۔

''اٹھ روشن ہو تیری کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا کہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا گئی اور تیرگی قوموں پر لیکن خداوند تجھ پر طلوع کرے گا۔ اور اس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا۔ اور قومیں تیری روشنی میں اور شاہاں تیرے طلوع کی تجلی میں (انتہی)

نکتہ: ان کلمات کے اشارہ سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس آفتاب ہدایت ہے تو اس کے نور سے عالم دنیا روز روشن بن گیا۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
درباغ لالہ روید در شورہ بوم و خس

(معارف کاندھلوی)

کامیاب نفس:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے خود سنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیت قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا کی تشریح میں فرما رہے تھے۔ کہ وہ نفس کامیاب ہو گیا جس کو اللہ نے پاک کر دیا۔ (رواہ ابن جریر من طریق جویر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا:

مسلم ترمذی نسائی اور ابن شیبہ نے حضرت زید بن ارقم کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الٰہی میں تیری پناہ چاہتا ہوں بے بسی سے سستی سے بزدلی سے زیادہ بڑھاپے سے اور عذاب قبر سے الٰہی تو میرے نفس کو تقویٰ وطہارت عطاء فرما تو سب سے بڑھ کر نفس کو پاک کرنے والا ہے تو نفس کا کارساز اور مولیٰ ہے الٰہی میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس علم سے جو فائدہ بخش نہ ہو اس دل سے جو خشوع والا نہ ہو اس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اس دُعاء سے جو قبول نہ ہو۔

آیت کا مطلب اس تفسیر پر ہوگا کہ جس نفس کو اللہ نے اپنی صفاتی جلوہ پاشیوں کے ذریعہ سے رذائل سے پاک کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ اللہ سے اور اللہ کے احکامات سے رضامند ہو گیا اس کی یاد اور اطاعت سے اطمینان اندوز ہو گیا اس کے ممنوعات سے اور ان کے تمام امور سے جو اللہ سے روکنے والے ہیں مجتنب بن گیا وہی کامیاب ہو گیا حسن بصری نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا کہ جس شخص نے اپنے نفس کو پاک کر لیا اور اس کو صالح بنا لیا اور اللہ کی اطاعت پر آمادہ کر لیا۔ وہ کامیاب ہو گیا۔

قوت علمیہ وعملیہ کا کمال

جب اللہ نے لوگوں کو کوشش اور سعی بلیغ کے ساتھ نفوس کو پاک کرنے پر برانگیختہ کرنا چاہا۔ تو ایسی قسمیں کھائیں جن سے خالق کا وجود اور اس کا ازلی ابدی ہونا اور اسکی صفات کاملہ کا ثبوت دلائل کی روشنی میں واضح ہو گیا۔ اور اس طرح قوت ونظریہ فکر وعقیدہ اپنی اعلیٰ چوٹی پر پہنچ گئی اور قسموں کے ذیل میں اللہ نے اپنی عظمت آیات رحمت کا ذکر فرمایا تاکہ انسان ادائے شکر میں پوری توجہ کے ساتھ منہمک ہو جائے۔ اور یہ ہی درجہ قوت عملیہ کے کمال کا ہے علم وعمل کی تکمیل پر ہی اللہ کی طرف سے جذب اور بندہ کی طرف سے تقویٰ مرتب ہوتا ہے اور اس طرح نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے (تفسیر مظہری)

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝۱۰
اور نامُراد ہوا جس نے اُس کو خاک میں ملا چھوڑا ☆

ناکام نفس:

خاک میں ملا چھوڑنے سے یہ مراد ہے کہ نفس کی باگ یکسر شہوت و غضب کے ہاتھ میں دیدے۔ عقل وشرع سے کچھ سروکار نہ رکھے گویا خواہش اور ہویٰ کا بندہ بن جائے ایسا آدمی جانوروں سے بدتر اور ذلیل ہے (تنبیہ) ''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا'' جواب قسم ہے اور اس کو مناسبت قسموں سے یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے سورج کی دھوپ اور چاند کی چاندنی دن کا اجالا اور رات کا اندھیرا آسمان کی بلندی اور زمین کی پستی کو ایک دوسرے کے مقابل پیدا کیا اور نفس انسانی میں خیر وشر کی متقابل قوتیں رکھیں اور دونوں کو سمجھنے اور ان پر چلنے کی قدرت دی اسی طرح متضاد ومختلف اعمال پر مختلف ثمرات ونتائج مرتب کرنا بھی اسی

حکیم مطلق کا کام ہے خیر وشر اور ان دونوں کے مختلف آثار ونتائج کا عالم میں پایا جانا بھی حکمت تخلیق کے اعتبار سے ایسا ہی موزوں ومناسب ہے جیسے اندھیرے اور اُجالے کا وجود۔ (تفسیر عثمانی)

جس کے اندر اللہ نے گمراہی پیدا کر دی اور تخلیق ضلال کی وجہ سے اس کو ہلاک کر دیا۔ وہ نامراد رہا یا یہ مطلب کہ جس نے خود گمراہی کو اختیار کر کے اپنے نفس کو ہلاک کر لیا وہ نامراد رہا۔ (تفسیر مظہری)

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿۱۱﴾
جھٹلایا ثمود نے اپنی شرارت سے ☆

ناکامی کی ایک مثال:

یعنی حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا یہ "وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا" کی ایک مثال عبرت کے لیے بیان فرما دی سورہ اعراف وغیرہ میں یہ قصہ مفصل گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قوم والوں نے نشان صداقت کے طور پر ایک معین پتھر سے دس ماہ گابھن اونٹنی کو برامد کرنے کی بھی خواہش کی تھی۔ اور حضرت صالح کی دعا سے اونٹنی پتھر کے اندر سے برآمد بھی ہوگئی تھی۔ اور فوراً اس کے پیٹ سے اسی جیسا بچہ بھی پیدا ہو گیا تھا۔ اور چونکہ غیبی اونٹنی سب جانوروں کا پانی پی جاتی تھی۔ اس لیے حضرت صالح نے اس کے لیے پانی کا ایک حصہ مقرر کر دیا گیا تھا۔ تاکہ دوسرے جانور پیاسے نہ مریں اور فرمایا تھا۔ کہ ایک دن کا پانی اس اونٹنی کا حصہ ہے اور دوسرے دن کا پانی تمہارے جانوروں کے لیے ہے۔ کافروں کو یہ تقسیم ناگوار ہوئی اور انہوں نے اونٹنی کو مارنے کا ارادہ کر لیا تا کہ پورا پانی انہیں کے جانوروں کو مل جائے۔ (تفسیر مظہری)

اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿۱۲﴾
جب اٹھ کھڑا ہوا اُن میں کا بڑا بدبخت ☆

قوم ثمود کا بدبخت آدمی:

یہ بدبخت قذار بن سانف تھا۔ (تفسیر عثمانی)

اس شخص کا نام قذار بن سانف تھا۔ اس کا رنگ سرخ آنکھیں نیلی اور قد چھوٹا تھا۔ اور چونکہ دوسروں نے صرف مشورہ دیا تھا اور یہ قتل کا ذمہ دار بن گیا اس لیے کہ اس کی بدبختی دوسروں سے بڑھ گئی۔

حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں سب سے بڑا بدبخت ناقہ ثمود کی کونچیں کاٹنے والا اور آدم کا وہ بیٹا تھا جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا۔ اس نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ نکالا اس لیے روئے زمین پر جو خون بہایا جائے گا اس کے عذاب کا ایک حصہ اس کو پہنچے گا۔ (رواہ الطبرانی فی الحاکم وابونعیم فی الحلیۃ بسند صحیح۔ تفسیر مظہری)

فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
پھر کہا اُن کو اللہ کے رسول نے خبردار رہو
نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾
اللہ کی اونٹنی سے اور اس کی پانی پینے کی باری سے ☆

اللہ کی اونٹنی: یعنی خبردار اس کو قتل نہ کرنا اور نہ اس کا پانی بند کرنا۔ پانی کا ذکر اس لیے فرمایا کہ بظاہر اسی سبب سے وہ اس کے قتل پر آمادہ ہوئے تھے اور "اللہ کی اونٹنی" اس اعتبار سے کہا کہ اللہ نے اس کو حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت کا ایک نشان بنایا تھا۔ اور اس کا احترام واجب کیا تھا۔ یہ قصہ پہلے "اعراف" وغیرہ میں گزر چکا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۪ۙ
پھر انہوں نے جھٹلایا اس کو پھر پاؤں کاٹ ڈالے اس کے
فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ
پھر الٹ مارا اُن پر ان کے رب نے
بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾
بسبب ان کے گناہوں کے پھر برابر کر دیا سب کو ☆

قوم نے ہلاکت خریدی:

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا "وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ" (اس اونٹنی کو برائی سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ سخت دردناک عذاب میں پھنس جاؤ گے) ان لوگوں نے اس بات کو جھوٹ سمجھا پیغمبر کی تکذیب کی اور اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا آخر وہی ہوا جو حضرت صالح علیہ السلام نے کہا تھا اللہ تعالیٰ نے سب کو مٹا کر برابر کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَذَّبُوْهُ لیکن حضرت صالح کی طرف سے عذاب کی دھمکی کو انہوں نے سچا نہ مانا۔

فعقروھا اور سب نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں قتل کر دیا قتل کرنے والا اگرچہ ایک ہی تھا۔ لیکن مشورہ قتل میں سب شریک تھے اس لیے قتل کرنے کی نسبت سب کیطرف کر دی۔

حضرت صالح نے فرمایا کہ تین روز تک تو تم زندگی سے بہرہ اندوز ہو پہلے دن صبح کو تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے اور دوسرے دن سرخ اور تیسرے دن سیاہ اور تین روز کے بعد تم سب ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔

بِذَنۡۢبِهِمۡ ان کے گناہ یعنی پیغمبر کی تکذیب اور اونٹنی کو قتل کرنے کی وجہ سے۔

فَسَوّٰهَا پس سب کی تباہی ایک سی کر دی ہلاکت عام کر دی اور کوئی چھوٹا بڑا زندہ نہ بچا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا يَخَافُ عُقۡبٰهَا ﴿۱۵﴾
اور وہ نہیں ڈرتا پیچھا کرنے سے☆

(۱) اللہ کو کوئی خوف نہیں:

یعنی جیسے بادشاہان دنیا کو کسی بڑی قوم یا جماعت کی سزا دہی کے بعد احتمال ہوتا ہے کہ کہیں ملک میں شورش برپا نہ ہو جائے یا انتظام ملکی میں خلل نہ پڑے اللہ تعالیٰ کو ان چیزوں کا کوئی اندیشہ نہیں ہو سکتا ایسی کونسی طاقت ہے جو سزا یافتہ مجرموں کا انتقام لینے کے لیے اس کا پیچھا کرے گی؟ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

تفسیر (۲) بدبخت بے خوف ہو گیا:

یعنی سب سے بڑا بدبخت اونٹنی کو قتل کرنے کے لیے جلدی تیار ہو گیا اور اس کے نتیجہ کی طرف سے اس کو کچھ خوف نہ ہوا۔ (مظہری)

الحمد للہ سورۃ الشّمس ختم ہوئی

سورة الليل

جس شخص نے اس کو خواب میں پڑھا اس کی عزت کا پردہ چاک ہونے سے محفوظ رہے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوۡرَةُ الَّيۡلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِحۡدٰى وَّعِشۡرُوۡنَ اٰيَةً
سورۃ الیل مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی اکیس آیتیں ہیں
بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰى ﴿۱﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ﴿۲﴾
قسم رات کی جب چھا جائے اور دن کی جب روشن ہو
وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالۡاُنۡثٰٓى ﴿۳﴾
اور اس کی جو اس نے پیدا کئے نر اور مادہ
اِنَّ سَعۡيَكُمۡ لَشَتّٰى ﴿۴﴾
تمہاری کمائی طرح طرح پر ہے☆

مختلف قسم کے اعمال:

یعنی جس طرح دنیا میں رات اور دن، نر اور مادہ، مختلف ومتضاد چیزیں پیدا کی گئی ہیں تمہارے اعمال اور کوششیں بھی مختلف ومتضاد ہیں پھر ان مختلف اعمال ومساعی پر ظاہر ہے ثمرات ونتائج بھی مختلف ہی مرتب ہونگے جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جیسے حدیث میں ہے کہ ہر انسان جب صبح کو اٹھتا ہے تو وہ اپنے نفس کو تجارت پر لگاتا ہے کوئی تو اس تجارت میں کامیاب ہوتا ہے اور اپنے آپ کو عذاب آخرت سے آزاد کرا لیتا ہے اور کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کی محنت اور سعی وعمل ہی اس کی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے مگر عقل کا کام یہی ہے کہ پہلے اپنی سعی وعمل کے انجام کو سوچے اور جس عمل کے انجام میں وقتی آرام اور لذت ہو مگر دائمی عذاب ورنج کا سبب بنے اس کے پاس نہ جائے۔

ایک مرفوع حدیث میں اس کی تائید اس طرح آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعملو فکل میسر لما خلق لہ اما من کان من

اهل السعادة فسيسر لعمل السعادة و اما من كان من اهل الشقاوة فسيسر لعمل اهل الشقاوة (رواہ البخاری ومسلم عن علی، معارف مفتی اعظم)

قسم ہے اس قدرت والے کی کہ اس نے ہر توالد تناسل رکھنے والی مخلوق کی دو صنفیں پیدا کیں نر اور مادہ یا صرف آدم وحوا مراد ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰى وَاتَّقٰى ۝۵
سو جس نے دیا اور ڈرتا رہا
وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰى ۝۶
اور سچ جانا بھلی بات کو
فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡيُسۡرٰى ۝۷
تو اس کو ہم سہج سہج پہنچا دینگے آسانی میں ☆

نیک اعمال والا:

یعنی جو شخص نیک راستہ میں مال خرچ کرتا اور دل میں خدا سے ڈرتا ہے اور اسلام کی بھلی باتوں کو سچ جانتا اور بشارات ربانی کو صحیح سمجھتا ہے، اس کیلئے ہم اپنی عادت کے موافق نیکی کا راستہ آسان کر دینگے اور انجام کار انتہائی آسانی اور راحت کے مقام پر پہنچا دینگے جس کا نام جنت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حدیث میں آیا ہے کہ دوزخ سے بچو اگر چہ چھوارا کا نصف حصہ دے کر ہی ہو (بخاری ومسلم عن عدی بن حاتم)

تو ہم اس کے لیے سہولت کر دیں گے اس کو توفیق دیں گے یسری کی یعنی ایسے خصائل کی جو اس کو یسر اور راحت تک پہنچا دیں گی مطلب یہ کہ ایسے عمل کی توفیق دیں گے جو اللہ کی خوشنودی اور جنت کے حصول کا ذریعہ ہوگا۔

عمل ضروری ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں کہ اس کی جنت والی اور دوزخ والی جگہ نہ لکھ دی گئی ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پھر کیا اسی تقدیری لکھے پر اعتماد کر کے ہم عمل نہ چھوڑ دیں فرمایا کیے جاؤ توفیق ہر ایک کو اسی کی ملے گی جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہوگا جو خوش نصیب ہوگا اس کو اہل سعادت کے اعمال کی توفیق مل جائے گی اور جو بد نصیب ہوگا اس کے لیے اہل شقاوت کے اعمال سہل کر دیئے جائیں گے یہ فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡيُسۡرٰى (متفق علیہ)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہمارے اعمال فارغ شدہ تقدیر کے ماتحت ہیں یا نو پید ہماری طرف سے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تقدیر کے لکھے کے مطابق کہنے لگے کہ پھر عمل کی کیا ضرورت ہے فرمایا کہ ہر شخص پر وہ عمل آسان ہوں گے جس چیز کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ (مسند احمد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بقیع غرقد میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازے میں شریک تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنو تم میں سے ہر ایک کی جگہ جنت دوزخ میں مقرر کردہ ہے اور لکھی ہوئی ہے لوگوں نے کہا کہ پھر ہم اس پر بھروسہ کر کے بیٹھے کیوں نہ رہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمل کرتے رہو۔ ہر شخص کو وہی اعمال راس آئیں گے جن کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔ (صحیح بخاری شریف)

شان نزول:

ابن ابی حاتم کی ایک بہت ہی غریب حدیث میں اس پوری سورت کا شان نزول یہ لکھا ہے کہ ایک شخص کا کھجوروں کا باغ تھا۔ ان میں سے ایک درخت کی شاخیں ایک مسکین شخص کے گھر میں پڑتی تھیں وہ بے چارہ غریب نیک بخت اور بال بچے دار تھا۔ باغ والا جب اس درخت کی کھجوریں اتارنے آتا تو اس مسکین کے گھر میں جا کر وہاں کی کھجوریں بھی اتارتا۔ اس میں سے جو کھجوریں نیچے گرتیں انہیں اس غریب شخص کے بچے چن لیتے تو یہ آ کر ان سے چھین لیتا بلکہ اگر کسی بچے نے منہ میں ڈال بھی لی تو انگلی ڈال کر اس کے منہ سے نکال لیتا۔ اس مسکین نے اس کی شکایت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا تم جاؤ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ والے سے ملے اور فرمایا کہ تو اپنا وہ درخت جس کی شاخیں فلاں مسکین کے گھر میں ہیں مجھے دیدے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں تجھے جنت کا ایک درخت دے گا۔ وہ کہنے لگا کہ اچھا حضرت میں نے دیا مگر مجھے اس کی کھجوریں بہت اچھی لگتی ہیں میرے تمام باغ میں ایسی کھجوریں کسی اور درخت کی نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموشی کے ساتھ واپس تشریف لے چلے۔ ایک شخص جو یہ بات سن رہا تھا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ حضرت اگر یہ درخت میرا ہو جائے اور میں آپ کا کر دوں تو کیا مجھے بھی اس کے بدلے میں جنتی درخت مل سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ شخص اس باغ والے کے پاس آئے انکا بھی ایک باغ کھجوروں کا تھا یہ پہلا شخص اس سے وہ ذکر کرنے لگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے فلاں درخت کھجور کے بدلے جنت کا ایک درخت دینے کو فرما رہے تھے

میں نے یہ جواب دیا، یہ سن کروہ خاموش رہے پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ تم اسے بیچنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا نہیں، ہاں یہ اور بات ہے کہ جو قیمت اس کی مانگوں وہ کوئی مجھے دیدے لیکن کون دے سکتا ہے؟ پوچھا کیا قیمت لینا چاہتے ہو؟

کہا چالیس درخت خرما کے، اس نے کہا یہ تو بڑی زبردست قیمت لگا رہے ہو ایک کے چالیس؟ پھر اور باتوں میں لگ گئے، پھر کہنے لگے اچھا میں اسے اتنے میں خریدتا ہوں اس نے کہا اچھا اگر سچ مچ خریدنا ہے تو گواہ کرلو۔ اس نے چند لوگوں کو بلا لیا اور معاملہ طے ہو گیا گواہ مقرر ہو گئے پھر اسے کچھ سوجھی تو کہنے لگا کہ دیکھئے صاحب جب تک ہم تم الگ نہیں ہوئے یہ معاملہ طے نہیں ہوا اس نے بھی کہا بہت اچھا میں بھی ایسا احمق نہیں ہوں کہ تیرے ایک درخت کے بدلے جو خم کھایا ہوا ہے اپنے چالیس درخت دے دوں، تو یہ کہنے لگا اچھا اچھا مجھے منظور ہے لیکن جو درخت میں لوں گا وہ تنے والے بہت عمدہ لوں گا اس نے کہا اچھا منظور۔ چنانچہ گواہوں کے روبرو یہ سودا فیصل ہوا اور مجلس برخاست ہوئی یہ شخص خوشی خوشی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اب وہ درخت میرا ہو گیا اور میں نے اسے آپ کو دے دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مسکین کے پاس تشریف لے گئے اور فرمانے لگے کہ یہ درخت تمہارا ہے اور تمہارے بال بچوں کا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ﴿٨﴾
اور جس نے نہ دیا اور بے پروا رہا
وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ﴿٩﴾
اور جھوٹ جانا بھلی بات کو
فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴿١٠﴾
سو اُس کو ہم سہج سہج پہنچا دینگے سختی میں ☆

برے اعمال! بخل اور تکذیبِ حق:

یعنی جس نے خدا کی راہ میں خرچ نہ کیا اس کی خوشنودی اور آخرت کے ثواب کی پروا نہ کی اور اسلام کی باتوں اور اللہ کے وعدوں کو جھوٹ جانا اس کا دل روز بروز تنگ اور سخت ہوتا چلا جائیگا نیکی کی توفیق سلب ہوتی جائیگی اور آخر کار آہستہ آہستہ عذاب الٰہی کی انتہائی سختی میں پہنچ جائے گا۔ یہی اللہ کی عادت ہے کہ سعداء جب نیک عمل اختیار کرتے ہیں اور اشقیاء جب بدعمل کی طرف چلتے ہیں تو دونوں کے لیے وہی راستہ آسان کر دیا جاتا ہے جو انہوں نے تقدیر الٰہی کے موافق اپنے ارادہ اور اختیار سے پسند کر لیا ہے "كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا"

(اسراء۔ رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

اور جس نے راہ خیر میں خرچ کرنے میں بخل کیا یا امر خدا کی تعمیل میں بخل کیا حدیث میں آیا ہے بخیل وہ شخص ہے جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ (ترمذی، نسائی، ازعلی، حاکم، ابن حبان از انسؓ) (تفسیر مظہری)

وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ﴿١١﴾
اور کام نہ آئے گا اس کے مال اُس کا جب گڑھے میں گرے گا ☆

دولت عذاب سے نہیں بچا سکتی:

یعنی جس مال و دولت پر گھمنڈ کر کے یہ آخرت کی طرف سے بے پروا ہو رہا تھا وہ ذرا بھی عذاب الٰہی سے نہ بچا سکے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ﴿١٢﴾
ہمارا ذمہ ہے راہ سمجھا دینا
وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿١٣﴾
اور ہمارے ہاتھ میں ہے آخرت اور دُنیا ☆

ہم نیک و بد کی راہ بتلاتے ہیں:

یعنی ہماری حکمت اس کو مقتضی نہیں کہ کسی آدمی کو زبردستی نیک یا بد بننے پر مجبور کر دیں۔ ہاں یہ ہم نے اپنے ذمہ لیا ہے کہ سب کو نیکی بدی کی راہ سجھا دیں اور بھلائی برائی کو خوب کھول کر بیان کر دیں پھر جو شخص جو راہ اختیار کر لے دنیا اور آخرت میں اسی کے موافق اس سے برتاؤ کرینگے۔ (تفسیر عثمانی)

آخرت اور دنیا ہماری ہی ہے یعنی ہماری ہی ملک ہے اور ہماری ہی مخلوق ہے پس جو شخص مالک کو چھوڑ کر دوسرے سے مانگے گا وہ مانگنے میں غلطی کریگا یا یہ مراد کہ چونکہ ہم ہی مالک و خالق ہیں اس لیے ہدایت یافتہ لوگوں کو ہم ہی ثواب دینگے تمہارے ہدایت یافتہ نہ ہونے سے ہمارا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿١٤﴾
سو میں نے سنا دی تم کو خبر ایک بھڑکتی ہوئی آگ کی ☆

دوزخ کی بھڑکتی آگ:

اس ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے شاید دوزخ کا وہ طبقہ مراد ہوگا جو بڑے بھاری مجرموں اور بدبختوں کے لیے مخصوص ہے۔

لَا يَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾

اُس میں وہی گرے گا جو بڑا بدبخت ہے

الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾

جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا☆

آگ میں داخل ہونے والا:

یعنی ہمیشہ کے لیے وہی گریگا پھر کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا **کما تدل علیه النصوص** ۔ (تفسیر عثمانی)

یہ نار جہنم کے حال کا بیان ہے کہ اس میں داخل نہیں ہوگا مگر وہی شخص جو بدنصیب ہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور ان کی اطاعت سے روگردانی کی اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والا صرف کافر ہی ہوسکتا ہے۔

گنہگار مومن:

اس سے بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مومن گنہگار جو تکذیب کا مجرم نہیں جہنم میں نہیں جائے گا۔ حالانکہ قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص اس سے بھری ہوئی ہیں کہ مومن بھی جو گناہ کرتا ہے اگر اس نے توبہ نہ کرلی یا کسی کی شفاعت سے یا خالص رحمت سے اس کو معاف نہ کردیا گیا تو وہ بھی جہنم میں جائے گا اور اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے تک جہنم میں رہے گا البتہ سزا بھگتنے کے بعد جہنم سے نکال لیا جائے گا اور پھر ببرکت ایمان جنت میں داخل ہوجائے گا بظاہر اس آیت کے الفاظ اس کے خلاف ہیں اس لیے ضروری ہے کہ مراد اس آیت کی وہ ہو جو دوسری آیات قرآن اور احادیث صحیحہ کے خلاف نہ ہو اس کی بہت آسان توجیہ تو وہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں لی گئی ہے کہ یہاں دخول جہنم سے مراد وہ دخول ہے جو ہمیشہ کے لیے ہو اور ایسا دخول صرف کافر کے ساتھ مخصوص ہے مومن کسی نہ کسی وقت بالآخر اپنے گناہ کی سزا پوری کرنے کے بعد جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ علماء مفسرین نے اس کے سوا دوسری کچھ توجیہات بھی بیان فرمائی ہیں وہ بھی اپنی جگہ درست ہوسکتی ہیں۔

اور تفسیر مظہری میں اس کی ایک توجیہ یہ کی ہے کہ اس آیت میں اشقی اور اتقی سے مراد عام نہیں، بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں موجود تھے ان موجودین میں سے کوئی مسلمان باوجود گناہ سرزد ہونے کے بھی ببرکت صحبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جہنم میں نہیں جائے گا (معارف مفتی اعظم)

یہ اشقی کے بعض افراد یعنی کافر کی صفت ہے کیونکہ مسلم فاسق تکذیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کرتا نہ ایمان سے روگردانی کرتا ہے اور یہ صفت احترازی نہیں ہے (کہ وہ اشقی جو تکذیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان سے اعراض نہ کرتے ہوں اس قید کی وجہ سے حکم دخول نار ان کو شامل نہ ہوں) کیونکہ عادۃً (اور عموماً) ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ مومن شقی نہیں ہوتا ایمان پرہیزگاری اور سعادت ہی چاہتا ہے بدنصیب اور گنہگار عموما کافر ہی ہوتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اشقی اس جگہ تفصیلی معنی میں ہی مستعمل ہے اور اس سے مراد کافر ہی ہے (مگر دوزخ میں تو مسلم فاسق بھی جائیگا پھر دخول جہنم کا حصہ کافر میں کیوں کیا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) اس جگہ میں داخلہ جہنم سے مراد عام داخلہ نہیں ہے بلکہ لزومی اور دوامی داخلہ مراد ہے (اور یہ صرف کافر کے لیے ہی ہوگا) اسی لیے بیضاوی نے آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ شدت جہنم کو برداشت کرنے والا اور دوامی طور پر داخل ہونے والا صرف اشقی یعنی کافر ہوگا۔ مسلم بدکار بھی جہنم میں اگرچہ داخل ہوگا لیکن اس کا داخلہ دوامی نہ ہوگا اس توضیح کے بعد آیت کا عمومی حصر (یعنی صرف کافر کا ہی داخل جہنم ہونا) صحیح ہوجاتا ہے بعض نے کہا ان توجیہات کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ **لایصلاها مین ها ضمیر** نارًا تلظّٰی کی طرف راجع ہے (صرف نارًا کی طرف راجع نہیں ہے)

مطلب یہ ہے کہ بھڑکتی ہوئی شعلہ زن آگ میں صرف کافر جائیگا رہا فاسق مسلمان وہ بھی اگرچہ جہنم میں داخل ہوگا مگر بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل نہ ہوگا کافر کی آگ سے اس کی آگ کا درجہ کم ہوگا یعنی جہنم کے بالائی طبقہ میں مسلم فاسق کا داخلہ ہوگا۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو مومن موجود تھے وہ جہنم میں نہیں جائیں گے ان کو آیت کے عموم حکم سے نکالنا مقصود ہے) پس آیت بتارہی ہے کہ کوئی صحابی جہنم میں نہیں جائیگا کیونکہ اجماع اہل سنت ثابت ہے کہ تمام صحابہ عادل تھے کوئی فاسق نہ تھا۔

اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۔ ہر ایک سے اللہ نے جنت کا وعدہ فرمالیا ہے دوسری آیت میں صحابہ کرام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تیسری آیت میں ہے کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان نے مجھے دیکھ لیا اس کو آگ نہیں لگے گی (رواہ الترمذی عن جابر)

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اصحابی کا لنجوم بایهم اقتدیتم الهتدیتم** میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کے پیچھے چلو گے ہدایت پاؤ گے (رواہ رزین عن عمر بن الخطاب)

اگر کسی صحابی سے کسی گناہ کا صدور ہوبھی گیا ہو تو اول تو ایسا ہوا ہی کم ہے

پھر اس کو توبہ کی توفیق بھی عطا فرمادی گئی اور اس نے توبہ کرلی اور حدیث ابن مسعود میں رضی اللہ عنہ آیا ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب له گناہ سے توبہ کرنے والا گناہ نہ کرنے والے کی طرح ہوجاتا ہے۔ (رواہ ابن ماجہ)

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے اللہ کی رحمت اس کو اپنی آغوش میں لے لے گی کیونکہ (برکت وصحبت کے متعلق) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے نیک لوگوں کی بابت فرمایا تھا وہ ایسے لوگ ہوں گے کہ ان سے انس رکھنے والا نامراد نہ ہوگا　　(بخاری ترمذی)

مسلم بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب عالم صالحین کی صحبت میں رہنے والوں کی یہ کیفیت ہے تو ان لوگوں کیا حالت ہوگی جو مدت تک سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے۔ واللہ اعلم

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو ہی گروہ تھے (۱) کامل مومن متقی (۲) کافر۔ اسی لیے اللہ کا کلام انہی دونوں گروہوں کے تذکرہ سے بھرا ہوا ہے گنہگار مسلمانوں کا ذکر تو بہت کم آیا ہے کیونکہ کلام کا رخ عموماً حاضرین کی طرف ہوتا ہے (اور آنے والوں کے لیے حکم کا شمول بطور نیابت ہوتا ہے اگر حاضرین کے ساتھ اس حکم کی خصوصیت نہ ہو)

شرک کے سوا سب گناہ معاف ہوسکتے ہیں:

تمام علماء (سلف وخلف) کا اجماع بھی ہے کہ اللہ شرک کو معاف نہیں فرمائے گا اور شرک کے سوا جس کو چاہیگا بخشدیگا خواہ اس نے توبہ کی ہو یا نہ کی ہو۔ اللہ نے فرمایا

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ
اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ

اے میرے وہ بندو! جنھوں نے اپنے اوپر خود زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اللہ سب گناہ بخش دے گا بلاشبہ وہی غفور رحیم ہے۔

دوسری آیت میں ہے یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا۔ تیسری آیت میں ہے فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ۔ جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کے سامنے آئے گی لہٰذا مومن کے لیے دوامی دوزخ کا قول درست نہیں خواہ وہ بدکار رہا ہو اور اس کے گناہ معاف نہ کئے جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث من قال لا اله الا الله دخل الجنة تو حد تواتر تک پہنچ گئی جس نے لا اله الا الله کہا وہ جنت میں داخل ہو گیا (یعنی اس کے لیے دوامی دوزخ نہیں خواہ گناہوں کا عذاب اس کو ایک مدت تک ہوتا رہے)

پھر اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کے سامنے آئے گی۔ یعنی اگر اللہ اس کو معاف نہ کرے گا اور سزا دینا چاہے گا تو دوزخ کے اندر اس کی سزا اس کے سامنے آئے گی۔ اگر ممنوعات کے ارتکاب اور واجبات کے ترک کا تقاضا جہنم نہیں تو شریعت کے اوامر ونواہی فریب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھیں گے اور اس کا قائل سوائے کاہن یا دیوانہ کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ:

مسند احمد میں ہے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ اپنے خطبہ میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے خطبہ کی حالت میں سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت بلند آواز سے فرما رہے تھے یہاں تک کہ اس جگہ سے بازار تک آواز پہنچے اور بار بار فرماتے تھے کہ لوگوں میں تمہیں جہنم کی آگ سے ڈرا چکا ،لوگوں میں تمہیں جہنم کی آگ سے ڈرا رہا ہوں ،بار بار یہ فرما رہے تھے، یہاں تک کہ چادر مبارک کندھوں سے سرک کر پیروں میں گر پڑی۔

ادنیٰ درجہ کا جہنمی:

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ سب سے ہلکے عذاب والا جہنمی قیامت کے دن وہ ہوگا جس کے دونوں تلووں تلے دو انگارے رکھ دیئے جائیں گے جس سے اس کا دماغ ابل رہا ہوگا۔　(تفسیر ابن کثیر)

وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی ﴿۱۷﴾
اور بچا دینگے اُس سے بڑے ڈرنیوالے کو☆

یعنی ایسے لوگوں کو اس کی ہوا تک بھی نہیں لگے گی۔ صاف بچا دیئے جائینگے۔　(تفسیر عثمانی)

صحابہ کرام سب کے سب جہنم سے محفوظ ہیں:

وجہ یہ ہے کہ اول تو ان حضرات میں کسی سے بھی گناہ کا صدور بہت ہی شاذ و نادر ہوا ہے اور بوجہ خوف آخرت کے ان کے حالات سے یہ لازم معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی سے کوئی گناہ ہوا بھی ہے تو اس نے توبہ کرلی ہوگی۔ پھر اس کے ایک گناہ کے مقابلہ میں اس کے اعمال حسنہ اتنے زیادہ ہیں کہ ان کی وجہ سے بھی یہ گناہ معاف ہو سکتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ،یعنی نیک اعمال برے اعمال کا کفارہ بن جاتے ہیں اور خود صحبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسا عمل ہے جو تمام اعمال حسنہ پر غالب ہے۔

حدیث میں صلحاء امت کے بارے میں آیا ہے هم قوم لا یشقی جلیسهم و لا یخاب انیسهم . (صحیحین) یعنی یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے ساتھ بیٹھنے والا شقی و نامراد نہیں ہوسکتا اور جو ان سے مانوس ہو وہ محروم نہیں رہ سکتا تو جو شخص سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا جلیس وانیس ہو وہ کیسے شقی ہوسکتا ہے اس لئے احادیث صحیحہ میں اس کی تصریحات موجود ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سب کے سب ہی عذاب جہنم سے بری ہیں۔ خود

قرآن کریم میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں یہ موجود ہے وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى یعنی ان میں سے ہر ایک کے لئے اللہ نے حسنٰی یعنی جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور دوسری آیت میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ. یعنی جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے حسنٰی مقدر ہو چکی ہے وہ نار جہنم سے دور رہیں گے اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جہنم کی آگ اس شخص کو نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا ہے۔ (ترمذی عن جابرؓ)

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى۔ یہ اہل شقاوت کے مقابل اہل سعادت تقویٰ شعار حضرات کی جزاء کا بیان ہے کہ جو آدمی اتقی یعنی مکمل اطاعت حق کا خوگر ہو اور وہ اپنا مال صرف اللہ کی راہ میں اس لئے خرچ کرتا ہے کہ وہ گناہوں سے پاک ہو جائے ایسا شخص اس جہنم کی آگ سے دور رکھا جائے گا۔

شان صدیق اکبر:

الفاظ آیت کے تو عام ہیں جو شخص بھی ایمان کے ساتھ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے اس کے لئے یہ بشارت ہے لیکن شان نزول کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مراد اس لفظ اتقی سے حضرت صدیق اکبرؓ ہیں۔ ابن ابی حاتم نے عروۃ سے نقل کیا ہے کہ سات مسلمان ایسے تھے جن کو کفار مکہ نے اپنا غلام بنایا ہوا تھا جب وہ مسلمان ہو گئے تو ان کو طرح طرح کی ایذائیں دیتے تھے حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنا بڑا مال خرچ کر کے ان کو کفار سے خرید کر آزاد کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

تقویٰ کا اعلیٰ مرتبہ:

اَلْاَتْقٰى شرک جلی و خفی اور جسمانی قلبی اور نفسانی گناہوں سے پرہیز رکھنے ولا، اتقی کا درجہ اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب نفس مزکی اور مطمئنہ ہو جائے۔ (مظہری)

> الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾
>
> جو دیتا ہے اپنا مال دل پاک کرنے کو☆

یعنی نفس کو اخلاق رذیلہ بخل وطمع وغیرہ سے پاک کرنا مقصود ہے۔ کسی طرح کا ریاء اور نمود و نمائش یا دنیوی اغراض پیش نظر نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

يَتَزَكّٰى یوتی سے بدل ہے یا یوتی کے فاعل کی حالت کا اظہار ہے یعنی وہ مصارف خیر میں اس غرض سے مال خرچ کرتا ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک پاک ہو جائے ریاکاری اور شہرت طلبی اس کے پیش نظر نہیں ہوتی۔

میں کہتا ہوں کہ اس صورت میں الف لام عہدی ہوگا (اور معہود حضرت ابو بکر صدیقؓ) حاکم نے بروایت عبداللہ زبیر لکھا ہے کہ ابوقحافہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور غلاموں کو خرید کر آزاد کرتے ہو (جو آزاد ہونے کے بعد تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے) اگر تم طاقتور مردوں کو (خرید کر) آزاد کرو تو وہ تمہاری حفاظت بھی کریں اور تمہاری خدمت بھی کریں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا ابا میں اس چیز کا طالب ہوں جو اللہ کے پاس ہے (یعنی جنت) اس پر آیت فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى الخ آخر سورت تک نازل ہوئی۔

حضرت بلال کی آزادی:

محمد بن اسحاقؒ نے بیان کیا ہے کہ حضرت بلالؓ کے باپ کا نام رباح اور ماں کا نام حمامۃ تھا آپ خاندان بنی جمح میں سے کسی کے غلام تھے مگر آپ اسلام میں سچے اور پاکیزہ دل والے تھے۔ امیہ بن خلف تپتی دوپہر میں آپ کو باہر نکال کر مکہ کی وادی میں پشت کے بل لٹا دیتا تھا اور اوپر سے سینہ پر ایک بڑا پتھر رکھوا دیتا تھا پھر کہتا تھا یا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر ورنہ اسی حالت میں مر جائے گا (مرنے تک یونہی رکھوں گا) مگر حضرت بلالؓ اسی تکلیف میں بھی احد احد کہتے تھے۔

محمد بن اسحاقؒ نے بروایت ہشامؒ بن عروہ، عروہ کا قول نقل کیا ہے کہ ایک روز حضرت بلالؓ کی طرف سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا گزر ہوا لوگ بلالؓ کے ساتھ یہی حرکت کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا بھی مکان بنی جمح کے محلہ میں ہی تھا۔ آپ نے امیہ سے فرمایا اس بیچارے کے معاملے میں تم کو ڈر نہیں لگتا۔ امیہ نے کہا تم ہی اس کو لے کر اس مصیبت سے رہائی دلا دو،

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ میں ایسا کروں گا میرے پاس ایک بڑا طاقتور، قوی، حبشی غلام ہے میں اس کے عوض وہ غلام تم کو دیتا ہوں، امیہ نے کہا، میں نے (تبادلہ) کر لیا حضرت ابوبکرؓ نے اپنے غلام کو دیدیا اور بلال کو لے کر آزاد کر دیا۔

وہ غلام جنہیں حضرت ابوبکرؓ نے آزاد کرایا:

پھر ہجرت سے پہلے ہی حضرت بلالؓ کے ساتھ چھ (ایسے اور غلام) بھی آزاد کئے بلال ساتویں تھے ان میں سے ایک عامر بن فہیرہؓ تھے جو بدر میں شریک تھے اور بیر معونہ کے واقعہ میں شہید ہوئے۔ ایک ام عمیسؓ تھیں آزادی کے وقت ان کی نگاہ جاتی رہی تھی جس پر قریش کہنے لگے کہ آزادی نے ان کی نگاہ کھو دی۔ ایک ام عمیسؓ کی بیٹی ہدنہ تھی۔ یہ دونوں ماں بیٹیاں خاندان عبدالدار کی ایک عورت کی باندیاں تھیں اور ان کی مالکہ ان سے آٹا پسواتی تھی اور کہتی تھی کہ خدا کی قسم میں تم کو آزاد نہیں کروں گی۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے فرمایا کہ اری فلاں کی ماں ان دونوں کا بند خلاص کر دے اس نے جواب دیا تم ہی ان دونوں کا عوض دے کر انہیں آزاد کر دو

حضرت نے پوچھا کیا قیمت لے گی اس نے کچھ قیمت بتائی حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میں نے (اس قیمت پر) ان کو لیا اور یہ دونوں آزاد ہیں۔

بنی مومل کے خاندان کی ایک لونڈی تھی جس کو اسلام کی وجہ سے دکھ دیئے جاتے تھے۔ حضرت نے اس کو بھی خرید کر آزاد کر دیا۔ سعید بن مسیّب نے کہا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب بلال رضی اللہ عنہ کو خریدنے کی خواہش کی تو امیہ بن خلف نے جواب دیا کہ ہاں میں بلالؓ کو بیچتا ہوں مگر نسطاش کے عوض بیچوں گا۔ نسطاش حضرت ابوبکرؓ کا غلام تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے پاس دس ہزار دینار اور بہت باندی غلام اور مویشی تھے۔ آپ نے نسطاش کو مسلمان ہونے کی ترغیب دی تھی اور فرمایا تھا کہ اگر تو مسلمان ہو جائے تو یہ سب مال تیرا ہو جائے گا لیکن نسطاش نے انکار کر دیا تھا اور آپ کو اس سے نفرت ہو گئی تھی۔

جب امیہ نے بلال کو نسطاش کے عوض بیچنے کا اظہار کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے اس کو غنیمت جانا اور تبادلہ کر لیا اس پر مشرک کہنے لگے کہ بلالؓ کا حضرت ابوبکرؓ پر کوئی احسان ہو گا جس کی وجہ سے ابوبکرؓ نے یہ سودا کیا ہے اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿١٩﴾
اور نہیں کسی کا اُس پر احسان جس کا بدلہ دے
اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿٢٠﴾
مگر واسطے چاہنے مرضی اپنے رب کی جو سب سے برتر ہے
وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿٢١﴾
اور آگے وہ راضی ہوگا ☆

حضرت صدیق اکبرؓ کی عظمت:

یعنی خرچ کرنے سے کسی مخلوق کے احسان کا بدلہ اتارنا مقصود نہیں۔ بلکہ خالص رضاء مولیٰ کی طلب اور دیدار الٰہی کی تمنا میں گھر بارلٹا رہا ہے تو وہ اطمینان رکھے کہ اسے ضرور خوش کر دیا جائیگا' اور اس کی یہ تمنا ضرور پوری ہو کر رہے گی اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ" (تنبیہ) اگرچہ مضمون آیات کا عام ہے لیکن روایات کثیرہ شاہد ہیں کہ ان آخری آیات کا نزول سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان میں ہوا اور یہ بہت بڑی دلیل ان کی فضیلت و برتری کی ہے۔ زہے نصیب اس بندے کے جس کے اتقیٰ ہونے کی تصدیق آسمان سے ہو "اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ" اور خود حضرت حق سے اُس کو وَلَسَوْفَ يَرْضٰى کی بشارت سنائی جائے۔ فی الحقیقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حق میں وَلَسَوْفَ يَرْضٰى کی بشارت ایک انعکاس ہے اس بشارت عظمیٰ کا جو آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں آ رہی ہے "وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى" (تفسیر عثمانی)

روایت سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جب اسلام میں داخل ہوئے تو اس وقت وہ قریش میں بڑے ہی مالدار تھے اور ان کا شمار اہل مکہ کے بڑے تاجروں میں ہوتا تھا۔ اسلام لانے کے وقت چالیس ہزار درہم یا دینار کے مالک تھے۔ سب اسلام کی راہ میں خرچ کر ڈالا اور خلیفہ ہونے کے بعد خود انہوں نے اپنا وظیفہ مقرر فرمایا وہ صرف دو درہم یومیہ تھا جو وہ بیت المال سے لیتے۔

انتقال کے وقت فقیر و نادار تھے ایک دینار بھی ترکہ میں نہیں تھا جس چادر میں بیماری کے دن گزارے اسی میں وصیت فرمائی کہ کفن دیا جائے۔ اہل وعیال کے لئے زمین، جائیداد تو درکنار ایک جبہ بھی نہیں چھوڑا۔ اپنے زمانہ خلافت میں اپنے عزیز و اقارب میں سے کسی کو کوئی عہدہ یا منصب نہیں دیا۔ حالانکہ پورا حجاز، نجد، یمن، طائف، بحرین و عمان سب ان کے زیر نگیں تھے۔

حضرت فاروق اعظم کی شان:

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح حضرت عمر فاروقؓ نے بھی ان تمام چیزوں سے اپنے خاندان اور عزیزوں کو دور رکھا۔ حتیٰ کہ ان کے احباب و مخلصین ہر چند کوشش کرتے رہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے صاحبزادہ عبداللہ بن عمر کو اپنا جانشین بنا دیں لوگ ان کے فضائل و اوصاف بیان کر کے اس امر کے برحق ہونے کو ثابت بھی کرتے رہے مگر فاروق اعظمؓ نے ان باتوں میں سے کسی کی طرف ادنیٰ توجہ بھی نہ دی اور جواب میں یہ فرمایا کہ اس امر کا بوجھ برداشت کرنے کے لئے تو خطاب کی اولاد میں سے بس عمر ہی کافی ہے۔ (سبحان اللہ)

کیسی احتیاط تھی کہ آئندہ خلیفہ کے واسطے جو مجلس شوریٰ مرتب فرمائی اس میں بھی اپنے بیٹے کو نہ رکھا اور صرف اس حد تک اجازت دی کہ وہ مجلس میں بیٹھ کر باتیں سن سکتا ہے اور اگر کوئی بات اس کے خیال میں آئے تو کہہ سکتا ہے لیکن اصولاً ان کا شمار اراکین شوریٰ میں نہ ہوگا اور نہ ہی کسی فیصلہ کا حق ہوگا۔

اسلام پر حضرت ابوبکرؓ کے احسانات:

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ اپنے مال و جان سے مجھ پر احسان کرنے والا (صرف) ابوبکر صدیقؓ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ دنیا میں جس کسی نے بھی مجھ پر احسان کیا ہے میں نے اس کا بدلہ دیدیا اور اس کے احسان کو اتار دیا مگر ابوبکرؓ کا احسان! کہ اس کو میں نہیں اتار سکتا۔ اس کا بدلہ بس اللہ ہی ان کو قیامت کے روز ادا کرے گا۔ اللہ کی راہ میں اپنا سارا مال خرچ کر دیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ پہننے کے لئے کپڑے بھی نہ رہے۔ ایک کمبل میں درخت کا کانٹا

لگا کر اپنے بدن پر لپیٹ رکھا تھا۔ اسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اتنے میں جبرئیل امین علیہ السلام بھی نازل ہوئے اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر کو کہہ دو کہ خدا تم کو سلام کہتا ہے اور پوچھتا ہے کہ اے ابوبکرؓ کیا تم اس وقت میں مجھ سے راضی ہو یا دل میں کچھ کدورت ہے۔ یہ سننا تھا کہ ابوبکرؓ پر ایک وجد کی کیفیت طاری ہوگئی اور ......بیقراری کے عالم میں روتے ہوئے کہنے لگے ہائے ہائے کیا مجھے اپنے مولیٰ سے کدورت ہوسکتی ہے۔ انا عن ربی راض .انا عن ربی راض کے الفاظ زبان سے جاری ہوگئے اور دیر تک یہی کہتے رہے میں تو اپنے رب سے راضی ہوں۔ میں تو اپنے رب سے راضی ہوں۔

بڑا بہادر اور سب سے زیادہ مہربان:

محدثین نے بالعموم اس روایت کو اس طرح نقل کیا ہے کہ ایک بار حضرت علی کے صاحبزادے محمد بن حنفیہؒ نے پوچھا کہ بتایئے کہ سب سے زیادہ بہادر کون ہے تو اس پر آپ نے جواب دیا کہ ابوبکرؓ اور پھر اس کے ثبوت میں یہ روایت ذکر کی جو صحاح ستہ میں موجود ہے صدیق اکبرؓ صرف اشجع الناس ہی نہیں بلکہ ارحم الناس بھی تھے۔

صداقت وامانت کا پیکر:

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بلا کسی اختلاف کے تمام صحابہ کا ابوبکر کے ہاتھ پر بصد رضاء ورغبت بیعت کر لینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صدیق اکبرؓ جملہ فضائل وشمائل حسنہ کا مجموعہ اور صداقت وامانت کا پیکر تھے۔ اور اس امر کا واضح ثبوت تھا تمام حضرات صحابہ اس پر متفق تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے اول جانشین اور خلیفہ ابوبکر صدیقؓ ہی تھے۔

پھر یہ کہ ابوبکرؓ ہی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنے مصلی پر مسلمانوں کی امامت کرنے کا حکم صادر فرمایا اور کسی بھی کوشش کو اس کے بالمقابل نہ پنپنے دیا بلکہ اس پر ناگواری سے تنبیہ فرمائی اور سب مسلمانوں کو ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دے کر یہ بتایا کہ اب یہ تمہارے امام اور امیر ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

رضا خداوندی کا تمغہ:

وَلَسَوْفَ يَرْضٰى یعنی جس شخص نے اپنا مال خرچ کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو دیکھ کر اپنا کوئی دنیاوی فائدہ نہیں دیکھا تو اللہ بھی آخرت میں اس کو راضی کر دیں گے اور جنت کی نعماء عجیبہ دائمہ نصیب فرمادیں گے۔ شان نزول کے واقعہ سے ان آیات کا صدیق اکبر کی شان میں نازل ہونا ثابت ہے اس لئے یہ آخری کلمہ حضرت صدیق اکبرؓ کے لئے ایک عظیم خوشخبری اور اعزاز ہے کہ ان کو دنیا ہی میں اللہ کی طرف سے راضی کر دیئے جانے کی خوشخبری سنا دی۔ (معارف مفتی اعظم)

اللہ اس کے اس فعل سے ضرور راضی ہوگا یا وہ اللہ کی عطاء کردہ جزاء اور عزت ہے آخرت میں خوش بھی ہو جائے گا یہ آیت حضرت ابوبکرؓ کے متعلق اسی طرح ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے اللہ نے فرمایا ہے۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔

انبیاء کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ کا سب لوگوں سے زیادہ متقی ہونا بتا رہا ہے کہ آپ سب سے افضل بھی تھے کیونکہ اللہ نے فرمایا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ وہی معزز ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ اجماع اہل سنت بھی اسی پر ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم حضرت ابوبکرؓ کا ہم پلہ کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔ آپ کے بعد حضرت عمرؓ تھے اور پھر حضرت عثمانؓ تھے پھر باقی صحابہؓ کو ہم یونہی چھوڑ دیتے کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔ (بخاری)

محمد بن حنفیہ نے حضرت علیؓ سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون تھا فرمایا حضرت ابوبکرؓ۔ پوچھا پھر کون، فرمایا حضرت عمرؓ۔ (بخاری) (تفسیر مظہری)

جنت کے سب دروازوں سے بلائی جانے والی شخصیت:

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جو شخص جوڑا خدا کی راہ میں خرچ کرے اسے جنت کے داروغے پکاریں گے کہ اے اللہ کے بندے ادھر سے آ یہ دروازہ سب سے اچھا ہے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! کوئی ضرورت تو ایسی نہیں لیکن فرمایئے کوئی ایسا بھی ہے جو کہ جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ہے اور مجھے خدا سے امید ہے کہ تم ان میں سے ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

الحمد للہ سورۃ اللیل ختم ہوئی

سورۃ الضحٰی

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے گا وہ یتیموں اور مساکین کی عزت کرے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشَرَةَ اٰيَةً
سورۃ الضحیٰ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
وَالضُّحٰى ۙ﴿۱﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ﴿۲﴾
قسم دھوپ چڑھتے وقت کی اور رات کی جب چھا جائے
مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ؕ﴿۳﴾
نہ رخصت کر دیا تجھ کو تیرے رب نے اور نہ بیزار ہوا☆

شانِ نزول: روایات صحیحہ میں ہے کہ جبریل علیہ السلام دیر تک رسول اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ آئے (یعنی وحی قرآنی بند رہی) مشرکین کہنے لگے کہ (لیجئے) محمد کو اس کے رب نے رخصت کر دیا۔ اس کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ میرا گمان یہ ہے (واللہ اعلم) کہ یہ زمانہ فترۃ الوحی کا ہے جب ''سورۃ اقرا'' کی ابتدائی آیات نازل ہونے کے بعد ایک طویل مدت تک وحی رکی رہی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اس فترت کے زمانہ میں سخت مغموم ومضطرب رہتے تھے تا آنکہ فرشتے نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ'' کا خطاب سنایا۔ اغلب ہے کہ اس وقت مخالفوں نے اس طرح کی چہ میگوئیاں کی ہوں چنانچہ ابن کثیرؒ نے محمد بن اسحاق وغیرہ سے جو الفاظ نقل کیے وہ اسی احتمال کی تائید کرتے ہیں ممکن ہے کہ اسی دوران میں وہ قصہ بھی پیش آیا ہو جو بعض احادیث صحیحہ میں بیان ہوا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیماری کی وجہ سے دو تین رات نہ اٹھ سکے، تو ایک (خبیث) عورت کہنے لگی اے محمد! معلوم ہوتا ہے تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے (العیاذ باللہ) غرض ان سب خرافات کا جواب سورہ'' والضحی'' میں دیا گیا ہے پہلے قسم کھائی دھوپ چڑھتے وقت کی اور اندھیری رات کی پھر فرمایا کہ (دشمنوں کے سب خیالات غلط ہیں) نہ تیرا رب تجھ سے ناراض اور بیزار ہوا نہ تجھ کو رخصت کیا بلکہ جس طرح ظاہر میں وہ اپنی قدرت وحکمت کے مختلف نشان ظاہر کرتا اور دن کے پیچھے رات اور رات کے پیچھے دن کو لاتا ہے۔ یہی کیفیت باطنی حالات کی سمجھو اگر سورج کی دھوپ کے بعد رات کی تاریکی کا آنا اللہ کی خفگی اور ناراضی کی دلیل نہیں اور نہ اس کا ثبوت ہے کہ اس کے بعد دن کا اجالا کبھی نہ ہوگا تو چند روز نور وحی کے رکے رہنے سے یہ کیونکر سمجھ لیا جائے آجکل خدا اپنے منتخب کیے ہوئے پیغمبر سے خفا اور ناراض ہو گیا اور ہمیشہ کے لیے وحی کا دروازہ بند کر دیا ایسا کہنا تو خدا کے علم محیط اور حکمت بالغہ پر اعتراض کرنا ہے گویا اسے خبر نہ تھی کہ جس کو میں نبی بنا رہا ہوں وہ آئندہ چل کر اس کا اہل ثابت نہ ہوگا؟ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

اس سورت کے سبب نزول کے متعلق بخاری ومسلم میں حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے اور ترمذی نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک انگلی زخمی ہوگئی اس سے خون جاری ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان انت الا اصبع دمیت و فی سبیل اللہ ما لقیت، یعنی تو ایک انگلی ہی تو ہے جو خون آلودہ ہوگئی اور جو کچھ تکلیف تجھے پہنچی وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (اس لئے کیا غم ہے) حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ ذکر کر کے فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد (کچھ روز) جبرئیل امین کوئی وحی لیکر نہیں آئے تو مشرکین مکہ نے یہ طعنہ دینا شروع کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے خدا نے چھوڑ دیا اور ناراض ہو گیا۔ اس پر یہ سورت ضحیٰ نازل ہوئی۔ حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی روایت جو بخاری میں ہے اس میں ایک دو رات تہجد میں نہ اٹھنے کا ذکر ہے۔ وحی میں تاخیر کا ذکر نہیں اور ترمذی میں تہجد میں ایک دو رات نہ اٹھنے کا ذکر نہیں صرف وحی میں تاخیر کا ذکر ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بیمار ہو گئے اور ایک دو راتیں نماز کو نہ اٹھ سکے۔ یہ دیکھ کر ایک عورت کہنے لگی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا شیطان تم کو چھوڑ گیا اس پر مندرجہ ذیل آیات کا نزول ہوا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ انہوں نے یعنی حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جس عورت نے مذکورہ بالا بات کہی تھی وہ ابولہب کی بیوی ام جمیل تھی۔

حاکم نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ کچھ دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یونہی رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل نہیں ہوئی۔ تو ابولہب کی بیوی ام جمیل نے کہا یہی نظر آتا ہے کہ تیرے ساتھی نے تجھے چھوڑ دیا۔ اور تجھ سے نفرت کرنے لگا اس پر اللہ نے والضحٰی الخ نازل فرمائی۔

سعید بن منصور نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آنے میں کچھ دیر ہوگئی مشرک کہنے لگے کہ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا۔

اس پر آیات مذکورہ کا نزول ہوا۔ ابن جریر رضی اللہ عنہ نے شداد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے صبری دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب آپ سے ناراض ہو گیا ہے اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ دونوں مذکورہ روایتیں مرسل ہیں۔ اور راوی دونوں کے ثقہ ہیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ام جمیل اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دونوں نے یہ بات کہی تھی۔ مگر اول نے خوش ہو کر اور دوسری نے دردمندی کے اظہار کے لئے۔

ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے ایک ایسی سند کے ساتھ بیان کیا ہے جس میں ایک مجہول شخص نے حفص بن میسرہ قریشی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے اور حفص رضی اللہ عنہ نے اپنی ماں کا اور اس کی ماں نے اپنی ماں کا اور یہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ تھی کہ کتے کا ایک بچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوٹھڑی میں گھس آیا اور آپ کے تخت کے نیچے جا چھپا اور مر گیا۔ (اس کی وجہ سے) چار روز تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نہیں آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خولہ رضی اللہ عنہا دیکھ تو میری کوٹھڑی میں کیا نئی بات ہوگئی میرے پاس جبرئیل علیہ السلام نہیں آتے۔ میں نے اپنے دل میں کہا مجھے کوٹھڑی کی صفائی کرنی اور جھاڑو دینی چاہئے چنانچہ میں جھاڑو لیکر تخت کے نیچے جھکی اور اس (مردہ) بچہ کو نکالا اس کے بعد میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک میں لرزہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ ہی تھا کہ وحی کے نزول کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے والضحی ...... ترضی تک نازل فرمائی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا کہ کتے کے بچے کی وجہ سے جبرئیل علیہ السلام کے آنے میں تاخیر کی روایت تو مشہور ہے مگر اس قصہ کا والضحی کے نزول کا سبب ہونا غریب بلکہ شاذ ہے۔ جو قابل قبول نہیں۔

انقطاع وحی کی مدت:

بغوی نے لکھا کہ انقطاع وحی کی مدت کے متعلق مختلف روایات آئی ہیں۔ ابن جریج نے ۱۲ دن اور مقاتل نے چالیس روز کی تعیین کی ہے۔ مقاتل نے کہا اس پر مشرک کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا۔ تو اس کے رد میں یہ سورت نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول بھی بروایت ابن مردویہ یہی آیا ہے۔ جب جبرئیل علیہ السلام آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا آپ نہیں آئے میں تو آپ کا مشتاق تھا۔ جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا۔ مجھے آپ کے پاس آنے کا بہت ہی شوق تھا مگر حکم کا بندہ ہوں ہم خود رب کے حکم کے بغیر نہیں اترتے۔

چاشت کا وقت:

وَالضُّحٰی قسم ہے وقت چاشت کی یا دن کی۔ بعض کا قول ہے کہ ضحی سے مراد دن ہے اس لئے کہ لیل کے مقابل آیا ہے۔ اللہ نے فرمایا ان یاتیھم باسنا ضحی۔ یعنی دن میں۔ قتادہ اور مقاتل نے کہا وقت ضحیٰ مراد ہے۔ یعنی سورج کے چڑھنے کا وقت اس وقت کی خصوصیت کی وجہ بعض لوگوں نے یہ بیان کی ہے کہ سردی میں گرمی میں جاڑے میں موسم گرما میں ہر موسم میں اس وقت اعتدالی کیفیت رہتی ہے۔

قتادہ اور ابن سکن نے کہا جب اوس کی تاریکی ٹھہر جائے کہ اس کے بعد اندھیرے میں زیادتی نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

ہر سورت کے خاتمہ پر اللہ اکبر کہنا:

اسماعیل بن قسطنطین اور شبل بن عباد کے سامنے حضرت عکرمہؒ تلاوت قرآن کر رہے تھے۔ جب اس سورت پر پہنچے تو دونوں نے فرمایا کہ اب سے آخر تک ہر سورت کے خاتمہ پر اللہ اکبر کہا کرو۔ ہم نے ابن کثیرؒ کے سامنے پڑھا تو انہوں نے بھی ہمیں یہی فرمایا۔ اور انہوں نے فرمایا کہ ہم سے مجاہد نے یہ فرمایا ہے اور مجاہد کو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہی تعلیم تھی۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہی فرمایا تھا۔ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا تھا۔ امام القراءت حضرت ابو الحسن بھی اس سنت کے راوی ہیں۔ رازی اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں۔

صوفی کی ایک حالت:

صوفی مخلوق کو اللہ کی طرف بلاتا ہے۔ لوگوں کو ہدایت کرتا ہے اس لئے مخلوق کی طرف توجہ کرتا ہے۔ بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ وہ اللہ سے کٹ کر مخلوق کی طرف متوجہ ہو گیا مگر گہری نظر سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اللہ سے کامل انقطاع نہیں ہوتا بلکہ یہ انقطاع تو بحکم محبوب ہوتا ہے۔ اور اسی کی مرضی سے ہوتا ہے۔ اس لئے یہ انقطاع بھی اتصال کا حکم رکھتا ہے۔ اور حقیقت میں یہ وصل ہی ہوتا ہے۔ بلکہ وصل کا اعلیٰ درجہ ہوتا ہے۔ اس مرتبہ کو صوفی نزول اور سیر من اللہ باللہ کہتا ہے مگر یہ حالت صوفی کی بڑی بے چینی اور اضطراب کی ہوتی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مچھلی کو سمندر سے نکال کر خشک میدان میں ڈال دیا گیا ہے۔ اور وہ تڑپ رہی ہے۔

انبیائے کرام کی تکلیف:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مَااُوْذِیَ اَحَدٌ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ جیسا مجھے دکھ دیا گیا ایسا کسی کو نہیں دیا گیا۔

(رواہ ابن عدی وابن عساکر وابو نعیم فی الحلیۃ عن انس)

اگر حدیث کا یہ مطلب قرار نہ دیا جائے تو کوئی اور توجیہ ممکن نہیں کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کو تو نو سو پچاس برس دکھ اٹھانے پڑے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اتنی ایذاء دی گئی کہ آپ کو آسمان پر اٹھالیا گیا۔ اور حضرت یحییٰ علیہ السلام وغیرہ اس راہ میں شہید کر دیئے گئے۔ اس مطلب کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ غالباً سورہ والضحیٰ اور الم نشرح کا نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے ہوا۔ اس وقت ابتدائی دور تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نزولی حالت کا آغاز تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف:

یہاں تک کہ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کئی بار اس ارادہ سے نکلے کہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے اپنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرا دیں لیکن جب بھی نیچے گرنے کے ارادہ سے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے جبرئیل علیہ السلام نے ندا دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔

ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے چینی کو دیکھ کر ہی کہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خفا ہو گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت کے زائل ہو جانے کے خواستگار تھے۔ جس میں خالق سے انقطاع اور مخلوق کی طرف میلان ہو گیا تھا۔ اور جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف سے بالکل ترک اور خفگی سمجھ لیا تھا۔ اور اسی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج تھا۔ اور دل سے خواہشمند تھے۔ کہ اللہ سے دوامی تعلق اور بلا حجاب وصل قائم رہے۔

حالت فراق کی تکلیف کا انعام:

اس تفصیل کی روشنی میں آیت مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ فراقی حالت جو تم کو پیش ہے ترک تعلق اور ناراضگی نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رنجیدہ ہوں بلکہ یہ کمال عروج و وصل ہے اگرچہ ظاہر میں نزول و فراق ہے تمہاری ہر دوسری حالت پہلی حالت سے بہتر ہی ہوگی تمہارے احوال میں ضعف اور سستی نہیں آئے گی بالآخر دوسری زندگی میں تم کو غیر منقطع وصل اور دیدار حاصل ہو جائے گا وہاں نہ تبلیغ کا حکم ہوگا نہ خلق کی طرف تمہاری توجہ نہ فراق کی تکلیف اور دنیا اور آخرت میں اللہ تم کو تمہاری پسندیدہ اور محبوب چیزیں عنایت فرمائے گا۔ (تفسیر مظہری)

آیت ما ودعک ربک و ما قلی کے ضمن میں یہ بات آ گئی ہے کہ اللہ وحی بھیج کر تم کو اپنے ساتھ ملائے رکھے گا۔ تم حبیب خدا ہو اور اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے۔ اب اس آیت میں بتایا کہ آخرت میں تمہارا درجہ اس سے بڑا ہوگا وہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہوگی۔ تمام انبیاء کی سرداری حاصل ہوگی۔ مقام محمود عطا کیا جائے گا۔ جس پر پچھلے اگلے سب رشک کریں گے۔ تمہاری امت دوسری امتوں کی شاہد ہوگی۔

بغوی نے بسند ابن ابی شیبہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم اہل بیت کے لئے اللہ نے دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو ترجیح دی ہے۔

یا آیت کا یہ معنی ہے کہ دوسری حالت پہلی حالت سے بہتر ہوگی اور انجام امر آغاز سے اچھا ہوگا۔ یعنی بزرگی اور کمال میں تم برابر ترقی کرتے رہو گے۔ صوفیہ کا قول ہے جس کے دونوں دن برابر ہوں (دوسرا دن پہلے سے بہتر نہ ہو) وہ گھاٹے میں ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝
اور البتہ پچھلی بہتر ہے تجھ کو پہلی سے ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مرتبے:

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پچھلی حالت پہلی حالت سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے وحی کی یہ چند روزہ رکاوٹ آپ کے نزول و انحطاط کا سبب نہیں بلکہ بیش از بیش عروج و ارتقاء کا ذریعہ ہے اور اگر پچھلی سے بھی پچھلی حالت کا تصور کیا جائے یعنی آخرت کی شان و شکوہ کا جبکہ آدم اور آدم کی ساری اولاد آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوگی۔ تو وہاں کی بزرگی اور فضیلت تو یہاں کے اعزاز و اکرام سے بیشمار درجہ بڑھ کر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

میں کہاں؟ دنیا کہاں؟

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بوریئے پر سوئے جسم مبارک پر بوریئے کے نشان پڑ گئے۔ جب بیدار ہوئے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کروٹ پر ہاتھ پھیرنے لگا اور کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کیوں اجازت نہیں دیتے کہ اس بوریئے پر کچھ بچھا دیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا واسطہ؟ میں کہاں دنیا کہاں؟ میری اور دنیا کی مثال تو اس راہرو سوار کی طرح ہے جو کسی درخت تلے ذرا سی دیر ٹھہر جائے پھر اسے چھوڑ کر چل دے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور حسن ہے۔ (تفسیر مظہری)

نوازشات الٰہیہ:

ایک روایت میں ہے کہ جو خزانے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ملنے والے تھے وہ ایک ایک کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کئے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اس پر یہ آیت اتری، جنت میں ایک ہزار محل آپ کو دیئے گئے ہر ہر محل میں پاک بیویاں اور بہترین خادم ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہ تک اس کی سند صحیح ہے اور بظاہر ایسی بات بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے روایت نہیں ہو سکتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿۵﴾

اور آگے دے گا تجھ کو تیرا رب پھر تو راضی ہو گا ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا:

یعنی ناراض اور بیزار ہو کر چھوڑ دینا کیسا' ابھی تو تیرا رب تجھ کو (دنیا و آخرت) میں اس قدر دولتیں اور نعمتیں عطا فرمائیگا کہ تو پوری طرح مطمئن اور راضی ہو جائے۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محمد راضی نہیں ہوگا جب تک اس کی امت کا ایک آدمی بھی دوزخ میں رہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ (تفسیر عثمانی)

حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذًا لَّا اَرْضٰى وَوَاحِدٌ مِّنْ اُمَّتِي فِي النَّارِ یعنی جب یہ بات ہے تو میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک میری امت میں سے ایک آدمی فرد بھی جہنم میں رہے گا۔ (قرطبی)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمائیں گے یہاں تک کہ حق تعالیٰ فرمائیں گے رَضِيْتَ يَامحمد، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہیں، تو میں عرض کروں گا یارب رَضِيْتُ یعنی اے میرے پروردگار میں راضی ہوں۔

اور صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ہے فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ پھر دوسری آیت تلاوت فرمائی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لئے دونوں ہاتھ اٹھائے اور گریہ وزاری شروع کی اور بار بار فرماتے تھے اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ، حق تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں روتے ہیں (اور یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ ہمیں سب معلوم ہے) جبرئیل امین علیہ السلام آئے اور سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی امت کی مغفرت چاہتا ہوں۔ حق تعالیٰ نے جبرئیل امین علیہ السلام سے فرمایا کہ پھر جاؤ اور کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنجیدہ نہ کریں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى بیہقی نے دلائل میں طبرانی نے اوسط میں اور حاکم وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امت کے آئندہ فتوحات (ممالک کی فتح دولت کی کثرت اقتدار کا حصول دنیوی کامرانی وغیرہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (کشف کی حالت میں) لائے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے خوشی حاصل ہوئی اس پر آیت مذکور نازل ہوئی۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تم کو بکثرت عنایات سے نوازے گا دشمنوں پر فتح اقتدار کامل مؤمنوں کی کثرت۔ تمام عالم میں دین کی اشاعت آخرت میں شفاعت کثرت ثواب اور ایسی ایسی نعمتیں کہ ان کی حقیقت سے اللہ کے سوا کوئی واقف نہیں۔ درجات قرب میں سب سے اونچا درجہ اور سب سے بڑی نعمت یہ کہ کمال نبوت کے درجہ کے مطابق اپنے دیدار سے نوازیگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری امت میں سے اگر ایک بھی دوزخ میں رہ گیا تو میں راضی نہیں ہوں گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا (اور اللہ ان کو بخش دے گا) یہاں تک کہ میرا رب ندا دے گا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا تو اب راضی ہو گیا میں عرض کروں گا ہاں میرے رب میں راضی ہو گیا۔

عطاء کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول آیا ہے کہ يُعْطِيكَ رَبُّكَ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تجھ کو شفاعت (کی اجازت) عطا فرمائے گا۔ اور تیری امت کو تیری شفاعت سے بخش دے گا۔ یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی الٰہی میری امت (کو بخش دے) میری امت (کو بخش دے) اور رونے لگے اللہ نے حکم دیا جبرئیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر کہہ دے کہ تیری امت کے معاملہ میں ہم تجھے راضی کر دیں گے تجھ کو دکھ نہ دیں گے۔ (مسلم)

سب سے زیادہ امید آفریں آیت:

عرب بن شریح کا بیان ہے کہ حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ محمد بن علی رضی اللہ عنہ (زین العابدین رضی اللہ عنہ) سے میں نے خود سنا فرما رہے تھے کہ اے گروہ اہل عراق تم کہتے ہو کہ قرآن میں سب سے زیادہ سب سے زیادہ امید دلانے والی آیت يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ہے اور ہم اہل بیت کہتے ہیں کہ اللہ کی کتاب میں سب سے زیادہ امید آفریں آیت وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴿۶﴾

بھلا نہیں پایا تجھ کو یتیم پھر جگہ دی ☆

دُرِّ یتیم:

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پہلے ہی آپ ؐ کے والد وفات پاچکے تھے چھ سال کی عمر تھی کہ والدہ محترمہ نے رحلت کی۔ پھر آٹھ سال کی عمر تک اپنے دادا (عبدالمطلب) کی کفالت میں رہے۔ آخر اس دریتیم اور نادرہ روزگار کی ظاہری تربیت وپرورش کی سعادت آپ کے بے حد شفیق چچا ابوطالب کے حصہ میں آئی انہوں نے زندگی بھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت اور تکریم وتجبیل میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا ہجرت سے کچھ پہلے وہ بھی دنیا سے رخصت ہوئے۔ چندروز بعد یہ امانت الٰہی اللہ کے حکم سے انصار مدینہ کے گھر پہنچ گئی۔ "اوس" اور "خزرج" کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا۔ اور انہوں نے اس کی حفاظت اس طرح کی جس کی نظیر چشم فلک نے کبھی نہ دیکھی ہوگی یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ایواء کے تحت میں داخل ہیں کما اشار الیہ ابن کثیر رحمہ اللہ. (تفسیر عثمانی)

اورپرطعنہ کفار کے جواب میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر انعامات الٰہیہ کے دنیا اور آخرت میں فائز ہونے کا اجمالی ذکر آیا ہے اس میں اسکی تھوڑی سی تفصیل تین خاص نعمتوں کے ذکر سے فرمائی گئیں ہیں۔ اول اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی یعنی ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یتیم پایا کہ والد کا انتقال ولادت سے پہلے ہی ہوچکا تھا اور انہوں نے کوئی مال و جائیداد بھی نہ چھوڑی تھی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش ہوسکے، تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹھکانہ بنا دیا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب اوران کے بعد چچا ابوطالب کے دلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی محبت ڈال دی کہ صلبی اولاد سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں کوشش کرتے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تم کو یتیم پایا یعنی جب تمہارا باپ مرگیا تو تم کو خدا نے نادار بچہ پایا۔ باپ نے نہ تمہارے لئے مال چھوڑا تھا نہ کوئی ٹھکانہ۔ اس جملہ میں مَا وَدَّعَکَ کے معانی کی تاکید ہے۔

بغوی نے بحوالہ ترمذی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اللہ سے ایک درخواست کی تھی لیکن اگر نہ کی ہوتی تو میرے نزدیک بہتر ہوتا۔ میں نے عرض کیا تھا پروردگار تو نے سلیمان بن داؤد کو بڑی حکومت عطا فرمائی اور فلاں کو فلاں چیز دی۔ اللہ نے فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں نے تجھ کو یتیمی کی حالت میں نہیں پایا اور پھر کیا تجھے ٹھکانہ نہیں دیا میں نے عرض کیا بے شک پروردگار (تو نے یہ انعام فرمایا)

اللہ نے فرمایا کیا میں نے تجھے متحیر پاکر صحیح راستہ نہیں بتادیا۔ میں نے عرض کیا بے شک میرے رب (تو نے ایسا ہی کیا) اللہ نے فرمایا کیا میں نے تجھے فقیر نہیں پایا اور پھر کیا غنی نہیں بنا دیا میں نے عرض کیا بے شک پروردگار (تو نے ایسا ہی کیا)۔ بعض روایت میں اتنا زائد ہے کہ کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول کر تیرا بار تجھ سے دور نہیں کردیا۔ میں نے عرض کیا بے شک میرے رب (تو نے ایسا کردیا)۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿۷﴾
اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سجھائی ☆

بچپن سے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں توحید وعشق الٰہی کا چشمہ اُبل رہا تھا:

جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جوان ہوئے قوم کے مشرکانہ اطوار اور بیہودہ رسم وراہ سے سخت بیزار تھے اور قلب میں خدائے واحد کی عبادت کا جذبہ پورے زور کے ساتھ موجزن تھا عشق الٰہی کی آگ سینۂ مبارک میں بڑی تیزی سے بھڑک رہی تھی وصول الی اللہ اور ہدایت خلق کی اس اکمل ترین استعداد کا چشمہ جو تمام عالم سے بڑھ کر نفس قدسی میں ودیعت کیا گیا تھا اندر ہی اندر جوش مارتا تھا لیکن کوئی صاف کھلا ہوا راستہ اور مفصل راستہ اور مفصل دستور العمل بظاہر دکھائی نہ دیتا تھا جس سے اس عرش وکرسی سے زیادہ وسیع قلب کو تسکین ہوتی۔ اسی جوش طلب اور فرط محبت میں آپ ؐ بیقرار اور سرگرداں پھرتے اور غاروں اور پہاڑوں میں جاکر مالک کو یاد کرتے اور محبوب حقیقی کو پکارتے آخر اللہ تعالیٰ نے "غار حرا" میں فرشتہ کو وحی دیکر بھیجا اور وصول الی اللہ اور اصلاح خلق کی تفصیلی راہیں آپ پر کھول دیں یعنی دین حق نازل فرمایا "مَا كُنۡتَ تَدۡرِىۡ مَا الۡكِتٰبُ وَلَا الۡاِيۡمَانُ وَلٰكِنۡ جَعَلۡنٰهُ نُوۡرًا نَّهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا" الخ (شوریٰ۔ رکوع ۵) (تنبیہ) یہاں "ضَآلًّا" کے معنی کرتے وقت سورہ "یوسف" کی آیت "قَالُوۡا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِىۡ ضَلٰلِكَ الۡقَدِيۡمِ" کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى لفظ ضال کے معنی گمراہ کے بھی آتے ہیں اور ناواقف بے خبر کے بھی، یہاں دوسرے ہی معنی مراد ہوسکتے ہیں کہ نبوت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم شریعت الٰہیہ کے احکام وعلوم سے بے خبر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب نبوت پر فائز کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی فرمائی۔ (معارف مفتی اعظم)

بچپن میں گمشدگی سے حفاظت:

ابوالضحیٰ کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول آیا ہے کہ (آیت کا مطلب اس طرح ہے) تم بچہ تھے چھوٹے تھے خوبصورت تھے مکہ کے نوجوانوں میں ناقابل ذکر تھے۔ حلیمہ نے تم کو دودھ پلایا تھا پھر دودھ چھڑا

کر تمہارے دادا عبدالمطلب کے پاس تم کو واپس دینے لائی تھی۔

سعید ابن المسیب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام میسرہ کے قافلہ میں ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے ایک تاریک رات میں جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار جارہے تھے اچانک آپ کی اونٹنی کی مہار ابلیس نے پکڑ کر راستہ سے اس کا رخ موڑ دیا۔ فوراً حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر ابلیس پر پھونک ماری کہ وہ حبش میں جاگرا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قافلہ کی طرف لوٹا دیا۔

آیت کی صوفیانہ تفسیر:

بعض صوفیہ نے اس طرح تشریح کی کہ اللہ نے تم کو عاشق محب پایا تمہارا عشق حد سے آگے بڑھ چکا تھا جذب کی حالت کو ضلال بطور کنایہ کہا جا سکتا ہے کیونکہ مجذوب اکثر غلط راستہ پر پڑ جاتا ہے۔ (گویا ضالا سے مراد ہے مجذوب) حدیث میں آیا ہے کسی چیز کی محبت تم کو اندھا بہرا کر دیتی ہے پس آیت میں مسبب (ضلال) سے سبب (جذب) مراد ہے جیسا کہ آیت میں آیا ہے۔ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ اللہ نے آسمان سے رزق اتارا یعنی بارش (رزق مسبب ہے بارش سبب) حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے باپ (حضرت یعقوب علیہ السلام) کے متعلق کہا تھا اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ اور اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ (یعنی عشق یوسف کی کھلی ہوئی اور پرانی دیوانگی)

مصر کی عورتوں نے عزیز مصر کی بیوی کے متعلق کہا تھا تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا اِنَّا لَنَرٰىهَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ وہ اپنے غلام کو بہکا رہی ہے۔ غلام پر وہ دل سے شیفتہ ہے ہم اس کو کھلی ہوئی دیوانگی میں دیکھ رہی ہیں۔

فَهَدٰی یعنی تم کو شعائر دین بتا دیئے یا تمہارے دادا عبدالمطلب تک پہنچا دیا یا قافلہ تک پہنچا دیا یا اپنے نفس اور حال کو پہچاننے کا رستہ بتا دیا جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا یا محبوب کے وصل کا راستہ بتا دیا یہاں تک کہ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کے مقام پر تم پہنچ گئے۔ (تفسیر مظہری)

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴿۸﴾

اور پایا تجھ کو مفلس پھر بے پروا کر دیا

ظاہری و باطنی غناء: اس طرح کہ حضرت خدیجہؓ کی تجارت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مضارب ہو گئے اس میں نفع ملا پھر حضرت خدیجہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر لیا اور اپنا تمام مال حاضر کر دیا۔ یہ تو ظاہری غناء تھا باقی آپ کے قلبی اور باطنی غناء کا درجہ تو وہ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ایسے جانتا ہے کوئی بشر اس کا کیا اندازہ کر سکے مطلب یہ ہے کہ آپ ابتداء سے مورد انعامات رہے ہیں آئندہ بھی رہیں گے جس پروردگار نے اس شان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت فرمائی کیا وہ خفا ہو کر آپ کو یونہی درمیان میں چھوڑ دیگا (استغفر اللہ!) (تفسیر عثمانی)

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا اور تم کو نادار پایا۔

فَاَغْنٰى پس غنی کر دیا خدیجہ کے مال کے ذریعہ سے۔ یا تجارتی منافع کی وجہ سے یا مال غنیمت کے ذریعہ سے۔ ان تمام معانی کی صورت میں غنا سے مراد یہ ہے کہ احتیاج کو دور کر دینا، خواہ تھوڑے مال کے ذریعہ سے ہی ہو۔ نصاب زکوۃ کا مالک بنا دینا مراد نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیوی مال و متاع کی وجہ سے غنی نہ تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل غنی تھا اور نفس کی غنا ہی اصل غنا ہے۔

کامیابی کا نسخہ: اللہ تعالیٰ نے نادار اور بے زر پایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غنی و مالدار کر دیا۔ جس کی ابتداء حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے مال میں بطور شرکت مضاربت کے تجارت کرنے سے ہوئی پھر وہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آکر ام المومنینؓ ہوئیں تو ان کا سارا مال ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے ہو گیا۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

حقیقی دولتمندی: صحیحین وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تونگری مال و اسباب کی زیادتی سے نہیں، بلکہ حقیقی تونگر وہ ہے جس کا دل بے پرواہ ہو صحیح مسلم شریف میں ہے اس نے فلاح پالی جسے اسلام نصیب ہوا اور کافی ہو جائے اتنا رزق بھی ملا اور خدا کے دیئے ہوئے پر قناعت کی توفیق ملی۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿۹﴾

سو جو یتیم ہو اس کو مت دبا ☆

یتیم کی دلجوئی کرو: بلکہ اس کی خبر گیری اور دلجوئی کر۔ جس طرح تم کو یتیمی کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ٹھکانا دیا۔ تم دوسرے یتیموں کو ٹھکانا دو اسی طرح کے مکارم اخلاق اختیار کرنے سے بندہ اللہ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے" صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً " حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انا و کافل الیتیم کھاتین " واشار الی السبابة والوسطی". (تفسیر عثمانی)

خطاب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر ممانعت کا رجوع امت کی طرف ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کا وہ مکان بہترین ہے جس میں کسی یتیم سے اچھا سلوک کیا جائے اور مسلمانوں کا بدترین وہ مکان ہے جس میں کسی یتیم سے بدسلوکی کی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں انگلیوں (کو جوڑ کر ان سے) اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جنت میں میں اور یتیم کا سرپرست اس طرح متصل ہوں گے۔ (بغوی وابن ماجہ والبخاری فی الادب وابو نعیم فی الحلیۃ۔ (تفسیر مظہری)

وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿۱۰﴾

اور جو مانگتا ہو اُس کو مت جھڑک ☆

مسکین کی خبر رکھو: یعنی تم نادار تھے اللہ تعالیٰ نے غناء عطا فرمایا۔ اب شکر گزار بندے کا حوصلہ یہی ہونا چاہیے کہ مانگنے والوں سے تنگ دل نہ ہو اور حاجت مندوں کے سوال سے گھبرا کر جھڑ کنے ڈانٹنے کا شیوہ اختیار نہ کرے بلکہ فراخدلی اور خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ احادیث میں سائلین کے مقابلہ پر آپ کی وسعت اخلاق کے جو قصے منقول ہیں وہ بڑے سے بڑے مخالف کو آپ کے اخلاق کا گرویدہ بنا دیتے ہیں (تنبیہ)۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ سائل کے زجر کی ممانعت اس صورت میں ہے جب وہ نرمی سے مان جائے ورنہ اگر اڑی لگا کر کھڑا ہو جائے اور کسی طرح نہ مانے اس وقت زجر جائز ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اہل تفسیر نے لکھا ہے مطلب یہ ہے کہ دروازہ پر جو سائل آئے ہیں اس کو نہ جھڑ کو نہ ڈانٹو کیونکہ تم بھی نادار محتاج تھے یا تو اس کو کھانا دے دو ورنہ نرمی سے اور خوش خلقی کے ساتھ اس کو واپس کر دو۔

طالب علم کا حق: اس آیت کے ذیل میں حسن نے کہا کہ طالب علم اگر کچھ پوچھے تو اس کو نہ جھڑکو۔

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾

اور جو احسان ہے تیرے رب کا سو بیان کر ☆

محسن کی شکر مندی کرو: محسن کے احسانات کا بہ نیت شکر گزاری (نہ بقصد فخر و مباہات) چرچا کرنا شرعاً محمود ہے لہٰذا جو انعامات اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرمائے ان کو بیان کیجئے۔ خصوصاً وہ نعمت ہدایت جس کا ذکر "وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی" میں ہوا اس کا لوگوں میں پھیلانا اور کھول کھول کر بیان کرنا تو آپ کا فرض منصبی ہے۔ شاید آپکے ارشادات وغیرہ کو جو حدیث کہا جاتا ہے وہ اسی لفظ فَحَدِّثْ سے لیا گیا ہو واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

تیسرا حکم وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ، حدث۔ تحدیث سے مشتق ہے جس کے معنی بات کرنے کے ہیں مراد یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا لوگوں کے سامنے ذکر کیا کریں کہ یہ ایک طریقہ شکر گزاری کا ہے یہاں تک کہ جو آدمی کسی آدمی پر احسان کرے اس کا بھی شکر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے حدیث میں ہے کہ جو شخص لوگوں کے احسان پر انکا شکر نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر نہیں کریگا۔ (رواہ احمد ورشہ ثقات مظہری)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص تم پر کوئی احسان کرے تو چاہیے کہ آپ بھی اس کے احسان کا بدلہ دو اور اگر مالی بدلہ دینے کی استطاعت نہیں تو یہی کرو کہ لوگوں کے سامنے اس کی تعریف کرو کیونکہ جس نے لوگوں کے مجمع میں اس کی ثناء و تعریف کی تو اس نے شکر گزاری کا حق ادا کر دیا (رواہ البغوی عن جابر بن عبداللہ مظہری)

مسئلہ: ہر نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے مالی نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس مال میں سے کچھ اللہ کے لیے اخلاص نیت کے ساتھ خرچ کرے اور نعمت کا شکر یہ ہے کہ جسمانی طاقت کو اللہ تعالیٰ کے واجبات ادا کرنے میں صرف کرے اور علم و معرفت کی نعمت کا شکر یہ ہے کہ دوسروں کو اُس کی تعلیم دے (مظہری)

مسئلہ: سورۂ والضحیٰ سے آخر قرآن تک ہر سورت کے ساتھ تکبیر کہنا سنت ہے اور اس تکبیر کے الفاظ شیخ صالح مصری نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔ بتلائے ہیں (مظہری)

نعمت کا شکر یہ: ابو داؤد کی اور حدیث میں ہے کہ جسے کوئی نعمت ملی اور اس نے اسے بیان کیا تو وہ شکر گزار ہے اور جس نے اسے چھپایا اس نے اس کی ناشکری کی اور روایت میں ہے کہ جسے کوئی عطا دی جائے اسے چاہیے کہ ہو سکے تو بدلہ اتار دے اگر نہ ہو سکے تو اس کی ثناء بیان کرے جس نے ثناء کی وہ شکر گزار ہوا اور جس نے اس نعمت کا اظہار نہ کیا اس نے ناشکری کی۔ (ابوداؤد)

مجاہد فرماتے ہیں کہ یہاں نعمت سے مراد نبوت ہے　(تفسیر ابن کثیر)

خداداد نعمت کا شکر ادا کرو لف نشر مرتب کی صورت اس جملہ کا تعلق وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی سے ہوگا۔

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ یعنی اپنے رب کی عطا کی ہوئی نعمت کا شکر ادا کرو سنان بن سنیہ نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانے والا (پھر) کھانے کا شکر ادا کرنے والا (بھوک پیاس وغیرہ) پر صبر کرنے والے روزہ دار کی طرح ہے۔

(رواہ احمد وابن ماجہ والدارمی بسند صحیح رواہ ترمذی من حدیث ابی ہریرہ)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جس نے مستحقین علم سے علم کو چھپایا قیامت کے دن آگ کی لگام لگائی جائے گی۔

سب سے بڑا شکر گزار: حضرت اشعث بن قیس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا سب سے زیادہ شکر گزار وہ ہے جو لوگوں کے احسان کا بہت شکر ادا کرنے والا ہو۔ ایک روایت میں آیا ہے نہیں شکر کرتا اللہ کا جو نہ شکر کرے لوگوں کا۔ اس روایت کے راوی ثقہ ہیں۔ (رواہ احمد)

اچھائی کا بدلہ: حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے ساتھ کوئی اچھا سلوک کیا جائے اس کو اس اچھائی کا بدلہ دینا چاہیے اگر بدلہ چکانے کے قابل کوئی چیز نہ ملے تو (دینے والے کی) ثنا ہی کر دے جب ثنا کر دی تو حقیقت میں شکر ادا کر دیا اگر احسان کو چھپائے گا تو ناشکری کا مرتکب ہوگا اور جس نے بغیر کسی کے دیئے اس کے کپڑے پہن لئے تو ایسا ہے جیسا کہ جھوٹ کا لباس پہن لیا۔ (بغوی)

تھوڑی چیز کا شکر یہ: حضرت نعمان بن بشیر نے کہا میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممبر پر فرما رہے تھے جس نے تھوڑے کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے زیادہ کا بھی شکر نہیں کیا جس نے لوگوں کا شکر نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی

شکر نہیں کیا اللہ کی نعمت کو یاد کرنا شکر ہے نہ یاد کرنا ناشکری ہے، جماعت اہل اسلام اللہ کی رحمت ہے تفرقہ اللہ کا عذاب ہے۔ بغوی نے تمام احادیث نقل کی ہیں۔

مشائخ اور اساتذہ کا شکریہ:

ان احادیث کا تقاضا ہے کہ مشائخ اور اساتذہ کا شکریہ ادا کیا جائے اور ان کے احسانات کی تعریف کیجائے۔

نعمت نبوت کا شکریہ:

بشیر کی روایت میں مجاہد کا قول آیا ہے کہ آیت میں نعمت سے مراد نبوت ہے زجاج نے بھی اس تفسیر کو پسند کیا ہے اس وقت تحدیث نعمت کا مطلب یہ ہوگا کہ تم کو جو پیام دے کر بھیجا گیا ہے اس کو لوگوں تک پہنچاؤ اور اپنی نبوت کا اظہار کرو لیث کی روایت مجاہد کا قول یہ ہے کہ نعمت سے مراد قرآن ہے۔

مسئلہ: ہر نعمت کا شکر واجب ہے اور شکر نعمت کا معنی ہے نعمت کو منعم کی مرضی کے مطابق صرف کرنا لہٰذا نعمت مالیہ کا شکریہ ہوگا کہ اخلاص کے ساتھ مال کو راہ حق میں صرف کیا جائے اور نعمت بدنیہ کا شکریہ ہو گا کہ فرائض (بدنیہ) کو ادا کیا جائے اور معصیت سے پرہیز رکھا جائے اور علم و عرفان کی نعمت کا شکریہ ہوگا کہ دوسروں کو سکھایا جائے اور ہدایت کی جائے۔

مسئلہ: چونکہ نعمت کا ذکر کرنا شکر نعمت ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اکرمکم سید ولد آدم ولا فخر وغیرہ ہم سورۃ بقرہ میں اس کا تذکرہ کر چکے ہیں حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا ہے کہ

وَكُلِّ وَلِيٍّ لَهُ قَدَمٌ وَاِنِّىْ　　عَلٰى قَدَمِ النَّبِيِّ بَدْرِ الْكَمَالِ

ہر ولی کا ایک قدم ہوتا ہے جس پر وہ چلتا ہے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پر چلتا ہوں جو بدر کمال تھے یہ بھی آپ کا قول ہے قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے۔

حضرت شیخ مجدد کو اللہ نے ولایت کے تینوں مراتب عطا فرمائے تھے۔

ہر سورت کے بعد اللہ اکبر کہنے کی سند:

بغوی نے لکھا ہے کہ قراءت اہل مکہ میں مسنون ہے کہ سورۂ والضحٰی سے ختم قرآن تک ہر سورت کے آخر میں اللہ اکبر کہا جائے میں نے امام القراء ابونصر محمد سے اسی طرح قراءت سیکھی تھی اور انہوں نے ابن کثیر کی قراءت کا سلسلہ اسناد ذکر کیا تھا اور ابن کثیر نے مجاہد سے حضرت ابن عباس سے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے یونہی مسلسل روایت کی تھی۔ اس کے علاوہ ایک اور سلسلہ اسناد بھی ابونصر نے بیان کیا تھا (اور دونوں اسناد سے بیان کیا تھا کہ جب تم والضحٰی کو ختم کرو تو اللہ اکبر کہو یہاں تک کہ خاتمہ قرآن تک ہر سورۃ کے آخر میں یہی کہا کرو۔ ہم کو ابن کثیر نے ایسا ہی حکم دیا تھا اور ابن کثیر نے کہا ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے

پڑھا آپ نے مجھ سے اسی طرح کہنے کا حکم دیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہی حکم دیا اور حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ کے سامنے قراءت کی تو آپ نے مجھے یہی حکم دیا۔ والضحٰی کے آخر میں تکبیر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جب کچھ مدت کے لیے وحی رک گئی تو مشرک کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شیطان نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا وہ ان سے رخصت ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر غمگین ہوئے اس وقت والضحٰی نازل ہوئی اور نزول وحی کی خوشی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی پس صحابہ نے اس تکبیر کو بطور سنت لے لیا۔

تکبیر پڑھنے کا طریقہ:

بغوی نے جو کچھ بیان کیا تیسیر میں ابوعمر، عمرو دانی نے بھی یہ سب بیان کیا ہے مگر بیان میں تقدیم تاخیر ہے۔ دانی نے بروایت بزی از ابن کثیر پوری اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ابن کثیر والضحٰی کو ختم کر کے تکبیر کہتے تھے اور ہر سورۃ کے آخر پر یہی کرتے تھے یہاں تک کہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کو ختم کر کے بھی تکبیر کہتے تھے، اگر سورۃ کے آخری کلمے کا آخری حرف متحرک ہو جیسے اذا حسد اور والناس اور الابتر تو اللہ اکبر کی ہمزہ وصل کو حذف کر کے تکبیر کو سورت کے آخری حرف سے ملا دیا جائے اور آخری حرف ساکن ہو جیسے فحدث فارغب یا تنوین کے ساتھ ہو جیسے ترابا اور لخبیر اور من مسد تو حرف ساکن اور نون تنوین کو زیر کے ساتھ پڑھا جائے اور اللہ اکبر کے ساتھ اس طرح ملا دیا جائے اب اگر چاہے تو اللہ اکبر کے بعد دوسری سورت کے لئے بسم اللہ الگ شروع کرے اور چاہے تو تکبیر کو بسم اللہ کے ساتھ ملا کر پڑھے اول تکبیر پر بسم اللہ کو آغاز سورت سے وصل کر لے یا فصل دونوں صورتیں درست ہیں اور دوسری تکبیر پر بسم اللہ کا آغاز سورت سے وصل ہی کیا جائے گا فصل درست نہیں۔

دانی نے کہا کہ بعض اہل تجوید آخر سورت کو ختم کرنے کے بعد اللہ اکبر شروع کرتے ہیں اور اس کو دوسری سورت کی بسم اللہ سے ملا کر پڑھتے ہیں نقاش نے بروایت ابو ربیعہ بزی کا یہی عمل نقل کیا ہے اور علی فارسی نے بھی اسی طرح پڑھا ہے دانی کی بیان کردہ یہ تفصیل بغوی نے مقدم ذکر کی ہے (اور دانی نے موخر) میں کہتا ہوں کہ میں نے دونوں طریقوں سے قاری صالح مصری اور شیخ القراء شیخ عبدالخالق سے پڑھا ہے شیخ صالح مصری نے صرف اللہ اکبر کہنے کی بجائے لا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھنا بیان کیا تھا۔

اگر سورت والضحٰی شروع کرنے سے پہلے تکبیر پڑھ چکا ہو تو والناس ختم کرنے کے بعد تکبیر نہ پڑھے۔

اگر تکبیر کو پہلی سورت کے آخر سے وصل دے کر کہا ہو تو دوسری سورت کے آغاز سے بھی قطع نہ کرے بلکہ جس تکبیر کو پہلی سورت سے ملا کر پڑھا ہے اس کو دوسری سورت کی بسم اللہ سے ملا دے اور بسم اللہ کو دوسری سورت سے بھی وصل کر دے۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ الانشراح

جو شخص اس سورۃ کو خواب میں پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے سینے کو احکام اسلام کے سمجھنے کے لیے منشرح فرما دے گا اور اس کے سب معاملات آسان ہو جائیں گے۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَۃُ الْاِنْشِرَاحِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ ثَمَانِیْ اٰیَاتٍ

سورۃ الم نشرح مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ﴿۱﴾

کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ ☆

انشراح صدر کا مطلب:

کہ اس میں علوم و معارف کے سمندر اتار دیئے اور لوازم نبوت اور فرائض رسالت برداشت کرنے کو بڑا وسیع حوصلہ دیا کہ بیشمار دشمنوں کی عداوت اور مخالفوں کی مزاحمت سے گھبرانے نہ پائیں (تنبیہ) احادیث و سیر سے ثابت ہے کہ ظاہری طور پر بھی فرشتوں نے متعدد مرتبہ آپ کا سینہ چاک کیا۔ لیکن مدلول آیت کا بظاہر وہ معلوم نہیں ہوتا (واللہ اعلم)۔ (تفسیر عثمانی)

بعض احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ فرشتوں نے بحکم الٰہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک ظاہری طور بھی پر چاک کر کے صاف کیا، بعض حضرات مفسرین نے شرح صدر سے اس جگہ وہی شق صدر کا معجزہ مراد لیا ہے۔ کما فی ابن کثیر وغیرہ۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

بہر حال آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے تمہارا سینہ کھول دیا جس کے اندر بنور الٰہی ایسے علوم صادقہ اور معارف دینیہ سما گئے جو کسی دانشمند کو دانش کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتے تھے اور دل کے اندر اللہ کی طرف کامل توجہ بھی پیدا کر دی گئی (تا کہ مرتبہ عروج کی تکمیل ہو جائے) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کامل کے ساتھ مخلوق کی طرف بھی اس کا دعوتی اور تبلیغی رخ کر دیا گیا تا کہ مرتبہ نزول بھی حاصل ہو جائے پس حالت نزول میں بھی تمہارا انقطاع اللہ سے نہیں ہے کہ تم کو اس کا رنج ہو۔

دو مرتبہ شق صدر ہوا:

اس عالم شہود میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو مرتبہ شق صدر ہوا ایک مرتبہ تو بچپن میں ہوا تھا جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے مسلم نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے اچانک جبرائیل امین آ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر زمین پر لٹا کر سینہ چیر کر دل نکالا اور دل کے اندر سے خون کا لوتھڑا نکال ڈالا اور کہا کہ دل کے اندر یہ شیطان کا حصہ تھا جس کو میں نے نکال ڈالا پھر ایک طشت میں زمزم کے پانی سے دل کو دھویا اور دل کو جوڑ کر دوبارہ اس کی جگہ رکھ دیا اور سینہ جوڑ دیا بچے دوڑے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ماں یعنی انّا (دودھ پلانے والی) کے پاس پہنچے اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا گیا۔ لوگ لینے کو گئے تو آتے ہوئے مل گئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ اترا ہوا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سینہ مبارک پر میں (کھال کو جوڑ کر) سینے کا نشان دیکھتا تھا۔

دوسری بار شق صدر شب معراج میں ہوا جیسا کہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا واقعہ ذکر کیا اس تذکرہ میں یہ بات بھی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرائیل امین نے نازل ہو کر میرا سینہ چاک کیا پھر زمزم کے پانی سے اس کو دھویا پھر حکمت و ایمان سے بھرا ہوا سونے کا طشت لا کر میرے سینے میں الٹ دیا پھر سینہ کو بند کر دیا۔

صحیحین میں حضرت کی روایت بحوالہ حضرت مالک بن صعصعہ آئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیان کیا کہ جبرائیل امین نے اس کے اور اس کے درمیان ہنسلی کے گڑھے سے (پیٹ کے) بالوں تک (سینہ) چاک کیا پھر دل کو باہر نکالا پھر ایمان سے بھرا ہوا سونے کا ایک طشت لا کر دل کو دھویا پھر اس کو (ایمان سے) بھر دیا، پھر دوبارہ دل کو (اس کی جگہ) رکھ دیا ایک اور روایت میں آیا ہے پھر پیٹ کو زمزم کے پانی سے دھویا پھر اس (دل) کو ایمان و حکمت سے بھر دیا۔ (الحدیث)

میں کہتا ہوں کہ جس لوتھڑے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے نکال دیا گیا تھا۔ وہ عنصری اور نفسانی اور قلبی رذائل تھے جو نفس کو امارہ بالسوء ہونے پر اور اعضاء جسم کو گناہوں پر ابھارتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ ﴿۲﴾

اور اُتار رکھا ہم نے تجھ پر سے بوجھ تیرا

الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ ﴿۳﴾

جس نے جھکا دی تھی پیٹھ تیری ☆

بوجھ اُتارنے کا مطلب:

وحی کا اترنا اول سخت مشکل تھا۔ پھر آسان ہو گیا یا منصب رسالت کی ذمہ

داریوں کو محسوس کر کے خاطر شریف پر گرانی گزرتی ہوگی وہ رفع کر دی گئی یا "وِزْر" سے وہ امور مباحہ مراد ہوں جو گاہ بگاہ آپ قرین حکمت وصواب سمجھ کر کر لیتے تھے۔ اور بعد میں ان کا خلاف حکمت یا خلاف اولیٰ ہونا ظاہر ہوتا تھا اور آپ بوجہ علوشان اور غایت قرب کے اس سے ایسے ہی مغموم ہوتے تھے جس طرح کوئی گناہ سے مغموم ہوتا ہو تو اس آیت میں ان پر مواخذہ نہ ہونے کی بشارت ہوئی کذا روی عن بعض السلف اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت عالی اور پیدائشی استعداد جن کمالات ومقامات پر پہنچنے کا تقاضا کرتی تھی قلب مبارک کو جسمانی ترکیب یا نفسانی تشویشات کی وجہ سے ان پر فائز ہونا دشوار معلوم ہوتا ہوگا۔ اللہ نے جب سینہ کھول دیا اور حوصلہ کشادہ کر دیا' وہ دشواریاں جاتی رہیں اور سب بوجھ ہلکا ہوگیا۔ (تفسیر عثمانی)

وِزْرَ کا اصلی لغوی معنی ہے پہاڑ:

یہاں مجازی معنی مراد ہے یعنی بڑا بار، بار یا تو غم فراق اور تو ہم انقطاع کامل تھا۔ جس نے غمگین بنا دیا تھا۔ اور آپ کی قوت وصبر توڑ دی پھر بھی پھر اللہ نے سورہ الضحیٰ اور الم نشرح کو نازل فرما کر اس رنج وغم کو دور کر دیا۔ اور آپ کے دل کو قرار وطبیعت کو سکون حاصل ہوگیا۔ اور معلوم ہوگیا۔ کہ وہ فراق (وحی کی بندش) انقطاع کلی اور ناراضگی کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ حکمت اور منفعت کے زیر اثر تھا۔ پس وہ ازالہ غم کو ہی اللہ نے اپنا انعام قرار دیا یا بار سے مراد ہے شرعی احکام کا بار۔ دعوت حق، تبلیغ احکام، ادائے اوامر اور ممنوعات سے بازداشت کیونکہ تکالیف شرعیہ کی پابندی بڑی دشوار ہے۔ دیکھو آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں نے اس بار کو اٹھانے پر رضامندی ظاہر نہ کی اور اس کو اٹھانے سے ڈر گئے۔

اللہ نے فرمایا ہے وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ پس جب اللہ نے ایمان وعلم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ کھول دیا۔ اور دل کے اندر جو شیطانی حصہ تھا اس کو دور کر دیا اور نفسانی خبائث جو فطرت نفوس میں داخل ہیں دور کر دیں تو شرعی تکالیف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مرغوب، محبوب اور فطری ہوگئیں۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری آنکھ کی خنکی (یعنی دل کا سکھ اور راحت) نماز میں کر دی گئی ہے۔

ایمان حقیقی:

یہی مرتبہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ازالہ بار سے تعبیر فرمایا ہے صوفیہ کے نزدیک ایمان حقیقی ہے اور صوفی جو کہتا ہے کہ صوفیا سے تکالیف شرعیہ ساقط ہو جاتی ہیں اس قول کی مراد بھی یہی ہے (کہ تکالیف شرعیہ تکالیف نہیں رہتیں بلکہ محبوب، مرغوب، اور راحت آفریں ہو جاتی ہیں) یہ اونچا مرتبہ یعنی شرح صدر اور ازالہ بار کا درجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہری طور پر اور علی الاعلان حاصل ہوا تھا مگر اولیاء امت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے باطنی طور پر حاصل ہو جاتا ہے یعنی عالم مثال میں اس مرتبہ کا ظہور ہوتا ہے کہ یہ بات نفس اور نفسانیات کی مکمل فناء کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ نفس کی نام ونمود کے مٹ جانے کے بعد ہی صوفیا کو شرح صدر اور ایمان حقیقی کی بشارت دی جاتی ہے۔

معنی یہ ہوگا کہ اگر تمہارا شرح صدر نہ کرتے اور بار ہلکا نہ کر دیتے تو تکلیفی احکام کی مشقت تمہاری پشت کو کمزور بنا دیتی اور واجب الاداء حقوق کو تم ادا نہ کر سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا اگر اللہ (کا فضل) نہ ہوتا تو ہم راہ راست نہ پاتے، نہ صدقہ دیتے، نہ نماز پڑھتے۔ (تفسیر مظہری)

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿٤﴾

اور بلند کیا ہم نے مذکور ☆

رفعتِ ذکر:

یعنی پیغمبروں اور فرشتوں میں آپ کا نام بلند ہے۔ دنیا میں تمام سمجھ دار انسان نہایت عزت ووقعت سے آپ کا ذکر کرتے ہیں اذان، اقامت' خطبہ' کلمہ طیبہ اور التحیات وغیرہ میں اللہ کے نام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جاتا ہے اور خدا نے جہاں بندوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے وہیں ساتھ کے ساتھ آپ کی فرمانبرداری کی تاکید کی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بلندی ذکر کا مطلب

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ بخاری نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل امین سے آیت وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے معنی پوچھے حضرت جبرئیل امین نے کہا کہ اللہ فرماتا ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ تیرا بھی ذکر کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں اس آیت وحدیث کا تقاضا ہے کہ (ملأ اعلیٰ) آسمانی ملائکہ جب اللہ کا ذکر کرتے ہیں اسکے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر کرتے ہیں اور یہ حدیث پہلے بھی گذر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ساق عرش پر لکھا ہوا تھا۔ سورہ البروج میں ہم لکھ چکے ہیں کہ بغویؒ نے اپنی اسناد سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ لوح محفوظ کے وسط میں لکھا ہوا ہے۔ لا اله الا الله وحده دينه الاسلام و محمد عبده و رسوله ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اسلام اس کا دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ (الحدیث)

اذان واقامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر:

عطاءؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ آیت میں (ذکر سے مراد) اذان، اقامت، تشہد اور خطبہ ممبر (میں رسول اللہ کا ذکر ہے) اگر کوئی شخص اللہ کی عبادت اور تصدیق کرے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

شہادت نہ دے۔ تو اس کے لیے بالکل بے سود ہے۔ وہ کافر ہی رہے گا۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے شعر ہیں

ترجمہ: اللہ نے اپنے نام کے ساتھ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ملا دیا ہے۔ جبکہ پانچوں وقت اذان میں اشھد کہتا ہے اور انکی عزت افزائی کے لیے اپنے ہی نام سے ان کا نام نکالا ہے۔ پس مالک عرش تو محمود ہے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

میثاق انبیاء:

بعض علماء کا قول ہے کہ رفعت ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہے کہ آپ کے لیے اللہ نے (ازل میں) تمام انبیاء سے میثاق لیا تھا اور آپ پر ایمان لانے کو لازم کیا تھا۔ اور آپ کی فضیلت کا اقرار کرایا تھا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار:

اَغَرَّ عَلَیْهِ لِلنُّبُوَّةِ خَاتَمٌ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ نُّوْرٍ یَّلُوْحُ وَ یَشْهَدُ

وَضَمَّ الْاِلٰهُ اسْمَ النَّبِیِّ اِلٰی اِسْمِهٖ اِذَا قَالَ فِی الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اَشْهَدُ

وَشَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِیُجِلَّهٗ فَذُو الْعَرْشِ الْمَحْمُوْدُ وَ هٰذَا مُحَمَّدُ

یعنی اللہ نے مہر نبوت کو اپنے پاس سے ایک نور بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر چمکا دی۔ جو آپ کی رسالت کی گواہ ہے اپنے نام کے ساتھ اپنے نبی کا نام ملا لیا۔ جب کہ پانچوں وقت مؤذن اشھد کہتا ہے آپ کی عزت و جلال کے اظہار کے لیے اپنے نام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نکالا دیکھو وہ عرش والا محمود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم محمد ہیں۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ اگلوں پچھلوں میں اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بلند کیا۔ اور تمام انبیاء علیہ السلام سے روز میثاق میں عہد لیا گیا۔ کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور اپنی اپنی امتوں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم کریں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو مشہور کیا۔ کہ اللہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی کیا جائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ﴿۵﴾
سو البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے
اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ﴿۶﴾
البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے ☆

سختیاں جھیلنے کا انعام:

یعنی اللہ کی رضا جوئی میں جو سختیاں آپ نے برداشت کیں اور رنج و تعب کھینچے۔ ان میں سے ہر ایک سختی کے ساتھ کئی کئی آسانیاں ہیں مثلاً حوصلہ فراخ کر دینا جس سے ان مشکلات کا اٹھانا سہل ہو گیا اور ذکر کا بلند کرنا جس کا تصور بڑی بڑی مصیبتوں کے تحمل کو آسان کر دیتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ جب ہم نے آپ کو روحانی راحت دی اور روحانی کلفت رفع کر دی جیسا کہ "اَلَمْ نَشْرَحْ" (لخ سے معلوم ہوا تو اس سے دنیوی راحت و محنت میں بھی ہمارے فضل و کرم کا امیدوار رہنا چاہیے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ بیشک موجوہ مشکلات کے بعد آسانی ہونیوالی ہے اور تاکید مزید کے لیے پھر کہتے ہیں کہ ضرور موجودہ سختی کے بعد آسانی ہو کر رہے گی۔ چنانچہ احادیث و سیر سے معلوم ہو چکا کہ وہ سب مشکلات ایک ایک کر کے دور کر دی گئیں۔ اور ہر ایک سختی اپنے بعد کئی آسانیاں لیکر آئی۔

صبر اور اعتماد علی اللہ کا پھل:

اب بھی عادۃ اللہ یہی ہے کہ جو شخص سختی پر صبر کرے اور سچے دل سے اللہ پر اعتماد رکھے اور ہر طرف سے ٹوٹ کر اسی سے لو لگائے اسی کے فضل و رحمت کا امیدوار رہے۔ امتداد زمانہ سے گھبرا کر آس نہ توڑ بیٹھے ضرور اللہ اس کے حق میں آسانی کریگا ایک طرح کی نہیں کئی طرح کی وفی الحدیث "لن یغلب عسر یسرین" وفیہ ایضا "لوجاء العسر فدخل هذا الحجر لجاء الیسر حتی یدخل علیه فیخرجه". (تفسیر عثمانی)

بشارت:

حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس آیت سے بشارت سنائی۔ اور فرمایا لن یغلب عسر یسرین۔ یعنی ایک عسر دو یسروں پر (ایک مشکل دو آسانیوں پر) غالب نہیں آسکتی۔ چنانچہ تاریخ و سیرت کی سب کتابیں جو اپنوں اور غیروں، مسلم و غیر مسلم نے لکھی ہیں وہ اس پر شاہد ہیں کہ جو کام مشکل سے مشکل بلکہ لوگوں کی نظروں میں ناممکن نظر آتے تھے۔ آپ کے لیے وہ سب آسان ہوتے چلے گئے۔ (معارف مفتی اعظم)

گویا اصل کلام یوں تھا کہ آپ پر جو دشواری پڑی ہے اس سے آپ رنجیدہ نہ ہوں کیونکہ عسر کے ساتھ یسر بھی آئے گا۔

عبد الرزاقؒ نے اپنی تفسیر میں اور حاکمؒ نے مستدرک میں اور بیہقیؒ نے شعب الایمان میں مرسل حدیث نقل کی ہے۔ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو بشارت ہو۔ یسر تمہارے لیے آ پہنچا ایک دشواری دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہ آسکے گی۔

اس حدیث کو ابن مردویہ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے امام مالکؒ نے موطا میں اور حاکمؒ نے (مستدرک میں) اس حدیث کی شاہد ایک اور حدیث نقل کی ہے جو عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف

ہے حاکمؒ نے لکھا ہے یہ اسناد اس حدیث کی تمام سندوں سے زیادہ صحیح ہیں۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر عسر کسی سوراخ کے اندر بھی ہوگی تو یسر اسکی تلاش میں سوراخ کے اندر بھی جا گھسے گی۔ایک عسر دو یسر پر کبھی غالب نہیں ہوگی۔

مسئلہ: تنقیح الاصول میں آیا ہے کہ اگر ہزار روپیہ (اپنے ذمہ ہونے) کا کسی نے اقرار کیا اور دو مرتبہ اقرار کیا مگر مندرجہ دستاویز کے قید لگا دی۔تو صرف ایک ہزار روپیہ اس کے ذمہ ثابت ہوں گے۔اور اگر بلا قید لگائے دوسری مرتبہ اقرار کیا تو دو ہزار واجب ہوں جائیں گے۔یہ امام اعظمؒ کا مسلک ہے مگر مجلس اگر ایک ہی ہو (تو قید لگانے یا نہ لگانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔بہر حال ایک ہی ہزار کا اقرار مانا جائیگا)

گذشتہ کلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی تھی اور خصوصیت کے ساتھ دنیا میں یسر اور غنا عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔چنانچہ اس وعدہ کو اللہ نے پورا بھی کیا۔رسول اللہ کو فراخ دست بنا دیا۔مختلف بستیاں آپ کے زیر اقتدار کر دیں یہاں تک کہ بعض حالات میں آپ نے دو دو سو اونٹ ایک ایک شخص کو عطا کیے اور بیش قیمت چیزیں عنایت فرمائیں۔

تمام مومنوں سے وعدہ:

اس میں تمام مومنوں سے وعدہ جزا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی وعدہ ہے مگر مومنوں سے وعدہ ہے کہ عسر دنیوی کے بعد یسر اخروی ملے گا۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ ہے کہ ایک عسر کے بعد ایک یسر دنیا میں اور ایک یسر آخرت میں حاصل ہوگا۔

مقام نزول:

میرے نزدیک العسر سے مراد ہے مقام نزول میں مخلوق کی طرف توجہ کرنا۔اور قلب کا مکمل ہر وقت خالق کی طرف نہ ہونا جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملال اور دکھ تھا۔اور یسر اول سے مراد ہے اسی مقام نزول میں خالق کی طرف ہونا۔کیونکہ نزولی حالت میں بظاہر صوفی کا رخ خدا کی طرف نہیں ہوتا مخلوق کی طرف ہوتا ہے مگر حقیقت میں وہ خدا کی طرف سے رخ گرداں نہیں ہوتا۔بلکہ اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دونوں رخوں کی وجہ سے اس کو شرح صدر حاصل ہوتا ہے۔مگر مخلوق کی طرف توجہ چونکہ اللہ کے حکم سے اور اس کی مرضی کے موافق ہوتی ہے اس لیے وہ بھی اللہ ہی کی طرف توجہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ صوفی اس یسر کو سیر من اللہ باللہ کہتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

تکلیفیں اور اللہ کی شفقت اور رحمت:

حضرت ابو حاتم سجستانی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار ہیں کہ جب مایوسی دل پر قبضہ کر لیتی ہے اور سینہ باوجود کشادگی کے تنگ ہو جاتا ہے تکلیفیں گھیر لیتی ہیں اور مصیبتیں ڈیرہ جما لیتی ہیں کوئی چارہ سجھائی نہیں دیتا اور کوئی تدبیر نجات کارگر نہیں ہوتی۔اس وقت اچانک خدا کی مدد آ پہنچتی ہے۔وہ دعاؤں کا سننے والا باریک بین خدا اس سختی کو آسانی سے اور اس تکلیف کو راحت سے بدل دیتا ہے۔تنگیاں جب کہ بھرپور آ پڑتی ہیں پروردگار معاً کشادگیاں نازل فرما کر نقصان کو فائدہ سے بدل دیتا ہے۔کسی اور شاعر نے کہا ہے۔

وَ لَرُبَّ نَازِلٍ يَّضِيقُ بِهِ الْفَتی
ذَرُعًاوَّ عِنْدَ اللهِ مِنهَا الْمَخْرَجَ
كَمُلَتْ فَلَمَّا اسْتَحْلَمَتْ حَلَقَاتُهَا
فَرَجَتْ وَ كَانَ يَظُنُّهَا لَا تَفْرُجُ

یعنی بہت سی ایسی مصیبتیں انسان پر نازل ہوتی ہیں جن سے وہ تنگ دل ہو جاتا ہے حالانکہ خدا کے پاس ان سے چھٹکارا بھی ہے جب یہ مصیبتیں کامل ہو جاتی ہیں۔اور زنجیر کے حلقے مضبوط ہو جاتے ہیں۔اور انسان گمان کرنے لگتا ہے۔کہ بھلا اب یہ کیا ہٹے گی؟ کہ اچانک اس رحیم و کریم خدا کی شفقت بھری نظریں پڑتی ہیں اور اس مصیبت کو اس طرح دور کرتا ہے کہ گویا آئی ہی نہ تھی۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝۷
پھر جب تو فارغ ہو تو محنت کر
وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝۸
اور اپنے رب کی طرف دل لگا ☆

توجہ الی اللہ کا کمال:

یعنی جب خلق کے سمجھانے سے فراغت پائے تو خلوت میں بیٹھ کر محنت کرتا مزید یسر کا سبب بنے۔اور اپنے رب کی طرف (بلا واسطہ) متوجہ ہو (تنبیہ) خلق کو سمجھانا اور نصیحت کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ ترین عبادت تھی۔لیکن اس میں فی الجملہ مخلوق کا توسط ہوتا تھا۔مطلوب یہ ہے کہ ادھر سے ہٹ کر بلا واسطہ بھی متوجہ ہونا چاہیے اس کی تفسیر اور کئی طرح کی گئی ہے مگر اقرب یہی معلوم ہوتی ہے۔(تفسیر عثمانی)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ علماء جو تعلیم و تبلیغ واصلاح خلق کا کام کرنے والے ہیں ان کو اس سے غفلت نہ ہونا چاہیے کہ ان کا کچھ وقت خلوت میں توجہ الی اللہ اور ذکر اللہ کے لیے بھی مخصوص ہونا چاہیے۔جیسا کہ علماء سلف کی سیرتیں اس پر شاہد ہیں اس کے بغیر تعلیم و تبلیغ بھی موثر نہیں ہوتی ان میں نور و برکت نہیں ہوتی۔

عبادت و ذکر اللہ کی حد:

عبادت اور ذکر اللہ اس حد تک جاری رکھا جائے کہ کچھ مشقت و تھکان

محسوس ہونے لگے۔ صرف نفس کی راحت اور خوشی ہی پر اس کا مدار نہ رہے۔ اور کسی وظیفہ اور معمول کی پابندی خود ایک مشقت اور تعب ہے، خواہ کام مختصر ہی ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

کوئی وقت فارغ نہ چھوڑو:

اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ نصب کا معنی ہے تھکان مطلب یہ ہے کہ جب تم دعوت خلق سے فارغ ہو تو عبادت کی محنت کرو۔ تاکہ مذکورہ سابق نعمتیں جو ہم نے تم کو عطاء کیں ہیں۔ اور آئندہ جن نعمتوں کا وعدہ کیا ہے۔ ان سب کا شکر ادا ہو یا یہ مطلب ہے کہ جب ایک عبادت سے فارغ ہو تو دوسری عبادت کی محنت کرو کوئی وقت عبادت سے خالی نہ چھوڑو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اہل جنت کو بس اس وقت پر افسوس ہوگا جو یاد خدا کے بغیر (دنیا میں) ان کا گذرا ہوگا۔

دعاء کا حکم:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ قتادہ، ضحاک رضی اللہ عنہ مقاتل اور کلبی رضی اللہ عنہم نے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ جب فرض نماز یا مطلق نماز سے فارغ ہو تو دعاء کرنے کے لیے محنت کرو۔ اور رب سے مانگنے کی طرف راغب ہو جاؤ۔ یعنی تشہد کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے یا سلام کے بعد۔ شعبیؒ نے کہا جب تشہد سے فارغ ہو تو اپنی دنیا اور آخرت کے لیے دعا کرو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب فرائض کی ادائیگی سے فارغ ہو جاؤ تو نماز شب میں محنت کرو۔ حسن اور زید بن اسلم نے کہا جب دشمن سے جہاد کرنے سے فارغ ہو تو عبادت کے لیے محنت کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جب ہم جہاد اصغر سے لوٹ آئے تو جہاد اکبر کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس حدیث کا بھی یہ مطلب ہے۔

مقام نزول سے مقام شہود کی طرف:

ہماری تفسیر کے مطابق اس آیت کا مطلب اس طرح ہوگا۔ کہ جب دعوت خلق سے فارغ ہو اور مرتبہ نزول کامل کا یہی مقصد ہے تو مراتب عروج و مقام شہود کی طرف اٹھو۔ (تفسیر مظہری)

نماز سے پہلے کھانے پینے کے شدید تقاضوں سے فراغت:

حدیث ہے جس کی صحت پر ہی اتفاق ہے جس میں ہے کہ کھانا سامنے موجود ہونے کے وقت نماز نہیں اور اس حالت میں بھی کہ انسان کو پاخانہ پیشاب کی حاجت ہو۔ اور حدیث میں ہے کہ جب نماز کھڑی کی جائے اور شام کا کھانا سامنے موجود ہو۔ تو پہلے کھانے سے فراغت حاصل کرلو۔ حضرت مجاہدؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب امر دنیا سے فارغ ہو کر نماز کے لیے کھڑا ہو تو محنت کے ساتھ عبادت کر۔ اور مشغولیت کے ساتھ رب کی طرف توجہ کر۔ (ابن کثیر)

سورة التين

جو اس کو خواب میں پڑھے گا۔ اللہ تعالی اس کی حاجتوں کو جلد پورا فرمائے گا۔ اور اس کے رزق میں آسانی فرمادے گا۔

سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيْ اٰيَاتٍ

سورۃ التین مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ﴿١﴾

قسم انجیر کی اور زیتون کی ☆

انجیر و زیتون: انجیر اور زیتون دونوں چیزیں نہایت کثیر المنافع اور جامع الفوائد ہونیکی وجہ سے انسان کی حقیقت جامعہ کے ساتھ خصوصی مشابہت رکھتی ہیں اس لیے "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ" کے مضمون کو ان دونوں کی قسم سے شروع کیا اور بعض محققین کہتے ہیں کہ یہاں "التین" اور "الزیتون" سے دو پہاڑوں کی طرف اشارہ ہے جن کے قریب "بیت المقدس" واقع ہے۔ گویا ان درختوں کی قسم مقصود نہیں بلکہ اس مقام مقدس کی قسم کھائی ہے جہاں یہ درخت بکثرت پائے جاتے ہیں اور وہی مولد و مبعث حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

انجیر و زیتون کے فائدے:

ثعلبیؒ نے اور ابو نعیم رضی اللہ عنہ نے طب میں ایک مجہول اسناد کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ انجیر بواسیر کو کھو دیتا ہے۔ اور نقرس کو فائدہ دیتا ہے زیتون ایک بابرکت درخت ہے جس کا پھل روغنی ہوتا ہے۔ اور روغن سالن کی جگہ بھی استعمال ہوسکتا ہے۔

انجیر و تین کے دوسرے معانی:

عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا تین اور زیتون دو پہاڑ ہیں۔ قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تین وہ پہاڑ ہے جس پر دمشق آباد ہے اور زیتون مسجد بیت المقدس ہے۔ ابو محمد بن کعب نے کہا کہ اصحاب کہف کی مسجد تین ہے۔ اور ایلیا زیتون ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ﴿٢﴾

اور طور سینین کی

وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝۳

اور اس شہر امن والے کی ☆

طور سیناء اور مکہ مکرمہ:

''طور سینین'' یا ''طور سینا'' وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے شرف ہم کلامی بخشا۔ اور ''امن والا شہر'' مکہ معظمہ ہے جہاں سارے عالم کے سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معبوث ہوئے اور اللہ کی سب سے بڑی اور آخری امانت (قرآن کریم) اول اسی شہر میں اتاری گئی۔ تورات کے آخر میں ہے ''اللہ طور سینا سے آیا اور ساعیر سے چمکا (جو بیت المقدس کا پہاڑ ہے) اور فاران سے بلند ہو کر پھیلا''۔ (فاران مکہ کے پہاڑ ہیں)۔ (تفسیر عثمانی)

عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا وہ خطہ جہاں طور واقعہ ہے اسکو سینین اور سینا کہا جاتا ہے۔

بلد امین سے مراد مکہ ہے۔ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں مکہ مقام امن تھا۔ اللہ نے ان چیزوں کی قسم اس لیے کھائی کہ (یہ تمام مقام برکت والے ہیں)۔ انجیر اور زیتون کی پیدائش گاہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ انبیاء کی قرار گاہ اور نزول وحی کا مقام ہے۔ طور وہی جگہ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکارا گیا تھا۔ اور مکہ میں تو اللہ کا با حرمت گھرا ور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اور منزل وحی ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴

ہم نے بنایا آدمی خوب سے انداز ے پر ☆

انسان کا حُسن:

یعنی یہ سب مقامات متبرکہ جہاں سے ایسے ایسے اولوالعزم پیغمبر اٹھے گواہ ہیں کہ ہم نے انسان کو کیسے اچھے سانچے میں ڈھالا اور کیسی کچھ قوتیں اور ظاہری و باطنی خوبیاں اس کے وجود میں جمع کی ہیں اگر یہ اپنی صحیح فطرت پر ترقی کرے تو فرشتوں سے گوئے سبقت لے جائے بلکہ مسجود ملائکہ بنے۔ (تفسیر عثمانی)

حسن انسانی کا ایک عجیب واقعہ:

قرطبی نے اس جگہ نقل کیا ہے کہ عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی جو خلیفہ ابوجعفر منصور کے دربار کے مخصوص لوگوں میں سے تھے۔ اور اپنی بیوی سے بہت محبت رکھتے تھے۔ ایک روز چاندنی رات میں بیوی کے ساتھ بیٹھے ہوئے بول اٹھے۔ انت طالق ثلاثا ان لم تکونی احسن من القمر یعنی تم پر تین طلاق ہیں اگر تم چاند سے زیادہ حسین نہ ہو، یہ کہتے ہی بیوی اٹھ کر پردہ میں چلی گئی کہ آپ نے مجھے طلاق دے دی۔ بات ہنسی دل لگی کی تھی۔ مگر طلاق کا یہی حکم ہے کہ کسی طرح بھی طلاق کا صریح لفظ بیوی کو کہہ دیا جائے تو طلاق ہو جاتی ہے خواہ ہنسی دل لگی میں ہی کہا جائے عیسیٰ بن موسیٰ نے رات بڑی بے چینی اور رنج و غم سے گذاری اور صبح کو خلیفہ وقت ابوجعفر منصور کے پاس حاضر ہوئے اور اپنا قصہ سنایا اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا منصور نے شہر کے فقہاء اہل فتویٰ کو جمع کر کے سوال کیا سب نے ایک ہی جواب دیا کہ طلاق ہو گئی کیونکہ چاند سے زیادہ حسین ہونے کا کسی انسان کا امکان نہیں۔ مگر ایک عالم جو امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں سے تھے۔ خاموش بیٹھے رہے۔ منصور نے پوچھا کہ آپ کیوں خاموش ہیں تب یہ بولے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سورہ تین کی تلاوت کی اور فرمایا کہ امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا احسن تقویم میں ہونا بیان فرما دیا ہے کوئی شے اس سے زیادہ حسین نہیں یہ سن کر سب علماء و فقہاء حیرت میں رہ گئے۔ کوئی مخالفت نہیں کی اور منصور نے حکم دے دیا کہ طلاق نہیں ہوئی۔ (معارف مفتی اعظم)

انسان کی جامع صفات:

قیام اور اقوام اس چیز کو کہتے ہیں جس کا کسی چیز کا ثبات اور تقوم ہو۔ صحاح، میں کہتا ہوں کہ قوام وہ چیز ہے جس سے کسی چیز کی تحقق (یعنی حقیقت کی ساخت) ہو انسان کے اندر بیرونی جہان کی ساری چیزیں موجود ہیں اس میں عالم روح کے نازک حقائق ہیں اور خلق کے عناصر بھی۔ اور نفس ناطقہ بھی جو عالم عناصر کی پیداوار ہے اسی جامعیت کی وجہ سے کل سنسار کی خصوصیت اس میں موجود ہیں اس کے اندر ملکی صفات بھی ہیں اور درندوں کے اوصاف بھی اور چوپاؤں کی کیفیات بھی اور شیطانی خبائث بھی۔ یہ ان صفات کاملہ سے متصف ہے جو الٰہی حیات علم قدرت ارادہ شنوائی، بینائی، کلام اور محبت غرض تمام صفات الوہیت کا پرتو ہیں۔ یہ نور عقل سے آراستہ ہے یہ انوار ظلی اور صفاتی اور ذاتی کا قابل ہے اسی لیے اس کو خلعت خلافت پہنایا گیا۔ اور اسی کے لیے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً فرمایا گیا۔

یعنی انسان کو بہترین صورت اور متوازن درست ساخت میں بنایا کیونکہ علاوہ انسان کے ہر چوپایہ کی فطری ساخت واژگونی کے ساتھ ہے۔ صرف انسان دراز قامت اور صاف جلد والا ہے۔ اور اپنے ہاتھ سے کھانا کھاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝۵

پھر پھینک دیا اُس کو نیچوں سے نیچے ☆

انسانیت کا منفی پہلو:

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ''اس کو لائق بنایا فرشتوں کے مقام کا پھر جب منکر ہوا تو جانوروں سے بدتر ہے''۔ (تفسیر عثمانی)

آیت لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ کی تائید اس فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتی ہے جو صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

کی روایت سے آیا ہے کہ ہر بچہ کی پیدائش فطرت اسلام پر ہوتی ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنا دیتے ہیں یا عیسائی بنا دیتے ہیں یا مجوسی بنا دیتے ہیں فرق آیت وحدیث صرف اتنا ہے کہ آیت میں انسان کو اسفل بنا دینے کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی ہے لیکن یہ نسبت تخلیقی ہے۔ کیونکہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے اور حدیث میں یہودہ عیسائی یا مجوسی بنا دینے کی نسبت ماں باپ کی طرف کی ہے۔ مگر یہ نسبت کسبی ہے کیونکہ انسان اپنے اعمال کا کاسب (فاعل) ہے۔

سافلین سے مراد شاید وہ درندے اور چرندے اور شیاطین ہیں جن کی سرشتی استعداد ہی اللہ نے پست بنائی ہے۔ کہ نہ ان کے لیے کسی انسانی کمال کو حاصل کرنا ممکن ہے نہ مراتب قرب اور انوار رحمانیہ تک چڑھنا۔ سافل کی جمع سالم سافلین ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ (اگر چہ درندے چرندے پرندے وغیرہ ذی عقل نہیں مگر شیاطین جنات تو حامل عقل ہیں) غیر ذی عقل پر اصحاب عقل کو تغلیب دیدی گئی۔ پس انسان جب اپنی صلاحیتوں کو تباہ کر دیتا ہے منعم کا شکر نہیں کرتا کامیابی اور رضائے خداوندی کے اسباب فراہم نہیں کرتا اور کفر و ناشکری وغیرہ کو اختیار کرتا ہے۔ جو غضب الٰہی کی موجب اور داعی ہے۔ تو اللہ اس کو ہر خبیث سے زیادہ خبیث ہر ذلیل سے زیادہ ذلیل اور کتوں اور سوروں بلکہ شیطانوں سے زیادہ بدحال اور بدمآل کر دیتا ہے۔

مومن کی مسرت اور کافر کی حسرت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔ کافر کے لیے جنت کی طرف ایک دریچہ کھول دیا جاتا ہے وہ اہل جنت کو اور موجودات جنت کو دیکھتا ہے۔ اور اس سے کہا جاتا ہے کہ ان چیزوں کو دیکھو جن کو اللہ نے تیری طرف سے موڑ دیا ہے۔ پھر دوزخ کی طرف ایک دریچہ کھول دیا جاتا ہے۔ (الحدیث)

اس حدیث کو ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے۔ ایسا کرنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مومن کو پوری مسرت ہو اور کافر کو کامل حسرت ہو۔ بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں کوئی اس وقت تک نہ جائے گا۔ جب تک کہ اس کی دوزخ والی جگہ نہ دکھا دی جائے۔ یہ دوزخ والی جگہ اس کے لیے اس وقت ہوتی جب وہ بدی کا مرتکب ہوتا ہے ایسا اس لیے کیا جائے گا کہ وہ زیادہ شکر ادا کرے۔ اور دوزخ میں کوئی اس وقت تک نہ جائے گا جب تک کہ اس کو جنت والی جگہ نہ دکھا دی جائے۔ یہ جگہ اس کے لیے اس وقت ہوتی جب وہ نیکوکار رہتا۔ ایسا اس کی حسرت بڑھانے کے لیے کیا جائے گا۔

لیکن شیاطین (اور جانوروں) کی حالت ایسی نہیں ہوتی کیونکہ ان کے اندر جنت میں داخل ہونے کی (فطری) صلاحیت ہی نہیں ہے حسن مجاہد، قتادہ رضی اللہ عنہ اسفل سافلین سے مراد دوزخ کو قرار دیا ہے کیونکہ دوزخ کے (مختلف طبقات ہوں گے) بعض درجات بعض سے اسفل ہوں گے ابو العالیہؒ نے کہا یعنی ہم اس کو دوزخ کی طرف خنزیر وغیرہ کی بدترین صورت میں لے جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
مگر جو یقین لائے اور عمل کیے اچھے
فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۶
سو اُن کیلئے ثواب ہے بے انتہاء

جو کبھی کم یا ختم نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان کسی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالی اس کے اعمال لکھنے والے فرشتوں کو حکم دے دیتے ہیں کہ جو جو عمل خیر یہ اپنی تندرستی میں کیا کرتا تھا۔ وہ سب اس کے اعمال نامہ میں لکھتے رہو۔ (رواہ البغوی فی شرح السنۃ و البخاری عن ابی موسیٰ مشکوٰۃ فی المریض والمسافر) (معارف مفتی اعظم)

مومن کی بیماری اور بڑھاپا:

خیال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب عام انسان کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے تو انتہائی بوڑھا اور کھوسٹ ہونے کے بعد مومن بھی ایسا بدحال ہو جاتا ہوگا اور ایسی زندگی مومن کے لیے وبال ہوگی۔ اس خیال کو دور کرنے کے لیے فرمایا کہ ہاں جن اہل ایمان نے اس ناکارہ عمر کو پہنچنے سے قوت اور جوانی کی حالت میں نیک اعمال کیے ہوں گے۔ ان کا اجر (پیرانہ سالی اور ضعف جسمانی و عقلی کی وجہ سے) منقطع نہیں ہوجاتا جیسے اعمال صالحہ قوت و جوانی کی حالت میں تھے ویسے ہی اس ناکارہ عمر میں پہنچنے کے بعد ان کے لیے لکھے جاتے ہیں ضحاکؒ نے کہا (یعنی) اجر بغیر عمل کے۔

عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول آیا ہے۔ جسکو ابن جریرؒ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ لوگ ناکارہ عمر کو پہنچ گئے تھے جب ان کے ہوش وحواس درست نہ رہے تو ان کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔ تو اللہ کی طرف سے ان کی معذوری میں یہ فیصلہ نازل ہوا کہ اوسان خطا ہونے سے پہلے جو (اچھے) اعمال انہوں نے کیے تھے۔ ان کے لیے (اس بدحواسی کے زمانہ کے اعمال کا) اجر (بھی ویسا ہی) ہے۔

عاصم رضی اللہ عنہ احول نے بروایت عکرمہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا ہے اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (یعنی) وہ لوگ جو قرآن پڑھتے تھے ان کو ناکارہ بدترین عمر تک نہیں پہنچایا جاتا جلال الدین محلی نے لکھا ہے کہ مومن اگر اتنی عمر کو پہنچ جائے کہ عمل سے عاجز ہو۔ تب بھی اس

کے لیے عمل کا اجر لکھا جاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مسلمان کسی جسمانی مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ اس کے لیے (اب بھی) وہی نیک عمل لکھ جو وہ صحت کی حالت میں کرتا تھا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی حدیث مروی ہے۔ دونوں روایتیں بغویؒ نے نقل کی ہیں اور بخاریؒ نے مریض و مسافر کے بارے میں ایسی ہی حدیث حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ ۝۷

پھر تو اس کے پیچھے کیوں جھٹلائے بدلہ ملنے کو ☆

منکرین کے پاس انکار کا کوئی جواز نہیں ہے:

یعنی او آدمی! ان دلائل کے بعد کیا سبب ہے جس کی بناء پر سلسلہ جزاء وسزا کا انکار کیا جا سکتا ہے؟ یا یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو گا یعنی ایسے صاف بیانات کے بعد کیا چیز ہے جو منکرین کو جزاء کے معاملہ میں تمہاری تکذیب پر آمادہ کرتی ہے؟ خیال کرو انسان کو اللہ نے پیدا کیا اور بہترین شکل وصورت میں پیدا کیا اس کا قوام ایسی ترکیب سے بنایا کہ اگر چاہے تو نیکی اور بھلائی میں ترقی کر کے فرشتوں سے آگے نکل جائے کوئی مخلوق اس کی ہمسری نہ کر سکے۔ (۱) چنانچہ اس کے کامل نمونے دنیا نے شام، بیت المقدس، کوہ طور اور مکہ معظمہ میں اپنے اپنے وقت پر دیکھ لیے جن کے نقش قدم پر اگر آدمی چلیں تو انسانی کمالات اور دارین کی کامیابی کے اعلیٰ ترین مقامات پر پہنچ جائیں۔ لیکن انسان خود اپنی بد تمیزی اور بد عملی سے ذلت و ہلاکت کے گڑھے میں گرتا اور اپنی پیدائشی بزرگی کو گنوا دیتا ہے۔ کسی ایماندار اور نیکو کار انسان کو اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ نیچے نہیں گراتا بلکہ اس کے تھوڑے عمل کا بے اندازہ صلہ مرحمت فرماتا ہے۔ کیا ان حالات کے سننے کے بعد بھی کسی کا منہ ہے جو دین فطرت کے اصول اور جزاء وسزا کے ایسے معقول قاعدوں کو جھٹلا سکے؟ ہاں ایک ہی صورت تکذیب وانکار کی ہو سکتی ہے کہ دنیا کو یونہی ایک بے سرا کارخانہ فرض کر لیا جائے۔ جس پر نہ کسی کی حکومت ہو نہ یہاں کوئی آئین وقانون جاری ہو، نہ کسی بھلے برے پر کوئی گرفت کر سکے اس کا جواب آگے دیتے ہیں "اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ". (تفسیر عثمانی)

فرمایا اے انسان کیا باعث ہے کہ تو تکذیب جزاء کر رہا ہے یا یہ مراد ہے کہ کس چیز نے تجھ کو کاذب بنایا ہے کہ تو برخلاف حق حشر نشر اور جزا وسزا کا منکر ہے باوجود یہ کہ تیرے اندر خود ایسی کھلی دلیلیں موجود ہیں کہ جس نے تجھے پیدا کیا اور طاقتور بنایا اور پھر کمزور کیا اور مردہ بنایا۔ وہ تجھ کو دوبارہ زندہ کرنے اور کئے کرائے کی سزا و جزا دینے پر قادر ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸

کیا نہیں ہے اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم ☆

شہنشاہِ حقیقی:

یعنی اس کی شہنشاہی کے سامنے دنیا کی سب حکومتیں ہیچ ہیں۔ جب یہاں کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں اپنے وفاداروں کو انعام اور مجرموں کو سزا دیتی ہیں تو اس احکم الحاکمین کی سرکار سے یہ توقع کیوں نہ رکھی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

ابر و باد مہ و خورشید و فلک در کارند — تا تو نے بکف آری و بغفلت نہ خوری

آب و باد و خاک آتش بندہ اند — با من و تو مردہ با حق زندہ اند

(معارف کاندھلوی)

مسئلہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سورۂ تین پڑھے اور اس آیت پر پہنچے اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ تو اس کو چاہیے کہ یہ کلمہ کہے وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ اس لیے حضرات فقہاء نے فرمایا کہ یہ کلمہ پڑھنا مستحب ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

مطلب یہ ہے کہ وہ خدا کہ جس نے تخلیق کی اور پھر انسان کو اسفل ترین بنا دیا۔ کیا وہ بناوٹ اور تدبیر کا سب سے بڑا حاکم نہیں اور جب ایسا ہے تو کیا وہ دوبارہ زندہ کرنے اور سزا و جزا دینے کی قدرت نہیں رکھتا (ضرور رکھتا ہے)۔

حضرت براءؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز کے اندر ایک رکعت میں وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ پڑھی۔ (رواہ البخاری تفسیر مظہری)

الحمدللہ سورۃ التین ختم ہوئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورة العلق

جس نے اس کو خواب میں پڑھا اس کی عمر طویل ہوگی۔ اور اس کا مرتبہ بلند ہوگا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعَ عَشَرَةَ اٰيَةً
سورۂ علق مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی انیس آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ
پڑھ اپنے رب کے نام سے ☆

سب سے پہلی وحی:

یہ پانچ آیتیں (اقرا سے مالم یعلم تک) قرآن کی سب آیتوں اور سورتوں سے پہلے اتریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم "غار حراء" میں خدائے واحد کی عبادت کر رہے تھے کہ اچانک جبریلؑ وحی لیکر آئے اور آپ کو کہا "اِقْرَاْ" (پڑھئے) آپ نے فرمایا "ما انا بقارئ" (میں پڑھا ہوا نہیں) جبریلؑ نے کئی بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زور زور سے دبایا اور بار بار وہی لفظ "اِقْرَاْ" کہا آپ وہی "ما انا بقارئ" جواب دیتے رہے تیسری مرتبہ جبریلؑ نے زور سے دبا کر کہا "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ" الخ یعنی اپنے رب کے نام کی برکت اور مدد سے پڑھئے۔ مطلب یہ ہے کہ جس رب نے ولادت سے اس وقت تک آپ کی عجیب اور نرالی شان سے تربیت فرمائی جو پتہ دیتی ہے کہ آپ سے کوئی بہت بڑا کام لیا جانیوالا ہے کیا وہ آپ کو ادھر میں چھوڑیگا؟ ہرگز نہیں اسی کے نام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہوگی جس کی مہربانی سے تربیت ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آغازِ وحی کا واقعہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز سچے خوابوں سے ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب دیکھتے وہ صبح کی پو پھٹنے کی طرح سامنے آجاتا تھا۔ کچھ مدت کے بعد آپ تخلیہ پسند بنا دیئے گئے۔ اور غار حرا میں خلوت گزیں ہونے لگے۔ وہاں آپ معتدد راتیں بغیر گھر آئے عبادت میں گذارتے تھے (مگر) کھانے کا سامان ساتھ لے جاتے تھے جب کھانا ختم ہو جاتا تو پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر حسب سابق کھانے کا سامان لے جاتے یہاں تک کہ حق آگیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم حراء میں ہی تھے کہ فرشتے نے آکر کہا اقراء (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کہ میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتے نے (یہ جواب سن کر) مجھے پکڑ کر اتنی زور سے دبایا کہ میں بے طاقت ہوگیا پھر چھوڑ کر کہا اقراء میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس نے پھر پکڑ کے مجھے اتنی زور سے دبایا کہ میں بے طاقت ہوگیا۔ پھر چھوڑ کر کہا اقراء میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اس نے تیسری بار مجھے دبایا اور کہا

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○
اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ○

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان آیات کے ساتھ لوٹ کر (گھر) آئے اس وقت آپ کا دل دھڑک رہا تھا۔ سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ کر فرمایا کہ مجھے کپڑا اڑھاؤ۔ مجھے کپڑا اڑھاؤ مجھے کپڑا اوڑھاؤ (گھر والوں نے کپڑا اوڑھا دیا) یہاں تک کہ جب خوف (دل سے) جاتا رہا تو خدیجہؓ کو واقعہ بتایا اور فرمایا مجھے اپنی جان کا خدشہ ہے خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا۔ خدا کی قسم اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی رنج نہیں پہنچائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عاجزوں کا بار اٹھاتے ہیں آپ ناداروں کو مال دیتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہمان کی میزبانی کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی مصائب میں امداد کرتے ہیں اس کے بعد خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل بن سید بن عبدالعزیٰ کے پاس لے گئیں۔ ورقہ جاہلیت کے زمانے میں عیسائی ہوگئے تھے۔ عبرانی کتاب لکھتے تھے۔ اور انجیل کو عربی میں حسب مشیت خدا تحریر کرتے تھے۔ بہت بوڑھے اور نابینا ہوگئے تھے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا میرے چچا کے بیٹے اپنے بھتیجے سے تو سنو (یہ کیا کہتے ہیں) ورقہ نے کہا کہ بھتیجے تم کو کیا دکھتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا وہ بتا دیا ورقہ نے کہا کہ یہ وہی ناموس ہے جس کو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا کاش میں اس زمانے میں جوان ہوتا کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جبکہ تم کو تمہاری قوم نکال دے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وہ مجھے نکال دیں گے ورقہ نے کہا کہ ہاں جو چیز تم لے کر آئے ہو جو شخص بھی ایسی چیز لے کر آیا اس کو ضرور ایذاء دی گئی اگر مجھے تمہارا وہ زمانہ ملا تو میں تمہاری بڑی مضبوط مدد کروں گا۔ پھر کچھ مدت کے بعد ورقہ کا انتقال ہوگیا اور وحی رک گئی۔

عزلت نشینی کی مدت:

غار حرا میں گوشہ گیر ہونے کی مقدار مدت میں مختلف اقوال ہیں صحیحین میں

آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حرا میں میں ایک ماہ تک معتکف رہا اور وہ رمضان کا مہینہ تھا۔ ابن اسحاق نے سیرت میں اسی کو نقل کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گھبراہٹ کا سبب:

قسطلانی نے کہا کہ نزول وحی کے بعد لرزہ پیدا ہونے کا جو ذکر حدیث میں آیا ہے وہ جبرئیل علیہ السلام کے خوف سے نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو اس سے بہت اعلیٰ تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ثابت القلب تھے بلکہ اس خوف کی وجہ سے لرزہ پیدا ہو گیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے علاوہ دوسرے کے شغل میں مصروف ہونا پڑتا بعض لوگوں نے کہا کہ بار نبوت کے اٹھانے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔

ابونعیم کی نقل کردہ روایت میں آیا ہے کہ جبرئیل اور میکائیل علیہ السلام دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ چاک کیا اور دھویا تھا اور کہا تھا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الخ۔

اسرافیل کی معیت:

امام احمدؒ کی روایت شعبیؒ سے آئی ہے کہ چالیس سال کی عمر میں نبوت کا نزول ہوا نبوت کے تین سال تک اسرافیل علیہ السلام ساتھ رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بات اور کسی چیز کی تعلیم دیتے رہے مگر اسرافیل علیہ السلام کی زبانی قرآن مجید نازل نہیں ہوا جب تین سال گزر گئے تو جبرئیل علیہ السلام کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے ہوا اور بیس سال تک جبرئیل علیہ السلام کی زبانی قرآن مجید اترتا رہا۔ (تفسیر مظہری)

جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں دبایا:

حضرت جبرئیل علیہ السلام کا دبانا بظنِ غالب واللہ اعلم بحقیقۃ الحال اس لئے ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بار وحی کے تحمل کی استعداد پیدا کر دیں اور لفظ رب سے اشارہ اس طرف ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل تربیت کریں گے اور نبوت کے درجات اعلیٰ پر پہنچا دیں گے صحیحین اور دوسری معتبر روایات سے ثابت اور جمہور سلف وخلف کا اس پر اتفاق ہے کہ وحی کی ابتداء سورئہ علق یعنی اقراء سے ہوئی ہے اور اس سورت کی ابتدائی پانچ آیتیں مَا لَمْ يَعْلَمْ تک سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ بعض حضرات نے سورۂ مدثر کو سب سے پہلی سورت قرار دیا ہے اور بعض نے سورۂ فاتحہ کو۔ امام بغوی نے فرمایا کہ جمہور سلف وخلف کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ سب سے پہلے سورۂ اقراء کی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔ (کذا روی عن ابن عباس والزہری وعمرو بن دینار، درمنثور)

سچے خواب: صحیحین کی ایک طویل حدیث میں نبوت اور وحی کی ابتداء کا واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ وحی رؤیائے صالحہ یعنی سچے خوابوں سے شروع ہوا جس کی کیفیت یہ تھی کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں دیکھتے بالکل اس کے مطابق واقعہ پیش آتا اور اس میں کسی تعبیر کی بھی ضرورت نہ تھی، صبح کی روشنی کی طرح واضح طور پر خواب میں دیکھا ہوا واقعہ سامنے آ جاتا تھا۔

غارِ حرا میں گوشہ تنہائی:

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق سے یکسوئی اور خلوت میں عبادت کرنے کا داعیہ قوی پیش آیا جس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ حرا کو منتخب فرمایا (یہ غار مکہ کے قبرستان جنۃ المعلیٰ سے کچھ آگے ایک پہاڑ پر ہے جس کو جبل النور کہا جاتا ہے اس کی چوٹی دور سے نظر آتی ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس غار میں جا کر راتوں کو رہتے اور عبادت کرتے تھے جب تک اہل وعیال کی خبر گیری کی ضرورت پیش نہ آتی اس وقت تک وہیں مقیم رہتے اور اس وقت کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضروری توشہ لے جاتے تھے اور پھر توشہ ختم ہو جانے کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ام المؤمنین کے پاس تشریف لاتے اور مزید کچھ دنوں کے لئے توشہ لے جاتے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی غار حرا میں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حق یعنی وحی پہنچی۔ (معارف مفتی اعظم)

الَّذِىْ خَلَقَ ۝۱
جوسب کا بنانے والا ☆

صفت تخلیق: یعنی جس نے سب چیزوں کو پیدا کیا، کیا وہ تم میں صفت قرأت پیدا نہیں کرسکتا۔ (تفسیر عثمانی)

الذی خلق سے مراد ہے وہ خدا جس کی صفت مخصوص تخلیق وتکوین ہے کسی دوسرے میں اس صفت کا پایا جانا ممکن نہیں۔ (تفسیر مظہری)

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲
بنایا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے ☆

جمے ہوئے خون سے انسان تک:

جمے ہوئے خون میں، نہ حس ہے، نہ شعور، نہ علم، نہ ادراک، محض جماد لایعقل ہے پھر جو خدا جماد لایعقل کو انسان عاقل بنا تا ہے وہ ایک عاقل کو کامل اور ایک امی کو قاری و عالم نہیں بنا سکتا؟ یہاں تک قرأت کا امکان ثابت کرنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو کچھ مشکل نہیں کہ تم کو باوجود امی ہونے کے قاری بنادے آگے اس کی فعلیت اور وقوع پر متنبہ فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

انسانی امتیازات:

(۱) انسان ساری کائنات کا مجموعہ ہے جو کچھ اس بڑے سنسار میں موجود ہے وہ سب انسان میں موجود ہے اسی لئے انسان کو عالم صغیر کہا جاتا ہے۔ پس

انسان کو پیدا کرنے کے یہ معانی ہوئے کہ سارے جہان کی ہر چیز کو پیدا کر دیا۔

(۲) انسان اشرف المخلوقات ہے انوار ذات وصفات کی قابلیت رکھتا ہے معرفت کا مستحق ہے اور معرفت خداوندی ہی تخلیق کائنات کی غرض ہے اللہ نے فرمایا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ یعنی جنات اور انسان کو میں نے صرف اپنی معرفت کے لئے پیدا کیا۔ حدیث قدسی میں ہے لو لا ک لما خلقت الافلاک ولما اظهرت الربوبية اگر تم (کو پیدا کرنا) نہ ہوتا تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا اور اپنی ربوبیت کا اظہار نہ کرتا۔ اس حدیث میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنایا گیا ہے کیونکہ معرفت الٰہیہ کے لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسان کے فرد اکمل تھے۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعراف فخلقتُ الْخَلقَ میں چھپا خزانہ تھا میں نے اپنی شناخت کرانی پسند کی اس لئے مخلوق کو پیدا کر دیا۔ پس آیت میں انسان کے خصوصی ذکر کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے شرف کو ظاہر کرنا اور یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان ہی تخلیق کائنات کا مقصد ہے۔

(۳) انسان ہی تکالیف شرعیہ کا مکلّف اور ضوابط الٰہیہ کا مامور اول ہے وہی دوسروں کے حال اور اپنے حال میں فرق سمجھتا ہے پس اپنے احوال کے تغیر کو دیکھ کے صانع ہستی پر استدلال اس کے لئے معرفت الٰہیہ کے حصول کا قریب ترین ذریعہ ہے (اس لئے اسی کی تخلیق کا بیان کیا)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت:

یہ بھی ممکن ہے کہ الانسان سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت مبارکہ ہو اور خصوصیت ذکر کی وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف ہو یا اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کلام کے مخاطب ہیں۔

تمام دوروں میں وسطی دور کو اختیار کرنے سے تمام احوال کی تخلیق کی طرف اشارہ ہے کیونکہ (سب سے پہلے) انسان مٹی سے بنایا گیا پھر انسانی جسم کے اندر پہنچنے والی غذائیں کثیر تغیرات کے بعد منی کی شکل اختیار کرتی ہیں پھر نطفہ بستہ خون ہو جاتا ہے پھر جامد خون بوٹی بن جاتا ہے پھر ہڈیاں بنتی ہیں پھر ہڈیوں پر گوشت کا لباس پہنایا جاتا ہے پھر روح پھونکی جاتی ہے اور انسان ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

> اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳
>
> پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے ☆

آپ صلی اللہ علیہ وسلم قلم کے بغیر پڑھیں گے:

یعنی آپ کی تربیت جس شان سے کی گئی اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل استعداد اور لیاقت نمایاں ہے جب ادھر سے استعداد میں قصور نہیں اور ادھر سے مبدا فیاض میں بخل نہیں بلکہ وہ تمام کریموں سے بڑھ کر کریم ہے پھر وصول فیض میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے ضرور ہے کہ یونہی ہو کر رہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی حقیقت میں اللہ ہی کریم ہے اس کی ذات اور صفات میں کوئی شریک نہیں دوسرا چونکہ اللہ کی صفتیں کرم و رحمت کا آئینہ ہیں اس لئے مجازاً ان کو کریم و رحیم کہہ دیا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

> الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴
>
> جس نے علم سکھایا قلم سے ☆

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی لکھا پڑھا نہ تھا فرمایا کہ قلم سے بھی علم وہی دیتا ہے یوں بھی وہی دیگا" اور ممکن ہے ادھر بھی اشارہ ہو کہ جس طرح مفیض و مستفیض کے درمیان قلم واسطہ ہوتا ہے اللہ اور محمد کے درمیان جبریلؑ محض ایک واسطہ ہیں جس طرح قلم کا توسط اس کو مستلزم نہیں کہ مستفیض سے افضل ہو جائے۔ ایسے ہی یہاں حقیقت جبریلیہ کا حقیقت محمدیہ سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔ (تفسیر عثمانی)

تعلیم کا سب سے بڑا اہم ذریعہ قلم اور کتابت ہے:

ایک صحیح حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لما خلق الله الخلق كتب فی كتابه فهو عنده فوق العرش ،ان رحمتی غلبت غضبی یعنی اللہ تعالیٰ نے ازل میں جب مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب میں جو عرش میں اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یہ کلمہ لکھا "میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی"

اور حدیث میں یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اول ما خلق الله القلم فقا ل له اكتب ما يكون الىٰ القيمة فهو عنده فی الذكر فوق عر شه ،یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس کو حکم دیا کہ لکھے، اس نے تمام چیزیں جو قیامت تک ہونے والی تھیں لکھ دیں، یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے پاس عرش پر ہے۔ (قرطبی)

قلم کی تین قسمیں:

علماء نے فرمایا ہے کہ عالم میں قلم تین ہیں۔ ایک سب سے پہلا قلم جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور تقدیر کائنات لکھنے کا اس کو حکم دیا کہ لکھے۔ دوسرے فرشتوں کے قلم کہ جس سے وہ تمام ہونے والے واقعات اور ان کی مقادیر کو نیز انسانوں کے اعمال کو لکھتے ہیں۔ تیسرے عام انسانوں کے قلم جن سے وہ اپنے کلام لکھتے اور اپنے مقاصد میں کام لیتے ہیں اور کتابت درحقیقت بیان کی ایک قسم ہے اور بیان انسان کی مخصوص صفت ہے۔ (قرطبی)

دست قدرت سے بنائی ہوئی چار چیزیں:

امام تفسیر مجاہد نے ابو عمرو رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری

کائنات میں چار چیزیں اپنے دست قدرت سے خود بنائیں، اور ان کے سوا باقی مخلوقات کے لئے حکم دیا کُن یعنی ہو جا وہ موجود ہو گئیں۔ یہ چار چیزیں یہ ہیں قلم، عرش، جنت عدن، آدم علیہ السلام۔

علم کتابت سب سے پہلے دنیا میں کس کو دیا گیا:

بعض حضرات نے فرمایا کہ سب سے پہلے یہ فن کتابت ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو سکھایا گیا اور سب سے پہلے انہوں نے لکھنا شروع کیا (کعب احبار) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ سب سے پہلے یہ فن حضرت ادریس علیہ السلام کو ملا ہے اور سب سے پہلے کاتب دنیا میں وہی ہیں۔ (ضحاک)

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر شخص جو کتابت کرتا ہے وہ تعلیم منجانب اللہ ہی ہے۔

خط وکتابت اللہ کی بڑی نعمت ہے:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قلم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اگر یہ نہ ہوتا تو نہ کوئی دین قائم رہتا اور نہ دنیا کے کاروبار درست ہوتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا کرم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو ان چیزوں کا علم دیا جن کو وہ نہیں جانتے تھے اور ان کو جہل کی اندھیری سے نور علم کی طرف نکالا اور علم کتابت کی ترغیب دی کیونکہ اس میں بے شمار اور بڑے منافع ہیں جن کا اللہ کے سوا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔ تمام علوم و حِکَم کی تدوین اولین وآخرین کی تاریخ ان کے حالات و مقالات اور اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئیں کتابیں سب قلم ہی کے ذریعہ لکھی گئیں اور رہتی دنیا تک باقی رہیں گی، اگر قلم نہ ہوتو دین و دنیا کے سارے کام مُختَل ہو جائیں۔

علماء سلف وخلف نے ہمیشہ خط وکتابت کا بہت اہتمام کیا ہے:

علماء سلف وخلف نے ہمیشہ خط وکتابت کا بڑا اہتمام کیا ہے جس پر ان کی تصانیف کے عظیم الشان ذخائر آج تک شاہد ہیں افسوس یہ ہے کہ ہمارے اس دور میں علماء اور طلباء نے اس اہم ضرورت کو ایسا نظر انداز کیا ہے کہ سینکڑوں میں دو چار آدمی مشکل ہی سے تحریر خط وکتابت کے جاننے والے ہیں فالی اللہ المشتکیٰ۔

ذریعہ علم صرف قلم ہی نہیں بلکہ بے شمار ذرائع ہیں:

اس آیت میں اس کا ذکر ہے کہ اصل تعلیم دینے والا اللہ تعالیٰ سبحانہٗ ہے اور اس کے ذرائع تعلیم بیشمار ہیں، کچھ قلم ہی کے ساتھ مخصوص نہیں اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ علم دیا کہ جس سے وہ پہلے ناواقف تھا، اس میں قلم یا کسی دوسرے ذریعہ تعلیم کا ذکر نہ فرمانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ کی یہ تعلیم انسان کی ابتداء آفرینش سے جاری ہے کہ اول اس میں عقل پیدا کی، جو سب سے بڑا ذریعہ علم ہے، انسان اپنی عقل سے خود بغیر کسی تعلیم کے بہت سی چیزیں سمجھتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

تحریر کی عظمت: یعنی عَلَّمَ الْخَطَّ بِالْقَلَمِ اللہ نے قلم سے لکھنے کا طریقہ سکھایا تاکہ علوم اور آسمانی کتابیں مفید ہوسکیں اور مدت تک باقی رہ سکیں اور دور کی چیزوں کی اطلاع ہو سکے۔ سب سے پہلے تعلیم تحریر کا ذکر تحریر کی عظمت کو ظاہر کر رہا ہے کیونکہ سیکھنے سکھانے کی اصل غرض یہ ہے کہ سیکھنے والا یاد رکھے اور علوم باقی رہے اور علوم کا تحفظ اکثر تحریر ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سب سے اول لکھنے والے حضرت ادریس علیہ السلام ہی تھے (یعنی تحریر حرفی حضرت ادریس علیہ السلام کی ایجاد ہے) (تفسیر مظہری)

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝٥
سکھلایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا☆

انسانی علم کی خصوصیت:

یعنی انسان کا بچہ ماں کے پیٹ میں پیدا ہوتا ہے تو کچھ نہیں جانتا۔ آخر اسے رفتہ رفتہ کون سکھاتا ہے بس وہی رب قدیر جو انسان کو جاہل سے عالم بناتا ہے اپنے ایک اُمّی کو عارف کامل بلکہ تمام عارفوں کا سردار بنا دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

معلوم ہوتا ہے کہ دوسری کائنات انسانی علم کا ایک حصہ ہے (انسان کو دوسری کائنات سے زیادہ علم دیا گیا ہے) کیونکہ پہلی آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان ہو یا دوسری مخلوق (ملائکہ وغیرہ) سب کو قلم کے ذریعہ سے علم دیا ہے اور قلم سے دیا ہوا علم تمام کا تمام لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ کوئی چھوٹی بڑی خشک وتر چیز ایسی نہیں ہے کہ لوح محفوظ سے چھوٹ گئی ہو سب لوح محفوظ میں لکھی ہوئی موجود ہے لیکن انسان کو دیا ہوا علم مکتوب لوح محفوظ کے علاوہ بھی ہے اللہ نے فرمایا وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (اگر علم آدم صرف وہی ہوتا جو لوح محفوظ میں تحریر ہے) تو فرشتے آدم کے سوال کا جواب کیوں نہ دے سکتے) حقیقت ذات باری تعالیٰ کا علم حصولی نہیں کہ لوح محفوظ میں اس کی سمائی ہو سکے اور قلم اس کو لکھ لے وہ تو علم حضوری کی ایک شاخ ہے بلکہ اس کائنات سے وراء حقیقت خداوندی کے بعد انسان کو ذات موہوم کے سوائے کچھ حاصل نہیں ہوتا ایک شاعر کا قول ہے۔

فان من جودک الدنیا و من فیها
ومن علومک علم اللوح والقلم

دنیا اور جو کوئی دنیا میں ہے تیری سخاوت کا ایک جز ہے اور علم لوح وقلم تیرے ہی علوم کا ایک حصہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ما انا بقاری کہا اور جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر اتنی زور سے دبایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے طاقت ہو گئے اور اقراء کہا تو تین بار اقراء کہنے سے اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اولین اور آخرین سب علوم عطا فرما دیئے کیونکہ

بندوں کے تمام افعال کا تو خالق اللہ ہی ہے (وہی نہ جاننے والے کو علم دیتا ہے اور نہ پڑھ سکنے والے کو پڑھنا بتاتا ہے) اس کے بعد اپنے انعام کا ذکر کیا اور فرمایا عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ۔ ایک اور آیت میں آیا ہے وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ یعنی تم کو وہ علم عطا کیا جس سے تم ناواقف تھے۔

سب سے پہلی نماز:

مواہب لدنیہ میں ایک روایت مذکور ہے جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خوبصورت ترین شکل اور پاکیزہ ترین خوشبو کے ساتھ نمودار ہوئے اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو اللہ سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ تم جن و انس کے لئے رسول (بنا کر بھیجے گئے) ان کو کلمہ لآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی دعوت دو پھر جبرئیل علیہ السلام نے اپنا پاؤں زمین پر مارا فوراً پانی کا ایک چشمہ ابل پڑا جبرئیل علیہ السلام نے خود اس سے وضو کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس سے وضو کرنے کا حکم دیا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وضو کیا) جبرئیل علیہ السلام نماز پڑھنے کھڑے ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی (اپنے ساتھ) نماز پڑھنے کا حکم دیا اس طرح جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو اور نماز کی تعلیم دی پھر خود آسمان پر چڑھ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (واپس آئے) راستہ میں جس پتھر ڈھیلے اور درخت کی طرف سے گزرتے وہ کہتا تھا السلام علیکم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچے اور ان سے واقعہ بیان کیا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا انتہائی مسرت سے مدہوش ہوگئیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وضو کرنے کا حکم دیا اور ان کو ساتھ لیکر اسی طرح نماز پڑھی جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر جبرئیل علیہ السلام نے پڑھی تھی۔

پس سب سے پہلے یہی دو رکعت نماز فرض ہوئی پھر سفر میں تو اللہ نے اس کو اسی طرح ادا کرنے کا حکم برقرار رکھا اور اقامت کی حالت میں پوری چار کر دیا۔

ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ معراج سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً نماز پڑھتے تھے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اسی طرح نماز پڑھتے تھے اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ پنجگانہ نمازوں سے پہلے کیا کوئی نماز فرض تھی یا نہ تھی بعض علماء کا خیال ہے کہ طلوع اور غروب سے پہلے نماز فرض تھی (یعنی فجر و عصر)

ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ سب سے اول دعوت توحید اور (مشرکین کو عذاب سے) ڈرانا واجب ہوا پھر اتنا قیام شب جس کا ذکر سورۂ مزمل کے اول میں آیا ہے واجب ہوا پھر سورۂ مزمل کے آخری حکم نے قیام شب کی اتنی مقدار کو منسوخ کر دیا جس کا ذکر اول سورت میں آیا ہے پھر مکہ میں شب معراج کے اندر پنجگانہ نمازوں کی فرضیت سے قیام شب کا وجوب منسوخ ہوگیا۔

روایت مذکورہ میں جو یہ آیا ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو سکھایا اور وضو کرنے کا حکم دیا تو ان الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ معراج سے پہلے وضو فرض ہوگیا تھا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ
کوئی نہیں آدمی سر چڑھتا ہے اس سے
اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۗ
کہ دیکھے اپنے آپ کو بے پرواہ ☆

انسان کی سرکشی:

یعنی آدمی کی اصل تو اتنی ہے کہ جمے ہوئے خون سے بنا اور جاہل محض تھا۔ خدا نے علم دیا، مگر وہ اپنی اصل حقیقت کو ذرا یاد نہیں رکھتا دنیا کے مال و دولت پر مغرور ہو کر سرکشی اختیار کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مجھے کسی کی پرواہی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ابوجہل کی سرکشی: لَيَطْغٰى ابوجہل کفر میں اور اللہ کے مقابل غرور میں حد سے بڑھ رہا ہے۔ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى اس لئے کہ وہ اپنے کو غنی پاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

مسند احمد میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوجہل نے کہا کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس میں نماز پڑھتا دیکھ لوں گا اس کی گردن توڑ دوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ ایسا کرتا تو اسی وقت لوگوں کے دیکھتے ہوئے عذاب کے فرشتے اس کو پکڑ لیتے۔

دو لالچی: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دو لالچی ایسے ہیں کہ جن کا پیٹ ہی نہیں بھرتا، ایک طالب علم، اور ایک طالب دنیا، ان دونوں میں بڑا فرق ہے، علم کا طالب تو خدا کی رضامندی حاصل کرنے کی طرف بڑھتا رہتا ہے، اور دنیا کا لالچی سرکشی اور خود پسندی میں بڑھتا رہتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی یہ حدیث مرفوعاً یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے بھی مروی ہے کہ دو لالچی ہیں جو شکم پر نہیں ہوتے طالب علم اور طالب دنیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۗ
بے شک تیرے رب کی طرف پھر جانا ہے ☆

خدا کے پاس جا کر پتہ چلے گا:

یعنی اول بھی اس نے پیدا کیا اور آخر بھی اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اس وقت اس تکبر اور خود فراموشی کی حقیقت کھلے گی۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اے طاغی تیری واپسی تیرے رب کی طرف ہی ہو گی وہ تجھے اس طغیان کی سزا دے گا (تفسیر مظہری)

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى ۙ
تو نے دیکھا اُس کو جو منع کرتا ہے

عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝۱۰

ایک بندہ کو جب وہ نماز پڑھے ☆

ابوجہل ملعون کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دھمکی:

یعنی اس کی سرکشی اور تمرد کو دیکھو کہ خود تو اپنے رب کے سامنے جھکنے کی توفیق نہیں دوسرا بندہ اگر خدا کے سامنے سربسجود ہوتا ہے اسے بھی نہیں دیکھ سکتا ان آیات میں اشارہ ابوجہل ملعون کی طرف ہے جب وہ حضرت کو نماز پڑھتے دیکھتا تو چڑاتا اور دھمکاتا تھا اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچانے کی سعی کرتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۝ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى، اس آیت سے آخر سورۃ تک ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے کا حکم دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنا شروع کی تو ابوجہل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے سے روکا اور دھمکی دی کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ نماز پڑھیں گے اور سجدہ کریں گے تو معاذ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن کو پاؤں سے کچل دے گا، اس کے جواب اور اس کو زجر کرنے کے لئے یہ آیات آئیں ہیں ان میں فرمایا اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى یعنی کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، یہاں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ کس کو دیکھ رہا ہے اس لئے عام اور شامل ہے کہ نماز پڑھنے والی بزرگ ہستی کو بھی دیکھ رہا ہے اور اس سے روکنے والے بدبخت کو بھی اور یہاں صرف اس جملے پر اکتفا کیا گیا کہ ہم یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں آگے دیکھنے کے بعد کیا حشر کیا ہوگا اس کے ذکر نہ کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ہولناک انجام قابل تصور نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۝ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ابن جریر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوجہل آ گیا اور نماز سے روکا اس سلسلہ میں ارء یت سے کاذبة خاطئة تک آیات کا نزول ہوا۔

الَّذِيْ يَنْهٰى سے مراد ابوجہل اور عبداً سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰى ۝۱۱

بھلا دیکھ تو اگر ہوتا نیک راہ پر

اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ۝۱۲

یا سکھلاتا ڈر کے کام

اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝۱۳

بھلا دیکھ تو اگر جھٹلایا اور منہ موڑا

یعنی نیک راہ پر ہوتا بھلے کام سکھاتا تو کیا اچھا آدمی ہوتا اب جو منہ موڑا تو ہمارا کیا بگاڑا کذا فی موضح القرآن وللمفسرین اقوال فی تفسیرها من شاء الاطلاع علیها فلیر اجع روح المعانی۔ (تفسیر عثمانی)

اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى یا پرہیز گاری کا حکم دے رہا ہو جبکہ وہ توحید اور نماز کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہا ہے (یعنی نماز پڑھنے اور توحید کی دعوت دینے میں اگر وہ بندہ حق پر ہوا تو اس روکنے والے کا نتیجہ کیا ہوگا یقیناً یہ اس وقت تباہ ہوگا)۔ (تفسیر مظہری)

ان آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابوجہل نے دونوں چیزوں کی روک کی تھی نماز پڑھنے کی بھی اور دعوت توحید کی بھی۔

اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! بتاؤ تو کہ اگر یہ حق سے روکنے والا تمہاری تکذیب کر رہا ہے اور ایمان سے منہ موڑ رہا ہے تو اللہ کے عذاب سے کیسے بچے گا یقیناً ہلاک ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

شیخ جلال الدین محلی نے آیات کی تشریح اس طرح کی ہے کہ اے مخاطب تجھے تعجب ہونا چاہئے کہ یہ نماز پڑھنے سے روکتا ہے باوجودیکہ جس کو روکتا ہے وہ ہدایت پر ہے اور تقویٰ کا حکم دیتا ہے اور روکنے والا مکذب ہے اور ایمان سے منہ موڑنے والا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۝۱۴

یہ نہ جانا کہ اللہ دیکھتا ہے ☆

اللہ دونوں کو دیکھ رہا ہے: یعنی اس ملعون کی شرارتوں کو اور اس نیک بندے کے خشوع وخضوع کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۝

کوئی نہیں اگر باز نہ آئے گا

لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝۱۵

ہم گھسیٹیں گے چوٹی پکڑ کر ☆

ابوجہل کو ذلت کا پیغام:

یعنی رہنے دو! یہ سب کچھ جانتا ہے پر اپنی شرارت سے باز نہیں آتا اچھا اب کان کھول کر سن لے کہ اگر اپنی شرارت سے باز نہ آیا تو ہم اس کو جانوروں اور ذلیل قیدیوں کی طرح سر کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝۱۶

کیسی چوٹی جھوٹی گناہ گار ☆

یعنی جس سر پر یہ چوٹی ہے وہ جھوٹ اور گناہوں سے بھرا ہوا ہے گویا اس کا دروغ اور گناہ بال بال میں سرایت کر گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول:

ترمذیؒ اور ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت نقل کی ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے ابو جہل آ گیا اور کہنے لگا کیا میں نے تجھے اس (نماز) سے منع نہیں کر دیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جھڑک دیا کہنے لگا تو خوب جانتا ہے کہ مکہ میں میری چوپال (نشستگاہ مجلس) سے بڑی کوئی چوپال نہیں (یعنی میرا جتھا بڑا ہے) تو مجھے جھڑکتا ہے خدا کی قسم میں اس وادی کو تیرے خلاف اعلیٰ گھوڑوں کے سواروں اور نوجوانوں اور پیادوں سے بھر دوں گا اس پر مندرجہ ذیل آیت اتری۔ (تفسیر مظہری)

فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿۱۷﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾

اب بلالیوے اپنی مجلس والوں کو ہم بھی بلاتے ہیں پیادے سیاست کرنے کو ☆

غلبہ اللہ ہی کیلئے ہے:

ابوجہل نے ایک مرتبہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے روکنا چاہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے جواب دیا کہنے لگا کہ کیا جانتے نہیں کہ مکہ میں سب سے بڑی مجلس میری ہے اس پر فرماتے ہیں کہ اب وہ مجلس والے ساتھیوں کو بلائے ہم بھی اس کی گوشمالی کے لیے اپنے سپاہی بلاتے ہیں دیکھیں کون غالب رہتا ہے۔ چند روز بعد ''بدر'' کے میدان میں دیکھ لیا کہ اسلام کے سپاہیوں نے اسے کس طرح گھسیٹ کر ''قلیب بدر'' میں پھینک دیا۔ باقی اصل وقت گھسیٹے جانے کا آخرت ہے جب دوزخ کے فرشتے اس کو نہایت ذلت کیساتھ جہنم رسید کرینگے۔ روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ ابو جہل حضرت کو نماز میں دیکھ کر چلا گیا کہ بے ادبی کرے وہاں پہنچا نہ تھا کہ گھبرا کر پیچھے ہٹا اور لوگوں کے دریافت کرنے پر کہا کہ مجھے اپنے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک آگ کی خندق نظر آئی جس میں کچھ پر رکھنے والی مخلوق تھی میں گھبرا کر واپس آ گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ (ملعون) ذرا آگے بڑھتا فرشتے اس کی بوٹی بوٹی جدا کر دیتے۔ گویا آخرت سے پہلے ہی دنیا میں اس کو ''سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ'' کا ایک چھوٹا سا نمونہ دکھلایا (تنبیہ) اکثر مفسرین نے ''زَبَانِيَةَ'' سے دوزخ کے فرشتے مراد لیے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا زبانیہ سے مراد ہیں جہنم کے زبانیہ (کارندے) زجاج نے کہا وہ درشت خو سخت مزاج ملائکہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر وہ اپنے کنبے والوں کو بلا لیتا تو جہنم کے کارندے علی الاعلان آنکھوں دیکھتے اس کو پکڑ لیتے محلی نے اس قول کو حدیث مرفوع کہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

كَلَّا ۖ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِب ﴿۱۹﴾ (السجدة)

کوئی نہیں مت مان اُس کا کہا اور سجدہ کر اور نزدیک ہو ☆

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی پرواہ نہ کریں:

یعنی آپ اس کی ہرگز پروا نہ کیجئے اور اس کی کسی بات پر کان نہ دھریے جہاں چاہو شوق سے اللہ کی عبادت کرو اور اس کی بارگاہ میں سجدے کر کے بیش از بیش قرب حاصل کرتے رہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ ''بندہ سب حالتوں سے زیادہ سجدہ میں اللہ تعالیٰ سے نزدیک ہوتا ہے''۔ (تفسیر عثمانی)

كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہے کہ ابوجہل کی بات پر کان نہ دھریں اور سجدہ اور نماز میں مشغول رہیں کہ یہی اللہ تعالیٰ کے قرب کا راستہ ہے۔

سجدے کی حالتیں قبولیت دعاء:

ابوداؤدؒ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **اقرب ما یکون العبد من ربه وهو ساجد فاکثر و الدعاء** یعنی بندہ اپنے رب سے قریب تر اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ سجدے میں ہو اس لیے سجدے میں بہت دعا کیا کرو۔ اور ایک دوسری صحیح حدیث میں یہ لفظ بھی آئے ہیں **فانه قمن ان یستجاب لکم** یعنی سجدے کی حالت میں دعا قبول ہونے کے لائق ہے۔

مسئلہ: نفل نمازوں کے سجدے میں دعا کرنا ثابت ہے۔ بعض روایات حدیث میں اس دعا کے خاص الفاظ بھی آئے ہیں وہ الفاظ ثورہ پڑھے جائیں تو بہتر ہے فرائض میں اس طرح کی دعائیں ثابت نہیں کیونکہ فرائض میں اختصار مطلوب ہے۔

مسئلہ: اس آیت کو پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہے صحیح مسلم بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت پر سجدہ تلاوت کرنا ثابت ہے واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

كَلَّا یقیناً ایسا ہوگا اگر اس نے اپنے کنبہ والوں کو بلایا تو ہم زبانیہ کو بلائیں گے یا یہ معنی ہے کہ یقیناً یہ اپنے جتھے کو نہیں بلوا سکے گا۔

وَاقْتَرِبْ اور نماز کے ذریعہ سے اللہ کا قرب حاصل کرو ابوداؤدؒ وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجدہ کی حالت میں بندہ اپنے رب سے بہت قریب ہوتا ہے پس دعا زیادہ کرو۔

سورۂ اقراء کا سجدہ: مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذا السماء انشقت اور اقراء میں سجدہ کیا۔

سورہ اقراء کا سجدہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقراء میں سجدہ کیا تو آپ کے عمل کا اتباع سنت ہے اس سجدہ اقراء کا مسنون ثابت ہوتا وجوب نہیں چاہتا۔ (تفسیر مظہری)

سورة القدر

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے گا وہ بھلائی پائے گا اور اس کا حال اچھا رہے گا۔ (ابن سیرین)

سُوْرَۃُ الْقَدْرِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ خَمْسُ اٰیٰتٍ

سورۂ قدر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ①

ہم نے اس کو اتارا شب قدر میں ☆

نزول قرآن:

یعنی قرآن مجید ''لوح محفوظ'' سے سماء دنیا پر ''شب قدر'' میں اتارا گیا اور شاید اسی شب سماء دنیا سے پیغمبر علیہ السلام پر اترنا شروع ہوا اس کے متعلق کچھ مضمون سورۃ ''دخان'' میں گزر چکا ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

شب قدر کے انوار و برکات:

حدیث میں ہے کہ جبریل امین رمضان مبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کا دور کرتے تھے اور جس سال آپ کا وصال ہوا اس میں دو مرتبہ دور کیا۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ رمضان کا پورا مہینہ نہایت مبارک ہے مگر وہ انوار و برکات جو اس ماہ کے دنوں سے وابستہ ہیں وہ اور ہیں اور وہ انوار و برکات جو راتوں سے متعلق وہ اور ہیں اور دن کے انوار و برکات روزہ کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں اور رات کے انوار و برکات افطار کی صورت میں۔ بظاہر یہی وجہ ہے شریعت نے سحر کی تاخیر اور افطار کرنے میں تعجیل کی ہدایت فرمائی اور ارشاد فرمایا لا تزال امتی بخیر ماعجلوا الفطر واخر والسحور۔

حضرت مجددؒ ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں کہ ''حق تعالیٰ شانہٗ نے سال بھر کے انوار و برکات رمضان المبارک میں جمع کر دئے اور ان تمام برکات کا جو ہر عشرہ اخیر میں رکھ دیا اور پھر اس جوہر کا لباب اور عطر شب قدر میں ودیعت فرما دیا''۔

چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم لوح محفوظ سے بیت العزہ جو آسمان دنیا میں ایک مقام ہے پر ایک ہی مرتبہ نازل فرما دیا تھا پھر حسب ضرورت وحکمت تیئس برس کی مدت میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اترتا رہا۔ (معارف کاندھلوی)

کتابوں کے نزول کی تاریخیں:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صحف ابراہیم علیہ السلام تیسری تاریخ رمضان میں، اور تورات چھٹی تاریخ میں اور انجیل تیرھویں تاریخ میں اور زبور اٹھارویں تاریخ رمضان میں نازل ہوئی ہیں اور قرآن کریم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر چوبیسویں تاریخ رمضان میں اترا ہے۔ (مظہری)

زندگی، موت اور رزق وغیرہ:

اسمیں ہر انسان کی عمر اور موت اور رزق اور بارش وغیرہ کی مقداریں مقررہ فرشتوں کو لکھوا دی جاتی ہے یہاں تک کہ جس شخص کو اس سال میں حج نصیب ہوگا وہ بھی لکھ دیا جاتا ہے اور یہ فرشتے جن کو یہ امور سپرد کئے جاتے ہیں بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ چار ہیں اسرافیل، میکائیل، عزرائیل، جبرائیل علیہم السلام۔ (قرطبی)

مسئلہ: جس شخص نے شب قدر میں عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھ لی اس نے بھی اس رات کا ثواب پالیا اور جو شخص جتنا زیادہ کریگا زیادہ ثواب پائیگا صحیح مسلم میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر لی تو آدھی رات کے قیام کا ثواب پالیا۔ اور جس نے صبح کی نماز بھی جماعت سے ادا کر لی تو پوری رات جاگنے عبادت کرنیکا ثواب حاصل کر لیا۔ (معارف مفتی اعظم)

امت محمدیہ کی خصوصیت:

امام مالکؒ نے موطا میں لکھا ہے کہ میں نے ایک قابل اعتماد عالم سے سنا جو کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی عمریں چونکہ تھوڑی ہیں اس لیے دوسری امتوں کے اعمال کی تعداد کے برابر تو ان کے اعمال ہو نہیں سکتے تھے ان کی عمریں زیادہ تھیں پس اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شب قدر عطا فرمائی جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے

میں کہتا ہوں یہ روایت مرسل ہے مگر شان نزول کے سلسلے میں جتنی روایات آئی ہیں سب سے زیادہ صحیح ہے اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر صرف اسی امت کے لیے مخصوص ہے۔

دیکھو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جب کہا گیا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ شب قدر اٹھالی گئی تو فرمایا کہ جس نے ایسا کہا غلط کہا۔ (رواہ عبدالرزاق)

نزول قرآن کا عظیم الشان وقت:

فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ یعنی قرآن کا وقت نزول بھی عظیم الشان ہے لیلة

القدر میں اس کا نزول ہوا ہے تمام ممالک اور انسانوں کے متعلق سال بھر تک ہونے والے امور کو لیلۃ القدر میں اللہ مقرر کر دیتا ہے۔

تمام امور کا فیصلہ:

حسین بن فضل سے سوال کیا گیا کیا زمین وآسمان کی تخلیق سے پہلے ہی اللہ نے تمام امور کا تقرر نہیں کر دیا ہے حسین نے جواب دیا بیشک کر دیا ہے سوال کیا گیا پھر لیلۃ القدر کا کیا معنی حسین نے کہا مقررہ امور کو ان کے مقررا وقات کی طرف چلانا اور قضاء مقدر کو نافذ کرنا یعنی آئندہ سال بھر تک جن امور کا واقع ہونا اللہ نے مقدر کر دیا ہے شب قدر میں اس کی اطاعت ان ملائکہ کو دیجاتی ہے جن امور کا نفاذ وابستہ ہے۔

عکرمہؒ نے کہا مقدرہ امور کا تقدر اور تمام امور کا انتظام نصف شعبان کی رات کو ہوتا ہے۔ زندوں اور مردوں کی فہرست بنتی ہے جس میں (آئندہ سال بھر) نہ بیشی ہوتی ہے نہ کمی۔

عکرمہؒ کے اس قول کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو بغویؒ نے بیان کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک کی موتوں کا فیصلہ (نصف شعبان کی رات کو) کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ بعض آدمی نکاح کرتے ہیں نکاح کے بعد اولاد ہوتی ہے مگر ان کا نام مردوں کی فہرست میں ہوتا ہے (یعنی اس کو آئندہ شعبان تک اپنا مرجانا معلوم نہیں ہوتا اس لیے وہ نکاح کر لیتا ہے لیکن وہ آنیوالے سال کی آخری تاریخ تک مرجاتا ہے۔

میں کہتا ہوں شاید مقدرہ امور کا جزوی طور پر کسی طرح کا تقرر نصف شعبان کی رات میں ہوتا ہو اور تمام امور کا عمومی تقرر اور کارندوں کو ان امور کی تفویض شب قدر میں ہوتی ہو اللہ نے شب قدر کے متعلق فرمایا ہے فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سال بھر تک جو خیر وشر، رزق زندگی موت یہاں تک کہ حاجیوں کا حج غرض جو بات ہونیوالی ہوتی ہے وہ شب قدر میں لوح محفوظ سے (نقل کر کے) لکھدی جاتی ہے۔

ابوالضحیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ نصف شعبان کی رات کو اللہ تمام احکام کا فیصلہ کر دیتا ہے اور شب قدر میں ان احکام کی تفویض کارندوں کو کر دیتا ہے کذا ذکر البغوی۔

آخری عشرہ میں خوب جدوجہد کرو:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم (نیند یا ضعف جسمانی وغیرہ سے مغلوب ہو جاؤ (اور رات کو قیام نہ کر سکو) تب بھی آخری ہفتہ میں تم مغلوب نہ ہو (یعنی سوتے نہ رہو اور کوشش کر کے نماز کے لیے کھڑے ہو) (رواہ احمد)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے جس کو مسلم نے نقل کیا ہے کہ شب قدر کو آخری عشرہ میں تلاش کرو لیکن اگر کوئی کمزوری یا مجبوری ہو جائے تو آخری ہفتہ میں اس کو (نیند وغیرہ سے) مغلوب نہ ہونا چاہیے۔ (تفسیر مظہری)

شان نزول: ابن ابی حاتمؒ میں ہے کہ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا جو ایک ہزار ماہ تک خدا کی راہ میں یعنی جہاد میں ہتھیار بند رہا مسلمانوں کو یہ سن کر تعجب ہوا تو اللہ عزوجل نے یہ سورت اتاری کہ ایک لیلۃ القدر کی عبادت اس شخص کی ایک ہزار مہینے کی عبادت سے افضل ہے ابن جریرؒ میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو رات کو قیام کرتا تھا صبح تک اور دن میں دشمنان دین سے جہاد کرتا تھا شام تک، ایک ہزار مہینے تک، یہی کرتا رہا پس اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی کہ اس امت کے کسی شخص کا صرف لیلۃ القدر کا قیام اس عابد کی ایک ہزار مہینے کی اس عبادت سے افضل ہے ابن ابی حاتمؒ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے چار عابدوں کا ذکر فرمایا جنھوں نے اسی سال تک خداوند تعالیٰ کی عبادت کی تھی ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی خدا کی نافرمانی نہیں کی تھی۔

حضرت ایوب، حضرت زکریا، حضرت حزقیل بن عجوز، حضرت یوشع بن نون علیہم السلام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تعجب ہوا آپ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی امت نے اس جماعت کی اس عبادت پر تعجب کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی افضل چیز آپ پر نازل فرمائی اور فرمایا کہ یہ افضل ہے اس سے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نے تعجب ظاہر کیا تھا پس آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم بیحد خوش ہوئے۔

رمضان المبارک کا تعارف:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رمضان المبارک آ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! تم پر رمضان المبارک کا مہینہ آ گیا۔ یہ بابرکت مہینہ آ گا اس کے روزے خدا نے تم پر فرض کیے ہیں اس میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں شیطان قید کر لیے جاتے ہیں اس میں ایک رات ہے جو ایک ہزار مہینے سے افضل ہے اسکی بھلائی سے محروم رہنے والا حقیقی بدقسمت ہے نسائی شریف میں بھی یہ روایت ہے چونکہ اس رات کی عبادت ایک ہزار مہینے کی عبادت سے افضل ہے۔

لیلۃ القدر کا قیام: اس لیے صحیحین کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لیلۃ القدر کا قیام ایمانداری اور نیک نیتی سے کرے اس کے تمام اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَآ اَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝٢
اور تو نے کیا سمجھا کہ کیا ہے شب قدر

لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۥ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴿۳﴾

شب قدر بہتر ہے ہزار مہینے سے ☆

یعنی اس رات میں نیکی کرنا ایسا ہے گویا ہزار مہینے تک نیکی کرتا رہا بلکہ اس سے بھی زائد۔ (تفسیر عثمانی)

تعیین شب قدر کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں جن کی کل تعداد تقریباً چالیس ہے صحیح یہ ہے کہ ہر سال شب قدر رمضان کے آخری عشرہ میں ضرور ہوتی ہے مگر تاریخیں بدلتی رہتی ہیں۔

عشرۂ اخیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری عشرہ میں اتنی ریاضت کرتے تھے جتنی دوسرے ایام میں نہیں کرتے تھے۔ (مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب (آخری) عشرہ آجاتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہہ بند مضبوطی سے باندھ لیتے اور شب بیداری کرتے تھے (یعنی رات کو نماز پڑھتے تھے) اور گھر والوں کو بھی بیدار کرتے۔ (متفق علیہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا وفات تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے رہے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی بیویوں نے اعتکاف کیا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس ایام میں اعتکاف کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ رمضان کے آخری عشرے میں شب قدر اختیار کرو۔ (بخاری)

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے پہلے عشرے میں اعتکاف کیا پھر درمیانے عشرے میں ترکی خیمہ میں اعتکاف کیا پھر فرمایا میں نے اس رات کی تلاش میں پہلے عشرے میں اعتکاف کیا پھر درمیانی عشرے میں اعتکاف کیا پھر میرے پاس کوئی (فرشتہ) آیا اور مجھ سے کہا گیا وہ رات آخری عشرہ میں ہے پس جس کو میرے ساتھ اعتکاف کرنا ہو وہ آخری عشرہ میں کرے کیونکہ مجھے وہ رات خواب میں دکھائی گئی تھی میں نے اس کو پالیا تھا اور میں نے دیکھا تھا کہ میں اس کی صبح کو پانی اور کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں اس فرمان کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہر طاق رات میں شب قدر کی جستجو رکھی۔ راوی کا بیان ہے کہ ایک رات کو پانی برسا مسجد چھپر کی تھی اس لیے ٹپکنے لگی اکیسویں شب کی صبح کو جو میری آنکھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر پانی اور کیچڑ کا نشان تھا۔ (متفق علیہ)

شب قدر کی تاریخ:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو (شب قدر کا) طلب گار ہو گا وہ ستائیسویں شب میں تلاش کرے۔ (رواہ احمد و ابن منذر)

طبرانیؒ نے حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی طرح بیان کی ہے۔

حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی شب قدر کے متعلق روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیلۃ القدر ستائیسویں ہے جس احادیث میں ستائیسویں شب کو لیلۃ القدر کہا گیا ان کے ساتھ ابو داؤدؒ نے اس حدیث کو بھی بیان کیا اور امام احمدؒ نے اسی کو لیا ہے اور امام اعظمؒ کا قول بھی ایک روایت میں یہی آیا ہے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو تو اس پر یقین تھا اور آپ نے اس پر قسم بھی کھائی تھی کسی نے پوچھا ابومنذر آپ کس وجہ سے اس کے قائل ہیں فرمایا اس علامت کی وجہ سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بتلائی تھی کہ اُس روز صبح کو سورج بغیر شعاعوں کے طلوع کرتا ہے۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک شخص نے ستائیسویں کو شب قدر دیکھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں آخری عشرہ میں تمہارے (خوابوں) کو متفق پاتا ہوں لہٰذا آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اس کو طلب کرو۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شب قدر کو ساتویں کی رات میں طلب کرنا چاہیے۔ (رواہ عبدالرزاق)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی روایت منقول ہے۔ (رواہ احمد)

یعنی بیس کے بعد ساتویں رات یا باقی رہنے والی راتوں میں سے ساتویں رات۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم کو شب قدر کی اطلاع دینے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے تھے سامنے آتے ہوئے دو مسلمان مل گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لیے نکلا تھا مگر فلاں فلاں شخص سامنے سے آتے مل گئے (اور ان کے ساتھ شیطان تھا) پس شب قدر اٹھالی گئی (یعنی میں اس کی تعیین بھول گیا) امید ہے کہ یہ بات تمہارے لیے بہتر ہی ہو گی اب تم اس کو نویں اور ساتویں اور پانچویں (رات) میں تلاش کرو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اس کو یعنی شب قدر کو باقی نو (راتوں) میں یا باقی پانچ راتوں میں یا (باقی) تین راتوں میں یا آخری رات میں تلاش کرو۔ (ترمذی)

امام احمدؒ نے حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک صحابی نے خواب میں دیکھا کہ شب قدر آخری سات راتوں میں ہے (یعنی آخری ہفتہ کی پہلی رات

میں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خیال کرتا ہوں کہ تم لوگوں کے خواب آخری سات راتوں کے متعلق متفق ہیں لہٰذا جو شخص شب قدر کا طلب گار ہو وہ آخری سات راتوں میں اس کی طلب کرے۔ (متفق علیہ) (تفسیر مظہری)

امت محمدیہ کی فضیلت:

بعض مئورخین نے بروایت مالکؒ یہ نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ کی طرف سے اس امر پر مطلع کیا گیا کہ آپ کی امت کی عمریں بہ نسبت امم سابقہ کے بہت کم ہونگی تو آپ نے فرمایا اے پروردگار پھر تو میری امت کے لوگ اعمال صالحہ اور عبادات کے اس مقام تک نہیں پہنچ سکیں گے جو پہلی امتوں کے لوگ اپنی طویل ترین عمروں کے باعث حاصل کر چکے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو لیلۃ القدر عطا فرمائی اور اس کو خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ بنایا۔

علاوہ ازیں حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو تمثیل امم کے مضمون میں وارد ہوئی جس میں آپ نے اپنی امت کی مثال بہ نسبت پہلی امتوں کے یہ فرمائی کہ ایک جماعت مزدوری پر صبح سے ظہر تک لگائی گئی اور انہوں نے ظہر تک عمل کیا اور ان کو حسب معاملہ ایک ایک قیراط دیا گیا دوسری جماعت نے ظہر سے عصر تک کام کیا ان کو بھی ایک ایک قیراط دیا گیا پھر تیسری جماعت لگائی گئی انہوں نے عصر سے مغرب تک کام کیا اور ان کو دو دو قیراط دیے گئے تو پہلی جماعتوں نے اعتراض کیا **نحن اکثر عملا واقل اجرا فقال هل وهذا فضلی اوتیه من اشاء** کہ اے آقا ہم نے کام تو زیادہ کیا اور مزدوری ہم کو کم ملی یعنی ان لوگوں کو جنھوں نے کام کیا انکو اجرت زیادہ دی گئی تو مالک نے اس پر کہا۔ کیا تم پر کوئی ظلم کیا گیا بلکہ جو طے ہوا تھا وہ دیا گیا اور یہ جو زائد اس جماعت کو دیا گیا یہ تو میرا انعام ہے جس کو چاہوں دوں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مثال بیان کر کے فرمایا۔ اے میری امت کے لوگوں بس تم ہی ہو وہ جو عصر سے لے کر مغرب تک کام کرنے والے ہوا اور اس مختصر وقت میں عمل کر کے اجرت وثواب تم ان لوگوں سے زیادہ حاصل کر رہے ہو جو عمل تم سے بہت زیادہ کرنے والے تھے۔

جمہور صحابہ اور ائمہ مفسرین ومحدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شب قدر رمضان کی عشرہ اخیرہ کی کسی بھی طاق رات میں ہے ۲۱ سے لے کر ۲۹ تک کوئی بھی شب ہو۔ اور حکمت خداوندی سے اس کو مخفی ہی رکھا گیا اور حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابی بن کعب سے جو ۲۱ سے ۲۷ کی روایت صحاح میں منقول ہے وہ ان علامات کے دیکھنے کی بناء پر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شب قدر کی ذکر فرمائی تھیں تو جس نے جو علامت جس رات میں دیکھی اسی کے بارہ میں بیان کر دیا اور اللہ کی حکمت اسی کو متقاضی تھی کہ ایک نوع سے اس نوع کو اگر اس کو ظاہر کر دیا گیا تو دوسری نوع سے اس کو مبہم رکھا جائے تو اس لحاظ سے علامات میں ایسی علامات بیان کی گئیں جو شب قدر گزرنے کے بعد ظاہر ہوں مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ وہ رات ہے کہ جس کے بعد صبح کو سورج طلوع ہوگا تو اس کی شعاعیں نہ ہونگی بلکہ صرف اس کا قرص نظر آتا ہوگا جس طرح کہر اور ہلکے بادلوں میں شعاعوں کے بغیر سورج نظر آتا ہو۔ (تفسیر کے لئے تفسیر ابن کثیر روح المعانی اور کتب حدیث ملاحظہ فرمائیں) (معارف کاندھلوی)

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ یعنی ایک شب قدر ان ہزار مہینوں سے افضل ہے جو شب قدر سے خالی ہوں مراد یہ ہے کہ ایک شب قدر کی عبادت دوسرے ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے۔

شب قدر میں عبات کا ثواب:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایمان کے ساتھ بامید ثواب شب قدر میں (نماز کے لئے) کھڑا ہوتا ہے اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (بخاری)

مسلم کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ جو شخص لیلۃ القدر میں قیام کرے اور (جس رات کو وہ نماز میں کھڑا ہوا ہے) وہ لیلۃ القدر کی پڑ جائے۔ (یعنی بغیر کسی علم کے کسی رات کو وہ نماز میں کھڑا ہوا اور وہ رات واقع میں شب قدر ہو) امام احمدؒ نے حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے جو حدیث بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص اس (رات) میں کھڑا ہوا اور پھر وہ شب قدر اس کے موافق پڑ گئی یعنی وسط رات میں اٹھا اور واقع میں وہ لیلۃ القدر کے مطابق ہوگئی تو اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک قول جس کو بغویؒ نے بروایت ابو الضحی نقل کیا ہے اس میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سال بھر کے تقدیری امور کا تو شب برات یعنی نصف شعبان کی رات میں فیصلہ کر لیتے ہیں پھر شب قدر میں یہ فیصلے متعلقہ فرشتوں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **تحرّو اليلة القدر فی العشر الاوَاخر من رمضان**، یعنی شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **فاطلبوهافی الوتر منها**۔ یعنی شب قدر کو رمضان کے عشرہ اخیر کی طاق راتوں میں طلب کرو۔ (مظہری)

اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شب قدر میں عبادت کے لئے کھڑا رہا اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو گئے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب قدر میں وہ تمام فرشتے جن کا مقام سدرۃ المنتہی پر ہے جبرائیل امین کے ساتھ دنیا میں اترتے ہیں اور کوئی

مومن مرد یا عورت ایسی نہیں جس کو وہ سلام نہ کرتے ہوں بجز اس آدمی کے جو شراب پیتا یا خنزیر کا گوشت کھاتا ہو۔

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شب قدر کی خیر و برکت سے محروم رہا وہ بالکل ہی محروم بدنصیب ہے۔ شب قدر میں بعض حضرات کو خاص انوار کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے مگر نہ یہ سب کو حاصل ہوتا ہے نہ رات کی برکات اور ثواب حاصل ہونے میں ایسے مشاہدات کا کچھ دخل ہے اس لئے اس کی فکر میں نہ پڑنا چاہیے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر میں شب قدر کو پاؤں تو کیا دعا کروں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دعا کرو اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ یا اللہ آپ بہت معاف کرنے والے ہیں اور معافی کو پسند کرتے ہیں۔ میری خطائیں معاف فرمائیے۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ

اُترتے ہیں فرشتے اور روح اُس میں اپنے رب کے حکم سے ☆

نزول ملائکہ:

یعنی اللہ کے حکم سے روح القدس (حضرت جبریلؑ) بیشمار فرشتوں کے ہجوم میں نیچے اترتے ہیں تاکہ عظیم الشان خیر و برکت سے زمین والوں کو مستفیض کریں اور ممکن ہے ''روح'' سے مراد فرشتوں کے علاوہ کوئی اور مخلوق ہو۔ بہر حال اس مبارک شب میں باطنی حیات اور روحانی خیر و برکت کا ایک خاص نزول ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی شب قدر میں رب کے حکم سے ملائکہ اور روح آسمان سے زمین کی طرف اترتے ہیں۔ یہ شب قدر کی مزید فضیلت ہے یا شب قدر کے ہزار مہینوں سے افضل ہونے کی وجہ ہے۔

فرشتوں کی دعا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شب قدر ہوتی ہے تو جبرائیل ملائکہ کی فوج کے ساتھ اترتے ہیں (اس وقت) جو شخص کھڑا یا بیٹھا اللہ کی یاد کرتا ہوتا ہے اس کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فضائل اوقات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک غریب اثر فرشتوں کے نازل ہونے میں اور نمازیوں پر ان کے گزرنے میں اور انہیں برکت حاصل ہونے میں وارد کیا ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت کعب احبار رحمہ اللہ سے ایک عجیب و غریب بہت طول وطویل اثر وارد کیا ہے جس میں فرشتوں کا سدرۃ المنتہی سے حضرت جبرائیل علیہم السلام کے ساتھ زمین پر آنا اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے دعائیں کروانا وارد ہے۔ ابوداؤد طیاسی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لیلۃ القدر ستائیسویں ہے یا انتیسویں اس رات فرشتے زمین پر سنگریزوں کی گنتی سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف کے پہلے دس دن کا اعتکاف کیا ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعتکاف میں بیٹھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل آئے اور فرمایا کہ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ڈھونڈتے ہیں وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سے بیس دن کا اعتکاف کیا اور ہم نے بھی، پھر حضرت جبرائیل آئے اور یہی فرمایا کہ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ڈھونڈتے ہیں وہ تو ابھی آگے ہے، یعنی لیلۃ القدر پس رمضان کی بیسویں تاریخ کی صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا کہ میرے ساتھ اعتکاف کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ پھر اعتکاف میں بیٹھ جائیں، میں نے لیلۃ القدر دیکھ لی لیکن میں بھول گیا، لیلۃ القدر آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہے میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں۔

اور روایت میں ہے کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ رات رمضان ہی میں ہے، آپ نے اس پر ان شاء اللہ بھی نہیں فرمایا اور پختہ قسم کھالی، پھر فرمایا کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ وہ کون سی رات ہے جس میں قیام کرنے کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے یہ ستائیسویں رات ہے۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کی صبح کو سورج سفید رنگ کا نکلتا ہے۔ اور تیزی نہیں ہوتی حضرت معاویہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ رات ستائیسویں رات ہے۔ سلف کی ایک جماعت نے بھی یہ کہا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ علیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت اسی قول کی نقل کی ہے۔ بعض سلف نے قرآن کریم کے الفاظ سے بھی اس کے ثبوت کا حوالہ دیا ہے۔ اس طرح کہ اس سورت میں ستائیسواں کلمہ ہے اور اس کے معنی ہیں ''یہ'' واللہ اعلم طبرانی میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے اصحاب رسول کو جمع کیا اور ان سے لیلۃ القدر کی بابت سوال کیا تو سب کا اجماع اس امر پر ہوا کہ یہ رمضان کے آخری دہے میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی بخاری و مسلم میں مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کے آخری عشر کی طاق راتوں میں شب قدر کی جستجو کرو۔

مسند احمد کی حدیث کے یہ لفظ ہیں کہ جب رمضان کا آخری دہا باقی رہ جاتا ہے تو آپ تہبند مضبوط باندھ لیتے اور عورتوں سے الگ رہتے۔

حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ اب فرشتے اس کے سامنے گنتی کر کے اور ایک ایک مرد و عورت کا مع ولدیت نام بتلاتے ہیں پھر جنت سدرۃ المنتہی کی طرف متوجہ ہو کر پوچھتی ہے کہ تجھ میں رہنے والے فرشتوں نے جو خبریں

تجھے دی ہیں تو بیان کر۔ چنانچہ سدرۃ المنتہی اس سے ذکر کرتا ہے۔ یہ سن کر وہ کہتی ہے کہ خدا کی رحمت ہو فلاں مرد پر فلاں عورت پر خدایا انہیں جلدی سے مجھ سے ملا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام سب سے پہلے اپنی جگہ پہنچ جاتے ہیں انہیں الہام ہوتا ہے وہ عرض کرتے ہیں پروردگار میں نے تیرے فلاں فلاں بندوں کو سجدے میں پایا تو انہیں بخش اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے انہیں بخشا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام اسے عرش کے اٹھانے والے فرشتوں کو سناتے ہیں پھر سب کہتے ہیں کہ فلاں فلاں مرد و عورت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوئی اور مغفرت ہوئی۔ پھر حضرت جبرائیل خبر دیتے ہیں کہ باری تعالیٰ فلاں شخص کو گذشتہ سال تو عامل سنت اور عابد چھوڑا تھا۔ لیکن امسال تو بدعتوں میں پڑ گیا اور تیرے احکام سے روگردانی کر لی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے جبرائیل اگر یہ مرنے سے تین ساعت پہلے بھی توبہ کر لے گا۔ تو میں اسے بخش دوں گا۔ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام بے ساختہ کہہ اٹھتے ہیں کہ خدایا تیرے ہی لیے سب تعریفیں سزاوار ہیں الٰہی تو اپنی مخلوق پر سب سے زیادہ مہربان ہے بندوں پر تیری مہربانی خود ان کی اپنی مہربانی سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ اس وقت عرش اور اس کے آس پاس کی چیزیں اور پردے اور تمام آسمان جنبش میں آ جاتے ہیں اور کہہ اٹھتے ہیں اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الرَّحِیْمِ۔ (تفسیر ابن کثیر)

مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ﴿٤﴾

ہر کام پر ☆

یعنی انتظام عالم کے متعلق جو کام اس سال میں مقدر ہیں ان کے نفاذ کی تعیین کے لیے فرشتے آتے ہیں کما مر فی سورۃ الدخان۔ یا "مِنْ کُلِّ اَمْرٍ" سے امر خیر مراد ہو یعنی ہر قسم کے امور خیر لیکر آسمان سے اترتے ہیں واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

سَلٰمٌ ۛ قف

امان ہے ☆

رحمت وسلامتی کی رات:

یعنی وہ رات امن وچین اور دلجمعی کی رات ہے۔ اس میں اللہ والے لوگ عجیب وغریب طمانیت اور لذت وحلاوت اپنی عبادت کے اندر محسوس کرتے ہیں۔ اور یہ اثر ہوتا ہے نزول رحمت وبرکت کا جو روح وملائکہ کے توسط سے ظہور میں آتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ اس رات جبرئیلؑ اور فرشتے عابدین وذاکرین پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں یعنی ان کے حق میں رحمت اور سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿٥﴾

وہ رات صبح کے نکلنے تک ☆

مکمل رات مبارک:

یعنی شام سے صبح تک ساری رات یہی سلسلہ رہتا ہے اس طرح وہ پوری رات مبارک ہے (تنبیہ) قرآن سے معلوم ہوا کہ وہ رات رمضان شریف میں ہے "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ" اور حدیث صحیح میں بتایا کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں خصوصاً عشرہ کی طاق راتوں میں اس کو تلاش کرنا چاہیے پھر طاق راتوں میں بھی ستائیسویں شب پر گمان غالب ہوا ہے واللہ اعلم۔ بہت سے علماء نے تصریح کی ہے کہ "شب قدر" ہمیشہ کے لیے کسی ایک رات میں متعین نہیں ممکن ہے ایک رمضان میں کوئی رات ہو دوسرے میں دوسری۔ (تفسیر عثمانی)

مراد یہ ہے کہ شب قدر مع اپنے اوصاف (نزول ملائکہ وغیرہ) رحمت کے صبح تک رہتی ہے (معارف مفتی اعظم)

اس رات میں ملائکہ مومنوں کو بکثرت سلام کرتے ہیں اس مطلب پر حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿٥﴾ کا تعلق سلام کے مفہوم یعنی تسلیم کرنا سے ہوگا۔ یعنی یہ رات طلوع فجر تک سلاموں سے بھری ہوئی ہے۔

فائدہ: بعض علماء کا قول ہے کہ شب قدر میں ہر چیز سجدہ کرتی دکھائی دیتی ہے۔ اور ہر جگہ نور سے جگمگا جاتی ہے اور ملائکہ کی طرف سے سلام اور خطاب سنا جاتا ہے میں کہتا ہوں اس کا انکشاف بعض اہل کشف کو ہی ہوتا ہے ہر شخص کو یہ کیفیت نظر نہیں آتی۔ نہ حصول ثواب کے لیے ان کیفیات میں سے کسی کیفیت کا انکشاف ضروری ہے اگر ان احوال کا انکشاف عمومی یا اکثری ہوتا تو تمام امت اس کو دیکھتی اور کسی سے پوشیدگی ممکن نہ ہوتی خصوصاً تمام صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین اور اولیاء امت کی نظروں کے سامنے تو یہ واقعات ضرور ہی آتے۔ ہاں شب قدر کا ثواب حاصل کرنے کے لیے عبادت میں مشغول ہونا لازمی ہے۔ حدیث **من قام لیلة القدر ایمانا** ۔اور **یصلون علی کل عبد قائم او قاعد یذکر اللہ** سے بھی یہی مفہوم مستفاد ہوتا ہے۔

مسئلہ: جس نے شب قدر کی عشاء اور فجر کی نماز پڑھ لی اس کو شب قدر کا ثواب مل گیا۔ اور جو اس سے زیادہ عبادت کرے گا۔ اللہ اس کے ثواب میں اضافہ کرے گا۔ حضرت عثمان غنی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جماعت کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی اس نے گویا نصف شب کا قیام کیا اور جس نے جماعت کے ساتھ فجر کی نماز بھی پڑھی اس نے گویا پوری رات عبادت کی۔ (مسلم)

یعنی باجماعت عشاء کی نماز کے بعد باجماعت فجر کی نماز بھی پڑھی۔ تو گویا پوری رات نماز پڑھی ہر نماز نصف شب کی عبادت کے قائم مقام ہوئی۔ رات کی یہی وہ فرض نمازیں ہیں (ایک ابتدائی دوسری انتہائی)۔ اور مغرب کی نماز دن کی وتر کی نماز ہے۔

شب قدر کا وظیفہ: مستحب ہے کہ شب قدر میں **اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی** کا زیادہ ورد کیا کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر مجھے شب قدر معلوم ہو جائے تو میں کیا کہوں فرمایا کہو **اللھم انک عفو** الخ۔ (رواہ احمد وابن ماجہ والترمذی تفسیر مظہری)

سورة البينة

جو اس کو خواب میں پڑھے اس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ ایک نیک قوم کو ہدایت دے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِ اٰيٰتٍ

سورۂ بینہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی آٹھ آیتیں ہیں ☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

نہ تھے وہ لوگ جو منکر ہیں

اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ

اہل کتاب اور مشرک ☆

اہل کتاب یہود نصاریٰ ہوئے اور مشرکین وہ قومیں جو بت پرستی یا آتش پرستی وغیرہ میں مبتلا تھیں اور کوئی کتاب سماوی ان کے ہاتھ میں نہ تھی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابی بن کعب کی فضیلت

امام مسلم اور دیگر ائمہ محدثین نے انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے ابی اللہ نے مجھے اس بات کا امر فرمایا ہے کہ میں تمہارے سامنے سورہ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا پڑھوں اور تم کو پڑھ کر سناؤں۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اللہ نے میرا نام لے کر آپ سے یہ فرمایا آپ نے فرمایا ہاں اللہ نے تمہارا نام لے کر ہی کہا ہے انس بیان کرتے ہیں کہ ابی بن کعب یہ سن کر رو پڑے اور بیقراری کے ساتھ ان پر گریہ طاری ہوا اور زبان سے یہ کلمات جاری ہوئے وَقَدْ ذُكِرْتُ عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اچھا میرا نام لیا گیا اور ذکر ہوا رب العالمین کی بارگاہ میں۔ (معارف کاندھلوی)

عالمگیر ظلمت اور اس کا علاج:

پہلی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا میں کفر و شرک اور جہالت کی انتہائی عموم اور غلبہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ کفر و شرک کی ایسی عالمگیر ظلمت کو دور کرنے کے لیے رب العالمین کی حکمت و رحمت کا تقاضا یہ ہوا کہ جیسے ان کا مرض شدید اور وباء عالمگیر تھی اس کے علاج کے لیے بھی کوئی سب سے بڑا ماہر حاذق معالج بھیجنا چاہیے۔ اس کے بغیر وہ اس مرض سے نجات نہیں پاسکیں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

اہل کتاب کا کفر تھا۔ اللہ کی صفات میں غلطی کرنا جیسے عزیر اور مسیح کو اللہ کا بیٹا مانتے تھے اور مشرکوں سے مراد ہیں بت پرست (انکی بت پرستی موجب کفر تھی)۔ (تفسیر مظہری)

مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۙ ①

باز آنیوالے یہاں تک کہ پہنچے اُن کے پاس کھلی بات

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ ②

ایک رسول اللہ کا پڑھتا ہوا ورق پاک

عظیم الشان پیغمبر کی ضرورت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے سب دین والے بگڑ چکے تھے اور ہر ایک اپنی غلطی پر مغرور تھا اب چاہئے کسی حکیم یا ولی یا بادشاہ عادل کے سمجھانے سے راہ پر آجائیں تو یہ ممکن نہ تھا جب تک ایک ایسا عظیم القدر رسول نہ آئے جس کے ساتھ اللہ کی پاک کتاب اس کی قوی مدد ہو کہ چند سال میں ایک ایک ملک کو ایمان کی روشنی سے بھر دے۔ اور اپنی زبردست تعلیم اور ہمت وعزیمت سے دنیا کی کایا پلٹ کر دے چنانچہ وہ رسول اللہ کی کتاب پڑھتا ہوا آیا جو پاک ورقوں میں لکھی ہوئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سات قراءتیں

ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت سن کر حضرت ابی رضی اللہ عنہ بگڑ بیٹھے تھے۔ کیونکہ انہوں نے جس طرح اس سورت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح نہیں پڑھا تھا۔ تو غصے میں آکر انہیں لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے قرآن سنا۔ اس نے اپنے طریقے پر اور اس نے اپنے طور پڑھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں نے درست پڑھا حضرت ابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں تو اس قدر شک وشبہ میں پڑ گیا تھا۔ کہ جاہلیت کے زمانہ کا شک سامنے آ گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حالت دیکھ کر میرے سینہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ جس سے میں پسینوں پسینوں ہو گیا۔ اور اس قدر مجھ پر خوف طاری ہو گیا۔ کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سن جبرائیل میرے پاس آئے۔ اور فرمایا کہ خدا کا حکم ہے کہ ایک ہی قراءت پر اپنی امت کو قرآن پڑھاؤ۔ میں نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے عفو و درگذر اور بخشش و مغفرت چاہتا ہوں پھر مجھے دو طرح کی قرآتوں کی اجازت ہوئی لیکن میں پھر بھی زیادتی طلب کرتا

رہا۔ یہاں تک کہ سات قراءتوں کی اجازت ملی۔ (تفسیر ابن کثیر)

پاک صحیفے، معتدل احکام اور امی نبی:

مطہرہ، یہ صحف کی صفت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ صحیفے جھوٹ اور شک اور نفاق وگمراہی سے پاک ہیں قیمہ بمعنے مستقیمہ کتب کی صفت ہے معنے یہ ہیں کہ یہ احکام مستقیم منصفانہ ومعتدل ہیں اور اس کے معنے مضبوط ومستحکم کے بھی ہو سکتے ہیں تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ احکام الٰہیہ جوقرآن میں آئے قیامت تک قائم دائم رہیں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

رسول ایسا ہے کہ جو صحیفے پڑھتا ہے یعنی امی ہونے کے باوجود وہ ان چیزوں کی تلاوت کرتا ہے جو صحیفوں میں لکھی ہوئی ہیں تو گویا صحیفوں کی تلاوت کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴿٣﴾
اس میں لکھی ہیں کتابیں مضبوط ☆

یعنی قرآن کی ہر سورت گویا ایک مستقل کتاب ہے یا یہ مطلب ہے۔ کہ جو عمدہ کتابیں پہلے آچکی ہیں ان سب کے ضروری خلاصے اس کتاب میں درج کیے گئے ہیں یا "كُتُبٌ قَيِّمَةٌ" سے علوم ومضامین مراد ہیں یعنی اس کے علوم بالکل صحیح وراست اور مضامین نہایت مضبوط ومعتدل ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا
اور وہ جو پھوٹ پڑی اہل کتاب میں
مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿٤﴾
سو جب کہ آ چکی اُن کے پاس کھلی بات ☆

اہل کتاب کا عناد: یعنی اس رسول اور اس کتاب کے آئے پیچھے شبہ نہیں رہا۔ پھر اب اہل کتاب ضد سے مخالف ہیں شبہ سے نہیں اسی لیے ان میں دو فریق ہو گئے جس نے ضد کی منکر رہا جس نے انصاف کیا ایمان لے آیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جس پیغمبر آخرالزماں کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے آنے پر اپنے تمام اختلافات کو ختم کر کے سب ایک راستہ پر پڑ لیتے مگر انہوں نے اپنی بدبختی اور عناد سے سبب وحدت واجتماع کو خلاف وشقاق کا ذریعہ بنالیا۔ جب اہل کتاب کا یہ حال ہے تو جاہل مشرکوں کا تو پوچھنا کیا (تنبیہ) حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے یہاں "اَلْبَيِّنَةُ" کا مصداق حضرت مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کو ٹھہرایا ہے یعنی جب حضرت مسیح کھلے کھلے نشان لے کر آئے یہود دشمن ہو گئے اور نصاریٰ نے بھی دنیوی اغراض میں پھنس کر اپنی جماعتیں اور پارٹیاں بنا

لیں۔ مدعا یہ ہے کہ پیغمبر کا آنا اور کتاب کا نازل ہونا بھی بغیر حضرت حق کی توفیق کے کفایت نہیں کرتا۔ کتنے ہی سامان ہدایت جمع ہو جائیں جن کو توفیق نہیں ملتی وہ اسی طرح خسارے میں پڑے رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تو آنے والے رسول کی تصدیق پر سب کو اتفاق تھا۔ سب بعثت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر تھے۔ کافروں کے خلاف نبی منتظر کے وسیلے سے فتح کی دعا کرتے تھے لیکن جب وہ جانا پہچانا نبی آ گیا تو محض حسد اور عناد کی وجہ سے اس کی تصدیق نہیں کی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگرچہ بعض اہل کتاب کا عقیدہ صفات الٰہیہ کے متعلق درست نہ تھا۔ اللہ کو مخلوق کا باپ قرار دیتے تھے۔ اور بعض اہل کتاب کا عقیدہ درست تھا۔ لیکن بعثت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سب کا اتفاق تھا۔ کیونکہ آنے والے نبی کے اوصاف ان کی کتابوں میں بیان کر دیئے گئے تھے۔ چونکہ قبل البعثت تصدیق نبی پر صرف اہل کتاب کا اتفاق تھا۔ مشرکین اس اتفاق میں شریک نہ تھے اس لیے اس آیت میں صرف اہل کتاب کا ذکر کیا گیا ہے تا کہ جن اہل کتاب نے تصدیق رسول نہیں کی ان کی مزید شناعت کا اظہار ہو جائے۔

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ قیام حجت یعنی پیغمبر کو بھیجنے اور کتاب کو نازل کرنے سے پہلے اہل کتاب معذب نہ تھے ہلاک ہونے والے نہ تھے۔ (پیغمبر کو احکام دے کر بھیجنے سے پہلے اللہ کسی قوم کو ہلاک یا برباد نہیں کرتا۔ اس کی مثل ہے آیت وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا. (تفسیر مظہری)

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ
اور اُن کو حکم یہی ہوا کہ بندگی کریں اللہ کی
مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۙ حُنَفَاءَ
خالص کر کے اُس کے واسطے بندگی ابراہیم کی راہ پر ☆

حکم توحید: یعنی ہر قسم کے باطل اور جھوٹ سے علیحدہ ہو کر خالص خدائے واحد کی بندگی کریں اور ابراہیم حنیف کی طرح سب طرف سے ٹوٹ کر اسی ایک مالک کے غلام بن جائیں تشریع وتکوین کے کسی شعبہ میں کسی دوسرے کو خود مختار نہ سمجھیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اللہ کی عبادت کریں اعتقاد کو شرک سے پاک رکھتے ہوئے۔

حُنَفَاءَ۔ تمام باطل مذاہب سے مڑ کر (اور اعراض کر کے) یہ حال مرادف ہے یا متداخل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا آیت کا معنی یہ ہے کہ توریت اور انجیل میں ان کو یہی حکم دیا گیا تھا۔ کہ توحید کا عقیدہ رکھتے ہوئے عبادت کو اللہ کے لیے مخصوص رکھیں۔ (تفسیر مظہری)

وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ
اور قائم رکھیں نماز اور دیں زکوۃ

وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝۵
اور یہ ہے راہ مضبوط لوگوں کی ☆

یعنی یہ چیزیں ہر دین میں پسندیدہ رہیں انہی کی تفصیل یہ پیغمبر کرتا ہے پھر خدا جانے ایسی پاکیزہ تعلیم سے کیوں وحشت کھاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ
اور جو منکر ہوئے اہل
الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ
کتاب اور مشرک ہونگے
نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
دوزخ کی آگ میں سدا رہیں اُس میں ☆

انکارِ حق کی سزا

یعنی علم کا دعویٰ رکھنے والے اہل کتاب ہوں یا جاہل مشرک، حق کا انکار کرنے پر سب کا انجام ایک ہے وہی دوزخ جس سے کبھی چھٹکارا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝۶
وہ لوگ ہیں سب خلق سے بدتر ☆

یعنی بہائم سے بھی زیادہ ذلیل اور بدتر کما قال فی سورۃ ''الفرقان'' ''اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا''۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وہ لوگ جو یقین لائے اور کیے بھلے کام
اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝۷
وہ لوگ ہیں سب خلق سے بہتر ☆

حق پرست لوگ:

یعنی جو لوگ سب رسولوں اور کتابوں پر یقین لائے اور بھلے کاموں میں لگے ہے وہی بہترین خلائق ہیں حتی کہ ان میں کے بعض افراد بعض فرشتوں سے آگے نکل جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اور ایمان دار اور نیکو کار سب مخلوق سے یعنی بے گناہ فرشتوں سے بھی بہتر ہیں اس جگہ سے علماء نے کہا ہے کہ خاص درجات والے انسان خاص درجات والے ملائکہ سے افضل ہیں اور عام انسان یعنی صاف دل رکھنے والے اور پاک نفس رکھنے والے ایماندار نیکو کار عام ملائکہ سے افضل ہیں رہے غیر صالح (گنہگار) تو مومن تو جب مغفرت سے یا گناہوں کی سزا دیکر ان کو گناہوں سے پاک کر دیا جائے گا۔ تو عمل صالح رکھنے والے مومنوں کے ساتھ جنت میں ملا دیا جائے گا۔ اور وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور گناہوں سے پاک ہو جانے کے بعد وہ عام ملائکہ سے افضل ہو جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

بہتر شخص اور بہترین مخلوق:

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بہتر شخص کون ہے۔ لوگوں نے کہا ضرور فرمایا کہ وہ شخص جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہے کہ کب جہاد کی آواز اٹھے اور کب میں کود کر اس کی پیٹھ پر سوار ہو جاؤں اور کڑکڑاتا ہوا دشمن کی فوج میں گھسوں اور داد شجاعت دوں لو میں تمہیں ایک اور بہترین مخلوق کی خبر دوں۔ وہ شخص جو اپنی بکریوں کے ریوڑ میں ہے نہ نماز چھوڑتا ہے نہ زکوٰۃ سے جی چراتا ہے آؤ اب میں تمہیں بدترین مخلوق بتاؤں۔ وہ شخص جو خدا کے نام سے سوال کرے اور پھر نہ دیا جائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ
بدلہ اُن کا ان کے رب کے یہاں باغ ہیں
عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
ہمیشہ رہنے کو نیچے بہتی ہیں اُن کے نہریں
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا
سدا رہیں اُن میں ہمیشہ
رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ
اللہ اُن سے راضی اور وہ اُس سے راضی ☆

جنت سے بھی بڑی نعمت:

یعنی جنت کے باغوں اور نہروں سے بڑھ کر رضا مولیٰ کی دولت ہے بلکہ جنت کی تمام نعمتوں کی اصلی روح یہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اعجاز کلام: بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس کلام میں کئی طرح سے (اداء معنی میں) قوت ہے اول مدح فرمائی (خیر البریہ فرمایا) پھر لفظ جزاء بتا رہا ہے کہ یہ ثواب ان کے اعمال وصفات کا بدلہ ہوگا۔ پھر من عند ربہم کہا اور بتایا کہ یہ ثواب خداداد ہوگا۔ لا محالہ کامل ہوگا۔ پھر جنات کو بصیغہ جمع ذکر کیا اور پھر عدن کا لفظ کہا جس سے معلوم ہوا

کہ یہ باغات صرف ہنگامی عارضی تفریح کے لیے نہیں ہوں گے۔ پھر تجری کہہ کر نعمت کو دوبالا کر دیا پھر خلود کو ابد سے مقید کر دیا تا کہ زوال نعمت کا خطرہ نہ رہے۔)

رضائے الٰہی: حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جنت والوں سے فرمائے گا۔ اے ساکنان جنت! اہل جنت جواب دیں گے۔ لَبَّیْکَ رَبَّنَا وَ سَعْدَیْکَ وَ الْخَیْرُ کُلُّہٗ فِیْ یَدَیْکَ اللہ فرمائے گا کہ کیا تم راضی ہو اہل جنت عرض کریں گے پروردگار ہمارے ناخوش رہنے کی کیا وجہ ہے تو نے تو ہم کو وہ چیزیں عطاء فرمائیں جو تیری مخلوق میں سے کسی اور کو نہیں دی گئیں۔ اللہ فرمائے گا کیا ان سے بھی بڑھیا چیز میں تم کو نہ دوں اہل جنت عرض کریں گے کہ پروردگار! ان سے اعلیٰ چیز کیا ہوگی؟ اللہ فرمائے گا۔ میں تم پر اپنی رضامندی نازل کرتا ہوں۔ آئندہ کبھی میں تم سے ناراض نہ ہوں گا۔ (متفق علیہ)

میں کہتا ہوں کہ اہل جنت جو یہ کہیں گے کہ تیری مخلوق میں سے کسی اور کو نہیں دی گئی شاید اسکی مراد یہ ہے کہ فرشتوں کو نہیں دی گئی ورنہ اہل جنت کے علاوہ دوسرے انسان سوائے دوزخیوں کے اور نہیں ہوں گے اور دوزخیوں کے مقابلے میں اپنی فضیلت کا اظہار (موقع کلام کے لحاظ سے) درست نہیں۔

رضا کی ایک خاص قسم

رضا کی ایک قسم یہ ہے کہ بندہ اپنی انتہائی آرزو اور آخری تمنا کو پہنچ جائے۔ آیت میں یہی رضا مراد ہے۔ آیت وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔ کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ایسی حالت میں میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک کہ میری امت کا ایک بھی شخص دوزخ میں رہے گا۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ﴿۸﴾

یہ ملتا ہے اُس کو جو ڈرا اپنے رب سے ☆

مقام خشیت: یعنی یہ مقام بلند ہر ایک کو نہیں ملتا صرف ان بندوں کا حصہ ہے جو اپنے رب کی ناراضی سے ڈرتے ہیں اور اس کی نافرمانی کے پاس نہیں جاتے۔ (تفسیر عثمانی)

عاشقوں کی نشانی: حضرت انس کی رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تیرے سامنے قرآن پڑھوں ایک روایت میں قرآن پڑھوں کی جگہ لم یکن الذین کفروا پڑھوں آیا ہے حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ کیا اللہ نے میرا نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرا ذکر رب العالمین کے پاس ہوا ہے فرمایا ہاں یہ سن کر ابی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ (متفق علیہ)

میں کہتا ہوں حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی جو حالت حدیث میں بیان کی گئی ہے یہ عاشقوں کی نشانی ہے۔

سورۃ الزلزال

جس نے اس کو خواب میں پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے کافروں کے قدم ہلا دے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِ اٰيَاتٍ

سورۂ زلزال مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿۱﴾

جب ہلا ڈالے زمین کو اُس کے بھونچال سے ☆

اختتام دنیا کا زلزلہ:

یعنی حق تعالیٰ ساری زمین کو ایک نہایت سخت اور ہولناک زلزلہ سے ہلا ڈالے گا۔ جس کے صدمہ سے کوئی عمارت اور کوئی پہاڑ یا درخت زمین پر قائم نہیں رہے گا، سب نشیب و فراز برابر ہو جائینگے تا کہ میدان حشر بالکل ہموار اور صاف ہو جائے اور یہ معاملہ قیامت میں نفخ ثانی کے وقت ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جب زمین کو ہلایا جائے گا اور اس کی عظمت کی حالت کے مناسب جھنجھوڑا جائے گا۔ یا تقاضائے حکمت کے مطابق جھنجھوڑا جائے گا۔ یا جس قدر اس کو جھنجھوڑ نا ممکن ہوگا جھنجھوڑا جائے گا یا جس قدر جھنجھوڑ زمین کے لیے مقرر ہے اتنی حرکت دی جائے گی۔

صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت آئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ آدم علیہ السلام سے فرمائے گا۔ اٹھ اور اپنی نسل میں دوزخ کا حصہ بھیج۔ آدم عرض کریں گے پروردگار دوزخ کا کیا حصہ؟ اللہ فرمائے گا۔ ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے ایک باقی رہے گا۔ اس کلام کو سن کر بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حمل والی کا حمل ساقط ہو جائے اور تم کو لوگ نشے میں (لڑکھڑاتے ہوئے) دکھائی دیں گے۔ حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے۔ بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔ یہ حدیث صحابہ پر شاق گذری اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ (محفوظ رہنے والا) ایک (فی ہزار) در ہم سے کون ہوگا فرمایا یاجوج ماجوج میں سے ہزار ہوں گے اور تم میں سے ایک، دیگر اقوام میں تم ایسے ہو جیسے سفید بیل (کی کھال) پر ایک سیاہ بال یا سیاہ بیل کی کھال پر سفید بال۔

حدیث میں ہے کہ اس وقت یعنی حصہ دوزخ کے وقت بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حمل والی اسقاط کر دے گی۔ واللہ اعلم (تفسیر مظہری)

وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝۲

اور نکال باہر کرے زمین اپنے اندر سے بوجھ ☆

زمین کے دفینے نکل پڑیں گے:

یعنی اس وقت زمین جو کچھ اسکے پیٹ میں ہے مثلاً مردے یا سونا چاندی وغیرہ سب باہر اگل ڈالے گی۔ لیکن مال کا کوئی لینے والا نہ ہوگا۔ سب دیکھ لینگے کہ آج یہ چیز جس پر ہمیشہ لڑا کرتے تھے کس قدر بیکار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

زمین کی طرف نکالنے کی نسبت مجازی ہے (حقیقت میں اخراج اثقال کرنے والی خدا کی قدرت ہے یعنی زمین اپنے بوجھ باہر پھینک دے گی۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ زمین مردوں کو قبروں سے باہر نکال دے گی۔ (گویا ابن عباس کے نزدیک اثقال سے مراد ہیں مردے) فریابی نے مجاہد کا ہی قول نقل کیا ہے کہ اس مطلب پر یہ واقعہ نفخہ دوم کے بعد کا ہوگا۔

ابن ابی حاتم نے عطیہ کا قول نقل کیا ہے کہ زمین اپنے اندر کے خزانے باہر نکال دے گی۔ (اس قول پر اثقال سے مراد ہوئے زمین کے اندرونی خزانے)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین اپنے جگر پاروں کو سونے چاندی کے ستونوں کی طرح باہر نکال کر پھینک دیگی قاتل آئے گا اور زمین کے اوپر سونے چاندی کے ڈھیر دیکھ کر کہے گا اسی کے لیے میں نے قتل کیا تھا رشتہ داری قطع کرنے والا آئے گا۔ اور کہے گا کہ اسی کے لیے میں نے رشتہ داری قطع کی تھی۔ چور آئے گا۔ اور کہے گا کہ اسی کے سلسلے میں میرا ہاتھ کاٹا گیا تھا۔ پھر سب لوگ اس کو چھوڑ جائیں گے اور کوئی بھی اس میں سے کچھ نہیں لے گا۔ (رواہ المسلم)

صحیحین میں مرفوع حدیث آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریب ہے کہ فرات سے بہتیرا سونا برامد ہوگا اگر کوئی شخص اس زمانہ میں وہاں موجود ہو۔ تو اس میں سے کچھ نہ لے۔ مسلم کی روایت ہے کہ قیامت بپا نہ ہوگی جب تک کہ فرات سونے کا پہاڑ برامد نہ کرے گی۔ اس سونے پر لوگ ایک دوسرے کو قتل کریں گے یہاں تک کہ سو میں سے ننانوے مارے جائیں گے ایک بچے گا وہ ایک کہے گا کہ شاید میں ہی وہ شخص ہوں جو زندہ بچ گیا ہوں۔ میں کہتا ہوں شاید شروع میں قتال ہوگا۔ پھر آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی بھی کچھ نہ لے سکے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝۳

اور کہے آدمی اُس کو کیا ہو گیا ☆

انسان کی حیرت:

یعنی آدمی زندہ ہونے اور اس زلزلہ کے آثار دیکھنے کے بعد یا انکی روحیں عین زلزلہ کے وقت حیرت زدہ ہو کر کہیں گی کہ اس زمین کو کیا ہو گیا جو اس قدر زور سے ہلنے لگی اور اپنے اندر کی تمام چیزیں ایک دم باہر نکال پھینکیں۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝۴

اُس دن کہہ ڈالے گی وہ اپنی باتیں

بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝۵

اس واسطے کہ تیرے رب نے حکم بھیجا اُس کو ☆

زمین اعمال کی گواہی دے گی:

یعنی بنی آدم نے جو برے بھلے کام اس کے اوپر کیے تھے سب ظاہر کر دیگی مثلاً کہے گی فلاں شخص نے مجھ پر نماز پڑھی تھی فلاں نے چوری کی تھی فلاں نے خون ناحق کیا تھا وغیرہ ڈلک گویا آج کل کی زبان میں یوں سمجھو کہ جس قدر اعمال زمین پر کیے جاتے ہیں زمین میں ان سب کے ریکارڈ موجود رہتے ہیں قیامت میں وہ پروردگار کے حکم سے کھول دیئے جائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ زمین کی خبریں کیا ہوں گی صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بخوبی واقف ہیں۔ فرمایا زمین کی خبریں یہ ہوں گی کہ جس بندے اور بندی نے زمین کے اوپر کچھ کیا ہوگا۔ زمین اس کی شہادت دے گی اور کہے گی کہ فلاں فلاں شخص نے ایسا ایسا کیا تھا۔ یہی زمین کی اطلاعات ہوں گی۔ (رواہ احمد ونسائی وابن حبان والبیہقی)

ترمذی نے نقل کرنے کے بعد اس کو صحیح کہا ہے طبرانیؒ نے حضرت ربیعہ حرثی رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین سے احتیاط رکھو یہ تمہاری ماں ہے۔ جس شخص نے بھی اس کے اوپر کوئی اچھا برا کام کیا ہے۔ وہ اس کی خبر ضرور دینے والی ہے۔ طبرانی نے مجاہد کا قول بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

یعنی انسان کے سوال کے جواب میں کہے گی مجھے اللہ کا حکم ہی یوں ملا۔ (تفسیر مظہری)

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ

اُس دن ہو پڑیں گے لوگ طرح طرح پر ☆

مختلف جماعتیں:

یعنی اس روز آدمی اپنی قبروں سے میدان حشر میں طرح طرح کی

جماعتیں بن کر حاضر ہونگے۔ ایک گروہ شرابیوں کا ہوگا ایک زانیوں کا ایک ظالموں کا ایک چوروں کا' وعلیٰ ہذا القیاس یا یہ مطلب ہے کہ لوگ حساب سے فارغ ہوکر جو لوٹینگے تو کچھ جماعتیں جنتی اور کچھ دوزخی ہوکر جنت اور دوزخ کی طرف چلی جائینگی۔ (تفسیر عثمانی)

لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ⁽⁶⁾
کہ ان کو دکھا دیئے جائیں ان کے عمل ☆

اعمال کی نمائش: یعنی میدان حشر میں ان کے عمل دکھلا دیئے جائینگے تا بدکاروں کو ایک طرح کی رسوائی اور نیکوکاروں کو ایک قسم کی سرخروئی حاصل ہو یا ممکن ہے اعمال کے دکھلانے سے ان کے ثمرات و نتائج کا دکھلانا مراد ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا لیرو اجزاء اعمالھم یعنی مقام حساب سے دائیں بائیں واپسی اس لیے ہوگی کہ ان کو اعمال کی سزا جزاء دکھا دی جائے۔ مطلب یہ کہ جنت یا دوزخ کے اندر اپنے مقامات پر جا کر اتر جائیں۔ (تفسیر مظہری)

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ⁽⁷⁾
سو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اُسے
وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ⁽⁸⁾
اور جس نے کی ذرہ بھر برائی وہ دیکھ لے گا اُسے ☆

یعنی ہر ایک کا ذرہ ذرہ عمل بھلا ہو یا برا اس کے سامنے ہوگا اور حق تعالیٰ جو کچھ معاملہ ہر ایک عمل کے متعلق فرمائینگے وہ بھی آنکھوں سے نظر آ جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

ذرہ بھر عمل کا بھی حساب ہوگا:

جس شخص کے دل میں ایک ذرہ برابر ایمان ہوگا۔ وہ بالآخر جہنم سے نکال لیا جاوے گا۔ کیونکہ اس آیت کے وعدے کے مطابق اس کو اپنی نیکی کا پھل بھی آخرت میں ملنا ضرور ہے۔ اور کوئی بھی نیکی نہ ہو تو خود ایمان بہت بڑی نیکی ہے۔ اس لیے کہ کوئی مومن کتنا ہی گناہگار ہو ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گا۔ البتہ کافر نے اگر دنیا میں کچھ نیک عمل بھی کیے تو شرط عمل یعنی ایمان کے نہ ہونے کی وجہ سے کالعدم ہیں اس لیے آخرت میں اس کی کوئی خیر خیر ہی نہیں۔

وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ۔ مراد اس سے وہ شر ہے۔ جس نے اپنی زندگی میں توبہ نہ کر لی ہو۔ کیونکہ توبہ سے گناہوں کا معاف ہونا قرآن و سنت میں یقینی ثابت ہے۔ البتہ جس نے گناہ سے توبہ نہ کی ہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا آخرت میں اس کا نتیجہ ضرور سامنے آئے گا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھو ایسے گناہوں سے بچنے کا پورا اہتمام کرو جن کو چھوٹا یا حقیر سمجھا جاتا ہے کیونکہ اللہ کی طرف سے اس پر بھی مواخذہ ہے۔ (رواہ النسائی و ابن ماجہ عنہا)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت قرآن کی سب سے زیادہ مستحکم اور جامع آیت ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو الفذا ۃ الجامعۃ فرمایا ہے یعنی منفرد و یکتا اور جامع۔

سورۃ کی فضیلت:

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ اِذَا زُلْزِلَتِ کو نصف قرآن کہا ہے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو ثلث قرآن اور قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ کو ربع القرآن فرمایا ہے۔ (رواہ الترمذی والبغوی، مظہری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص پاک کمائی سے آدھے چھوہارے کے برابر کوئی چیز خیرات کرتا ہے اور اللہ پاک کمائی ہی کو قبول کرتا ہے تو اللہ اپنے دائیں ہاتھ سے اس کو لیتا ہے پھر خیرات کرنے والے کے لیے اس کی اس حقیر خیرات کو بڑھاتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ پہاڑ کے برابر ہوتی ہے جیسے تم میں سے بعض لوگ بچھیرے کو پرورش کرتے ہو۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تھوڑی بھلائی کو بھی حقیر نہ سمجھو خواہ اتنا ہی کہ اپنے بھائی سے شگفتہ روئی سے پیش آؤ۔ (رواۃ المسلم)

اہلسنت کا مسلک:

معتزلہ کے خلاف اس آیت سے اہل سنت کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے سے مسلمان بھی ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے بلکہ آخرکار جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ کیونکہ اللہ نے ذرہ برابر نیکی کی جزاء دینے کا بھی وعدہ کیا ہے اور وعدہ الٰہیہ میں خلاف ورزی ناممکن ہے۔ ایمان تو تمام نیکیوں کا سرچشمہ اور عبادات کی بنیاد ہے تو گناہوں کے ارتکاب سے اس کی جزاء کس طرح معدوم ہوسکتی ہے اور چونکہ ثواب کو دیکھنے کا مقام صرف جنت ہے اس لیے خواہ مومن فاسق ہو اور بغیر توبہ کے مرجائے آخر میں جنت میں ضرور جائیگا۔ اس پر اجماع ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متواتر فرمان بھی اسی مطلب پر دلالت کرتے ہیں

حضرت انسؓ کی متفق علیہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس کا یعنی کلمہ توحید و رسالت کا قائل ہے اور اس کے دل میں ذرہ برابر خیر یا ایمان ہے وہ دوزخ سے نکل آئے گا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی روایت مسلم نے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، مرگیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

مسلم نے جابر کی روایت بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شرک کی حالت میں مرگیا وہ دوزخ میں جائے گا۔ اور جو شخص ایسی حالت میں مرا کہ کسی کو اللہ کا ساجھی نہ بناتا تھا۔ تو وہ جنت میں جائے گا۔

مسلمؒ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے۔ کہ جس شخص نے شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ نے اس پر دوزخ حرام کردی۔ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عتبان بن مالک کی روایت سے اور حاکم کے نزدیک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور مسلم کے نزدیک حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی یہ حدیث آئی ہے مسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے ان الفاظ میں حدیث نقل کی ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہوگا۔ وہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔ یعنی اللہ نے دوامی دوزخ اس پر حرام کردی ہے ہمیشہ کے لیے دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ لا الہ الا اللہ کا قائل ہوا پھر اسی پر وہ مرگیا تو جنت میں داخل ہوگیا۔ میں نے عرض کیا کہ خواہ اس نے زنا کی ہو خواہ اس نے چوری کی ہو۔ فرمایا اگرچہ اس نے زنا کی ہو۔ اگرچہ اس نے چوری کی ہو۔ میں نے عرض کیا اگرچہ اس نے زنا کی ہو۔ اگرچہ اس نے چوری کی ہو (تب بھی جنت میں جائے گا) فرمایا کہ خواہ اس نے زنا کی ہو خواہ اس نے چوری کی ہو۔ تب بھی وہ جنت میں جائے گا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کی ناک کو خاک آلود کرکے۔ احمد بزار اور طبرانی نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے سیوطی نے کہا اس مضمون کی احادیث تواتر سے بھی زائد ہیں۔

منفرد اور جامع سورۃ:

مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے۔ جس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو فاذّہ جامعہ فرمایا (فاذّہ، اکیلی، یگانہ، یکتا)۔

ربیع بن خثیم کا بیان ہے کہ ایک شخص حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ سورت پڑھتا ہوا گزرا جب آخری حصہ پر پہنچا تو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بس میرے لئے کافی ہے تو نے نصیحت کی آخر کردی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ پڑھا دیجئے فرمایا الٓر والی تین سورتیں پڑھ۔ اس شخص نے عرض کیا میں بوڑھا ہوگیا ہوں دل بھی سخت ہوگیا ہے اور زبان بھی موٹی پڑ گئی ہے فرمایا حم والی تین سورتیں پڑھ۔ اس نے پہلے کی طرح اب بھی گزارش کی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے سورت جامعہ (جو سب کے ثواب کی جامع ہو) پڑھا دیجئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اذا زلزلت پڑھا دی۔ پڑھنے سے فارغ ہو کر اس شخص نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی کہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں کبھی اس سے زیادہ نہیں پڑھوں گا (اور نہ اس میں کمی کروں گا) پھر پشت موڑ کر چل دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا کہ مرد کامیاب ہوگیا۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ دونوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا زُلْزِلَتِ نصف قرآن کے برابر ہے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے اور قل یا یھاالکافرون ایک چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ (ترمذی وبغوی)

ترمذی کی ایک اور روایت میں آیا ہے اور ابن ابی شیبہ نے بھی لکھا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اذازلزلت الارض چوتھائی قرآن ہے۔

ایک بہت ہی ضعیف سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے چار بار اذازلزلت پڑھ لی تو وہ (ثواب میں) اس طرح ہے جس نے پورا قرآن پڑھا واللہ اعلم۔

مومنوں کو صغیرہ کبیرہ گناہوں کی سزا دینے کی صراحت بکثرت ان گنت آیات واحادیث میں آئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل سنت کا مسلک حق ہے اگر اللہ چاہے گا تو چھوٹے گناہ کی بھی سزا دے گا اور یہ اس کے انصاف کا تقاضہ ہوگا اور اگر چاہے گا تو بڑے بڑے گناہوں کو بھی معاف کردے گا اور یہ اسکی مہربانی کا نتیجہ ہوگا۔

حضرت سعید بن حبان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حنین سے فراغت پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو ہمارا پڑاؤ ایسے چٹیل میدان میں ہوا کہ جہاں کچھ بھی نہ تھا (نہ درخت نہ عمارت نہ سبزہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی کو ملے وہ لے آئے سب کو جمع کرلو گھڑی بھر میں ہی لوگوں نے جمع کرلیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اس کو دیکھ رہے ہو اسی طرح آدمی پر گناہوں کا انبار اکٹھا ہو جاتا ہے پس آدمی کو چاہئے کہ اللہ سے ڈرتا رہے اور چھوٹا بڑا کوئی گناہ نہ کرے کیونکہ اس کے خلاف تمام گناہوں کو جمع رکھا جاتا ہے۔ (طبرانی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حقیر گناہوں سے پرہیز رکھ۔ اللہ کی طرف سے ان کی باز پرس کرنے والا بھی ہوگا۔ نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا تم کچھ عمل ایسے کرتے ہو جو تمہاری نظر میں بال سے بھی زیادہ باریک (یعنی حقیر) ہوتے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم ان کو ہلاکت آفرین گناہوں میں سے شمار کرتے تھے۔ رواہ البخاری امام احمد نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ جس کی سند صحیح ہے۔

حالت کفر کی منت: علماء نے کہا ہے کہ حالت کفر میں جس نے نماز پڑھنے یا روزہ رکھنے یا اعتکاف کرنے کی منت مانی پھر مسلمان ہو گیا تو نذر کو پورا کرنا واجب نہیں کیونکہ حالت کفر کی نماز روزہ اور اعتکاف خالص اللہ کیلئے نہیں ہوتا پس کفر کی حالت کی نماز وغیرہ بھی کفر اور معصیت ہے طاعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور معصیت کی نذر (معتبر) نہیں کافروں کے اعمال میدانی سراب کی طرح ہیں جس کو پیاسا پانی سمجھتا ہے لیکن قریب پہنچتا ہے تو کچھ بھی نہیں ملتا۔

بخشش کا دریا: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ قیامت کے دن اللہ ضرور ایسی مغفرت (عمومی) کرے گا کہ ابلیس بھی اس کی طرف بڑھے گا اور اس کو پالینے کے قریب پہنچ جائے گا (مگر پا نہ سکے گا) (رواہ البیہقی)

اس مضمون کی احادیث اتنی کثرت سے آئی ہیں کہ حد تواتر میں داخل ہو گئی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

کسی نیکی کو ہلکا نہ سمجھو: حضرت صعصعہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ آیت سن کر کہہ دیا تھا کہ صرف یہی آیت کافی ہے اور زیادہ اگر نہ بھی سنوں تو کوئی ضرورت نہیں۔ (مسند احمد و نسائی)

صحیح بخاری شریف میں بروایت حضرت عدی بن حاتم مروی ہے کہ آگ سے بچو اگرچہ آدھی کھجور کا صدقہ ہی کیوں نہ ہو۔

اسی طرح صحیح حدیث ہے کہ نیکی کے کام کو ہلکا نہ سمجھو گو اتنا ہی کام ہو کہ تو اپنے ڈول میں سے ذرا سا پانی کسی پیاسے کو پلوا دے یا اپنے کسی مسلمان بھائی سے کشادہ روئی اور خندہ پیشانی سے ملاقات کر لے۔

دوسری ایک صحیح حدیث میں ہے کہ اے ایمان والی عورتو! تم اپنے پڑوسی کے بھیجے ہوئے تحفے ہدیے کو حقیر نہ سمجھو گو ایک کھر ہی آیا ہو۔

اور حدیث میں ہے کہ سائل کو کچھ نہ کچھ دے دو گو جلا ہوا کھر ہی کیوں نہ ہو۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گناہوں کو حقیر نہ سمجھو یاد رکھو کہ ان کا بھی حساب لینے والا ہے

کسی گناہ کو ہلکا نہ سمجھو:

ابن جریر رحمہ اللہ کی ایک روایت میں ہے کہ یہ سورت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں نازل ہوئی تھی آپ اسے سن کے بہت روئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ سورت رلا رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم خطا اور گناہ نہ کرتے کہ تمہیں بخشا جائے اور معاف کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کسی اور امت کو پیدا کرتا جو خطا اور گناہ کرتے اور خدا انہیں بخشتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ گناہوں کو ہلکا نہ سمجھا کرو یہ سب جمع ہو کے آدمی کو ہلاک کر ڈالتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برائیوں کی مثال بیان فرمائی کہ جیسے کچھ لوگ کسی جگہ اترے پھر ایک ایک دو دو لکڑیاں چن لائے تو لکڑیوں کا ڈھیر لگ جائے گا پھر انہیں سلگائی جائیں تو اس آگ میں جو چاہیں پکا لیں (اسی طرح تھوڑے تھوڑے گناہ بہت زیادہ ہو کر آگ کا کام کرتے ہیں اور انسان کو جلا دیتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورۃ العدیت

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو اچھے گھوڑے عطا فرمائے گا جس سے وہ فائدہ اٹھائے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً
سورۂ عادیات مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝۱
قسم ہے دوڑنے والے گھوڑوں کی ہانپ کر
فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝۲
پھر آگ سلگانے والے جھاڑ کر☆

☆ یعنی جو پتھریا پتھریلی زمین پر ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

گھوڑوں کی قسم اور اس کا مقصد:

ظاہر عنوان سے یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ گھوڑوں ہی کی قسم کھائی ہے اور غرض یہ ہے کہ غور کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ خود گھوڑا زبان حال سے یہ شہادت دے رہا ہے کہ جو لوگ مالک حقیقی کی دی ہوئی روزی کھا رہے ہیں اور اس کی بے شمار نعمتوں سے شب و روز متمتع ہوتے ہوئے بھی اس کی فرماں برداری نہیں کرتے وہ جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل و حقیر ہیں۔ ایک شائستہ گھوڑے کو مالک گھاس کے تنکے اور تھوڑا سا دانہ کھلاتا ہے وہ اتنی سی تربیت پر اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑا دیتا ہے۔ جدھر سوار اشارہ کرتا ہے ادھر ہی چلتا ہے دوڑتا اور ہانپتا ہوا اور ٹاپیں مارتا ہوا اور غبار اٹھاتا ہوا گھمسان کے معرکوں میں بے تکلف گھس جاتا ہے گولیوں کی بارش میں تلواروں اور سنگینوں کے سامنے پڑ کر سینہ نہیں پھیرتا بلکہ بسا اوقات وفادار گھوڑا اپنے سوار کو بچانے کے لئے اپنی جان کو خطرے میں ڈال دیتا ہے۔

کیونکہ چوپائے بہر حال اپنے پرورش کرنے والے مالک کو پہچان لیتے ہیں اور اس کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں اس کو محسن سمجھتے ہیں۔ کسی نہ کسی درجہ میں نفع و ضرر کو جانتے ہیں اگر ان کو کھلا چھوڑ دو تو چراہ گاہ کی طرف پہنچ جاتے ہیں جہاں ان کو غذا اور پانی مل جاتا ہے۔ لیکن یہ منکرین آخرت اور کافر نہ اپنے مالک کو پہچانتے ہیں اور نہ اپنے محسن کو سمجھتے ہیں اور نہ اپنے نفع و نقصان

کی تمیز کرتے ہیں اور جس عقل وفہم سے یہ خدا کو پہچان کر بے شمار دینی اور دنیوی کمالات اور سعادتیں حاصل کرتے ہیں اس کو معطل رکھ کر اپنے واسطے ابدی ہلاکت اور تباہی کا سامان مہیا کیا بھلا بتایا جائے کہ اس سے زیادہ اور کون سا بدعقلی کا مقام ہوسکتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

سورۃ مکی ہے یا مدنی:

سورۂ عادیات حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور جابر رضی اللہ عنہ اور حسن بصریؒ ،عکرمہ رحمہم اللہ کے نزدیک مکی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ ،انس رضی اللہ عنہ ،امام مالکؒ ،قتادہ کے نزدیک مدنی سورت ہے۔ (قرطبی)

سورۃ کے مضامین:

اس سورت میں حق تعالیٰ نے جنگی گھوڑوں کے کچھ خاص حالات وصفات کا ذکر فرمایا ہے اوران کی قسم کھا کر یہ ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

گھوڑوں کی شہادت:

یہاں جنگی گھوڑوں کی سخت خدمات کا ذکر گویا اس کی شہادت میں لایا گیا ہے کہ انسان بڑا ناشکرا ہے۔ تشریح اس کی یہ ہے گھوڑوں کے اور خصوصاً جنگی گھوڑوں کے حالات پر نظر ڈالئے کہ وہ میدان جنگ میں اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر کیسی کیسی سخت خدمات انسان کے حکم واشارہ کے تابع انجام دیتا ہے۔ حالانکہ انسان نے ان گھوڑوں کو پیدا نہیں کیا۔ ان کو جو انسان گھاس دانہ دیتا ہے وہ بھی اس کا پیدا کیا ہوا نہیں۔ اس کا کام صرف اتنا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے رزق کو ان تک پہنچانے کا واسطہ بنتا ہے۔ اب گھوڑے کو دیکھئے کہ وہ انسان کے اتنے سے احسان کو کیسا پہچانتا ہے اور مانتا ہے کہ اس کے ادنیٰ اشارہ پر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے اور سخت سے سخت مشقت برداشت کرتا ہے۔ اس کے بالمقابل انسان کو دیکھو جس کو ایک حقیر قطرہ سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور اس کو مختلف کاموں کی قوت بخشی، عقل وشعور دیا، ان کے کھانے پینے کی ہر چیز پیدا فرمائی اور اس کی تمام ضروریات کو کس قدر آسان کر کے اس تک پہنچا دیا کہ عقل حیران رہ جاتی ہے مگر وہ ان تمام اعلیٰ واعلیٰ احسانات کا بھی شکر گزار نہیں ہوتا۔ (معارف مفتی اعظم)

شان نزول:

بزاز دار قطنی حاکم اور ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سواروں کو (کہیں) بھیجا اور مہینہ بھر ان کی کوئی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں آئی تو مندرجہ آیات کا نزول ہوا۔ یعنی ہانپتے ہوئے۔ دوڑنے کے وقت گھوڑے کی سانس کی آواز کو ضَبحٌ کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جانوروں میں سوائے گھوڑے، کتے اور لومڑی کے ہانپنے کی آواز کسی اور جانور کی نہیں ہوتی اور یہ بھی اس وقت ہوتی ہے جب تھکنے کی وجہ سے ان کا حال بگڑتا ہے۔

ضبحا کا معنی ہوگا چلنے کی حالت میں گردنیں لمبی کئے ہوئے الموریٰت سے مراد وہ گھوڑے ہے کہ جب رات کو پتھریلی زمین پر چلتے ہیں ان کی ٹاپیں پتھروں سے رگڑتی ہیں تو چنگاریاں نمودار ہو جاتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

> **فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ﴿۳﴾**
>
> پھر غارت ڈالنے والے صبح کو ☆

حملہ کرنے کا وقت: عرب میں اکثر عادت صبح کے وقت تاخت کرنے کی تھی تا کہ رات کے وقت جانے میں دشمن کو خبر نہ ہو صبح کو دفعتہ جا پڑیں اور رات کو حملہ نہ کرنے میں اظہار شجاعت سمجھتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

المغیرات سے مراد ہیں وہ گھوڑے جو اپنے سواروں کو لے کر صبح کے وقت دشمن پر حملہ کرتے ہیں (دشمنوں پر چھاپہ مارتے ہیں) (تفسیر مظہری)

> **فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ﴿۴﴾**
>
> پھر اُٹھانے والے اُس میں گرد ☆

گھوڑوں کی ٹاپیں:

یعنی ایسی تیزی اور قوت سے دوڑنے والے کہ صبح کے وقت جبکہ رات کی سردی اور شبنم کی رطوبت سے عموماً غبار دبا رہتا ہے ان کی ٹاپوں سے اس وقت بھی بہت گرد وغبار اٹھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بہ کی ضمیر دشمن پر چھاپہ مارنے کے وقت کی طرف راجع ہے جو سیاق کلام سے معلوم ہو رہا ہے یا دشمن کے مقام کی طرف راجع ہے جو اقتضاء عبارت ہے یعنی وہ گھوڑے جو دشمن پر چھاپہ مارتے ہیں چھاپہ مارنے کے وقت یا چھاپہ مارنے کی جگہ پر اپنے حملے کی وجہ سے غبار اڑاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

> **فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿۵﴾**
>
> پھر گھس جانے والے اُس وقت فوج میں ☆

دشمن میں گھس جانا: یعنی اس وقت بے خوف وخطر دشمن کی فوج میں جا گھستے ہیں (تنبیہ) ممکن ہے کہ قسم کھانا گھوڑوں کی مقصود ہو جیسا کہ ظاہر ہے اور ممکن ہے کہ مجاہدین کے رسالہ کی قسم ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''یہ جہاد والے سواروں کی قسم ہے۔ اس سے بڑا کون عمل ہوگا کہ اللہ کے کام پر اپنی جان دینے کو حاضر ہے''۔ (تفسیر عثمانی)

پھر اس غبار میں یا چھاپہ مارنے کے وقت یا چھاپہ مارنے کے مقام پر دشمنوں کی فوج کے اندر وہ داخل ہو جاتے ہیں (تفسیر مظہری)

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ ⑥

بے شک آدمی اپنے رب کا ناشکر ہے ☆

گھوڑوں کی وفاداری اور انسان کی ناشکری:

یعنی جہاد کرنیوالے سواروں کی اللہ کی راہ میں سرفروشی و جانبازی بتلاتی ہے کہ وفادار و شکرگزار بندے ایسے ہوتے ہیں جو آدمی اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو اس کے راستہ میں خرچ نہیں کرتا وہ پرلے درجہ کا ناشکرا اور نالائق ہے بلکہ غور کرو تو خود گھوڑا از بان حال سے شہادت دے رہا ہے کہ جولوگ مالک حقیقی کی دی ہوئی روزی کھاتے ہیں اور اس کی بیشمار نعمتوں سے شب وروز تمتع کرتے ہیں پھر اس کے باوجود اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے وہ جانوروں سے زیادہ ذلیل وحقیر ہیں۔ ایک شائستہ گھوڑے کو مالک گھاس کے تنکے اور تھوڑا سا دانہ کھلاتا ہے وہ اتنی سی تربیت پر اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑا دیتا ہے۔ جدھر سوار اشارہ کرتا ہے ادھر چلتا ہے دوڑتا اور ہانپتا ہوا ٹاپیں مارتا ہوا غبار اٹھاتا ہوا گھمسان کے معرکوں میں بے تکلف گھس جاتا ہے گولیوں کی بارش میں تلواروں اور سنگینوں کے سامنے پڑ کر سینہ نہیں پھیرتا بلکہ بسا اوقات وفادار گھوڑا سوار کو بچانے کے لیے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔ کیا انسان نے ایسے گھوڑوں سے کچھ سبق سیکھا کہ اس کا بھی کوئی پالنے والا مالک ہے جس کی وفاداری میں اسے جان و مال خرچ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ بیشک انسان بڑا ناشکر اور نالائق ہے کہ ایک گھوڑے بلکہ کتے کے برابر بھی وفاداری نہیں دکھلا سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

انسان کی دو کمزوریاں:

آیت مذکورہ میں گھوڑوں کی قسم کھا کر انسان کے متعلق دو باتیں کہی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ناشکرا ہے۔ مصیبتوں تکلیفوں کو یاد رکھتا ہے۔ نعمتوں اور احسانات کو بھول جاتا ہے دوسرے یہ کہ وہ مال کی محبت میں شدید ہے۔ یہ دونوں باتیں شرعاً وعقلاً مذموم ہیں۔

مؤمن کی شان:

اللہ کے نزدیک مؤمن کو ایسا ہونا چاہیے کہ بقدر ضرورت مال کو حاصل بھی کرے اور اس کی حفاظت بھی کرے اور مواقع ضرورت میں اس سے کام بھی لے مگر دل اس کے ساتھ مشغول نہ ہو، جیسا کہ مولانا رومی نے بڑے بلیغ انداز سے فرمایا ہے

آب اندر زیر کشتی پشتی است　　آب در کشتی ہلاک کشتی است

یعنی پانی جب تک کشتی کے نیچے رہے تو کشتی کا مددگار ہے مگر یہی پانی کشتی کے اندر آجائے تو کشتی کو لے ڈوبتا ہے۔ اسی طرح مال جب تک دل کی کشتی کے اردگرد رہے تو مفید ہے جب دل کے اندر گھس گیا تو ہلاکت ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کنود بمعنی قلیل الخیر اور ارض کنود شور (بھوڑ) زمین جس میں کچھ پیدا نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ ⑦

اور وہ آدمی اُس کام کو سامنے دیکھتا ہے ☆

انسان کی ناشکری کی شہادتیں:

یعنی سرفروش مجاہدین کی اور ان کے گھوڑوں کی وفاشعاری اور شکرگزاری اس کی آنکھوں کے سامنے ہے پھر بھی بے حیا ٹس سے مس نہیں ہوتا (تنبیہ) ترجمہ کی رعایت سے ہم نے یہ مطلب لکھا ہے ورنہ اکثر مفسرین اس جملہ کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ انسان خود اپنی ناشکری پر زبان حال سے گواہ ہے۔ ذرا اپنے ضمیر کی آواز کی طرف متوجہ ہو تو سن لے کہ اندر سے خود اس کا دل کہہ رہا ہے کہ تو بڑا ناشکرا ہے۔ بعض سلف نے "اِنَّهٗ" کی ضمیر رب کی طرف لوٹائی ہے یعنی اس کا رب اس کی ناسپاسی اور کفران نعمت کو دیکھ رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رب کی نعمتوں کے بڑے ناشکرے ہیں اور تھوڑے سے غور کرنے کر بعد وہ اپنی ناشکری یا نافرمانی یا کنجوسی پر شہادت بھی دیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی انسان کے کنود ہونے پر اللہ واقف ہے اس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے اس مطلب پر یہ آیت ناشکرے کے لئے وعید ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۗ ⑧

اور آدمی محبت پر مال کی بہت پکا ہے ☆

مال کی محبت:

یعنی حرص و طمع اور بخل و امساک نے اس کو اندھا بنا رکھا ہے دنیا کے زر و مال کی محبت میں اس قدر غرق ہے کہ منعم حقیقی کو بھی فراموش کر بیٹھا، نہیں سمجھتا کہ آگے چل کر اس کا کیا انجام ہونے والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ دونوں مذموم خصلتیں دراصل کافر کی ہیں کسی مسلمان میں بھی خدا ناخواستہ پائی جائیں تو اسے فکر کرنی چاہئے واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

انسان مال کی محبت میں بڑا شدید ہے محسن کی راہ میں خرچ نہیں کرتا۔ یعنی انسان محبت مال کی وجہ سے بڑا کنجوس ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۙ ⑨

کیا نہیں جانتا وہ وقت کہ کریدا جائے جو کچھ قبروں میں ہے

وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ﴿١٠﴾

اور تحقیق ہووے جو کچھ کہ جیوں میں ہے

آنے والی حالت سے ابھی عبرت حاصل کرلو:

یعنی وہ وقت بھی آنیوالا ہے جب مردہ جسم قبروں سے نکال کر زندہ کیے جائیں گے اور دلوں میں جو چیزیں چھپی ہوئی ہیں سب کھول کر رکھ دی جائینگی اس وقت دیکھیں یہ مال کہاں تک کام دیگا اور نالائق ناشکرے لوگ کہاں چھوٹ کر جائینگے اگر یہ بے حیاء اس بات کو بھی سمجھ لیتے تو ہرگز مال کی محبت میں غرق ہوکر ایسی حرکتیں نہ کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ تعجب ہے کہ انسان کیوں نہیں دیکھتا اور ابھی اس بات کو کیوں نہیں جان لیتا جو کل کو جان لے گا کہ اس کا رب اس سے باخبر ہے اس کے کرتوت کا اس روز بدلہ دے گا جبکہ مُردوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا اور سینوں کے اندر کی باتیں کھول دی جائیں گی۔

جو کچھ سینوں میں ہوگا یعنی خیر وشر جو کچھ جنس انسان کے سینوں میں ہوگی وہ ظاہر کردی جائے گی۔ ہاتھ پاؤں کے اعمال کو (ظاہر کرنے) کا ذکر آیت میں نہیں کیا بلکہ دل کے (اسرارو) عقائد کے اظہار کا ذکر کیا کیونکہ قلبی افکارو عقائد ہی اصل ہیں۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ﴿١١﴾

بے شک ان کے رب کو اُن کی اُس دن سب خبر ہے ☆

قیامت کے دن اللہ کا سامنا ہوگا:

یعنی ہر چند کہ اللہ کا علم ہر وقت بندے کے ظاہر و باطن پر محیط ہے لیکن اس روز اس کا عمل ہر شخص پر ظاہر ہو جائیگا اور کسی کو گنجائش انکار کی نہ رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

الحمدللہ سورۃ العدیٰت ختم ہوئی

سورة القارعة

جس نے اسکی تلاوت کی اس کو اللہ تعالی عبادت وتقویٰ کی عزت کرے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُورَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ إِحْدَى عَشْرَةَ آيَةً

سورۂ قارعہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الْقَارِعَةُ ﴿١﴾ مَا الْقَارِعَةُ ﴿٢﴾

وہ کھڑکھڑا ڈالنے والی کیا ہے وہ کھڑکھڑا ڈالنے والی

وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ﴿٣﴾

اور تو کیا سمجھا کیا ہے وہ کھڑکھڑا ڈالنے والی ☆

قیامت کی گھبراہٹ:

مراد قیامت ہے جو قلوب کو سخت فزع اور گھبراہٹ سے اور کانوں کو صوت شدید سے کھڑکھڑا ڈالے گی۔ مطلب یہ ہے کہ حادثہ قیامت کے اس ہولناک منظر کا کیا بیان ہو۔ بس اس کے بعض آثار آگے بیان کردیئے جاتے ہیں جن سے اس کی سختی اور شدت کا قدرے اندازہ ہوسکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تفسیر مظہری میں ہے کہ قرآن کریم میں عام طور پر جزاء وسزا میں تقابل کفار کا مؤمنین صالحین کے ساتھ کیا گیا کہ اصلی مؤمنین کاملین وہی ہیں، باقی رہے وہ مؤمن جنھوں نے اعمال صالحہ اور سیۂ مخلوط کئے ہیں قرآن میں عام طور پر اس سے سکوت کیا گیا، اور ان سب آیات میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قیامت میں انسان کے اعمال تولے جائیں گے گنے نہیں جائیں گے، اور عمل کا وزن بقدر اخلاص اور مطابقت سنت کے بڑھتا ہے جس شخص کے عمل میں اخلاص بھی کامل ہو اور سنت کی مطابقت بھی مکمل ہو اگرچہ اس کے عمل تعداد میں کم ہوں اس کا وزن بہ نسبت اس شخص کے بڑھ جائے گا جس نے تعداد میں تو نماز روزے، صدقہ خیرات، حج عمرے بہت کئے مگر اخلاص میں کمی رہی یا سنت کی مطابقت میں کمی رہی واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ﴿٤﴾

جس دن ہوویں لوگ جیسے پتنگے بکھرے ہوئے ☆

لوگوں میں افراتفری:
کہ ہر ایک ایک طرف کو بے تابانہ چلا جاتا ہے گویا پروانوں کے ساتھ تشبیہ ضعف کثرت بیتابی اور حرکت کی بے انتظامی میں ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)
منتشر پتنگوں کی طرح جو لوٹ کر آگ میں گرتے ہیں کثرت حقارت شدت ہول کے سبب ایک کا دوسرے پر چڑھا جانا اور مجمع کا لہریں مارنا وصف مشترک ہے جس کی بناء پر آگ میں گرنے والے پتنگوں سے میدان حشر میں جمع ہونے والے آدمیوں کو تشبیہ دی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ﴿٥﴾

اور ہو دیں پہاڑ جیسے رنگی ہوئی اُون دھنی ہوئی ☆

پہاڑوں کا حشر: یعنی جیسے دُھنیا اون یا روئی کو دُھنک کر ایک ایک پھاہا کر کے اڑا دیتا ہے اسی طرح پہاڑ متفرق ہو کر اڑ جائینگے۔ اور رنگین اون سے شاید اس لیے تشبیہ دی کہ بہت کمزور اور ہلکی ہوتی ہے۔ نیز قرآن میں دوسری جگہ پہاڑوں کے رنگ بھی کئی قسم کے بیان فرمائے ہیں "وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ" (فاطر۔ رکوع ۴) (تفسیر عثمانی)
اون بھی دھنکی ہوئی۔ پہاڑوں کے ذرات پراگندہ ہوا میں اڑتے ہوں گے اور رنگ برنگ کے ہوں گے گویا دھنکی ہوئی رنگ برنگ کی اون ہوا میں منتشر و پریشان ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

فَأَمَّا مَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ﴿٦﴾

سو جس کی بھاری ہوئیں تولیں

فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٧﴾

تو وہ رہے گا من مانتے گذران میں ☆

اعمال کا وزن: یعنی جس کے اعمال وزنی ہونگے وہ اس روز خاطر خواہ عیش و آرام میں رہے گا اور اعمال کا وزن اخلاص و ایمان کی نسبت سے ہوگا دیکھنے میں کتنا ہی بڑا عمل ہو مگر اخلاص کی روح نہ ہو وہ اللہ کے ہاں کچھ وزن نہیں رکھتا "فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا"۔ (تفسیر عثمانی)
ترازو: صحیح حدیث میں آیا ہے کہ میزان عدل کی زبان (قبضہ) بھی ہوگی اور دو پلڑے بھی (جیسے عموماً ترازو کے ہوتے ہیں) ابن مردویہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے اور ابن مبارک نے زہد میں اور ابوالشیخ نے تفسیر میں نیز آجری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ اللہ نے میزان کے دو پلڑے آسمان و زمین کی طرح پیدا کئے ہیں ہر شخص کی ترازو جدا جدا ہونا لازم ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ﴿٨﴾

اور جس کی ہلکی ہوئیں تولیں

فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ﴿٩﴾

تو اُس کا ٹھکانا گڑھا ہے

وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَهْ ﴿١٠﴾

اور تو کیا سمجھا وہ کیا ہے

نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿١١﴾

آگ ہے دہکتی ہوئی ☆

ھاویہ کا عذاب:
یعنی جو عذاب اس طبقہ میں ہے کچھ آدمی کی سمجھ میں نہیں آسکتا بس اتنا سمجھ لو کہ ایک آگ ہے نہایت گرم دہکتی ہوئی جس کے مقابلہ میں گویا دوسری آگ کو گرم کہنا نہ چاہیے **اعاذنا الله منها و من سائر وجوه العذاب بفضله و منه.** (تفسیر عثمانی)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن بعض موٹے، لمبے، چوڑے آدمی آئیں گے۔ مگر اللہ کے نزدیک ان کا وزن مچھر کے پر کے برابر نہ ہوگا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت لَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا پڑھی۔
(متفق علیہ بروایت حضرت ابوہریرہ)

لوگوں کے تین گروہ:
احمد بن حارث نے کہا کہ قیامت کے دن لوگوں کے تین فرقے اٹھائے جائیں گے۔ ایک فرقہ اعمال صالحہ کی وجہ سے غنی ہوگا۔
دوسرا فرقہ (اعمال صالحہ کم ہونے کی وجہ سے) محتاج تیسرا فرقہ وہ جو (اپنے اعمال صالحہ کی وجہ سے شروع میں) غنی ہوگا پھر (آخر میں) دوسروں کے حقوق میں (اعمال صالحہ چلے جانے کی وجہ سے) محتاج ہو جائے گا۔

حقوق العباد کی اہمیت:
سفیان ثوری نے کہا کہ اگر تم خدا کے ستر گناہ لے کر تم خدا کے سامنے ہو جاؤ تو وہ (ستر گناہ کے ساتھ پیشی) اس سے آسان ہوگی کہ بندوں کا ایک گناہ لے کر خدا کے سامنے ہو جاؤ۔

ایک ایک نیکی کی اہمیت ہوگی:
ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت

کے دن لوگوں کا حساب کتاب ہوگا جس کی ایک نیکی بھی گناہوں سے زائد ہو گی وہ جنت میں جائے گا۔ اور جس کے گناہ نیکیوں سے زائد ہوں گے وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔ ترازو ایک دانہ کے وزن سے ہلکی بھاری ہو جائے گی اور جس کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی وہ اعراف والوں میں سے ہوگا ایسے لوگ صراط پر رکے رہیں گے یہاں تک کہ بعض گناہوں کی سزا ان کو دے دی جائے گی ورنیکیاں بھاری ہو جائیں گی تو ان کو داخلہ مل جائے گا۔ ظاہر یہ ہے کہ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ سے مراد کافر ہی ہیں انہی کی سزا کا بیان ہے۔

ھاویہ: یعنی اس کا مسکن دوزخ ہوگا مسکن کو ماں اس لئے کہا کہ اولاد کے سکون کا مقام ماں ہی ہوتی ہے۔ ھاویہ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے ھا و یہ ایسا غار ہے جس کی گہرائی سے سوائے خدا کے اور کوئی واقف نہیں۔

میزان پر فیصلوں کا اعلان:

میں کہتا ہوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں منقول ہے متقیوں کے مقابلہ میں جن لوگوں کا ذکر آیا ہے ان سے مراد بھی کفار ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا آدمی کو پورا عوض ملے گا۔ میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان ایک فرشتہ کھڑا ہوگا اگر اعمال بھاری نکلیں گے تو وہ فرشتہ ایسی آواز سے جس کو مخلوق سن لے کہے گا کہ فلاں آدمی خوش نصیب ہو گیا اس خوش نصیبی کے بعد کبھی بدنصیب نہیں ہوگا اور اگر تول ہلکی ہو جائے گی تو وہی فرشتہ ایسی آواز سے کہ جس کو مخلوق سن لے پکار دے گا کہ فلاں شخص بد نصیب ہو گیا اور اس بدنصیبی کے بعد اسکو کبھی خوش نصیبی نہیں ملے گی اس حدیث میں بھی مخلوط الاعمال شخص کی حالت کی طرف سے خاموشی اختیار کی گئی ہے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ فرشتہ اس کے لئے کسی طرح کی ندا نہیں دے گا۔

فائدہ: قرطبی نے کہا کہ ہر شخص کے لئے میزان (حساب) نہیں ہوگی جو لوگ بلا حساب جنت میں جائیں گے ان کے اعمال تولنے کے لئے میزان نہیں لگائی جائے گی اسی طرح جو لوگ فی الفور بلا حساب دوزخ میں بھیجے جائیں گے ان کے لئے بھی ترازو قائم نہیں کی جائے گی۔

بغیر حساب جنت میں جانے والے:

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ ستر ہزار بلا حساب جنت میں جائیں گے نہ ان کے اعمال کی وزن کشی کے لئے ترازو قائم کی جائے گی نہ وہ اعمال نامے لیں گے بلکہ ایک براءت نامہ لکھا ہوا ان کو ملے گا جس میں لکھا ہوگا فلاں بن فلاں کا براءت نامہ ہے۔

اصبہانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میزانیں لگائی جائیں گی اور نمازیوں کو لایا جائے گا اور وزن کر کے ان کو ثواب پورا پورا دیا جائے گا اور حج والے لائے جائیں گے ان کو بھی وزن کشی کر کے پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ اور اہل مصیبت کو لایا جائے گا لیکن ان کے اعمال تولنے کے لئے نہ تو ترازو لگایا جائے گا نہ ان کا رجسٹر کھولا جائیگا بلکہ بلا حساب ان پر ثواب کی بارش ہوگی۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ جو دنیا میں عافیت سے رہے تھے تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ان کے بدن قینچیوں سے کاٹے جاتے یہ تمنا اس فضیلت کو دیکھ کر کریں گے جس کو اہل مصیبت لے کر جائیں گے یہی (مطلب) ہے آیت اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ کا۔

طبرانی اور ابو یعلی نے مناسب سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن شہید کو لا کر حساب کے لیے کھڑا کیا جائے گا۔ پھر صدقہ (خیرات، زکوۃ) دینے والے کو لا کر حساب کے لیے کھڑا کیا جائے گا۔ پھر دکھی لوگوں کو لایا جائے گا مگر انکے اعمال تولنے کے لیے نہ ترازو لگائی جائیگی نہ ان کا رجسٹر کھولا جائے گا بلکہ ان پر ثواب کی ایسی بارش ہوگی کہ اس کو دیکھ کر دنیا میں سکھ سے رہنے والے لوگ موقف قیامت میں تمنا کرینگے کہ کاش ان کے بدن (دنیا میں) قینچیوں سے کاٹے جاتے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جنت میں بلا حساب جانے والے صوفیہ ہی ہونگے تو شاید حدیث میں جو لفظ بلاء آیا ہے اس سے مراد عاشقان خدا کا دکھ ہو کیونکہ جس طرح وہ عطا الٰہی پر راضی ہوتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کے بھیجے ہوئے دکھ پر بھی راضی ہوتے ہیں۔

بیہقیؒ نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر چیز کا ایک اندازہ اور وزن ہے سوا ایک آنسو کے اس کے ذریعہ سے آگ کے سمندر بجھا دیے جائیں گے اس گریہ سے مراد بھی عاشقوں کا گریہ ہے ورنہ عام اہل بلاء کے اعمال کی وزن کشی کا ثبوت تو صحیح احادیث سے ہوتا ہے جیسا کہ نسائی، حاکم، ابن حبان، بزار، احمد اور طبرانی نے بروایت ثوبان ابو سلمٰی نے بیان کیا ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا کہنے، کیا کہنے پانچ (کلمات) کے میزان میں یہ کیسے بھاری ہیں **لا الہ الا اللہ** اور **سبحان اللہ** اور **الحمد للہ** اور **اللہ اکبر** اور جس مرد مسلم کا صالح بچہ مر جائے۔ الخ بچہ کی موت بلا شبہ مصیبت ہے (اور میزان میں اس کے بھاری ہونے کی صراحت حدیث مذکور میں ہے)

ایک سوال: امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میزانیں قائم کی جائیں گی پھر ایک آدمی کو بلایا جائے گا ایک پلڑے میں اس کو (نیک عمل سمیت) رکھا جائیگا اور وہ اعمال جو اس کے خلاف شمار کیے گئے تھے (یعنی برے اعمال) ان کو بھی دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا بد اعمالی کا پلڑا جھک جائے گا تو اس شخص کو دوزخ کی طرف بھیج دیا جائے گا جب وہ جانے کے لیے پشت موڑے گا تو رحمٰن کی طرف سے ایک منادی چیخ کر آواز دے گا جلدی نہ کر و اس کی کوئی چیز تولنے سے رہ گئی ہے چنانچہ ایک پرچہ لایا جائے گا جس میں **لا الہ الا اللہ** لکھا ہوگا اس پرچہ کو اس شخص کے ساتھ پلڑے میں رکھ دیا جائے گا اب یہ پلڑا جھک جائے گا۔ (حاکم تفسیر مظہری)

سورۃ التکاثر

جو شخص اس کو خواب میں اس کی تلاوت کرے گا وہ مال کو جمع کرنا چھوڑ دے گا اور زاہد ہو جائے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيْ اٰيَاتٍ

سورۂ تکاثر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝١ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝٢

غفلت میں رکھا تم کو بہتایت کی حرص نے یہاں تک کہ جا دیکھیں قبریں☆

مال و اولاد کی حرص:

یعنی مال و اولاد کی کثرت اور دنیا کے ساز و سامان کی حرص آدمی کو غفلت میں پھنسائے رکھتی ہے نہ مالک کا دھیان آنے دیتی ہے نہ آخرت کی فکر بس شب و روز یہی دھن لگی رہتی ہے کہ جس طرح بن پڑے مال و دولت کی بہتات ہو اور میرا کنبہ اور جتھا سب کنبوں اور جتھوں سے غالب رہے۔ یہ پردہ غفلت کا نہیں اٹھتا یہاں تک کہ موت آ جاتی ہے تب قبر میں پہنچ کر پتہ لگتا ہے کہ سخت غفلت اور بھول میں پڑے ہوئے تھے محض چند روز کی چہل پہل تھی موت کے بعد وہ سب سامان ہیچ بلکہ وبال جان ہیں (تنبیہ) بعض روایات میں آیا ہے (اللہ اعلم بصحتها) کہ ایک مرتبہ دو قبیلے اپنے اپنے جتھے کی کثرت پر فخر کر رہے تھے۔ جب مقابلہ کے وقت ایک کے آدمی دوسرے سے کم رہے تو اس نے کہا کہ ہمارے اتنے آدمی لڑائی میں مارے جا چکے ہیں چل کر قبریں شمار کر لو۔ وہاں پتہ لگے گا کہ ہمارا جتھا تم سے کتنا زیادہ ہے۔ اور ہم میں کیسے کیسے نامور گزر چکے ہیں یہ کہہ کر قبریں شمار کرنے لگے اس جہالت و غفلت پر متنبہ کرنے کے لیے یہ سورت نازل ہوئی ترجمہ میں دونوں مطلبوں کی گنجائش ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ہزار آیتوں کی تلاوت:

بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ یہ فرمایا کیوں نہیں تم لوگ ہر دن میں ہزار آیتیں پڑھ لیتے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز کوئی شخص ہزار آیتیں کس طرح پڑھ سکے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم سورہ اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ نہیں پڑھ سکتے۔

ابن آدم کی حرص:

حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن الشخیر صحابی ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے تو آپ سورہ اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھ رہے تھے اور فرما رہے تھے۔ **يقول ابن آدم مالي مالي وهل لك من مالك الا ما اكلت فافنيت او لبست فابليت او تصدقت فامضيت** ۔ کہ ابن آدم یہ کہتا ہے میرا مال میرا مال حالانکہ اے انسان اس میں تو تیرا مال صرف اتنا ہی ہے جو تو کھا کر ختم کر دے یا پہن کر پرانا کر دے یا صدقہ کر کے آگے بھیج دے۔

ایک روایت میں ہے کہ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ تو انسان سے جدا ہونے والا ہے اور آدمی دوسروں کے واسطے چھوڑ کر جانے والا ہے حقیقت یہ ہے کہ انسان کی طبعی حرص کی کوئی حد نہیں اسی کا ان کلمات میں بیان ہے۔ **لو كان لا بن آدم واديان من الذهب لا بتغٰى ثالثا ولا يملاء جوف ابن آدم الا التراب و يتوب الله على من تاب** ۔ یعنی اگر ابن آدم کے لیے دو میدان ہی سونے کے بھرے ہوئے ہیں تو بھی تیسری وادی کی تلاش میں لگ جائے گا اور انسان کا پیٹ ہرگز کوئی چیز نہیں بھر سکتی سوائے مٹی کے اور اس کی حرص کا خاتمہ بس قبر ہی میں جا کر ہوگا۔ (معارف کاندھلوی)

حب مال کا مطلب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھ کر فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مال کو زیادہ ناجائز طریقوں سے حاصل کیا جائے اور مال پر جو فرائض اللہ کے عائد ہوتے ہیں ان میں خرچ نہ کریں۔ (قرطبی، عارف مفتی اعظم)

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مال اور اولاد کی زیادتی کی ہوس میں موت کا خیال پرے پھینک دیا (صحیح بخاری)

صرف عمل ساتھ جائے گا:

بخاری کی حدیث میں ہے کہ میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں جن میں سے دو پلٹ آتی ہیں صرف ایک ساتھ رہ جاتی ہے۔ گھر والے۔ مال اور اعمال۔ اہل و مال تو لوٹ آئے ہیں عمل ساتھ رہ گئے۔

بڑھاپے میں حرص:

مسند احمد کی حدیث ہے کہ ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن دو چیزیں اس کے ساتھ باقی رہ جاتی ہیں لالچ اور امنگ۔

کون سا مال اپنا ہے:

حضرت ضحاک نے ایک شخص کے ہاتھ میں ایک درہم دیکھ کر پوچھا کہ یہ درہم کس کا ہے؟ اس نے کہا میرا۔ فرمایا تیرا تو اس وقت ہوگا کہ کسی نیک کام

میں تو خرچ کرے یا بطور شکر خدا تعالیٰ کے خرچ کرے حضرت احنف نے اس واقعہ کو بیان کر کے پھر یہ شعر پڑھا۔

اَنْتَ لِلْمَالِ اِذَا اَمْسَكْتَهُ   فَاِذَا اَنْفَقْتَهُ فَالْمَالُ لَكَ

یعنی جب کہ تو مال کو لیے بیٹھا ہے تو تو مال کی ملکیت ہے ہاں جب اسے؟ خرچ کردے اس وقت مال تیری ہی ملکیت میں ہو جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم کا قول بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو تکاثر نے طاعت سے باز رکھا یہاں تک کہ تم کو موت آ گئی۔

شان نزول:

قتادہ نے کہا یہودی اپنی کثرت پر فخر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم فلاں قبیلہ سے زیادہ ہیں اس شیخی بازی نے ان کو (اعتراف حق اور طاعت سے) مرتے وقت تک باز رکھا۔ انہی کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

مطلب یہ ہوگا کہ تم کو قبرستان میں جا کر مردوں کو بھی شمار کیا یہاں تک تمہارا تفاخر عددی بڑھ گیا کہ زندوں کو شمار کرنے کے بعد مردوں کی کثرت پر بھی فخر کرنے لگے اس تفسیر پر زیارت قبور سے مجازاً مراد ہوگا مردوں کا ذکر کرنا یا زیارت قبور کا حقیقی معنی ہی مراد ہوگا کیونکہ وہ واقعی قبرستان کو قبر شماری کے لیے گئے تھے بہر حال اس صورت میں حتی سببیت کے لیے ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن الشخیر نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیت اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھ رہے تھے پھر فرمایا آدمی کہتا ہے میرا مال ہے میرا مال ہے تیرا مال تو صرف وہی ہے جو تو نے کھا کر ختم کر دیا یا پہن کر پرانا کر دیا یا خیرات کر دی اور جاری کر دیا بغوی (بعض دوسری روایات میں "جاری کر دیا" کی جگہ "تو نے ذخیرہ کر لیا" ہے)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کے پیچھے تین چیزیں آتی ہیں دو واپس چلی جاتی ہیں ایک میت کے ساتھ رہ جاتی ہے مردہ کے گھر والے مردہ کا مال اور مردہ کے اعمال یہ تین چیزیں پیچھے رہ جاتی ہیں مال اور گھر والے تو لوٹ جاتے ہیں اور اعمال اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ (رواہ البخاری)

تواضع کرو:

حضرت عیاض بن حمار مجاشعی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے کہ تم لوگ تواضع کیا کرو۔ نہ کوئی کسی پر فخر کرے نہ کوئی کسی پر زیادتی۔ (رواہ مسلم)

جاہلیت کا فخر:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کو اپنے مردہ باپ دادوں پر فخر کرنے سے باز رہنا چاہیے وہ جہنم کا کوئلہ ہیں اگر ایسا نہیں کریں گے تو اللہ کے نزدیک گوبر کے اس کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گے جو گندگی کو اپنی سونڈھ سے لڑکاتا ہے اللہ نے تم سے جاہلیت کی حمیت اور باپ دادا پر جاہلیت کے زمانہ کی شیخی زائل کر دی آدمی یا پرہیزگار مومن ہے یا بدبخت فاجر سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی تخلیق مٹی سے تھی۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

فضیلت صرف دین کے ساتھ ہے:

حضرت عقبہ بن عامر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے یہ نسب کسی پر برتری دینے والے نہیں۔ تم سب آدم کی اولاد ہو جیسے ایک صاع کی اونچائی دوسرے صاع کی طرح ہوتی ہے بغیر دین اور تقوی کے کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہیں۔ آدمی (کی برائی) کے لیے اتنا ہی بس ہے کہ وہ بدزبان، فحش گو، بخیل ہے۔ (رواہ احمد والبیہقی تفسیر مظہری)

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝٣

کوئی نہیں آگے جان لوگے

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝٤

پھر بھی کوئی نہیں آگے جان لو گے ☆

یقیناً تمہارا خیال غلط ہے:

یعنی دیکھو بار بار تاکید کہا جاتا ہے کہ تمہارا خیال صحیح نہیں کہ مال اولاد وغیرہ کی بہتات ہی کام آنے والی چیز ہے عنقریب تم معلوم کر لو گے کہ یہ زائل و فانی چیز ہرگز فخر و مباہات کے لائق نہ تھی پھر سمجھ لو کہ آخرت ایسی چیز نہیں جس سے انکار کیا جائے یا غفلت برتی جائے۔ آگے چل کر تم کو بہت جلد کھل جائیگا کہ اصل زندگی اور عیش آخرت کا ہے اور دنیا اس زندگی کے مقابلہ میں ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی یہ حقیقت بعض لوگوں کو دنیا میں تھوڑی بہت کھل جاتی ہے لیکن قبر میں پہنچ کر اس کے بعد محشر میں سب کو پوری طرح کھل جائیگی۔ (تفسیر عثمانی)

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ۝٥

کوئی نہیں اگر جانو تم یقین کر کے ☆

کاش تم یقین کرتے:

یعنی تمہارا خیال ہرگز صحیح نہیں اگر تم یقینی طور پر دلائل صحیحہ سے اس بات کو جان لیتے کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کے سب سامان ہیچ ہیں تو ہرگز اس غفلت میں پڑے نہ رہتے۔ (تفسیر عثمانی)

علم کے تین درجے: عارفین بیان کرتے ہیں کہ علم کے تین درجے ہیں۔
علم الیقین۔ جیسے کسی نے دریا کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیا۔
دوسرا عین الیقین ہے جبکہ اس کے کنارہ پر پہنچ کر اس کا پانی چلو میں لے لیا
تیسرا حق الیقین ہے جبکہ دریا میں پہنچ کر غوطہ لگا لیا۔ (معارف کاندھلوی)
میں کہتا ہوں کہ علم الیقین ایمان بالغیب ہے جو استدلال سے حاصل ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ﴿٦﴾

بے شک تم کو دیکھنا ہے دوزخ

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ﴿٧﴾

پھر دیکھنا ہے اُس کو یقین کی آنکھ سے ☆

غفلت وانکار کا نتیجہ:

یعنی اس غفلت وانکار کا نتیجہ دوزخ ہے وہ تم کو دیکھنا پڑیگا۔ اول تو اس کا کچھ اثر برزخ میں نظر آجائے گا پھر آخرت میں پوری طرح دیکھ کر عین الیقین حاصل ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

رؤیت سے مراد ہے کہ جاننا پہچاننا اور ممکن ہے کہ رویت چشم مراد ہو اور رویت چشم قبروں میں ہوگی قبروں کے اندر کافروں کو صبح شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

آنکھوں کا دیکھا اور کانوں کا سنا برابر نہیں:

مطلب یہ ہے کہ تم آنکھوں سے ایسا معائنہ کرلو گے جو یقین کا موجب ہوگا یہی سبب ہے کہ رویت اور مشاہدہ سے جو علم حاصل ہوا ہے اس کو عین الیقین کہا جاتا ہے رویت چشم حصول علم کا سب سے قوی ذریعہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شنیدہ دیدہ کی طرح نہیں ہوتا۔ خطیب نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور طبرانی نے حسن سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس حدیث کو لکھا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے حاکم نے اور طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ اس حدیث میں اتنا زائد بھی نقل کیا ہے کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم کی اس حرکت کی اطلاع دی جو گوسالہ کے سلسلہ میں انہوں نے کی تھی موسیٰ نے (خبر پانے کے بعد بھی) توریت کی تختیاں (ہاتھ سے) نہ پھینکیں لیکن قوم کی حرکت کا جو خود مشاہدہ کرلیا تو (غصہ میں) تختیاں پھینک دیں اور وہ ٹوٹ گئیں۔ (تفسیر مظہری)

قبروں کا دیکھنا: ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر کچھ دیر سوچ کر فرمانے لگے میمون! قبروں کا دیکھنا تو صرف بطور زیارت ہے اور ہر زیارت کرنے والا اپنی جگہ لوٹ جاتا ہے یعنی خواہ جنت کی طرف خواہ دوزخ کی طرف۔ (تفسیر ابن کثیر)

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ﴿٨﴾

پھر پوچھیں گے تم سے اُس دن آرام کی حقیقت ☆

نعمتوں کا سوال: یعنی اس وقت کہیں گے اب بتلاؤ اور دنیا کے عیش و آرام کی کیا حقیقت تھی۔ یا اس وقت سوال کیا جائیگا جو نعمتیں (ظاہری و باطنی' آفاقی وانفسی' جسمانی وروحانی) دنیا میں عطا کی گئی تھیں ان کا حق تم نے کہا ادا کیا اور منعم حقیقی کو کہاں تک خوش رکھنے کی سعی کی۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر و فاروق اعظم:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے اور ان کو دیکھ کر فرمایا یہاں تم لوگ کیوں بیٹھے ہو؟ دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دیکر بھیجا ہے ہمیں کسی چیز نے گھر سے باہر نہیں نکالا سوائے بھوک کے کہ اس بے چینی میں گھر سے باہر نکلے ہیں کہ شاید کوئی چیز کھانے کو مل جائے آپ نے یہ سن کر فرمایا خدا کی قسم مجھے بھی اس کے سوا اور کسی چیز نے باہر نہیں نکالا۔ یہ تینوں حضرات ایک انصاری کے پاس پہنچے ان کی بیوی نے کہا مرحبا کیسا مبارک دن ہے ایسے مبارک اور معزز مہمان میرے یہاں آگئے اور بتایا کہ انصاری تو میٹھا پانی لینے باہر گئے ہوئے ہیں۔ اتنے میں وہ بھی آگئے ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے پکا کر لایا گیا اور کچھ چھوہارے بھی پیش کئے گئے ان حضرات نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا ٹھنڈا پانی پیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا (لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ) بے شک اس روز تمہارے سے ان نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا تمہیں گھر سے بھوک نے نکالا اور تم واپس لوٹنے سے پہلے ان نعمتوں سے بہرہ ور ہو گئے۔

تو یہ کس قدر اللہ کا انعام ہے اگر اس حقیقت کو سمجھ لے تو اس کو قدم قدم پر اللہ کی بے پایاں نعمتوں کا مشاہدہ ہونے لگے گا۔ (معارف کاندھلوی)

سب سے پہلا سوال:

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز بندہ سے جس چیز کا سوال ہوگا (وہ تندرستی) ہے اس کو کہا جائے گا کیا ہم نے تمہیں تندرستی نہیں دی تھی اور کیا ہم نے تمہیں ٹھنڈا پانی نہیں پلایا تھا۔ (الترمذی عن ابی ہریرہ وابن حبان فی صحیحہ ابن کثیر)

پانچ سوال: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محشر میں کوئی آدمی اپنی جگہ سے سرک نہ سکے گا۔ جب تک پانچ سوالوں کا جواب اس سے نہ لیا جائے۔ ایک یہ کہ اس نے اپنی عمر کو کن کاموں میں فنا کیا ہے دوسرے یہ کہ اس نے اپنے شباب

کی قوت کو کن کاموں میں خرچ کیا ہے تیسرے یہ کہ جو مال اس نے حاصل کیا وہ کس کس طریقے جائز و ناجائز سے حاصل کیا۔ چوتھے یہ کہ اس مال کو کہاں کہاں خرچ کیا پانچویں یہ کہ جو علم اللہ نے اس کو دیا تھا اس پر کتنا عمل کیا۔ (رواہ البخاری)

سورہ تکاثر کی خاص فضیلت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی آدمی اس کی قدرت نہیں رکھتا کہ ہر روز قرآن کی ایک ہزار آیتیں پڑھا کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ روزانہ ایک ہزار آیتیں کون پڑھ سکتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ نہیں پڑھ سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ روزانہ پڑھنا ایک ہزار آیتوں کے پڑھنے کے برابر ہے۔ (مظہری بحوالہ حاکم بیہقی عن ابن عمر) (معارف مفتی اعظم)

شکر کی باز پرس:

بغوی نے کہا کہ جن نعمتوں میں وہ تھے قیامت کے دن ان کے شکر کی باز پرس ان سے کی جائیگی مقاتل نے کہا کفار مکہ کو دنیا میں مال و منال حاصل تھا مگر انہوں نے نعمتیں دینے والے کا شکر ادا نہیں کیا بلکہ دوسروں کی پوجا کی۔ قیامت کے دن اللہ کا شکر نہ کرنے پر ان کو عذاب ہوگا۔

حدیث میں بھی آیا ہے کہ قبر کے اندر مومن کو اول وہ دوزخ والی جگہ دکھائی جاتی ہے جس کے عوض میں جنت والی جگہ اس کو عطا کی جاتی ہے تا کہ وہ زیادہ شکر گزار رہو۔

امن وصحت کا سوال:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول (اس آیت کی تشریح میں) آیا ہے امن اور صحت کی (باز پرس ہوگی) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی آیت کی تفسیر میں فرمایا آنکھ کان جسمانی صحت کے متعلق اللہ بندوں سے سوال کرے گا کہ کن مصارف میں ان کو استعمال کیا۔

ہر نعمت کا سوال:

قتادہ نے تفسیر آیت میں کہا کہ اللہ نے جو بھی نعمت عطا فرمائی ہے اس کی باز پرس کرے گا۔ عبدالرزاق۔ حضرت ابو قلابہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگ گھی اور شہد ملا کر میدہ کی روٹی کے ساتھ کھائیں گے۔ (احمد فی کتاب الزہد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے کس نعمت کی باز پرس ہوگی (کھانے پینے کو صرف) پانی اور کھجوریں ہیں اور دشمن سامنے لڑنے کو موجود ہے اور تلواریں ہمارے کندھوں پر (آویختہ) ہیں فرمایا کو سمجھ لو عنقریب ایسا ہوگا۔ یعنی نعمتیں ملیں گی۔ (ترمذی)

عکرمہ کی روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو کونسی نعمت میسر ہے صرف جو کی روٹی اور وہ بھی آدھے پیٹ اللہ نے وحی بھیجی (کہ ان سے کہہ دو گرم ریت سے بچنے کے لیے) کیا تم جوتے نہیں بناتے اور کیا ٹھنڈا پانی نہیں پیتے۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو گیہوں کی روٹی کھاتا ہے اور (سردی گرمی سے بچنے کے لیے) اس کو سایہ میسر ہے اور صاف پانی پیتا ہے تو یہ ایسی نعمت ہے جس کی باز پرس ہوگی۔

کھانا کھانے کی دعائیں:

حاکم نے مستدرک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ایک حدیث نقل کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کے مکان پر جانا اور وہاں کھجوریں اور گوشت کھانا اور پانی پینا مذکور ہے اسی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ یہی وہ نعیم ہے جس کے متعلق قیامت کے دن تم سے باز پرس ہوگی جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے تکبیر کہی تو فرمایا جب تم کو ایسی چیز مل جائے اور اپنے ہاتھوں سے روٹی کھانا شروع کرو۔ تو بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی بَرَکَۃِ اللّٰہِ کہا کرو۔ اور جب کھا چکو تو کہا کرو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھُوَ اَشْبَعَنَا وَاَرْوَانَا وَاَنْعَمَ عَلَیْنَا وَاَفْضَلَ۔

علمی خیانت کا سوال:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس قصہ کے ذیل میں اس طرح مذکور ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باہم علمی خیر خواہی کرو کوئی کسی سے علم کو نہ چھپائے علمی خیانت مالی خیانت سے زیادہ سخت ہے اللہ تم سے اس کی باز پرس کرے گا طبرانی واصبہانی۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے سب سے اول بندہ سے سوال کیا جائے گا کہ جو کچھ تو جانتا تھا اس کے سلسلے میں تو نے کیا عمل کیا۔ (احمد وابن المبارک)

عہدہ کے متعلق سوال:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث روایت ہے کہ بندہ سے جس طرح مال کے متعلق باز پرس ہوگی اسی طرح اس کے مرتبہ کے متعلق بھی ہوگی (طبرانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا بندہ اگر ایک قدم بھی چلے گا تو اس سے پوچھا جائیگا کہ اس قدم اٹھانے سے تیرا مقصد کیا تھا۔ (ابو نعیم)

ہر کوشش کا سوال ہوگا:

حضرت معاذ کی مرفوع حدیث ہے کہ قیامت کے دن مومن سے اس کی تمام کوششوں کی باز پرس کی جائے گی یہاں تک کہ آنکھوں میں سرمہ لگانے کی بھی (ابونعیم، ابن ابی حاتم)

حسن بصری کی مرفوع روایت ہے کہ بندہ جو خطبہ دے گا اللہ اس کے متعلق باز پرس کرے گا کہ کس مقصد سے ایسا کیا تھا۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ (رواہ البیہقی)

سوالات پل صراط پر ہوں گے:

آیت میں لفظ ثُمَّ بتا رہا ہے کہ سوال نعمت جہنم کو دیکھنے کے بعد ہوگا میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ سوال نعمت پل صراط پر ہوگا اللہ نے فرمایا وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ان کو روکو ان سے باز پرس کی جائیگی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ کے قدم پل صراط سے نہیں ہٹیں گے جب تک اس سے چار باتوں کے متعلق باز پرس نہیں کرلی جائیگی۔

(۱) عمر کو کس کام میں ختم کیا (۲) جسم کو کس کام میں دبلا کیا (۳) علم کے مطابق کیا عمل کیا (۴) مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ مسلم حضرت ابن مسعود کی روایت سے ترمذی اور ابن مردویہ نے بھی ایسی ہی حدیث بیان کی ہے

باز پرس سے مستثنیٰ لوگ:

قرطبی نے لکھا ہے کہ ان عمومی احکام سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن کے متعلق احادیث میں آگیا ہے کہ وہ بلا حساب جنت میں جائیں گے حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے کسی میں طاقت نہیں کہ ہزار آیات روز پڑھ لیا کرے صحابہ نے عرض کیا ہزار آیات روز کون پڑھ سکتا ہے فرمایا کیا تم میں سے کوئی (روز) اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ بھی نہیں پڑھ سکتا۔ (الحاکم و بیہقی۔ تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورۃ التکاثر ختم ہوئی

سورۃ العصر

جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے اس کو صبر کی توفیق ہوگی اور حق پر اسکی اعانت ہوگی (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُ اٰيَاتٍ
سورۂ عصر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی تین آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
وَالْعَصْرِ ۙ﴿۱﴾
قسم ہے عصر کی ☆

وقت اور نمازِ عصر کی اہمیت:

''عصر'' زمانہ کو کہتے ہیں یعنی قسم ہے زمانہ کی کہ جس میں انسان کی عمر بھی داخل ہے جسے تحصیل کمالات و سعادات کے لیے ایک متاع گرانمایہ سمجھنا چاہیے یا قسم ہے نماز عصر کے وقت کی جو کاروباری دنیا میں خاص مشغولیت اور شرعی نقطہ نظر سے نہایت فضیلت کا وقت ہے (حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جس کی نماز عصر فوت ہوگئی گویا اس کا سب گھر بار لٹ گیا) یا قسم ہے ہمارے پیغمبر کے زمانہ مبارک کی جس میں رسالت عظمیٰ اور خلافت کبریٰ کا نور اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمکا۔ (تفسیر عثمانی)

سورہ عصر کی خاص فضیلت:

حضرت عبید اللہ بن حصن فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دو شخص ایسے تھے کہ جب وہ آپس میں ملتے تھے تو اس وقت تک جدا نہ ہوتے جب تک ان میں سے ایک دوسرے کے سامنے سورۃ والعصر نہ پڑھ لیتے۔ (رواہ الطبرانی)

اور امام شافعیؒ نے فرمایا لوگ صرف اسی سورت میں تدبر کر لیتے تو یہی انکے لیے کافی تھی۔ (ابن کثیر)

زمانہ کی قسم کی حکمت:

زمانہ کی قسم کی ایک مناسبت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی جائے وہ ایک حیثیت سے ایک معاملہ سے شاہد کے قائم مقام ہوتی ہے اور زمانہ ایسی چیز ہے کہ اگر اس کی تاریخ اور اس میں قوموں کے عروج و نزول کے بھلے برے واقعات پر نظر کرے گا تو ضرور اس یقین پر پہنچ جائے گا کہ صرف یہ چار کام ہیں جن میں انسان کی فلاح و کامیابی منحصر ہے جس نے انکو

چھوڑا وہ خسارے میں پڑا دنیا کی تاریخ اس کی گواہ ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝۲

مقرر انسان ٹوٹے میں ہے ☆

زبردست نقصان:

اس سے بڑھ کر ٹوٹا کیا ہوگا کہ برف بیچنے والے دوکانداروں کی طرح اس کی تجارت کا راس المال جسے عمر عزیز کہتے ہیں دم بدم کم ہوتا جارہا ہے۔ اگر اس رواداری میں کوئی ایسا کام نہ کر لیا جس سے یہ عمر رفتہ ٹھکانے لگ جائے بلکہ ایک ابدی اور غیر فانی متاع بن کر ہمیشہ کے لیے کارآمد بن جائے تو پھر خسارہ کی کوئی انتہا نہیں زمانہ کی تاریخ پڑھ جاؤ اور خود اپنی زندگی کے واقعات پر غور کرو تو ادنیٰ غور وفکر سے ثابت ہو جائے گا کہ جن لوگوں نے انجام بینی سے کام نہ لیا اور مستقبل سے بے پرواہو کر محض خالی لذتوں میں وقت گزار دیا وہ آخر کار کس طرح ناکام و نامراد بلکہ تباہ و برباد ہو کر رہے۔ آدمی کو چاہیے کہ وقت کی قدر پہچانے اور عمر عزیز کے لمحات کو یونہی غفلت و شرارت یا لہو ولعب میں نہ گنوائے۔ جو اوقات تحصیل شرف و مجد اور اکتساب فضل و کمال کی گرم بازاری کے ہیں خصوصاً وہ گراں مایہ اوقات جن میں آفتاب رسالت اپنی انتہائی نور افشانی سے دنیا کو روشن کر رہا ہے اگر غفلت اور نسیان میں گزار دیئے گئے تو سمجھو کہ اس سے بڑھ کر آدمی کے لیے کوئی خسارہ نہیں ہو سکتا بس خوش نصیب اور اقبال مند انسان وہی ہیں جو اس عمر فانی کو باقی اور ناکارہ زندگی کو کارآمد بنانے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں اور بہترین اوقات اور عمدہ مواقع کو غنیمت سمجھ کر کسب سعادت اور تحصیل کمال کی کوشش میں سرگرم رہتے ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر آگے "اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" میں کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ایک حدیث مرفوع سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کُلٌّ یَغْدُوْ فَبَائِعٌ نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا اَوْ مُوْبِقُهَا۔

یعنی ہر شخص جب صبح اٹھتا ہے تو اپنی جان کا سرمایہ تجارت پر لگاتا ہے پھر کوئی تو اپنے سرمایہ کو خسارہ سے آزاد کرا لیتا ہے اور کوئی ہلاک کر ڈالتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

خسر کا معنی ہے اصل پونجی ضائع ہو جانا اور انسان اپنی جان اور اپنی عمر اور اپنا مال ایسے کاموں میں برباد کرتا ہے جو آخرت میں اس کے لیے بالکل سود مند نہ ہوں گے۔ اس لیے انسان بڑے گھاٹے میں ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

مگر جو لوگ کہ یقین لائے اور کیے بھلے کام

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۝

اور آپس میں تاکید کرتے رہے سچے دین کی

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳

اور آپس میں تاکید کرتے رہے تحمل کی ☆

نقصان سے بچنے کی تدبیر:

یعنی انسان کو خسارہ سے بچنے کے لیے چار باتوں کی ضرورت ہے اول خدا و رسول پر ایمان لائے اور ان کی ہدایات اور وعدوں پر خواہ دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے پورا یقین رکھے دوسرے اس یقین کا اثر محض قلب و دماغ تک محدود نہ رہے بلکہ جوارح میں ظاہر ہو اور اس کی عملی زندگی اس کے ایمان قلبی کا آئینہ ہو۔ تیسرے محض اپنی انفرادی صلاح و فلاح پر قناعت نہ کرے بلکہ قوم و ملت کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھے۔ جب دو مسلمان ملیں ایک دوسرے کو اپنے قول و فعل سے سچے دین اور ہر معاملہ میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں چوتھے ہر ایک کو دوسرے کی نصیحت وصیت رہے کہ حق کے معاملہ میں اور شخصی و قومی اصلاح کے راستہ میں جس قدر سختیاں اور دشواریاں پیش آئیں یا خلاف طبع امور کا تحمل کرنا پڑے تو پورے صبر و استقامت سے تحمل کریں ہرگز قدم نیکی کے راستہ سے ڈگمگانے نہ پائے۔ جو خوش قسمت حضرات ان چار اوصاف کے جامع ہونگے اور خود کامل ہو دوسروں کی تکمیل کرینگے ان کا نام صفحات دہر پر زندہ جاوید رہیگا۔ اور جو آثار چھوڑ کر دنیا سے جائینگے وہ بطور باقیات صالحات ہمیشہ ان کے اجر کو بڑھاتے رہیں گے فی الحقیقت یہ چھوٹی سی سورت سارے دین و حکمت کا خلاصہ ہے امام شافعیؒ نے سچ فرمایا کہ اگر قرآن میں سے صرف یہی ایک سورت نازل کر دی جاتی تو (سمجھدار بندوں کی) ہدایت کے لیے کافی تھی بزرگان سلف میں جب دو مسلمان آپس میں ملتے تھے جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو یہ سورت سنایا کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن و حدیث میں ہر انسان پر اپنی اپنی مقدرت کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کیا گیا ہے اس معاملے میں عام مسلمان بلکہ بہت سے خواص تک غفلت میں مبتلا ہیں خود عمل کرنے کو کافی سمجھ بیٹھے ہیں اولاد و عیال کچھ بھی کرتے رہیں اس کی فکر نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس آیت کی ہدایت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (معارف مفتی اعظم)

صبر کا معنی:

صبر سے مراد مطلق صبر ہے خواہ اطاعت اور مصائب پر صبر ہو یا بری باتوں کا ترک۔

بڑھاپا:

ابراہیم کا قول مروی ہے کہ جب انسان بہت بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس کا نقصان ہو جاتا ہے اعمال صالح نہیں کر سکتا۔ اور اجر سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور وہ پیچھے کو لوٹ جاتا ہے آگے اعمال کی ترقی نہیں کر سکتا۔ ہاں مومن بوڑھا ہونے کے بعد بھی گھاٹے میں نہیں رہتا اس کے نامہ اعمال میں وہی اعمال صالحہ لکھے جاتے ہیں جو وہ صحت اور جوانی کے زمانے میں کیا کرتا تھا۔

برائی کو روکو:

ابوسعید خدری کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جس شخص کے سامنے کوئی برا ممنوع شرعی عمل آئے تو اس کو اپنے ہاتھ کی قوت سے بدل دے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اتنی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل ہی اس سے نفرت کرے اور یہ درجہ ضعیف ترین ایمان کا ہے (رواہ مسلم)

عوام کی بد عملی:

بغوی نے شرح السنۃ میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا اللہ خواص کی بداعمالی کا عذاب عوام پر نہیں ڈالتا لیکن جب عوام کوئی برا کام اپنے سامنے ہوتا دیکھتے ہیں اور باوجود رد کر دینے کی طاقت رکھنے کے نہیں روکتے تو اس وقت اللہ عوام خواص سب کو عمومی عذاب دیتا ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہ کی مرفوع روایت سے بھی ابوداؤد اور ابن ماجہ نے یہی حدیث نقل کی ہے۔

عمومی وبال:

ابوداؤد نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے جس قوم کے درمیان گناہ کئے جاتے ہوں اور وہ بدلنے کی طاقت بھی رکھتے ہوں مگر نہ بدلیں تو خوب سن لو عنقریب ان پر عمومی وبال آئے گا۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ الھمزہ

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی وہ مال کو جمع کرے گا۔ اور نیک کاموں پر خرچ کرے گا۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعُ اٰيَاتٍ
سورۂ ہمزہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی نو آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝١
خرابی ہے ہر طعنہ دینے والے عیب چننے والے کی☆

عیب گیر آدمی:

یعنی اپنی خبر نہیں لیتا دوسروں کو حقیر سمجھ کر طعنے دیتا اور ان کے واقعی یا غیر واقعی عیب چنتا رہتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حافظ ابن کثیر نے فرمایا ھمزہ وہ جو کسی کی زبان سے برائی کرے۔ اور لمزہ وہ جو افعال کے ذریعے کسی کی دل آزاری کرے۔

نجات کا راستہ:

عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت نجات کا راستہ کیا ہے فرمایا اپنی زبان کو قابو میں رکھو یعنی ہر بری بات زبان سے روکو اور گھر میں بیٹھو۔ اور اپنے گناہوں پر رویا کرو۔

غیبت کیا ہے:

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے بھی ہو کہ غیبت کیا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے فرمایا کسی شخص کا اپنے بھائی کی ایسی بات کا ذکر کرنا۔ جو اس کو بری معلوم ہوتی ہو۔ کسی نے اس پر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر وہ بات اس میں ہو تو کیا پھر بھی غیبت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اسی کا نام غیبت ہے اور اگر ایسی بات یا عیب لگاؤ۔ جو اس میں نہیں تو پھر بہتان ہے۔ (جامع ترمذی ابوداؤد، صحیح مسلم، معارف کاندھلوی)

همزة اور لمزه کا معنی:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا همزه اور لمزه دونوں ہم معنی ہیں عیب چیں اور خوردہ گیر۔ یہ وہ لوگ ہیں جو چغلیاں کھاتے پھرتے ہیں دوستوں میں پھوٹ پیدا کرتے ہیں اور بے داغ لوگوں کے عیوب کے طلبگار رہتے ہیں۔مقاتل نے کہا ہے ھُمَزَۃٌ رُو در رُو عیب لگانے والا۔

میں کہتا ہوں کہ اصل لغت میں همزه کا معنی ہے توڑنا اور چھبونا حدیث میں ہے **اللهم انی اعوذبک من همزات الشیطان**۔ الٰہی میں شیطانی کچوکوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور لمزہ کا معنی ہے طعنہ زنی پھر استعمال میں دونوں کا ایسا ذکر جس سے لوگوں کی آبرو کی شکست ہو۔اور ان پر طنز کیا جائے۔

شان نزول:

حضرت عثمان اور بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے ہم برابر سنا کرتے تھے کہ **ویل لکل همزة لمزة** کا نزول ابی بن خلف کے بارے میں ہوا۔ابن ابی حاتم نے رقہ کے باشندوں میں سے ایک شخص کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ جمیل بن عامر رضی اللہ عنہ کے حق میں اس کا نزول ہوا۔ابن المنذر نے ابن اسحاق کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ امیہ بن خلف جمحی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عیب چینی اور طنز کے ساتھ دیکھا تھا۔اس کے بارہ میں یہ پوری سورت اللہ نے اتاری (تفسیر مظہری)

الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ﴿۲﴾
جس نے سمیٹا مال اور گن گن کر رکھا ☆

بُخل: یعنی طعنہ زنی اور عیب جوئی کا منشاء تکبر اور تکبر کا سبب مال ہے جس کو مارے حرص کے ہر طرف سے سمیٹتا اور مارے بخل کے گن گن کر رکھتا ہے کہ کوئی پیسہ کہیں خرچ نہ ہو جائے یا نکل کر بھاگ نہ جائے اکثر بخیل مالداروں کو دیکھا ہوگا کہ وہ بار بار روپیہ شمار کرتے اور حساب لگاتے رہتے ہیں۔اسی میں ان کو مزہ آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ﴿۳﴾
خیال کرتا ہے کہ اُس کا مال سدا کو رہے گا اُس کے ساتھ ☆

مال کی محبت کی انتہاء:

یعنی اس کے برتاؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ مال کبھی اس سے جدا نہ ہو گا بلکہ ہمیشہ اس کو آفات ارضی وسماوی سے بچاتا رہیگا۔ (تفسیر عثمانی)

یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال دنیا میں اس کو ہمیشہ رکھے گا۔ دولتمند ہونے کی وجہ سے وہ کبھی نہیں مرے گا۔ گویا اس کا خیال یہ ہے کہ نادار بھوک سے مر جائے گا۔اور مالدار کبھی نہیں مرے گا۔اس کلام کا حقیقی مفہوم مراد نہیں ہے کیونکہ کسی مالدار کا بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ وہ کبھی نہیں مرے گا۔ بلکہ بطور کنایہ اس شخص کی مال سے محبت طولانی امید اور موت سے غافل رہنے کا اظہار کیا گیا ہے یا یہ کلام بطور تعریض ہے کہ حقیقت میں دوامی زندگی عطاء کرنے والا تو ایمان اور عمل صالح ہے مال سے دوامی زندگی حاصل نہیں ہوتی۔

انسان کی آرزوئیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چوکور لکیر کھینچی اور مربع خط کے درمیان باہر کو نکلتی ہوئی ایک اور لکیر کھینچی۔اور اس وسطی لکیر کی جانب دونوں طرف سے آتی ہوئی چھوٹی چھوٹی لکیریں متعدد بنا دیں اور فرمایا کہ یہ وسطی لکیر انسان ہے۔اور باہر کو نکلا ہوا حصہ انسان کی آرزوئیں ہیں اور یہ چھوٹی لکیریں انسانی اغراض ہیں اب اگر ایک طرف والی لکیر سے بچ جاتا ہے تو دوسری طرف والی لکیر اس کو نوچتی ہے اور اس سے بچ جاتا ہے تو یہ نوچتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند خطوط کھینچے اور فرمایا کہ یہ آرزو ہے اور یہ انسان کی موت ہے اور آدمی اس حالت میں ہوتا ہے کہ اچانک قریب والا خط یعنی خط موت اس پر آ پہنچتا ہے۔ (رواہ البخاری) (تفسیر مظہری)

كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ﴿۴﴾
کوئی نہیں وہ پھینکا جائے گا اُس روندنے والی میں ☆

مال بہت جلد ساتھ چھوڑ جائے گا:

یعنی یہ خیال محض غلط ہے۔ مال تو قبر تک بھی ساتھ نہ جائیگا آگے تو کیا کام آتا سب دولت یونہی پڑی رہ جائیگی اور اس بد بخت کو اٹھا کر دوزخ میں پھینک دینگے۔ (تفسیر عثمانی)

حَطمٌ۔توڑ دینا شکستہ کر دینا۔جہنم کے اندر جو چیز ڈالی جائے گی۔ جہنم کی آگ اس کو توڑ مڑوڑ دے گی۔اس وجہ سے اس کا نام حطمه ہوا۔یعنی اس کو حطمه کے اندر ضرور پھینکا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ﴿۵﴾
اور تو کیا سمجھا کون ہے وہ روندنے والی
نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ﴿۶﴾
ایک آگ ہے اللہ کی سلگائی ہوئی
الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ ﴿۷﴾
وہ جھانک لیتی ہے دل کو ☆

اللہ کی سُلگائی ہوئی آگ:

یعنی یاد رہے یہ آگ بندوں کی نہیں، اللہ کی سلگائی ہوئی ہے اس کی کیفیت کچھ نہ پوچھو بڑی سمجھدار ہے دلوں کو جھانک لیتی ہے۔ جس دل میں ایمان ہو نہ جلائے جس میں کفر ہو جلا ڈالے۔ اس کی سوزش بدن کو لگتے ہی فوراً دلوں تک نفوذ کر جائیگی۔ بلکہ ایک طرح دل سے شروع ہو کر جسموں میں سرایت کریگی۔ اور باوجودیکہ قلوب وارواح جسموں کی طرح جلیں گے اس پر بھی مجرم مرنے نہ پائینگے دوزخی تمنا کریگا کہ کاش موت آ کر اس عذاب کا خاتمہ کردے۔ لیکن یہ آرزو پوری نہ ہوگی۔ اعاذ نا اللّٰہ منھا و من سائر وجوہ العذاب. (تفسیر عثانی)

تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْـِٕدَةِ۔ یعنی یہ جہنم کی آگ دلوں تک پہنچ جائے گی۔ یوں تو ہر آگ کا خاصہ ہی یہ ہے کہ جو چیز اس میں پڑے سبھی کے اجزاء جلا دیتی ہے انسان بھی اس میں ڈالا جائے گا۔ تو اس کے سارے اعضاء کے ساتھ دل بھی جل جائے گا۔ یہاں جہنم کی آگ کی یہ خصوصیت اس لیے ذکر کی گئی ہے کہ دنیا کی آگ جب انسان کے بدن کو لگتی ہے۔ تو اس کے دل تک پہنچنے سے پہلے ہی موت واقع ہو جاتی ہے بخلاف جہنم کے اس میں موت تو آتی نہیں تو دل تک آگ کا پہنچنا بحالت حیات ہوتا ہے اور دل کے جلنے کی اذیت اپنی زندگی میں انسان محسوس کرتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

نَارُ اللّٰهِ۔ وہ اللہ کی آگ ہے اللہ کی طرف نار کی نسبت نار کی عظمت کو ظاہر کر رہی ہے کیونکہ اس سے اللہ کے قہر کا ظہور ہوتا ہے نعوذ باللّٰہ منھا۔ اللہ کی تمام صفات خواہ جلالی ہوں یا جمالی کمال کی اس چوٹی پر پہنچی ہوئی ہیں۔ کہ نہ اس کا اندازہ دماغ کو ہو سکتا ہے نہ اس سے زیادہ تصور ممکن ہے۔

مطلب یہ کہ سواء خدا کے اس کو بھڑکانے والا کوئی دوسرا نہیں اور خدا کی لگائی کو کوئی نہیں بجھا سکتا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہزار برس تک آگ بھڑکائی گئی یہاں تک کہ سرخ ہوگئی۔ پھر ہزار برس تک بھڑکانے کے بعد سفید ہوگئی پھر ہزار برس تک بھڑکائی گئی تو وہ سیاہ ہوگئی اب وہ سیاہ تاریک ہے۔ (ترمذی)

بار بار کا جلنا:

ابن مبارک نے اپنی سند سے خالد بن عمران کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگ دوزخ والوں کو کھالے گی یہاں تک کہ جب دل تک پہنچے گی تو رک جائے گی۔ پھر وہ آدمی دوبارہ ویسا ہو جائے گا۔ جیسا پہلے تھا۔ پھر آگ اس کو لے گی اور دل تک پہنچے گی۔ یہی حالت اس کی ہوتی رہے گی۔ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْـِٕدَةِ کا یہی مطلب ہے قرطبی اور کلبی کا بھی یہی قول ہے۔

دل کے ذکر کی وجوہ:

میں کہتا ہوں کہ دل کا ایک جگہ تذکرہ اس جگہ چند وجوہ کے تحت کیا گیا ہے اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ عذاب کا دوام معلوم ہو جائے۔ کیونکہ جب دنیوی آگ کسی کو جلاتی ہے تو دل تک پہنچنے سے پہلے ہی ہلاک کر دیتی ہے۔ بخلاف آتش جہنم کے وہ دل تک پہنچنے کے بعد بھی ہلاک نہیں کرے گی اور سوزش کا عذاب ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ یا دل کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ سارے بدن میں دل سب سے زیادہ لطیف اور الم پذیر ہے۔ یا یہ وجہ ہے کہ غلط عقائد کا محل اور برے اعمال کا سرچشمہ قلب ہی ہے۔ گویا یہی آتش جہنم کی پیدائش گاہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّهَا عَلَيْهِم مُّؤْصَدَةٌ ﴿٨﴾
اُن کو اُس میں موند دیا ہے ☆

نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہے گا:

یعنی کفار کو دوزخ میں ڈال کر دروازے بند کر دیئے جائینگے۔ کوئی راستہ نکلنے کا نہ رہیگا ہمیشہ اس میں پڑے جلتے رہینگے۔ (تفسیر عثانی)

سوال ہو سکتا تھا۔ کہ دوزخی دوزخ سے کیوں نہیں نکلیں گے اور کیوں نہ بھاگ سکیں گے۔

اس سوال کے جواب میں اوپر فرمایا دوزخ اوپر سے بند ہوگی موصدہ کا ترجمہ مطبقہ ہے ابن مردویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت اس طرح نقل کی ہے او صدۃ الباب میں نے دروازہ بند کر دیا۔

لوہے کے صندوق:

ابن جریرہ، ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا، بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب دوزخ کے اندر صرف دوامی دوزخی رہ جائیں گے، تو ان کو لوہے کے صندوقوں میں بند کر دیا جائے گا۔ اور صندوقوں میں لوہے کی کیلیں ٹھونک دی جائیں گی اور پھر ان صندوقوں کو دوسرے آہنی صندوقوں میں بند کر کے جحیم کی تہہ میں پھینک دیا جائے گا۔ اور کوئی دوسرے کے عذاب کو نہ دیکھ سکے گا۔ ابو نعیم اور بیہقی نے حضرت سوید بن غفلہ کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿٩﴾
لمبے لمبے ستونوں میں ☆

لمبے لمبے ستون:

یعنی آگ کے شعلے لمبے لمبے ستونوں کی مانند بلند ہونگے۔ یا یہ کہ دوزخیوں کو لمبے ستونوں سے باندھ کر خوب جکڑ دیا جائیگا کہ جلتے وقت ذرا

حرکت نہ کرسکیں کیونکہ ادھر ادھر حرکت کرنے سے بھی عذاب میں کچھ برائے نام تخفیف ہوسکتی تھی۔ اور بعض نے کہا کہ دوزخ کے منہ میں لمبے لمبے ستون ڈال کر اوپر سے پاٹ دیا جائیگا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ ان کو ستونوں میں داخل کرے گا۔ پھر ان پر ایک ستون تانا جائے گا۔ اور ان کی گردنوں میں زنجیریں پڑی ہوں گی اور اوپر سے ایک ستون کے ذریعہ سے ان پر دروازے مسدود کر دیئے جائیں گے قتادہؒ نے کہا ہے کہ ہم کو اطلاع ملی ہے کہ ان ستونوں کے ذریعے ان کو عذاب دیا جائے گا۔

مقاتلؒ نے کہا ہے کہ دوزخیوں کو اندر کر کے ان پر دروازے بند کر دیئے جائیں گے پھر ان میں آہنی کیلیں ٹھوک دی جائیں گی دروازہ مضبوطی سے بند کر دیا جائے گا۔ اور کوئی ان کے پاس داخل نہ ہو سکے گا۔ ممدودۃ لمبے اس لمبائی کی وجہ سے وہ زیادہ جمے ہوئے ہوں گے۔ واللہ اعلم (تفسیر مظہری)

ثابت بنانیؒ کا خوف

حضرت ثابت بنانیؒ جب اس آیت تلاوت کر کے اس کا معنی بیان کرتے تو رو دیتے اور کہتے کہ انہیں عذاب نے بڑا ستایا۔ محمد بن کعب فرماتے ہیں کہ آگ جلاتی ہوئی حلق تک پہنچ جاتی ہے پھر لوٹتی ہے پھر پہنچتی ہے، یہ آگ ان پر چوطرف سے بند کر دی گئی ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ ہے اور دوسرا طریق اس کا موقوف ہے۔

لوہے کے ستون:

لوہا جو مثل آگ کے ہے اس کے ستونوں میں یہ لمبے لمبے دروازے ہیں۔

زنجیریں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں بِعَمَدٍ مروی ہے۔ ان جہنمیوں کی گردنوں میں زنجیریں ہوں گی، یہ لمبے لمبے ستونوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے اور اوپر سے دروازے بند کر دیئے جائیں گے، ان آگ کے ستونوں میں انہیں بدترین عذاب کئے جائیں گے۔ ابو صالحؒ فرماتے ہیں یعنی وزنی بیڑیاں اور قید وبندان کے لئے ہوں گی اس سورۃ کی تفسیر بھی خدا کے فضل وکرم سے پوری ہوئی فالحمدللہ رب العلمین۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورۃ الفیل

جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے گا۔ اس کے دشمنوں پر اسکی مدد ہو گی اور اس کے ہاتھ اسلامی فتوحات بہت ہوں گی۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

سُوْرَۃُ الْفِیْلِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ خَمْسُ اٰیٰتٍ

سورۂ فیل مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ؕ ①

کیا تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ ☆

ہاتھی والوں کی ہلاکت:

یعنی ہاتھی والوں کے ساتھ تیرے رب نے جو معاملہ کیا وہ تم کو ضرور معلوم ہوگا کیونکہ یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے چندروز پیشتر ہوا تھا اور غایت شہرت سے بچہ بچہ کی زبان پر تھا اسی قرب عہد اور تواتر کی بنا پر اس کے علم کو رویت سے تعبیر فرمادیا۔ (تفسیر عثمانی)

تفسیر درمنثور میں سعید بن منصور اور ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اور ابونعیم اور بیہقی نے دلائل میں عبید بن عمیر اللیثی سے بیان کیا ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ان پرندوں کو بھیجا جو دریا سے اٹھے تھے۔ گویا وہ خطاطیف ہیں۔ ہر چڑیا تین تین پتھروں کے ٹکڑے لیے ہوئے تھیں۔ ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں دریا کی طرف سے آکر اصحاب فیل کے سروں پر منڈلائیں پھر چیخیں اور ڈالا انہوں نے اصحاب فیل پر ان سنگریزوں کو جو کہ ان کے پاؤں اور چونچوں میں تھے پس نہیں تھا کوئی سنگریزہ جو کہ اصحاب پر گرا مگر نکل گیا دوسری طرف سے اگر سر پر گرا تو نکل گیا پیخانہ کے راستہ سے اور اگر بدن کے کسی اور حصہ پر گرا تو دوسری جانب سے نکل گیا اور بھیجا اللہ تعالیٰ نے ہوا کے طوفان کو۔ پس مارا چڑیوں نے اپنے پاؤں سے اصحاب فیل کو جس کی وجہ سے ان کی تکلیف میں اضافہ ہوگیا اور سب کے سب ہلاک ہوگئے (درمنثور) (معارف کاندھلوی)

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے دیکھ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر چہ اصحاب فیل کا واقعہ نہیں دیکھا تھا مگر اس کے آثار دیکھے تھے۔ اور متواتر خبریں سنی تھیں تو گویا دیکھ ہی لیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ رویت سے مراد

علم ہو کہ کیا تم نے نہیں دیکھا یعنی کیا تم کو نہیں معلوم اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیں کہ ان کے دشمنوں کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کیا جائے گا۔ جو اصحاب فیل کے ساتھ کیا گیا۔

اس واقعہ کی تاریخ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ واقعہ فیل ۲۲ محرم کو اتوار کے دن ہوا بعض علماء نے اس کو متفق علیہ قرار دیا ہے۔ اور اس کے خلاف ہر قول کو وہم کہا ہے اسی سال واقعہ فیل سے تقریباً دو ماہ بعد ربیع الاول کے مہینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ ہوئی اکثر علماء اسلام کا یہی قول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

ہاتھیوں کی تعداد:

بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ابرہہ شاہ یمن اور اس کے ساتھی ضحاک نے کہا کہ آٹھ ہاتھی تھے بعض نے کہا کہ سب سے بڑے ہاتھی کا نام محمود تھا محمود کے علاوہ بارہ ہاتھی تھے۔

واقعہ فیل

یمن کا بادشاہ:

محمد بن اسحاق نے بر روایت سعید بن جبیر و عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین بیان کیا اور واقدی نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے کہ نجاشی شاہ حبش نے اریاط سپہ سالار کو یمن پر فوج کشی کرنے بھیجا۔ اریاط نے جا کر یمن پر تسلط قائم کر لیا۔ اور ابرہہ بن الصباح حبشی ایک فوجی سردار تھا۔ اس کو اریاط کی سیادت پر حسد ہوا اور اس نے بغاوت کر دی اس طرح حبشیوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ ایک گروہ اریاط کے ساتھ اور دوسرا ابرہہ کے ساتھ ہو گیا۔ دونوں کا ٹکراؤ ہوا ابرہہ نے اریاط کو قتل کر دیا حبشیوں نے ابرہہ کو سردار بنا لیا۔ اور ابرہہ کا تسلط یمن پر ہو گیا۔

نقلی کعبہ کی تعمیر:

پھر ابرہہ نے دیکھا کہ حج کے زمانے میں لوگ مکہ کو جانے کی تیاری کر رہے ہیں اس حسد میں اس نے صنعا میں ایک گرجا بنایا اور نجاشی کو لکھا میں نے صنعاء میں ایک کنیسہ بنایا ہے جس کی مثال کسی بادشاہ کے لیے نہیں بنائی گئی۔ آپ اس گرجا میں تشریف لائیں تاکہ میں مکہ کے حج سے لوگوں کا منہ موڑ دوں۔

نقلی کعبہ کی توہین:

یہ بات بنی کنانہ کے ایک شخص نے سن پائی اور رات کو نکل کر جا کر گرجا میں بیٹھ گیا اور موقع پاتے ہی گرجا کے اصل قبلہ کو گندگی آلود کر دیا۔

کعبۃ اللہ پر حملہ کا پروگرام:

ابرہہ کو اس کی اطلاع ہوئی۔ تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ میں جا کر کعبہ کو ڈھا دوں گا۔ اور نجاشی کو اس واقعے کی اطلاع بھیج دی اور درخواست کی کہ مجھے کچھ ہاتھی بھیج دیے جائیں۔ نجاشی نے کچھ ہاتھی بھیج دیے۔ جن میں ایک بہت ہی بڑا طاقتور ہاتھی بھی تھا۔ جس کا نام محمود تھا۔ ابرہہ مکہ کی طرف چل دیا۔ عرب نے یہ خبر سنی تو اس پر شاق گذری انہوں نے ابرہہ سے مقابلہ کرنا ضروری سمجھا چنانچہ یمن کے راجاؤں میں سے ایک راجہ تھا جس کا نام ذونفر تھا۔ وہ لڑنے کے لیے نکلا مگر ابرہہ نے اس کو شکست دیدی اور گرفتار کر لیا قتل نہیں کیا بلکہ جکڑ لیا اور آگے بڑھا قبائل خشعم کی آبادی کے قریب پہنچا تو نفیل بن خثعمی بنی خشعم کو لے کر مقابلہ کے لیے نکلا دوسرے قبائل یمن بھی آ کر اسے مل گئے اور لڑائی ہوئی نفیل کو گرفتار کر لیا گیا نفیل نے ابرہہ سے کہا بادشاہ میں زمین عرب کے راستوں سے واقف ہوں ابرہہ نے اس کو اپنے ساتھ لے لیا طائف کی طرف سے گذرا تو مسعود بن مغیث ثقفی بنی ثقیف کے کچھ آدمیوں کو لے کر آیا اور بولا بادشاہ ہم آپ کے غلام ہیں ہماری طرف سے آپ کو کوئی مخالفت نہ ہوگی۔ آپ اس مکان کو ڈھانے کی غرض سے نکلے ہیں جو مکہ میں ہے، ہم آپ کے ساتھ ایک رہنما بھیج دیں گے چنانچہ انہوں نے اپنے غلام ابورغال کو رہنمائی کے لیے بھیج دیا۔ ابورغال کی رہنمائی میں ابرہہ آگے بڑھا۔ جب مغمس پہنچا تو ابورغال مر گیا یہ وہی شخص ہے جس کی قبر پر پتھر مارے جاتے ہیں۔

عبدالمطلب کے اونٹوں پر قبضہ اور پیغام:

ابرہہ نے مغمس سے ایک حبشی کو جس کا نام اسود تھا اس غرض سے بھیجا کہ وہ حرم کا مال یعنی اونٹ ہنکا لائے اسود نے عبدالمطلب کے دوسو اونٹ پکڑ لیے۔ پھر ابرہہ نے حناطہ حمیری کو مکہ والوں کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ سردار مکہ کو تلاش کر کے یہ پیام پہنچا دے کہ میں لڑنے نہیں آیا ہوں بلکہ اس گھر کو ڈھانے کے لیے آیا ہوں قاصد چل کر مکہ پہنچا اور عبدالمطلب سے ملاقات کی۔ اور ابرہہ کا پیغام ان سے کہہ دیا۔

عبدالمطلب کا جواب:

عبدالمطلب نے کہا کہ ہم بھی اس سے لڑنا نہیں چاہتے ہم اس گھر تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالیں گے یہ اللہ کی حرمت والا گھر ہے اور خلیل کا بنایا ہوا ہے۔ چونکہ اللہ کا گھر اور حرم ہے اس لیے وہی اس کی حفاظت بھی کرے گا۔ اگر ابرہہ کو اس گھر سے خدا نہیں روکے گا تو خدا کی قسم ہم میں بھی قوت نہیں ہے۔

عبدالمطلب کی ابرہہ سے ملاقات:

اس کے بعد عبدالمطلب اپنے اونٹ مانگنے کے لیے ابرہہ کے فوجی کیمپ میں گئے ذونفر چونکہ عبدالمطلب کا دوست تھا اس لیے اس کے پاس پہنچے۔ ذونفر نے کہا میں تو قیدی ہوں انیس ایک شخص ہے جو میرا دوست ہے اور ہاتھیوں کا داروغہ ہے میں تم کو اس کے پاس بھیج دوں گا۔ پھر ذونفر نے انیس کو بلوا کر کہا کہ یہ قریش کے سردار ہیں اور مکہ والے اونٹوں کے مالک ہیں یہ پہاڑوں کے نیچے آدمیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور پہاڑوں کے اوپر جنگلی

جانوروں کو بھی ان کی خوراک دیتے ہیں بادشاہ کے پاس پہنچنا چاہتے ہیں لیکن نہ یہ لڑنے والے ہیں اور نہ ہی تمہاری مخالفت کرنے والے۔

عبدالمطلب کا اعزاز:

انیس نے جا کر پیغام پہنچایا۔ بادشاہ نے داخلہ کی اجازت دیدی۔ عبدالمطلب قدآور اور حسین آدمی تھے ابرہہ نے ان کو دیکھ کر تعظیم کی اور خود تخت پر بیٹھنا اور ان کو نیچے بٹھانا مناسب نہ سمجھا اس لیے خود تخت سے اتر کر فرش پر بیٹھ گیا۔ اور ترجمان کی معرفت آنے کی غرض پوچھی۔

اونٹوں کی واپسی:

عبدالمطلب نے کہا کہ میری غرض دوسو اونٹوں کی واپسی ہے۔ ابرہہ نے اونٹ عبدالمطلب کو دے دیئے۔

قریش کی حفاظتی تدابیر:

اور عبدالمطلب نے واپس آ کر قریش کو سارا واقعہ بتادیا اور حکم دیا کہ سب لوگ گھاٹیوں میں منتشر ہو جائیں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر اپنی حفاظت کرلیں تاکہ حبشی ان کو کوئی ضرر نہ پہنچاسکیں۔

عبدالمطلب کی مناجات:

پھر خود جا کر کعبہ کے دروازے کی زنجیر پکڑ کر کہنے لگے۔ **ترجمہ اشعار:** پروردگار تیرے سوا ان کے مقابلے میں میں کسی سے امید نہیں رکھتا پروردگار اپنے حرم کو ان سے محفوظ رکھ۔ اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے۔ اپنی بستی کو اجاڑنے سے ان کو روک دے۔ یہ اشعار بھی عبدالمطلب نے پڑھے۔

ترجمہ: اے اللہ بندہ اپنے سامان کی خود حفاظت کرتا ہے تو اپنا سامان محفوظ رکھ۔ صلیب نے طرفداروں اور پرستاروں کے خلاف اپنے پرستاروں کی مدد کران کی صلیب اور چال تیری تدبیر پر غالب نہ آنا چاہیے تیرے خادموں کو گرفتار کرنے کے لیے اپنے ملک کے سیال لشکر اور ہاتھیوں کو کھینچ کر لائے ہیں انہوں نے اپنی چال کے ساتھ نادانی کی وجہ سے تیرے حرم کو (تباہ کرنیکا) ارادہ کیا ہے۔ اور تیرے جلال کا خوف نہیں کیا اگر تو ان کو اور ہمارے کعبہ کو یونہی چھوڑ دینے والا ہے تو پھر جو تیری مرضی ہو وہی کر۔ یہ مناجات کر کے کعبہ کی زنجیر چھوڑی اور اپنی قوم کے ساتھ سرداروں کے پاس چلے گئے۔

حملہ کا آغاز:

صبح کو ابرہہ نے مغمس میں مکہ میں داخل ہونے کی تیاری کی اور لشکر کو ہاتھیوں سمیت تیار کیا۔

کعبۃ اللہ کا معجزہ:

ایک ہاتھی تھا۔ کہ جسامت اور قوت میں اس کی نظیر دیکھنے میں نہیں کہا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ بارہ ہاتھی اور بھی تھے نفیل بڑے ہاتھی کے پاس آیا اور اس کا کان پکڑ کر کہا محمود بیٹھ جا اور جہاں سے آیا ہے سیدھا ادھر ہی واپس چلا جا کیونکہ تو اللہ کے حرمت والے شہر میں ہے ہاتھی بیٹھ گیا پھر لوگوں نے اس کو ہر چند اٹھایا لیکن وہ نہیں اٹھا۔ لوگوں نے اس کے سر پر کدال مارے مگر وہ نہ اٹھا اخر آنکڑے آنکھوں کے نیچے چبھوئے مگر وہ نہ اٹھا۔ (یعنی اس نے قدم نہ اٹھایا) آخر اس کا رخ یمن کی جانب کر دیا تو وہ فوراً اٹھ گیا اور تیزی سے چلنے لگا پھر شام کی طرف کر دیا گیا تب بھی اس نے ایسے ہی کیا (تیزی سے چلتا رہا)۔ پھر مشرق کی جانب کر دیا گیا تب بھی اس نے ایسا ہی کیا (تیزی سے چلتا رہا) آخر میں اس کا رخ مکہ کی طرف کر دیا گیا۔ تو وہ کھڑا بھی نہ رہ سکا بیٹھ گیا نفیل دوڑتا ہوا پہاڑ پر چڑھ گیا۔

ابابیل کی فوج کا حملہ:

اور اللہ نے سمندر کی طرف سے ابابیلوں جیسے کچھ پرندے بھیجے۔ ہر پرندہ کے پاس تین پتھر تھے۔ دو دونوں پنجوں میں اور ایک چونچ میں پتھر چنے اور مسور کے برابر تھے۔

ابرہہ کی فوج کی ہلاکت:

جب پرندے ان لوگوں پر پہنچ کر چھا گئے تو انہوں نے پتھریاں چھوڑ دیں جس شخص کے پتھری لگی وہ ہلاک ہو گیا۔ لیکن سب قوم ہلاک نہیں ہوئی فوج والے نکل کر اندھا دھند بھاگے اور راستہ نہ ملنے کی وجہ سے نفیل کو تلاش کرنے لگے تاکہ وہ یمن کے راستہ پر لگادے نفیل کسی پہاڑ پر سے ان کو دیکھتا رہا غرض لوگ اضطرابی حرکت کے ساتھ ہر راستہ پر گرتے پڑتے اور ہر چشمہ پر ہلاک ہوتے چلدیئے صحیح راستہ پر کوئی نہیں پڑا۔

ابرہہ کی ہلاکت:

اللہ نے ابرہہ کو ایک جسمانی روگ میں مبتلا کر دیا اس کی انگلیوں کے پورے گرنے لگے اور جو پورا گرتا تھا اس سے کچ لہو اور خون بہتا تھا آخر پرندہ کے چوزہ کی طرح ہو کر وہ صنعاء پہنچا کچھ ساتھی بھی اس کے ساتھ پہنچ گئے آخر آگے کی طرف سے جب اس کا سینہ شق ہو گیا تو مر گیا۔

محمود ہاتھی:

واقدی نے لکھا ہے کہ نجاشی کے ہاتھی محمود نے حرم کے خلاف جرات نہیں کی تھی وہ بچ گیا اور دوسرے ہاتھی جنہوں نے اقدام کیا انکے پتھر لگے۔

سعید ثقفی کا مشورہ:

اس زمانہ میں سعید ثقفی نابینا مکہ ہی میں تھا یہ شخص گرمی کا زمانہ طائف میں اور سردی کا زمانہ مکہ میں بسر کرتا تھا اور بڑا دانشمند بزرگ۔ اس کی رائے سے تمام امور درست ہو جاتے تھے اور عبدالمطلب کا دوست تھا عبدالمطلب نے اس سے کہا آج تمہاری رائے کی ضرورت ہے بتاؤ کیا رائے ہے (سعید یعنی)

ابو مسعود نے کہا تم مجھ کو لے کر حراء پر چڑھ جاؤ پھر ابو مسعود نے عبدالمطلب کو مشورہ دیا کہ سو اونٹ لے کر ان کی گردنوں میں جوتوں کا قلاوہ (نذر الٰہی کی علامت) ڈال کر اللہ کے نام پر حرم میں بھجوادو۔ شاید کوئی حبشی کسی اونٹ کو پکڑ کر ذبح کرلے اور اس گھر کا مالک غضب ناک ہو جائے اور ان کو پکڑ لے۔ عبدالمطلب نے مشورہ پر عمل کیا ان لوگوں نے اونٹوں کو پکڑ کر کسی پر لدان کیا اور کسی کو کھانے کے لیے ذبح کرلیا عبدالمطلب اس کے بعد دعاء کرنے لگے اور ابو مسعود نے کہا اس گھر کا مالک خود اس کی حفاظت کرے گا۔

تبع شاہ یمن نے کعبہ پر غلاف چڑھایا:

تبع شاہ یمن (تبع یمن کے ہر بادشاہ کا لقب تھا) بیت اللہ کے صحن میں داخل ہو کر عمارت کو ڈھانے کا ارادہ کر چکا تھا مگر اللہ نے اس کو روک دیا اور مصیبت میں مبتلا کر دیا تین روز تک اس پر اندھیرا چھایا رہا جب تبع نے یہ مصیبت دیکھی تو کعبہ پر مصری سفید ریشم کا غلاف چڑھایا اور تعظیم کی اور بطور نذر اونٹ کی قربانی کی۔

پرندوں کی آمد کو ثقفی بھانپ گیا:

ادھر ابو مسعود نے سمندر کی طرف جو آنکھ اٹھائی تو اس کو کچھ محسوس ہوا اس نے عبدالمطلب سے کہا سمندر کی طرف تو دیکھو عبدالمطلب نے دیکھا تو بولے مجھے تو سفید پرندے نظر آرہے ہیں جو سمندر کے کنارہ سے اٹھے ہیں ابو مسعود نے کہا ذرا نظر اٹھا کر دیکھو ان کی قرار گاہ کہاں ہے؟ عبدالمطلب نے کہا یہ ہمارے سروں پر چکر کاٹ رہے ہیں ابو مسعود نے کہ کیا تم ان کو پہچانتے ہو؟ عبدالمطلب نے کہا خدا کی قسم میں ان کو نہیں پہچانتا نہ یہ نجدی ہیں، نہ تہامی، نہ عربی، نہ شامی۔ ابو مسعود نے کہا کتنے ہیں شہد کی مکھیوں کی طرح (بے گنتی) ہیں ہر ایک کی چونچ میں ٹھیکری کی طرح پتھری ہے رات کی طرح آرہے ہیں ہر پرندہ کی چونچ سرخ سر سیاہ اور گردن لمبی ہے اور ایک لیڈر سب کا قائد ہے جو سب سے آگے اور سب اس کے پیچھے آرہے ہیں۔

غرض پرندے آگئے اور لشکر کی سیدھ میں سروں پر آکر رک گئے جب لوگ اکھٹے ہو گئے تو پرندوں نے اپنی چونچوں سے پتھر نیچے کو گرا دیئے ہر پتھر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس پر اس کو گرایا گیا۔ پھر جدھر سے آئے تھے اسی طرف سے لوٹ کر چلے گئے۔

سب فوجی مر گئے:

ابو مسعود اور عبدالمطلب صبح کو جب پہاڑ کی چوٹی سے اترے اور ایک ٹیلے پر چلے تو ان کو کسی کی آہٹ بھی محسوس نہیں ہوئی ایک اور ٹیلہ پر گئے تو وہاں سے کوئی آہٹ نہیں سنی تو کہنے لگے یہ لوگ رات کو نہیں سوئے ہونگے اسی لیے صبح کو سو رہے ہیں۔ لیکن جب فوجی کیمپ کے قریب ہو گئے تو سب کو مردہ پایا جس شخص کے خود پر پتھر گرتا تھا خود کو پھاڑ کر دماغ میں اتر جاتا تھا یہاں تک کہ ہاتھیوں اور گھوڑوں کے اندر گھس کر زمین پر پہنچتا اور زمین کے اندر داخل ہو جاتا تھا۔

ابرہہ کی فوج کے زر وجواہر:

عبدالمطلب نے انہی کا پھاوڑا لے کر زمین میں بہت گہرا گڑھا کھودا اور ابرہہ کی فوج کے زر وجواہر اس میں بھر دیے اور دوسرا گڑھا اپنے ساتھی کے لیے بھی کھود کر اس کو بھی بھر دیا اور ساتھی سے کہا کہ اگر تم چاہو تو میرا گڑھا لے لو چاہو اپنا لے لو اور چاہو تو دونوں لے لو۔ ابو مسعود نے کہا تم اپنے لیے جو چاہو پسند کرلو۔ عبدالمطلب نے کہا میں نے اپنے گڑھے میں سب سے اچھا سامان بھرنے میں کمی نہیں کی تھی مگر اب وہ تمہارا ہے الحاصل دونوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے گڑھے پر بیٹھ گیا۔

مال غنیمت:

پھر عبدالمطلب نے آواز دے کر لوگوں کو واپس بلایا اور لوگوں نے واپس آکر بقیہ مال پر قبضہ کرلیا اور کل مال اٹھا بھی نہ سکے۔ اسی مال کی وجہ سے عبدالمطلب قریش کے سردار ہو گئے اور قریش نے اپنی قیادت ان کے سپرد کر دی ابو مسعود اور عبدالمطلب ہمیشہ اپنے اپنے گھروں میں اسی مال کے سبب خوش حال رہے اور اللہ نے اصحاب فیل کو کعبہ سے دفع کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

پرندوں کا غول:

قدرت حق تعالیٰ شانہٗ کا یہ کرشمہ تو یہاں ظاہر ہوا دوسری طرف دریا کی طرف سے کچھ پرندوں کی قطاریں آتی دکھائی دیں جن میں سے ہر ایک کے ساتھ تین کنکریاں چنے یا مسور کے برابر تھیں ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں۔ واقدی کی روایت میں ہے کہ پرندے عجیب طرح کے تھے جو اس سے پہلے نہیں دیکھے گئے تھے جثہ میں کبوتر سے چھوٹے تھے ان کے پنجے سرخ تھے۔ ہر پنجے میں ایک کنکر اور ایک چونچ میں لئے آتے دکھائی دیتے اور فوراً ابرہہ کے لشکر کے اوپر چھا گئے یہ کنکریں جو ہر ایک کے ساتھ تھیں ان کو ابرہہ کے لشکر پر گرایا ایک ایک کنکر نے وہ کام کیا جو ریوالور کی گولی بھی نہیں کر سکتی۔ کہ جس پر پڑتی اس کے بدن کو چھیدتی ہوئی زمین میں گھس جاتی تھی۔ یہ عذاب دیکھ کر ہاتھی سب بھاگ کھڑے ہوئے صرف ایک ہاتھی رہ گیا تھا جو اس کنکری سے ہلاک ہوا اور لشکر کے سب آدمی اسی موقع پر ہلاک نہیں ہوئے بلکہ مختلف اطراف میں بھاگے ان سب کا یہ حال ہوا کہ راستہ میں مر مر کر گر گئے۔

ابرہہ کو سخت سزا دینا:

ابرہہ کو چونکہ سخت سزا دینا تھی یہ فوراً ہلاک نہیں ہوا مگر اس کے جسم میں ایسا زہر سرایت کر گیا کہ اس کا ایک ایک جوڑ گل سڑ کر گرنے لگا اسی حال میں اس کو واپس یمن لایا گیا۔ دارالحکومت صنعاء پہنچ کر اس کا سارا بدن ٹکڑے ہو کر بہہ گیا اور مر گیا۔

ابرہہ کے ہاتھی محمود کے ساتھ دو ہاتھی بان یہیں مکہ مکرمہ میں رہ گئے مگر اس طرح کہ دونوں اندھے اور اپاہج ہو گئے تھے۔

محمد بن اسحٰق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے ان دونوں کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ وہ اندھے اور اپاہج تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بہن اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا نے

فرمایا کہ میں نے دونوں اپاہج اندھوں کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا۔ (مفتی اعظم)

اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝۲

کیا نہیں کر دیا اُن کا داؤ غلط ☆

ہاتھی والوں کی تدبیر غلط ہوگئی:

یعنی وہ لوگ چاہتے تھے کہ اللہ کا کعبہ اجاڑ کر اپنا مصنوعی کعبہ آباد کریں۔ یہ نہ ہوسکا۔ اللہ نے ان کے سب داؤ پیچ غلط اور کل تدبیریں بے اثر کردیں کعبہ کی تباہی کی فکر میں وہ خود ہی تباہ و برباد ہوگئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝۳

اور بھیجے اُن پر اُڑتے جانور ٹکڑیاں ٹکڑیاں

تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝۴

پھینکتے تھے اُن پر پتھریاں کنکر کی ☆

قصہ مختصر: ''اصحاب فیل'' کا قصہ مختصر یہ ہے کہ بادشاہ ''حبشہ'' کی طرف سے ''یمن'' میں ایک حاکم ''ابرہہ'' نامی تھا۔ اس نے دیکھا کہ سارے عرب کعبہ کا حج کرنے جاتے ہیں چاہا کہ ہمارے پاس جمع ہوا کریں اس کی تدبیر یہ سوچی کہ اپنے مذہب عیسائی کے نام پر ایک عالیشان گرجا بنایا جائے جس میں ہر طرح کے تکلفات اور راحت و دلکشی کے سامان ہوں اس طرح لوگ اصلی اور سادہ کعبہ کو چھوڑ کر اس مکلّف و مرصع کعبہ کی طرف آنے لگیں گے اور مکہ کا حج چھوٹ جائیگا چنانچہ ''صنعاء'' میں (جو یمن کا بڑا شہر ہے) اپنے مصنوعی کعبہ کی بنیاد رکھی اور خوب دل کھول کر روپیہ خرچ کیا اس پر بھی لوگ ادھر متوجہ نہ ہوئے عرب کو خصوصاً قریش کو جب اس کی اطلاع ہوئی سخت خشمگیں ہوئے کسی نے غصہ میں آکر وہاں پاخانہ پھر دیا اور بعض کہتے ہیں کہ بعض عرب نے آگ جلائی تھی ہوا سے اڑ کر اس عمارت میں لگ گئی ''ابرہہ'' نے جھنجھلا کر کعبہ شریف پر فوج کشی کردی بہت سا لشکر اور ہاتھی لے کر اس ارادہ سے چلا کہ کعبہ کو منہدم کردے درمیان میں عرب کے جس قبیلہ نے مزاحمت کی اسے مارا اور مغلوب کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب اس وقت قریش کے سردار اور کعبہ کے متولی اعظم تھے ان کو خبر ہوئی تو فرمایا لوگو اپنا بچاؤ کرلو! کعبہ جس کا گھر ہے وہ خود اس کو بچالیگا ''ابرہہ'' نے راستہ صاف دیکھ کر یقین کرلیا کہ اب کعبہ کا منہدم کردینا کوئی مشکل کام نہیں کیونکہ ادھر سے کوئی مقابلہ کرنے والا نہ تھا۔ جب وادی ''محسر'' (جو مکہ کے قریب جگہ ہے) پہنچا تو سمندر کی طرف سے سبز اور زرد رنگ کے چھوٹے چھوٹے جانوروں کی ٹکڑیاں نظر آئیں۔ ہر ایک کی چونچ اور پنجوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں ان عجیب و غریب پرندوں کے غول کے غول کنکریاں لشکر پر برسانے لگے۔ خدا کی قدرت سے وہ کنکری کی پتھریاں بندوق کی گولی سے زیادہ کام کرتی تھیں۔ جس کے لگتی ایک طرف سے گھس کر دوسری طرف سے نکل جاتی اور ایک عجیب طرح کا سمی مادہ چھوڑ جاتی تھی۔ بہت سے وہیں ہلاک ہوگئے جو بھاگے وہ دوسری بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر مرے۔ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف سے پچاس روز پہلے ہوا بلکہ بعض کہتے ہیں کہ خاص اسی روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باکرامت ہوئی گویا یہ ایک آسمانی نشان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد کا تھا اور ایک غیبی اشارہ تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی فوق العادۃ حفاظت فرمائی ہے اس گھر کے سب سے مقدس متولی اور سب سے بزرگ پیغمبر کی حفاظت بھی اسی طرح کرے گا اور عیسائی یا کسی دوسرے مذہب کو یہ موقع نہ دیگا کہ وہ کعبہ اور کعبہ کے سچے خادموں کا استیصال کرسکیں۔ (تفسیر عثمانی)

دو ہاتھی بانوں کا انجام:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ابرہہ کے لشکر کے فیلبان اور چرکٹے کو میں نے مکہ شریف میں دیکھا دونوں اندھے ہوگئے تھے چل پھر نہیں سکتے اور بھیک مانگا کرتے تھے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اساف اور نائلہ بتوں کے پاس یہ بیٹھے رہتے تھے جہاں مشرکین اپنی قربانیاں کرتے تھے اور لوگوں سے بھیک مانگتے پھرتے تھے اس فیلبان کا نام انیسا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

پرندوں کی شکل و شباہت:

واقدیؒ فرماتے ہیں کہ یہ پرندے زرد رنگ کے تھے کبوتر سے کچھ چھوٹے تھے ان کے پاؤں سرخ تھے اور ایک روایت میں ہے کہ جب محمود ہاتھی بیٹھ گیا اور پوری کوشش کے باوجود بھی نہ اٹھا تو انہوں نے دوسرے ہاتھی کو آگے کیا اس نے قدم بڑھایا ہی تھا کہ اس کی مستک پر کنکر پڑی اور وہ بلبلا کر پیچھے ہٹا اور پھر اور ہاتھی بھی بھاگ کھڑے ہوئے اور ادھر برابر کنکریاں آنے لگیں اکثر تو وہیں ڈھیر ہوگئے اور بعض جو ادھر ادھر بھاگ نکلے تھے ان میں سے بھی کوئی جاں بر نہ ہوا بھاگتے بھاگتے ان کے اعضاء کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے اور بالآخر جان سے جاتے تھے۔

کنکریاں:

یعنی وہ پرندے اصحاب فیل پر کنکر والے پتھر مارتے تھے سجیل وہ مٹی جو پتھر بن جائے یہ لفظ سنگ گل کا معرب ہے بعض کے نزدیک سجل سے بنا ہے اور سجل کا معنی ہے بڑا ڈول۔ بعض نے اس کو السجل سے مشتق مانا ہے (رجسٹرڈ مہری) یعنی اصحاب فیل پر برسنے والے پتھر من جملہ اس

عذاب کے تھے جوان کے لیے لکھ دیا گیا تھا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان پرندوں کی چونچیں پرندوں کی طرح اور پنجے کتوں کے پنجوں کی طرح تھے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا وہ پرندے سبز تھے اور چونچیں زرد تھیں قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا وہ سیاہ تھے جو جھنڈ در جھنڈ ہو کر سمندر کی طرف سے آئے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہر پتھر پر ایک پرچہ اس شخص کے نام کا چسپاں تھا جس پر اس کو گرنا تھا اللہ نے پتھر لے کر ان پرندوں کو بھیجا تھا پرندوں نے بڑی زور سے پتھر مارے جس شخص پر پتھر گرا پار نکل گیا سر پر پڑا تو مقعد سے نکل گیا۔ (تفسیر مظہری)

یہ کہ پرندے کبوتر سے کسی قدر چھوٹے تھے اور کوئی ایسی جنس تھی جو پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی تھی۔ (کذا قال سعید بن جبیر قرطبی)

یہ کنکریں بھی خود کوئی طاقت نہ رکھتی معمولی گارے اور آگ سے بنی ہوئی تھیں مگر بقدر حق سبحانہ انہوں نے ریوالور کی گولیوں سے زیادہ کام کیا۔ (معارف مفتی اعظم)

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ۝٥

پھر کر ڈالا اُن کو جیسے بھس کھایا ہوا ☆

جو بیل گائے وغیرہ کھا کر آخور چھوڑ دیتے ہیں۔ یعنی ایسا پراگندہ منتشر مبتذل بدصورت نکما اور چورا چورا۔ (تفسیر عثمانی)

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ۔ اللہ نے ان کو اس بھوسہ کی طرح کر دیا جس کو جانور کھاتے ہیں اور گوبر کر دیتے ہیں۔ جوڑ جوڑ کر ٹکڑے ہو جانے کو گوبر کے منتشر اجزاء سے تشبیہ دی ہے۔ (تفسیر مظہری)

قریش کی عظمت:

اصحاب فیل کے اس عجیب وغریب واقعے نے پورے عرب کے دلوں میں قریش کی عظمت بڑھا دی اور سب ماننے لگے کہ یہ لوگ اللہ والے ہیں ان کی طرف سے خود حق تعالیٰ شانہ نے ان کے دشمن کو ہلاک کر دیا (قرطبی)

سورۃ قریش

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی وہ مسکین کو کھانا کھلائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر مسلمانوں کو آپس میں ملا دے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ

سورۂ قریش مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چار آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝١

اس واسطے کہ مانوس رکھا قریش کو

اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝٢

مانوس رکھنا اُن کو سفر سے جاڑے کے اور گرمی کے

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝٣

تو چاہئے کہ بندگی کریں اس گھر کے رب کی

الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ

جس نے اُن کو کھانا دیا بھوک میں

وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝٤

اور امن دیا ڈر میں ☆

قریشیوں پر اللہ کے انعامات:

مکہ میں غلہ وغیرہ پیدا نہیں ہوتا اس لیے قریش کی عادت تھی کہ سال بھر میں تجارت کی غرض سے دو سفر کرتے تھے جاڑوں میں یمن کی طرف کہ وہ ملک گرم ہے اور گرمیوں میں شام کی طرف جو سرد اور شاداب ملک ہے لوگ انکو اہل حرم اور خادم بیت اللہ سمجھ کر نہایت عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے ان کی خدمت کرتے اور ان کے جان ومال سے کچھ تعرض نہ کرتے اس طرح ان کو خاطر خواہ نفع ہوتا پھر امن وچین سے گھر بیٹھ کر کھاتے اور کھلاتے تھے حرم کے چاروں

طرف لوٹ کھسوٹ اور چوری ڈکیتی کا بازار گرم رہتا تھا۔لیکن کعبہ کے ادب سے کوئی چور ڈاکو قریش پر ہاتھ صاف نہ کرتا تھا اسی انعام کو یہاں یاد دلایا ہے کہ اس گھر کے طفیل تم کو روزی دی اور امن چین دیا ''اصحاب فیل'' کی زد سے محفوظ رکھا پھر اس گھر والے کی بندگی کیوں نہیں کرتے اور اس کے رسول کو کیوں ستاتے ہو کیا یہ انتہائی ناشکری اور احسان فراموشی نہیں اگر دوسری باتیں نہیں سمجھ سکتے تو ایسی کھلی ہوئی حقیقت کا سمجھنا کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قریشیوں کی تجارت کا آغاز:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مکہ والے بڑے افلاس اور تکلیف میں تھے۔ یہاں تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہاشم نے قریش کو اس لیے آمادہ کیا کہ دوسرے ملکوں سے تجارت کا کام کریں۔ ملک شام ٹھنڈا ملک تھا گرمی کے زمانے میں وہاں اور یمن گرم ملک ہے سردی کے زمانے میں اس طرف تجارتی سفر کرتے اور منافع حاصل کرتے تھے۔ اور چونکہ یہ لوگ بیت اللہ کے خادم ہونے کی حیثیت سے تمام عرب میں مقدس اور محترم مانے جاتے تھے تو یہ راستہ کے ہر خطرے سے بھی محفوظ رہتے، اور چونکہ ہاشم ان کے سردار مانے جاتے تھے ان کا طریقہ یہ تھا کہ اس تجارت میں جو منافع حاصل ہوتا ان کو قریش کے امیر غریب سب میں تقسیم کر دیتے یہاں تک کہ ان کا غریب آدمی بھی مالداروں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔

دشمن کے خوف اور مصیبت کا آزمودہ علاج:

ابوالحسن قزوینی نے فرمایا کہ جس شخص کو کسی دشمن یا اور کسی مصیبت کا خوف ہو۔ اس کے لیے لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ کا پڑھنا امان ہے۔ اس کو امام جزری نے نقل کر کے فرمایا کہ یہ عمل آزمودہ اور مجرب ہے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں اس کو نقل کر کے فرمایا کہ مجھے میرے شیخ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے خوف وخطر کے وقت اس سورۃ کو پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ہر بلا ومصیبت کے دفع کرنے کے لیے اس کی قراءت مجرب ہے حضرت قاضی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ میں نے بارہا اس کا تجربہ کیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اس کی نعمت کی قدر کرو:

مطلب یہ ہے کہ ان پر اللہ کی بے شمار نعمتیں ہیں اگر وہ سب نعمتوں کی وجہ سے عبادت نہیں کرتے تو کم از کم لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ کی نعمت کی وجہ سے تو اس گھر کے مالک کی عبادت کرنی چاہیے۔

قریش نام کی وجہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے قریش کی وجہ تسمیہ پوچھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قریش ایک بہت بڑا دریائی جانور ہوتا ہے۔ جس طرف سے اس کا گذر ہوتا ہے اور کوئی موٹا دبلا جانور سامنے پڑ جاتا ہے تو وہ اس کو کھا لیتا ہے مگر اس کو کوئی کھا نہیں سکتا وہ سب پر غالب ہے کوئی اس پر غالب نہیں۔

قریش کی فضیلت:

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اولاد اسمٰعیل علیہ السلام میں سے اللہ نے کنانہ کو چن لیا اور بنی کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب کر لیا۔ (رواہ البغوی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگ اس معاملہ میں قریش کے تابع ہیں ان میں سے مسلمان (قریشی مسلمانوں کے) اور ان میں سے کافر (قریشی کافروں کے)۔ (متفق علیہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ لوگ خیر و شر (اچھائی برائی یا اسلام و کفر) میں قریش کے تابع ہیں۔ (رواہ المسلم)

میں کہتا ہوں کہ حدیث میں استعداد قریش کی قوت کی طرف اشارہ ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر بڑے بڑے صحابہ اور اولیاء قریش ہی میں ہوئے۔ اور دوسری حدیث سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قریش میں ہوئی تو سب سے اول ایمان اور احکام کے مکلّف قریش ہی ہوئے باقی لوگ ان کے پیچھے مکلّف قرار پائے۔

لہٰذا جو قریشی ایمان لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سنت میں طریقہ حسنہ پر چلے ان کو اپنے کئے کا اجر ملے گا۔ اور پیچھے آنے والے نیک لوگوں کو بھی اسی لیے یہ لوگ انبیاء کے بعد مرتبہ میں سب لوگوں سے زائد ہیں اور اگر ان میں سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انکار کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف راستہ پر چلا اور اسی کفر و مخالفت کی حالت میں مر گیا تو اس پر اپنے کفر کا عذاب بھی ہوگا۔ اور بعد کو آنے والے کافروں کا بھی جیسا کہ قابیل سب سے پہلا قاتل تھا۔ اس پر ہر دوزخی (قاتل) کا عذاب پڑے گا۔ مگر اس سے اصل دوزخی کے عذاب میں کمی نہیں آئے گی۔ یہ حدیث بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کی ہے۔ اور ایک اور حدیث سورہ و الشمس میں گذر چکی ہے کہ قابیل سب سے بدبخت انسان ہوگا۔

قریش کی امارت:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش میں سے جب تک دو آدمی بھی رہیں گے یہ امر ان میں رہے گا۔ (متفق علیہ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ جب تک قریش دین کو قائم رکھیں گے یہ امر ان میں رہے گا

اور جو کوئی ان سے دشمنی کرے گا۔ اللہ اس کو منہ کے بل گرا دے گا۔ (بخاری)

میں کہتا ہوں کہ حدیث میں امر سے مراد ہے خلافت اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی غرض (آئندہ کی) خبر دینا نہیں ہے بلکہ قریش کی خلافت کا حکم مقصود ہے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مقصد اس شخص کے لیے بددعا ہے جو قریشی عادل خلیفہ کا باغی ہو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قریش کو ذلیل کرنے کا ارادہ کرے گا۔ اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔ (ترمذی)

قریش کی سات خصوصیات:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ نے قریش کو سات خصوصیات کی فضیلت عطا فرمائی ہے نہ ان سے پہلے یہ خصوصیات کسی کو عطا فرمائیں نہ آئندہ کسی کو عطا فرمائے گا۔ اللہ نے قریش کو یہ فضیلت عطاء فرمائی کہ میں ان میں پیدا ہوا۔ نبوت ان میں ہوئی کعبہ کی دربانی ان کے لیے مخصوص ہوئی۔ حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت ان کو دی گئی اصحاب فیل پر ان کو کامیابی عطاء فرمائی۔ دس برس تک سوائے قریش کے کسی نے اللہ کی عبادت نہیں کی (یعنی نبوت کے ابتدائی دس سال میں کوئی اور مسلمان نہیں ہوا) اور قریش کے متعلق قرآن کی ایک سورت نازل کی جس میں ان کے علاوہ کسی اور کا ذکر نہیں کیا اور وہ سورہ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ہے۔ (رواہ الحاکم والطبرانی والبخاری فی التاریخ)

قریش کے لیے پرامن تجارت کی نعمت:

قریش پر اللہ کے بہت بڑی نعمت تھی کیونکہ حرم کی وادی بے آب و گیاہ وادی تھی۔ نہ وہاں کھیتی ہوتی تھی۔ نہ مویشی کی پیداوار اگر گرمی سردی میں ان کے تجارتی سفر نہ ہوتے۔ تو نہ وادی میں رہنا ممکن تھا نہ معاش کا حصول۔ پھر اللہ نے مکہ کو حرم محترم بنا دیا تھا۔ حرم سے باہر ادھر ادھر لوٹ مار ہوتی مگر قریش کی ایذا رسانی سے لوگ اعراض کرتے تھے اور کہتے تھے یہ حرم خدا کے باشندے ہیں خانہ خدا کے مجاور ہیں ان کو ایذاء نہ پہنچانی چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قریش کے لیے گرمی سردی میں تجارتی سفر ممکن نہ تھا۔ یمن میں سردی زیادہ نہ ہوتی تھی اس لیے سردی کے موسم میں قریش تجارت کرنے کے لیے یمن کو جاتے تھے۔ اور شام کا ملک ٹھنڈا تھا۔ اس لیے گرمی میں شام کو جاتے اور دونوں ملکوں میں تجارت کر کے نفع حاصل کرتے اور معاش پیدا کرتے تھے۔

قریش کا سب سے پہلا تاجر:

عطاءؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ قریش بڑے دکھ اور فاقوں میں مبتلا رہے۔ ہاشم نے سب کو سردی گرمی میں سفر کرنے پر متفق کیا جو تجارتی منافع ہوتا وہ مالدار اور نادار کو برابر بانٹ دیا جاتا۔ اور نادار بھی دولتمندوں کے برابر ہو جاتے تھے۔ کلبیؒ کا بیان ہے سب سے اول ہاشم بن عبدالمناف شام سے گیہوں اونٹوں پر لاد کر لایا۔

سفر کے بغیر تجارت:

بغویؒ نے لکھا ہے کہ یمن و شام کی آمد و رفت سے قریش کو تکلیف ہوتی تھی۔ یمن میں تبادلہ اور حرش کا علاقہ بڑی پیداوار کا تھا۔ وہاں سے کچھ لوگ تو کشتیوں پر لاد کر سمندری راستہ سے جدہ پر اتار دیتے تھے۔ اور کچھ لوگ اونٹوں اور گدھوں پر بار کر کے خشکی کے راستے محصب میں پہنچا دیتے تھے۔ اور جدہ اور محصب سے قریش مکہ کو لے آتے تھے۔ اس طرح اہل شام اپنے ملک سے غلہ لا کر ابطح تک پہنچا دیتے تھے۔ اور قریش ابطح سے مکہ میں لے آتے تھے۔ اس طرح قریب کے مقامات سے ہی مکہ والوں کو غلہ مل جاتا تھا۔ اور دونوں سفروں کی ضرورت نہیں رہتی تھی۔ اسی لیے اللہ نے ان کو عبادت کا حکم دیا تھا۔

حضرت ابراہیم کی دعاء:

ضحاک اور ربیع اور سفیان نے کہا اللہ نے ان کو تباہی اور بربادی کے خوف سے امان دیدی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعاء کی رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ اس دعاء کی برکت سے ان کے شہر میں کوئی تباہی اور بربادی نہ ہوگی۔

سورۃ کی خاصیت:

جوزی نے حصن حصین میں ابوالحسن قزوینی کی موقوف روایت بیان کی ہے کہ دشمن وغیرہ کا خوف ہو تو لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ پڑھنے سے ہر برائی سے امن مل جاتی ہے۔ جوزی نے کہا یہ مجرب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میرے شیخ نے مجھے حکم دیا کہ ہر مصیبت کے دفع کے لیے تمام خوفناک واقعات میں یہ سورت پڑھا کروں۔ میں نے اس کا تجربہ کیا اور صحیح پایا۔

(سورت لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ختم ہوئی)۔ (تفسیر مظہری)

سورة الماعون

جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے گا۔ وہ اپنے مخالفین واعداء پر کامیابی حاصل کرے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعُ اٰيٰتٍ

سورۂ ماعون مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی سات آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ①

تو نے دیکھا اُس کو جو جھٹلاتا ہے انصاف ہونے کو ☆

دین کو جھٹلانے والا:

یعنی سمجھتا ہے کہ انصاف نہ ہوگا اور اللہ کی طرف سے نیک وبد کا کبھی بدلہ نہ ملے گا، اور بعض نے دین کے معنی "ملت" کے لیے ہیں یعنی ملت اسلام اور مذہب حق کو جھٹلاتا ہے گویا مذہب وملت اس کے نزدیک کوئی چیز ہی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بروایت عطاء حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ ارأیت الذی یکذب بالدین ایک منافق شخص کے متعلق نازل ہوئی ان تمام روایات پر الَّذِی عہدی ہو گا۔ بعض لوگوں نے جنسی قرار دیا۔ دین سے مراد ہے اسلام یا جزاء۔ (تفسیر مظہری)

فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ②

سو یہ وہی ہے جو دھکے دیتا ہے یتیم کو ☆

یتیم سے بد اخلاقی: یعنی یتیم کی ہمدردی اور غم خواری تو درکنار اس کے ساتھ نہایت سنگدلی اور بداخلاقی سے پیش آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

کیا تم نے دین کی تکذیب کرنے والے کو پہچانا اگر نہ پہچانا ہو تو سمجھ لو کہ وہ وہی شخص ہے جو فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ یعنی اس پر ظلم کرتا ہے۔ اور اس کا حق روکتا ہے۔ دُعّ کا معنی ہے قوت سے دھکا دینا (تفسیر مظہری)

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ③

اور نہیں تاکید کرتا محتاج کے کھانے پر ☆

مسکین کا خیال نہ رکھنا: یعنی غریب محتاج کی نہ تو خود خبر لے نہ دوسروں کو ترغیب دے ظاہر ہے کہ یتیموں اور محتاجوں کی خبر لینا اور ان کے حال پر رحم کھانا دنیا کے ہر مذہب وملت کی تعلیم میں شامل ہے اور ان مکارم اخلاق میں سے ہے جن کی خوبی پر تمام عقلاء اتفاق رکھتے ہیں۔ پھر جو شخص ان ابتدائی اخلاق سے بھی عاری ہو سمجھو کہ آدمی نہیں جانور ہے بھلا ایسے کو دین سے کیا واسطہ اور اللہ سے کیا لگاؤ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اس کو چونکہ جزاء کا ہی یقین نہیں ہے اس لیے نہ اپنے نفس کو مسکینوں کو کھانا کھلانے پر ابھارتا ہے۔ نہ اپنے گھر والوں کو اور نہ دوسرے لوگوں کو اس کا مشورہ دیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ④

پھر خرابی ہے اُن نمازیوں کی

الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ⑤

جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں

نماز سے غفلت: یعنی نہیں جانتے کہ نماز کس کی مناجات ہے اور مقصود اس سے کیا ہے اور کس قدر اہتمام کے لائق ہے یہ کیا نماز ہوئی کہ کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی، وقت بے وقت کھڑے ہو گئے، باتوں میں اور دنیا کے دھندوں میں جان بوجھ کر وقت تنگ کر دیا پھر پڑھی بھی تو چار ٹکریں لگا لیں کچھ خبر نہیں کس کے روبرو کھڑے ہیں اور احکم الحاکمین کے دربار میں کس شان سے حاضری دے رہے ہیں کیا خدا صرف ہمارے اٹھنے بیٹھنے جھک جانے اور سیدھے ہونے کو دیکھتا ہے؟ ہمارے دلوں پر نظر نہیں رکھتا؟ کہ ان میں کہاں تک اخلاص و خشوع کا رنگ موجود ہے یاد رکھو یہ سب صورتیں "عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ" میں درجہ بدرجہ داخل ہیں کما صرح به بعض السلف. (تفسیر عثمانی)

منافق کی نماز:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تلک صلوة المنافق قام فقنر اربع نقر لا یذکر الله الا قلیلا۔ کہ ایسی نماز منافق کی نماز ہے کہ کھڑا ہو۔ اور چار ٹھونگیں مار لیں اور اللہ کا ذکر بہت کم کیا۔

یعنی جب یتیم کی پرواہ نہ کرنا ضعف دین کی علامت اور موجب ذم وزجر ہے تو پھر اس نماز کی طرف سے غافل ہونا جو دین کا ستون ہے اور دکھاوٹ کرنا جو کفر کی ایک شاخ ہے اور اس زکوٰۃ کو روکے رکھنا جو اسلام کا پل ہے۔ بدرجہ اولیٰ موجب ذم اور مستحق تنبیہ ہے۔

نماز سے غفلت کی صورتیں:

بغویؒ نے بروایت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ کی تشریح پوچھی گئی۔ فرمایا کہ (نماز کی طرف سے سہو کرنے کا مطلب ہے) نماز کا وقت ضائع کر دینا۔ ابن جریر اور ابو یعلیٰ کی روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا ساھون وہ لوگ ہیں جو نماز کے اس کے مقررہ وقت سے موخر کرتے ہیں ابوالعالیہ نے کہا یعنی مقررہ وقت پر نماز نہیں پڑھتے۔ اور رکوع وسجود کو پورا نہیں کرتے۔ قتادہ نے کہا سہو کا یہ معنی ہے کہ اس کو پرواہ نہیں ہوتی۔ نماز پڑھی یا نہیں پڑھی۔ بعض لوگوں نے ساھون کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ اگر وہ نماز پڑھ لیتے ہیں تو ثواب کی امید نہیں رکھتے۔ اور نہیں پڑھتے تو عذاب سے نہیں ڈرتے مجاہد نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ نماز میں غفلت اور سستی کرتے ہیں حسن بصریؒ نے کہا ساھی سے مراد وہ شخص ہے کہ اگر نماز پڑھتا ہے تو دکھاوٹ کی اور نماز فوت ہو جاتی ہے تو اس کو افسوس نہیں ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝۶

وہ جو دکھلاوا کرتے ہیں ☆

ریاکاری: یعنی ایک نماز کیا ان کے دوسرے اعمال بھی ریاکاری اور نمود ونمائش سے خالی نہیں گویا انکا مقصد خالق سے قطع نظر کر کے صرف مخلوق کو خوش کرنا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لوگوں کو وہ اپنے اچھے اعمال دکھاتے ہیں تا کہ لوگ ان کی تعریف کریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دکھاوٹ کی نماز پڑھی اس نے شرک کیا جس نے دکھاوٹ کا روزہ رکھا اس نے شرک کیا جس نے دکھاوٹ کی خیرات کی اس نے شرک کیا۔ (رواہ احمد عن شدس بن اوس) (تفسیر عثمانی)

ریاکاری کی سزا: مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص دوسروں کو سنانے کے لیے کوئی نیک کام کرے اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کو سنا کر اس کو عذاب دے گا۔ اور اسے ذلیل وحقیر کرے گا۔

اتفاقاً لوگوں کا دیکھ لینا ریا نہیں ہے:

ہاں اس موقع پر یہ یاد رہے کہ اگر کسی شخص نے بالکل نیک نیتی سے کوئی اچھا کام کیا اور لوگوں کو اس کی خبر ہوگئی اس پر اسے بھی خوشی ہوئی تو یہ ریاکاری نہیں اس کی دلیل مسند ابو یعلی موصلی کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سرکار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ ذکر کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تو تنہا نوافل پڑھتا ہوں لیکن اچانک کوئی آ جاتا ہے تو ذرا مجھے بھی یہ اچھا معلوم ہونے لگتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے دو دو اجر ملیں گے ایک اجر پوشیدگی کا اور دوسرا ظاہر کرنے کا حضرت ابن المبارک رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ حدیث ریاکاروں کے لیے بھی اچھی چیز ہے یہ حدیث بروئے اسناد غریب ہے لیکن معنی کی حدیث اور سند سے بھی مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نماز میں شیطان سے حفاظت:

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیطان آ کر میرے اور میری نماز اور قرآت میں حائل ہو جاتا ہے اور مشتبہ بنا دیتا ہے فرمایا اس شیطان کا نام خنرف ہے جب تجھ کو اس کی آہٹ معلوم ہو۔ تو اس سے اللہ کی پناہ مانگو اور بائیں طرف تین بار تھتکار دو۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے میں نے ایسا ہی کیا اور اللہ نے اس کو مجھ سے دور کر دیا۔ (رواہ مسلم)

نماز میں وہم ہونا: حضرت قاسم بن محمد سے کسی شیخ نے کہا مجھے اپنی نماز میں وہم ہو جاتا ہے اور کثرت سے ہوتا رہتا ہے فرمایا اپنی نماز جاری رکھو جب تک نماز ختم نہیں کر لو گے۔ یہ وہم دور نہ ہوگا۔ تم یہی کہتے رہو گے کہ میری نماز ابھی پوری نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝۷

اور مانگی نہ دیویں برتنے کی چیز ☆

عام استعمال کی چیزیں روکنا:

یعنی زکوٰۃ وصدقات وغیرہ تو کیا ادا کرتے معمولی برتنے کی چیزیں بھی مثلاً (ڈول 'رسی' ہنڈیا' دیگچی' کلہاڑی' سوئی دھاگا وغیرہ) کسی کو مانگے نہیں دیتے جن کے دیدینے کا دنیا میں عام رواج ہے۔ بخل اور فسق کا جب یہ حال ہو تو ریاکاری کی نماز سے ہی کیا فائدہ ہوگا اگر ایک آدمی اپنے کو مسلمان نمازی کہتا اور کہلاتا ہے مگر اللہ کے ساتھ اخلاص اور مخلوق کے ساتھ ہمدردی نہیں رکھتا اس کا اسلام لفظ بے معنی اور اس کی نماز حقیقت سے بہت دور ہے یہ ریاکاری اور بداخلاقی تو ان بدبختوں کا شیوہ ہونا چاہیے جو اللہ کے دین اور روز جزاء پر کوئی اعتقاد نہیں رکھتے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ منافقوں کا کام ہے:

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ منافق لوگ ہیں نماز تو چونکہ ظاہر ہے پڑھنی پڑتی ہے اور زکوٰۃ چونکہ پوشیدہ ہے تو ادا نہیں کرتے ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ماعون ہر وہ چیز ہے جو لوگ ایک دوسرے سے مانگ لیا کرتے ہیں۔ جیسے کدال، پھاوڑا، دیگچی، ڈول وغیرہ۔ (تفسیر ابن کثیر)

مفسرین نے اس آیت میں ماعون کی تفسیر زکوٰۃ ہی سے کی ہے۔ (مظہری)

انتہائی کمینگی: بعض روایات حدیث میں جو اس جگہ ماعون کی تفسیر استعمالی اشیاء اور برتنوں سے کی گئی ہے اس کا مطلب ان لوگوں کی انتہائی خست کا اظہار ہے کہ یہ زکوٰۃ تو کیا دیتے استعمالی اشیاء جن کے دینے میں اپنا کچھ خرچ نہیں ہوتا اس میں بھی کنجوسی کرتے ہیں تو وعید صرف ان اشیاء کے نہ دینے پر نہیں بلکہ زکوٰۃ فرض کی عدم ادائیگی اور اس کے ساتھ مزید بخل شدید پر ہے۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

اشیائے صرف دینے کا اجر:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پانی تو خیر نمک اور آگ میں کیا بات ہے فرمایا کہ حمیرا جس نے آگ دیدی تو اس نے گویا اس آگ سے پکا ہوا کل کھانا دیا۔ اور جس نے نمک دیدیا اس نے گویا اس نمک سے درست کیا ہوا کھانا دیا۔ اور جس نے کسی ایسے مقام پر جہاں پانی انہیں ملتا ہے اس نے گویا ایک بردہ آزاد کیا اور جس نے پانی نہ ملنے کے مقام میں کسی مسلمان کو پانی پلایا اس نے گویا اس کو زندہ کر دیا۔ (رواہ ابن ماجہ)

سورۃ الکوثر

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے گا۔ دارین میں اس کا خیر بہت ہوگا۔
(ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُ اٰيٰتٍ

سورۂ کوثر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی تین آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ①

بے شک ہم نے دی تجھ کو کوثر ☆

تمام قسم کی بھلائیاں:

''کوثر'' کے معنی ''خیر کثیر'' کے ہیں یعنی بہت زیادہ بھلائی اور بہتری یہاں اس سے کیا چیز مراد ہے ''البحر المحیط'' میں اس کے متعلق چھبیس اقوال ذکر کیے ہیں اور اخیر میں اس کو ترجیح دی ہے کہ اس لفظ کے تحت میں ہر قسم کی دینی و دنیوی دولتیں اور حسی و معنوی نعمتیں داخل ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا آپ کے طفیل میں امت مرحومہ کو ملنے والی تھیں ان نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت وہ ''حوض کوثر'' بھی ہے جو اسی نام سے مسلمانوں میں مشہور ہے اور جس کے پانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو محشر میں سیراب فرمائینگے (اے ارحم الراحمین تو اس خطا کار روسیاہ کو بھی اس سے سیراب کیجئے) (تنبیہ) ''حوض کوثر'' کا ثبوت بعض محدثین کے نزدیک حد تواتر تک پہنچ چکا ہے ہر مسلمان کو اس پر اعتقاد رکھنا لازم ہے۔ احادیث میں اس کی عجیب وغریب خوبیاں بیان ہوئی ہیں بعض روایات سے اس کا محشر میں ہونا اور اکثر سے جنت میں ہونا ثابت ہوتا ہے اکثر علماء نے تطبیق یوں دی ہے کہ اصل نہر جنت میں ہوگی اور اسی کا پانی میدان حشر میں لا کر کسی حوض میں جمع کر دیا جائیگا دونوں کو ''کوثر'' ہی کہتے ہونگے واللہ اعلم بالصواب۔ (تفسیر عثمانی)

الکوثر کے معانی ازروئے لغت کثیر یعنی خیر کثیر اور ہر قسم کی بھلائی اور بہتری کے ہیں ابن ماجہ نے بروایت سعید بن جبیر نقل کیا ہے اور خیر کثیر حکمت ہے۔

صحیح بخاری کی روایت ہے کوثر جنت کی وہ نہر ہے جو آپ کو شب معراج میں بھی دکھائی گئی تھی۔ جس کے کنارے موتیوں کے خیمے تھے۔ آپ نے اس کا پانی دیکھا تو مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ آپ نے اس کے متعلق جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کیا ہے جبرئیل امین علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ وہی کوثر ہے جو اللہ نے آپ کو عطاء کی ہے۔ (رواہ البخاری والمسلم)

عظیم الشان سورۃ:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند کا جھونکا سا آیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک اٹھایا مسکراتے ہوئے اور فرمایا مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے یعنی بہت ہی عظیم الشان اور آپ نے یہ سورت پڑھ کر سنائی۔ (معارف کاندھلوی)

شان نزول: ابن ابی حاتمؒ نے سدی سے اور بیہقیؒ نے دلائل نبوت میں حضرت محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جس شخص کی کوئی اولاد ذکور مر جائے تو اس کو عرب ابتر کہا کرتے تھے۔ یعنی مقطوع نسل۔ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے قاسم یا ابراہیم کا بچپن میں انتقال ہو گیا تھا۔ تو کفار مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتر کہہ کر طعنہ دینے لگے ایسا کہنے والوں میں عاص بن وائل کا نام خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کے سامنے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو کہتا تھا کہ ان کی بات چھوڑ دو یہ کچھ فکر کرنے کی چیز نہیں کیونکہ وہ ابتر (مقطوع النسل ہیں) جب ان کا انتقال ہو جائے گا۔ ان کا کوئی نام لینے والا نہیں رہیگا۔ اس پر سورہ کوثر نازل ہوئی۔ (رواہ البغوی ابن کثیر ومظہری)

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد سعید بن جبیرؒ سے کسی نے کہا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے۔ تو سعید بن جبیرؒ نے جواب دیا۔ کہ (ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول اس کے منافی نہیں بلکہ) وہ نہر جس کا نام کوثر ہے وہ بھی اس کار خیر میں داخل ہے۔ اسی لیے امام تفسیر مجاہد نے کوثر کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ دنیا و آخرت دونوں کی خیر کثیر ہے اس میں جنت کی خاص نہر کوثر بھی داخل ہے۔

حوض کوثر:

بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے مسلم کے الفاظ یہ ہیں۔

ایک روز جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہمارے ساتھ تشریف فرما تھے اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک قسم کی سی نیند یا بیہوشی کی سی کیفیت طاری ہوئی پھر ہنستے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک اٹھایا۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے کا سبب کیا ہے تو فرمایا کہ مجھ پر اسی وقت ایک سورۃ نازل ہوئی ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کے ساتھ سورۃ کوثر پڑھی، پھر فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ کوثر کیا چیز ہے۔ ہم نے عرض کیا اللہ و رسول اعلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک نہر جنت ہے جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا

ہے جس میں خیر کثیر ہے اور وہ حوض ہے جس پر میری امت قیامت کے روز پانی پینے کے لئے آئے گی اس کے پانی پینے کے برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد میں ہوں گے۔ اس وقت بعض لوگوں کو فرشتے میرے حوض سے ہٹا دیں گے تو میں کہوں گا میرے پروردگار یہ تو میری امت میں ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیا نیا دین اختیار کیا ہے۔

منافق کوثر سے محروم:

اس حدیث میں جو بعض لوگوں کو حوض کوثر سے ہٹا دینے کا ذکر ہے یہ وہ لوگ ہیں جو بعد میں اسلام سے پھر گئے۔ یا پہلے ہی سے مسلمان نہیں تھے مگر منافقانہ اظہار اسلام کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کا نفاق کھل گیا۔ واللہ اعلم

احادیث صحیحہ میں حوض کوثر کے پانی کی صفائی اور شیرینی اور اس کے کناروں کا جواہرات سے مرصع ہونے کے متعلق ایسے اوصاف مذکور ہیں کہ دنیا میں ان کا کسی چیز پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ (معارف مفتی اعظم)

نزول سورۃ کا زمانہ:

میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کا نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کی وفات کے قریب نہیں ہوا کیونکہ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کی وفات تو مکہ میں ہجرت اور بقول بعض بعثت سے پہلے ہوئی تھی۔

واقدی کا قطعی خیال ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات منگل کے دن دس ربیع الاول ۱۰ نبوۃ کو ہوئی کذا فی سبیل الرشاد۔

حوض کوثر کی خوبیاں:

طبرانی کی دوسری روایت ہے کہ حضرت خذیفہ رضی اللہ عنہ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کی تشریح میں فرمایا جنت میں ایک بہت بڑے پھاٹ کی نہر ہے جس کے ظروف سونے چاندی کے ہوں گے جن (کی تعداد) سے سوائے خدا کے کوئی واقف نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوثر جنت میں ایک نہر ہے جس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں اور پانی موتیوں (کی زمین) پر بہتا ہے (ابن ماجہ وابن ترمذی) ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

حضرت عائشہ سے اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ ایک نہر ہے جو اللہ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطاء فرمائی ہے۔ (رواہ البخاری)

حوض کوثر کا تذکرہ کچھ اوپر پچاس صحابیوں کی روایت میں آیا ہے۔ چاروں خلفاء حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کی روایت کردہ احادیث میں حوض کوثر کا ذکر موجود ہے۔ سیوطیؒ نے بدور سافرہ میں تقریباً ستر احادیث نام بنام صحابہ کرام کی نقل کی ہیں۔

نہر کوثر:

صحیحین میں بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں جنت میں گیا تو وہاں پر ایک نہر دیکھی جس کے دونوں کناروں پر موتی کے خیمے تھے میں نے نہر میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو خالص مشک (کی طرح خوشبودار) تھا میں نے کہا کہ جبرئیل یہ کیا ہے جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہی وہ کوثر ہے جو اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطاء کی ہے۔

دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے بڑھ کر شیریں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ وہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے بڑھ کر شیریں ہے اس میں پرندے ہیں جن کی گردنیں اونٹوں کی گردنوں کی طرح ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر تو وہ بڑے لطیف ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ ان کا کھانا اس سے زیادہ لطیف ہے۔ (احمد و ترمذی)

نہر کوثر کی زمین:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی بیوی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت کے اندر ایک نہر دی گئی ہے جس کو کوثر کہا جاتا ہے فرمایا، ہاں اور اس کی زمین موتی، مونگے زبرجد اور یاقوت کی ہے (وہ اتنی بڑی ہے جیسے) ایلہ سے صنعا تک مسافت ہے اس کے کوزے ستاروں کی تعداد کے موافق ہیں۔ (طبرانی تفسیر مظہری)

> **فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝۲**
>
> سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی کر☆

عظیم انعام کا عظیم شکر یہ ادا کرو:

یعنی اتنے بڑے انعام واحسان کا شکر بھی بہت بڑا ہونا چاہیے تو چاہیے کہ آپ اپنی روح، بدن اور مال سے برابر اپنے رب کی عبادت میں لگے رہیں بدنی وروحی عبادات میں سب سے بڑی چیز نماز ہے اور مالی عبادات میں قربانی کی ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے کیونکہ قربانی کی اصل حقیقت جان کا قربان کرنا تھا۔ جانور کی قربانی کو بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی بناء پر اس کے قائم مقام کر دیا گیا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیٰ نبینا وعلیہم السلام کے

قصہ سے ظاہر ہے اسی لیے قرآن میں دوسری جگہ بھی نماز اور قربانی کا ذکر ساتھ ساتھ کیا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (انعام۔رکوع ۲۰)

(تنبیہ) بعض روایات میں "وَانْحَرْ" کے معنی سینہ پر ہاتھ باندھنے کے آئے ہیں۔مگر ابن کثیرؒ نے ان روایات میں کلام کیا ہے اور ترجیح اس قول کو دی ہے کہ "نحر" کے معنی قربان کرنے کے ہیں۔گویا اس میں مشرکین پر تعریض ہوئی کہ وہ نماز اور قربانی بتوں کے لیے کرتے تھے مسلمانوں کو یہ کام خالص خدائے واحد کے لیے کرنے چاہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سیدنا حمزہؓ کی بیوی کی مبارکباد:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے، آپ اس وقت گھر پر نہ تھے آپ کی بیوی صاحبہ جو قبیلہ بنونجار سے تھیں انہوں نے کہا یا نبی اللہ! وہ تو ابھی ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف گئے ہیں، شاید بنونجار میں رک گئے ہوں، آپ تشریف لائیے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے تو مائی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ملیدہ رکھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا۔مائی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خوش ہو کر فرمانے لگیں کہ خدا رچائے پچائے اچھا ہوا کہ خود تشریف لے آئے میں تو حاضر دربار ہونے کا ارادہ کر چکی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حوض کوثر عطا ہونے کی مبارکباد دوں۔مجھ سے ابھی ابھی حضرت ابو عمارہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس حوض کی زمین یاقوت اور مرجان اور زمرد اور موتیوں کی ہے۔اس کے ایک راوی حرام بن عثمان ضعیف ہیں لیکن واقعہ حسن ہے اور اصل تو تواتر سے ثابت ہو چکی ہے۔(تفسیر ابن کثیر)

نماز اور قربانی:

نماز بدنی اور جسمانی عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت ہے اور قربانی مالی عبادتوں میں اس بناء پر خاص امتیاز اور اہمیت رکھتی ہے کہ اللہ کے نام پر قربانی کرنا بت پرستی کے شعار کے خلاف ایک جہاد بھی ہے کیونکہ ان کی قربانیاں بتوں کے نام پر ہوتی تھیں۔اسی لئے قرآن کریم کی ایک اور آیت میں بھی نماز کے ساتھ قربانی کا ذکر فرمایا ہے

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اس آیت میں وانحر کے معنی قربان ہونا۔حضرت ابن عباس، عطاء، مجاہد اور حسن بصری وغیرہ سے مستند روایات میں ثابت ہے۔بعض لوگوں نے جو وانحر کے معنی نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کے بعض ائمہ تفسیر کی طرف منسوب کئے ہیں اس کے متعلق ابن کثیر نے فرمایا کہ روایت منکر (ناقابل اعتبار) ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

یعنی اللہ نے تم کو کوثر عطاء فرمائی اس کے شکریہ میں نماز پڑھو۔نماز کے اندر شکر کی ہر قسم موجود ہے زبان سے، دل سے اور ہاتھ پاؤں سے ہر طرح سے نماز میں شکر خدا ہوتا ہے بعض لوگوں نے کہا کہ صل سے مراد ہے نماز پر قائم رہو (ترک نہ کرو) مطلب یہ ہے کہ خلوص کے ساتھ محض رب کے لئے نماز پڑھو۔ان لوگوں کی طرح نماز نہ پڑھو جو غیر اللہ کے لئے پڑھتے اور قربانی کرتے ہیں یا دکھانے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔

وَانْحَرْ اور اونٹوں کی قربانی کرو۔عرب میں اونٹ سب سے اعلیٰ جانور شمار کیا جاتا تھا اور قربانی کے بعد گوشت و پوست وغیرہ غریبوں اور یتیموں کو دیدو ان لوگوں کی طرح نہ کرو جو یتیموں اور مسکینوں کو دھکے دیتے اور ماعون کو روک کر رکھتے ہیں۔اس تشریح کی بناء پر یہ سورت گویا سورت ماعون کے مقابل ہوگئی (وہاں مذمت آمیز ممانعت تھی اور یہاں ان مذموم چیزوں کے خلاف کرنے کا حکم ہے) عکرمہ، عطاء اور قتادہ نے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کی تفسیر میں کہا کہ نحر کے دن عید کی نماز پڑھو اور اپنی قربانی ذبح کرو۔اس تفسیر پر عید الاضحیٰ کی نماز اور قربانی واجب ہوگئی۔سعید بن جبیر نے اس طرح تشریح آیت کی کہ مزدلفہ میں فرض نماز پڑھو اور منا میں قربانی کرو۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿۳﴾ ع

بے شک جو دشمن ہے تیرا وہی رہ گیا پیچھا کٹا☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بے نام ونشان ہوئے:

بعض کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہتے تھے کہ اس شخص کے کوئی بیٹا نہیں بس زندگی تک اس کا نام ہے پیچھے کون نام لیگا۔ایسے شخص کو ان کے محاورات میں "ابتر" کہتے تھے "ابتر" اصل میں دم کٹے جانور کو کہتے ہیں جس کے پیچھے کوئی نام لینے والا نہ رہے گویا اس کی دم کٹ گئی قرآن نے بتایا کہ جس شخص کو اللہ خیر کثیر عنایت فرمائے اور ابد الآباد تک نام روشن کرے اسے "ابتر" کہنا پرلے درجہ کی حماقت ہے حقیقت میں "ابتر" وہ ہے جو ایسی مقدس ومقبول ہستی سے بغض وعناد اور عداوت رکھے اور اپنے پیچھے کوئی ذکر خیر اور اثر نیک نہ چھوڑے۔آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد ماشاء اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد سے دنیا پٹی پڑی اور جسمانی دختری

اولاد بھی بکثرت ملکوں میں پھیلی ہوئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار صالحہ عالم میں چمک رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد، نیک نام اور محبت وعقیدت کے ساتھ کروڑوں انسانوں کے دلوں کو گرما رہی ہے۔ دوست دشمن سب آپ کے اصلاحی کارناموں کا صدق دل سے اعتراف کر رہے ہیں۔ پھر دنیا سے گزر کر آخرت میں جس مقام محمود پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہونگے اور جو مقبولیت ومتبوعیت عامہ آپ کو علی رؤس الاشہاد حاصل ہوگی وہ الگ رہی کیا ایسی دائم البرکۃ ہستی کو (العیاذ باللہ) ''ابتر'' کہا جا سکتا ہے؟ اس کے مقابل اس گستاخ کو خیال کرو جس نے یہ کلمہ زبان سے نکالا تھا اس کا نام ونشان کہیں باقی نہیں، نہ آج بھلائی کے ساتھ اسے کوئی یاد کرنیوالا ہے یہ ہی حال ان تمام گستاخوں کا ہوا جنہوں نے کسی زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغض وعداوت پر کمر باندھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں گستاخی کی اور اسی طرح آئندہ ہوتا رہیگا۔ (تفسیر عثمانی)

عبرت: اب غور کیجئے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو حق تعالیٰ نے کیسی رفعت اور عظمت عطاء فرمائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے آج تک پوری دنیا کے چپہ چپہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک پانچ وقت اللہ کے نام کے ساتھ میناروں پر پکارا جاتا ہے اور آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کبریٰ کا مقام محمود حاصل ہوگا، اس کے بالمقابل دنیا کی تاریخ سے پوچھئے کہ عاص بن وائل، عقبہ، کعب کی اولادیں کہاں اور ان کا خاندان کیا ہوا۔ (معارف مفتی اعظم)

یعنی تمہارا دشمن ہی ابتر ہے۔ اسی کے پیچھے کوئی نہیں رہے گا مراد یہ ہے کہ اس کے بعد اس کا اچھا نام نہیں رہے گا بلکہ اللہ ملائکہ اور تمام آدمیوں کی لعنت اس پر پڑتی رہے گی۔

کعب بن اشرف یہودی کی باتیں:

بزاء وغیرہ نے صحیح سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ کعب بن اشرف (مدینہ کا یہودی) مکہ میں آیا تو قریش نے اس سے کہا کہ تم اہل مدینہ کے سردار ہو ذرا اس شخص کو تو دیکھو جو اپنی قوم سے الگ ہو گیا اور سب سے کٹ گیا اس کا خیال ہے کہ ہم مجرم ہیں باوجودیکہ ہم حاجیوں کے خدمت گزار ہیں ان کو پانی پلاتے ہیں اور کعبہ کے دربان ہیں کعب نے کہا تم اس سے بہتر ہو اس پر آیت إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ نازل ہوئی۔

عاص بن وائل کی دشمنی:

بغویؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے باہر تشریف لا رہے تھے اور عاص بن وائل اس وقت اندر داخل ہو رہا تھا دونوں کی ملاقات ہو گئی اور باب بنی سہم کے پاس (کھڑے ہوئے) گفتگو کرنے لگے۔ سرداران قریش اس وقت کعبہ کے اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ عاص جب اندر پہنچا تو قریش نے پوچھا کہ تم کس سے باتیں کر رہے تھے عاص نے کہا وہی ابتر تھا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کی (جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے) وفات ہو چکی تھی۔

محمد بن اسحاق نے یزید بن رومان کا قول نقل کیا ہے کہ عاص بن وائل جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرتا تھا تو کہتا اس کو چھوڑ دو وہ تو ابتر آدمی ہے اس کے پیچھے کوئی نسل نہیں ہے جب مر جائے گا تو اس کا ذکر بھی ختم ہو جائے گا اس پر اللہ نے یہ سورۃ نازل فرمائی۔

عاص کی نسل اس سے کٹ گئی:

عاص کے دونوں بیٹے جب مسلمان ہو گئے تو ان کا رشتہ باپ سے کٹ گیا یہاں تک کہ اس کے وارث بھی نہیں ہوئے وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ان کی مائیں ہو گئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہمیشہ رہے گا:

یعنی تمہارا دشمن ہی ابتر ہے تم ابتر نہیں ہو۔ تمہارا ذکر اللہ کے ذکر کے ساتھ ہمیشہ رہے گا اور قیامت تک تمہاری اچھی شہرت اور بزرگی کے نشانات باقی رہیں گے اور آخرت تمہارے لئے دنیا سے بہتر ہوگی اور تمہاری امت کے مومنوں کا ذکر ملائکہ اور مومنوں کی زبانوں پر رہے گا اور وہ اللھم اغفر للمؤمنین والمؤمنات کہتے رہیں گے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ الکافرون

جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے گا اس کو کافروں سے جہاد کی توفیق ہوگی۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَۃُ الْکٰفِرُوْنَ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ سِتُّ اٰیَاتٍ

سورۂ کافرون مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ ۝۱

تو کہہ اے منکرو ☆

شرک سے کلی بیزاری:

چند روسائے قریش نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم تم صلح کر لیں۔ کہ ایک سال تک آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کیا کریں پھر دوسرے سال ہم آپ کے معبود کو پوجیں اس طرح دونوں فریق کو ہر ایک کے دین سے کچھ نہ کچھ حصہ مل جائیگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی پناہ کہ میں اس کے ساتھ (ایک لمحہ کے لیے بھی) کسی کو شریک ٹھہراؤں کہنے لگے اچھا تم ہمارے بعض معبودوں کو مان لو (انکی مذمت نہ کرو) ہم تمہاری تصدیق کرینگے اور تمہارے معبود کو پوجیں گے اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی اور آپ نے ان کے مجمع میں پڑھ کر سنائی جس کا خلاصہ مشرکین کے طور وطریق سے بکلی بیزاری کا اظہار اور انقطاع تعلقات کا اعلان کرنا ہے بھلا انبیاء علیہم السلام جن کا پہلا کام شرک کی جڑیں کاٹنا ہے ایسی ناپاک اور گندی صلح پر کب راضی ہو سکتے ہیں۔ فی الحقیقت اللہ کے معبود ہونے میں تو کسی مذہب والے کو اختلاف ہی نہیں۔ خود مشرکین اس کا اقرار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم بتوں کی پرستش بھی اسی لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ سے نزدیک کر دینگے "مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى" (زمر۔ رکوع ۱) اختلاف جو کچھ ہے غیر اللہ کی پرستش میں ہے لہٰذا صلح کی جو صورت قریش نے پیش کی تھی اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ وہ تو برابر اپنی روش پر قائم رہیں یعنی اللہ اور غیر اللہ دونوں کی پرستش کیا کریں اور آپ اپنے مسلک توحید سے دستبردار ہو جائیں۔ اس گفتگو مصالحت کو ختم کرنے کے لیے یہ سورت اتاری گئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رات کا وظیفہ: مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت حارث بن جبلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیجئے کہ میں سونے کے وقت اسے پڑھ لیا کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو سونے کے لئے رات کو اپنے بستر پر جائے تو سورۃ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ پڑھ لیا کر، یہ شرک سے بیزاری ہے واللہ اعلم۔

طواف کے بعد کی نوافل کی قراءت:

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کے بعد دو رکعتوں میں قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ اور سورۂ اخلاص کو تلاوت فرمایا۔ (معارف کاندھلوی)

فجر ومغرب کی سنتوں کی قراءت:

حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فجر کی سنتوں میں پڑھنے کے لئے دو سورتیں بہتر ہیں۔ سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص۔ (رواہ ابن ہشام مظہری)

اور تفسیر ابن کثیر میں متعدد صحابہ سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کی سنتوں میں اور بعد مغرب کی سنتوں میں بکثرت یہ دو سورتیں پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ بعض صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمیں کوئی دعا بتا دیجئے کہ ہم سونے سے پہلے پڑھا کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ پڑھنے کی تلقین کی اور فرمایا کہ یہ شرک سے براءت ہے۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

شان نزول:

ابن اسحاق کی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل اور اسود بن عبد المطلب اور امیہ بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ آؤ ہم آپس میں صلح کر لیں کہ ایک سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بتوں کی عبادت کیا کریں گے اور ایک سال ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معبود کی۔ (قرطبی)

اور طبرانی کی ایک روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ ہے کہ کفار نے اول تو باہمی مصالحت کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ صورت پیش کی کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا مال دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارے مکہ میں سب سے زیادہ مالدار ہو جائیں اور جس عورت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں نکاح کر دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اتنا کریں کہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہا کریں اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی نہیں مانتے تو ایسا کریں کہ ایک سال ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معبود کی عبادت کیا کریں گے اور ایک سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے معبودوں کی عبادت کیا کریں۔ (مظہری)

اور ابو صالح کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ ہے کہ کفار مکہ

نے باہمی مصالحت کے لئے یہ صورت پیش کی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بتوں میں سے بعض کو صرف ہاتھ لگا دیں تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے لگیں گے، اس پر جبرئیل امین سورۂ کافرون لے کر نازل ہوئے جس میں کفار کے اعمال سے براءت اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم ہے۔

شان نزول میں جو متعدد واقعات بیان ہوئے ہیں ان میں کوئی تضاد نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

عبدالرزاق نے وہب رضی اللہ عنہ کی روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے کہ قریش نے کہا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہو کہ ایک سال ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں اور ایک سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین میں لوٹ آئیں (تو ہم ایسا کر سکتے ہیں)۔

ابن حاتم نے سعید کی روایت بیان کی ہے کہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب اور امیہ بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور کہا محمد آؤ تم اس کی پوجا کرو جس کو ہم پوجتے ہیں اور ہم اس کی پوجا کریں جس کو تم پوجتے ہو۔ اس تمام معاملہ میں ہم تم شریک ہو جائیں اس پر اللہ نے نازل فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

کافر، کافر کا وارث ہے:

حضرت امام شافعیؒ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ کفر ایک ہی ملت ہے، اس لئے یہودی نصرانی کا اور نصرانی یہود کا وارث ہو سکتا ہے جب کہ ان دونوں میں نسب یا سبب ورثے کا پایا جائے، اس لئے کہ اسلام کے سوا کفر کی جتنی راہیں ہیں وہ سب باطل ہونے میں ایک ہی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲﴾
میں نہیں پوجتا جس کو تم پوجتے ہو
وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ﴿۳﴾
اور نہ تم پوجو جس کو میں پوجوں ☆

دینی معاملات میں کافروں سے کوئی مفاہمت نہیں ہے:

یعنی خدا کے سوا جو معبود تم نے بنا رکھے ہیں میں فی الحال ان کو نہیں پوج رہا اور نہ تم اس احد وصمد خدا کو بلا شرکت غیرے پوجتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ نہ تو بالفعل ایسا ہو رہا ہے کہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں اور تم میرے معبود کی عبادت کرو، اور نہ آئندہ ایسا ہو سکتا ہے کہ میں اپنی توحید پر اور تم اپنے شرک پر قائم رہتے ہوئے ایک دوسرے کے معبود کی عبادت کریں۔ اسی تفسیر کو حکیم الامتؒ نے تفسیر بیان القرآن میں اختیار فرمایا ہے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرما دیا ہے جس میں کفار سے معاہدہ کو جائز قرار دینے کیساتھ ایک استثناء کا ارشاد ہے وہ یہ ہے **الا صلحاً احلّ حراماً او حرّم حلالاً**، یعنی ہر صلح جائز ہے بجز اس صلح کے جس کی رو سے اللہ کی حرام کی ہوئی کسی چیز کو حلال یا حلال کی ہوئی کسی چیز کو حرام قرار دیا گیا ہو (معارف مفتی اعظم)

میں کبھی ان بتوں کی پوجا نہیں کروں گا جن کی تم کرتے ہو، عبادت میں بالکل علیحدگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی عبادت سے الگ ہونا تو گفتگو کے زمانہ ہی میں ظاہر تھا اس لئے آیت میں فی الحال عبادت کی نفی نہیں ہے بلکہ آئندہ زمانہ میں عبادت میں متفق بننے کی نفی ہے کیونکہ وہ لوگ آئندہ زمانہ میں مشترک عبادت کے خواہشمند تھے۔ (تفسیر مظہری)

مقصود دونوں قسم کی نفی ہے اتحاد معبود کی بھی اور اتحاد عبادت کی بھی۔ (مظہری)

وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ﴿۴﴾
اور نہ مجھ کو پوجنا ہے اُس کا جس کو تم نے پوجا
وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ﴿۵﴾
اور نہ تم کو پوجنا ہے اُس کا جس کو میں پوجوں ☆

توحید و شرک جمع نہیں ہو سکتے:

یعنی آئندہ بھی میں تمہارے معبودوں کو کبھی پوجنے والا نہیں اور نہ تم میرے معبود واحد کی بلا شرکت غیرے پرستش کرنیوالے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ میں موحد ہو کر شرک نہیں کر سکتا نہ اب نہ آئندہ اور تم مشرک رہ کر موحد نہیں قرار دیئے جا سکتے نہ اب نہ آئندہ۔ جلسہ اس تقریر کے موافق آیتوں میں تکرار نہیں رہی (تنبیہ) بعض علماء نے یہاں تکرار کو تاکید پر حمل کیا ہے اور بعض نے پہلے دو جملوں میں حال و استقبال کی نفی اور اخیر کے دو جملوں میں ماضی کی نفی مراد لی ہے کما صرح بہ الزمخشری اور بعض نے پہلے جملوں میں حال کا اور اخیر کے جملوں میں استقبال کا ارادہ کیا ہے **کما یظھر من الترجمۃ**۔ لیکن بعض محققین نے پہلے دو جملوں میں "مَا" کو موصولہ اور دوسرے دونوں جملوں میں "مَا" کو مصدریہ لے کر یوں تقریر کی ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان نہ معبود میں اشتراک ہے نہ طریق عبادت میں تم بتوں کو پوجتے ہو وہ میرے معبود نہیں میں اس خدا کو پوجتا ہوں جس کی شان وصفت میں کوئی شریک نہ ہو سکے ایسا خدا تمہارا معبود نہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس تم جس طرح عبادت کرتے ہو مثلاً ننگے ہو کر کعبہ کے گرد ناچنے لگے یا ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجانے لگے

میں اس طرح کی عبادت کرنیوالا نہیں۔ اور میں جس شان سے اللہ کی عبادت بجالاتا ہوں تم کو اس کی توفیق نہیں لہٰذا میرا اور تمہارا راستہ بالکل الگ الگ ہے اور احقر کے خیال میں یوں آتا ہے کہ پہلے جملے کو حاد استقبال کی نفی کے لیے رکھا جائے یعنی میں اب یا آئندہ تمہارے معبودوں کی پرستش نہیں کرسکتا جیسا کہ تم مجھ سے چاہتے ہو اور ''وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ'' کا مطلب (بقول حافظ ابن تیمیہؒ) یہ لیا جائے کہ (جب میں خدا کا رسول ہوں تو) میری شان یہ نہیں اور نہ کسی وقت مجھ سے ممکن ہے (بامکان شرعی) کہ شرک کا ارتکاب کروں حتیٰ کہ گزشتہ زمانہ میں نزول وحی سے پہلے بھی جب تم سب پتھروں اور درختوں کو پوج رہے تھے میں نے کسی غیر اللہ کی پرستش نہیں کی پھر اب اللہ کی طرف سے نور وحی و بینات وہدیٰ وغیرہ آنے کے بعد کہاں ممکن ہے کہ شرکیات میں تمہارا ہمنوا ہو جاؤں شاید اسی لیے یہاں ''وَلَآ اَنَا عَابِدٌ'' میں جملہ اسمیہ اور ''مَا عَبَدْتُّمْ'' میں صیغہ ماضی کا عنوان اختیار فرمایا رہا کفار کا حال اس کا بیان دونوں مرتبہ ایک ہی عنوان سے فرمایا ''وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ'' یعنی تم لوگ تو اپنی سوء استعداد اور انتہائی بدبختی سے اس لائق نہیں کہ کسی وقت اور کسی حال میں خدائے واحد کی بلاشرکت غیرے پرستش کرنے والے بنو۔ حتیٰ کہ عین گفتگو صلح کے وقت بھی شرک کا دم چھلا ساتھ لگائے رکھتے ہو اور ایک جگہ ''مَا تَعْبُدُوْنَ'' بصیغہ مضارع اور دوسری جگہ ''مَا عَبَدْتُّمْ'' بصیغہ ماضی لانے میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ ان کے معبود ہر روز بدلتے رہتے ہیں جو چیز عجیب سی نظر آئی یا کوئی خوبصورت سا پتھر نظر پڑا اس کو اٹھا کر معبود بنا لیا اور پہلے کو رخصت کیا۔ پھر ہر موسم کا ہر اور کام کا جدا معبود ہے ایک سفر کا، ایک حضر کا، کوئی روٹی دینے والا، کوئی اولاد دینے والا، وقس علیٰ ہذا۔ حافظ شمس الدین ابن قیمؒ نے بدائع الفوائد میں اس سورت کے لطائف ومزایا پر بہت نفیس کلام کیا ہے جس کو معارف قرآنی کا شوق ہو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ﴿٦﴾

تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ☆

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''یعنی تم نے جو ضد باندھی اب سمجھانا کیا فائدہ کریگا جب تک اللہ فیصلہ کرے'' اب ہم تم سے بکلی بیزار ہو کر اسی فیصلہ کے منتظر ہیں۔ اور جو دین قویم اللہ نے ہم کو مرحمت فرمایا ہے اس پر نہایت خوش ہیں تم نے اپنے لیے بدبختی سے جو روش پسند کی وہ تمہیں مبارک رہے ہر ایک فریق کو اس کی راہ وروش کا نتیجہ مل رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

سورۂ کافرون کی فضیلت:

حضرت انسؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت کردہ حدیث میں اذا زلزلت کی تفسیر کے ذیل میں بیان کیا جا چکا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ (ثواب میں) چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑی اچھی ہیں وہ دونوں سورتیں جو فجر (کے فرض) سے پہلے والی دو (سنت) رکعتوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ الکافرون اور الاخلاص۔ (رواہ ابن ہشام)

فروہؓ بن نوفل بن معاویہؓ کا بیان ہے کہ میرے باپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیجئے کہ میں بستر پر جانے سے پہلے پڑھ لیا کروں فرمایا قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ پڑھ لیا کرو۔ یہ شرک سے بیزاری کا ظہار ہے۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی)

سفر کا وظیفہ:

حضرت جبیرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جبیر کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ جب تو سفر میں ہو تو تیری پوزیشن سب ساتھیوں سے اعلیٰ ہو اور تیرے پاس زاد راہ سب سے زیادہ ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔ فرمایا کہ تو یہ پانچوں سورتیں پڑھا کر قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ہر سورت کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کر اور قراءت کو بسم اللہ پر ہی ختم کر۔ حضرت جبیرؓ کا بیان ہے کہ میں تھا تو بڑا دولت مند اور مالدار، لیکن سفر کو جاتا تھا تو سفر میں میری پوزیشن بڑی فرسودہ ہو جاتی تھی اور زاد راہ بہت کم ہو جاتا تھا لیکن جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان سورتوں کی تعلیم دی اور میں نے ان کو پڑھا (سفر میں) میری پوزیشن سب سے اعلیٰ ہونے لگی اور زاد راہ سب سے زیادہ ہونے لگا اور سفر سے واپسی تک میری یہی حالت رہتی تھی۔ (رواہ ابو یعلی)

بچھو کے کاٹنے کا علاج:

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بچھو نے کاٹ لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی اور نمک منگوایا (نمکین پانی سے دھارا) اور قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ کر کاٹنے کی جگہ پر ہاتھ پھرتے رہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

لکم دینکم کا مطلب:

صحیح یہ ہے کہ یہاں لَكُمْ دِيْنُكُمْ کا یہ مطلب نہیں کہ کفار کو کفر کی اجازت یا کفر پر برقرار رکھنے کی ضمانت دیدی گئی بلکہ اس کا حاصل وہی ہے جو لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ (معارف مفتی اعظم)

سورۃ النصر

جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو دشمنوں پر مدد دے گا نیز اس سورۃ کے پڑھنے والے کے جلد وفات کی دلیل ہے کیونکہ یہ سورہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہوئی تھی (یعنی اس کے نزول کے بعد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تھی ۱۲ مترجم) اور ایک شخص نے ابن سیرینؒ سے عرض کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ گویا میں سورہ نصر پڑھ رہا ہوں تو امام نے اس سے فرمایا کہ تجھ کو وصیت کرنی چاہیے کہ تیری موت قریب آ گئی اس نے عرض کیا کہ یہ کیوں تو آپ نے فرمایا کہ یہ اس لئے کہ یہ آخری سورۃ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آسمان سے نازل ہوئی ہے (ابن سیرین)

سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُ اٰيَاتٍ
سورۂ نصر مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی تین آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے
اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝۱
جب پہنچ چکے مدد اللہ کی اور فیصلہ ☆

فتح مکہ کی اہمیت:

بڑی فیصلہ کن چیز یہ تھی کہ مکہ معظمہ (جو گویا زمین پر اللہ کا دارالسلطنت ہے) فتح ہو جائے اسی پر اکثر قبائل عرب کی نظریں لگی ہوئی تھیں اس سے پہلے ایک ایک دو دو آدمی اسلام میں داخل ہوتے تھے فتح مکہ کے بعد جوق در جوق داخل ہونے لگے حتیٰ کہ سارا جزیرہ عرب اسلام کا کلمہ پڑھنے لگا اور جو مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تھا پورا ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی پیش گوئی:

ایک روایت میں ہے کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا اور فرمایا کہ اے فاطمہ مجھے خبر رحلت دے دی گئی ہے۔ جس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیقرار ہو کر رونے لگیں۔ اس کیفیت کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پھر فرمایا کہ اے فاطمہ! تو میرے گھرانہ میں سب سے پہلے وہ ہے جو مجھ سے ملے گی۔ جس پر فاطمہ ہنسنے لگیں۔ (رواہ البخاری و مسلم)

اور پھر یہ راز رکھا حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی باوجود اصرار کے نہ بتایا۔ تا آنکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوگئی تو اس کا اظہار کیا۔ (صحیح بخاری و مسلم۔ تفسیر ابن کثیر)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا علم:

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ مجھ کو بدر کے بزرگوں میں شمار اور داخل فرماتے۔ تو بعض بزرگ صحابہ کو خیال گزرا اور کہنے لگے کہ یہ کیا بات ہے۔ حالانکہ ہمارے بیٹے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے برابر ہیں۔ تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سب حضرات صحابہ سے اس سورۃ کا مطلب دریافت کیا۔ جس پر کسی نے ظاہری مطلب بیان کر دیا اور کسی نے سکوت اختیار کر دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ اے ابن عباس رضی اللہ عنہ! کیا تم بھی اس کا یہی مطلب سمجھتے ہو؟ جواب دیا نہیں یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر ہے۔ تو اس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عباس کی علمی عظمت کو ظاہر فرمایا۔ (معارف کاندھلوی)

حیات مبارکہ کے آخری اسّی روز کی وحی:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ سورۃ حجۃ الوداع میں نازل ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اس کے بعد آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ نازل ہوئی ان دونوں کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں صرف اسی روز رہے (اسی روز کے بعد وفات ہوگئی) ان دونوں کے بعد آیت کلالہ نازل ہوئی جس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے کل پچاس دن رہ گئے تھے اس کے بعد لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ الآیہ نازل ہوئی جس کے بعد عمر شریف کے کل پینتیس روز باقی رہ گئے اس کے بعد اِتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ نازل ہوئی جس کے بعد صرف اکیس روز اور مقاتل کی روایت میں صرف سات روز کے بعد وفات ہوگئی۔ (قرطبی)

یہ سورۃ سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ رونے لگے:

متعدد احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ میں ہے کہ اس سورۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آ جانے کی طرف اشارہ ہے کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دنیا میں قیام کا کام پورا ہو چکا اب تسبیح و استغفار میں لگ جایئے مقاتل کی روایت میں ہے کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع کے سامنے اس کی تلاوت فرمائی جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وغیرہ موجود تھے سب سن کر خوش ہوئے کہ اس میں فتح مکہ کی خوشخبری ہے مگر حضرت

عباس رضی اللہ عنہ رونے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ رونے کا سبب کیا ہے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اس میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر مضمر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی مضمون روایت کیا ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا کہ اس سورت کے مفہوم سے میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح۔قرطبی، معارف مفتی اعظم)

فتح مکہ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی لڑائی:

معمر نے بحوالہ زہری بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں داخل ہوئے تو فتح (سے پہلے) خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو کچھ ساتھیوں کیساتھ مکہ کے نشیبی حصہ میں مامور کر دیا مگر قریش کی کچھ جماعتوں نے خالد رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کیا آخر اللہ تعالیٰ نے ان کو شکست نصیب کی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب الحکم قتال بند کر دیا گیا اور قریش دین اسلام میں داخل ہو گئے اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ (اخرجہ عبدالرزاق فی مصنفہ)

فتح کا وعدہ:

طبرانی نے ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے دن فرمایا کہ یہ وہی ہے جس کا وعدہ میرے رب نے مجھ سے فرمایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کی تلاوت فرمائی۔

معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی:

اصحاب اخبار نے فتح کا قصہ اس طرح لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال قریش سے دس سال کے لئے صلح کر لی تھی جس کی شرط یہ تھی کہ اس مدت کے اندر لوگ امن سے رہیں گے اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف ہونا چاہیں گے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدہ میں ہوں گے اور جو لوگ قریش کے حلیف ہونا چاہیں گے وہ قریش کے معاہدہ میں ہوں گے چنانچہ بنی بکر قریش کے معاہدہ میں داخل ہو گئے اور بنی خزاعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف ہو گئے بکر اور خزاعہ میں پرانی جنگ تھی کچھ مدت کے بعد بنی بکر کی ایک شاخ بنی نفاثہ نے بنی خزاعہ پر زیادتی کی اور بنی نفاثہ کے قبیلہ نوفل بن معاویہ دیلمی نے مکہ کے نشیبی حصہ میں بمقام وتیر بنی خزاعہ پر شبخون مارا یہاں تک کہ بنی خزاعہ حرم میں داخل ہو گئے تب بھی قبیلہ نوفل نے قتال جاری رکھا۔ قریش نے ہتھیاروں سے بنی بکر کی مدد کی بلکہ صفوان بن امیہ عکرمہ بن ابی جہل، سہیل بن عمرو، شیبہ بن عثمان، خویطب بن عبدالعزیٰ اور کچھ دوسرے لوگ اپنے غلاموں سمیت رات کے وقت چھپ کر بنی بکر کی طرف سے لڑائی میں بھی شریک ہوئے، لڑائی کے بعد قریش کو عہد شکنی پر پشیمانی ہوئی اور ایک نے دوسرے کو ملامت کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی طرف سے عہد شکنی کی پیش گوئی فرما دی تھی:

ادھر لڑائی کے بعد عمرو بن سالم خزاعی چالیس سواروں کو ساتھ لے کر بنی خزاعہ پر واقع ہونے والی مصیبت کی اطلاع دینے اور مدد مانگنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو کے پہنچنے سے پہلے ہی بنی نفاثہ اور بنی خزاعہ کی جنگ کی اطلاع دیدی تھی اور فرمایا تھا کہ جو کام خدا کو مقصود ہے اس کی تکمیل کے لئے قریش عہد شکنی کریں گے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ مسلمانوں کے لئے خیر ہوگی؟ فرمایا خیر ہوگی۔

محمد بن عمرو نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے اور طبرانی نے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے (واقعہ) اسی طرح بیان کیا ہے۔ غرض جب عمرو بن سالم خزاعی نے حاضر ہو کر اطلاع دی (اور مدد کا طلب گار ہوا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چادر کھینچتے ہوئے اٹھے اور فرمایا کہ اے عمرو اگر میں تیری مدد اس (قوت) کے ساتھ نہ کروں جس (قوت) سے اپنی مدد کرتا ہوں تو (خدا کرے) کہ میری مدد نہ کی جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قریشیوں کو پیغام:

یہ واقعہ ماہ رمضان کا ہے جب صلح حدیبیہ کو بائیس ماہ گزرے تھے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قریش کے پاس یہ پیغام پہنچانے کے لئے بھیجا کہ تین باتوں میں سے ایک بات قریش کو اختیار کر لینا چاہیے یا بنی خزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کریں۔ (کل تیرہ آدمی مقتول ہوئے تھے) یا جن لوگوں نے یعنی بنی نفاثہ نے معاہدہ صلح کی خلاف ورزی کی ہے ان کو اپنا حلیف ہونے سے خارج کر دیں (یعنی بنی نفاثہ سے محالفہ ختم کر دیں تاکہ مسلمان ان سے بنی خزاعہ کا انتقام لیں) یا حدیبیہ والے معاہدہ صلح کو یک قلم منسوخ کر دیا جائے۔

صلح حدیبیہ کی منسوخی:

یہ پیغام سن کر قریش کی رائیں باہم مختلف ہو گئیں آخر کار معاہدہ کو منسوخ کر دینے پر سب متفق ہو گئے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ فسخ معاہدہ کی خبر لے کر واپس آ گئے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مشورے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے صلح اور نرمی کا مشورہ دیا اور عرض کیا کہ وہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم والے ہیں یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خیال ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے مشورے پر چلیں گے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنگ کا مشورہ دیا اور عرض کیا کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر اور کاہن اور بڑا دروغ گو کہا وہ کفر کے سردار ہیں۔ قریش نے جو جو باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گزشتہ زمانہ میں کہیں تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ سب کچھ کہا اور کوئی بات بغیر ذکر کئے نہیں چھوڑی اور عرض کیا کہ جب تک اہل مکہ اطاعت نہیں کریں گے عرب اطاعت نہیں کریں گے۔

جنگ کی تیاریاں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کو اختیار کیا اور خفیہ تیاری شروع کر دی اور عرب کو لڑائی میں شریک ہونے پر آمادہ کیا چنانچہ قبائل اسلم، غفار، مزینہ، اشجع، اور سلیم آ گئے۔ کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ ہی میں پہنچ گئے اور کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے بعد رستہ میں آ ملے۔ کل مسلمان ایک روایت میں دس ہزار اور دوسری روایت میں بارہ ہزار تھے۔ دونوں روایتوں کے اختلاف کو اس طرح دور کیا جا سکتا ہے کہ مدینہ سے روانگی کے وقت دس ہزار ہوں گے اور راستہ میں قبائل کے مل جانے کی وجہ سے بارہ ہزار ہو گئے ہوں گے۔

قریش کی پشیمانی اور ابوسفیان کی ناکام سفارت:

آخر قریش فسخ معاہدہ پر پشیمان ہوئے اور ابوسفیان کو بھیجا۔ ابوسفیان اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچا اور جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بستر کو لپیٹ دیا اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے۔ ابوسفیان بولا۔ بیٹی خدا کی قسم میرے بعد تجھ میں خرابی آ گئی ہے۔ ام المومنین نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے اسلام کی ہدایت فرمادی ہے مگر ابا جان آپ قریش کے سردار ہیں اور آپ پتھروں کو پوجتے ہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اسلام میں داخل ہونے کی ضرورت آپ سے کس طرح ساقط ہو سکتی ہے ابوسفیان ام المومنین کے پاس سے اٹھ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ گفتگو کی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہیں دیا۔ پھر ابوسفیان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا اور کچھ گفتگو کی اور درخواست کی کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری سفارش کر دیجئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایسا نہیں کر سکتا پھر ابوسفیان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جا کر کچھ بات کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر درہ (کوڑا) ہی میرے پاس ہو (کوئی اور ہتھیار مجھے نصیب نہ ہو) تب بھی میں تم سے درہ لے کر ہی لڑوں گا۔ آخر ابو سفیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حسن موجود تھے ابوسفیان نے کہا علی رضی اللہ عنہ تم سے میرا رشتہ سب سے زیادہ قریب کا لگتا ہے تم میرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کر دو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ارے ابوسفیان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پختہ ارادہ کر چکے ہیں کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اب اس سلسلہ میں بات نہیں کر سکتا ابوسفیان نے حضرت سیدہ کی طرف رخ کیا اور عرض کیا آپ ہی اپنے والد سے کہہ دیجئے کہ وہ لوگوں کے ٹوٹے ہوئے تعلقات کو جوڑ دیں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی انکار کر دیا۔

ابوسفیان کی بے بسی:

آخر بوسفیان بولا ابوالحسن اب میرے لئے معاملہ سخت ہو گیا آپ مجھے کوئی اچھا مشورہ دیدیں کہ اب میں کیا کروں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارے لئے کوئی فائدہ رساں بات میری سمجھ میں تو نہیں آتی البتہ تم بنی کنانہ کے سردار ہو تم لوگوں کے مجمع میں کھڑے ہو کر کہہ دو کہ میں لوگوں میں امن (ہونے کا اعلان) کرتا ہوں ابوسفیان نے کہا کیا یہ بات میرے لئے فائدہ مند ہو گی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میری سمجھ میں تو اس کے علاوہ کوئی بات نہیں آتی ابوسفیان نے مسجد میں جا کر کہہ دیا لوگو! میں نے لوگوں کے لئے امن جاری کر دی یہ کہہ کر اونٹ پر سوار ہو کر چل دیئے اور قریش کے پاس پہنچ کر پورا قصہ بیان کر دیا قریش نے کہا خدا کی قسم علی رضی اللہ عنہ نے تمہارے ساتھ صرف دل لگی کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ابن مکتوم کو یا ابوذر غفاری کو اپنا جانشین بنایا موخر الذکر کا قول صحیح ہے۔ (رواہ الطبرانی)

اور بدھ کے دن دس رمضان آٹھ ہجری کو مدینہ سے برآمد ہوئے اور دعا کی یا الٰہی جاسوسوں اور خبروں کو قریش سے روک دے ان کو میری روانگی اور تیاری کی اطلاع نہ ہو۔

حاطب بن بلتعہ کا خط:

بخاری نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اور زبیر مقداد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مامور کیا اور فرمایا کہ تم تیزی کے ساتھ آگے جاؤ اور بستان خاخ پر پہنچو وہاں ایک عورت اونٹ پر سوار ملے گی اور اس کے پاس ایک خط ہے وہ خط اس سے حاصل کر لو حسب الحکم ہم گھوڑوں کو تیز دوڑاتے ہوئے چل دیئے اور بستان خاخ پر پہنچے تو وہ عورت مل گئی ہم نے اس سے کہا کہ خط نکال، عورت نے کہا کہ میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے ہم نے کہا یا تو خط نکال دے ورنہ کپڑے اتار دے مجبوراً اس نے اپنے چونڈے سے خط نکال دیا ہم خط لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ خط حاطب بن بلتعہ کی جانب سے مشرکین مکہ کے نام تھا جس میں حاتم نے مشرکین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض امور کی اطلاع دی تھی۔

حضرت حاطب کا عذر:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حاطب یہ کیا ہے حاطب نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ پر ناراض ہونے میں عجلت نہ فرمایئے میری گزارش سن لیجئے۔ بات یہ ہے کہ میں قریش میں پرکٹا، (اجنبی ،مستامن) تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو دوسرے مہاجرین ہیں ان کے رشتہ دار مکہ میں موجود ہیں جو ان کے مال وعیال کے نگران ہیں مگر میرا وہاں کوئی رشتہ دار نہیں ہے اس لئے میں نے چاہا جب میرا کوئی رشتہ دار نہیں ہے تو کوئی ایسی بات (قریش کے لئے مفید) کر دوں کہ وہ میرے اہل وعیال کی حفاظت کر دیں میں نے یہ حرکت اسلام سے مرتد ہو کر اور کفر کو اختیار کر کے نہیں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا اس نے سچ بات کہہ دی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن مار دوں فرمایا عمر رضی اللہ عنہ یہ بدر میں شریک تھا اور تم نہیں جانتے کہ بدریوں کے احوال کو جان کر ہی اللہ اہل بدر کے متعلق فرما چکا ہے کہ جو کچھ چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں اور اللہ نے آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ...... سَوَآءَ السَّبِيْلِ تک نازل فرمائی۔

سفر میں روزہ کھولنے کی رخصت:

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی روزے رکھے لیکن کدید پر پہنچنے کے بعد کے افطار کر لیا اور صحابہ نے بھی روزے کھول دیئے پھر ماہ ختم تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ نہیں رکھا۔

حضرت عباس ابوسفیان بن حارث اور دیگر حضرات کا مسلمان ہونا

عباس بن عبدالمطلب مکہ میں حاجیوں کو پانی پلانے کے ذمہ دار تھے اور مکہ میں ہی مقیم تھے لیکن مکہ کو چھوڑ کر پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بمقام جحفہ حاضر ہو گئے تھے اور عباس کے چچا کا بیٹا ابوسفیان بن حارث اور ابوسفیان کا بیٹا جعفر مقام ابواء میں آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ ملے اور مسلمان ہو گئے دوسری روایت میں آیا ہے کہ ابوسفیان بن حارث اور عاتقہ کا بیٹا عبداللہ بن امیہ جب مقام ابواء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور فرمایا میری ان سے کوئی غرض نہیں انہوں نے میری عزت برباد کی ہے اور مجھے جو کچھ کہا ہے وہ کہا ہے ان دونوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف رجوع کیا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کی سفارش کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دیدی۔

جھنڈوں کی تقسیم:

پھر کدید میں پہنچ کر جھنڈوں پر پرچم باندھے اور قبائل کو جھنڈے تقسیم کئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا پھر عشاء کے وقت مقام مرالظہر ان میں اترے۔

قریش کے جاسوس:

قریش کو ان واقعات کی اطلاع اس وقت تک بالکل نہیں پہنچی تھی اسی شب میں ابوسفیان بن حرب اور حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقہ تجسس احوال کے لئے مکہ سے نکلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مختلف مقامات میں آگ روشن کرنے کا حکم دیا حسب الحکم دس ہزار جگہ آگ جلائی گئی گویا ہر شخص نے اپنی قیام گاہ پر آگ جلائی گویا اس سے مراد یہ تھی کہ دیکھنے والوں کو لشکر کی کثرت تعداد معلوم ہو جائے۔

حضرت عباس کی پیش گوئی:

عباس بن مطلب نے اسی رات کہا تھا آہ، قریش کی صبح بری ہوگی خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں زبردستی داخل ہو گئے تو ہمیشہ کے لئے قریش کی تباہی ہو جائے گی یہ کہہ کر خچر پر سوار ہو کر نکلے تاکہ کوئی لکڑ ہارا یا دودھ والا یا کسی اور کام کو مکہ میں جانے والا اگر مل جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام فرما ہونے کی اطلاع قریش کو بھجوا دیں تاکہ قریش پہلے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے امان مانگ لیں اتنے میں ابوسفیان کی آواز کانوں میں آئی جو کہہ رہا تھا کہ خدا کی قسم آج رات کی طرح میں نے آگ نہیں دیکھی (یعنی کثیر مقامات پر یکدم فوجیوں کے پڑاؤ پر اتنی کثرت سے آگ نہیں دیکھی)

ابوسفیان کا بچاؤ:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ارے ابوسفیان یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی فوج لیکر آ گئے ہیں کہ تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے ابوسفیان نے کہا پھر کیا تدبیر ہو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ابوسفیان اگر تو پکڑا گیا تو تیری گردن مار دی جائے گی اس لئے مناسب یہ ہے کہ میرے خچر کے پیچھے سوار ہو جا میں تجھے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ جاؤں گا وہاں تو امان مانگ لینا چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو لے کر پڑاؤ کی طرف لوٹ پڑے اور جس طرف سے گزرتے لوگ ان کو دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر سوار ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جوش:

آخر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فرودگاہ کی طرف سے گزرے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو دیکھا تو فوراً کھڑے ہو گئے اور بولے یہ اللہ کا دشمن ابوسفیان ہے شکر ہے خدا کا کہ بغیرہ معاہدہ وپیمان کے اللہ نے اس پر قابو دیدیا اور یہ

کہہ کر مارنے دوڑے حضرت عباس رضی اللہ عنہ تیزی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑے اور ابوسفیان کو لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ پیچھے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم یہ سلوک صرف اس وجہ سے کر رہے ہو کہ ابوسفیان قبیلہ عبدالمناف کا ہے اگر بنی کعب میں سے ہوتا تو تم یہ بات نہ کہتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا عباس رضی اللہ عنہ سختی نہ اختیار کیجئے جس روز آپ مسلمان ہوئے تو آپ کا اسلام مجھے اپنے باپ خطاب کے اسلام سے بھی زیادہ پیارا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عباس رضی اللہ عنہ اس کو اپنے پڑاؤ پر لے جاؤ۔ عباس رضی اللہ عنہ لے گئے۔

ابوسفیان کا اسلام لانا:

صبح کو پھر ابوسفیان کو لے کر خدمت گرامی میں پہنچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ارے ابوسفیان کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تجھے لا الہ الا اللہ کا یقین آ جائے ابوسفیان نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی حلیم کریم اور ٹوٹے رشتوں کو جوڑنے والے ہیں خدا کی قسم میرا خیال ہے کہ اگر خدا کی موجودگی میں کوئی دوسرا خدا ہوتا تو اب کچھ کر سکتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ارے ابوسفیان کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تجھے میرے رسول خدا ہونے کا یقین آ جائے ابوسفیان نے کہا میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر تحمل والے کرم کرنے والے اور خاندان سے اچھا سلوک کرنے والے ہیں لیکن یہ رسالت تو اس کے متعلق میرے دل میں ابھی کچھ تردد ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ارے مسلمان ہو جا قبل اس کے کہ تیری گردن ماری جائے۔ لا الہ الا اللہ کی شہادت دے دے اس پر ابوسفیان نے کلمہ توحید پڑھ لیا اور مسلمان ہو گیا۔ حکیم اور بدیل ابوسفیان سے پہلے ہی اسلام لا چکے تھے۔

ابوسفیان کی گرفتاری کی دوسری روایت:

یہ روایت اسحاق بن راہویہ کی سند صحیح کے ساتھ ہے لیکن طبرانی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اللہ کے بندو ابوسفیان اراک (پیلو) کے درختوں میں ہے اس کو وہیں پکڑ لو ابن ابی شیبہ نے لکھا ہے کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصاری باڈی گارڈ نے پکڑ لیا تھا اور اس روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی محافظ دستہ میں تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو بند کر دو حسب الحکم لوگوں نے ابوسفیان کو صبح تک بند رکھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امن کا اعلان:

ابن ابی شیبہ کی یہ بھی روایت ہے کہ ابوسفیان نے کہا تھا کہ مجھے عباس رضی اللہ عنہ کا پتہ بتاؤ۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ان میں عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے جو ابو سفیان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں چلا گیا اس کو امان ہے اور جو کعبہ میں داخل ہو گیا اس کو امان ہے اور جس نے اپنا دروازہ بند کر لیا اس کو امان ہے اس فرمان کے بعد ابوسفیان نے کعبہ کے اندر چیخ کر کہا اے گروہ قریش یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم پر اتنی طاقت لے آئے ہیں جس کا مقابلہ تم نہیں کر سکتے (پھر) امان کی جو خبر ابوسفیان لائے تھے اس کو بیان کیا لوگ یہ اعلان سن کر منتشر ہو گئے کچھ اپنے اپنے گھروں میں چل دیئے اور کچھ کعبہ میں داخل ہو گئے۔

حملہ کا آغاز:

جب حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقہ مسلمان ہو گئے اور بیعت کر لی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قریش کو دعوت اسلام دینے کے لئے اپنے سامنے بھیج دیا اور زبیر رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دے کر مہاجرین اور انصار کے سواروں کا امیر بنا کر روانہ کر دیا اور حکم دے دیا کہ بالائی مکہ میں حجون کے مقام پر پہنچ کر جھنڈے کو نصب کریں اور حکم کے بغیر وہاں سے نہ ہٹیں اسی جگہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مکہ میں داخل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خیمہ لگایا گیا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم ملا کہ وہ بنی قضاعہ اور بنی سلیم کے مسلمانوں کے ساتھ نشیبی مکہ سے داخل ہوں نشیبی مکہ میں بنی بکر موجود تھے کیونکہ قریش اور حارث بن عبدالمناف کی اولاد اور مختلف قبائل کے لوگوں نے بنی بکر کو مکہ سے نکال دیا تھا اور حکم دیا تھا کہ نشیبی حصہ میں جا کر رہیں خالد رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کو بھیجنے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیدیا تھا کہ جو تم سے نہ لڑے اس سے نہ لڑنا۔

سعد بن عبادہ کو جھنڈا دے کر حکم دیا تھا کہ کچھ لوگوں کو لے کر کداء سے مکہ میں داخل ہوں۔ سعد جب مکہ میں داخل ہونے کے لئے چلے تو کہنے لگے آج جنگ کا دن ہے آج ممنوع بھی حلال ہے ایک مہاجر نے یہ بات سن لی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنیئے تو سعد بن عبادہ کیا کہہ رہے ہیں قریش پر یہ شوکت ان کو کہاں سے حاصل ہو گئی اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم جھنڈا لے لو اور جھنڈا لے کر (کداء کے راستہ سے مکہ میں) داخل ہو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لے لیا اور لے جا کر رکن پر نصب کر دیا۔

قریش کی طرف سے مزاحمت:

ابو یعلی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا مجھے دیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں دو جھنڈوں کے ساتھ داخل ہوئے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے پہلے بالائی مکہ میں نہیں پہنچے تھے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب نشیبی مکہ سے داخل ہونا چاہا تو وہاں قریش وغیرہ جو موجود تھے انہوں نے مزاحمت کی اور خالد رضی اللہ عنہ کو ساتھیوں سمیت ہتھیار اٹھا کر چلنے سے روکا اور تیر مارے اور کہنے

لگے کہ ان کو زبردستی داخل نہ ہونے دو۔

مشرکین کی شکست:

خالد نے اپنے ساتھیوں کو چیخ کر آواز دی اور مشرکوں سے جنگ کی، چوبیس قریشی اور چار بنی ہذیل کے آدمی مارے گئے ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ بارہ یا تیرہ مشرک مارے گئے اور سخت شکست کھائی ہر طرف بھاگنے لگے یہاں تک کہ سینہ اور حلق کی سوزش کی وجہ سے کچھ مارے گئے اور کچھ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔

مسلمان شہداء:

مسلمانوں میں سے قبیلہ جہینہ کا صرف ایک مارا گیا جس کا نام سلمہ بن میلاء تھا یہ خالد کے سواروں میں سے تھا اور کرز بن جابر فہری اور حریش بن خالد بن ربیعہ بھی خالد کے سواروں میں سے مارے گئے یہ دونوں خالد کے راستہ سے بچھڑ گئے تھے اور الگ راستہ پر چل دیئے دونوں مارے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرداروں کو حکم دے دیا تھا کہ مکہ میں داخل ہونے کے وقت کسی کو قتل نہ کریں ہاں جو مسلمانوں سے جنگ کریں ان کو قتل کیا جاسکتا ہے اس حکم سے نام بنام چند آدمیوں کو مستثنیٰ کر دیا تھا اور حکم دیدیا تھا کہ ان کو ہر حال میں قتل کر دیا جائے خواہ وہ کعبہ کے پردوں کے نیچے ہی ہوں۔

مدمقابل کی بارہ معروف شخصیات کی سرگزشت:

(۱) عبداللہ بن ابی سرح یہ شخص مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گیا تھا فتح مکہ کے دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسکی سفارش کی تو جان بخشی ہوئی اس کے بعد یہ مسلمان ہو گیا۔

(۲) عکرمہ بن ابی جہل یہ (فتح مکہ کے دن) مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام قبول کیا گیا۔

(۳) حویرث بن نقید یہ ہجرت سے پہلے مسلمانوں کو بہت دکھ پہنچایا کرتا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا۔

(۴) مقیس بن صبابہ اول مسلمان ہو گیا تھا ایک انصاری نے ذی قردہ کے غزوہ میں اس کے بھائی ہشام کو دشمن کا آدمی سمجھ کر غلطی سے مار ڈالا تھا اور مقیس نے انصاری سے اس کی دیت لے لی پھر عہد شکنی کر کے انصاری کو قتل کر دیا اور مرتد ہو گیا اس کو اسی کی قوم کے ایک شخص غیلہ بن عبداللہ نے قتل کر دیا۔

(۵) ہبار بن اسود مسلمانوں کو سخت دکھ دیا کرتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب کو اسقاط اسی کی ضرب سے ہوا اور اسی مرض سے آپ کی وفات ہوگئی یہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف کر دیا۔

(۶) حارث بن طلاطل خزاعی یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا (کذا ذکرہ ابومعشر)

(۷) کعب بن زہیر شاعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتا تھا لیکن فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کی۔ (ذکرہ الحاکم)

(۸) وحشی بن حرب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل بھاگ کر طائف چلا گیا تھا پھر آکر مسلمان ہو گیا

(۹) عبداللہ بن خطل یہ مسلمان ہو گیا تھا اس کا نام عبدالعزیٰ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام بدل دیا اور عبداللہ نام رکھ دیا اور محصل صدقات بنا کر بھیجا اور اس کے ساتھ خزاعہ کے ایک شخص کو بھی روانہ کیا خزاعی شخص عبداللہ کی خدمت کرتا تھا اور اس کے لیے کھانا پکاتا تھا دونوں ایک منزل پر جا کر اترے دوپہر کا وقت تھا عبداللہ نے خزاعی کو حکم دیا کہ کوئی جانور ذبح کر کے کھانا تیار کرے مگر خزاعی نے کھانا تیار نہیں کیا اس پر عبداللہ نے خزاعی کو قتل کر دیا اور مرتد ہو کر مکہ کو بھاگ گیا اس کے پاس دو گانے والی لونڈیاں تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہجو کے اشعار گاتی تھیں۔ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ اور دونوں باندیوں کے قتل کا حکم دے دیا۔ سعید بن حریث مخزومی اور ابو برزہ اسلمی نے مل کر عبداللہ کو قتل کر دیا اور ایک لونڈی بھی ماری گئی دوسری بھاگ گئی پھر مسلمان ہو گئی

(۱۰) عمر بن ہاشم کی آزاد کردہ ایک باندی تھی جس کا نام سارہ تھا مکہ میں یہ مغنیہ تھی اور نوحہ خوانی کا پیشہ بھی کرتی تھی۔ اسی کے پاس سے حاطب بن بلتعہ کا خط برآمد ہوا تھا فتح کے دن مسلمان ہو گئی۔

(۱۱) ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہ کا جگر چبایا تھا فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے درگزر فرمائی۔

(۱۲) صفوان بن امیہ بھاگ کر جدہ چلا گیا تھا تاکہ وہاں سے سوار ہو کر یمن کو چلا جائے عمیر بن وہب نے اس کے لیے امن کی درخواست کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امان دے دی صفوان حاضر ہو گیا اور عرض کیا کہ مجھے اپنے معاملہ پر سوچنے کا دو مہینے اختیار دے دیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار ماہ کا اختیار دے دیا آخر میں یہ مسلمان ہو گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں داخلہ:

مکہ میں داخلہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر عمامہ تھا۔ (رواہ احمد، مسلم)

لیکن صحیحین کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ داخلہ کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود پوش تھے دونوں روایتوں کے اختلاف کو اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر خود ہوگا پھر خود اتار کر

عمامہ پہن لیا ہوگا۔ داخلہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوٹا لوٹا کر سورۂ فتح پڑھ رہے تھے۔ (صحیحین)

حجون کے تاریخی مقام میں قیام:

آخر حجون میں پہنچ کر چمڑے کے خیمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فروکش ہوئے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ دو بیبیاں تھیں حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تھیں حجون خیف بنی کنانہ میں واقع تھا یہ وہی جگہ تھی جہاں جمع ہو کر قریش اور کنانہ نے باہم قسمیں کھائی تھیں کہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے ساتھ نکاح کا رشتہ قائم نہ کرینگے نہ ان کے ساتھ خرید و فروخت کریں گے جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے دست بردار نہ ہو جائیں گے یہ قسمیں قائم رہیں گی اس جگہ پہنچنے کے بعد کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ اپنے گھاٹی والے مکان میں قیام نہیں فرمائیں گے فرمایا عقیل نے ہمارا کوئی مکان چھوڑا ہی کہاں؟ (کہ ہم وہاں ٹھہر سکیں) عقیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے بھائی بندوں کے مکہ والے سب مکان فروخت کر دیے تھے مردوں کے بھی اور عورتوں کے بھی (کوئی مکان باقی نہیں چھوڑا تھا) عرض کیا گیا تو پھر اپنے قدیمی مکانوں کو چھوڑ کر مکہ کے اندر کسی اور مکان میں قیام فرما لیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انکار کر دیا اور فرمایا میں کسی گھر میں داخل نہیں ہوں گا ہر نماز کے لیے حجون سے کعبہ کو تشریف لاتے تھے غرض فرود گاہ پر دن کے تھوڑے وقت ٹھہرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پردہ پکڑ لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کے بعد چاشت کی آٹھ رکعتیں پڑھیں۔ (رواہ مسلم)

طواف کعبہ:

بخاری کی روایت میں حضرت ام ہانی کا قول آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر غسل کیا اور نماز پڑھی تھی پھر اونٹنی پر سوار ہو کر تشریف لے گئے اور کعبہ کے پاس پہنچ کر (طواف کیا اور) لکڑی کے نوک سے رکن کا بوسہ لیا (یعنی لکڑی کی نوک سنگ اسود کو لگا دی۔ نوک لگا دینا بوسہ کا قائم مقام ہو گیا) اور تکبیر کہی مسلمانوں نے بھی نعرہ تکبیر لگایا مکہ گونج گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے مسلمانوں کو ٹھہرنے کی تلقین فرما رہے تھے اور مشرک پہاڑیوں کے اوپر سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات بار اونٹنی پر سوار ہونے کی حالت میں کعبہ کا طواف کیا اور لکڑی کی نوک سے (ہر بار) سنگ اسود کا بوسہ لیا۔

بتوں کا اشارہ سے گرنا:

کعبہ کے پاس پاس تین سو ساٹھ بت تھے جو رانگ کے مرصع تھے ہبل سب سے بڑا تھا۔ یہ کعبہ کے سامنے کعبہ کے دروازے پر تھا۔ اور اساف اور نائلہ قربانی کے مقام پر تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بت کی طرف سے گزرتے تھے تو اس کی طرف اشارہ کرتے اور جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا پڑھتے تھے بت اشارہ کے ساتھ ہی اوندھے منہ یا پشت کے بل پیچھے کو گر جاتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ہاتھ بھی نہیں لگانے پاتے تھے۔

فضالہ بن عمر کا مسلمان ہونا:

فضالہ بن عمر لیثی نے چاہا کہ طواف کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دے یہ ارادہ کر کے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فضالہ! اس نے جواب دیا جی فرمایا تم دل میں کیا کہہ رہے تھے فضالہ نے کہا کچھ بھی نہیں۔ اللہ کی یاد کر رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرا دیئے اور فرمایا اللہ سے استغفار کرو۔ یہ فرما کر دست مبارک فضالہ کے سینہ پر رکھ دیا فضالہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک میرے سینہ سے اٹھایا بھی نہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میری نظر میں ہر شخص سے زیادہ محبوب ہو گئی۔

مقام ابراہیم پر نوافل:

طواف سے فارغ ہونے کے بعد (کھڑی ہوئی) اونٹنی سے لوگوں کے ہاتھوں کے سہارے نیچے اترے کیونکہ اونٹوں کے بیٹھنے کا کوئی مقام مسجد کے اندر نہ تھا مسجد سے باہر اونٹ کو بٹھایا پھر مقام ابراہیم علیہ السلام پر پہنچے مقام ابراہیم علیہ السلام کعبہ میں شامل تھا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود اور عمامہ پہنے ہوئے تھے اور دونوں شانوں کے درمیان عمامہ کا شملہ آویختہ تھا اس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی۔

زمزم سے وضو:

پھر زمزم کی طرف رخ کیا اور اس کے اندر جھانک کر دیکھا اور فرمایا اگر بنی عبدالمطلب کے غلبہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں خود اس میں سے ایک ڈول پانی کھینچتا۔ غرض حضرت عباس رضی اللہ عنہ یا حارث رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب نے ایک ڈول کھینچا اور اس میں سے کچھ پیا اور وضو کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے مثال نیازمندی:

مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے پانی کی طرف ایک دوسرے سے پیش دستی کرنے لگے اور مسابقت کر کے (استعمال کردہ) پانی لے کر اپنے چہروں پر ملنے لگے مشرک اس منظر کو دیکھ رہے تھے تعجب کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔ ہم نے اتنا رسانہ کسی بادشاہ کو دیکھا نہ سنا۔

بڑا بت توڑ دیا گیا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہبل کو توڑ دینے کا حکم دیا حسب الحکم ہبل کو توڑ دیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا بیٹھ جاؤ

میں کعبہ کے برابر میں بیٹھ گیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اوپر چڑھ گئے اور فرمایا علی رضی اللہ عنہ آکر میرے کندھوں پر چڑھ جا میں نے حکم کی تعمیل کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مجھے لے کر اٹھے تو مجھے ایسا لگنے لگا کہ اگر چاہوں تو آسمان کے کنارہ کو چھولوں گا اس طرح میں کعبہ پر چڑھ گیا فرمایا کہ ان کے بڑے بت کو توڑ دے یہ بت تانبے کا تھا اور زمین تک اس میں لوہے کی میخیں ٹھونکی ہوئیں تھیں فرمایا اس کو پکڑ لے اور خود پڑھنے لگے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا میں نے بت کو نیچے پھینک دیا۔

کعبہ کی چابی:

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلال رضی اللہ عنہ کو کعبہ کی کنجی لینے کے لیے عثمان بن طلحہ کے پاس بھیجا عثمان نے کہا کنجی میری ماں کے پاس ہے عثمان نے کنجی ماں سے منگوائی تو اس نے کہا لات اور عزیٰ کی قسم تجھے کنجی نہیں دونگی عثمان نے کہا نہ لات رہا نہ عزیٰ اگر تو کنجی نہ دے گی تو میں بھی مارا جاؤں گا اور میرا بھائی بھی۔ عثمان کو گئے ہوئے دیر ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتظار کرتے رہے۔ آخر حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہم اجمعین کو بھیجا عثمان کی ماں نے جب حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہم کی آواز سنی تو عثمان سے کہا بیٹے ان دشمنوں کے لینے سے تو یہ بہتر ہے کہ تو لے لے۔ عثمان نے کنجی لے لی اور لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کنجی لے کر خود دست مبارک سے کعبہ کو کھولا عثمان اور طلحہ کہا کرتے تھے کہ کعبہ کو کھولنے کا ہمیں کو اختیار ہے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے ان کا یہ دعوی ساقط ہو گیا)

بیت اللہ کی تطہیر:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ میرے اندر جانے سے پہلے کعبہ کے اندر تمام مورتیاں صورتیاں دور کردو مسلمانوں نے کپڑے اتار دیئے صرف تہہ بند باندھے رہے اور ڈول لے کر رجز پڑھتے ہوئے زمزم پر آئے اور کعبہ کو اندر باہر سے دھونے لگے اہل شرک کا کوئی نشان باقی نہ چھوڑا۔ سب مٹا دیئے اور دھو دیئے۔

کعبہ کے اندر نوافل:

اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور طلحہ رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے اور دروازہ بند کرلیا اندر پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ستون دائیں طرف دو ستون بائیں طرف تین ستون اپنے پیچھے دروازہ کی طرف چھوڑے اور قبلہ والی دیوار سے دو یا تین ذراع کا فاصلہ چھوڑ کر بیچ میں کھڑے ہو کر قبلہ کی طرف منہ کر کے دو رکعتیں پڑھیں پھر فرمایا یہ قبلہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستوری خطاب

کلمات شکر:

پھر دروازہ پر کھڑے ہو کر فرمایا ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اپنے بندہ کو کامیاب بنایا اور تمام جماعتوں کو تنہا شکست دیدی۔

جاہلیت کے خون ساقط:

خوب سن لو (جاہلیت کے زمانہ کا) ہر استحقاق اور خون یا مال کا دعویٰ میرے ان دونوں قدموں کے نیچے پامال ہو گیا سب سے اول میں خود ربیعہ بن حارث کا خون ساقط کرتا ہوں ہاں کعبہ کی دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کا استحقاق اس سے مستثنیٰ ہے۔

قتل وغیرہ کے احکام:

سنو لاٹھی اور کوڑے سے اگر قتل ہو جائے یا قتل خطا ہو جو قتل عمد کے مشابہ ہو تو اس کی دیت مغلظ یعنی سو اونٹنیاں ہیں۔ جن میں چالیس اونٹنیاں گابھن ہوں۔ وارث کے لیے وصیت نہیں بچہ (بستر) والے کا ہے اور زانی کے لئے پتھر۔

شوہر کے حقوق:

کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے کسی کو کچھ دے دے۔

اتحاد مسلم:

تمام غیر مسلموں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو ایک ہاتھ کی طرح ہو جانا لازم ہے۔

زکوٰۃ میراث:

کسی مسلمان کو یا ذمی کو بحالت ذمیت کافر کے عوض نہ قتل کیا جائے۔ دو مذہب والوں میں باہم میراث نہیں ہوگی مسلمانوں کی زکوۃ ان کے گھروں اور احاطوں پر پہنچ کر لی جائے محصل زکوۃ نہ زکوۃ ادا کرنے کے لیے ان کو اپنے پڑاؤ پر بلوائے نہ زکوۃ دینے والے محصل کو پریشان کرنے کے لیے اموال زکوۃ دینے کا اڈہ کسی دوسری جگہ بنائیں۔

محرمات نکاح:

کسی عورت کی ماں یا خالہ پر اس عورت سے نکاح نہ کیا جائے (یعنی ماں یا خالہ سے نکاح کرلیا ہو تو پھر اس کی ماں یا بھانجی سے نکاح نہ کیا جائے)

عدل کے احکام:

دعوی کے گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور (گواہ نہ ہونے کی صورت میں) قسم منکر پر عائد ہوگی۔

دیگر متعدد احکام:

کوئی عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔ نماز عصر اور نماز صبح کے بعد کوئی نماز

جائز نہیں میں تم کو دو دن روزہ رکھنے کی ممانعت کرتا ہوں ایک عید الفطر کے دن دوسرے عید الاضحیٰ کے ذمیں تم کو دو صورتوں سے لباس پہننے کی بھی ممانعت کرتا ہوں (۱) صرف ایک کپڑے میں گوٹ مارنے سے (اس کی شکل اسطرح ہوتی ہے کہ صرف کرتہ یا صرف تہبند پہن کر کوئی سرینوں کی نوک پر بیٹھ جائے اور پاؤں سمیٹ کر کھڑے کر لے کہ ایڑیاں سرینوں کے قریب آ جائیں اور رانیں پیٹ کے قریب پہنچ جائیں اس شکل پر بیٹھنے سے آگے سے برہنگی کا خطرہ ہے اور برہنگی کی حفاظت بھی کر لی جائے تب بھی اعضاء مستورہ غلیظہ کسے بندھے نظر کے سامنے آ جائیں گے جو خلاف تہذیب ہے) (۲) چادر یا کمبل وغیرہ کو اس طرح لپیٹ لیا جائے کہ ہاتھ بھی اندر بندرہ جائیں اور باہر نہ نکل سکیں۔

خاندانی غرور:

اے گروہ قریش! اللہ نے تم سے جاہلیت کو اور عہد جاہلیت کے غرور خاندانی کو دور کر دیا سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی الخ

اہل مکہ سے حسن سلوک:

اے اہل مکہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں تمہارا کیا خیال ہے لوگوں نے جواب دیا آپ اچھے کریم بھائی اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں (اس لیے آپ ہم پر کرم ہی کریں گے) فرمایا آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تم کو معاف کرے وہ ارحم الراحمین ہے جاؤ تم سب آزاد ہو اس حکم کے بعد لوگ مجلس سے نکلے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قبروں سے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھے ہیں

حرمت مکہ:

بخاری نے بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ لکھا ہے کہ بنی لیث نے جاہلیت کے زمانہ میں بنی خزاعہ کا ایک آدمی مار ڈالا تھا فتح مکہ کے سال اپنے مقتول کے عوض بنی لیث کا ایک آدمی مار ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے مکہ سے ہاتھیوں کو روک دیا۔ مگر اپنے رسول اور مومنوں کو مکہ پر غلبہ عطا فرمایا خوب سن لو مکہ (پر بزور تسلط) مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں ہوا تھا اور وہ ساعت یہی ساعت تھی اب یہ ہمیشہ (کے لیے) حرم ہے اس کی گھاس نہ کاٹی جائے اس کے درخت نہ کاٹے جائیں یہاں گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے (یعنی گری پڑی چیز کو پانے والا اس کو اپنی ملکیت نہ بنالے) ہاں جس کی چیز گر گئی ہو اور وہ ڈھونڈ رہا ہو تو اس کو اٹھا لینا جائز ہے اگر کسی کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے دو باتوں میں سے ایک بات کو اختیار کرنے کا اسکو حق ہے یا دیت لے لے یا قصاص یہ سن کر ایک شخص نے جس نام ابو شاہ تھا عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے یہ لکھوا دیجئے فرمایا اس کو لکھ کر دے دو ایک قریشی نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھاس کاٹنے کی ممانعت سے اذخر کو مستثنیٰ کر دیجئے فرمایا اذخر مستثنیٰ ہے (اذخر مرچیا گند کو کہتے ہیں یہ ایک قسم کی گھاس ہوتی ہے جو مکہ میں بکثرت پیدا ہوتی تھی اور اونٹوں کی خوراک کے کام آتی تھی)۔

داشتہ کی اولاد کا حکم:

ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے جاہلیت کے زمانہ میں عقد معاہرہ کیا تھا (یعنی ایک عورت کو داشتہ بنا کر بغیر نکاح کے رکھا تھا اس سے بچے ہوئے ان بچوں کا کیا حکم ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی آزاد عورت سے یا کسی غیر کی باندی سے معاہرہ کیا پھر اس کے بچے نے زانی سے اپنا نسب ملایا تو یہ جائز نہیں نہ یہ اس کا وارث ہوگا نہ وہ اس کا وارث ہوگا میرا خیال ہے تم لوگ سمجھ گئے ہو گے۔ میں اپنی یہ بات کہہ رہا ہوں (یعنی کہہ چکا) اور اپنے اور تمہارے لیے اللہ سے معافی چاہتا ہوں۔

مورتیاں توڑنے کا اعلان:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مکہ میں منادی نے ندا کر دی کہ جو شخص اللہ اور روز آخرت کو مانتا ہے وہ اپنے گھر کے اندر کوئی مورتی بغیر توڑے نہ چھوڑے۔

کعبہ کی چھت پر اذان:

ظہر کا وقت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اوپر ظہر کی اذان دینے کے لیے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اس سے مقصود مشرکوں کو جلانا تھا۔

مشرکوں کے تبصرے:

قریش پہاڑیوں کے چوٹیوں پر تھے اور چھپے ہوئے تھے مگر چہرے سامنے تھے (یعنی اس منظر کو دیکھ رہے تھے) ابو سفیان اور خالد بن اسید اور حارث بن ہشام کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے خالد بولا اللہ نے (میرے باپ) اسید کی لاج رکھ لی کہ اس نے اس آواز کو نہیں سنا حارث نے کہا خدا کی قسم اگر میں اس کو حق پر جانتا تو اس کے پیچھے ہو لیتا بنی سعید بن عاص کا ایک شخص کہنے لگا اللہ نے سعید کی لاج رکھ لی کہ کعبہ کی چھت پر اس حبشی کو چڑھا دیکھنے سے پہلے ہی وہ مر گیا ابو سفیان بولا میں کچھ نہیں کہوں گا اگر کچھ بھی بولا تو یہ پتھریاں بھی میری مخبری کر دیں گی جبرئیل نے آ کر ان لوگوں کی باتوں کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کی کہی ہوئی باتیں ان کو بتائیں تو وہ کہنے لگے ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

ابو قحافہ کا مسلمان ہونا:

اس کے بعد مکہ والے مسلمان ہوئے کسی مسلمان نے ابو قحافہ کے سر

پر پتھر مارا انکا سر زخمی ہو گیا اور اسماء کا ہار کسی نے لے لیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ باپ کے پاس پہنچے ان کے چہرے سے خون پونچھا (اسلام کیطرف سے) ان کے دل میں کینہ تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خود ان کے پاس پہنچ جاتا تم نے بڑے میاں کو وہیں کیوں نہ رہنے دیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور وہ مسلمان ہو گئے ابوقحافہ کی داڑھی اور سر ثغامہ (ایک درخت کا سفید پھول) کی طرح تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس رنگ کو بدل دو مگر سیاہی سے الگ رکھو یعنی سیاہ نہ رنگنا۔

بیعت عام:

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب بیٹھ گئے آپ اللہ کو ماننے کی اور لا الہ الااللہ محمد رسول اللہ وعبدہٗ کی شہادت دینے لگے چھوٹے بڑے عورت مرد سب آنے لگے اور بیعت کرنے لگے مردوں کی بیعت سے فارغ ہو کر عورتوں کی بیعت لی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ کسی عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ نہیں چھوا بلکہ آپ ان کی بیعت صرف زبانی لیتے تھے۔

انصار کا ایک خیال اور وحی کا نزول:

مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ طواف سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا پر گئے اور اوپر جا کر اس جگہ کھڑے ہوئے جہاں سے کعبہ دکھائی دیتا تھا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ کی حمد ذکر کرنے لگے انصار نیچے تھے انہوں نے آپس میں کہا ان کو اپنے شہر کی طرف رغبت اور اپنے کی طرف میلان طبع ہو گیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا اے گروہ انصار۔ انصار نے جواب دیا لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کیا تم نے ایسی ایسی بات کہی تھی انصار نے کہا جی ہاں فرمایا حاشا کلا: میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اللہ کے واسطے وطن چھوڑ کر تمہاری طرف گیا تھا میری زندگی تمہاری زندگی اور میری موت تمہاری موت (کے ساتھ) ہے انصار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے جو کچھ کہا تھا بخدا اس لیے کہا تھا کہ ہم کو اللہ اور اللہ کے رسول سے انتہائی محبت تھی (ہم کو گوارا نہ تھا کہ اللہ کا رسول ہم کو چھوڑ کر پھر مکہ میں آ کر مقیم ہو جائے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری سچائی کی وجہ سے اللہ اور اللہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارا عذر قبول کرتا ہے۔

ضرورت مند صحابہ کا تعاون:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد قریش کے تین آدمیوں سے روپیہ قرض لیا صفوان بن امیہ سے پچاس ہزار درہم عبداللہ بن ربیعہ سے چالیس ہزار درہم اور حویطب بن عبد العزیٰ سے چالیس ہزار درہم اور یہ روپیہ کمزور صحابہ کو بانٹ دیا۔ پھر ہوازن کی فتح کے بعد یہ قرض ادا کر دیا اور فرمایا کہ قرض کا بدلہ قرض دینے والے کا شکریہ اور قرض کی ادائیگی ہے۔

فتح مکہ کے بعد مکہ پر کوئی حملہ آور اور مکہ سے کوئی ہجرت نہیں ہے

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کے بعد مکہ پر چڑھائی نہ کی جائے اور فتح مکہ کے بعد ہجرت کی ضرورت نہیں۔

شیطان کی کاروائی:

ابویعلی اور ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مکہ کی فتح کے بعد ابلیس آواز سے رونے لگا۔ اور اس کی ذریت اس کے پاس جمع ہو گئی۔ اور رونے کا سبب پوچھا ابلیس نے کہا کہ اب ناامید ہو جاؤ۔ کہ امت محمد یہ شرک کی طرف لوٹ آئے گی۔ ابن ابی شیبہ نے مکحول کا قول نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے۔ تو سامنے آ کر شیطان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑے بڑے شعلے پھینکنے لگے۔ فوراً جبرئیل نے آ کر کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ کے ساتھ پناہ مانگو۔

شیطان سے پناہ کی دعاء:

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّآمَّةِ الَّتِىْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِّنْ شَرِّ مَا نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَمِنْ شَرِّ مَا بَثَّ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمِنْ شَرِّ اللَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ طَارِقٍ يَّطْرُقُ اِلَّا طَارِقٌ يَّطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمٰنُ.

حبشی بڑھیا کی مایوسی:

بیہقی نے ابن ابی کی روایت سے لکھا ہے کہ جب مکہ کی فتح ہو گئی تو ایک حبشی بڑھیا کھچڑی بالوں والی دیکھی جو منہ کو نوچتی اور واویلا کرتی آئی عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے ایک حبشن بڑھیا کھچڑی بالوں والی دیکھی جو منہ نوچتی اور واویلا کرتی آ رہی تھی فرمایا وہ کہہ رہی تھی۔ کہ میری آس ٹوٹ گئی کہ تمہارے شہر میں اس کے بعد میری پوجا کی جائے گی۔

کعبہ کی چابی عثمان بن طلحہ کو مستقل دیدی:

فتح مکہ کے دن یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا الخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ کو بلوا کر کعبہ کنجی ان کو عطاء فرما دی اور فرمایا کہ یہ ہمیشہ نسل در نسل کے لئے لے لو۔ اس کو سوا ظالم کے تم سے کوئی نہیں چھینے گا۔ اللہ نے تم کو اپنے گھر کا امین قرار دیا ہے پس اس گھر سے تم جو کچھ حاصل ہو اس کو جائز طریقہ سے کھاؤ۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آ کر کہا کہ جب تک اس گھر کی اولیت قائم ہے کنجی اور کعبہ کی دربانی عثمان کی نسل میں رہے گی چنانچہ کنجی عثمان کے پاس رہی اور مرتے وقت انہوں نے اپنے بھائی شیبہ کو کنجی دیدی۔ اور یہ کنجی اور دربانی شیبہ کی اولاد کے پاس قیامت تک رہے گی۔

لوگوں کا گروہ در گروہ مسلمان ہونا:

فتح مکہ کے بعد عرب باہم کہنے لگے کہ اے حرم کے باشندو جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فتح یاب ہو گئے حالانکہ اصحاب فیل کے حملے سے اللہ نے تم کو محفوظ رکھا تھا (اور اصحاب فیل کو شکست دیدی تھی) تو اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے بغیر تمہارے لیے کوئی چارہ نہیں۔ یہ مشورہ طے کر کے جوق در جوق مسلمان ہونے لگے۔ اس سے پہلے ایک ایک دو دو مسلمان ہوتے تھے۔ مگر اب گروہ در گروہ مسلمان ہونے لگے۔ اس کا بیان آیت ذیل میں ہے۔ (تفسیر مظہری)

صحیح بخاری میں شریف میں بھی حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ موجود ہے کہ مکہ فتح ہوتے ہی ہر قبیلے نے اسلام کی طرف سبقت کی ان سب کو اس بات کا انتظار تھا اور کہتے تھے کہ انہیں اور ان کی قوم کو چھوڑ دو دیکھو اگر یہ نبی برحق ہیں تو اپنی قوم پر غالب آ جائیں گے اور مکہ معظمہ پر ان کا جھنڈا نصب ہو جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ

اور تو دیکھے لوگوں کو داخل ہوتے دین میں

اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

غول کے غول تو پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں ☆

بعثت کے مقصد کی تکمیل:

یعنی سمجھ لیجئے کہ مقصود بعثت کا اور دنیا میں رہنے کا (جو تکمیل دین و تمہید خلافت کبریٰ ہے) پورا ہوا اب سفر آخرت قریب ہے لہٰذا ادھر سے فارغ ہو کر ہمہ تن ادھر ہی لگ جائیے اور پہلے سے بھی زیادہ کثرت سے اللہ کی تسبیح و تحمید اور ان فتوحات اور کامیابیوں پر اس کا شکر ادا کیجئے۔ (تفسیر عثمانی)

یمن والوں کا ایمان:

یعنی تم نے دیکھ لیا کہ لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ مقاتل اور عکرمہ نے کہا کہ اَلنَّاسُ سے مراد اہل یمن ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اہل یمن تمہارے پاس آئے ہیں یہ بہت رقیق القلب اور ایمان کے لیے بڑے نرم دل (یعنی ایمان کا بہت جلد اثر قبول کرنے والے) ہیں حکمت تو یمنی ہے فخر اور غرور تو اونٹ والوں میں ہے اور سکون و بردباری بکریوں والوں میں (یعنی اونٹوں کے چرانے والے بڑے سخت اور مغرور اور شیخی باز ہوتے ہیں اور بکریاں چرانے والے بڑے مسکین طبع اور متحمل مزاج ہوتے ہیں)۔ (متفق علیہ)

فتح کی نعمت کا شکریہ:

یعنی سبحان اللہ وبحمدہٖ پڑھو، اس نعمت پر خدا کی حمد کرو کہ کسی کے خیال میں بھی یہ بات نہیں آتی تھی کہ تم قوت کے ساتھ مکہ پر تسلط حاصل کر سکو گے مکہ کو تو اللہ نے اصحاب الفیل سے بھی محفوظ رکھا تھا اور تم کو خدا نے یہ نعمت عطا فرما دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہو گئے تو لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی اونچی عزت کی یہ دیکھ کر عاجزی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک اونٹ کے کجاوہ کی لکڑی پر رکھ دیا۔ (رواہ الحاکم بسند جید)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ان الفاظ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر وسط کجاوہ سے چھونے لگا اور قریب ہونے لگا اس تواضع کی وجہ سے کہ خداداد فتح اور مسلمانوں کی کثرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لی۔ پھر کہا الٰہی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ (رواہ ابو یعلیٰ تفسیر مظہری)

آخری عمر کا وظیفہ:

ابن جریر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری عمر میں بیٹھتے، اٹھتے، چلتے پھرتے، آتے جاتے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھا کرتے، میں نے ایک مرتبہ یہ پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ مجھے حکم خدا یہی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝

اور گناہ بخشوا اس سے بے شک وہ معاف کرنے والا ہے ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار:

یعنی اپنے لیے اور امت کے لیے استغفار کیجئے (تنبیہ) نبی کریم کا اپنے لیے استغفار کرنا پہلے کئی جگہ بیان ہو چکا ہے وہیں دیکھ لیا جائے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی قرآن میں ہر جگہ وعدہ ہے فیصلے کا اور کافر شتابی کرتے تھے۔ حضرت کی آخر عمر میں مکہ فتح ہو چکا قبائل عرب دل کے دل مسلمان ہونے لگے وعدہ سچا ہوا اب امت کے گناہ بخشوایا کر کہ درجہ شفاعت کا بھی ملے۔ یہ سورت اتری آخر میں حضرت نے جانا کہ میرا جو کام تھا دنیا میں کر چکا اب سفر ہے آخرت کا"۔ (تفسیر عثمانی)

موت قریب ہو تو تسبیح و استغفار کی کثرت چاہیے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نماز پڑھتے تو یہی دعا کرتے سبحانک ربنا وبحمدک اللّٰھمّ اغفرلی۔ (رواہ البخاری)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس سورت کے نزول کے بعد اٹھتے بیٹھتے اور جاتے آتے ہر وقت میں یہ دعا پڑھتے تھے سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ اور فرماتے تھے کہ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے اور دلیل میں اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ کی تلاوت فرماتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سورت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت میں بڑا مجاہدہ فرمایا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں ورم کر گئے۔ (قرطبی، معارف مفتی اعظم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کی وجہ:

یعنی تواضع اور انکسار کے طور پر استغفار کرو اور تم نے جوامت کی رعایت سے فعل حسن (اچھا عمل) اختیار کیا اور احسن فعل (بہت ہی اچھے) کو ترک کیا (تاکہ امت پر فعل احسن فرض نہ ہو جائے) اس کے لئے اللہ سے معافی مانگو یا یہ مراد ہے کہ اپنی امت کے لئے استغفار کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں رات دن میں اللہ سے ستر بار استغفار کرتا ہوں۔ ایک روایت میں ستر بار سے زیادہ کا لفظ آیا ہے اور ایک روایت میں سو بار کا آیا ہے۔

(رواہ البخاری والنسائی وابن ماجہ والطبرانی وابو یعلیٰ من حدیث ابی ہریرہ وانس وشداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

نکتہ:

آیت میں استغفار سے پہلے حمد کو اور حمد سے پہلے استغفار کو ذکر کیا کیونکہ طریقہ نزول یہی ہونا چاہیے (اول ذات خدا کی تسبیح پھر اس سے نیچے نعمت کا شکر پھر اپنی لغزشوں کے لئے معافی کی درخواست) دعا کا یہی مسنون طریقہ ہے لیکن امت کے لئے استغفار سے پہلے درود ضروری ہے (تاکہ دعائے مغفرت قبول ہو جائے)۔

اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے:

اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا یعنی اللہ نے جب انسان کو پیدا کیا اور احکام کا مکلّف بنایا اسی وقت سے وہ استغفار کرنے والوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کی اطلاع دی گئی:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے میری وفات کی اطلاع دی گئی ہے۔

ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ (ثواب میں) چوتھائی قرآن (کے برابر) ہے۔ بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع و سجود میں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ بہت پڑھتے تھے۔ مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ زیادہ پڑھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے میرے رب نے اطلاع دی تھی کہ عنقریب تم اپنی امت کے اندر ایک نشانی دیکھو گے جب تم وہ علامت دیکھو تو سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ پڑھنا (چنانچہ) میں نے وہ نشانی دیکھ لی (وہ نشانی ہے)

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللهِ اَفْوَاجًا ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ○

حسن بصری نے کہا اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تھی کہ تمہاری وفات قریب آ گئی ہے پس اسی بناء پر اللہ نے پاکی بیان کرنے اور توبہ کرنے کا حکم دیا تاکہ زائد اعمال صالحہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمہ ہو۔ قتادہ اور مقاتل نے کہا کہ اس سورت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سال تک زندہ رہے۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ اللھب

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے گا وہ اپنا مقصود پالے گا اور اس کا ذکر بلند اور اس کی توحید قوی ہوگی اور اس کے عیال کم ہوں گے اور اس کی زندگی خوب گزرے گی۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

سورۂ تبت مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ①

ٹوٹ گئے ہاتھ ابی لہب کے اور ٹوٹ گیا وہ آپ ☆

ابولہب اور اس کی بیوی کی بدبختی:

''ابولہب'' (جس کا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا لیکن اپنے کفر و شقاوت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید ترین دشمن تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجمع میں پیغام حق سناتے یہ بدبخت پتھر پھینکتا۔ حتیٰ کہ آپ کے پائے مبارک لہولہان ہو جاتے اور زبان سے کہتا کہ لوگو اس کی بات مت سنو یہ شخص (معاذ اللہ) جھوٹا بے دین ہے۔ کبھی کہتا کہ محمد ہم سے ان چیزوں کا وعدہ کرتے ہیں جو مرنے کے بعد ملیں گی ہم کو تو وہ چیزیں ہوتی نظر نہیں آتیں پھر دونوں ہاتھوں سے خطاب کر کے کہتا ''تبا لکما ماأری فیکما شیئا مما یقول محمد'' صلی اللہ علیہ وسلم (تم دونوں ٹوٹ جاؤ کہ میں تمہارے اندر اس میں سے کوئی چیز نہیں دیکھتا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتا ہے) ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ ''صفا'' پر چڑھ کر سب کو پکارا آپ کی آواز پر تمام لوگ جمع ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت مؤثر پیرایہ میں اسلام کی دعوت دی ابولہب بھی موجود تھا (بعض روایات میں ہے کہ ہاتھ جھٹک کر) کہنے لگا ''تبالک سائر الیوم الھذا جمعتنا'' (یعنی تو برباد ہو جائے کیا ہم کو اسی بات کے لیے جمع کیا تھا) اور روح المعانی میں بعض سے نقل کیا ہے کہ اس نے ہاتھوں میں پتھر اٹھایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھینکے غرض اس کی شقاوت اور حق سے عداوت انتہاء کو پہنچ چکی تھی اس پر جب اللہ کے عذاب سے ڈرایا جاتا تو کہتا کہ اگر سچ مچ یہ بات ہونیوالی ہے تو میرے پاس مال و اولاد بہت ہے۔ ان سب کو فدیہ میں دیکر عذاب سے چھوٹ جاؤں گا۔ اسی کی بیوی ام جمیل کو بھی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت ضد تھی جو دشمنی کی آگ ابولہب بھڑکاتا تھا یہ عورت گویا لکڑیاں ڈال کر اس کو اور زیادہ تیز کرتی تھی۔ سورہ ہذا میں دونوں کا انجام بتلا کر متنبہ کیا ہے کہ مرد ہو یا عورت اپنا ہو یا بیگانہ بڑا ہو یا چھوٹا جو حق کی عداوت پر کمر باندھیگا وہ آخر کار ذلیل اور تباہ و برباد ہو کر رہیگا پیغمبر کی قرابت قریبہ بھی اس کو تباہی سے نہ بچا سکے گی یہ ابولہب کیا ہاتھ جھٹک کر باتیں بناتا ہے اور اپنی قوت بازو پر مغرور ہو کر خدا کے مقدس معصوم رسول کی طرف دست درازی کرتا ہے سمجھ لے کہ اب اس کے ہاتھ ٹوٹ چکے اس کی سب کوششیں حق کے دبانے کی برباد ہو چکیں اس کی سرداری ہمیشہ کے لیے مٹ گئی اس کے اعمال اکارت ہوئے اس کا زور ٹوٹ گیا اور وہ خود تباہی کے گڑھے میں پہنچ چکا یہ سورت مکی ہے کہتے ہیں کہ غزوہ ''بدر'' سے سات روز بعد اس کو زہریلی قسم کا ایک دانہ نکلا اور مرض لگ جانے کے خوف سے سب گھر والوں نے الگ ڈال دیا وہیں مر گیا اور تین روز تک لاش یوں ہی پڑی رہی کسی نے نہ اٹھائی جب سڑنے لگی اس وقت حبشی مزدوروں سے اٹھوا کر ڈلوائی انہوں نے ایک گڑھا کھودا اس کو ایک لکڑی سے اندر ڈھلکا دیا اور اوپر سے پتھر بھر دیئے یہ تو دنیا کی رسوائی اور بربادی تھی ''وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ''۔ (تفسیر عثمانی)

مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ②

کام نہ آیا اُس کو مال اُس کا اور نہ جو اُس نے کمایا ☆

مال و اولاد ہلاکت سے نہ بچا سکے:

یعنی مال، اولاد، عزت، وجاہت کوئی چیز اس کو ہلاکت سے نہ بچا سکی۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اس کا جمع کردہ مال اس سے عذاب کو دور نہیں کرے گا یا یہ مطلب ہے کہ اس کا مال کیا اس کو عذاب سے بچالے گا ابولہب بڑا مالدار اور مویشیوں کا مالک تھا۔

وَمَا كَسَبَ اور جو کچھ اس نے حاصل کر رکھا ہے یعنی مال و اولاد۔

ابولہب کے بیٹے عتبہ کو شام کے راستہ میں شیر نے پھاڑ کھایا اور خود ابولہب واقعہ بدر سے چند روز کے بعد چیچک سے مر گیا اور چند حبشیوں کو کرایہ پر لے کر لوگوں نے اس کو دفن کرایا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اطیب ما اکل الرجل من کسبہ وان ولدہ من کسبہ یعنی جو کھانا آدمی کھاتا ہے اس میں سب سے زیادہ حلال طیب وہ چیز ہے جو آدمی اپنی کمائی سے حاصل کرے اور آدمی کی اولاد بھی اس کے کسب میں داخل ہے یعنی اولاد کی کمائی سے کھانا بھی اپنی کمائی سے کھانا ہے۔ (قرطبی)

اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، مجاہد، عطاء، ابن سیرین وغیرہ

نے اس جگہ مَا کَسَبَ کی تفسیر اولاد سے کی ہے ابولہب کو اللہ نے مال بھی بہت زیادہ دیا تھا اور اولاد بھی، یہی دونوں چیزیں ناشکری کی وجہ سے اس کے فخر وغرور اور وبال کا سبب بنیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو ابو لہب نے یہ بھی کہا تھا کہ جو کچھ میرا بھتیجا کہتا ہے اگر وہ حق ہی ہوا تو میرے پاس مال واولاد بہت ہے میں اس کو دیکر اپنی جان بچالوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا کَسَبَ یعنی جب اس کو خدا تعالیٰ کے عذاب نے پکڑا تو نہ اس کا مال کام آیا نہ اولاد، یہ تو حال اس کا دنیا میں ہوا ،آگے آخرت کا ذکر ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ﴿۳﴾

اب پڑے گا ڈیگ مارتی آگ میں ☆

ابولہب کہنے کی وجہ:

یعنی مرنے کے بعد سخت شعلہ زن آگ میں پہنچنے والا ہے۔ شاید اسی مناسبت سے قرآن نے اس کی کنیت ''ابولہب'' قائم رکھی دنیا تو اس کو ''ابو لہب'' اس لیے کہتی تھی کہ اس کے رخسارے آگ کے شعلے کی طرح چمکتے تھے مگر قرآن نے بتادیا کہ وہ اپنے آخری انجام کے اعتبار سے بھی ''ابولہب'' کہلانے کا مستحق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ﴿۴﴾

اور اُس کی جورو جو سر پر لیے پھرتی ہے ایندھن ☆

ام جمیل کا عمل اور اس کی سزا:

ابولہب کی عورت ام جمیل باوجود مالدار ہونے کے سخت بخل اور خست کی بناء پر خود جنگل سے لکڑیاں، چن کر لاتی اور کانٹے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں ڈال دیتی تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آنے جانے والوں کو تکلیف پہنچے۔ فرماتے ہیں کہ وہ جس طرح یہاں حق کی دشمنی اور پیغمبر خدا کی ایذاء رسانی میں اپنے شوہر کی مددگار رہے دوزخ میں بھی اسی ہیئت سے اس کے ہمراہ رہیگی شاید وہاں زقوم اور ضریع کی (جو جہنم کے خاردار درخت ہیں) لکڑیاں اٹھائے پھرے اور ان کے ذریعے سے اپنے شوہر پر عذاب الٰہی کی آگ کو تیز کرتی رہے۔ کما قال ابن اثیر (تنبیہ) بعض نے ''حَمَّالَةَ الْحَطَبِ'' کے معنی چغل خور کے لیے ہیں اور محاورات عرب میں یہ لفظ اس معنی میں مستعمل ہوتا ہے جیسے فارسی میں بھی ایسے شخص کو ''ہیزم کش'' کہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یہ عورت جنگل سے خاردار لکڑیاں جمع کر کے لاتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں بچھا دیتی تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچے اس کی اس ذلیل وخسیس حرکت کو قرآن نے حمالة الحطب سے تعبیر فرمایا (قرطبی)

چغل خوری سخت گناہ کبیرہ ہے:

حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں چغل خور داخل نہ ہوگا اور حضرت فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا کہ تین عمل ایسے ہیں جو انسان کے تمام اعمال صالح کو برباد کر دیتے ہیں روزہ دار کا روزہ اور وضو والے کا وضو خراب کر دیتے ہیں یعنی غیبت اور چغل خوری اور جھوٹ۔ عطاء بن سائب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شعبیؒ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا ذکر کیا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لایدخل الجنة سافک دم ولا مشاء بنميمة ولا تاجر يربى، یعنی تین قسم کے آدمی جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ ناحق خون بہانے والا اور چغل خوری کرنے والا ،اور وہ تاجر جو سود کا کاروبار کرے۔ عطاء کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا ذکر کے شعبیؒ سے بطور تعجب کے دریافت کیا کہ حدیث میں چغل خور کو قاتل اور سود خور کے برابر بیان فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں چغل خوری تو ایسی چیز ہے کہ اس کی وجہ سے قتل ناحق اور غصب اموال کی نوبت آ جاتی ہے۔

(قرطبی، معارف مفتی اعظم)

قتادہ، مجاہد اور سعدی کے نزدیک حَمَّالَةَ الْحَطَبِ سے مراد ہے چغل خور (آگ لگا دینے والی) ام جمیل چغلیاں کھاتی پھرتی تھی ایک کی بات دوسرے سے جا لگاتی تھی اس طرح لوگوں میں عداوت پیدا کرتی تھی اور آگ بھڑکا دیتی تھی۔ جیسے لکڑیوں سے آگ بھڑکتی ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا (الْحَطَبِ سے مراد ہیں گناہ) حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کا معنی ہے گناہ کا بار اٹھانی والی۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ لہب کے اترنے پر ام جمیل کا ردعمل:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ سورۃ اتری تو یہ بھینگی عورت ام جمیل بنت حرب اپنے ہاتھ میں نوک دار پتھر لئے ہوئے یوں کہتی ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔

مُذَمَّمًا اَبَيْنَا : وَدِيْنَهٗ قَلَيْنَا : وَاَمْرَهٗ عَصَيْنَا :

یعنی ہم مذمم کے منکر ہیں، اس کے دین کے دشمن ہیں اور اس کے نافرمان ہیں۔

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میرے والد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس حالت میں دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آ رہی ہے ایسا نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کو دیکھ لے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدیق رضی اللہ عنہ بے غم رہو یہ مجھے نہیں دیکھ سکتی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی تلاوت شروع کردی تا کہ اس سے بچ جائیں۔ خود قرآن فرماتا ہے وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا. یعنی جب تو قرآن پڑھتا ہے تو ہم تیرے اور ایمان لانے والوں کے درمیان پوشیدہ پردہ ڈال دیتے ہیں۔ یہ ڈائن آکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑی ہوگئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس بالکل ظاہر بیٹھے ہوئے تھے لیکن قدرتی حجابوں نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہنے لگی کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تیرے ساتھی نے میری ہجو کی ہے، یعنی شعروں میں میری مذمت کی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں نہیں رب البیت کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیری کوئی ہجو نہیں کی، تو یہ کہتی ہوئی لوٹ گئی کہ قریش جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں۔ ابولہب کی بیوی ام جمیل بنت حرب بنت امیہ یعنی ابوسفیان کی بہن تھی۔ (تفسیر ابن کثیر)

فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ⑤

اس کی گردن میں رسی ہے مونجھ کی ☆

جیسا عمل ویسی سزا:

یعنی بہت مضبوط بٹی ہوئی چھینے والی اس سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک دوزخ کے طوق وسلاسل ہیں اور یہ تشبیہ "حَمَّالَةَ الْحَطَبِ" کی مناسبت سے دی گئی ہے کیونکہ لکڑیوں کا بوجھ اٹھانے میں رسی کی ضرورت پڑتی ہے۔ لکھتے ہیں کہ اس عورت کے گلے میں ایک ہار بہت قیمتی تھا کہا کرتی تھی کہ لات وعزیٰ کی قسم اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت پر خرچ کروں گی۔ ضرور تھا کہ دوزخ میں بھی اس کی گردن ہار سے خالی نہ رہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اس بدبخت کی موت بھی اسی طرح واقع ہوئی لکڑیوں کے گٹھے کی رسی گلے میں آپڑی جس سے گلا گھٹ کر دم نکل گیا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے فرمایا کہ حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ سے مراد لوہے کے تاروں سے بٹا ہوا رسہ ہے اور یہ اس کا حال جہنم میں ہوگا کہ آہنی تاروں سے مضبوط بٹا ہوا طوق اس کے گلے میں ہوگا حضرت مجاہد نے بھی اس کی تفسیر میں فرمایا ہے من مسد ای من حدید. (مظہری، معارف مفتی اعظم)

سورة الاخلاص

سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ

سورۂ اخلاص مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چار آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ①

تو کہہ وہ اللہ ایک ہے ☆

اللہ تعالیٰ کا تعارف:

یعنی جو لوگ اللہ کی نسبت پوچھتے ہیں کہ وہ کیسا ہے ان سے کہہ دیجئے کہ وہ ایک ہے، جس کی ذات میں کسی قسم کا تعدد وتکثر اور دوئی کی گنجائش نہیں نہ اس کا کوئی مقابل، نہ مشابہ، اس میں مجوس کے عقیدہ کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ خالق دو ہیں خیر کا خالق "یزداں" اور شر کا "اہرمن" نیز ہنود کی تردید ہوتی ہے جو تینتیس کروڑ دیوتاؤں کو خدائی میں حصہ دار ٹھہراتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

"یعنی نہ اس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔" اور بعض علماء ومفسرین فرماتے ہیں کہ جس نے سورہ اخلاص کی خواب میں تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ اللہ کی وحدانیت کا قائل ہے اور پڑھنے والے کے لڑکے کو اس وقت تک موت نہ آئے گی جب تک وہ اپنے کل اہل خاندان کو دفن نہ کردے اور وہ اکیلا مرے گا۔ (ابن سیرین)

سورۃ اخلاص کی فضیلت:

صحیح بخاری ودیگر کتب حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جس کسی شخص نے یہ سورت پڑھی اس نے تہائی قرآن کی تلاوت کی۔

اس لئے کہ قرآن کریم از اول تا آخر جن مضامین پر مشتمل ہے وہ تین قسم کے ہیں، (۱) توحید وصفات خداوندی (۲) اعمال عبادت (۳) قیامت اور جزاء وسزاء تو اس سورت میں توحید وصفات کا بیان ہے۔

سورۂ اخلاص سے محبت:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے ایک سریہ بھیجا تھا اور ان پر ایک شخص کو امیر بنایا تو یہ صاحب جب

بھی نماز پڑھتے ہر رکعت میں سورت کے شروع کرنے سے پہلے سورۂ اخلاص پڑھاتے تھے تو لوگوں نے واپس آ کر یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بتائی (کیونکہ یہ چیز عام دستور اور طریقہ صلوٰۃ سے مختلف تھی) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے دریافت فرمایا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورت صفت الرحمٰن ہے اور مجھے اس سے محبت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کو بتا دو کہ اللہ بھی اس سے محبت فرماتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اس سورت کی محبت نے اس کو جنت میں داخل کر دیا۔

تہائی قرآن کا قیام:

حضرت ابو ایوب انصاریؓ ایک مجلس میں تھے کہ انہوں نے حاضرین مجلس سے فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ ہر رات تہائی قرآن کی تلاوت کے ساتھ قیام کر لیا کرے (یعنی تہجد پڑھ لے) لوگوں نے عرض کیا کہ اے ابو ایوب کیا کسی میں اس قدر طاقت ہو سکتی ہے کہ ہر رات وہ اتنی مقدار تلاوت کرے۔ آپ نے فرمایا قل هو الله تعدل ثلث القرآن ہے تو اسی مجلس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا صدق ابو ایوب۔

جنت کے محلات:

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ختم سورۃ تک دس مرتبہ پڑھ لی۔ اس کے واسطے اللہ تعالیٰ جنت میں ایک محل بنا دے گا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ سن کر کہنے لگے پھر تو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم جنت میں بہت سے محل بنا لیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت اور اس کے انعامات اس سے بھی زیادہ وسیع تر ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

فضائل سورت:

امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے اس سورت (یعنی سورۃ اخلاص) سے بڑی نسبت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی محبت نے تمہیں جنت میں داخل کر دیا۔ (ابن کثیر)

ترمذی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ سب جمع ہو جاؤ میں تمہیں ایک تہائی قرآن سناؤں گا جو جمع ہو سکتے تھے، جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور قل هو الله احد کی تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ سورت ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (رواہ مسلم فی صحیحہ)

ابو داؤد، ترمذی اور نسائی نے ایک طویل حدیث میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صبح و شام قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور معوذتین پڑھ لیا کرے تو یہ اس کے لئے کافی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ یہ اس کو ہر بلا سے بچانے کے لئے کافی ہے۔ (ابن کثیر)

امام احمد نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو ایسی تین سورتیں بتاتا ہوں کہ جو تورات، زبور، انجیل اور قرآن سب میں نازل ہوئیں اور فرمایا کہ رات کو اس وقت تک نہ سوؤ جب تک ان تینوں (معوذتین اور قل ہو اللہ احد) کو نہ پڑھ لو۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس وقت سے میں نے ان کو کبھی نہیں چھوڑا۔ (ابن کثیر، معارف مفتی اعظم)

شان نزول: ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں بروایت ابان حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا ہے کہ خیبر کے یہودیوں نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا ابوالقاسم اللہ نے ملائکہ کو نور حجاب سے پیدا کیا اور آدم علیہ السلام کو گوندھی ہوئی لیسدار کیچڑ سے اور ابلیس کو آگ کے شعلوں سے اور آسمان کو دھوئیں سے اور زمین کو پانی کی جھاگوں سے اور اب اپنے رب کے متعلق بتاؤ (کہ وہ کس چیز سے بنا ہوا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا اس پر جبرئیل یہ سورت لے کر نازل ہوئے۔

ان روایات کی بناء پر اس سورت کو مدنی کہا گیا ہے۔

بغویؒ نے ابو ظبیان اور ابو صالح کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ خدمت گرامی میں حاضر ہوئے عامر نے عرض کیا محمد تم کس کی طرف ہم کو بلاتے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی طرف۔ عامر نے کہا کہ اپنے رب کی حالت تو بیان کرو کیا وہ سونے کا ہے یا چاندی کا، لوہے کا ہے یا لکڑی کا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی اربد پر بجلی گری اور اس طرح وہ مارا گیا اور عامر طاعون سے مرا۔

اللہ تعالیٰ ہر طرح کی شراکت سے پاک ہے:

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دو کہ میرے رب کے جو اوصاف جو تم پوچھتے ہو تو وہ اللہ ایک ہے۔ نہ اپنی حقیقت میں کسی کے ساتھ شریک ہے نہ کسی وصف کمال میں کوئی چیز اس کے مشابہ ہے۔ جب ذات وصفات میں اس کی طرح کوئی نہیں تو لامحالہ نہ کوئی اس کی نظیر ہے نہ ضد نہ مثل۔ اسی لئے صوفیہ صافیا نے کہا ہے کہ اللہ کی احدیت ذات وصفات کا تقاضا ہے کہ وجود میں اس کا کوئی شریک نہ ہو وجود تمام صفات کی جڑ ہے اور حیات تمام صفت کا مبداء، علم، قدرت، ارادہ، کلام، سمع، بصر، اور تکوین حیات پر مبنی ہیں اور حیات وجود کی فرع ہے۔ (تفسیر مظہری)

مسجد قبا کے امام کا عمل:

ایک انصاریؓ مسجد قبا کے امام تھے ان کی عادت تھی کہ الحمد ختم کر کے پھر

اس سورت کو پڑھتے پھر جونسی سورت پڑھنی ہوتی یا جہاں سے چاہتے قرآن پڑھتے۔ایک دن مقتدیوں نے کہا کہ آپ اس سورۃ کو پڑھتے ہیں اور پھر دوسری سورۃ ملاتے ہیں یہ کیا؟ یا تو آپ صرف اسی کو پڑھئیے یا چھوڑ دیجئے ،دوسری سورۃ ہی پڑھا کیجئے۔انہوں نے جواب دیا کہ میں تو جس طرح کرتا ہوں کرتا رہوں گا ،تم چاہو تو مجھے امام رکھو اور کہو تو میں تمہاری امامت چھوڑ دوں۔اب انہیں یہ بات بھاری پڑی ،جانتے تھے کہ ان سب میں یہ زیادہ افضل ہیں، ان کی موجودگی میں کسی دوسرے کا نماز پڑھانا بھی انہیں گوارا نہ ہو سکا۔ایک دن جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے۔تو ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام صاحب سے فرمایا کہ تم کیوں اپنے ساتھیوں کی بات نہیں مانتے اور ہر رکعت میں اس سورۃ کو کیوں پڑھتے ہو؟ وہ کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اس سورت سے بڑی محبت ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی محبت نے تجھے جنت میں پہنچا دیا۔

حضرت قتادہ کا عمل:

مسند احمد میں ہے کہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ ساری رات اسی سورت کو پڑھتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سورۃ آدھے قرآن یا تہائی قرآن کے برابر ہے۔

تہائی قرآن:

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کو اس کی طاقت ہے کہ وہ ہر رات قرآن کا تیسرا حصہ پڑھ لیا کرے۔صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے یہ کس سے ہو سکے گا؟ آپ فرمانے لگے کہ سنو قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الخ تہائی قرآن کے برابر ہے۔اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا اور فرمایا کہ ابوایوب رضی اللہ عنہ سچ کہتے ہیں۔(مسند احمد)

ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ جمع ہو جاؤ میں تمہیں آج تہائی قرآن سناؤں گا، لوگ جمع ہو کر بیٹھ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے تشریف لائے سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الخ پڑھی اور پھر گھر تشریف لے گئے۔اب صحابہ رضی اللہ عنہم میں باتیں ہونے لگیں کہ وعدہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تھا کہ تہائی قرآن سنائیں گے شاید آسمان سے کوئی وحی آ گئی ہو۔اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر تشریف لے آئے اور فرمایا میں نے تم سے تہائی قرآن سنانے کا وعدہ کیا تھا، سنو! یہ سورۃ تہائی قرآن کے برابر ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اس سے عاجز ہو کہ ہر دن تہائی قرآن پڑھ لیا کرو، لوگوں نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اس سے بہت عاجز اور بہت ضعیف ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنو! اللہ تعالیٰ نے قرآن کے تین حصے کئے ہیں، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تیسرا حصہ ہے۔ (مسلم، نسائی غیرہ)

ایسی ہی روایتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بہت بڑی جماعت سے مروی ہیں۔

جنت واجب ہوگئی:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ کہیں سے تشریف لا رہے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اس سورۃ کی تلاوت کرتے ہوئے سن کر فرمایا کہ واجب ہوگئی۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا واجب ہوگئی؟ فرمایا جنت۔ (ترمذی و نسائی)

ابویعلیٰ کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ کیا تم میں کوئی اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الخ کو رات میں تین بار پڑھ لے؟ یہ سورۃ تہائی قرآن کے برابر ہے۔

کافی ہونے والی تین سورتیں:

مسند احمد میں ہے کہ عبداللہ ابن حبیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پیاسے تھے رات اندھیری تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار تھا۔کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے پڑھ میں چپ رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ پڑھ میں نے عرض کیا کہ کیا پڑھوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر صبح شام تین تین مرتبہ سورہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ پڑھ لیا کر یہ کافی ہو جائیں گی نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ ہر چیز سے تجھے یہ کفایت کرے گی۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اس پوری سورۃ کو دس مرتبہ پڑھ لے گا۔اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک محل تعمیر فرمائے گا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر تو ہم بہت سے محل بنوالیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا اس سے بھی زیادہ اور اس سے بھی اچھا دینے والا ہے۔دارمی میں ہے کہ دس مرتبہ پر ایک محل بیس پر دو تیس پر تین الخ یہ حدیث مرسل ہے۔

دوسو سال کے گناہ معاف:

بزار کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ جو شخص اس سورۃ کو دو سو مرتبہ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے دوسو سال کے گناہ معاف کر دیتا ہے:

اسم اعظم کے ساتھ دعا:

نسائی شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے دعا مانگ رہا ہے اپنی دعا میں کہتا ہے کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنِّیْ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَ لَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔ یعنی اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس بات کی گواہی دے کر کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا ہے بے نیاز ہے۔ نہ اس کے ماں باپ نہ اولاد نہ ہمسر اور ساتھی کوئی اور۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر فرمانے لگے کہ اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگی ہے۔ خدا کے اس بڑے نام کے ساتھ کہ جب کبھی اس کے نام کے ساتھ سوال کیا جائے تو عطا ہو اور جب کبھی اس نام کے ساتھ دعا کی جائے تو قبول ہو۔

تین کام:

ابویعلیٰ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تین کام ہیں جو انہیں ایمان کے ساتھ کرلے تو وہ جنت کے تمام دروازں میں سے جس میں سے چاہے چلا جائے۔ اور جس کسی حور کے ساتھ چاہے نکاح کر دیا جائے جو اپنے قاتل کو معاف کرے اور پوشیدہ قرض ادا کر دے۔ اور ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ سورۃ قل هو الله احد پڑھ لیا کرے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ان تین کاموں میں سے ایک بھی کرلے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک پر بھی یہی درجہ ہے۔

تمام سورتوں سے بہترین سورۃ:

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز میری رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔ میں نے جلدی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تھام لیا۔ اور کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مومن کی نجات کس عمل پر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عقبہ زبان تھامے رکھ اپنے گھر میں بیٹھا رہا کر اور اپنی خطاؤں پر روتا رہ پھر دوبارہ جب میری حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا عقبہ کیا میں تمہیں توراۃ اور انجیل اور زبور اور قرآن میں اتری ہوئی تمام سورتوں سے بہتر تین سورتیں نہ بتاؤں؟ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ارشاد فرمایئے اللہ تعالیٰ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا کرے۔ پس آپ نے مجھے سورہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ پڑھائیں پھر فرمایا کہ دیکھو عقبہ انہیں نہ بھولنا اور ہر رات انہیں پڑھ لیا کرنا فرماتے ہیں کہ پھر میں انہیں نہ بھولا اور نہ کوئی رات انہیں پڑھے بغیر گذاری۔ میں نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور جلدی کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو اپنے ہاتھ میں لے کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بہترین اعمال ارشاد فرمایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سن! جو تجھ سے توڑے تو اس سے جوڑ جو تجھے محروم رکھے تو اسے دے اور جو تجھ پر ظلم کرے تو اس سے درگذر کر اور معاف کر دے۔ اس کا بعض حصہ امام ترمذی نے بھی زہد کے باب میں وارد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے مسند احمد میں بھی اس کی سند ہے۔

سوتے وقت کا مسنون عمل:

بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت جب بستر پر تشریف لے جاتے تو ہر رات ان تینوں سورتوں کو پڑھ کر اپنی دونوں ہتھیلیاں ملا کر ان پر دم کر کے اپنے جسم مبارک پر پھیر لیا کرتے جہاں جہاں تک ہاتھ پہنچتے پہنچاتے پہلے سر پر پھر منہ پر پھر اپنے سامنے کے جسم پر تین مرتبہ اسی طرح کرتے۔ یہ حدیث سنن میں بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾
اللہ بے نیاز ہے☆

لفظ صمد کی جامعیت:

"صَمَدٌ" کی تفسیر کئی طرح کی گئی ہے طبرانی ان سب کو نقل کر کے فرماتے ہیں "وكل هذه صحيحة وهى صفات ربنا عزوجل هو الذى يصمد اليه فى الحوائج وهو الذى قد انتهى سؤدده وهو الصمد الذى لا جوف له ولا ياكل لا يشرب وهو الباقى بعد خلقه" (ابن کثیر)۔ (یہ سب معانی صحیح ہیں اور یہ سب ہمارے رب کی صفات ہیں وہ ہی ہے جس کی طرف تمام حاجات میں رجوع کیا جاتا ہے یعنی سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں اور وہ ہی ہے جس کی بزرگی اور فوقیت تمام کمالات اور خوبیوں میں انتہاء کو پہنچ چکی ہے اور وہ ہی ہے جو کھانے پینے کی خواہشات سے پاک ہے اور وہ ہی ہے جو خلقت کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے۔

جاہلوں اور آریوں کی تردید:

اللہ تعالیٰ کی صفت صمدیت سے ان جاہلوں پر رد ہوا جو کسی غیر اللہ کو کسی درجہ میں مستقل اختیار رکھنے والا سمجھتے ہوں نیز آریوں کے عقیدہ مادہ وروح کی تردید بھی ہوئی کیونکہ ان کے اصول کے موافق اللہ تو عالم کے بنانے میں ان دونوں کا محتاج ہے اور یہ دونوں اپنے وجود میں اللہ کے محتاج نہیں (العیاذ اللہ)۔ (تفسیر عثمانی)

صمد کے معنی:

اصل معنی صمد کے یہ ہیں کہ جس کی طرف لوگ اپنی حاجات اور ضروریات میں رجوع کریں اور جو بڑائی اور سرداری میں ایسا ہو کہ اس سے بڑا کوئی نہیں خلاصہ یہ کہ سب اس کے محتاج ہوں وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ (ابن کثیر)

اَللّٰهُ الصَّمَدُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حسن رضی اللہ عنہ بصری اور سعید

بن جبیر نے کہا کہ صمد کا معنی ہے نڈر یعنی جس کو کوئی خوف نہ ہو۔ ابن جریر رضی اللہ عنہ نے حضرت بریدہ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

ابوائل شفیق بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا صمد وہ سردار ہے جس کی سیادت چوٹی پر پہنچ گئی ہو۔ یعنی جس کی سیادت بہمہ وجوہ کامل ہو میرے نزدیک صمد کا حقیقی معنی ہے مقصود۔

مقصود مطلق وہی ہوسکتا ہے جس کے سب محتاج ہوں اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو لامحالہ اس کے اندر تمام کمالات ہوں گے اور ہر طرح کی سیادت اس کو حاصل ہوگی اور تمام عیوب سے پاک ہوگا۔ اور ہر آفت سے منزہ ہوگا۔ کھانے پینے کا محتاج نہ ہوگا قدیم ہوگا۔ اس لیے اس کا کوئی والد نہ ہوگا اس کا کوئی ہم جنس نہ ہوگا۔ اس لیے اس کی کوئی اولاد نہ ہوگی اس سے کوئی بالا نہ ہوگا۔ بلکہ اس کی مثل بھی کوئی نہ ہوگا۔ غرض اس کے مرتبہ تک فہم وعقل کی رسائی نہ ہوگی وہ سب سے اونچا ہوگا۔

صرف رتبہ ہی مقصود ہے:

جو صمدیت سے متصف نہ ہو وہ معبودیت کا مستحق نہیں انسان کا مقصود صرف باری ہونا چاہیے اللہ کے علاوہ کوئی چیز مقصود نہیں ہونا چاہیے اسی لیے صوفیہ کرام نے لا الہ الا اللہ کا معنی لامقصود الا اللہ کہا ہے اور صراحت کی ہے کہ انسان کا جو اصلی مقصود ہے وہی اس کا معبود ہے کیونکہ عبادت کا معنی ہے معبود کے سامنے انتہائی عاجزی اور فروتنی ظاہر کرنا اور انسان اپنے مقصود کے لیے انتہائی فروتنی اور انکساری کرتا ہے پس جس کے لیے انتہائی فروتنی کی جائے یعنی جو مقصود ہو وہی معبود ہوگا۔

صوفیہ لا الہ الا اللہ کا ذکر کرتے وقت غیر اللہ کی مقصودیت کی نفی کرتے ہیں اور ہر طرح کوشش کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کے مقصود ہونے کا خیال بھی ان کے دلوں سے دور ہو جائے اللہ ہر مشکل آسان کرنے والا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صمد وہ ہے جو اپنی سرداری میں اپنی شرافت میں اپنی بزرگی میں اور اپنی عظمت میں اپنے حلم وعلم میں اپنے حکمت وتدبر میں سب سے بڑھا ہوا ہو یہ صفتیں صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ میں ہی پائی جاتی ہیں اس کا ہمسر اور اس جیسا کوئی اور نہیں۔ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سب پر غالب اور اپنی ذات میں یکتا اور بے نظیر ہے صمد کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ جو تمام مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہے گا۔ جو ہمیشہ بقا والا سب کی حفاظت کرنے والا ہو جس کی ذات لازوال اور غیر فانی ہو۔

اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ سے مروی ہے کہ صمد کہتے ہیں کہ ٹھوس چیز کو جو کھوکھلی نہ ہو جس کا پیٹ نہ ہو شعبیؒ کہتے ہیں جو نہ کھاتا ہو نہ پیتا ہو۔ عبداللہ بن بریدؒ فرماتے ہیں کہ صمد وہ نور ہے جو روشن ہو۔ اور چمک دمک والا ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُولَدْ ۙ ﴿٣﴾

نہ کسی کو جنا نہ کسی سے جنا ☆

یہودیوں عیسائیوں اور مشرکوں کی تردید:

یعنی نہ کوئی اس کی اولاد نہ وہ کسی کی اولاد اس میں ان لوگوں کا رد ہوا جو حضرت مسیحؑ کو یا حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ نیز جو لوگ مسیح کو یا یا کسی بشر کو خدا مانتے ہیں ان کی تردید "لَمْ يُولَدْ" میں کر دی گئی ہے یعنی خدا کی شان یہ ہے کہ اس کو کسی نے جنا نہ ہو۔ اور ظاہر ہے حضرت مسیح ایک پاکباز عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ پھر وہ خدا کس طرح ہو سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ والد نہیں ہے:

لَمْ يَلِدْ مشرکوں نے کہا تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں یہودی قائل تھے کہ عزیر کا باپ خدا ہے عیسائی کہتے تھے کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے اللہ نے فرمایا کہ اللہ کسی کا والد نہیں کیونکہ اس کا کوئی ہم جنس نہیں نہ اس کو کسی مددگار کی ضرورت ہے نہ کوئی اس کا قائم مقام ہے۔ اس کو کسی کی حاجت نہیں نہ اس پر فنا آسکتی ہے۔

اللہ کا والد نہ ہونا اگرچہ دوامی ہے اور ہر زمانہ میں والدیت سے پاک تھا اور ہے اور رہے گا۔

اللہ مولود نہیں ہے:

وَلَمْ يُولَدْ اور وہ نہ کسی کا جنا ہوا ہے کیونکہ ہر مولود حادث ہوتا ہے اور اللہ حدوث سے پاک ہے حدوث الوہیت کے منافی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿٤﴾

اور نہیں اُس کے جوڑ کا کوئی ☆

اللہ کے برابر کا کوئی نہیں:

جب اس کے جوڑ کا کوئی نہیں تو جورو یا بیٹا کہاں سے ہو۔ اس جملہ میں ان اقوام کا رد ہو گیا جو اللہ کی کسی صفت میں کسی مخلوق کو اس کا ہمسر ٹھہراتے ہیں حتی کہ بعض گستاخ تو اس سے بڑھ کر صفات دوسروں میں ثابت کر دیتے ہیں یہود کی کتابیں اٹھا کر دیکھو ایک دنگل میں خدا کی کشتی یعقوب علیہ السلام سے ہو رہی ہے اور یعقوبؑ خدا کو پچھاڑ دیتے ہیں (العیاذ باللہ) "كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا" انی اسالک یا اللہ الواحد الصمد الذی لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○ ان تغفرلی ذنوبی

انک انت الغفور الرحیم۔ (تفسیر عثمانی)

حدیث قدسی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ آدم کا بیٹا مجھے جھوٹا قرار دیتا ہے حالانکہ اس کے لیے یہ جائز نہیں اور مجھے گالی دیتا ہے حالانکہ اس کے لیے یہ درست نہیں میری تکذیب تو یہ ہے کہ وہ کہتا کہ خدا نے مجھے جیسا پہلے پیدا کر دیا تھا وہ ایسا دوبارہ پیدا نہیں کرے گا۔ حالانکہ پہلے مرتبہ پیدا کرنا دوبار پیدا کرنے سے میرے لیے سہل نہ تھا۔ اور گالی یہ دیتا ہے کہ وہ کہتا کہ خدا نے اپنے لیے اولاد اختیار کی ہے حالانکہ میں واحد ہوں اور محتاج نہیں ہوں نہ والد ہوں نہ مولود اور نہ کوئی میری مثل ہے۔

سوتے وقت سو مرتبہ اخلاص پڑھنا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سوتے وقت دائیں کروٹ سے لیٹ کر سو بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتا ہے قیامت کا دن ہوگا تو پروردگار اس سے فرمائے گا میرے بندے اپنے دائیں رُخ سے جنت میں داخل ہو جا۔ (رواہ الترمذی وقال حسن غریب)

پچاس سال کے گناہ معاف:

روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص روز سو بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتا ہے اس کے گناہ پچاس سال کے مٹا دیئے جاتے ہیں۔ ہاں اگر اس پر کسی کا قرض ہو (تو وہ معاف نہیں ہوتا۔) (رواہ الترمذی والدارمی) ایک روایت میں پچاس بار کا لفظ آیا اور قرض کے استثناء الفاظ نہیں آئے۔ (تفسیر مظہری)

سورة الفلق

جس نے اس سورہ کو خواب میں پڑھا وہ برائیوں سے محفوظ رہے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

سورۂ فلق مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ①

تو کہہ میں پناہ میں آیا صبح کے رب کی ☆

یعنی جو رات کی ظلمت پھاڑ کر صبح کی روشنی نمودار کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری، تشخیص اور علاج:

کلبی نے بروایت ابوصالح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت بیمار ہو گئے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو فرشتے آئے ایک سرہانے کھڑا ہوا اور دوسرا پائیں۔ پائینتی والے نے سرہانے والے سے کہا کہ اس شخص کو کیا ہو گیا ہے؟ سرہانے والے نے کہا کہ بیمار ہے پائینتی والے نے کہا کہ کیا روگ ہے؟ سرہانے والے نے کہا، جادو ہے۔ پائینتی والے نے کہا کس نے کیا؟ سرہانے والے نے کہا، لبید بن اعصم یہودی نے۔ پائینتی والے نے کہا، وہ کیا ہوا جادو کہاں ہے؟ سرہانے والے نے کہا کہ وہ اک تسمہ میں کیا گیا ہے جو ایک کنوئیں کے اندر پتھر کے نیچے رکھا گیا ہے۔ تم کنوئیں پر جاؤ سب پانی کھینچ لو پتھر اٹھاؤ اور کھجور کے گابھ کو لے کر جلا ڈالو۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو چند لوگوں کے ساتھ بھیجا لوگ کنوئیں پر گئے تو دیکھا کہ کنوئیں کا پانی مہندی کے پانی کی طرح سرخ ہے ان لوگوں نے پتھر اٹھا کر گابھ کو نکال کر جلایا تو اس کے اندر سے ایک تانت نکلی جس میں گیارہ گرہیں لگیں ہوئی تھیں اس پر یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو نہی ایک آیت پڑھتے ایک گرہ کھل جاتی۔ (بیہقی فی دلائل النبوۃ)

یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا:

ابونعیم نے دلائل میں ابوجعفری رازی کی روایت سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ کر دیا تھا۔ جس

سے آپ کو سخت دکھ ہو گیا تھا صحابہ دیکھنے حاضر ہوئے تو انہوں نے خیال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ بیماری ہے جبرئیل علیہ السلام معوذتین لے کر نازل ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سورتوں سے تعوذ کیا اور تندرست ہو کر باہر صحابہ کے پاس تشریف لے آئے صحیحین میں اس کی تائید شہادت اور نزول سورت کے علاوہ بھی موجود ہے۔ (یعنی دعا سے تعوذ جائز ہے)

بغویؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا یہودیوں نے خفیہ سازش کی اور اس کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اس کے ذریعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنگھی کے بال اور کنگھی کے چند دندانے حاصل کر لیے اور پھر ان پر جادو کیا اس کام کا ذمہ دار لبید بن عاصم یہودی تھا۔ اس پر یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔

بغویؒ نے اپنی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے (کچھ تو ہم سا ہو گیا) ان کیے کام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیال کرتے تھے کہ میں کر چکا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پروردگار سے دعا کی پھر فرمانے لگے کہ اللہ سے جو کچھ میں نے دریافت کیا تھا۔ اللہ نے بتا دیا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا بات ہے۔ فرمایا کہ (خواب میں) دو آدمی آئے ایک میرے سرہانے کھڑا ہو گیا اور دوسرا پائیں ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس شخص کا کیا دکھ ہے دوسرے نے کہا کہ یہ سحر زدہ ہے اول نے پوچھا کہ کس نے سحر کیا ہے دوسرے نے کہا کہ لبید بن اعصم نے اول نے کہا کہ کس چیز پر کیا ہے دوسرے نے کہا کنگھی پر کنگھی کے بالوں پر اور نر کھجور کے گابھن پر۔ اول نے کہا یہ چیزیں کہاں ہیں دوسرے نے کہا بنی زریق کے چاہ ذروان میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ اس خواب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنویں پر تشریف لے گئے اور واپس آ کر فرمایا۔ واللہ اس کا پانی تو مہندی کی طرح پانی تھا اور وہاں کھجور کے درخت ایسے تھے جیسے بھوتوں کے سر۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر آپ نے اس کو نکال کیوں نہ لیا فرمایا مجھے تو اللہ نے شفا دی میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ لوگوں میں فتنہ اٹھاؤں۔

جادو کی برآمدگی:

بغویؒ کا بیان ہے کہ روایت میں آیا ہے کہ وہ کنویں کے اندر ایک پتھر کی نیچے تھا۔ لوگوں نے پتھر اٹھا کر اس کے نیچے سے کھجور کا کھوکھلا گابھ برآمد کر لیا اسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے کچھ بال اور کنگھی کے دندانے موجود تھے۔

بغویؒ نے اپنی سند سے حضرت یزید بن ارقم کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک یہودی نے جادو کر دیا تھا جس سے آپ دکھی ہو گئے تھے جبرئیل نے آ کر بتایا کہ ایک یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا ہے اور جادو کی کچھ گرہیں لگائیں ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اس کو برآمد کرا لیا اور جونہی ایک گرہ کھولتے مرض میں خفت محسوس ہوتی تھی آخر آپ بالکل تندرست ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے گویا زانو بند کھل گیا لیکن اس کا تذکرہ اس کے منہ پر نہیں کیا نہ اس سے کچھ فرمایا۔

بیہقی نے دلائل میں اور ابن مردویہ نے اس روایت کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف نسبت کی ہے کہ ایک یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا ایک تانت میں گیارہ گرہیں لگا کر تانت کو کنویں کے اندر پتھر کے نیچے چھپا دیا آپ بیمار ہو گئے اور معوذتین کا نزول ہوا اور جبرئیل نے سحر کی جگہ بتا دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس تانت کو لے آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سورتیں اس پر پڑھیں جونہی ایک آیت پڑھتے تھے ایک گرہ کھل جاتی تھی اور آپ کو مرض میں کچھ خفت محسوس ہوتی تھی۔

تکلیف کی مدت:

روایت میں آیا ہے کہ آپ اس دکھ میں چھ ماہ مبتلا رہے اور تین راتیں تو بہت شدت رہی آخر معوذتین نازل ہوئیں۔

حضرت جبرئیل کا دم:

مسلم نے ابوسعید کی روایت لکھی ہے کہ حضرت جبرائیل نے آ کر کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا تم کو دکھ ہے فرمایا ہاں حضرت جبرئیل نے کہا بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ مِنْ کُلِّ شَیْئٍ یُؤْذِیْکَ مِنْ شَرِّ کُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَیْنٍ حَاسِدٍ اللّٰہُ یَشْفِیْکَ بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ۔

فلق کا معنی:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ الفلق تاریکی پھٹ کر صبح نکل آنا۔

جابر بن الحسن سعید بن جبیر مجاہد قتادہ کے نزدیک یہی معنی مراد ہے جو معنی آیت فَالِقُ الْاِصْبَاحِ میں مراد ہیں وہی اس جگہ مراد ہیں

ابن جریر نے حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ الفلق جہنم کے اندر سرپوش کنواں ہے ابن جریر اور بیہقی نے لکھا ہے کہ عبدالجبار خولانی نے بیان کیا کہ دمشق میں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تشریف لائے اور دنیا میں لوگوں کو مشغول دیکھ کر فرمایا انکو اس سے کچھ فائدہ نہ ہو گا ان سے آگے فلق نہیں ہے لوگوں نے پوچھا کہ فلق کیا ہے فرمایا دوزخ میں ایک کنواں ہے جب اس کو کھولا جائے گا تو دوزخی بھی اس سے بھاگیں گے ابن ابی حام او ابن ابی الدنیا نے عمرو بن عتبہ کی طرف سے اس قول کی نسبت کی ہے کہ الفلق

جہنم کے اندر ایک کنواں ہے جب اس کو کھولا جائیگا اور اسکے اندر سے آگ برآمد ہوگی تو اس کی تیزی سے جہنم بھی چیخنے گی۔

ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے حضرت کعب کا قول نقل کیا ہے کہ الفلق جہنم کے اندر ایک گھر ہے جب اس کو کھولا جائے گا تو جہنم والے بھی اس کی گرمی کی شدت سے چیخیں گے ابن ابی حاتم ناقل ہیں کہ حضرت زید بن علی نے اپنے آباؤ اکرام (حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت علی رضی وغیرہم) کے حوالہ سے بیان کیا کہ الفلق جہنم کی تہہ میں ایک کنواں ہے۔

اللہ نے پناہ مانگنے کے حکم میں اس جگہ رب الفلق کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر کیا ہے کہ جہنم اور فلق سب سے بڑی تکلیف دہ مصیبت اور عظیم الشان شر ہے پس اس کا خالق اور مالک یقیناً ہر شر کو رفع کرنے پر قادر ہے لہٰذا اس وصف کے ساتھ اس کا تذکرہ کرنا تمام برائیوں کے دفعیہ کا سبب ہے۔ (تفسیر مظہری)

تھوڑی دیر کے بعد میں اتر گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقبہ! میں تجھے دو بہترین سورتیں کیا نہ سکھاؤں؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور سکھایئے پس آپ نے مجھے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ سنائیں پھر نماز کھڑی ہوئی تو آپ نے نماز پڑھائی تو ان ہی دو سورتوں کی تلاوت کی۔ پھر مجھ سے فرمایا تو نے دیکھ لیا۔ سن جب تو سوئے اور جب کھڑا ہو انہیں پڑھ لیا کر۔ ترمذی ابوداؤد اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے۔

بے مثال آیات:

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے نہیں دیکھا کہ چند آیتیں مجھ پر اس رات ایسی نازل ہوئی ہیں جن جیسی کبھی نہیں دیکھی گئیں۔ پھر آپ نے ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی یہ حدیث مسند احمد میں ترمذی میں اور نسائی میں بھی ہے امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔

دو بہترین سورتیں:

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عقبہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی گلیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی نکیل تھامے چلا جارہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا آؤ اب تم سوار ہو جاؤ میں نے اس خیال سے کہ اگر آپ کی بات نہ مانوں گا تو نافرمانی ہوگی سوار ہونا منظور کرلیا:

سب سے زیادہ نفع والی سورتیں:

اور حدیث میں ہے کہ حضرت عقبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے پیچھے جاتے ہیں اور آپ کے قدم پر ہاتھ رکھ کر عرض کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے سورۃ ھود یا سورۃ یوسف پڑھایئے آپ نے فرمایا خدا کے پاس نفع دینے والی کوئی سورت قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ سے زیادہ نہیں ہے۔

پناہ کی سورتیں:

حضرت عبداللہ بن اسلم کے سینے پر ہاتھ رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہہ! وہ نہ سمجھے کہ کیا کہیں پھر فرمایا کہہ تو انہوں نے سورۃ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ الخ پڑھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہہ پھر سورہ فلق پڑھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی یہی فرمایا تو سورہ ناس پڑھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی طرح پناہ مانگا کر اس جیسی پناہ مانگنے کی اور سورتیں نہیں۔ (نسائی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی اور انسانوں کی آنکھوں سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ جب یہ دونوں سورتیں اتریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لے لیا اور باقی سب چھوڑ دیں۔ امام ترمذی اسے حسن صحیح فرماتے ہیں۔

وسوسہ شیطان کا فریب

مسند احمد کی ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے دل میں تو ایسے ایسے خیالات آتے ہیں کہ ان کا زبان سے نکالنا مجھ پر آسمان پر سے گر پڑنے سے بھی زیادہ برا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے حمد وثناء ہے جس نے شیطان کے مکر وفریب کو وسوسے میں ہی لوٹا دیا یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی میں بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نکتہ: بیضاوی نے لکھا ہے کہ آیت میں صرف عالم خلق کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ عالم امر سراسر خیر ہے اس میں کوئی شر ہے ہی نہیں۔

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾

ہر چیز کی بدی سے جو اُس نے بنائی ☆

یعنی ہر ایسی مخلوق جس میں کوئی بدی ہو اس کی بدی سے پناہ مانگتا ہوں آگے بمناسب مقام چند مخصوص چیزوں کا نام لیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عالم خلق کا شر:

عالم خلق کا شر یا اختیاری اور خود آور ہے۔ یا طبعی اور نیچرل، اختیاری شر (کا نقصان) یا صرف اپنی ذات تک محدود رہتا ہے جیسے کفر یا دوسروں تک پہنچتا ہے جیسے ظلم طبعی شر (جس میں انسانی اختیار کو دخل نہیں اشیاء کے طبعی خواص ولوازم ہیں) جیسے آگ جلاتی ہے۔ اور زہر ہلاک کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾

اور بدی سے اندھیرے کی جب سمٹ آئے ☆

غاسق کا شر:

یعنی رات کا اندھیرا کہ اس میں اکثر شرور خصوصاً سحر وغیرہ بکثرت واقع ہوتے ہیں یا چاند کا گہن یا آفتاب کا غروب مراد ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اس میں سب تاریکیاں آگئیں ظاہر اور باطن کی۔ اور تنگدستی اور پریشانی اور گمراہی"۔ (تفسیر عثمانی)

اس جگہ غاسق سے چاند مراد ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ اللہ کی پناہ مانگ (اس) غاسق کی شر سے جب یہ ڈوبنے لگے۔ (رواہ البغوی بسندہ)

اس صورت میں اِذَا وَقَبَ کا معنی ہوگا جب وہ بے نور ہونے لگے اور غائب ہونے لگے۔ کیونکہ چاند کے نور میں کمی پورا چاند ہونے اور بھرپور نور ہو جانے کے بعد ہی (شروع) ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حسن بصریؒ اور مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد رات ہے جب وہ آ رہی ہو۔ اور اس کی تاریکی دن کی روشنی میں گھسنے لگی ہو۔ ابن زید نے کہا اس سے مراد ہے نیچے کو گرتا ہوا ثریا ستارہ کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ ثریا کے غروب ہونے پر بیماریاں اور بلائیں زیادہ ہوتی ہیں اور ثریا کے طلوع پر جاتی رہتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ﴿٤﴾

اور بدی سے عورتوں کی جو گرہوں میں پھونک ماریں ☆

جادوگر عورتیں:

نَفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ سے وہ عورتیں یا وہ جماعتیں یا وہ نفوس مراد ہیں جو ساحرانہ عمل کرنے کے وقت کسی تانت یا رسی یا بال وغیرہ میں کچھ پڑھ کر اور پھونک مار کر گرہ لگایا کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سحر لبید بن اعصم نے کیا تھا لکھا ہے کہ بعض لڑکیاں بھی اسی میں شریک تھیں واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

سحر کی حقیقت:

سحر بالکسر لغت میں ہر ایسے اثر کو کہتے ہیں جس کا سبب ظاہر نہ ہو (قاموس) خواہ وہ سبب معنوی ہو جیسے خاص خاص کلمات کا اثر، یا غیر محسوس چیزوں کا ہو، جیسے جنات مقناطیس کی کشش لوہے کے لیے جبکہ مقناطیسی نظروں سے پوشیدہ ہو، یا دواؤں کا اثر جبکہ وہ دوائیں مخفی ہوں، یا نجوم سیارات کا اثر۔

اس لیے جادو کی اقسام بہت ہیں مگر عرف عام میں عموماً جادو ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جن میں جنات وشیاطین کے عمل کا دخل ہو۔ یا قوت خیالیہ مسمریزم کا، یا کچھ الفاظ وکلمات کا، کیونکہ یہ بات عقلاً بھی ثابت ہے اور تجربہ ومشاہدہ سے بھی، اور قدیم وجدید فلاسفہ بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ حروف کلمات میں بھی بالخاصہ کچھ تاثیرات ہوتی ہیں کسی خاص حرف یا کلمہ کو کسی خاص تعداد سے پڑھنے یا لکھنے وغیرہ سے خاص خاص تاثرات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ یا ایسی تاثیرات جو کسی انسانی بالوں یا ناخنوں وغیرہ کے اعضاء یا اس کے استعمالی کپڑوں کے ساتھ کچھ دوسری چیزیں شامل کر کے پیدا کی جاتی ہیں جن کو حرف عام میں ٹونہ ٹوٹکا کہا جاتا ہے۔ اور جادو میں شامل سمجھا جاتا ہے۔

اور اصطلاح قرآن وسنت میں سحر ہر ایسے امر عجیب کو کہا جاتا ہے جس میں شیاطین کو خوش کر کے ان کی مدد حاصل کی گئی ہو۔ پھر شیاطین کو راضی کرنے کی مختلف صورتیں ہیں کبھی ایسے منتر اختیار کیے جاتے ہیں جن میں کفر و شرک کے کلمات ہوں اور شیاطین کی مدح کی گئی ہو یا کواکب ونجوم کی عبادت اختیار کی گئی ہو۔ جس سے شیطان خوش ہوتا ہے۔

کبھی ایسے اعمال اختیار کیے جاتے ہیں جو شیطان کو پسند ہوں مثلاً کسی کو ناحق خون کر کے اس کا خون استعمال کرنا یا جنابت ونجاست کی حالت میں رہنا طہارت سے اجتناب کرنا وغیرہ۔

جس طرح اللہ تعالیٰ کے پاس فرشتوں کی مدد، ان اقوال وافعال سے حاصل کی جاتی ہے جن کو فرشتے پسند کرتے ہیں مثلاً تقویٰ، طہارت، اور پاکیزگی، بدبو اور نجاست سے اجتناب، ذکر اللہ اور اعمال خیر۔

اسی طرح شیاطین کی امداد ایسے اقوال وافعال سے حاصل ہوتی ہے جو شیطان کو پسند ہیں اسی لیے سحر صرف ایسے ہی لوگوں کا کامیاب ہوتا ہے جو گندے اور نجس رہیں پاکی اور اللہ کے نام سے دور رہیں خبیث کاموں کے عادی ہوں۔ عورتیں بھی ایام حیض میں یہ کام کرتی ہیں تو موثر ہوتا ہے۔

مثال اس طرح تو ہوسکتی ہے کہ کوئی شخص کسی جامع معقول منقول عالم با عمل کے پاس جائے کہ مجھ کو قدیم یا جدید فلسفہ پڑھا دیجئے تا کہ خود بھی ان شبہات سے محفوظ رہوں جو فلسفہ میں اسلام کے خلاف بیان کئے جاتے ہیں۔ اور مخالفین کو بھی جواب دے سکوں۔ اور اس عالم کو یہ احتمال ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ کو دھوکہ دے کر پڑھ لے اور پھر خود ہی خلاف شرع عقائد باطلہ کو تقویت دینے میں اس کو استعمال کرنے لگے اس احتمال کی وجہ سے اس کو نصیحت کرے کہ ایسا مت کرنا اور وعدہ کر لے اور اس لئے اس کو پڑھا دیا جاوے۔

شعبے اور ٹوٹکے یا ہاتھ چالاکی کے کام یا مسمریزم وغیرہ ان کو مجازاً سحر کہہ دیا جاتا ہے۔ (روح المعانی)

سحر کی اقسام:

امام راغبؒ اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں کہ سحر کی مختلف قسمیں ہیں ایک قسم تو محض نظر بندی اور تخیل ہوتی ہے جس کی کوئی حقیقت واقعیہ نہیں

جیسے بعض شعبدہ باز اپنی ہاتھ چالاکی سے ایسے کام کر لیتے ہیں کہ عام لوگوں کی نظریں اس کو دیکھنے سے قاصر رہتی ہیں۔ یا قوت خیالیہ مسمریزم وغیرہ کے ذریعہ کسی کے دماغ پر ایسا اثر ڈالا جائے کہ وہ ایک چیز کو آنکھوں سے دیکھتا اور محسوس کرتا ہے، مگر اس کی کوئی حقیقت واقعیہ نہیں ہوتی، کبھی یہ کام شیاطین کے اثر سے بھی ہو سکتا ہے، کہ مسحور کی آنکھوں اور دماغ پر ایسا اثر ڈالا جائے جس سے وہ ایک غیر واقعی چیز کو حقیقت سمجھنے لگے قرآن مجید میں فرعونی ساحروں کے جس سحر کا ذکر ہے وہ پہلی قسم کا سحر تھا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

ترجمہ: انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔

تیسری قسم یہ ہے کہ سحر کے ذریعہ سے ایک شے کی حقیقت ہی بدل جائے جیسے کسی انسان یا جاندار کو پتھر یا کوئی جانور بنا دیں۔

اور قرآن عزیز میں فرعونی ساحروں کے سحر کو جو تخیل قرار دیا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر سحر تخیل ہی ہو اس سے زائد اور کچھ نہ ہو۔ اور بعض حضرات نے سحر کے ذریعہ انقلاب حقیقت کے جواز پر حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ جو موطا امام مالک" میں بروایت قعقاع بن حکیم منقول ہے۔

لو لا کلمات اقولهن لجعلتی الیهود حمارا

اگر یہ چند کلمات نہ ہوتے جن کو میں پڑھتا ہوں تو یہودی مجھے گدھا بنا دیتے۔

گدھا بنا دینے کا لفظ مجازی طور ر بے وقوف بنانے کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے مگر بلا ضرورت حقیقت چھوڑ کر مجاز مراد لینا صحیح نہیں اس لیے حقیقی اور ظاہری مفہوم اس کا یہی ہے کہ اگر میں یہ کلمات روزانہ پابندی سے نہ پڑھتا تو یہودی جادوگر مجھے گدھا بنا دیتے۔

حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے جب لوگوں نے پوچھا کہ وہ کلمات کیا تھے تو آپ نے یہ کلمات بتلائے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ شَیْئٌ اَعْظَمُ مِنْہُ وَ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ الَّتِیْ لَا یَجَاوِزُھُنَّ بِرٌّ وَّ لَا فَاجِرٌ بِاَسْمَاءِ اللّٰہِ الْحُسْنٰی کُلِّھَا مَا عَلِمْتُ مِنْھَا وَمَالَمْ اَعْلَمْ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَبَرَوَذَرَاَ اَخْرَجَہٗ فِی الْمُوْطَاءِ بَابِ التَّعَوُّذُ عِنْدَ النَّوْمِ.

"میں اللہ عظیم کی پناہ پکڑتا ہوں جس سے بڑا کوئی نہیں اور پناہ پکڑتا ہوں اللہ کے کلمات تامات کی جس سے کوئی نیک و بد انسان آگے نہیں نکل سکتا اور پناہ پکڑتا ہوں اللہ کے تمام اسماء الحسنی کی جن کو میں جانتا ہوں اور جس کو میں نہیں جانتا ہر اس چیز کے شر سے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور وجود دیا اور پھیلایا ہے"

سحر اور معجزے میں فرق:

جس طرح انبیاء علیہم السلام کے معجزات یا اولیاء کی کرامات سے ایسے واقعات مشاہدے میں آتے ہیں جو عادۃً نہیں ہو سکتے اسی لیے ان کو خرق عادت کہا جاتا ہے بظاہر سحر اور جادو سے بھی ایسے ہی آثار مشاہدے میں آتے ہیں اس لیے بعض جاہلوں کو ان دونوں میں التباس بھی ہو جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے وہ جادوگروں کی تعظیم و تکریم بھی کرنے لگتے ہیں۔

ایک خط مشرق بعید سے آج کا لکھا ہوا اچانک سامنے آ کر گر گیا تو دیکھنے والے اس کو خرق عادت کہیں گے۔ حالانکہ جنات و شیاطین کو ایسے اعمال و افعال کی قوت دی گئی ہے ان کا ذریعہ معلوم ہو تو پھر کوئی خرق عادت نہیں رہتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ سحر سے ظاہر ہونے والے تمام آثار اسباب طبعیہ کے ماتحت ہوتے ہیں مگر اسباب کے مخفی ہونے کے سبب لوگوں کو مغالطہ خرق عادت کا ہو جاتا ہے۔

بخلاف معجزہ کے کہ وہ بلا واسطہ فعل حق تعالیٰ کا ہوتا ہے اس میں اسباب طبعیہ کا کوئی داخل نہیں ہوتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے نمرود کی آگ کو اللہ نے فرمادیا کہ ابراہیم کے لیے ٹھنڈی ہو جائے مگر ٹھنڈی بھی اتنی نہ ہو کہ جس سے تکلیف پہنچے بلکہ جس سے سلامتی حاصل ہو۔ اس حکم الٰہی سے آگ ٹھنڈی ہو گئی۔

آج بھی بعض لوگ بدن پر کچھ دوائیں استعمال کر کے آگ کے اندر چلے جاتے ہیں دوائیں مخفی ہونے کی وجہ سے لوگوں کو دھوکا خرق عادت کا ہو جاتا ہے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

"کنکریوں کی مٹھی جو آپ نے پھینکی درحقیقت آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی ہیں"

یہ معجزہ غزوہ بدر میں پیش آیا تھا۔

اول یہ کہ معجزہ یا کرامت ایسے حضرات سے ظاہر ہوتی ہے جن کا تقوی طہارت و پاکیزگی اخلاق و اعمال کا سب مشاہدہ کرتے ہیں اس کے برعکس جادو کا اثر صرف ایسے لوگوں سے ظہور پذیر ہوتا ہے جو گندے ناپاک ہیں اور اللہ کے نام سے اور اس کی عبادت سے دور رہتے ہیں یہ چیز ہر انسان آنکھوں سے دیکھ کر سحر اور معجزہ میں فرق پہچان سکتا ہے۔

جادو کے باطنی اسباب سے انبیاء علیہ السلام متاثر ہو سکتے ہیں اور یہ تاثر شان نبوت کے منافی نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہودیوں کا سحر کرنا اور اس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض آثار کا ظاہر ہونا اور بذریعہ وحی اس جادو کا پتہ لگنا اور اس کا ازالہ کرنا احادیث صحیحہ میں ثابت ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سحر سے متاثر ہونا خود قرآن میں مذکور ہے آیات۔

یُخَیَّلُ اِلَیْہِ مِنْ سِحْرِھِمْ اَنَّھَا تَسْعٰی اور فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَۃً مُّوْسٰی موسیٰ علیہ السلام پر خوف طاری ہونا اسی جادو کا ہی تو اثر تھا۔

سحر کے احکام شرعیہ:

قرآن وحدیث کی اصطلاح میں سحر صرف ایسے عمل کو کہا گیا ہے جس میں کفر وشرک اور فسق وفجور اختیار کر کے جنات وشیاطین کو راضی کیا گیا ہو اور ان سے مدد لی گئی ہو ان کی امداد سے کچھ عجیب واقعات ظاہر ہو گئے ہوں سحر بابل جس کا قرآن میں ذکر ہے وہ یہی تھا (حصاص) اور اسی سحر کو قرآن میں کفر قرار دیا ہے ابومنصور نے فرمایا کہ صحیح یہی ہے کہ مطلقاً سحر کی سب اقسام کفر نہیں بلکہ صرف وہ سحر کفر ہے جس میں ایمان کے خلاف اقوال واعمال اختیار کئے گئے ہوں۔ (روح المعانی)

اور یہ ظاہر ہے شیاطین پر لعنت کرنے اور ان سے عداوت ومخالفت کرنے کی احکام قرآن وحدیث میں بار بار آئے ہیں اس کے خلاف ان سے دوستی اور ان کو راضی کرنے کی فکر خود ہی ایک گناہ ہے پھر وہ راضی جب ہی ہوتے ہیں جب انسان کفر وشرک میں مبتلا ہو جس سے ایمان ہی سلب ہو جائے یا کم از کم فسق وفجور میں مبتلا ہو اور اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی مرضیات کے خلاف گندہ اور نجس رہے یہ مزید گناہ ہے اور اگر جادو کے ذریعے کسی کو ناحق نقصان پہنچایا تو یہ اور گناہ ہے۔

غرض اصطلاح قرآن وسنت میں جس کو سحر کہا گیا وہ کفر اعتقادی یا کم از کم کفر عملی سی خالی نہیں ہوتا اگر شیاطین کو راضی کرنے کے لیے کچھ اقوال یا عمال کفر وشرک کے خنیار کیے تو کفر حقیقی اعتقادی ہوگا اور اگر کفر وشرک سے بچ بھی گیا مگر دوسرے گناہوں کا ارتکاب کیا تو کفر عملی سے خالی نہ رہا قرآن عزیز کی آیات مذکورہ میں جو سحر کو کفر کہا گیا ہے وہ اسی اعتبار سے ہے کہ یہ سحر کفر حقیقی اعتقادی یا کفر عملی سے خالی نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس سحر میں کوئی عمل کفر اختیار کیا گیا ہو جیسے شیاطین سے استغاثہ استمداد یا کواکب کی تاثیر کو مستقل ماننا یا سحر کو معجزہ قرار دے کر اپنی نبوت کا دعویٰ کرنا وغیرہ تو یہ سحر باجماع کفر ہے اور جس میں یہ افعال کفر نہ ہوں مگر معاصی کا ارتکاب ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔

مسئلہ: جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ سحر کفر اعتقادی یا عملی سے خالی نہیں تو اسکا سیکھنا اور سکھانا بھی حرام ہوا اس پر عمل کرنا بھی حرام ہوا البتہ اگر کسی مسلمان سے دفع ضرر کے لیے بقدر ضرورت سیکھا جائے تو بعض فقہاء نے اجازت دی ہے۔ (شامی عالمگیری)

مسئلہ: تعویذ گنڈے وغیرہ جو عامل کرتے ہیں ان میں بھی اگر جنات وشیاطین سے استمداد ہو تو بحکم سحر ہیں حرام ہیں اور اگر الفاظ مشتبہ ہوں معنی معلوم نہ ہوں اور شیاطین اور بتوں سے استمداد کا احتمال ہو تو بھی حرام ہے۔

مسئلہ: قرآن وسنت کے اصطلاحی سحر بابل کے علاوہ باقی قسمیں سحر کی ان میں بھی کفر وشرک کا ارتکاب کیا جائے تو وہ بھی حرام ہیں۔

مسئلہ: اور خالی مباح اور جائز امور سے کام لیا جاتا ہو تو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس کو کسی ناجائز مقصد کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔

مسئلہ: اگر قرآن وحدیث کے کلمات ہی سے کام لیا جائے مگر ناجائز مقصد کے لیے استعمال کریں تو وہ بھی جائز نہیں مثلاً کسی کو ناحق ضرر پہنچانے کے لئے کوئی تعویذ کیا جائے یا وظیفہ پڑھا جائے۔ اگرچہ وظیفہ اسماء الٰہیہ یا آیات قرآنیہ ہی کا ہو حرام ہے۔ (فتاویٰ قاضی خان وشامی)

اگر کسی عالم کے کسی جائز فعل سے جاہلوں کو مغالطہ میں پڑنے اور ناجائز کاموں میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو اس عالم کے لئے یہ جائز فعل بھی ممنوع ہو جائے گا بشرطیکہ یہ فعل شرعاً ضروری اور مقاصد شرعیہ میں سے نہ ہو اس کی مثالیں قرآن وسنت میں بہت ہیں۔ (معارف مفتی اعظم) (از گلدستہ تفاسیر جلد اول)

> وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ﴿٥﴾
>
> اور بدی سے برا چاہنے والے کی جب لگے ٹوک لگانے ☆

حسد سے پناہ:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "اس وقت اس کی ٹوک لگ جاتی ہے بیشک ٹوک یا نظر لگ جانا ایک امر واقع ہے" لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک "وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ" کا مطلب یہ ہے کہ حاسد جب اپنی قلبی کیفیت کو ضبط نہ کر سکے اور عملی طور پر حسد کا اظہار کرنے لگے اس کی بدی سے پناہ مانگنا چاہیے اگر ایک شخص کے دل میں بے اختیار حسد پیدا ہو مگر وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھ کر محسود کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہ کرے وہ اس سے خارج ہے نیز یاد رکھنا چاہیے کہ حسد کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے سے اللہ کی دی ہوئی نعمت کے زوال کا متمنی ہو باقی یہ آرزو کرنا کہ مجھے بھی ایسی نعمت یا اس سے زائد عطا ہو جو فلاں کو عطا ہوئی حسد میں داخل نہیں اس کو "غبطہ" کہتے ہیں بخاری کی حدیث "**لاحسد الافی اثنتین الخ**" میں لفظ "حسد" سے یہی غبطہ مراد ہے۔ (تفسیر عثمانی)

معوذتین کے فضائل:

صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں کچھ خبر ہے کہ آج کی رات اللہ نے مجھ پر ایسی آیت نازل فرمائی ہیں کہ ان کی مثل نہیں دیکھی یعنی قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ تورات اور انجیل اور زبور اور قرآن میں اس کی مثل کوئی دوسری سورۃ نہیں ہے ایک دوسری روایت انہی حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معوذتین پڑھائی اور پھر مغرب کی نماز میں انہی

دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا کہ ان سورتوں کو سونے کے وقت بھی پڑھا کرو اور اٹھنے کے وقت بھی۔ (رواہ نسائی)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سورتوں کو ہر نماز کے بعد پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے۔ (رواہ ابوداؤد، نسائی)

ہر بیماری کا علاج:

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی بیماری پیش آتی تو یہ دونوں سورتیں پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کر کے سارے بدن پر پھیر لیتے تھے پھر جب مرض وفات میں آپ کی تکلیف بڑھی تو میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ کے ہاتھوں پر دم کر دیتی تھی آپ اپنے تمام بدن پر پھیر لیتے تھے میں یہ کام اس لیے کرتی تھی کہ حضرت کے مبارک ہاتھوں کا بدل میرے ہاتھ نہ ہو سکتے تھے۔ (رواہ الامام مالک)

حسد کا معنی: حسد کہتے ہیں کسی کی نعمت وراحت کو دیکھ کر جلنا اور یہ چاہنا کہ اس سے یہ نعمت زائل ہو جائے چاہے اس کو بھی حاصل نہ ہو، یہ حسد حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور سب سے پہلا گناہ ہے جو آسمان میں کیا گیا اور سب سے پہلا گناہ ہے جو زمین میں کیا گیا۔ کیونکہ آسمان میں ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کیا اور زمین پر ان کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل سے کیا۔ (قرطبی)

حسد سے ملتا جلتا لفظ غبطہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی کی نعمت کو دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ یہ نعمت مجھے بھی حاصل ہو جائے یہ جائز ہے بلکہ مستحسن ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ؏ اور حسد کے اس وقت کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جب کہ وہ حسد کا مظاہرہ کر رہا ہو اور اذیت رسانی میں مشغول ہو یہ قید لگانے کی ضرورت اس وجہ سے پڑی کہ مظاہرہ حسد اور اذیت رساں عمل میں مشغول ہونے سے پہلے حسد کا دکھ حاسد کو ہی پہنچتا ہے دوسری کی خوشی سے اسی کو رنج ہوتا ہے۔ (لیکن وہ جل کر ضرر رساں عمل کرنے لگتا ہے تو اس شخص کو دکھ پہنچنے لگتا ہے جس سے حاسد جلتا ہے)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گیا جادو:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو شر کیا گیا تھا اسمیں ان تینوں خباثتوں کا دخل تھا جادو بھی تھی اغواء ابلیس بھی تھا اور حسد لبید بھی تھا۔

بارگاہ خداوندی میں رسائی:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سورت ھود اور سورت یوسف پڑھتا ہوں۔ فرمایا قل اعوذ برب الفلق سے زیادہ بارگاہ خداوندی میں رسائی رکھنے والی (کوئی سورت) تم نہیں پڑھو گے۔ واللہ اعلم۔ (رواہ احمد، الدارمی، نسائی) (تفسیر مظہری)

سورة الناس

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی وہ بلیات سے محفوظ رہے گا اور شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں رہے گا اور اب وہ تمام باتیں آخری ہوگئیں جو حضرت امام محمد بن سیرین وغیرہ رحمہم اللہ سے صحیح روایات کے ذریعہ منقول ملی ہیں۔ (ابن سیرینؒ)

سُوۡرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ اٰيَاتٍ
سورۃ ناس مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھ آیتیں ہیں
بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱
تو کہہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی
مَلِكِ النَّاسِ ۝۲
لوگوں کے بادشاہ کی
اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳
لوگوں کے معبود کی ☆

انسان کی خصوصیت کی وجہ:

اگرچہ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت اور بادشاہت وغیرہ تمام مخلوقات کو شامل ہے لیکن ان صفات کا جیسا کامل ظہور انسانوں میں ہوا کسی دوسری مخلوق میں نہیں ہوا اس لیے "رب" اور "ملک" وغیرہ کی اضافت ان ہی کی طرف کی گئی۔ نیز وسواس میں مبتلا ہونا بجز انسان کے دوسری مخلوق کی شان بھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شیطان کو خناس کیوں کہا گیا:

شیطان کو خناس اس لیے کہا گیا کہ اس کی عادت یہ ہے کہ انسان جب اللہ کا نام لیتا ہے تو پیچھے بھاگتا ہے پھر جب ذرا غفلت ہوئی پھر آجاتا ہے پھر وہ اللہ کا نام لیتا ہے پھر لوٹ جاتا ہے یہ مسلسل عمل جاری رکھتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر (انسان کے قلب میں دو گھر ہیں ایک میں فرشتہ رہتا ہے دوسرے میں شیطان۔ فرشتہ اسکو نیک کاموں کی رغبت دلاتا ہے اور شیطان برے کاموں کی) پھر جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو

شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اور جب تک وہ ذکر اللہ میں مشغول نہیں ہوتا تو اپنی چونچ انسان کے دل پر رکھ کر اس میں برائیوں کے وسوسے ڈالتا ہے۔ (رواہ ابو یعلی عن انس مرفوعاً، مظہری)

انسانی شیطان کا شر:

اور شیخ عزالدین عبدالسلام نے اپنی کتاب (الفوائد فی مشکلات) میں فرمایا کہ انسانی شیطان کے شر سے مراد خود اپنے نفس کا وسوسہ ہے کیونکہ جس طرح شیطان، جن انسان کے دل میں برے کاموں کی طرف رغبت ڈالتا ہے اس طرح خود انسان کا اپنا نفس بھی برے کاموں کی طرف مائل ہو جاتا ہے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے نفس کے شر سے بھی پناہ مانگنا سکھلایا ہے حدیث میں ہے **اللھم اعوذ بک من شر نفسی و شر الشیطان و شرکہ** یعنی یا اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اپنے نفس کے شر سے بھی اور شیطان کے شر اور شرک سے بھی۔

شیطانی وسوسہ سے احتیاط:

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف تھے ایک رات میں ام المومنین حضرت صفیہ آپ کی زیارت کے لیے مسجد میں گئیں۔ واپسی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ہوئے، گلی میں دو انصاری صحابی سامنے آ گئے تو آپ نے آواز دے کر فرمایا ٹھہرو میرے ساتھ صفیہ بنت حیی ہیں ان دونوں نے بکمال ادب عرض کیا سبحان اللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی کیا آپ نے ہمارے بارے میں یہ خیال کیا کہ ہم کوئی بدگمانی کریں گے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک کیونکہ شیطان انسان کے خون کے ساتھ اس کے رگ و پے میں اثر انداز ہوتا ہے مجھے یہ خطرہ ہوا کہ کہیں شیطان تمہارے دلوں میں کوئی وسوسہ بدگمانی پیدا نہ کر دے (اس لیے میں نے بتلایا کہ کوئی غیر عورت میرے ساتھ نہیں)۔ (معارف مفتی اعظم)

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے رب الناس یعنی خلق کا پروردگار اور تمام امور کو درست کرنے والا، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دو کہ میں انسانوں کو پیدا کرنے والے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور متبعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی ذکر اظہار شرف کے لیے کیا گیا ہے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان دونوں سورتوں کے نزول کی غرض یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین سے سحر کا اثر زائل کر دیا جائے کیونکہ مربوب کی شر سے حفاظت رب کے ذمہ اور مملوک کی حفاظت املک کے ذمہ اور عابد کی حفاظت معبود کے ذمہ لازم ہے (یعنی ربوبیت، ملوکیت اور الوہیت کا تقاضا ہے کہ مربوب مملوک اور عابد کو ہر شر سے محفوظ رکھا جائے) غوث الثقلین نے فرمایا ہے۔

جب تو میرا پشت پناہ ہے تو کیا مجھے کوئی ذلت پہنچ سکتی ہے جب تو میرا مددگار ہے تو کیا مجھ پر ظلم کیا جا سکتا ہے اگر چراگاہ کی حفاظت کرنے والا حفاظت کرنے پر قدرت بھی رکھتا ہو اور پھر اونٹ کے پاؤں باندھنے کی رسی بھی صحرا میں کھو جائے تو ایسے راعی کے لیے بڑے عار کی بات ہے۔ کفار بھی اگرچہ مربوب اور مملوک خدا ہی کے ہیں لیکن ان کو اس کا اعتراف نہیں اس لیے وہ حفاظت الٰہیہ کے مستحق نہیں ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب کے دن فرمایا تھا اللہ ہمارا مولا ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں۔

سورۃ فلق اور سورۃ ناس کا فرق:

بیضاوی نے لکھا ہے کہ سورۃ الفلق میں جسمانی دکھوں سے استعاذہ کا حکم تھا اور جسمانی دکھ انسان کو بھی ہوتے ہیں اور دوسرے جانوروں کو بھی اس لیے رب الفلق فرمایا اور رب کی اضافت الفلق کی طرف کی اور سورۃ الناس میں ان نفسانی مضرتوں سے استعاذہ کا حکم ہے جو جو انسان کے لیے مخصوص ہیں۔ (یعنی وسوسہ انگیزی اور اغواء شیطانی) اس لیے یہاں رب الناس فرمایا اور رب کی اضافت خصوصیت کے ساتھ الناس کی طرف کی گویا مطلب اس طرح ہوا کہ انسان کو وسوسہ میں ڈالنے والے اور اغواء نفسانی کرنے والے کے شر سے میں اس خدا کی پناہ لیتا ہوں جو انسانوں کے امور کا مالک اور ان کی عبادت کا مستحق ہے۔

اَلنَّاسُ سے کون مراد ہے؟

اول اَلنَّاسِ سے بچے مراد ہیں جو محتاج پرورش ہوتے ہیں لفظ رب اس پر دلالت کر رہا ہے دوسری جگہ اَلنَّاسِ سے جوان مراد ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں لفظ ملک اس پر دلالت کر رہا ہے کیونکہ لفظ سیاست کا مفہوم ظاہر کر رہا ہے (اور مجاہدین سیاست کے حاجت مند ہوتے ہیں) تیسری جگہ اَلنَّاسِ سے بوڑھے مراد ہیں جو دنیوی کاروبار اور مشاغل سے الگ ہو کر اللہ ہی کی طرف جھک جاتے ہیں اس پر لفظ الٰہ دلالت کر رہا ہے جس کے اندر عبادت کا مفہوم ہے (اور بوڑھے لوگوں کا شغل سوائے عبادت کے اور کچھ نہیں رہتا) چوتھی وجہ الناس سے مراد اہل صلاح و تقویٰ ہیں کیونکہ شیطان انہی کا دشمن ہوتا ہے پانچویں جگہ اَلنَّاسِ سے مراد اغواء کرنے والے مفسد ہیں کیونکہ یہ وہی خناس ہیں جن سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے، مومنوں کے بچوں بڑوں اور صلاح و تقویٰ والوں کا ذکر رحمت کی کشش اور عذاب کے دفع کا سبب یہی ہے (اس لیے ان تینوں کا ذکر کیا)۔ (تفسیر مظہری)

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ﴿۴﴾

بدی سے اُس کو جو پھسلائے اور چھپ جائے ☆

شیطان نظروں سے غائب رہ کر آدمی کو بہکاتا پھسلاتا ہے۔ جب تک آدمی غفلت میں رہا اس کا تسلط بڑھتا رہا۔ جہاں بیدار ہو کر اللہ کو یاد کیا یہ فوراً پیچھے کو کھسکا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی وسوسہ پیدا کرنا جنات کا فعل بھی ہے اور انسانوں کا بھی اللہ نے فرمایا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ الخ ہم نے انسانی اور جنی شیطانوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے الخ یہ کہ اللہ نے اپنی نبی کو حکم دیا کہ جن وانس کے شر سے پناہ مانگو۔

مطلب اس طرح ہوگا کہ میں پناہ مانگتا ہوں وسوسہ ڈالنے والے جنی شیطان کے شر سے انسانوں کے شر سے۔

الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ
وہ جو خیال ڈالتا ہے
صُدُوْرِ النَّاسِ ۝۵
لوگوں کے دل میں
مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝۶
جنوں میں اور آدمیوں میں ☆

معوذتین پر حجۃ الاسلام

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تقریر کا خلاصہ

شیطان جنوں میں بھی ہیں اور آدمیوں میں بھی "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا" (انعام۔رکوع ۱۴)

اللہ تعالیٰ دونوں سے پناہ میں رکھے (تکملہ) ان دونوں سورتوں کی تفسیر میں علماء وحکمانے بہت کچھ نکتہ آفرینیاں کیں ہیں حافظ ابن قیمؒ امام رازیؒ، ابن سیناؒ، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی کے بیانات درج کرنے کی یہاں گنجائش نہیں صرف استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ روحہ کی تقریر کا خلاصہ درج کرتا ہوں تا فوائد قرآن کے حسن خاتمہ کے لیے ایک فال نیک ثابت ہو' یہ ایک فطری اور عام دستور ہے کہ باغ میں جب کوئی نیا پودا زمین کو شق کرتا ہوا تخم سے باہر نکل آتا ہے تو باغبان (یا مالی) اس کے تحفظ میں پوری کوشش اور ہمت صرف کر دیتا ہے اور جب تک وہ جملہ آفات ارضی وسماوی سے محفوظ ہو کر اپنے حد کمال کو نہیں پہنچ جاتا اس وقت تک بہت زیادہ تردد اور عرقریزی کرنا پڑتی ہے۔ اب غور کرنا چاہیے کہ پودے کی زندگی کو فنا کر دینے والی یا اس کے ثمرات کے تمتع سے مالک کو محروم بنا دینے والی وہ کون کون سی آفات ہیں جن کے شر اور مضرت سے بچا لینے میں باغبان کو اپنی مساعی کے کامیاب بنانے کی ہر وقت دھن لگی رہتی ہے ادنیٰ تامل سے معلوم ہو جائیگا کہ ایسی آفات اکثر چار طرح سے ظہور پذیر ہوتی ہیں جن کے انسداد کے لیے باغبان کو چار امور کی اشد ضرورت ہے (اول) ایسے سبزہ خور جانوروں کے دندان ودہن کو اس پودے تک پہنچنے سے روکا جائے جن کی جبلت اور خلقت میں سبزہ وگیاہ کا کھانا داخل ہے (دوسرے) کنویں یا نہر یا بارش کا پانی اور ہوا اور حرارت آفتاب (غرضیکہ تمام اسباب زندگی و ترقی) کے پہنچنے کا پورا انتظام ہو (تیسرے) اوپر سے برف کا اولہ وغیرہ جو اس کی حرارت غریزیہ کے اختقان کا باعث ہو اس پر گرنے نہ پائے کیونکہ یہ چیز اس کی ترقی اور نشو ونما کو روکنے والی ہے (چوتھے) مالک باغ کا دشمن یا اور کوئی حاسد اس پودے کی شاخ و برگ وغیرہ کو نہ کاٹ ڈالے یا اس کو جڑ سے اکھاڑ کر نہ پھینک دے اگر ان چار باتوں کا خاطر خواہ بندوبست باغبان نے کر لیا تو خدا سے امید رکھنا چاہیے کہ وہ پودا بڑا ہوگا پھولے پھلے گا اور مخلوق اس کی پرمیوہ شاخوں سے استفادہ کریگی ٹھیک اسی طرح ہم کو خالق ارض وسما سے (جو رب الفلق اور فالق الحب والنوی اور چمنستان عالم کا حقیقی مالک و مربی ہے) اپنے شجر وجود اور شجر ایمان کے متعلق ان ہی چار قسم کی آفات سے پناہ مانگنا چاہئے جو اوپر مذکور ہوئیں پس معلوم کرنا چاہیے کہ جس طرح اول قسم میں سبزہ خور جانوروں کی ضرر رسانی محض ان کی طبیعت کے مقتضیات میں سے تھی اسی طرح "شر" کی اضافت "مَا خَلَقَ" کی طرف بھی اسی جانب مشیر ہے کہ یہ شر اس مخلوق میں من حیث ھو مخلوق کے واسطے ثابت ہے اور اسکے صدور میں بجز ان کی طبیعت اور پیدائشی دواعی کے اور کسی سبب کو دخل نہیں جیسا کہ سانپ بچھو اور تمام سباع وبہائم وغیرہ میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

نیش عقرب نہ از پے کین است　　مقتضائے طبیعتش این است

اسکے بعد دوسرے درجہ میں "غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ" سے تعوذ کی تعلیم دی گئی ہے جس سے مفسرین کے نزدیک مراد یا تو رات ہے جب خوب اندھیری ہو یا آفتاب ہے جب غروب ہو جائے یا چاند ہے جب اس کو گہن لگ جائے ان میں سے کوئی معنی لو اتنی بات یقینی ہے کہ غاسق میں سے شر کا پیدا ہونا اس کے وقوب (کسی چیز کے نیچے چھپ جانے) پر مبنی ہے اور ظاہر ہے وقوب (چھپ جانے میں اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ ایک چیز کا علاقہ ہم سے منقطع ہو جائے اور جو فوائد اس کے ظہور کے وقت ہم کو حاصل ہوتے تھے وہ اب ہاتھ نہ آئیں۔ لیکن جب یہ ہے تو یہ تمثیل اسباب ومسببات سے زیادہ اور کسی چیز پر چسپاں نہیں ہوتی کیونکہ سبب کا وجود اسباب ومعدات کے وجود پر موقوف ہوتا ہے اور جب تک اسباب کا علاقہ مسببات کے ساتھ قائم نہ ہو ہرگز کوئی مسبب اپنی ہستی میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اور یہی وہ بات ہے جس کو ہم نے آفت کی دوسری قسم میں یہ کہہ کر بیان کیا تھا کہ پانی' ہوا اور حرارت آفتاب (غرض کل

اسباب زندگی وترقی) کا اگر خاطر خواہ انتظام نہ ہوا تو پودا کمہلا کر خشک ہو جائیگا اب اس کے بعد تیسرا تعوذ "النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ" سے کیا گیا۔ جس سے میں کہہ چکا ہوں کہ ساحرانہ اعمال مراد ہیں جو لوگ سحر کا وجود تسلیم کرتے ہیں وہ یہ مانتے ہیں کہ سحر کے اثر سے مسحور کو ایسے امور عارض ہو جاتے ہیں جن سے طبیعت کے اصلی آثار مغلوب ہو کر دب جائیں تو سحر کی آفت اس آفت سے بہت ہی مشابہ ہوتی ہے جو پودے پر برف وغیرہ گرنے اور حرارت غریزیہ کے تحقن (بند) ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی تھی جس سے اس کا نشو ونما رک جاتا تھا۔ لبید بن اعصم کے قصہ میں جو الفاظ آئے ہیں "فقام علیه الصلوٰة والسلام کانماانشط من عقال" ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز نے مستولی ہو کر آپ کے مقتضیات طبیعت کو چھپا لیا تھا جو جبریلؑ کے تعوذ سے باذن اللہ دفع ہو گئی۔ اب ان آفات میں سے جن سے تحرز کرنا ضروری قرار دیا گیا تھا صرف ایک آخری درجہ باقی ہے۔ یعنی کوئی مالک باغ کا دشمن بربناء عداوت وحسد پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے یا اس کی شاخ وبرگ کاٹ ڈالے۔ "شر" کے اس مرتبہ کو "وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ" نے بہت ہی وضاحت کے ساتھ ادا کر دیا ہاں اس تقریر میں اگر کچھ کمی ہے تو صرف اتنی کہ کبھی کبھی تخم کو ان چاروں آفات میں سے کسی کا سامنا کرنا نہیں پڑتا بلکہ روئید گی سے پہلے ہی یا تو بعض چیونٹیاں اس تخم کے باطن میں سے وہ خالص جوہر چوس لیتی ہیں جس سے تخم کی روئیدگی ہوتی ہے اور جس کو ہم "قلب الحبوب" یا "سویدائے تخم" سے تعبیر کر سکتے ہیں یا اندر ہی اندر گھن لگ کر کھوکھلا ہو جاتا ہے اور قابل نشو ونما نہیں رہتا شاید اسی سرسری کمی کی تلافی کے لیے دوسری سورت میں "اَلْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ" کے شر سے استعاذہ کی تعلیم فرمائی گئی کیونکہ "وسواس" انہی فاسد خطرات کا نام ہے جو ظاہر ہو کر نہیں بلکہ اندرونی طور پر ایمان کی قوت میں رخنہ ڈالتے ہیں۔ اور جن کا علاج عالم الخفیات والسرائر کے سوا کسی کے قبضہ میں نہیں لیکن جب وساوس کا مقابلہ ایمان سے ٹھہرا تو دفع وساوس کے واسطے انہی صفات سے تمسک کرنے کی ضرورت ہوئی جو ایمان کے اصل مبادی ومناشی گنے جا چکے ہیں اور جن سے ایمان کو مدد پہنچتی ہے اب تجربہ سے معلوم ہوا کہ سب سے اول ایمان (انقیاد وتسلیم) کا نشو ونما حق تعالیٰ کی تربیت ہائے بے پایاں اور انعامات بے غایت ہی کو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے پھر جب ہم اس کی ربوبیت مطلقہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارا ذہن ادھر منتقل ہوتا ہے کہ وہ رب العزت مالک الملک اور شہنشاہ مطلق بھی ہے کیونکہ تربیت مطلقہ کے معنی ہر قسم کی جسمانی وروحانی ضروریات بہم پہنچانے کے ہیں اور یہ کام بجز ایسی ذات منبع الکمالات کے اور کسی سے بن نہیں پڑ سکتا جو ہر قسم کی ضروریات کی مالک ہو اور دنیا کی کوئی ایک چیز بھی اس کے قبضہ اقتدار سے خارج نہ ہو سکے ایسی ہی ذات کو ہم "مالک الملک" اور "شہنشاہ مطلق" کہہ سکتے ہیں اور لاریب اسی کی یہ شان ہونی چاہیے "لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ" گویا "مالکیت" یا "ملکیت" ایک ایسی قوت کا نام ہے جس کی فعلیت کا مرتبہ "ربوبیت" سے موسوم ہوتا ہے کیونکہ ربوبیت کا کل خلاصہ اعطاء منفعت اور دفع مضرت ہے اور ان دونوں چیزوں پر قادر ہونا یہ ملک علی الاطلاق کا منصب ہے پھر ذرا اور آگے بڑھتے ہیں تو ملک علی الاطلاق ہونے ہی سے ہم کو اس کی معبودیت (الٰہیت) کا سراغ ملتا ہے کیونکہ معبود اسی کو کہتے ہیں جس کے حکم کے سامنے گردن ڈال دی جائے اور اس کے حکم کے مقابلہ میں کسی دوسرے کے حکم کی اصلاً پروا نہ کی جائے تو ظاہر ہے کہ یہ انقیاد وبندگی بجز محبت کاملہ اور حکومت مطلقہ کے اور کسی کے سامنے سزاوار نہیں اور ان دونوں چیزوں کا اصلی مستحق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا اس لئے معبودیت والٰہیت کی صفت بھی تنہا اسی وحدہ لاشریک لہٗ کے لیے ثابت ہو گئی پڑھو "اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا" غرض سب سے اول جو صفت ایمان کا مبدا بنتی ہے وہ ربوبیت ہے اس کے بعد صفت ملکیت اور سب کے بعد الوہیت کا مرتبہ ہے پس جو شخص اپنے ایمان کو وساوس شیطانی کی مضرت سے بچانے کے لیے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں چارہ جوئی کریگا اس کو اسی طرح درجہ بدرجہ نیچے کی عدالت سے اوپر کی عدالت میں جانا مناسب ہوگا جس طرح خود اس نے بالترتیب اپنی صفات (رب الناس، ملک الناس، اله الناس) کو سورۂ "الناس" میں بیان فرمادیا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ جس طرح مستعاذ بہٖ کی جانب میں یہاں تین صفتیں بغیر واؤ عطف اور بغیر اعادہ باء جارہ کے مذکور ہیں اسی طرح مستعاذ منہٗ کی جانب بھی تین چیزیں نظر آتی ہیں جو صفت در صفت کر کے بیان کی گئی ہیں اس کو یوں سمجھ سکتے ہو کہ لفظ وسواس کو صفت الوہیت کے مقابلہ میں رکھو کیونکہ جس طرح مستعاذ بہٖ حقیقی "اله الناس" ہے اور "ملک" و "رب" اسی تک رسائی حاصل کرانے کے عنوان قرار دیئے گئے ہیں اسی طرح مستعاذ منہٗ کی حقیقت یہی وسواس ہے جس کی صفت آگے "خناس" بیان فرمائی ہے "خناس" سے مراد یہ ہے کہ شیطان بحالت غفلت آدمی کے دل میں وسواس ڈالتا رہتا ہے اور جب کوئی بیدار ہو جائے تو چوروں کی طرح پیچھے کو کھسک آتا ہے ایسے چوروں اور بدمعاشوں کا بندوبست اور ان کے دست تعدی سے رعایا کو مصئون ومامون بنانا بادشاہان وقت کا خاص فریضہ ہوتا ہے اس لیے مناسب ہوگا کہ اس صفت کے مقابل "ملک الناس" کو رکھا جائے اور "اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ" جو "خناس" کی فعلیت کا درجہ ہے اور جس کو ہم چور کے نقب لگانے سے تشبیہ دے سکتے ہیں اس کو "رب الناس" کے مقابلہ میں (جو حسب تحریر سابق "ملک الناس" کی فعلیت کا مرتبہ ہے) شمار کیا جائے پھر دیکھئے کہ مستعاذ منہٗ اور مستعاذ بہٖ میں کس قدر

تام اور کامل تقابل ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم با سرار کلامہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو ہونے کا اثر اور اہم وضاحتیں:

(تنبیہ) کئی صحابہ (مثلاً عائشہ صدیقہؓ، ابن عباسؓ زید بن ارقم رضی اللہ عنہم) سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض یہود نے سحر کیا جس کے اثر سے ایک طرح کا مرض سا بدن مبارک کو لاحق ہو گیا۔ اس دوران میں کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپ ایک دنیوی کام کر چکے ہیں مگر خیال گزرتا تھا کہ نہیں کیا یا ایک کام نہیں کیا اور خیال ہوتا تھا کہ کر چکے ہیں اس کے علاج کے واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ دو سورتیں نازل فرمائیں اور ان کی تاثیر سے وہ اثر باذن اللہ زائل ہو گیا۔ واضح رہے کہ یہ واقعہ صحیحین میں موجود ہے جس پر آج تک کسی محدث نے جرح نہیں کی اور اس طرح کیفیت منصب رسالت کے قطعاً منافی نہیں جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی بیمار ہوئے۔ بعض اوقات غشی طاری ہو گئی یا کئی مرتبہ نماز میں سہو ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَنْسٰی کَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِیْتُ فَذَکِّرُوْنِیْ" (میں بھی ایک بشر ہی ہوں جیسے تم بھولتے ہو میں بھی بھولتا ہوں میں بھول جاؤں تو یاد دلایا کرو) کیا اسی غشی کی کیفیت اور سہو ونسیان کو پڑھ کر کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اب وحی پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری باتوں پر کیسے یقین کریں ممکن ہے ان میں بھی سہو ونسیان اور بھول چوک ہو گئی ہو۔ اگر وہاں سہو ونسیان کے ثبوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وحی الٰہی اور فرائض تبلیغ میں شکوک وشبہات پیدا کرنے لگیں تو اتنی بات سے کہ احیاناً آپ ایک کام کر چکے ہوں اور خیال گزرے کہ نہیں کیا، کس طرح لازم آیا کہ آپ کی تمام تعلیمات اور فرائض بعثت سے اعتبار اٹھ جائے یاد رکھیے سہو ونسیان مرض اور غشی وغیرہ عوارض خواص بشریت سے ہیں اگر انبیاء بشر ہیں تو ان خواص کا پایا جانا ان کے رتبہ کو کم نہیں کرتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جب ایک شخص کی نسبت دلائل قطعیہ اور براہین نیرہ سے ثابت ہو جائے کہ وہ یقیناً اللہ کا سچا رسول ہے تو ماننا پڑیگا اللہ نے اس کی عصمت کا تکفل کیا ہے اور وہی اس کو اپنی وحی کے یاد کرانے کے سمجھانے اور پہنچانے کا ذمہ دار ہے ناممکن ہے کہ اس کے فرائض دعوت وتبلیغ کی انجام دہی میں کوئی طاقت خلل ڈال سکے۔ نفس ہو یا شیطان مرض ہو یا جادو کوئی چیز ان امور میں رخنہ اندازی نہیں کر سکتی جو مقصد بعثت کے متعلق ہیں۔ کفار جو انبیاء کو "مسحور" کہتے تھے چونکہ ان کا مطلب نبوت کا ابطال اور یہ ظاہر کرنا تھا کہ جادو کے اثر سے ان کی عقل ٹھکانے نہیں رہی گویا "مسحور" کے معنی "مجنون" کے لیتے تھے۔ اور وحی الٰہی کو جوش جنون قرار دیتے تھے (العیاذ باللہ)) اس لیے قرآن میں ان کی تکذیب وتردید ضروری ہوئی یہ دعویٰ کہیں نہیں کیا گیا انبیاء علیہم السلام لوازم بشریت سے مستثنیٰ ہیں اور کسی وقت ایک آن کے لیے کسی نبی پر سحر کا معمولی اثر جو فرائض بعثت میں اصلاً خلل انداز نہ ہو نہیں ہو سکتا۔

معوذتین کا قرآن ہونا:

معوذتین کے قرآن ہونے پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہے اور ان کے عہد سے آج تک بتواتر ثابت ہے۔ صرف ابن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ان دو سورتوں کو اپنے مصحف میں نہیں لکھتے تھے لیکن واضح رہے کہ ان کو بھی ان سورتوں کے کلام اللہ ہونے میں شبہ نہ تھا وہ مانتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور لاریب آسمان سے اترا ہے مگر ان کے نازل کرنیکا مقصد رقیہ اور علاج تھا۔ معلوم نہیں کہ تلاوت کی غرض سے اتاری گئی یا نہیں اس لیے ان کو مصحف میں درج کرنا اور اس قرآن میں شامل کرنا جس کی تلاوت نماز وغیرہ میں مطلوب ہے خلاف احتیاط ہے۔ روح البیان میں ہے " انه كان لا يعدالمعوذتين من القران وكا ن لا يكتبهما فى مصحفه يقول انهمامنزلتان من السماء وهما من كلام رب العالمين ولكن النبى عليه الصلوٰة والسلام كان برقى ويعوذ بهما فاشتبه عليه انهما من القران اوليستامنه فلم يكتبهما فى المصحف" (صفحہ ۲۳ ۷ جلد ۴) قاضی ابوبکر باقلانی لکھتے ہیں: "لم ينكر ابن مسعود كو نهما من القران و انما انكراثباتهما فى المصحف فانه كان يرى ان لا يكتب فى المصحف شيأ الا ان كا ن النبى صلى الله عليه وسلم اذن فى كتابته فيه كانه لم يبلغه الاذن " (فتح الباری صفحہ ۱ ۷ ۵ جلد ۸) حافظ نے ایک اور عالم کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں "لم يكن اختلاف ابن مسعود مع غيره فى قرانيتهما و انماكان فى صفة من صفا تهما" (فتح الباری صفحہ ۱ ۷ ۵ جلد ۵) بہرحال ان کی یہ رائے بھی شخصی اور انفرادی تھی جیسا کہ بزار نے تصریح کی ہے۔ کسی ایک صحابی نے ان سے اتفاق نہیں کیا اور بہت ممکن ہے کہ جب تواتر سے انکو ثابت ہو گیا ہو کہ یہ بھی قرآن متلو ہے تو اپنی رائے پر قائم نہ رہے ہوں۔ اس کے علاوہ ان کی یہ انفرادی رائے بھی محض خبر واحد سے معلوم ہوتی ہے جو تواتر قرآنی کے مقابلہ میں قابل سماعت نہیں ہو سکتی شرح مواقف میں ہے۔ ان اختلاف الصحابة فى بعض سور القران مروى بالاحاد المفيدة للظن و مجموع القران منقول بالتواتر المفيد لليقين الذى يضمحل الظن فى مقابلته فتلك الاحاد ممالا يلتفت اليه ثم ان سلمنا اختلافهم فيماذكر قلنا انهم لم يختلفوا فى نزوله على النبى صلى الله عليه وسلم ولا فى بلوغه فى البلاغة حد الاعجازبل فى مجرد كونه من القران و ذلك لا يضر فيما نحن بصدده اھ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں واجيب باحتمال انه كان متواتر اًفى عصر ابن مسعود لكن لم يتو اتر عند ابن مسعود فانحلت العقدة بعون الله تعالىٰ الخ اور صاحب

المعانی کہتے ہیں ولعل ابن مسعود رجع عن ذلک اھ.

اختتام کلمات تفسیر عثمانی:

اس رب کریم کا شکر کس زبان سے کروں۔ جس کی خالص توفیق وتیسیر سے آج یہ مہتم بالشان کام انجام کو پہنچا۔ الٰہی آج عرفہ کے مبارک دن اور وقوف بعرفات کے وقت تیرے کلام پاک کی ایک مختصری خدمت جو محض تیرے فضل واعانت سے اختتام پذیر ہوئی تیری بارگاہ قدس میں بصد عجز و نیاز پیش کرتا ہوں تو اپنے فضل وکرم سے اس کو قبول فرما اور مقبول بنا۔ الٰہی! میں معترف ہوں کہ اس خدمت کی انجام دہی میں حق اخلاص ادا نہیں ہو سکا، لیکن تیری رحمت ورافت جب سیئات کو حسنات سے بدل ڈالتی ہے اس کے لئے ایک صورت کو حقیقت حسنہ بنا دینا کیا بڑی بات ہے۔ میرا گمان تیرے ساتھ یہی ہے کہ تو اپنی نکتہ نوازی سے اس ناچیز عمل کو زندۂ جاوید بنائیگا اور اس کے نیک ثمرات سے دارین میں مجھ کو متمتع فرمائیگا۔ اے اللہ! تو اپنے قرآن پاک کی برکت سے میری، میرے والدین کی، میرے شیوخ واساتذہ کی، میرے اقارب واحباب کی، اور ان کی جو اس کار خیر کے محرک وداعی بنے، یا جنہوں نے اس عظیم الشان کام میں رفاقت واعانت کی، سب کی مغفرت فرمایئے اور سب کو دنیا وآخرت کی بلاؤں سے مامون ومصئون رکھیے اور حضرت مترجم قدس سرہٗ کے ساتھ جنت الفردوس میں جمع کیجئے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ اللّٰهم انس وحشتی فی قبری o اللّٰهم ارحمنی بالقرآن العظيم واجعله لّی اماماً و نورًا و هدی ورحمة o اللّٰهم ذکر نی منه مانسيت وعلمنی منه ماجهلت وارزقنی تلاوته انا ء الليل وانا ء النهار واجعله حجة لی يارب العالمين.

ونعم ما قیل: اول وآخر قرآن زچہ با آمد وسین یعنی اندر دو جہاں رہبر ما قرآن بس۔

۹- ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ

دیوبند العبد الفقير

فضل اللہ المدعو بہ شبیر: احمد ابن مولانا فضل الرحمٰن العثمانی

قد كان ابی عثمان بفضل الله و كان ينشد:.

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

ولو كره الاعداء من كل حاسد! (تفسیر عثمانی)

مسجد میں شیطان کا بہلانا:

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں ہوتا ہے اس کے پاس شیطان آتا ہے اور اسے تھپکتا اور بہلاتا ہے، جیسے کوئی شخص اپنے جانور کو بہلاتا ہو پھر اگر وہ خاموش رہا تو وہ ناک میں کیل یا منہ میں لگام چڑھا دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان فرما کر فرمایا کہ تم خود اسے دیکھتے ہو نکیل والا تو وہ ہے جو ایک طرف جھکا کھڑا ہو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرتا ہو، اور لگام والا وہ ہے جو منہ کھولے ہوئے ہو اور اللہ کا ذکر نہ کرتا ہو۔

شیطان کا علاج اللہ کا ذکر ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ شیطان ابن آدم کے دل پر چنگل مارے ہوئے ہے جہاں یہ بھولا اور غفلت کی اس نے وسوسے ڈالنے شروع کیے اور جہاں اس نے ذکر اللہ کیا اور یہ پیچھے ہٹا۔ (تفسیر ابن کثیر)

دشمنوں سے دفاع:

ابن کثیر نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں قرآن کریم کی تین آیتیں اس مضمون میں لکھی ہیں جن میں ان دونوں کا ذکر کر کے انسانی دشمن کا دفاع حسن خلق ترک انتقام اور اس کے ساتھ احسان کا سلوک کرنا اور بتلایا اور اس کے مقابلے میں شیطان کا دفاع استعاذہ تلقین فرمایا۔ ابن کثیر نے فرمایا کہ پورے قرآن میں یہ تین ہی آیتیں اس مضمون کی آئی ہیں۔ ایک آیت سورۂ اعراف میں ہے کہ اول فرمایا خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ . یہ تو انسانی دشمن کے مقابلے کی تدبیر ارشاد فرمائی جس کا حاصل عفو ودرگزر اور اس کو نیک کام کی تلقین اور اس کی برائی سے چشم پوشی بتلائی۔ اسی آیت میں آگے فرمایا وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ . یہ تلقین دشمن انسانی کے مقابلہ میں فرمائی جس کا حاصل اللہ سے پناہ مانگنا ہے۔

دوسری آیت میں سورہ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ میں اول دشمن انسانی کے مقابلہ میں علاج فرمایا اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ یعنی برائی کو بھلائی کے ذریعہ دفعہ کرو۔ پھر دشمن شیطانی کے مقابلے کے فرمایا وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ o وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ o . یعنی اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کی چھیڑ سے اور اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔ اور تیسری آیت سورہ حم السجدہ کی ہے جس میں اول دشمن انسانی کی مدافعت کے لیے ارشاد فرمایا اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ یعنی تم برائی کو بھلائی کے ذریعے دفع کرو اگر ایسا کرلو گے تو مشاہدہ ہوگا کہ تمہارا دشمن تمہارا مخلص دوست بن جائیگا اسی آیت میں دوسرا جزء دشمن شیطانی کے مقابلے میں یہ فرمایا وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ . یہ تقریباً وہی الفاظ ہیں جو سورۃ اعراف میں شیطان کے مقابلے کے لیے ارشاد فرمائے گئے ہیں اور حاصل اس کا یہ ہے کہ اس کا مقابلہ بجز استعاذہ کے کچھ نہیں۔ (ابن کثیر)

غرض انسانی دشمن کے مقابلے میں ہار جانا بھی مومن کے لیے کوئی مضرت نہیں بخلاف شیطان کے اس کی خوشامد اور اس کو راضی کرنا بھی گناہ ہے اور

اس کے مقابلے میں ہار جانا تو آخرت کو تباہ کر لینا ہے یہی وجہ ہے جس کے لیے دشمن شیطانی کی مدافعت کے واسطے حق تعالیٰ ہی کی پناہ لینا علاج ہے اس کی پناہ کے سامنے شیطان کی ہر تدبیر ضعیف و بے اثر ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

قاری قرآن کا مرتبہ:

حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن والے سے (قیامت کے دن) کہا جائیگا پڑھ اور چڑھ اور ترتیل کر جس طرح دنیا میں ترتیل کرتا تھا آخری آیت جہاں تو پڑھنا ختم کرے وہی تیرا مرتبہ (قیام گاہ) ہے۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد ونسائی)

تلاوت قرآن کے بعد دعا قبول:

حضرت ابوسعید خدری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے جس کو تلاوت قرآن میرے ذکر سے باز رکھے اور تلاوت کے بعد وہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں جتنا دوسرے سوال کرنیوالوں کو دیتا ہوں سب سے بہتر اس کو دیتا ہوں تمام کاموں پر کلام اللہ کی فضیلت ایسی ہی ہے کہ جیسے مخلوق پر خدا کی فضیلت۔ (رواہ الترمذی والدارمی والبیہقی)

ایک حرف پر دس نیکیاں:

حضرت ابن مسعود کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اس کے لیے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہوگا میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے رواہ الترمذی اور دارمی ترمذی نے اس حدیث کی اسناد کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔

قرآن صراط مستقیم ہے:

حارث اعور کا بیان ہے کہ میرا مسجد کی طرف سے گزر ہوا تو میں نے دیکھا کہ لوگ احادیث میں کچھ موشگافیاں کر رہے ہیں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ کی اطلاع دی فرمایا کیا وہ ایسا کر رہے ہیں میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا سنو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ ہوشیار رہو عنقریب فتنہ ہوگا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس سے خلاصی کی راہ کیا ہوگی فرمایا اللہ کی کتاب جس کے اندر تم سے پہلے کی خبریں ہیں اور تم سے بعد کی خبریں ہیں اور تمہارے باہمی فیصلے ہیں قرآن قطعی فیصلہ ہے مذاق نہیں ہے جو کسی ظالم کی وجہ سے اس کو چھوڑ دے گا اللہ اس کو توڑ دیگا (تباہ کر دے گا) جو اس کو چھوڑ کر کسی اور سے ہدایت کا طلب گار ہوگا اللہ اس کو گمراہ کر دے گا۔ یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے یہی پر حکمت نصیحت ہے یہی صراط مستقیم ہے یہی وہ کتاب ہے کہ اس کی وجہ سے میلانات میں کجی نہیں آئے گی اور زبانوں میں اشتباہ نہ ہوگا۔ اور علماء اس سے سیر نہ ہو نگے اور بار بار کثرت سے اس کو پڑھنا اس کو بوسیدہ نہ بنا سکے گا۔ اس کے عجائبات ختم نہ ہونگے یہی وہ کتاب ہے کہ جنات میں (غفلت سے) بیداری اس وقت تک نہ ہوئی جب تک انہوں نے کہہ نہ دیا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا جو راہ راست بتاتا ہے ہم اس پر ایمان لے آئے جو شخص اس کے موافق بات کرے گا سچا ہوگا اور جو اس پر عمل کرے گا اجر دیا جائیگا:

قرآن کو صحیح نہ پڑھنے کی سزا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں جو اچھی لے سے قرآن نہ پڑھتا ہو۔ (بخاری)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم قرآن پڑھ رہے تھے ایک عجمی دیہاتی بھی ہم میں موجود تھا اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے اور فرمایا پڑھو ہر ایک کا پڑھنا اچھا ہے عنقریب کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو قرآن کی قراءت کو سیدھا کریں گے جیسے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے پڑھنے میں جلدی کریں گے یعنی پڑھنے کا عوض دنیا میں لیں گے آخرت کے ثواب کے لئے نہیں پڑھیں گے۔ (ابوداؤد البیہقی)

قرآن کو عربی طریقے پر پڑھو: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قرآن کو عربی لے اور عربی آہنگ سے پڑھو عشاق اور اہل کتاب کے دونوں گروہوں کی لے سے اجتناب رکھو آئندہ میرے بعد کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو نغمہ اور نوحہ کی طرح قرآن کو گٹکری سے پڑھیں گے قرآن (پڑھتے وقت) ان کے حلقوم سے آگے نہیں بڑھے گا ان کے دل فتنہ زدہ ہونگے اور ان لوگوں کے دل بھی مبتلاء فتنہ ہونگے جو ان کی اس کیفیت کو پسند کرتے ہونگے۔ (بیہقی اور ابن زرین)

قرآن کو تکیہ نہ بناؤ:

حضرت عبیدہ ملیکی صحابی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے قرآن والو! قرآن کو تکیہ نہ بناؤ اوقات روز و شب میں اس کی تلاوت کرو اور حق تلاوت پورا کرو۔ اسکو پھیلاؤ اس کو لے سے پڑھو اس کے اندر جو کچھ ہے اس پر غور کرو تاکہ تم کو فلاح حاصل ہو اس کا معاوضہ طلب کرنے میں جلدی نہ کرو (یعنی دنیا میں اس کے عوض نہ طلب کرو) کیونکہ اس کا عظیم الشان عوض آخرت میں ہے۔ (رواہ البیہقی شعب الایمان)

بہترین علاج: حضرت علی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بہترین علاج قرآن ہے۔ رواہ ابن ماجہ دوسرے الفاظ میں ہے قرآن ہی علاج ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ (بیماری کے لیے) دو شفا کی چیزیں اختیار کرو شہد اور قرآن۔ حضرت واثلہ بن اسقع کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حلق کے درد کی شکایت کی فرمایا قرآن پڑھا کرو۔ (بیہقی فی شعب الایمان) (تفسیر مظہری)

چودہ سو سالہ مفسرین قرآن کریم
اور اُن کی تفاسیر کا تعارف

تاریخ
تفسیر و مفسرین

مرتب:
حضرت مولانا عبد القیوم مہاجر مدنی مدظلہ العالی

یہ رسالہ کافی عرصہ قبل جمع کیا گیا تھا مگر جب ''گلدستہ تفاسیر'' کی ترتیب کا کام شروع ہوا تو کاغذات کی پس و پیش سے اس کا مسودہ گم ہو گیا' تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکا' اب جگہ گلدستہ تفاسیر کا کام تکمیل کے مراحل میں پہنچ چکا تو اچانک ہی مسودات میں سے یہ مسودہ ظاہر ہو گیا' یوں لگتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اس رسالہ کو گلدستہ تفاسیر کیلئے محفوظ رکھا اور برموقع ظاہر فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ قبولیت عطا فرمائے اور مفید بنائے آمین۔

اس رسالہ کی ترتیب میں حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب رحمہ اللہ کی کتاب تذکرۃ المفسرین سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

تعارف علم تفسیر

علم تفسیر کی تعریف

لفظ تفسیر کا معنی کسی چیز کا چھلکا اتارنا اور اس کی حقیقت معلوم کرنا ہے مگر اصطلاح میں اس سے مراد ''وہ علم ہے جس میں قرآن کریم کے الفاظ اور ان کے معانی اور مصداق سے انفرادی اور اجتماعی طور سے بحث کی جائے۔''

موضوع: اس علم کا موضوع کلام اللہ ہے۔

غرض اور فائدہ: ابدی اور کامل ہدایت سے ابدی اور کامل راہ نمائی حاصل کرنا تا کہ نجات حاصل ہو، بالفاظِ محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمہ اللہ۔

''مقاصد قرآن حکیم سے وہ ہونے چاہئیں جن سے مبداء و معاش و معاد اور فلاح و نجاح دُنیا و آخرت وابستہ ہو۔'' (مقدمہ ترجمہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ)

تفسیر قرآن کے دو محرکات

یہ بھی قرآنی اعجاز ہے کہ قرآنِ حکیم کی بعض تفاسیر اس قدر مختصر ہیں کہ ان کے کلمات، کلماتِ قرآنی سے کچھ ہی زیادہ ہیں جیسا کہ جلالین، اور بعض تفاسیر کئی جلدوں پر مشتمل ہیں، جیسا کہ تفسیر ابن النقیب حنفی، جس کی ضخامت نوے جلدوں سے بھی زیادہ ہے یہ تو تفسیر کا پہلا رخ ہے اور تفسیر قرآن حکیم کا دوسرا رُخ دفاعی ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ جوں جوں اسلام پھیلتا گیا اور مملکتِ اسلامیہ کی حدود خطۂ حجاز سے بڑھ کر ایشیائی ممالک تک پھیلتی گئیں تو ادھر تو نئے نئے مسائل پیدا ہوتے گئے اور ادھر اسلام کے خلاف آنے والی طاقتوں نے دو طریقے اختیار کر لیے:

ایک تو یہ کہ قرآنی تعلیمات پر کھلم کھلا اعتراضات کرنے شروع کر دیئے جیسا کہ فلسفہ زدہ دہریہ طبقہ یا بے دین راہب گروہ اور دوسرا یہ کہ بعض بے دینوں نے قرآنی تعلیمات کے منبع قرآنِ حکم کو آڑ بنا کر اپنے لادینی نظریات کو فروغ دینا شروع کر دیا، جیسا کہ خوارج اور معتزلہ۔

چنانچہ خداوندِ حکیم نے اس کتابِ عزیز کی حفاظت اپنے ذمے لیتے ہوئے قرآن کے نزول کے ابتدائی دور ہی میں فرما دیا تھا:

''یہ حقیقت ہے کہ ہم ہی نے اس ذکر (قرآنِ مجید) کو اتارا اور ہم ہی اس کی یقیناً حفاظت کرنے والے ہیں۔'' (الحجر ۹)

اور ساتھ ہی ان خطرات سے بھی خبردار کر دیا تھا کہ جیسا کہ ہر نبی علیہ السلام کے مخالفین باطل نظریہ کو وحی الٰہی کے مقابلے میں پھیلانے کی کوشش کرتے تھے اسی طرح قرآنِ عزیز کے مخالف بھی پیدا ہو جائیں گے۔

ترجمہ: ''اور اسی طرح بنا دیئے ہم نے ہر نبی کیلئے دشمن انسانوں اور جنات کے شیاطین، ان میں سے بعض بعض کے دل میں جھوٹ کی باتیں بناوٹ کے ساتھ ڈالتے ہیں۔''

مفسرین کے طبقات

طبقۂ اولیٰ: وہ مفسرین کرام ہیں جنہوں نے قرآن حکیم کی تفسیر ارشاداتِ صاحب وحی جناب رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں فرمائی یہ طبقہ صحابہ کرامؓ، تابعین رحمہ اللہ اور تبع تابعین رحمہ اللہ پر مشتمل ہے جیسا کہ صحابہ کرامؓ میں سے عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور تابعین رحمہ اللہ میں سے علقمہ بن قیس رحمہ اللہ (م ۶۱ھ) مسروق بن اجدع رحمہ اللہ م ۶۳ھ عامر شعبی ۱۰۹ھ زیادہ مشہور ہیں بعد میں آنے والے مفسرین قرآن حکیم میں سے یزید بن ہارون سلمی م ۱۱۷ھ شعبہ بن الحجاج م ۱۶۰ھ وکیع بن الجراح م ۱۹۷ھ وغیرہم ہیں۔

طبقہ ثانیہ: ان مفسرین قرآن حکیم پر مشتمل ہے جنہوں نے تفسیر قرآن حکیم کو تاویل کے رنگ میں پیش کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآنی آیات کی مراد متعین کرنے میں آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ کو اساس بنا کر تدبر آیاتِ قرآنیہ سے بھی کام لیا۔

اگرچہ تدبر فی القرآن دورِ نبوت میں رہا مگر چونکہ صاحبِ وحی سید دو عالم ﷺ خود تشریف فرما تھے اس لئے صحابہ کرامؓ حضور انور ﷺ سے معنی مراد کا استفسار کر لیا کرتے تھے۔

طبقۂ ثالثہ: یہ طبقہ ان مفسرین قرآن عزیز پر مشتمل ہے جنہوں نے ارادی اور غیر ارادی طور پر اپنے مخترعہ عندیات کو قرآن عزیز کی آڑ میں شائع کرنے والوں کا تعاقب کر کے اُن کا دفاع کیا ہے اور یہ بھی قرآن عزیز کی بڑی خدمت ہے چنانچہ قرون اولیٰ ہی میں معتزلہ، خوارج، مرجئہ وغیرہا فرق باطلہ نے اپنے غیر اسلامی عقائد کو الفاظِ قرآنی کی آڑ میں شائع کرنے کی جب جسارت کی تو مفسرین قرآن عزیز نے ان کا دفاع کرتے ہوئے امتِ محمدیہ کو

گمراہی سے بچالیا جس کیلئے وہ امت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔

تفسیر، تاویل، تحریف

تفسیر: تدبر فی القرآن اسلامی تعلیمات کی عالم گیر اور ابدی افادیت کیلئے نہ صرف مفید ہے بلکہ ضروری ہے کہ تدبر فی القرآن کا منشاء اور مقصد تعلیماتِ قرآنی کی اشاعت ہو اور اس نیت سے ہو کہ منشاء ایزدی کو خلقِ خدا قبول کرے اور ارشاداتِ الٰہیہ کو بالادستی حاصل ہو، فرمایا:

ترجمہ: ''بے شک یہ قرآن لوحِ محفوظ میں ہے ہمارے ہاں بڑا بلند اور حکمت والا ہے۔''

چنانچہ یہ تفسیر تو مقبول و محمود ہے بلکہ ضروری ہے تاکہ قرآنی تعلیمات کی افادیت اور عظمت راسخ ہو جائے۔

صحیح تفسیر اور تاویل کیلئے چند شروط ہیں۔

پہلی شرط تو یہ ہے کہ قرآن عزیز کی کسی ایک ہی آیت کو دیکھ کر تفسیر نہ کی جائے بلکہ اس مضمون کی جملہ آیات کو جمع کر کے پھر تفسیر کی جائے۔

تفسیر القرآن بالقرآن کے لئے متداول تفاسیر میں سے تفسیر امام بغوی زیادہ مفید ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اگر قرآن عزیز کی کسی آیت کی تفسیر دوسری آیات سے سمجھ میں نہ آ سکے تو صاحبِ وحی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور اعمال مبارکہ کی روشنی میں تفسیر کی جائے۔

اس لئے ضروری ہے کہ مفسر القرآن کی نظر صاحبِ وحی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ پر ہو محض کسی لغت وغیرہ کا ایسا اعتبار نہ کیا جائے کہ وحی ربانی اور ارشادات نبوی کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دی جائے۔

تاویل: تدبر فی القرآن کے سلسلے میں تاویل کا سمجھنا بھی ضروری ہے۔

تاویل کا لفظی معنی تو پھیرنا ہے مگر اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ ارشاداتِ باری تعالیٰ میں اصول تفسیر کو مدنظر رکھتے ہوئے غور و فکر کے بعد ایک یا چند معانی متعین کر دیئے جائیں۔

سید دو عالم ﷺ نے ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کیلئے یہ دُعاء فرمائی۔

ترجمہ: یا اللہ اس کو دین میں سمجھ عطا فرما اور قرآن سمجھنے کی توفیق عطا فرما۔

قرآن عزیز کے ارشاد کا معنی اور مطلب متعین کرنے کیلئے تاویل کی ضرورت پڑے تو اس تاویل کے صحیح ہونے کیلئے مندرجہ ذیل شروط ہیں۔

(۱) الفاظ قرآنی کا معنی مراد سمجھنے کیلئے لغت عرب کا استحضار جب قرآن عزیز کی آیات اور حدیث، اقوال صحابہ و تابعین سے تفسیر معلوم نہ ہو سکے تو پھر تاویل کیلئے لغت عرب کی طرف رجوع کیا جائے۔

اس لئے مفسرین سابقین پہلے لغت عرب میں مہارت تامہ حاصل کر لیتے تھے پھر اس کے بعد تفسیر القرآن پر قلم اٹھایا کرتے تھے، جیسا کہ آٹھویں صدی کے مفسر ابوحیان اندلسی نے کہا ہے کہ:

''میں نے بچپن ہی میں علم لغت میں کتاب الفصیح اور دوسری کتب کو ازبر کر لیا اور عربی دیوانوں میں سے چھ مشاہیر عرب (امراء القیس، نابغہ، علقمہ، زہیر، طرفہ، عنترہ) کے دیوان بھی یاد کر لئے تھے۔''

(۲) دین قیم کے اساسی عقائد توحید و نبوت وغیرہما سے پوری طرح باخبر ہو، اور ان پر یقین رکھتا ہو ورنہ جو مفسر اسلام کے بنیادی عقائد سے بے خبر یا عقیدۃً مخالف ہوگا وہ تفسیر قرآن عزیز میں عظیم غلطی کر جائے گا جیسا کہ قدیم اہل ہوا نے ایسی غلطیوں کا ارتکاب کیا اور جدید اہل ہوا بھی اسی کا شکار ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

(۳) مفسر قرآن عزیز کیلئے ضروری ہے کہ وہ فقہی ابحاث سے بھی باخبر ہو تاکہ حرام حلال سمجھ سکے جناب رسول کریم ﷺ نے امت کو حکم دیا اَحِلُّوْا حَلَالَهٗ وَحَرِّمُوْا حَرَامَهٗ. (الحدیث)

(۴) مفسر قرآن عزیز کیلئے سب سے زیادہ ضرورت نور باطن کی ہے، اگر ایک انسان علوم لسانی اور علوم علمیہ سے بہرور بھی ہو مگر اس کا عمل سراسر تعلیماتِ قرآنی کے مخالف ہو یا اس کے نظریات میں اعوجاج ہو تو وہ قرآنی معارف کو کماحقہ نہ سمجھ سکے گا اور اس کی تفسیر تحریف کے زیادہ قریب ہوگی جیسا کہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

''مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک فقرہ اس باب میں بہت خوب ہے انہوں نے ایک دفعہ کہا تھا کہ کبھی حضرت شاہ ولی اللہ اور سر سید احمد خان دونوں ایک ہی بات کہتے ہیں مگر ایک سے ایمان پرورش پاتا ہے اور دوسرے سے کفر۔''

(سید صاحب کا غیر مطبوعہ مکتوب مندرجہ العلم (کراچی) باعث جنوری ۵۹ء)

صحیح تفسیر اور تاویل کیلئے سند کا ہونا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ دینی علوم بلکہ درس نظامی کے جملہ علوم و فنون کیلئے سند ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے بلکہ ناظرہ قرآن عزیز کی قرأت اور تلاوت کی تعلیم و تعلم کیلئے بھی سند کا ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی سند ناظرہ قرآن عزیز کو عبداللہ بن مسعودؓ تک ذکر فرمایا ہے جنہوں نے سید دو عالم ﷺ سے قرآن عزیز پڑھا بھی ہے اور سنایا بھی ہے۔

تفسیر بالرائے پر عالم اسلامی کے جلیل القدر ادیب کی تنقید

مصر کے سابق وزیر تعلیم ڈاکٹر طٰہٰ حسین مرحوم نے فرمایا ہے کہ:

''میں کہہ سکتا ہوں کہ موولین (قرآن عزیز کی تفسیر بالرائے کرنے والے) خواہ قدماء میں سے ہوں یا فلاسفہ میں سے، ان کی تاویلات دور از کار ہیں انہوں نے عقل کو راہ نمائی سونپی اور دھوکہ کھا گئے انہوں نے وہ باتیں

کیں جوان کے منہ سے نہیں نکلنی چاہئیں تھیں۔ ان کو سزاوار یہ تھا کہ حد سے قدم آگے نہ بڑھاتے جس جگہ ان کو قوت فہم وادراک اور شعور اور بلوغ ختم ہوگئی تھی وہیں پر ٹھٹھک کر رہ جاتے، یہ ان کیلئے بہتر ہوتا ان کے لئے بھی اور ان لوگوں کیلئے بھی جنہیں انہوں نے فتنے میں مبتلا کر دیا تھا۔

ان دوراز کار تاویلات نے عجیب عجیب گل کھلائے ہیں مثلاً قرآن مجید میں طیرا ابابیل کا ذکر آیا ہے یعنی وہ چڑیاں جنہوں نے مکے پر حملہ آور حبشی فوج پر کنکریاں پھینک کر اسے تباہ کر دیا تھا یہ عقل پرست طیرا ابابیل سے وبا مراد لیتے ہیں اور کنکریوں سے غیر مرئی جراثیم، یہ تاویل انہوں نے اپنی طرف سے کی حالانکہ سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے سورۃ الفیل کا یہ مطلب نہیں لیا اور نہ ہی اس نہج پر اسے سمجھا تھا اور وہ اس نہج پر سمجھ بھی نہیں سکتے تھے یہ ان کیلئے زیب کب تھا وہ میکروب (جراثیم) سے بالکل ناواقف تھے اسی طرح جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن عزیز میں سَبْعَ سَمٰوٰتٍ سے مراد کواکب وسیارہ ہیں یہ بھی انکل پچو بات ہے یہ ایسی بات کر رہے ہیں جو نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ نے کبھی نہیں فرمائی۔" (اسلام منزل بمنزل ص ۳۷۶)

علم تفسیر کی تدوین

ابتداءِ اسلام میں حدیث اور تفسیر قرآن عزیز کو یکجا ہی جمع کر لیا جاتا تھا چنانچہ یہ طریقہ بعد میں جاری رہا اور ہے ہر محدث نے اپنی مرتبہ کتاب حدیث میں ابواب التفسیر کو جمع کر دیا ہے مگر پھر بھی جلیل القدر تابعی حضرت مجاہدم ۱۰۲ھ نے تفسیر قرآن عزیز کو کتابی شکل میں جمع کر دیا تھا جس سے امام شافعی اور امام بخاری جیسے جلیل القدر ائمہ کرام نے اپنی اپنی کتابوں میں استشہاد کیا ہے اسی طرح ابی بن کعب کی مرتبہ تفسیر اور حضرت ابن عباس کی تفسیر قرآن عزیز روایت کردہ علی ابن ابی طلحہم ۱۴۳ھ پر بھی اعتماد کیا گیا ہے۔

جب تک اسلام حدود عرب میں رہا اس وقت تک قرآنی تعلیمات بیرونی نظریات سے محفوظ رہیں اس لئے دور اول کے مفسرین نے ان کی طرف توجہ نہ فرمائی لیکن جوں ہی اسلام نے اپنے مرکز سے باہر بھی پھیلنا شروع کیا تو اس وقت کے غیر اسلامی نظریات نے قرآن عزیز کی آڑ میں اپنے نظریات باطلہ کی اشاعت شروع کر دی جیسا کہ معتزلہ، مرجئہ، قدریہ، وغیرہا فرق باطلہ نے قرآن عزیز ہی کو اپنے مقصد باطلہ کیلئے پیش کرنا چاہا اس لئے اس دور کے علماء تفسیر نے اپنی اپنی مرتبہ تفاسیر میں دفاع عن الدین کا فریضہ بھی ادا فرمایا۔

اسی طرح وسعت حدود مملکت کے پیش نظر امت کو دینی دفعات کے مرتب کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی تو احکام القرآن کا موضوع بھی اختیار کیا گیا اس پر مستقل تفاسیر مرتب کی گئی اور عمومی تفاسیر میں اس موضوع پر بھی قلم اُٹھایا گیا۔

تفسیر قرآن اور برصغیر

بحمدہ تعالیٰ برصغیر میں تفسیر قرآن عزیز جزوی اور کامل طور پر ابتداء اسلام ہی سے مرتب ہوگئی تھی جیسا کہ:

(۱) کشمیر کے ایک راجہ کے متعلق ہے کہ اس نے قرآن مجید کی تفسیر مقامی زبان میں تیار کرائی تھی، (تاریخ مسلمانان پاک وہند ص ۱۰۷)

(۲) اسی طرح بزرگ بن شہریار تا خدارا مہرمزی نے اپنی مرتبہ کتاب "عجائب الہند" میں مہروک بن زائق ملک الور کے متعلق یہ لکھا ہے کہ اس نے ۲۷۰ھ میں عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز صاحب منصورہ کو یہ لکھا کہ وہ اس کے پاس کسی ایسے عالم کو بھیجے جو اس کیلئے قرآن عزیز اور اسلام کی تشریح ہندی زبان میں کرے چنانچہ اس کیلئے ایسے ہی ایک عالم کو بھیجا گیا جس نے اس راجہ کو قرآن کریم ہندی زبان میں پڑھایا جب سورۃ یٰسین کی آیت "قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ" پر پہنچے تو راجہ نے زمین بوس ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

(رجال الہند والسند ص ۲۵۴ ودکنی کلچر از نصیر الدین ہاشمی شائع کردہ مجلس ترقی ادب لاہور)

(۳) ڈاکٹر مہر الحق نے "ملتانی زبان" نامی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ:

"عراقی نے ۲۷۰ھ میں قرآن حکیم کا ترجمہ یا تفسیر سندھی زبان میں لکھی ہندوستان میں قرآن کریم کا پہلا ترجمہ یہی تھا۔" (ص ۳۲۱)

اسی طرح امام عبد بن حمیدم ۲۴۹ھ بھی جلیل القدر مفسر کچھ (سندھ) کے تھے وسطی دور میں حضرت سید محمد گیسودراز م ۸۲۵ھ اور شیخ علی مہائمی (بمبئی) عظیم مفسر گذرے ہیں مؤخر الذکر کی مرتبہ تفسیر مصر میں طبع ہوئی اور اس وقت کے جلیل القدر علماء سے خراج تحسین حاصل کیا، فارسی زبان میں قرآن عزیز کی مبسوط تفسیر قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے بہ نام بحر مواج مرتب فرمائی، اورنگ زیب کے استاد ملا جیون جون پوری کی تفسیر احمدی عالم اسلامی میں مستند تفسیر ہے ان سب کا تفصیلی ذکر اپنے اپنے مقام پر ان شاء اللہ آجائے گا۔

پہلی اور دوسری صدی ہجری کے مفسرین قرآن عزیز

تاج وسراج المفسرین سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن عزیز کا نزول ہوا اور آپ ہی نے پہنچایا اور سمجھایا بھی ہے اس لئے قرآن عزیز کے سب سے پہلے مفسر خود سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور پھر آپ کے تمام صحابہ بھی مفسرین قرآن کریم ہیں مگر چند صحابہ خصوصی طور پر مفسر تھے اس لئے علماء تفسیر نے طبقات المفسرین میں سے پہلا طبقہ مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضیٰ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، ابوموسیٰ اشعری، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم (مناہل ۱/۳۲)

۱: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ:

کاتب وحی ہونے کے علاوہ سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں فتوی بھی دیا کرتے تھے، سید القرا کہلائے آپ سے ۱۶۴ احادیث مروی ہیں فرمایا اے ابی! اللہ نے تیرا نام لے کر فرمایا ہے کہ میں قرآن پڑھوں اور تو سنے آپ کو سید الانصار کا لقب دیا تھا حضرت عمر فاروقؓ آپ کو سید المسلمین کہا کرتے تھے آپ سے قرآنی تفسیر کا ایک عظیم نسخہ روایت ہے خلیفہ چلپی نے لکھا، ''ابی ابن کعبؓ نے تفسیر قرآن عزیز میں ایک بڑی کتاب لکھی جس کی اسناد صحیح ہیں، ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اور حاکم نے مستدرک میں تفسیر ابی ابن کعبؓ کو نقل کیا ہے۔ (مفتاح السعادۃ ج ا ص ۴۰۴)

مدینہ منورہ میں ۲۰ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔

۲: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

حبشہ اور مدینہ منورہ کے مہاجر ہیں تمام غزوات اور جنگ یرموک میں بھی شرکت فرمائی فرمایا تو قرآن پڑھ تاکہ میں سنوں ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم دس آیات قرآنی پڑھ کر ان کے معانی سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے بعد آگے پڑھا کرتے تھے، آپ کے شاگردوں کی تعداد چار ہزار ہے ۳۲ھ کو رحلت فرمائی اور جنت البقیع میں دفن کر دیئے گئے۔

۳: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ:

اسلام کیلئے بڑی تکالیف اٹھائیں فرمایا: **سلمان من اهل البيت** دوسو پچاس سال عمر پائی مدائن میں ۳۵ھ کو انتقال فرمایا۔

''ایران کے نومسلموں نے حضرت سلمان فارسیؓ کی خدمت میں لکھا کہ وہ اسلام لانے کے فوراً بعد عربی زبان میں نماز نہیں پڑھ سکتے چنانچہ آپ نے ان کیلئے سورۃ فاتحہ کا ترجمہ فارسی زبان میں کر کے بھیج دیا عربی زبان سیکھنے تک اپنی نمازوں میں پڑھا کرتے تھے'' (مبسوط مطبوعہ مصر ج ا ص ۳۷) آپ پہلے مترجم اور مفسر ہوئے۔

۴: حضرت علی کرم اللہ وجہہ:

قرآن عزیز کا سننا اور پھر اس کا سمجھنا آپ کو زیادہ نصیب ہوا، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تفسیر قرآن آپ سے نقل فرمائی آپ اکثر اوقات قرآن عزیز کی تفسیر فرمایا کرتے جس کو ابوحمزہ ثمالیؒ لکھ لیا کرتے تھے جس کو فہم القرآن کا نام دیا ہے آپ سے پوچھا گیا **ما فی هذه الصحيفه** تو آپ نے فرمایا **فهم القرآن** آپ کی شہادت ۲۱ رمضان ۴۰ھ کو ہوئی۔

۵: ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

اجلہ صحابہ کرام کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل تھا باقاعدہ درس قرآن حدیث دیا کرتی تھیں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب بھی ہم کو فہم آیات قرآنی میں کوئی مشکل پیش آئی تو آپ نے راہ نمائی فرمائی وفات ۱۷ رمضان ۵۷ھ جنت البقیع میں آرام فرما ہیں۔

۶: حضرت مسروق بن اجدح رحمہ اللہ:

عہد صدیقی میں اسلام لائے کارہائے نمایاں انجام دیئے عائشہ صدیقہؓ اور ابن مسعود سے اکتساب فیض کیا، ارض حرم میں پاؤں پھیلا کر نہ سوتے تھے ۶۳ھ میں وفات ہوئی۔

۷: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما:

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں دو موقع پر سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ اس کو دین کی سمجھ اور قرآن فہمی کی دولت عطا فرما، قرآن عزیز کے اچھے ترجمان علمی مجلس منعقد فرماتے غیر عرب طلباء کیلئے ترجمان مقرر کئے ہوئے تھے اور طلباء کو تفسیری نوٹ لکھواتے تھے ابن ابی ملیکہ نے مجاہدؒ کے پاس

دو تختیاں دیکھی جن پر ابن عباسؓ نے ان کو قرآنی آیات کی تفاسیر لکھائی اصول التفسیر از ابن تیمیہ ص ۶۲ ایک سورۃ کی تلاوت فرماتے اور پھر خود ہی اس کی تفسیر بھی فرماتے تھے۔ ابووائل فرماتے ہیں: سورۂ بقرہ یا سورۂ نور کی تلاوت فرمائی اور پھر اس کی ایسی جامع تفسیر فرمائی کہ اگر اس کو ترک روم اور دیلمی سن لیتے مسلمان ہو جاتے حضرت مجاہد نے ابن عباسؓ سے تیس مرتبہ قرآن عزیز پڑھا آپ کے شاگرد سعید بن جبیرؒ عکرمہ طاؤس عطا ہیں آپ سے جو تفسیر نقل کی گئی ہے وہ علی بن طلحہ ہاشمی (م ۱۴۳ھ کی سند سے منقول ہے یہ تفسیر لیث بن سعد م ۱۷۵ھ کے کاتب ابوصالح کے پاس مصر میں موجود تھی اور یہی تفسیر امام بخاری نے اپنی صحیح میں اسی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ تفسیر ابن عباسؓ سید دو عالم ﷺ کی رحلت کے فوراً بعد مرتب ہو چکی تھی،" قلمی نسخہ ہرن کی جھلی پر لکھا ہوا مکتبہ ملک عبدالعزیز کے کتب خانہ مدینہ منورہ میں موجود ہے جس پر سال کتابت ۳۱۶ھ درج ہے تنویر المقباس فی تفسیر ابن عباس کا ایک قلمی نسخہ پبلک لائبریری لاہور میں موجود ہے ۱۲۱۰ھ درج ہے تفسیر ابن عباسؓ کا اردو ترجمہ کلام کمپنی کراچی نے شائع کیا تفسیری ارشادات ایک مجموعہ مکہ یونیورسٹی نے بھی شائع کیا ہے علاوہ آپ کے چند مسائل نافع بن الازرق بھی ہے قرآن عزیز کے لئے جو اشعار بطور شہادت جن کا ماخذ سیوطی کی اتقان ابن الانباری کی کتاب الوقف اور طبرانی کی معجم کبیر ہے۔ مسائل ابن الازرق میں

جزى الله الاكان بيني وبينهم   جزاء ظلوم لا يؤخذ عاجلاً

مکہ مکرمہ سے طائف منتقل ہو گئے تھے اور وہیں ۶۸ھ کو وصال ہوا۔

۸: رفیع بن مہران بصری:

خود فرماتے ہیں "مجھے ابن عباسؓ اپنے پاس تخت پر بٹھایا کرتے تھے آپ کے شاگردوں میں سے حضرت قتادہ جیسے مفسر قرآن پیدا ہوئے صحابہ کرامؓ کے بعد تفسیر جاننے والا ابوالعالیہ سے بہتر کوئی نہیں۔"

۹: سعید بن جبیر بن ہشام الاسدی:

(۱۳) حضرت قتادہ نے فرمایا: تابعین میں سے سب سے زیادہ تفسیر قرآن عزیز جاننے والے سعید بن جبیر ہیں طبری هو ثقة امام المسلمين حجة ابن حبان كان عبداً فاضلاً ورعاً علامه ذهبى هو احدالاعلام خليفه وقت عبد الملك بن مروان (م ۸۶ھ) نے آپ سے تفسیر قرآن عزیز مرتب کرنے کی درخواست کی جس پر تفسیر لکھی پھر اس قلمی نسخہ کو خلیفہ نے شاہی کتب خانہ کی زینت بنا دیا عطاء بن دینار الهلامی مصری نے شاہی کتب خانہ سے حاصل کر کے روایت کیا حجاج بن یوسف کے ظلم کا نشانہ بنے ۹۵ھ میں جام شہادت نوش فرمایا (۱۴) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (۱۵) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (۱۶) عبداللہ بن زبیرؓ۔

۱۰: ابوالاسود بن عمرو بن سفیان رحمہ اللہ:

(۱۷) جلیل القدر تابعی تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے شاگرد علم نحو کا ابتدائی جملہ الکلمۃ ثلاثۃ اضرب اسم وفعل حرف سکھایا تفسیر بھی ابوالاسود نے حضرت علی سے روایت کی وفات ۹۹ھ یا ۱۰۱ھ بھی لکھی ہے۔

۱۱: ضحاک بن مزاحم ہلالی رحمہ اللہ:

خراسان کے بہت بڑے عالم اور مفسر القرآن، آپ کا مدرسہ اس قدر وسیع تھا کہ آپ حمار پر سوار ہو کر طلباء کی نگرانی فرمایا کرتے طلباء کی تعداد تین ہزار تک پہنچ جاتی ۱۰۲ھ میں وفات پائی۔

۱۲: حضرت عکرمہ افریقی رحمہ اللہ

ولادت مدینہ منورہ حضرت ابن عباسؓ کے غلام آزاد علم کی اشاعت کیلئے خراسان، اصبہان، مصر وغیرہ کا سفر کئی بار کیا چنانچہ ابن خلکان رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ کان عكرمة الطواف والجولان فى البلاد ۱۰۴ھ کو وفات ہوئی۔

۱۳: مجاہد بن جبیر رحمہ اللہ:

ولادت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ممتاز شاگرد تھے ابن عباسؓ سے تین دفعہ قرآن عزیز پڑھا مکہ مکرمہ میں بحالت سجدہ وفات ۱۰۲ھ میں پائی عبداللہ بن عمرؓ ان کی سواری کی رکاب تھام لیتے تھے (مقدمہ کسالہ تفسیر از ابن تیمیہ رحمہ اللہ تفسیر مجاہد رحمہ اللہ حکومت قطر سے طبع ہو چکی ہے۔

۱۴: طاؤس بن کیسان رحمہ اللہ:

یمن کی بستی جند میں پیدا ہوئے، ابن عباسؓ کے علاوہ انچاس صحابہ کرامؓ کی زیارت کی ابن عباسؓ نے فرمایا: انى لا ظن طاؤس من اهل الجنته "۱۰۶ھ کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔

۱۵: حافظ ابوالخطاب قتادہ بن دعامہ رحمہ اللہ:

عربی النسل اور مادرزاد نابینا تھے اجلہ علماء محدثین ومفسرین سے استفادہ کیا آپ کے استاد ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "قتادہ احفظ الناس تھے۔" امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ "قتادہ تفسیر القرآن اور اختلاف العلماء میں سب سے مقدم تھے کہتے کہ مجھے ہر آیت کے متعلق تفسیر کا کچھ نہ کچھ حصہ معلوم ہے عراقی علماء نے آپ کو عالم اهل البصرة کا لقب دیا ۱۱۷ھ میں انتقال فرمایا۔

۱۶: محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ:

ابن مسعودؓ سے شرف تلمذ تفسیر القرآن میں بلند مقام ۱۱۸ھ میں وفات ہوئی۔

۱۷: اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ السدی الکبیر:

سدی انس بنؓ مالک اور ابن عباسؓ سے تفسیر امام بخاری کے علاوہ

دوسرے محدثین نے آپ سے روایات لی ہیں آپ کی وفات ۱۲۷ھ کو ہوئی کوفہ کے نامور مفسر سمجھے گئے ثقہ ہونے میں اختلاف ہے۔

۱۸: زید بن اسلم رحمہ اللہ:

حضرت عمر فاروقؓ کے غلام تھے حضرت حسینؓ بن علیؓ آپ کے درس میں بیٹھتے امام مالکؒ جیسے اجلہ علماء کرام آپ کے شاگرد ہوئے ۱۳۶ھ کو وفات ہوئی۔

۱۹: علی بن طلحہ رحمہ اللہ:

ابوالحسن تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے نقل فرمائی اور پھر اس کو ایک صحیفہ کی شکل میں جمع کر دیا امام احمد رحمہ اللہ کا ارشاد: ''مصر میں تفسیر کا وہ صحیفہ محفوظ ہے جسے علی بن ابی طلحہؒ نے روایت کیا ہے اگر کوئی آدمی اس کیلئے مصر کا سفر کرے تو یہ کوئی مشقت کی بات نہ ہوگی کچھ اقتباسات محمد فواد مصری رحمہ اللہ معجم غریب القرآن کے نام سے شائع کر دیئے وفات ۱۴۳ھ کو ہوئی۔

۲۰: ابوعمرو بن العلاء رحمہ اللہ:

امام حسن بصری کے ساتھ خادمانہ تعلق قرآن کریم کے ساتھ عشق قراء سبعہ میں سے ایک آپ بھی ہیں کتاب بہ نام مرسوم المصحف لکھی کوفہ میں ۱۴۵ھ کو انتقال فرمایا۔

۲۱: مقاتل بن حیان رحمہ اللہ:

تہذیب میں ابن حبان نے لکھا ابن کثیر رحمہ اللہ اور مفسر بغوی رحمہ اللہ نے اپنی اسناد میں اس مفسر کا ذکر بھی کیا ہے بلخ سے کابل آکر مقیم ہوگئے، ایک تفسیر بہ نام نوادر التفسیر مرتب کی انتقال ۱۵۰ھ کو ہوا۔

۲۲: عبدالملک بن عبدالعزیز:

تین سو سے زائد شیوخ جن میں سے امام احمد رحمہ اللہ بھی بصرہ میں تدریس آپ کے حلقہ درس میں سے سفیان ثوری رحمہ اللہ ابوداؤد رحمہ اللہ، عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ ہوئے امام المتقین کہا جاتا تھا خلیفہ چلپی رحمہ اللہ ان کی مرتبہ تفسیر کو تفسیر شعبہ کہا جاتا تھا ۱۶۰ھ میں بصرہ میں انتقال ہوا۔

۲۳: سفیان ثوری رحمہ اللہ:

کوفہ میں خلیفہ سلیمان بن عبدالملک رحمہ اللہ کے زمانہ میں پیدا ہوئے، علم و معرفت تقوی پر اہل زمانہ متفق تھے معمر اوزاعی فضیل بن عیاض رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں آپ کی قرآن عزیز کی تفسیر رضا لائبریری رام پور (بھارت) میں محفوظ ہے امتیاز عرشی کی ترتیب سے سورۃ بقرہ تا سورۃ والطور شائع ہو چکا ہے بصرہ میں ۱۶۱ھ میں فوت ہوئے۔

۲۴: زائدہ بن قدامہ کوفی رحمہ اللہ:

ابواسحاق رحمہ اللہ و دیگر جلیل القدر علماء سے علوم حاصل کئے سنت نبوی کے اس قدر دلدادہ تھے کہ کسی بدعتی اور تقدیر کے منکر کو اپنے مدرسہ میں داخل نہ کرتے تھے جہاد بالسیف بھی کیا حدیث اور تفسیر میں کتابیں لکھیں ۱۶۱ھ کو شہید ہوئے۔

۲۵: امام مالک بن انس رحمہ اللہ:

ستر صحابہ کرامؓ کی زیارت کی سترہ سال کی عمر میں آپ مدرس، مفتی اور قاضی مشہور ہو چکے لقب امام اہل مدینہ آپ کی کتاب مؤطا امام مالک ہے ایک قرآن عزیز کی تفسیر بھی ہے **تراجم مالکیہ کتابہ فی التفسیر وھذہ سبعون الف مسئلتہ** ساتویں صدی ہجری محقق عالم ابوالحسن علی الاشبیلی رحمہ اللہ م ۲۶۶ھ نے اپنے استاد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مرتبہ تفسیر قرآن کریم پڑھی ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۷۹ھ مزار مبارک جنت البقیع مدینہ منورہ میں ہے۔

۲۶: عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے جلیل القدر شاگردوں علم وعمل تقوی مجاہد فی سبیل اللہ بھی مصنف کتاب الزہد جامع کتاب ہے احیاء المعارف (انڈیا) سے ۱۹۶۶ء کو شائع ہو چکی ہے، قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی مرتب فرمائی ۱۸۱ھ کو انتقال فرمایا۔ حضرت فضیل کو ایک منظوم خط لکھا جس کے دو اشعار:

یا عابد الحرمین لوا بصرتنا لعلمت انک فی العبادۃ تلعب

من کان یخضب خدہ بدموعہ فنحور نا بدما تتخضب

۲۷: یونس بن حبیب نحوی:

بصرہ میں ابوعمرو بن العلاء اور حماد بن مسلمہ سے عربی ادب حاصل کیا کتاب معانی القرآن الکریم ۱۸۶ھ کو فوت ہوئے۔

۲۸: محمد بن مروان سدی صغیر:

وکیع بن الجراح رحمہ اللہ نے آپ کو نیشاپوری کہا سندھی الاصل صحاح ستہ کے جامعین محدثین عظام، امام احمد و امام شافعی آپ کے شاگردوں میں سے ہیں دن کو روزہ اور رات کو تلاوت قرآن کی تفسیر بھی لکھی جس کا نام تفسیر وکیع ہے نفیس ترین تفسیر ہے ۱۹۷ھ کو وفات ہوئی۔

۲۹: ابومحمد سفیان بن عیینہ الہلالی رحمہ اللہ:

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر حجاز میں امام مالک رحمہ اللہ اور سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نہ ہوتے تو حجاز کا علم دنیا میں باقی نہ رہتا، آپ بلند پایہ مفسر تھے ابن ندیم نے لکھا ہے **لہ تفسیر معروف** وفات ۱۹۸ھ کو ہوئی، آپ کی تفسیر تیسری صدی تک اہل علم میں متداول تھی۔

۳۰: ابوزکریا یحییٰ بن سلام رحمہ اللہ:

تبلیغ اسلام کے لئے اپنی زندگی افریقہ میں گزار دی قرآن عزیز کی ایک تفسیر مرتب فرمائی ۲۰۰ھ کو انتقال فرمایا۔

تیسری صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

(۱) الامام الشافعی رحمہ اللہ:

۱۳ سال کی عمر میں مؤطا امام مالک حفظ کر کے مدینہ منورہ امام مالک کی خدمت میں پہنچے آٹھ ماہ رہ کر پھر مکہ مکرمہ اور پھر عراق آ کر امام محمد کی شاگردی اختیار کر لی احکام القرآن کے موضوع پر تفسیر مرتب فرمائی قاہرہ میں طبع ہوئی کتب خانہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد میں موجود ہے وفات ۲۰۴ کو ہوئی۔

(۲) ابوعبیدۃ رحمہ اللہ:

دو کتابیں ان کی مشہور ہیں تفسیر غریب القرآن اور کتاب مجاز القرآن، دونوں کتابیں مصر سے شائع ہو چکی ہیں وفات ۲۰۷ھ کو ہوئی۔

(۳) ابوزکریا یحیٰی بن زیاد رحمہ اللہ:

یہ فراء کے لقب سے مشہور ہیں، آپ کے درس میں اس وقت کے قضاۃ اور علماء بھی بیٹھا کرتے تھے، فراء نے اپنے شاگردوں کو تفسیر املاء کرائی جس کا حجم ایک ہزار ورق تھا، آپ کی مرتبہ کتاب معانی القرآن طبع ہو چکی ہے، ۲۰۷ھ کو وفات ہوئی، المامون نے بیٹوں کی تعلیم و تربیت کیلئے آپ کی خدمات حاصل کی تھیں، فراء باہر جانے لگے تو استاد کی جوتیاں اٹھانے کیلئے دونوں شہزادے جھگڑنے لگے آخر فراء کے فیصلے پر دونوں نے ایک ایک جوتی اٹھائی، المامون خوش ہوا استاذ کے اس قدر ادب و احترام پر دس دس ہزار دینار انعام دیا اور اتنی ہی رقم فراء کی خدمت میں پیش کی۔

(۴) محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم رحمہ اللہ:

استنباط احکام اور تنقید و تنقیح میں ید طولیٰ قرآن عزیز کی ایک تفسیر بہ نام احکام القرآن لکھی۔

۵: الامام حافظ عبدالرزاق ابن ہمام رحمہ اللہ:

کئی کتابیں لکھیں، قرآن کریم کی ایک تفسیر عبدالرزاق ہے، مصر کے قلمی کتب خانہ میں ہے اور یہ ۷۲۴ھ کا مکتوبہ ہے، وفات ۲۱۱ھ کو ہوئی، اس تفسیر کا عکس کتب خانہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد میں موجود ہے جس کا نمبر ۲۹ ہے، تحقیق و تعلیق و طبع شدہ۔

۶: ابوالحسن سعید بن مسعدۃ النحوی رحمہ اللہ:

یہ نقش اوسط کے نام سے معروف ہیں، تفسیر معانی القرآن لکھی ۲۱۵ کو وفات ہوئی۔

۷: امام عبداللہ بن زبیر حمیدی رحمہ اللہ:

ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی سفیان ابن عینیہ اور امام شافعی سے اکتساب فیض کیا، دس ہزار احادیث زبانی یاد تھیں، آپ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایک بھی صحابیؓ کو برا کہے تو وہ جادہ سنت سے منحرف ہے، آپ کی مشہور کتاب حدیث مسند حمیدی اج تک متداول ہے، قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی لکھی، مکہ مکرمہ میں ۲۱۹ھ کو وفات پائی۔

۸: قاسم بن سلام ابوعبیدہ رحمہ اللہ:

علماء حدیث و تفسیر فقہ ادب اور دیگر علوم کے جامع مانے گئے ہیں، اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں ابوعبیدہ مجھ سے اور امام احمد، امام شافعی سے زیادہ فائق ہیں ہم لوگ تو ان کے محتاج ہیں، مفید کتابیں کتاب الاموال طبع ہو چکی ہے، کتاب معانی القرآن بھی ہے جو آثار اسانید صحابہ و تابعین اور فقہاء کی تفاسیر کا مجموعہ ہے۔ ۲۲۴ھ میں مکہ مکرمہ میں فوت ہوئے۔

۹: الحافظ سنید بن داؤد رحمہ اللہ:

ابوعلی المصیصی ایک تفسیر مرتب کی جو اپنے استاد وکیع سے روایت کی، امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ م ۹۷۳ھ نے اس تفسیر میں مندرجہ احادیث و آثار کی علیحدہ تخریج بھی مرتب فرمائی۔ وفات ۲۲۶ھ کو ہوئی۔

۱۰: عبدالرحمٰن بن موسیٰ ہواری:

اندلس کے مشہور عالم اور مفتی تھے، ایک تفسیر لکھی ہے ۲۲۸ھ کو وفات ہوئی۔

۱۱: ابوبکر عبداللہ (ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ)

ابن ماجہ رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث آپ کے شاگرد ہیں، علم حدیث میں مسند اور مصنف آپ کی مشہور تصانیف ہیں قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھی ہے۔ ۲۳۵ کو فوت ہوئے، مصنف ۱۲ جلدوں میں مجلس علمی کراچی کی توجہ سے طبع ہو چکی ہے۔

۱۲: محمد بن حاتم المروزی رحمہ اللہ:

السمین کے لقب سے مشہور ہوئے امام مسلم، ابوداؤد رحمہ اللہ اور ابن ماجہ رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں۔ بغداد میں باقاعدہ درس تفسیر القرآن دیا کرتے تھے قرآن عزیز کی ایک تفسیر لکھی ۲۳۵ھ کو فوت ہوئے۔

۱۳: اسحٰق ابن راہویہ رحمہ اللہ:

علم تفسیر میں آپ کا ممتاز مقام ہے، زبانی یادداشت سے تفسیر قرآن عزیز لکھوایا کرتے تھے مگر تفسیر کا باسند الفاظ کے ساتھ لکھوانا مشکل کام ہے۔ تابعین رحمہ اللہ کے بعد تفسیر کو زندہ کیا، قرآن عزیز کی تفسیر بھی لکھی۔ ۲۳۸ھ کو فوت ہوئے۔

۱۴: عبدالملک بن حبیب السلمی رحمہ اللہ:

ابو مروان فقہ مالکی تقریباً پوری حفظ تھی، تفسیر اور دیگر معارف قرآنی کے متعلق ان کی ساٹھ کتابیں ہیں، ۲۳۸ھ کو وفات ہوئی۔

۱۵: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

امام شافعی رحمہ اللہ امام یوسف رحمہ اللہ ،سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ جیسے نادر روزگار ائمہ ہدی سے استفادہ کیا، بلند پایہ محدث، مفسر اور فقیہ تھے، لاکھوں احادیث یاد تھیں، فتنہ خلق قرآن کا استیصال آپ ہی کی قربانیوں کا ثمرہ ہے، ۲۴۱ھ کو فوت ہوئے، تقریباً ۲۲ کتب تصنیف فرمائیں جن میں سے ایک تو قرآن کریم کی تفسیر ہے۔

۱۶: علی بن حجر رحمہ اللہ:

سعدی رحمہ اللہ کے نام سے شہرت پائی، سب ائمۃ الحدیث ان کے شاگرد تھے، آپ کی تصنیف احکام القرآن بھی ہے، ۲۴۴ھ کو وفات ہوئی، سعدی کا مقولہ ہے کہ عصر کے بعد کتب بینی سے نظر کمزور ہو جاتی ہے۔

۱۷: پاکستان کا مفسر القرآن، عبد بن حمید بن نصر رحمہ اللہ:

کچھ میں پیدا ہوئے، ارض عرب کا سفر کیا، امام مسلم رحمہ اللہ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے آپ سے علم حاصل کیا ۲۴۹ھ کو وفات ہوئی، نام عبد الحمید ہے، مسند صغیر اور دوسری مسند کبیر، قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی لکھی جس کو ہر زمانہ میں قبولیت حاصل رہی، امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس تفسیر کو دیکھا، من تفسیر عبد، قال حدثنا ابراھیم بن حزیم بن خاقان (م ۵۲) ثنا ابو محمد عبد الحمید بن حمید فذکر (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۴۵۶) تفسیر ابن جریر رحمہ اللہ کی طرح تفسیر بالماثور ہے، شاہ عبد العزیز دہلوی نے فرمایا کہ یہ تفسیر مشہور ہے، عرب میں اس کو پڑھا جاتا ہے، عبد بن حمید رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے ابن جریر طبری رحمہ اللہ ، ابن المنذر رحمہ اللہ ، ابن ابی حاتم رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر علماء حدیث وتفسیر تھے (در منثور ج ۶ ۲۲۶) کتاب التفسیر (ترمذی) ہیں ایک سو آیات کی تفسیر عبد بن حمید رحمہ اللہ سے روایت ہے۔

۱۸: محمد بن احمد السفدی رحمہ اللہ:

امام سیوطی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سفدی نے قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی لکھی تھی۔ وفات ۲۵۵ھ کو ہوئی۔

۱۹: ابو محمد امام الدارمی رحمہ اللہ:

حرمین، حجاز، شام، عراق کا علمی سفر کیا، مفسر ومحدث ہوئے، مسند دارمی، امام مسلم رحمہ اللہ ، ترمذی رحمہ اللہ اور ابوداؤد رحمہ اللہ آپ کے شاگردوں میں سے ہیں، ایک تفسیر بھی لکھی، ابن حجر نے فرمایا باکمال مفسر اور صاحب علم فقیہہ تھے آپ کی ولادت ۱۸۱ھ اور وفات ۲۵۵ھ کو ہوئی، امام احمد نے فرمایا دارمی پر دنیا پیش کی گئی مگر آپ نے قبول نہ کی، امام بخاری رحمہ اللہ نے آپ کی وفات کا سنا تو آنکھوں سے آنسو ڈھلک کر چہرے پر آ گئے، اور پھر بے ساختہ یہ شعر پڑھا:

ان تبق تفجع بالا حبتہ کلھم   وفناء نفسک لا ابالک افجع

۲۰: محمد بن سخنون قیروانی رحمہ اللہ:

امام زہری رحمہ اللہ اور سلمہ بن سیب رحمہ اللہ سے اکتساب فیض کیا، مؤطا امام مالک کی شرح چار جلدوں میں لکھی تفسیر احکام القرآن بھی لکھی، ۲۵۶ھ کو فوت ہو کر قیروان میں دفن ہوئے۔

۲۱: ابوعبداللہ محمد بخاری رحمہ اللہ:

امام بخاری رحمہ اللہ ہیں جن کی جمع کردہ صحیح بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا درجہ حاصل ہے، ولادت بروز جمعۃ المبارک سنہ ۱۹۴ھ کو بخارا میں ہوئی، اسحق بن راہویہ، علی ابن المدینی ، احمد بن حنبل، یحیٰ بن معین رحمہ اللہ سے علم حاصل کیا۔ طلب علم کیلئے مصر، شام، بصرہ، کوفہ، بغداد کے کئی سفر کئے، صحیح بخاری کو سولہ سال کی محنت شاقہ کے بعد مرتب فرمایا، صحیح بخاری میں کتاب التفسیر کے عنوان سے تفسیر قرآن عزیز کو جمع فرمایا، اور مستقل طور پر بھی قرآن عزیز کی تفسیر کبیر لکھی ہے۔ وفات سنہ ۲۵۶ھ کو عید الفطر کی رات ہوئی۔

۲۲: شیخ الاسلام عبداللہ بن سعید اسکندری رحمہ اللہ:

ابو حاتم رحمہ اللہ نے لکھا ہے ھو امام اھل زمانہ قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھی سنہ ۲۵۷ھ کو وفات پائی۔

۲۳: احمد بن الفرات رحمہ اللہ:

ابو مسعود الرازی رحمہ اللہ صاحب قلم بھی تھے، پانچ لاکھ سے زیادہ احادیث اپنے قلم سے لکھیں، قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی لکھی، سنہ ۲۵۸ھ کو وفات پائی۔

۲۴: محمد بن عبداللہ بن الحکم رحمہ اللہ:

امام شافعی رحمہ اللہ کی صحبت میں رہے، فقہ شافعی میں مہارت، امام طبری رحمہ اللہ جیسے آپ کے شاگردوں میں سے ہیں، احکام القرآن نام کی تفسیر لکھی سنہ ۲۶۸ھ کو فوت ہوئے۔

۲۵: امام ابن ماجہ رحمہ اللہ صاحب:

''سنن ابن ماجہ'' قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی لکھی، ابن جوزی نے اس تفسیر کا ذکر المستظم میں کیا ہے ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا لا بن ماجتہ تفسیر حافل ابن خلکان نے فرمایا تفسیر القرآن الکریم علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے الاتقان میں اس کو ابن جریر کے طرفہ کی تفسیر بتایا ہے۔

۲۶: امام ابوداؤد سجستانی رحمہ اللہ:

مشہور کتاب سنن ابی داؤد کتاب التفسیر، نظم القرآن، کتاب فضل القرآن کا تعلق تفسیر سے ہے، وفات ۲۷۵ھ کو ہوئی۔

۲۷: بیہقی بن مخلد رحمہ اللہ:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ دیگر علماء عظام سے اکتساب علم کیا، علم وفضل کے

علاوہ مجاہد تھے، فرمایا ''میں نے اندلس میں ایسا پودا لگا دیا ہے جو خروج دجال کے بغیر نہ اکھڑ سکے گا۔'' ایک مسند مرتب کی جس میں تیرہ سو سے زائد صحابہ کرامؓ کی روایات جمع کر دی ہیں اور قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی لکھی ابن حزم اندلسی نے کہا ہے لم یولف فی الاسلام مثل تفسیرہ اور بروکلمن نے ابن عساکر رحمہ اللہ کی یہ رائے ذکر کی ہے کہ بیہقی رحمہ اللہ کی تفسیر ابن جریر رحمہ اللہ کی تفسیر سے فائق ہے آپ کی وفات ۲۷۶ھ کو ہوئی۔

۲۸: مسلم بن قتیبہ رحمہ اللہ:

ابن راہویہ رحمہ اللہ یحی ابن اکثم رحمہ اللہ سے اکتساب فیض کیا، اس موضوع پر کتابیں تحریر کیں۔ (۱) تفسیر غریب القرآن (۲) کتاب معانی القرآن (۳) تاویل مشکل القرآن (۴) مستقل علیحدہ تفسیر القرآن کا ذکر بھی قاضی عیاض نے کیا ہے۔ وفات ۲۷۶ھ میں ہوئی۔

۲۹: امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ:

امام بخاری رحمہ اللہ کے خصوصی تلمیذ ہیں، حافظ، تقوی اور تفقہ لاثانی تھا، سنن ترمذی مشہور ہے ابواب التفسیر میں ۹۲ سورتوں کے ضروری مقامات کی تفسیر بیان فرمائی ہے، تفسیر ترمذی کے نام سے مشہور ہے، یہ تفسیر قلمی پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔ (۱-۳۵۹)

۳۰: اسمٰعیل بن اسحٰق رحمہ اللہ:

مالکی فقہ کے شیخ مانے گئے، ایک تفسیر احکام القرآن بھی ہے جو پچیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ ۲۸۲ھ کو فوت ہوئے۔

۳۱: سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ:

علوم شریعت وطریقت کے آپ جامع تھے مکہ مکرمہ میں ذوالنون مصری سے شرف ہوا، ایک جامع تفسیر عربی زبان میں لکھی جس کو ابو یوسف سنجری رحمہ اللہ نے مصنف رحمہ اللہ سے ۲۷۵ھ میں سنا اور روایت بھی کیا یہ تفسیر طبع ہو چکی ہے۔ وفات ۲۸۳ھ کو ہوئی۔

۳۲: ابوالعباس محمد بن یزید مشہور بہ مبرد رحمہ اللہ:

اعراب القرآن کے نام سے دو مستقل کتابیں ما اتفق لفظہ واختلف معناہ من قرآن المجید اور کتب خانہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد میں موجود ہے، وفات ۲۸۵ھ کو ہوئی۔

۳۳: احمد بن داؤد دینوری رحمہ اللہ:

اصمعی رحمہ اللہ سے اکتساب فیض کیا۔ علوم اسلامیہ، تاریخ اور حکمت و فلسفہ میں یکتائے روزگار تھے، امام سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا: کان من نوادر الرجال ممن جمع بین اداب العربیۃ وحکم الفلاسفۃ ابتداء آفرینش انسانی سے لے کر مؤلف کے دور تک تاریخ کے واقعات کو مختصر طور پر جمع کیا ان کی کتاب اخبار الطوال ہے، قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے ایک تفسیر کا نام تفسیر الدینوری ہے، جو تیرہ جلدوں میں ہے اور بغداد میں اس کا مخطوطہ موجود ہے، آپ کی وفات ۲۸۲ھ کو ہوئی۔

۳۴: امام احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ:

گرامی قدر والد اور دوسرے علماء سے علم حاصل کیا، آپ نے اپنے والد ماجد سے تیس ہزار مسند احادیث اور ایک لاکھ بائیس ہزار تفسیری ارشادات سنے۔ ۲۹۰ھ کو وفات ہوئی۔

۳۵: احمد بن یحییٰ ایشبانی رحمہ اللہ:

ثعلب جو امام وقت مانے گئے، قرآنی موضوع کے متعلق کتاب معانی القرآن، کتاب اعراب القرآن اور غریب القرآن لکھیں، وفات ۲۹۱ھ کو ہوئی۔

چوتھی صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

(۱) موسیٰ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ قطان رحمہ اللہ:

امام محمد رحمہ اللہ اور ابن سحنون رحمہ اللہ کے شاگرد رشید تھے علم نبوت میں کامل دسترس حاصل تھی، احکام القرآن کے نام سے ایک تفسیر بارہ جلدوں میں مرتب فرمائی، ۳۰۶ھ کو فوت ہوئے، طرابلس کا قاضی مقرر کیا گیا آپ نے ہر مظلوم کی مدد کی اور ہر ظالم کو سزا دی۔

(۲) ابو عبداللہ بن محمد بن وہب رحمہ اللہ:

ابن وہب رحمہ اللہ نے ایک تفسیر لکھی، فیروز آبادی نے تنویر المقیاس فی تفسیر ابن عباسؓ میں اس سے استفادہ کیا انتقال ۳۰۸ھ میں ہوا، اس تفسیر کا ایک مخطوطہ خزانہ اباصوفیہ میں محفوظ ہے جس کا نمبر ۲۲۱، ۲۰۲ ہے ایک نسخہ سورۃ اخلاص تک خزانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں موجود ہے، چھٹی صدی ہجری کا مخطوطہ ہے۔

۳: محمد بن المفضل بن سلمہ بغدادی رحمہ اللہ:

معانی القرآن کے عنوان پر ایک کتاب لکھی جس کا نام ضیاء القلوب ہے۔ ۳۰۸ھ کو فوت ہوئے۔

۴: امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر رحمہ اللہ:

ولادت تو نیشاپور اقامت مکہ مکرمہ میں محمد بن میمون رحمہ اللہ، محمد بن اسمٰعیل الصائغ رحمہ اللہ سے اکتساب علم کیا، زمانہ کے امام مجتہد مشہور ہوئے، قرآن عزیز کی ایک تفسیر لکھی، امام ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ۳۱۶ میں ابن المنذر سے ان کی ملاقات ہوئی تھی۔

۵: محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ :

طلب علم کیلئے مصر، شام، عراق تک سفر کیا، قرآن عزیز کی تفسیر احادیث، آثار صحابہؓ سے قرآن عزیز کی تفسیر کی گئی جس کا نام جامع البیان فی تفسیر القرآن ہے مگر مشہور ابن جریر رحمہ اللہ اور طبری رحمہ اللہ ہے، امراء اور سلاطین سے لاتعلق رہے، یہ تفسیر ساری تفسیر بالماثور ہے، مصر کے مطبع میمنہ سے ۱۳۲۱ھ شائع ہوئی۔ نسخہ مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں موجود تھا، دار العلوم دیوبند کتب خانہ اس کا اُردو میں بھی ترجمہ کر رہا ہے، منصور بن نوح رحمہ اللہ کا فارسی ترجمہ ۷ جلدوں میں ۱۳۴۲ھ میں تہران سے شائع ہو چکا ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے کہا ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے یہ تفسیر سات سالوں ۲۸۳ھ تا ۲۹۰ھ) میں نقل کی، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سند کے اعتبار سے بھی دوسری تفاسیر سے افضل ہے، امام نووی رحمہ اللہ آج تک ایسی جامع تفسیر کوئی نہیں لکھی گئی، ابو حامد اسفرائنی رحمہ اللہ اس تفسیر کو حاصل کرنے کے لئے چین تک سفر کرنا مہنگا نہیں، دور حاضر مفتی عبدہ رحمہ اللہ ابن جریر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں صرف حدیث مرفوع ہی نقل کرتے ہیں، دور حاضر کے مستشرقوں نے بھی اعتراف کیا ہے کہ یہ تفسیر دوسری تفسیر سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

۶: حافظ کبیر عمر بن بجیر رحمہ اللہ :

سمر قند کے قصبہ ہمدان میں ۲۲۳ھ کو پیدا ہوئے، علم حدیث میں حافظ کا مقام حاصل کیا اور صحیح احادیث کا ایک عظیم مجموعہ مرتب فرمایا، قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی مرتب فرمائی اور ۳۱۱ھ کو فوت ہوئے۔

۷: ابو اسحٰق ابراہیم زجاج محمد بن السری رحمہ اللہ :

معانی القرآن کے نام سے ایک جامع کتاب مرتب فرمائی۔ ۳۱۶ھ کو بغداد میں فوت ہوئے، مفسرین رحمہ اللہ نے بھی استفادہ کیا ہے، پہلی جلد مصر میں طبع ہو چکی ہے۔

۸: ابو بکر سلیمان بن الاشعث امام ابوداوٗد السجستانی رحمہ اللہ :

فن تفسیر اور علم عقائد پر بھی مفید کتابیں لکھیں طبری رحمہ اللہ کے ہم زمان ہیں، ایک تفسیر لکھی جس کا نام کتاب التفسیر رکھا۔ ۳۱۶ھ کو وفات ہوئی۔ فرمایا جس دن میں کوفہ میں طلب علم کیلئے پہنچا ایک درہم تھا، لوبیا خرید لیا، جس دن تیس ہزار احادیث لکھ چکا اسی دن لوبیا بھی ختم ہو گیا۔

۹: عبد اللہ بن محمد رحمہ اللہ :

احناف کے بلند پایہ عالم تھے، قرآن کریم کی ایک تفسیر بارہ جلدوں میں مرتب کی، ۳۱۹ھ کو وفات پائی۔

۱۰: محمد بن ابراہیم النحوی رحمہ اللہ :

علماء کرام مشکلات علمیہ کیلئے دور دراز سے آیا کرتے تھے مصنف غریب الحدیث اور معانی القرآن لکھی۔ ۳۲۰ھ کو فوت ہوئے۔

۱۱: احمد بن عبد اللہ دینوری رحمہ اللہ :

عالم و حافظ بے مثال فقہ مالکی کے مقلد تھے، معانی القرآن کے موضوع سے خاص شغف تھا، عراق میں آپ کے حلقہ درس بہت وسیع تھا، معانی القرآن مستند کتاب ہے، مفسرین رحمہ اللہ نے علمی استشہاد کیا ہے، ربیع الاول ۳۲۲ھ کو فوت ہوئے۔

۱۲: احمد بن محمد امام طحاوی رحمہ اللہ :

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی کتابوں اور ان کی فقہ کے مطالعہ کا شوق تھا، درس و تدریس میں شہرت حاصل کی، امام طبرانی رحمہ اللہ محدث اور ابو بکر بن المقری رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر علماء آپ کے شاگرد تھے، علم حدیث کی دو کتابیں معانی الاثار اور مشکل الاثار مشہور ہیں، تفسیر کے ضمن میں آپ نے احکام القرآن مرتب فرمائی بعض علماء تذکرہ نے آپ کی ایک اور تفسیر کا ذکر بھی تفسیر القرآن کے نام سے کیا ہے، وہ ایک ہزار اوراق پر مشتمل ہے۔ وفات ۳۲۱ھ کو ہوئی۔

۱۳: احمد بن سہل بلخی رحمہ اللہ :

کتاب نظم القرآن، کتاب قوارع القرآن، کتاب ما اغلق من غریب القرآن تفسیر کی قابل قدر کتابیں ہیں، ۳۲۲ھ کو فوت ہوئے۔

۱۴: عبد الرحمٰن بن ابی حاتم التمیمی الحنظلی رحمہ اللہ :

علم کا سمندر کہلائے گئے، ابدال زمانہ تھے جرح و تعدیل میں تالیف فرمائی، فرقہ جہمیہ کے رد میں قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی لکھی جو بقول امام سبکی چار جلدوں میں ہے اور آثار مسندہ پر مشتمل ہے یہ تفسیر قلمی تفسیر ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کے نام سے مدینہ منورہ کے کتب خانہ محمودیہ میں موجود ہے، انتقال ۳۲۷ھ کو ہوا، اس تفسیر کا ابتدائی حصہ ڈاکٹر زہران اور ڈاکٹر بشیر حکمت رحمہ اللہ کی تحقیق اور تعلیق کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

۱۵: ابو بکر محمد بن القاسم:

۲۷۱ھ میں پیدا ہوئے، انباری رحمہ اللہ کہلائے۔ تین لاکھ اشعار یاد تھے، امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ایک سو بیس کتب تفسیر یاد تھیں، امام جوزی رحمہ اللہ نے فرمایا تفاسیر پوری سند کے ساتھ یاد تھیں، محمد بن جعفر تمیمی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انباری کو تیرہ صندوق کتابوں کے یاد تھے، ایک کتاب اضداد القرآن کے موضوع پر لکھی، کویت نے طبع کرائی ہے، معانی باہم مخالف ہیں مگر کلمات ایک ہی طرز پر ہیں، انتقال ۳۲۸ھ کو ہوا۔

۱۶: ابو بکر محمد بن عزیز السجستانی رحمہ اللہ :

ایک کتاب بنام غریب القرآن لکھی جو نزہۃ القلوب کے نام سے مشہور ہے، تفسیر تبصیر الرحمٰن کے حاشیہ پر طبع ہوئی مستقل کتاب بھی طبع ہوئی۔ وفات ۳۳۰ھ کو ہوئی۔

۱۷: محمد بن محمد بن محمود ابو منصور الماتریدی:

امام الھدیٰ رحمہ اللہ کا لقب دیا گیا، کئی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی ہے جو فقہ حنفی کے نقطہ نظر سے لکھی گئی ہے، خلیفہ چلپی نے اس کا نام تاویلات اہل السنۃ رکھا مگر مشہور نام تاویلات قرآن ہے اس کے متعلق الشیخ عبدالقادر نے فرمایا کہ کتاب لایواز یہ کتاب من سبقتہ فی ھذا الفن اس تفسیر کے کئی قلمی نسخے پائے جاتے ہیں، مکتبہ حرم مکہ کتب خانہ بانکی پور کتب خانہ خدا بخش پٹنہ میں ۱۳۱ھ کا مخطوطہ ہے، اس کا ایک کامل نسخہ عکسی پبلک لائبریری لاہور میں موجود ہے۔ وفات ۳۳۳ھ کو ہوئی۔

۱۸: امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ:

اول آپ عقیدۃً معتزلی تھے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلک اہلسنت والجماعۃ کو اختیار کر، چنانچہ خواب سے بیدار ہوتے ہی مسلک اہل السنۃ والجماعت اختیار کرلیا اور معتزلہ سے کئی مناظرے کئے، قرآن عزیز کی ایک تفسیر بہ نام المخزن فی علوم القرآن لکھی وفات ۳۳۴ھ کو ہوئی، علامہ محمد زاہد کوثری رحمہ اللہ نے فرمایا پورے قرآن عزیز کی تفسیر ستر جلدوں میں ہے۔

۱۹: احمد بن جعفر المعروف ابن المناوی رحمہ اللہ:

علوم قرآنیہ پر چار سو سے زیادہ کتابیں علاوہ ابن الجوزی رحمہ اللہ (م۵۹۷ھ) نے اکیس کتابوں کا خود مطالعہ کیا۔ **ولا نجد فی کلامه شیئا من الحشوبل هو نقی الکلام و جمع بین الروایته والدرایته** ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ان مخطوطات کا مطالعہ بھی کیا ہے جو ابن المناوی رحمہ اللہ نے اپنے قلم سے تحریر کئے ہیں۔ ۳۳۶ھ کو فوت ہوئے۔

۲۰: احمد بن محمد نحوی مصری رحمہ اللہ:

ابن نحاس رحمہ اللہ کے نام سے مشہور تھے، کتاب الناسخ والمنسوخ مشہور ہے مگر بروکلمن نے لکھا ہے کہ ان کی ایک کتاب بہ نام اعراب القرآن بھی ہے سیوطی رحمہ اللہ نے ایک معانی القرآن کا ذکر بھی کیا ہے ابن خلکان رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابن نحاس رحمہ اللہ نے قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی مرتب کی ہے آپ کی وفات ۳۳۷ھ میں ہوئی۔

۲۱: علی بن حمشاذ رحمہ اللہ:

نیشاپور کا نام روشن کیا، شب بیدار علم حدیث میں ایک عظیم مسند جمع کی، تفسیر بھی لکھی جو دو سو تیس اجزاء پر مشتمل ہے وفات ۳۳۸ھ کو ہوئی۔

۲۲: قاسم ابن اصبغ رحمہ اللہ

بیانی کہلائے، بقی بن مخلد رحمہ اللہ سے علم حاصل کیا حدیث بلاد اسلامیہ کا سفر کیا، مکہ مکرمہ میں محمد بن اسمٰعیل الصائغ رحمہ اللہ سے اکتساب علم کے بعد قرطبہ تدریس و تعلیم امیر عبدالرحمٰن رحمہ اللہ اور ولی عہد رحمہ اللہ دونوں نے آپ کی شاگردی کا شرف حاصل کیا، احکام القرآن کے نام سے ایک تفسیر بھی لکھی۔ ۳۴۰ھ کو وفات پائی۔

۲۳: ابوبکر محمد عبداللہ بن جعفر بن درستویہ رحمہ اللہ فارسی نحوی

امام دارقطنی جیسے امام الحدیث آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ ثعلب رحمہ اللہ اور اخفش رحمہ اللہ کی مرتب کردہ تفاسیر پر ایک محاکمہ لکھا جس کا نام "کتاب التوسط بین الاخفش وثعلب فی تفسیر القرآن" ہے وفات ۳۴۳ھ کو ہوئی۔

۲۴: ابوعبداللہ محمد بن حبان بن احمد البستی رحمہ اللہ

تفسیر میں کامل رسوخ حاصل تھا، جو سات جلدوں میں ہے قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی لکھی جو طبع ہو چکی ہے قلمی نسخہ مدینہ منورہ کے کتب خانہ محمودیہ میں ہے۔ ۳۵۴ کو وفات پائی۔

۲۵: احمد بن محمد بن سعید الحیری رحمہ اللہ

نیشاپور کے امام حاکم آپ کے شاگرد ہیں، احادیث کی کتابت فرمایا کرتے تھے، صحیح مسلم کی شرح المخرج الصحیح قرآن کریم کی ایک بہت بڑی تفسیر لکھی، طرطوس میں ۳۵۳ھ کو شہید کر دیئے گئے۔

۲۶: شیخ امام ابونصر منصور بن سعید رحمہ اللہ

تاج المعانی ایک تفسیر مرتب فرمائی جملہ تفاسیر مروجہ کا انتخاب ہے یہ تفسیر ۳۵۳ھ کو لکھی گئی۔

۲۷: محمد بن القاسم رحمہ اللہ

ابن قرطبی رحمہ اللہ مصر کے مفتی اعظم تھے، احکام القرآن کے نام سے ایک تفسیر لکھی ۳۵۵ھ کو فوت ہوئے۔

۲۸: عبدالعزیز بن احمد بن جعفر بن یزداد رحمہ اللہ

غلام حلال رحمہ اللہ کے نام سے مشہور تھے امام بغوی رحمہ اللہ اور ابن ساعد رحمہ اللہ وغیرہ سے سماع حدیث کیا فقہ حنبلی، میں امام وقت مانے جاتے تھے علم تفسیر اور اصول میں بہترین تصانیف کیں اور قرآن کریم کی بھی ایک بہترین تفسیر لکھی ۳۶۳ھ کو فوت ہوئے۔

۲۹: ابوالقاسم بن احمد بن ایوب شامی طبرانی رحمہ اللہ

دور دراز کے سفر کئے اور ایک ہزار اساتذہ سے سماع کیا، اپنے زمانہ میں مسند الدین کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے حدیث پر معجم کے عنوان سے کتابیں لکھی ہیں، قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی لکھی، ۲۸ ذیقعدہ ۳۶۵ھ کو وفات پائی۔

۳۰: محمد بن احمد بن علی ابوبکر رازی رحمہ اللہ

چونہ ساز تھے جصاص مشہور ہوئے، محقق حنفی ہونے کی وجہ سے رئیس

الاحناف تھے۔ احکام القرآن کے موضوع پر ایک مبسوط تفسیر لکھی جو اس موضوع پر درجہ اسناد رکھتی ہے، دستیاب ہے۔ ۳۷۰ھ میں رحلت فرمائی۔

۳۱: ابومنصور الہروی رحمہ اللہ :

ازہری لغت میں ایک جامع کتاب التہذیب ایک تفسیر بھی بہ نام التقریب فی التفسیر لکھی ۳۷۰ھ کو وفات پائی۔

۳۲: حسین بن احمد رحمہ اللہ :

ابن خالویہ حلب میں سکونت اختیار کر لی تھی، مگر جامع رسالہ مالیس فی کلام العرب کے عنوان سے لکھا اور پارہ عم کے اعرابات پر ایک تفسیر بنام اعراب القرآن لکھی جو حیدرآباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔ ۳۷۰ھ کو وفات ہوئی۔

۳۳: ابومحمد عبداللہ بن عطیہ رحمہ اللہ :

دمشق کے مشہور عالم تھے۔ آپ کی تفسیر ابن عطیہ ہے، ۳۸۲ھ کو وفات ہوئی، پچاس ہزار اشعار یاد تھے جن میں سے کلمات قرآنیہ کی تفسیر سے استشہاد کرتے تھے اس تفسیر کا ایک کامل نسخہ اباصوفیہ کے قلمی کتب خانہ میں موجود ہے جس کا نمبر ۱۱۹، ۱۲۱ ہے نسخہ ناقص ایک نسخہ عاشر افندی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۳۴: ابومحمد سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ :

ایک تفسیر لکھی جو ان آیات پر مشتمل ہے جن سے سلوک اور تصوف کے مسائل کا استنباط کیا جا سکتا ہے انتقال ۳۸۳ھ کو ہوا، کتاب تفسیر تستری دستیاب ہے۔

۳۵: محمد بن عباس ابوالحسن البغدادی رحمہ اللہ

ابن جوزی رحمہ اللہ نے لکھا ہے صرف تفسیر قرآن عزیز کے متعلق ان کی کتابیں ایک سو ہیں، علامہ ذہبی رحمہ اللہ ن ھو حجۃ ثقۃ کہا ہے ۳۸۴ھ کو فوت ہوئے، اٹھارہ صندوق کتابوں کے چھوڑے۔

۳۶: ابوحفص بن شاہین رحمہ اللہ

مؤثر انداز میں وعظ فرمایا کرتے تھے امام دارقطنی رحمہ اللہ سے عمر میں نو سال بڑے تھے۔ حدیث میں حافظ کا درجہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ تصانیف کی تعداد تین سو تیس ہے جن میں سے قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی ہے جو کہ ایک ہزار اجزاء پر مشتمل ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا مجھ سے شیخ عمادالدین حزالی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ابن شاہین رحمہ اللہ کی تفسیر تیس جلدوں میں واسط (عراق) میں موجود ہے۔

۳۷: محمد بن علی بن احمد المصری رحمہ اللہ :

ادفوی قرآن کریم کی ایک تفسیر بہ نام الاستغناء فی علوم القرآن لکھی امام سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ تفسیر سو جلدوں میں ہے امام ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس تفسیر کا ایک کامل نسخہ مصر میں قاضی عبدالرحیم کے وقف کتب خانہ میں موجود ہے۔ وفات ۳۸۸ھ میں ہوئی۔

۳۸: المعافا بن زکریا بن یحییٰ رحمہ اللہ :

مسلک میں ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے پیروکار تھے قرآن عزیز کی ایک بڑی تفسیر لکھی، ۳۹۰ھ کو وفات پائی۔

۳۹: ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ :

امام وقت تھے، احناف میں علمی اور عملی لحاظ سے ممتاز حیثیت کے مالک تھے، کئی کتابیں تصنیف کیں، کتاب النوازل فقہ میں اور تنبیہ الغافلین پر مطبوعہ ہے ایک تفسیر بھی لکھی جو چار جلدوں میں ہے نویں صدی ہجری تک متداول رہی، ابن عرب شاہ حنفی رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ ترکی میں بھی کیا، تفسیر ابواللیث رحمہ اللہ کا ایک قلمی نسخہ اباصوفیہ کے کتب خانہ میں ایک حصہ از سورۃ المجادلہ پبلک لائبریری لاہور میں موجود ہے۔ مصر کے قلمی ذخائر میں ایک کامل نسخہ تین جلدوں میں موجود ہے۔

ایک نسخہ ناقص از سورۂ یونس تا الم السجدہ رامپور میں ہے۔

ایک نسخہ اباصوفیہ کے کتب خانہ میں موجود ہے نمبر ۱۴۸، ۴۹ ہے۔

ایک نسخہ مکتبہ حمیدیہ میں ہے نمبر ۵۲

ایک نسخہ مکتبہ آغا بشریہ میں ہے نمبر ۱۹، ۲۰

ایک نسخہ آستانہ کے کتب خانہ کو پر یلی میں ہے نمبر ۲۷ ہے۔

وفات ۳۹۳ھ میں ہوئی۔

۴۰: حسن بن عبداللہ بن سہل عسکری رحمہ اللہ :

اپنے دور کے بہترین ادیب اور مفسر قرار دیئے گئے، تصانیف جمہرۃ الامثال، شرح دیوان حماسہ اور کتاب الاوائل ایک تفسیر بھی بہ نام کتاب المحاسن فی تفسیر القرآن لکھی جو پانچ جلدوں میں اور نٹیل کالج لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔ وفات ۳۹۵ھ کو ہوئی۔

۴۱: محمد ابوعبداللہ بن عبداللہ رحمہ اللہ :

ابن زمنین تفسیر ابن سلام رحمہ اللہ کا اختصار کرنے کے علاوہ ایک مستقل تفسیر بھی لکھی ہے، بہرہ کے مقام پر ۳۹۹ھ کو وفات پائی، تفسیر کا کامل نسخہ جو کہ ۳۹۵ھ میں لکھا گیا تھا فاس کی جامع قرویین کے کتب خانہ میں ہے۔

۴۲: خلف ابن احمد سیستانی رحمہ اللہ :

اپنے دور حکومت میں علماء اسلام کو جمع کر کے ان سے قرآن کریم کی ایک جامع تفسیر لکھوائی جس پر بیس ہزار دینار خرچ ہوئے تاریخ یمینی و قد کان جمع العلماء علی تصنیف کتاب فی تفسیر کتاب اللہ وشحھا بما رواہ الثقات من الحدیث (ص ۱۶۳ مطبوعہ لاہور) تاریخ ادبیات ایران میں ہے کہ یہ تفسیر سو جلدوں میں تھی، تاریخ یمینی میں ہے کہ اس کا ایک نسخہ نیشاپور کے مدرسہ صابونی رحمہ اللہ میں ہے، خلیفہ چلپی رحمہ اللہ نے لکھا ہے ھو من اکبر التفاسیر علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے مات شھیدا بالحبس فی بلاد الھند ۳۹۹ھ۔

پانچویں صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

۱: احمد بن علی بن احمد باغانی رحمہ اللہ :

علماء تاریخ نے ان کے متعلق لکھا ہے کان بحرا من بحارا العلوم خصوصا علوم قرآنیہ میں اپنے دور کے بےنظیر عالم تھے۔ قرآن عزیز کی ایک تفسیر احکام القرآن کے موضوع پر لکھی ہے، ۴۰۱ھ کو وفات پائی۔ اندلس سے تعلق تھا۔

۲: ابوعبید احمد بن ابی عبید قاشانی ہراتی رحمہ اللہ :

کلمات قرآن وحدیث پر وسیع نظر رکھتے تھے۔ غریب القرآن اور غریب الحدیث کے نام سے علیحدہ علیحدہ کتابیں لکھیں، نام جامع العربین رکھا جو کہ قلمی دار الکتب المصریہ میں موجود ہے، وفات ۴۰۱ھ کو ہوئی، ایک قلمی نسخہ مخطوطہ ۲۶۷ھ خدابخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔

۳: ابوعبداللہ الحاکم رحمہ اللہ :

آپ کے شاگردوں میں امام بیہقی رحمہ اللہ بھی ہیں، مستدرک حاکم حدیث کی مشہور ومعروف کتاب ہے آپ نے قرآن عزیز کی تفسیر بھی لکھی جو کہ آپ کی کتاب مستدرک میں موجود ہے۔ ۴۰۵ھ کو وفات پائی۔ نیشا پور میں ۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے۔

۴: محمد بن الحسن بن فورک رحمہ اللہ :

علمائے فقہ وتفسیر نے اپنی تصانیف میں ان کے حوالے دیئے ہیں تصانیف کی تعداد ایک سو تک پہنچتی ہے، معانی القرآن پر ایک مبسوط کتاب لکھی ۴۰۶ھ کو فوت ہوئے۔

۵: امام ابوبکر محمد بن الحسین رحمہ اللہ :

نیشاپور کے ممتاز عالم تھے آپ کے شاگردوں میں امام ثعلبی رحمہ اللہ جیسے عالم پیدا ہوئے قرآن کریم کا باقاعدہ درس بالتفسیر دیا کرتے تھے اور طلباء کو تفسیر لکھوایا بھی کرتے تھے چنانچہ مکمل تفسیر مرتب کی اور شاگردوں کو بھی لکھوائی۔ ۴۰۶ھ کو وفات ہوئی۔

۶: احمد بن موسیٰ بن مردویہ رحمہ اللہ :

اصفہان کے تھے، قرآن کریم کی ایک بڑی تفسیر لکھی ۴۱۰ھ کو وفات ہوئی۔

۷: ہبۃ اللہ بن سلامہ رحمہ اللہ :

اصفہان سے تعلق تھا نظر سے محروم تھے مگر حافظہ کمال کا تھا، تفسیر القرآن کے بہترین عالم تھے، علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے احفظ الائمۃ للتفسیر کا لقب فرمایا ناسخ اور منسوخ کے موضوع پر ایک کتاب بھی مرتب کرائی ۴۱۸ھ کو وفات ہوئی۔

۸: ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب الاسکافی رحمہ اللہ :

آپ کی تفسیر درۃ التنزیل وغیرۃ التاویل ہے قاہرہ سے طبع ہو چکی ہے ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد میں موجود ہے، آپ کی وفات ۴۲۱ھ کو ہوئی۔

۹: عبدالقاہر بن محمد بن طاہر بن محمد التمیمی :

ولادت تو بغداد میں ہوئی، آپ کے والد آپ کو نیشاپور لے آئے جہاں استاذ ابواسحٰق اسفرائی رحمہ اللہ جیسے فاضل یگانہ سے علوم وفنون حاصل کرنے کے بعد ان ہی کے جانشین ہو گئے، امام عبدالقاہر سترہ علوم کا درس دیتے تھے، آپ کی ایک کتاب التفسیر بھی ہے ۴۲۹ھ کو انتقال ہوا۔

۱۰: شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم بن سعید الحوفی رحمہ اللہ :

قرآن کریم کی ایک تفسیر بہ نام البرهان فی تفسیر القرآن لکھی جس سے اہل مصر نے بڑا فائدہ اٹھایا یہ تفسیر دس بڑی جلدوں میں ہے۔ ۴۳۰ھ کو انتقال فرمایا۔

۱۱: ابوعبدالرحمان اسمٰعیل بن احمد رحمہ اللہ :

آپ نے قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی قلمبند کرائی جس کا نام کفایۃ فی التفسیر ہے (اس کا کچھ حصہ ادارہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد کی لائبریری میں موجود ہے) اور وجوہ القرآن کے نام سے ایک نسخہ کیمرج لائبریری میں موجود ہے ۴۳۰ھ کو انتقال فرمایا۔ استنبول یونیورسٹی کی لائبریری میں نمبر ۱۷۸۷ اے ۳۵۰ بہ تفسیر ''تفسیر النیساپوری'' اور کفایۃ التفسیر کے نام سے موجود ہے۔

۱۲: الشیخ ابومحمد مکی بن ابی طالب حموش رحمہ اللہ :

آپ کی تالیف ''مشکل اعراب القرآن'' ایک ممتاز کتاب ہے جس کو خلیفہ چلپی رحمہ اللہ نے مطالعہ کیا، وفات ۴۳۷ھ کو ہوئی۔ ۵۸۹ھ کا مخطوطہ بمبئی کی جامع مسجد میں ہے، ایک عکسی نسخہ ادارہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد میں ہے۔

۱۳: ابومحمد عبداللہ بن یوسف الشافعی رحمہ اللہ :

نیشاپور کے قریب حوین نامی بستی میں پیدا ہوئے اور جوینی کہلائے اکابر علماء سے تفسیر وحدیث وفقہ حاصل کئے، صاحب قلم بھی تھے، کتاب المحیط مشہور ہے، قرآن کریم کی تفسیر بھی لکھی، جو حدائق ذات بھجۃ ہے، خلیفہ چلپی رحمہ اللہ نے فرمایا تین سو جلد ابن البخار اپانچ سو جلد ہے، امام سیوطی رحمہ اللہ کے شاگرد داؤدی رحمہ اللہ نے لکھا، میں نے یہ تفسیر دیکھی ہے، فنی اور علمی اعتبار سے قابل استناد نہیں، وفات ۴۳۷ھ کو نیشاپور میں ہوئی۔

۱۴: مکی بن ابی طالب القیسی رحمہ اللہ :

۳۹۳ھ کو جامع مسجد قرطبہ میں تدریس کرتے تھے اور متواضع بزرگ تھے، قرآنیات کے موضوع پر الهدایہ الی بلوغ النهایۃ فی معانی القرآن وتفسیرہ ۷۰ اجزاء، کتاب الماثور فی احکام القرآن عن مالک ۱۰ اجزاء۔ کتاب اختصار احکام القرآن ۱۴ اجزاء۔ کتاب مشکل المعانی وتفسیر ۱۵ اجزاء۔ ۴۳۷ھ کو وفات ہوئی۔ سلطان اندلس آپ کا معتقد تھا۔

۱۵: احمد بن محمد رحمہ اللہ :

اندلس کے جلیل القدر علماء میں سے تھے، قرآن کریم کی تفسیر بہ نام التفصیل الجامع لعلوم التنزیل بالتفسیر لکھی، خود اس کا اختصار بہ نام التحصیل لکھا۔ ۴۴۰ھ کو وفات پائی۔

۱۶: ابو عمرو عثمان بن سعید الدانی رحمہ اللہ :

۳۷۱ھ قرطبہ میں پیدا ہوئے، قرآنی علوم کے ساتھ آپ کو خاص شغف تھا، ایک کتاب جس کا نام المحکم ہے صرف قرآن عزیز کے نقاط کے متعلق ہے، دمشق سے شائع ہو چکی ہے۔ انتقال ۴۴۴ھ کو ہوا۔

۱۷: ابو الفتح رازی رحمہ اللہ :

ایک تفسیر لکھی جس کا نام ''ضیاء القلوب فی التفسیر'' ہے وفات ۴۴۸ھ کو ہوئی۔

۱۸: اسمٰعیل بن عبد الرحمان رحمہ اللہ :

تفسیر اور اس کی تاویل سے پوری طرح باخبر تھے، تفسیر لکھی جس کا نام تفسیر صابونی ہے ۴۴۹ھ کو فوت ہوئے، نیشاپور میں صابونی رحمہ اللہ کے نام پر ایک مدرسہ بھی جاری تھا جس کے آثار آج بھی موجود ہیں۔

۱۹: محمد بن احمد بن مطرف الکنانی رحمہ اللہ :

۳۸۸ھ قرطبہ میں پیدا ہوئے، ابن قتیبہؒ کی دو کتابیں ''تفسیر غریب القرآن'' اور ''تاویل مشکل القرآن'' کو یکجا کر کے بہ نام القرطین مرتب کیا جو کہ مصر سے ۱۳۵۵ھ کو شائع ہو چکی ہے آپ کی وفات ۴۵۴ھ کو ہوئی۔

۲۰: احمد بن الحسین رحمہ اللہ :

حافظ کبیر امام بیہقی رحمہ اللہ کے نام سے مشہور تھے ساری زندگی درس و تدریس میں صرف کر دی، تحریر کردہ اوراق کی تعداد دو لاکھ ہے۔ حدیث کی ''السنن الکبری'' اور تفسیر میں کتاب ''احکام القرآن'' مطبوعہ ہیں، امام الحرمین فرماتے ہیں: ''ہر شافعی المذہب پر امام شافعی رحمہ اللہ کا احسان ہے'' ۔خود امام شافعی رحمہ اللہ کی گردن میں امام بیہقی رحمہ اللہ کا احسان ہے۔'' ۴۵۸ھ کو نیشاپور میں وفات ہوئی۔

۲۱: ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری رحمہ اللہ :

امام بیہقی رحمہ اللہ آپ کے ہم سبق ہیں، علوم شریعت اور علوم طریقت رکھنے کے ساتھ مجاہد فی سبیل اللہ بھی تھے، دو تفسیریں لکھیں ایک کا نام التیسیر فی علم التفسیر ہے اور دوسری کا نام التفسیر الکبیر ہے۔ ۴۶۵ھ کو وفات پائی۔ آپ کی تفسیر کے متعلق علامہ سبکی اور ابن خلکان رحمہ اللہ نے کہا ہے من اجود التفاسیر و اوضحها ابن جوزی لکھتے ہیں آپ کی ایک تفسیر کا نام لطائف الاشارات ہے، ہر سورۃ کی ابتداء میں بسم اللہ کا معنی اس طرح کیا کہ اس سورۃ کے معانی سے تعلق ہو، ایک نسخہ کامل مکتوبہ قدیم مکتبہ حبیبہ میں ہے، ایک نسخہ کامل مکتبہ آصفیہ میں ہے۔ ۲۶ ۷ھ کا مکتوبہ کامل نسخہ جامع عثمانیہ حیدر آباد دکن میں ہے، ایک نسخہ مکتبہ محمد پاشا رحمہ اللہ میں نمبر ۱۱۷ ہے۔

۲۲: علی بن احمد الواحدی رحمہ اللہ :

آپ نے تین تفسیریں لکھیں جن کے نام ''البسیط'' یعنی مفصل اور ''الوسیط'' ایک تفسیر ایسی مرتب فرمائی جس میں سید دو عالم ﷺ کے تمام تفسیری ارشادات کو جمع کر دیا اس تفسیر کا نام ''تفسیر النبی ﷺ'' رکھا۔ ۴۶۸ھ کو انتقال فرمایا، تفسیر وسیط جلد دوم کا مخطوطہ ۸۷۶ھ اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں ہے، اسباب النزول بھی لکھی ہے جس کا ایک نسخہ مطبوعہ قاہرہ ادارہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۲۳: شہفور بن طاہر محمد الاسفرائنی رحمہ اللہ :

آپ نے علم کلام، علم تفسیر اور دوسرے علوم پر تصانیف فرمائی ہیں۔ علم کلام و علم عقائد پر آپ کی تصنیف ''التبصیر فی الدین'' شائع ہو چکی ہے۔ ایک تفسیر لکھی اور اس کے تعارف میں بتلایا کہ میں نے ایسی تفسیر کا مرتب کرنا ضروری سمجھا جس میں فرقہ ناجیہ اہل السنۃ والجماعۃ کے علماء کے اقوال ہوں تفسیر کا نام تاج التراجم رکھا پہلے ہر آیت کا لفظی ترجمہ پھر اس کا معنی اور متعلقہ قصہ اور شان نزول انتقال ۴۷۱ء کو ہوا، اس تفسیر کا نام تاج التراجم فی تفسیر القرآن الاعاجم ہے اور تفسیر اسفرائنی کے نام سے بھی مشہور ہے یہ فارسی زبان کی پہلی جامع تفسیر ہے، ایران سے شائع ہو چکی ہے، دوسری جلد قلمی جامع مسجد برہان پور (بھارت) کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ الخراسانی الحمیدی ۵۲۳ھ۔

۲۴: عبد القاہر بن الطاہر التمیمی رحمہ اللہ :

آپ کے حلقہ درس سے امام ناصر مروزی رحمہ اللہ اور ابو القاسم قشیری رحمہ اللہ جیسے علماء پیدا ہوئے، سترہ فنون میں درس دیا کرتے تھے، ۴۵۷ھ کو وفات پائی، ایک تو کامل تفسیر قرآن عزیز ہے اور ایک کتاب نفی خلق القرآن اور ایک کتاب تاویل المتشابہات ہے۔

۲۵: عبد الکریم بن عبد الصمد ابو معشر طبری رحمہ اللہ :

آپ اپنے زمانہ میں امام الشوافع تھے، ایک تفسیر لکھی جس کا نام ''عیون المسائل فی التفسیر'' ہے مکہ مکرمہ میں ۴۷۴ھ کو فوت ہوئے، کتب خانہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد میں اس کا عکسی نسخہ نمبر: ۶۷ موجود ہے۔

۲۶: علی بن فضال بن علی رحمہ اللہ :

فقہ حنبلی میں مقام عظیم کے مالک تھے، قرآن عزیز کی دو تفسیریں لکھی ایک کا نام ''برہان الحمیدی'' ہے بقول نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ ۳۵ جلدوں میں ہے اور دوسری کا نام ''الاکسیر فی علم التفسیر'' ہے ۴۷۹ھ کو وفات پائی۔

۲۷: عبداللہ بن محمد انصاری الہروی رحمہ اللہ :

طریقت کے امام زمانہ فقہ حنبلی کے مقلد تھے، مناظرہ میں اکثر وقت صرف ہوتا تھا، آپ کی تفسیر فارسی ''کشف الاستار وعدۃ الابرار'' ایک سو ستائیس تفاسیر کا خلاصہ ہے، وفات ۴۸۰ھ کو ہوئی۔

۲۸: علی بن محمد بن موسیٰ معروف بہ بزدوی رحمہ اللہ :

سمرقند کے علماء کا مرجع تھے، لقب ''امام الدنیا فی الفروع والاصول'' تھا۔ فقہ حنفی کے مفتی اعظم تھے، تفسیر قرآن عزیز پر بھی پورا عبور حاصل تھا، مفصل تفسیر لکھی جو ایک سو بیس جلدوں میں ہے ۴۸۲ھ وفات ہوئی سمرقند دفن کیا۔

۲۹: علی بن الحسن بن علی رحمہ اللہ :

نیشاپور کے حنفی علماء میں سے تھے معتزلہ کے ساتھ کامیاب مناظرے کئے۔ ۴۸۴ھ میں انتقال ہوا آپ کی تفسیر ''تفسیر نیشاپوری'' مطبوعہ ہے۔

۳۰: عبداللہ بن محمد بن باقیا:

حنفی مسلک کے امام وقت تھے، فاضل بزاز کا لقب پایا صاحب قلم تھے آپ کی تصنیف متشابہات پر ''الجمان فی متشابہات القرآن'' ہے۔ ۴۸۵ھ کو فوت ہوئے، یہ کتاب کویت کی وزارت نشر واشاعت نے ۱۹۶۸ء میں شائع کی تھی۔

۳۱: عبدالواحد بن محمد رحمہ اللہ :

ابوالفرج رحمہ اللہ انصاری کے نام سے مشہور ہوئے اور شام کے شیخ مانے گئے آپ کی تفسیر قرآن تفسیر تیس جلد میں ہے جس کا نام الجواہر ہے شیخ کی صاحبزادی رحمہا اللہ اس تفسیر کی حافظہ تھی، دمشق ہی میں ۴۸۶ھ کو فوت ہوئے۔

۳۲: محمد بن عبدالحمید بن حسن رحمہ اللہ :

سمرقند کے جلیل القدر حنفی عالم تھے۔ فقہ، اصول فقہ اور تفسیر قرآن عزیز میں مہارت تامہ رکھتے تھے، عمدہ تفسیر لکھی، ۴۸۸ھ کو فوت ہوئے۔

۳۳: منصور بن محمد السمعانی رحمہ اللہ :

احناف کے بلند پایہ صاحب علم اور صاحب قلم عالم تھے ایک تفسیر بھی ہے مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے فرمایا آپ کی تفسیر سے کافی زمانہ تک لوگ فائدہ اٹھاتے رہے، جس کا نام تفسیر الحسن ہے ۴۸۹ھ کو فوت ہوئے، کتب خانہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد میں عکسی نسخہ نمبر: ۳۳ موجود ہے۔

۳۴: الامام ابوالقاسم عبدالکریم رحمہ اللہ :

شافعی علماء محققین میں سے تھے ایک تفسیر ''لطائف الاشارات'' لکھی ۴۸۹ھ کو وفات پائی۔

۳۵: علی بن سہل بن عباس رحمہ اللہ :

نیشاپور کے عالم باعمل تھے، ایک تفسیر لکھی جس کا نام ''زاد الحاضر و البادی'' ہے۔ ۴۹۱ھ کو وفات پائی۔

۳۶: ابوسعد محسن البیہقی رحمہ اللہ :

ان جلیل القدر علماء سے تھے جن کو لغت، عربی ادب اور قرات اور احکام کے ساتھ تعلق تھا، جامع تفسیر مرتب کی جس کا نام ''التہذیب فی التفسیر'' ہے خلیفہ چلپی نے قلمی نسخہ ۶۵۲ھ کا لکھا ہوا خود دیکھا کئی جلدوں میں ہے، کامل قلمی نسخہ مخطوطہ ۱۱۰۰ھ ۹ جلدوں میں اورنٹیل لائبریری بانکی پور (بھارت) میں ہے۔ وفات ۴۹۴ھ کو ہوئی۔

۳۷: عبدالوہاب بن محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ :

شیراز کے قصبہ فاس میں پیدا ہوئے، تصانیف کی تعداد ۷۰ ہے، ایک جامع تفسیر ہے اس میں ترجمہ اور تفسیر کی شہادت کے طور پر ایک ہزار اشعار پیش کئے۔ ۵۰۰ھ کو شیراز میں فوت ہوئے۔

چھٹی صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

۱: امام ابوالقاسم حسین بن محمد المعروف بالراغب الاصفہانی رحمہ اللہ :

آپ کی کتاب مفردات القرآن سند کا درجہ رکھتی ہے امام رازی رحمہ اللہ نے امام راغب رحمہ اللہ کو فہم قرآن اور اسلامیات کی روح سمجھنے میں ''امام غزالی رحمہ اللہ'' کا ہم پلہ قرار دیا۔ تفسیر الراغب ایک جلد میں ہے، امام بیضاوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس سے استفادہ کیا ہے،

اس تفسیر کا پورا نام ''غرۃ التنزیل'' ہے کامل نسخہ استنبول کی مسجد ''ایا صوفیہ'' کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ امام راغب کی وفات ۵۰۲ھ کو ہوئی۔

۲: ابوزکریا یحییٰ الخطیب تبریزی رحمہ اللہ :

اعراب القرآن کی تشریح میں الملخص لکھی اور ایک جامعہ تفسیر بھی لکھی ہے، وفات ۵۰۲ھ کو ہوئی۔

۳: عمادالدین محمد طبری رحمہ اللہ :

فقہ شافعی کے عظیم مفتی تھے۔ آپ کی تالیفات میں ''احکام القرآن'' مشہور ہے۔ بغداد میں ۵۰۴ھ کو فوت ہوئے۔

۴: محمد بن محمد بن احمد ابوحامد غزالی رحمہ اللہ :

آپ کے وعظ وارشاد میں سوز وگداز تھا، سامعین متاثر ہو جاتے تھے، تصانیف میں المستصفی، احیاء العلوم، کیمیائے سعادت تفسیر قرآن عزیز جواہر القرآن مختصر ہے۔ مصر سے ۱۳۳۹ھ کو شائع ہو چکی ہے۔ تفسیر سورۃ یوسف کا مخطوطہ محررہ ۱۱۶۱ھ پنجاب یونیورسٹی (لاہور) کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ ۵۰۵ھ کا سال وفات ہے۔ آپ کی ایک تفسیر صوفیانہ طرز پر ''مشکوۃ الانوار'' کے نام سے ۱۹۶۴ء کو قاہرہ سے طبع ہو چکی ہے۔

۵: ابوشجاع شیرویہ دیلمی رحمہ اللہ :

آپ نے حدیث میں ایک مسند جمع کی ہے جس میں دس ہزار احادیث ہیں، ایک تفسیر بھی مرتب فرمائی جس کا ذکر علامہ سید سلیمان ندوی نے فرمایا ہے۔ ۵۰۹ھ کو وفات پائی۔

۶: استاذ ابونصر بن ابی القاسم رحمہ اللہ :

قشیری مشہور ہوئے قرآن عزیز کی ایک تفسیر لکھی ہے۔ امام سبکی رحمہ اللہ نے لکھا ہے میں نے وہ تفسیر دیکھی ہے۔ وفات ۵۱۴ھ کو نیشاپور میں ہوئی۔

۷: محی السنۃ ابومحمد حسین الفراء بغوی رحمہ اللہ :

زاہد اور شب بیدار تھے، خشک روٹی پر گزارہ کیا، تفسیر معالم التنزیل لکھی جو تفسیر بغوی کے نام سے مشہور ہے، آپ نے اپنی تفاسیری اسناد کو باقاعدہ ذکر فرمایا ہے۔ دستیاب ہے۔ دیوبند کے ایک ادارہ نے اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔ وفات ۵۱۶ھ کو ہوئی امام ابن تیمیہ نے کہا "تفسیر البغوی اسلم من البدعة والا حادیث الضعیفة"۔

۸: محمد بن عبدالملک الکرجی رحمہ اللہ :

علم حدیث، فقہ، ادب اور تفسیر میں کمال حاصل تھا، شافعی المسلک تھے، قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھی ہے۔ ۵۳۲ھ میں فوت ہوئے۔

۹: اسمٰعیل بن محمد القرشی رحمہ اللہ :

قوام السنۃ کے لقب سے مشہور ہوئے، ابن السمعانی وغیرہ علماء آپ کے شاگرد ہیں، درس تفسیر وحدیث کیلئے تین ہزار مجالس منعقد کیں قرآن کریم کی تین تفسیریں لکھیں ہیں۔ الجامع فی التفسیر۔ تین جلد۔ المعتمد فی التفسیر دس جلد۔ الموضح فی التفسیر فارسی تین جلد۔ عیدالاضحیٰ کے دن ۵۳۵ھ کو وفات پائی۔

۱۰: عالی بن ابراہیم غزنوی رحمہ اللہ :

جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ ایک تفسیر بھی لکھی جس میں قرآنی رموز اور معارف کو بہ انداز عجیب بیان فرمایا ہے۔ ۵۳۷ھ کو وفات پائی۔ حدائق حنفیہ میں ان کی مرتبہ تفسیر کا نام "تفسیر التفسیر" بتایا گیا ہے۔

۱۱: عمر بن محمد بن احمد نسفی رحمہ اللہ :

سمرقند کے قریب نسف قصبہ میں پیدا ہوئے اپنی ایک کتاب تطویل الاسفار التحصیل الاسفار میں اپنے پانچسو اساتذہ کرام کا تذکرہ فرمایا، جنات رحمہ اللہ بھی آ کر آپ کے پاس علم حاصل کرتے تھے۔ انہیں مفتی الثقلین کہا گیا، آپ کی کتاب القند فی تذکرۃ علماء سمرقند بیس جلد میں ہے جامع صغیر کو نظم میں بیان کیا ہے ایک تفسیر التیسیر فی علم التفسیر لکھی ہے۔ جس کا ایک حصہ مکتوبہ ۱۱۸۵ھ پبلک لائبریری لاہور میں موجود ہے وفات ۵۳۸ھ کو ہوئی۔

۱۲: محمد بن عبداللہ رحمہ اللہ :

لقب ابن العربی رحمہ اللہ تھا۔ امام غزالی رحمہ اللہ سے اکتساب فیض کیا تفسیر قرآن کریم پر کامل عبور تھا۔ قرآنیات پر کئی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آپ کی کتاب احکام القرآن مشہور ہے جو فقہ مالکی میں دو جلدوں میں طبع ہوئی اور مکتبہ مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ گیٹ لاہور میں موجود ہے اور آپ کی تصنیف انوار الفجر جامع اور مفصل تفسیر ہے بیس سال کی محنت کے بعد اس کو مرتب فرمایا جو اسی ہزار اوراق ہے۔ سکندریہ میں سلطان ابوعنان رحمہ اللہ فارس کے کتب خانہ میں موجود ہے جو اسی جلدوں میں ہے۔ ۵۴۳ھ کو فوت ہوئے۔

۱۳: ابوالمحاسن مسعود بن علی بیہقی رحمہ اللہ :

فخر الزمان تھے آپ نے تفسیر بیہقی لکھی ۵۴۴ھ کو وفات پائی۔

۱۴: احمد بن علی بن محمد رحمہ اللہ :

ابوجعفرک کے لقب سے مشہور تھے۔ مقبول تفاسیر لکھیں جو آپ کی زندگی ہی میں مقبولیت حاصل کر گئیں۔ آپ کی ایک تصنیف المحیط بلغات القرآن بھی ہے۔ ۵۴۴ھ کو فوت ہوئے۔

۱۵: محمد بن عبدالرحمٰن الزاھد رحمہ اللہ :

علامہ مرغینانی رحمہ اللہ آپ کے شاگرد تھے آپ سلوک اور تصوف میں ممتاز مقام کے مالک تھے آپ کا لقب زاہد تھا ایک تفسیر لکھی ایک ہزار سے زائد اجزاء پر مشتمل ہے ۵۴۶ھ میں وفات پائی۔ علامہ کوثری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ تفسیر ایک سو مجلدات میں ہے۔ آپ احناف کے بڑے عالم تھے۔

۱۶: محمد بن طیفور سجاوندی غزنوی رحمہ اللہ :

داوٗدی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ کان له تفسیر حسن قرآن حکیم کی ایک تفسیر عید المعانی ہے۔ اس کی جلد دوم سورۃ ابراہیم سے آخر قرآن تک مخطوطہ ۶۲۵ھ مصر کے کتب خانہ تیموریہ رحمہ اللہ میں ہے۔

۱۷: امام امین الدین طبری رحمہ اللہ :

مشہد کے ان مشہور علماء میں سے تھے جن کو تفسیر قرآنی کے ساتھ خاص شغف تھا چنانچہ قرآن عزیز کی ایک تفسیر بہ نام مجمع البیان مرتب کی۔ ۵۴۸ھ میں شہید ہوئے۔ تفسیر طبع ہو چکی ہے۔ اس کا ترجمہ فارسی زبان میں محمد بن احمد خواجگی شیرازی رحمہ اللہ نے کیا ہے۔

۱۸: ابونصر احمد ارزاقی رحمہ اللہ :

زاہدی کے لقب سے مشہور ہوئے قرآن عزیز کی ایک تفسیر فارسی میں بہ نام زاہدی رحمہ اللہ مرتب کی اس تفسیر کا بخارا اور اس کے قرب وجوار میں کافی چرچا تھا۔ بقول سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ، امام زاہدی رحمہ اللہ کی تفسیر کے ترجمہ نے سب سے

زیادہ ہر دلعزیزی حاصل کی، اس تفسیر کے حوالے سے اکثر تفاسیر میں درج ہیں۔ احمد یحییٰ منیری رحمہ اللہ نے اس تفسیر کو معتبر سمجھا علامہ زاہدی نے ۵۴۹ھ کو وفات پائی۔ ادارہ تحقیقات پاکستان دانش گاہ لاہور، تفسیر زاہدی جلد اول و دوم ۶۲۲۱ بار چہار مہراز سعدالدین محمد یہ سال ۱۰۵۰-۱۱۶۴ھ نصف اول اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں قلمی موجود ہے۔ (۵۱۹ھ) کل صفحات ۱۵۰۶ ہیں۔

۱۹: ابوعبداللہ الحسین المروزی رحمہ اللہ :

لغت، ادب، فقہ پر کئی کتابیں لکھیں، جن کی تعداد علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے چارسو سے زائد لکھی ہے۔ قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی لکھی ہے۔ ۵۵۹ھ کو وفات پائی۔

۲۰: ابوالفضل خوارزمی :

زین المشائخ بقالی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ تفسیر مفتاح التنزیل لکھی، وفات ۵۶۲ھ قلمی نسخہ دمشق میں موجود ہے۔

۲۱: ابوالعباس خضر بن نصر رحمہ اللہ :

داؤدی رحمہ اللہ نے کہا ہے کان من الائمة آپ کی تصنیفات میں سرور دو عالم ﷺ کے خطبات کا مجموعہ بھی ہے۔ قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی لکھی ہے۔ ۵۶۷ھ کو انتقال فرمایا۔

۲۲: ابوعبداللہ بن ظفر بن محمد رحمہ اللہ :

حجۃ الدین رحمہ اللہ کے لقب سے مشہور ہوئے، ولادت صقلیہ میں ہوئی تربیت مکہ مکرمہ میں علماء حرم سے استفادہ کیا، ایک تفسیر لکھی جس کا نام ینبوع الحیات ہے۔ الینبوع فی علوم القرآن لکھا ہے تفسیر حلب میں شیعہ سنی فسادات میں ضائع ہوگئی متفرق اجزاء دارالکتب المصریہ کے قلمی ذخیرہ میں موجود ہیں۔ ۵۶۷ھ کو فوت ہوئے۔

۲۳: ابوبکر محمد عبدالغنی بن قاسم رحمہ اللہ :

فقہ شافعی کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ تفسیر ضیاء القلوب کا اختصار کیا، مصر میں ۵۷۲ھ کو وفات پائی۔

۲۴: شیخ ظہیر الدین نیشاپوری رحمہ اللہ :

قرآن عزیز کی ایک تفسیر بہ نام البصائر فی التفسیر لکھی جو کئی جلد فارسی میں ہے وفات ۵۷۷ھ کو ہوئی۔ قدیم نسخہ مخطوطہ ۶۸۲ھ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۲۵: علی بن عبداللہ رحمہ اللہ :

ابن النعمہ کے نام سے مشہور ہوئے کئی کتابیں جن میں سے ایک قرآن عزیز کی تفسیر ری الظمان ہے جو کئی جلدوں میں ہے۔ ۵۷۷ھ کو وفات پائی۔

۲۶: ابوالقاسم عبدالرحمٰن سہیلی رحمہ اللہ

مراکش کے مشہور سیرت و تفسیر کے عالم تھے تفسیر کلمات مبہمہ پر ایک کتاب لکھی جس کا نام التعریف والاعلام ہے ۵۸۴ھ کو مراکش میں وفات پائی۔ سہیلی مناجات جو اشعار میں ہے اور علماء میں مستجاب سمجھی جاتی ہے انہیں کا کلام ہے:

یا من یرجی للشدائد کلها	یامن الیه المشتکی والمفزع
یامن خزائن رزقه فی قول کن	امنن فان الخیر عندک اجمع
حاشا لجودک ان تقنط عاصیا	الفضل اجزل والمواهب اوسع

۲۷: ناصر الدین عالی غزنوی رحمہ اللہ :

احناف میں سے مشہور مفسر گزرے ہیں، ایک تفسیر کا نام تفسیر التفسیر ہے اور دو جلدوں میں ہے آپ کی وفات ۵۸۲ھ کو ہوئی۔

۲۸: علی بن ابی العز الباجسرانی رحمہ اللہ :

حنبلی المذہب اور متقی و پرہیزگار عالم تھے۔ تفسیر چار جلدوں میں لکھی ۵۸۸ھ کو فوت ہوئے۔

۲۹: احمد بن اسمٰعیل قزوینی رحمہ اللہ :

عابد اور شب بیدار تھے۔ آخر عمر میں ہررات ایک بار ختم کرلیا کرتے تھے، تفسیر بھی لکھی جس کی خصوصیت یہ کہ جو کلمہ ایک دفعہ ذکر کیا ہے اس کو دوبارہ نہیں لائے۔ ۵۹۰ھ کو وفات ہوئی۔

۳۰: ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی رحمہ اللہ :

بغداد کے مشہور حنبلی عالم تھے، مصنف، واعظ اور مناظر بھی تھے۔ وعظ میں ہزاروں کا مجمع ہوتا تھا۔ سیاح ابن جبیر ۵۸۰ھ کا اپنا مشاہدہ لکھتا ہے کرسی پر آکر بیٹھ گئے تو چند قاریوں نے مختلف مقامات سے آیات قرآنی تلاوت کیں، اس قدر جامع اور مؤثر تفسیر فرمائی سب کی آنکھیں پرنم ہوگئیں اور ہزاروں انسانوں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی تصانیف کی تعداد دوسو پچاس بتائی گئی ہے۔ (۱) زادالمسیر فی علم التفسیر چار جلدوں میں۔ قلمی نسخہ مدینہ منورہ کے کتب خانہ محمودیہ میں ہے۔ نسخہ محررہ ۶۵۶ھ کتب خانہ ٹونک میں آج کل یہ تفسیر آٹھ جلدوں میں چھپ کر دستیاب ہے۔ (۲) المغنی فی التفسیر۔ (۳) فنون فی علوم القرآن اس کا قلمی نسخہ دارالکتب لمصریہ میں موجود ہے۔ (۴) المدھش قرآنی آیات کا باہمی ربط اور چند قواعد ترجمہ و تفسیر پاکستان میں بھی طبع ہوچکی ہے۔ رمضان المبارک ۵۹۷ھ کو فوت ہوئے۔

۳۱: الحسن بن الخطیر نعمانی رحمہ اللہ :

تفسیر حدیث، لغت، حساب، طب میں اپنے وقت کے مشہور عالم تھے، ایک تفسیر لکھی جو کئی جلد ہے۔ ۵۹۸ھ کو فوت ہوئے۔

۳۲: عبدالمنعم بن محمد الخزرجی رحمہ اللہ :

ابن الفرس کے نام سے شہرت پائی احکام القرآن پر ایک تفسیر لکھی۔ ۵۹۹ھ کو نماز پڑھتے ہوئے وفات پائی۔

ساتویں صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

۱: شیخ ابومحمد روزبہان بقلی رحمہ اللہ :

شیراز کے مشہور واعظ اور عالم دین تھے، تفسیر بہ نام عرائس البیان فی حقائق القران لکھی جو صوفیانہ مشرب پر بطرز وعظ ہے۔ اس میں رطب و یابس کو جمع کر دیا ہے علماء کے ہاں نا قابل استناد ہے۔ وفات ۶۰۶ ھ کو ہوئی، یہ تفسیر مطبوعہ اور دستیاب ہے۔

۲: مبارک بن محمد عبدالکریم شیبانی :

ابن الاثیر کی کنیت سے مشہور ہیں، ابن کلیب سے استماع حدیث و تفسیر کیا، تصانیف شرح مسند الامام شافعی رحمہ اللہ اور تفسیر القرآن الکریم جو دستیاب ہے۔ وفات ذی الحجہ ۶۰۶ ھ کو ہوئی۔

۳: عبدالجلیل بن موسیٰ انصاری رحمہ اللہ :

شعب الایمان اور قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی ہے۔ ۶۰۸ ھ کو فوت ہوئے۔

۴: تاج الاسلام المروزی سمعانی رحمہ اللہ :

نیشا پور میں پیدا ہوئے طلب علم کیلئے دور دراز کا سفر کیا حتی کہ آپ کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار ہے۔ تصانیف میں ایک تفسیر بھی ہے جس کے متعلق قاضی ابن خلکان رحمہ اللہ نے فرمایا کتابٌ نفیسٌ۔ ۶۱۴ ھ کو وفات پائی۔

۵: عبداللہ بن الحسین العکبری :

قرآن کریم کے اعراب و قرأت پر ایک کتاب لکھی جو اعراب ابی البقاء کے نام سے مشہور ہوئی ایک کتاب البیان فی اعراب القرآن بھی آپ سے منسوب ہے۔ وفات ۶۱۶ ھ کو ہوئی۔ اعراب ابی البقاء ۱۳۰۶ ھ کو پہلی بار مصر سے شائع ہوئی۔

۶: ابومحمد عبدالکبیر بن غافقی رحمہ اللہ :

نامور علماء میں سے تھے۔ تصنیفات میں ایک قرآن حکیم کی تفسیر بھی ہے جس میں کشاف کی تفسیر اور تفسیر ابن عطیہ کو جمع کر کے اضافہ بھی کیا ہے۔ وفات ۶۱۷ ھ کو ہوئی۔

۷: نجم الدین خیوقی رحمہ اللہ :

آپ عالم باعمل تھے امام رازی رحمہ اللہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت توبہ کی تھی۔ قرآن عزیز کی ایک جامع تفسیر لکھی جو بارہ جلدوں میں ہے۔ ۶۱۸ ھ کو فتنہ تاتار میں شہید کر دیئے گئے۔

۸: الشیخ فخر الدین محمد الحرانی رحمہ اللہ :

ابن الجوزی رحمہ اللہ کے حلقہ خواص میں شامل تھے۔ ایک تفسیر مرتب کی جو کئی مجلدات میں ہے۔ ۶۲۲ ھ کو حران میں وفات پائی۔

۹: یحییٰ بن احمد بن خلیل رحمہ اللہ :

علم اصول اور تفسیر کے ممتاز مدرس تھے۔ اشبیلیہ میں آپ کا حلقہ درس دوسرے تمام دینی مدارس سے زیادہ وسیع تھا تصنیف کا کام بھی کرتے تھے۔ تفسیر کشاف پر تنقیدی تبصرہ کیا جو بہ نام الحسنات والسیئات ہے وفات ۶۲۶ ھ کو ہوئی۔

۱۰: امام عبدالسلام بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ :

ابن برجان کے نام سے مشہور ہوئے الارشاد فی تفسیر القرآن لکھی جو کئی جلدوں میں ہے اس کا ایک عکسی نسخہ جامع الاول العربیہ قاہرہ کے علمی ذخائر میں موجود ہے ۶۲۷ ھ کو وفات پائی۔

۱۱: علی بن احمد بن الحسن حرالی رحمہ اللہ :

تفسیر قرآن عزیز میں منفرد شان کے مالک تھے نہایت محققانہ طور پر باربط درس قرآن عزیز دیا کرتے تھے تفسیر قرآن کریم کے قواعد پر ایک کتاب لکھی جس کا نام "مفتاح اللب المقفل علی فہم القرآن المنزل" ہے امام بقاعی نے اپنی تفسیر "بقاعی" کی بنیاد اسی کتاب پر رکھی ہے۔ ایک تفسیر بھی لکھی ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا "وله تفسیر عجیب" قصبہ حرالی ملک شام میں اچانک وفات ۶۲۷ ھ کو ہوئی۔

۱۲: حسام الدین محمد سمرقندی رحمہ اللہ :

فقہ اور فتاوی میں آپ کا مرتبہ کامل الفتاوی مستند ہے۔ قرآن کریم کی ایک تفسیر بہ نام "مطلع المعانی ومنبع المبانی" لکھی جو کئی جلدوں میں ہے آپ کی وفات ۶۲۸ ھ کو ہوئی۔

۱۳: معافی بن اسمٰعیل ابی سفیان رحمہ اللہ :

ممتاز شافعی علماء میں سے تھے۔ "نہایۃ البیان فی تفسیر القرآن" لکھی اور اپنی زندگی میں ہی اس کا درس بھی دیتے، چھ جلدوں میں ہے، آپ کی وفات ۶۳۰ ھ میں ہوئی۔

۱۴: شہاب الدین عمر سہروردی رحمہ اللہ :

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے، بابا فرید الدین شکر گنج رحمہ اللہ اور حضرت بہاؤالدین زکریا رحمہ اللہ ملتانی بھی آپ سے اکتساب فیض کیلئے بغداد پہنچے، تصوف میں آپ کی بلند پایہ کتاب "عوارف المعارف" مشہور ہے۔ قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی لکھی جس کا نام "بغیۃ البیان فی تفسیر القرآن" ہے اس کا قلمی نسخہ مصر کے کتب خانہ فریویہ میں محفوظ ہے۔ وفات ۶۳۲ ھ کو ہوئی۔ مزار عالی بغداد ہی میں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا "نخبۃ البیان فی تفسیر القرآن" ہے۔

۱۵: عبدالغنی بن محمد القاسم رحمہ اللہ :

مفسر قرآن محمد بن القاسم الحرانی رحمہ اللہ کے صاحبزادے ہیں۔ قرآن حکیم کی تفسیر لکھی جس کا نام "الزائد علی تفسیر الوالد" رکھا ۶۳۹ ھ کو وفات پائی۔

۱۶: امام بکر فضل رحمہ اللہ :

بخارا کے حنفی علماء میں سے ہیں۔ فقہ اور تفسیر میں قابل قدر خدمات سر انجام دی ہیں تفسیر فارسی لکھی جس کا نام ''لطائف التفسیر'' ہے۔ وفات ۶۴۰ھ میں ہوئی۔ ''لطائف التفسیر'' کا قلمی نسخہ امداد العلماء حضرت امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ العزیز کے ذاتی کتب میں تھا۔ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کو دے دیا گیا۔

۱۷: علم الدین علی :

آپ کا لقب امام سخاوی رحمہ اللہ ہے۔ استاذ القراء تھے دمشق میں درس قرآن مجید و درس حدیث دیتے تھے۔ شاطبیہ کی ایک شرح اور قرآن مجید کی ایک تفسیر بھی لکھی۔ وفات ۶۴۳ھ کو ہوئی۔

۱۸: عبد الرحمٰن بن محمد اللخمی رحمہ اللہ :

احناف کے بلند پایہ عالم مدرس، مناظر اور مصنف تھے۔ مفید ترین کتابیں لکھیں اربعہ قرآن مجید کی جامع تفسیر بھی لکھی۔ ۶۴۳ھ کو وفات ہوئی۔

۱۹: نجم الدین بشیر الزمینی رحمہ اللہ :

تبریز کے شافعی عالم تھے۔ قرآن مجید کی تفسیر کئی جلدوں میں لکھی مکہ مکرمہ میں ۶۴۶ھ کو فوت ہوئے۔

۲۰: شیخ عبد الواحد زملکانی رحمہ اللہ :

ایک تفسیر ''نہایۃ التامیل فی علوم الترمیل'' ہے اس کے دو نسخے دار الکتب المصریہ میں موجود ہیں۔ ۶۵۱ھ کو فوت ہوئے۔

۲۱: یوسف بن قزاغلی الجوزی رحمہ اللہ :

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کے پوتے ہیں جدامجد سے پڑھا مشہور حنفی محقق، عالم ربانی جمال حصیری رحمہ اللہ کے حلقہ درس میں تکمیل کی، باپ دادا اگرچہ حنبلی تھے مگر آپ نے حنفی مسلک اختیار کیا اور مناقب ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر ایک کتاب لکھی، تاریخ کے موضوع پر ''مراۃ الزمان'' اور فقہ حنفی میں ''جامع کبیر'' قرآن کریم کی ایک تفسیر انتیس جلدوں میں لکھی ۶۵۴ھ کو فوت ہوئے۔

۲۲: محمد بن عبد اللہ المرسی رحمہ اللہ :

مکہ مکرمہ خراسان اور دیگر اسلامی ممالک کا سفر طلب علم کیلئے کیا، قرآن کریم کی تین تفسیریں لکھیں۔ التفسیر الکبیر، التفسیر الاوسط، التفسیر الصغیر ۶۵۵ھ کو فوت ہوئے۔

۲۳: الامام شیخ عز الدین رحمہ اللہ :

اپنے قصبہ راس عین کی نسبت سے الراسعی حنبلی کہلاتے تھے قرآن کریم کی ایک تفسیر بہ نام رموز الکنوز لکھی جو آٹھ جلدوں میں ہے۔ کافی مقبول رہی، قاضی جمال الدین رحمہ اللہ اس کے حافظ تھے۔ انتقال ۶۶۰ھ کو ہوا۔

۲۴: عبد العزیز بن عبد السلام السلمی رحمہ اللہ :

سیف الدین آمدی رحمہ اللہ وغیر ہمانے آپ کو سلطان العلماء کا لقب دیا تھا، دمشق میں افتاء اور تدریس کا کام کرتے تھے بدعات اور منکرات کے سخت مخالف تھے۔ سہروردی قدس سرہ العزیز کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ مستجاب الدعاء بھی تھے۔ جب فرنگیوں نے دمیاط پر حملہ کیا آپ نے ان کی ناکامی کی دُعاء کی تو ایسی ہوا چلی کہ ان کی کشتیاں اور جہاز غرق ہوگئے مجازاۃ القرآن کے نام سے مختصر جامع تفسیر لکھی جو مصر سے شائع ہو چکی ہے۔ ایک بڑی تفسیر بھی لکھی ہے۔ ۶۶۰ کو وفات پائی قرافہ کبری قاہرہ میں دفن ہوئے۔

۲۵: عبد الرزاق بن رزق الحنبلی رحمہ اللہ :

ایک تفسیر لکھی جس کا نام مطلع انوار التنزیل ومفاتح اسرار التاویل ہے۔ چار جلد ہے امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس کا خلاصہ بھی لکھا ہے وفات ۶۶۱ھ کو ہوئی۔

۲۶: عبد العزیز بن ابراہیم القرشی رحمہ اللہ :

ابن سریہ کے نام سے مشہور ہوئے ایک تفسیر لکھی جو تفسیر کشاف اور تفسیر ابن عطیہ دونوں کا مجموعہ ہے۔ وفات ۶۶۲ھ کو ہوئی۔

۲۷: محمد بن سلیمان رحمہ اللہ :

ولی کامل تھے۔ احناف میں ممتاز درجہ کے مالک تھے۔ ایک تفسیر لکھی جو تفسیر ابن نقیب کے نام سے مشہور ہے یہ تفسیر ۹۹ مجلدات میں ہے مفصل ہونے کے باوجود یہ تفسیر قابل استناد سمجھی گئی شعرانی رحمہ اللہ نے فرمایا ''میں نے اس سے بڑی کوئی تفسیر نہیں دیکھی'' یہ تفسیر دراصل پچاس تفاسیر کا مجموعہ ہے اور اس کا نام التحریر والتحبیر ہے۔ ۶۶۸ کو فوت ہوئے۔

۲۸: محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح رحمہ اللہ :

قرطبہ کے عظیم مفسر تھے۔ ایک تفسیر احکام القرآن صرف آیات احکام ہی کی تفسیر لکھی جو بارہ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ زاہدانہ اور درویشانہ زندگی بسر کی۔ شوال ۶۷۱ھ کو وفات پائی۔ یہ تفسیر قرطبی کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

۲۹: عبد العزیز بن احمد دبیری رحمہ اللہ :

اپنے زمانہ کے جامع المعقول والمنقول تھے ایک تفسیر لکھی جس کا نام تفسیر دبیری ہے آپ کی وفات ۶۷۳ کو ہوئی۔

۳۰: موفق الدین احمد کواشی رحمہ اللہ :

فقہ شافعی کے مستند اور محقق عالم تھے۔ ایک تفسیر لکھی جس کا نام کشف الحقائق فی التفسیر ہے۔ مرتب کر کے اس کے نسخے اس دور کے علمی مراکز مکہ مکرمہ مدینہ طیبہ اور بیت المقدس کو بھی بھیجے۔ یہ تفسیر مفسرین کرام کے ہاں قابل استناد ہے۔ امام شعرانی رحمہ اللہ نے تفسیر کواشی کو دس بار مطالعہ کیا ہے۔

سیوطی رحمہ اللہ نے اس پر اعتماد کیا۔ یعقوب چرخی رحمہ اللہ نے استفادہ کیا ہے۔ کو اشی ۶۸۰ھ کو فوت ہوئے۔ آپ کی تفسیر کے ایک حصہ کا نسخہ ٹونک کے کتب خانہ میں موجود ہے دوسرا حصہ ''التبصرہ'' کا ایک نسخہ مکتوبہ ۱۱۰۷ھ کتب خانہ جامع پاشا موصل میں ہے۔ اسی ''التبصرہ'' ایک نسخہ جو ایک ہی جلد میں ہے مکتوبہ ۱۰۷ھ میں ''حلب'' کے کتب خانہ عثمانیہ میں موجود ہے۔

۳۱: عبدالجبار بن عبدالخالق رحمہ اللہ:

وعظ بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک تفسیر لکھی جو آٹھ جلدوں میں ہے۔ بغداد میں شعبان ۶۸۱ھ کو فوت ہوئے۔

۳۲: احمد بن محمد بن منصور:

ابن المنیر کے نام سے مشہور ہوئے آپ کی ولادت اسکندریہ میں ہوئی۔ قرآن کریم کی تفسیر لکھی جو ہر دور میں قابل اعتماد سمجھی گئی ۶۸۳ھ کو وفات پائی۔

۳۳: احمد بن عمر الانصاری رحمہ اللہ:

زندگی قرآن و سنت کی روشنی میں گزری خرقہ خلافت ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ سے عطا ہوا تھا۔ آپ کی تصانیف فقہ میں ''تہذیب'' عقائد میں ''ارشاد'' حدیث میں ''مصابیح'' اور تفسیر میں ''مہدوی'' مشہور ہیں جو دس جلدوں میں ہے۔ آپ کی وفات ۶۸۵ھ کو ہوئی۔

۳۴: قاضی ناصر الدین بیضاوی رحمہ اللہ:

بڑے عالم دین اور مصنف تھے۔ آپ کی تفسیر انوار التنزیل تفسیر بیضاوی کے نام سے مشہور ہے اس تفسیر میں علمی ادبی فوائد کا بیش بہا ذخیرہ جمع ہے عقائد اہل سنت کی تائید اور معتزلہ کی مدلل تردید بھی کی گئی ہے اس تفسیر کو قبولیت حاصل ہوئی۔ انتقال ۶۸۵ھ کو ہوا۔ قلمی نسخہ محررہ ۹۵۷ھ مولانا منظور الحسینی رحمہ اللہ اٹک ضلع جہلم کے پاس ہے۔ ایک قلمی نسخہ محررہ ۱۰۰۷ھ اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں ہے۔ ایک قلمی نسخہ محررہ ۹۹۱ھ ندوۃ المصنفین اعظم گڑھ میں ہے۔ نواب ضابطہ خان کے ملازم حافظ محمد یوسف رحمہ اللہ کاندھلوی تفسیر بیضاوی کے حافظ تھے ''امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس تفسیر کی بہت تعریف کی۔ سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) کا مرتبہ حاشیہ بہ نام نواھد الابکار و شواھد الافکار طبع ہو چکا ہے۔ ایک نسخہ ضلع اٹک (کیمبلپور) کے مشہور صوفی عالم مولوی صاحب مرحوم مکھڈ کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس تفسیر پر تنقیدی مواخذات شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، بہاؤ الدین آملی نے کئے اور ان مقامات کی نشاندہی بھی کر دی ہے جو باہمی متضادات اور متناقض ہیں۔

۳۵: محمد بن محمد رحمہ اللہ:

برہان نسفی کے نام سے مشہور تھے ممتاز عالم تھے۔ امام رازی رحمہ اللہ کی مرتبہ تفسیر کا انتخاب لکھا۔ ۶۸۷ھ کو فوت ہوئے بغداد میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پہلو میں دفن کر دیئے گئے۔

۳۶: شیخ نجم الدین رحمہ اللہ المعروف بہ دایہ:

ممتاز صوفیاء کرام میں سے تھے نجم الدین ابوالجناب سے اکتساب علم کیا، کچھ پاروں کی تفسیر بہ نام تاویل النجمیہ لکھی، جو بحر الحقائق کے نام سے مشہور تھی۔ اس تفسیر کو احمد بن محمد رحمہ اللہ البیابانکی ۷۳۶ھ نے مکمل فرمایا پانچ بڑی جلدوں میں ہے۔ مخطوطہ دار الکتب مصریہ میں محفوظ ہے۔ ناقص نسخہ کتب خانہ فاضلیہ گڑھی افغاناں میں ہے۔ واللہ اعلم۔

آٹھویں صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

۱: ابوالبرکات عبداللہ رحمہ اللہ:

نسفی مشہور تھے فقہ حنفی اور علم کلام کے بہت بڑے عالم تھے۔ قرآن کریم کی ایک تفسیر بنام مدارک التنزیل لکھی جو تفسیر مدارک کے نام سے مشہور ہے۔ اہل السنۃ والجماعت اور فقہ حنفی کو مدلل ثابت فرمایا ہے۔ یہ تفسیر مطبوعہ اور عام دستیاب ہے۔ مفید اور جامع شرح مولانا عبدالحق مہاجر مکی رحمہ اللہ نے بہ نام الاکلیل علی مدارک التنزیل لکھی ہے۔ علامہ نسفی رحمہ اللہ نے ۷۰۱ھ کو وفات پائی۔

۲: امام بدر الدین:

حلبی رحمہ اللہ مشہور ہوئے۔ تفسیر کشاف پر محاکمہ کرتے ہوئے ایک کتاب بنام مختصر الراشف عن زلل الکاشف لکھی۔ ۷۰۵ھ کو فوت ہوئے۔

۳: علامہ قطب الدین محمود بن مسعود رحمہ اللہ:

شیراز کے جلیل القدر عالم حنفی تھے تفسیر پر عبور حاصل تھا۔ تفسیر لکھی جس کا نام علامی ہے۔ چالیس جلدوں میں ہے وفات تبریز میں ۷۱۰ھ کو ہوئی۔ بعض نے اس کا نام مفتاح المنان فی تفسیر القرآن لکھا ہے، اس تفسیر کی پہلی جلد قلمی دار الکتب المصریہ میں ہے۔ استنبول میں محمد اسعد رحمہ اللہ کے کتب خانہ میں کامل نسخہ بھی ہے۔

۴: خواجہ رشید الدین فضل رحمہ اللہ:

ہمدان کے ان علماء میں سے تھے جو علم و فضل کے ساتھ ملکی امور کا بھی وسیع تجربہ رکھتے تھے۔ چنانچہ سلطان ابوسعید رحمہ اللہ نے آپ کو وزیر مقرر کر لیا تھا۔ مبسوط اور جامع تفسیر مرتب فرمائی۔ جس پر علماء نے تقاریظ لکھی ہیں وفات ۷۱۸ھ کو ہوئی۔

۵: عماد الکندی:

اسکندریہ کے قاضی تھے۔ غرناطہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، علم تفسیر کتاب بہ نام کفیل لمعانی التنزیل لکھی جو ۲۳ جلدوں میں ہے۔ یہ تفسیر کشاف کی شرح ہے اور اس پر مناقشات کی توجیہات پر مشتمل ہے۔ وفات ۷۲۰ھ کو ہوئی۔

۶: احمد بن محمد بن عثمان رحمہ اللہ:

البناء رحمہ اللہ کے نام سے مشہور تھے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی باء کی تفسیر میں

مستقل کتاب لکھی۔ سورۃ العصر اور سورۃ الکوثر کی مستقل تفاسیر بھی لکھیں۔ قرآن کریم کے رسم الخط کی امتیازی شان پر ایک کتاب بہ نام "عنوان الدلیل مرسوم خط التنزیل" لکھی تفسیر کشاف کا بہترین حاشیہ مرتب فرمایا۔۷۲۴ھ کو وفات ہوئی۔

۷: احمد بن محمد مکی رحمہ اللہ:

قمولی کے لقب سے مشہور تھے۔ تدریس، تصنیف اور افتاء کے ماہر تھے آپ کی تصانیف میں البحر المحیط اور جواہر البحر مشہور ہیں تفسیر کبیر کا تکملہ لکھا۔ ۷۲۷ھ کو انتقال ہوا۔

۸: احمد بن محمد بن عبد الولی رحمہ اللہ:

المقدسی بن جبارہ کے نام سے مشہور تھے ایک تفسیر بہ نام فتح القدیر لکھی، بیت المقدس میں ۷۲۷ھ کو فوت ہوئے۔

۹: نظام الدین قمی نیشاپوری:

مشہور نام نظام الاعرج ہے فلسفہ، تصوف اور جغرافیہ کے ماہر تھے۔ ایک تفسیر بھی لکھی۔ اس کا نام غرائب القرآن ورغائب الفرقان ہے۔ دوسری تفسیر لب التاویل فی تفسیر القرآن ہے۔ ایک جلد میں ہے۔ غرائب القرآن کا قلمی نسخہ مخطوطہ ۷۸۲ھ کتب خانہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ صاحب احمد آباد میں ہے ایک مخطوطہ کتب خانہ دار المصنفین اعظم گڑھ میں موجود ہے۔ سال وفات ۷۲۸ھ۔ ۷۱۰ھ لکھی ہے۔

۱۰: السید محمد بن ادریس رحمہ اللہ:

بڑے مفسر تھے۔ آپ کی تفاسیر کے نام التیسیر، الاکسیر الابریز فی تفسیر القرآن العزیز، اور النہج القویم فی تفسیر القرآن الکریم مشہور ہیں ۷۳۰ھ کو وفات پائی۔

۱۱: امام برھان الدین الجعبری رحمہ اللہ:

نزول قرآن عزیز کو ایک بلیغ قصیدہ میں مدون کر دیا۔ جس کا نام "تقریب المامول فی ترتیب النزول" ہے۔ یہ قصیدہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی مولفہ الاتقان میں نقل ہے آپ کی وفات ۷۳۲ھ کو ہوئی۔

۱۲: عبد الواحد ابن المنیر رحمہ اللہ:

خاندان علمی تھا۔ علماء زمانہ نے عز القضاۃ کا خطاب دیا تھا۔ قرآن عزیز کی ایک تفسیر دس جلدوں میں لکھی جو تفسیر ابن المنیر کے نام سے مشہور اور دستیاب ہے ۷۳۶ھ کو وفات ہوئی۔

۱۳: احمد بن محمد السمنانی:

قرآن عزیز کے ساتھ آپ کا عشق تھا۔ قابل قدر تھے۔ ابن عربی کے نظریات کے شدید مخالف تھے۔ آپ نے ایک تفسیر مرتب کی جو تیرہ جلدوں میں ہے۔ ایک کتاب "تکملۃ التاویلات النجمیہ" بھی لکھی۔ بغداد میں ۷۳۶ھ کو وفات ہوئی۔

۱۴: ھبۃ اللہ رحمہ اللہ:

شرف الدین البارزی کے نام سے شہرت پائی آپ کا فتوی آخری فتوی سمجھا جاتا تھا۔ ایک تفسیر "روضات الجنان فی تفسیر القرآن" دس جلدوں میں ہے۔ آپ کا انتقال ۷۳۷ھ کو ہوا۔ عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام پر مدلل فتوی تحریر فرمایا۔

۱۵: علی بن عثمان بن حسان رحمہ اللہ:

دمشق تقی واسطی رحمہ اللہ، علامہ نودی رحمہ اللہ سے اکتساب فیض کیا۔ جلیل القدر عالم تھے۔ تفسیر طبری کا اختصار کیا۔ ۷۳۹ھ کو وفات پائی۔

۱۶: الشیخ علاؤ الدین علی بن محمد رحمہ اللہ:

مزاج تصوف کی طرف مائل تھا، دمشق کی خانقاہ السمساطیہ کے عظیم کتب خانہ کے ناظم مقرر ہوئے۔ علامہ بغوی رحمہ اللہ کی مرتبہ تفسیر معالم التنزیل کا اختصار بنام لباب التاویل کیا جو تفسیر خازن کے نام سے مشہور اور عام دستیاب ہے۔ وفات ۷۴۱ھ کو حلب میں ہوئی۔

۱۷: ابوالحسین بن ابی بکر:

اسکندریہ کی نسبت سے اسکندری کہلائے، تفسیر لکھی جو "تفسیر الاسکندری" کے نام سے دس جلدوں میں ہے۔ ۷۴۱ھ کو وفات پائی۔

۱۸: الحسین بن محمد:

قصبہ طیب میں پیدا ہوئے اسی لئے طیبی رحمہ اللہ کہلائے۔ علم حدیث اور تفسیر پر بالغ نظر رکھتے تھے۔ مشکوۃ شریف کا حاشیہ طیبی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ گڑھی افغانان متصل حسن ابدال رحمہ اللہ کی خانقاہ فاضلیہ میں موجود ہے۔ علم تفسیر میں تفسیر کشاف کا حاشیہ "فتوح الغیب فی الکشف عن قناع الریب" لکھا جو آٹھ جلدوں میں طبع ہو چکا ہے۔ جب یہ حاشیہ لکھنے کا ارادہ کیا تو خواب میں آپ ﷺ نے طیبی کو دودھ کا بھرا ہوا پیالہ عنایت فرمایا۔ اس حاشیہ کے متعلق ابن خلدون نے لکھا کہ علامہ طیبی نے یہ ثابت کیا کہ صحیح بلاغت وہی ہے جو اہل السنۃ کے اختیار کردہ طریقہ تعبیر سے ادا ہوتی ہے۔ معتزلہ کے اعتراضات اور تنقیدات کے دندان شکن جوابات بھی دیئے۔ مفسر نے تمام علوم بلاغت کو بالاستیعاب لکھ کر معانی کا حق ادا کیا ہے۔ درس تفسیر کو مکمل فرما چکے۔ رو بقبلہ بیٹھے ہوئے تھے کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ ۷۴۳ھ کا دن تھا۔ حاشیہ طیبی رحمہ اللہ قلمی نسخہ محررہ ۷۲۷ھ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔

۱۹: محمد بن یوسف ابن حیان اثیر الدین رحمہ اللہ:

آپ کے اساتذہ کی تعداد چار سو پچاس ہے۔ سلف صالحین کے پورے متبع اور مقلد تھے، قرآن کریم کی تفسیر البحر المحیط مشہور ہے۔ بقول علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ "ابن حیان رحمہ اللہ ان علماء کرام میں سے ہیں جن کی

تصانیف ان کی زندگی میں قبول ہو چکی تھیں۔‘‘ ایک غریب القرآن بھی ہے۔ البحر المحیط ۱۳۲۸ھ کو طبع ہو چکی ہے۔ وفات ۷۴۵ھ کو قاہرہ میں دفن ہوئے۔

۲۰: احمد بن الحسن جار بردی رحمہ اللہ:

فخر الدین لقب تھا علم صرف و نحو میں واقعی امام تھے۔ امام بیضاوی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ تفسیر کشاف پر مفید اور جامع حاشیہ لکھا۔ تبریز میں رمضان ۷۴۶ھ کو فوت ہوئے۔

۲۱: احمد بن عبد القادر القیسی رحمہ اللہ:

محقق حنفی عالم تھے۔ البحر المحیط کا انتخاب الدار اللقیط لکھا جو البحر المحیط کے حاشیہ پر طبع ہو چکا ہے ۷۴۷ھ کو وفات پائی۔

۲۲: محمد بن احمد اللبان رحمہ اللہ:

آپ کی کتاب تفسیر الایات المتشابہات الی الآیات المحکمات مطبوعہ اور دستیاب ہے ۷۴۹ھ کو وفات ہوئی۔

۲۳: علامہ شمس الدین ابن القیم رحمہ اللہ:

علماء مصر سے اکتساب علوم کیا۔ ابن تیمیہ کی شاگردی ایسی اختیار کی کہ سایہ کی طرح زندگی بھر ان کے ساتھ رہے، مگر بعض عقائد میں اسی طرح مسلک علماء حق سے انحراف تھا۔ آپ کے ہمعصر علامہ سبکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب السیف الصقیل فی الرد علی ابن الزفیل میں آپ پر تنقید فرمائی ہے۔ جامع کتاب زاد المعاد مرتب کی ہے اور کتاب الروح جیسی مایہ ناز کتاب بھی علمی شاہکار ہے قرآن کریم کی قسموں پر ایک جامع کتاب ’’التبیان‘‘ لکھی جو چھپ کر تفسیر ابن القیم کے نام سے دستیاب ہے۔ وفات ۷۵۱ھ کو ہوئی۔

۲۴: شہاب الدین مسعود

السمین الحلبی المصری رحمہ اللہ کہلائے۔ تفسیر میں احکام القرآن نامی ایک کتاب لکھی ایک تفسیر بھی لکھی جس کا نام ’’الدار المصون فی علم الکتاب المکنون‘‘ ہے اس میں صحابہ کرامؓ اور تابعین رحمہ اللہ کے اقوال تفسیر بے نشان نام جمع فرما دیئے ہیں اور یہ مختصر تفسیر ہے۔ مفصل تفسیر بھی لکھی ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے ’’میں نے السمین رحمہ اللہ کی مرتبہ تفسیر دیکھی جو مفسر کے اپنے قلم سے ہے اور بیس جلدوں میں ہے۔‘‘ ایک نسخہ مدینہ منورہ میں مکتبہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ میں موجود ہے۔ وفات ۷۵۶ھ کو ہوئی۔

۲۵: علی بن عبد الکافی السبکی رحمہ اللہ:

قاضی جلال الدین قزوینی رحمہ اللہ کی وفات پر دمشق کے قاضی مقرر ہوئے، ایک تفسیر بنام الدر النظیم فی تفسیر القرآن الکریم لکھی۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ’’آپ کی سب تصانیف آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں‘‘ ۷۵۶ھ کو فوت ہوئے اور قاہرہ کے باب النصر میں دفن ہوئے۔

۲۶: محمد بن علی بن عابد الانصاری رحمہ اللہ:

آپ کو امام الکتابت رحمہ اللہ کا لقب دیا گیا۔ تفسیر کشاف کا کامیاب حاشیہ لکھا۔ ۷۶۲ھ کو فوت ہوئے۔

۲۷: علامہ مخلص الہندی رحمہ اللہ:

دہلی کے جلیل القدر عالم تھے۔ ایک تفسیر بنام کشف الکشاف لکھی جس میں زیادہ کشاف پر علمی تنقید ہے ۷۶۴ھ کو فوت ہوئے۔

۲۸: محمد بن محمد الرازی رحمہ اللہ:

تحتانی کے لقب سے مشہور تھے، دمشق میں مقیم تھے اور زندگی کا آخری دور علم تفسیر، معانی اور بیان کی تدریس میں گزارا اہل دمشق آپ کے گرویدہ تھے۔ تفسیر کشاف کا حاشیہ لکھا، دمشق ہی میں ۷۶۶ھ کو فوت ہوئے۔

۲۹: محمد بن محمد بن محمد الاقصرائی رحمہ اللہ:

محقق اور نکتہ شناس عارف تھے، درس حدیث و تفسیر دیتے رہے، اقصرائی نے تفسیر کشاف پر حاشیہ لکھا۔ ۷۷۰ھ کو انتقال ہوا۔

۳۰: محمود بن احمد قنوی رحمہ اللہ:

فقہ و تفسیر میں خصوصاً محقق تھے۔ کتاب المعتمد اختصار مسند ابی حنفیہ رحمہ اللہ، کتاب مشارق الانوار لحل مشکل الاثار تفسیر بنام تہذیب احکام القرآن لکھی۔ ۷۷۱ھ کو انتقال ہوا۔

۳۱: سراج الدین (سراج الہندی رحمہ اللہ)

آباؤ اجداد غزنی سے تھے۔ حجاز اور مصر کا سفر کیا پھر مصر ہی میں مقیم ہو گئے۔ مصر میں احناف کے مقتداء تھے تاریخ اور اسماء الرجال کی کتابوں میں آپ کو سراج الہندی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ امام ابن تیمیہ کے ساتھ کئی مناظرے کئے۔ قرآن عزیز کی ایک تفسیر تفسیر السراج لکھی ہے۔ ۷۷۳ھ کو قاہرہ میں انتقال ہوا۔

۳۲: خضر بن عبد الرحمٰن زری رحمہ اللہ:

قرآن کریم کی ایک تفسیر بنام تبیان لکھی۔ مفسر کی وفات ۷۷۳ھ کو ہوئی۔ اس تفسیر کا ایک مخطوطہ محررہ ۱۰۴۷ھ ٹونک کے کتب خانہ عرفانیہ میں محفوظ ہے۔

۳۳: اسمٰعیل بن عمر بن کثیر القیسی رحمہ اللہ:

۷۰۰ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے، ابن عساکر رحمہ اللہ وغیرہم سے اکتساب فیض کیا۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ کا یہ جامع ارشاد ہے:

’’الامام المفتی المحدث البارع الفقیہ المفسر‘‘ تصنیف تفسیر ابن کثیر مشہور متداول اور مستند تفسیر ہے۔ آپ کے تمام تصانیف نے آپ کی زندگی

ہی میں قبولیت حاصل کر لی تھی۔۷۷۴ھ کو فوت ہوئے۔تفسیر ابن کثیر کا اختصار علامہ محمد علی صابونی رحمہ اللہ استاذ دراسات اسلامیہ مکہ مکرمہ نے مرتب کیا۔اس کا اُردو زبان میں ترجمہ کراچی کے مطبع اصح المطابع نے شائع کیا ہے۔

۳۴: محمد بن محمد بن محمود رحمہ اللہ :

بغداد کے قریب ایک بستی کی نسبت سے بابرتی کہلائے،حنفی مسلک کے محقق اور جلیل القدر عالم ھدایہ کی ایک شرح لکھی اور تفسیر کشاف کا جامع حاشیہ لکھا اور ایک مستقل تفسیر بھی لکھی۔شب جمعہ ۷۷۶ھ کو انتقال ہوا۔ ۷۸۶ھ سلطان وقت بھی حاضر تھا۔

۳۵: ابراہیم بن عبدالرحیم بن جماعۃ :

مصر میں پیدا ہوئے،گھرانہ علمی تھا۔القدس میں قیام کیا آخر عمر میں شام کے قاضی مقرر ہوئے۔تفسیر میں مہارت تھی۔ایک تفسیر دس جلدوں میں لکھی جس کو تفسیر ابن جماعۃ کہا جاتا ہے۔عسقلانی رحمہ اللہ نے خود ان کے قلم سے لکھی ہوئی دیکھی ہے۔۷۹۰ھ کو وفات ہوئی۔

۳۶: مسعود بن عمر الامام سعد الدین رحمہ اللہ :

خراسان تفتازان میں پیدا ہوئے۔قرآن حکیم کی ایک تفسیر فارسی میں بنام کشف الاسرار وعدۃ الابرار لکھی،کشاف پر حاشیہ کی تلخیص لکھی۔۷۹۲ھ کو فوت ہوئے۔یہ قلمی حاشیہ طلائی جدول سے مزین اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں موجود ہے۔

۳۷: امام بدرالدین محمد زرکشی رحمہ اللہ :

قاہرہ میں ولادت ہوئی۔شیخ جمال الدین رحمہ اللہ السنوی سے اکتساب فیض کیا۔ابن کثیر رحمہ اللہ ،شیخ شہاب الدین الاوزاعی سے علوم حاصل کئے، تصانیف علوم قرآن اور قواعد تفسیر القرآن کے نام کی لکھی۔جو چار جلد میں طبع ہو چکی ہے جس کا نام البرھان ہے علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بھی اس سے استفادہ کیا ہے۔۷۹۴ھ کو فوت ہوئے۔

۳۸: امیر کبیر تاتارخان دہلوی رحمہ اللہ :

تفسیر تاتارخانی مرتب کرائی،سلطان فیروز رحمہ اللہ شاہ تغلق کے زمانہ میں ۷۹۹ھ کو انتقال ہوا۔آپ نے علماء کے ایک گروہ کو جمع کیا اور تمام تفاسیر کو اکٹھا کیا اور آئمہ تفسیر کے ہر آیت کے متعلق تمام اقوال اس تفسیر میں جمع کرا دیئے تاتارخان رحمہ اللہ نے دل وجان سے کوشش کی کہ اس دور کی تمام تفاسیر اس کی ایک کتاب میں جمع کر دی جائیں۔(تاریخ فیروز شاہی ص ۲۶۶)

۳۹: فضل اللہ بن ابی الخیر رحمہ اللہ :

ایک یہودی کے گھر ولادت ہوئی ہمدانی کے نام سے مشہور ہوئے۔ہمدانی نے قرآن حکیم کی ایک تفسیر تفسیر طنطاوی رحمہ اللہ کی طرز پر لکھی ۸۰۰ھ میں آپ کو شہید کر دیا گیا۔

۴۰: علی بن محمد قوشجی رحمہ اللہ :

سمرقند میں پیدا ہوئے،علم تفسیر میں محققانہ بصیرت رکھتے تھے،تفسیر کشاف کا جو حاشیہ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے لکھا۔قوشجی نے اس حاشیہ کا حاشیہ لکھا ہے۔۸۰۰ھ میں وفات پائی۔

نویں صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

۱: محمد بن محمد بن عرفہ الورغمی رحمہ اللہ :

آباؤ اجداد تونس کے تھے۔مگر آپ کے والد ماجد رحمہ اللہ جو کہ باعالم باعمل تھے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے۔آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوئی۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے آپ کو آٹھویں صدی کا مجدد تسلیم کیا ہے۔فقہ میں آپ نے ایک کتاب بہ نام المبسوط لکھی جس پر علماء نے حواشی تحریر کئے۔تفسیر دو جلدوں میں لکھی۔جو تفسیری فوائد کا مجموعہ ہے۔۸۰۳ھ کو فوت ہوئے۔

۲: شیخ شہاب الدین احمد بن محمود سیواسی رحمہ اللہ :

تمام تفاسیر کا مطالعہ کیا۔سب کا خلاصہ بطور حاصل مطالعہ لکھا۔جس کا نام التفاسیر للفضلاء والمشاہیر رکھا۔یہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے۔ ۸۰۳ھ کو وفات پائی۔ناقص نسخہ خدا بخش لائبریری ''پٹنہ'' میں موجود ہے ایک کامل نسخہ مکہ مکرمہ کے کتب خانہ حرم میں موجود ہے نمبر ۱۷۳ ہے۔

۳: زین بن ابراہیم رحمہ اللہ :

آپ نے امام ابوزرعہ رحمہ اللہ عراقی کے نام سے شہرت پائی،ابوحیان رحمہ اللہ اندلسی نے قرآن کریم کے الفاظ غریبہ کو ایک کتاب میں جمع کر دیا جس کا نام اتحاف الاریب بما فی القران من الغریب ہے۔ابوزرعہ رحمہ اللہ نے اس ساری کتاب کو منظوم کر دیا جس کا نام الفیہ فی غریب القران ہے۔قلمی نسخہ جامع ازہر کے مخطوطات میں ہے۔از۔۱۳۷۴ھ جلالین کے حاشیہ پر شائع ہو چکی ہے۔وفات ۸۰۶ھ کو ہوئی۔

۴: شیخ اشرف جہانگیر سمنانی رحمہ اللہ :

سلطان ابراہیم سمنانی رحمہ اللہ کے بیٹے ہیں۔انیس سال کی عمر میں تخت نشینی ہوئی مگر تیئس سال کی عمر میں تخت سے دستبردار ہو کر اوچ شریف میں شیخ جلال الدین رحمہ اللہ سے اکتساب فیض کیا۔ایک تفسیر لکھی جس کا نام نور بخشیہ ہے۔۸۰۸ھ کو کچھوچھ میں انتقال ہوا۔

۵: علی بن محمد المعروف سید سند رحمہ اللہ

جرجانی مشہور ہوئے۔علماء احناف میں سے بے نظیر محقق عالم تھے۔

شیراز آ کر درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ تیمور رحمہ اللہ نے جب شیراز کو تاراج کیا تو سید صاحب کو سمرقند لے گیا۔ آپ کی تصانیف تقریباً پچاس ہیں۔ تفسیر کشاف پر بہترین حواشی مرتب فرمائے۔ آپ نے قرآن عزیز کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا جس کو ناواقف شیخ سعدی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ آپ نے شیراز میں ۸۱۶ھ کو وفات پائی۔

۶: مجد الدین ابوطاہر فیروز آبادی رحمہ اللہ

امام ابن القیم رحمہ اللہ اور امام التقی السبکی رحمہ اللہ سے اکتساب فیض کیا۔ حنفی علماء میں شان امامت رکھتے تھے۔ سلطان روم مراد خان رحمہ اللہ نے آپ کو علوم کی اشاعت کے مواقع مہیا کر دیئے۔ مشاق الانوار کی شرح لکھی۔ کتاب ''الامع الملباب'' ساٹھ جلدوں میں لکھی۔ کشاف کے خطبہ کی شرح لکھی اور جو بنام ''تفسیر مجاہد'' کتب خانہ تحقیقات اسلامیہ میں عکس موجود ہے نمبر ۱۲۶ ہے۔ مستقل تفسیر لطائف فی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز لکھی جو پانچ جلدوں میں قاہرہ سے طبع ہو چکی ہے۔ ۸۱۶ھ کو وفات ہوئی۔

۷: سید محمد بن سید یوسف

دہلی میں ولادت ہوئی۔ شاہ نصیر الدین چراغ دہلی رحمہ اللہ سے علوم ظاہریہ اور فیوضات باطنیہ کا اکتساب کیا۔ ایک دن مرشد رحمہ اللہ کی پالکی اٹھا کر جا رہے تھے سر کے بال الجھ گئے۔ تکلیف کے باوجود اسی طرح رہنے دیا حضرت الشیخ رحمہ اللہ نے برجستہ یہ شعر پڑھا:

ہر کہ غلام سید گیسو دراز شد　　واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

آپ کی تصانیف ایک سو پانچ ہیں۔ اسی سے گیسو دراز کے نام سے مشہور ہوئے جن میں اردو نثر کی پہلی کتاب ''معراج العاشقین'' ہے۔ تفسیر کشاف پر حاشیہ لکھا ایک مستقل تفسیر بھی لکھی جس کا نام ''درر ملتقط'' ہے۔ اس میں زیادہ بحث علم معرفت کے متعلق ہے۔ ۸۲۵ھ کو وصال فرمایا درر ملتقط کا پہلا حصہ کتب خانہ ناصریہ لکھنؤ میں موجود ہے۔ ضلع ہزارہ میں تشریف لانا بھی ثابت ہے اور ''مشوانی سادات'' کا سلسلہ نسب آپ سے ملتا ہے اور حضرت مولانا زاہد الحسینی رحمہ اللہ مرتب تذکرۃ المفسرین کا سلسلہ نسب بھی آپ تک پہنچتا ہے۔

۸: محمد بن خلفۃ الوشتانی رحمہ اللہ

امام ابن عرفہ رحمہ اللہ کے جانشین تھے۔ آپ کے حلقہ درس سے ثعالبی رحمہ اللہ جیسے مفسر قرآن پیدا ہوئے۔ ایک تفسیر آٹھ جلدوں میں لکھی ہے۔ ۸۲۸ھ کو وفات ہوئی۔

۹: یوسف بن احمد بن محمد

اجداد کا مسکن تو حرم مکہ مکرمہ تھا۔ مگر یہ خود یمن آباد ہو گئے۔ دیگر تصانیف کے علاوہ آپ کی مرتبہ تفسیر ''الثمرات فی تفسیر آیات الاحکام ہے۔ ۸۳۲ھ کو وفات ہوئی۔

۱۰: عبداللہ بن مقداد

قاضی جمال الدین لقب تھا۔ قرآن عزیز کی ایک تفسیر تین جلدوں میں ہے جو کہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ ۸۳۲ھ کو وفات ہوئی۔

۱۱: شیخ علی بن احمد مہائمی رحمہ اللہ :

بمبئی کے قریب قصبہ مہائم میں پیدا ہوئے۔ علوم اسلامیہ میں یکتائے روزگار تھے۔ ادراک مطالب میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی سی شان رکھتے تھے۔ عربی زبان میں ایک تفسیر بھی لکھی جس کا نام تفسیر رحمانی ہے۔ دو جلدیں مصر سے شائع ہو چکی ہے۔ ہر سورۃ کی ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر اس انداز سے کی کہ اس میں ساری سورۃ کا مضمون اجمالی طور پر سمو دیا ہے۔ اعجازی اور ادبی نکات پر بے مثل بحث کی۔ وفات ۸۳۵ھ کو ہوئی ایک کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی طرز پر لکھی ہے جس کا نام انعام الملک العلام ہے۔

۱۲: السید علی بن محمد بن ابی القاسم رحمہ اللہ :

ایک مستقل تفسیر آٹھ جلدوں میں لکھی اور تفسیر کشاف کا حاشیہ تجرید الکشاف بھی لکھا۔ ۸۳۷ھ کو وفات ہوئی۔

۱۳: السید محمد بن ابراہیم

ابن الوزیر کے نام سے مشہور تھے۔ قرآن عزیز کی نظم بیان کو یونانی زبان کے طرز ادا پر فضیلت ثابت کرنے کیلئے ایک کتاب ترجیح اسالیب القرآن علمی اسالیب الیونان لکھی۔ ایک تفسیر بہ نام التفسیر النبوی ﷺ لکھی۔ جس میں ان ارشادات امام الاولیاء سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع فرما دیا جو قرآن کریم کی تفسیر میں روایت کئے گئے تھے۔ ۸۴۰ھ کو وفات ہوئی۔ ترجیح اسلوب القرآن قاہرہ سے شائع ہو گئی ایک مطبوعہ نسخہ کتب خانہ ادارہ تحقیقات اسلامیہ میں موجود ہے۔

۱۴: محمد بن محمد بن محمد بن احمد

ابو یاسر کے نام سے مشہور تھے۔ مفسر وقت ابن عرفہ رحمہ اللہ سے بھی اکتساب کیا، علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ کے شاگرد رشید تھے۔ محقق مصنف تھے۔ عمدۃ الاحکام کی شرح غایۃ الالہام تین جلدوں میں لکھی۔ المغنی کی شرح بھی چار جلدوں میں لکھی۔ ایک مستقل تفسیر لکھی اور تفسیر کشاف میں مندرجہ احادیث کی تخریج بھی لکھی جس کا نام الفتح الشافی رکھا مگر مکمل نہ ہو سکی۔ ۸۴۴ھ کو وفات پائی۔

۱۵: محمد بن یحییٰ الطرابلسی ابن زہرہ رحمہ اللہ

طرابلس میں پیدا ہوئے قاہرہ آئے اور امام بلقینی رحمہ اللہ سے استفادہ کے بعد وطن لوٹ گئے ایک تفسیر بہ نام فتح المنان فی تفسیر القرآن لکھی۔ ۸۴۸ھ کو فوت ہوئے۔

۱۶: قاضی شہاب الدین دولت آبادی ثم الدہلوی رحمہ اللہ

خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید تھے۔ فتاوی ابراہیم شاہی آپ کے دور کا مرتبہ ہے۔ ایک کتاب متن الارشاد لکھی جس کے اکثر اقتباسات شرح ملا جامی میں منقول ہیں۔ قرآن حکیم کی فارسی تفسیر بہ نام بحر مواج لکھی۔ لکھنؤ سے طبع ہو چکی ہے۔ قلمی نسخہ بھی کتب خانہ فاضلیہ متصل گڑھی افغانان میں موجود ہے۔ وفات ۸۴۹ھ کو ہوئی۔ مرض الموت میں سلطان ابراہیم آیا اور پانی کا ایک پیالہ بھر کر ان کے سر پر پھیرتے ہوئے کہا یا اللہ! ان کے بدلے میں میری جان لے لے اور ان کو زندگی عطا کرتا کہ یہ دین کی خدمت کرتے رہیں۔

۱۷: خواجہ یعقوب چرخی رحمہ اللہ

غزنی کے قصبہ چراخ میں پیدا ہوئے ہرات اور پھر مصر جا کر اکتساب علم کیا، علوم ظاہر کے ساتھ علوم باطنیہ سے بھی حصہ وافر ملا تھا۔ خواجہ بہاؤالدین نقشبندی رحمہ اللہ سے خلافت کا شرف حاصل ہوا۔ آخری دو پاروں کی تفسیر فارسی میں لکھی جو مطبوعہ ہے اور آج تک متداول ہے ۸۵۱ھ کو وفات پائی۔ قصبہ یلغنو میں دفن ہوئے۔

۱۸: تقی الدین ابوبکر بن شہبہ رحمہ اللہ

شافعی فقہ کے علاوہ تاریخ اور تفسیر پر بھی عبور حاصل تھا۔ قرآن عزیز کی ایک تفسیر لکھی جو تفسیر ابن شہبہ کے نام سے مشہور ہے ۸۵۱ھ کو فوت ہوئے۔

۱۹: شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی رحمہ اللہ

ابن حجر عسقلانی کے نام سے مشہور ہیں، سراج بلقینی، حافظ ابن الملقن اور حافظ عراقی سے شرف تلمذ حاصل کیا، علل الحدیث اور علم اسماء الرجال میں سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ منصب قضاء پر بھی فائز رہے۔ پھر مستعفی ہو کر تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ آپ کی مشہور تصانیف میں بخاری شریف کی جامع اور مستند شرح فتح الباری، تہذیب، تقریب التہذیب، الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ، طبقات الحفاظ اور دکامنہ ہیں۔ قرآن عزیز کی تفسیر ایک تو تجرید التفسیر من صحیح البخاری ہے دوسری تفسیر الاحکام لبیان ما ابہم فی القرآن بھی لکھی ہے جو برلن کے قلمی کتب خانہ میں موجود ہے ۸۵۲ھ کو فوت ہوئے۔

۲۰: احمد بن محمد بن عبداللہ الرومی الحنفی رحمہ اللہ

دمشق میں پیدا ہوئے۔ فقیہہ ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ کی تفسیر کا ترجمہ ترکی نظم میں کیا۔ ۸۵۴ھ کو فوت ہوئے۔

۲۱: الامام بدرالدین عینی محمود بن احمد حنفی رحمہ اللہ

جلیل القدر علماء سے اکتساب علم کیلئے دور دراز کے سفر کئے۔ محدث ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ آپ سے عمر میں ۱۲ سال چھوٹے تھے اور امام عینی رحمہ اللہ سے استفادہ کیا ہے آپ کے شاگردوں میں علامہ ابن الہمام حنفی رحمہ اللہ، حافظ سخاوی رحمہ اللہ، شیخ کمال الدین رحمہ اللہ مالکی جیسے علماء یگانہ تھے۔ زود نویسی کا یہ عالم تھا کہ پوری قدوری ایک رات میں لکھ لی تھی۔ بخاری کی شرح ہدایہ کی شرح، تفسیر کشاف کا حاشیہ معالم التنزیل بغوی کا حاشیہ، تفسیر ابی اللیث سمرقندی کا حاشیہ لکھا آپ کے تصنیفی شاہکار ہیں۔ ۸۵۵ھ کو قاہرہ میں فوت ہوئے۔

۲۲: السید علاؤ الدین سمرقندی رحمہ اللہ

اکثر تفاسیر کا انتخاب کر کے ایک تفسیر بہ نام بحر العلوم لکھی، چار جلدوں میں ہے۔ ڈیڑھ سو سال عمر پائی ۸۶۰ھ کو فوت ہوئے۔

۲۳: امام علاؤ الدین احمد بن محمد ابن اقیرس

قاہرہ کے مشہور عالم اور مفسر قرآن عزیز مسلکا شافعی تھے۔ قرآن مجید کی ایک تفسیر بہ نام **کنز الرحمن فی احکام القرآن** دس جلدوں میں لکھی، ۸۶۲ھ کو فوت ہوئے۔

۲۴: جلال الدین محلی الشافعی رحمہ اللہ

تفسیر جلالین کی سورۃ فاتحہ اور سورۃ الکہف تا آخر ان ہی کی تفسیر ہے، تکمیل جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے کی۔ ۸۶۴ھ کو انتقال ہوا۔

۲۵: محمد بن حسن بن محمد بن علی شمنی رحمہ اللہ

قسطنطنیہ سے باہر علاقہ شمنی میں پیدا ہوئے، ابتداءً مالکی تھے پھر حنفی مسلک اختیار کر لیا، محقق مفسر تھے، تصانیف میں قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی ہے، جس کے متعلق علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے کہا ہے **اما التفسیر فھو بحرۃ المحیط و کشاف دقائقہ** اس سے تفسیر کا عظیم المرتبت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ۸۷۲ھ کو انتقال ہوا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ تفسیر آپ کے والد ماجد رحمہ اللہ نے مرتب کی۔

۲۶: علی بن محمد البسطامی مصنفک رحمہ اللہ

جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ بغوی رحمہ اللہ کی مرتبہ مصابیح کی شرح لکھی، سلطان روم محمد خان رحمہ اللہ کی درخواست پر فارسی زبان میں قرآن کریم کی تفسیر بہ نام تفسیر محمدیہ علیہ السلام لکھی، خلیفہ چلپی رحمہ اللہ نے ایک جلد دیکھی ہے جو کہ صرف پارہ ۳۰ عم کی تفسیر ہے۔ مفسر کی وفات ۸۷۵ھ کو ہوئی، قسطنطنیہ میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے احاطہ مزار میں دفن کر دیئے گئے۔

۲۷: عبدالرحمن بن محمد بن مخلوف ثعالبی رحمہ اللہ

الجزائر کے عالم باعمل نہایت ہی متقی تھے۔ علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے فرمایا "**کان اماماً علامۃ مصنفا**" کئی مرتبہ سید دو عالم علیہ السلام کی زیارت کا شرف عطا ہوا تفسیر میں دو کتابیں لکھیں ایک کتاب **الذہب الابریز فی غرائب القرآن العزیز** ہے اور دوسری کا نام تفسیر الجواہر ہے یہ دیگر تفاسیر کا انتخاب ہے خلیفہ چلپی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس تفسیر کا نصف اس کے پاس

ہے۔ وفات ۸۷۵ھ کو ہوئی۔

۲۸: شیخ ابو العدل ابن قطلو بغا رحمہ اللہ

متبحر حنفی عالم دین تھے۔ احناف کے حالات پر ایک کتاب تاج التراجم لکھی، تفسیر ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ کی احادیث کی تخریج لکھی ہے۔ ۸۷۹ھ کو وفات ہوئی۔

۲۹: محمد بن سلیمان الرومی

حنفی جلیل القدر عالم تھے۔ مولوی محی الدین کافیجی کے نام سے مشہور تھے کیونکہ کافیہ کا مطالعہ بہت کرتے تھے۔ مسلک حنفی تھا مگر ہر مکتب فکر کے علماء آپ کا احترام اور آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ ایک دن اپنے شاگرد رشید جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ زید قائم کی ترکیب کریں، عرض کیا (جملہ اسمیہ ہے) اس میں اشکال کی کیا بات ہے کافیجی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس جملہ میں ایک سو تیرہ ابحاث ہیں۔ آپ کی تصانیف میں مختصر فی علوم التفسیر ہے۔ ۸۷۹ھ کو شب جمعہ میں شہید کر دیئے گئے۔

۳۰: عمر بن علمی بن عادل رحمہ اللہ

حنابلہ میں مشہور عالم تھے، قرآن کریم کی تفسیر چھ جلدوں میں لکھی جس کا نام مشہور تفسیر عادل ہے۔ علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے یہ تفسیر سات مرتبہ مطالعہ کی ہے وفات دمشق میں ۸۸۰ھ کو ہوئی۔ آپ کی تفسیر کا ایک کامل نسخہ کتب خانہ سلطانیہ مصر میں ہے۔ ایک کامل نسخہ اسپین میں اسکوریال میں ہے جو کہ ایک قلعہ ہے جس میں بادشاہوں کی قبریں ہیں اور ایک قدیم کتب خانہ بھی ہے۔ ایک کامل نسخہ چھ جلدوں میں دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ میں ہے جو کہ ۱۱۶۵ھ کا مخطوطہ ہے۔

۳۱: محمد بن عبد اللہ قرماس رحمہ اللہ

ایک منظوم تفسیر بہ نام فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن لکھی اور پھر اس کا خلاصہ نثر میں لکھا جس کا نام نثر الجمان من فتح الرحمٰن ہے۔ ۸۸۲ھ کو فوت ہوئے۔

۳۲: ملا خسرو محمد بن فراموزر رحمہ اللہ

یہ روم کے بلند پایہ حنفی علماء میں سے تھے۔ سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ رحمہ اللہ آپ کو اپنے زمانہ کا ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہا کرتا تھا آپ نے تفسیر بیضاوی کا کامیاب حاشیہ لکھا۔ جس کا قلمی نسخہ کتب خانہ مکھڈ ضلع اٹک میں موجود ہے۔ وفات ۸۸۳ھ کو ہوئی۔

۳۳: برہان الدین ابن عمر البقاعی رحمہ اللہ

محقق مفسر تھے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ سے اکتساب فیض کیا ربط آیات اور ربط سور پر قلم اٹھایا تو اس کا حق ادا کر دیا تفسیر کا نام نظر الدرر فی تناسب السور ہے۔ بقاعی کی وفات ۸۸۵ھ کو ہوئی۔ قلمی نسخے مکتبہ شیخ الاسلام مکہ مکرمہ، مکتبہ محمودیہ مدینہ منورہ، خزانہ مصریہ، جرمنی کے سرکاری کتب خانہ میں، مکتبہ آغا بشیر میں کامل نسخہ موجود ہے، جس کا نمبر ۷۶ ہے۔

۳۴: حسن بن محمد شاہ چلپی المعروف اخی زادہ رحمہ اللہ

تفسیر بیضاوی کا حاشیہ لکھا۔ ناقص نسخہ (از سورۂ ہود تا آخر) اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں موجود ہے۔ وفات ۸۸۶ھ کو ہوئی۔

۳۵: ابراہیم بن محمد الکنانی رحمہ اللہ

ابن جماعۃ کے نام سے شہرت پائی، ابن شہبہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابن جماعۃ رحمہ اللہ نے قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھی ہے جو دس جلدوں میں ہے اور اس میں بہت ہی عجیب و غریب مسائل ذکر کئے وفات ۸۹۰ھ کو ہوئی۔

۳۶: مولی احمد بن اسمٰعیل کورانی رحمہ اللہ

علوم اسلامیہ میں نادر روزگار تھے، مراد خان رحمہ اللہ سلطان نے آپ کو مدرس مقرر کر دیا اور اپنے بیٹے محمد خان رحمہ اللہ کو ان کی شاگردی میں دے دیا، محمد خان رحمہ اللہ تخت نشین ہوا، استاذ کو مملکت روم کا مفتی اعظم مقرر کر دیا آپ کے اس منصب کی مصروفیات کے باوجود الکوثر الجاری علی ریاض البخاری لکھی، اور ایک تفسیر غایۃ الامانی فی تفسیر الکلام الربانی لکھی اس تفسیر میں دلائل اعتزالی کا رد کر کے اہل السنۃ والجماعۃ کی تائید میں دلائل پیش کئے ہیں۔ اسی طرح فقہ حنفی کی تائید کی ہے، ہر رات کو قرآن عزیز ایک بار ختم کیا کرتے تھے آپ کا انتقال ۸۹۳ھ کو ہوا۔ محمد خان رحمہ اللہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

۳۷: معین الدین بن بنی سید صفی الدین رحمہ اللہ

مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور مکہ مکرمہ ہی میں خدمت علوم اسلامیہ کی ایک تفسیر لکھی جس کا نام جامع البیان فی تفسیر القرآن ہے ۸۹۴ھ کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی، اس تفسیر کا قلمی نسخہ اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں ہے۔ دہلی سے طبع ہو چکی ہے۔

۳۸: عبد الرحمٰن بن احمد المعروف بہ مولانا جامی رحمہ اللہ

آپ علوم اسلامیہ اور تفسیر میں اپنے وقت کے امام مانے گئے، فارسی نظم میں آپ کی کتاب یوسف زلیخا بے نظیر ہے۔ شرح ملا جامی آپ کی مقبول ترین اور بے مثل یادگار ہے ایک تفسیر بھی لکھی جس کا تذکرہ ''شقائق النعمانیہ'' میں بھی ہے۔ وفات ۸۹۸ھ کو ہوئی۔ آپ کی تفسیر کا ایک نسخہ بایزید لائبریری استنبول میں موجود ہے۔ مخطوطہ ۱۳۲ فولیو ۱۵ اے اور ایک ناقص نسخہ پارہ اول آیت فارھبون تک مصر کے کتب خانہ تیموریہ میں موجود ہے جلد اول نمبر ۲۳۴ ہے۔

دسویں صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

۱: محی الدین محمد رحمہ اللہ

آپ ابن خطیب کے نام سے مشہور تھے آپ نے تفسیر کشاف پر میر سید شریف رحمہ اللہ کے حاشیہ کا حاشیہ لکھا جو نہایت ہی جامع اور مفید مسائل علوم معانی، ادب اور تفسیر پر مشتمل ہے ۹۰۱ھ کو وفات ہوئی۔

۲: محمد بن ابراہیم النکساری رحمہ اللہ

آپ کی تصانیف میں شرح وقایہ کا حاشیہ اور تفسیر بیضاوی کا حاشیہ بھی ہے جو کہ اپنی جامعیت کے لحاظ سے مستقل تفسیر سمجھی جاتی ہے مگر سورہ دخان تک ہے۔ تفسیر بھی مرتب کی۔ ۹۰۱ھ کو انتقال ہوا۔

۳: محمد بن عبدالرحمٰن الایجوی رحمہ اللہ

آپ کے والد نے تفسیر لکھنی شروع کی جب والد ماجد عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سورۃ الانعام تک پہنچے تو اپنے بیٹے سے فرمایا کہ باقی تفسیر کی تکمیل تو نے کرنی ہے، چنانچہ محمد رحمہ اللہ نے باقی تفسیر مدینہ منورہ میں روضۃ من ریاض الجنۃ میں بیٹھ کر مکمل کی، یہ تفسیر تفسیر بالماثور ہے۔ آیات کی تفسیر کو براہ راست صحاح ستہ سے استفادہ کیا ہے۔ تفسیر کا نام جوامع البیان ہے وفات ۹۰۵ھ کے بعد ہوئی۔

۴: محمد بن محمد بن ابی بکر بن علی رحمہ اللہ

قادری سلسلہ کے عظیم روحانی پیشوا سمجھے جاتے تھے، امام بقاعی رحمہ اللہ نے آپ کو ذہن ثاقب اور سخن فہم کا خطاب دیا تھا۔ آپ کی تصانیف میں جمع الجوامع اور تفسیر بیضاوی کا مفید حاشیہ بھی ہے۔ ۹۰۶ھ کو وفات پائی۔

۵: مولانا حسین بن علی کاشفی رحمہ اللہ

قرآن عزیز کی ایک تفسیر فارسی زبان میں لکھی جس کا نام جواہر التفسیر تحفۃ الامیر رکھا اس کے علاوہ ایک اور تفسیر بھی بہ نام تفسیر حسینی لکھی آپ کی وفات ۹۰۶ھ کو ہوئی۔ جواہر التفسیر کا قلمی نسخہ جو کہ ۹۸۰ھ کا مخطوطہ ہے اور تفسیر حسینی کا قلمی نسخہ مخطوطہ ۹۶۷ھ دونوں اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں موجود ہیں تفسیر حسینی کا اُردو زبان میں ترجمہ فخر الدین حنفی نے کیا۔ ۱۳۰۰ھ مطبع فرنگی محل لکھنؤ سے شائع ہوا جس کا نام تفسیر قادری مشہور ہے، دوسرا ترجمہ اُردو زبان میں جو بہ نام تفسیر سعیدی دو جلدوں میں طبع ہو چکا ہے جہانگیر رحمہ اللہ جب صوبہ گجرات پہنچا تو اس نے علماء و مشائخ کو تفسیر حسینی کاشفی اور روضۃ الاحباب ہدیہ کیں۔

۶: جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ

اصلی نام عبدالرحمٰن تھا ایک ہزار تک تفسیری مولفات ہیں، تفسیر بیان القرآن، یہ تفسیر تفسیر بالماثور تھی اور بہت زیادہ مفصل پھر خود ہی اس کا خلاصہ بہ نام درمنثور کر دیا، درمنثور کا مشہور قلمی نسخہ پانچ جلدوں میں کتب خانہ احمدیہ حلب میں موجود ہے، مصر کے مطبع میمنہ سے شائع ہو چکی ہے اس کا اختصار ایک ترکی عالم نے ایک جلد میں کر دیا جس کا قلمی نسخہ قاہرہ کے کتب خانہ تیموریہ میں ہے اسی کتب خانہ میں سیوطی رحمہ اللہ کی مرتبہ تفسیر الاکلیل کا مخطوطہ ۸۸۴ھ موجود ہے۔ اکیل شیخ جامع البیان کے حاشیہ پر دہلی سے طبع ہو چکی ہے۔ تفسیر جلالین آپ کا لافانی شاہکار ہے، سورۃ الکھف سے تا آخر کی تکمیل جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے فرمائی چونکہ اس تفسیر کے مرتب دو جلال الدین ہیں اس لئے یہ تفسیر جلالین کے نام مشہور ہوئی۔ جامع اور مختصر ہے، آپ کی کتاب الاتقان فی علوم القرآن سے آج تک استفادہ ہو رہا ہے۔ سیوطی رحمہ اللہ نے ۹۱۱ھ کو قاہرہ میں وصال فرمایا، جلالین کا قلمی نسخہ جو جامی رحمہ اللہ ۸۹۸ھ کے زیر مطالعہ رہا ہے ٹونک میں موجود ہے ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۹۹۴ھ رضا لائبریری رامپور بھارت میں موجود ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ حنفی نے اس کا حاشیہ بہ نام جمالین لکھا۔ یہ تفسیر دینی مدارس میں داخل نصاب ہے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ قرآن عزیز کرتے وقت اس تفسیر کو پیش نظر رکھا۔

۷: شیخ بہاؤالدین باجن رحمہ اللہ

آپ کا تعلق برصغیر کے مشہور شہر برہان پور سے تھا اکابر علماء کاملین و مشاہیر اولیاء میں سے تھے اکیس سال حرمین شریفین میں گزارے۔ ایک منظوم تفسیر لکھی۔ شیخ کی وفات ۹۱۲ھ میں ہوئی۔ سورۃ اخلاص کی منظوم تفسیر درج ہے۔

نہ اُنہ جنیا نہ وہ جایا   نہ اُنا مائی باپ کلایا

نہ اُنہ کوئی گود چڑھایا   باجن سب اُنہ آپ پتایا (بخشا)

پرگٹ ہوا پر کہیں ویٹھا آپ لکایا

۸: قاضی زکریا بن محمد بن احمد الانصاری رحمہ اللہ

آپ نے تفسیر بیضاوی کا حاشیہ بہ نام فتح الجلیل بہ بیان ماخفی انوار التنزیل لکھا متشابہات القرآن پر ''فتح الرحمٰن بکشف مایلتبس من القرآن'' لکھی ناقص نسخہ پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں ہے۔ انتقال ۹۲۶ھ کو ہوا۔

۹: سید عبدالوہاب بخاری رحمہ اللہ

آپ سید جلال بخاری دہلوی رحمہ اللہ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ نے سورۃ الملک کی تفسیر لکھی، اور قرآن عزیز کی ایک مستقل تفسیر بھی لکھی جس کے متعلق علامہ عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''اکملها فی ستته اشهر ویضعة ایام''

اخبار الاخیار میں اس تفسیر کے اکتباسات منقول ہیں۔ ۹۳۲ھ کو دہلی میں وفات پائی، مقبرہ شاہ عبداللہ رحمہ اللہ میں سپرد خاک کیا گیا۔

۱۰: محی الدین محمد بن عمر بن حمزہ رحمہ اللہ

محقق عالم باعمل تھے۔ فقہ حنفی میں مہارت کاملہ کی بناء پر سلطان قاتبائی رحمہ اللہ جان کی درخواست پر فقہ حنفی میں ایک کتاب بہ نام نہایہ لکھی۔ آپ نے کوئی

مستقل تفسیر نہیں لکھی مگر ان کے دور کے علماء کا اتفاق ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے امام التفسیر ہیں۔ ۹۳۸ھ کو وفات ہوئی۔

۱۱: شمس الدین احمد بن سلیمان رحمہ اللہ

ابن کمال کے نام سے مشہور تھے جلیل القدر علماء سے اکتساب فیض کیا۔ سلطنت عثمانیہ کے مفتی اعظم مقرر ہوئے، تصانیف میں سے قرآن عزیز کی ایک مکمل تفسیر بہ نام تفسیر ابن کمال ہے اور ''تفسیر کشاف'' کا حاشیہ بھی ہے ۹۴۰ھ کو وفات ہوئی۔ تفسیر کا قلمی نسخہ حرم شریف مکہ مکرمہ کے کتب خانہ میں موجود ہے جس کا نمبر ۱۹۸ ہے۔ تصانیف تین سو سے زیادہ تھیں۔ آپ نے اپنا کفن تیار رکھا تھا جس پر یہ عبارت لکھی تھی ھی اخر اللباس اس عبارت کے اعداد ابجد کے حساب سے ۹۴۰ بنتے ہیں جو کہ آپ کا سال وفات ہے۔

۱۲: محی الدین محمد قراباغی رحمہ اللہ

علمائے عجم سے علوم حاصل کرنے کے بعد بلاد روم میں اکتساب فیض کیا، دینی کتب پر حواشی و تعلیقات لکھیں، تلویح اور ہدایہ کا حاشیہ لکھا اور تفسیر بیضاوی کا حاشیہ لکھا جبکہ تفسیر کشاف پر جامع تعلیقات مرتب کیں۔ ۹۴۳ھ کو وفات پائی۔

۱۳: اسلام الدین ملا عصام رحمہ اللہ

ہرات کے بلند پایہ عالم تھے۔ شاہ بخارا سے تعلقات تھے۔ تفسیر بیضاوی اور تفسیر مولانا جامی رحمہ اللہ کا حاشیہ لکھا، ۹۴۳ھ میں وفات پائی۔

۱۴: سعد اللہ بن عیسیٰ رحمہ اللہ

سعدی حلبی کے نام سے مشہور تھے ہدایہ کی شرح اور تفسیر بیضاوی کا حاشیہ بھی لکھا، ۹۴۵ھ کو وفات ہوئی۔

۱۵: خیر الدین خضر العطوفی رحمہ اللہ

ہر جمعہ کو قسطنطنیہ کی مختلف جامع مساجد میں درس تفسیر دیا کرتے تھے، مشارق الانوار کی شرح لکھی اور تفسیر کشاف کا حاشیہ بھی لکھا، ۹۴۸ھ کو وفات ہوئی۔

۱۶: محمد بن عبد الرحمٰن البکری شافعی رحمہ اللہ

بچپن ہی سے پڑھنے اور پڑھانے کا شوق تھا، تفسیر قرآن عزیز پر کامل عبور تھا، آپ نے اٹھارہ سال کی عمر میں بہ نام تفسیر الواضح الوجیز فی تفسیر القرآن العزیز لکھی، ۹۵۰ھ کو وفات ہوئی۔

۱۷: محمد بن مصلح الدین الحنفی معروف بہ شیخ زادہ رحمہ اللہ

تفسیر بیضاوی کا کامیاب اور مفصل حاشیہ لکھا، ۹۵۱ھ کو وفات ہوئی۔ حکومت نے آپ کو قاضی مقرر کیا۔ مگر آپ نے بہت جلدی استعفیٰ دے دیا۔ اس وجہ سے کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوتا تھا کہیں اس عہدہ قضاء کی وجہ سے اس شرف سے محروم نہ ہو جائیں مگر استعفاء کے ساتھ ہی زیارت کا شرف ختم ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ ''عہدہ قضاء کے وقت تو اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خدمت زیادہ کرتا تھا (صحیح فیصلے کیا کرتا تھا) جس سے مجھے بہت خوشی ہوتی تھی'' چنانچہ آپ نے دوبارہ عہدہ قضاء قبول کر لیا۔ تفسیر بیضاوی پر آپ کا حاشیہ مستقل چار جلدوں میں اور چھ جلدوں میں چھوٹی تقطیع کے ساتھ مطبوعہ دستیاب ہے۔

۱۸: عصام الدین اسفرائنی رحمہ اللہ

آپ کو اصول فقہ اور تفسیر پر عبور حاصل تھا۔ تفسیر بیضاوی کا حاشیہ بھی بہ نام عصام ہے۔ وفات ۹۴۳ھ یا ۹۵۱ھ یا ۹۴۵ھ میں ہے۔ واللہ اعلم۔ عصام کے قلمی نسخے بانکی پور (بھارت) برلن میں اس کے کامل نسخے موجود ہیں پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں ناقص مخطوطہ ایک نسخہ اعراف تا آخر دار الکتب الظاہریہ دمشق میں بھی ہے۔ ایک قلمی نسخہ مولانا عبد الغفار ڈاکخانہ پیر بخش براستہ شاہنواز بھٹو ضلع لاڑکانہ سندھ کے پاس بھی ہے۔

۱۹: مولانا معین المعروف بہ معین المسکین رحمہ اللہ

ہرات کے جلیل القدر عالم تھے آپ کی تصانیف میں حدائق الحقائق فی کشف الحقائق بھی ہے جو کہ قرآن کریم کی تفسیر ہے، تفسیر کا کچھ حصہ گڑھی افغاناں کے کتب خانہ فاضلیہ کے قلمی حصہ میں موجود ہے۔ مسکین کی وفات ۹۵۴ھ کو ہوئی۔ یہ تفسیر فارسی ہے۔

۲۰: سید رفیع الدین صفوی رحمہ اللہ

اصلی وطن شیراز تھا مگر آپ کے بعض بزرگ حجاز سے آ کر گجرات میں قیام کر کے پھر دلی آ گئے، آپ نے تفسیر معینی لکھی، شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''یہ تفسیر نہایت مختصر مؤثر اور جامع ہے۔ وفات ۹۵۴ھ کو ہوئی۔

۲۱: شیخ بدر الدین محمد العامری رحمہ اللہ

شافعی علماء میں سے تھے تین تفسیریں لکھی ایک نظم اور دو نثر میں تفسیر منظوم ایک لاکھ اسی ہزار اشعار پر مشتمل ہے خلیفہ چلپی رحمہ اللہ نے منظوم تفسیر کی تین جلدیں دیکھیں ہیں۔ انتقال ۹۶۰ھ کو ہوا۔

۲۲: عبد المعطی بن احمد بن محمد السخاوی رحمہ اللہ

فقہ مالکی کے بڑے عالم تھے۔ آپ کی تصانیف میں قرآن کریم کی تفسیر بھی ہے جس کا نام ''فتح الحمید'' ہے اور چھ اسفار میں ہے۔ ۹۶۰ھ تک زندہ تھے۔ تاریخ وفات کا علم نہیں ہو سکا۔

۲۳: شمس الدین محمد رحمہ اللہ

سمرقند کے جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ جامع تفسیر بہ نام صحائف فی التفسیر شروع کی جس کی تکمیل شیخ احمد بن محمود قرامانی رحمہ اللہ نے کی جن کا لقب

اصم تھا۔ وفات ۹۷۱ھ کو ہوئی۔

۲۴: الامام شمس الدین محمد بن محمد الشربینی رحمہ اللہ

قرآن کریم کی ایک تفسیر بہ نام السراج المنیر لکھی جو مصر سے چار جلدوں میں طبع ہو چکی ہے اور نولکشور لکھنؤ سے بھی طبع ہو چکی ہے۔ وفات ۹۷۷ھ کو ہوئی۔

۲۵: محمد مصلح الدین لاری رحمہ اللہ

شافعی مذہب کے جلیل القدر عالم تھے، تفسیر بیضاوی کا حاشیہ لکھا جو کہ لاری کے نام سے مشہور ہے۔ ۹۷۹ھ کو فوت ہوئے۔

۲۶: ابوالسعود محمد بن محمد بن مصطفیٰ رحمہ اللہ

ولادت قسطنطنیہ کے قریب قصبہ آمد میں ہوئی۔ فقہ حنفی اور تفسیر قرآن عزیز میں یکتا روزگار تھے خطیب المفسرین کا لقب ملا تھا سلطان سلیم رحمہ اللہ نے تخت نشینی پر اپنی دستار خلافت کو آپ کے ہاتھ سے مشرف کرایا تھا۔ قرآن عزیز کی ایک تفسیر لکھی جس کا نام ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم ہے۔ یہ تفسیر کشاف اور بیضاوی کی روشنی میں مرتب کی گئی ہے اور سند اور تفسیر کے باب میں معتمد سمجھی جاتی ہے۔ تفسیر کی تکمیل پر سلطان اعیان مملکت کو ساتھ لے کر دیوان خاص کے دروازہ تک آیا اور مفسر کا روزانہ اکرامیہ ۷۰۰ آقچہ (ترکی سکہ) مقرر کیا۔ انتقال ۹۸۲ھ میں ہوا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کر دیئے گئے۔ آپ کی تفسیر عام طور پر ملتی ہے۔

۲۷: شیخ حسن بن محمد گجراتی رحمہ اللہ

تفسیر قرآن کریم میں مہارت تامہ حاصل تھی، ایک تفسیر بہ نام تفسیر محمدی لکھی اور تفسیر بیضاوی کا حاشیہ بھی لکھا، احمد آباد میں ۹۸۲ھ کو وفات پائی۔

۲۸: شیخ بدرالدین محمد المقری رحمہ اللہ

ایک منظوم تفسیر لکھی اور اس کیلئے جامع امویہ دمشق میں تنقیدی مجلس کا اہتمام کیا۔ سلطان رحمہ اللہ نے ملک کے نامور علماء کے سامنے تفسیر کو پیش کیا سب نے تصدیق فرمائی سلطان نے مفسر کو خلعت اور اعزاز و اکرام کیا۔ وفات ۹۸۵ھ کو ہوئی۔

۲۹: محمد بن الشیخ ابی الحسن محمد بن عمر رحمہ اللہ

انسباً صدیقی تھے مسجد حرام، مسجد نبوی اور بیت المقدس میں درس تفسیر اور درس حدیث دیا۔ تصانیف کی تعداد چار سو سے زیادہ ہے۔ تفسیر بہ نام تسہیل السبیل فی فہم معانی التنزیل لکھی اور ۹۹۴ھ کو وفات پائی۔

۳۰: مولانا وجیہہ الدین گجراتی رحمہ اللہ

احمد آباد میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا، تفسیر بیضاوی کا حاشیہ اور مہائمی کی تفسیر پر حاشیہ لکھا، ۹۹۷ھ کو احمد آباد میں فوت ہوئے آپ کے حاشیہ بیضاوی کے دو قلمی نسخوں کا پتہ چلا ایک آصفیہ لائبریری حیدرآباد دکن میں اور ایک نواب صدر یار جنگ کی ذاتی لائبریری میں ہے۔

۳۱: مولانا محمد بن بدرالدین صاروخانی رحمہ اللہ

ترکی کے باذوق علماء میں سے تھے قرآن کریم کی ایک مختصر تفسیر جلالین کی طرز پر لکھی سلطان روم مراد خان رحمہ اللہ کے سامنے پیش کی جس کی سلطان نے قدر افزائی کی تفسیر کا نام تفسیر منشی رکھا آپ کی وفات ۱۰۰۰ھ کو ہوئی۔ واللہ اعلم۔

گیارہویں صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

۱: شیخ مبارک ناگوری رحمہ اللہ

اس دور کے علمی مرکز صوبہ گجرات سے فراغت علوم مروجہ کے بعد بھی دینی کتب کا محققانہ مطالعہ جاری رکھا آخر عمر میں نظر کمزور ہو گئی، اپنی یادداشت پر تفسیر مرتب کروائی جس کا نام منبع نفائس العیون یہ چار جلدوں میں ہے۔ ۱۰۰۱ھ کو آگرہ میں وفات پائی۔

۲: محمد بن بدرالدین رحمہ اللہ

حنفی مسلک کے محقق عالم تھے۔ ایک تفسیر جلالین کے طرز پر لکھی جس کا نام تنزیل التنزیل ہے۔ مدینہ منورہ میں ۱۰۰۱ھ کو وفات پائی۔

۳: علامہ ابوالفضل فیضی بن مبارک ناگوری رحمہ اللہ

آپ کو کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا، ذاتی کتب خانے میں ۴۳۰۰ کتابیں تھیں، ایک تفسیر حروف بے نقاط میں لکھی جس کا نام سواطع الالہام رکھا، یہ کام اس لحاظ سے قابل قدر ہے کہ بے نقاط حروف میں سارے قرآن عزیز کی تفسیر کرنے کا شرف برصغیر کو ہی حاصل ہوا، ترتیب اور تالیف میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ سے بھی اصلاح کرائی۔ ۱۰۰۴ھ کو وفات پائی، یہ تفسیر عام ملتی ہے۔ آپ پر اعتراض کیا گیا کہ بے نقاط حروف میں تفسیر لکھنا بدعت ہے تو آپ نے جواب دیا کلمہ طیبہ کے بھی سب حروف بے نقاط ہیں۔

۴: طاہر بن یوسف سندھی رحمہ اللہ

قصبہ پاتری میں ولادت ہوئی، علمی مرکز گجرات میں تحصیل علم کیلئے گئے غوث محمد گوالیاری رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے، برہان پورا قامت اختیار فرمائی تفسیر مدارک کا اختصار لکھا اور تصوف کے رنگ میں تفسیر بھی لکھی جس کا نام مجمع البحرین ہے۔ ۱۰۰۴ھ کو برہان پور میں ہی وفات پائی۔

۵: مولانا عثمان سندھی رحمہ اللہ

قصبہ سیوستان میں پیدا ہوئے متواتر ۴۱ سال بہت کم غذا پر گزارہ کیا، بخاری شریف کی شرح لکھی اور بیضاوی کا کامیاب حاشیہ لکھا۔ ۱۰۰۸ھ کو شہید ہو گئے۔

۶: شیخ منور الدین بن عبد الحمید رحمہ اللہ

شہر لاہور میں تجوید وقرأت کا کاملین میں شمار ہوتے تھے قرأت سبعہ میں تلاوت فرمایا کرتے تھے، اکبر کی مخالفت کی اور حق کی سزا گوئی میں گوالیار کے قلعہ میں پانچ سال تک نظر بند رہے، ایک تفسیر لکھی جس کا نام تفسیر الدر المنتظم فی ترتیب الآیہ وسور القرآن الکریم ہے علامہ دولت آبادی کی تفسیر فارسی بحر مواج کا عربی زبان میں ترجمہ فرمایا۔۱۰۱۱ھ کو لاہور وفات پائی وہیں دفن ہوئے۔

۷: علی بن سلطان ملا علی قاری رحمہ اللہ

ہرات میں پیدا ہوئے بعد میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے وہیں اقامت اختیار کرلی، صوفی کامل عظیم محدث اور مفسر تھے فقہ حنفی کے ممتاز علماء میں سے تھے مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ جلالین کا حاشیہ بہ نام جمالین لکھا تفسیر بھی بہ نام انوار القرآن لکھی جس کا مخطوطہ کتب خانہ حرم مکہ مکرمہ میں موجود ہے، اس کا نمبر ۲۵۲ ہے۔۱۰۱۴ھ کو مکہ مکرمہ میں انتقال فرمایا۔

۸: مولانا صبغۃ اللہ بن روح اللہ الحسینی رحمہ اللہ

گجرات سے تحصیل علم کو مکہ مدینہ منورہ گئے ساری زندگی احد پہاڑ پر مقیم رہے ہزار ہا علماء نے آپ سے استفادہ کیا، تفسیر بیضاوی کا حاشیہ لکھا جو بلا د روم تک مقبول ہوا ۱۰۱۵ھ کو وفات پائی جنت البقیع میں خلد آشیان ہوگئے۔

۹: نظام الدین بن عبد الشکور رحمہ اللہ

اپنے چچا جلال الدین تھانیسری رحمہ اللہ سے علوم دینیہ حاصل کئے پھر حجاز گئے تیرہ سال بعد لوٹے جہانگیر کو آپ سے عقیدت تھی، بعد میں جب آپ یہاں سے ملک بدر ہو کر بلخ پہنچے تو سلطان بلخ امام قلی از بک کو آپ سے ... آپ کی تصانیف میں عراقی کی لمعات کی شرح اور جامع تفسیر بہ نام تفسیر نظامی ہے۔۱۰۲۴ھ یا ۱۰۳۶ھ کو بلخ میں انتقال ہوا۔

۱۰: نواب مرتضیٰ احمد بخاری رحمہ اللہ

اکبر اور جہانگیر رحمہ اللہ کے گورنر رہے، علماء کے قدردان اور سخی تھے شیخ زین الدین شیرازی رحمہ اللہ سے قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھوائی جو فارسی زبان میں بہ نام تفسیر مرتضوی ہے، وفات ۱۰۲۵ھ کو ہوئی۔

۱۱: شیخ عیسیٰ بن قاسم سندی رحمہ اللہ

سیہون میں ۹۶۲ھ کو پیدا ہوئے، ہجرت کر کے گجرات کے مرکز احمد آباد میں مقیم ہوگئے وہاں کے علماء سے اکتساب فیض کیا، غوث محمد گوالیاری رحمہ اللہ سے شرف بیعت ہوا، قواعد تفسیر کے متعلق الفتح المحمدی لکھی مبسوط تفسیر بھی بہ نام انوار الاسرار فی حقائق القرآن لکھی۔۱۰۳۱ھ کو برہان پور میں فوت ہوئے۔

۱۲: شیخ علی بن محمد رحمہ اللہ

یمن میں ۹۵۰ھ کو پیدا ہوئے، شیخ یمن الشیخ الامین رحمہ اللہ سے استفادہ علوم کیا، ان کے دادا ابراہیم بن ابی القاسم رحمہ اللہ نے قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھنی شروع کی تھی، شیخ علی رحمہ اللہ نے اس تفسیر کی تکمیل فرمائی، ۱۰۴۱ھ کو فوت ہوئے۔

۱۳: قاضی مظہر بن النعمان رحمہ اللہ

یمن کے قصبہ کی وجہ سے ضمدی کہلائے شافعی تھے علوم اسلامیہ میں اچھی مہارت تھی، ایک تفسیر لکھی جس کا نام القرات الثمیر فی تفسیر القرآن المنیر ہے۔ وفات ۱۰۴۹ھ کو ہوئی۔

۱۴: شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ

ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر علمائے وراء النہر سے استفادہ کیا، پھر حجاز گئے وہاں کنز العمال کے مؤلف اور دوسرے علماء حجاز سے اکتساب فیض کے بعد وطن لوٹے اور خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ نقشبندی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور درس حدیث میں مشغول ہوگئے محدث دہلوی رحمہ اللہ کا لقب پایا، بخاری شریف کے حواشی اور شروح مدارج النبوۃ آپ کے علمی کمالات کا مظہر ہیں، تصانیف سو سے زیادہ ہے، تعلیق الحادی علی تفسیر البیضاوی کی خامیوں پر عالمانہ تبصرہ فرمایا ہے، اردو زبان میں ترجمہ بھی کیا یہ ترجمہ کلکتہ سے ۱۲۴۵ھ مطابق ۱۸۸۳ھ طبع ہو چکا ہے۔انتقال ۱۰۵۲ھ کو ہوا اور دہلی میں دفن کر دیئے گئے۔

۱۵: مولانا سید محمد رضوی رحمہ اللہ

شاہ عالم بخاری کی اولاد سے تھے۔ فضل وکمال اسلاف کی اچھی یادگار تھے، شاہی ملازمت حاصل نہ کی، جہانگیر رحمہ اللہ جب گجرات آیا تو آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا، درخواست کی کہ قرآن عزیز کا ترجمہ فارسی زبان میں کریں، فارسی میں نہایت عمدہ ترجمہ کیا، وفات ۱۰۵۴ھ کو ہوئی، گڑھی افغانان متصل واہ آرڈیننس فیکٹریز میں کتب خانہ سید محمد فاضل رحمہ اللہ فارسی ترجمہ کا ایک حصہ موجود ہے، دو مہریں ثبت ہیں، ایک مہر سید علی کے نام کی اور ایک جہانگیر کی۔

۱۶: شیخ محمد علی بن محمد البکری الشافعی رحمہ اللہ

ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی، وہاں کے علماء کرام سے استفادہ کیا، آپ کو امام سیوطی رحمہ اللہ کا ہم پلہ سمجھا جاتا تھا۔ ۱۰۳۹ھ میں بیت اللہ کی تعمیر کو نقصان پہنچا، اور دوبارہ تعمیر شروع ہوئی تو دوران تعمیر بیت اللہ کے اندر بخاری شریف کا ختم فرمایا، زیارت سے مشرف ہوئے، آپ نے ریاض الصالحین کی بہترین شرح دلیل الصالحین لکھی جو چار جلد میں طبع ہو چکی ہے، ایک تفسیر بھی بہ نام ضیاء السبیل الی معالم التنزیل لکھی۔ ۱۰۵۷ھ کو مکہ مکرمہ فوت ہوئے، ابن حجر مکی کے پہلو میں دفن ہوئے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

۱۷: شیخ محب اللہ الہ آبادی رحمہ اللہ

سلسلہ چشتیہ قادریہ میں شیخ ابو سعید گنگوہی رحمہ اللہ سے خلافت حاصل تھی،

قرآن مجید کی تفسیر بھی بہ نام ترجمۃ الکتاب لکھی اور حاشیہ بھی بہ نام ترجمۃ القرآن لکھا ۱۰۵۸ھ میں الہ آباد میں انتقال ہوا۔

۱۸: میر محمد ہاشم بن محمد قاسم گیلانی رحمہ اللہ

ولادت اسفرائن میں ہوئی مگر آپ ہندوستان آ کر احمد آباد میں مقیم ہو گئے شاہ جہان رحمہ اللہ نے آپ کو اورنگ زیب رحمہ اللہ کا استاد مقرر کر دیا، بیضاوی کا حاشیہ لکھا اور اسے شاہ جہان رحمہ اللہ کے نام سے معنون کیا، ۱۰۶۱ھ میں انتقال ہوا۔

۱۹: عبدالحکیم بن مولانا شمس الدین سیال کوٹی رحمہ اللہ

شاہ جہان رحمہ اللہ نے آپ کو دو دفعہ چاندی میں تولا اور وہ چاندی اور کئی قصبات آپ کے نام بطور جاگیر کر دیئے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز نے آپ کو آفتاب پنجاب کا خطاب دیا تھا، آپ کے علوم کی قدر و منزلت دیار عرب میں بھی کی جاتی ہے، بیضاوی کا حاشیہ دستیاب ہے اس کا قلمی نسخہ مکتوبہ ۱۰۹۴ھ کتب خانہ فاضلیہ گڑھی افغاناں میں موجود ہے، وفات ۱۰۶۷ھ کو سیالکوٹ میں ہوئی۔

۲۰: سید محمد بن الحسین رحمہ اللہ

آپ کے دادا رحمہ اللہ نے قرآن کریم کی تفسیر آیات الاحکام لکھی تھی سید محمد رحمہ اللہ نے اس کی شرح بہ نام منتہی المرام شرح آیات الاحکام لکھی، وفات صنعاء یمن میں ۱۰۶۷ھ کو ہوئی۔

۲۱: شہاب الدین احمد خفاجی رحمہ اللہ

قسطنطنیہ کے علماء کرام سے اکتساب فیض کیا، مصر کی حکومت نے آپ کو لشکر کا قاضی مقرر کیا، جملہ علوم وفنون اسلامیہ میں یکتا تھے، بیضاوی کا مفصل حاشیہ بیضاوی کی پینتیس شروح کو پیش نظر رکھ کر کیا، جواب بھی دستیاب ہے، وفات ۱۰۷۰ھ کو قاہرہ میں ہوئی۔

۲۲: شیخ نعمت اللہ فیروز پوری رحمہ اللہ

ایک تفسیر جلالین کی طرز پر لکھی اور قرآن عزیز کا فارسی زبان میں ترجمہ بھی لکھا جس کا نام تفسیر جہانگیری رکھا اورنگ زیب رحمہ اللہ بھی آپ کا قدر دان تھا ۱۰۷۲ھ میں فیروز پور میں وفات ہوئی۔

۲۳: خواجہ معین الدین کشمیری رحمہ اللہ

آپ کے والد مشائخ نقشبندیہ رحمہ اللہ میں سے تھے، بخارا سے کشمیر پھر شاہ جہان رحمہ اللہ کی درخواست پر لاہور میں اقامت اختیار کر لی تھی اور یہیں ۱۰۵۲ھ کو وفات پائی، آپ نے ابتدائی علوم والد صاحب سے پڑھے مگر تکمیل حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ سے کی دین کی اشاعت اور تدریس علمی اور دینی مسائل میں مرجع خلائق تھے آپ کے فتاوی کا مجموعہ بہ نام فتاوی نقشبندیہ ہے، آپ کی ایک تفسیر زبدۃ التفاسیر ہے جس کا ایک قلمی نسخہ سعیدی لائبریری ٹونک (بھارت) ہے۔ قلمی نسخہ ۱۰۶۹ھ کا محررہ ہے کتب خانہ پنجاب یونیورسٹی میں ہے۔ دوسری تفسیر بہ نام شرح القرآن بھی ہے جو فارسی میں ہے اس کا ایک نسخہ سعیدیہ لائبریری ٹونک میں ہے، کرم خوردہ نسخہ حضرت محمد زاہد الحسینی کی ذاتی لائبریری اٹک میں موجود ہے، وفات ۱۹۸۵ھ میں ہوئی۔

۲۴: شیخ جعفر بن جلال گجراتی رحمہ اللہ

آپ نے علم تفسیر میں کئی رسائل لکھے اور آپ پورا قرآن مجید صرف ۵۴ ساعات میں لکھ لیا کرتے تھے ۱۰۸۵ھ کو وفات ہوئی۔

۲۵: شیخ یعقوب صرفی رحمہ اللہ

آپ کی لکھی ہوئی قرآن حکیم کی تفسیر عربی میں ہے، مخطوطہ ۱۰۱۷ مخطوطات شیرانی میں موجود ہے ۱۰۸۵ھ میں وفات ہوئی۔

۲۶: مولانا یعقوب بنانی

شاہ جہان دور میں لاہور میں پیدا ہوئے بخاری شریف کی شرح بہ نام خیر جاری لکھی اور تفسیر بیضاوی کا مفصل حاشیہ لکھا، جس کا مکمل نسخہ دو جلدوں میں محررہ ۱۲۷۵ھ کتب خانہ فاضلیہ گڑھی افغاناں میں موجود ہے، وفات ۱۰۹۰ھ کو ہوئی۔

۲۷: اسمٰعیل بن محمد بن قونوی رحمہ اللہ

ترکی کے مشہور شہر قونیہ میں پیدا ہوئے تفسیر بیضاوی کا عظیم حاشیہ لکھا جو سات جلدوں میں مطبع عامرہ سے شائع ہو چکا ہے قلمی نسخہ مکتوبہ ۱۱۹۴ھ کتب خانہ فاضلیہ میں موجود ہے، وفات ۱۰۹۵ھ میں ہوئی۔

۲۸: شیخ عبدالواجد بن کمال الدین رحمہ اللہ

بھارت کے شہر سنبھل میں پیدا ہوئے کافی عرصہ حجاز میں علوم اسلامیہ کی خدمت کی، پھر وطن لوٹ آئے، قرآن عزیز کی فارسی میں ایک تفسیر لکھی سنبھل ہی میں وفات پائی۔

۲۹: سید عبداللہ بن احمد اشرفی رحمہ اللہ

آپ کو علم وعمل کی دولت عطاء ہوئی تھی، تفسیر بہ نام المصابیح الساطعۃ الانوار المجموعۃ من تفسیر الائمۃ الکبار لکھی اس میں یہ جدت کی کہ تفسیر کی ابتداء آخری پارہ سے کی، گیارہویں صدی ہجری میں وفات پائی۔

بارہویں صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

۱: خضر بن عطاء رحمہ اللہ

موصل سے مکہ مکرمہ میں آ کر تدریس کی علوم اسلامیہ اصول وتفسیر میں مہارت رکھتے تھے، تفسیر کشاف اور تفسیر بیضاوی میں ذکر شدہ علمی ولغوی مسائل

کے شواہد کی شرح لکھی ۱۱۰۷ھ کو فوت ہوئے۔

۲: شیخ محمد بن جعفر رحمہ اللہ

گجرات میں ۱۰۴۷ھ میں پیدا ہوئے، احمد آباد میں اقامت اختیار کی، قرآن مجید کی ایک تفسیر فارسی بروایت اہل بیت لکھی اور ایک مختصر تفسیر بزبان عربی جلالین کی طرز پر لکھی احمد آباد ہی میں ۱۱۱۱ھ کو فوت ہوئے۔

۳: نعمت خان رحمہ اللہ

دور عالمگیری کے محقق عالم تھے، قرآن عزیز کی ایک تفسیر فارسی میں لکھی جس کا نام نعمت عظمیٰ رکھا، وفات ۱۱۲۱ھ کو ہوئی، مشکوٰۃ شریف کی ایک شرح بہ نام زینۃ المشکوٰۃ بھی لکھی ہے۔

۴: شیخ جمال الدین ولد رکن الدین رحمہ اللہ

احمد آباد میں پیدا ہوئے آپ کی تصانیف کی تعداد ۱۴۲ ہے، حاشیہ تفسیر مدارک، حاشیہ بیضاوی، حاشیہ تفسیر محمدی، حاشیہ تفسیر حسینی اور دو تفاسیر خود بھی لکھی ہیں ایک مختصر اور ایک مفصل جس کا نام تفسیر نصیری ہے، ۱۱۳۴ھ میں وفات ہوئی۔

۵: علامہ غلام نقشبندی عطاء اللہ رحمہ اللہ

قرآن کریم کے ربع اول کی تفسیر بہ نام تفسیر الانوار لکھی، سورۃ الاعراف کی مستقل تفسیر بھی لکھی، ۱۱۲۶ھ کو وفات ہوئی۔

۶: ملاجیون

اصلی نام شیخ احمد رحمہ اللہ تھا، المعروف صالحی جی اورنگ زیب عالمگیر نے آپ سے کئی دینی کتابیں پڑھیں، دہلی میں وفات ہوئی، تفسیر احمدی کا اُردو میں ترجمہ کتب خانہ سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ حیدر آباد دکن مخطوطہ ہے، اس کا نمبر کتب خانہ نمبر ۱۵۸ ہے اور اب طبع بھی ہو گیا ہے۔

۷: امان اللہ بن نور اللہ حنفی رحمہ اللہ

اورنگ زیب رحمہ اللہ نے آپ کو حلقہ لکھنؤ کا صدر مقرر کر دیا تھا، تفسیر بیضاوی کا حاشیہ لکھا ۱۱۳۳ھ میں انتقال فرمایا۔

۸: مفتی شرف الدین رحمہ اللہ

زمانہ عالمگیری میں دربار سلطانی کے مقرب تھے تفسیر بیضاوی کا کامیاب حاشیہ لکھا، ۱۱۳۳ھ کو وفات ہوئی۔

۹: شیخ عارف اسمٰعیل حنفی بروسی رحمہ اللہ

مستقل مفصل تفسیر بہ نام روح البیان لکھی جو دس جلدوں میں کئی بار طبع ہو چکی ہے، واعظانہ اور ناصحانہ طرز اختیار فرمائی ہے، انتقال ۱۱۳۷ھ کو ہوا۔

۱۰: شیخ فتح محمد رحمہ اللہ

الہ آباد کے قریب بستی سیدانہ میں پیدا ہوئے، تفسیر محمدی لکھی اور ایک تفسیر تصوف کے مسائل پر بھی لکھی ۱۱۴۳ھ کو فوت ہوئے۔

۱۱: شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی رحمہ اللہ

دہلی میں ولادت ہوئی، طلب علم کیلئے حجاز مقدس میں رہے پھر دہلی میں مصروف درس ہو گئے، تفسیر القرآن بالقرآن لکھی ۱۱۲۵ھ کو تکمیل ہوئی، اس کے آخر میں تحریر فرمایا "کنت استمد من البیضاوی والمدارک والجلالین والحسینی "اس تفسیر کا قلمی کامل نسخہ محررہ ۱۲۶۸ھ کتب خانہ فاضلیہ گڑھی افغاناں میں موجود ہے، وفات دہلی ہی میں ۱۱۴۳ھ کو ہوئی۔

۱۲: سید عبدالغنی نابلسی حنفی رحمہ اللہ

آپ نے عراق اور مصر کے علماء کرام سے استفادہ کیا، آپ کا درس تفسیر بیضاوی مشہور تھا آپ نے اس تفسیر کی ایک شرح لکھی جس کا نام التحریر الحاوی شرح تفسیر البیضاوی ہے، دمشق میں ۱۱۴۳ھ کو انتقال فرمایا آپ کی تصانیف میں مفید ترین معلوماتی کتاب بہ نام ذخائر المواریث فی الدلالتہ علی مواضع الحدیث چار جلدوں میں ہے جو کہ مطبوعہ ہے۔

۱۳: شیخ محمد طاہر رحمہ اللہ

آپ کا حافظہ بے نظیر تھا، تفسیر بیضاوی کا کامیاب حاشیہ لکھا ۱۱۴۳ھ میں وفات پائی، ایک تفسیر بہ نام ثواقب التنزیل لکھی جو حجم اور طرز تفسیر میں جلالین کی طرح ہے۔ وفات ۱۱۴۶ھ کو ہوئی۔

۱۴: مولانا محمد حکم بریلوی رحمہ اللہ

ولادت بریلی میں ہوئی، محقق عالم باعمل اور مدرس تھے، قرآن عزیز کی دو تفسیریں لکھیں ایک عربی زبان میں ہے جس کا نام محکم التنزیل ہے ایک فارسی زبان میں ہے جسکا نام الحسنیٰ ہے وفات ۱۱۵۰ھ کو ہوئی۔

۱۵: شاہ محمد غوث پشاوری ثم لاہوری رحمہ اللہ

آپ جامع شریعت وطریقت عالم تھے، قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ اور حاشیہ بھی ہے آپ کی وفات ۱۱۵۲ھ کو لاہور میں ہوئی، قلمی ترجمہ اور حاشیہ مولوی نور محمد سرحدی رحمہ اللہ کے کتب خانہ پشاور میں موجود ہے۔

۱۶: مولانا نور الدین احمد آبادی رحمہ اللہ

گجرات کے صدر اکرم الدین رحمہ اللہ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار روپیہ سے آپ کیلئے ایک عالی شان مدرسہ تعمیر کرایا تھا، آپ کی تصانیف کی تعداد ڈیڑھ سو ہے قرآن مجید کی ایک تفسیر بھی ہے ۱۱۵۵ھ کو احمد آباد میں فوت ہوئے۔

۱۷: مولانا عابد لاہوری رحمہ اللہ

آپ محمد شاہ کے دور حکومت کے عالم باعمل زاہد اور متقی تھے، تفسیر کا باقاعدہ درس دیا کرتے تھے آپ کی تصانیف میں تفسیر بیضاوی کا حاشیہ ہے اور ایک

مستقل تفسیر بھی لکھی۔۱۱۶۰ھ کو فوت ہو گئے۔

۱۸: شیخ محمد ناصر الہ آبادی رحمہ اللہ

آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں ایک تفسیر احکام القرآن ہے آپ کی وفات ۱۱۶۳ھ کو ہوئی۔

۱۹: شیخ ولی اللہ مجددی رحمہ اللہ

حضرت محمد سعید مجددی سرہندی رحمہ اللہ کے پوتے تھے اور کوٹلہ فیروز شاہ میں مقیم تھے، تصوف میں راسخ قدم ہونے کے علاوہ صاحب علم تھے قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی لکھی۔کوٹلہ ہی میں ۱۱۶۶ھ کو وفات پائی۔

۲۰: سید محمد وارث بنارسی رحمہ اللہ

عالمگیر رحمہ اللہ کے زمانہ میں بنارس کے قاضی تھے، داہنی ہتھیلی پر جھلی کے نیچے سبز کلمات سید دو عالم ﷺ کا اسم گرامی لکھا ہوا تھا ہر شخص بہ آسانی پڑھ سکتا تھا بدن سے ہر وقت خوشبو آتی تھی لقب رسول نما تھا، شرح وقایہ کا حاشیہ اور قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھی، وفات ۱۱۶۶ھ کو ہوئی۔

۲۱: مخدوم عبد اللہ رحمہ اللہ

مرجع خلائق تھے وعظ و بیان بھی فرماتے تھے صاحب قلم بھی تھے تصانیف کی تعداد ڈیڑھ سو تک ہے، قرآن مجید کی تفسیر سندھی زبان میں کی جس کا نام تفسیر ہاشمی ہے۔بمبئی سے ۱۳۳۰ھ کو طبع ہو چکی ہے وفات ۱۱۷۴ھ کو ہوئی۔

۲۲: شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم دہلوی رحمہ اللہ

آپ گوہر یکتا حجۃ اللہ فی الارض ہیں، اسم گرامی قطب الدین رکھا گیا، حجاز مقدس میں قیام رہا شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم الکردی رحمہ اللہ المدنی سے سند حدیث حاصل کی، وطن تشریف لا کر تدریس اور اشاعت علوم اسلامیہ فرمائی حضرت مظہر جانجاناں نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام کرۂ ارض کی سیر مثل کف دست کرائی میں نے اپنے زمانہ میں شاہ ولی اللہ جیسا کوئی نہیں پایا"۔حضوری کا شرف حاصل تھا جس کا ذکر آپ کی کتاب فیوض الحرمین اور الدر الثمین میں موجود ہے، قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ لکھا اور حاشیہ پر تفسیری نوٹ بھی فارسی میں لکھے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی مستقل تفاسیر بھی لکھیں آپ کا وصال ۱۱۷۶ھ کو ہوا مزار پر انوار دہلی میں ہے۔

۲۳: مولانا رستم علی قنوجی رحمہ اللہ

علوم قرآن سے خاص شغف تھا، جلالین کی طرز پر قرآن عزیز کی ایک تفسیر بہ نام تفسیر صغیر لکھی بریلی میں ۱۱۷۸ھ کو انتقال ہوا۔

۲۴: شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی رحمہ اللہ

صرف پارہ عم کی تفسیر لکھی ہے زیادہ قبولیت حاصل ہوئی، اردو میں قرآن کریم کا یہ ترجمہ سب سے زیادہ قدیم ہے کلکتہ میں طبع ہوا جس کا ایک نسخہ ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد دکن میں موجود ہے۔۱۲۶۰ھ میں کلکتہ سے طبع ہوا۔وفات ۱۱۸۴ھ کو ہوئی۔

۲۵: الشیخ الکبیر اہل اللہ بن شاہ عبد الرحیم رحمہ اللہ

آپ نے علوم اسلامیہ اپنے بڑے بھائی شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے پڑھے، قرآنی علوم کے ساتھ خاص لگاؤ تھا، طب میں مہارت تھی، آپ کی چند تصانیف میں سے ایک قرآن عزیز کی ایک مختصر مگر جامع تفسیر بھی ہے ۱۱۸۷ھ کو انتقال فرمایا۔

۲۶: قاضی احمد بن صالح صنعانی رحمہ اللہ

آپ کو تفسیر قرآن عزیز میں مہارت حاصل تھی، تفسیر کشاف کا کامیاب حاشیہ لکھا ۱۱۹۱ھ کو وفات پائی۔

۲۷: سید علی بن صلاح الدین الحسینی رحمہ اللہ

آپ کی کئی تصانیف ہیں جن میں سے **درر الاصداف المنتقاۃ من سلک جواھر الاسعاف** بھی ہے جو کہ بیضوی اور کشاف میں ذکر شدہ عربی محاورات اور استدلالی اشعار کی شرح ہے، مفسر کی وفات صنعاء یمن میں ۱۱۹۱ھ کو ہوئی۔

۲۸: شاہ غلام مرتضیٰ بن شاہ محمد تیمور الہ آبادی رحمہ اللہ

آپ نے قرآن مجید کا منظوم ترجمہ کیا، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لاہور موجود ہے، اس کی تالیف ۱۱۹۴ھ میں ہوئی تفسیر مرتضوی بھی واللہ اعلم۔

جیسا کہ مؤلف کے شعر سے واضح ہے

دل لگا کہنے بوقت اختتام
اس کا رکھ تفسیر مرتضوی تو نام

۲۹: علی بن محمد دمشقی رحمہ اللہ

سلیمی کے نام سے مشہور تھے شیخ عمر رومی نے تفسیر بیضاوی کی شرح لکھنی شروع کی اسراء تک پہنچی تکمیل سلیمی نے کی ۱۲۰۰ھ میں وفات پائی رحمۃ اللہ علیہم۔

تیرہویں صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

۱: منعم خان رحمہ اللہ

مراد آباد کے عالم دین تھے، فارسی میں تفسیر لکھی ۱۲۰۱ھ کو وفات ہوئی۔

۲: مولانا وحید الحق پھلواری رحمہ اللہ

آپ تحریک آزادی کے مجاہدین علماء میں سے تھے آپ نے تفسیر میں بیضاوی شریف کی تعلیقات لکھیں۔۱۲۰۱ھ کو وفات پائی۔

۳: سلیمان بن عمر بن منصور الازہری رحمہ اللہ

آپ جمل کے لقب سے مشہور تھے۔جلیل القدر علماء میں سے تھے، تفسیر جلالین

کا جامع حاشیہ لکھا جو جمل ہی کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ وفات ۱۲۰۴ھ کو ہوئی۔

۴: **محمد بن عبد الوہاب** رحمہ اللہ

حنبلی مذہب کے مشہور عالم تھے۔ ۱۲۰۶ھ کو وفات پائی، قرآنیات پر آپ کی تصانیف میں استنباط القرآن اور تفسیر القرآن ہے۔

۵: **شاہ حقانی** رحمہ اللہ

مارہرہ سے آپ کا تعلق تھا اشاعت علوم قرآن کا خاص شوق تھا، تفسیر بہ نام تفسیر حقانی لکھی ۱۲۰۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

۶: **ملا محمد سعید گند سو دویم** رحمہ اللہ

کشمیر کے مشہور علماء میں سے ہیں آپ کو حدیث اور تفسیر کے ساتھ خصوصی تعلق تھا صحیح بخاری پوری یاد تھی، قرآن عزیز کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا جس کا نام مفاتیح البرکات ہے ۱۲۰۸ھ میں وفات پائی۔

۷: **عبد الصمد بن عبد الوہاب** رحمہ اللہ

ارکاٹ شاہی خاندان میں ہونے کے باوجود قرآن کے ساتھ تعلق تھا، دکھنی زبان میں قرآن عزیز کی تفسیر چار جلدوں میں لکھی، نام اپنے باپ کی نسبت سے تفسیر وہابی رکھا، مقدمہ میں وجہ تالیف یوں بیان فرمائی، عربی اور فارسی میں بہت ساری تفسیریں ہیں لیکن دکھنی میں نہیں، تفسیر کا اختتام ۱۱۸۷ھ کو ہوا۔

۸: **شیخ اسلم بن یحییٰ بن معین کشمیری** رحمہ اللہ

ملا محب اللہ اور شیخ عبد الغنی جیسے جلیل القدر علماء آپ کے حلقہ درس سے پیدا ہوئے فقہ کی مشہور کتاب جامع صغیر اور الاشباہ والنظائر پر تعلیقات لکھیں، تفسیر جلالین پر جامع تعلیقات مرتب کیں، ۱۲۱۲ھ کو فوت ہوئے۔

۹: **السید علی بن ابراہیم بن محمد** رحمہ اللہ

آپ کی تصانیف میں مفاتیح الرضوان فی تفسیر القرآن بالقرآن ہے ضخیم جلد میں ہے وفات ۱۲۱۳ھ کو ہوئی۔

۱۰: **حکیم محمد شریف خان دہلوی** رحمہ اللہ

حکمت وطب کے علاوہ علوم عقلیہ اور نقلیہ میں بھی ممتاز مقام رکھتے تھے منطق کی بلند پایہ کتاب حمد اللہ کا حاشیہ لکھا، قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی اُردو اور فارسی زبان میں لکھی دہلی میں ۱۲۲۲ھ کو وفات پائی۔

۱۱: **قاضی ثناء اللہ پانی پتی** رحمہ اللہ

مرزا مظہر جانجاناں دہلوی قدس سرہ العزیز سے مجاز طریقت ہوئے، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے آپ کو بیہقی وقت کا خطاب دیا تھا، ایک جامع تفسیر عربی زبان میں لکھی جس کا نام اپنے شیخ کی نسبت سے تفسیر مظہری رکھا جو سات جلدوں میں کئی بار طبع ہو چکی ہے، ندوۃ المصنفین دہلی نے اس تفسیر کا اُردو زبان میں ترجمہ کر دیا۔ وفات ۱۲۲۵ھ کو ہوئی۔

۱۲: **مولانا سلام الدین فخر الدین دہلوی** رحمہ اللہ

حضرت عبد الحق محدث دہلوی کی اولاد تھے جلالین کا حاشیہ کمالین ہے ۱۲۲۹ھ کو فوت ہوئے۔

۱۳: **شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہما**

آپ کی تربیت حضرت شاہ عبد العزیز نے فرمائی، خواب دیکھا کہ آپ پر قرآن عزیز کا نزول ہو رہا ہے، تعبیر یہ ظاہر ہوئی کہ قرآن عزیز کی بے نظیر خدمت کی اور تفسیر موضح قرآن لکھی، انور شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں تمام تفاسیر کی موجودگی میں بھی ہم تفسیر موضح قرآن سے مستغنی نہیں، سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ ترجمہ اور تفسیر بے مثل ہے وفات ۱۲۳۰ھ کو دہلی میں ہوئی، ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری کے شیرانی سیکشن میں موجود ہے، جو کہ ۱۲۴۹ھ کا مخطوطہ نمبر ۱۹۰۱ھ ہے۔

۱۴: **سراج الہند شاہ عبد العزیز بن شاہ ولی اللہ دہلوی** رحمہ اللہ

آپ نے پورے قرآن مجید کی تفسیر لکھی مگر اکثر جنگ آزادی میں تلف ہوگئی، مولوی حیدر علی آپ کے آخری عمر کے مستفیضوں میں سے تھے، انہوں نے تفسیر مذکور کا تکملہ ستائیس جلدوں میں کیا جو کہ بہت خوب لکھا ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے نعتیہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

فمن لی بعد ماوھنت عظامی	اذا اشتد البلاء سواک حامی
وان اک ظالما عظمت ذنوبی	فحبک سیدی ماحی الا ثام
فقد اعطیت مالم یعط احد	علیک صلوۃ ربک بالسلام

۱۲۳۹ھ کو وصال فرمایا، شیخ فرید الدین مراد آبادی رحمہ اللہ م ۱۲۲۳ھ نے شاہ صاحب کے تفسیری ارشادات کو ایک کتاب میں جمع کر دیا جس کا نام الافادات العزیزیہ ہے۔

۱۵: **احمد بن محمد صادی مالکی** رحمہ اللہ

"تفسیر جلالین" کا کامیاب حاشیہ لکھا جو چاروں جلدوں میں مطبوعہ ہے، پہلی دفعہ مصر سے طبع ہوا۔ انتقال ۱۲۴۱ھ کو ہوا۔

۱۶: **مولانا محمد اشرف لکھنوی**

حضرت سید احمد بریلوی رحمہ اللہ کے مرید خاص تھے قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی لکھی ۱۲۴۴ھ کو فوت ہوئے۔

۱۷: **شاہ عزیز الدین قادری نقشبندی** رحمہ اللہ

وطن اورنگ آباد تھا، قرآن کریم کی ایک تفسیر بہ نام چراغ ابدی لکھی جو صرف پارہ عم اور سورۂ فاتحہ پر مشتمل ہے اس کے تین نسخے حیدر آباد دکن کے

کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہیں، تفسیر کی تکمیل ۱۲۴۶ھ ہے۔

۱۸: مولوی ولی اللہ بن مفتی سید احمد علی حسینی رحمہ اللہ

جامع معقولات والمنقولات عالم تھے شعروشاعری بھی فرمایا کرتے تھے قرآن عزیز کی ایک تفسیر فارسی نظم میں لکھی ہے جس کا نام نظم الجواہر ہے اس کے آخر میں طبقات المفسرین کا ذکر بھی فرمایا تین جلد ہیں۔ وفات ۱۲۴۹ھ میں ہوئی۔

۱۹: حضرت شاہ رفیع الدین قدس سرہٗ

دینی علوم میں یکتائے روزگار تھے، جامع اور مکمل ترجمہ سب سے پہلے آپ ہی نے فرمایا جو ۱۲۰۰ھ میں تکمیل ہوا، مقبول اور مستند ایک تفسیر بھی لکھی ہے جو کہ تفسیر رفیعی کے نام سے ہے، انتقال ۱۲۴۹ھ کو ہوا، ۱۲۷۲ھ۔۱۸۵۵ء میں طبع ہوئی، جس کا نسخہ پشاور یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔

۲۰: ابو علی محمد ابن علی بن عبداللہ شوکانی رحمہ اللہ

آپ کے والد ماجد یمن کے قاضی تھے، اللہ تعالیٰ نے ذہن ثاقب عطاء فرمایا تھا، بیس سال کی عمر میں فتویٰ نویسی قاضی القضاۃ مقرر ہو گئے امام منصور باللہ رحمہ اللہ آپ کا بے حد احترام کرتا تھا، سلسلہ نقشبندیہ کے بلند پایہ سالک تھے۔ ۱۲۷ کتابیں تصنیف فرمائیں، نیل الاوطار جیسی مفید کتاب بھی لکھی، قرآن عزیز کی ایک تفسیر بہ نام فتح القدیر لکھی جو چار جلدوں میں مطبوعہ ہے۔ وفات ۱۲۵۰ھ کو ہوئی۔

۲۱: شاہ رؤف احمد نقشبندی رامپوری رحمہ اللہ

حضرت شاہ غلام علی نقشبندی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز تھے، اُردو زبان میں بہ نام تفسیر رؤفی لکھی ۱۲۵۳ھ میں سفر حج کے دوران میں وفات ہوئی۔

۲۲: قاضی عبدالسلام بن عطاء الحق رحمہ اللہ

آپ بدایوں کے گرامی قدر عالم تھے، قرآن عزیز کی تفسیر اُردو نظم میں لکھی جس میں دو لاکھ اشعار ہیں تفسیر کا نام زاد الآخرۃ ہے، وفات ۱۲۵۷ھ۔۱۲۹۸ھ کو ہوئی، واللہ اعلم۔

۲۳: مفتی محمد قلی کنشوری بن محمد حسین رحمہ اللہ

لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ علماء شہر سے اکتساب فیض کیا میرٹھ میں مفتی مقرر ہوئے، آیات احکام کی ایک تفسیر بہ نام تقریب الافہام فی آیات الاحکام لکھی۔ ۱۲۶۰ھ میں انتقال ہوا۔

۲۴: سید محمد عثمان میرغنی رحمہ اللہ

مکہ مکرمہ کے علماء کرام میں سے تھے قرآنی علوم سے کافی واقفیت تھی، تفسیر بہ نام تاج التفاسیر لکھی جو کہ ۱۳۱۱ھ میں دو جلدوں میں طبع ہو چکی ہے، وفات ۱۲۶۸ھ کو ہوئی۔

۲۵: مفتی محمد یوسف بن مفتی اصغر علی رحمہ اللہ

لکھنؤ میں پیدا ہوئے، مدرسہ جون پور میں مدرس مقرر ہوئے، کتابوں کی تصنیف کے علاوہ تفسیر بیضاوی پر تعلیقات لکھیں، ۱۲۶۸ھ کو انتقال ہوا۔

۲۶: مولانا جان محمد لاہوری رحمہ اللہ

اپنے زمانہ کے جلیل القدر علماء کرام سے اکتساب فیض کیا، لاہور ہی میں تدریس علوم کا مبارک کام شروع کر دیا، آپ کا وعظ پر تاثیر ہوتا تھا۔ قرآن عزیز کی تفسیر زبدۃ التفاسیر والتذکیر لکھی۔ ۱۲۶۸ھ کو انتقال ہوا۔

۲۷: مولانا ولی اللہ بن حبیب اللہ انصاری رحمہ اللہ

آپ لکھنؤ میں پیدا ہوئے قرآن کریم کی تفسیر بہ نام معدن الجواہر ہے۔ ۱۲۷۰ھ کو انتقال ہوا۔

۲۸: ابوالثناء شہاب الدین بغدادی

آباؤ اجداد کے قصبہ آلوس کی وجہ سے آلوسی کہلائے، آپ بڑے محنتی اور ذہین تھے فراغت علوم کے بعد مسند تدریس پر فائز ہوئے پھر احناف کے مفتی اعظم مقرر ہوئے، آپ کی تصانیف میں تفسیر بھی بہ نام ''روح المعانی'' ہے۔ جو متداول اور مطبوعہ ہے۔ ۱۲۷۰ھ میں فوت ہوئے، شب جمعہ کو خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمانوں کے دروازے بند کر دینے اور پھر کھول دینے کا حکم فرمایا جس کی آپ نے تعمیل کر دی، پھر اس کی تعبیر یہ فرمائی کہ قرآن عزیز کی تفسیر لکھائی جائے گی چنانچہ آپ نے تفسیر لکھی اور وزیر اعظم علی رضا نے میرے ہاتھ سے اس تفسیر کا نام روح المعانی رکھا۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ کے ہاتھ سے لکھا ہوا نسخہ استانبول راغب پاشا کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۲۹: مولانا محمد سعید مدارسی رحمہ اللہ

اپنے وطن میں اکتساب علم کے بعد حجاز تشریف لے گئے کافی زمانہ رہ کر علماء عرب سے اکتساب علم کیا، قرآن کریم کی فارسی زبان میں ایک تفسیر لکھی جو چار جلدوں میں ہے۔ ۱۲۷۲ھ کو وفات پائی، سعید آباد میں دفن ہیں۔

۳۰: ظہور علی بن حیدر رحمہ اللہ

لکھنؤ کے جلیل القدر علماء میں سے تھے، آخر عمر میں حیدر آباد دکن چلے گئے اور وہاں بھی علوم اسلامیہ کی خدمت کرتے رہے قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی لکھی حیدر آباد ہی میں ۱۲۷۵ھ کو فوت ہوئے۔

۳۱: مولانا تراب علی بن شجاعت علی رحمہ اللہ

مفتی ظہور اللہ انصاری سے اکتساب علم کیا، ملاحسن، حمد اللہ، قاضی مبارک کے حواشی لکھے، تفسیر جلالین کا حاشیہ بہ نام ہلالین لکھا ۱۲۸۱ھ میں فوت ہوئے۔

۳۲: مولانا عبدالحلیم بن امین اللہ لکھنوی رحمہ اللہ

اپنے چچا سے اکتساب فیض کے بعد مکہ مکرمہ میں مشائخ سے علوم حدیث و تفسیر

پڑھے، ان کی ایک کتاب تعلیقات علی البیضاوی بھی ہے۔ ۱۲۸۶ھ کو انتقال ہوا۔

۳۳: سید حافظ محمد شریف معرف بہ ابی زادہ رحمہ اللہ

ترکی میں شہرستان کے قاضی تھے اور تفسیر قرآن میں کافی مہارت اور عشق تھا، ایک کتاب بہ نام الایات الجلیہ الفرقانیہ ومفتاح التفاسیر الجمیلۃ الفرقانیہ لکھی، جس میں بیضاوی، شیخ زادہ، روح البیان، تفسیر کبیر اور تفسیر ابی السعود کا انتخاب جمع کر دیا۔ ۱۲۸۶ھ تک تو زندہ تھے۔

۳۴: مولوی عبداللہ بن صبغۃ اللہ مدارسی رحمہ اللہ

آپکی تصانیف میں احادیث بیضاوی کی تخریج بھی کی ہے۔ ۱۲۸۸ھ کو فوت ہوئے۔

۳۵: مولانا قطب الدین خان بن محی الدین دہلوی رحمہ اللہ

ممتاز عالم تھے تقوی اور فتوی دونوں میں مشہور تھے، قرآن عزیز کی ایک تفسیر بھی بہ نام جامع التفاسیر اردو میں لکھی جو مطبوعہ اور دستیاب ہے ۱۲۸۹ھ کو وفات پائی۔

۳۶: مولانا نصیر الدین بن جلال الدین رحمہ اللہ

برہان پور میں پیدا ہوئے خاندانی عالم ہیں، قرآن عزیز کی ایک تفسیر بہ نام التیر فی مہمات التفسیر ہے۔ ۱۲۹۳ھ کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

۳۷: مولانا عبدالعلی بن پیر علی نگرامی رحمہ اللہ

آپ امام الاحناف کہلاتے تھے متقی اور متوکل عالم دین تھے۔ آپ کی تصانیف میں تفسیر آیات القرآن ہے۔ ۱۲۹۶ھ کو وفات پائی۔

۳۸: شیخ محمد بن عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ

آپ نے غزنی سے ہجرت کر کے امرتسر کو اپنا مستقر بنالیا، حق گوئی کے سلسلہ میں بے شمار تکالیف اٹھائیں تفسیر جامع البیان کا حاشیہ لکھا جو مقبول بین العلماء ہے۔ ۱۲۹۶ھ میں وفات پائی۔

۳۹: مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ

کامل وقت امداداللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ دیوبند کے قصبہ میں دارالعلوم کا انعقاد کرایا جو آج عالم اسلام کی عظیم ترین درسگاہ ہے۔ آپ نے کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں ''اسرار قرآنی'' نامی ایک مختصر سا رسالہ بھی ہے جس میں استعاذہ اور معوذتین کی تفسیر ہے، بہ نام ''تفسیر المعوذتین'' دیوبند سے شائع ہو چکا ہے۔ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی وفات ۱۲۹۷ھ کو ہوئی، مزار دیوبند میں ہے۔

۴۰: منشی جمال الدین بن وحید الدین رحمہ اللہ

حضرت غلام علی نقشبندی سے اکتساب فیض کے ساتھ ساتھ شیخ محمد آفاق نقشبندی رحمہ اللہ سے مجاز طریقت ہوئے تیس سال کی عمر میں بھوپال چلے گئے وہاں الیہ بھوپال پال سکندر بیگم سے آپ کا نکاح ہو گیا، شہنشہانہ شوکت حاصل ہو جانے کے باوجود علمی خدمات نہ چھوڑیں علامہ کی تفسیر رحمانی اور شاہ ولی اللہ کی اکثر تصانیف طبع کرائیں۔ ترکی اور پشتو کی تفاسیر طبع کرائیں ترکی زبان کا ترجمہ احمد داغستانی نزیل مکہ مکرمہ سے کرایا تھا جو کہ بھوپال کے سرکاری کتب خانہ میں موجود ہے۔ وفات ۱۲۹۹ھ میں ہوئی۔

۴۱: سید حاجی محمد فوزی ترکی رحمہ اللہ

آپ جلیل القدر عالم تھے قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھنی شروع کی سفر حج میں اس کو مکمل کیا، اس تفسیر میں ہر سورۃ کی ابتداء میں تین اشعار فارسی کے ایسے لائے جن میں سورۃ کے مضمون کا خلاصہ ہے، اس تفسیر کا نام الانس المعنوی ہے جو کہ ۱۲۹۹ھ کو طبع ہو چکی ہے۔

۴۲: سید بابا قادری ابن شاہ محمد یوسف رحمہ اللہ

حیدرآباد دکن کے بلند پایہ عالم اور پیر طریقت تھے، آپ کی تصانیف میں قرآن کریم کی تفسیر التنزیل اور تفسیر فوائد بدیہیہ بھی ہے جو کہ پانچ جلدوں میں ہے ابھی تک طبع نہیں ہو سکی، کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں اس کا مخطوطہ موجود ہے۔

۴۳: مراد علی ولد حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن السیلانی رحمہ اللہ

آپ بہت بڑے عالم اور مشہور صوفی تھے، آپ نے پشتو زبان میں تفسیر لکھی جو دو جلدوں میں مطبوعہ ہے۔ اپنی تفسیر کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ:

زیرا کہ درجہانست تفاسیر بے شمار
لیکن نہ بازبان سلیمانی اندآن

تفسیر کی تکمیل ۵ شوال ۱۲۸۲ھ ہے۔

۴۴: خواجہ محمد عبیداللہ ملتانی رحمہ اللہ

آپ کا خاندان عراقی الاصل ہے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے خدام کا خاندان تھا، حتیٰ کہ اس خاندان کی قومیت ہی فقیر قادری مشہور ہوگئی۔

آپ کی پیدائش تقریباً ۱۲۱۹ھ میں ملتان میں ہوئی ابتدائی علوم اپنے والد ماجد سے حاصل کئے پھر حضرت خواجہ خدا بخش ملتانی ثم الخیر پوری سے کافی عرصہ پڑھا اس کے بعد خواجہ قاضی عاقل محمد کوٹوی کے خلیفہ خواجہ گل محمد احمد پوری سے علم حدیث حاصل کیا، بیعت کا شرف حضرت خواجہ خدا بخش رحمہ اللہ سے حاصل ہوا اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔

آپ علم وتصوف اور خدمتِ خلق میں اپنے دور کے مشہور ترین بزرگ تھے اور آپ کی اولاد میں بھی اسی طرح علم وخدمتِ خلق کا چرچا رہا، ملتان محلہ قدیر آباد میں مدرسہ عبیدی اور خانقاہ عبیدیہ آپ کی یادگار ہے۔

آپ نے ایک تفسیر قرآن عربی میں لکھی جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے، اس تفسیر کی خصوصیت یہ ہے کہ انتہائی مختصر اور جامع ہے۔ آپ کی وفات ۱۳۰۵ھ میں ہوئی۔

چودہویں صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

۱: شاہ عبدالحی احقر بنگلوری رحمہ اللہ

سید احمد شہید قدس سرہٗ العزیز کے خلیفہ سید محمد علی رامپوری سے بیعت کی، وعظ و تذکیر اور تصنیف کا کام بھی کرتے تھے۔ آپ نے تیسیر القاری کا اُردو زبان میں ترجمہ کیا جو فیض الباری کے نام سے آٹھ جلدوں میں شائع ہو چکا ہے جنان السیر فی احوال سید البشر بھی لکھی جو کہ چوبیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے، قرآن کریم کی ایک تفسیر بہ نام جواہر التفسیر فی السیر والتذکیر لکھی جو عجیب اور دلکش تفسیر ہے، مدینہ منورہ میں ۱۳۰۱ھ میں وفات پائی۔

۲: مولانا فیض الحسن سہارنپوری رحمہ اللہ

آپ نے مولانا فضل حق رحمہ اللہ بن فضل امام خیر آبادی سے اکتساب فیض کیا، تفسیر بیضاوی کا حاشیہ اور تفسیر جلالین کا حاشیہ لکھا۔ ۱۳۰۴ھ کو فوت ہوئے۔

۳: عمار علی رحمہ اللہ

آپ سونی پت رئیس تھے مگر علوم دینیہ کے ساتھ تعلق اور شغف تھا، ایک تفسیر بنام تفسیر عمدۃ البیان لکھی ۱۳۰۴ھ کو وفات ہوئی۔

۴: محمود آفندی رحمہ اللہ

آپ دمشق کے مشہور علماء میں سے تھے تفسیر کے ساتھ خاص لگاؤ تھا، دارالاسرار نامی ایک تفسیر لکھی، جو فیضی کی سواطع الالہام کی طرح حروف بے نقاط میں ہے کتاب مطبوعہ ہے۔ وفات ۱۳۰۵ھ کو ہوئی۔

۵: مولانا نواب سید صدیق حسن رحمہ اللہ

آپ صاحب العلم والقلم تھے، آپ نے زیادہ استفادہ یمنی علماء سے کیا، والیہ بھوپال نے ان سے نکاح کیا، ہر فن اور علم میں کئی تصانیف کیں، قرآن مجید کی تفسیر آیات الاحکام پر نیل المرام نامی لکھی اور مکمل تفسیر قرآن مجید فتح البیان ہے، جو بھوپال اور مصر سے دس جلدوں میں شائع ہو چکی ہے وفات ۱۳۰۷ھ کو ہوئی، فتح البیان کا اُردو ترجمہ طبع ہو گیا ہے۔

۶: حافظ مولوی محمد بن بارک اللہ رحمہ اللہ

فیروز کے قصبہ لکھو میں پیدا ہوئے۔ فقہ حنفی میں مدلل اور مفصل ایک کتاب بہ نام انواع بارک اللہ نظم میں لکھی، ایک تفسیر بھی پنجابی نظم میں لکھی، جو تفسیر محمدی کے نام سے سات جلدوں میں مطبوعہ ہے۔ وفات ۱۳۱۱ھ کو ہوئی۔

۷: قاضی احتشام الدین مراد آبادی رحمہ اللہ

آپ جید علماء کرام میں سے تھے، تفسیر اُردو زبان میں لکھی جس کا نام الاکسیر الاعظم ہے اور وہ ۹ جلدوں میں ہے ۱۳۱۳ھ کو وفات ہوئی۔

۸: حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمہ اللہ

آپ برصغیر کے معروف علماء اور صلحاء کرام میں سے تھے، شریعت اور طریقت سے وافر ملا تھا آپ اپنے متوسلین کی تربیت درس قرآن دے کر کرتے تھے ان درسوں کا مولوی تجمل حسین بہاری رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا، جسے مولانا عبد الباری فرنگی محل نے شائع کیا، ہندی میں کچھ سورتوں کا ترجمہ فرمایا تھا، جو شائع ہو چکا ہے وفات ۱۳۱۳ھ کو ہوئی۔

۹: سید محمد نواوی النبتنی رحمہ اللہ

نبتن نامی قصبہ میں ۱۲۳۰ھ کو پیدا ہوئے مکہ مکرمہ میں شیخ عبدالستار دہلوی سے اکتساب فیض کیا پھر مدینہ منورہ، مصر کے اسفار کئے اور پھر آ کر حرم مکہ مکرمہ میں تدریس کا کام شروع کیا، آپ تصانیف کی تعداد ایک سو تک ہے، قرآن عزیز کی ایک تفسیر بہ نام **التفسیر التیسیر لمعالم التنزیل** ہے جو کہ آپ کی زندگی میں ہی طبع ہو چکی تھی وفات مکہ مکرمہ میں ۱۳۱۴ھ میں ہوئی۔

۱۰: مولانا ناصر الدین ابوالمنصور رحمہ اللہ

علوم اسلامیہ میں کافی مہارت تھی، یہود و نصاریٰ کے ساتھ مناظرہ میں بھی یکتا تھے، عقائد اسلامیہ میں راسخ تھے سرسید نے قرآن حکیم کی جو (تحریف معنوی) لکھی ہے اس کے رد میں ایک مستقل تفسیر بہ نام تنقیح البیان فی الرد علی تفسیر القرآن لکھی، وفات ۱۳۲۰ھ کو ہوئی۔

۱۱: شیخ محمد حسن بن کرامت علی امروہی رحمہ اللہ

مولانا فضل خیر آبادی رحمہ اللہ اور مولانا صدرالدین دہلوی سے علوم کی تکمیل کی، آخر عمر میں خانقاہ اجمیری میں معتکف ہو گئے، آپ کو کتب سماویہ تورات، انجیل، زبور وغیرہ پر بھی عبور حاصل تھا، فارسی میں تفسیر لکھی جس کا نام معالم الاسرار ہے، حضرت شاہی کے نام سے بھی مشہور ہے، اُردو تفسیر ''غایۃ البرہان'' لکھی۔ ۱۳۲۳ھ کو وفات پائی۔

۱۲: مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ

حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ سے بیعت و خلافت سے مشرف ہوئے علوم ظاہریہ اور روحانیہ میں بلند مقام پر تھے، درس و تدریس، تبلیغ و ارشاد آپ مجاہد جلیل بھی تھے، دارالعلوم دیوبند کے سرپرست تھے، اکثر مشہور محدثین آپ کے شاگرد ہیں، علم حدیث میں بخاری اور ترمذی کی شرح، فقہ میں آپ کا مجموعہ فتاویٰ ''فتاویٰ رشیدیہ'' دینی یادگار ہیں، کئی سورتوں کی تفسیر بھی فرمائی حیات مبارکہ میں ۱۳۰۴ھ میں طبع ہوئی اور اب دوسری بار طبع کیا گیا۔

۱۳: فتح محمد تائب لکھنوی رحمہ اللہ

آپ نے لکھنؤ کے جید علماء سے اکتساب فیض کیا، مدرسہ ''رفاہ المسلمین''

کھولا، قرآن عزیز کی تفسیر لکھنے کا شوق پیدا ہوا تو کئی مستند تفاسیر کا خلاصہ کیا جو بنام خلاصۃ التفاسیر چار جلدوں میں مطبوعہ ہے، وفات ۱۳۲۷ھ کو ہوئی۔

۱۴: جمال الدین قاسمی الحلاق رحمہ اللہ

دمشق میں علماء عصر سے استفادہ علوم اسلامیہ کیا، کافی عرصہ سرکاری مدرس رہے مصر اور مدینہ منورہ کے سفر کئے بالآخر تصنیف وتالیف میں مشغول ہو گئے، احیاء العلوم کا اختصار لکھا، قرآن عزیز کی تفسیر محاسن التاویل لکھی جو تفسیر قاسمی مشہور ۱۷ جلدوں میں دستیاب ہے، وفات دمشق میں ۱۳۳۲ھ کو ہوئی۔

۱۵: مولانا عبدالحق مہاجر مکی رحمہ اللہ

شارح مشکوٰۃ قطب الدین خان رحمہ اللہ سے تحصیل علوم کے بعد مکہ مکرمہ جا کر شاہ عبدالغنی قدس سرہٗ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے ساتھ ہی منازل سلوک طے کرنے پر خلافت سے سرفراز ہوئے، تراویح کی نماز حطیم کعبہ میں بیس رکعات میں پورا قرآن مجید ختم کرلیا کرتے تھے، ۱۳۳۳ھ کو وصال ہوا۔ تفسیر مدارک کی شرح اکلیل لکھی جو سات جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔

۱۶: سردار محمد عباس خان رحمہ اللہ

۱۲۵۲ھ کابل میں ولادت ہوئی آپ کو فن حرب وسپہ گری میں کافی واقفیت تھی، علوم دینیہ اور ادبیہ میں کافی دسترس تھی، قرآن مجید کی تفسیر فارسی تفسیر عباسی لکھی قلمی نسخہ کابل میں ہے۔ وفات ۱۳۳۴ کو کابل میں ہوئی۔

۱۷: مولانا عبدالحق رحمہ اللہ

۱۲۶۵ھ میں گمتھلہ میں پیدا ہوئے مفتی محمد لطف اللہ رحمہ اللہ، مولانا عبدالحق مہاجر مکی رحمہ اللہ سے اکتساب علوم کیا اور سلوک میں شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمہ اللہ سے بیعت کی، آپ نے ایک سکول اور ایک یتیم خانہ بھی قائم کیا اور کتاب عقائد اسلام اور ایک کتاب البیان بھی لکھی جس کا ترجمہ انگریزی میں بھی ہو چکا ہے۔ تفسیر بہ نام فتح المنان بہ تفسیر القرآن مشہور تفسیر حقانی لکھی، وجہ تصنیف میں یہ لکھا کہ ایک قوم عیسائی دانشمند، آزادی پسند ہندوستان میں آئی تو اپنے ساتھ صدہا جہاز الحاد اور شراب خوری وغیرہ کے بھی بھر کر لائی اول تو یوں ہی مسلمانوں کی حالت خراب تھی اس لئے آزادی اور الحاد کی برانڈی نے تو وہ آفت ڈھائی کہ:

ازاں افیون کہ ساقی در مے افگند ۔ حرفیاں را نہ سر ماند نہ دستار

حمیت اسلامی اور اہل اسلام کی نفع رسانی نے مجھ جیسے بے لیاقت کو مجبوراً اُردو میں ایسی تفسیر لکھنے پر مامور کیا، یہ تفسیر آٹھ جلدوں میں ہے، کئی دفعہ طبع ہو چکی ہے حقانی کی وفات ۱۳۳۵ھ کو ہوئی۔

۱۸: سید امیر علی بن معظم علی حسینی ملیح آبادی رحمہ اللہ

ولادت ۱۲۷۴ھ کو ملیح آباد میں ہوئی۔ آپ نے فیضی کی تفسیر بے نقاط کا مقدمہ اور بخاری شریف، ہدایہ، فتاویٰ عالمگیری کا ترجمہ اُردو زبان میں کیا، قرآن حکیم کی ایک تفسیر تیس جلدوں میں مرتب فرمائی جس کا نام مواہب الرحمٰن ہے کئی مرتبہ طبع ہو چکی ہے ۱۳۳۷ھ کو وفات پائی۔

۱۹: سید احمد حسن دہلوی رحمہ اللہ

۱۲۵۸ھ میں دہلی میں ولادت ہوئی۔ مولانا نذیر حسین کے پاس تفسیر و حدیث کی تکمیل کی اور طب قدیم بھی پڑھ لی پھر آپ ڈپٹی کلکٹر لگا دیئے گئے احسن التفاسیر لکھی جو ساتھ جلدوں میں ۱۳۲۵ھ کو طبع ہو چکی ہے اس تفسیر کا ایک جامع مقدمہ لکھا جو علم تفسیر کے متعلق ۵۶ مفید عنوانات پر مشتمل ہے۔ ۱۳۲۰ھ میں طبع ہوا۔ "تفسیر آیات الاحکام من کلام رب الانام" اردو ۱۹۳۱ء میں طبع ہوئی۔ ۱۳۳۸ھ کو دہلی میں وفات پائی۔

۲۰: مولانا وحید الزمان بن مسیح الزمان رحمہ اللہ

مولانا عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ سے اور مولانا عبدالغنی مجددی مہاجر مدینہ منورہ رحمہ اللہ سے اکتساب کیا، آپ جلیل القدر صاحب قلم عالم تھے۔ آپ کی تفسیر وحیدی اُردو زبان میں ہے اور مضامین قرآن پر کتاب لکھی جس کا نام تبویب القرآن ہے۔ ۱۳۳۸ھ کو فوت ہوئے وقار آباد میں دفن ہیں۔ تفسیر وحیدی قرآن عزیز مترجم کے حاشیہ پر ۱۳۲۴ھ کو طبع ہو چکی ہے۔

۲۱: مولانا محمود حسن شیخ الہند رحمہ اللہ

آپ کا خاندان دیوبند کے قدیمی شیوخ میں سے ہے، ہمعصر علماء میں شیخ الہند کا لقب آپ ہی کے لئے مخصوص رہا۔ قرآن مجید کا ترجمہ تیس سال میں بکوشش والتزام صرف دس پارے غیر مکمل تیار ہوئے تھے، مالٹا کی یکسوئی اور گوشہ نشینی میں دو ہی سال میں کامل ہو گیا۔ کئی مرتبہ طبع ہوا، شاہ فہد سلمہ اللہ مدظلہ العالی کے مطبع مدینہ منورہ میں بھی کافی چھپ کر عالم اسلام میں تقسیم ہوا اور سراہا گیا جزاھم اللہ خیرا آمین۔ افغانستان حکومت نے اس کا فارسی میں ترجمہ شائع کرایا ہے۔ ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ میں وفات ہوئی۔ آپ کا ترجمہ وتفسیر نہایت مفید ہے۔

۲۲: مولانا تاج محمود امروٹی رحمہ اللہ

اجداد عرب سے آ کر سندھ آباد ہوئے بھر چونڈی شریف کے حضرت حافظ محمد صدیق رحمہ اللہ نے خلافت سے نوازا دینی مدرسہ ایک پریس بھی قائم کیا روحانی کمالات کے ساتھ شیخ المشائخ بہترین ادیب اور شاعر بھی تھے ایک کتاب "پریت نامو" یوسف زلیخا کے قصے میں مولانا جامی رحمہ اللہ کی مرتبہ یوسف زلیخا کا عکس جمیل ہے قرآن مجید کا ترجمہ سندھی میں لکھا۔ کئی مرتبہ طبع شدہ ہے۔ ۱۳۴۸ھ کو وصال فرمایا۔

۲۳: شیخ ریاست علی حنفی رحمہ اللہ

شاہجہانپور میں پیدا ہوئے، رام پور میں شیخ وقت ارشاد حسین نقشبندی رحمہ اللہ کے حلقہ میں داخل ہوئے فراغت کے بعد اپنے وطن میں تدریس وتعلیم میں مصروف ہو گئے آپ کی تالیفات میں "جلالین" کی شرح "زلالین" اور لباب التنزیل فی مشکلات القرآن ہے۔ ۱۳۴۹ھ کو فوت ہوئے۔

۲۴: مولانا سید محمد انور شاہ

۱۳۱۴ھ میں دیوبند سے فارغ ہوئے اور گنگوہ شریف حضرت امام ربانی کی خدمت میں حاضر ہوئے، پھر آپ نے بجنور، مدرسہ امینیہ دہلی وغیرہ میں تدریس کرنے کے بعد دیوبند میں تدریس کی۔ آپ ہی کو شیخ الہند رحمہ اللہ جانشین مقرر فرما کر حجاز تشریف لے گئے۔ بے نظیر عالم اور محقق تھے، تقریر ترمذی شریف اور بخاری شریف عربی میں مطبوعہ اور مقبول عند العلماء ہے، تفسیر قرآن کے سلسلے میں آپ کی مرتبہ کتاب ''مشکلات القرآن'' مفید ترین اور جامع کتاب ہے علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے حاشیہ سے مزین طبع ہو چکی ہے۔

۲۵: فتح الدین اذ بر بن حکیم میاں غلام محمد رحمہ اللہ

ولادت خوشاب میں ہوئی مولوی فاضل کے بعد دیوبند میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے اکتساب فیض کیا، حج کے بعد بغداد وغیرہ کا علمی سفر کر کے حیدرآباد میں قیام فرمایا، ''خزینۃ المیراث'' آپ کی علمی یادگار ہے ایک تفسیر ''روح الایمان'' لکھی جو دکن سے شائع ہوئی۔ مقدمہ تفسیر القرآن لکھا جو شائع شدہ ہے، وفات ۱۳۵۶ھ کو خوشاب میں ہوئی۔

۲۶: حافظ محمد ادریس رحمہ اللہ

خاندان علمی تھا، امروہہ اور ڈابھیل کے علاوہ دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث پڑھا کمال ذہانت کے مالک تھے پشاور یونیورسٹی شعبہ عربی کے صدر رہے قرآن عزیز کی پشتو زبان میں تفسیر لکھی جس کا نام ''کشاف القرآن'' ہے اور وہ مطبوعہ ہے۔ ۱۳۵۸ھ حادثہ میں شہید ہو گئے۔

۲۷: مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

آپ ندوۃ العلماء میں رہے مدرس رہے پھر ایک مطبع قائم کیا دینی کتب کی اشاعت فرمائی، آپ کا روحانی تعلق حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے تھا، آپ نے حضرت کے حالات مبارکہ پر مشتمل ''تذکرۃ الرشید'' لکھا آپ نے قرآن عزیز کا ترجمہ اور حاشیہ لکھا، جس کا ایک ایک کلمہ شیخ الہند رحمہ اللہ کی نظر سے گزرا۔ ۱۳۶۰ھ میں انتقال فرمایا۔

۲۸: مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

آپ کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار تک ہے قرآن کریم کی ایک مبسوط اور مدلل تفسیر بہ نام ''بیان القرآن''، لکھی جو متداول اور معتبر ہے بقول قاری محمد طیب رحمہ اللہ ایسی جامع تفسیر ہے کہ قرآنی حقائق کا لب لباب سامنے آ گیا، آپ نے قرآن عزیز کا ترجمہ اور تفسیری حاشیہ بھی لکھا، شائع ہوتا رہا ہے وفات ۱۳۶۲ھ تھانہ بھون میں ہوئی، نور اللہ مرقدہ ورحمۃ اللہ علیہ وعلی ابویہ۔

آپ کے قرآنی افادات کا ایک مجموعہ اشرف التفاسیر ہے چار جلدوں میں یہ دراصل حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی کاوش سے آپ کے ملفوظات خطبات ومکتوبات میں قرآنی آیات کی تشریحات کو یکجا کر کے ترتیب دی گئی ہے۔ بیان القرآن تو خالص علمی اور دقیق تفسیر ہے مگر اشرف التفاسیر عوام و خواص سب کیلئے یکساں مفید ہے یہ نہایت آسان اور عام فہم ہے۔

۲۹: محمد مصطفیٰ مراغی رحمہ اللہ

آپ نے مفتی عبدہ رحمہ اللہ سے اکتساب علم مصر میں قاضی مقرر ہوئے پھر سوڈان کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے بعد میں جامعہ ازہر کے صدر مقرر کئے گئے قرآن عزیز کی ایک مفصل تفسیر لکھی جو کہ تفسیر مراغی کے نام سے عام دستیاب ہے۔

۳۰: مولانا عبدالرحمٰن امروہی

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ سے تفسیر و حدیث کے اسباق پڑھے جامعہ اسلامیہ امروہہ کے شیخ الحدیث والتفسیر رہے ۱۳۶۷ھ کو وفات پائی، تفسیر بیضاوی پر آپ کا جامع اور کامیاب حاشیہ ہے۔

۳۱: مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ

دارالعلوم دیوبند کے مقتدر اور مشہور علماء میں سے تھے، تحریک پاکستان کو فروغ دیا۔ ۱۳۶۹ھ کو فوت ہوئے، مزار کراچی میں ہے، صحیح مسلم کی شرح بہ نام ''فتح الملہم'' عربی زبان میں تحریر فرمائی اور آپ ہی کے نام سے مشہور ہے۔ ''تفسیر عثمانی'' کیلئے جس کا ترجمہ تو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے مکمل فرما لیا مگر فوائد اور حواشی صرف سورۃ بقرہ اور سورۃ نساء ہی کے مرتب کر سکے تھے چنانچہ اس کے باقی فوائد آپ نے مرتب فرمایا۔

۳۲: خواجہ حسن نظام دہلوی رحمہ اللہ

۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے آپ کا روحانی سلسلہ نظام الدین اولیاء سے ملتا ہے، بیعت تونسہ شریف کے شاہ اللہ بخش رحمہ اللہ سے تھی مصر، عراق، شام وغیرہ کا علمی اور تبلیغی سفر کیا، آپ کو شمس العلماء کا خطاب بھی ملا، اردو میں ایک تفسیر لکھی جو ''تفسیر نظامی'' کے نام سے مشہور اور دستیاب ہے، وصال ۱۳۷۲ھ کو ہوا، ایک تفسیر ہندی لکھی جو اس قرآن عزیز کے حاشیہ پر ہے اور اورنگزیب رحمہ اللہ کے قلم سے ہے یہ تفسیر ۱۹۲۸ء کو طبع ہوئی اس کا ایک نسخہ پشاور یونیورسٹی کی لائبریری میں ہے۔

۳۳: محمد ابراہیم سیالکوٹی رحمہ اللہ

مسلکاً اہلحدیث تھے اپنے مکتب فکر کے علاوہ دوسرے مکاتیب فکر کے ہاں بھی آپ کا احترام تھا آپ کا محبوب مضمون قرآنیات تھا، اعجاز القرآن، تفسیر القرآن اور عبداللہ چکڑالوی کا رد بھی لکھا، تین پاروں کی مستقل تفسیر بھی بہ نام ''تبصیر الرحمان''، لکھی جو مطبوعہ ہے۔ ۱۳۷۵ھ کو وفات پائی۔

۳۴: مولانا محمد اکرم رحمہ اللہ

آپ دینی وعصری تعلیم سے لیس تھے قرآن کریم کا بنگلہ زبان میں ترجمہ کیا اور حواشی بھی تحریر کئے، وفات ۱۳۵۷ھ میں ہوئی، اسلام بنگال میں آٹھویں صدی میں پہنچا ہے، مگر کلام الٰہی کو غیر عربی میں تعبیر کرنا مسلمانوں کے ہاں گناہ سمجھا جاتا تھا، اسی خوش اعتقادی کا شکار بنگالی مسلمان بھی تھے، سید سلطان (م ۱۰۵۶ھ) اپنی بنگلہ کتاب ''وفات رسول'' میں لکھا، علماء

مجھے منافق کہتے ہیں کہ میں نے ہندوانی زبان میں لکھ کر دین کو ناپاک کر دیا ہے، تذکرہ صوفیائے بنگال ص ۲۳۵۔ سب سے پہلے ایک ہندو نے قرآن مجید کا ترجمہ بنگلہ زبان میں کیا، مولانا لکھتے ہیں قرآن کریم کا بنگلہ زبان میں ترجمہ کر رہا ہوں، کوئی مسلمان پڑھا لکھا اس کام کیلئے ملتا ہی نہیں۔

۳۵: شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے آپ کے والد سید حبیب اللہ مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کے خلیفہ تھے، آپ نے مسجد نبوی میں درس حدیث دیا تحریک آزادی ہند مالٹا میں اسیر کر دیئے گئے، تفسیر قرآن عزیز میں بھی آپ ممتاز تھے، ترمذی اور بخاری شریف کے درس میں اسلامی علوم کے دریا بہا دیتے تھے، مدینہ اور اسارت مالٹا میں تفسیر قرآن عزیز کی طرف پوری توجہ فرمائی، حق گوئی کے جرم میں مراد آباد اسیر فرنگ تھے تو وہاں درس قرآن دیا کرتے تھے، آپ کا یہ درس کتابی شکل میں بہ نام ''مجالس سبعہ'' طبع ہو چکا ہے ایک دروس القرآن بھی شائع ہو چکا ہے۔ جس کی جمع وحواشی مولانا سید محمد میاں رحمہ اللہ نے فرمائی، آپ کا وصال ۱۳۷۷ھ کو دیوبند میں ہوا۔

۳۶: مولانا عبداللطیف بن اسحٰق سنبھلی رحمہ اللہ

آپ نے علی گڑھ اور حیدر آباد میں خدمت علوم کی ترمذی شریف کی شرح لکھی اور تفسیری موضوع پر مشکلات القرآن اور تاریخ القرآن لکھی، ۱۳۷۹ھ میں علی گڑھ میں وفات پائی۔

۳۷: مولانا احمد سعید دہلوی رحمہ اللہ

دہلی کے علمی خاندان کے ممتاز فرد تھے، سحبان الہند لقب ہے، جمعیت علماء ہند کے صدر رہے، جنت کی کنجی، دوزخ کا کھٹکا مشہور ہیں، قرآن عزیز کا ترجمہ بہ نام کشف القرآن اور تفسیر لکھی ہے جس کا نام تسہیل القرآن اور تیسر القرآن ہے یہ تفسیر دو جلدوں میں ہند پاکستان میں بھی شائع ہو چکی ہے، ۴ دسمبر ۱۹۶۰ء کو واصل باللہ ہو گئے۔

۳۸: مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ

۱۲۹۳ھ روحانی سلسلہ میں ابو احمد مجددی بھوپالی سے بیعت تھے، آپ کی عظیم دینی درسگاہ دار المبلغین لکھنؤ میں ہے جہاں علماء کو فرق باطلہ کے دفاع کیلئے تعلیمی طور پر تیار کیا جاتا ہے۔ ۱۳۸۱ھ کو وفات ہوئی، قرآن کریم کا ترجمہ لکھا اور کئی سورتوں کی تفسیر بھی لکھی۔

۳۹: السید عبدالحمید خطیب رحمہ اللہ

پاکستان میں سعودی عرب کے پہلے سفیر بنے پہلے مکہ مکرمہ میں شیخ الحرم تھے، سلطان عبدالعزیز رحمہ اللہ کی سوانح ''الامام العادل'' ۲ جلد میں لکھی، قرآن کریم کی ایک مختصر مگر جامع تفسیر لکھی جس کی چند جلدیں بہ نام ''تفسیر الخطیب'' شائع ہو چکی ہیں۔ ۱۳۸۱ھ کو انتقال فرمایا۔

۴۰: شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ

حضرت دین پوری سے بیعت کا شرف حاصل ہوا، انجمن خدام الدین کی داغ بیل ڈالی اور ۱۹۲۴ء میں مدرسہ قاسم العلوم جاری فرمایا، قرآن کریم کا ایک ایسا جامع ترجمہ ہے جس کو تمام علماء نے مفید قرار دیا ہے۔ ۱۳۸۱ھ لاہور ہی میں وصال فرمایا، آپ کے مزار پر انوار سے عرصہ تک خوشبو آتی رہی۔

۴۱: عبدالقدیر صدیقی بن فضل اللہ حیدر آبادی رحمہ اللہ

آپ نے تفسیر قرآن عزیز بہ نام ''تفسیر صدیقی'' تحریر فرمائی جو مطبوعہ اور مقبول عام ہے۔ وفات ۱۳۸۲ھ کو ہوئی۔

۴۲: مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمہ اللہ

آپ نے انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ سے دورہ حدیث پڑھا، آپ نے جامع کتاب ''قصص القرآن'' لکھی جو چار جلدوں میں مطبوعہ ہے، وصال ۱۳۸۲ھ کو ہوا۔

۴۳: علامہ سلیمان ندوی رحمہ اللہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز تھے، جغرافیۂ قرآن عزیز پر ''ارض القرآن'' نامی وہ کتاب ہے جو اس موضوع پر اردو زبان میں پہلی جامع کتاب ہے، بڑی محنت سے عربی زبان سیکھی ''ارض القرآن'' قرآنی جغرافیہ پر وہ کامیاب کتاب ہے جس سے مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اور دوسرے مفسرین نے فائدہ اٹھایا۔ سندھ وفات

۴۴: مرحومہ اہلیہ رحمہ اللہ مولانا عزیز گل رحمہ اللہ

مرحومہ انگلستان کے شاہی خاندان سے تھیں عیسائی مذہب کا گہرا مطالعہ کیا مگر روحانی تسکین نہ پاتے ہوئے ہندوستان چلی آئیں، اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا، حضرت کی اہلیہ کی وفات کے بعد ان کے عقد نکاح میں آگئیں۔ ۱۳۸۷ھ کو انتقال ہوا، قرآن عزیز کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا، کئی وجوہ سے ممتاز ہے، ان شاء اللہ طباعت ہو جائے گی۔

۴۵: محمد امین بن مختار الشنقیطی رحمہ اللہ

آپ علوم اسلامیہ کی تعلیم سے فارغ ہو کر اپنے علاقہ کے قاضی مقرر ہوئے، مدینہ منورہ کی زیارت کی، تو یہیں کے ہو گئے ان کا شمار مدینہ منورہ کے بڑے علماء کرام میں ہوتا ہے ان کے بیٹے مدینہ یونیورسٹی میں استاذ ہیں، اور ان کے مشہور تلامذہ میں شیخ عطیہ عالم ہیں جو مسجد نبوی شریف میں درس دیتے ہیں اور محکمہ شرعیہ کے قاضی بھی ہیں، سید دو عالم ﷺ کی مسجد میں درس حدیث وتفسیر دینا شروع کیا، تفسیر بہ نام ''اضواء البیان'' لکھنی شروع کی۔ سورۃ المجادلہ (اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ المفلحون) ۱۳۹۳ھ کو مکہ مکرمہ میں وفات پا گئے۔ تکمیل آپ کے تلامذہ نے فرمادی جو اب ۹ جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔

۴۶: مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ

تمام علوم کی تعلیم اور تکمیل دار العلوم دیوبند میں کی، ایک عظیم دار العلوم

کراچی کی بنیاد ڈالی پاکستان کے مفتی اعظم قرار دیئے گئے، تفسیر ''معارف القرآن'' تحریر فرمائی جو آٹھ جلدوں میں مطبوعہ ہے، وفات ۱۳۹۶ھ میں ہوئی، آپ کی تفسیر کا ترجمہ بنگلہ زبان میں بھی رہا ہے اور انگلش میں بھی۔

۴۷: مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ

محدث کبیر حضرت انور شاہ سے دورہ حدیث پڑھا اپنے شیخ کے نقش ثانی تسلیم کئے گئے مجلس تحریک ختم نبوت کے امیر مقرر ہوئے اور رابطہ عالم اسلامی کے ممبر بھی تھے آپ کے دور امارت میں قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار دیئے گئے، طریقت میں حضرت حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے بیعت فرمائی۔ ۱۳۹۷ھ کو وفات ہوئی۔ ''معارف السنن'' شرح ترمذی شریف چھ جلد میں لکھی اور ایک نافع جامع مختصر کتاب تتمۃ ''البیان'' لکھی جو مشکلات القرآن کے حاشیہ پر اور مستقل بھی طبع ہو چکی ہے۔

۴۸: بادشاہ گل صاحب رحمہ اللہ :

(اکوڑہ خٹک) دارالعلوم دیوبند میں سے سند فراغت پائی، حضرت مدنی قدس سرہٗ کو اپنا روحانی پیشوا سمجھتے تھے، ایک دینی مدرسہ جامعہ اسلامیہ کے شیخ الحدیث رہے، قرآن حکیم کی پشتو تفسیر بہ نام ''تفسیر البخاری'' لکھی جس کا پہلا پارہ طبع ہو چکا ہے۔ وفات ۱۳۹۸ھ کو ہوئی۔

۴۹: مولانا فضل الرحمٰن پشاوری رحمہ اللہ

حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کشمیری سے دورہ حدیث دو مرتبہ پڑھا، دہلی میں شیخ التفسیر کے عہدہ پر فائز رہے، تقسیم کے بعد خیبر یونیورسٹی میں استاذ اسلامیات مقرر ہوئے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کا ترجمہ اور تفسیر لکھی اور پھر پشتو زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ تحریر فرمایا، انتقال ۱۴۰۱ھ کو ہوا۔

۵۰: مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمہ اللہ

آپ دَورِ حاضر کے ممتاز علماء میں سے آپ صاحب تصانیف ہیں جو عوام و خواص میں مقبول ہیں۔ ہندوستان و پاکستان میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ۱۳۹۶ھ میں مدینہ منورہ ہجرت کی اور تفسیر قرآن بنام انوار البیان فی کشف اسرار القرآن لکھی ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے دستیاب ہیں۔ اور اب الحمد للہ مکمل تفسیر (نو حصے۔ آٹھ جلد) کا کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن دستیاب ہے۔

۵۱: شیخ عبد الهادی رحمہ اللہ

اصل باشندے بخارا کے تھے عرصہ دراز سے مکہ مکرمہ میں قیام رہا، شاہ عبد الغنی رحمہ اللہ مہاجر مدنی کے مرید اور شاہ محمد یعقوب رحمہ اللہ مکی کی طرف سے مجاز بیعت بھی تھے ۱۲۴۸ھ میں حیدر آباد دکن تشریف لائے تھے جبکہ ۸۷ سال کی عمر تھی، قرآن عزیز کی ایک تفسیر لکھی جس کا نام ''تحقیق البیان'' ہے سال رحلت تا حال معلوم نہیں۔

۵۲: شیخ قاسم افندی قیسی رحمہ اللہ

بغداد میں ۱۲۹۳ھ کو ولادت ہوئی، صاحبِ ذہن وفکر تھے صرف تین ماہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا، علوم ظاہریہ اور باطنیہ میں اپنے دور کے گوہر یکتا تھے، کئی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے ''مشکلات القرآن'' بھی ہے۔ جس میں الفاظ اور معانی قرآن کریم پر وارد ہونے والے اشکالات کے جوابات ہیں صرف سورہ بقرہ کی تشریح میں آٹھ سو سوالات اور جوابات کو ذکر کیا ہے۔ (تا حال وفات اور تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی)۔

۵۳: مولانا عبد الرحیم صادق رحمہ اللہ

آپ اعلیٰ حضرت الحاج امداد اللہ مہاجر مکی نور اللہ مرقدہٗ کے مسترشد مولانا حافظ غلام محمد راندیری (ضلع سورت، بھارت) کے فرزند ارجمند ہیں علوم اسلامیہ سے فراغت کے بعد دینی خدمت سرانجام دی اور اپنے والد ماجد کی دلی تمنا کی تکمیل میں قرآن عزیز کا گجراتی زبان میں ترجمہ اور تفسیری فوائد اس طرح مرتب فرمائے کہ آدھے صفحہ میں ایک طرف قرآن عزیز کا عربی متن اور اس کے بالمقابل گجراتی زبان میں ترجمہ فرمایا اور آدھے صفحے میں تفسیری فوائد مرتب فرمائے، یہ قرآن عزیز اس تفسیر کے ساتھ کئی مرتبہ طبع ہو چکا ہے اور گجراتی زبان کے تراجم میں سب سے زیادہ مقبول ہے، مفسر رحمہ اللہ کا تفصیلی حال معلوم نہیں ہو سکا۔

۵۴: مولانا سید محمد عبد الحکیم دہلوی رحمہ اللہ

آپ شیخ شہید مولانا محمد ابراہیم رحمہ اللہ کے صاحبزادے تھے، دہلی میں ولادت ہوئی اور وہیں ایام حیات گذارے علماء احناف میں سے مشہور عالم تھے اور سلوک میں طریقہ قادریہ کے مجاز تھے آپ نے بڑی بڑی تفاسیر قرآن عزیز کا انتخاب کر کے فارسی زبان میں ایک تفسیر بہ نام ''تفسیر الوجیز'' لکھی ہے۔ جس سے فراغت ۱۲۹۳ھ کو ہوئی اور دہلی ہی میں اس کی طباعت ۱۲۹۵ھ کو ہوئی، مفسر کا سال وفات نامعلوم ہے، تفسیر اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں موجود ہے۔

۵۵: مولانا عبید اللہ انور رحمہ اللہ

شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس سرہٗ العزیز کے فرزند ارجمند اور ان کے جانشین ہیں، اگرچہ کوئی تفسیر تو مرتب نہیں فرمائی مگر اپنے گرامی قدر والد کے جاری کردہ درس تفسیر خواص وعوام کو اسی طرح جاری رکھے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ دوام بخشے آمین۔

۵۶: حافظ الحدیث مولانا عبد اللہ درخواستی

پاکستان کے ممتاز علماء میں سے تھے آپ نے اگرچہ کوئی تفسیر مرتب نہیں فرمائی مگر دورہ تفسیر وسیع پیمانے پر ہوتا ہے جو سند یافتہ علماء پر مشتمل ہوتا ہے، آپ کا قیام خانپور بہاولپور (ڈویژن) میں تھا۔ سندھ وفات

۵۷: مولانا شمس الحق افغانی

حضرت انور شاہ قدس سرہٗ کے تلمیذ رشید ہیں، دارالعلوم دیوبند کے سابق مدرس وزیر معارف قلات، شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور، ممتاز رکن مشاورتی کونسل وغیرہا اعزازات سے مشرف رہے، آپ نے تفسیر میں مندرجہ ذیل خدمات سرانجام دی ہیں۔ علوم القرآن: یہ کتاب پشاور یونیورسٹی کے نصاب میں

شامل کرلی گئی ہے۔ آپ نے مندرجہ ذیل تین کتب تفسیر کے متعلق ہیں جو تا حال طبع نہ ہو سکیں۔ احکام القرآن، مفردات القرآن، مشکلات القرآن۔

۵۸: مولانا محمد علی صاحب صدیقی

آپ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کے خواہر زادہ ہیں سیالکوٹ میں ایک دینی ادارہ کے بانی اور متولی ہیں آپ کی زیر نگرانی ماہنامہ ''الرشاد'' شائع ہوتا ہے آپ نے قرآن عزیز کی ایک تفسیر بہ نام معالم التنزیل تحریر فرمائی ہے جو تیس (۳۰) جلدوں میں ہے اس کی چند جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

۵۹: محمد علی صابونی

آپ مکہ مکرمہ میں ''کلیۃ الشرعیۃ والدراسات الاسلامیۃ'' کے استاذ ہیں آپ نے ''احکام القرآن'' کے طرز پر قرآنِ عزیز کی ایک جامع تفسیر بہ نام ''روائع البیان'' تالیف فرمائی ہے جو ''تفسیر صابونی'' کے نام سے مشہور ہے اور دو ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ کتاب اس قابل ہے کہ دورۂ تفسیر اور درجہ تخصیص تفسیر میں داخل نصاب کی جائے۔

۶۰: ڈاکٹر عدنان زرزور

آپ نے اگرچہ خود تو کوئی تفسیر مرتب نہیں کی لیکن آپ کو قرآن عزیز کی تفسیر کے درجہ علیا کے درس و تدریس کے دوران تفسیر ابن جریر طبری کے اس انتخاب کا علم ہوا جس کی تلاش میں آپ کئی سال سے تھے جو شیخ ابو یحییٰ محمد بن حمادح التجیبی (م ۴۰۹ھ) کی مرتبہ ہے آپ نے اس کی تصحیح اور تحقیق کے بعد اس کو مصحفِ عزیز کے حاشیہ پر تحریر فرمایا جسے ابوظہبی کے سلطان زاید کے نام ادارہ طباعت و نشر مشروع ''زاید لتحفیظ القرآن الکریم'' نے طبع فرمادیا ہے یہ مصحف شریف بڑی سائز میں جلی حروف کے ساتھ اور متوسط سائز میں بھی طبع ہو چکا ہے۔

۶۱: حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمہ اللہ

آپ کی ولادت یکم فروری ۱۹۱۳ء بمطابق یکم ربیع الاول ۱۳۳۱ھ کو ہوئی درسِ نظامی اپنے والد محترم اور عم محترم رحمۃ اللہ علیہما سے پڑھا والد صاحب کی وفات کے بعد اپنے علاقہ کے جید علماء کرام مولانا عبد الرحمٰن صاحب شاگردِ رشید حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اور مولانا سعد الدین صاحب شاگردِ رشید مولانا عبد الحئی لکھنوی سے علوم کی وسطانی کتابیں پڑھیں پھر مدرسہ عالیہ مظاہر علوم اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے جلیل القدر اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد دورۂ حدیث دار العلوم دیو بند میں پڑھا ۱۳۵۳ھ میں سندِ فراغت عطا ہوئی، علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے مشورہ سے گورنمنٹ کالجز میں بطور استاذ اسلامیات اور عربی ادب کے کام کیا ۱۹۷۲ء میں سبکدوش ہوا، ایک تصنیفی ادارہ پہلے ہی سے قائم کیا تھا جس میں اپنی تالیفات اور تصنیفات کی اشاعت ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ساٹھ تصانیف مطبوعہ ہیں جن میں سے قرآنیات کے موضوع پر مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ضرورۃ القرآن (۲) احکام القرآن ا جلد (۳) معارف القرآن ایک جلد (۴) قواعد ترجمۃ القرآن ا جلد (۵) آسان تفسیر جس کی سورۂ بقرہ، سورۂ آلِ عمران اور سورۃ النساء طبع ہو چکی ہے۔ (۶) تذکرۃ المفسرین۔

۶۲: محمد اسد نو مسلم رحمہ اللہ

۱۹۰۰ء میں ایک یہودی عالم کے گھر پیدا ہوئے اور نام لیوپولو ویس (LEOPOL WEISS) رکھا گیا زندگی کے مختلف منازل طے کرنے کے بعد ۱۹۲۲ء میں بیت المقدس کا سفر کیا اس سفر میں وہ اسلامی تہذیب اور اسلامی اخلاق سے بہت متاثر ہوئے اس کے بعد ایران اور افغانستان کا سفر بھی کیا، قرآن عزیز اور سیرت رحمتِ دو عالم ﷺ کا مطالعہ جاری رکھا حتی کہ برلن میں ایک ہندوستان مسلمان دوست کے پاس جا کر کلمہ شہادت پڑھ کر با قاعدہ مسلمان ہو گئے اور اسلامی نام محمد اسد رکھا گیا، عربی ممالک میں ان کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ سلطان ابن سعود امام کے معتمد اور امام سنوسی کے قاصد کی حیثیت سے بعض نازک مہمیں انجام دیں قیامِ پاکستان سے پہلے ہندوستان آ گئے تھے اور ایک کتاب ''اسلام آف دی کراس روڈ'' انگریزی میں لکھی تھی، بخاری شریف کے چند پاروں کا ترجمہ بھی انگریزی میں کیا تھا، اور ایک ماہنامہ ''عرفات'' کے نام سے اُردو اور انگریزی میں جاری کیا ممدوٹ وزارت کے زمانہ میں ایک محکمہ تعمیر ملت کے نام سے قائم کیا، پھر یورپ اور امریکہ چلے گئے اب بھی دیار فرنگ ہی میں ہیں، آپ کی تصانیف میں سے ''روڈ ٹو مکہ'' مشہور کتاب ہے جس کا اُردو زبان میں ترجمہ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے ''طوفان سے ساحل تک'' کے نام سے فرمایا ہے۔

حال ہی میں قرآن کریم کی ایک تفسیر انگریزی زبان میں لکھی جو انگلستان سے طبع ہو چکی ہے، اس پر ڈاکٹر مولانا عبد اللہ ندوی، پروفیسر ملک عبد العزیز یونیورسٹی مکہ مکرمہ نے تبصرہ فرمایا ہے جو لندن کے ''عربیا'' نامی انگریزی ماہنامہ میں شائع ہو چکا ہے۔

۶۳: محمد علی خان رحمہ اللہ

آپ صوبہ سرحد کے ایک ایسے متمول خاندان سے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے دین و دنیا دونوں سے نوازا ہے آپ نے مولانا عبد اللطیف خان صاحب سے قرآن عزیز کا ترجمہ اور تفسیر پڑھی اپنے استاذِ محترم کی تقاریر کو قلمبند کرتے رہے جن کو ترتیب دے کر تفسیر مکمل کر لی آپ کی مرتبہ تفسیر کا نام ''کاشف البیان'' ہے اور یہ اُردو زبان میں ۶ جلدوں پر مشتمل ہے۔

۶۴: حضرت مولانا حبیب احمد کیرانوی رحمہ اللہ

آپ بہت بڑے عالم تھے حکیم الامت مجدد الملت نے علمی تعاون کے حصول کیلئے آپ کو اپنی خانقاہ میں مقرر فرمایا اور حضرت کو آپ کے علم اور تنقید و تبصرہ پر بہت ہی اعتماد تھا چنانچہ مولانا بھی بے لاگ تبصرہ کیا کرتے تھے کسی نے ان کے ان علمی تبصروں پر نکیر کی تو حضرت حکیم الامت نے فرمایا میں ان کے منشا کو سمجھتا ہوں۔

آپ کی علمی بلند پروازی کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ کسی نے پوچھا کہ حضرت اب کوئی صاحبِ علم ہے تو آپ نے حضرت حکیم الامت کی طرف اشارہ کر کے

فرمایاہاں اس بڈھے میں علم کی کچھ رمق ہے۔
آپ نے ایک تفسیر لکھی جو اب ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان نے شائع کی ہے۔ انتہائی جامع علمی تفسیر ہے، اس تفسیر کا نام ''حل القرآن'' ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں باطل فرقوں کے اعتراضات کے مدلل اور مستحکم جوابات دیئے گئے ہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے اس تفسیر کو حرفاً حرفاً پڑھا اور اس پر تقریظ لکھ کر اس کی خصوصیات واضح کیں۔

۶۵: حضرت مولانا عبداللہ بہلوی رحمہ اللہ

تفسیر بہلوی ملتان سے شائع ہو رہی ہے۔

۶۶: حضرت مولانا محمد موسیٰ جلالپوری رحمہ اللہ

آپ حضرت مولانا فضل علی قریشی مسکین پوری رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے۔ آپ نے بھی قرآن پاک کی ایک منفرد تفسیر لکھی تھی جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ (اور سلسلہ نقشبندیہ کی خدمت کی)

پندرہویں صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید

۱: حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ

آپ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے اور نہ ہی آپ کی خدمات کوئی ایسی چیز ہے جو ہمارے تعارف کرانے کی محتاج ہو آپ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی جامع صلاحیتوں سے نوازا تھا آپ نے عالمی سطح پر اجتماعی خدمات سرانجام دیں عالمی تعلیمی اداروں اور تنظیموں و جماعتوں کی سرپرستی فرمائی، تاریخ، تفسیر، سیاسیات وغیرہ ہر موضوع پر آپ نے زبان وقلم سے امت کی راہنمائی فرمائی اس لئے بجا طور پر آپ اپنی صدی کے داعی قرآن تھے۔
آپ کے قرآنی افادات بھی الگ مرتب ہو چکے ہیں جن کا مطالعہ ازحد ضروری ہے۔

۲: حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ العالی

آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے شاگرد خاص ہیں، آپ نے گوجرانوالہ میں ایک مدرسہ قائم کیا جس نے اپنی اعلیٰ کارکردگی اور آپ کے برادر محترم حضرت مولانا ابوالزاہد سرفراز خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کیوجہ سے بہت شہرت و مقبولیت پائی، آپ نے جامع مسجد نور گوجرانوالہ میں ایک عرصہ سے خطابت و دروس القرآن کا سلسلہ شروع کیا، آپ کے دروس القرآن نہایت مفید ہیں، قرآنی آیات کے تحت اس کے متعلقات کو خوب اچھی طرح بیان فرماتے ہیں آپ کے ایک متعلق الحاج لعل دین نے ان دروس کو مرتب کیا جو معالم العرفان فی دروس القرآن کے نام سے معروف اور دستیاب ہیں اس کے علاوہ بھی آپ صاحب تصانیف ہیں، نماز مسنون کلاں بہترین کتاب لکھی، امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کئی کتب کی شروح بھی لکھیں۔

۳: حضرت مولانا سرفراز خان صفدر مدظلہ العالی

آپکی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ عرصہ دراز تک مسجد گکھڑ گوجرانوالہ میں درس قرآن دیتے رہے ہیں۔ جواب حال ہی میں ''ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ قرآن کریم کی یہ تفسیر متعدد جلدوں پر محیط ہوگی۔

۴: فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ

آسمان علم وسیاست کے درخشندہ ستارے حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ کی شخصیت سے کون ناواقف ہوگا۔ حضرت کے تفسیری افادات کا مجموعہ ''تفسیر محمود'' کے نام سے حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ جدید ماڈرن طبقہ کو حقانیت اسلام اور قرآنی پیغام سے روشناس کرانے کیلئے یہ تفسیر نعمت غیر مترقبہ ہے۔

۵: حضرت الحاج عبدالقیوم مہاجر مدنی

آپ حضرت مولانا عبدالغفور مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص مسترشد ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو متقیانہ طبیعت عطاء فرمائی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بڑی بات یہ ہے کہ آپ کے دل میں امت مسلمہ کی اصلاح وتربیت کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اس لئے آپ ہر وقت علمائے حق کی زیر سرپرستی مسلمانوں کیلئے تعلیمی واصلاحی کتابوں کی ترتیب کی فکر میں رہتے ہیں چنانچہ آپ کی فکر و درد کے نتیجہ میں چند مفید وشاہکار تالیفات وجود پذیر ہوئی ہیں جن کا ہم مختصراً تعارف کراتے ہیں۔

گلدستہ تفاسیر

پانچ مستند تفاسیر، تفسیر عزیزی، تفسیر مظہری، تفسیر ابن کثیر، معارف القرآن حضرت مولانا مفتی اعظم محمد شفیع صاحب، معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے اقتباسات اور مکمل تفسیر عثمانی کا مجموعہ ہے، تمام تفاسیر سے ضروری ضروری مضامین نہایت آسان انداز میں پیش کئے گئے ہیں ساتھ ساتھ مزید بصیرت افروز کام یہ بھی کیا کہ مختلف مقامات پر ان مقامات کی تصویریں بھی دیدی گئی ہیں جن کا قرآن میں تذکرہ ہے، آخر میں چودہ سو سالہ مفسرین اور ان کی تفسیری خدمات کے تعارف پر مبنی رسالہ تاریخ تفسیر ومفسرین بھی ہے سات جلدیں اعلیٰ طباعت کے ساتھ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان نے شائع کی ہیں۔ اللہ ان کے والدین و معلمین سے راضی ہو۔ آمین

درس قرآن (تعلیمی)

یہ بھی مسلمان عوام وخواص کیلئے ایک نہایت مفید تفسیری تالیف ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ عوام کو قرآن کے معنی ومطلب کی تعلیم دی جاسکے قرآنی آیات کے چھوٹے چھوٹے حصوں کا لفظی اور بامحاورہ ترجمہ کرنے کے بعد اس کے مشکل الفاظ کے معنی ووضاحت اور پھر آیت کی تفسیر نہایت آسان اور مختصر انداز میں دی گئی ہے اسی طرح پھر پورے قرآن مجید کو متعدد درسوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے ہر درس زیادہ سے زیادہ بیس منٹ کا ہے، اس طرح اگر آپ اپنے گھر میں گھر والوں کے سامنے، یا اپنے احباب کو جمع کر کے ان کے سامنے یا مسجد میں یہ درس قرآن سامنے رکھ کر دس پندرہ منٹ روزانہ ان کو درس دیں تو ان شاء اللہ روزانہ دس پندرہ منٹ صرف کر کے آپ اپنے احباب واقارب کو مکمل قرآن کریم کے معنی ومطلب کی تعلیم دے سکتے ہیں۔ اسکے علاوہ آپ کی کتاب دینی دسترخوان تین جلدوں میں اور تعمیر انسانیت دو جلدوں میں مقبول عام ہو چکی ہیں۔
آپ کی تمام تالیفات کی اعلیٰ طباعت کا اہتمام ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان نے کیا ہے۔ اللہ پاک شرف قبول نصیب فرمائے آمین

فضائل وخواص قرآنی

حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ ہمارے اکابر علماء میں بلند درجہ رکھتے تھے مولانا کی تفسیر میرٹھی کافی مشہور ومقبول ہے (مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ - ملتان) جسے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی نظر ثانی کی سند بھی حاصل ہے۔ اس تفسیر میں درج قرآنی آیات کے خواص مختصر اور جامع ہیں۔ اسی لئے انہیں "گلدستہ تفاسیر" کے آخر میں شامل کیا جارہا ہے (مؤلف)

خواص: جو شخص ایمان و اخلاص سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا کریگا تو اُس کے اُنیس حرفوں کی بدولت وہ شخص دوزخ کے اُنیسوں فرشتوں کے عذاب سے محفوظ رہے گا اور بسم اللہ میں چار کلمے ہیں۔ ان چار کلموں کی برکت سے اسکے چاروں طرح کے گناہ یعنی رات کے دن کے چھپے ظاہر سب معاف ہوجائیں گے۔

خواص: جو کوئی بسم اللہ کو بارہ ہزار مرتبہ اس طرح پڑھے کہ ہر ہزار کے بعد دو نفل ادا کرے اور دعا مانگے بارہ ہزار پورا ہو چکنے پر بھی دو رکعت پڑھے اور خلوص نیت سے دعا مانگے تو ضرور اس کی دعا قبول ہوگی! جمعہ کے دن نماز عصر کے بعد اللہ یا رحمٰن یا رحیم مغرب تک پڑھتا رہے اور درمیان میں نہ کسی سے بات کرے نہ دوسری جانب متوجہ ہو اس کے بعد دعا مانگے انشاء اللہ اسکی کوئی حاجت کیوں نہ ہو ضرور پوری ہوگی! بعض مشائخ نے اللہ کو جو اسم ذات ہے اسم اعظم بتایا ہے۔ بوقت نیم شب چالیس رات تین ہزار مرتبہ یا اللہ پڑھنا اور ورد رکھنا' کشف قلب کا باعث ہے۔

خواص و فضائل: اس سورت کے نام ہیں سورۃ البقرۃ' سورہ فسطاط القرآن۔ یہ قرآن میں سب سے بڑی اور پچھلی سورۃ ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی۔ جس گھر میں یہ سورۃ پڑھی جاتی ہے اسمیں شیطان نہیں گھستا اور جو شخص اس سورۃ کا ورد رکھے گا قیامت کے دن اس کے سر پر تاج ہوگا ۱۲ اق۔ شیخ جمال الدین یونسؒ سجاوندی فرماتے ہیں اگر کسی شخص کو سخت مصیبت درپیش ہو جس سے رہائی نظر نہ آتی ہو تو اس کو چاہئے کہ ایک کاغذ پر لکھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم بسم اللہ الملک الحق المبین من العبد الذلیل الی المولی الجلیل مسنی الضر وانت ارحم الراحمین۔ اور کاغذ کو چلتے پانی میں ڈال دے۔ اگر ہفتہ کے اندر اس کی مراد پوری نہ ہوجاوے تو قیامت کے دن میرا دامن ہوگا اور اس کا ہاتھ۔

خواص و تنبیہ: فلیستجیبوا لی پر پہنچ کر دعا مانگے انشاء اللہ مقبول ہوگی ۱۲ اور پڑھے اللھم امرت بالدعا و تکفلت بالاجابۃ لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد و النعمۃ لک والملک لک لا شریک لک اشھدانک فرداحد صمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد واشھد ان وعدک حق ولقاء ک حق والجنۃ حق والنار حق والساعۃ اتیۃ لاریب فیھا وانک تبعث من فی القبور

خواص: اللہ لا الہ سے لے کر ہوا لعلی العظیم تک آیۃ الکرسی کہلاتی ہے! اس کے فضائل وخواص بہت ہیں' حدیث میں وارد ہے کہ آیۃ الکرسی جس گھر میں پڑھی جاتی ہے اس میں شیطان نہیں گھستا اور اس کی برکت سے اللہ پاک اس کے گھر اور اولاد اور محلہ کے تمام گھروں کو آفات آسمانی سے محفوظ رکھتا ہے! شب کو سوتے وقت اس کو ایک بار پڑھ کر سینہ پر دم کرنا اور سو جانا رات بھر شیطان اور جملہ آفات سے محفوظ رکھتا ہے اور اگر کسی دیوانہ مجنون پر سوہ بقر کی چار آیتیں شروع کی اور پھر آیۃ الکرسی اور اس کے بعد کی تین آیتیں یعنی خالدون تک اور اسی سورۃ میں آخر کی تین آیتیں پڑھی جاویں تو اس کی دیوانگی کو افاقہ ہوگا اور جو شخص ہر فرض نماز کے بعد اس کو صدق دل سے ہمیشہ پڑھا کرے گا وہ انشاء اللہ مرتے ہی جنت میں داخل ہوگا! اس کے ایک دفعہ پڑھنے والے کو چوتھائی قرآن پڑھنے کا ثواب ملتا ہے حدیث میں آیا ہے کہ قرآن میں افضل سورت سورہ بقرہ ہے اور اس میں سب سے برتر آیت آیت الکرسی ہے۔

خواص: آمن الرسول الخ یہ دو آیتیں ہر مرض کی شفا ہیں شب کو سوتے وقت ان کو پڑھ کر سونا ہر مصیبت سے بچاتا ہے اور جو تہجد نہ پڑھ سکے اس کو سوتے وقت ان آیتوں کے پڑھنے سے تہجد کا ثواب ملے گا جس گھر میں یہ مقدس آیتیں پڑھی جاتی ہیں اس میں تین دن شیطان پاس نہیں پھٹکتا۔

خواص: آل عمران جو اس سورت کو رات کو پڑھے گویا ساری رات عبادت کی اور جو جمعہ کے دن پڑھے رات بھر فرشتے اس پر رحمت کی دعا کریں اور جو دونوں سورتیں پڑھے گا قانتین میں اس کا نام درج ہوگا اس کا نام توریت میں طیبہ ہے اور دونوں کا نام زہراوین۔

خواص: حضرت معاذؓ سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں تجھ کو ایسی دُعا نہ بتاؤں جس کے باعث اگر تیرے اوپر ڈھیروں قرض کیوں نہ ہو سب ادا ہوجائے قل اللھم سے بغیر حساب تک اور اس کے بعد رحمٰن الدنیا و رحیم الاخرۃ تعطی من تشاء منھا و تمنع من تشاء ارحمنی رحمۃ تغنی عن رحمۃ من سواک

خواص: افغیر دین اللہ الخ اگر کسی کا گھوڑا منہ زور ہو کر اپنی پیٹھ پر سوار نہ ہونے دے تو یہ آیت افغیر دین اللہ سے لے کر والیہ یر جعون تک پڑھے اور اس کے دونوں کانوں میں پھونک دے پھر سوار ہوجائے ان شاء اللہ وہ ہرگز کچھ بھی نہ بولے گا۔

خواص: اس سورت کا مریض پر پڑھنا کیسا ہی لاعلاج مرض کیوں نہ ہو شفا کا باعث ہے ۱۲ اق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت میں سے جو کوئی صبح ہوتے ہمیشہ سورہ انعام کے شروع کی تین آیتوں کا ورد رکھے گا حق تعالیٰ اس پر ستر ہزار فرشتے نگہبان مقرر فرمائے گا جو ہمیشہ اس کی حفاظت کریں گے اور اس مقدس سورت کی تلاوت کرنے والے شخص کا نامہ اعمال میں روزانہ ان فرشتوں کے اعمال کے برابر قیامت تک ثواب لکھا جائے گا ۱۲ اک یعنی الحمد للہ سے تکسبون تک

فضائل سورۃ انعام: جو اس سورت کو پڑھے گا قیامت کو اللہ پاک اس کے اور شیطان کے درمیان پردہ حائل کردے گا آدم علیہ السلام اس کی شفاعت کریں گے۔

خواص: فوقع الخ لیث رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ یہ پانچوں آیتیں یعنی فوقع سے لے کر ھارون تک اور سورہ یونس کی دو آیتیں رکوع ہشتم کے آخری فلما القوا سے آخر رکوع تک اور ایک آیت سورہ طٰہ کی انما صنعوا سے حیث اتی تک ان سب کو پانی پر دم کر کے جادو زدہ شخص کے سر پر چھڑک دے انشاء اللہ اس پر سے جادو کا اثر جاتا رہے گا

فضائل سورۃ الانفال: حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص سورہ انفال اور توبہ پڑھا کرے گا میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور گواہی دوں گا کہ وہ نفاق سے مُبرا ہے اور اس کا پڑھنے والا ہر منافق وہر منافقہ کی

تعداد پر دس دس نیکیاں پائے گا' جب تک دنیا میں زندہ رہے گا عرش اور اس کے اُٹھانے والے فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے رہیں گے۔

خواص: فلما القوا الخ کسی شخص نے کسی پر جادو کردیا ہو تو ایک برتن میں پانی بھر کر رکھ لے پھر پڑھے (فلما القو سے المجرمون تک) اور فوقع الحق وبطل ما کانو یعملون' چار آیتوں کے آخر تک اور (انما صنعوا کید ساحر) آخر آیت تک اور پانی پر دم کر کے اس مسحور کے سر پر ڈال دے انشاء اللہ شفا ہو گی ۱۲

خواص: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کشتی میں سوار ہوتے وقت بسم اللہ مجریھا و مرسھا انّ ربیّ لغفور رحیم وما قدر واللہ حق قدرہ آخر آیت تک پڑھنا میری اُمت کو غرق سے محفوظ رکھتا ہے۔

خواص: اللہ یعلم الخ جس عورت کے لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہوں اور لڑکا نہ ہوتا ہو اس کے لئے مفید ہے حمل پر مہینے گزرنے سے پیشتر اللہ یعلم سے لے کر متعال تک اور ایک آیت سورہ مریم کی یاز کریا انا نبشرک بغلام اسمہ یحییٰ لم نجعل لہٗ من قبل سمیّاط ہرن کی جھلی پر گلاب اور زعفران سے لکھے اور پھر اس کے نیچے یہ عبارت لکھے بحق مریم و عیسیٰ ابناً صالحاً طویل العمر بحق محمد و آلہ۔ اور یہ متبرک تعویذ حاملہ باندھے رہے۔

خواص: ولو ان اس آیت کو جمیعاً تک ہرن کی جھلی پر لکھ کر بانجھ عورت کی گردن میں ڈالے ان شاء اللہ صاحب اولاد ہو گی۔

خواص: حضرت امام جعفر صادقؒ سے روایت ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن دو رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ پہلی رکعت میں سورہ ابراہیم اور دوسری رکعت میں سورہ حجر تو اس کو فقر اور جنون اور مصیبت نہ آوے۔

خواص و فضائل: سورہ الحمد اور چھ آیات جن کا نام آیات الشفا ہے علاج کے لئے مجرب اور تیر بہدف ہیں۔ ویشف صدور قوم مومنین. شفاء المافی الصدور. فیہ شفاء للناس. وننزّل من القرآن ماھو شفاء و رحمتہ للمومنین. واذا مرضت فھویشفین. قل ھو للذین اٰمنو ھدی و شفاء ان چھوں آیتوں کو ایک چینی کی طشتری پر لکھے اور دھو کر مریض کو پلائے ۱۲ سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بارہا تجربہ کیا یہ میرا مجرب عمل ہمیشہ ٹھیک پڑا۔

خواص: قل ادعو اللہ آخر سورت تک چوری سے امن کا باعث ہے۔

خواص: قل الحمد الخ اس آیت کا نام آیت العز ہے ہر رنج کے لئے دافع ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کبھی مجھ کو کوئی رنج و غم پیش آیا فوراً جبرئیلؑ نے آکر کہا اے محمد پڑھو قل الحمد للہ آخر سورہ تک

خواص: سورہ کھف یوں تو قرآن کی ہر سورت بلکہ ہر ہر لفظ موجب برکت وثواب ہے مگر جمعہ کے دن اس سورۃ کا پڑھنا بڑی برکت وثواب کا باعث ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے روز یا شب جمعہ کو اس سورۃ کی تلاوت کرے گا تو اس شخص کو پڑھنے کے مقام سے مکہ معظمہ تک نور عنایت ہوگا اور دوسرے جمعہ تک مع تین دن زیادہ اس کے گناہ معاف ہوں گے اور ستر فرشتے اس کی مغفرت کے لئے دعا کریں گے۔ اس کے خواص سے ہر درد سر اور درد دل اور جزام اور جمیع بلیات سے محفوظ رہے گا جو شخص شروع کی دس آیتیں حفظ کرلے گا وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا اور جو اس مقدس سورہ کے اول وآخر حصہ کو پڑھے گا اس کے سر سے پیروں تک نور ہوگا۔ اور جو تمام سورہ پڑھے گا اس کے زمین سے آسمان تک نور جگمگاتا ہوگا۔

خواص: حدیث ہے کہ جس کو اللہ پاک مال یا اولاد مرحمت فرمائے اور وہ شخص ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ کہے تو موت کے سوا ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔

خواص: جو شخص رات کسی وقت اٹھنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ اس سورت کی آخر آیتیں پڑھ کر سورہے جس وقت بیدار ہونے کی نیت کرے گا اس وقت آنکھ کھل جائے گی ۱۲ اق یعنی ان الذین اٰمنو سے آخر تک ۱۲ ع اور جو شخص سوتے وقت قل انما سے لے کر آخر سورت تک پڑھ کر سوئے گا تو اس کے بستر سے مکہ تک نور جگمگائے گا کہ جس میں فرشتے بھرے ہوئے ہوں گے اور وہ اس کے اٹھنے تک برابر اس پر رحمت نازل ہونے کی دعا کرتے رہیں گے اور جو شخص اس تمام سورت کو پڑھے گا وہ آٹھ دن تک ہر فتنہ سے محفوظ رہے گا۔

فضائل: سورہ طٰہٰ الخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ طٰہٰ مجھ کو موسیٰ علیہ السلام کی الواح توریت سے جوز بر جد کی تھیں عنایت ہوئی ہے ۱۲۔

خواص: رب اشرح لی سے قولی تک کشادگی سینہ اور تیزی ذہن کے واسطے سات بار ہر روز پڑھے اور جس کی زبان میں لکنت ہو اس کو اس آیت مقدس کا ورد کثرت سے کرنا مفید ہے اور چاہئے کہ ایک چھوٹی کنکرا اپنے منہ میں ڈالے رکھے۔

خواص: لا الہ الخ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اسم اعظم ہے جس کے وسیلہ سے دعا مقبول ہوتی ہے اور بندہ جو کچھ مانگتا ہے رب العزت سے فوراً ملتا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقدس آیت کی فضیلتیں بیان فرمائیں تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ اسم اعظم کیا خاص حضرت یونسؑ کے لئے ہے یا اور مسلمان کے لئے بھی ہے؟ آنحضرت نے فرمایا کہ یونسؑ کے لئے خاص نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے ہے جو کوئی درماندہ اور مبتلا اس تسبیح کو پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس درد و آفت سے نجات دیتا ہے۔ مشائخ رحمۃ اللہ اس کے پڑھنے کو اندوہ وغم کے لئے تریاق مجرب فرماتے ہیں۔ اس کے پڑھنے کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ کہ ایک مجلس یا تین مجلسوں میں چند آدمی متفق ہو کر اس آیت کو سوالاکھ مرتبہ پڑھ لیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خود وہ حاجتمند مصیبت زدہ بعد نماز عشاء تنہا اکیلے اندھیرے گھر میں باوضو روبقبلہ بیٹھ کر ایک پیالہ پانی کا اپنے پاس رکھ لے اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اس پانی میں ہاتھ ڈال کر اپنے بدن یا منہ پر پھیرتا رہے اس طرح تین سو مرتبہ پڑھے اور تین روز یا سات روز یا چالیس روز برابر پڑھے اور اول وآخر درود شریف دونوں طریقوں میں گیارہ بار یا اکیس بار پڑھے اور درمیان میں گفتگو نہ کرے۔ اور شرائط وآداب دعا کو ملحوظ رکھے۔

خواص: افحسبتم الخ کسی مبتلا کے کان میں حضرت ابن مسعودؓ نے کچھ پڑھ کر دم کردیا فوراً ہی اس کو افاقہ ہوگیا سرور عالم نے دریافت فرمایا کہ اے ابن مسعودؓ کیا پڑھا تھا۔ ابن مسعودؓ نے عرض کیا کہ حضور افحسبتم سے لے کر آخر سورہ تک پڑھ کر دم کردیا تھا۔ سرور عالم نے فرمایا کہ اگر سچے دل سے اس آیت کو پہاڑ پر پڑھا جاوے تو وہ بھی یقیناً اپنی جگہ سے ٹل جاوے۔ ثابت ہوا کہ یہ آیت معظم ہر مرض' ہر مصیبت' رنج وغم' تکلیف' صدمہ' امید' حاجت کے لئے تیر بہدف ہے البتہ خلوص نیت اور یقین وصدق دل شرط ہے ۱۲ اق خصوصاً جس کو آسیب کا خلل ہو اس کے کان میں افحسبتم سے آخر سورت تک پڑھنا نہایت مفید ہے انشاء اللہ آسیب ٹل جائے گا۔

فضائل: حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جن سورتوں کے شروع میں طٰسٓ ہے وہ مجھ کو الواح موسیٰؑ سے عطا ہوئی ہیں ۱۲۔

خواص: امن یجیب الخ ہر مشکل امر اور مصیبت نازلہ کے لئے اول وآخر درود شریف اکتالیس بار اور یہ آیت بارہ ہزار مرتبہ پڑھے نہایت مجرب ہے۔ ۱۲۔

خواص: یبنی انھا ان الخ تک اگر کسی شخص کی کوئی چیز گم ہو جاوے تو چاہئے کہ اول ایک سو انیس بار اس آیت کو یات بھا اللہ تک پڑھے۔ انشاء اللہ وہ کھوئی ہوئی چیز ضرور مل جاوے گی مگر شمار میں کمی زیادتی نہ ہونے پاوے ۱۲۔

فضائل: (سورہ السجدہ) حدیث میں وارد ہے کہ جو کوئی اس سورہ سجدہ اور

سورۃ ملک کو رات کے وقت پڑھے اس کو شب قدر کے عمل کے برابر ثواب ہوگا ۱۲۔

فضائل: صلّوا علیه الخ السلام علیک ایها النبی الخ تو سلام ہے اور اللهم صل علی محمد الخ درود۔ دونوں حکم کی تعمیل نماز کے قعدہ اخیرہ میں ہو جاتی ہے۔ درود و سلام کے فضائل بے شمار ہیں۔ فلاح و برکات دارین' جسمانی اور روحانی شفا' حاجت روائی' قرب الٰہی' کشف قلوب' قبولیت دعا' دفعیہ رنج و پریشانی۔ غرض ہر امر کے لئے تیر بہدف ہے۔ ایک مرتبہ درود پڑھنے والے پر اللہ کی طرف سے دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

خواص: سورۃ یٰسین جو شخص حالت نزاع میں گرفتار ہو اور اس پر یہ مقدس سورت پڑھی جاوے تو موت و سکرات کی سختی اس پر آسان ہوگی اور جو حاجت مند ہو اس مبارک سورۃ کو چاشت کے وقت پڑھے اور اپنی حاجت اللہ پاک سے طلب کرے تو ضرور اس کی حاجت روا ہوگی۔ ایک فائدہ جو اکثر تجربہ میں آیا ہے یہ ہے کہ جس شخص کو تلاش معاش ہو اس کو چاہئے کہ اتوار کے غرہ سے اس کا عمل شروع کریں اس طرح کہ اکتالیس بار اول و آخر درود پڑھے بعدہ اس سورت کو اول سے لفظ مبین تک پڑھے پھر لفظ مبین سات بار کہہ کر شروع سے پھر پڑھے اور دوسرے لفظ مبین پر پہنچ کر مبین کو سات مرتبہ پڑھے پھر شروع سے پڑھے۔ تیسرے مبین پر بھی اسی طرح کریں غرض ہر مبین پر پہنچ کر مبین کے لفظ کو سات بار پڑھے اور شروع سورت سے پڑھے ساتوں مبین پر اسی طرح کرنے کے بعد تمام سورت ایک مرتبہ پڑھے اور پھر بعد درود کے دعا مانگے چالیس روز تک ایسا ہی کرے بعد نماز صبح یہ عمل شروع کرے اور طلوع آفتاب سے پہلے پہلے ختم ہو جانا چاہئے۔ غالب تو یہ ہے کہ اول ہی چلہ میں کامیاب ہو جائے اگر نہ ہو تو دوسرا چلہ اسی طرح کرے انشاء اللہ ضرور مراد کو پہنچے گا۔ لڑکیوں کی شادی کے انجام اور منگنی کے انصرام کے لئے اکتالیس مرتبہ پڑھنا چاہئے۔ اس سورت کا لکھ کر اور دھو کر پلانا وجع مفاصل کے لئے نافع ہے۔ اس مقدس سورۃ کے لکھنے اور پڑھنے کا ثواب دس قرآن مجید کے ثواب کے برابر ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن شریف کا دل یٰسین ہے اس کی تلاوت کرنے والے کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جائیں گے تاکہ جس دروازے میں سے چاہے اندر داخل ہو ۱۲ جس شخص کے قلب میں قسوت اور دل سخت ہو تو ایک پیالہ میں زعفران سے سورہ یٰس لکھے اور اس کو پیئے تمام سختی زائل ہو جائے گی۔ حضرت سعید بن جبیر نے ایک دیوانہ پر سورۃ پڑھی اس کو فوراً افاقہ ہو گیا۔ یحییٰ بن ابو کثیر فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح کو یٰس پڑھے گا تمام دن خوش رہے گا اور جو شام کو پڑھے گا تمام شب مسرور رہے گا۔

فضائل: جو مسلمان روز آخرت پر یقین رکھنے والا اس مقدس سورت کو پڑھے گا اس کی مغفرت ہوگی۔ جو شخص خلوص نیت سے لوجہ اللہ شب کو پڑھے گا قیامت کے روز بخشا جائے گا اور جو ہر رات تلاوت کرے گا وہ شہید مرے گا۔

خواص: اپنے نام کے اعداد کی شمار کے موافق سلامٌ قولا من رب رحیم کا وظیفہ صفائی قلب کے لئے نہایت مفید ہے ۱۲۔

خواص: ولقد فتنا الخ جس شخص کو آسیب کا خلل ہو اس کے بائیں کان میں یہ آیت ثم اناب تک سات بار پڑھے۔ انشاء اللہ صحت ہوگی۔

فضائل: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ سورتیں جن کے شروع میں حٰم ہے مجھ کو الواح موسیٰؑ سے مرحمت ہوئی ہیں ۱۲۔

فضائل: ترمذی شریف میں وارد ہے کہ جو شخص اس سورہ مقدسہ کو شب جمعہ میں پڑھے اس کی مغفرت ہو جائے۔

خواص: جس شخص کو ضعف بصارت کی شکایت ہو تو ہر نماز کے بعد یہ آیت شریف حدید تک پڑھ کر (انگلیوں کی) پوروں پر دم کرے اور آنکھوں پر پھیر لیا کرے۔

خواص: حدیث میں وارد ہے کہ ہر چیز کی ایک زینت ہوتی ہے اور قرآن کی زینت سورہ الرحمٰن ہے اور سورہ کو تسخیر عام کے لئے اس طریقہ پر پڑھتے ہیں کہ جب آفتاب ایک نیزہ بلند ہو جائے اس وقت آفتاب کی طرف منہ کر کے یہ سورت پڑھے اور یہ آیت فبای الآء ربکما تکذبان پر آفتاب کی طرف انگلی سے اشارہ کرے۔ اوّل چالیس روز بہ نیت زکوٰۃ پڑھے۔ پھر ہر روز ایک بار پڑھ لیا کرے اور جب کسی کے سامنے جاوے تو یہ سورت ایک بار پڑھ کر جاوے اور اگر نہ ہو سکے تو صرف تین بار فبای الاء ربکما تکذبان پڑھ لے اور مرض چیچک کے لئے بھی اس کا گنڈہ اس طرح کرتے ہیں کہ جب چیچک ظاہر ہو تو ایک نیلا ڈورا لے کر سورہ الرحمٰن پڑھنی شروع کرے اور ہر فبای الآء ربکما تکذبان پر ڈورہ میں گرہ دے دے کر پھونکتا جائے پھر اس ڈورے کو بچے کے گلے میں ڈال دے۔

خواص: ویبقٰی الخ (شیخ ابن القیم فرماتے ہیں کہ جب تلاوت کرنے والا اس آیت پر پہنچے تو اس کو چاہئے کہ یہاں ٹھہر کر اپنے مولیٰ سے دلی مراد طلب کرے۔

خواص: جو شخص ہر شب میں اس سورت مقدسہ کو پڑھا کرے گا اس کو کبھی فاقہ نہ پہنچے گا (الحدیث)

فضائل وخواص: جن سورتوں کی ابتداء سبح اور یسبح سے ہے ان کو مسبحات کہتے ہیں وہ سات سورتیں ہیں بنی اسرائیل۔ حدید۔ حشر۔ صف۔ جمعہ۔ تغابن۔ اعلیٰ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر شب ان کو پڑھ کر سویا کرتے اور فرماتے تھے کہ ان میں ایک ایسی آیت ہے جو ہزار آیتوں سے بہتر ہے۔ وہ آیت شب قدر کی طرح نامعلوم ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ آیت ہوالاول والاخر الخ ہے۔ ۱۲ اق بعض کا خیال ہے کہ لو انزلنا هذا القرآن سے لے کر آخر سورہ تک ہے جو سورہ حشر میں ہے ۱۲ اگر کسی شخص کے قلب میں وسوسہ زیادہ آتا ہو یعنی دل میں باطل شبے اور واہیات خیالات گزرتے ہوں تو اس کو چاہئے کہ اس آیت کا ہوالاول سے علیم تک ورد رکھے۔ انشاء اللہ وسوسے دور ہو جائیں گے۔

فضائل - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو وصیت فرمائی تھی کہ جب سونے کی نیت سے بچھونے پر لیٹا کرے سورہ حشر پڑھ لیا کرے اگر اس رات مر جائے گا تو شہید مرے گا۔

فضائل - جو شخص صبح اٹھ کر سورہ حشر کی آخر آیتیں یعنی جن کا شروع ھو اللہ ہے تلاوت کیا کرے گا تمام دن اس کے حق میں ستر ہزار فرشتے رحمت کی دعا کرتے رہیں گے اور اگر دن میں مر جائے گا تو شہادت کا درجہ پائے گا اسی طرح جو شخص شام ہوتے اسے تلاوت کرے گا یہی مرتبہ پائے گا اللہ اس کے لئے جنت واجب کر دے گا ۱۲ اق۔ تین بار اعوذ بالله السمیع العلیم من الشیطان الرجیم اور تین مرتبہ یہ آیت پڑھنی چاہئیں۔

فضائل - جو شخص سورۃ الملک کو پڑھے گا یہ مقدس سورت قیامت کے روز اس شخص کی اللہ پاک سے شفاعت کرے گی اور بخشوا کر جنت میں لے جائے گی۔ یہ سورت عذاب قبر سے بچاتی ہے۔ سرور عالم فرماتے ہیں کیا اچھا ہو کہ سورہ ملک کی تیسوں آیتیں ہر مومن کے قلب میں ہوں۔ اس حدیث سے اس سورت کے حفظ کرنے اور ورد رکھنے کی فضیلت ظاہر ہے۔

خواص: -سورہ معارج دفع احتلام کے لئے یہ سورۃ شب کو پڑھ کر سو جانا چاہئے۔ ان شاء اللہ احتلام نہ ہوگا۔

فضائل - حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو کوئی سورۂ جن پڑھے وہ دنیا سے نہ نکلے گا جب تک کہ اپنا ٹھکانا جنت میں نہ دیکھ لے گا یعنی اپنا وہ جنت کا ٹھکانا جس میں مرنے کے بعد اس سورت کی برکت سے اس کو جانا ہوگا مرنے سے پہلے پہلے ضرور دیکھ لے گا ۱۲ اور دفع آسیب' جن' پری اور بھوت اور نظر بد کے لئے اس

سورت کا سات بار پڑھنا نہایت موثر ہے ۱۲۔

خواص: اگر کسی عورت کو دردِ زہ کی تکلیف ہو تو اس سورت کی شروع آیت یعنی اذا السماء انشقت سے دوسری حق تک ایک کاغذ پر لکھے اور بعد میں اھیاً اشرا ھیاً لکھے اور اس پرچہ کو کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر عورت کی بائیں ٹانگ میں باندھ دے اور بچہ ہوتے ہی کھول ڈالے۔

خواص: انهم يكيدون الخ جس شخص کو دیوانہ کتے نے کاٹا ہو اور اس کو جنون اور ہڑک کا خوف ہو تو یہ تینوں آیتیں انهم يكيدون سے رويدا تک روٹی کے چالیس ٹکڑوں پر لکھے اور ایک ٹکڑا اس کاٹے ہوئے شخص کو روز کھلاوے ان شاء اللہ تعالیٰ ہڑک سے محفوظ رہے گا اور نیز اگر ان آیتوں کو لوہے کی چار میخوں پر پچیس پچیس بار پڑھ کر گھر کے چاروں کونوں میں داب دے تو شیطان کا آنا اور پتھر پھینکنا موقوف ہو جاوے۔

خواص: جس عورت کا بچہ نہ جیتا ہو اس کے لئے دوشنبہ کے روز دو پہر کو اجوائن اور سیاہ مرچوں پر اس سورت کو چالیس بار پڑھے اور ہر دفعہ اول و آخر درود پڑھے اور اس اجوائن اور مرچوں کو عورت حمل سے لے کر بچہ کے دودھ چھوٹنے تک ہر روز تھوڑی کھالیا کرے۔ **تنبیہ** - یہاں پہنچ کر یہ دعا پڑھے اللهم آت نفسي تقوا هادز كها انت خير من زكها ۱۲

خواص: جو شخص کسی کام کی بھلائی برائی خواب میں دیکھنی چاہے تو رات کو وضو کر کے پاک کپڑے پہنے اور داہنی کروٹ پر لیٹ کر روبقبلہ سات بار سورہ والشمس اور سات بارہ سورہ والليل اور سات دفعہ سورہ والتين اور سات مرتبہ سورہ اخلاص یعنی قل ہو اللہ احد پڑھے اور اللہ سے التجا کرے کہ الٰہی فلاں کام کا انجام مجھ کو معلوم ہو جاوے۔ پھر کسی سے نہ بولے۔ اسی طرح سات روز کرے و نیز سورۃ واللیل کو مرگی والے پر پڑھ کر دم کرے اور پرانی تپ والے کو دھو کر پلائے۔ انشاء اللہ صحت ہوگی۔

خواص: جو کوئی سوتے وقت سورہ الم نشرح پڑھ کر اپنے سینہ پر دم کر لے اس کو سواس اور خطرات نہ ہوں گے اور پتھری دور ہونے کو یہ سورت لکھ کر دھو کر پلا دیں۔

خواص: سورۃ والضحیٰ کے مجرب خواص میں سے ہے کہ جب کسی کی کوئی چیز کھوئی جاوے تو سات بار اس سورت کو معہ اول و آخر درود شریف پڑھ کر انگشت شہادت اپنے سر کے گرد پھراوے اور پھر سات مرتبہ یہ کلمات کہے لاصبحت فی امان اللہ وامسیت فی جوار اللہ وامسیت فی امان اللہ واصبحت فی جوار اللہ) یہ پڑھ کر دستک دے اور آگ کے بجھانے کیلئے سات کنکروں پر اس سورت کو پڑھ کر آگ میں پھینک دے انشاء اللہ لگی ہوئی آگ فرد ہو جائے گی۔

خواص: ایک ترکیب طلب حاجت کی سجدہ سے یہ ہے کہ قرآن شریف کی ایک ایک آیت سجدہ پڑھے اور سجدہ کرتا جائے جب چودہ کے چودہ سجدے پورے ہو جاویں تو پندرھواں سجدہ کر کے اپنا دلی مطلب چاہے ان شاء اللہ فوراً پورا ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ اول چاول اور گھی اور دودھ اور شکر تیار کر کے شکرانہ لڑکوں کو کھلاوے۔

خواص سورۃ البینہ- مرض برص کے دور ہونے کے لئے مبروص پر اس سورہ بینہ کا دم کرنا اور پرچہ پر لکھ کر باندھنا اور دفع یرقان کے لئے نہایت مفید ہے۔

فضائل و خواص -سورۃ الزلزال کا ثواب چوتھائی کلام مجید کے ثواب کے برابر ہے اور بائی ولقوہ کے مرض کو کسی لوہے کے برتن میں لکھ کر اسے دھو کر مریض کو پلانا مفید ہے۔

فضائل و خواص سورۃ تکاثر کا ثواب چوتھائی قرآن مجید کے ثواب کے برابر ہے اور درد سر والے کے سر پر پڑھ کر پھونکنا مفید ہے امام بیہقی سے مروی ہے کہ اسکا پڑھنا ہزار آیت کے برابر ہے

خواص و فضائل - خوف اعداء سے محفوظ رہنے کے لئے اول و آخر سو مرتبہ درود شریف پڑھ کر ہزار مرتبہ سورہ قریش کا پڑھنا مجرب ہے۔

خواص و فضائل- سورہ نصر کی تلاوت کا ثواب مثل چوتھائی قرآن شریف کے ہے اور کشائش رزق کے لئے صبح کی نماز کے بعد اکیس بار اور ظہر کے بعد بائیس مرتبہ اور عصر کے بعد تیئس مرتبہ اور مغرب کے بعد چوبیس بار اور عشا کے بعد پچیس مرتبہ اول و آخر اسی قدر درود شریف پڑھنا چاہئے نہایت مفید ہے۔

فضائل - سورہ الکافرون کا ثواب چوتھائی قرآن کے ثواب کے برابر ہے اور ہر شر سے بری رہنے کو اس کا پڑھنا مفید ہے ۱۲۔

خواص و فضائل- سورہ نصر کی تلاوت کا ثواب مثل چوتھائی قرآن شریف کے ہے اور کشائش رزق کے لئے صبح کی نماز کے بعد اکیس بار اور ظہر کے بعد بائیس مرتبہ اور عصر کے بعد تیئس مرتبہ اور مغرب کے بعد چوبیس بار اور عشا کے بعد پچیس مرتبہ اول و آخر اسی قدر درود شریف پڑھنا چاہئے نہایت مفید ہے۔

خواص و فضائل- حدیث صحیح میں ہے کہ سورہ اخلاص کی تلاوت کا ثواب تہائی قرآن کے برابر ہے اور معہ بسم اللہ کے ایک ہزار مرتبہ پڑھنا اور اول و آخر درود شریف سو سو بار پڑھنا عروج قمر میں تلاش معاش کے لئے اور دفع اعداء کے لئے نزول قمر میں اسی طرح پڑھنا نہایت موثر اور مجرب ہے۔ ایک عمل اخلاص کا مشہور ہے کہ اس سورت کو نقش میں طلوع آفتاب سے پہلے نماز صبح کے بعد شنبہ کے روز لکھے اور اس پر خشک قلم سے نام دونوں فریق کا معہ ان کی والدہ کے ناموں کے لکھے اور اس کے بعد یہ کہے ''الٰہی بہ برکت اس کلام پاک کے ان میں موافقت کر'' پھر اس کو دھو کر مطلوب کو شیرینی میں کھلاوے اور حلال جگہ کے سوا یہ عمل ہرگز ہرگز نہ کرے ورنہ نقصان اٹھائے گا۔ حدیث میں ہے کہ جو کوئی دو سو بار اس سورت کو ہر روز پڑھے اس کے پچاس برس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں بشرطیکہ اس پر قرض نہ ہو اور جو کوئی سوتے وقت داہنی کروٹ لیٹ کر اس سورت کو سو مرتبہ پڑھے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ داہنی جانب سے جنت میں داخل ہو جا۔

خواص و فضائل- حدیث میں وارد ہے کہ یہ دونوں سورتیں یعنی سورۃ فلق اور سورۃ الناس سب سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب تر ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے دوسری دعاؤں سے استعاذہ فرمایا کرتے تھے۔ جس وقت یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں تو انہیں کو استعمال میں لانے لگے۔ دوسری دعاؤں کو چھوڑ دیا اور فرمایا کہ کوئی سوال اور پناہ مانگنا ان دونوں کی برابر نہیں و نیز فرمایا کہ اگر آدمی کو ناغہ نہ کرنا منظور ہو تو قل اعوذ برب الفلق کی مداومت کرے اور ایک روایت میں ہے کہ جو کوئی ان دونوں سورتوں کو پڑھتا رہے تو سب چیزیں کہتی ہیں کہ الٰہی تو اس کو ہمارے شر سے بچائے رکھ۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر بعد سلام نماز جمعہ کے نماز کی سورت پڑھ کر الحمد اور اخلاص اور یہ دونوں سورتیں سات سات بار پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور جتنے نمازی جمعہ میں ہوتے ہیں ان کو برابر ثواب عنایت فرماتا ہے اور اگلے جمعہ تک ہر برائی سے محفوظ رکھتا ہے اور ایک روایت میں ان چاروں سورتوں کے بعد یہ دعا پڑھنی بھی آئی ہے (اللهم يا غني يا حميد يا مبدئي يا معيد يا رحيم يا ودود اكفني بحلالك عن حرامك و بطاعتك عن معصيتك، واغنني بفضلك عمن سواك) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچھونے کاٹا تو آپ نے پانی و نمک منگا کر اس جگہ پہ ملنا شروع کیا اور سورہ کافروں اور یہ دونوں سورتیں پڑھیں ۱۲۔ (تفسیر میرٹھی مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

تمت